وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

عُمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف

تفسیر المدنی (الکبیر)

جلد اول

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظه الله ورعاه وتقبل مساعيه وجعل أخراه خيرا من أولاه)

دار العلوم الاسلامیہ کشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی

آزاد کشمیر پاکستان

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کر دیا ہے اس قرآن کو نصیحت کیلئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن

المعروف **تفسیر المدنی** (الکبیر) جلد اول

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا **ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی**

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل أخراہ خیرًا من أولاہ)

دار العلوم الاسلامیہ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی

آزاد کشمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور بلاشبہ ہم نے آسان کردیا ہے اس قرآن کو نصیحت کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

"عمدة البیان فی تفسیر القرآن"

المعروف

{ تفسیر المدنی (الکبیر)

ترجمہ وتفسیر

از قلمِ حقیقت رقم { شیخ التفسیر حضرت مولانا ابو طاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظہ اللہ ورعاہ وتقبل مساعیہ وجعل أخراہ خیرا من أولاہ)

ناشر

دار العلوم الاسلامیۃ بکشمیر الحرۃ

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

(Palandri Dist Sudhnoty (A.J.K) Pakistan.)

المعروف تفسیر المدنی الکبیر

DATA ENTERED

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں!

نام کتاب : عمدۃ البیان فی تفسیر القرآن (جلد اول)

از قلم حقیقت رقم ترجمہ و تفسیر : شیخ التفسیر ابو طاہر مولانا محمد اسحاق خان صاحب المدنی دامت برکاتہم العالیہ

باہتمام : پروفیسر صاحبزادہ مولانا محمد طاہر خان صاحب آل مدنی حفظہم اللہ

تصحیح و تصویب : مولانا ابو اسامہ حکیم ضیاء الرحمٰن ناصر سردار پوری

صفحات : 904

تعداد اشاعت : گیارہ سو (۱۱۰۰)

سن اشاعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

ناشر : المدنی پبلی کیشنز اسلام آباد

سٹاکس : بخاری اکیڈمی فیصل آباد 0301-0313-0336-0322-8651560

297.16
156
1411581
جلد1

براہ راست صاحب تفسیر سے رابطہ کیلئے
مدنی منزل معمورہ ءالمدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر
مدنی منزل اسلام آباد، پاکستان ۵۲۵۶۷۳۴_۰۳۳۳_۵۵۱۲۲۵۰_۰۳۳۳
مدنی منزل سطوہ دبئی متحدہ عرب امارات ۳۴۹۰۵۸۸۲_۰۹۷۱۴_۵۰۴۵۸۲۳۲_۰۰۹۷۱

استدعاء

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، تصحیح طباعت اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْد، وَ عَلٰى مَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدِ، (ادارہ)

اہداء و انتساب

اُس وحدہٗ لاشریک سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور اور اُسی کے نام

۞ —— جس کا میں بندہ ہوں اور جس کے فضل و کرم اور رحمت و عنایت میں میرے جسم و جاں کا رواں رواں ڈوبا ہوا ہے اور جس کا شکر ادا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اور جس سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے اس کی کتابِ حکیم کے ترجمہ و تفسیر کی یہ خدمت، اور عظیم الشان سعادت نصیب ہوئی ہے۔ فَالْحَمْدُ لَهٗ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم سحر یہ تیری مہربانی ہے

۞ —— پس اسی کے حضور دست بدعا اور سراپا عرض والتجا ہوں کہ وہ محض اپنی شانِ کریمی سے اس بندۂ ناچیز کی اس طالب علمانہ کوشش کو شرف قبولیت سے نواز کر اسے نفع عام اور راقم آثم کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بنا دے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَيْهِ بِعَزِيْزٍ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَلَا حَدَّ لِجُوْدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَهُوَ بِالْاِحْسَانِ جَدِيْرٌ۔ نیز یہ کہ اس کارِ عظیم کے دوران جو بھی کوئی تقصیر و کوتاہی راقم آثم سے سرزد ہوئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق نیت و ارادہ سے ہو، یا عمل و اداء سے، اس کو اپنی رحمت و عنایت سے معاف فرما دے کہ وہ غفور بھی ہے، اور رحیم بھی، تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

۞ —— اور اس کو اپنی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں قبول فرما کر اسے راقم اثم کیلئے، راقم کے والدین مرحومین اور دوسرے اعزہ و اقارب، کے لئے، راقم کی بیوی اور بچوں کے لئے، بہنوں اور بھائیوں اور دوسرے تمام رشتہ داروں کیلئے خیر و برکت اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ اور ابدالآباد تک باقی رہنے والا صدقۂ جاریہ بنا دے، آمین ثم آمین۔

۞ —— نیز اس کو راقم کے اساتذہ و مشائخ، اہلِ مسلک اور جملہ اہلِ حق، اور اہلِ ایمان کیلئے رحمتوں برکتوں اور دارین کی فوز و فلاح اور سعادت و کامرانی کا ذریعہ بنائے اور اس سے حق اور اہل حق کا بول بالا ہو۔ اور ان کے مقابلے میں اہل کفر و باطل میں سے جن کے نصیب میں ہدایت ہو ان کو ہدایت و رحمت کے نور سے نوازنے کا ذریعہ بنا دے، اور جن کے نصیب میں یہ نور ملنا مقدر نہ ہو ان کو خائب و خاسر اور ناکام و نامراد کر دے۔ امین ثم امین یَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ، وَاِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى سَمِيْعٌ" قَرِيْبٌ، وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ، وَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَهُوَ عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِهٖ بِهٖ جَلَّ وَعَلَا، وَهُوَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْهُمْ لِاَنْفُسِهِمْ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

وانا عبده العاصی ولرحمته الرّاجی محمد اسحاق خان (عفا الله عنه و عافاه و جعل عقباه خيرا من اولىٰه) أحدُ طلبة العلم. المقيم بدبی (السطوة) الامارات العربية المتحدة ۱۲ صفر ۱۴۱۷ھ الموافق ۲۷ یونیو ۱۹۹۶ء یوم الخمیس،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین

والصلوٰة والسلام علی اشرف الانبیاء وسید المرسلین ، نبینا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین ، ومن اھتدی بھدیہ ودعا بدعوتہ الی یوم الدین. وبعد

❁...... یہ بندۂ ناچیز محمد اسحاق خان ولد سردار خانولی خان، ولد سردار نواب خاں علیہم شآبیب الرحمة والغفران۔ جو کہ آزاد کشمیر، پاکستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ مگر مردم خیزی میں امتیازی مقام اور خاص شہرت رکھنے والے خطہ "منگ" کا رہنے والا ہے۔ برادران اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ قرآن حکیم کے ترجمہ وتفسیر کے جس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کا آغاز ایک عرصہ قبل کیا تھا وہ ربع صدی سے بھی زیادہ عرصے کی طویل محنت اور جہد مسلسل کے بعد اب جا کر پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے والحمد للہ رب العالمین۔ اَلَّذِیْ لَاتِتمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِیْقٍ مِّنْهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی

❁...... اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کے سلسلہ میں جن امور کا التزام کیا گیا۔ اور جن خطوط پر اس سلسلہ میں محنت کی گئی ان سب کا ذکر تفصیل کے ساتھ مقدمۂ تفسیر میں کر دیا گیا جو کہ الگ ایک مستقل کتاب کی شکل میں عرصہ قبل چھپ چکا ہے۔ والحمد للہ اس لئے اس کے اعادہ وتکرار کی نہ ضرورت ہے اور نہ گنجائش اس وقت تو صرف اس عمل جلیل کی قبولیت عند اللہ کی دعا کی اپیل ودرخواست ہے اور بس اس دوران جو بھی کوئی کوتاہی راقم اثم سے سرزد ہوگئی ہو۔ خواہ اس کا تعلق ارادہ ونیت سے ہو۔ یا عمل واداء سے اللہ تعالیٰ اس سب کی بخشش فرما کر اس قرآنی خدمت کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمالے۔ اور اس کو پوری دنیا میں نور حق وہدایت کی اشاعت کا ذریعہ بنادے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا ارحم الراحمین واکرم الاکرمین۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر اس کو راقم اثم اور راقم کے جملہ متعلقین کے لئے ہمیشہ ہمیش کیلئے باقی رہنے والا ایسا صدقۂ جاریہ بنادے۔ جس سے دنیا ساری میں نور توحید کا اجالا ہو جائے اور شرک وبدعت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اور حق اور اہل حق کا بول بالا ہو آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین وانہ سبحانہ وتعالیٰ ولی ذالک والقادر علیہ جل وعلاشانہ

وانا عبدہ الضعیف المفتقر الی رحمتہ جلَّ وعلا فی کلِّ حین وآن وبکل حالٍ من الاحوال **محمد اسحاق خان** (عفا اللہ عنہ وعافاہ)

یکے از خدام علم واہل علم مقیم دبی ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ ۶ نومبر ۲۰۰۳ء

بروز جمعرات سات بجے شام سطوہ دبی (قبیل اذان العشاء) والحمد للہ جلَّ وعلا

بسم الله الرحمن الرحيم

"عمدةٌ في البيان والتفسير"

من كلمات فضيلة الشيخ محمد عبدالله احمد ناصر الموزعي من اليمن

اشرق النُور في دروب المسيْر ... فتجلى للباحث المستنير
و تحلي اليراع فيه سرورا ... بالمعاني و أجمل التصوير
و عقود الجمان في الدهر أضحت ... تتسامي بدقة التعبير
إن هذا التفسير عذب جَمِيل ... طيب النشر في رياض السطور
تتغذى منه العُقول بديعًا ... بالتسالي و روعة التحرير
للكتاب العزيز خير بيان ... لَيس فيه شوائب من قصور
أوضح الحكم في الوقائع فقها ... بَينًا بالدلِيل و المأثور
وروى سِيرة الأوائل فيه ... قصصًا بالصحِيح و المشهُور
و نعِيم الجنان فيه حديث ... ذو شجُون يزهو بريا العبير
والوعِيد الشديد للنّاس إن هُم ... خالفوا منهج العلي القدير
والصفّات الحسان لله والأسماء ... سُبحانه عديم النظِير
وحديث الإيمان بالله نُور ... في الحشايا يُوحي بشرح الصُّدور
في مجال الإرشاد قد صاغ درا ... يتلألأ بالنصح و التذكِير
سُرّيا دهرًا في الوُجود بهاء ... أبديًا بعالم نحرير
سهرت عينه الليالي فنالت ... كل فضل بجهده المشكور
فبدى للأنام فِيه كتاب ... قد توشي باحرف مِن نور
حقه أن يقال فِيه لعمري ... "عُمدة في البيان وَالتفسِير"

ذاك الحديث العذب الرقراقُ ... وَالعِلم وَالايمان و الأخلاقُ
يتناثر الإيمان من أوصافه ... و الحبّ و الأنوار و الإشراقُ
لا تعجبُوا من حسن منطقه فذا ... أُنس المجالِس شيخنا إسحاقُ

دار العلوم الاسلامیة بكشمير الحرة

پلندری، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان

اپنی اس تفسیر سے متعلق برادرانِ اسلام کی خدمت میں

تین اہم گزارشیں

ا اس بندۂ ناچیز نے اپنی اس تفسیر کی تحریر وتسوید کے دوران ہر مرحلے پر یہ دعاء بھی کی اور کوشش بھی کہ یہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے ہو، اور اس میں ریاء وسمعہ کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔ لیکن نفس وشیطان کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ۔ اس لئے برادرانِ اسلام سے اس بارہ اس مخلصانہ دعاء کی اپیل و درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو خالص اپنی رضا کیلئے قبول فرمالے۔ اور اس ضمن میں جو بھی تقصیر وکوتاہی اس بندۂ ناچیز سے سرزد ہوئی ہو اس کو معاف فرمادے، خواہ اس کا تعلق نیت وارادہ سے ہو، یا عمل واداء سے۔ فَاِلَیْهِ نَتَضَرَّعُ اَنْ یَّجْعَلَهٗ خَالِصًا لِوجهه الكريم. وَان یَّجْعَلَهٗ اَخْلَصَ مَایکونُ وَاَحَبَّ مَایَكُوْنُ، وَانْفَعَ مَایکون. وَاَوْسَعَ مَایَكُوْنَ، وَاَبْقٰی مَایَكُوْنَ، اِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ وتعالیٰ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُجِیْبٌ، وَعلیٰ مَایَشَاءُ قدیر،

ب جبکہ دوسری گزارش اس بارہ میں حضرات اہل علم سے یہ ہے کہ اس عظیم الشان اور جلیل القدر کام سے متعلق جو بھی کوئی تقصیر و کوتاہی ان کی نظر سے گزرے، یا اسکی اصلاح اور بہتری سے متعلق جو کوئی بھی رائے اور تجویز ان کے سامنے آئے، اس سے آگہی بخشیں تاکہ اس سے استفادہ کیا جاسکے۔ اور آئندہ ایڈیشن میں اسکی روشنی میں اصلاح کی جاسکے۔ کیونکہ بندہ بہرحال بندہ اور محتاج دعاء واصلاح ہے، وَالْكَمَالُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ لاشریک لهٗ۔ وَهُوَ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ، لِمَایُحِبُّ ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید، سبحانه و تعالیٰ، وَجَلَّ وَ عَلَا،

ج اور تیسری گزارش اس ضمن میں ہر اس شخص سے جو کہ دل دردمند رکھتا ہو، یہ ہے کہ وہ اسکی کوشش کرے۔ اور اس کوشش میں حتی المقدور حصہ لے، کہ یہ تفسیر ہر شخص کے پاس اور ہر ہر گھر میں پہنچے، تاکہ قرآن وسنت کا نورِ مبین ہر ہر گھر میں پھیلے۔ اور ہر ہر گھر اور ہر ہر دل نورِ قرآن وسنت سے منور ومعمور ہو۔ کہ یہ دین حق کا ہم پر حق بھی ہے۔ اور امتِ مسلمہ اسکی سب سے زیادہ محتاج بھی ہے۔ اللہ توفیق بخشے، آمین ثم آمین

وبالله التوفيق لمايحب ويريد، وعلى مايحب ويريد، بِكُلِّ حالٍ من الاحوال، وفى كل موطنٍ من المواطن فى الحياة، وهو الهادى الى سواء الصراط　　١٠ ربیع الثانی ١٤٢٨ھ ٢٢ مئی ٢٠٠٥ء

وانا عبدهٗ العاصی ولرحمتہ الراجی محمد اسحٰق خان (عفا اللہ عنہ وعافاہ)
مدنی منزل معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدہنوتی، آزاد کشمیر۔ پاکستان
والحمد للہ رب العالمین قبل کل شئی وبعد کل شئی

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
سُورَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِیَّۃٌ	۳۹
سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ اور اسکی عظمتِ شان	۳۹
حمد وثنا کا اصل حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے	۴۰
خداوندِ قدوس کی وسعتِ رحمت کا بیان	۴۰
قیامت کے دن اللہ کی بادشاہی کا کمالِ ظہور	۴۱
ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق ہے	۴۲
اللہ ہی سے مدد مانگنے کا مطلب اور بعض محرفین کے ایک مغالطہ کا جواب	۴۲
سیدھی راہ سے مراد؟ اور اس کی عظمتِ شان	۴۴
انعام یافتہ حضرات سے مقصود ومراد؟	۴۵
"مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ" مقصود وسے مراد؟	۴۵
"ضَآلِّیْنَ" سے مقصود ومراد	۴۵
۲ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ	۴۷
سورۂ بقرہ کی جامعیت اور عظمتِ شان کا ذکر وبیان،	۴۷
حروفِ مقطعات اور ان کا معنیٰ ومفہوم؟	۴۷
شک وشبہ سے بالا کتاب	۴۸
یہ کتاب سراسر ہدایت ہے	۴۹
تقویٰ وپرہیزگاری باعثِ سعادت وسرفرازی	۴۹
ایمان بالغیب ہی مدارِ صلاح وفلاح ہے	۵۰
اقامت صلوٰۃ اور اس کی اہمیت،	۵۰
"مَارَزَقْنَا" کا مفہوم اور اس کا عموم وشمول؟	۵۱
انفاق "فی سبیل اللہ" کے لیے بنیادی شرائط اور اہل بدعت کے ایک مغالطے کا جواب	۵۱
"مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ" سے مراد اور اس کی عظمتِ شان؟	۵۲

عنوانات	صفحہ
"مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ" سے مراد اور اس پر ایمان رکھنے کا مطلب؟	۵۲
"اَلْاٰخِرَۃُ" سے مراد؟ اور ایک قادیانی دجل وتلبیس کا جواب	۵۳
سیدھی راہ سے مراد؟ اور اس کی عظمتِ شان،	۵۳
فلاح کا مفہوم؟ اور اس کی عظمتِ شان کا بیان	۵۴
"کَفَرُوْا" کا اصل مفہوم اور کافروں کی وجہ محرومی؟	۵۵
عناد وہٹ دھرمی کا نتیجہ وانجام محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۵۶
"ختم قلوب" کا مفہوم اور اس کا سبب اور باعث؟	۵۶
"غِشَاوَۃٌ" سے مقصود ومراد؟	۵۷
اشرار ومنکرین کے انجام کا ذکر وبیان،	۵۷
منافقین کا ذکر اور ایک بدعی مغالطے کا جواب،	۵۸
ایمان کے دعوے کے باوجود بے ایمان، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۶۰
منافق لوگ اور ان کی دھوکے بازی	۶۰
منافقت کا وبال خود منافقوں پر،	۶۱
منافقوں کے دلوں کے ہولناک روگ کا بیان،	۶۲
منافقوں کے مرض میں اضافہ اور بڑھوتری،	۶۲
منافقوں کے لیے "عَذَابٌ اَلِیْمٌ" کا بیان	۶۲
جھوٹ کی ہلاکت خیزی اور قباحت کا ایک مظہر	۶۳
کفر ونفاق، فساد فی الارض کی جڑ وبنیاد، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۶۳
منافقوں کے دھوکے کا ایک مظہر ونمونہ	۶۴
حضرات صحابہ کرامؓ کا ایمان معیار ومدار کی حیثیت رکھتا ہے	۶۴
حضرات صحابہ کرامؓ سے بغض وعناد علامت کفر ونفاق وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۶۵
اہل حق کو بے وقوف کہنے والے خود بیوقوف	۶۵
کفر ونفاق کا نتیجہ ومت ماری، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۶
منافقوں کی دورُخی پالیسی کا ذکر وبیان	۶۶
حق سے روکنے والے شیطان اور اس کے ایجنٹ،	۶۶

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
منافق لوگ کفار کے ساتھی،	۶۷
بُرائی کا بدلہ بُرا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ،	۶۷
اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا ایک مظہر	۶۸
نورِ حق و ہدایت سے محرومی کا نتیجہ اندھیروں میں بھٹکنا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۸
سخت خسارے کے سودے کی نشاندہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۶۸
نورِ ہدایت سے محروم ہر خیر سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ،	۶۹
انسان کے بناو بگاڑ کا اصل مدار اسکے اپنے قلب وباطن پر،	۶۹
منافقوں کے نفاق کی مثال،	۷۰
کورباطنی اور سُوءِ اختیار کا انجام بُرا،	۷۰
بدنیتی کا نتیجہ وانجام محرومی، والعیاذ باللہ	۷۰
باطن کے ہولناک اندھیروں اور ان کے ہولناک انجام کا ذکر وبیان،	۷۱
نورِ ایمان سے محرومی سب سے بڑی محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۷۲
سُوءِ اختیار اور بدنیتی باعث محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم	۷۲
قرآن حکیم رحمت خداوندی کی ایک زوردار بارش،	۷۲
قرآنی وعیدیں منافقوں کے لیے رعد وبرق،	۷۳
اللہ تعالیٰ کے احاطے سے مقصود ومراد؟	۷۳
منافقوں کا ایمان وقتی مفادات کے تابع،	۷۴
اللہ کی قدرت سب پر محیط سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۷۵
معبود برحق صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی	۷۵
ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق ہے،	۷۵
خالق سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے،	۷۷
ثمرۂ عبادت کا ذکر وبیان	۷۷
بچھونۂ ارضی میں سامان غور وفکر،	۷۷
سقفِ سماوی میں دلائل قدرت وحکمت	۷۸
بارش کا اتارنا قدرت کا ایک عظیم الشان انعام واحسان،	۷۸
مظاہر حیات میں غور وفکر کی دعوت،	۷۹
"ثمرات" کے مفہوم کا عموم وشمول	۸۰
شرک کی ممانعت اور توحید کی دعوت،	۸۱
ہمارے حضور ﷺ کی شان عبدیت کا ذکر وبیان،	۸۱
قرآن حکیم کا ایک عظیم الشان اور بے مثال چیلنج،	۸۲
قرآنی چیلنج کی تاکید مزید	۸۲
منکرین کی تخصیص برائے اظہار تعجیز	۸۲
ایک فیصلہ کن اور بے مثال چیلنج	۸۳
دوزخ کا ایندھن بننے والے لوگ کونسے اور کیوں؟	۸۳
دوزخ کے ایندھن کی ہولناکی کا بیان،	۸۴
دوزخ اصل میں کافروں ہی کے لیے	۸۵
ضرورت عمل کا ذکر وبیان	۸۶
اہل ایمان کے لیے عظیم الشان جنتوں کا مژدۂ جانفزا	۸۶
جنت کی نہریں اور ان کی عظمت شان	۸۷
"مُتَشَابِهًا" کا معنیٰ ومطلب؟	۸۷
اہل جنت کی بیویاں اور ان کی عظمت شان،	۸۸
اہل جنت کی ایک منفرد نعمت خلود ودوام	۸۸
کفر وباطل کی تحقیر وتذلیل کے لیے مثال کا بیان،	۸۹
تمثیل اور اس سے اصل مقصود؟	۹۰
نور ایمان کی عظمت شان اور اس کی برکات کا اثر ونتیجہ،	۹۰
ظلمت کفر سب خرابیوں اور فساد کی جڑ اور بنیاد	۹۰
اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مطلب؟	۹۱
حسن اختیار اور صدق نیت باعث سرفرازی،	۹۲
فسق وفجور باعث محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۹۲
اللہ کے عہد سے مراد اور اس کا عموم؟	۹۲
رشتوں اور تعلقات کے جوڑنے کا حکم وارشاد،	۹۳
دین حق سے رُوگردانی فساد فی الارض، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۹۴

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ
نورِ حق سے محرومی سراسر خسارہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۹۴
انسان کا وجود عنایت خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر	۹۵
زندگی بخشنا اللہ ہی کا کام اور اسی کا اختیار ہے،	۹۵
سلسلۂ موت وحیات اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۹۶
''احیاء واماتت'' کا عمل مسلسل اور برابر جاری،	۹۷
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف، سبحانہ و تعالیٰ	۹۷
سب نعمتیں انسان کے لیے،	۹۸
کائنات قدرت خداوندی کا عظیم الشان مظہر،	۹۸
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۹۸
تخلیق آدم کے قصے کی تذکیر ویاددہانی،	۹۹
خلیفہ کا معنی ومفہوم اور اس کا تقاضا؟	۹۹
اولاد آدم کی خونریزی کے خدشے کا اظہار،	۹۹
فرشتوں کی تسبیح وتقدیس کا ذکر	۱۰۰
حق تعالیٰ کی طرف سے حاکمانہ جواب کا ذکر،	۱۰۱
تعلیم آدم بذریعہ تعلیم اسماء	۱۰۱
آدم کا ذکر ''معلم ملائکہ'' کے اسلوب میں،	۱۰۲
سب غیب جاننا اللہ ہی کی صفت ہے، سبحانہ وتعالیٰ	۱۰۲
اللہ تعالیٰ ظاہر وباطن سب کو ایک برابر جانتا ہے،	۱۰۳
فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم وارشاد	۱۰۳
استکبار باعث محرومی وہلاکت وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۰۴
ابلیس کے چھپے کفر کا اظہار	۱۰۵
آدم وحوا کے لیے جنت کی نعمتوں کی اباحت واجازت کا ذکر وبیان،	۱۰۵
شجرۂ ممنوعہ سے قرب کی ممانعت کا ذکر وبیان،	۱۰۵
ازلالِ شیطانی کا ذکر وبیان،	۱۰۶
"اِھْبِطُوْا" کے صیغۂ جمع سے مقصود ومراد؟	۱۰۶
منہیات کا ارتکاب باعث خسارہ ونقصان،	۱۰۷

عنوانات	صفحہ
زمین میں قیام وقرار ایک مقررہ وقت تک کے لیے	۱۰۷
آدم کے کلمات توبہ سے مقصود ومراد؟	۱۰۷
آدم کی توبہ کی قبولیت کا ذکر وبیان،	۱۰۸
اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے	۱۰۸
اللہ بڑا ہی مہربان ہے،	۱۰۹
بندوں کے لیے ہدایت کا وعدہ واعلان	۱۱۰
''ہدیٰ'' و''ہویٰ'' کے دو راستوں کا ذکر وبیان	۱۱۰
اتباعِ ہویٰ کا نتیجہ ہلاکت وتباہی، والعیاذ باللہ	۱۱۲
اسرائیل کا معنی اور اس لفظ سے خطاب کرنے کی وجہ؟	۱۱۲
تذکیر نعمت برائے شکر نعمت کا درس	۱۱۲
اللہ ہی سے ڈرنے کا درس،	۱۱۳
قرآن حکیم کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں کے لیے تین طرح سے،	۱۱۳
بُرا نمونہ بننے سے اجتناب کی تعلیم وتلقین	۱۱۴
دولت حق وہدایت کی عظمت شان کا ذکر وبیان	۱۱۴
ڈرنا اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیے	۱۱۵
کتمان حق سے ممانعت	۱۱۵
زکوٰۃ بطیب خاطر ادا کرنے کی ہدایت،	۱۱۵
رب کے حضور جھکنے کا حکم وارشاد،	۱۱۶
اپنی اصلاح کی فکر سب سے پہلے کرنے کی ضرورت،	۱۱۶
بے عمل علماء ووعاظ کو تنبیہ وتذکیر،	۱۱۷
عقل سے صحیح طور پر کام لینے کی تعلیم وتلقین،	۱۱۷
مدد ہمیشہ اللہ ہی سے مانگنے کی تعلیم وتلقین	۱۱۸
صبر وصلوٰۃ کی اہمیت اور عظمت شان کا ذکر وبیان،	۱۱۸
خشوع وخضوع کی عظمت شان	۱۱۹
عقیدۂ آخرت ایک انقلاب آفریں عقیدہ،	۱۲۰
تذکیر نعمت برائے شکر نعمت کا اعادہ وتکرار،	۱۲۱

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
بنی اسرائیل کے سب جہانوں پر فضیلت رکھنے کا مطلب؟	۱۲۱
قیامت کے یوم عظیم کی ہولناکی کا ایک اہم پہلو	۱۲۲
فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم کا ذکر و بیان،	۱۲۳
"بلاء" کا معنی ومفہوم؟ اوراس کی دوصورتیں	۱۲۳
بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑنے کے انعام کا ذکر،	۱۲۳
فرعون کی غرقابی بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے،	۱۲۴
بچھڑے کی پوجا ایک ظلم عظیم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۲۵
بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کے سنگین جرم کا ذکر	۱۲۵
نعمائے خداوندی کا تقاضا شکر خداوندی	۱۲۵
بنی اسرائیل کے لیے عطائے تورات کی نعمت کا ذکر و بیان	۱۲۶
"الفرقان" کا معنی ومفہوم اوراس سے مقصود ومراد؟	۱۲۶
راہ حق سے سرفرازی ایک عظیم الشان نعمت	۱۲۶
شرک خود اپنے اوپر ظلم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم	۱۲۷
گوسالہ پرستی کی سزا قتل باہمی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۲۷
اسلامی سزائیں باعث رحمت،	۱۲۷
بنی اسرائیل پر توبہ کی قبولیت کا انعام،	۱۲۸
اللہ پاک کی شان "توابیت" کا ذکر و بیان،	۱۲۸
اللہ کی صفت رحمت کا حوالہ وذکر،	۱۲۹
بنی اسرائیل کے ایک بے ہودہ مطالبے اوراس کے نتیجے کا ذکر	۱۲۹
بنی اسرائیل کی ایک سنگین گستاخی اوراس کی ہولناکی کا ذکر	۱۳۰
"مِنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ" سے مقصود ومراد؟	۱۳۰
شکر نعمت کی تعلیم وتذکیر، وباللہ التوفیق،	۱۳۰
بنی اسرائیل کے لیے عظیم الشان سائے کا انتظام،	۱۳۱
بنی اسرائیل کے لیے عظیم الشان کھانے کا انتظام واہتمام،	۱۳۱
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادے کا حکم وارشاد،	۱۳۲
اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے،	۱۳۲

عنوانات	صفحہ
"قریة" کا مفہوم اور "ھذہ القریة" سے مراد؟	۱۳۲
ادب شکر وتواضع کی تعلیم وتلقین،	۱۳۳
"حطة" کا مفہوم اوریہاں اس سے مقصود ومراد؟	۱۳۴
حکم خداوندی کی تعمیل پر خطاؤں کی بخشش کا وعدہ،	۱۳۵
نیکوکاروں کے لیے مزید سرفرازی کا وعدہ،	۱۳۵
بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی اور باغیانہ جسارت کا ذکر و بیان	۱۳۵
اللہ کے کلام کو بدلنا عذاب کا باعث وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۳۶
برے اعمال کی کچھ سزا دنیا میں بھی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۳۶
بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا ودرخواست،	۱۳۷
میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے لیے پانی کا معجزانہ انتظام	۱۳۷
میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے لیے تقسیم آب کا خاص انتظام	۱۳۸
اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کی ممانعت،	۱۳۸
بنی اسرائیل کی ناشکری اور جسارت کی ایک اور مثال،	۱۳۹
ہر کوئی ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے	۱۴۰
بنی اسرائیل کی ناشکری اوران کی محرومی کا ایک نمونہ اور مظہر،	۱۴۱
ناشکری اور نافرمانی کا نتیجہ بہت برا، والعیاذ باللہ،	۱۴۱
بنی اسرائیل پر ذلت وخواری کا ٹھپہ،	۱۴۱
بنی اسرائیل کے لیے ایک ہولناک غضب،	۱۴۲
"بِغَیْرِ الْحَقِّ" کی قید کا فائدہ	۱۴۳
معاصی وذنوب باعث کفر وطغیان وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۴۳
"اَلَّذِیْنَ ھَادُوْا" کے اسلوب کی بلاغت کا بیان،	۱۴۴
"صابئین" سے مقصود ومراد؟	۱۴۴
ایمان ویقین والوں کا اجر وصلہ محفوظ،	۱۴۵
سچے ایمان والوں کے لیے نہ کوئی خوف اور نہ غم،	۱۴۵
اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اوراس کا مطلب؟	۱۴۶
کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑنا تقویٰ وپرہیزگاری کا ذریعہ	۱۴۶
عہد سے پھرنا یہود کی موروثی خصلت، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۴۷

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی شان رحمت وعنایت کا ایک مظہر،	۱۴۷
اللہ کے عہد سے پھرنا ہولناک خسارے کا باعث، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم،	۱۴۸
یہود کے قانون سبت سے تجاوز کا ذکر و بیان،	۱۴۸
یہود کے لیے بندر اور خنزیر بن جانے کی ہولناک سزا،	۱۴۹
یہود کا انجام دوسروں کے لیے نمونہ عبرت،	۱۵۰
تقویٰ وسیلۂ سعادت وسرفرازی،	۱۵۰
بنی اسرائیل کے ایک اور عبرت انگیز قصہ کا ذکر و بیان	۱۵۱
ایمان و یقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۵۲
بامقصد سوال کے جواب میں مذاق اڑانا جاہلوں کا کام	۱۵۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کہ وہ گائے کیسی ہو،	۱۵۳
مطلوبہ گائے درمیانہ قسم کی ہو	۱۵۳
مزید قیل وقال سے ممانعت	۱۵۳
اِنْ شَاءَ اللّٰہ کہنے کی برکت	۱۵۴
مطلوبہ گائے کی مزید صفات	۱۵۵
مشرکوں کے شرک کی تردید خود ان کے ہاتھوں،	۱۵۵
جرم پر راضی ہونا جرم کرنے کے مترادف وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۵۶
اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی،	۱۵۷
مردے کے زندہ ہو جانے کا ذکر و بیان،	۱۵۷
احیاء واماتت کے عمل کے تسلسل کا ذکر و بیان،	۱۵۸
عقل وفکر سے کام لینے کی دعوت وتحریک،	۱۵۸
بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا ذکر و بیان،	۱۵۹
پتھروں سے بھی سخت دل وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۵۹
پتھروں کی فیض رسانی کی دوسری صورت کا ذکر و بیان،	۱۵۹
پتھروں کا خوف وخشیت خداوندی سے گر پڑنا،	۱۶۰
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی	۱۶۰
یہود سے قبول حق کی توقع رکھنا عبث،	۱۶۱
یہود اور تحریف کلام خداوندی،	۱۶۱
جانتے بوجھتے تحریف کلام کا ارتکاب وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۶۲
یہودیوں کی مت ماری کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۶۲
اللہ تعالیٰ سے کسی بھی چیز کو چھپانا ممکن نہیں، سبحانہ و تعالیٰ	۱۶۳
یہود اپنی خودساختہ اور من مانی امیدوں کے جال میں	۱۶۴
ظن وتخمین کی پیروی باعث محرومی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۶۴
تحریف کرنے والوں کے لیے بڑی سخت خرابی	۱۶۵
جرم بالائے جرم کا ارتکاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۶۵
حق کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ،	۱۶۶
بری کمائی کی ایک بڑی قسم کی نشاندہی	۱۶۷
بنی اسرائیل کی خودساختہ آرزوؤں کا ذکر و بیان،	۱۶۷
یہود کے ایک زعم فاسد کی تغلیط وتردید،	۱۶۸
خطا کاریوں کا احاطہ اور اس کا نتیجہ؟،	۱۶۸
مدار نجات ایمان اور عمل صالح،	۱۶۹
دقّتِ تعبیر کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۶۹
بنی اسرائیل سے عبادت وبندگی کے عہد کا ذکر و بیان،	۱۷۰
والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم وتلقین،	۱۷۰
لوگوں سے حسن سلوک کی تعلیم وتلقین،	۱۷۱
عہد شکنی یہود کی موروثی خصلت،	۱۷۱
دوسروں پر زیادتی خود اپنے اوپر زیادتی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۷۲
یہود کی عہد شکنی ان کے اقرار کے باوجود	۱۷۳
یہود کے دوہرے جرم کے ارتکاب کی ایک مثال،	۱۷۳
دین کے نام پر خواہشات کی پیروی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۷۴
کچھ دین کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا کفر ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۷۴
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی،	۱۷۵
دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا بیماریوں کی بیماری، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۷۵
بے ایمانوں کا انجام بڑا ہولناک وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۷۶

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید روح القدس سے،	۱۷۶
استکبار شر وفساد کی جڑ بنیاد، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۷۷
یہود کے عُجب واستکبار کا ایک نمونہ	۱۷۷
یہود پر اللہ کی لعنت وپھٹکار،	۱۷۸
ایمان قلیل سے مراد اور اس کا حکم؟	۱۷۹
"یَسْتَفْتِحُوْنَ" کا مطلب اور اس سے مراد؟	۱۷۹
انسان کفور کی ناشکری کا ایک نمونہ ومظہر،	۱۸۱
کفر وانکار موجب لعنت وپھٹکار، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۸۲
لفظ اشترا کا معنی ومفہوم؟	۱۸۲
کافروں کے لیے رُسوا کن عذاب،	۱۸۲
دعوت حق اور یہود کے انکار کا ذکر وبیان،	۱۸۳
یہود اپنی کتاب پر ایمان کے دعویٰ میں بھی جھوٹے،	۱۸۳
یہود کا ذکر بحیثیت ایک ظالم قوم،	۱۸۴
سمع واطاعت ایک اہم اور بنیادی مطلب،	۱۸۴
ظاہر کچھ اور باطن کچھ، ایک اور یہودی خصلت کا ذکر	۱۸۵
شرک کی نحوست کا ایک نمونہ ومظہر، والعیاذ باللہ،	۱۸۵
برے ماحول کا بُرا اثر، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا،	۱۸۶
دین وایمان کے دعوے کا تقاضا؟	۱۸۶
یہود کی ایک اور تجہیل وتذلیل کا ذکر وبیان،	۱۸۶
قرآن حکیم کا ایک معجزہ،	۱۸۷
یہود کے حرص دنیا کا ذکر وبیان،	۱۸۷
یہود کے دنیاوی زندگی کے حرص کا عالم	۱۸۸
ایمان کے بغیر لمبی عمر کا نتیجہ عذاب میں اضافہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۸۸
سب کے اعمال اللہ کے سامنے،	۱۸۹
یہود بے بہبود کی دشمنی جبرئیل امین سے،	۱۸۹

عنوانات	صفحہ
جبریل امین سے دشمنی رکھنا پرلے درجے کی حماقت وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۹۰
پیغمبر کے علوم ومعارف کی عظمت شان کے ایک پہلو	۱۹۱
قرآن حکیم کی گزشتہ آسمانی کتابوں کے لیے تصدیق کا مفہوم ومطلب؟	۱۹۱
قرآن حکیم سراسر ہدایت	۱۹۲
قرآن حکیم اہل ایمان کے لیے ایک عظیم الشان خوشخبری	۱۹۲
قرآن حکیم سے سرفرازی کے لیے اولین شرط ایمان	۱۹۲
اللہ کے فرشتوں سے دشمنی باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۹۳
پیغمبر پر روشن آیتوں کے نزول کا ذکر وبیان	۱۹۳
اکثریت بے ایمانوں ہی کی ہوتی ہے،	۱۹۴
یہود کے کفران نعمت کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۱۹۴
حسد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۱۹۵
کتاب الٰہی کو پس پشت ڈالنے کی سزا محرومی، والعیاذ باللہ	۱۹۵
جادو کا شیطانی کاروبار حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام پر، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۱۹۶
ہاروت وماروت کے جادو کی کیفیت؟	۱۹۷
جادوگری کا کاروبار کفر ہے،	۱۹۸
نفع ونقصان اللہ ہی کے اختیار میں،	۱۹۸
جادوگری کا وبال خود جادوگروں پر،	۱۹۹
علم حق ہی ذریعہ اصلاح ونجات ہے،	۱۹۹
علم بلا عمل نہ ہونے کے برابر، والعیاذ باللہ،	۲۰۰
"رَاعِنَا" کہنے کی ممانعت	۲۰۰
بغور سننے کا حکم وارشاد	۲۰۱
کافروں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب،	۲۰۱

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
کفار ومشرکین کی دشمنی اہل ایمان سے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم	۲۰۲
اللہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے نوازے،	۲۰۲
اللہ بڑے ہی فضل والا ہے،	۲۰۳
"نُنْسِهَا" کا معنی ومطلب؟	۲۰۴
"اَوْ مِثْلِهَا" کا فائدہ	۲۰۵
خطاب کسی سے اور سنانا کسی اور کو	۲۰۵
بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے، سبحانہ وتعالیٰ،	۲۰۶
لایعنی سوالات سے ممانعت	۲۰۶
ایمان کے بدلے میں کفر کو اپنانا خساروں کا خسارہ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۰۷
اہل کتاب کی حق دشمنی اور محرومی وبدبختی کا ایک نمونہ،	۲۰۷
حسد باعث محرومی وہلاکت، والعیاذ باللہ	۲۰۸
عفو ودرگزر سے کام لینے کا حکم وارشاد،	۲۰۸
صبر وبرداشت کی تعلیم وتلقین،	۲۰۹
اللہ کی گرفت وپکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا،	۲۰۹
اعمالِ مُصْلِحَہ کے اہتمام کی تعلیم وتلقین،	۲۰۹
انسان کی ہر نیکی محفوظ،	۲۱۰
اللہ تعالیٰ کے کمال علم وآگہی کی تذکیر ویاددہانی،	۲۱۰
یہود ونصاریٰ کی بے بنیاد آرزؤں کا ذکر وبیان،	۲۱۱
مخالفین ومنکرین سے دلیل کا مطالبہ	۲۱۱
دخول جنت کے لیے ضابطۂ عام کا ذکر وبیان،	۲۱۲
جنتیوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم،	۲۱۲
یہود ونصاریٰ کے معاندانہ دعوؤں کا ذکر وبیان،	۲۱۳
مشرکین اور مجوس کے دعوؤں کا ذکر وبیان،	۲۱۳
اصل فیصلہ قیامت ہی کے دن ہوگا،	۲۱۴
اللہ کی مساجد سے روکنا سب سے بڑا ظلم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۱۴
ظالموں کے لیے بڑا ہی ہولناک عذاب ہے	۲۱۶

عنوانات	صفحہ
مشرق ومغرب سب اللہ ہی کے لیے،	۲۱۶
اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ہر جگہ،	۲۱۷
مشرکوں کے ایک قول باطل کی تردید	۲۱۷
پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے	۲۱۸
سب ہی اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانبردار	۲۱۸
ساری کائنات کا موجد اللہ تعالیٰ ہی ہے،	۲۱۹
اللہ تعالیٰ کی شان کُن فیکون کا ذکر وبیان،	۲۲۰
علم حق کے نور سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۲۰
اہل باطل کے غرور اور گھمنڈ کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۲۰
مشرکین کا فرمائشی معجزے کا مطالبہ،	۲۲۱
حق سے محروم لوگوں کے مطالبے ایک ہی طرح کے،	۲۲۱
اہل باطل کے دل آپس میں ایک ہی جیسے،	۲۲۲
دلائل حق وہدایت کا ذکر وبیان،	۲۲۲
داعیٔ حق کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق،	۲۲۳
ہٹ دھرموں کے لیے محرومی ہی محرومی، والعیاذ باللہ،	۲۲۳
اہل باطل کا دین صرف خواہشات کی پیروی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۲۴
دین حق سے منہ موڑنے والوں کیلئے نہ کوئی یار نہ مددگار،	۲۲۴
"الکتاب" سے مراد جنس کتاب،	۲۲۵
اللہ کی کتاب کی تلاوت حق تلاوت کے ساتھ،	۲۲۵
اہل کتاب کے لیے ایک تذکیر ویاددہانی،	۲۲۵
حق کے منکر سراسر خسارے میں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۲۶
بنی اسرائیل کے سب جہانوں پر فضیلت پانے کا مطلب؟	۲۲۶
اہل کفر وباطل کی بے بسی اور لاچاری کا ذکر وبیان	۲۲۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے عبرت پذیری کی تعلیم وتلقین،	۲۲۷
ابتلائے ابراہیم کا مطلب اور اس کا اصل مقصد؟	۲۲۸
کلماتِ ابتلاء سے مقصود ومراد؟	۲۲۸

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حضرت ابراہیم کے لیے انعام خداوندی کا ذکر و بیان،	۲۳۰	ملت ابراہیمی کو اپنانے کی تعلیم و تلقین،	۲۴۳
ظلم باعث محرومی وہلاکت، والعیاذ باللہ،	۲۳۱	حضرت ابراہیم کی مشرکوں سے براءت کا ذکر و بیان،	۲۴۳
"مَثَابَة" کا معنی و مطلب؟	۲۳۱	"اَسْبَاط" کا معنی و مفہوم؟	۲۴۴
مقام ابراہیم سے مقصود و مراد؟	۲۳۲	تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھنے کا معنی و مطلب؟	۲۴۴
بیت اللہ کی تطہیر کا حکم وارشاد	۲۳۲	جملہ انبیاء و رسل پر ایمان لانا ضروری ہے،	۲۴۵
دعاءِ ابراہیمی اور اس کی بے مثال قبولیت	۲۳۳	حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان معیار حق وصداقت،	۲۴۵
اہل مکہ کے لیے ہر قسم کے پھلوں کی نوازش کا ذکر و بیان،	۲۳۳	ضد اور ہٹ دھرمی باعث ہلاکت و محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۲۴۶
دنیا کی عارضی و فانی نعمتیں سب کے لیے،	۲۳۴	اللہ تعالیٰ کی حمایت کافی و وافی، سبحانہ و تعالیٰ،	۲۴۶
منکروں کا انجام دوزخ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۳۴	اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے سبحانہ و تعالیٰ	۲۴۷
دوزخ بڑا ہی برا ٹھکانہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۳۴	اللہ کا رنگ اپنانے کی تعلیم و تلقین،	۲۴۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص وللّٰہیت کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۳۵	اللہ کا رنگ ہی سب سے بہتر ہے، سبحانہ و تعالیٰ	۲۴۸
اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے،	۲۳۶	قبولیت عند اللہ کی اساس صدق و اخلاص پر،	۲۴۹
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا امت مسلمہ کے لیے،	۲۳۶	اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہو سکتا،	۲۵۰
"اَرِنَا مَنَاسِكَنَا" کا مفہوم و مطلب؟	۲۳۶	صرف آباؤ اجداد کا انتساب کافی نہیں،	۲۵۰
"اَلتَّوَّاب" کے مبالغے کے اظہار کی دو اہم صورتیں	۲۳۷	ایک پیشینگوئی اور اس کی تصدیق کا ذکر و بیان،	۲۵۱
بشریت پیغمبر ایک مستقل انعام خداوندی،	۲۳۷	مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے،	۲۵۱
آیات خداوندی کی عظمت شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر و بیان	۲۳۸	ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں،	۲۵۲
تعلیم کتاب و حکمت بعثت نبویہ کا دوسرا بڑا مقصد،	۲۳۸	بہترین امت کے لیے بہترین قبلہ،	۲۵۲
تزکیۂ باطن بعثت نبوی کا تیسرا بڑا مقصد،	۲۳۹	"وَسَط" کا معنی و مفہوم؟	۲۵۲
ملت ابراہیمی تقاضاءِ عقل و نقل،	۲۳۹	امت محمدیہ سب امتوں پر گواہ،	۲۵۳
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان تسلیم و رضا کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۴۰	حضرت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اپنی امت پر،	۲۵۴
حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام کی وصیت اپنی اولاد کے لیے،	۲۴۰	تحویل قبلہ ذریعہ ابتلاء و آزمائش،	۲۵۴
"فَلَا تَمُوْتُنَّ" کا مطلب و مدعا؟	۲۴۱	عادت مالوفہ کو بدلنا انسان کے لیے بڑا مشکل امر،	۲۵۶
یہودیوں کے بہتان کی تردید ایک خاص اسلوب سے،	۲۴۱	نور حق و ہدایت کی عظمت شان کا ایک خاص پہلو،	۲۵۶
معبود برحق سب کا ایک ہی ہے یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک،	۲۴۱	نماز کی تعبیر ایمان سے اس کی عظمت شان کی بناء پر،	۲۵۶
ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا ذمہ دار ہے،	۲۴۲	مرجع ضمیر کے دو احتمالوں کا ذکر و بیان،	۲۵۷
یہود و نصاریٰ کے بے بنیاد زعم کی تردید،	۲۴۳	اللہ تعالیٰ کے کمال علم کی تذکیر و یاددہانی،	۲۵۷

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
ہٹ دھرمی باعث محرومی، والعیاذ باللہ،	۲۵۸
امر منسوخ کی پیروی جائز نہیں،	۲۵۸
محض خواہشات کی پیروی ظلم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۲۵۸
ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ ومظہر،	۲۵۹
جان بوجھ کر حق کو چھپانا دوہرا جرم، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۵۹
خطاب کسی سے اور عتاب کسی پر،	۲۶۰
اہل ایمان کے لیے مسابقت کے اصل میدان کی نشاندہی،	۲۶۰
اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا حوالہ وذکر،	۲۶۰
اعادۂ حکم برائے تائید حکم،	۲۶۱
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر ویاد دہانی،	۲۶۱
اعادۂ حکم برائے بیان ومصالح حکم،	۲۶۱
لوگوں کی حجت بازی کے خاتمے کا اہتمام وانتظام،	۲۶۲
نفع ونقصان اللہ پاک ہی کے اختیار میں،	۲۶۲
ڈرنا ہمیشہ اللہ ہی سے چاہیے،	۲۶۳
تحویل قبلہ سے مقصود اتمام نعمت،	۲۶۳
تحویل قبلہ کا دوسرا مقصد راہ حق کی رہنمائی،	۲۶۳
بشریت رسول ایک عظیم الشان انعام خداوندی،	۲۶۳
بعثت رسول کا مقصد تزکیۂ باطن،	۲۶۴
تعلیم کتاب وحکمت کے مقصد کا ذکر وبیان،	۲۶۴
ذکر خداوندی سے سرشاری کی تعلیم وتلقین،	۲۶۵
ذکر خداوندی کا عظیم الشان صلہ وبدلہ،	۲۶۵
شکر خداوندی کی تعلیم وتلقین،	۲۶۶
خدائے پاک کی ناشکری سے ممانعت،	۲۶۶
صبر وصلوٰۃ کی اہمیت وعظمت شان کا ذکر وبیان،	۲۶۶
معیت خداوندی اور اس سے مقصود ومراد؟	۲۶۷
حیات شہداء کا ذکر وبیان،	۲۶۷
احوال برزخ کا علم صرف وحی کے ذریعے،	۲۶۸
صبر والوں کے لیے بشارت کا عموم وشمول،	۲۶۸
ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں،	۲۶۸
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف	۲۶۹
صبر وسیلہ ظفر،	۲۷۰
صفا ومروہ ''شعائر اللہ'' میں سے ہیں،	۲۷۰
کتمان حق باعث لعنت وپھٹکار، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۷۱
کتمان حق کے مجرموں پر سب کی لعنت،	۲۷۲
اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے،	۲۷۲
کفر وانکار موجب لعنت وپھٹکار، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۷۲
کفر وانکار کا نتیجہ وانجام نہایت برا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۲۷۳
کافروں کے عذاب کی ہولناکی کا ایک پہلو	۲۷۳
معبود برحق صرف ایک ہے یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک،	۲۷۴
قدرت وعنایت خداوندی کا ایک مظہر،	۲۷۴
احیاءِ ارض رحمت وعنایت خداوندی کا ایک اور مظہر	۲۷۵
جانوروں میں سامان غور وفکر،	۲۷۶
بادلوں میں سامان غور وفکر،	۲۷۶
قدرت کی عظیم الشان نشانیاں،	۲۷۶
عقل والوں کے لیے دعوت غور وفکر،	۲۷۷
اللہ کے ہمسر ٹھہرانے کے جرم کا ذکر،	۲۷۷
محبت کا سب سے زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ،	۲۷۷
سبب غفلت کی تشخیص ونشاندہی،	۲۷۸
گروؤں کا اپنے پیروکاروں سے تبراء اور اظہار بیزاری،	۲۷۸
باطل پرستوں کا حال قیامت کے روز	۲۷۹
باطل پرستوں کی حسرت کا ایک منظر،	۲۷۹
باطل پرستوں کے اعمال ان کے لیے باعث حسرت،	۲۸۰
حلال اور پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم وارشاد،	۲۸۰
شیطان کے نقش قدم سے بچنے کی تعلیم وتلقین،	۲۸۱

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
شیطانی اغوا کے طور طریقے	۲۸۱	حکم قصاص کا ذکر و بیان،	۲۹۵
حق کے مقابلے میں باپ دادا کی تقلید اہل باطل کا پرانا طریقہ،	۲۸۲	عدل وانصاف سے متعلق درس عظیم،	۲۹۵
باپ دادا کی پیروی جائز حدود کے اندر،	۲۸۲	قاتل کے لیے معافی کی صورتیں،	۲۹۵
باپ دادا کی محمود ومطلوب پیروی	۲۸۳	قاتل سے خون بہا کا مطالبہ دستور کے مطابق،	۲۹۵
نور حق وہدایت سے محروم لوگ جانور ہیں،	۲۸۳	احسان اور بھلائی کی تعلیم وتلقین،	۲۹۶
نور حق سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۲۸۴	تخفیف ورحمت ربانی کا حوالہ وذکر،	۲۹۶
طیبات کے اکل وتناول کا حکم وارشاد،	۲۸۴	اعتداء اور زیادتی کا انجام برا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۲۹۶
شکر خداوندی کی تعلیم وتلقین،	۲۸۵	قصاص ذریعہ حفظ وبقاء،	۲۹۶
عبادت وبندگی کا تقاضا شکر منعم	۲۸۵	قصاص ہولناک انجام سے بچاؤ کا ذریعہ ووسیلہ،	۲۹۷
حصر سے مراد حصر اضافی نہ کہ حقیقی،	۲۸۶	وصیت کی فرضیت اور اس کی منسوخی	۲۹۷
لحم خنزیر کی حرمت کا ذکر وبیان،	۲۸۶	وصیت کو بدلنے کا گناہ بدلنے والے پر،	۲۹۸
"مَا أُحِلَّ"، میں کلمہ "ما" کے عموم وشمول کا ذکر وبیان،	۲۸۶	اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے،	۲۹۸
"أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا معنی ومطلب؟	۲۸۷	صحیح طور پر صلح صفائی کی تعلیم وتلقین،	۲۹۸
"مضطر" کے لیے اکل حرام کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ،	۲۸۷	روزوں کی فرضیت کا حکم	۲۹۹
کتمان حق کے جرم کی سنگینی کا ذکر وبیان،	۲۸۸	روزوں کی فرضیت امم سابقہ پر،	۲۹۹
حق کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ ہے،	۲۸۸	روزے کا مقصد حصول تقویٰ وپرہیزگاری،	۳۰۰
حق فروشوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب، والعیاذ باللہ	۲۸۹	روزوں کی فرضیت گنتی کے چند دنوں کے لیے،	۳۰۰
ہدایت کے بدلے میں گمراہی کے خریدنے کا مطلب؟	۲۹۰	روزہ چھوڑنے کے اعذار مبیحہ کا ذکر وبیان،	۳۰۰
منکرین کی غفلت ولاپرواہی پر اظہار افسوس وتعجب،	۲۹۰	روزے کے فدیے کا بیان،	۳۰۱
ایمان باللہ اور اس کے تقاضے،	۲۹۰	نیکی کا فائدہ نیکی کرنے والے ہی کو	۳۰۱
"عَلٰى حُبِّهٖ" کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال،	۲۹۱	روزہ رکھنا بہر حال بہتر ہے،	۳۰۲
"فِي الرِّقَابِ" کا معنی ومطلب؟	۲۹۲	قرآن حکیم سراسر ہدایت	۳۰۲
نماز کی اہمیت وعظمت	۲۹۲	تکرار حکم برائے افادۂ خاص،	۳۰۳
فریضۂ زکوٰۃ کی اہمیت وعظمت	۲۹۲	اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے ایک خاص پہلو کا ذکر،	۳۰۳
عہد وپیمان کی پابندی کی تعلیم وتلقین،	۲۹۳	روزوں کی گنتی پوری کرنے کا حکم وارشاد،	۳۰۴
صبر کی عظمت واہمیت	۲۹۳	شکر خداوندی کی تعلیم وتلقین	۳۰۴
متقی لوگوں کی تعریف وتشخیص،	۲۹۳	شکر نعمت اور اس کا صلہ وثمرہ،	۳۰۴

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
قرب خداوندی کے بارے میں سوال کا جواب،	۳۰۵	شہر حرام کی حرمت کا تقاضا،	۳۱۹
رب تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے؟	۳۰۵	حرمتیں بدلے کی چیزیں،	۳۱۹
قبولیت دعا مشیت خداوندی کے تابع،	۳۰۷	ظلم وزیادتی کا بدلہ اسی کے مطابق،	۳۲۰
ایمان واطاعت باعث سرفرازی،	۳۰۷	تقویٰ کی تاکید اور اس کی عظمت شان،	۳۲۰
رمضان کی راتوں میں رفث نساء کی اجازت،	۳۰۸	اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے،	۳۲۰
ایک عظیم الشان لباس کا ذکر وبیان،	۳۰۸	انفاق فی سبیل اللہ کا حکم وارشاد،	۳۲۱
حکم الٰہی کی خلاف ورزی خود اپنے آپ سے خیانت، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۰۹	اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت،	۳۲۱
		حج اور عمرے کے اتمام کا حکم وارشاد،	۳۲۲
رشتۂ ازدواج سے اصل مقصد کی نشاندہی،	۳۱۰	"احصار" کا معنی ومفہوم اور اس کا حکم؟	۳۲۳
انقضاءِ شب کی نشانی سپیدۂ صبح کا طلوع،	۳۱۰	"ھَدْی" یعنی قربانی کے ذبح کی جگہ حرم،	۳۲۳
اعتکاف کا معاملہ روزہ سے مختلف،	۳۱۱	امن ملنے پر "مناسک" بجالانے کا حکم وارشاد،	۳۲۳
اللہ کے حدود کے احترام کی تعلیم،	۳۱۱	دم "تمتع" کے وجوب کا بیان،	۳۲۴
حدود خداوندی کی پابندی کے ثمرے کا ذکر وبیان،	۳۱۲	قربانی حسب توفیق وتیسیر،	۳۲۴
دوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے کھانے کی ممانعت،	۳۱۲	"ھَدْی" کے بجائے روزوں کی اجازت،	۳۲۴
مال کو ناجائز رسائی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت،	۳۱۳	"تمتع" و "قران" کی اجازت اہل حرم کے سوا دوسروں کے لیے،	۳۲۵
جانتے بوجھتے دوسروں کا مال ہتھیانے کی ممانعت،	۳۱۳		
چاند کے بارے میں سوال اور اس کا جواب،	۳۱۴	التزام تقویٰ کا حکم وارشاد،	۳۲۵
زمانہ جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید،	۳۱۵	"اَشْھُرٌ، حَجٌّ" سے مقصود ومراد؟	۳۲۶
ایک اہم اصولی ضابطے کی تعلیم وتلقین،	۳۱۵	اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۲۶
لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم وارشاد،	۳۱۶	تقویٰ بہترین زاد سفر	۳۲۷
زیادتی کرنے کی ممانعت،	۳۱۶	تقویٰ تقاضاءِ عقل وفطرت،	۳۲۸
عہد شکن ظالموں کے قتل کا حکم وارشاد،	۳۱۶	موسم حج میں فضل خداوندی کی طلب وتلاش کی اجازت،	۳۲۹
ظالموں کو نکال باہر کرنے کا حکم وارشاد،	۳۱۷	ذکر خداوندی ہدایت خداوندی کے مطابق کرنے کا حکم وارشاد	۳۲۹
فتنہ کفر سے بھی بڑھ کر، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۳۱۷	نور حق وہدایت کی نعمت اور اس کا تقاضا،	۳۳۰
مؤاخذہ سے بچنے کی صورت کا ذکر وبیان،	۳۱۸	متکبرین کے زعم باطل پر ایک ضرب کاری،	۳۳۱
جہاد اسلامی کا مقصد فتنہ وفساد کی سرکوبی،	۳۱۸	آباؤ اجداد کی بجائے اللہ کو یاد کرنے کی ہدایت وارشاد	۳۳۱
دست درازی صرف ظالموں پر، وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۱۹	ذکر خداوندی کی عظمت شان	۳۳۱

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ
اصل معاملہ مشیئت خداوندی پر ہے،	۳۳۲
طالبان دنیا کے لیے آخرت کی محرومی، والعیاذ باللہ،	۳۳۲
ایک عظیم الشان اور جامع دعا کی تعلیم وتلقین	۳۳۲
آخرت کی بھلائی اور اس سے مقصود ومراد؟	۳۳۳
ایام "منیٰ" میں ذکر خداوندی کی ہدایت وتلقین،	۳۳۳
منیٰ سے کوچ کے لیے تعجیل وتاخیر دونوں کی اجازت،	۳۳۳
اصل چیز تقویٰ وپرہیزگاری،	۳۳۴
آخرت کی تذکیر ویاددہانی،	۳۳۵
اہل باطل کی ملمع سازی کا ایک نمونہ ومظہر،	۳۳۵
اہل باطل کی اصل دشمنی حق کے ساتھ،	۳۳۶
"تولّی" کے دو معنی ومطلب؟	۳۳۶
حرث ونسل کی انسانی معاشرے میں اہمیت،	۳۳۶
فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک مبغوض امر، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۳۷
ایمان کا تقاضا کہ جان بھی اللہ کے لیے قربان،	۳۳۸
اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا ذکر وبیان،	۳۳۸
اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا حکم وارشاد،	۳۳۹
شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن،	۳۴۰
اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز وحکیم کی تذکیر ویاددہانی،	۳۴۰
منکرین کے عناد اور ہٹ دھرمی کا ذکر وبیان	۳۴۱
جملہ امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف	۳۴۱
بنی اسرائیل کی نشانیوں کا ذکر	۳۴۲
کفرانِ نعمت باعث محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۴۲
اللہ کے عذاب سے ڈرنے کی ضرورت،	۳۴۳
حب دنیا ہلاکت وبربادی کی جڑ بنیاد، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۴۳
کفر وباطل پر اڑ جانا سب سے بڑا خسارہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۳۴۳
اہل ایمان کا مذاق اڑانا کفار اشرار کا ہمیشہ کا شیوہ،	۳۴۴

عنوانات	صفحہ
اہل تقویٰ کے لیے عظیم الشان درجات کی خوشخبری،	۳۴۴
رزق وروزی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر، سبحانہ و تعالیٰ	۳۴۵
دین فطرت توحید ہے،	۳۴۵
رفع اختلاف کا طریقہ کتاب اللہ کی طرف رجوع،	۳۴۶
ضد اور حسد باعث محرومی، والعیاذ باللہ،	۳۴۶
نور ایمان باعث نجات وسرفرازی،	۳۴۷
ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر،	۳۴۷
سنت ابتلاء وآزمائش کا ذکر	۳۴۸
اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے ایک اور بے لاگ،	۳۴۸
ہر تنگی کے بعد آسانی کا مژدہ	۳۴۸
جواب علی اسلوب الحکیم کا ایک نمونہ،	۳۴۹
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۳۴۹
جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کا ذکر وبیان،	۳۵۰
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۳۵۰
منکرین کا ایک اعتراض اور اس کا جواب،	۳۵۱
حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا بہت برا ہے،	۳۵۱
اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب	۳۵۲
اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت،	۳۵۳
کفار کی اصل دشمنی حق کے ساتھ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۵۳
کفر پر مرنے والوں کے سب اعمال اکارت، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۳۵۳
کفار کے لیے دائمی عذاب دوزخ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۳۵۴
مومن صادق کے لیے اللہ کی رحمت کی امید	۳۵۴
اللہ کی بخشش ورحمت کی تذکیر ویاددہانی،	۳۵۵
خمر ومیسر کی تقبیح کا ذکر وبیان،	۳۵۶
انفاق عفو کا حکم وارشاد،	۳۵۶
اپنی دنیا وآخرت کے لیے فکرمندی کی ضرورت،	۳۵۶
یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم وتلقین،	۳۵۷

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ
اپنے قلب وباطن کی دنیا کو درست رکھنے کی ہدایت،	۳۵۸
اللہ تعالیٰ کی تیسیر وعنایت کی تذکیر و یاد دہانی	۳۵۸
مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت،	۳۶۰
کافر سے حرمت نکاح کا حکم اور اس ضمن میں راقم کے اپنے ایک واقعے کا ذکر	۳۶۰
نصیحت کو صدق دل سے اپنانا ایک اہم مقصود،	۳۶۱
حیض کے بارے میں سوال کا جواب،	۳۶۱
حائضہ سے تعلقات کے بارے میں خاص ہدایت،	۳۶۲
فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم وتلقین،	۳۶۲
طہارت و پاکیزگی کی عظمت شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر وبیان،	۳۶۳
بیوی انسان کی ایک عظیم الشان کھیتی،	۳۶۳
اپنے مستقبل کی فکر کا درس،	۳۶۴
اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور پیشی کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۶۵
اہل ایمان کو خوشخبری سنانے کا حکم وارشاد،	۳۶۵
اللہ کے نام اپنی قسموں کے لیے آڑ بنانے کی ممانعت،	۳۶۵
بے مقصد قسموں پر کوئی گرفت ومؤاخذہ نہیں،	۳۶۶
''یمین منعقدہ'' اور اس کا حکم؟	۳۶۷
''ایلاء'' کا معنی ومفہوم اور اس کا حکم؟	۳۶۷
''ایلاء'' پر قائم رہنے والوں کا حکم؟	۳۶۸
مطلقہ عورتوں کی عدت کا ذکر وبیان،	۳۶۹
مطلقہ عورتوں کے لیے ایک خاص ہدایت کا ذکر وبیان،	۳۶۹
اطاعت خداوندی ایمان باللہ کا لازمی تقاضا،	۳۶۹
دوران عدت خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق،	۳۷۰
بیویوں سے رجوع میں اصلاح کی نیت کی شرط،	۳۷۰
مردوں اور عورتوں کے باہمی حقوق وفرائض کا ذکر وبیان،	۳۷۰
مردوں کی فضیلت وفوقیت کا ذکر وبیان،	۳۷۱

عنوانات	صفحہ
تیسری طلاق آخری اور فیصلہ کن،	۳۷۲
''خلع'' کی اجازت اور اس کا بیان،	۳۷۳
''خلع'' میں زوجین میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں،	۳۷۳
اللہ کی حدود کو توڑنے والے ظالم ہیں،	۳۷۴
تین طلاق کے بعد بیوی ہمیشہ کے لیے حرام،	۳۷۴
''حلالۂ شرعیہ'' کے لیے وطی اور مباشرت شرط ہے،	۳۷۴
مصنوعی اور ظاہرداری کا ''حلالہ'' ایک ملعون عمل، وَالْعِيَاذُ بِاللهِ	۳۷۵
تیسری طلاق کے بعد رجوع کا مسئلہ،	۳۷۵
علم کی روشنی میں استفادے کی اصل بنیاد	۳۷۶
''امساک بالمعروف'' سے مراد؟	۳۷۶
بھلے طریقے سے چھوڑنے کا حکم وارشاد،	۳۷۷
حضرت خالق کی معصیت خود اپنے آپ پر ظلم، وَالْعِيَاذُ بِاللهِ	۳۷۷
اللہ کی آیتوں کو مذاق بنانے کی ممانعت،	۳۷۸
تذکیر نعمت برائے شکر نعمت،	۳۷۸
کتاب وحکمت کی دولت بے مثال اور اس کا تقاضا،	۳۷۹
اللہ کی نصیحت منفرد وبے مثال،	۳۷۹
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۸۰
عورتوں کو ان کے حق نکاح سے روکنے کی ممانعت،	۳۸۰
دستور کے خلاف ہونے والے نکاح کو روکنے کا حکم،	۳۸۰
ایمان ویقین کی دولت اصل اور اساس ہے ہر خیر کی،	۳۸۱
اللہ تعالیٰ کے کمال علم حوالہ وذکر،	۳۸۲
مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال،	۳۸۲
والد کی بجائے ''مَوْلُوْدٌ لَهُ'' کہنے کی حکمت،	۳۸۳
حد سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں،	۳۸۴
ماں کو اس کے بچے کی بناء پر تکلیف میں ڈالنے کی ممانعت	۳۸۴
باپ کو اس کے بچے کی بناء پر تکلیف میں ڈالنے کی ممانعت،	۳۸۴

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
خاندانی امور ومعاملات میں باہمی مشورے کی ہدایت،	۳۸۶
دایہ کو اس کا طے شدہ معاوضہ ادا کرنے کی ہدایت،	۳۸۶
اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۸۷
عدت وفات کا بیان،	۳۸۷
عدت کے بعد ایسی عورتوں کے لیے آزادی واختیار کا ذکر وبیان،	۳۸۷
دستور کے خلاف کام سے روکنے کی اجازت،	۳۸۸
اللہ تعالیٰ کی علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۸۸
دوران عدت نکاح کے لیے تعریض کی اجازت،	۳۸۸
ارادۂ نکاح کے اخفاء کی اجازت،	۳۸۸
فطرت کے تقاضوں کی رعایت کا ایک نمونہ،	۳۸۹
پاسداری حدود کا درس،	۳۹۰
بھلی بات کہنے کی اجازت،	۳۹۰
تکمیل میعاد سے قبل عزم نکاح کی ممانعت،	۳۹۰
تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم وارشاد،	۳۹۱
"خلوت صحیحہ سے پہلے کی طلاق" کا بیان،	۲۹۱
متعۂ طلاق کا ذکر بیان	۳۹۱
متعۂ طلاق کے لزوم ووجوب کا ذکر وبیان،	۳۹۲
مہر معاف کرنے کا حکم واختیار،	۳۹۳
خاوند کو معاف کر دینے کی ترغیب،	۳۹۳
"وَاَنْ تَعْفُوْ" کا مطلب؟	۳۹۴
ایک عظیم الشان ضابطۂ اخلاق کی تعلیم وتلقین،	۳۹۴
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی،	۳۹۵
صلوٰۃ وسطیٰ سے مقصود ومراد؟	۳۹۶
نماز کے بارے میں ایک خاص حکم وارشاد،	۳۹۷
نماز کی اہمیت وعظمت کا ایک اہم مظہر،	۳۹۷
بیوہ کے لیے وصیت کا عارضی حکم،	۳۹۷

عنوانات	صفحہ
بیوہ کو جائز حدود کے اندر آزادی برتنے کا حق،	۳۹۸
طلاق یافتہ عورتوں کو سامان دینا تقویٰ کا تقاضا،	۳۹۸
غور وفکر سے کام لینے کی تعلیم وتلقین،	۳۹۹
"اَلَمْ تَرَ" کا خطاب اور اس کے مخاطب؟	۳۹۹
موت سے بھاگنے والوں کے لیے درس عبرت،	۴۰۰
اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے،	۴۰۱
اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کی تعلیم وتلقین اور اس سے مقصود ومراد؟	۴۰۲
رزق وروزی کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۴۰۲
ایک اور قصے میں غور وفکر کی دعوت،	۴۰۳
جذبۂ جہاد کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان،	۴۰۴
قوم کی طرف سے اپنے پیغمبر کو جہاد کی پختہ یقین دہانی،	۴۰۴
بادشاہی کے خاندانی حقدار ہونے کا دعویٰ،	۴۰۵
اللہ کا انتخاب اعتراض وسوال سے اعلیٰ وبالا،	۴۰۶
حکومت سے نوازنا اللہ ہی کے اختیار میں،	۴۰۶
اللہ تعالیٰ کی وسعت اور اس کے علم کا حوالہ وذکر،	۴۰۶
بنی اسرائیل کے "تابوت سکینت" کا ذکر،	۴۰۷
تابوت بنی اسرائیل میں پائی جانے والی اشیاء؟	۴۰۷
فرشتوں کا تابوت بنی اسرائیل کو اٹھالانے کا مطلب؟	۴۰۸
لشکر بنی اسرائیل کے لیے ایک آزمائش کا ذکر،	۴۰۸
اکثریت کی آزمائش میں ناکامی،	۴۰۹
آزمائش میں پورے اترنے والے لوگ کم ہی ہوتے ہیں،	۴۰۹
صبر وبرداشت وسیلۂ فتح وظفر،	۴۱۰
دونوں لشکروں کا باہمی فرق اور اس کا طبعی اثر،	۴۱۰
اصل قوت ایمان ویقین کی قوت ہے،	۴۱۲
صبر والوں کے لیے معیت خداوندی کا مژدۂ جانفزا،	۴۱۲
سچے اہل ایمان کا قابل تقلید نمونہ،	۴۱۲

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
سوال و دعا ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی سے،	۴۱۳
صدق و اخلاص والی دعا کی فوری قبولیت کا ایک نمونہ،	۴۱۳
عطاء و عنایت خداوندی کا ایک نمونہ و مظہر،	۴۱۴
حکمت داؤد سے یہاں پر مراد اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت شان؟	۴۱۴
مشروعیت جہاد کا اصل مقصد دفع فساد،	۴۱۵
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی تذکیر و یاد دہانی،	۴۱۶
پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی ایک واضح دلیل،	۴۱۶
رسولوں کے باہمی تفاضل کا ذکر و بیان،	۴۱۷
تکلیم خداوندی کے اعزاز کا ذکر و بیان،	۴۱۷
فرق درجات کی نوازش کا ذکر و بیان،	۴۱۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تائید خداوندی کا ذکر و بیان،	۴۱۸
جبری ہدایت نہ مطلوب ہے نہ مفید،	۴۱۹
اللہ کی مشیت سب پر حاوی، سبحانہ و تعالیٰ،	۴۲۰
انفاق فی سبیل اللہ کا حکم و ارشاد،	۴۲۰
کافر لوگ ظالم ہیں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۴۲۱
اللہ ہی زندہ ہے، سبحانہ و تعالیٰ،	۴۲۱
قیوم کا معنی و مطلب؟	۴۲۲
اللہ ہر لحاظ سے پاک اور یکتا ہے، سبحانہ و تعالیٰ	۴۲۲
کائنات ساری اللہ ہی کی ہے،	۴۲۳
مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی نفی،	۴۲۳
انسان کے نقص علم و ادراک کا ذکر و بیان،	۴۲۴
معبود برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۴۲۴
دین حق کے لیے کوئی جبر و اکراہ نہیں،	۴۲۵
ایمان باللہ سب سے مضبوط سہارا،	۴۲۵
ایمان ایک عظیم الشان نور، و الحمد لله،	۴۲۶
کفر و باطل نرے اندھیرے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۲۶

عنوانات	صفحہ
دوزخ اہل کفر و باطل کا دائمی ٹھکانہ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۲۷
قصہ نمرود سے متعلق دعوت غور و فکر،	۴۲۷
نمرود کی فریب کاری کا ایک نمونہ و مظہر،	۴۲۸
ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۲۹
قریہ کا مفہوم و مطلب اور یہاں پر اس سے مقصود و مراد؟	۴۲۹
حضرت عزیر علیہ السلام کی دعا بطور استبعاد،	۴۳۰
مردے کو دنیا کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، الا ما شاء الله	۴۳۰
حضرت عزیر کی آگہی کا ذکر و بیان،	۴۳۱
قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی کا ذکر و بیان،	۴۳۳
علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی،	۴۳۳
حضرت ابراہیم کی درخواست اطمینان مزید کے لیے،	۴۳۳
اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز و حکیم کا حوالہ و ذکر،	۴۳۴
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب و تلقین،	۴۳۴
انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ایک عظیم الشان تمثیل	۴۳۵
اللہ تعالیٰ کے کمال وسعت کا حوالہ و ذکر،	۴۳۶
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر،	۴۳۶
احسان جتلانے اور ایذاء رسانی کی ممانعت،	۴۳۷
سچے ایمان والوں کے لیے عظیم الشان اجر و ثواب کا ذکر و بیان،	۴۳۷
اللہ تعالیٰ کی صفت غنا اور حلم کا حوالہ و ذکر،	۴۳۸
"مَنٌّ وَّاَذًی" باعث خسران و ضیاع، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَ عَلَا،	۴۳۹
اعمال کی قدر و قیمت کا مدار ایمان و اخلاص پر،	۴۳۹
ریا کارانہ صدقات کے ضیاع کی تمثیل	۴۴۰
ظالموں کے لیے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۴۴۰
"تَثْبِيْتًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ" کا مطلب؟	۴۴۱
"ضِعْفَيْنِ" کا استعمال تکرار و تکثیر کے لیے،	۴۴۱
زرخیز مٹی کے لیے پھوار ہی کافی،	۴۴۲

جلد اول

تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی تذکیر و یاددہانی،	۴۴۲
ریاکارانہ اعمال کے ضیاع کی تمثیل،	۴۴۳
ریاکاروں کے ہولناک خسارے کا ذکر، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۴۴
غور و فکر کی دعوت،	۴۴۴
انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم و تلقین	۴۴۵
زرعی آمدن سے بھی خرچ کرنے کی تعلیم و تلقین	۴۴۵
اللہ کے نام پر ردی چیز دینے کی ممانعت،	۴۴۶
اللہ کی صفت غنا اور حمد کا حوالہ و ذکر،	۴۴۷
شیطان کی ایک شیطنت کا ذکر و بیان،	۴۴۷
شیطان کے طریقہ واردات سے آگہی،	۴۴۷
حکمت کی عظمت شان کا ذکر و بیان،	۴۴۸
ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں،	۴۴۹
ابداء صدقات کی اجازت اور اس کے فوائد،	۴۵۰
اِخفاءِ صدقات اور اس کی عظمت و افادیت،	۴۵۰
اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی،	۴۵۰
ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں،	۴۵۱
انسان کا عمل خود اسی کے لیے،	۴۵۱
کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی،	۴۵۲
محصور فی سبیل اللہ صدقات کے زیادہ حقدار ہیں،	۴۵۳
محصورین فی سبیل اللہ کی عزت نفس اور شان استغنا کا ذکر	۴۵۳
اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حولہ و ذکر،	۴۵۳
ہر حال میں خرچ کرنے والوں کی عظمت شان،	۴۵۴
سودخوروں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان،	۴۵۵
سودخوروں کے ایک باغیانہ مغالطے کا ذکر،	۴۵۶
تجارت حلال اور سود حرام، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۵۶
اللہ کا حکم ماننا باعث خیر و برکت،	۴۵۷
سود کو حلال سمجھنا کفر ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۴۵۷
اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے،	۴۵۸
اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے،	۴۵۹
ناشکری اور بدکاری اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض خصلتیں،	۴۶۰
مومنین صادقین کے لیے نہ کوئی غم نہ اندیشہ،	۴۶۱
سود کو ترک کرنا ایمانداری کا تقاضا،	۴۶۱
سودخوروں کے خلاف اعلان جنگ، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۴۶۲
نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے،	۴۶۲
تنگ دستوں کے ساتھ نرم روی کی تعلیم و تلقین،	۴۶۳
یوم قیامت کی تذکیر و یاددہانی،	۴۶۴
آیت مداینہ اور اس کی عظمت شان،	۴۶۴
تحریر میں عدل و انصاف سے کام لینے کی تعلیم و تلقین،	۴۶۵
کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے،	۴۶۵
املاء کرانے والا کوئی کمی بیشی نہ کرے،	۴۶۷
صاحب عذر کی طرف سے اس کا مختار املا کرائے،	۴۶۷
ہر معاملے پر گواہ رکھنے کا حکم و ارشاد،	۴۶۷
گواہ ثقہ اور معتبر ہونے چاہئیں،	۴۶۸
ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی کا بیان،	۴۶۸
گواہ بننے سے انکار نہ کیا جائے،	۴۶۸
ہر معاملہ کو لکھنے کی ہدایت،	۴۶۹
نقد انقدی کے باہمی معاملے کو لکھنا بہتر ہے ضروری نہیں،	۴۶۹
کسی کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانعت،	۴۷۰
تقویٰ وسیلۂ فوز و فلاح	۴۷۱
اللہ کی تعلیم میں سراسر بندوں کا بھلا،	۴۷۱
رہن رکھنے کا حکم و ارشاد،	۴۷۱
قرض کی واپسی کے لیے ایک بلیغ ارشاد،	۴۷۲
تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنانے کی تعلیم و تلقین،	۴۷۲
گواہی کو چھپانا ایک سنگین جرم، والعیاذ باللہ،	۴۷۳

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۴۷۳
کائنات سب کی سب اللہ ہی کی ہے،	۴۷۴
اللہ کے محاسبے کی تذکیر و یاد دہانی،	۴۷۵
اللہ تعالیٰ کی مغفرت وبخشش اس کی مشیت پر،	۴۷۵
اللہ پر ایمان لانے کا مطلب؟	۴۷۶
اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب؟	۴۷۶
تفریق بین الانبیاء کفر ہے،	۴۷۶
بخشش کی دعا ودرخواست کی تعلیم وتلقین،	۴۷۷
بے اختیار خیالات پر کسی کی گرفت نہیں،	۴۷۷
ہر کسی کو اس کے اپنے کیے کرائے کا بدلہ ملے گا،	۴۷۸
بھاری بوجھ سے مراد؟	۴۷۸
ایک خاص اور عظیم الشان دعاء کی تعلیم وتلقین،	۴۷۹
غلبہ ونصرت کی دعا کی تعلیم وتلقین،	۴۷۹
۳ سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ ۸۹	۴۸۱
حروف مقطعات کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، سبحانہ و تعالیٰ	۴۸۱
معبود برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے،	۴۸۲
اللہ قیوم ہے، سبحانہ وتعالیٰ،	۴۸۲
قرآن حکیم ایک بے مثال کتاب،	۴۸۲
تورات وانجیل سے مقصود ومراد؟	۴۸۳
''الفرقان'' سے مقصود ومراد؟	۴۸۴
کافروں کے لیے بڑا سخت عذاب،	۴۸۴
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا ذکر وبیان،	۴۸۵
خلقت انسانی قدرت کا ایک عظیم الشان شاہکار،	۴۸۵
''محکم'' کا معنی اور اس سے مراد؟	۴۸۶
محکم آیتیں ہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں،	۴۸۶
متشابہہ کا معنی اور اس سے مقصود ومراد؟	۴۸۷

عنوانات	صفحہ
''زائغین'' کا طریقہ متشابہات کے پیچھے پڑنا،	۴۸۸
''متشابہات'' کی مراد اللہ ہی جانتا ہے،	۴۸۹
صحیح سبق عقل سلیم رکھنے والے ہی لیتے ہیں،	۴۹۰
وہاب کا معنی ومفہوم	۴۹۰
اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتا،	۴۹۱
اہل کفر وباطل کا انجام نہایت ہولناک، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۴۹۲
کافر ومنکر لوگ دوزخ کا ایندھن، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۴۹۲
کفر وانکار کے جرم کا نتیجہ ہولناک تباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۴۹۲
اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۴۹۳
کفر وانکار کا نتیجہ ذلت ورسوائی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۴۹۳
قیامت کے روز کفار کی تذلیل وتحقیر کا ایک منظر،	۴۹۵
دوزخ بڑا ہی برا ٹھکانہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۴۹۶
معرکہ حق وباطل میں سامان عبرت وبصیرت،	۴۹۶
معرکہ بدر میں ایک خاص عنایت خداوندی کا ذکر وبیان،	۴۹۷
چشم بینا رکھنے والوں کے لیے سامان عبرت وبصیرت،	۴۹۷
فتنہ وفساد کی ایک جڑ کی نشاندہی،	۴۹۸
''حرث'' کے تاخیر ذکر میں ایک نکتہ،	۴۹۹
متاع دنیا کی بے حقیقتی کا ذکر وبیان،	۴۹۹
اصل اور عمدہ ٹھکانہ اللہ ہی کے پاس ہے،	۴۹۹
تقویٰ وپرہیزگاری فوز وفلاح کی اصل اور حقیقی بنیاد،	۵۰۰
رضائے خداوندی کی نعمت سب سے بڑی نعمت،	۵۰۰
اللہ اپنے بندوں کو پوری طرح دیکھتا ہے،	۵۰۱
ایمان کے وسیلے سے دعا،	۵۰۱
اللہ کے اطاعت گزار بندوں کا شعار توبہ واستغفار	۵۰۲
اللہ کی گواہی اس کی وحدانیت ویکتائی پر،	۵۰۲
اللہ کے فرشتوں اور اہل علم کی گواہی اس کی توحید ووحدنیت کے لیے،	۵۰۳

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے،	۵۰۴	اللہ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۵۱۸
عناد وہٹ دھرمی باعث محرومی،	۵۰۴	اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم وقدرت کا ذکر وبیان	۵۱۸
اہل باطل سے اظہار براءت وبیزاری،	۵۰۵	روز جزاء میں اہل باطل کی ایک بے فائدہ تمنا	۵۱۹
"امیون" سے یہاں پر مراد؟	۵۰۵	اللہ تعالیٰ کی تحذیر وتنبیہ کا ذکر وبیان،	۵۱۹
پیغمبر کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق اور بس،	۵۰۶	اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے،	۵۲۰
اللہ پوری طرح دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو،	۵۰۶	اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے تقاضے؟	۵۲۰
نبیوں کا قتل بغیر کسی حق کے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۵۰۷	اتباع رسول ہر خیر کی اساس وبنیاد،	۵۲۰
علمائے حقانیین کا قتل انتہائی سنگین جرم، والعیاذ باللہ،	۵۰۷	اتباع رسول کے بعض اہم ثمرات کا	۵۲۱
ایک نہایت سنگین جرم اور اس کا نہایت دردناک عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۰۸	اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بغیر کسی شرط وقید کے،	۵۲۱
		اطاعت خدا اور رسول سے روگردانی کفر ہے، والعیاذ باللہ،	۵۲۲
انبیاء وصلحاء کے قاتلوں کے سب عمل اکارت،	۵۰۸	اصطفاءِ خداوندی اور اس کا تقاضا؟	۵۲۲
انبیاء ومصلحین کے قاتلوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا،	۵۰۹	نسب عیسوی کا ذکر وبیان تردید شرک کے لیے،	۵۲۴
اہل کتاب کے قابل تعجب رویے کا ذکر،	۵۰۹	عمران کی بیوی کی نذر کا ذکر وبیان،	۵۲۴
قرآن پاک کے عدل وانصاف کا ایک نمونہ	۵۱۰	اصل چیز فکر دین ہے نہ کہ فکر دنیا،	۵۲۵
اعراض وبے رخی ایسے لوگوں کی دائمی عادت، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۵۱۰	حضرت مریم کی والدہ کی حسرت اور اس میں درس عظیم،	۵۲۶
"صاحبزادگی" کا گھمنڈ اور اس کا انجام؟	۵۱۱	اللہ سب کچھ جانتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ	۵۲۶
یہود بے بہبود کے ایک بے بنیاد مفروضہ	۵۱۱	ایک بڑی ہی خیر وبرکت والی بچی،	۵۲۶
من گھڑت ڈھکوسلوں کا نتیجہ محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۱۲	عمدہ بچی کے لیے عمدہ نام	۵۲۷
روز قیامت میں ایسے لوگوں کا حال بد،	۵۱۳	پناہ دینا اللہ ہی کا کام اور اسی کی شان ہے،	۵۲۷
حکومت وبادشاہی اللہ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں،	۵۱۳	حضرت مریم کی عمدہ اٹھان کا ذکر وبیان،	۵۲۸
دن رات کا ادلنا بدلنا قدرت کا عظیم الشان مظہر،	۵۱۴	لفظ "محراب" سے یہاں پر مقصود ومراد؟	۵۲۸
احیاء واماتت اللہ ہی کے اختیار میں،	۵۱۵	حضرت مریمؑ کے لیے بعض خاص عنایت کا ذکر وبیان،	۵۲۹
روزی رساں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے، سبحانہ وتعالیٰ	۵۱۶	ایک عظیم الشان درس عبرت وبصیرت،	۵۳۰
اہل کفر وباطل کو دوست بنانے کی ممانعت،	۵۱۶	حضرت زکریا کی دعا کا ذکر وبیان،	۵۳۰
کفار اشرار سے ظاہری مدارات کی اجازت،	۵۱۷	حضرت یحییٰ کی بعض خاص صفات کا ذکر وبیان،	۵۳۱
اللہ سے ڈرتے رہنے کی ضرورت،	۵۱۷	لفظ "حصور" کا معنی ومطلب؟	۵۳۲
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۵۱۸	حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب واستعجاب کا ذکر وبیان،	۵۳۲

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
بیوی کے بانجھ پن کے عذر ومانع کا ذکر وبیان،	۵۳۲	"مکر الله" کا معنی ومطلب؟	۵۴۸
قدرت خداوندی سلسلہ اسباب کی پابند نہیں،	۵۳۳	مُتَوَفِّیکَ کا معنی ومطلب؟	۵۴۹
حضرت انبیاء کرام نہ عالم غیب ہوتے ہیں اور نہ مختار کل،	۵۳۳	رَافِعُکَ اِلَیَّ کا مطلب؟	۵۵۰
حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے ایک عظیم الشان نشانی کی تعیین،	۵۳۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے تطہیر کی بشارت وخوشخبری،	۵۵۱
حضرت مریم علیہا السلام کے اصطفاء کا ذکر	۵۳۵	پیروان عیسیٰ علیہ السلام کے غلبے کی بشارت وخوشخبری،	۵۵۲
حضرت مریم علیہا السلام کی تطہیر کا ذکر وبیان،	۵۳۵	اصل اور آخری فیصلہ قیامت ہی کے روز،	۵۵۲
حضرت مریم علیہا السلام کی تفضیل اور اس کی بعض صورتوں کا ذکر،	۵۳۶	کافروں کے لیے ہمیشہ کا عذاب،	۵۵۳
نعمتوں سے سرفرازی کا تقاضا شکر خداوندی،	۵۳۶	اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا،	۵۵۴
رب کے حضور جھکنے کی تعلیم وتلقین،	۵۳۷	پیغمبر آخر الزماں کی صداقت وحقانیت کا ایک اور ثبوت،	۵۵۴
پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا اور واضح ثبوت،	۵۳۷	عیسائیوں پر حجت حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت سے،	۵۵۴
پیغمبر ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہوتے	۵۳۷	منکرین پر الزام اور اتمام حجت،	۵۵۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ؟	۵۳۸	خدائی فیصلے کی طرف رجوع کی دعوت،	۵۵۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کہولت کے کلام کا ذکر وفائدہ،	۵۳۹	حق وباطل کے فیصلہ کے لیے آخری بات مباہلہ،	۵۵۶
حضرت مریم علیہا السلام کی عفت وپاکدامنی کا ذکر وبیان،	۵۴۰	اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۵۵۷
اللہ کی مشیت سب پر حاوی اور سب سے اعلیٰ وبالا،	۵۴۰	اہل کتاب کو ایک فکر انگیز دعوت،	۵۵۷
اللہ تعالیٰ کی شان "کن فیکون" کی شان ہے	۵۴۱	اطاعت مطلقہ اللہ ہی کا حق ہے، سبحانہ وتعالیٰ،	۵۵۸
پیغمبر کا علم براہ راست اللہ کی طرف سے،	۵۴۱	اہل کفر وباطل سے اظہار بیزاری کا درس،	۵۵۹
"الکتاب" سے یہاں پر مراد؟	۵۴۲	عقل وفکر سے کام لینے کی دعوت	۵۵۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام صرف بنی اسرائیل کے لیے،	۵۴۲	علم کے بغیر بحث ومباحثہ اور حجت بازی کی مذمت،	۵۶۰
حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا ذکر	۵۴۳	علم کے بغیر بحث ومباحثہ عقل ونقل کے خلاف،	۵۶۰
معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں،	۵۴۳	اللہ تعالیٰ کے ہر حکم وارشاد پر اعتماد کا درس،	۵۶۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض خاص معجزات کا ذکر	۵۴۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی براءت ونزاہت کا ذکر وبیان،	۵۶۱
معجزات کا تقاضا ونتیجہ سچا پکا ایمان	۵۴۴	دین اسلام کی اساس ملت ابراہیمی،	۵۶۲
بنی اسرائیل کے لیے بعض خاص عنایت کا ذکر وبیان،	۵۴۵	اہل کتاب کے ایک گروہ کی دین دشمنی کا ایک نمونہ ومظہر	۵۶۲
صراط مستقیم سے مقصود ومراد؟	۵۴۶	اپنی گمراہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں..... وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۵۶۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پکار حق کی نصرت وامداد کے لیے،	۵۴۷	انکار حق کے ایک بڑے سنگین پہلو کا ذکر وبیان،	۵۶۳
حواریوں کی دعا ودرخواست کا ذکر وبیان،	۵۴۷	لَبْسِ حق بالباطل اور کتمان حق کی سنگینی کا ذکر	۵۶۴

تفصیلی فہرست عنوانات

جلد اول

عنوانات	صفحہ
حق سے پھیرنے کی ایک یہودی چال کا ذکر	۵۶۴
ایک اور یہودی چال کا ذکر و بیان،	۵۶۵
ہدایت تو بہرحال اللہ ہی کی ہدایت ہے	۵۶۶
یہودی بغض وعناد اوران کے حسد کا ایک نمونہ،	۵۶۷
یہود کی فاسد ذہنیت کا ایک نمونہ ومظہر،	۵۶۷
فضل اور مہربانی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے	۵۶۷
اللہ بڑا ہی وسعت والا ہے	۵۶۸
اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے	۵۶۸
اہل کتاب کے امانتداروں کا ذکر	۵۶۸
اہل کتاب کے بددیانتوں کا ذکر	۵۶۹
یہودیوں کا ایک اور متکبرانہ گھمنڈ اور زعم باطل،	۵۶۹
یہود کے افتراء علی اللہ کے جرم کا ذکر و بیان،	۵۷۰
تقویٰ وپرہیزگاری ایک عظیم الشان ڈھال،	۵۷۰
تقویٰ وپرہزگاری ذریعہ نجات وسرفرازی،	۵۷۰
اصل چیز نور حق وہدایت ہی ہے،	۵۷۱
حق فروشوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۵۷۲
ایک اور یہودی چال کا ذکر و بیان،	۵۷۲
یہود کے ایک اور سنگین جرم کا ذکر و بیان،	۵۷۳
افتراء علی اللہ ایک نہایت ہی سنگین جرم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۵۷۳
حضرات انبیائے کرام کی براءت کا ذکر و بیان،	۵۷۴
پیغمبر کی دعوت توحید خالص کے لیے؟	۵۷۴
کتاب الٰہی کے پڑھنے پڑھانے کا تقاضا؟	۵۷۵
اللہ والے کبھی کفروشرک کی تعلیم نہیں دے سکتے،	۵۷۵
حضرات انبیائے کرام کے عہد کی تذکیر و یاددہانی،	۵۷۶
ایک عظیم الشان اور بے مثل عہد واقرار،	۵۷۷
انبیائے کرام کی امتوں کے لیے تنبیہ وتحذیر،	۵۷۷
کائنات کی ہر چیز اللہ کی فرمانبردار،	۵۷۸
اللہ کے حضور سجدہ ریزی باعث سعادت وسرفرازی،	۵۷۸
اللہ تعالیٰ کے حضور لاچاری اور مجبوری کی سجدہ ریزی کا ذکر	۵۷۹
سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف، سبحانہ و تعالیٰ،	۵۷۹
تفریق بین الرسل جائز نہیں،	۵۸۰
دین اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اسلام ہے،	۵۸۰
اسلام کے سوا ہر دین باعث خسارہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۱
بے قدری اور ناشکری باعث محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۲
ظالموں کے لیے محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۳
ظلم کا نتیجہ محرومی وپھٹکار، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۳
کافروں کے لیے ہمیشہ کا عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۴
رجوع الی اللہ کے لیے ترغیب وتحریض،	۵۸۴
پکے اور پورے گمراہوں کی تشخیص ونشاندہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۵
حیات دنیا کی نعمت کی قدروقیمت کا ایک خاص پہلو،	۵۸۵
کافروں کے لیے کوئی مددگار نہیں،	۵۸۶
اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ کرنیکی تعلیم وتلقین	۵۸۷
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۵۸۷
حضرت یعقوب علیہ السلام کی بعض خاص تحریمات کا ذکر،	۵۸۸
پیغمبر کے ایک معجزے کا ثبوت،	۵۸۸
افتراء علی اللہ سب سے بڑا ظلم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۹
حق سے منہ موڑنے والے ظالم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۵۸۹
ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد،	۵۸۹
حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر قسم کے شرک سے بری وبیزار،	۵۹۰
دنیا کا سب سے پہلا خانہ خدا مکہ مکرمہ میں،	۵۹۰
مقام ابراہیم سے مقصود ومراد؟	۵۹۱
بیت اللہ میں داخل ہونے والے کے لیے امن وامان،	۵۹۱
وَمَنْ كَفَرَ کا معنی ومطلب؟	۵۹۲
حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کا ذکر و بیان،	۵۹۲

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی،	۵۹۳	کائنات میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے،	۶۰۶
راہ حق سے روکنے کی سنگینی اور اس کی ممانعت،	۵۹۳	سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف،	۶۰۷
سیدھی راہ میں کجی ڈھونڈنا ایک یہودی ہتھکنڈا،	۵۹۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظمتِ شان،	۶۰۷
راہ حق سے روکنے کی سنگینی کے ایک خاص پہلو کا ذکر،	۵۹۴	اہل کتاب کے لیے ایمان کی ترغیب وتلقین،	۶۰۸
دشمن کی شر انگیزیوں سے ہوشیار ومحتاط رہنے کی تعلیم وتلقین،	۵۹۵	اکثریت بدکاروں ہی کی رہی ہے،	۶۰۸
کفر وانکار کی گنجائش کی نفی،	۵۹۶	حق کے مقابلے میں شکست اہل باطل کا مقدر،	۶۰۸
وفیکم رسوله" کا معنی ومطلب؟	۵۹۶	یہود بے بہبود پر ذلت وخواری کا ٹھپہ،	۶۰۹
اعتصام باللہ کا معنی ومطلب؟	۵۹۷	"حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ" سے مقصود ومراد؟	۶۱۰
سیدھی راہ سے سرفرازی کی خوشخبری،	۵۹۷	ذلت یہود کے اصل سبب کی تشخیص ونشاندہی،	۶۱۲
حق تقویٰ کو اپنانے کی تعلیم وتلقین،	۵۹۷	قرآن حکیم کے عدل وانصاف کا ایک نمونہ ومظہر،	۶۱۲
ہمیشہ ایمان واطاعت پر قائم رہنے کی تعلیم وتلقین،	۵۹۸	نیک بخت لوگوں کی صفات اور انکے حسن انجام کا بیان	۶۱۲
اللہ کی رسی سے مقصود ومراد؟	۵۹۸	خوش خصال لوگوں کے لیے خاص خوشخبری،	۶۱۳
تفریق وانتشار سے ممانعت،	۵۹۹	اللہ کے علم وآگہی کا حوالہ وذکر،	۶۱۳
تالیف قلوب کے انعام کی تذکیر و یاددہانی،	۵۹۹	کافروں کا انجام خلود فی النار، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۱۳
ہدایت کی نعمت بے مثال کی تذکیر و یاددہانی،	۶۰۰	اہل باطل کا انفاق بے سود ولاحاصل،	۶۱۴
دوزخ سے نجات کا ذریعہ دین حنیف سے سرفرازی،	۶۰۰	کفر وشرک کا پالا بڑا ہولناک اور تباہ کن، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۱۴
دین حق دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ	۶۰۱	حق سے منہ موڑنے والے ظالم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۱۵
امت کی ایک اہم اور اجتماعی ذمہ داری کی تذکیر و یاددہانی،	۶۰۱	غیروں کو رازدار بنانے کی ممانعت،	۶۱۵
فلاح پانے والوں کی تعیین وتشخیص،	۶۰۲	دوست اور دشمن کے درمیان فرق وتمیز کی ضرورت،	۶۱۶
تفرق وانتشار والے لوگوں سے بچ کر رہنے کی ہدایت،	۶۰۲	قرآن کریم کی صداقت کا ایک اور ثبوت دلوں کے حال بیان کرنا،	۶۱۶
حق سے محروموں کیلئے بہت بڑا عذاب، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۰۳		
قیامت کے روز اہل ایمان کا نوران کے چہروں پر،	۶۰۴	مومن کا ایمان سب آسمانی کتابوں پر،	۶۱۷
اہل باطل کے کفر وباطل کی سیاہی ان کے چہروں پر،	۶۰۴	اہل کفر وباطل کے جوش عداوت اور حسد کا بیان،	۶۱۷
دوزخ انسان کی اپنی کمائی کا صلہ وثمرہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۰۴	اللہ تعالیٰ کے کمال علم وآگہی کا ذکر وحوالہ	۶۱۸
دوام وخلود اہل جنت کے لیے ایک خاص نعمت،	۶۰۵	حاسدوں کے حسد کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۶۱۸
اللہ کی آیتیں سراسر حق وصواب،	۶۰۵	صبر وتقویٰ وسیلہ حفاظت ونجات،	۶۱۹
اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبے سے پاک سبحانہ وتعالیٰ،	۶۰۵	اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت کا ذکر وبیان،	۶۱۹

تفصیلی فہرست عنوانات — جلد اول

عنوانات	صفحہ
غزوۂ احد کے بیان کا آغاز،	۶۲۰
دو گروہوں کی بزدلی وکم ہمتی کا ذکر وبیان،	۶۲۰
اللہ تعالیٰ کی مدد وحمایت کا مژدۂ جانفزا،	۶۲۱
ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو	۶۲۲
لفظ "اَذِلَّۃٌ" کا معنی ومفہوم اور ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ	۶۲۲
شکر منعم وسیلۂ سرفرازی، وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق	۶۲۳
فرشتوں کی مدد کا وعدہ وخوشخبری،	۶۲۳
اہل ایمان کے لیے فرشتوں کی خصوصی فوج کا انتظام،	۶۲۳
اللہ کی مدد ظاہری اسباب ووسائل کی محتاج نہیں،	۶۲۴
کافروں کے ایک گروہ کی بیخ کنی کے مقصد کا ذکر،	۶۲۴
کافروں کے ایک گروہ کی ذلت ورسوائی کا سامان،	۶۲۵
معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں،	۶۲۵
کائنات پوری اللہ ہی کی ملکیت ہے	۶۲۶
معاملہ سب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں،	۶۲۶
بڑھتا چڑھتا سود کھانے کی ممانعت،	۶۲۷
اصل میدان مسابقہ کی نشاندہی،	۶۲۸
جنت کی وسعت وعظمت کا تصور،	۶۲۸
راہ خدا میں ہر حال میں خرچ کرنے کی تعلیم وترغیب،	۶۲۹
عفو ودرگزر سے کام لینے کی تعلیم وترغیب،	۶۲۹
ارتکاب فاحشہ اور ظلم نفس سے مراد؟	۶۳۱
مغفرت ذنوب اللہ تعالیٰ ہی کی صفت وشان،	۶۳۱
مومن عاصی کا طریقہ رجوع الی اللہ	۶۳۱
جنت کے انسانی عمل کا بدلہ ہونے کا مطلب؟	۶۳۲
سیر وسیاحت کا اصل مقصد عبرت پذیری،	۶۳۲
قرآن حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثل بیان،	۶۳۳
قرآن حکیم سراسر ہدایت	۶۳۳
ایک عظیم الشان نصیحت	۶۳۳

عنوانات	صفحہ
تقویٰ وپرہیزگاری اصلاح احوال کی اولین اساس،	۶۳۴
غلبہ اہل ایمان ہی کا مقدر ہے،	۶۳۴
استقامت وثابت قدمی کا درس،	۶۳۵
حالات کی تبدیلی ابتلاء وآزمائش کے لیے،	۶۳۶
شرف شہادت سے سرفرازی کا مقصد	۶۳۶
تقاضاء ابتلاء وآزمائش کا ذکر وبیان،	۶۳۶
غزوۂ احد کے شرکاء کے لیے ایک خاص تنبیہ،	۶۳۸
محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور بس،	۶۳۸
جنگ وجہاد کے لیے نہ کہ کسی شخصیت کے لیے،	۶۳۹
راہ حق سے پھرنے کا نقصان خود پھرنے والوں کو وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۳۹
موت کا ایک وقت مقرر ہے،	۶۳۹
طالب دنیا کے لیے دنیا ہی کا صلہ	۶۴۰
شکر گزاروں کے لیے بدلہ وجزا کا وعدہ،	۶۴۰
صبر کرنے والوں کے لیے محبت خداوندی کا مژدہ،	۶۴۱
مومن صادق کے اصل سرمائے کی نشاندہی،	۶۴۲
اخلاص واستقامت وسیلۂ نوازش وسرفرازی	۶۴۲
مخلصین کے انعام کا ذکر وبیان،	۶۴۳
نیکوکاروں کے لیے محبت خداوندی کا مژدۂ جانفزا،	۶۴۳
اہل کفر کی اطاعت سے تحذیر وممانعت،	۶۴۴
نور حق سے محرومی دارین کی ہلاکت وتباہی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم	۶۴۴
اللہ ہی سب کا ناصر ومددگار ہے،	۶۴۵
القاء رعب کی خاص خدائی مدد کا ذکر	۶۴۵
فرضی خداؤں کے پجاریوں کی بے حقیقتی کا بیان،	۶۴۶
ظالموں کا ٹھکانہ بہت ہی برا، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۴۷
اللہ کا وعدہ بہر حال اور قطعی طور پر سچا،	۶۴۷
فتح ونصرت اللہ ہی کی طرف سے،	۶۴۸

تفصیلی فہرست عنوانات — جلد اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
شکست کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر،	۶۴۸	محروم الایمان لوگوں کے لیے یاس وحسرت کی سزا کا ذکر	۶۶۱
اختلاف اور جھگڑا باعث نکبت ووبال، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ العظیم	۶۴۸	زندگی اور موت اللہ ہی کے قبضہ قدرت واختیار میں	۶۶۱
معاصی وذنوب باعث نقصان وخسران، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۶۴۹	اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کی عظمتِ شان کا ذکر وبیان	۶۶۲
"مَا تُحِبُّوْنَ" سے مقصود ومراد؟ اور ایک مغالطے کا جواب،	۶۵۰	سب کی حاضری اللہ کے حضور،	۶۶۳
صرف دنیا کو مقصد بنانا باعث محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۶۵۰	تندخوئی اور سنگدلی کا طبعی نتیجہ تنفر وانتشار، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۶۶۳
ہزیمت احد ابتلاء وآزمائش کا ذریعہ	۶۵۱	باہمی مشورے کی تعلیم وتلقین،	۶۶۳
شرکائے احد کے لیے قطعی معافی کی صریح خوشخبری،	۶۵۱	اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین،	۶۶۴
اللہ بڑے ہی فضل والا ہے،	۶۵۲	اللہ کے سوا کوئی بھی مافوق الاسباب مدد نہیں کرسکتا،	۶۶۵
"تُصْعِدُوْنَ" کا معنی ومطلب؟	۶۵۲	اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا ایمان کا تقاضا،	۶۶۶
احد کی افراتفری کا ایک نمونہ ومظہر،	۶۵۲	خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہوسکتا،	۶۶۶
معصیت رسول کے نتیجے میں غم پر غم، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۶۵۳	خیانت کے ہولناک انجام کا ذکر وبیان،	۶۶۷
اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر ویاددہانی،	۶۵۳	روز جزا میں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا،	۶۶۷
اہل ایمان کے لیے ایک خاص انعام کا ذکر وبیان،	۶۵۴	رضاء الٰہی کی پیروی کی عظمت شان کا ذکر وبیان،	۶۶۸
گروہ منافقین کی حالت وکیفیت	۶۵۴	لوگوں کے مختلف درجات کا ذکر وبیان،	۶۶۹
منافقوں کے منافقانہ اور جاہلیت کے گمان	۶۵۵	بعثت پیغمبر ایک عظیم الشان انعام خداوندی،	۶۶۹
منافقوں کی دورخی باتوں کی ایک مثال،	۶۵۵	بشریت پیغمبر ایک مستقل اور عظیم الشان انعام خداوندی،	۶۷۰
اختیار سب اللہ ہی کے لیے ہے،	۶۵۵	تلاوت آیت کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان،	۶۷۰
قرآن حکیم کی حقانیت کا ایک اور ثبوت،	۶۵۶	تزکیہ باطن کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان،	۶۷۱
تقدیر کا لکھا کبھی نہیں ٹل سکتا،	۶۵۶	تعلیم دین کی عظمت واہمیت کا ذکر وبیان،	۶۷۱
مصائب وہموم ذریعہ ابتلاء وآزمائش،	۶۵۷	بعثت پیغمبر کی عظمت شان کا ایک خاص پہلو،	۶۷۲
مصیبت کے ذریعے تصفیہ قلوب کا سامان،	۶۵۸	غزوۂ بدر کے انجام سے درس عبرت لینے کی ہدایت	۶۷۳
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا ایک نمونہ ومظہر،	۶۵۸	انسان کی مصیبت خود اس کے اپنے عمل کا نتیجہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۶۷۳
لغزش قدم اپنے کیے کے نتیجے میں،	۶۵۸	ہر کام اللہ کی مشیت اور اس کے اذن سے،	۶۷۴
شرکائے احد کیلئے عفو ودرگزر کی خوشخبری،	۶۵۹	احد کی شکست کا ایک اہم مقصد منافقوں کی چھانٹی،	۶۷۴
اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کا حوالہ وذکر	۶۵۹	منافقوں کے لیے شرکت جہاد کی دعوت ایک اور پہلو سے،	۶۷۵
ایمان والوں کے ایک خاص تنبیہ وتحذیر،	۶۶۰	منافقین کے ایک منافقانہ قول کا ذکر	۶۷۶
محروم الایمان لوگوں کی اندرونی کیفیت کا ایک نمونہ،	۶۶۰	منافق اپنے قول وقرار سے کفر کے قریب تر، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۶۷۶

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
منافقت کا نشان ''ظاہر کچھ اور باطن کچھ''، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۷۶
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۶۷۷
منافقوں کی منافقت کے ایک اور مظہر کا ذکر	۶۷۷
موت کو اپنے وقت سے کوئی نہیں ٹال سکتا،	۶۷۸
شہیدوں کو مردہ سمجھنے کی ممانعت،	۶۷۸
شہداء کے لیے نہ کوئی خوف نہ غم،	۶۷۹
شہداء کی خوشی ومسرت کا ذکر وبیان،	۶۷۹
اہل ایمان کے لیے ایک خوشخبری	۶۸۰
غزوۂ حمراء الاسد اور اس کے شرکاء کی عظمت شان کا بیان،	۶۸۱
غزوۂ بدر صغریٰ اور اسکے حال ومآل کا ذکر وبیان،	۶۸۱
صدق ایمان کا نتیجہ وتقاضا اللہ پر پکا اور پختہ یقین واعتماد،	۶۸۲
سچے ایمان ویقین اور صدق واخلاص کی عظمت شان،	۶۸۳
انسانی لبادے میں شیطان اور اس کی کارستانی	۶۸۳
صدق ایمان کے لازمی تقاضے کا ذکر وبیان،	۶۸۴
منکروں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں	۶۸۶
منکروں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۶۸۶
کافروں کے لیے بڑا رسوا کن عذاب،	۶۸۶
امتحان اور آزمائش کی ضرورت	۶۸۶
ابتلاء وآزمائش کا نتیجہ وتقاضا؟	۶۸۷
سب لوگوں کو غیب کی خبروں پر مطلع نہیں کیا جاسکتا	۶۸۷
اللہ کے رسول اللہ کا انتخاب	۶۸۸
ایمان صادق کی دعوت	۶۸۹
ایمان وتقویٰ والوں کے لیے اجر عظیم کا مژدۂ جانفزا،	۶۸۹
بخیلوں کے لیے ان کا بخل بہت برا،	۶۹۰
بخل کے انجام بد کے ایک مظہر کا ذکر وبیان،	۶۹۱
ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی میراث،	۶۹۱
یہود کے ایک انتہائی بے ہودہ قول کا ذکر وبیان،	۶۹۲

عنوانات	صفحہ
یہود کے اس بے ہودہ قول کی سنگینی کا اظہار،	۶۹۲
اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبے سے پاک، سبحانہ و تعالیٰ،	۶۹۳
یہود کی بہانہ جو طبیعتوں کا ایک بہانہ	۶۹۴
یہود کے حیلے کی تردید خود ان کے اپنے عمل وکردار سے،	۶۹۵
پیغمبر کے لیے سامان تسلی وتسکین،	۶۹۵
''بینات'' سے یہاں پر مقصود ومراد؟	۶۹۶
''زُبُر'' کا معنیٰ ومطلب؟	۶۹۶
''کتاب منیر'' سے مقصود ومراد؟	۶۹۷
اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا،	۶۹۷
حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح کی نشاندہی،	۶۹۷
دنیاوی زندگی محض دھوکے کا سامان، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۶۹۸
اہل ایمان کی ابتلاء وآزمائش کا ذکر وبیان،	۶۹۸
اہل ایمان کو ایک خاص تنبیہ وتذکیر،	۶۹۸
صبر وتقویٰ حفظ وامان کا ذریعہ ووسیلہ،	۷۰۰
یہود سے اظہار وتبیین حق کے عہد کا ذکر وبیان،	۷۰۰
یہود کی عہد شکنی کا ذکر وبیان،	۷۰۱
اہل باطل کیلئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۷۰۲
اللہ تعالیٰ کی بے مثال بادشاہی اور اس کے کمال قدرت کا ذکر وبیان،	۷۰۳
کائنات کی نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت،	۷۰۳
''اُولُوا الْاَلْبَاب'' سے مقصود ومراد؟	۷۰۳
ذکر وفکر دونوں کی ضرورت کا اظہار وبیان،	۷۰۴
غور وفکر کا محل مخلوق ہے نہ کہ حضرت حق، جَلَّ مَجْدُہٗ	۷۰۵
کائنات کی تخلیق عبث وبیکار نہیں ہوسکتی،	۷۰۶
ظالموں کے لیے کوئی یار ومددگار نہیں،	۷۰۷
''مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ'' سے مقصود ومراد؟	۷۰۸
ایمان کے وسیلے سے مغفرت سیآت کی دعاء،	۷۰۸

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ
تکفیر سیّآت کی دعا و درخواست،	۷۰۹
خاتمہ بالخیر کی دعا و درخواست،	۷۱۰
راہِ حق پر استقامت کی دعاء	۷۱۰
قیامت کی رسوائی سے بچانے کی دعاء،	۷۱۰
اللہ کا وعدہ قطعی اور پکا،	۷۱۱
اللہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا،	۷۱۱
مرد اور عورت کی جزا میں مساوات	۷۱۱
کی علت اور سبب کا ذکر وبیان،	
بعض اہم اعمال کا ذکر وبیان،	۷۱۲
شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت شان کا ذکر	۷۱۲
جنت کی عظیم الشان نہروں کا ذکر وبیان،	۷۱۳
ایک عظیم الشان صلہ وبدلہ کی بشارت وخوشخبری،	۷۱۳
سب سے عمدہ بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس،	۷۱۴
کافروں کا دائمی ٹھکانہ جہنم،	۷۱۶
جنت کی ایک منفرد صفت، خلود ودوام،	۷۱۶
"نُزُل" کا معنی ومفہوم؟	۷۱۶
دوہرے اجر وثواب کے مستحقوں کا ذکر	۷۱۷
فلاں کا مفہوم اور اس سے سرفرازی کا طریقہ؟	۷۱۷
۴ سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲	۷۱۹
سورۂ نساء کی وجہ تسمیہ؟	۷۱۹
تقویٰ رب کی ربوبیت کا تقاضاء	۷۱۹
تمام بنی نوع انسان کا آغاز ایک ہی جان سے،	۷۲۰
ایک ہی جان سے اس کے جوڑے کی پرحکمت تخلیق،	۷۲۱
قدرت کا ایک عظیم الشان اور محیر العقول کرشمہ،	۷۲۱
اللہ پاک کے نام کی عظمت اور برکت کا ایک عظیم الشان مظہر	۷۲۲
رشتوں کے بگاڑ سے بچنے کی تعلیم وتلقین،	۷۲۲

عنوانات	صفحہ
یتیموں کے بارے میں عدل وانصاف کی تعلیم وتلقین،	۷۲۳
یتیموں کے بارے میں اصلاح احوال کیلئے خاص ہدایت،	۷۲۳
بیویوں کے بارے میں عدل وانصاف کی تعلیم اور ایک مغالطے کی تردید،	۷۲۴
عورتوں کو اپنے مہروں سے دستبرداری کا حق ہے،	۷۲۵
مال کے بارے میں اسلام کا عادلانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر،	۷۲۶
دلجوئی کے لیے بھلی بات کہنے کی ہدایت	۷۲۶
یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت،	۷۲۶
یتیم کے مال سے دستور کے مطابق لینے کی اجازت،	۷۲۷
یتیم کا مال سپرد کرتے وقت گواہ رکھنے کا حکم وارشاد،	۷۲۷
اللہ تعالیٰ کے محاسبے کی تذکیر ویاددہانی،	۷۲۷
استحقاق میراث کی اساس وبنیاد قرابت ورشتہ داری،	۷۲۹
وارث کو اس کا حق دینا ضروری ہے،	۷۲۹
میراث کا استحقاق نہ رکھنے والوں کیلئے بھلی بات کہنے کی تعلیم وتلقین،	۷۲۹
یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کیلئے ایک مؤثر انداز تعلیم وتبلیغ،	۷۳۰
یتیموں کا مال کھانے والوں کیلئے ہولناک انجام کا ذکر وبیان،	۷۳۰
اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت وعنایت کا ایک مظہر،	۷۳۳
میراث میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر،	۷۳۳
تنفیذ وصیت اور ادائیگی قرض تقسیم میراث سے پہلے،	۷۳۳
تقسیم میراث مقررہ حصوں کے مطابق	۷۳۴
اللہ تعالیٰ کے اوامر وارشادات کی اہمیت وعظمت،	۷۳۴
زوجیت کی بناء پر ملنے والے حق میراث کی چار صورتیں	۷۳۵
کلالہ کی تعریف اور اس کی میراث کی صورتیں؟	۷۳۵
"وَلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ" سے مقصود ومراد؟	۷۳۵

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے،	۷۳۶	باہمی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی جائز ہے،	۷۵۱
اللہ تعالیٰ کی صفت علم وحلم کا حوالہ وذکر،	۷۳۷	غیر مستطیع شخص کے لیے باندی سے نکاح کی اجازت،	۷۵۱
شریعت مقدسہ کے احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدیں،	۷۳۷	انسان کی اصل قدر وقیمت اس کے ایمان ویقین ہی سے ہے،	۷۵۳
اصل اور حقیقی کامیابی جنت سے سرفرازی،	۷۳۷	مستی نکالنے اور خفیہ آشنائیاں کرنے کی ممانعت،	۷۵۳
حدود اللہ سے تجاوز کا انجام نہایت ہولناک، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۷۳۹	لفظ عنت کا معنی ومفہوم؟	۷۵۴
ارتکاب فاحشہ سے متعلق ایک عارضی حکم	۷۳۹	نکاح امہ سے صبر کرنا ہی بہتر ہے،	۷۵۴
اَلَّذَانِ کا تثنیہ علی سبیل التغلیب،	۷۴۰	اللہ کے احکام بندوں ہی کے بھلے کے لیے،	۷۵۴
ایذاء پہنچانے کی مختلف صورتوں اور حکم شرعی کی دو شکلوں کا بیان	۷۴۰	گزشتہ انبیاء ورسل اور صالحین کے راستوں پر چلنے کے مقصد کا ذکر وبیان،	۷۵۵
اللہ تعالیٰ کی شان توّابیّت کا حوالہ وذکر،	۷۴۱		
اللہ تعالیٰ کی شان رحمت ورحیمیت کا حوالہ وذکر،	۷۴۲	اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کا حوالہ وذکر،	۷۵۵
جہالت بمعنی نادانی،	۷۴۲	اتباع ہوی باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۷۵۶
جلد توبہ کرنے کی ترغیب وتحریض،	۷۴۲	انسان کے جبلی اور طبعی ضعف کا ذکر	۷۵۶
دو قسم کے لوگوں کے لیے کوئی توبہ نہیں،	۷۴۳	الباطل کے مفہوم کا عموم وشمول	۷۵۷
عورتوں کے جبراً وارث بننے کی ممانعت،	۷۴۳	خودکشی کی حرمت کا ذکر وبیان	۷۵۷
عورتوں سے مہر کی واپسی کے جواز کی صورت،	۷۴۴	اللہ کی رحمت وعنایت کا حوالہ وذکر	۷۵۸
حقوق نسواں سے متعلق ایک عظیم الشان ضابطہ واصول،	۷۴۴	آتشِ دوزخ کی ہولناکی سے تحذیر وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۷۵۹
اللہ تعالیٰ کے ہر حکم وارشاد میں خیر ہی خیر ہے،	۷۴۵	اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل وانصاف کا تقاضا	۷۵۹
فتوت ومروت کا ایک اہم مقتضی	۷۴۵	گناہوں کی معافی کیلئے ایک عظیم الشان ضابطہ واصول	۷۶۰
ازواج کا اپنے شوہروں سے ایک پختہ عہد،	۷۴۶	غیر اختیاری امور میں رشک ورقابت سے ممانعت	۷۶۰
باپ، دادا، کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان،	۷۴۶	اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر،	۷۶۱
نزول حکم سے پہلے کے گناہ معاف ہیں	۷۴۷	میراث میں سے ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے کی ہدایت	۷۶۱
نکاح مَقت کی حرمت اور اس کی قباحت کا ذکر وبیان،	۷۴۷	حلیفوں کو ان حصہ دینے کا حکم وارشاد	۷۶۲
حرمت رضاعت کا ذکر وبیان،	۷۴۸	اللہ تعالیٰ کی آگاہی ونگہبانی کی تذکیر ویاد دہانی	۷۶۲
باندیوں سے مقصود ومراد؟	۷۴۹	مردوں کی عورتوں پر فضیلت وفوقیت کا ذکر وبیان	۷۶۳
حلال عورتوں کا ذکر وبیان بالاجمال،	۷۵۰	حفاظت، اللہ ہی کی عنایت سے ہوسکتی ہے،	۷۶۳
نکاح میں مال یعنی مہر کی شرط کا ذکر وبیان،	۷۵۰	اپنے ماتحتوں سے انتقام کیلئے حیلہ جوئی کی ممانعت	۷۶۴
بیویوں کے مہر ادا کردینے کا حکم وارشاد،	۷۵۱	زوجین کے درمیان اصلاح کا حکم وارشاد	۷۶۴

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
حَکم کے اہل خاندان میں سے ہونے کی حکمت	۷۶۵	"لَا مَسْتُمُ النِّسَآءَ" سے مقصود ومراد؟	۷۷۶
حسن نیت اور اس کا اثر ونتیجہ	۷۶۵	اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کی تذکیر ویاد دہانی،	۷۷۶
اللہ تعالیٰ کے علم وآ گہی کی تذکیر ویاد دہانی	۷۶۶	اہل کتاب کے تعجب خیز وعبرتناک حال کا ذکر وبیان،	۷۷۷
عبادت وبندگی صرف اللہ کی	۷۶۶	اللہ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۷۷۷
شرک سے تحذیر وممانعت	۷۶۶	حاجت روا وکارساز سب کا اللہ ہی ہے،	۷۷۸
حقوق والدین کی عظمت شان	۷۶۶	یہود کی ایک خصلت بد کا ذکر وبیان،	۷۷۸
دوہرے حق والے پڑوسی کا بیان،	۷۶۷	یہود کے ڈبل معنی والے اور شر انگیز کلمات کا ایک نمونہ،	۷۷۹
دور کے پڑوسی سے مقصود ومراد؟	۷۶۷	یہود کی شر انگیزی کی ایک اور مثال،	۷۸۰
پہلو کے ساتھی سے مقصود ومراد؟	۷۶۷	یہود پر پھٹکار ان کے اپنے اختیار کردہ کفر کی بناء پر،	۷۸۰
"مَا مَلَکَتْ" کا عموم وشمول	۷۶۸	ایمان قلیل کا معنی ومطلب؟	۷۸۰
"مختال اور فخور" سے مقصود ومراد؟	۷۶۸	قرآن حکیم کی تصدیق تورات وانجیل کے لیے تین طرح سے	۷۸۰
بخیل کی ایک خاص خصلت کا ذکر وبیان،	۷۶۹	چہروں کو مٹانے اور الٹنے سے مقصود ومراد؟	۷۸۱
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو چھپانا ایک مذموم خصلت، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۷۶۹	اللہ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے،	۷۸۱
		شرک کا جرم ناقابل معافی جرم ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۷۸۲
کافروں کے لیے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب	۷۷۰	اپنی پاکیزگی کے دعویداروں کے لیے تنبیہ وتحذیر،	۷۸۳
ریاکاری باعث ہلاکت ومحرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۷۷۰	اللہ پر جھوٹ باندھنے کے جرم کی شدت وہولناکی،	۷۸۳
ایمان صادق کے لیے ترغیب وتحریض،	۷۷۱	یہود کی بدبختی کا ایک نمونہ ومظہر،	۷۸۴
انفاق فی سبیل اللہ کے لیے تحریض وترغیب،	۷۷۱	یہود پر اللہ کی طرف سے لعنت وپھٹکار،	۷۸۴
اللہ تعالیٰ کے علم وآ گہی کی تذکیر ویاد دہانی،	۷۷۲	یہود کے ضرب المثل بخل کا تقاضا،	۷۸۵
روز قیامت کی شہادت وگواہی کا ذکر وبیان،	۷۷۲	حسد یہودیوں کی عمومی اور قومی خصلت،	۷۸۵
حضرت امام الانبیاء کی گواہی سب پر	۷۷۳	آل ابراہیم پر قدرت کی نوازشوں کا ذکر وبیان،	۷۸۷
قیامت کے روز کفار کی انتہائی یاس وحسرت کا ذکر وبیان،	۷۷۳	اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ومظہر،	۷۸۷
اللہ سے کوئی بات چھپانا ممکن نہیں،	۷۷۴	اہل جنت کی بیویوں کی عظمت شان کا ایک پہلو،	۷۸۷
حرمت شراب کے حکم کے دوسرے مرحلے کا ذکر وبیان،	۷۷۴	اہل جنت کے لیے گھنے سایوں کی رحمت وعنایت،	۷۸۸
غسل جنابت کی فرضیت کا ذکر وبیان،	۷۷۵	امانات سے مراد اور امانت کے مفہوم کی وسعت	۷۸۸
مسافر کے لیے تیمم کی اجازت	۷۷۵	عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ہدایت،	۷۸۸
حسن ادب کی تعلیم لطیف کا ایک نمونہ	۷۷۶	اللہ پاک کی نصیحت سب سے عمدہ	۷۸۹

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد،	۷۹۰
اللہ کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد	۷۹۰
"اولوالامر" سے مقصود ومراد؟	۷۹۰
کتاب وسنت کی طرف رجوع تقاضائے ایمان،	۷۹۱
باہمی اختلافات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کی تعلیم	۷۹۱
رجوع الی اللہ بہرحال بہتر ہے،	۷۹۲
منافقوں کا تعجب انگیز حال	۷۹۲
ایمان کے لیے طاغوت کا انکار لازمی ہے،	۷۹۲
شیطان کا کام گمراہی میں ڈالنا، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۷۹۳
صد کا معنی ومطلب اور حق سے روکنے کا نتیجہ وانجام	۷۹۴
منافقت کا نقاب اور اس کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبت	۷۹۵
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۷۹۵
منافقوں سے درگزر سے کام لینے کی تعلیم	۷۹۵
قول بلیغ یعنی رسا بات کہنے کی ہدایت،	۷۹۶
رسول کی اطاعت ہی اصل مقصود ہے،	۷۹۶
ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے صحیح راستہ	۷۹۷
گناہوں کو معاف کرانے کا صحیح طریقہ استغفار	۷۹۷
اللہ تعالیٰ کی شان توّابیّت ورحمت کا حوالہ وذکر،	۷۹۸
لوگوں کے غلط رویے کی تردید واصلاح	۷۹۹
ایمان کے لیے ایک اہم کسوٹی	۷۹۹
ایمان ویقین ہی باعث فلاح ونجات،	۷۹۹
نصیحت حق پر عمل کرنا ہی باعث فوز وفلاح ہے،	۸۰۰
اخلاص اور اتباع باعث تقویت قلوب،	۸۰۰
اجر عظیم کا اہم مصداق اور اس سے مقصود ومراد؟	۸۰۱
صراط مستقیم کی عظمت شان کا ذکر وبیان،	۸۰۱
خاصان خدا کی معیت کا مطلب؟	۸۰۳
سب سے بڑا درجہ انبیائے کرام کا،	۸۰۳
"صدیق" کا معنی ومطلب؟	۸۰۳
شہادت کے درجہ کی عظمت شان	۸۰۴
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر	۸۰۴
منظم اور گوریلہ دونوں قسم کے جنگجوؤں کا حکم وارشاد	۸۰۵
منافقوں کے منافقانہ رویے کا ذکر وبیان،	۸۰۵
بے ایمانوں کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۰۵
اصل چیز آخرت ہے	۸۰۶
مجاہدوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ	۸۰۶
جہاد فی سبیل اللہ کے دو اہم داعیوں کا ذکر وبیان،	۸۰۷
مظلوموں کی دعا وپکار کا ذکر وبیان،	۸۰۷
حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے،	۸۰۸
اللہ ہی سے مدد مانگنے کی تعلیم وتلقین،	۸۰۸
مومن کا جہاد اللہ کی رضا کے لیے	۸۰۹
کافروں کی جنگ شیطان کی راہ میں	۸۰۹
شیطان کی چال بہت کمزور ہے	۸۰۹
منافقوں کے ایک گروہ کے بارے میں دعوت غور وفکر	۸۱۰
فرضیت جہاد کے بعد کے حال کا ذکر	۸۱۰
منافقوں کی ایک تمنا کا ذکر	۸۱۱
دنیا کا متاع بہت تھوڑا ہے،	۸۱۲
تقویٰ وپرہیزگاری وسیلۂ نجات	۸۱۲
تم پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوگا،	۸۱۲
موت سے ڈرنا بے سود ولا حاصل،	۸۱۳
یہود کے زعم اور گھمنڈ کا ایک نمونہ ومظہر،	۸۱۳
منافقین کی سیاہ بختی کا ایک اور نمونہ ومظہر،	۸۱۳
زائغین کے زیغ وضلال کا ایک نمونہ ومظہر،	۸۱۴
ہر بھلائی اللہ ہی کی طرف سے فالحمد جل و علا	۸۱۴
بری حالت کا سبب اور باعث انسان خود، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۱۵

جلد — تفصیلی فہرست عنوانات — اول

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
پیغمبر کے لیے سامان تسلی وتسکین	۸۱۵	بد باطنی کا نتیجہ وانجام محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۸۲۸
رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت،	۸۱۶	ہدایت وضلالت کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی	۸۲۸
پیغمبر کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق،	۸۱۶	کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے،	
منافقوں کے طاعت کے زبانی کلامی دعوے	۸۱۶	کافروں کی ایک خاص خواہش کا ذکر وبیان،	۸۲۸
اہل باطل کی اہل حق کے خلاف منصوبہ سازی کا ذکر،	۸۱۷	ابتدائے اسلام میں ہجرت کی فرضیت کا ذکر	۸۲۹
کارسازی اللہ ہی کی ہے، سبحانہ وتعالیٰ	۸۱۷	حکم حق کے منکروں کے لیے قتل کا حکم	۸۳۰
قرآن حکیم میں غور وفکر کی دعوت	۸۱۸	دشمنوں میں سے کسی کو بھی دوست بنانے کی ممانعت،	۸۳۰
قرآن حکیم کی حقانیت وصداقت کی ایک اہم اور واقعاتی دلیل	۸۱۸	معاہدہ کی پابندی کی تعلیم وتلقین	۸۳۰
افواہ طرازی کی قباحت وشناعت،	۸۱۹	غیر جانبدار رہنے والوں کا قتل جائز نہیں،	۸۳۱
نئی بات کو ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے کی ہدایت،	۸۲۰	اللہ کے ایک احسان کی یاد دہانی اور اسکی قدردانی کی تلقین،	۸۳۱
بات کی تہ تک پہنچنے والے کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں،	۸۲۰	صلح پسند لوگوں سے صلح صفائی ہی کا معاملہ کرنیکی ہدایت	۸۳۱
اللہ پاک کی رحمت وعنایت کا ثمرہ ونتیجہ	۸۲۰	ذوالوجہین منافقوں کے ایک گروہ کا ذکر وبیان،	۸۳۲
اسلام میں سیاسی نظام کی عظمت واہمیت	۸۲۱	منافقوں کے ایک شرانگیز گروہ کی نشاندہی،	۸۳۲
صحیح فکر وفہم والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں،	۸۲۱	دشمن اور اس کی موقع پرستی سے بچنے کی فکر وکوشش	۸۳۲
وعدۂ کرم واحسان بصورت امید وترجی،	۸۲۲	عہد شکن دشمنوں کو جہاں پاؤ قتل کرو،	۸۳۳
اللہ کے عذاب ونکال کا حوالہ وذکر،	۸۲۳	زیادتی کرنیوالے کافروں کے خلاف کاروائی کیلئے کھلی سند	۸۳۳
اچھی سفارش اور اس کا اچھا پھل	۸۲۳	قتل مومن کسی مومن کا کام نہیں ہوسکتا،	۸۳۴
بُری سفارش اور اس کا بوجھ	۸۲۴	قتل خطا کے حکم کا ذکر وبیان،	۸۳۴
"مقیت" کا معنی ومطلب؟	۸۲۴	کفارۂ قتل میں رقبہ مومنہ کی قید کا ذکر وبیان،	۸۳۵
تَحِیَّۃٌ کا معنی ومطلب؟	۸۲۴	دیت مقتول کے وارثوں کے حوالے کرنے کی ہدایت،	۸۳۵
سلام کا بہتر جواب دینے کی تعلیم وتلقین،	۸۲۵	خون بہا معاف کرنے کی ترغیب	۸۳۵
اللہ تعالیٰ کے محاسبے کی تذکیر ویاد دہانی،	۸۲۵	کافر قوم کو دیت نہیں دی جائے گی،	۸۳۶
قیامت کی قطعیت کا ذکر وبیان،	۸۲۶	معاہد قوم کو خون بہا دیا جائے گا،	۸۳۷
اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کسی کی نہیں ہوسکتی،	۸۲۶	قتل معاہد پر غلام آزاد کرنے کا حکم	۸۳۷
منافقوں کے ایک گروہ کے کفر ونفاق کا اعلان واظہار،	۸۲۷	غلام باندی نہ ملنے کی صورت میں حکم؟	۸۳۷
منافقوں کے ایک گروہ سے متعلق اختلاف کا ذکر	۸۲۷	کفارۂ قتل کے روزوں میں تتابع شرط ہے،	۸۳۷
بدکرداری کی ایک نقد سزا حق سے محرومی، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۸۲۷	اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا سامان	۸۳۸

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
اللہ تعالیٰ کی صفت علم وحکمت کا حوالہ وذکر،	۸۳۸	"اِذَا کُنۡتُ فِیۡهِمۡ" کا مطلب؟	۸۵۰
قاتل متعمد کی سزا ہمیشہ کا جہنم، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۸۳۸	نماز خوف کی اجازت	۸۵۱
تحقیق حال کی ضرورت اور اس کا حکم	۸۳۹	بھاری اسلحہ سے سبکدوشی کی اجازت	۸۵۲
کسی سلام کرنیوالے کو خواہ مخواہ غیر مسلم نہ سمجھنے کی ہدایت	۸۳۹	بچاؤ کا سامان بہر حال اپنائے رکھنے کی ہدایت،	۸۵۳
مال غنیمت کے طالبوں کے لیے ایک ہدایت،	۸۴۰	کافروں کے لیے رسوا کن عذاب،	۸۵۳
اپنے دور ضعیفی کو یاد کرنے کی ہدایت،	۸۴۰	ہر حال میں ذکر الٰہی کی تعلیم وتلقین،	۸۵۳
اللہ کے احسان کی یاد دہانی اور اس کی قدر دانی	۸۴۰	نماز کی فرضیت مقررہ اوقات میں	۸۵۳
تحقیق حال کا حکم مکرر،	۸۴۱	دنیا میں تکلیف سب ہی کو پہنچتی ہے،	۸۵۴
مجاہدین کی فضیلت وشان کا ذکر وبیان،	۸۴۱	اہل ایمان کی امتیازی شان کا ذکر وبیان،	۸۵۴
ایمان صادق ذریعہ نجات وسرفرازی،	۸۴۲	اللہ کی دکھلائے کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت،	۸۵۵
بلا عذر جہاد سے تخلف باعث محرومی، والعیاذ باللہ،	۸۴۲	خیانت کرنیوالوں کی طرف داری کرنے سے ممانعت،	۸۵۵
مجاہدین کے لیے عظیم الشان درجات کی بشارت،	۸۴۴	پیغمبر کا استغفار ان کے مقام رفیع کے مطابق،	۸۵۶
دین وایمان کی حفاظت وفکر سب سے مقدم،	۸۴۴	برائی کا ارتکاب خود اپنی جان پر ظلم، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۸۵۶
اصل دولت دین وایمان ہی کی دولت ہے،	۸۴۴	ایمان ویقین سے محرومی کی ایک نقد سزا، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۸۵۷
دولت دین کی حفاظت کے لیے ہجرت فرض،	۸۴۵	ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۸۵۸
فریضہ ہجرت ترک کرنیوالوں کا ٹھکانہ دوزخ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ	۸۴۵	اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم وقدرت کا حوالہ وذکر،	۸۵۸
ضعیفوں اور کمزوروں کی رعایت کا ذکر وبیان،	۸۴۵	قیامت میں کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا،	۸۵۸
صحیح راستے کے فقدان کے عذر کا ذکر وبیان،	۸۴۶	سلامتی اور نجات کی راہ کی نشاندہی،	۸۶۰
مجبوروں اور معذوروں کے لیے معافی کی امید،	۸۴۶	برائی کا وبال برائی کرنے والے پر، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۸۶۰
اللہ تعالیٰ کی شان عفو ودرگزر کا حوالہ وذکر،	۸۴۶	بدنیتی اور خبث باطن باعث ہلاکت وتباہی، وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ،	۸۶۱
مراغم کا معنی ومفہوم؟	۸۴۷	حفاظت اللہ ہی کی حفاظت ہے، سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالٰی،	۸۶۱
سفر اور ہجرت پر کشائش رزق کا وعدہ،	۸۴۷	پیغمبر پر عنایات خداوندی کا ذکر وبیان،	۸۶۱
صدق نیت پر بہر طور وعدۂ اجر وثواب،	۸۴۸	"عَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ" کا مطلب؟	۸۶۳
سفر شرعی کے لیے خاص رعایتوں کا اعلان وبیان،	۸۴۸	اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کا ذکر	۸۶۳
سفر میں قصر صلوٰۃ کی اجازت	۸۴۹	لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں	۸۶۳
خوف کی قید واقعی ہے نہ کہ احترازی	۸۴۹	نجوائے خیر پر اجر عظیم سے نوازنے کی خوشخبری،	۸۶۴
کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں	۸۴۹		

جلد تفصیلی فہرست عنوانات اول

عنوانات	صفحہ
اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت باعث ہلاکت وتباہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۶۴
اہل ایمان کے راستے کی خلاف ورزی کا نتیجہ نہایت بہت برا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۶۴
انسان اپنے انجام کا ذمہ دار خود،	۸۶۵
شرک ناقابل معافی جرم ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۶۶
شرک بہت دور کی گمراہی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۶۸
مشرکین کا بے حقیقت مادہ ناموں کو پکارنا،	۸۶۸
شیطان مَرید کی پوجا وپکار وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۶۸
شیطان کے چیلنج کا ذکر وبیان،	۸۶۹
جانوروں کے کان کٹوانے کا چیلنج	۸۶۹
اللہ کی بنائی ہوئی شکلوں کے بگاڑنے کے چیلنج کا ذکر وبیان،	۸۶۹
شیطان کو دوست بنانا کھلا خسارہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۷۰
شیطان کے کام کی تشخیص اور نشاندہی،	۸۷۱
شیطان کے وعدے محض دھوکے کا سامان، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۷۱
عمل صالح سے مقصود ومراد؟	۸۷۱
جنت کی نہروں کی عظمت شان کا بیان،	۸۷۲
خلود ودوام جنت کی ایک منفرد نعمت،	۸۷۲
اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کسی کی نہیں ہو سکتی،	۸۷۲
محض امیدوں پر جینا نرا دھوکہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۷۳
مدار نجات ایمان صحیح اور عمل صالح پر ہے،	۸۷۴
اللہ کے سوا نہ کوئی یار، نہ کوئی مددگار،	۸۷۴
ایمان قبولیت عند اللہ کے لیے شرط اول ہے،	۸۷۴
روز جزاء میں کسی سے ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا،	۸۷۴
اخلاص نیت کی عظمت واہمیت	۸۷۵
ملت ابراہیمی اور اس کی پیروی	۸۷۵
ابراہیم خلیل علیہ السلام کی عظمت شان کا اظہار وبیان،	۸۷۵

عنوانات	صفحہ
کائنات سب کی سب اللہ ہی کی ہے،	۸۷۶
یتیم وبے سہارا عورتوں کے بارے میں ایک خاص حکم وارشاد،	۸۷۷
بے سہارا بچوں کی حق تلفی سے ممانعت،	۸۷۸
اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر،	۸۷۸
زوجین میں باہم صلح وصفائی کی تعلیم وتلقین،	۸۷۹
صلح بہر حال بہتر ہے،	۸۷۹
حرص وآز انسانی فطرت کا تقاضا،	۸۸۰
احسان اور تقویٰ اصلاح معاشرہ کی دو اہم بنیادیں،	۸۸۰
بیویوں کے درمیان عدل ومساوات سے مقصود ومراد؟	۸۸۱
عورت کو معلقہ بنا کر رکھنے کی ممانعت،	۸۸۲
انسان اپنی قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں،	۸۸۲
زوجین میں سے ہر ایک کے لیے اغناء کا وعدۂ خداوندی،	۸۸۳
اللہ تعالیٰ کے کمال وسعت وحکمت کا حوالہ وذکر،	۸۸۳
کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے،	۸۸۴
اہل کتاب کو بھی تقویٰ کی تعلیم وتلقین،	۸۸۴
تقویٰ وپرہیزگاری کی عظمت واہمیت	۸۸۴
کائنات پوری میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے،	۸۸۵
اللہ تعالیٰ کی صفت غنیٰ اور حمد کا حوالہ وذکر،	۸۸۵
کائنات میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے،	۸۸۶
خدمت دین کی سعادت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت،	۸۸۶
دنیا ہی کو اپنا مقصود بنا لینا ہولناک خسارہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۸۷
اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے،	۸۸۷
عدل وانصاف کو قائم کرنے کا حکم وارشاد،	۸۸۸
حق کے گواہ بننے کی ہدایت وتلقین،	۸۸۸
گواہی اللہ کی رضاء کے لیے	۸۸۸
حق کی گواہی بغیر کسی رو رعایت کے،	۸۸۸
اللہ سب سے زیادہ خیر خواہ ہے،	۸۸۹

جلد اول — تفصیلی فہرست عنوانات

عنوانات	صفحہ
گواہی میں کج بیانی سے بچنے کی ہدایت	۸۸۹
گواہی سے اعراض برتنے اور منہ موڑنے کی ممانعت،	۸۸۹
ایمان پر ثابت قدمی کا حکم وارشاد،	۸۹۰
الکتاب سے مراد جنس کتاب،	۸۹۰
منکر حق بہت دور کی گمراہی میں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۹۱
ایمان کے بعد کفر کی شناعت وقباحت	۸۹۱
ایمان کے بعد کفر انتہائی ہولناک محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۹۲
منافقوں کیلئے دردناک عذاب کی خوشخبری وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۸۹۲
منافقوں کی ایک واضح نشانی کا ذکر وبیان،	۸۹۳
عزت سب کی سب اللہ ہی کے لیے ہے،	۸۹۳
بددینوں کی مجلسوں سے اجتناب وابتعاد کا حکم وارشاد،	۸۹۳
بے دینوں اور بددینوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت،	۸۹۴
بدمذہبوں کی ہم نشینی کے اثرات بہت برے،	۸۹۴
کافروں اور منافقوں دونوں کا انجام جہنم،	۸۹۵
ابناءِ دنیا کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ،	۸۹۵
منافقوں کی منافقت کا ایک اور مظہر	۸۹۶
آخری اور عملی فیصلہ قیامت ہی کے دن ہی ہوگا،	۸۹۶
کافروں کے لیے کوئی راہ نہیں ہوسکتی،	۸۹۷
منافقوں کی دھوکہ دہی کا بیان،	۸۹۷
منافق لوگ خود دھوکہ میں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۹۸
منافقوں کی منافقانہ نماز ان پر ایک بوجھ،	۸۹۸
منافقوں کی نماز محض دکھلاوے کیلئے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۸۹۹
منافقوں کو ان کے نفاق کی ایک نقد سزا،	۸۹۹
منافقوں کو ایک اور نقد سزا، بے اعتباری،	۸۹۹
بدنیتوں کیلئے راہ حق سے محرومی، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۹۰۰
کافروں کی دوستی سے ممانعت	۹۰۱
کفار سے دوستی باعث خسارہ، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ،	۹۰۱

عنوانات	صفحہ
منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ	۹۰۱
منافقوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا،	۹۰۲
منافقوں کے لیے سلامتی کی راہ کی نشاندہی،	۹۰۲
اخلاص کو اپنانے کی ہدایت	۹۰۲
اہل ایمان کے لیے اجر عظیم کی بشارت،	۹۰۲
ایمان صادق کی دعوت ایک نہایت بلیغ انداز میں،	۹۰۳
اللہ بڑا ہی قدر دان ہے،	۹۰۳
اللہ سب کچھ جانتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ،	۹۰۴

اَللّٰهُمَّ يَامَعْرُوْفًا بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدِيْمَ الْاِحْسَانِ،
يَامَنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ عَنْهُ السُّوْٓءَ
يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ، يَاحَنَّانُ يَامَنَّانُ، يَابَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ، يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ، يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،
وَيَاأَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ، نَسْئَلُكَ اِيْمَانًا لَّايَرْتَدُّ، وَنَعِيْمًا
لَّايَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فِيْ اَعْلٰى دَرَجَةِ الْجَنَّةِ جَنَّةِ الْخُلْدِ، وَاَنْ تَغْفِرَلَنَا
ذُنُوْبَنَا وَالْاٰثَامَ، مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ، وَمَانَعْلَمُ مِنْهَا
وَمَالَانَعْلَمُ، اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ،
وَاَفِضْ عَلَيْنَا بَرْدَ الْيَقِيْنِ، وَارْضَ عَنَّا وَعَنْ سَائِرِ
الْمُسْلِمِيْنَ وَخُذْ بِنَوَاصِيْنَا اِلٰى مَافِيْهِ صَلَاحُنَا وَفَلَاحُنَا
فِى الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ، بِرَحْمَتِكَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ،
وَيَاأَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ، يَاذَا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ
مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ يَامَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ
وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَاِيَّاهُ اَسْاَلُ الْقَبُوْلَ
وَالسَّدَادَ، وَمَزِيْدًا مِّنَ التَّوْفِيْقِ لِتَكْمِيْلِ مَابَقِيَ مِنَ التَّفْسِيْرِ،

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ ۱ مَکِّیَّۃٌ ۵ | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُھَا ۷ رُکُوْعُھَا ۱

ف۱ اللہ کے نام (پاک) سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں ف۲ جو پروردگار ہے سب جہانوں کا، جو بڑا مہربان،

الرَّحِیْمِ ② مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ③

نہایت رحم والا ہے، ف۳ جو مالک ہے بدلے کے دن کا، ف۴ (مالک!)

ف۱ سورۂ فاتحہ کی وجہِ تسمیہ اور اسکی عظمتِ شان:- ''فاتحہ'' کا لفظ ''فتح'' سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ آغاز اور شروع کرنے کے ہیں۔ چونکہ اس سورۂ کریمہ سے قرآنِ حکیم کا آغاز ہوتا ہے، اسکی تلاوت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے اور کتابت میں بھی اس کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو ''سورۂ فاتحہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ سورۂ کریمہ جس سے قرآنِ حکیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اور اس کی ''تاء'' نقل کی ہے یعنی ''اَلنَّقْلُ مِنَ الْوَصْفِیَّۃِ اِلَی الْعَلَمِیَّۃِ'' یعنی ''اس کے ذریعے اس کو وصفیت کے معنیٰ سے نقل کر کے عَلَم بنایا گیا''۔ لیکن وصف کا معنیٰ بہرحال ملحوظ ہے۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ، فتح القدیر للشوکانیؒ وغیرہ) مگر واضح رہے کہ اس کی یہ حیثیت محض ذکر و کتابت کے اعتبار سے ہے نہ کہ اس کے نزول کے اعتبار سے۔ کیونکہ اس اعتبار سے اس سورت کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ قولِ مشہور کی بنا پر ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے یہ سورت پانچویں نمبر پر ہے۔ اور یہ قرآنِ حکیم کی ایک بڑی ہی عظیم الشان سورۂ کریمہ ہے۔ اور یوں تو قرآنِ پاک کی ہر سورت ہی عظیم الشان ہے مگر بعض وجوہ کے اعتبار سے کسی کو خاص اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اس سورۂ کریمہ کے نام بھی بہت سے ہیں جو اس کی اس عظمت و اہمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو ''فَاتِحَۃُ الْکتاب'' کے علاوہ ''اُمُّ الکتاب'' بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ خلاصہ اور اجمال ہے قرآنِ حکیم کے جملہ مطالب و مضامین کا۔ اور قرآنِ حکیم خلاصہ و اجمال ہے اس سے پہلے نازل ہونے والی تمام آسمانی کتابوں کے مطالب و مضامین کا۔ اور اسی بنا پر اسکو ''مہیمن'' بھی کہا گیا ہے کہ یہ کتابِ حکیم آسمانی کتابوں کے عُلوم و معارف کی امین اور آئینہ دار ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ کا ایک نام ''اَلْکَنْز'' یعنی خزانہ بھی ہے۔ کیونکہ یہ آسمانی علوم و معارف کا ایک عظیم الشان خزانہ اور گنجینۂ رحمت ہے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ یہ سورۂ کریمہ عرشِ عظیم کے نیچے کے ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح اس کا ایک نام ''تعلیم المسئلہ'' بھی ہے۔ کیونکہ اس میں حضرتِ حق جَلَّ جَلَالُہٗ کے حضور عرض و درخواست کا طریقۂ تعلیم فرمایا گیا ہے۔ ورنہ انسان کے بس میں نہ تھا کہ وہ مُشتِ خاک ہوتے ہوئے حضرتِ حق -جَلَّ جَلَالُہٗ- کی بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں از خود عرض داشت پیش کر سکتا۔ کیونکہ وہ انسان ضعیف البنیان جو کہ فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔ اسی طرح

اس سورہ مبارکہ کا نام "شفاء" اور "شافیہ" بھی ہے۔ کیونکہ اس میں ہر درد کی دوا اور ہر مرض کی شفا کا سامان ودیعت فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح اسکو "کافیہ" اور "وافیہ" بھی فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ طالب ہدایت کی راہنمائی اور اسکے ذخیرۂ خیر و برکت کے لیے یہ سورۂ کریمہ کافی و وافی ہے۔ اسی طرح اسکو "الصَّلٰوۃ" یا "سورۃ الصلوۃ" بھی فرمایا گیا ہے کیونکہ قراءت صلوٰۃ میں اسکو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ بہرکیف یہ سورۂ کریمہ قرآنِ حکیم کی فاتحہ اور اس کا آغاز اور ایک عظیم الشان اور بے مثل سورت ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ السُّوْرَةِ۔

۲ حمد و ثنا کا اصل حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے:- حمد و ثنا کا اصل حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ کیونکہ دنیا میں جہاں بھی اور جس طرح کی بھی کوئی خوبی پائی جاتی ہے یا پائی جائے گی، وہ سب اسی کے کمال و جمال اور عطاء و نوال ہی کا کوئی مظہر ہوگا۔ پس اصل اور حقیقی تعریف اسی کی اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور اللہ نام ہی اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا ہے جو واجب الوجود ہے۔ یعنی جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کیلئے رہے گی۔ نہ وہاں سبقِ عدم ہے اور نہ لحوقِ زوال و فنا کا کوئی سوال و احتمال۔ اور وہ ہر شائبہ نقص و عیب سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ اسی لئے حضرات اہلِ علم لفظِ جلالہ یعنی "اللہ" جل جلالہ کی تشریح اس طرح کرتے ہیں: "عَلَمٌ لِذَاتِ الْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْمُسْتَجْمِعِ لِجَمِیْعِ صِفَاتِ الْکَمَالِ"، "یعنی یہ اس ذاتِ واجب الوجود کا نام ہے جو تمام صفاتِ کمال سے موصوف و متصف ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر تعریف اور ہر خوبی و کمال کا اہل اور حقدار وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کہ واجب الوجود بھی وہی ہے اور تمام صفاتِ کمال سے موصوف و متصف بھی وہی۔ تو اس کا طبعی اور لازمی نتیجہ ہے کہ ہر تعریف اور حمد و ثنا کا حقدار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہوا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو جب ہر چیز کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر چیز کا وجود اور اس کی ہر خوبی و کمال اسی کی طرف سے ہے۔ اس لیے ہر حمد اور خوبی کا مستحق بھی وہی ہے اور اس کائنات میں اور خاص کر ہر انسان پر حکم و ارشاد بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تنبیہ و تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾۔ [الاعراف: ۵۴] کہ "خالق بھی وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلے گا"۔

۳ خداوندِ قدوس کی وُسعتِ رحمت کا بیان:- کہ وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے دنیا کے اس دار الامتحان میں اپنی عمومی رحمت سے مومن و کافر اور اپنی مطیع و سرکش سب ہی مخلوق کو نواز رکھا ہے جو کہ حدیثِ صحیح کی رو سے اسکی رحمتِ بے نہایت کے سوویں حصے میں سے ہے۔ اور وہی ہے جو آخرت کے اُس حقیقی اور ابدی جہان کے دار الجزاء میں اپنے نیک اور صالح بندوں کو اپنے فضل و کرم سے اپنی اس خصوصی رحمت سے نوازیگا جو خالص اہلِ ایمان کے لیے ہوگی۔ اور جو سو میں کے باقی ننانوے حصوں پر محیط و مشتمل ہوگی۔ اور جب اسکی رحمتِ بے پایاں کے سوویں حصے کا یہ عالم ہے کہ وہ اس پوری دنیا جہاں پر چھایا ہوا ہے تو پھر اس جہان کی رحمت کی عظمتوں اور وسعتوں کے کہنے ہی کیا جہاں بقیہ تمام ننانوے حصے سایہ فگن ہونگے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ وَعَمَّتْ رَحْمَتُهٗ۔ اسی لئے بعض آثار و روایات میں فرمایا گیا ہے "رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَرَحِیْمَ الْاٰخِرَةِ" اور یوں لغت کے اعتبار سے بھی "فَعْلَانَ" کا صیغہ اپنی اصل کے لحاظ سے تجدّد و حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے "ذَعْلَانَ"

''غصے والا'' ''سُکْرَانَ''، ''نشے والا'' اور ''عَطْشَانَ''، ''پیاسا'' وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کی حیثیت آخرت کے مقابلے میں ایک عارضی اور وقتی چیز ہی کی ہے اس لئے صفتِ رحمٰن کی مناسبت اس رحمت سے زیادہ ہے جس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ اور صفتِ رحیم کی مناسبت اُس رحمتِ بے پایاں سے زیادہ ہے جس کا تعلق آخرت کی حقیقی اور اَبدی زندگی سے ہے۔ مگر چونکہ دنیاوی رحمت کا ایک اور خاص پہلو یہ بھی ہے کہ انسان کا باطن اگر درست ہو اور اسے ہدایت کا نور اگر نصیب ہو جائے تو دنیا کی اس عارضی زندگی کی یہ رحمت بھی اسکو آخرت کی حقیقی رحمت سے ہمکنار کر کے اس کے لیے ابدی رحمت بن جاتی ہے۔ اسی لیے بعض دوسری روایات میں یوں بھی فرمایا گیا ہے '' رَحْمٰنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ رَحِیْمَھُمَا '' ''اے وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ جو کہ رحمٰن ہے دنیا و آخرت دونوں کی اور رحیم بھی''۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ سو جب اسکی رحمتِ بے پایاں کے عموم وشمول کا عالم یہ ہے تو ہر تعریف اور حمد وثنا کا حقدار بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور جب اسکی اس صفت وشان میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں بھی کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں ہو سکتا۔ لہذا عبادت کی ہر شکل اور اسکی ہر قسم اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فَلَا شَرِیْکَ لَہٗ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ اَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ جَلَّ وَعَلَا۔

۱۴ قیامت کے دن اللہ کی بادشاہی کا کمالِ ظہور:۔ یعنی قیامت کے دن کا۔ کیونکہ ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا پورا بدلہ اپنی اصل اور کامل شکل میں وہیں ملے گا۔ کیونکہ دنیا میں اتنی گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں کہ کسی کو اسکے کیے کرائے کا پورا بدلہ اس میں مل سکے۔ تفصیل اپنی مفصل تفسیر میں انشاء اللہ اگر اللہ پاک کو منظور ہوا تو۔ لفظ ''دین'' کے کئی معنی آتے ہیں۔ دین کا معنیٰ مذہب وشریعت جیسے۔ ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾۔ [آل عمران: ۱۹] یا جیسے ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ [المائدۃ: ۳] وغیرہ وغیرہ۔ اور ''دین'' بمعنی عبادت و بندگی جیسے ﴿ وَادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ﴾ [الاعراف: ۲۹] یا جیسے ﴿ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ﴾ [الزمر: ۱۴] وغیرہ وغیرہ۔ اور ''دین'' بمعنی بدلہ وجزاء جیسے۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ [المعارج: ۲۶] اور۔ ﴿ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ [المدثر: ۴۶] وغیرہ وغیرہ۔ اور جہاں بھی لفظ ''الدین'' کا مضاف لفظ ''یوم'' ہوگا وہاں پر دین سے مراد بدلہ اور جزا ہی ہوگی۔ جیسا کہ آیتِ زیرِ بحث میں ہے۔ اور۔ ﴿ یَوْمُ الدِّیْنِ ﴾۔ یعنی بدلے کے دن کے مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس روز اسکی ملکیت اور اسکی بادشاہی کا ظہور کامل طور پر اور اسطرح ہوگا کہ وہ تمام عارضی اور فانی ملکتیں اور بادشاہتیں اس روز یکسر ختم ہو چکی ہونگی جو اس سے پہلے اس دنیا میں موجود رہی تھیں۔ اور جنکی بنا پر دنیا کے اس دار الغرور میں ظاہر بیں نگاہوں اور ظاہر پرست عقلوں کو دھوکہ لگتا تھا۔ اور اس روز یہ سماں ہوگا کہ فرمایا جائیگا۔ ﴿لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ، لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ ﴾۔ ''کس کی بادشاہی ہے آج کے دن؟ اللہ ہی کی جو کہ یکتا اور سب پر غالب ہے'' (المؤمن: ۱۶) نیز جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ، یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ ﴾ ''بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی، وہی فیصلہ فرمائیگا ان کے درمیان'' [الحج: ۵۶] نیز جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴾ ''اس روز کوئی شخص کسی کے کچھ کام نہ آ سکے گا اور حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا'' [الانفطار: ۱۹]۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الَّذِیْ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝۴

ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں، ۵ (اور کرتے رہیں گے،) اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، (اور مانگتے رہیں گے،) ۶

۵ **ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق ہے:-** یعنی ''اِیَّاکَ'' کی ضمیر منفصل اپنے عامل پر مقدم ہے جس سے اس میں حصر کا معنیٰ پیدا ہو گیا۔ جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ پس عبادت اور بندگی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کے لئے خاص ہے۔ اسکے سوا اور کسی کے لیے بھی کسی بھی طور پر جائز نہیں۔ پس دست بستہ قیام اسی کے لیے، رکوع و سجود اسی کے لیے، طواف اسی کے لیے، نذر و نیاز اسی کے لیے، غائبانہ پکارنا اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے بلانا اسی کے ساتھ خاص ہے کہ یہ عبادت کے مختلف مظاہر اور اسکی شکلیں ہیں۔ اور عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس میں کسی بھی طرح کی عبادت کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے بجالانا شرک ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ مگر آج کتنے ہی جاہل مسلمان ہیں جو ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ﴾ کے اس اعلان و اقرار اور اظہار و تکرار کے باوجود طرح طرح کی شرکیات میں مبتلا ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور معبودِ برحق چونکہ وہی وحدہٗ لاشریک ہے اسکے سوا نہ کوئی معبودِ برحق ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اور جنہوں نے اسکے سوا اور کسی کی عبادت و بندگی کی ہے یا کرتے ہیں وہ سراسر ظلم کرتے ہیں کہ وہ شرک کے مرتکب ہیں۔ اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ [لقمٰن: ۱۳] اور اللہ پاک نے حصر و تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ بندگی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی بھی نہیں کرنی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ﴾۔ [بنی اسرائیل: ۲۳] اس لئے عبادت ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اب بھی اسی کی ہے اور آئندہ بھی اسی کی ہوگی کہ معبودِ برحق بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو اسی مفہوم کو ظاہر اور واضح کرنے کیلئے ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر بین القوسین کے الفاظ بڑھائے ہیں۔ والحمد للہ جل و علا۔

۶ **اللہ ہی سے مدد مانگنے کا مطلب؟ اور بعض محرّفین کے ایک مغالطے کا جواب:-** یعنی ہم فی الحال بھی ایسے ہی کرتے ہیں اور مستقبل میں بھی ایسے ہی کرینگے۔ کیونکہ معبود اور مستعان بہر حال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ ''نَعْبُدُ'' اور ''نَسْتَعِیْنُ'' دونوں مضارع کے صیغے ہیں جو کہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ میں بھی اس کا لحاظ و اظہار کیا گیا ہے۔ پھر اس ''استعانت'' یعنی عون و مدد چاہنے کی دو صورتیں ہیں۔ ''مَا تَحْتَ الْاَسْبَاب''، اور ''مَا فَوْقَ الْاَسْبَابِ''، پہلی قسم یعنی تحت الاسباب سے مراد ہر ایسی مدد ہے جو کہ عام قواعد و ضوابط اور اسباب و وسائل کے درجے میں ہوتی ہے۔ جیسے ڈاکٹر سے دوا لینا، درزی سے کپڑا سلوانا، اور مزدور سے کام کروانا، وغیرہ۔ سو استمداد و استعانت کی یہ قسم مخلوق سے نہ صرف جائز ہے بلکہ روزمرہ کی زندگی کا عام معمول و دستور ہے۔ اور شریعتِ مطہرہ نے نہ صرف یہ کہ اسکی

اجازت دی ہے بلکہ اس کے بارے میں ترغیب وتحریض سے بھی کام لیا ہے۔ کہ اسطرح کے امور میں ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے کہ یہ دنیا ہے ہی دارالاسباب۔ جبکہ استمداد و استعانت کی دوسری قسم جو کہ فوق الاسباب یعنی عام اسباب ووسائل سے ہٹ کر ہو وہ مخلوق سے مانگنا شرک ہے۔ جیسے کسی ایسے انسان سے سوال کرنا جو کہ انتقال کر چکا ہو۔ یا جو کہ کہیں دور دراز دوسرے ملک یا شہر میں ہو، اسکو کسی ظاہری سبب اور ذریعہ و وسیلہ کے بغیر بلانا اور پکارنا، اور اس سے مدد مانگنا، سو یہ جائز نہیں بلکہ یہ شرک کے زمرے میں آئے گا، ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ جیسا کہ متعدد دوسری نصوص میں بتکرار اور بتاکید اسکی تصریح فرمائی گئی ہے مثلاً سنن ترمذی وغیرہ کی مشہور اور طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے واسطے سے اپنی امت کو صاف اور صریح طور پر تعلیم دی ہے ''اِذَا سَاَلْتَ فَسْئَلِ اللّٰهَ وَ اِذَا اسْتَعَنْتَ فَا سْتَعِنْ بِاللّٰهِ '' یعنی جب تمہیں سوال کرنا ہو تو اللہ ہی سے کرو، اور جب تمہیں مدد مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو، اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہی سوال و استعانت ہے جو کہ اسباب سے بالا ہو، ورنہ اسباب کے دائرہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے عمل اور اسوۂ حسنہ سے اس کے جواز کی تعلیم دی ہے، پس اہلِ بدعت کے جن لوگوں نے اس موقع پر اس طرح کہا کہ ''مقربانِ حق کی امداد امدادِ الٰہی ہے استعانت بالغیر نہیں، اور اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں ﴿اَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ﴾ اور ﴿اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ کیوں وارد ہوتا، اور احادیث میں اھل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟'' سو ایسی بات کہنے اور کرنے والوں نے نری جہالت کا ثبوت دیا، یا تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا، اور یہ ایک ایسی مغالطہ آفرینی ہے جو تحریف کے زمرے میں آتی ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ کیونکہ ۔﴿اَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ﴾ میں خطاب نہ مُردوں سے ہے اور نہ غائب اور غیر حاضر لوگوں سے۔ بلکہ یہ خطاب اور حکم ان لوگوں سے ہے جو بالفعل وہاں پر سامنے موجود اور حاضر تھے۔ جیسا کہ کوئی بھی شخص اپنے سامنے موجود کچھ لوگوں سے کہے کہ تم فلاں کام میں میری مدد کرو، تو اس پر غائبانہ استعانت اور استمداد کو قیاس کرنے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ اور اسی طرح ۔﴿اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ میں غیر اللہ سے استعانت کا سرے سے کوئی سوال اور احتمال ہی نہیں، بلکہ اس میں تو نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ '' بِالصَّبْرِ '' پر جو حرف ''بِا'' موجود ہے وہ اس کا صاف اور صریح قرینہ ہے۔ اور یہ کہنا کہ احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم دی گئی ہے نرا جھوٹ اور افتراء ہے۔ کیونکہ احادیث تو درکنار کسی ایک بھی صحیح حدیث میں مافوق الاسباب کے طور پر غیر اللہ سے استعانت کی تعلیم نہیں دی گئی۔ بلکہ ایسے امور میں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنے اور سوال کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر سننِ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں گزرا کہ مافوق الاسباب مدد فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا اختصاص ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝۵ صِرَاطَ

سرفراز فرمادے ہمیں ۷ سیدھی راہ سے، یعنی

الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۝۶ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ

ان حضرات کی راہ سے، جن پر تیرا انعام ہوا، ۸ نہ ان کی جن پر تیرا غضب ہوا، ۹

وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝۷

اور نہ ان کی جو بھٹک گئے (راہِ حق وصواب سے،) ۱۰

ع ۱ ۷

۷ سیدھی راہ سے مراد؟ اور اسکی عظمتِ شان:- یعنی راہِ حق کو سمجھنے کی اور اسکو اپنانے کی توفیق وسعادت بھی عطا فرما دے اور اس پر چلنا بھی نصیب فرمادے۔ اسطرح اس ترجمہ کے عموم میں ہدایت کے دونوں مفہوم آجاتے ہیں۔ یعنی ''اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ''، ''راستہ دکھا دینا'' بھی اور ''اِیْصال اِلی المطلوب''، ''مطلوب تک پہنچا دینا'' بھی۔ اور سیدھی راہ سے مراد دینِ حق کی وہ عظیم الشان راہ ہے جس پر چلنے سے انسان کو اس دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ ''پاکیزہ زندگی'' نصیب ہوتی ہے اور آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی وہ دائمی کامیابی سے مشرف ہوتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت کی نعمت دنیا کی دوسری تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے یہاں اسی کیلئے سوال کرنے اور درخواست گزارنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ اس سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی اور اس سے محرومی دنیا و آخرت کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور حق وہدایت کی یہ راہ جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی راہ ہے، دین اور وحی کی روشنی کے بغیر ملنا ممکن نہیں۔ اور دین و وحی کی یہ روشنی اب اپنی کامل اور آخری شکل میں دینِ حنیفِ اسلام کی صورت میں قیامت تک کے لیے متعین فرما دی گئی۔ پس اب جو لوگ دینِ حنیف کی اس راہِ حق وصواب سے محروم ہیں وہ قطعی طور پر صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ سے محروم ہیں، اگرچہ وہ چاند پر کمندیں ڈالنے کی تگ و دو میں مصروف ہوں۔ اگرچہ وہ سمندروں کی تہوں میں اترنے اور ان کو کھنگال ڈالنے کے وسائل کے مالک ہوں، وہ بہرحال گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مبتلا ہیں۔ نہ ان کو اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل ہے اور نہ ہی اسکے حقِ عبادت و بندگی کا کوئی اتہ پتہ۔ نہ وہ اپنے مقصدِ حیات سے آگاہ ہیں اور نہ ہی انکو اپنے مستقبل اور آگے پیش آنے والے انتہائی ہولناک انجام کی کچھ خبر ہے۔ وہ حیاتِ انسانی کے ایسے تمام اہم اور بنیادی تقاضوں سے غافل و بے خبر، اندھیروں میں ڈوبے، مادہ اور معدہ کے تقاضوں کے پورا کرنے اور بطن و فرج کی خواہشات کی تکمیل کیلئے جی رہے ہیں اور بس۔ اور یہی ہے سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ۔ ذٰلِکَ ھُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ۔ اور یہ زندگی خالص حیوانی زندگی ہے۔ عقل وشعور کی دولت رکھنے والا انسان اگر خواہشاتِ نفس کے پیچھے

لگ کر اور اندھا بہرہ بن کر رہ جائے تو اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ ۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَ سُوْٓءٍ وَّانْحِرَاف۔ سو صراطِ مستقیم سے سرفرازی سعادتِ دارین کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۸ انعام یافتہ حضرات سے مقصود و مراد؟:- اور ان انعام یافتہ حضرات سے مراد وہ چار گروہ ہیں جن کا ذکر سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۹ میں آیا ہے۔ یعنی انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء و صالحین۔ (ابنِ کثیر، معارف، محاسن، جامع وغیرہ)۔ سو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ راہِ ہدایت وہی ہے جس کو ان حضرات نے اختیار کیا اور جسکی تعلیم وتلقین انکی طرف سے فرمائی گئی ہے۔ اور جو راستہ ان حضرات کے طریق وارشاد کے خلاف ہوگا وہ راہِ حق نہیں ہوسکتا۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یہاں سے صراطِ مستقیم کی اہمیت اور اسکی عظمتِ شان بھی مزید واضح ہوجاتی ہے کہ اسکے سلسلے میں صرف اتنی ہی ہدایت نہیں فرمائی گئی کہ ہمیں صراطِ مستقیم سے سرفراز فرما دے بلکہ اسکو مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے مزید اس طرح آشکارا فرما دیا گیا کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے۔ مثبت پہلو یہ کہ یہ راستہ ان حضرات کا راستہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا۔ اور وہ چار گروہ ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے۔ اور منفی پہلو یہ کہ وہ راستہ ان لوگوں کا نہ ہو جن پر تیرا غضب ہوا اور جو راہِ حق و ہدایت سے بھٹک گئے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے لوگ محروم اور اندھے اور اوندھے ہیں۔ اور نورِ حق وہدایت سے محروم ہونے کے بعد ایسے لوگ ہلاکت اور تباہی کی راہ پر چل رہے ہیں مگر ان کو اپنے اس ہولناک خسارہ ونقصان کا احساس وشعور ہی نہیں۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۹ ﴿مغضوب علیھم﴾ مقصود و سے مراد؟:- کہ انہوں نے حق کو اسکے واضح ہوجانے کے باوجود اپنی دنیاوی اَغراض اور خواہشاتِ نفس کی پیروی وغیرہ اُمور کے باعث اس سے منہ موڑ لیا۔ اور اس کو اسطرح پسِ پشت ڈال دیا کہ گویا وہ اسکو جانتے ہی نہیں۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۰ اور نمبر ۱۰۱ اور آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۸۷ میں اہلِ کتاب کے قبائح کے بیان کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسطرح ''مغضوب علیہم'' کا نمایاں مصداق اگرچہ یہودِ بے بہبود ہیں، جیسا کہ بعض روایات میں بھی ایسا وارد ہوا ہے اور خود قرآنِ حکیم کی دوسری آیاتِ کریمہ سے بھی اسکی تائید وتصدیق ہوتی ہے، مگر اسکے عموم میں دراصل ایسے تمام لوگ داخل وشامل ہیں جو کہ انکار اور نبذِ حق کے اس جرم کے مرتکب ہیں۔ اسی لئے یہاں پر ان کا ذکر ''یہود'' کے اسمِ صریح کی بجائے ''مغضوب علیہم'' کے وصفِ عام سے کیا گیا ہے جو کہ سب کو عام اور شامل ہے۔ پس اس کی تعیین کے ضمن میں جو تفسیر کی عام کتابوں میں یہود کا ذکر آتا ہے وہ بطورِ مثال اور اس وصف کے ایک اہم اور واضح مصداق کے طور پر آتا ہے نہ کہ بطور تحدید وتعیین۔ (تفسیر المراغی، القاسمی وغیرہ)۔ اور یہی مراد ہے ابنِ ابی حاتم کے اس قول کی کہ مفسرینِ کرام کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''مغضوب علیہم'' سے مراد یہود ہیں اور ضالین سے مراد نصاریٰ۔ (محاسن التاویل وغیرہ) یعنی یہ دونوں گروہ ان دونوں لفظوں کے بڑے اہم اور واضح مصداق ہیں۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۱۰ ﴿ضالین﴾ سے مقصود و مراد؟:- یا تو اس لئے کہ ان کو راہِ راست سے متعلق صحیح تعلیمات مل ہی نہیں سکیں

یا ان کو یہ لوگ صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ (تفسیر المراغی، القاسمی وغیرہ) اس کا بھی نمایاں مصداق اگرچہ نصاریٰ ہیں مگر اسکے عموم میں اسطرح کے تمام لوگ داخل ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ سو یہاں پر تین گروہوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ایک "منعم علیہم" یعنی انعام یافتہ لوگ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو ہدایت و شریعت کی نعمت سے نوازا گیا۔ جو کہ قدرت کی طرف سے ملنے والا سب سے بڑا انعام ہے کہ یہ انعام انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا کفیل اور ضامن ہے۔ سو انہوں نے اس نعمتِ خداوندی کو دل و جان سے قبول کیا اور اسکی پوری قدر کی۔ اور اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی کے اہل اور مستحق بن گئے۔ دوسرا گروہ ہے "مغضوب علیہم" لوگوں کا گروہ۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان نعمت یعنی نعمتِ دین سے نوازا۔ مگر انہوں نے اس کی قدر کرنے اور اسکو صدقِ دل سے اپنانے کی بجائے اسکے پیش کرنے والوں ہی سے دشمنی کا طریقہ اپنایا۔ والعیاذ باللہ۔ یا قبول کیا بھی تو دل سے نہیں قبول کیا جسکے نتیجے میں وہ جلد ہی خواہشاتِ نفس کے ریلے میں بہہ گئے۔ اور اس حد تک بہہ گئے کہ دین کی سچی تعلیمات کو ہی اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی جسارت پر اتر آئے۔ اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ٹھہرے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اور تیسرا گروہ ہے "ضالین" کا جنہوں نے اپنے دین میں غلو سے کام لیا۔ اور انہوں نے اپنے پیغمبر کو خدا اور خدا کا شریک بنا دیا۔ اور اس طرح انہوں نے دینِ توحید کو دینِ شرک بنانے کی ہولناک جسارت کا ارتکاب کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سورۂ فاتحہ کے اختتام پر "آمین" کہنا مسنون ہے۔ جیسا کہ احادیث و روایات میں وارد ہے۔ اور یہ اسم فعل ہے جس کے معنی ہیں "اِستَجِبْ" یعنی "اے اللہ تو ہماری اس دعا کو قبول فرمالے" مگر یہ لفظ چونکہ قرآنِ پاک کا حصہ نہیں اس لئے مصحف میں لکھا نہیں جاتا۔ اور نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جبریلِ امین نے مجھے سورۂ فاتحہ کی قراءت مکمل کرنے پر "آمین" کہنے کی تلقین فرمائی۔ اور فرمایا کہ یہ مکتوب پر مہر لگانے کے مترادف ہے۔ (الکشاف وغیرہ)۔ اَللّٰھُمَّ فَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْمِ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَ فِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاۃِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ بہرکیف سورۂ فاتحہ کے آخر میں "آمین" کہنا مسنون ہے۔ جیسا کہ بہت سی صحیح احادیث میں وارد و منقول ہے۔ چنانچہ حضرتِ ابوہریرہ ۔ رضی اللہ عنہ ۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس موقع پر "آمین" کہا کرتے تھے جسکو پہلی صف والے لوگ سنتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد)۔ اور صحیحین وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہ ۔ رضی اللہ عنہ ۔ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے ارشاد فرمایا کہ جب امام "آمین" کہے تو تم بھی "آمین" کہو۔ کیونکہ جس کی "آمین" فرشتوں کی "آمین" کے ساتھ مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (بخاری: کتاب الاذان، باب جہر الامام بالتامین، مسلم: کتاب الصلاۃ)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ

رُکُوْعَاتُهَا ۴۰	اٰیَاتُهَا ۲۸۶	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ ۲ مَدَنِیَّۃٌ ۸۷

لے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۚۛ فِيْهِ ۚۛ

الٓمّٓ ۲ یہ ایسی (عظیم الشان) کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، ۳ سراسر

۱ **سورہ بقرہ کی جامعیت اور عظمت شان کا ذکر و بیان**:- سو سورۂ بقرہ ایک عظیم الشان اور بے مثال سورت ہے اور یہ قرآن پاک کی سب سے بڑی اور سب سے جامع سورت ہے۔ اور حدیث شریف میں اس کو قرآن حکیم کی "سنام" یعنی "کوہان" قرار دیا گیا ہے۔ (سنن ترمذی ج ۲، ص ۱۱۱، ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۲، مستدرک حاکم ۲۵ وغیرہ)۔ نیز بعض روایات و احادیث میں اس کو "فُسْطَاطُ الْقُرْاٰن" یعنی "قرآن پاک کا خیمہ" بھی فرمایا گیا ہے جو کہ اس کے مضامین کی عظمت، وسعت اور عموم و شمول پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس سورۂ کا یہ نام یعنی "سورۂ بقرہ" اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس کے آٹھویں رکوع میں ذبح بقرہ یعنی گائے کے ذبح کرنے سے متعلق ایک قصے کا ذکر فرمایا گیا ہے جو کہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا۔ تو اس میں وارد شدہ لفظ "بقرہ" کو بطور علامت اس سورۂ کریمہ کا نام قرار دے دیا گیا۔ یعنی وہ سورۂ کریمہ جس میں ذبح بقرہ سے متعلق یہ قصہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اکثر و بیشتر سورتوں کے نام جو کہ توقیفی ہیں اسی طرح رکھے گئے ہیں کہ کسی خاص قصے یا کسی خاص لفظ کو بطور علامت اس سورۂ کریمہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآنی سورتوں کے مضامین اسقدر زیادہ اور اتنے متنوع ہوتے ہیں کہ کوئی ایک لفظ یا نام ایسا نہیں ہوسکتا جو اس کے ان جملہ مضامین کا احاطہ کر سکے۔ پس لامحالہ ایسی صورت حال میں قرآنی سورتوں کے تسمیہ کی عمومی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ ہر سورت کے اندر پائے جانے والے کسی خاص لفظ یا کسی خاص قصہ کو بطور علامت اس سورۂ کریمہ کا نام قرار دیا جائے۔ جیسا کہ یہاں ہے۔ البتہ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جن کا نام ان کے مضمون کا عنوان بھی ہوتا ہے۔ جیسے "سورۂ یوسف" اور "سورۂ نوح" وغیرہ۔ مگر یہ سب کچھ توقیفی ہے۔ یعنی جیسے اللہ کے نبی نے اللہ پاک کے حکم وارشاد سے قرآنی سورتوں کے مختلف نام رکھے ہیں وہ ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے۔ کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ محض اپنے فکر و اجتہاد سے اور محض اپنے طور پر کسی سورت کا کوئی نام رکھے۔ بہر کیف سورۂ بقرہ ایک بڑی ہی عظیم الشان اور بے مثال سورت ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اس کے پڑھنے کا بطور خاص حکم دیا گیا ہے کہ اس کا پڑھنا باعث خیر و برکت ہے اور اس کا ترک موجب حسرت و ندامت - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - چنانچہ ارشاد فرمایا گیا - "اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ" - (مسلم ج ۱، ص ۲۷، ابن کثیر، محاسن، مراغی وغیرہ) نیز فرمایا کہ جس گھر میں "سورۂ بقرہ" پڑھی جائے گی اس میں شیطان داخل نہیں ہوگا۔ (ترمذی وغیرہ) - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۲ **حروف مقطعات اور ان کا معنیٰ و مفہوم؟**:- ایسے حروف کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کو حروف تہجی کی طرح علیحدہ علیحدہ طور پر پڑھا جاتا ہے، ملا کر ایک کلمے کی طرح نہیں پڑھا جاتا۔ مکررات کو حذف کرنے کے بعد یہ کل چودہ حروف رہ جاتے ہیں جو انتیس مختلف سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ ان کے معانی کے بارے میں حضرات مفسرین کرام

کے مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں اعجازِ قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ حکیم انہی معانی اور ان ہی حروف وکلمات سے مرکب ہے جن سے تمہارا اپنا روزمرہ کا کلام۔ مگر اس کے باوجود اگر تم لوگ اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی نظیر ومثال لانے سے بھی قاصر ہو اور قرآنِ حکیم کی زوردار تحدّی اور بار بار کے چیلنج کے باوجود۔ اور تمہاری حق سے کھلم کھلا عداوت ودشمنی اور اعلانیہ بغض وعناد کے باوصف تم لوگ اس کلامِ معجز نظام کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو، جو خود تمہاری اپنی زبان میں ہے اور جس میں اپنی فصاحت وبلاغت پر تم لوگوں کو بڑا ناز ہے، جبکہ اس کلامِ حکیم کو اس نبی اُمّی نے پیش فرمایا ہے جنہوں نے کبھی ایک حرف بھی باضابطہ طور پر کسی انسان سے نہیں پڑھا۔ اور جو اپنے ہاتھ سے لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ تو یہ کس قدر کھلا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ قرآنِ حکیم کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کے خالق و مالک حضرتِ حق -جلَّ جلالُهٗ- کا کلام ہے۔ اور جس طرح وہ خود بے مثل ہے اسی طرح اسکا کلام بھی بے مثل ہے۔ جبکہ بعض دوسرے حضرات کے نزدیک یہ حروفِ مقطعات دراصل عربی فصاحت وبلاغت کے قدیم دستور کے مطابق اصل مقصود سے قبل یونہی بطور توطئہ وتمہید لائے جاتے ہیں۔ اور بعض نے ان کو مختلف سورتوں کے نام قرار دیا ہے اور بعض نے ان کلمات کے مختلف معانی بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "الٓمٓ" کا معنی ہے "اَنَا اللّٰهُ اَعْلَم" اور "الٓرٰ" کا معنی ہے "اَنَا اللّٰهُ اَرٰی" وغیرہ۔ مگر ان تمام اقوال کا تعلق ظن وتخمین ہی سے ہے، کوئی مستقل سند اور ٹھوس ثبوت ان کے لئے موجود نہیں۔ اس لئے ثقہ اور محتاط علماء کرام کا کہنا یہی ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے، جس کے حقیقی معنی وہی جانتا ہے۔ ہمارے ذمے بس یہ یقین واعتقاد ہے کہ ان کی جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ جیسے محققین کا کہنا ہے۔ "اِنَّ هٰذَا عِلْمٌ مَّسْتُوْرٌ وَّسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأثَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ"۔ (کبیر، محاسن، ابن کثیر وغیرہ)۔ یعنی "یہ ایک ایسا مخفی علم اور پوشیدہ راز ہے جس کو اللہ پاک نے اپنے ساتھ خاص فرمایا ہے"۔ سو ایسے میں محض ظن وتخمین کی بنا پر انکے پیچھے لگنے کی اور اپنے طور پر انکے معانی ومطالب بیان کرنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی ایسے تخمینی معانی ومطالب کی کوئی استنادی اور یقینی حیثیت ہوسکتی ہے کہ ان کی تصدیق کیلئے قرآن وسنت کی کوئی نص موجود نہیں۔ اور نص کے بغیر کسی چیز کو قطعی نہیں مانا جاسکتا کہ یقین کا ذریعہ بہرحال نص ہی ہوسکتی ہے۔

۳ **شک وشبہ سے بالاتر کتاب:** سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اس کتابِ حکیم میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں نہ اس کے منجانب اللہ ہونے میں اور نہ اس کے ان معانی ومضامین کے بارے میں جن پر یہ مشتمل ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر کوئی اس میں کسی بھی طرح کا شک کرتا ہے تو یہ اس کے اپنے فکر وادراک کے قصور اور فسادِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اگر نصف النہار میں کوئی سورج کے وجود میں شک کرنے لگے تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - ورنہ یہ کتابِ حکیم "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے مصداق اپنی صداقت وحقانیت کی دلیل خود ہے۔ اور یہ اس نوعیت کی ایک اور صرف ایک ہی کتاب ہے۔ نہ اس سے پہلے اسکی کوئی نظیر ومثال ہوئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ اور یہ پیغمبر کا علمی معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس کتابِ حکیم میں کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو شک کرتا ہے وہ دراصل اس کے اپنے فہم وادراک کا قصور اور اس کی کج فہمی اور زیغ طبع کا نتیجہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ (معارف للکاندھلوی ومحاسن للدمشقی وغیرہ)۔ "ریب" دراصل دل کے قلق اور اضطراب کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ "دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ" ۔ یعنی "اس چیز کو جس میں کھٹکا اور اضطراب ہو چھوڑ کر اس چیز کو اپنایا کرو جس میں کوئی کھٹکا اور اضطراب نہ ہو"۔ (مسند احمد: ج ۳، ص ۱۵۳، طبع حلب عن انس بن مالک۔ رضی اللہ عنہ۔ بہرکیف یہ کتابِ حکیم ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک اور اس سے اعلیٰ وبالا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝٢ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

ہدایت، ۴؎ ہے، ان پرہیزگاروں کے لئے، ۵؎ جو بن دیکھے ۶؎ (سچا پکا) ایمان رکھتے

بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

ہیں (غیبی حقائق پر) اور وہ قائم کرتے ہیں نماز کو، ۷؎ اور خرچ کرتے

۴ **یہ کتاب سراسر ہدایت ہے**:- کہ اس کتابِ حکیم کی طرف صدقِ نیت سے جس پہلو سے بھی رجوع کیا جائے گا یہ حق و ہدایت کی دولت اور علم و عرفان کی روشنی سے نوازے گی۔ پس لفظِ ''ھُدی'' کا جو ترجمہ ''ہدایت دینے والی'' یا اس طرح کے بعض دوسرے الفاظ سے کیا جاتا ہے جیسا کہ عام طور پر اردو تراجم میں پایا جاتا ہے تو وہ اس لفظ کا پورا اور صحیح ترجمہ نہیں۔ کیونکہ ''ہدایت دینے والی'' وغیرہ تعبیرات دراصل ترجمہ ہیں ''ہادی'' کا، جو کہ اسمِ فاعل ہے۔ جبکہ یہاں ''ہادی'' نہیں ''ھُدی'' فرمایا گیا ہے۔ جو کہ اسم مشتق نہیں، مصدر ہے۔ اور مصدر کا حمل و اطلاق مبالغہ کے لئے ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اس لفظ کے اسی مصدری پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے- وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِكُلِّ خَيْرٍ وَّهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ- بہرکیف یہ کتاب سراسر ہدایت و راہنمائی اور ہر اعتبار سے اور ہر موقع پر راہ دکھانے والی کتابِ عظیم ہے -والحمد للہ جل وعلا- بہرکیف یہ کتابِ حکیم ایسا سرچشمہ ہدایت اور مشعلِ راہ ہے کہ شکوک و شبہات اور اوہام و خرافات کی ظلمتیں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ اس کی ہر بات میزانِ عقل پر تلی ہوئی اور اس کا ہر بیان شافی و کافی اور مدلل و مبرہن ہے۔ سو یہ کتابِ حکیم شک و ارتیاب کے مریضوں کے لیے دوائے شافی اور علاج وافی ہے۔ سو اس سے اعراض کرنے والے بڑے ہی محروم اور بدبخت ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۵ **تقویٰ و پرہیزگاری باعثِ سعادت و سرفرازی**:- سو قرآنِ حکیم کے متقیوں کیلئے ہدایت ہونے کا مطلب و مفہوم یہی ہے کہ فائدہ اس سے وہی حضرات اٹھا سکتے ہیں جن میں تقویٰ و پرہیزگاری اور خوفِ خداوندی کی یہ بنیادی صفت موجود ہو، ورنہ اس کتابِ حکیم کی ہدایت و راہنمائی سب دنیا جہاں کے لئے عام ہے، اور یہ بات عقل و نقل کے عین مطابق ہے۔ سو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے ہسپتال میں ہر بیماری کا علاج و انتظام موجود ہوتا ہے، مگر فائدہ تو صرف انہی کو پہنچ سکتا ہے جو دوا اور علاج کی ضرورت محسوس کریں اور اس کے لیے وہ ہسپتال کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح اس کتاب ہدایت سے ہدایت کی دولت انہی لوگوں کو مل سکتی ہے، اور وہی اس سے صحیح طریقے سے اور بجا طور پر مستفید و فیضیاب ہوسکتے ہیں، جو ہدایت کے طالب ہوں، اور تقویٰ کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں، اور نورِ ہدایت کی صحیح اور سچی طلب اور تڑپ کیساتھ اس کی طرف رجوع کریں، سو ایسوں کو یہ کتابِ عزیز و حکیم دولتِ حق و ہدایت سے نوازتی، اور ایسا نوازتی ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں، اور جو اسکی طرف رجوع نہیں کرتے وہ محروم ہی رہتے ہیں، والعیاذ باللہ جل وعلا۔ بہرکیف جو اسکی طرف رجوع کریں گے اور وہ خدا

سے ڈرتے ہونگے، ان کے لیے یہ سراسر ہدایت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۶ ایمان بالغیب ہی مدارِ صلاح وفلاح ہے: ۔ سو غیبی حقائق پر ایمان رکھنا، قرآنِ حکیم سے استفادہ کیلئے اولین تقاضا ہے۔ پس ہدایت وغوایت کے لئے یہی ایک بنیادی اور مرکزی نقطہ ہے کہ غیبی حقائق جیسے حضرت حق ۔جل جلالہ۔ کی ذات وصفات، جنت و دوزخ اور ملائکہ وغیرہ پر، دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق بن دیکھے سچے دل سے ایمان لایا جائے، ورنہ کل قیامت کے دن جب پردہ ہٹ جانے کے بعد یہ حقائق منکشف ہوکر سب کے سامنے آ جائینگے، تو اس وقت سب ہی ان کو مانیں گے، اور خوب مانیں گے، مگر وہ ماننا نہ تو کسی درجے میں معتبر ہوگا اور نہ ہی اس سے آج کے ان منکرین کو کسی بھی درجہ میں کوئی فائدہ پہنچ سکے گا۔ کیونکہ دیکھنے کے بعد کا وہ ماننا ایمان بالمشاہدہ ہوگا۔ جبکہ مطلوب ایمان بالغیب ہے یعنی بن دیکھے ماننا، قرآن پاک میں اس بنیادی نقطہ کو بار بار اور طرح طرح سے اجاگر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ مریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ۔[مریم: ۳۸] ''کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہونگے یہ لوگ اس دن جبکہ یہ آ پہنچیں گے ہمارے پاس، لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں (ڈوبے) پڑے ہیں'' سو ایمان بالغیب دارین کی فوز وفلاح اور اصلاح ونجاح کی اصل اساس و بنیاد ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ وَ ثَبِّتْنَا عَلَيْهِ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ بہرکیف متقی اور پرہیزگار لوگوں کی صفات میں سب سے اہم اور بنیادی صفت ایمان بالغیب کی صفت ہے، جو کہ باقی صفات کیلئے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے یہاں سب سے پہلے اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اس سے استفادے کے لیے اولین شرط یہی ہے۔ اور جس درجے کا تقویٰ ہوگا اسی درجے کی سرفرازی ہوگی۔

۷ اقامتِ صلوٰۃ اور اسکی اہمیت: ۔ یعنی اس کو اس کے پورے حقوق و آداب کی رعایت و پاسداری کے ساتھ ادا کرتے ہیں، ایمان وعقیدہ کے بعد سب سے پہلا فریضہ اور اہم کام جو مومن کے ذمے عائد ہوتا ہے وہ ہے فریضۂ صلوٰۃ کی ادائیگی، اسی لئے نماز کو ایمان وکفر کے درمیان فارق و فاصل قرار دیا گیا ہے۔ ''يُقِيْمُوْنَ''، ''اِقَامَة'' سے بنا ہے جس کے معنی بالکل سیدھا رکھنے کے ہیں، یعنی وہ اس کے حقوق، اور ارکان و واجبات وغیرہ کو پوری طرح ادا کرتے ہیں ''اَیْ يَاْتُوْنَ بِهَا بِحُقُوْقِهَا'' (جلالین، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، وغیرہ)۔ سو صرف نماز پڑھنا مقصود نہیں بلکہ اس کو قائم کرنا مقصود ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں نماز کے بارے میں جہاں بھی حکم وارشاد ہوا ہے وہاں پر نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ نماز قائم کرنے ہی کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ﴾ ۔[ہود: ۱۱۴]۔ یعنی ''نماز قائم کرو دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں بھی''۔ نیز سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ۔ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ ۔[بنی اسرائیل: ۷۸] یعنی ''نماز قائم کرو سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک''۔ اور اسی طرح دوسری مختلف آیات کریمات میں بھی اقامتِ صلاۃ ہی کا ذکر ہے۔ سو اصل مقصد اقامتِ صلاۃ ہے نہ کہ محض ظاہری طور پر نماز پڑھ لینا اور بس۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ

ہیں (ہماری رضا کے لئے) اس میں سے جو ف۸ کہ ہم نے ان کو دیا (بخشا) ہوتا ہے، ف۹ اور جو ایمان

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو اتاری گئی آپ کی طرف ف۱۰ (اے پیغمبر،) اور ان (سب کتابوں)

مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ؕ

پر بھی جن کو اتارا گیا آپ سے پہلے، ف۱۱ اور وہ (سچے دل سے) یقین رکھتے ہیں آخرت پر، ف۱۲

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

یہی لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے (ملنے والی) سیدھی راہ پر ہیں ف۱۳ اور یہی وہ لوگ ہیں جو (حقیقی معنوں میں) کامیاب ہونے والے

ف۸ **''مارزقنا'' کا مفہوم اور اس کا عموم و شمول؟:-** ''مارزقنا'' سے اگرچہ عموماً مال و دولت ہی مراد لیا جاتا ہے لیکن کلمہ ''ما'' کا عموم اللہ پاک کی بخشی ہوئی سب ہی نعمتوں کو محیط اور شامل ہے، خواہ وہ مال و دولت اور روپیہ پیسہ ہو، یا علم و فضل اور زبان و بیان کی قوت، یا حکومت و اقتدار کا زور اور غلبہ ہو، یا جسمانی طاقت و استطاعت، یا دین و ہدایت کی دولت جو ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے، سو یہ لوگ ایسی تمام ہی نعمتوں سے مخلوق کی بہتری اور بھلائی و خیر خواہی کا سامان کرتے، اور اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی چاہتے ہیں، کیونکہ رزق کے اصل معنی صرف روزی ہی کے نہیں، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ رزق کے معنی اصل لغت میں بخشش و عطاء کے ہیں، چنانچہ مفسر مراغی مرحوم لکھتے ہیں ''اَلرِّزْقُ هُوَ الْعَطَاءُ'' اور عطاء کا مفہوم ان سب ہی امور کو شامل ہے۔ پس ان تمام نعمتوں کا وجوہِ خیر میں صرف کرنا، اور ان کو حضرتِ حق جلّ مجدہ کی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنانا اصل مطلوب و مقصود ہے - فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ -- سو انسان کو ملنے والی ہر نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کا عطیہ و احسان ہوتی ہے، اس لیے اسکا حق یہ ہے کہ انسان اسکو اللہ تعالیٰ کا عطیہ و احسان سمجھ کر اسی کی راہ میں اور اسی کی رضا کیلئے صرف کرے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل-

ف۹ **''اِنفاق فی سبیل اللہ'' کیلئے بنیادی شرائط اور اہلِ بدعت کے ایک مغالطے کا جواب:-**

اس حکم و ارشاد میں نفقاتِ واجبہ و نافلہ کی وہ سب ہی صورتیں آ جاتی ہیں، جو شریعت کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے ایک مومنِ صادق سے مطلوب و مقصود ہوتی ہیں، مگر اس ضمن میں تین بنیادی شرطوں کا پایا جانا ضروری

ہے۔ ایک یہ کہ وہ مال حلال کا ہو، کیونکہ حرام مال سے کیا جانے والا صدقہ صحیح اور صریح احادیث نبویہ کی رو سے اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرسکتا۔ دوسری یہ کہ اس انفاق میں نیت صحیح ہو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو، ریاء و نمود کے شوائب کے شامل ہوجانے سے نیک عمل اللہ پاک کے یہاں قابلِ قبول نہیں ہوتا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور تیسری بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو، اسکے لئے کوئی بدعی طریقہ نہ اپنایا گیا ہو، کیونکہ ہر بدعی عمل صاف وصریح احادیث کی رو سے مردود ہے، پس اہلِ بدعت کے جن لوگوں نے اس آیتِ کریمہ کے عموم سے ان مختلف بدعات اور رسوم و رواج کے لئے دلیل کشید کرنے کی کوشش کی، جو کہ برصغیر کے بعض ملکوں میں مختلف ناموں سے پائی جاتی ہیں وہ سراسر باطل ومردود ہے، کیونکہ یہ وہ بدعات ہیں جن کا قرآن وسنت اور خیر القرون میں کوئی ثبوت و وجود ہے ہی نہیں، نہ پیغمبر کے عمل سے ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے، نہ صحابہ وتابعین کے دور میں ان کا کوئی وجود ہے، اور نہ ائمۂ مجتہدین کے یہاں ان کا کوئی اتہ پتہ ہے، اور نہ ہی ارضِ حرمین شریفین اور دیارِ مقدسہ میں ان کا آج تک کوئی نام ونشان ہے، یہ برصغیر ہندو پاک وغیرہ کے کچھ عجمی ملکوں کی پیداوار ہے، یہاں تک کہ ان بدعی رسوم کے نام بھی عربی نہیں، بلکہ ان میں استعمال ہونے والے بعض حروف جیسے حرف ''گ'' اور حرفِ ''چ'' وغیرہ سرے سے عربی زبان ہی میں نہیں پائے جاتے، اس سب کے باوجود ان بدعی اعمال کو قرآنی آیت کا مصداق قرار دینا تحریف اور صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا۔

۱۰ ''مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ'' سے مراد اور اسکی عظمتِ شان؟:- اس سے مراد ہے قرآنِ حکیم، (محاسن، مدارک، وغیرہ)۔ سو یہی کتابِ حکیم ہے جو اپنی اصلی شکل میں موجود ومحفوظ ہے، اور جو گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کے اصل اور بنیادی مطالب ومضامین کی محافظ و امین ہے۔ اسی لئے اس کو دوسری جگہ ''مُهَيْمِن'' یعنی شرائع سابقہ کے اصول ومبادی کی پاسدار ونگہبان قرار دیا گیا ہے، اور صرف یہی وہ آسمانی کتاب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وعنایت سے ہرطرح کی تحریف وتغییر سے ابتک محفوظ و مامون ہے، اور قیامت تک محفوظ و مامون رہے گی، اور اب سلامتی ونجات صرف اسی سے وابستگی میں محصور ومنحصر ہے، اسکے بغیر سلامتی ونجات کی کوئی راہ ممکن نہیں، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ- بہرکیف قرآنِ حکیم کے نزول کے بعد ہدایت ونجات، اس پر ایمان اور اس کی اطاعت و اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت۔صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا کہ ''آج اگر موسیٰ اور عیسیٰ خود بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اطاعت و اتباع کے بغیر چارہ نہیں تھا۔ اور قرآن کی شرح اور تفسیر سنتِ رسول ہے۔ اس لیے قرآن پر ایمان اور اس کی تعلیمات کو ماننے کا لازمی نتیجہ اور قطعی تقاضا سنتِ رسول کو ماننا اور اس کی پیروی کرنا ہے۔ اور یہی دو بنیادیں ہیں دینِ متین کی۔ اور اسی پر مدار وانحصار ہے دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح کا - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید-

۱۱ ﴿مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ سے مراد؟ اور اس پر ایمان رکھنے کا مطلب؟:- یعنی تورات، انجیل اور زبور وغیرہ جملہ آسمانی کتب جو اس سے قبل نازل ہوچکی ہیں، ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف

سے تھیں، اور اپنے اپنے وقتوں میں وہ مشعلِ راہ، اور ہدایت ونور کا منبع وسرچشمہ تھیں، مگر قرآنِ حکیم کے آجانے کے بعد وہ سب منسوخ ہوگئیں، کیونکہ یہ اللہ پاک کی طرف سے اس کی مخلوق کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے، جو کہ اپنی کامل ومکمل شکل میں موجود ہے، اور جسے قیامت تک کے تمام انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا ہے، سو یہی کتابِ حکیم ہے جو سب کی جامع اور جملہ آسمانی کتابوں کے اصولی مباحث ومطالب کی امین وپاسدار، اور گزشتہ تمام کتب وصحف کی ناسخ ہے، (معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اب نجات صرف اسی کتابِ حکیم کی پیروی واتباع سے مل سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

۱۲ ''اَلْاٰخِرَۃ'' سے مراد؟ اور ایک قادیانی دجل وتلبیس کا جواب:۔ ''اَلْاٰخِرَۃ'' مؤنث ہے ''اَلاٰخِر'' کی، جو کہ ضد ہے ''الاول'' کی اور یہ صفت ہے ''الدّار'' کی، یعنی ''الدّار الآخرۃ'' اور اسکو ''آخرہ'' اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے مقابلے میں ''آخرہ'' ہے، (ابن کثیر، المراغی، المحاسن، الصفوۃ وغیرہ) جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مختلف مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ ﴾ الآیۃ [العنکبوت: ۶۴] پس اس کی وہ تاویل وتفسیر باطل ومردود ہے جو قادیانی دجالوں نے اپنی مطلب برآری کے لئے کی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف آخرت یعنی قیامت کا ایمان ویقین چونکہ ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی عقیدہ ہے، اس لئے اس کو خاص طور پر اور الگ کر کے بیان فرمایا گیا ہے، کہ یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس سے انسانی زندگی کا رخ ہی بدل جاتا ہے، اور جو لوگ اس کے یقین سے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ وہ قطعی طور پر صحیح راستے سے محروم اور خائب وخاسر ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاکِبُوْنَ ﴾۔ ''اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ قطعی طور پر سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں'' (المؤمنون: ۷۴) مگر عقیدۂ آخرت کے اس انقلاب آفریں اثر کے لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں محض سرسری ایمان وعقیدہ نہ ہو، بلکہ پکا اور پختہ یقین پایا جاتا ہو، اسی لئے یہاں پر ایمان کا نہیں یقین کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ آخرت کے پختہ ایمان ویقین ہی سے انسان کی زندگی میں حقیقی معنوں میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْنَا مِنَ الْیَقِیْنِ بِالْاٰخِرَۃ وبما یشرفنا برضاتک یا ذا الجلال والاکرام۔

۱۳ سیدھی راہ سے مراد؟ اور اس کی عظمتِ شان:۔ یعنی اس عظیم الشان شاہراہ پر جو حقیقی منزل تک لے جانے والی صحیح اور صاف راہ ہے، جس میں کسی کجی یا ناکامی کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ یہ راہ ربِّ رحمٰن کی طرف سے ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس راہِ حق وہدایت سے سرفرازی دراصل دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی ہے اور اس سے محرومی درحقیقت دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو ایمان ویقین کی راہ ہی صحت وسلامتی کی وہ راہ ہے، جس سے انسان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اور آخرت میں جنت کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی نصیب ہوگی، وباللہ التوفیق۔ سو صراطِ مستقیم کے اپنانے پر دارین کی سعادت وسرخروئی موقوف ہے۔ اور اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ دراصل دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی اور دارین کی ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ

(اور فلاح پانے والے) ہیں ۱۴ (اس کے برعکس) جو لوگ اڑ گئے اپنے کفر (و باطل) ۱۵ پر، (اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے،) بے شک ان کے حق

۱۴ فلاح کا مفہوم؟ اور اسکی عظمتِ شان کا بیان:- یعنی ایسے لوگ اس اصل اور حقیقی کامیابی سے سرفراز ہونگے جو ان کو دوزخ سے پناہ اور جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی کی شکل میں نصیب ہوگی، اور وہی ہوگی اصلی اور حقیقی کامیابی، کیونکہ وہاں پر مومنِ صادق کو وہ کچھ ملے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا، اور نہ ہی کسی بشر کے دل پر اس کا گزر ہی ہوا ہوگا، جیسا کہ حضرت نبیٔ معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - سے صاف اور صریح طور پر مروی ہے، اور وہاں پر مومنِ صادق کو وہ کچھ ملے گا جو اس دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوسکتا، جس کے لئے دو بنیادی پہلوؤں کے اعتبار سے موازنہ کافی ہے۔ ایک یہ کہ وہاں پر اہلِ جنت کی ہر خواہش پوری ہوگی کیونکہ انہوں نے دنیا میں "خدا چاہی" زندگی گزاری تھی، تو اس کے صلے میں حضرتِ حق جلّ جَلالُہ اپنے کرمِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت سے، ان کو وہاں پر "من چاہی" زندگی عطاء فرمائے گا، جو وہ چاہیں گے وہ ان کو ملے گا، اور جو خواہش وہ کریں گے وہ پوری ہوگی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ وَلَکُمۡ فِیۡہَا مَا تَدَّعُوۡنَ﴾ - [حٰم السجدۃ۔۳۱] اور ظاہر ہے کہ یہ شان دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کیلئے بھی ممکن نہیں، کیونکہ اس دنیا میں نہ ایسا کوئی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے جس کی ہر خواہش پوری ہو، اور دوسری امتیازی شان اہلِ جنت کی یہ ہوگی کہ ان کو وہاں پر "خلود و دوام" اور ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوگی۔ نہ وہ نعمتیں کبھی ختم ہونگی، اور نہ ہی جنتی کو ان سے کبھی محروم کیا جائے گا، اور وہاں پر "خُلُوۡدٌ لَا مَوۡتَ فِیۡہِ وَلَا زَوَال" کا عالم ہوگا، جبکہ دنیا میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی کوئی سوال نہیں، سبحان اللہ، کیا کہنے ربِّ کریم و وھّاب کی اس بخشش و عطا کے۔ اللہ نصیب فرمائے (آمین)۔ سو اُخروی فوز و فلاح اور نعیمِ جنت کے یہ وہ دو اہم اور بنیادی پہلو ہیں جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوسکتے، کیونکہ دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایسا نہیں ہوسکتا جس کی ہر خواہش پوری ہو، اور دنیا کی کوئی نعمت بھی ایسی نہیں ہوسکتی جو کہ دائمی ہو۔ سو اس سے اُخروی کامیابی اور وہاں کی دائمی شاہانہ زندگی کی عظمتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پس اس منظر کو اگر سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس دنیائے فانی کی کوئی کامیابی بھی درحقیقت پوری کامیابی نہیں، کیونکہ اول تو اس کی ہر کامیابی میں طرح طرح کے نقائص، عیوب، اور خطرات موجود ہونگے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ نعمت جتنی بھی بڑی اور عظیم الشان کیوں نہ ہو، آخر فانی اور زائل ہونے والی ہی ہے۔ پس جو لوگ اس دنیائے دوں کی کسی بھی کامیابی کو اصل اور حقیقی کامیابی سمجھتے ہیں، وہ بڑے خطا کار اور بر خود غلط ہیں - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡم - مگر اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ اُخروی کامیابی پانے والوں کیلئے اس دنیا میں محرومی اور ناکامی ہی ہے، نہیں اور ہرگز نہیں، بلکہ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حضرت حق جل جلالہ جو اپنے نیک بخت اور سعادت

مند بندوں کو آخرت کی اس حقیقی کامیابی سے بہرہ ور فرمائے گا، وہ اس سے پہلے اس دنیا میں بھی انکو حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) اور سچی عزت و ناموری، اور دوسری طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا، اور سرفراز فرماتا ہے، مگر یہ ان کے عمل کا اصل اور پورا بدلہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک طرح کا زائد انعام واکرام ہوتا ہے، جس سے وہ محض اپنی عنایت و مہربانی سے اپنے نیک بندوں کو ان کے ایمان وعملِ صالح کی بناء پر یہاں نوازتا ہے۔ اصل اور پورا بدلہ تو وہ ان کو آخرت ہی میں عطاء فرمائے گا۔ پس اصل اور حقیقی کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے، جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں جابجا اور طرح طرح سے فرمایا گیا ہے، مثلاً ''سورۃ آلِ عمران'' کی آیت ۱۸۵ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ، وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ، فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ، وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾- [آل عمران-۱۸۵] ''ہر جان نے موت کا مزہ بہرحال چکھنا ہے، اور تمہیں تمہارے پورے اجر (اے لوگو!) قیامت کے دن ہی مل سکیں گے، سو جو (خوش نصیب اس روز) دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ یقینی طور پر (حقیقی) کامیابی سے سرفراز ہوگیا، اور دنیا کی یہ زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں''۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حقیقی فوز وفلاح ایمان ویقین کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۵ '' كَفَرُوْا '' کا اصل مفہوم اور کافروں کی وجہِ محرومی؟:- سو ہمارے اس ترجمہ سے وہ تمام اشکالات خود بخود ختم ہوگئے جو لفظِ ''کَفَرُوْا'' کے ظاہری ترجمہ پر عموماً وارد ہوتے ہیں، اور حضراتِ مفسرینِ کرام کو ان کے جوابات کے لئے لمبی چوڑی وضاحت کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے، کیونکہ ہمارے اس ترجمہ سے اصل مفہوم واضح ہوگیا کہ یہاں پر یہ بیان ان ضدی اور ہٹ دھرم کافروں سے متعلق ہے جو اپنے کفر پر اَڑ گئے، اور وہ ایمان لانا چاہتے ہی نہیں، سو ایسے بدبختوں کو اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ زبردستی نورِ حق و ہدایت اور نعمتِ ایمان سے نہیں نوازتا، جیسا کہ ''سورۂ ھود'' کی آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد فرمایا گیا-﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾-''کیا ہم اس (نعمتِ ہدایت) کو زبردستی تم سے چپکا دینگے جبکہ تم لوگ اس سے نفرت ہی کرتے ہو؟'' [ھود: ۲۸] استفہام یہاں پر انکاری ہے، یعنی ایسے نہیں ہوسکتا، کہ یہ زبردستی کا سودا تو سرے سے ہے ہی نہیں، یہ تو اللہ پاک کی وہ نعمت کبریٰ ہے جس سے وہ اپنی رحمتِ بے نہایت اور کرمِ بے غایت کی بناء پر اپنے بندوں کو محض ان ہی کے بھلے کے لئے نوازنا چاہتا ہے، مگر اس کے لئے اولین شرط اور بنیادی تقاضا یہ ہے کہ طلبِ صادق کا جوہر انسان کے اندر موجود ہو، تو پھر وہ ضدی اور ہٹ دھرم منکر و کافر لوگ جو اپنی ضد وعناد اور ہٹ دھرمی سے طلبِ صادق کے اس جوہرِ گراں بہا کو ہی ضائع کر چکے ہوں، وہ نورِ ہدایت کی نعمت سے کیونکر سرفراز ہوسکتے ہیں؟ پس ان لوگوں کی یہ محرومی اور بدنصیبی ان کی اپنی ہی اختیار کردہ ہے، اور اسکی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگ نورِ ایمان سے محروم ہوجاتے ہیں-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو طلبِ صادق اللہ تعالیٰ کی عنایات سے سرفرازی کا ذریعہ ہے، اور عناد وہٹ دھرمی محرومی کا باعث-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّ اِنْحِرَافٍ - اور ہٹ دھرم لوگ چونکہ ماننا چاہتے ہی نہیں۔ اس لیے ان کے لیے ہمیشہ کی محرومی ہے-والعیاذ باللہ جل وعلا-

تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى

میں برابر ہے کہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں، انہوں نے (بہرحال) ایمان نہیں لانا ف۱۶ اللہ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر، اور (ڈاٹ

سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ

لگادیئے) ان کے کانوں پر، (ان کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر) ف۱۷ ان کی آنکھوں پر ایک (سخت قسم کا) پردہ ف۱۸ ہے اور ان کے لئے

عَظِيْمٌ ۝۷ ع وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ ع ۱

بہت بڑا عذاب ف۱۹ ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں ف۲۰ جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور

۱۶ عناد و ہٹ دھرمی کا نتیجہ و انجام محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ :- کیونکہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی پر آئے ہوئے ہیں، اور ضد، ہٹ دھرمی، اور "میں نہ مانوں" (I never agree) کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہی ہوتا ہے، کہ ایسے لوگ حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہوجاتے ہیں، والعیاذ باللہ۔ سو اب یہ لوگ حق کے وضوح کے لئے ہر نشانی آجانے کے بعد بھی حق کو قبول نہیں کریں گے، جیسا کہ سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا گیا کہ "ان کے پاس اگر ہر نشانی بھی آجائے تو بھی انہوں نے ایمان نہیں لانا، یہاں تک کہ یہ دیکھ لیں اس دردناک عذاب کو (جو ان کیلئے مقدر ہوچکا ہے) (سورۂ یونس: ۹۶-۹۷) سو عناد اور ہٹ دھرمی باعثِ محرومی ہے اور طلبِ صادق ذریعۂ سرفرازی، زمین کا وہی خطہ سرسبز و شاداب ہوتا اور گل و گلزار بنتا ہے جو بارانِ رحمت کو اپنے اندر جذب کرتا ہے، اور جس کی صلاحیت اور سختی کی بناء پر پانی اسکے اندر اتر ہی نہ سکے، وہ محروم کا محروم اور ویران کا ویران ہی رہتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم، سو بندے کو چاہیے کہ حق بات دل سے سنے اور مانے، وباللہ التوفیق۔

۱۷ "ختمِ قلوب" کا مفہوم اور اس کا سبب اور باعث :- سو اس طرح انہوں نے اپنی فطری استعداد کو ضائع کر کے، اور اپنے آپ کو نورِ حق سے محروم کر کے، اپنی جانوں پر خود ظلم کیا، کہ حق و ہدایت سے محرومی درحقیقت ہر خیر سے محرومی ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- ورنہ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ تو اپنے بندوں پر کبھی بھی اور کسی بھی طرح ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں کرتا، جیسا کہ کلامِ حکیم میں اس کی جابجا تصریح فرمائی گئی ہے، مثلاً سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۷۰ میں ارشاد فرمایا گیا ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾- [توبہ: ۷۰] "سو اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا مگر وہ (بدبخت) اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کررہے تھے" اور یہی بات سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۴۰ اور سورۂ روم آیت نمبر ۹ اور دوسرے مقامات پر بھی ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اور اس کے علاوہ قرآنِ حکیم کے دوسرے بیشمار مواقع پر بھی اسی بات کو دوسرے مختلف طریقوں سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سو "ختمِ قلوب" کی اس محرومی کا سبب اور باعث ان لوگوں کا خود اپنا عمل و کردار اور سوءِ اختیار ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو جس طرح کسی ظرف پر مہر لگنے سے نہ اسکے اندر کی کوئی چیز باہر نکل سکتی ہے، اور نہ باہر سے

کوئی چیز اسکے اندر جاسکتی ہے، اسی طرح کا حال ایسے محروم دلوں کا ہوتا ہے، جو اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر اپنی فطری استعداد کو ضائع کر دیتے ہیں، کہ نہ انکے اندر کا کفر باہر نکل سکتا ہے اور نہ باہر سے ایمان و ہدایت کی روشنی کی کوئی کرن انکے اندر جاسکتی ہے، والعیاذُ باللہ العظیم۔ کیونکہ ایسے ہٹ دھرم لوگ حق بات کو سننے اور ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتے۔تو پھر ایسوں کو دولتِ ہدایت سے سرفرازی کیسے نصیب ہوسکتی ہے؟۔

۱۸ ''غِشَاوۃ'' سے مقصود و مراد؟: -سو غشاوۃ یعنی آنکھوں کے اس پردے سے مراد وہ معنوی پردہ ہے جو انسان کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کر دیتا ہے والعیاذُ باللہ، اور آنکھوں پر پڑنے والا ایسا پردہ جو اگرچہ ظاہر میں نظر نہیں آتا، لیکن وہ اتنا سنگین اور اس قدر سخت اور ہولناک ہے کہ انسان کو نورِ حق سے محروم کر دیتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، اور ان کے کانوں پر ڈاٹ لگ گئے، اور ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی، تو پھر حق کی روشنی ان کو نصیب ہو تو کہاں سے، اور کیسے ہو؟ کیونکہ اس کے سب منافذ بند، اور تمام راستے مسدود ہو گئے۔ پس ان کی آنکھیں، ان کے دل، اور ان کے کان، جو دنیاوی اشیاء کو دیکھنے سننے اور سمجھنے اور پرکھنے کے لئے تو بہت تیز ہیں، لیکن حق کے فہم وادراک سے محروم، اور بند ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی اس طرح تصریح فرما دی گئی ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾-[الاعراف:۱۷۹] ''ان کے دل ہیں کہ جن سے یہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے یہ [سامانِ عبرت کو] دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں، جن سے یہ [حق کو] سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی کہیں بڑھ کر گمراہ۔ یہی لوگ ہیں جو [اپنے مقصدِ زندگی اور اپنے ہولناک انجام سے] غافل [و بے خبر] ہیں۔ اور یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے حق سے منہ موڑنے، اِعراض برتنے اور عناد و ہٹ دھرمی سے کام لینے کا - والعیاذُ باللہ العظیم-

۱۹ اَشرار و منکرین کے انجام کا ذکر و بیان: - سو اس سے اخیار و متقین کے مقابلے میں اَشرار و منکرین کے انجام کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے سو یہ ہے اَشرار و کافرین کا انجام جو ان کو اپنے کیے کی پاداش میں بہر حال بھگتنا ہوگا -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -اور یہ پرہیز گاروں کے بالمقابل ان کفار نابکار کے انجامِ بد اور مآلِ سُوء کا بیان ہے، جو حق سے محرومی کے باعث ان کو پیش آئے گا - وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِهٖ جَلَّ وَعَلَا - اور یہ عذاب اس قدر بڑا، اور اتنا سخت اور شدید ہوگا کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی کسی کے لئے ممکن نہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے، اس کو اگر حیاتِ دنیا کی اس محدود و مختصر فرصت میں دنیا بھر کی دولت بھی مل جائے، تو بھی اس کو کیا ملا، اور اس کے مقابلہ میں جس مومنِ صادق کو اسکے ایمان و یقین کی برکت سے اور اسکے نتیجے میں دوزخ کے اس ہولناک عذاب سے بچا کر جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز کر دیا گیا، اس سے بڑھ کر خوش نصیب اور کون ہوسکتا ہے، اگرچہ اسکو دنیا میں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہ ہوا ہو، سو اصل دولت ایمان و یقین کی وہ دولت ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن، اور حیات آفرین و سدا بہار دولت ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِيْمَانِ

اَللّٰھُمَّ فَثَبِّتنا عَلَیہِ وزِدْ نا مِنہُ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ - بہرکیف کفر وانکار اور عناد و ہٹ دھرمی کا نتیجہ وانجام ہلاکت وتباہی ہے اور نہایت ہی ہولناک اور دائمی ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ العظیم۔

۲۵ منافقین کا ذکر اور ایک بدعی مغالطے کا جواب: -سو یہاں سے تیسرے گروہ یعنی منافقین کا ذکر شروع ہوتا ہے، جوکہ زبانی کلامی تو ایمان کا دم بھرتے اور دعوٰی کرتے ہیں، مگر اندر سے یہ لوگ کافر اور منکر ہوتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- یہ لوگ چونکہ مارِ آستین کی طرح کھلے کافروں سے بھی زیادہ خطرناک اورنقصان دہ ہوتے ہیں، اس لئے یہاں ان کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل سے فرمایا گیا ہے، اوراسی بناء پر ان کا عذاب بھی زیادہ سخت ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾-الآیۃ[النساء-۱۴۵] یعنی ''منافق لوگ یقینی طور پر دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہونگے''۔اہلِ بدعت کے بعض تحریف پسندوں نے اس موقع پر یہ گوہرافشانی بھی کی ہے کہ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل وکمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے اسی لئے قرآنِ پاک میں جابجا انبیائے کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا، اور درحقیقت انبیاء- علیھم الصلوٰۃ والسلام- کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے'' - فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ -کہاں کی بے تکیاں کہاں جوڑ دیں- نہ کوئی جوڑ نہ ربط- پھر یہ کہنا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر کھلا افتراء ہے کہ قرآنِ پاک میں جابجا انبیائے کرام کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا ہے، جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ قرآنِ پاک میں جابجا تو درکنار کسی ایک مقام پر بھی ایسانہیں فرمایا گیا، بلکہ اس کے برعکس امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام- عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام - نے اپنی بشریت کا اظہار واعلان خود فرمایا، اور صاف وصریح طور پر، اور حصروتاکید کے الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے، مثلاً سورۂ ابراہیم میں ہے-﴿قَالَتْ لَھُمْ رُسُلُھُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ﴾-الآیۃ[سورۂ ابراہیم:۱۱] سو حضراتِ انبیائے کرام- علیھم الصَّلٰوۃ والسلام- کا اجماعی قول کفار ومشرکین کے جواب میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے یعنی رسولوں نے ان سے کہا کہ ''لوگو! واقعتاً ہم تم ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے''۔ چنانچہ اس نے ہم پر احسان فرما کر اور ہمیں منصبِ نبوت ورسالت کے لئے چن کر خاص شرف سے نواز دیا، سو اپنی اصل کے اعتبار سے ہم بھی تم ہی جیسے بشر اور انسان ہیں، البتہ وصف رسالت کے اعتبار سے ہم تم سے ممتاز ہیں، اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا گیا کہ اپنی بشریت کا صاف اور صریح طور پر اعلان کرو اور کہو کہ میں صرف ایک انسان اور بشر رسول ہوں۔ کسی خدائی صفت کا کوئی شائبہ تک نہ مجھ میں ہے، اور نہ ہی میں نے کبھی اس طرح کوئی دعوٰی ہی کیا ہے-﴿قُلْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾الآیۃ-یعنی کہو کہ ''میں نہیں ہوں مگر ایک بشر اور رسول'' [بنی اسرائیل:۹۳] اس ارشادِ ربانی میں ''ھَل'' نافیہ اور ''اِلَّا'' استثنائیہ کے کلماتِ حصروتاکید کے ساتھ اس حقیقتِ صادقہ کو مؤکد کرکے بیان فرمایا گیا ہے،

اور بعض دوسرے مقامات پر تو آپؐ کو ﴿ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ " تم ہی جیسا بشر" کے الفاظ کے ساتھ اپنی بشریت کے اعلان و اظہار کا حکم و ارشاد فرمایا گیا ہے، مثلاً سورۂ کہف کی آخری آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ الاٰية۔ یعنی [ان سے] "کہو کہ میں تو تم ہی لوگوں جیسا ایک [انسان اور] بشر ہوں، بس میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے" (الکہف: ۱۱۰)۔ سو وحی کے اس شرف و امتیاز کی بناء پر میرا مرتبہ و مقام سب سے بڑھ گیا ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے میں تم ہی جیسا ایک بشر اور انسان ہوں۔ اس کے علاوہ صحیح احادیثِ شریفہ کی بیشمار نصوص ایسی ہیں جن میں بشریتِ پیغمبر۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کی اس حقیقتِ صادقہ کا واضح طور پر اعلان فرمایا گیا ہے۔ مثلاً صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے اس بارے میں صاف اور صریح طور پر اعلان فرمایا: ۔"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"۔ (صحیح بخاری ج ۱ص ۵۸، صحیح مسلم ج ۱ص ۲۱۲) ایک اور مقام پر آپؐ نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ رَسُوْلُ رَبِّيْ فَاُجِيْبُ لَه" (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶، و مسلم ج ۲ ص ۲۷۹، دارمی ۴۲۴) یعنی اے لوگو! سوائے اسکے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں ہوسکتا ہے کہ میرے پاس میرے رب کا پیامبر آجائے اور میں اس کی دعوت کو قبول کرلوں، اور ترجمان القرآن۔"حَبْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: "وَاِنَّهُ لَبَشَرٌ" (دارمی ص ۲۳) اور امّ المومنین حضرت عائشہ۔رضی اللہ عنہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کے ضمن میں ارشاد فرماتی ہیں۔"مَا كَانَ اِلَّا بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ"۔"کہ آپؐ عام انسانوں کی طرح ایک انسان ہی تھے" یعنی اپنی اصل فطرت اور طبیعت کے اعتبار سے، (شمائل ترمذی ۲۴، الادب المفرد للبخاری، ص ۹۷، موارد الظمآن ص ۵۲۵)۔ پس کس قدر ظلم ہے کہ اس طرح کی بے شمار نصوص کے باوجود، سلف و خلف سے ثابت و مروی اور عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق، بشریتِ انبیاء کے اس بنیادی عقیدے کا انکار کیا جائے۔ اور اس سے بڑھ کر ظلم و ستم یہ کہ اس انکار کو قرآنِ حکیم کی تفسیر کے نام سے رواج دینے کی کوشش کی جائے، اور اس سے بھی بڑھ کر یہاں تک افتراء پردازی کی جائے کہ قرآن پاک میں انبیائے کرام کو بشر کہنے والوں کو جابجا کافر فرمایا گیا۔ والعیاذ باللہ العظیم

تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ اور اس طرح کی ہرزہ سرائی افتراء علی اللہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے والوں سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے؟۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ ۔ سو ایسے لوگوں نے اس طرح تحریفِ قرآن کے سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیا، ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَيَا مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۔

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ

قیامت کے دن پر مگر وہ ایماندار ہیں نہیں، ۲۱ وہ (اس طرح) دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو، ۲۲ اور

۲۱ ایمان کے دعوے کے باوجود بے ایمان، والعیاذ باللہ:- کیونکہ ایمان صرف زبانی جمع خرچ اور ظاہری اعلان و اظہار کا نام نہیں، بلکہ ایمان عبارت ہے اس اعتقادِ جازم سے جو دل کے اندر موجود اور اس کے رگ و ریشے میں پیوست ہو۔ اور اس کا اقرار و اظہار الفاظ اور زبان سے کیا جائے۔ تو پھر اعتقادِ قلبی سے محروم، اس طرح کے برخود غلط لوگ مومن [ایماندار] کس طرح ہوسکتے ہیں؟۔ سو ایسے لوگ اپنے ایمان کے بلند بانگ دعووں کے باوجود دولتِ ایمان و یقین سے محروم ہیں، والعیاذ باللہ العظیم۔ اور ایمان بھی وہ معتبر ہے جو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق ہو، ورنہ محض اور فی الجملہ ایمان تو مشرکین اور اہلِ کتاب بھی رکھتے تھے، مگر وہ ایمان اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ اعتبار نہیں کہ وہ معیارِ مطلوب کے مطابق نہیں۔ بہر کیف ایمان سے مقصود و مراد چونکہ وہ ایمان ہے جو کہ دل کے یقین اور اعتقاد و تصدیق سے پھوٹتا ہو اور اس سے یہ منافق لوگ چونکہ محروم ہیں اس لیے یہ لوگ ایمان کے دعوے کے باوجود نورِ ایمان و یقین سے محروم اور بے ایمان ہیں۔ پس ایمان کا صرف دعویٰ درکار نہیں بلکہ اس کی اصل اور حقیقت مطلوب ہے جو عبارت ہے تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی سے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔ بکل حال من الاحوال،

۲۲ منافق لوگ اور ان کی دھوکے بازی:- کہ یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ یعنی اپنے خیال کے مطابق، کہ اپنے طور پر یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس طرح اندر کچھ اور باہر کچھ کی اس منافقانہ پالیسی سے یہ حقیقتِ حال کو پوشیدہ رکھ کر اپنی بڑی مہارت اور چالاکی دکھا رہے ہیں، حالانکہ یہ ان کی پرلے درجے کی حماقت تھی، اور ہے، بھلا اللہ پاک سبحانہٗ و تعالیٰ کو جو کہ ''عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' ہے کسی طرح کا کوئی دھوکہ دینا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے؟ سو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ نورِ ایمان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں وہ کیسی کیسی حماقتوں کا ارتکاب کرتے ہیں، اور کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور جن کے باطن نورِ ایمان و یقین سے منور ہوتے ہیں، وہ کس اطمینان و سکون کے ساتھ بے خوف و خطر شاہراہِ فوز و فلاح پر گامزن ہوتے ہیں، وہ اپنے خالق و مالک کے حقوق کو پہچانتے، اور صدقِ دل سے ان کے حضور جھکتے ہیں، اور اس طرح اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کرتے ہیں- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا النُّوْرِ الْعَظِيْمِ -سو ایمان و یقین کی دولت سعادتِ دارین سے سرفراز کرنے والی دولت ہے، اور اس سے محرومی - والعیاذ باللہ- سعادتِ دارین سے محرومی ہے اور ایسا محروم انسان ہر خیر سے محروم رہتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝٩

ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، حالانکہ (حقیقت میں) وہ دھوکہ خود اپنے آپ ہی کو دے رہے ہیں، ف٢٣ مگر وہ شعور نہیں رکھتے،

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ان کے دلوں میں ایک بڑی (خطرناک) بیماری ہے، ف٢٤ پھر اللہ کی طرف سے (ملنے والی مہلت ف٢٥ کے باعث) ان کی یہ بیماری اور

اَلِيْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝١٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا

بڑھ گئی، اور ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، ف٢٦ ان کے اس جھوٹ کی بناء پر جو یہ لوگ بولتے تھے (پوری ڈھٹائی کے ساتھ،) ف٢٧

تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝١١

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت مچاؤ تم لوگ (اللہ کی) اس زمین ف٢٨ میں، تو یہ کہتے ہیں (کہ نہیں صاحب!) ہم تو اصلاح

٢٣ **منافقت کا وبال خود منافقوں پر:**-- سو اس طرح سے ایسے لوگوں کی منافقت کا وبال خود انہی پر پڑتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کو تو دھوکہ دینا کسی کے بس میں نہیں ہے، کیونکہ اس کی شان ہے -﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ﴾ -یعنی "وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں میں چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے"، نیز اس کی شان ایسی ہے کہ وہ ذاتِ اعلیٰ واقدس چھپے بھیدوں اور اس سے بھی مخفی چیزوں کو جانتی ہے -﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ -تو پھر اس کو دھوکہ دینا ممکن ہی کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اہلِ ایمان کو بھی یہ منافق لوگ دھوکہ اس لئے نہیں دے سکتے کہ ان کو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اصل حقیقت سے آگاہ فرما دیتا ہے، جیسا کہ ان آیاتِ کریمہ میں بھی اس کا نمونہ موجود ہے۔ پس دھوکا دراصل خود ان منافق لوگوں کو لگ رہا ہے کہ اس طرح سے ایک طرف تو یہ لوگ اپنی رسوائی کا سامان خود کرتے رہتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -- اور دوسری طرف یہ ایمان کی اس بے مثل دولت سے محروم ہو رہے ہیں جو کہ دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے، اور جس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- مگر ان کو اس کا شعور و احساس بھی نہیں کہ کس خسارے اور گھاٹے کا سودا یہ بدبخت لوگ خود اپنے لیے کر رہے ہیں، اور اس کی اصل شکل و صورت کل آخرت کے اس جہاں میں ان سب کے سامنے آ جائے گی، جو حیاتِ دنیا کے اس متاعِ غرور کے فنا و انتہاء کے بعد رونما ہوگا، اور جس کو "عالمِ مشاہدہ" کہا جاتا ہے کہ وہ اس جہانِ فانی کے برعکس کشفِ حقائق کا جہان اور "عالمِ شہود" ہوگا۔ چنانچہ اس ضمن میں میدانِ حشر میں ان بدبختوں کو جس ذلت و رسوائی کا سامنا ہوگا اس کا منظر سورۂ حدید کی آیات ١٣ تا ١٥ میں نہایت وضاحت کے ساتھ اور بڑے عبرتناک اور سبق آموز انداز میں پیش فرمایا گیا ہے، سو اللہ پاک نے اسکو اپنی کتابِ حکیم میں اتنی وضاحت سے اور اس قدر صراحت کے ساتھ پیشگی بیان فرما دیا، تاکہ جس نے بچنا ہو وہ بچ جائے کہ اس سے بچنے کا اور آخرت کی کمائی کا موقع یہ دنیاوی زندگی اور اسکی یہ فرصتِ محدود ہی ہے، اور بس۔ ورنہ اُس وقت

چیخنے چلانے اور کفِ افسوس ملنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا - ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ - سو انسان اچھا برا جو بھی کرتا ہے وہ دراصل اپنے ہی لیے کرتا ہے۔ اس کا نفع نقصان جو بھی کچھ ہوگا وہ خود اسی کو پہنچے گا - فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِيْقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ -

۲۴ **منافقوں کے دلوں کے ہولناک روگ کا بیان:** - یعنی کفر و نفاق کا وہ ہولناک روگ اور خطرناک بیماری جو کہ ظاہری اور حسی بیماریوں سے کہیں بڑھ کر مضر اور نقصان دہ بیماری ہے۔ کیونکہ ظاہری اور جسمانی بیماری کسی کو دوزخ میں نہیں لے جاتی۔ جبکہ کفر و نفاق کی یہ بیماری ایسے مریضوں کو دوزخ کے نچلے گڑھے میں گرا کر چھوڑے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کتنے نادان اور بر خود غلط ہیں وہ لوگ جو اپنی جسمانی بیماریوں کی فکر تو کرتے ہیں مگر نارِ جہنم سے ہم کنار کرنے والی ان خطرناک روحانی بیماریوں کی پرواہ ہی نہیں کرتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں کفر و نفاق اور کبر و عناد کا ایسا ہولناک روگ موجود ہے جس نے ان کے دل و دماغ کو معطل اور ان کی قوتِ فہم و ادراک کو ماؤف و بے کار کر دیا ہے۔ جس سے یہ لوگ اپنے نفع و نقصان کا فرق و تمیز کرنے کے بھی لائق نہیں رہے - والعیاذ باللہ من کل زیغ و شر -

۲۵ **منافقوں کے مرض میں اضافہ اور بڑھوتری:** - ان کے اپنے خبثِ باطن اور سُوءِ اختیار کی بنا پر جس سے حق بات ان کے دلوں میں اترتی ہی نہیں۔ سو اِمہالِ خداوندی سے دھوکے میں پڑنا ایمان سے محرومی کا نتیجہ ہے۔ پس وہ مہلت جو کہ وہ اپنے کرمِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت سے ان کو دے رہا ہے، تا کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کر لیں، اور غلط روی سے باز آ جائیں، مگر یہ الٹا اس کو اپنی سرکشی میں اضافے کا باعث بناتے ہیں، کہ اگر ہم لوگ غلط ہوتے تو ہم پر فوری عذاب کیوں نہ آ جاتا، اور اس طرح فرصتِ عمر کے اس سنہری موقع کو یہ لوگ ضائع کر رہے ہیں، جو پھر کبھی ہاتھ آنے والا نہیں۔ سو اِمہالِ خداوندی سے دھوکے میں مبتلا ہونا بڑا ہولناک خسارہ اور نہایت خطرناک شیطانی دھوکہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ۔ پس عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس مہلت و فرصت سے فائدہ اٹھائے - وباللہ التوفیق - مرض کا اطلاق منافقت پر ہوتا ہے۔ اور حسد اور دل کی جلن پر بھی کہ یہ سب بھی امراضِ قلوب میں سے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اور ان کے مرض کے اضافے کو جو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا تو یہ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جو لوگ اس طرح حق سے منہ موڑتے ہیں وہ اسی طرح محروم ہوتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم -

۲۶ **منافقوں کیلئے "عذابِ الیم" کا بیان:** - ایسا دردناک، اور اس قدر ہولناک کہ اس کا یہاں پر تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں، جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اس کی طرح طرح سے منظر کشی فرمائی گئی ہے، مثلاً سورۃ الفجر میں ارشاد ہوتا ہے ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗ اَحَدٌ﴾ "سو اس روز نہ تو اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی دے سکے گا، اور نہ ہی اس کے جکڑنے جیسا کوئی جکڑ سکے گا" (الفجر: ٢٦-٢٧) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ سو منافق لوگ اپنے آپ کو بڑا تیز و طرار اور بہت کچھ سمجھتے جانتے ہیں، مگر انکو اسکا احساس نہیں کہ اس طرح وہ اپنے لیے کس قدر ہولناک انجام کا سامان کر رہے ہیں، اور وقت آنے پر ان کو کس قدر دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا - والعیاذ باللہ - "الیم" دراصل اس عذاب کو کہا جاتا ہے جو ایذاء رسانی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔ (محاسن التاویل وغیرہ) سو ان بدبختوں کو

ایسے ہولناک عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ جو ایلام و ایذاء میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۷ **جھوٹ کی ہلاکت خیزی اور قباحت کا ایک مظہر:** سو اس سے جھوٹ کے گناہ کی شدت و خطورت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ منافقوں کے اس دردناک عذاب کی اصل علت کے طور پر یہاں اسی کذب کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسی لئے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضرت نبیٔ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سے جب پوچھا گیا کہ کیا مومن "جَبَان" (بزدل) ہوسکتا ہے؟ تو فرمایا، ہاں، یعنی مومن بزدل ہوسکتا ہے، اور جب پوچھا گیا کہ کیا مومن "بخیل" (کنجوس) ہوسکتا ہے؟ تو فرمایا، ہاں، یعنی مومن بخیل اور کنجوس بھی ہوسکتا ہے، لیکن جب پوچھا گیا کہ کیا مومن "کذاب" (جھوٹا) ہوسکتا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا نہیں، یعنی مومن کذاب اور جھوٹا نہیں ہوسکتا، جس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور کذب میں ایسا تضاد ہے کہ یہ دونوں وصف یکجا نہیں ہوسکتے، مگر افسوس کہ اس سب کے باوجود آج کے مسلم معاشرہ میں اس "اُمّ المعاصی" یعنی جھوٹ کا ایسا دور دورہ اور اس قدر چلن اور رواج ہوگیا ہے کہ اس کا گناہ اور برائی ہونا ہی گویا نظروں سے بالکل اوجھل ہوگیا ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس کو دورِ حاضر کی نام نہاد سیاست کا ایک لازمہ و خاصہ اور تقاضا سمجھا جانے لگا ہے، اور ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کررہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الرَّحْمٰنِ۔ سو یہ لوگ چونکہ جھوٹ بولتے اور جھوٹ کو اپنا کمال سمجھتے تھے اس لیے ان کو ایسا دردناک عذاب ہوگا جو ان کے اس سنگین جرم کے عین مطابق ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۸ **کفر و نفاق، فساد فی الارض کی جڑ بنیاد، والعیاذُ باللہ:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ اللہ کی زمین میں فساد مت مچاؤ اپنے کفر و نفاق سے جو کہ فساد کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ کما قال ابن مسعودؓ (ابن جریر، ابن کثیر، محاسن، صفوہ، وغیرہ) سو کفر و نفاق خرابی و فساد کی جڑ بنیاد ہے، اگرچہ اس کے روگی اور علمبردار اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے اور بڑے خوشنما وعدے اور دعوے کرتے ہوں، اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ امن و صلاح کا مدار و انحصار اس پر ہے کہ ہر ایک کے حقوق کی صحیح تعیین و تشخیص سے آگہی حاصل ہو، اور اسکے مطابق ان تمام حُقوق کو ادا کرنے کی سعی اور کوشش کی جائے، اور حُقوق میں سب سے پہلا، سب سے مقدم اور سب سے بڑا حق اس خالق و مالک کا ہے، جو اس ساری کائنات کا خالق و مالک اور بلاشرکتِ غیرے اس میں حاکم و متصرف ہے، پھر اسکے بعد مخلوق کے حقوق ہیں جو کہ اپنے درجات و مراتب کے مطابق مختلف ہیں، اور ان تمام حُقوق کو جاننا دین کی تعلیماتِ مقدسہ کے بغیر ممکن نہیں، اور جب حُقوق کا صحیح علم نہیں تو پھر ان کی ادائیگی کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ بس جو لوگ دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کی ہدایات اور ان کی روشنی سے غافل و محروم ہیں، وہ سراسر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ پرلے درجے کے فسادی ہیں، خواہ وہ اپنے طور پر اصلاح کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں، اور اصلاح کرنے والے وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی سے مستنیر و سرشار ہوں۔ اور جو لوگ دین و ایمان کی روشنی سے محروم ہیں وہ بہرحال فسادی ہیں خواہ وہ اصلاح کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرتے ہوں۔ کیونکہ پیغامِ حق و ہدایت کا انکار کرنے کے بعد انسان نہ اپنے خالق و مالک کا حق پہچان سکتا ہے اور نہ اس کی مخلوق اور خاص کر انسانی برادری کے حقوق کو پہچان سکتا ہے۔ تو پھر اصلاح کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے۔ سو اصل اور حقیقی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے جبکہ پیغامِ الٰہی اور دستورِ خداوندی کی روشنی میں اور اسی کی ہدایت کے مطابق کی جائے۔ ورنہ وہ اصلاح نہیں فساد ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا

کرنے والے ہیں، ف۲۹ (ان کے دھوکے میں نہیں آنا) یقیناً یہی لوگ ہیں فساد مچانے والے، لیکن یہ اس کا شعور نہیں رکھتے، اور (اسی طرح) جب

قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ

ان سے کہا جاتا ہے کہ تم لوگ (سچے دل سے) ایمان لے آؤ جس طرح کہ دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، ف۳۰ تو یہ کہتے ہیں کیا ہم اسی طرح

۲۹ منافقوں کے دھوکے کا ایک مظہر اور نمونہ:- یہ منافقوں کی دھوکہ دہی کا ایک نمونہ ومظہر ہے کہ ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم مصلح ہیں، اور ہم اپنے صلح کن رویے سے مسلمانوں سے بھی بنائے رکھتے ہیں، اور کفار سے بھی، اور دونوں کو خوش رکھتے ہیں، حالانکہ ہوتا اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ ایسے لوگ اس منافقانہ رویے سے دونوں ہی کا اعتبار کھو بیٹھتے ہیں، کہ نہ ان پر مسلمانوں کو اعتبار رہتا ہے اور نہ کھلے کفار کو، اور یہ ہر طرف سے بے وزن اور بے اعتبار ہو کر دونوں کے درمیان ڈانواں ڈول رہتے ہیں جیسا کہ قرآنِ حکیم نے دوسری جگہ خود انکا حال اس طرح بیان فرمایا ہے-﴿مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ - مگر اس کے باوجود ان کو نہ اپنی اس ذلت آمیز صورتِ حال کا شعور و احساس ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کے اسباب کے ازالہ کی کوئی فکر و پرواہ، اور اگر دیکھا جائے تو آج کے مسلم معاشرے میں بھی بہت سے عناصر اسی منافقانہ روش کا شکار، اور اس کے ذلت آمیز نتیجہ وانجام سے دوچار ہیں، اور وہ اس سے بچنے کی فکر کرنے کے بجائے الٹا اس کو اپنی سیاست اور چالاکی قرار دیتے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی منافقت کی اس دلدل میں مزید پھنستے اور دھنستے چلے جاتے ہیں۔ سو منافقت محرومیوں کی محرومی اور ذلت وخواری کا باعث ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۳۰ حضراتِ صحابہؓ کرام کا ایمان معیار و مدار کی حیثیت رکھتا ہے:- یعنی ویسا ایمان لاؤ جیسا کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ، اور دوسرے تمام سچے مومن لائے ہیں، (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، اور صفوۃ التفاسیر، وغیرہ) تاکہ تم لوگ بھی ان ہی کی طرح سچے ایمان کی بدولت اس کے پاکیزہ فوائد وثمرات سے بہرہ ور ہوسکو۔ یہاں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضراتِ صحابہ کرام- رضوان اللہ علیہم اجمعین- کا ایمان وعمل معیار و مدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس جو کوئی ان قدسی صفت حضرات سے بغض وعناد رکھے گا وہ مومن نہیں قرار پا سکتا، جیسا کہ روافض وغیرہ- خَذَلَهُمُ اللّٰهُ وَقَاتَلَهُمْ - اور ان کے اذناب واتباع کا حال ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ- اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی کو "ناس"، یا "آدمی"، یا "بشر"، کہنے سے اس کی توہین کا کوئی پہلو نہیں نکلتا جیسا کہ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے کہا۔ سو اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی حماقت اور کور ذوقی کا ثبوت ہے، جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل اس سے پہلے ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ کے حاشیہ میں ابھی کچھ ہی اوپر گزر چکی ہے، کیونکہ اگر اس لفظ میں توہین وسوءِ ادبی کا ذرہ برابر بھی کوئی پہلو موجود ہوتا تو قرآنِ حکیم میں صحابہ کرامؓ سے متعلق یہ لفظ استعمال نہ فرمایا جاتا۔ بہر کیف جب ان لوگوں کو حضراتِ صحابہ کرام کی طرح کا ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے جو آگے آرہا ہے، یعنی یہ کہ کیا ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح کہ بیوقوف لوگ ایمان لے آئے- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف بہر کیف حضرات صحابہ کرام کا ایمان معیار و مدار کی حیثیت رکھتا ہے۔

كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ

ایمان لے آئیں جس طرح کہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں، ۳۱ آگاہ رہو کہ بے وقوف یہ خود ہیں، ۳۲ لیکن

۳۱ حضرات صحابۂ کرامؓ سے بُغض وعناد علامت کفر ونفاق، والعیاذ باللہ :- سو اس سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرات صحابۂ کرام معیارِ حق وصداقت ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کفار ومنافقین کا طریقہ ووطیرہ ہے- والعیاذ باللہ- یعنی صحابۂ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سو ان لوگوں کے حضراتِ صحابۂ کرام کے بارے میں یہ ریمارکس تھے کہ یہ لوگ بیوقوف اور کم عقل ہیں جو اس طرح کے صاف اور کھلے ایمان کی وجہ سے سب سے کٹ گئے ہیں اور منافق قسم کے لوگوں کا سچے ایمان والوں کیلئے ہمیشہ یہی ... ہوتا ہے، کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے،- والعیاذ باللہ العظیم - حالانکہ حضراتِ صحابۂ کرام اپنے سچے ایمان کی بدولت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہوگئے، اور اپنے صدق واخلاص کی بنا پر اپنے خالق ومالک کی طرف سے - رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ - کی عظیم الشان سند اور بے مثال شرف واعزاز سے اس دنیا میں ہی مشرف ہوگئے۔ پس صحابۂ کرام - رضی اللہ عنہم - پر طعن وتشنیع کفار ومنافقین کا طریقہ ووطیرہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ - اور حضرات صحابۂ کرام جو صحبتِ نبوی کے بے مثال شرف سے مُشرف ہونے کے نتیجے میں رضائے خداوندی کے سرٹیفکیٹ سے بہرہ مند وسرفراز ہو گئے، ان پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق آخر کس طرح اور کیونکر پہنچ سکتا ہے؟ اور پھر ان لوگوں کی طرف سے جو خود دولتِ ایمان ویقین تک سے محروم ہوں اور جو ان حضرات سے صدیاں بعد آئے ہوں؟ -والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال-

۳۲ اہلِ حق کو بیوقوف کہنے والے خود بیوقوف :- سو یہاں پر ''اَلَا'' کے حرفِ تنبیہ اور مبتدا وخبر کی تعریف اور ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل کو لاکر اس امر کی تاکید در تاکید کر دی گئی کہ آگاہ رہو کہ بیوقوف یہ لوگ خود ہیں، جو حضرات صحابۂ کرام پر طعن وتشنیع کرکے اپنے کفر ونفاق کے داغ کو اور گاڑھا اور پکا کر رہے ہیں، اور حق اور اہلِ حق سے دور ونفور ہو کر یہ لوگ اپنی ہلاکت وتباہی کے گڑھے کو اور گہرا کر رہے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ - حقیقت میں عقلمند وہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان ویقین رکھتا ہو کہ وہی روشن ضمیر ایسے ہیں جو اپنے خالق ومالک کا حق پہچانتے ہیں۔ اپنی اصل منزل اور راہِ حق وہدایت سے آگاہ ہیں۔ اور وہی خالق کا حق ادا کر سکتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ صحیح اور مبنی برحق رویہ اختیار کر سکتے ہیں۔ جبکہ ایمان ویقین کی روشنی سے محروم لوگ نہ اپنے خالق ومالک کا حق ادا کر سکتے ہیں اور نہ اسکی مخلوق کا کہ وہ تو تہ بہ تہ اندھیروں میں مبتلا ہوتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے، امین ثم امین

لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَ

یہ جانتے نہیں، ۳۳ اور جب یہ (بدبخت) ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، ۳۴ مگر

اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ

جب یہ تنہائی میں اپنے شیطانوں ۳۵ کے پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو (دل وجان سے) تمہارے ساتھ ۳۶ ہیں، (ان لوگوں

مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ

سے تو) ہم بس مذاق کر رہے تھے، حالانکہ مذاق (حقیقت میں) اللہ کی طرف سے خود ان کا اڑایا جا رہا ہے ۳۷ وہ (اپنے حلم اور

۳۳ کفر و نفاق کا نتیجہ مَتْ ماری، والعیاذ باللہ :- سو ان لوگوں کو اس بات کا کوئی علم نہیں کہ حضراتِ صحابۂ کرام کو بیوقوف کہہ کر اور ان کی توہین کر کے انہوں نے اپنے لیے کس قدر ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا، والعیاذ باللہ، کہ انہوں نے حق کی بجائے باطل کو، اور ہدایت کی بجائے ضلالت کو اپنایا۔ اور اس طرح انہوں نے بڑے ہی ہولناک خسارے اور زبردست گھاٹے کا سودا کیا، اور ان کی مت ایسی ماری گئی کہ ان کو اپنے اس ہولناک خسارے کا احساس وشعور ہی نہیں، سو کفر و نفاق سے اسی طرح انسان کی مت ایسی ماری جاتی ہے کہ اسکو اپنے حقیقی نفع ونقصان کا شعور وادراک ہی نہیں رہتا، اور وہ حق اور حقیقت کے بارے میں اندھا اور اوندھا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس حد تک کہ وہ بیماری کو بھی صحت سمجھنے لگتا ہے۔ تو پھر ایسوں کو صحت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ ۔ سو کفر و نفاق کا نتیجہ وانجام محرومی ومت ماری ہی ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۳۴ منافقوں کی دورُخی پالیسی کا ذکر وبیان :- سو اس ارشاد سے منافقوں کی دورخی پالیسی کو واضح فرما دیا گیا اور ایسا کہ یہ لوگ محض دنیاوی مفاد کے لیے کرتے ہیں۔ سو ایمان سے محروم لوگوں کا منتہائے مقصود دنیائے فانی کا متاعِ فانی ہے اور بس۔ یعنی اس طرح کے بے ایمان لوگ اہلِ ایمان کے سامنے اس طرح کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تاکہ اس طرح زبانی کلامی دعوی کر کے یہ لوگ اہلِ ایمان کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کر کے ان فوائد ومنافع سے مستفید ومتمتع ہوتے رہیں، جو کہ مسلمانوں کو ملتے ہیں، اور جب یہ لوگ تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، تاکہ اس طرح یہ دوسری طرف کے فوائد کو بھی سمیٹ سکیں اور یہی وطیرہ وشیوہ رہا ہے ایمان ویقین کی دولت سے محروم ان ابنائے دنیا کا، جو اسی دنیائے دوں کے لئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں، کہ متاعِ دنیا کا حُطامِ فانی وزائل ہی ان کا معبود اور قبلۂ مقصود ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جبکہ مومنِ صادق کا اصل مقصد آخرت ہوتی ہے، کہ دنیا تو محض متاعِ غرور ہے، جو کسی بھی طور پر مومنِ صادق کیلئے متاعِ مقصود نہیں ہوسکتی۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مخلص مسلمان کا مرتبہ ومقام کس قدر بلند اور اس کا نصب العین کتنا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں ایمان ویقین کی دولت سے محروم لوگوں کی ذہنیت کس قدر پست ہوتی ہے کہ وہ دنیائے فانی کے متاعِ فانی ہی کے لیے جیتا اور مرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۵ حق سے روکنے والے شیطان اور اس کے ایجنٹ :- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حق سے روکنے

والے شیاطین اور ان کے ایجنٹ ہیں اگر چہ وہ انسانی شکل وصورت میں ہوں:۔ یہاں پر شیاطین سے مراد ان کے لیڈر ہیں، یعنی جب یہ لوگ اپنے ان سرداروں اور لیڈروں سے ملتے ہیں.جو بظاہر اگر چہ انسان نظر آتے تھے مگر "اے بسا ابلیس کہ آدم روئے ہست"، کے مصداق اپنے خُبثِ باطن کی بناء پر اندر سے وہ شیطان تھے، سو اس سے معلوم ہوا کہ شیطان انسانوں میں سے اور انسانی شکل میں بھی ہوتے ہیں، کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو واضح رہے کہ جو لوگ دوسروں کو حق اور ہدایت سے روکتے اور اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں وہ اگر چہ انسانی شکل وصورت میں ہوں، وہ ہوتے بہرحال شیطان ہی ہیں، جیسا کہ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ﴿شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ﴾ الآیۃ [الانعام ۱۱۲]۔ وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ وَّشَرِّهٖ وَكَيْدِهٖ وَمَكْرِهٖ سَوَآءٌ كَانَ مِنْ شَيَاطِيْنِ الْاِنْسِ اَوِ الْجِنِّ، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَ فِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ۔

۳۵ **منافق لوگ کفار کے ساتھی:** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منافقین کے دل کفار کے ساتھ ہیں اور ان کا انجام بھی ایک ہی ہوگا۔ یعنی حق و ہدایت سے محرومی اور پھر دوزخ کی دہکتی آگ ۔ سو جب یہ منافق لوگ کھلے کفار سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو دل و جان سے تمہارے ساتھ ہیں، سو ایسوں کا انجام ایک ہی اور مشترک ہوگا، اور منافقوں کو ان کے ظاہری اور زبانی کلامِ ایمان سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اور جب یہ دونوں باہم کفر وشرک کی اسی زنجیر میں بندھے اور جکڑے ہوئے ہیں، تو انکا انجام بھی یقیناً ایک ہی ہوگا ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ بلکہ منافقوں کا کفر چونکہ مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے اس لیے یہ کھلے کفر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی حیثیت مارِ آستین کی ہوتی ہے ۔ اس لیے ان کا انجام اور عذاب بھی بہت سخت اور بڑا ہولناک ہو گا۔جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ الآیۃ [النساء ۱۴۵]۔ یعنی "منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہونگے ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۶ **برائی کا بدلہ بُرا ۔ والعیاذُ باللہ:** ۔ سو خُبثِ باطن اور سوءِ نیت کا نتیجہ وانجام بہرحال برا ہوتا ہے ۔ سو اللہ پاک کی ڈھیل سے انکو دھوکہ لگتا ہے اور یہ اور مست ہو جاتے ہیں، اور اس سے انکی محرومی اور بڑھتی جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی وہ ان کو جو ڈھیل دے رہا ہے، اور اپنے رحم وکرم کا جو معاملہ وہ ان سے فرما رہا ہے اس سے یہ نامراد اور دلیر ہوتے ہیں، اور اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جارہے ہیں ، جس کے نتیجے میں یہ اس دائمی عذاب میں گرفتار ہونگے جس سے نکلنے کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی ، اور اس طرح ان کو اپنے اس مذاق کے سنگین نتائج بہرحال بھگتنا ہونگے ، یہاں پر عربی زبان کی مشہور صنعت جس کو "صنعتِ مشاکلہ" کہا جاتا ہے، کی بناء پر اس کو بھی استہزاء کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جیسا کہ ۔ ﴿وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ ۔ وغیرہ مثالوں میں پایا جاتا ہے، ورنہ مذاق واستہزا وغیرہ کے جو مشہور معانی ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ میں نہیں پائے جاسکتے کہ وہ ذات اقدس و اعلیٰ اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ ۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، وباللہ التوفیق۔ سو جب انسان کا باطن صحیح اور اسکی نیت درست نہ ہو تو اسکا معاملہ اور بگڑتا جاتا ہے۔ پس خُبثِ باطن اور سوءِ نیت کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے کہ اس کی بنا پر انسان محروم سے محروم تر ہوتا جاتا ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

کرم بے پایاں سے) ان کی رسی دراز کئے جا رہا ہے، ۳۸ جس سے یہ لوگ اپنی سرکشی میں (پڑے) بھٹک رہے ہیں، ۳۹ یہ وہ (بدبخت) لوگ ہیں

فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾

جنہوں نے گمراہی کو اپنایا ہدایت کے بدلے میں، ۴۰ پس نہ ان کو نفع دیا ان کی اس تجارت نے ۴۱ اور نہ ہی یہ ہدایت پانے والے ہیں، ۴۲

۳۸ اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم کا ایک مظہر: - یعنی وہ ربِّ حلیم وکریم اپنے حلم وکرم کی بناء پر انکو ڈھیل دیئے جا رہا ہے، تاکہ جس نے باز آنا ہو وہ باز آجائے اور جس نے نہ آنا ہو وہ اپنا پیمانہ بھر لے، تاکہ پورا بھگتان بھگتنے کے لئے تیار ہو جائے، اور کل یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے مہلت کیوں نہ دی گئی۔ بہرکیف اسکی طرف سے کرم ہی کرم، اور احسان ہی احسان ہے، آگے انسان کی اپنی کج فکری اور غلط روی ہے کہ وہ اسکو الٹا اپنی گمراہی میں اضافے کا باعث بناتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ انکو ڈھیل دیئے جاتا ہے، اور انکو فوراً نہیں پکڑتا اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے کہ سرکشوں کو اس طرح ڈھیل پر ڈھیل دیئے جاتا ہے، اتنا ظرف اور اس قدر برداشت اس کے سوا اور کسی کے لیے ممکن ہی نہیں۔ سو اس کے امہال سے کبھی کسی کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کوئی پرسش اور پوچھ ہوگی ہی نہیں کیونکہ وہ ربِّ حلیم وغفور جب پکڑتا ہے تو پھر اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ جیسا کہ مختلف نصوص کریمہ میں اس کی طرح طرح سے وضاحت فرمائی گئی ہے - والعياذ بالله العظيم من غضب الجبار و عقابه- بہرکیف اس سے اس وحدہٗ لاشریک کے کرمِ لامحدود اور حلمِ بے مثال کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۳۹ نورِ حق وہدایت سے محرومی کا نتیجہ اندھیروں میں بھٹکنا، والعیاذُ باللہ: - سو نورِ حق وہدایت سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے- والعیاذ باللہ- کیونکہ راہِ حق سے محرومی کا لازمی نتیجہ جگہ جگہ بھٹکنا اور طرح طرح سے دھکے کھاتے رہنا ہے، پھر اس گمراہی پر دنیوی مال و دولت اور جاہ واقتدار کا ملنا ایسے لوگوں کو اور زیادہ اندھا کر دیتا ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں، ورنہ ہمیں یہ سب کچھ کیوں ملتا، سو دنیوی ترقی اور مال و دولت کا یہ پہلو بہت ہی خطرناک ہوتا ہے، کہ اس کی بناء پر برخود غلط لوگ حق سے اور زیادہ دور اور محروم ہوتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ یہ ان کے لئے کوئی انعام نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مار اور پھٹکار ہوتی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا "کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں جو مال اور اولاد میں ترقی دیتے ہیں یہ کوئی (ان کے لئے بھلائی کا سامان کر رہے ہیں؟ اور) ان کو فائدہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں،) بلکہ یہ لوگ سمجھتے نہیں" (المومنون: ۵۵-۵۶) واضح رہے کہ "يَعْمَهُوْنَ" "عَمَهٌ" سے ماخوذ ہے جو کہ رائے اور باطن کے اندھے پن ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، جبکہ "عُمْیٌ"، عام ہے مگر اس کا زیادہ تر استعمال ظاہری اندھے پن ہی کے لئے ہوتا ہے (کشاف اور فتح وغیرہ)۔ اللہ پاک اندھے پن کی ان دونوں قسموں اور صورتوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین۔ سو نورِ حق وہدایت سے محرومی کی ایک نقد سزا انسان کو یہ ملتی ہے کہ وہ اندھیروں میں ہی بھٹکتا رہتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم جل وعلا من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف- سو نورِ حق وہدایت سے محرومی- والعیاذ باللہ- ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ-

۴۰ سخت خسارے کے سودے کی نشاندہی، والعیاذُ باللہ: - سو ہدایت کے بدلے میں گمراہی کا سودا سب سے

برا اور نہایت ہی خسارے کا سودا ہے والعیاذ باللہ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب سے برا سودا ہدایت کے بدلے میں گمراہی کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ہدایت کے بدلے میں گمراہی کا سودا سب سے برا، سخت خسارے کا اور انتہائی محرومی کا سودا ہے۔ سو ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو اپنا کر سخت خسارے کا سودا کر لیا، یعنی اس دولت ہدایت کے بدلے میں جو کہ حضرتِ خَالِق جَلَّ وَ عَلَا اور وھّابِ مُطْلَق سُبْحَانَہٗ و تعالیٰ نے اپنے کرمِ بے پایاں سے ان کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھی، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ ہر بچہ فطرۃً مسلمان پیدا ہوتا ہے اور اس فطری و جبلی ھدایت کو جِلا بخشنے کے لئے ان بدنصیبوں کو اس نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی، جو کہ نبیوں کے بھی امام و پیشوا تھے، اور جن کی درفشانی ذروں کو بھی آفتاب بنا دینے کی قوت وتاثیر رکھتی تھی، مگر ان بدبختوں نے اپنے خُبثِ باطنی اور سوءِ اختیار کی بنا پر، ہدایت کی دولتِ عظمٰی سے بہرہ ور اور فیضیاب ہونے کی بجائے کفر و انکار کو اپنایا، اور اس پر ایسے اَڑ گئے کہ اپنے اندر موجود تخمِ ہدایت کو بھی ضائع کر دیا، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے، اور اس طور پر کہ اس ہولناک خسارے کا انکو کوئی شعور و احساس ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۴۱ نورِ ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی اور سراسر خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ سو ان بدبختوں نے وہ سودا کیا جس میں نفع دینے والی بات سرے سے تھی ہی نہیں کہ انہوں نے ہدایت جیسی نعمتِ عظمٰی کی بجائے ضلالت و گمراہی جیسی منبع شر و فساد اور موجبِ ہلاکت چیز کو گلے لگا لیا، تو پھر اس میں کسی نفع کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے، سو دولتِ حق و ہدایت سے محرومی سراسر خسارے کا سودا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ ۔ کہ نورِ حق و ہدایت کی دولت وہ دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور و سرفراز کرتی ہے، جبکہ اس سے محرومی پر انسان تہ در تہ اندھیروں میں ڈوب کر دارین کے خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی خسارے کا تصور بھی ممکن نہیں کہ انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر تہ در تہ اندھیروں میں ڈوب جائے۔ نہ اس کو اپنی زندگی کے اصل مقصد و نصب العین کا پتہ اور نہ اپنی منزلِ مقصود کی خبر اور نہ راہِ حق و صواب سے کوئی علم و آگہی۔ اور وہ خواہشاتِ بطن و فرج کی تکمیل کو ہی اپنا اصل مقصد بنا کر اور اسی کو سب کچھ سمجھ کر حیوانِ محض اور "شر البریۃ"، یعنی بدترین مخلوق بن کر رہ جائے۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۲ انسان کے بناؤ بگاڑ کا اصل مدار اسکے اپنے قلب و باطن پر:۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کے بناؤ، بگاڑ کا اصل تعلق اس کے قلب و باطن سے ہے سو طلبِ صادق اور حسنِ نیت سے محرومی ہولناک محرومی ہے: کیونکہ ہدایت کی دولت سے سرفرازی تب نصیب ہو سکتی ہے جبکہ اسکے لئے انسان کے اندر طلبِ صادق پائی جاتی ہو، اور اس سے یہ لوگ بوجہ اپنے عناد و استکبار، اور اپنے سوءِ اختیار کی بناء پر محروم ہیں، تو پھر ان کو حق و ہدایت کی دولت ملے تو کیسے اور کیونکر ملے؟ والعیاذ باللہ۔ اور راہِ حق و ہدایت سے محرومی کے بعد جس راستے کو انہوں نے اپنایا ہے، وہ دارین کے خسارے اور ابدی ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے، سو طلبِ صادق اور حسنِ نیت سے محرومی ایک بڑی ہی ہولناک محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے صلاح و فساد اور اس کے بناؤ و بگاڑ کا اصل تعلق اس کے قلب و باطن سے ہے۔ جیسا کہ دوسری مختلف نصوص میں بھی اس کو طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ پس اصلاحِ قلب و باطن اصل الاصول ہے۔

فایاہ نسال سبحانہٗ وتعالٰی التوفیق لما یحب ویرضٰی وعلٰی ما یحب ویرضٰی جل جلالہ وعم نوالہ۔

مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِي اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتۡ

ان کی مثال (ان کی محرومی و بدنصیبی میں) ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی، ۴۳ مگر جب اس آگ نے روشن کردیا

مَا حَوۡلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمۡ وَتَرَكَهُمۡ فِيۡ ظُلُمٰتٍ

اس کے آس پاس کو، ۴۴ تو اللہ نے سلب کردیا ان کی روشنی کو، ۴۵ اور ان کو (بھٹکتا) چھوڑ دیا ایسے اندھیروں میں ۴۶

۴۳ منافقوں کے نفاق کی مثال:- یعنی جس طرح کسی نے آگ جلائی تا کہ اسکورات کی ظلمت و تاریکی اور اس سے پیدا ہونے والی وحشت و خوف سے نجات ملے۔ پس یہاں "اِسۡتَوۡقَدَ" طلب فعل کے لئے نہیں جو کہ بابِ استفعال کا خاصہ ہے، اور جیسا کہ اس لفظ کے ظاہر سے عموماً سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہاں پر یہ لفظ "اَوۡقَدَ" کے معنی میں ہے جیسے "اَجَابَ" اور "اِسۡتَجَابَ" میں ہے (صفوة البیان لمعانی القرآن)۔ سو ایسے ہی ان منافقوں نے کلمۂ حق کا اوپر اوپر سے اقرار کیا، جس سے ان کو ظاہری طور پر کچھ روشنی ملی اور حیاتِ دنیا کی محدود فرصت میں انہوں نے اس سے کچھ فائدے بھی اٹھائے، مگر صدق و اخلاص کے فقدان کی وجہ سے یہ لوگ اسکی روشنی سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے اور محروم کے محروم ہی رہے، (محاسن التاویل وغیرہ) والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اور اس محرومی کے نتیجے میں ان کی ذلّت و رسوائی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ایسے لوگ لذتِ حیات اور پاکیزہ زندگی سے محروم رہیں گے اور آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۴ کور باطنی اور سُوءِ اختیار کا انجام بُرا:- یعنی آگ جل گئی اور ان کے لئے اس کے فوائد سے مستفید ہونے کا وقت آ گیا تو یہ اپنی کور باطنی اور سوءِ اختیار کی بناء پر اس سے مستفید ہونے کی بجائے الٹا دوہرے نقصان کا شکار ہوگئے، اور اپنے کفر و نفاق کی بناء پر یہ لوگ "فی الدرک الاسفل من النار" کے مستحق ہوگئے اور یہی نتیجہ اور انجام ہوتا ہے کور باطنی اور سوءِ اختیار کا، جو کہ بڑا ہی ہولناک اور برا انجام ہوتا ہے۔ وَالعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم۔ سو بجائے اسکے کہ لوگ دولتِ ایمان سے سرفراز ہو کر جنت کے وارث بنتے، یہ دوزخ کے نچلے گڑھے میں جا پڑے اور دائمی خسارے میں مبتلا ہوئے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۵ بدنیتی کا نتیجہ و انجام، محرومی، والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ، بدنیتی کا نتیجہ، عین استفادے کے وقت محرومی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ اور اس طرح یہ بدبخت روشنی کے فوائد سے محروم ہوگئے ان کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر، یہی حال ان منافقین کا ہے کہ ان کو ایمان لانے کا موقع ملا تھا، اور اگر یہ لوگ سچا ایمان لے آتے تو اس سے ایک طرف تو اس فطری داعیۂ ایمان کے تقاضے پورے ہوتے، جو حضرتِ حق جل جلالہٗ نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے ہر انسان کی فطرت و جبلت میں ودیعت فرما رکھا ہوتا ہے، اور دوسری طرف اس سے ان لوگوں کو اس نبیِّ برحق کی دعوتِ حق و صداقت پر لبیک کہنے کی سعادت نصیب ہوتی، جو رحمتِ مجسم بن کر دنیا جہاں کی ہدایت کے لئے تشریف لائے تھے، اور اس طرح ان لوگوں کو دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہونے کا موقع ملتا، اور یہ دنیوی زندگی میں حیاتِ طیبہ کی سعادت کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی میں دائمی فوز و فلاح سے بھی سرفراز ہوتے، جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی متصور ہی نہیں ہوسکتی۔ مگر ان بدبختوں نے اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار سے سچے ایمان و عقیدہ کی بجائے نفاق کی راہ کو اپنایا، جس سے ان کی وہ وقتی اور عارضی روشنی جو کہ کلمۂ ایمان کے اقرار سے ان کو نصیب ہوئی تھی وہ بھی رخصت ہوگئی، اور راہِ نفاق پر چل کر ان بدبختوں نے نورِ فطرت کے اپنے اس اصل سرمایہ کو بھی ضائع کردیا، جو قدرت نے اپنی رحمت و عنایت سے ان کے اندر ودیعت فرمایا تھا،

کیونکہ قانونِ فطرت اور ضابطۂ قدرت یہی ہے کہ جو جدھر چلے گا اسکو ادھر ہی دھکیل دیا جائے گا ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ — نیز جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ، وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾ — "پھر جب وہ خود پھر گئے تو اللہ نے پھیر دیا ان کے دلوں کو، کہ اللہ ایسے بدکاروں کو (نعمت) ھدایت سے سرفراز نہیں فرماتا" کیونکہ ہدایت کی یہ انمول اور بے مثل دولت جو سب سے بڑی دولت ہے اس واہبِ مطلق کے یہاں سے بالکل مفت تقسیم ہوتی ہے، مگر یہ ملتی طلبِ صادق پر ہی ہے، اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ — اس طرح اپنے اس خسارہ ونقصان کے باعث وذمہ دار یہ لوگ خود ہیں، ورنہ اللہ پاک کے یہاں سے تو کسی کے لئے محرومی ہے ہی نہیں، وہاں سے تو عطاء ہی عطاء اور بخشش ہی بخشش ہے، اور لگاتار اور بے حد وحساب عطا وبخشش ہے۔ دن رات کے ہر حصے میں اور وقت کے ہر لحہ ولحظہ میں بخشش ہی بخشش ہے، کہ اس کی شان وصفت ہے "سَحَّآءُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ" ہے اور اس کے دونوں ہاتھ (جو اس کی شانِ اقدس واعلیٰ کے لائق ہیں) ہر وقت کھلے ہیں ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾ مگر یہ بندوں کی اپنی غلط روی اور حرمان نصیبی ہے کہ وہ باختیار وارادہ، خود محروموں میں شامل ہوجاتے ہیں۔ سوان منافقین کی یہ محرومی بھی خود ان کی اپنی ہی اختیار کردہ ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ — "یہ اس لئے کہ یہ لوگ [اولاً ظاہری طور پر] ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا تو (قانونِ مکافات سے) ان کے دلوں پر مہر کردی گئی، پس یہ (حق اور حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں" (المنافقون: ۳) آیتِ کریمہ کی یہ تفسیر جو اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ہم نے اختیار کی ہے اس پر ﴿اَلَّذِىْ﴾ کا اسم موصول جمع کے معنی میں ہوگا یعنی ﴿اَلَّذِيْنَ﴾ جیسا کہ ﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِىْ خَاضُوْا﴾ الآیۃ [التوبہ: ۶۹] میں ہے (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور آیتِ کریمہ میں اس کے بعد آنے والے کلمات کا جمع کی صورت میں آنا بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے، اور جہاں مفرد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، جیسا کہ "اِسْتَوْقَدَ" اور "مَا حَوْلَهٗ" وہاں پر اس کے لفظ اور ظاہر کا لحاظ کیا گیا ہے، جیسا کہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ — میں ہے، کہ اس میں "مَنْ" کے ظاہر کے اعتبار سے "يَقُوْلُ" مفرد کا صیغہ لایا گیا ہے، اور معنی کے اعتبار سے "اٰمَنَّا" جمع کا۔ ایسے ہی یہاں بھی سمجھا جائے — وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ — اللہ تعالیٰ بدنیتی اور خبثِ باطن کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنا نصیب فرمائے — آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۸ **باطن کے ہولناک اندھیروں اور ان کے انجام کا ذکر وبیان:** — سو اس سے کفر وشرک اور شک ونفاق کے باطنی اندھیروں اور ان کے ہولناک انجام کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی کفر وشرک اور شک ونفاق کے ان گھٹا ٹوپ اندھیرے جن میں ڈوب کر یہ لوگ حق وحقیقت کی روشنی اور اس کے فہم وادراک سے محروم ہوگئے، اور اس طرح یہ دائمی ناکامی ونامرادی سے دوچار ہوگئے، اور اس کے نتیجے میں آخرت کی حیاتِ ابدی میں انہیں دوزخ کے "درکِ اسفل" کے ان ہولناک اندھیروں میں رہنا ہوگا جن کی ہولناکی کا پوری طرح تصور وادراک بھی یہاں کسی کے لئے ممکن نہیں، سو کفر ونفاق کے یہ اندھیرے ظاہری اور حسّی اندھیروں سے کہیں بڑھ کر ہولناک اور تباہ کن ہیں، مگر مادہ پرست دنیا جو ظاہری اور حسّی اندھیروں کیخلاف طرح طرح کے جتن کرتی ہے، وہ کفر ونفاق کے ان غیر محسوس اندھیروں سے بالکل غافل ولاپرواہ اسی ہولناک ہلاکت وتباہی کی طرف چلی جارہی ہے، اور انکو اسکا احساس وشعور تک نہیں کہ وہ اپنے لیے کس قدر ہولناک انجام کا سامان کررہے ہیں — والعیاذ باللہ العظیم — سو غفلت ولاپرواہی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾

کہ ان کو کچھ سوجھتا ہی نہیں، ف۴۷ یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، پس یہ نہیں لوٹیں گے ف۴۸

اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ ۚ

یا (ان کی مثال ایسے ہے) جیسے آسمان سے اترنے والی زوردار بارش ہو، ف۴۹ جس میں اندھیرے بھی ہوں، اور (زور کی) گرج اور

يَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِىۡٓ اٰذَانِهِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

چمک بھی، یہ لوگ بجلی کی کڑک کی (ہولناک) آوازوں کی بناء پر موت کے ڈر کے مارے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونسے

الۡمَوۡتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيۡطٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الۡبَرۡقُ

جارہے ہوں، ف۵۰ اور اللہ نے پوری طرح گھیرے میں لے رکھا ہے ایسے تمام کافروں کو، ف۵۱ قریب ہے کہ وہ بجلی

۴۷ نورِ ایمان سے محرومی سب سے بڑی محرومی، والعیاذُ باللہ: - نورِ ایمان سے محرومی کے ہولناک آثار و نتائج کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے سو نورِ ایمان سے محروم لوگ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑے بھٹک رہے ہیں، نہ انکو اپنی منزلِ مراد کا پتہ، نہ اس تک پہنچانے والی سیدھی راہ کی خبر، نہ اپنے مقصدِ زندگی کا علم، نہ اپنی مسئولیت و ذمہ داری سے آگہی، اور نہ آنے والے وقت کی شدت اور اسکی ہولناکی کا کوئی احساس، اور نہ اپنے اس ہولناک انجام ونقصان کا کوئی فکر و خیال، کہ اشرف المخلوقات کی منزل و شرف سے گر کر یہ لوگ ﴿كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ﴾ کی حضیضِ مذلت اور قعرِ ہلاکت میں پڑ گئے، بتایئے کہ اس سے بڑھ کر کسی نقصان کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ مگر یہ لوگ ہیں کہ ان کو اس قدر اہم ان بنیادی امور سے متعلق کچھ سوجھتا ہی نہیں، اور جو ان کو ان ہولناک خساروں سے آگاہ کرے اس کی بات ایسے لوگ نہ سننے کو تیار ہوتے ہیں، اور نہ ہی وہ انکی کھوپڑی میں اترتی اور ان کے دماغ تک پہنچتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۴۸ سوءِ اختیار اور بدنیتی باعثِ محرومی - والعیاذ باللہ العظیم: - سو سوءِ اختیار اور بدنیتی کی بنا پر انسان رجوع الی الحق کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡم - اس لیے ایسے لوگ راہِ صدق وصواب کی طرف نہیں لوٹیں گے، کیونکہ یہ اندھیرے جن میں یہ لوگ ڈوبے ہوئے ہیں، بڑے گھمبیر اور انتہائی گھٹا ٹوپ ہیں، نورِ ہدایت کو انہوں نے اپنے سوءِ اختیار سے ضائع کر دیا، آنکھیں ان کی اندھی ہو گئی ہیں، جس سے یہ دیکھنے کے قابل رہے ہی نہیں، کان ان کے آوازِ حق سننے سے بند ہو گئے ہیں، جس کے باعث کسی داعیِ حق اور خیر خواہِ حقیقی کی آواز ان کے دل و دماغ تک پہنچتی ہی نہیں، اور زبانیں ان کی گنگ ہو گئی ہیں، جس سے یہ لوگ کسی واقفِ راہ سے نشانِ راہ پوچھنے اور اس کی پیروی کرنے کی اہلیت و صلاحیت سے بھی محروم ہو گئے ہیں، تو پھر شاہراہِ حق وصواب کی طرف یہ لوٹیں تو کس طرح لوٹیں؟ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو سوءِ اختیار اور خبثِ باطن و بدنیتی کی بناء پر انسان رجوع الی الحق کی توفیق و سعادت ہی سے محروم ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۴۹ قرآنِ حکیم رحمتِ خداوندی کی ایک زوردار بارش: - "صَیِّب" اوپر سے اترنے والی زوردار بارش کو کہا جاتا ہے -

پس قرآنِ حکیم وہ زوردار بارش ہے جو حضرتِ حق جل جلالہ کی طرف سے اس کی مخلوق کی سیرابی اور نفع رسانی کے لئے نازل فرمائی گئی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ظاہری اور حسّی بارش تو ظاہری زمین پر اترتی، اور اسی کو سیراب کرتی ہے، اور اسی کو گل و گلزار بناتی ہے، جبکہ قرآنِ حکیم کی معنوی اور روحانی بارش دلوں کی دنیا پر برستی، اور اس کی زندگی کا ذریعہ بنتی ہے، اور جس طرح ظاہری اور حسّی طور پر برسنے والی بارش کو برسنے سے روکنا کسی کے بس میں نہیں، اسی طرح قرآنِ پاک کی دلوں کی زمین کو سیراب کرنے والی اس معنوی اور عظیم الشان روحانی بارش کو روکنا بھی کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ اور جس طرح ظاہری بارش کے رکنے اور بند ہوجانے سے یہ ظاہری زمین بنجر اور ویران ہوجاتی ہے، اسی طرح جو لوگ قرآن کی اس روحانی اور بابرکت بارش کی سیرابی سے محروم ہیں، ان کے دلوں کی دنیا بھی اجاڑ اور بنجر و ویران ہے، خواہ وہ اپنے آپ کو کچھ بھی کیوں نہ سمجھتے ہوں، اور مادی ترقی کے اعتبار سے وہ کہیں سے کہیں بھی کیوں نہ پہنچ چکے ہوں، لیکن ان کے باطن مردہ اور ان کے دلوں کی دنیا اجاڑ و بیابان اور بنجر و ویران ہے۔ آج تو ایسے لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن کل قیامت کے روز سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔

۵۰ قرآنی وعیدیں منافقوں کیلئے رعد و برق:۔ سو جس طرح زوردار بارش میں سخت قسم کے اندھیرے بھی ہوتے ہیں اور زوردار گرج اور چمک بھی اسی طرح منافقوں کی یہ قسم قرآنی وعیدوں اور تخویفوں کے سننے پر ایسا کرتی ہے (کبیر، قرطبی، معالم، اور جواہر، وغیرہ)۔ سو مومنِ صادق تو اس روحانی اور بابرکت بارش کے ان عظیم الشان فوائد و ثمرات کو دیکھتا ہے جو اس کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز اور مالا مال کردینے والے ہوتے ہیں، جبکہ منافق کی نگاہِ کوتاہ صرف ان وقتی اور عارضی فوائد میں اٹک کر اور الجھ کر رہ جاتی ہے، جو اس کی اس فانی اور عارضی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں اور بس۔ اسی لئے وہ جہاد میں مالِ غنیمت وغیرہ کے حصول کیلئے تو شامل اور شریک ہونا چاہتا ہے، لیکن موت کے خوف سے اس سے بھاگنے کے حیلے بہانے ڈھونڈتا ہے، جبکہ مومنِ صادق اس میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے، اور شہادت سے سرفراز ہونے کی تمنا کرتا اور اس کا شوق رکھتا ہے، سو اس طرح مومنِ صادق اپنے صدق و اخلاص کی بناء پر ہر وقت اور ہر حال میں سکون و اطمینان کی دولت سے مالا مال اور سرشار ہوتا، اور اجر و ثواب کی کمائی کرتا اور اسکی دولت جوڑتا اور جمع کرتا جاتا ہے، جبکہ منافق سکون و اطمینان سے بھی محروم ہوتا ہے اور اجر و ثواب کی دولت سے بھی، اور اس کے خسارے ہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۵۱ اللہ تعالیٰ کے احاطے سے مقصود و مراد؟:۔ یعنی اللہ نے گھیرے میں لے رکھا ہے سب کافروں کو اپنے علم کامل اور اپنی قدرتِ مطلقہ کے اعتبار سے۔ پس اہلِ کفر و باطل قدرت و علمِ الٰہی کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتے۔ سو اس قادرِ مطلق نے ان سب کو اپنی قدرتِ کاملہ اور علمِ شامل کے اعتبار سے پوری طرح اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ پس نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہوسکتا ہے، اور نہ ہی کوئی اس کی گرفت اور پکڑ سے بچ کر نکل سکتا ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو ان کو اپنے کیئے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے، کسی طور بچ نہیں سکیں گے، کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے، یا اپنی آنکھوں کو بند کر لینے سے یہ اسکے دائرۂ علم و قدرت سے تو باہر نہیں ہوسکتے، والعیاذ باللہ العظیم۔ پس ہمیشہ تعلق اپنے اس خالق و مالک سے صحیح اور درست رکھا جائے، یہ اسکا اسکے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان کیلئے دنیا و آخرت کا بھلا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِىْٓ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ

اچک لے ان کی آنکھوں کو، جب وہ ان کے لئے چمکتی ہے تو یہ اس (کی روشنی) میں چل پڑتے ہیں، ۵۲ لیکن جب

اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ

ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو یہ (حیران و پریشان) کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو لے جاتا ان کے کان،

وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰ يٰٓاَيُّهَا ع ۲/۲

اور (چھین لیتا ان سے) ان کی آنکھیں، بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۵۳ اے لوگو! بندگی کرو تم سب

النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اپنے اس رب ۵۴ (وحدہ لاشریک) کی، جس نے پیدا فرمایا تم سب کو بھی ۵۵ (اپنی قدرت بے نہایت اور رحمت بے غایت سے،) اور

۵۲ منافقوں کا ایمان وقتی مفادات کے تابع:- پس جس طرح بجلی کی چمک سے ملنے والی روشنی میں اندھیروں میں ڈوبے ایسے لوگ کچھ قدم اٹھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں اسی طرح ان منافقوں کو جب اسلام کا نام لینے سے کچھ وقتی فوائد اور دنیوی و مادی منافع نظر آتے ہیں، تو یہ اسلام کی طرف بڑھتے اور جھکتے ہیں، اور جب کچھ مشکلات و مصائب کا سامنا ہو جائے، تو بدک جاتے ہیں، حالانکہ مصائب و مشکلات کے اس سلسلے میں بھی مومنِ صادق کے لئے بڑے فوائد و منافع ہوتے ہیں کہ ابتلاء و آزمائش کی ان بھٹیوں سے گزرنے پر اس کی متاعِ ایمان میں مزید جلا آتی اور قوت پیدا ہوتی ہے، اور اس میں ایسا نکھار آتا ہے جس کے بعد لذتِ ایمانی سے شادکامی میں اضافہ ہوتا ہے، اور راہِ حق پر مزید استقامت و پختگی کی دولت ملتی ہے، نیز مصائب و آلام پر صبر و رضا اور تسلیم و انقیاد سے گناہوں کی بخشش اور لغزشوں کی آلائشوں کی صفائی ہوتی اور ترقی درجات کی سعادت ملتی ہے، جیسا کہ نصوص صریحہ میں وارد ہے۔ مگر یہ سب کچھ مومنِ صادق کے لئے ہے، منافق اس سے کیسے بہرہ ور ہو سکتا ہے، جبکہ اس کا اصل مقصود اور مطمحِ نظر ہی دنیائے دُوں کے وقتی مفادات اور عارضی و فانی لذات ہوتی ہیں اور بس۔ اس کا دین و ایمان اسی کے گرد گھومتا، اور اسی ڈگر پر چلتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جیسا کہ سورۂ حج میں اس کی تصویر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی (بالکل) کنارے پر کرتے ہیں کہ اگر (دنیائے دُوں کا) کوئی وقتی فائدہ مل گیا تو مطمئن ہو گئے، اور اگر کوئی آزمائش پیش آ گئی تو اپنے منہ کے بل پھر گئے، ایسا شخص دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ گیا، یہی ہے (سب سے بڑا اور) کھلم کھلا خسارہ" (سورۂ حج: ۱۱)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِىْ

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی – سو ایمانِ صادق دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اور کفر و نفاق محرومی کا باعث – والعیاذ باللّٰہ العظیم من کل شائبۃ من شوائب الشرک و النفاق –

۵۳ اللہ کی قدرت سب پر محیط، سبحانہ وتعالیٰ:- سو حضرتِ حق - جل مجدہ - کی قدرتِ مطلقہ سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہوسکتی - سبحانہ وتعالیٰ - پس وہ جو چاہے کرے اور جب چاہے اور جیسے چاہے کرے - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَضَبِکَ وَسَخَطِکَ وَنَرْجُوْا مِنْکَ رَحْمَتَکَ وَعَفْوَکَ وَکَرَمَکَ ، فَلَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّآ اِلَیْکَ ، وَاَنْتَ الْاَعَزُّ وَ الْاَکْرَمُ وَ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا لِاَ نْفُسِنَا - اس موقع پر یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر حضراتِ مفسرین ومترجمین کرام ''قَدِیْرٌ'' کا ترجمہ ''قادر'' سے کرتے ہیں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر ''قادر'' ہے، حالانکہ ''قَدِیْرٌ'' کے لفظ میں جو زور اور مبالغہ ہے وہ ''قادر'' کے لفظ میں نہیں۔ اب اگر ''قدیر'' یہاں پر ''قادر'' ہی کے معنی میں ہوتا، تو اسی کو کیوں نہ اختیار فرمایا جاتا، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ '' بے شک اللہ ہر چیز پوری قدرت رکھتا ہے''، تاکہ اس طرح لفظِ ''قدیر'' میں پائے جانے والے معنوی زور اور مبالغہ کا بھی امکانی حد تک اظہار و بیان ہوسکے، اور اس امرِ واقع کی تصریح بھی، کہ اللہ پاک وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ اقدس واعلیٰ ہی وہ ذاتِ پاک ہے جو ہر چیز پر ہر اعتبار سے پوری طاقت وقدرت رکھتی ہے۔ دوسری کوئی بھی ہستی اس عظمت و شان کی نہ ہوئی، نہ ہے، اور نہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ باقی ہر کوئی فانی ہے، اور کسی فانی کے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ وہ خود فنا کے گھاٹ کیوں اترتا - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِیْقٍ مِّنْهُ جَلَّ وَعَلَا – اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین ویااکرم الاکرمین۔

۵۴ معبودِ برحق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک، سبحانہ وتعالیٰ:-سو رب کی ربوبیّت کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی ہو:۔ یعنی وہ چونکہ تم سب کا رب ہے اس لیے اسکی اس ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ عبادت و بندگی اسی کی اور صرف اسی کی کرو، اور اپنے رب کی اس بندگی میں خود تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے، اس لئے وہ تم لوگوں کو اس کا حکم وارشاد فرماتا ہے تاکہ خود تمہارا بھلا ہو، ورنہ وہ تو ہر طرح سے اور ہر کسی سے غنی اور بے نیاز ہے سبحانہ وتعالیٰ۔ اور جب پیدا کرنے والا سب کا وہی ہے۔ تم لوگوں کو بھی اسی نے پیدا کیا جو بالفعل موجود ہو اور ان سب کو بھی جو کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں تو پھر معبود اس کی سوا اور کون ہوسکتا ہے۔ اور جب اسکی اس صفتِ تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک آخر کسطرح ہوسکتا ہے؟ سو جو اس پوری کائنات اور تمام انسانوں کا بلاشرکتِ غیرے خالق و مالک، اور اس میں حاکم و متصرف ہے وہی معبود ہے اور ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا حق ہے، جیسا کہ اگلے حاشیے میں زیادہ تفصیل سے آرہا ہے۔ پس اس کے سوا اور کسی کی عبادت و بندگی ظلمِ عظیم ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۵۵ ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کا حق:-سو عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے کہ جب معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو اسکا لازمی تقاضا یہ ہے کہ عبادت و بندگی خواہ وہ کسی بھی طرح کی ہو،

اور کسی بھی شکل میں ہو، وہ اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے، کہ معبودِ برحق بہرحال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اس کے سوا کسی کے لئے بھی عبادت کی کوئی بھی شکل بجالانا شرک ہوگا، جو کہ ظلم عظیم ہے، اور جو کہ ناقابلِ معافی جرم ہے، کہ یہ بغاوت ہے جس کی معافی سچی توبہ اور ''اِقْلَاعٌ عَنِ الشِّرْکِ'' کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ پس دست بستہ قیام - جیسا کہ قیامِ صلوٰۃ میں ہوتا ہے - اسی کے لئے، رکوع و سجود اسی کے لئے، نذر و نیاز اسی کے لئے، طواف و چکر اسی کے لئے، غائبانہ حاجت روائی اور مشکل کشائی اسی کی شان، اور اسی کے لئے، پکارنے بلانے کے لائق بھی وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، ان میں سے کوئی بھی چیز اگر کسی اور کے لئے کی گئی تو یہ شرکیہ حرکت ہوگی - وَالْعِیَاذُ بِاللہ - مگر افسوس، کہ اس کے باوجود آج کتنے ہی نام نہاد اور جہالت کے مارے سادہ لوح مسلمان ایسے ہیں جو عبادت کی تقریباً یہ ساری ہی شکلیں غیروں کے لئے بجالاتے ہیں، وہ قبروں اور آستانوں کے سامنے دست بستہ جھک کر کھڑے ہوتے، وہاں کے پھیرے لگاتے، فوت شدہ ہستیوں کو حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے بلاتے پکارتے، ''یا علی مدد''، ''یا غوث دستگیر''، ''بہاء الحق بیڑا دھک''، وغیرہ وغیرہ جیسے شرکیہ نعرے لگاتے، اور مشرکانہ راگ الاپتے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ لوگ ایمان و اسلام کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، اور توحید کا دم بھی بھرتے، اور زعم رکھتے ہیں۔ کوئی پوچھے کہ پھر شرک اور کس بلا کا نام ہے؟ جبکہ نبی امی - فِدَاہُ لَحْمِیْ وَدَمِیْ - کی تعلیم اور آپؐ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس - رضی اللہ عنہما - روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا ''مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ''، ''جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں'' تو آپؐ نے اس پر غصہ ہو کر اس شخص سے فرمایا ''اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ قُلْ مَا شَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ''، ''یعنی کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ کہو ''مَاشَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ'' یعنی ''جو صرف اللہ چاہے''، (اخرجہ النسائی وابن ماجہ والبخاری فی الادب المفرد، وغیرہٗ ابن کثیر ج، ص ۱۰۰، طبع دار الاندلس بیروت) سو کہاں دینِ حق کی یہ تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنبیہات و ارشادات، اور کہاں امتِ مسلمہ کی ایک بڑی تعداد کی یہ شرکیات، جن کا قدرے تذکرہ ابھی اوپر کیا گیا ہے؟ اس صورتِ حال میں اگر کوئی دلِ دردمند خون کے آنسو نہ بہائے تو اور کیا کرے؟ اور ستم بالائے ستم یہ کہ کتنے ہی اصحابِ جُبَّہ و دستار ایسے ہیں جو جہالت کے مارے ان سادہ لوح مسلمانوں کی اصلاح کرنے کی بجائے الٹا ان شرکیات پر ان کی پیٹھ ٹھونکتے، اور ان کو دینِ حق کا تقاضا بتاتے ہیں، ان کے جواز کے لئے طرح طرح کے سہارے ڈھونڈتے، حیلے بہانے تلاش کرتے، اور نصوصِ قرآن و سنت کو تاویل و تحریف کے خراد پر چڑھا کر انہیں اپنی اہواء و اغراض کے مطابق ڈھالنے کی جسارت کرتے ہیں، اور ان سے نت نئے معانی نکالتے اور اہلِ حق کو طرح طرح سے مطعون کرتے، اور جاہلوں کو انکی جہالت پر اور پکا کرتے ہیں، اور وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس طرح وہ خود اپنی جانوں پر کتنا ستم ڈھا رہے ہیں؟ - فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی - وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ، وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ -

قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ

ان کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ف۵۶ تا کہ تم پرہیزگار بن سکو، ف۵۷　جس نے بنا دیا تمہارے لئے اس زمین کو ایک عظیم الشان

فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ

بچھونا ف۵۸ اور آسمان کو ایک عظیم الشان چھت ف۵۹ اور اس نے اتارا آسمان سے پانی ف۶۰ (ایک نہایت ہی پرحکمت نظام کے تحت،) پھر اس نے

بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّ

نکالیں اس کے ذریعے ف۶۱ طرح طرح کی پیداواریں ف۶۲ (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے،) تمہاری روزی رسانی کے لئے، پس تم لوگ

۵۶ خالق سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے پیدا فرمایا تم سب کو بھی اور ان سب کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ خالق سب کا بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور جو خالق و مالک ہے وہی معبودِ برحق ہے۔ پس جب خالق و مالک تم سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے، تو پھر عبادت و بندگی کا مستحق دوسرا کوئی آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور جب تخلیق و ایجاد کی نعمت جو کہ دوسری تمام نعمتوں کی اصل و اساس ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر عبادت و بندگی کے حق میں کوئی اس کا شریک کیسے ہوسکتا ہے؟ پس معبودِ برحق وہی اور صرف وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے۔ جل جلالہ و عم نوالہ۔ خواہ وہ کوئی بدنی عبادت ہو یا مالی، قولی عبادت یا فعلی، قلبی ہو یا قالبی، وہ سب اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ اسکے سوا کسی بھی اور کے لیے عبادت کی کوئی بھی قسم بجا لانا شرک ہے، جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ لیکن افسوس کہ کتنے ہی جاہل مسلمان ہیں کہ اس شرک میں مبتلا ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۷ ثمرۂ عبادت کا ذکر و بیان: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عبادت کا نتیجہ و ثمرہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ یعنی تم اپنے اس خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو، جس کی یہ اور یہ صفات ہیں، اور اس طرح تم دنیا میں اس کی معصیت و نافرمانی سے بچو، تاکہ اسکے نتیجے میں آخرت میں اس کے عتاب و عذاب سے بچ سکو، کیونکہ آخرت کا وہ عذاب دراصل ایک طبعی اثر و نتیجہ ہوگا دنیا کے کفر و شرک اور ان معاصی و ذنوب کا، جن کا ارتکاب انسان اپنی اس دنیوی زندگی میں کرتا ہے، سو یہاں پر اور اس دنیاوی زندگی میں کفر و شرک اور معاصی و ذنوب سے بچنا، وہاں کے دوزخ اور اسکے عذاب سے بچنا ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا۔ سو اس سے عبادتِ خداوندی کے ثمرہ و نتیجہ کو بیان فرما دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۵۸ بچھونۂ ارضی میں سامانِ غور و فکر: سو زمین کا یہ عظیم الشان بچھونا قدرت و عنایتِ خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے اور یہ ایک ایسا عظیم الشان اور بے مثال بچھونا ہے جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے، اور ایسا عظیم الشان کہ انسانوں کے بنائے ہوئے عام بچھونے تو صرف ایک دو یا چند آدمیوں کیلئے ہوتے ہیں، اور ہوسکتے ہیں، مگر لامحدود قدرت والے اس

خداوندِ قدوس کا یہ عظیم الشان بچھونا ساری دنیا میں پھیلی ہوئی اس کی گونا گوں اور رنگا رنگ مخلوق اور اس کی بے حد وحساب سب ضروریات کی کفالت کے لئے کافی ووافی ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ خَالِقٍ عَظِيْمٍ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ ۔ سو انسان کے پاؤں تلے بچھا ہوا قدرت کا یہ عظیم الشان نمونہ، اور قدرت کی پھیلی بکھری بے حد وحساب نعمتیں ہر وقت پکار پکار کر اپنے خالق و مالک کی عظمتِ شان، اسکی رحمتِ بے پایاں اور اسکی عنایتِ بے غایت کا درس دے رہی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۵۹ سقفِ سماوی میں دلائل قدرت وحکمت: ۔ سقفِ سماوی قدرت کی حکمت وعنایت کا ایک اور عظیم الشان مظہر ونمونہ ہے سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان کی یہ عظیم الشان چھت قدرت کی رحمت وعنایت کا ایک اور عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔ اور آسمان کی یہ چھت ایسی عظیم الشان چھت ہے کہ انسانوں کی بنائی ہوئی چھتیں تو کچھ افراد یا گروہوں پر ہی تن سکیں گی، اور ان ہی کو فائدہ پہنچا سکیں گی، اور وہ ٹوٹتی پھوٹتی اور اصلاح وترمیم کے تقاضے بھی برابر رکھتی ہونگی، مگر لامحدود قدرتوں والے اس خالقِ عالم کی بنائی ہوئی یہ عظیم الشان اور بے مثل چھت دنیا جہاں کی مخلوقات پر تنی ہوئی اور ان سب پر سایہ فگن ہے، اور ایسی مضبوط و مستحکم ہے کہ خدا جانے کتنے ہی ان گنت زمانے اور کس قدر ادوار اس پر گزر گئے مگر اس میں نہ کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوئی، نہ کسی ترمیم و اصلاح کی کوئی ضرورت محسوس ہوئی۔ سو زمین کے اس عظیم الشان فرش کے اوپر اور آسمان کی اس عظیم الشان چھت کے نیچے رہتے ہوئے اور ہر وقت اور ہر حال میں ان عظیم الشان اور بے حد وحساب نعمتوں سے مستفید و فیضیاب ہونے کے باوجود اس خالق و مالک کو بھول جانا جس نے یہ سب کچھ محض اپنی قدرت وعنایت سے بنایا، اور ان کو لاتعداد اور بے حد وحساب نعمتوں سے بھر دیا، کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر ناشکری ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کو اس کا شریک ماننا کس قدر ظلم ہے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ ۔ اور اس ظلم اور سرکشی کے باوجود اس خالق و مالک کی طرف سے یہ ڈھیل اور اس قدر چھوٹ اس خالقِ کل اور مالک مطلق کا کس قدر عظیم الشان فضل وکرم اور انعام واحسان ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۶۰ بارش کا اتارنا قدرت کا ایک عظیم الشان انعام واحسان: ۔ سو آسمان سے بارش کا اتارنا قدرت کا ایک اور عظیم الشان انعام واحسان اور نمونۂ قدرت وحکمت ہے جس پر انسانی زندگی اور اسکی ضروریات کا مدار و انحصار ہے، جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾۔ '' اور ہم نے [اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے] ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا، کیا پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے'' [الانبیاء: ۳۰] یعنی ہر جاندار کی زندگی اور اسکی بقاء کا دارومدار پانی پر ہے، اور جب پانی کے اس طرح بنانے اور ایک نہایت ہی پرحکمت نظام کے تحت اسکو پوری کائنات میں اس طرح پھیلانے اور تقسیم کرنے کے اس رحمتوں اور حکمتوں بھرے عمل میں اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر اس کی عبادت و بندگی کے حق میں کوئی اس (وحدہٗ لاشریک) کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ تو جب پانی کے اس جوہرِ بے مثال کے ذریعے وہ تمہارے سامنے طرح طرح کی چیزوں کو پیدا کرتا، اور انکو مرمٹنے کے بعد دوبارہ وجود بخشتا ہے تو اسکو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا آخر کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ سو بارش اور پانی کے ذریعے حیات آفرینی کا یہ عمل بعث بعد الموت کیلئے ایک زندۂ جاوید

نمونہ اور مثال ہے، اسی لیے قرآنِ حکیم دوسرے مختلف مقامات پر زندگی اور موت کے ان مختلف مظاہر کو بعث بعد الموت کے امکان اور اسکے وقوع کے استدلال میں پیش کرتا ہے، اور فرماتا ہے اسی طرح تم لوگوں کو زندہ کر کے تمہاری قبروں سے نکالا جائے گا، نیز بارش اور پانی کے اتارنے کے اس پر حکمت نظام میں تم لوگوں کیلئے یہ عظیم الشان درسِ عبرت وبصیرت بھی ہے کہ جب اس نے تمہاری ظاہری، جسمانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے بارش اور پانی کا اس طرح انتظام فرمایا ہے تو پھر یہ کیسے اور کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی اور باطنی ضرورتوں کی تکمیل کا انتظام نہ کرے؟ جبکہ اصل چیز یہ معنوی اور باطنی ضرورتیں ہی ہیں، سو انہی کی تکمیل کیلئے اس نے تمہارے لیے وحی کی مقدس بارش کے اتارنے کا انتظام فرمایا جسکی آخری اور کامل شکل اب قرآنِ حکیم کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہے، جو قیامت تک کے لوگوں کیلئے باطن کی سیرابی کا سامان کرتی رہے گی۔ فللہ الحمد رب العالمین۔ سو اس کو صدقِ دل سے اپنانا اور اسکی تعلیماتِ مقدسہ پر صحیح طریقے سے عمل کرنا، اپنے دلوں کی دنیا کو سیراب کرنا، اور اپنی دنیا وآخرت کو بنانے اور سنوارنے کا سامان کرنا ہے اور اس نورِ مبین سے منہ موڑنا، اور اس سے اعراض اور روگردانی برتنا اپنے باطن کی دنیا کو ویران کرنا، اور اپنی دنیا وآخرت کو تباہ وبرباد کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۵ مظاہرِ حیات میں غور وفکر کی دعوت: ــ سو اس سے یہ درس دیا گیا کہ تم لوگ ان ظواہر کے پیچھے کارفرما دستِ غیب کی راہنمائی وکارستانی میں غور وفکر سے کام لو تاکہ تمہیں ان انقلاب آفریں اور حیات بخش وکیف آور غیبی حقائق کی معرفت نصیب ہو سکے، جس سے تمہاری زندگی میں انقلاب آجائے، اور یہی مادی نعمتیں تمہارے لئے جنت کی حقیقی اور ابدی نعمتوں سے سرفرازی کا ذریعہ بن جائیں۔ سو پانی کے اس جوہرِ حیات آفریں سے زمین کی پیداوار از خود اور آپ سے آپ نہیں نکل آتی، بلکہ یہ سب کچھ بھی اسی خالق ومالک کی رحمت وعنایت کا محتاج ہے، صرف اتنی بات ہے کہ اسباب کے درجے میں اس قادر مطلق نے ان چیزوں کے اخراج اور ان کی پیداوار کو کچھ اسباب سے مربوط فرمادیا ہے، کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب، ورنہ ایک کسان تو زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی کر سکتا ہے کہ ہل چلا کر زمین نرم کردے، اور پھر اس میں بیج ڈال دے اور بس، اس سے آگے تو اس کے بس میں کچھ بھی نہیں، نہ وہ اس بیج کو پھاڑ کر اس سے پودا نکال سکتا ہے، نہ آسمان سے پانی اتار سکتا ہے، نہ اس کی سیرابی کا انتظام کر سکتا ہے، اور نہ اس بیج کو زمین کی تری کا اثر قبول کرنے پر آمادہ کرسکتا ہے. وغیرہ وغیرہ، بلکہ اس کو یہ تک بھی پتہ نہیں ہوتا کہ کونسا بیج کہاں پر، اور کس طور پر پڑا ہے، اس سب کے باوجود اس ہلکے سے بیج سے پودے کی نرم ونازک کونپل کا پھوٹنا، اس کا زمین کو چیرتے ہوئے باہر نکل آنا اور حسبِ ضرورت زمین سے اپنی خوراک حاصل کرنے کا طریقہ سیکھنا، اور بتدریج بڑھتے چلے جانا، وغیرہ وغیرہ، سب کچھ اس قادرِ مطلق وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ ہی کا نتیجہ ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا: ''پھر انسان اپنے کھانے ہی کی طرف دیکھ لے کہ کس حیرت انگیز طریقے سے ہم پانی برساتے ہیں پھر زمین کی چیر پھاڑ کرتے ہیں، پھر اس سے طرح طرح کی پیداواریں نکالتے ہیں'' [سورۂ عبس: ۲۴ تا ۳۲]، سو اس قادرِ مطلق کی ان گوناگوں اور عظیم الشان نعمتوں سے طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہونا، اور برابر ولگاتار مستفید وفیضیاب ہونا، اور اس خالق ومالک کو بھول جانا کتنا بڑا ظلم

اور کس قدر بڑی ناانصافی اور نمک حرامی ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ انسان پلے تو اُس واہبِ مطلق کی ان گوناگوں نعمتوں پر اور نام لے دوسروں کا، اور ان کو اس کی خدائی میں شریک جانے تو یہ کتنا بڑا ظلم اور کس قدر بے انصافی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مگر اس کے باوجود قدرت کی طرف سے چھوٹ ایک عظیم الشان کرم واحسان ہے اس وحدہٗ لاشریک کا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو یہ تمام مظاہر اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور اس کی وحدانیت و یکتائی کے کھلے دلائل ہیں۔

ثمرات کے مفہوم کا عموم وشمول: ۔"ثَمَرَاتِ" کا مفہوم بڑا عام اور وسیع ہے، اور یہ قدرت کی رحمت وعنایت کا ایک اور عظیم الشان مظہر ہے یعنی "ثمرات سے" یہاں پر مراد صرف پھل اور میوہ جات ہی نہیں، جیسا کہ اردو کے عام ترجموں سے بالعموم ظاہر ہوتا ہے، اور پھر اس سے آگے کئی اشکالات پیدا ہوتے ہیں، بلکہ اس سے اصل میں مراد زمین سے نکلنے والی وہ سب ہی فصلیں اور پیداواریں ہیں جو اللہ پاک اپنے بندوں کے فائدے اور بھلے، اور ان کی رزق رسانی کے لئے نکالتا ہے، ہم نے اپنے ترجمے میں اسی عمومی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، اور الحمدللہ کہ اپنے اس خیال کی تائید وتصدیق بعض جلیل القدر حضراتِ مفسرین کرام سے بھی مل گئی، سو اس سلسلہ کے کچھ حوالے ملاحظہ ہوں، "وَهِيَ اَيِ الثَّمَرَاتُ هٰهُنَا الْمَاْكُوْلَاتُ كُلُّهَا مِنَ الْحُبُوْبِ وَ الْفَوَاكِهِ وَغَيْرِهَا مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْاَرْضِ وَ الشَّجَرِ كَمَا فِي التَّيْسِيْرِ" (روح البیان ج ۱ ص ۷۵ طبع دار الفکر بیروت)۔ "اَلثَّمَرَاتُ مَا يَحْصُلُ مِنَ النَّبَاتِ نَجْمًا كَانَ اَوْ شَجَرًا" (تفسیر المنارج ۱ ص ۱۸۸ طبع دار الفکر بیروت) والمعنی "اَخْرَجْنَا لَكُمْ اَلْوَانًا مِنَ الثَّمَرَاتِ وَ اَنْوَاعًا مِنَ النَّبَاتِ" (فتح القدیر للشوکانی ج ۱ ص ۵۰ طبع دار المعرفہ بیروت)۔ "فَاَخْرَجَ لَهُمْ بِهٖ اَنْوَاعَ الزَّرْعِ وَالثِّمَارِ رِزْقًا لَّهُمْ وَ لِاَنْعَامِهِمْ" (صفوۃ التفاسیر ج ۱ ص ۴۲ طبع دار القلم بیروت)۔ واضح رہے کہ یہاں پر "مِنَ الثَّمَرَاتِ" میں جو "مِنْ" ہے یہ "تَبْعِيْضِيَّه" نہیں جیسا کہ اہل بدعت کے بعض بڑے حضرات نے سمجھا، اسی بناء پر انہوں نے یہاں پر اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے تو اس سے "کچھ پھل" نکالے تمہارے کھانے کو، تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان "کچھ پھلوں" کے علاوہ باقی جو بے حد وحساب پھل اور پیداواریں دنیا میں پائی گئیں، اور پائی جاتی ہیں، پہلے بھی تھیں اور آج بھی ہیں، وہ کس نے نکالیں اور پیدا کیں؟ ۔﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾۔ (لوگو ہوش کے ناخن لو) کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے یا ہوسکتا ہے؟ جو تمہیں روزی دیتا ہو آسمان اور زمین سے؟ آخر تمہاری مت کہاں اور کیوں ماری جارہی ہے؟ پس "مِنَ الثَّمَرَاتِ" کا "مِنْ" "تَبْعِيْضِيَه" نہیں "استغراقیہ" ہے جیسے کہ موقع ومقام کا تقاضا ہے۔ پس "مِنَ الثَّمَرَاتِ" بیان ہے "رِزْقًا" کا اور بیان کی تقدیم اپنے مبین پر جائز ہے، چنانچہ علامہ مغرب امام محمد طاہر بن عاشور مرحوم ومغفور اپنی مشہور ومعروف تفسیر "التحریر والتنویر" میں اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ "مِنْ" جو کہ "مِنَ الثَّمَرَاتِ" میں موجود ہے تبعیض کے لئے نہیں، کیونکہ تبعیض مقامِ امتنان کے مناسب ہی نہیں۔ پس یا تو یہ رزقِ مخرج کے بیان کے لئے ہے، اور بیان کی تقدیم اپنے مبین پر کلامِ عرب میں شائع وذائع ہے، اور یا یہ زائدہ ہے تاکید کے لئے، (التحریر والتنویر ج ۱ ص ۳۳۴ طبع الدار التونسیہ للنشر، تونس) پس اہلِ بدعت کے ان حضرات نے جو اس کا "تَبْعِيْضِيَّه" کا ترجمہ کیا وہ غلط ہے۔ اور اگر کسی اور مفسر یا مترجم صاحب کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی ہو تو وہ بھی اسی طرح اور اسی بنا پر غلط ہے ۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہر کیف یہ گوناگوں اور طرح طرح کی پیداواریں قدرت کی عظیم الشان رحمت وعنایت کی بناء پر ہیں۔

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى

اللہ کے لیے شریک مت بناؤ درانحالیکہ تم لوگ خود جانتے ہو؎۶۳ اور اگر تمہیں کوئی شک ہو اس (کتاب) کے بارہ میں، جس کو ہم نے

عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ

اتارا ہے اپنے بندہ پر؎۶۴ تو تم اس جیسی ایک (چھوٹی سے چھوٹی) سورت ہی بنا لاؤ؎۶۵ اور بلا لو تم (اس غرض کے لئے) اپنے تمام حمایتیوں کو؎۶۶

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

سوائے اللہ (پاک سبحانہٗ وتعالیٰ) کے، اگر تم سچے ہو؎۶۶ پس اگر تم لوگ (ہمارے اس کھلے چیلنج کے باوجود) ایسا نہ کر سکے،

۶۳ شرک کی ممانعت اور توحید کی دعوت :- شرک کی ممانعت اور توحیدِ خداوندی کی دعوت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ اللہ کے لیے شریک مت ٹھہراؤ درانحالیکہ تم خود لوگ جانتے ہو۔ سو قدرت وعنایتِ خداوندی کے ان مظاہر کا لازمی نتیجہ اور بدیہی تقاضا وحدانیتِ خداوندی ہے۔ سو قدرت وعنایتِ خداوندی کے یہ عظیم الشان مظاہر اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر توحیدِ خداوندی کی دعوت دے رہے ہیں، کہ جب ان مذکورہ بالا امور وصفات میں اس وحدہٗ لاشریک کا کوئی شریک وسہیم نہیں، تو پھر اس معبودِ برحق کے حقِ عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کیسے ہوسکتا ہے؟ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے، اور اسکے سوا اور کسی کیلئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم، کسی بھی شکل میں بجا لانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے- والعیاذ باللہ- سو خداوندِ قدوس کی ان عظیم الشان نعمتوں سے مستفید ہونا، اور پھر بھی شرک کرنا ظلم بالائے ظلم ہے۔ مگر دنیا ہے کہ اس ظلم کے ارتکاب میں ملوث و مبتلا ہے۔ کھلے مشرکوں کے علاوہ کتنے ہی کلمہ گو مشرک ایسے ہیں جو اس ظلم میں مبتلا ہیں۔ وہ جگہ جگہ اور طرح طرح سے غیر اللہ کی پوجا پاٹ میں لگے ہوئے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے طرح طرح کے من گھڑت ناموں سے قسما قسم کی خود ساختہ ''سرکاریں'' بنا رکھی ہیں۔ اور یہ لوگ ایسے مقامات پر ہر طرح کی شرکیات کا کھلے عام ارتکاب کرتے ہیں اور بدعتی ملّاں اور جیب بھرو پیر طرح طرح سے ان جاہلوں کی پیٹھ ٹھونکے جا رہے ہیں اور یہاں تک کہ کتنے ہی بدبخت ایسے ہیں جو اس کے لیے نصوصِ قرآن وسنت میں تحریف تک کے ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۶۴ ہمارے حضورؐ کی شانِ عبدیت کا ذکر و بیان :- یعنی ''عبدنا'' سے یہاں پر مراد امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں، سو اگر تم لوگوں کو ان پر نازل کی جانے والی اس وحی کے بارے میں کسی بھی طرح کا کوئی شک ہو کہ یہ ہماری طرف سے نازل کردہ ہے، یا ان کی خود ساختہ اور اس میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب حق اور سچ ہے یا نہیں، تو تمہارے لیے یہ چیلنج ہے، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ عبدیت آنحضرت ﷺ کی ایک خاص صفت وشان ہے، اور اس میں آپؐ وہ امتیازی درجہ اور مرتبہ رکھتے ہیں جو آپ ہی کے لائق ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر آپؐ کی اسی شانِ

عبدیت کا بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا، "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ" الاٰیۃ یعنی "پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات لے گئی اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک" (بنی اسرائیل۔ ۱) نیز سورۂ جن میں فرمایا گیا، "وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ" ۔ الآیۃ ۔ "یعنی "جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے" (الجن۔ ۱۹)۔ مگر اس سب کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شانِ عبدیت و بندگی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ من کل زیغ وضلال،

۶۵ **قرآنِ حکیم کا ایک عظیم الشان اور بے مثال چیلنج:** ۔ کہ قرآنِ حکیم کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی بنا لاؤ، مگر یہ بھی بنا لانا کسی کے بس میں نہیں۔ پس تم لوگ اگر اسکو نہیں مانتے تو تم بھی ایسی چھوٹی سی سورت بنا کر لاؤ، کہ یہ تمہارے اس طرح کے تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات و اشکالات کا آسان اور واضح جواب ہے۔ مگر تم لوگ کہاں اور کیسے لا سکتے ہو؟ سو یہ قرآنِ حکیم کا ایسا عظیم الشان اور بے مثال چیلنج ہے جسکی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی پائی گئی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی پائی جانی ممکن ہے، تو پھر اس سے بڑھ کر اس کتابِ حکیم کی صداقت وحقانیت کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ سو یہیں سے اس نبیِّ اُمّی کی صداقت وحقانیت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے جس نے اُمّیٔ محض ہونے کے باوجود یہ پورا قرآن پیش فرمایا، جس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنا لانے سے بھی پوری دنیا عاجز وقاصر ہے، اور اس قدر کھلے چیلنج کے باوجود عاجز وقاصر ہے۔ فللّٰہ الحمد رب العالمین۔ سو یہ دینِ حق، قرآنِ حکیم اور نبیِّ امّی ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کی صداقت وحقانیت کی ایک عظیم الشان اور بے مثال دلیل ہے۔ اور ایسی کہ اس کے بعد شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۶۶ **قرآنی چیلنج کی تاکیدِ مزید:** ۔ سو اس چیلنج کو مزید مؤکّد کرنے کے لیے ارشاد فرمایا گیا "اور بلا لو تم لوگ اپنے سب حمایتیوں کو اگر تم لوگ سچے ہو اپنے الزام واعتراض میں۔" ان سب حمایتیوں کو جن کا تمہیں بڑا زعم اور گھمنڈ ہے، سو ان سب کو بلا لاؤ اور پھر تمہیں پتہ چل جائے کہ کیا یہ قرآن کسی بشر کا کلام ہو سکتا ہے۔ پس تم ان کو بلا لو اپنی مدد ومعاونت کے لئے، اور پھر تم سب باہم مل کر اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے زور لگا لو، اور پھر دیکھ لو اور اپنے ضمیر سے پوچھ لو کہ کیا یہ کلام کسی بشر کا کلام ہو سکتا ہے؟ لیکن قرآنِ حکیم کے اس بے مثال چیلنج کو پندرہ سو سال ہو رہے ہیں، مگر اب تک کوئی اس کے جواب کے لئے کھڑا نہیں ہو سکا۔ اور کوئی کھڑا ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ یہ قرآنِ حکیم کلام ہے اللہ رب العالمین کا جو کہ خالق ومالک ہے ساری کائنات کا۔ سو جیسا وہ خالق ومالک خود بے مثال ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثال ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۶۷ **منکرین کی تخصیص برائے اظہارِ تعجیز:** ۔ سو ان کے عجز وقصور اور انکی بے بسی ودرماندگی کو مزید آشکارا کرنے کے لیے ان کی تخصیص کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ پورا کرو اس چیلنج کو "اگر تم لوگ سچے ہو"۔ اگر تم سچے ہو تو اس چیلنج کو پورا کر کے دکھاؤ، مگر کہاں اور کیسے؟ یعنی اگر تم سچے ہو اپنی ان باتوں میں اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت پر اپنے اس طرح کے شکوک وشبہات اور اشکالات واعتراضات میں، سو یہ ایک نہایت مؤثر اور واضح طریقہ ہے تمہارے شکوک وشبہات کے ازالہ اور ہر طرح کے تردد کے خاتمے کیلئے، اور ایسا واضح اور مؤثر کہ اس کے بعد حق وصدق سب کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے گا، اور کسی کے لئے کسی شک وشبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ اور حق پوری طرح واضح ہو جائے گا۔

وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ

اور ہرگز کر بھی نہیں سکو گے، تو پھر بچو تم (دوزخ کی) اس (ہولناک) آگ سے ۶۸ جس کا ایندھن لوگ ہوں گے ۶۹ اور

الۡحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ

پتھر، ۷۰ (اور) جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے ۷۱ اور خوشخبری سنا دو تم ان (خوش نصیبوں) کو جو ایمان لائے اور

۶۸ ایک فیصلہ کن اور بے مثال چیلنج: سو ارشاد فرمایا گیا'' پس تم لوگ بچ جاؤ دوزخ کی اس ہولناک آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے، اور جس کو تیار کیا گیا ہے کافروں کیلئے۔ اس کتابِ برحق پر صدقِ دل سے ایمان لاکر، اس کی عظمتوں اور صداقتوں کو سچے دل سے تسلیم کر کے، اور اس کی تعلیماتِ مقدسہ اور ہدایاتِ عالیہ پر پوری طرح عمل پیرا ہوکر، کہ تمہارے اس عجز و درماندگی سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ درحقیقت انسانوں کے خالق و مالک حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے، اور جیسا وہ خود بے مثل و بے مثال ہے، اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل و بے مثال ہے، اور جس طرح خود اس کی کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں، اسی طرح اس کے اس کلامِ معجز نظام کی بھی کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں، اور جس کا یہ ایک کھلا اور واضح ثبوت موجود ہے کہ تم لوگ اپنی مایہ ناز فصاحت و بلاغت کے باوجود اس کلامِ مجید اور اس کے لانے والے نبی برحق (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنی کھلی عداوت و دشمنی کے باوصف، اور حضرتِ حق جل جلالہ کے اس قدر صریح، مکرر، اور پُرزور چیلنج کے ہوتے ہوئے بھی تم لوگ اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنا لانے سے بھی عاجز ہو جبکہ اس کو تمہارے سامنے پورے کا پورا اس نبی امی نے پیش فرمایا جس نے زندگی بھر دنیا میں کبھی کسی انسان سے ایک حرف بھی نہیں سیکھا پڑھا تھا، بلکہ وہ تو اپنے ہاتھ سے لکھنا بھی نہیں جانتے تھے، تو اس سے بڑھ کر آپؐ کی اور آپؐ کے لائے ہوئے اس کلامِ مجید کی حقانیت و صداقت کا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے؟ اب اگر تم اس پر ایمان لاؤ گے تو اس سے اس کی شان میں تو کوئی اضافہ نہیں ہو جائے گا، بلکہ اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے کہ اس ایمان و تصدیق کی بدولت تم سعادت دارین سے بہرہ ور ہوسکو گے، اور دوزخ کی اس ہولناک آگ سے بچ سکو گے جس کا ایندھن لکڑی بورے وغیرہ کا عام اور معروف ایندھن نہیں ہوگا بلکہ وہ انسانوں اور پتھروں کا ایندھن ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم. - اور جس کی ہولناکی کا اس جہاں میں از خود تصور کرنا بھی کسی کے لئے ممکن نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۶۹ دوزخ کا ایندھن بننے والے لوگ کونسے اور کیوں؟: - سو دوزخ کی اس ہولناک آگ کا ایندھن وہ لوگ ہونگے جو دنیا میں کافر و مشرک اور باغی و طاغی بن کر رہے ہونگے۔ سو اپنے خود اختیار کردہ اس کفر و شرک اور بغاوت و سرکشی کے نتیجے میں وہ بدبخت آتشِ دوزخ کے اس ہولناک الاؤ میں ہمیشہ کیلئے جلتے رہیں گے۔ سو یہ آگ اصل میں ان کفار و معاندین ہی کیلئے تیار کی گئی ہے جو کہ اپنے کفر و انکار پر اڑے رہے ہونگے، اور''

اُعِدَّتْ'' ماضی مجہول کا صیغہ ہے یعنی وہ آگ تیار کی جا چکی ہے، اگرچہ لوگوں کو نظر نہیں آتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ''کن فیکون'' کی شان کا ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو جنہوں نے کفر و انکار پر ہی جان دی ہوگی وہ اس آگ میں ہمیشہ کیلئے جلتے رہیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف ''اُعِدَّتْ'' ''اس کو تیار کیا جا چکا ہے'' کے اس ارشاد سے ایک اہم حقیقت تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ وہ آگ تیار ہے، صرف اتنی بات ہے کہ ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کی بناء پر آج اس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کل قیامت کے روز جب اس سے اس پردے کو ہٹا دیا جائے گا تو وہ بے نقاب ہو کر سب کے سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا، '' وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغَاوِیْنَ '' (الشعراء: ۹۰) یعنی ''اس روز دوزخ کو بے نقاب کر دیا جائے گا گمراہوں کے لئے، اور دوسری حقیقت اس ارشاد سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ دوزخ کی یہ تیاری اصل کافروں کے لئے ہوگی نہ کہ مسلمانوں کے لئے۔ اور جو مسلمان اپنے معاصی و ذنوب کی بنا پر اس میں جائیں گے وہ اس کا اصل مقصود نہیں بلکہ ان کا اس میں داخل ہونا اور عذاب پانا بالتبع اور ثانوی حیثیت میں ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۰ دوزخ کے ایندھن کی ہولناکی کا بیان:۔ سو دوزخ کے ایندھن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس کا ایندھن لوگ ہونگے، اور پتھر، اور ان پتھروں میں ان کے وہ خود ساختہ، بے جان اور بے حس و بے شعور بت بھی شامل ہونگے، جن کی یہ لوگ دنیا میں پوجا پاٹ کیا کرتے تھے اور جن کے بارے میں انہوں نے طرح طرح کے بے بنیاد اور بے حقیقت مفروضے از خود گھڑ رکھے تھے، اور قسما قسم کے افسانے پھیلا رکھے تھے، کہ یہ ''سرکاریں'' جو درحقیقت عام پتھر نہیں بلکہ فلاں فلاں، ہستیوں کی نمائندہ اور ان کی مظہر اور اوتار ہیں، بڑی پہنچی ہوئی ''سرکاریں'' اور خاص ہستیاں ہیں۔ ہمارے کرتا دھرتا اور حاجت روا و مشکل کشا یہی ہیں، ہماری عرضداشتیں ان کے آگے اور ان کی اس کے آگے پیش کی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی ٹھکراتا نہیں، وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ﴿وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ (اور جنہوں نے اس (مالکِ حقیقی وحدہ لاشریک) کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں (ان کا کہنا یہ ہے کہ) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں) [الزمر: ۳] اور دوزخ کے ایندھن میں جلنے والے ان پتھروں میں کبریت و گندھک کے ایسے اثرات پیدا کر دئے جائیں گے، جن کی بناء پر ان کی آگ اور زیادہ سخت اور ہولناک ہو جائے گی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ مختلف آثار و روایات میں وارد و منقول ہے (ابن کثیر، فتح القدیر، اضواء البیان وغیرہ وغیرہ)۔ پھر ان بتوں کا اس آگ میں ڈالا جانا اور ان کا وہاں جلنا ان کو عذاب دینے کے لئے نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو بے جان و بے شعور پتھر ہیں، جن کے مکلّف اور معذّب ہونے کا اپنی اصل کے اعتبار سے تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کا آگ میں ڈالا جانا دراصل ان مشرک بت پرستوں کے عذاب میں اضافہ کرنے کے لئے ہوگا کہ جن پر انہوں نے تکیہ و آسرا کر رکھا تھا، اور جنکی زندگی بھر وہ ان کی پوجا پاٹ کرتے رہے تھے، وہ ان کے کام آنے کی بجائے اس وقت اس طرح ان کے سامنے آگ میں جل رہے ہیں۔ سو اس سے ان کو انتہائی صدمہ ہوگا کہ وہ ان کے کچھ کام آنے کی بجائے آج خود ان کے سامنے اور ان کے

ساتھ دوزخ کی آگ میں جل رہے ہیں، البتہ جن زندہ اور باشعور ہستیوں نے اپنی خواہش و چاہت سے اپنی پوجا کرائی ہوگی کہ لوگ ان کی موجودگی میں ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے، ماتھے ٹیکتے، ان میں خدائی صفات و اختیارات مانتے، شرکیہ اعتقادات رکھتے، اوران شرکیات کا پروپیگنڈا کرتے' اور یہ ان کو اس سے نہ روکتے نہ منع کرتے تھے۔ بلکہ اپنی پوجا پاٹ کے ان شرکیہ افعال سے یہ لوگ خوش ہوتے تھے، تو وہ بھی یقیناً سزا کے طور پر دوزخ میں ڈالے جائینگے' کیونکہ ان کا قصور اوران کی سرکشی واضح ہے وَالْعِيَاذُ بَاللّٰهِ الْعظِيم۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ﴾۔ ''بے شک تم اور جن کی پوجا تم لوگ کرتے ہو اللہ کے سوا، سب دوزخ کا ایندھن ہو، تم سب کو اس میں بہر حال داخل ہونا ہے'' [سورۃ الانبیاء: ۹۸] رہ گئیں حضراتِ انبیاء اور اولیاء کرام کی وہ مقدس ہستیاں، جن کی پُوجا بعد کے لوگوں نے ازخود کی، اوران میں خدائی صفات مانیں ان کا معاملہ اس سے یکسر الگ اور مختلف ہے، کیونکہ ان کا اس میں کوئی قصور نہیں، بلکہ اس جرم کے اصل ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان حضرات کی مرضی کے خلاف، اور ان کی صاف و صریح تعلیمات کے برعکس، اس طرح کی شرکیات کا ارتکاب کیا، اس لئے ایسے حضرات دوزخ اوراس کے عذاب سے دور اور ہر طرح سے محفوظ ہوں گے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰى اُولٰئِکَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ﴾۔ [الانبیاء: ۱۰۱] اور یہ دوزخ سے اسقدر دُور ہوں گے کہ اس کی آہٹ بھی نہ سن سکیں گے، اور جنت میں اپنی من چاہی نعمتوں کے اندر ہمیشہ کے آرام وسکون میں رہ رہے ہوں گے، جیسا کہ سورۂ انبیاء کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے بعد والی آیتِ کریمہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ والحمد للہ علی کل حال ونعوذ بہ جل وعلا من حال اہل النار۔

۷۱ دوزخ اصل میں کافروں ہی کیلئے:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دوزخ کی آگ اصل میں کافروں ہی کیلئے تیار کی گئی ہے کہ وہی ہیں جو کہ اپنے جرم کفر وانکار کی بناء پر اس کے اصل میں لائق اور مستحق ہیں، اور نجاستِ کفر وشرک نے ان کے ظاہر و باطن میں پیوست ہو کر، اوران کے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے، ان کو سراپا نجس و ناپاک بنا دیا ہے، جس کے باعث اب وہ ہمیشہ کے لئے اسی ٹھکانے کے باسی بن کر رہیں گے، جبکہ گنہگار مسلمانوں کو ان پر طاری ہونے والی گناہوں کی عارضی میل کی صفائی کے بعد دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ مِنْ عَذَابِ الْجَحِيْمِ۔ سو کفر وانکار ہر شر وفساد اور ہلاکت وتباہی کی جڑ بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ ایمان وانقیاد دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف کافر ومنکر انسان چونکہ اپنے کفر وانکار کی میل کی بنا پر ایسا گندا اوراس قدر پلید ہو جاتا ہے کہ اس کی ذات ہی نجس بن کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے اس کا ٹھکانا دوزخ کی وہ دہکتی بھڑکتی آگ ہی ہوگی جبکہ مومن اپنے ایمان کی بنا پر ناپاک نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کی روایت میں وارد ہے۔ ''ان المومن لا ینجس''۔ البتہ گناہوں کی بنا پر جو میل اس پر طاری ہوگئی تھی اس کے ازالے اوراس کی صفائی کے لیے اس کو کچھ عرصہ دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اس کے بعد اس کو اس سے نکال دیا جائے گا۔ (معارف وغیرہ)۔ سو کفر وانکار محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

انہوں نے کام بھی نیک کیے ۲ کہ ان کے لئے ایسی عظیم الشان جنتیں ہیں ۳ جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی، طرح طرح کی

الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا

عظیم الشان نہریں، ۴ جب بھی انہیں وہاں کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے

هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ

کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے ملا تھا، اور انہیں دیئے بھی جائیں گے باہم ملتے جلتے ۵ اور ان کے لئے

۲ ضرورت عمل کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دعوئ ایمان کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے یعنی انہوں نے صرف زبانی کلامی ایمان کا دعوی ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے عمل و کردار سے بھی اپنے عقیدے و ایمان کا ثبوت فراہم کیا۔ سو ایمان کا صرف زبانی کلامی دعوی ہی کافی نہیں بلکہ اس دعوی کی تصدیق کے لیے عملِ صالح کا پایا جانا بھی ضروری ہے، سو ایمان کی مثال اس صالح بیج کی سی ہے جو زمین کے اندر ہوتا ہے، اور عملِ صالح کی مثال اس پودے کی سی ہے جو اس بیج سے پھوٹ کر باہر نکلتا ہے۔ پس جس طرح بیج کے بغیر کوئی پودا پیدا ہی نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایمان کے بیج کے بغیر کسی عملِ صالح کے وجود کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور جس طرح پودے کے نہ نکلنے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بیج گل سڑ کر ختم ہوگیا ہے، اسی طرح عملِ صالح کا فقدان اسکی دلیل ہوتا ہے کہ ایمان کے نور سے اسکا باطن خالی اور محروم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایمانِ صحیح کا لازمی نتیجہ اور طبعی ثمرہ اور عملِ صالح ہے۔ اور عمل صالح وہ ہوتا ہے جو قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۳ اہلِ ایمان کیلئے عظیم الشان جنتوں کا مژدۂ جانفزا:- ایسی عظیم الشان کہ ان کی عظمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، عام طور پر اردو تراجم میں جنت کا ترجمہ "باغوں" کے لفظ سے کیا جاتا ہے اور اصلِ لغت کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ہے بھی یہی۔ لیکن عُرفِ عام میں باغ کے لفظ سے جو تصور ذہن میں آتا ہے، اس کی جنت کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں، کیونکہ جنت کی نعمتیں ایسی ہیں کہ اس دنیا میں ان کے ناموں کے سوا اور کوئی حقیقت سرے سے موجود ہی نہیں، جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ سے اس بارے میں مروی ہے کہ "لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِمَّا فِي الْجَنَّةِ اِلَّا الْاَسْمَاء" (ابن کثیر وغیرہ)۔ یعنی جنت کے بارے میں جو کچھ اس دنیا میں ذکر کیا جاتا ہے وہ ناموں کے سوا کچھ نہیں۔ اس لئے ہم نے جنت کا ترجمہ "عظیم الشان جنتیں" کیا ہے، اور جنت اور اسکی نہروں کی عظمت کا کچھ اندازہ اگلے حاشیے سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف اصل اور حقیقی کامیابی ان عظیم الشان جنتوں سے سرفرازی ہی کی کامیابی ہے، سو عقل و نقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہمیشہ اسی حقیقی اور ابدی کامیابی کو اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات بنایا جائے، کہ اس کے سامنے دنیا ساری کے متاعِ غرور اور حُطامِ زائل کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء

السبیل - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے - والحمد للہ جل وعلا -

۷۴ جنت کی نہریں اور انکی عظمتِ شان: - سو جنت کی یہ نہریں ایسے صاف وشفاف عمدہ پانی کی ہونگی جو کبھی خراب نہ ہو، اور ایسے عمدہ اور بے مثل دودھ کی جس کا مزہ کبھی تبدیل نہ ہو، اور ایک ایسی امتیاز نوعیت کی شراب کی جو پینے والوں کے لئے سراسر لذت ونشاط ہو، اور ایک ایسی منفرد قسم کے شہد کی جو ہر طرح سے منقّٰی ومصفّٰی ہوگی، اور جنت کی ان نہروں کا ذکر اسی ترتیب وتفصیل کے ساتھ سورۂ محمد کی آیت نمبر ۱۵ میں موجود ہے، تو کیا ہے کوئی باغ اس دنیا میں اس طرح کا جس میں اس طرح کی ان نعمتوں کا تصور بھی کیا جاسکتا ہو؟ یہاں پر اول تو ایسی کوئی نعمت سرے سے ہے ہی نہیں۔ کیونکہ یہاں پانی ہے تو ایسا کہ ایک عرصہ تک رکا اور بند رہنے کی وجہ سے اس میں سڑاند پیدا ہو جائے، اور اس میں کیڑے پڑ جائیں، دودھ ہے تو وہ تھوڑے سے وقت کے بعد ہی کھٹا ہو کر اور پھٹ کر اتنا بگڑ جائے اور اس قدر خراب ہو جائے کہ استعمال کے قابل بھی نہیں رہے گا، یہاں کی شراب ہے تو بدبودار اور ایسی سڑاند والی کہ اول تو اس کی بھبک ہی سے پینے والے اور اس کے ساتھ والے کا منہ پھر جائے، اور حلیہ بگڑ جائے، پھر اندر جا کر اس کا جو ہر دماغ کو خراب کر دے، اور پھر طرح طرح کی موذی بیماریوں کو جنم دے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ - اور یہاں کا شہد ہے تو اس میں طرح طرح کی آمیزشیں اور ملاوٹیں ہوتی ہیں، اور پھر ان چیزوں کے یہاں پر نہروں کی شکل میں پائے جانے کا تو سرے سے کوئی تصور ہی نہیں، یہاں تو یہ چیزیں ناپ تول کر تولوں اور چھٹانکوں کے حساب سے دی اور لی جاتی ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنت کی نعمتیں کس قدر عظیم الشان ہونگی، اللہ اپنے فضل وکرم سے نصیب فرما دے، مجھے بھی، اور میری بیوی اور بچوں کو بھی، اور میرے بہن بھائیوں اور باقی سب رشتہ داروں کو بھی، خاص کر میرے والدین کریمین مرحومین ومغفورین کو، اور میرے آباء واجداد اور دیگر تمام متعلقین کو بھی، اور میرے اساتذہ ومشائخ اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو بھی۔ آمین - اِنَّهٗ هُوَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ وَخَيْرُ الْمَسْئُوْلِ وَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْر، وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ، وَعَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ - آمین ثُمَّ آمین يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، يَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ، يَامَنْ لَّا حَدَّ لِجُوْدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَ اِحْسَانِهٖ، يَا مَنْ لَا يُخَيَّبُ فِيْهِ اَمَلُ الْاٰمِلِيْنَ - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۷۵ "مُتَشَابِهاً" کا معنی ومطلب؟: - یعنی وہ پھل ملتے جلتے ہونگے دنیاوی پھلوں کے ساتھ، محض ظاہری شکل وصورت میں، تاکہ ان کو کوئی وحشت واجنبیت نہ ہو، اور یہ تشابہ بھی محض ظاہر کے اعتبار سے ہوگا، ورنہ اصل حقیقت اور لذت واثر کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہ ہوگی، یا یہ کہ وہ جنت کے پھل آپس میں باہم ملتے جلتے ہونگے، تاکہ کسی کے گھٹیا اور کمتر ہونے کا پہلو نہ نکلے، جس طرح کہ دنیا میں ہوتا ہے، کہ یہاں کے پھلوں میں باہم بڑا تفاوت ہوتا ہے، جس سے ان کی باہمی قدر وقیمت میں بھی بڑا فرق وتفاوت پایا جاتا ہے، آیت کریمہ کے معنی ومطلب میں یہ دونوں ہی احتمال موجود ہیں، اور سلف سے یہ دونوں ہی قول منقول وماثور ہیں (ابن کثیر، فتح القدیر، وغیرہ)۔ اس لیے بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ دنیا دراصل آخرت کا ایک شوروم ہے اگرچہ اصل حقیقت وہیں جا کر کھلے گی - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف جنت کی وہ عظیم الشان نعمتیں اگرچہ شکل وصورت میں باہم ملتی جلتی اور ایک دوسرے کی متشابہ ہونگی لیکن اپنے باطن اور حقیقت کے اعتبار سے ایک دوسری سے یکسر مختلف ہونگی تاکہ ان کا لطف وسرور دوبالا ہو۔ اور ان کے شکر میں اضافہ ہو (محاسن التاویل وغیرہ) - اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

فِيهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ

وہاں ایسی بیویاں ہوں گی جنہیں (ظاہری و باطنی ہر طرح کے عیوب و نقائص سے) پاک کر دیا گیا ہو گا ف۷۶ اور ان (خوش نصیبوں) کو

لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ

ان (جنتوں اور ان کی نعمتوں) میں ہمیشہ رہنا نصیب ہو گا ف۷۷ بے شک اللہ (پاک سبحانہ و تعالیٰ) شرماتا نہیں اس بات سے کہ وہ بیان

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا

فرمائے کوئی مثال (حقیقت حال کی توضیح کے لئے) ف۷۸ مچھر کی یا اس سے بھی بڑھ کر کسی چیز کی ف۷۹ سو جو لوگ ایمان (کا نور) رکھتے ہیں ف۸۰

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ

وقف لازم

وہ یقین جانتے ہیں کہ یہ (تمثیل) قطعی طور پر حق ہے ان کے رب کی طرف سے، مگر جو لوگ کفر (کی ظلمت) والے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا

اللہ کو کیا لگے اس طرح کی مثالوں سے ف۸۱ اللہ اس سے بہتوں کو گمراہی (کی دلدل) میں ڈالتا ہے ف۸۲ اور بہتوں کو ہدایت (کی عظیم الشان

۷۶ اہل جنت کی بیویاں اور انکی عظمتِ شان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کو پاک کر دیا گیا ہو گا یعنی ان کو ہر طرح کے عیوب اور نقائص سے پاک کر دیا گیا ہو گا۔ پس نہ ان میں حیض و نفاس اور بول و براز وغیرہ کی ظاہری اور حسی کوئی میل کچیل اور کدورت و قذارت ہوگی، اور نہ ہی بد خلقی اور باطنی زیغ و انحراف کا کوئی معنوی اور غیر مرئی عیب۔ (المراغی، القاسمی، ابن کثیر وغیرہ) اور ایماندار جنتی عورتیں قیامت کے روز جنتی حوروں سے بھی کہیں بڑھ کر خوبصورت ہونگی۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ اور یہ اس لئے کہ ان کو وہاں ایک نئی پیدائش اور نئی اٹھان ملے گی جیسا کہ سورۃ واقعہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے ان کو ایک نئی اٹھان دی ہوگی، پھر ان کو ہم نے کنواریاں بنا دیا ہو گا، دل لبھانے والی ہم عمر، داہنے [ہاتھ] والوں کے ساتھ" (سورۃ الواقعۃ: ۳۵۔۳۸)۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ عام طور پر اردو تراجم میں اس لفظ کا ترجمہ "پاکیزہ" کے لفظ سے کیا جاتا ہے، حالانکہ پاکیزہ اصل میں "طاہرۃ" کا ترجمہ ہے جبکہ یہاں "طاہرۃ" نہیں "مطہرۃ" فرمایا گیا ہے، اور ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔ بہر کیف اس سے اہل جنت کی بیویوں کی عظمتِ شان کو ظاہر فرما دیا گیا۔

۷۷ اہل جنت کی ایک منفرد نعمت، خلود و دوام:- پس نہ کبھی ان کو وہاں سے نکالا جائے گا، جیسا کہ سورۃ حجر میں فرمایا گیا ہے:- ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾ - "نہ ان (جنتیوں) کو وہاں پر کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ ہی ان کو وہاں سے نکالا جائے گا" (الحجر: ۴۸)۔ اور نہ ہی کبھی بور ہو کر ان کا خود ہی وہاں سے نکل جانے کو دل چاہیگا، جیسا

کہ اس دنیا میں بالعموم ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الکھف میں ارشاد ہوتا ہے:۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾۔ "انہیں وہاں پر ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا کبھی وہاں سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے" اور صحیح بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ "جب جنتی سب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور دوزخی دوزخ میں، تو پھر ایک اعلان کرنے والا اعلان کر کے کہے گا کہ اے دوزخیو، اب کوئی موت نہیں، اور اے جنتیو: اب کوئی موت نہیں، ہر ایک جس حال میں ہے اب ہمیشہ اسی میں رہے گا، پس یہ دن جنتیوں کے لئے تو نہایت ہی خوشی کا دن ہوگا، مگر دوزخیوں کے لئے یہ نہایت ہی حسرت و یاس کا دن ہوگا۔ "وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ" - چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں مروی ہے کہ اگر دوزخیوں سے یہ کہا جائے کہ روئے زمین میں جس قدر کنکریاں ہیں اتنے سال تم کو دوزخ میں رہنا ہے، اسکے بعد تم کو اس سے نکال دیا جائے گا تو وہ اس سے بھی خوشی محسوس کریں گے، کہ آخر اتنے عرصے کے بعد تو دوزخ سے نکلنا نصیب ہو جائے گا، اور دوسری طرف اگر جنتیوں سے یہ کہا جائے کہ روئے زمین میں جس قدر کنکریاں ہیں اتنا تم کو جنت میں رہنا ہوگا، اسکے بعد تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا تو وہ اس پر بھی غمگین ہو جائیں گے کہ یہ مدت جو اس قدر طویل ہے آخر ہے تو محدود ہی، جو بالآخر ختم ہو جائے گی، مگر وہاں ایسے بھی نہیں ہوگا، بلکہ اس اعلان کے بعد دوزخیوں کو وہاں دوزخ میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہنا ہوگا اور جنتیوں کو بھی جنت میں۔ بہر کیف خلود و دوام کی یہ صفت عالمِ آخرت کی ایک خاص اور اہم صفت ہوگی، جو اس جہانِ رنگ و بو میں ممکن ہی نہیں، کیونکہ یہاں کا حال یہ ہے کہ۔ "لَابَأْسٌ يَدُوْمُ وَّلَا نَعِيْمٌ" - یعنی نہ یہاں کی تکلیف دائمی، نہ نعمت دائمی۔ سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کافر و مشرک کا انجام یہ ہونے والا ہے، اس کو اگر یہاں پر اس ساری دنیا میں ساری دنیا کا مال و دولت بھی مل جائے تو بھی اسے کیا ملا، اور اسے اس کا کیا فائدہ؟ کہ اس کا مآل وانجام تو یہ ہونے والا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس کے مقابلے میں ایک مومنِ صادق جس کو اس کے ایمان و تقوٰی کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے جنت کی ان ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے نواز دیا ہوگا، وہ کس قدر خوش نصیب ہے اگرچہ دنیا میں اس کو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نہ ملا ہو، اور تن ڈھانپنے کے لئے ضرورت کا کپڑا بھی میسر نہ آیا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کی دولت ایسی عظیم الشان اور بے مثل دولت ہے کہ دنیا بھر کی تمام دولتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں، پس اے اللہ ہمیں ایمانِ کامل کی دولت سے مالا مال فرما دے، ہماری اس دولتِ ایمان و یقین کو محفوظ رکھ، اور اسی پر ہمیں خاتمہ نصیب فرما کہ سب کچھ تیرے ہی قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور تیری شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ پس محض اپنے فضل و کرم سے ہماری ان دعاؤں کو قبول فرما لے اور ہمیں جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے سرفراز فرما دے۔ آمین ثم آمین یا اکرم الاکرمین۔

۴۸ کفر و باطل کی تحقیر و تذلیل کیلئے مثال کا بیان:۔ یعنی کوئی ایسی مثال جو حقیقتِ امر کو پوری طرح واضح کر دے، کہ مثال کا مدعا و مقصود یہی ہوتا ہے کہ کسی غیر محسوس چیز کو کسی محسوس چیز سے تشبیہ دے کر واضح کیا جائے، تاکہ اسکے سمجھنے میں کوئی دقت و دشواری باقی نہ رہے، اس لیے ضرب الامثال کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ عمدہ اور عظیم چیزوں کیلئے عمدہ اور عظیم چیزوں کی مثال دی جائے اور گھٹیا اور حقیر چیزوں کی توضیح کیلئے گھٹیا اور حقیر چیزوں کی مثال دی جائے، تاکہ مقصد پوری طرح واضح ہو جائے۔ لہٰذا قرآنی امثال اسکی عظمتِ شان کیخلاف نہیں بلکہ اسکی فصاحت و بلاغت کا تقاضا ہیں۔ جن لوگوں نے ان مثالوں کی بناء پر قرآنِ حکیم پر اعتراض کیا انہوں نے دراصل اپنی حماقت، اور جہالت و سفاہت کا ثبوت دیا ہے۔

والعیاذ باللہ العظیم - سو اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ اس طرح کی باتوں سے شرما کر اور ایسے احمق لوگوں کی اس طرح کی احمقانہ باتوں کی بنا پر حقائق و معانی کی تمثیل و توضیح کے لیے ایسی کوئی مثال بیان کرنے سے رک جائے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۷۹ تمثیل اور اس سے اصل مقصود؟ :- یعنی اس سے بھی بڑھ کر ہو اپنی حقارت میں (روح المعانی)۔ کیونکہ تمثیل سے جو امر مقصود ہوتا ہے اس کا تقاضا یہی ہے، یہ رد ہے کفار و مشرکین وغیرہ معاندین اور معترضین کے اس اعتراض کا کہ اگر قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے، تو پھر اس میں مکھی مچھر اور مکڑی وغیرہ جیسی حقیر اشیاء کا ذکر کیوں کیا گیا ہے، تو اس سے اس کا رد فرمایا گیا کہ اس طرح کی چیزوں سے مثال بیان کرنا کوئی ایسی شرم و عار کی چیز نہیں کہ اللہ پاک سبحانہٗ و تعالیٰ شرما کر ان کی مثال دینا چھوڑ دے، بلکہ یہ دراصل اعتراض کرنے والوں کی خود اپنی حماقت کا ثبوت ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کیونکہ یہ ایک صریح اور واضح امر ہے کہ جب کسی چیز کی تحقیر اور بے حقیقتی کو واضح کرنا ہو تو اس کی مثال کسی حقیر اور گھٹیا چیز ہی سے تو دی جائے گی، پھر تمہارا (اے منکرو!) محض اس بنیاد پر کلام الٰہی پر اس طرح کا اعتراض کرنا کس قدر لچر اور احمقانہ حرکت ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اس کی مزید تفصیل و تشریح جو اس موقع پر کرنا تھی محض طوالت کے خوف سے چھوڑتا ہوں اس کو انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں پیش کروں گا، اگر حیاتِ مستعار نے وفا کی اور توفیق و عنایتِ خداوندی شامل حال رہی - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ لِکُلِّ خَیْرٍ وَالْمُسَیِّرُ لِکُلِّ عَسِیْرٍ - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی - وایاہ نسال ان یاخذنا الی ما فیہ حبہ والرضا جل وعلا -

۸۰ نورِ ایمان کی عظمتِ شان اور اسکی برکات کا اثر و نتیجہ :- سو نورِ ایمان ایک عظیم الشان نعمت اور عنایتِ خداوندی ہے، اور نورِ ایمان کی یہ روشنی ایسی عظیم الشان اور بے مثل روشنی ہے، جو مومنِ صادق کی ہر مقام پر دستگیری کرتی اور اسے راہِ حق دکھاتی ہے، جیسا کہ سورۂ یونس کی نویں آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے - ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَھْدِیْھِمْ رَبُّھُمْ بِاِیْمَانِھِمْ﴾ - "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ان کا رب ان کی راہنمائی فرماتا ہے اور فرماتا رہے گا ان کے ایمان کی بدولت" (یونس:۹) سُبْحَانَ اللّٰہِ! کیسا نور ہے یہ ایمان کا نور، اور کتنی بڑی نعمت و دولت ہے یہ ایمان و یقین کی نعمت و دولت، جو انسان کو حق و ہدایت کی اس شاہراہ پر ڈالتی ہے جو اسے دارین کی فوز و فلاح سے ہمکنار کرتی ہے - اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے - آمین ثم آمین، یارب العالمین۔

۸۱ ظلمتِ کفر سب خرابیوں اور فساد کی جڑ اور بنیاد :- سو ایسے اعتراضات کا منشاء ایسے لوگوں کا کفر و انکار ہے۔ پس جس طرح نورِ ایمان تمام خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے، اسی طرح ظلمتِ کفر سب خرابیوں اور فساد کی جڑ اور بنیاد ہے، جس سے انسان کی مت ہی مار کر رکھ دی جاتی ہے، اور اسکے نتیجے میں اسکو سیدھی بات بھی الٹی نظر آنے لگتی ہے اور وہ سیدھی راہ سے ہٹ کر الٹی راہ پر چلنے لگتا ہے، اور اسکو یہ شعور و احساس تک نہیں رہتا کہ اس طرح وہ کتنے بڑے خسارے کا سودا کر رہا ہے، اور ذلت و رسوائی کے کیسے ہاوے میں گر رہا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو مومن تو اپنے نورِ ایمان کی ہدایت و برکت کی بناء پر ایسی مثالوں سے حق و حقیقت سے علم و آگہی حاصل کرتا ہے اور کافر و منکر انسان اپنے کفر و انکار کی سیاہی کی بناء پر الٹا اوندھا ہو کر ان پر اعتراض کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے باطن کی سیاہی اور سیاہ بختی میں اور اضافہ کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ سدھرنے کی بجائے اور بگڑتا اور مزید گمراہ ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بعض سلف سے مروی و منقول ہے کہ جب میں

قرآن کی کسی مثال کو سمجھ نہیں سکتا تو اپنی محرومی اور کوتاہ فہمی پر روتا ہوں۔ (معارف للکاندھلوی) سو نورِ ایمان و یقین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ اور ظلمتِ کفر و انکار خرابیوں کی خرابی اور ہر شر و فساد کی جڑ اور بنیاد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۲ اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کا مطلب؟: ۔ سو اللہ انحراف والوں کو گمراہی میں ڈالتا ہے، ان کی اپنی بدنیتی، خبثِ باطن، اور سوءِ اختیار کی بناء پر، ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ کہ اس وَحدہٗ لاشریک خداوندِ قدّوس کا قانون و ضابطہ یہی ہے، کہ جو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑتا ہے وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ اور یہ بالکل عدل و انصاف پر مبنی قانون و ضابطہ ہے کہ جو کوئی ہدایت سے منہ موڑیگا وہ اس سے محروم رہے گا، کیونکہ عقل و فطرت کا تقاضا یہی ہے، کہ جب دنیا کی ایک عام اور معمولی شئی بھی طلب و جستجو کے بغیر نہیں مل سکتی، تو پھر ہدایت کی وہ نعمت جو کہ تمام نعمتوں سے بڑی نعمت، اور جو جملہ خیرات و برکات کی اساس و بنیاد ہے، وہ یونہی بلا کسی طلب و خواہش کے کس طرح مل جائے گی؟ ملتی تو وہ بے شک اس واہبِ مطلق کے یہاں سے سب کو مفت اور بلا معاوضہ ہی ہے، مگر طلبِ صادق اس کی اولین شرط اور اساس ہے۔ سو یہی معنی و مطلب ہے اس ارشادِ عالی کا کہ وہ "اس کے ذریعے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے"۔ یعنی اس کا قانون و ضابطہ یہی ہے کہ جو کوئی اسکی ہدایت سے منہ موڑے گا وہ اس سے محروم رہے گا، ورنہ یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ یونہی بلاوجہ کسی کو نعمتِ ہدایت سے محروم کر دیتا ہے، اور محروم کرنے کے کیا معنی؟ وہاں تو ہدایت سے نوازنے کا ایسا پُر حکمت اور زبردست انتظام ہے کہ کوئی بدبخت ہی اس سے محروم رہے گا ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه ۔ چنانچہ ایک طرف تو اس ربِ رحمٰن و رحیم نے انسان کو نعمتِ عقل سے نواز کر، اور کائنات کی حکمتوں بھری یہ عظیم الشان کتاب اس کے سامنے کھول کر اسکو دعوتِ غور و فکر دی کہ اس کو دیکھتے، پڑھتے، اور اس میں غور کرتے جاؤ، تاکہ تم اصل حقائق سے آگاہی حاصل کر سکو، اور اس ربِ قدیر و قدوس کی چہار سُو پھیلی ہوئی رحمتوں کی بے پایاں عظمتوں، اور ان گنت حکمتوں، اور عنایتوں، کے تذکرہ و استحضار سے اپنے دل و دماغ کو ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال، اور ہدایت و معرفت کے نور سے منور و فیضیاب کرتے جاؤ، اور دوسری طرف اس کریم و وہاب نے اپنے انبیاءِ کرام ۔ علیهم الصلوٰۃ والسلام ۔ کی ان پاکیزہ ہستیوں کو بھیجنے کا سلسلہ جاری فرمایا جن کی بعثت و تشریف آوری کا مقصد ہی خلقِ خدا کو رشد و ہدایت کی راہِ صدق و صواب کی تعلیم دینا تھا، اور اس سلسلۂ مقدسہ کا اختتام خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمایا، اور آپؐ کے ذریعے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے وہ کامل و مکمل نظام نازل فرمایا، جو قیامت تک کی سب دنیا کے لئے کافی و وافی ہے، اور جو کتاب و سنت کے دو اصولی اور عظیم الشان سرچشموں کی شکل میں آج بھی موجود ہے، اور قیامت تک ایسے ہی موجود و محفوظ، اور ضیاء بار اور ضوء فشاں رہے گا ۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ۔ اس لئے اس کے یہاں سے کسی کے گمراہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس کے اسماءِ حُسنیٰ میں "الھادی"، "ھدایت دینے والا" تو ہے، لیکن "اَلْمُضِلُّ"، "گمراہ کرنے والا" کوئی اسم نہیں۔ سو اس طرح کی آیاتِ کریمہ کے ظاہری الفاظ اور عمومی اردو تراجم سے یہ غلط فہمی چونکہ پیدا ہوتی ہے، جس سے بہانہ جُو طبیعتیں، اس کو اپنی مذموم اغراض کے لئے بطورِ ہتھیار استعمال کرنے لگتی ہیں، کہ صاحب جب اللہ خود ہی گمراہ کرتا ہے تو پھر ہمارا کیا قصور؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو اس توضیح و تشریح سے وہ غلط فہمی ختم ہو گئی، اسی لئے ہم نے اس موقع پر اختصار کے ارادہ کے باوجود اس قدر تفصیل سے بات کر دی، تاکہ حق اور حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے، اور اس طرح کی کوئی الجھن پیش نہ آئے ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

(دولت) سے نوازتا ہے ف۸۳ اور وہ اس سے گمراہ نہیں کرتا مگر ان ہی بدکاروں کو ف۸۴ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو ف۸۵ اس کے پختہ کرنے کے

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

بعد، اور جو قطع کرتے ہیں ان (تعلقات اور رشتوں) کو، جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ف۸۶ اور

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ

وہ فساد پھیلاتے ہیں (اللہ کی) زمین میں، ف۸۷ یہی لوگ ہیں خسارے والے، ف۸۸ تم لوگ کیسے

۸۳ حسنِ اختیار اور صدقِ نیت باعثِ سرفرازی:- سو ایسے خوش نصیبوں کو وہ واہبِ مطلق نورِ حق و ہدایت سے نوازتا ہے، ان کے حسنِ اختیار، صدقِ نیت، صفاء و اخلاص، اور طلبِ صادق کی بناء پر۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ حسنِ اختیار اور صدقِ نیت باعثِ سرفرازی ہے - وباللہ التوفیق۔ پس اس سے یہ اہم بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے صلاح و فساد اور اس کے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اسکے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ اگر اس کا باطن درست اور اس کی نیت صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایات سے نوازتا ہے، نہیں تو اس کے لئے محرومی اور خسارہ ہی ہے، اور قلب و باطن کی کیفیت کو انسان لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے، لیکن اللہ سے چھپانا ممکن نہیں کہ وہ ''علیم بذاتِ الصدور'' ہے اور انسان کو وہ اس کے باطن اور اس کی نیت و ارادہ کی بنیاد ہی پر نوازتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۸۴ فسق و فجور باعثِ محرومی، والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ گمراہ نہیں کرتا مگر بدکاروں کو کہ وہ ہدایت چاہتے ہی نہیں، کیونکہ وہ خواہشاتِ نفس کی پیروی میں شترِ بے مہار بن کر رہنا چاہتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - طلبِ صادق کے گوہرِ مقصود سے وہ محروم ہیں، جو کہ اس راہ میں اصل اساس و بنیاد ہے کہ بے طلب وہ واہبِ مطلق ہدایت سے نوازتا نہیں، کہ اس کا صاف و صریح ارشاد ہے ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ کیا ہم اس کو تم سے چپکا دیں گے جبکہ تم لوگ اس سے نفرت کرتے ہو؟ [سورہ ھود: ۲۸] استفہام یہاں پر انکاری ہے، یعنی ایسا نہیں ہونے کا۔ پس اس ارشادِ پاک سے ہماری اس بات کی تصدیق و تائید ہوتی ہے جو ابھی ہم نے اوپر حاشیہ ۸۲ میں قدرے تفصیل سے بیان کی ہے، کہ اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں سے ہدایت سے محرومی انہی بد نصیب محروموں کے لئے ہے جو ہدایت چاہتے ہی نہیں، ورنہ اس کا کرم تو عام اور اس کا فیض سب کو شامل ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ - اور وہاں سے محرومی کسی کیلئے بھی نہیں - والعیاذ باللہ - مگر جو خود ہی منہ موڑے اور محرومی و ہلاکت کی راہ پر چل پڑے تو اسکا کیا علاج؟ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ فسق و فجور باعثِ محرومی ہے، والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۵ اللہ کے عہد سے مراد اور اس کا عموم؟:- ''عَهْدُ اللّٰه'' سے مراد ہر وہ عہد ہے جسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، اور اس لفظ کا عموم ایسے سب ہی عہدوں اور وعدوں کو شامل ہے جو اس وحدہٗ لاشریک کے واسطے سے کئے گئے ہوں، خواہ وہ انسان

نے اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ سے کئے ہوں، جیسے عہدِ فطرت اور عہدِ اَلَست اور عہدِ ایمان واسلام، وغیرہ، اور خواہ وہ عہد ہوں جو انسان نے کسی دوسرے انسان سے اللہ کے نام پر کئے ہوں۔ سو اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ کے نام پر باندھے گئے ان عہدوں کو توڑنا اور ان کے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال کر من مانی کرنا ان فاسقوں، بدکاروں کا ہمیشہ کا طریقہ ووطیرہ رہا ہے۔ کل بھی یہی تھا، اور آج بھی یہی ہے، جیسا کہ آج کل بوسنیا ہرزگوینا کے نہتے اور مظلوم مسلمانوں پر سرب قوم کی طرف سے توڑے جانے والے کھلے اور ہولناک مظالم کی شکل میں ہو رہا ہے، اور دن دیہاڑے اور حقوقِ انسانی کا ڈھنڈورا پیٹنے والی استعماری قوتوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، مگر کوئی نہیں جو ظالم سربوں کو روکے، اور ان کے ہاتھوں کو توڑے، اور ان سے پوچھے کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اور مسلمانوں کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں، اور قلبِ یورپ میں واقع اس چھوٹے سے ملک میں صدیوں سے رہتے بستے آرہے ہیں۔ بس ابناء کفر وباطل یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان کا خاتمہ کر دیا جائے اور کفر وشرک کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے یورپ سے حق وصداقت کے اس ٹمٹماتے چراغ کو بھی کسی طرح گل کر دیا جائے، تاکہ کفر وشرک، اور الحاد وزندقہ، کے اندھیرے اور گہرے ہو جائیں، اور یورپین ممالک کی حیوانیتِ سافرہ کو اپنی انا کی تسکین کے لئے ننگا ناچ ناچنے میں کہیں سے کوئی خطرہ وقدغن نہ ہو، اور اسلام کی نورانی کرنیں جو مختلف اطراف وجہات سے مادہ پرستی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کے اس ظلمت کدے پر پڑ رہی ہیں، وہ وہاں پر پڑنے نہ پائیں، اور ان مسلمانوں کو یورپ کے اندر کوئی مستقر اور ٹھکانا میسر نہ آئے۔ ﴿وَيَأْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾۔ فَاِيَّاكَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ وَاِلَيْكَ وَنَتَضَرَّعُ اَنْ تَنْصُرَ الْاِسْلَامَ وَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ وَّزَمَانٍ، مِنْ مَّشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا – فَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ، وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ، اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

٨٦ رشتوں اور تعلقات کے جوڑنے کا حکم وارشاد: – یہاں بھی کلمہ "ما" کا عموم ایسے سب ہی علائق کو عام اور شامل ہے جن کو ملانا اور قائم رکھنا مطلوب ومقصود ہے، جن میں سب سے پہلا علاقہ وتعلق انسان کا اپنے رب سے ہے، کیونکہ وہ اس کا خالق ومالک اور مُنعم ووَہّاب ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حقیقتِ حال بہرکیف یہی ہے کہ انسان کے جسم کے اندر اور اس سے باہر اس پوری کائنات میں پھیلی ہوئی جو بے حد وحساب نعمتیں ہیں، یہ سب کی سب اسی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ کی بخشی ہوئی ہیں، جو اس نے اپنے کرمِ لامحدود اور احسانِ لاانتہاء سے انسان کو بخشی ہیں، اور انسان کی طرف سے کسی اپیل ودرخواست کے بغیر اس نے ازخود اس کو بخشی ہیں، بلکہ ان میں سے کتنی ہی بے حد وحساب نعمتیں ایسی ہیں جن کا انسان کو علم وادراک بھی نہیں، اور وہ ان سے برابر مستفید ہو رہا ہے، کیا اسکے اس کرم واحسان کا کوئی ٹھکانہ اور کنارہ ہو سکتا ہے؟ – سبحانہٗ وتعالیٰ – اس لئے سب سے پہلا، سب سے بڑا، اور سب سے مقدم حق، اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے، اور وہ ہے اسکی محبت اور اطاعت وبندگی، جیسا کہ فرمایا گیا – ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ – کہ سچے اور پکے ایمان والوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ پاک ہی سے ہوتی ہے – سبحانہٗ وتعالیٰ – پھر اس کے بعد دوسرا علاقہ وتعلق ہے انسان کا اپنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، جنہوں نے آکر انسان کو رب سے ملایا، اسے اپنے رب کی صحیح پہچان کرائی، اور اس کو

حیوانیتِ محضہ اور نفسانیتِ بحتہ کے قعرِ مذلّت سے نکال کر اس کو اشرف المخلوقات ہونے کے اعلیٰ مقام اور شرف و امتیاز سے آگہی بخشی، اور اسکو دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنت کی نعمتوں تک پہنچایا - صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الْاَطْھَارِ وَاَصْحَابِہِ الْاَخْیَار، مَا تَعَاقَبَ الَّیْلُ وَ النَّھَارُ- پھر اسکے بعد انسان کے خود اپنے والدین کے حقوق و تعلقات ہیں، اور پھر دوسرے رشتہ داروں و تعلق داروں اور عام انسانوں کے حقوق و تعلقات ہیں۔ سو ان سب کو قائم رکھنا اور درجہ بدرجہ ان کی رعایت و پاسداری کرنا سب کلمہ " ما " کے اس عموم میں داخل ہے، (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، روح المعانی، اور المنار، وغیرہ وغیرہ)۔ سو ان تمام تعلقات کو قائم کرنا مومنِ صادق سے مطلوب ہے اور ان کو قطع کرنا، فاسقوں اور بدکاروں کا کام ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۷ دین حق سے روگردانی فساد فی الارض والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے دین سے منہ موڑنا فساد فی الارض ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے دین اور اس کے احکام سے منہ موڑ کر، بلکہ ان کے خلاف چل کر اور اعلانیہ اور برملا چل کر، اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتے اور اسکے عذاب کو دعوت دیتے ہیں - والعیاذ باللہ - کیونکہ اللہ پاک جو کہ خالق و مالکِ حقیقی ہے، اس کے احکام و اوامر سے منہ موڑ کر بغاوت و سرکشی کی راہ پر چلنا ہی دراصل منبع ہے فتنہ و فساد اور خرابی و تباہی کا۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے اور تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اللہ کے دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنانا اصلاح ہے، اور ان سے منہ موڑنا اور انحراف برتنا فساد اور تباہی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور جو لوگ دینِ حق کی دعوت دیتے اور مخلوق کو خالق سے ملانے اور اسکے آگے جھکانے کی سعی کرتے ہیں وہی ہیں اصلاح کرنے والے، اور دنیا کو صحیح راہ پر ڈالنے والے اور انکے محسن - اللہ اُن کو اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے اور ان کو اَعداء و اَشرار کے شرور سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین۔

۸۸ نورِ حق سے محرومی سراسر خسارہ، والعیاذُ باللہ: - سو نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگ قطعی طور پر خسارے میں ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - کہ مزرعۂ دنیا (دنیا کی اس کھیتی) سے آخرت کی حقیقی اور دائمی سعادت، اور فوز و فلاح کی دولت کمانے کی بجائے انہوں نے الٹا اپنی بغاوت و سرکشی اور بے راہ روی، و نفس پرستی کی بناء پر عقلِ سلیم کے جوہر، اور فطرتِ مستقیم کے اصل سرمایہ اور راس المال ہی کو ضائع کر دیا، سو اس سے بڑھ کر خسارہ و نقصان اور کیا ہوسکتا ہے؟ کہ یہ دنیا بھی گئی اور آخرت بھی گئی، اور دنیا و آخرت دونوں کا یہ خسارہ سب سے بڑا اور کھلم کھلا خسارہ ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ، ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ﴾ - (سورۃ الحج: ۱۱) - والعیاذُ باللہ العظیم - اور یہ ایسا خسارہ ہے کہ اسکی پھر تلافی و تدارک بھی ممکن نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اسی لیے یہاں پر اس کو حصر کے اسلوب میں بیان فرمایا گیا ہے کہ مبتدا و خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان ضمیر فصل واقع ہے۔ اور یہ اسلوب حصر و قصر کا اسلوب ہے۔ پس اس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا کہ ایسے ہی لوگ ہیں خسارے والے۔ اور جب نورِ حق و ہدایت سے محرومی ایسا ہولناک خسارہ ہے تو پھر کیا ٹھکانا ہوسکتا ہے ان بدبختوں کا جو راہِ حق و ہدایت سے روکنے اور نورِ حق کو بجھانے کی کوششیں کرتے اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے ابلیسی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے پوری دنیا میں ہو رہا ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ

کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ (اے منکرو!) حالانکہ تم بے جان تھے ف۸۹ تو اس نے تمہیں زندگی (کی یہ عظیم الشان نعمت) بخشی ف۹۰ پھر وہی تمہیں

يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا

موت دیتا ہے (اور دے گا) ف۹۱ پھر وہی تمہیں زندگی بخشتا ہے (اور بخشے گا) ف۹۲ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاتے ہو (اور لوٹائے جاؤ گے) ف۹۳

فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لئے (اپنی قدرتِ کاملہ حکمتِ بالغہ اور رحمت شاملہ سے) وہ سب کچھ جو کہ زمین میں ہے ف۹۴

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ

ہے، پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف، تو برابر کر دیا ان کو سات آسمانوں کی صورت میں ف۹۵ بے شک وہ ہر چیز کو پوری طرح جاننے والا ہے ف۹۶ اور

ع ۳

۸۹ انسان کا وجود عنایتِ خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر: - کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتمِ عدم سے نکال کر خلعتِ وجود سے نوازنے کا عظیم الشان اور بے مثل انعام واحسان اس پر فرمایا، سو تم لوگ سوچو کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے تم لوگ مختلف اجزاء وذرات کی شکل میں پھیلے بکھرے تھے، جو کہیں پانی اور ہوا میں پراگندہ ومنتشر تھے، اور کہیں مٹی اور دوسرے مختلف غذائی اجناس واقسام میں پھیلے ہوئے، اور مختلف درجات وطبقات میں اور مختلف حالات میں تھے، اور اس قدر پراگندہ ومنتشر اور پردۂ عدم میں مخفی ومستور، کہ اس حضرتِ انسان کا کہیں کوئی نام ونشان اور ذکر تک موجود نہ تھا، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا﴾، "بے شک انسان پر ایک ایسا دور بھی اس لمبے زمانے میں گزرا ہے جس میں یہ کوئی ایسی شئے نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے" [الدھر: ۱]۔ تو اس قادرِ مطلق - سبحانہٗ وتعالیٰ - نے اپنی قدرتِ بے نہایت، اور رحمت وعنایتِ بے غایت سے، انسان کو ان تمام پُر پیچ مراحل سے گزار کر، اور اسے کتمِ عدم سے نکال کر خلعتِ وجود سے نوازا، اور "اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" (بہترین ساخت) پر پیدا فرما کر اسے اشرف الخلوقات کا تاج پہنایا، تو اب کس قدر ظلم، اور کتنی بے انصافی ہے، کہ یہی انسان اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کفر وانکار کا معاملہ کرے اور کفرانِ نعمت سے کام لے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۹۰ زندگی بخشنا اللہ ہی کا کام اور اسی کا اختیار ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اسی نے تم کو نعمتِ وجود سے نوازا:۔ اور نعمتِ وجود وحیات ایسی عظیم الشان نعمت ہے، جو کہ دوسری تمام نعمتوں کی اصل ہے۔ جس سے تم اس دارِ دنیا میں متمتع ومستفید ہو رہے ہو، اور جو دوسری تمام نعمتوں سے سرفرازی کیلئے اصل اور اساس ہے، اور جو تمہاری پہلی اور دنیوی زندگی ہے، اور آج تمہیں اس دنیا میں حاصل ومیسر ہے، اور جس میں اپنے

عمل و کردار سے تم لوگ آخرت کی حقیقی اور اَبدی زندگی میں، وہاں کی نعیمِ مقیم سے سرفرازی کا سامان کر سکتے ہو، کہ اسکے بعد اس کیلئے کوئی موقع ممکن نہیں ہوگا، سو عدل و انصاف اور عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان حیات و وجود کی اس عظیم الشان نعمت کی قدر کرے، اور اسکو اپنے خالق و مالک کا عطیہ و احسان سمجھ کر اسکو اسکی اطاعت و بندگی میں صرف کر کے اپنے لیے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کی زندگی اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ ہی کا عطیہ و احسان ہے۔ اگر انسان سر سے پاؤں تک اپنے جسم اور جسم کے مختلف حصوں اور اعضاء و جوارح ہی پر غور وفکر کی نگاہ ڈالے تو اس کی نگاہ روشن ہو جائے۔ اور یہ دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھک کر اپنے اپنے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر لے۔ پھر اسی سے اس بارے غور کیا جائے کہ اپنے اس خالق و مالک سے منہ موڑنا اور اِعراض و روگردانی برتنا کتنا بڑا ظلم اور کس قدر بڑی بے انصافی ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ظلم اور بے انصافی یہ کہ انسان اپنے اس خالق و مالک کو بھول کر اور اسکے درِ اقدس کو چھوڑ کر اوروں کے آگے جھکے۔ نیز یہیں سے انسان یہ بھی دیکھے اور سوچے کہ جب اس کے جسم کے اندر اور باہر کی ان عظیم الشان نعمتوں کی تخلیق و ایجاد اور بخشش و عطا میں کوئی اس وحدہٗ لاشریک کا شریک نہیں تو پھر اس کے حقِ عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک کیسے اور کیونکر ہو سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۹۱ **سلسلۂ موت وحیات اللہ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں**: ۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "اِحیاء" و "اِماتت" یعنی "زندگی بخشنا" اور "موت دینا" سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو موت وہی دیتا ہے کہ آج بھی اور ہر لحظہ اور ہر ساعت میں کتنے ہی لوگ مرتے اور پیوندِ خاک ہوتے جاتے ہیں، اور آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ بساطِ ارض لپیٹ دی جائے گی، اور اس سب ہنستی بستی دنیا کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ قیامِ ساعت کا بگل بج جائے گا، اور دوسرا اَبدی اور آخری جہاں نئے قوانین ونوامیس کے تحت وجود میں آ جائے گا۔ زندگی بخشنے اور موت دینے کا یہ ایک عام اور معروف مفہوم ہے، لیکن اس اِحیاء و اِماتت کا یہ عمل دراصل انسانی جسم میں لگاتار چلتا رہتا ہے، جس کے مطابق اس کے جسم کے اندر قوت وانرجی (ENERGY) کے سیل (CELLS) برابر بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ سائنسی تحقیق کے مطابق دس سال کے عرصے میں اسی انسانی جسم کے برابر ایک اور جسم بن کر ختم ہو جاتا ہے۔ سو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک انسان کی عمر مثلاً ایک سو سال ہے تو اس مدت میں اس کے جسم کے اندر، اسی کے برابر کے دس جسم اور بن کر ختم ہو گئے ہیں، اور یہ سب کچھ اس باریکی وتسلسل، اور اس قدر حکمت وتنظیم کے ساتھ ہوتا رہتا ہے، کہ خود انسان کو بھی اس کی کوئی خبر یا کسی درجہ میں کوئی احساس تک بھی نہیں ہوتا۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ قَادِرٍ قَيُّوْمٍ جَلَّ وَعَلَا۔ اگر سائنس کا یہ نظریہ وانکشاف درست اور مبنی بر حقیقت ہے تو یہ قرآنِ حکیم کا ایک زبردست معجزہ ہے کہ اس کتابِ مقدس نے جس چیز کی خبر پندرہ سو سال قبل دی تھی، جبکہ اس طرح کے کسی

انکشاف کا دور دور تک کوئی تصور بھی نہ تھا، سائنسی ترقی اب کہیں جا کر اس کا ادراک وانکشاف کر سکی ہے، اسی لئے ''یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ'' کے صیغوں کا ترجمہ ہم نے استمراری الفاظ کے ساتھ کیا ہے، جو کہ فعل مضارع کا اصل مفہوم و مصداق ہے۔ جبکہ عام اردو تراجم میں ایسے نہیں کیا جاتا - وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ بہرکیف اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ زندگی بخشنا اور موت سے ہمکنار کرنا، اللہ پاک ہی کی شان اور اسی کی صفتِ خاصہ ہے، اسکے سوا اور کسی کیلئے بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ کسی زندہ کو مار سکتا ہے، یا کسی مردہ کو زندہ کر سکتا ہے، قطعی طور پر غلط اور اس ارشادِ ربانی کے صریح طور پر خلاف ہے۔ پس غلط اور قطعی طور پر غلط اور شرکیہ بات کرتے ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں قبر والے نے فلاں شخص کو مار دیا، یا فلاں بزرگ نے برسوں کی ڈوبی ہوئی بیڑی کو زندہ کر کے نکال دیا وغیرہ، یہ سب باتیں غلط اور شرکیہ باتیں ہیں، اور اہلِ بدعت اس طرح کی باتیں کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس طرح کی تمام خرافات سے اپنے دامن کو بچا کر رکھنا چاہیے کہ یہ سب شرک کے پلندے ہیں - والعیاذ باللہ، جل وعلا بکل حال من الاحوال -

۹۲ ''اِحیاء وامِاتت'' کا عمل مسلسل اور برابر جاری :- یعنی آج بھی ایسے ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، یہاں بھی بعینہٖ وہی تفصیل وترتیب ملحوظ رکھی جائے جس کا ذکر ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۹۱ میں ہوا۔ یہاں سے ایک اور بات یہ بھی ظاہر اور واضح ہوئی کہ زندگی بخشنا اور موت دینا وغیرہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں اور اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت ہے۔ پس یہ کہنا یا سمجھنا کہ فلاں ہستی زندہ کر سکتی ہے، یا موت دے سکتی ہے، جیسا کہ بعض کلمہ گو مشرک سمجھتے اور کہتے ہیں، اور اسی بناء پر ایسے لوگ طرح طرح کے مشرکانہ نام بھی رکھتے ہیں، سو یہ سب غلط اور شرکیات میں سے ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا نہ کوئی زندگی بخش سکتا ہے اور نہ ہی موت دے سکتا ہے، یہ سب اسی کی صفت وشان ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس جن بدعتی مشرکوں نے بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی کو نکالنے، اور اس میں بیٹھی بارات کو زندہ کرنے کا ایک جھوٹا اور من گھڑت افسانہ مشہور کر رکھا ہے، وہ سب جھوٹ، شرک اور نصوصِ کتاب وسنت کے خلاف ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۹۳ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف سبحانہٗ تعالیٰ :- سو سب معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور لوٹائے جائیں گے۔ یعنی آج بھی ایسے ہی ہو رہا ہے کہ تمہارے جملہ امور ومعاملات کے اصل حقیقی اور آخری فیصلے اسی وحدہٗ لاشریک کی بارگہ اقدس واعلیٰ میں ہوتے ہیں، مگر اس کا کامل اور پورا ظہور کل قیامت کے اس جہاں میں ہوگا جو کہ کشفِ حقائق اور مشاہدہ وظہور کا جہاں ہوگا، جہاں اسباب ووسائط کے وہ سب حجاب اٹھ جائینگے جو آج اس دنیا میں حقائق تک رسائی میں آڑ اور رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، اور تم سب نے بہرحال لوٹ کر اسکے حضور جانا، اور زندگی بھر کے اپنے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں، سو بندے کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے اس خالق ومالک کے حضور حاضری کو یاد رکھے اور اس کیلئے تیاری کرے، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے کہ پھر اس کے دوبارہ ملنے کی کوئی صورت ممکن نہیں - وباللہ التوفیق -

۹۴ **سب نعمتیں انسان کے لئے:** -سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ زمین کی یہ سب عظیم الشان، اور گوناگوں نعمتیں حضرت حق جل مجدہٗ نے انسان ہی کیلئے پیدا فرمائی ہیں۔ اور جس سے تم لوگ ہر لحہ ولحظہ اور طرح طرح سے مستفید وفیض یاب ہوتے رہتے ہو، اور اس قدر کہ اس کا احصاء وشمار بھی کسی کے بس اور اختیار میں نہیں۔ سو اس سے تم اندازہ کرلو کہ وہ وحدہ لاشریک کس قدر علیم وقدیر، کتنا رحیم وکریم، اور کتنا فیاض ومہربان ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پھر اس کے ساتھ کفر وانکار کا معاملہ کرنا کس قدر ظلم اور کتنی بڑی بے انصافی ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ دوسروں کو اس وحدہٗ لاشریک کا شریک مانا جائے جن کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں، کتنا بڑا ظلم اور کس قدر ہولناک اور سنگین جرم ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو جب زمین کی ان گوناگوں نعمتوں کے پیدا کرنے میں اسکا کوئی شریک وسہیم نہیں، تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اسکا شریک کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے اور حمد وشکر کا مستحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہے- سبحانہ وتعالیٰ-

۹۵ **کائنات قدرت خداوندی کا عظیم الشان مظہر:**- سو ساتوں آسمان اور یہ پوری کائنات اللہ پاک کی رحمت و عنایت اور قدرتِ مطلقہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے، اور جب ان سب کے پیدا کرنے، اور ان کے قائم اور باقی رکھنے میں ، کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں، تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اسکا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس ہر طرح کی عبادت وبندگی اسی اور صرف اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو تمہارے آگے پیچھے پھیلے بکھرے قدرت کے یہ عظیم الشان نشان اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر اسکی عظمتِ شان، اسکی وحدانیتِ مطلقہ اور اسکی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا درس دے رہے ہیں۔ پھر بھی جو لوگ اس خالق ومالک سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور ہر چہار سو پھیلے بکھرے کائنات کے اس عظیم الشان مدرسۂ علم وحکمت سے کوئی درس نہیں لیتے ، وہ کتنے ظالم اور کس قدر بے انصاف ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس سے بڑھ کر ظلم اور بے انصافی یہ کہ وہ اس خالق ومالک کی عطاء وبخشش فرمودہ ان بے حد وحساب نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے اور ان کو اس میں شریک قرار دیتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۹۶ **اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر:**- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے سو وہ ہر چیز کو اس کے ظاہر وباطن، اور مبداء ومنتہاء، ہر اعتبار سے جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے، بخلاف انسان کے کہ یہ زیادہ سے زیادہ کسی چیز کے ظاہری اور مادی پہلو تک ہی رسائی حاصل کرسکے گا اور بس، اور وہ بھی بڑی مشکل سے، اور وہ بھی کسی خاص زاویۂ نگاہ سے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا- ﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾- [الروم:۷] سو اس خالق ومالک وحدہٗ لاشریک کے کسی حکم وارشاد کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں ہوسکتا- سبحانہ وتعالیٰ- تو پھر اسکی عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور اسکے حکم و ارشاد سے اعراض وروگردانی کس قدر خسارے کا سودا ہے،- والعیاذُ باللہ العظیم- سو اللہ سب کچھ جانتا اور سب کچھ دیکھتا ہے- اس لیے کوشش ہمیشہ یہ ہو کہ اس خالق ومالک، علیم وخبیر اور سمیع وبصیر سے ہمارے ظاہر وباطن کا تعلق درست ہو کہ یہی اساس وبنیاد ہے صلاح وفلاح کی- اور اسی پر مدار وانحصار ہے دنیا وآخرت کی سعادت وسرخروئی کا -اللّٰھم فھٰذہٖ نواصینا بین یدیک، فخذنا بھا الی ما فیہ حبک و رضاک، بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ، یا ذا الجلال والاکرام- یا من بیدہ اَزِمَّۃُ کل شیء-

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ

(وہ بھی یاد کرو ۹۷ کہ) جب فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ (اے فرشتو!) بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں (اپنا) ایک خلیفہ ۹۸ تو

فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ

فرشتوں نے عرض کیا کہ (مالک!) کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو (اپنا خلیفہ) بنائیں گے، جو اس میں فساد مچائے، اور خون ریزی کرے ۹۹

۹۷ تخلیق آدم کے قصے کی تذکیر و یاددہانی:- کہ اس میں بھی بڑے عظیم الشان درس ہائے عبرت و بصیرت ہیں، اور ایسی عظیم الشان روحانی اور معنوی نعمتیں، جن سے اس وحدہٗ لاشریک نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے حضرتِ انسان کو نوازا ہے۔ پس یہ قصۂ آدم اور تکریم آدم یاد کرو اور کراؤ، تاکہ لوگ اس سے سبق لیں اور اس طرح ہر قسم کے شرک اور شائبہ شرک سے بچ کر، خالص اپنے رب کی رضا کے لئے، دل و جان سے اس کے حضور جھک جائیں، جو اس وحدہٗ لاشریک کا تم پر حق ہے، اور جس میں خود تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کہ اس سے انسان اپنے مرتبہ و مقام کو پہچان سکے، اور صدقِ دل سے اپنے رب کے حضور جھک کر اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکے، کہ بندے کی بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ دل و جان سے اللہ پاک کے حضور جھکے- وباللہ التوفیق-

۹۸ خلیفہ کا معنیٰ و مفہوم اور اس کا تقاضا؟:- جو وہاں پر میرے احکام کی تنفیذ کرے گا، اور ان کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے وہ زمین کی تعمیر و اصلاح کا کام کرے گا، پس خلیفہ کے اسی ایک لفظ سے آدم اور اولادِ آدم کا تمام نظام حیات اور دائرۂ کار واضح ہوگیا کیونکہ خلیفہ اور نائب وہ ہوتا ہے جو کہ اپنے اصل اور منوب عنہ کا نمائندہ اور اس کا نائب ہوتا ہے، اس کا کام اس کے احکام کو نافذ کرنا ہوتا ہے، اور اسی کے مقرر کردہ دائرۂ کار کے اندر رہ کر کام کرنا اس کی اصل ذمہ داری ہوتی ہے، پس نہ وہ آزاد و خود مختار ہوتا ہے، کہ جو چاہے کرے اور خود اپنی مرضی و خواہش سے قانون سازی کرے، اور نہ ہی وہ اپنے منوب عنہ کے مقرر کردہ قوانین کی خلاف ورزی کر سکتا ہے، ورنہ اسے نہ صرف یہ کہ منصبِ خلافت و نیابت سے معزول کر دیا جائے گا، بلکہ وہ مستوجب عقوبت قرار پائے گا، پس مغرب کی وہ مادہ پرستانہ اور مادر و پدر آزاد جمہوریت جس میں انسانوں کی گنتی اور عددی اکثریت کی بناء پر اخلاقی حدود تک کو پھلانگ کر قانون سازی کی کھلی اجازت ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، آخر اس کا اسلامی قانون اور اسلامی دستور اور نظامِ خلافت سے کوئی لگاؤ اور جوڑ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ جہاں کہ انسان کیلئے وہ خاص حدود و قیود ہیں جو کہ عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کے مطابق ہیں، اور ان سے خروج کیلئے کسی کیلئے کوئی اجازت نہیں ہوگی۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے خلافتِ آدم کا اعلان فرمایا۔ جس سے ان کا مرتبہ و مقام بھی واضح ہوگیا اور انکی سعی و عمل کی حدود بھی متعین ہوگئیں۔

۹۹ اولادِ آدم کی خونریزی کے خدشے کا اظہار:- فرشتوں کو اولادِ آدم کی اس خو بو کا اندازہ کس طرح ہوگیا؟ کہ زمین میں جا کر یہ لوگ خونریزی کریں گے اور فساد مچا دیں گے، سو اس کے بارہ میں حضرات مفسرین کرام نے مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں، وہ سب ہی درست ہو سکتی ہیں، مگر جب کلام مجید میں اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی گئی تو ہمیں بھی " اَبْهِمُوْا مَا اَبْهَمَهُ الْقُرْاٰنُ " کے بنیادی اصول کے مطابق، اس میں زیادہ کھود کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہرکیف ان کو کسی طرح اس بات کا اندازہ ہوگیا کہ اولادِ آدم جا کر زمین میں فساد مچائیں گے تو اس بناء پر انہوں نے حضرتِ حق جل مجدہٗ کے حضور اس طرح عرض کیا اور تخلیقِ آدم سے متعلق حکمت جاننا چاہی کہ اس کے پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

حالانکہ ہم برابر تسبیح کرتے ہیں آپ کی حمد (وثناء) کے ساتھ، اور ہم آپ کی تقدیس کرنے میں لگے ہوئے ہیں ف۱۰۰ فرمایا میں پوری طرح جانتا

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ

ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے ف۱۰۱ اور سکھائے اللہ نے (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) آدم کو نام سب چیزوں کے ف۱۰۲ پھر اس نے

فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

پیش فرمایا ان سب کو فرشتوں کے سامنے، پھر فرمایا (ان سے) کہ "بتاؤ مجھے نام ان چیزوں کے اگر تم سچے ہو"

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ

انہوں نے عرض کیا کہ (مالک!) "ہم تو بس وہی کچھ جانتے ہیں، جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے، بے شک آپ ہی ہیں سب کچھ جانتے،

الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ

نہایت حکمتوں والے، تب اللہ نے فرمایا (آدم سے) کہ "اے آدم بتاؤ ان کو نام ف۱۰۳ ان چیزوں کے"، سو جب بتا دیئے آدم نے ان کو

بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ

نام ان سب چیزوں کے، تو فرمایا (تمہارے رب نے فرشتوں سے کہ) "کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ بے شک میں جانتا ہوں سب

وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ

چھپی باتیں آسمانوں کی اور زمین کی ف۱۰۴ اور میں جانتا ہوں وہ سب کچھ جو کہ تم ظاہر کرتے ہو، اور وہ سب کچھ بھی جسے تم چھپاتے ہو" ف۱۰۵ اور

قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰى

(وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سجدہ کرو آدم کو ف۱۰۶ تو وہ سب سجدے میں گر پڑے، بجز ابلیس کے، کہ اس نے انکار کیا

۱۰۰ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس کا ذکر: ـ یعنی ہم ہمیشہ اس تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں، آپ کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ پاک ہے ہر نقص و عیب سے، اور ہر طرح کے شائبہ شرک و اشتراک سے، اور یہ کام ہم فرشتے بدرجہ، تمام و کمال بجا لا رہے ہیں، کہ تیری عبادت و بندگی، اور تسبیح و تقدیس کے سوا ہمارا اور کوئی کام ہی نہیں، تو پھر ایسے خلیفہ اور نائب کی تخلیق کی کیا ضرورت، جس سے فتنہ و فساد، اور قتل و خونریزی جیسے مہالک کا بھی خطرہ و خدشہ موجود ہو؟ سو ان ملائکہ کرام

کی طرف سے ایسا کہنا بطور اعتراض نہیں تھا کہ یہ بات تو انکی فطرت و جبلت کے خلاف تھی کہ وہ اپنے خالق و مالک کے کسی امر و ارشاد پر اعتراض کریں کہ ان کی شان یہ نہیں ہے۔ پس ان کا ایسا کہنا اس کی حکمت جاننے کیلئے تھا نہ کہ اعتراض کرنے کی غرض سے کہ انکی شان - ﴿لا يعصون الله ما امرهم و يفعلون ما يؤمرون﴾ - ہے۔

۱۰۱ حق تعالیٰ کی طرف سے حاکمانہ جواب کا ذکر: - سو یہ حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے فرشتوں کو حاکمانہ جواب تھا، کہ وہ وحدہٗ لاشریک حکیم بھی ہے اور حاکم بھی۔ بہرکیف وہ وحدہٗ لاشریک جب حاکمِ حقیقی اور مالکِ مطلق ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی - تو وہ اپنی مخلوق وملکیت میں جو چاہے اور جیسا چاہے تصرف فرمائے۔ لیکن اس کا کوئی تصرف بھی چونکہ یونہی نہیں ہوتا بلکہ ٹھوس اور قطعی علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے، کیونکہ حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ''علیم'' اور ''حکیم'' بھی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ - اس لئے آگے حکیمانہ جواب سے بھی فرشتوں کو اطمینان دلایا گیا۔ بہرکیف یہ امر واضح ہے کہ فرشتوں کا یہ سوال اعتراض کی نیت سے نہیں تھا، کیوں کہ یہ ان کی صفت و شان ہے ہی نہیں، بلکہ ان کا یہ پوچھنا محض جاننے اور آگہی حاصل کرنے لئے تھا اور بس۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکمانہ جواب سے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

۱۰۲ تعلیمِ آدم بذریعہ تعلیمِ اسماء: - سو حضرتِ آدمؑ کو تعلیمِ اسماء کے ذریعے نورِ علم سے نوازا گیا، اور تعلیم کے سلسلہ میں یہی وہ فطری طریقہ ہے جو اب تک جاری و ساری ہے۔ چنانچہ یہ علم حضرت آدم کی طبیعت و جبلت اور ان کی فطرت میں اس طرح ودیعت فرما دیا گیا، کہ وہ خود اپنی زندگی میں بھی ان چیزوں سے کام لے سکیں، اور ان کے بعد قیامت تک آنے والی ان کی اولاد بھی اس فطری وجبلی علم سے مستفید و فیضیاب ہوتی رہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی اولاد کو ان چیزوں سے واسطہ پڑنا تھا، اور ان کو ان کے استعمال کرنے کی ضرورت پیش آنا تھی، اس لئے اللہ پاک نے فطرت والہام کے طور پر ان تمام چیزوں کے نام، ان کے خواص، اور ان کے استعمال کے طور طریقے آدم کو سکھا دیئے، اور یہ اسی فطری علم اور الہامی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ اولادِ آدم آج تک کائناتِ عالم میں پھیلی ہوئی، ان بے شمار چیزوں سے طرح طرح سے استفادہ کر رہی ہے، اور نت نئے انداز سے اس میدان میں ترقی کر رہی ہے، اور قیامت تک کرتی جائے گی، جبکہ فرشتے نوری مخلوق ہونے کے باعث ان چیزوں کے نہ محتاج ہیں، اور نہ ہی ان کو ان سے استفادہ کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے، اس لئے ان کی فطرت و جبلت میں ان اشیاء کی تعلیم ودیعت نہیں فرمائی گئی، سو یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم میں اصل اور بنیادی تعلیم تعلیمِ اسماء ہی ہے، اور یہی طریقہ آج تک چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آج بھی ایک بچے کو تعلیم دینے کے لئے اسی سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ''مَا هٰذَا'' (یہ کیا ہے؟) اور ''مَا ذٰلِكَ'' (وہ کیا ہے؟) وغیرہ۔ نیز یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگی اور برتری کا سبب ومعیار علم ہے، نہ کہ محض عبادت و بندگی، کہ فرشتوں کی عبادت و بندگی تو ضرب المثل تھی اور ہے، مگر اس کے باوجود خلافت و نیابتِ الٰہی کا شرف آدم اور اولادِ آدم ہی کو بخشا گیا، جبکہ ان کا علمی تفوّق فرشتوں پر واضح ہوگیا، اور فرشتوں کو صاف طور پر کہنا پڑا کہ مالک! ہمیں اس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، یہاں سے اہلِ بدعت کا وہ مغالطہ بھی رفع ہوگیا جو کہ وہ ''كُلَّها'' کے عموم سے ''علمِ غیب کلی'' کے اپنے شرکیہ عقیدے کے بارے میں دیتے رہتے ہیں، کیونکہ اس کل سے مراد صرف

وہ کل اشیاء ہیں جن سے آدم اور اولادِ آدم کو واسطہ پڑنا تھا جیسا کہ حضراتِ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے، ورنہ اگر اس کا وہی عموم مراد لیا جائے جو کہ اہلِ بدعت لیتے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرتِ آدم نے سب کچھ جاننے کے باوجود شیطان سے دھوکہ کیوں کھایا؟ جس کے نتیجے میں ان کو جنت سے بھی نکلنا پڑا؟ سو یہ ایک کھلی دلیل اور واضح ثبوت ہے اس بات کا، کہ حضرتِ آدم نہ عالمِ غیب تھے اور نہ ہی مختارکل، جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اوران کو وہی علم دیا گیا تھا جسکی ان کو اور ان کی اولاد کو ضرورت پیش آسکتی تھی۔

۱۰۳ آدم کا ذکر ''مُعلِّم ملائکہ'' کے اسلوب میں:۔ دقتِ تعبیر ملاحظہ ہو کہ فرشتوں کو جب ان چیزوں کے نام بتانے کو کہا گیا تو ان سے فرمایا گیا۔ ﴿اَنْۢبِئُوْنِیْ﴾۔ ''بتاؤ مجھے نام ان چیزوں کے'' اور آدم کو جب یہی بات ارشاد فرمائی گئی تو ان سے فرمایا گیا۔ ﴿اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾۔ ''بتاؤ ان (فرشتوں) کو نام ان چیزوں کے''، سو اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ آدم فرشتوں کے لئے استاذ اور معلم قرار دئے گئے۔ نیز یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آدمِ خاکی کا مرتبہ نوری فرشتوں سے بڑا ہے کہ آدم کو ان کا مسجود بھی قرار دیا گیا، اور معلم بھی۔ پس ثابت ہوا کہ اہلِ بدعت کا یہ سمجھنا کہ نوری کا مرتبہ خاکی سے بڑا ہوتا ہے، اور اسی بناء پر یہ لوگ حضراتِ انبیاءِ کرام کی بشریت کا انکار کرتے ہوئے ان کو نوری مخلوق ثابت کرنے کے لئے نصوص کی تحریف تک سے نہیں چوکتے، تو وہ سب سراسر غلط اور باطل و مردود ہے۔ کیونکہ بشر اور خاکی کا مرتبہ نوری سے کمتر نہیں، جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر ہے، اور بارِ خلافت کا اہل اور حقدار بھی حضرتِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے اسی خاکی مخلوق کو قرار دیا گیا۔ اور تاجِ خلافت و نیابت کے شرف سے بھی اِسی کو نوازا گیا، نہ کہ ان نوری فرشتوں کو، جو کہ ہمیشہ اسکی تسبیح و تقدیس اور عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ سو اس سے حضرتِ آدم کی عظمتِ شان بھی ظاہر ہوگئی اور علم کی فضیلت بھی۔ والحمد للہ۔

۱۰۴ سب غیب جاننا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت، سبحانہٗ وتعالیٰ:۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے سب غیبوں کو جاننا اللہ پاک ہی کی صفت وشان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کے سوا کسی کو بھی عالمِ غیب جاننا اور ماننا درست نہیں۔ بہرکیف اس سے یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ آسمان و زمین کے سب غیبوں کو جاننا خداوند تعالیٰ کی صفتِ خاص ہے، اس میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو بھی شریک ماننا شرک ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور قرآنِ پاک میں اس کے علاوہ دوسرے مختلف مقامات پر ۳۴۱ مرتبہ علمِ غیب کو خداوند تعالیٰ کی صفت کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے، لہٰذا حضرتِ حق جل مجدہٗ کے سوا کسی اور کے لئے علمِ غیب کا عقیدہ رکھنا بالکل شرکیہ عقیدہ ہے۔ حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غیب کا وہی علم حاصل تھا، جو ان کو بذریعۂ وحی ملتا تھا، اور جو ان کے مقام ومنصب کا تقاضا تھا اور بس۔ تمام کے تمام غیوب کو جاننا نہ تو ان حضرات کے مقام ومنصب کے لئے ضروری تھا، اور نہ ہی ان حضرات میں سے کسی نے کبھی اس کا کوئی دعوٰی ہی کیا۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو غیب (اور پوشیدہ) کہنا بھی دراصل بندوں کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ پاک سے تو کوئی بھی چیز مخفی نہیں کہ اسکی شان ہے۔ ﴿لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾۔ یعنی اس پر زمین وآسمان کی اس پوری کائنات میں کوئی بھی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں ہوسکتی۔

سبحانہٗ وتعالیٰ - پس غیب وشہود کی یہ تقسیم درحقیقت مخلوق کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ دوسرے مقامات پر ارشاد ہوتا ہے -﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ﴾- " وہ ایک برابر جاننے والا ہے نہاں اور عیاں کا" -سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۰۵ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سب کو ایک برابر جانتا ہے: -سو جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، یہی کہ آدم اور اس کی اولاد تو فساد برپا کرے گی، اور خونریزیاں کرے گی، جبکہ ہمارا کام ہی تیری تسبیح و تقدیس کرنا ہے، اور اس کے در پردہ جو بات تم چھپاتے ہو، وہ یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہم سے بڑھ کر مرتبہ کسی کا نہیں ہوسکتا، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے "لَنْ يَّخْلُقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ مِنَّا" ، " اللہ ہرگز ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو اس کے یہاں ہم سے بڑھ کر عزت والی ہو" (صفوۃ التفاسیر ج ا ص ۴۸، جامع البیان ج ا ص ۱۲ وغیرہ) بالفاظِ دیگر خلافتِ آدم کے ظاہر کے اعتبار سے جو مفاسد تمہیں نظر آئے اور ان کی بناء پر تم نے یہ سوال کیا تاکہ تم اس اصل حقیقت سے واقف و آگاہ ہوسکو، جو اس ظاہر کے پیچھے مخفی و مستور ہے، سو وہ تم پر عیاں کردی گئی۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ بھی پوری طرح جانتا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو، خواہ وہ اظہار کسی بھی شکل میں ہو اور وہ سب کچھ بھی اسے پوری طرح معلوم ہے جو تمہاری طبائع میں مخفی و مستور ہے (المنار وغیرہ)، اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی صفت و شان ہے کہ عالمِ غیب وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ کوئی بھی اس میں اس کا شریک نہیں۔

۱۰۶ فرشتوں کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم و ارشاد: -یعنی تم ان کو سجدہ کرو ان کی تعظیم و تکریم کے لئے، ان کے اس علم کی بناء پر، جس سے ان کی فضیلت اور فوقیت تم پر ظاہر ہوچکی ہے۔ سو اس سے واضح ہوگیا کہ اصل شرف اور تفوّق کا مدار علم پر ہے، نہ کہ محض عبادت پر (تفسیر التحریر والتنویر لابنِ عاشورؒ) اس طرح یہ سجدہ ایک طرف تو حضرتِ آدم کے استحقاقِ خلافت و نیابت کا اقرار و اعتراف تھا۔ اور دوسری طرف یہ دراصل اس بات کا عہد و اقرار بھی تھا کہ مہماتِ خلافت اور فرائضِ نیابت کی انجام دہی میں، فرشتے حضرتِ آدم کی معاونت و مساعدت کریں گے۔ اس طرح یہ سجدہ جو کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ ہی کے حکمِ صریح کی تعمیل و بجا آوری کے لئے تھا، اور ان خاص حکم و مصالح کی بناء پر تھا، جن کا علم و احاطہ اللہ تعالیٰ ہی کو ہوسکتا ہے، اسکا حکم و جواز اسی وقت کے لئے تھا اور بس۔ ورنہ اصل یہی ہے کہ سجدہ خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا ہو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے، اس کے علاوہ کسی اور کیلئے یہ نہ کبھی جائز تھا نہ جائز ہے۔ سابقہ شریعتوں میں بھی جن دوسری صورتوں میں کہیں یہ پایا گیا۔ وہ محض استثنائی حالات کے اعتبار سے تھا، ورنہ انتہائی عاجزی کے اس مظہر یعنی سجدے کا یہ عمل صرف اور صرف اسی ذات وحدہٗ لاشریک کا حق ہے، جو سب سے بڑی، اور تمام عظمتوں کی مالک و مستحق ذات ہے، یعنی اللہ رب العزت سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی لئے شریعتِ اسلامیہ جو کہ گزشتہ تمام شرائع سماویہ کی مکمل اور ان کی ناسخ ہے، اس میں جابجا اور طرح طرح سے اس امر کی تصریح و تاکید فرمائی گئی ہے کہ اب سجدہ اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی نوعیت و شکل کا سجدہ ہو۔ پس جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور کیلئے سجدہ کرے گا وہ ایک امرِ حرام اور شرک کا ارتکاب کرے گا - والعیاذ باللہ العظیم-

وَاسْتَكْبَرَ ق وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ

اور وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ ۱۰۷ میں مبتلا ہوا اور وہ (علم الٰہی میں پہلے سے ہی) ۱۰۸ کافروں میں سے تھا، اور ہم نے کہا (آدم سے کہ) اے آدم

اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا

رہو تم بھی، اور تمہاری بیوی بھی، جنت میں، اور کھاؤ (پیو) تم اس میں بفراغت جہاں سے چاہو، ۱۰۹ مگر

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا

اس درخت کے قریب بھی نہیں پھٹکنا ۱۱۰ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے، مگر آخر کار شیطان نے پھسلا دیا ان دونوں کو اسی درخت کی

الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ص وَقُلْنَا اهْبِطُوْا

بناء پر ۱۱۱ اور اس نے نکال دیا ان دونوں کو ان نعمتوں سے جن میں وہ (رہ رہے) تھے، اور حکم دیا ہم نے (آدم اور حوا کو) ۱۱۲ کہ اتر جاؤ تم

۱۰۷ استکبار باعثِ محرومی وہلاکت، والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ "استکبار" یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ ہلاکت و تباہی کا باعث ہے، والعیاذ باللہ سو شیطان نے اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں سجدہ کرنے سے انکار کر کے ہلاکت کی راہ کو اپنایا اور اپنی برائی کے اس گھمنڈ کی وجہ سے اس نے سجدے سے انکار کر دیا، کہ میں اپنی اصل کے اعتبار سے جو کہ آگ ہے، افضل اور بہتر ہوں آدم سے، جو کہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ تو پھر میں اس کو سجدہ کیوں کر کروں، جیسا کہ دوسرے مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے، مثلاً سورہ اعراف میں اس لعین کی اس سخن سازی اور منطق بازی کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے ﴿قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (الاعراف: ۱۲) حالانکہ اس ملعون کے اس مفروضے کے مقدمات اور صغرے کبرے سب ہی غلط اور سرے سے بے بنیاد ہیں۔ وَالتَّفْصِيْلُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ - اگر حضرتِ حق جل مجدہٗ کی طرف سے توفیق وعنایت شامل حال رہی، اور حیاتِ مستعار نے وفا کی تو ان شاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں اس پر دل کھول کر لکھیں گے۔ اب تو مقصدِ اختصار کے پیش نظر، قلم کو رہ رہ کر روکنا پڑتا ہے۔ اللہ کرے وہ وقت بھی جلد نصیب ہو جبکہ قلم کا یہ رہوار کھلے میدان میں اپنی خواہش و مرضی کے مطابق کھلا چلے، مگر حق و صداقت کی حدود کے اندر، کھلے اور جیسے چاہے چلے۔ وَمَا ذَالِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ - وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى - حضرتِ حق جل جلالہ کے حضور اور اسکے صریح حکم وارشاد سے اس کی سرتابی میں ابلیس لعین کی اس منطق بازی سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ حق سے منہ موڑ کر محض اپنی نسلی اور خلقی وفطری اصلیت اور عصبیت کی بنا پر اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنا، محض شیطانی دھوکہ، اور ابلیسی فریب، اور دجل وتلبیس ہے، جس نے دنیا میں ہمیشہ ہولناک تباہیوں کو جنم دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جس کی آج کی تازہ مثال مغربی اقوام اور خاص کر سرب قوم کی وہ ننگی جارحیت اور کھلم کھلا بربریت ہے، جو وہ قلبِ یورپ میں واقع چھوٹے سے مسلمان ملک بوسنیا ہرزگوینا پر گزشتہ تین سال سے علی الاعلان جاری رکھے ہوئے ہے، اور جسکے دوران لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے مسلسل ہولی کھیلی گئی اور لگا تار کھیلی جا رہی ہے۔ اور

قصور ان کا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ مسلمان ہیں، مگر سربی قوم کے درندے ہیں کہ قومیت کے جھوٹے گھمنڈ اور زعم میں چور اپنے لئے نارِ دوزخ کا زیادہ سے زیادہ سامان کرنے اور ایندھن جمع کرتے میں دن رات مصروف ہیں، اور ان نہتے مسلمانوں پر وہ ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ - اَللّٰهُمَّ أْجُرْنَا فِیْ مُصِيْبَتِنَا وَاخْلِفْ لَنَا خَيْرًا مِّنْهَا - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ-

۱۰۸ ابلیس کے چھپے کفر کا اظہار: - یعنی اسکے کفر کا ظہور اگرچہ اب اور اس خاص موقع پر ہوا مگر وہ تھا پہلے ہی سے کافر، جو کہ حضرتِ حق جل جلالہ کے علم میں تھا۔ پس اس صورت میں "کان" یہاں اپنے ظاہر پر ہے، اور یہی جمہور کی رائے ہے۔ "وَالْجَمْهُوْرُ عَلٰى اَنَّ الْمَعْنٰى وَكَانَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" - (تفسیر المنار) اور بعض حضراتِ مفسرین نے یہاں پر "کان" کو "صار" کے معنی میں لیا ہے، یعنی یہ کہ وہ لعین اپنے اس انکار واستکبار کی بنا پر کافروں میں سے ہوگیا، مگر ابن فورک وغیرہ نے اسکو خطاء قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات اصول وضوابط کے خلاف ہے (نفس المرجع)۔ لیکن جمہور اہلِ علم سے بہرکیف یہ دونوں مطلب مروی ومنقول ہیں اور وہ اس کے معنیٰ ومطلب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں - " وكان في سابق علمه او صار من الكافرين " - (محاسن التاویل للقاسمی) بہرکیف اس ملعون کے کفر کا ظہور اس موقع پر ہوا جبکہ اس نے حکمِ خداوندی کو ماننے اور اس کے آگے جھکنے سے انکار کیا۔ اور مزید یہ کہ اس نے اپنے تمرد اور سرکشی کو حکمِ خداوندی کی تعمیل سے بہتر سمجھا جو کہ کفر بالائے کفر ہے - والعیاذ باللہ العظیم-

۱۰۹ آدم وحوا کیلئے جنت کی نعمتوں کی اباحت واجازت کا ذکر وبیان: - سو اس سے حضرت آدم وحوا کو جنت کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی پوری آزادی واجازت کا ذکر فرمایا گیا، سو ارشاد ہوا کہ ان سے فرمایا گیا تھا پس تم اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جہاں سے چاہو کھاؤ پیو اور جیسے چاہو فائدہ اٹھاؤ، نہ کسی محنت کی ضرورت، نہ مشقت کی، نہ ختم ہوجانے کا کوئی ڈر، نہ کسی کمی کا کوئی خطرہ، کہ جنت کی نعمتوں کی شان یہی ہے کہ نہ وہاں کوئی روک ہے نہ ٹوک، اور ان کی شان ہے - ﴿لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ - اور یہ اس لئے کہ جنت اور اسکی یہ نعمتیں اس اکرم الاکرمین کی طرف سے ضیافت ومہمانی ہیں جس کی رحمت وعنایت کا کوئی کنارہ نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ - بہرکیف حضرتِ حق - جل مجدہ - کی طرف سے حضرت آدم اور حوا دونوں کو ارشاد فرمایا گیا کہ تم اس جنت سے پوری وسعت اور فراغت کے ساتھ جہاں سے چاہو کھاؤ پیو۔ تاکہ اس طرح تم تمام ماکولات اور مشروبات کے آثار وخواص اور منافع ومضارِ سے آگاہ ہوسکو اور پھر اپنے اسی علم وتجربے کے مطابق دنیا کے ماکولات ومشروبات میں تصرف کرسکو اور زمین میں تمہارے لیے جو اشجار واثمار وغیرہ پیدا کیے گیے ہیں ان سے نفع اٹھا سکو اور ان کے مضار سے بچ سکو (معارف للکاندھلوی)

۱۱۰ شجرۂ ممنوعہ سے قرب کی ممانعت کا ذکر وبیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آدم وحوا کو شجرۂ ممنوعہ کے قریب پھٹکنے کی بھی ممانعت فرما دی گئی، تاکہ اس طرح تم حکم عدولی اور معصیت ونافرمانی کے اسباب وخطرات سے بھی دور اور محفوظ رہو۔ سو اس میں سدِّ ذرائع کی تعلیم ہے، جو کہ شریعتِ مطہرہ کی حکمتوں بھری تعلیماتِ مقدسہ کا ایک اہم عنصر ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ درخت کونسا تھا؟ تو اس کے متعلق قرآنِ پاک کی نصوصِ مطہرہ یا کسی صحیح حدیث میں کوئی تحدید وتعیین نہیں فرمائی گئی۔ البتہ حضراتِ مفسرین سے اس بارے مختلف اقوال منقول ہیں کہ یہ درخت گندم کا تھا، یا

انگور کا، یا انجیر کا، وغیرہ۔ مگر جب نصوصِ شرعیہ میں سے کسی میں اس کی تصریح و تعیین نہیں فرمائی گئی، تو از خود اسکی تعیین و تصریح کی نہ تو کوئی ضرورت ہے، اور نہ ہی اس بارے یقین و وثوق کے ساتھ کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔ سو جب کلامِ خداوندی میں اس کا ذکر مبہم طور پر آیا ہے تو اسے ابہام کے اس پردے میں ہی رہنے دیا جائے، کہ سلامتی اور بہتری کی راہ تو بہرحال یہی ہے، جیسا کہ محققین کا ارشاد ہے کہ ''اَبْہِمُوْا مَآ اَبْہَمَہُ الْقُرْاٰنُ'' ۔'' جس چیز کو قرآن نے مبہم رکھا ہو تم بھی اسکو مبہم ہی رہنے دو'' ۔ بہرکیف کوئی درخت وہاں پر ایسا تھا جسکے بارے میں حضرتِ آدمؑ سے بطور ابتلاء و آزمائش یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ تم اسکے قریب بھی نہ پھٹکنا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف آدم و حوا کو جنت میں پوری آزادی کے باوجود ایک خاص درخت سے روکا گیا تھا۔

۱۱۱ اِزلالِ شیطانی کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان نے آدم و حوا کو اسی درخت کی وجہ سے پھسلا دیا، جس سے ان دونوں کو منع کیا گیا تھا، سو ''عنہا'' کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں کہ یا تو اس کا مرجع جنت ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مطلب یہ کہ شیطان نے آدم و حوا کو دھوکہ دے کر جنت سے پھسلا دیا، صاحبِ جلالین وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور دوسرا احتمال اس ضمن میں یہ ہے کہ اس کا مرجع ''الشَّجَرَۃُ'' ہو، تب یہ '' عَنْ اَجْلِہ '' ہوگا یعنی ابلیس لعین نے اسی شجرۂ ممنوعہ کے ذریعے، اور اسی کی وجہ سے، حضرت آدم و حوا کو مبتلاءِ معصیت کر دیا، جس سے وہ لغزش میں واقع ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ اس دوسرے احتمال میں جو معنویت اور قوت ہے وہ پہلے احتمال میں نہیں، اسلئے راجح احتمال یہی معلوم ہوتا ہے اور طبریؒ وغیرہ جیسے محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے، (صفوۃ التفاسیر، معارف القرآن، محاسن التاویل، وغیرہ) اس قصہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضراتِ انبیاءِ کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ نہ عالم الغیب ہوتے ہیں، اور نہ ہی مختارِ کل، ورنہ ابوالبشر حضرتِ آدم جن کو حضرتِ حق جل مجدہ نے خود براہ راست ایک امر سے منع فرمایا تھا، وہ اس طرح شیطان کے دھوکے میں آکر اسکی خلاف ورزی کا ارتکاب نہ کرتے۔ پس اس سے اہلِ بدعت کے، حضرات انبیاءِ کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ اور دوسرے بزرگانِ دین کے بارے میں علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی جیسے شرکیہ عقائد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو راہِ حق و صواب سمجھنے کی، اور اس کو اپنانے کی توفیق بخشے، اور نفس و شیطان کی شرارتوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہرکیف ابلیس لعین نے اپنے مکر و فریب سے ان دونوں کو لغزش میں مبتلا کر دیا ۔ والعیاذ باللہ ۔ جس کے نتیجے میں ان دونوں کو وہاں سے نکلنا اور وہاں کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۱۲ ''اِہْبِطُوْا'' کے صیغۂ جمع سے مقصود و مراد؟: ۔ یعنی ''اِہْبِطُوْا '' کے صیغۂ جمع سے مراد تثنیہ ہے اور خطاب اس میں حضرت آدم و حوا سے فرمایا گیا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے ۔﴿قَالَ اہْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًاۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ ۔ [طٰہٰ: ۱۲۳] اور آدم و حواء چونکہ اصل اور منبع ہیں اپنی جملہ ذریت کے لئے، اور آپ کی تمام ذریت بھی بالتبع اس حکم و ارشاد میں داخل اور اس کی مخاطب ہے، اسلئے خطاب بصیغہ جمع فرمایا گیا ہے (روح، وصفوۃ، وغیرہ) جبکہ بعض سلف کے نزدیک یہ خطاب آدم حوا اور ابلیس تینوں کے اعتبار سے ہے، اور یہی مروی ہے حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد وغیرہ سے، (المراغی وغیرہ)۔ یعنی ان تینوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم یہاں سے اتر جاؤ، اس حال میں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو ؤ گے۔ سو معاصی و ذنوب کا ارتکاب انسان کو منصۂ عز و شرف سے گرا کر قعرِ مذلت میں پہنچا دیتا ہے، جبکہ تقوٰی و طہارت سے اسکے مرتبہ و مقام میں اضافہ ہوتا ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے ۔ آمین ثم آمین۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ

اس حال میں کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے ۱۱۳ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور برتنے (استعمال کرنے) کا سامان،

اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ

ایک (مقرر) وقت تک ۱۱۴ پھر سیکھ لئے آدم نے کچھ کلمے اپنے رب کی طرف سے ۱۱۵ تب اس (کے رب) نے اس کی توبہ قبول فرمالی ۱۱۶

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ۱۱۷ نہایت ہی مہربان ہے، ۱۱۸ ہم نے کہا اتر جاؤ تم یہاں سے سب کے سب،

۱۱۳ منہیات کا ارتکاب باعثِ خسارہ ونقصان: -سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ خداوند قدوس کی منع کردہ اشیاء کے اپنانے اور اختیار کرنے کا نتیجہ وا ثر فضائل سے محرومی اور رذائل کے ابھرنے کا باعث ہے، والعیاذ باللہ چنانچہ حضرت آدم وحوا کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا گیا کہ اس شجرۂ ممنوعہ کے کھانے سے تمہارے اندر حسد، کینہ، اور عداوت ودشمنی وغیرہ کے ذمائم پیدا ہو گئے اور جنت چونکہ ایسی چیزوں کا محل اور مقام نہیں ہو سکتی، لہٰذا تم اس سے نکل جاؤ کہ ایسی چیزوں کی جگہ زمین اور دنیا ہے، سو اس کا مشاہدہ اس دھرتی پر آج تک برابر کیا جا رہا ہے۔ شیطان ملعون کی ازلی دشمنی کے علاوہ خود اولادِ آدم کی باہمی عداوت سے آج پوری روئے زمین آگ اور خون سے بھری ہوئی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جگہ جگہ جنگیں ہو رہی ہیں، گنہگاروں اور بے گناہوں سب ہی کا خون بہہ رہا ہے، قتل وخونریزی کا بازار گرم ہے، خون کی ہولی جگہ جگہ اور طرح طرح سے کھیلی جا رہی ہے، عزتیں لوٹی جا رہی ہیں اور عصمتیں تار تار ہو رہی ہیں وغیرہ، سو معاصی وذنوب کا ارتکاب بہرحال باعثِ ہلاکت وتباہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وانحراف۔

۱۱۴ زمین میں قیام وقرار ایک مقررہ وقت تک کے لیے: -سو آدم اور اولادِ آدم کو بتا دیا گیا کہ تمہیں زمین میں ایک مقررہ مدت تک ہی رہنا ہوگا اور بس۔ اسکے بعد تم سب کو بہرحال لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہوگا ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ﴾ اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، سو زمین میں تمہارا قیام، اور وہاں تمہارا ٹھہرنا، ہمیشہ کا نہیں ہوگا، بلکہ ایک محدود ومقررہ مدت تک ہوگا، جو کہ درحقیقت اختیار وآزمائش کی مدت ہوگی، اسکے بعد تم سب نے بہرحال اپنی آخرت اور اپنے مصیرِ محتوم کی طرف لوٹنا ہے۔ سو جس نے اس دوران وہاں پر اپنی اصلاح کر لی اور وہ ایمان اور عملِ صالح کی دولت کے ساتھ وہاں سے لوٹا تو وہ واپس آ کر اسی جنت کی سدا بہار نعمتوں سے ہمیشہ ہمیش کے لئے مستفید وفیض یاب ہوگا، اور جو اس توفیق وسعادت سے محروم رہا، تو اسے واپس آکر دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیش کیلئے جلنا ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو دنیا ایک ابتلاء وآزمائش کا مقام ہے اور بس۔ اور یہاں کا قیام دائمی نہیں، عارضی اور ایک محدود مدت تک کے لیے ہے۔

۱۱۵ آدم کے کلماتِ توبہ سے مقصود ومراد؟: -سو حضرتِ آدم کو کلماتِ توبہ کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی تاکہ وہ انکے

ذریعے رب کی طرف رجوع کر سکیں، سو یہ اس وحدہٗ لاشریک نے اپنی شانِ کرم اور اپنی اس رحمت و عنایت کی بناء پر جو کہ اسکو اپنے بندوں سے ہے، حضرت آدم کو القاء والہام فرما دیئے تھے، تاکہ حضرتِ آدم ان پاکیزہ کلمات کے ذریعے اسکے حضور توبہ اور معافی کی درخواست پیش کر سکیں، چنانچہ آدم نے ایسے ہی کیا، جس پر رحمتِ خداوندی نے ان کو پھر اپنی آغوش میں لے لیا، جیسا کہ ﴿تَابَ عَلَیْهِ﴾ کی تصریح سے ظاہر ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ کلمات کونسے اور کیا تھے؟ تو سورۂ اعراف کی تیئسویں آیتِ کریمہ میں خود حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے ان کو بیان فرما دیا گیا ہے، کہ وہ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ الخ کے دعائیہ کلمات تھے۔ جمہور علماء و مفسرینِ کرام کا قول یہی ہے، جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ربیع ابن انس اور قتادہ، وغیرہ۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، اور صفوۃ البیان، وغیرہ)۔ اسی لئے علامہ رشید رضا مرحوم نے جزم و یقین کے ساتھ اسی قول کو اختیار کیا ہے، ملاحظہ ہو تفسیر المنار)۔ اس ذیل میں بعض تفاسیر میں جو بعض دوسری دعاؤں کا ذکر آتا ہے، تو وہ محض تکمیل و تذییل کا درجہ رکھتی ہیں، جن کو اس دعاء کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے، ورنہ اصل دعا یہی ہے۔ اس ضمن میں مستدرکِ حاکم کے حوالے سے جو روایت "یَارَبِّ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ" کے الفاظ کے ساتھ بعض کتابوں میں وارد و مذکور ہوئی ہے، اور اہلِ بدعت نے اپنی طبعی افتاد کے مطابق اسی کو یہاں پر مدار قرار دیا ہے، تو وہ روایت محققین کے نزدیک ضعیف اور واہی روایت ہے۔ بلکہ جرح و تعدیل کے مشہور و معروف اور مسلم امام، امام ذہبیؒ نے اسکو موضوع قرار دیا ہے "قُلْتُ بَلْ مَوْضُوْعٌ" تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "قَاعِدَةٌ جَلِیْلَةٌ فِی التَّوَسُّلِ وَ الْوَسِیْلَةِ" لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ سو کلماتِ توبہ سے مراد وہی کلمات ہیں جن کا ذکر سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے۔

۱۱۶ آدم کی توبہ کی قبولیت کا ذکر و بیان: - اور اس طرح خصوصی رحمت و عنایت کا جو سلسلہ آپکی لغزش کی بنا پر آپ سے کٹ گیا تھا، وہ دوبارہ بحال فرما دیا گیا، کیونکہ توبہ کے معنی ہی لوٹنے اور واپس ہو جانے کے ہیں۔ سو بندہ جب اپنے کئے پر نادم ہو کر اپنے رب کے حضور معافی مانگنے کے لئے سچے دل سے لوٹتا اور رجوع کرتا ہے، تو اس کا ربِ کریم بھی اپنی رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت کی بناء پر اس پر پھر رجوع فرما لیتا ہے، اور اسکو دوبارہ اپنی رحمت کے آغوش میں لے لیتا ہے، کہ اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو توبہ کا دروازہ ایک عظیم الشان دروازہ ہے جسکے ذریعے بندہ اپنے رب کے حضور رجوع کرتا ہے، اور اپنے گناہوں کی معافی اور اپنے رب کی رضا و خوشنودی کے شرف سے مشرف و سرفراز ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں کی میل سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا "اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لا ذَنْبَ لَه" - سو توبہ و استغفار قدرت کی طرف سے بندوں کے لیے ایک عظیم الشان عطیہ و احسان ہے گناہوں کی میل کے ازالے کے لیے۔ ورنہ ہم جیسے گنہگار انسان کیا کرتے فاستغفر اللہ الذی لآ الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ۔

۱۱۷ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے: - اتنا بڑا توبہ قبول کرنے والا کہ زندگی بھر کے گناہوں کی میل سچی توبہ سے اسطرح مٹا دیتا ہے کہ گویا اس تائبِ صادق نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں تھا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی میں فرمایا گیا: "اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ" اگرچہ گنہگار کے گناہوں کے انبار آسمان کی بلندیوں کو ہی

کیوں نہ چھوڑ رہے ہوں، جیسا کہ صحیحین وغیرہ کی صحیح احادیث میں وارد ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ سچی توبہ اور ایمان وعملِ صالح کے نتیجے میں وہ گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی سترویں آیتِ کریمہ میں اس کا صریح ذکر و اعلان فرما دیا گیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اسکی شانِ کرم اور رحمتِ بے نہایت کے۔ جلَّ جَلَالُہٗ وَ عمّ نوالہ مگر توبہ کی اس عظمتِ شان اور بخشش و مغفرت کے اس اعلان و فرمان کے بارے میں یہ بات بھی واضح رہے کہ اس میں دو بنیادی شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ وہ شخص شرک اور اسکے شوائب سے پاک اور بری ہو، کیونکہ احادیث شریفہ میں "لایشرک بی شیئا"' "وہ میرے ساتھ شرک نہ کرتا ہو" کی تصریح اس ضمن میں موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ توبہ صحیح معنوں میں اور سچی اور حقیقی توبہ ہو، جس کو "توبۂ نصوح" بھی فرمایا گیا ہے۔ محض توبہ کی ظاہری شکل یا کچھ رٹے رٹائے الفاظ کا بے سوچے سمجھے وِرد و تکرار کافی نہیں اور محض ایسا کرنے سے، یہ مقصدِ عظیم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور سچی توبہ کے بنیادی طور پر چار ارکان ہیں۔ اول ندامت، کہ انسان اپنے کئے پر سچے دل سے نادم اور شرمندہ ہو، کہ میں نے ایسے کیوں کیا؟ دوم یہ کہ وہ اس گناہ کو چھوڑ کر اس سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جائے، یہ نہیں کہ گناہ کی میل میں تو اسی طرح ملوث رہے اور زبان سے میری توبہ، میری توبہ یا رب، کی رٹ لگائے جا رہا ہو، اور تیسرے یہ کہ دل سے یہ پکا اور پختہ عزم و ارادہ کرے کہ آئندہ یہ کام نہیں کرونگا، اور دلوں اور نیتوں کا معاملہ چونکہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا، اس لئے وہاں محض ظاہرداری سے کام نہیں چلے گا، بلکہ دلوں کا معاملہ اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ صحیح رکھا جائے اور صدقِ دل سے توبہ کی جائے، اور توبہ کی چوتھی شرط یا چوتھا رکن یہ ہے کہ اسکے ذمے جو حقوق واجب الاداء ہوں، ان کو وہ پورا پورا اداء کر دے، کہ دین اصل میں نام ہی ادائیگیٔ حقوق کی تعلیم کا ہے۔ سو ان آداب و شرائط کی اس طرح رعایت کے ساتھ جو توبہ کی جائے گی، وہ ان شاء اللہ سچی توبہ ہوگی، اور اسکی قبولیت کی حضرتِ حق جل مجدہ کی رحمت سے بھرپور امید رکھنی چاہیئے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ میرے اور میرے اہل وعیال اور متعلقین کے تمام صغیرہ وکبیرہ اور ظاہر و پوشیدہ گناہوں کو معاف فرما دے۔ آمین۔

۱۱۸ اللہ بڑا ہی مہربان ہے: - پس وہ صرف گناہوں ہی کو معاف نہیں فرماتا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے بھی نوازتا ہے، کیونکہ وہ "توّاب" کے ساتھ ساتھ "رحیم" بھی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور ایسا رحیم کہ اسکی رحمتوں کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ سو کس قدر محروم اور بدنصیب ہیں، وہ لوگ جو اس بے نہایت رحمتوں والے خداوندِ قدوس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس لیے بندے کا کام اور اسکی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے رب کی طرف رجوع رہے، اپنی کوتاہیوں اور تقصیرات سے اپنے ربِّ غفور وتواب سے معافی بھی مانگتا رہے، اور اس سے اسکی رحمت وعنایت کی دعاء و درخواست بھی کرتا رہے۔ سو بندوں کے لئے صحت وسلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے خالق و مالک کی طرف متوجہ رہیں اور اس سے رحمت وعنایت کی دعاء و درخواست کرتے رہیں۔ اور اس سے اس کی رحمت ہی کی امید رکھیں کہ اس کا کام اور اس کی شان ہی نوازنا اور رحمت فرمانا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فاغفرلی وارحمنی یا ارحم الراحمین۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ

پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت ۱۱۹ تو جس نے (صدقِ دل سے) پیروی کی میری ہدایت کی، تو ایسے لوگوں پر

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ۱۲۰ اور (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

میری آیتوں کو، تو وہ ساتھی (اور یار) ہونگے دوزخ کے، جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا، ۱۲۱

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے بنی اسرائیل ۱۲۲ یاد کرو تم میرے (طرح طرح کے) ان احسانوں کو جو میں نے تم پر کیے ہیں، ۱۲۳

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَ

اور پورا کرو تم میرے عہد کو، میں پورا کروں گا تمہارے عہد کو، اور تم خاص مجھ ہی سے ڈرو، ۱۲۴ اور

اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ

ایمان لاؤ تم لوگ اس کتاب پر جو میں نے (اپنی کامل اور آخری کتاب کی شکل میں اب) اتاری ہے، جو تصدیق کرنے والی ہے ۱۲۵

۱۱۹ بندوں کیلئے ہدایت کا وعدہ واعلان:۔ یعنی ایسی ہدایت جو میرے انبیاء ورسل کے واسطے سے تم لوگوں تک پہنچے، جس کا انتظام تمہاری بہتری و بھلائی اور رہنمائی کے لئے بہرحال کیا جائے گا، کیونکہ اپنے بندوں کیلئے راہِ حق و ہدایت کو واضح کرنے کا ذمہ ہم نے خود لے رکھا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى﴾۔ [اللیل:۱۲-۱۳] اور ہدایتِ خداوندی کا نور ہی وہ نور ہے جو انسان کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرتا ہے، اور اسکے بغیر انسان کیلئے اندھیرا ہی اندھیرا اور محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور ہدایت کی ضرورت انسان کو کھانے پینے کی ظاہری اور جسمانی ضرورتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور جب اس قادرِ مطلق نے انسان کی جسمانی اور ظاہری ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایسا حکمتوں بھرا انتظام فرمایا تو یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اسکی روحانی اور معنوی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہدایت کا انتظام نہ فرماتا۔ سو اس ربِ رحمٰن ورحیم نے اس کا بتمام وکمال انتظام فرمایا۔ فللہ الحمد رب العالمین۔

۱۲۰ ھُدٰی وھَوٰی کے دو راستوں کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کے سامنے "ھُدٰی" اور "ھَوٰی" کے دو راستے ہیں، اور حق اور ھُدٰی کی پیروی کرنے والوں کے لئے خوف واندیشہ، اور حزن وملال سے دوچار نہ ہونے

کی یہ عظیم الشان خوشخبری عام اور مطلق ہے، کسی خاص وقت یا خاص مرحلے کی تقیید وتحدید کا کوئی ذکر اس میں نہیں۔ پس یہ اپنے عموم واطلاق پر ہے، اور اہلِ حق مراتب و درجات کے تفاوت کے ساتھ اس سے ہمیشہ ہی سرشار وشاد کام رہتے ہیں، اور رہیں گے، کیونکہ خوف واندیشہ جو آئندہ کے بارے میں ہوتا ہے، کہ ایسے ہو جائے اور ایسے نہ ہو جائے وغیرہ۔ تو مومنِ صادق اپنے ایمان ویقین کی قوت کی بناء پر اس سے محفوظ ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس ایمان ویقین سے سرشار ہوتا ہے کہ جو ہونا ہے وہ بہرحال ہو کر ہی رہے گا، تو کسی اور سے ڈرنے اور اندیشہ رکھنے کی نہ ضرورت ہے، نہ کوئی وجہ، بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرو، اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اور دوسری طرف وہ اپنے اس عقیدہ وایمان کی بناء پر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے، کہ میرا رب چونکہ رحمٰن ورحیم ہے، لہٰذا وہ میرے لئے جو بھی کچھ کرے گا، اس میں میری بہتری اور بھلائی ہی ہوگی، خواہ مجھے سمجھ آئے یا نہ آئے، کیونکہ وہ پوری طرح جانتا بھی ہے، اور سنتا دیکھتا بھی۔ پس میرا تعلق اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ صحیح اور مضبوط رہنا چاہیئے، سو اپنے اس ایمان ویقین کی بناء پر، مومنِ صادق مصائب میں مبتلا ہونے کے دوران بھی، مطمئن اور خوش باش رہے گا، اور اس طرح اجر وثواب کی جو دولت وہ جمع کرتا جاتا ہے، وہ اسکے علاوہ ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا دولت ہے عقیدہ وایمانِ صادق کی یہ دولت جو انسان کو مصائب ومشکلات کے بھنور میں بھی ہنستا مسکراتا بنا دیتی ہے، جبکہ اس سے محروم انسان دنیا کی ظاہری اور مادی نعمتوں کی ہر طرح کی فراوانی وبھرمار اور جملہ آسائشوں کے باوجود، امن وسکون کی نعمت سے محروم اور دل کی گھٹن اور تنگی کا شکار رہتا ہے، جسکے لئے وہ طرح طرح کے مصنوعی ذرائع ووسائل کا سہارا لیتا ہے۔ پھر مومنِ صادق دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی اندیشۂ مستقبل اور غمِ ماضی کے بارگراں سے سبکسار، لذتِ ایمان سے سرشار اسطرح رخصت ہوتا ہے کہ ''چوں مرگ آید تبسم برلب اوست'' کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے، کیونکہ ماضی کے بارے میں اسکو یہ افسوس نہیں ہوتا کہ میں نے متاعِ زندگی کو بے راہ روی میں گزارا بلکہ وہ مسرور اور مطمئن ہوتا ہے کہ مجھے زندگی میں متاعِ ھُدیٰ کی اِتباع کی سعادت حاصل رہی جس کے ثمرات سے میرا رب مجھے اب پوری طرح نوازیگا، اور ملائکۂ رحمت زندگی کے اس پورے سفر کے دوران ایسے خوش نصیبوں کو ﴿اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ کی کیف آور لوریاں دیتے رہیں گے، اور پھر خوف واندیشہ اور حزن وملال سے محفوظ رہنے کی اس عظیم الشان خوش خبری کا اصلی ظہور ان کے حق میں آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں ہوگا جہاں ہر انسان کو اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بلا کم وکاست پورا پورا صلہ وبدلہ ملے گا، اور وہ وہاں پر اس سب سے بڑی گھبراہٹ یعنی ''فزعِ اکبر'' کی ہولناکیوں سے بھی محفوظ رہیں گے، جس نے ابناء کفر وضلال کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور اللہ پاک کے نوری فرشتے بڑھ بڑھ کر ان کا استقبال کرتے، ان کو سلام پیش کرتے، اور ان کو خوشخبریاں دے رہے ہونگے۔ جیسا کہ سورۂ انبیاء میں ارشاد فرمایا گیا، ﴿لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ھٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۳] - یعنی ''ان کو (قیامت کے دن کی) وہ سب سے بڑی گھبراہٹ بھی پریشان نہیں کر سکے گی، اور فرشتے وہاں بڑھ بڑھ کر ان کو لے رہے ہونگے (اور ان کے سرور کو دوبالا کرنے کے لئے ان سے کہا جا رہا ہوگا کہ) یہی ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا'' اور جیسا کہ سورۂ نمل میں فرمایا گیا ہے کہ ''وہ اس دن گھبراہٹ سے امن

میں ہونگے'' ﴿ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ﴾ [نمل:۸۹] اسطرح ان خوش نصیب بندگانِ خدا کے حق میں اندیشہ وخوف اور حزن وملال سے محفوظ رہنے کی اس عظیم الشان خوشخبری کا کامل ظہور آخرت میں اس روز ہوگا، جو کہ کشفِ حقائق، ظہورِ نتائج اور مشاہدۂ غیوب کا دن ہوگا۔ وہاں اگر ان کو کوئی غم اور افسوس کسی درجہ میں ہوگا بھی تو وہ صرف اس بات کا ہوگا کہ انہوں نے اس یومِ عظیم کے لیے اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ کمائی کیوں نہ کی۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں حضرت نبی معصوم۔علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ اسطرح وارد ومنقول ہے۔ اللہ تعالیٰ زندگی کے ہر لمحے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

۱۲۱ اِتّباعِ ہوٰی کا نتیجہ ہلاکت وتباہی ۔والعیاذُ باللہ:- سو ھوٰی کے راستے کو اپنانے کا نتیجہ وانجام، دوزخ کا ہمیشہ کا عذاب اور ہلاکت وتباہی۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسے بدبختوں کو اپنے کفر وانکار اور تکذیب واعراض کے نتیجے میں اس ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ۔ پس معلوم ہوا کہ حق سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور حق سے سرفرازی حقیقی کامیابی اور فائز المرامی کی شاہ کلید ہے۔ نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ راستے دو ہی ہیں ایک اتباعِ ہُدٰی یعنی حق وہدایت کی پیروی کا راستہ، جو کہ سراسر خیر، سلامتی، اور حقیقی وابدی کامیابی کا راستہ ہے، اور دوسرا اتباعِ ھَوٰی یعنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کا راستہ، جو کہ تباہی اور ہلاکت کا راستہ ہے، مگر افسوس کہ اسکے باوجود دنیا کی عظیم اکثریت اور خاص کر مغرب ومشرق کی مادہ پرست اور دنیوی ترقی کے گھمنڈ سے مخمور اکثریت آج ہلاکت وتباہی کے اسی راستے پر چلی جارہی ہے، اور اس ضمن میں حق وصداقت کی کوئی آواز ان کے دل ودماغ تک پہنچ ہی نہیں پاتی۔ انہوں نے اپنے دل ودماغ کو اس سے بالکل بند اور مقفل کر رکھا ہے، اور ان کی زندگی کی گاڑی صرف اسی محور پر گھوم رہی ہے کہ نفس کی خواہش کی تکمیل کس طرح کی جائے اور بس۔ جو کہ تمام خرابیوں سے بڑی خرابی اور تمام فتنوں اور مہالک کی جڑ بنیاد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۲۲ اسرائیل کا معنٰی اور اس لفظ سے خطاب کرنے کی وجہ؟:- اسرائیل دراصل عبرانی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی عبداللہ کے آتے ہیں، یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے اور یعقوب کی بجائے اس نام کے ذریعے خطاب کر کے دراصل بنی اسرائیل کو اس عقیدۂ توحید کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے، جس کی دعوت حضرت یعقوب زندگی بھر دیتے رہے، مگر بنی اسرائیل نے بعد میں طرح طرح کی شرکیہ آمیزشوں سے بگاڑ کر اسے کچھ کا کچھ بنا دیا تھا۔ اور اسطرح عقیدۂ توحید کی اس اصل اساس وبنیاد ہی کو ان لوگوں نے بدل کر رکھ دیا تھا جس پر دین کی پوری عمارت کا مدار وانحصار ہے، اور اس طرح ان ناہنجاروں نے دینِ توحید کو دینِ شرک بنا دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ''ہوسِ دنیا'' اور ''صاحبزادگی'' کے مرض کے نتائج اسی طرح کے گل کھلاتے ہیں۔ اس طرح اس میں ان مسلمانوں کے لئے بھی بڑا درسِ عبرت وبصیرت ہے جنہوں نے آج اپنے دنیوی مفادات، وقتی فائدوں، اور گدی نشینیوں وغیرہ کے کاروبار کے لئے دین میں طرح طرح کی بدعات وخرافات کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ جس سے یہ لوگ دنیا کو راہِ حق سے ورغلاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

۱۲۳ تذکیرِ نعمت برائے شکرِ نعمت کا درس:- سو اس طرح تم لوگ میرے ان طرح طرح کے احسانات اور قسما قسم کی نعمتوں کو یاد کرو، جن سے میں نے تمہیں نوازا، تاکہ اسطرح تم اپنے منعم کا حق پہچان کر، راہِ راست کو اپنا سکو، اور خود اپنے بھلے کا سامان کر سکو، اور اس شکرِ نعمت کے تقاضے کے طور پر تم میرے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر ایمان لاؤ، جس کا سراپا تم لوگ اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہو، سو نعمت کی تذکیر و یاد دہانی اس اعتبار سے ایک اہم مطلوب ہے کہ اس سے شکرِ نعمت کی

تحریک ہوتی ہے، اور شکرِ نعمت بذاتِ خود ایک عظیم نعمت ہے کہ اس نعمت سے اضافہ بھی نصیب ہوتا ہے اور برکت بھی ملتی ہے، اور نعمت کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ جبکہ اسکے مقابلے میں کفرانِ نعمت محرومی اور زوالِ نعمت کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ارشاد ہوتا ہے:۔﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ﴾۔[ابراہیم ۷]

۱۲۴ اللہ ہی سے ڈرنے کا درس:۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ ڈرنا اللہ ہی سے چاہیئے کہ وہی خالق و مالک اسکا اصل حقدار ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ تم مجھ ہی سے ڈرو کہ میں ہی اس قابل ہوں اور میرے ہی قبضۂ قدرت و اختیار میں ہر شئی کی زمام ہے ﴿ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴾، جسکو میں دینا چاہوں اسکو کوئی روک نہیں سکتا، اور جسکو میں محروم کردوں اسکو کوئی دلوانہیں سکتا، تو پھر تم لوگ خواہ مخواہ کے مخاوف میں مبتلاء ہوکر اوروں سے کیوں ڈرتے اور حق سے کیوں منہ موڑتے ہو؟ سو تقویٰ و پرہیزگاری بھی اسی سے ہونی چاہیئے کہ اسکا اہل اور حقدار بھی وہی ہے، اور مغفرت و بخشش کا سوال بھی اسی سے کرنا چاہیئے، کہ اسکا اہل اور حقدار بھی وہی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ فایاہ نسأل التوفیق لذالک والسداد والثبات علیہ۔ سو جب ہر قسم کا نفع ونقصان اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے تو پھر کسی اور سے ڈرنے کا معنیٰ ومطلب ہی کیا؟ اسی لیے یہاں پر حصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا۔﴿ وایای فارھبون ﴾۔ کہ "تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرو"۔

۱۲۵ قرآنِ حکیم کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں کیلئے تین طرح سے:۔ اور اس آخری کتاب یعنی قرآنِ پاک سے تمہاری کتابوں، یعنی تورات وانجیل، کی یہ تصدیق تین طرح سے ہو رہی ہے۔ ایک تو اس طرح کہ تمہاری کتاب میں اس کے بارے میں پیشینگوئی کی گئی تھی کہ آخری پیغمبر آئیں گے، جو ان اور ان صفات کے حامل ہونگے، اور ان پر نازل کی جانے والی کتاب اِس اور اِس شان کی ہوگی، سو اس آخری کتاب کا محض اس طرح آجانا ہی تمہاری کتابوں کی تصدیق ہے، ورنہ اگر بالفرض یہ کتاب نہ آتی تو خود تمہاری کتابیں اپنی ان پیشینگوئیوں میں جھوٹی قرار پاتیں، اور دوسرے یہ تصدیق اسطرح ہوتی ہے کہ اس آخری کتاب میں بھی اصولِ دین سے متعلق بنیادی طور پر وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو تمہاری کتابوں میں دی گئی تھیں، یعنی توحید، رسالت، اور آخرت وغیرہ۔ کیونکہ اصول سب آسمانی کتابوں میں ایک ہی رہے ہیں، اور تیسرے اسطرح کہ یہ کتاب اس بات کی تصریح کرتی ہے، کہ تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابیں بھی سب الہامی اور آسمانی کتابیں تھیں، جو اپنے اپنے وقتوں میں ہدایت ونور کا منبع وسرچشمہ تھیں۔ البتہ اب نجات وفلاح صرف اسی آخری کتاب یعنی قرآنِ پاک سے وابستگی میں منحصر ہے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ کتاب گزشتہ سب کتابوں کے اصل مضامین کی محافظ وامین، اور ان پر حاوی ومشتمل ہے، اور اسکے آنے کے بعد پہلی سب کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ اور یہ بات اپنی جگہ طے شدہ اور مُسلّم ہے کہ ناسخ کے آجانے کے بعد منسوخ پر عمل کرنا درست نہیں ہوتا۔ اور دوسرے اس لئے کہ پہلی آسمانی کتابوں میں اس قدر تحریف کر دی گئی کہ ان کو بدل کر کتابوں کو کچھ کا کچھ بنا دیا گیا، جبکہ یہ آخری کتاب جس طرح اتری تھی، اسی طرح آج بھی محفوظ ہے، اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔ پس اس پر اگر تم لوگ ایمان لاؤ گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا کہ ایک تو تمہیں حق وہدایت کا جوہرِ صافی نصیب ہوگا، اور دوسرے خود تمہاری اپنی کتاب پر ایمان کے تقاضے پورے ہونگے۔ ورنہ اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا ایمان خود تمہاری اپنی کتابوں پر بھی نہیں۔ ان پر ایمان کا تمہارا دعویٰ محض زبانی کلامی جمع خرچ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ

اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے، اور تم اس کے پہلے منکر مت بنو ۱۲۶ اور مت لو تم لوگ میری آیتوں کے بدلے میں (دنیائے دُوں کا)

فَاتَّقُوْنِ ۝۴۱ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا

گھٹیا مول ۱۲۷، اور تم خاص مجھ ہی سے ڈرو، ۱۲۸ اور نہ ملاؤ تم حق کو باطل کے ساتھ، اور مت چھپاؤ تم (نور)

الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

حق کو جانتے بوجھتے ۱۲۹، اور قائم کرو تم نماز کو (ایمان لا کر،) اور ادا کرو زکوٰۃ (طیب خاطر کے ساتھ) ۱۳۰

۱۲۶ بُرا نمونہ بننے سے اجتناب کی تعلیم و تلقین: - کہ اسطرح آئندہ تمہاری پیروی میں جو دوسرے لوگ کفر و انکار کی راہ اختیار کریں گے، اس کا بوجھ بھی تم لوگوں ہی پر لدتا چلا جائے گا، جس کے نتیجے میں تم نقصان در نقصان اور خسارہ بالائے خسارہ میں مبتلا ہوؤ گے - والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن - پس تم لوگ اس کا انکار کر کے برا نمونہ بننے کی بجائے اس پر ایمان لا کر اچھا نمونہ بنو، تاکہ تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی ایمان لے آئیں اور اس طرح ان کے ایمان کا اجر و ثواب بھی تم لوگوں کو ملے، سو انسان کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کیلئے برا نمونہ بننے سے بچے، اور ہمیشہ کے لیے اچھا نمونہ بننے ہی کی فکر و کوشش کرے، کہ اس میں نیک نامی بھی ہے، اور اجر و ثواب کی کمائی بھی۔ جیسا کہ صحیح اور مشہور و معروف حدیث میں حضرت نبیٔ معصومؐ سے وارد ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا، یعنی سنت کے مطابق کسی مردہ اور متروک عمل کو از سرِ نو اپنایا۔ یہ نہیں کہ کوئی بدعت جاری کی۔ تو اسکو اسکا اجر بھی ملے گا اور آئندہ جو کوئی اس طریقے پر چلے گا اسکا اجر بھی ملے گا۔ اور اسکے برعکس جس نے کسی برے کام کی بنیاد ڈالی یا کوئی بدعت ایجاد کی تو اس پر اسکا گناہ بھی ہوگا، اور آئندہ جو کوئی اس پر چلے گا اسکا گناہ بھی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور اچھے سے اچھا نمونہ بننے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین۔

۱۲۷ دولتِ حق و ہدایت کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان: - سو اس سے حق و ہدایت کی دولت کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے مقابلے میں پوری دنیا ایک ثمن قلیل اور گھٹیا مول ہے۔ سو حق کے مقابلے میں اس گھٹیا مول کو اپنانے سے ممانعت کر دی گئی۔ اس لئے کہ حق کے مقابلے میں اس گھٹیا مول کو اپنانا بڑے ہی ہولناک خسارے کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ ساری دنیا جب یوں بھی حق تعالیٰ کے نزدیک پر کاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، تو حق فروشی کے بدلے میں اسکی کوئی حیثیت و وقعت کس طرح ہو سکتی ہے؟ پس حق کے مقابلے میں اگر دنیا کی ساری دولت بھی مل جائے، تو بھی اسے لات مار دی جائے، کہ یہ بہرحال خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم - اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے کوئی ایسا علم جو اللہ کی رضاء و خوشنودی کیلئے حاصل کیا جاتا ہے، محض اس لیے سیکھا کہ اسکے ذریعے وہ کوئی دنیاوی مفاد حاصل کر سکے تو اسکو

قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق و ہدایت کی صراطِ مستقیم پر رکھے اور ہر طرح کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین - اللّٰھم لا تکلنا الٰی انفسنا طرفۃ اعین -

۱۲۸ ڈرنا اللہ تعالیٰ ہی سے چاہیئے :- کہ وہی اسکا حقدار اور اسکا اہل ہے، اس لیے فرمایا گیا کہ "تم مجھ سے ڈرو اور میرے غضب اور میری نافرمانی سے بچو کہ میری پکڑ بڑی ہی سخت ہے" اور اس سلسلے میں لوگوں کی رضا و ناراضگی کی پروا مت کرو، بلکہ تم لوگ ہمیشہ اپنے پیشِ نظر یہ بات رکھو کہ تمہارا معاملہ تمہارے اپنے خالق و مالک کے ساتھ کس طرح ہے، اسکی رضا اگر نصیب ہوگئی تو سب کچھ مل گیا، نہیں تو کچھ بھی نہیں ملا، کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - چنانچہ صحیح حدیث میں حضرت نبیٔ معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - سے وارد ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے خداوندِ قدوس کی رضا کو مقدم رکھا اگر اس سے لوگوں کو ناراض کرنا پڑے تو اس سے خدا بھی راضی ہو جائے گا - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اسکے بندے بھی راضی ہو جائیں گے - اور اگر اس کے برعکس کسی نے لوگوں کی رضا کو مقدم رکھا اور اسکے لئے خدا کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی - والعیاذ باللہ - تو اس سے خدا بھی ناراض اور بندے بھی ناراض کہ دل تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا اور حصر کے اسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب مجھ ہی سے ڈرو۔

۱۲۹ کتمانِ حق سے ممانعت :- بوجھ کر حق کو چھپانے کے ہولناک برم سے ممانعت :- سو جان بوجھ کر حق کو چھپانے کا جرم ایک ہولناک جرم ہے - والعیاذ باللہ - کہ جان بوجھ کر حق کو چھپانا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور گڈ مڈ کرنا، دوہرا جرم ہے، کہ اس میں اپنی محرومی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی حق سے محروم کرنا ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ) ۔ یعنی حق کو مت چھپاؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو کہ یہ حق ہے اور یہ باطل ۔ اور یہ کہ حق کو چھپانا بڑا سنگین جرم ہے کہ ایسے میں کتمانِ حق یعنی حق کو چھپانا اور بھی سنگین جرم بن جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - پس تم لوگ حضرت خاتم الانبیاءؑ سے متعلق ان نعوت اور صفات کو مت چھپاؤ جن سے تم واقف و آگاہ ہو، اور جو ان سے متعلق تمہاری کتابوں میں موجود ہیں، (صفوۃ، ابنِ کثیر وغیرہ) ۔ کہ اس طرح کر کے تم لوگ نورِ حق سے محروم ہونے اور محروم کرنے کے دوہرے جرم کے مرتکب ہوؤ گے جس کا انجام نہایت برا اور انتہائی ہولناک اور سنگین ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۳۰ زکوٰۃ بطیب خاطر ادا کرنے کی ہدایت :- کیونکہ "ایتاء" کا استعمال بطیبِ خاطر دینے ہی کے لئے ہوتا ہے، جیسا کہ "اتیان" بطیبِ خاطر آنے کے لئے ۔ پس زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے مالک کا حق سمجھ کر، اور اپنی بہتری و بھلائی کا ذریعہ جان کر بطیبِ خاطر کرو، نہ کہ بوجھ سمجھ کر - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو زکوٰۃ کی ادائیگی ایک عظیم الشان عبادت و سعادت ہے کہ اس سے ایک طرف تو اس خالق و مالک کا حق ادا ہوتا ہے جس نے مال و دولت کی ان تمام نعمتوں سے نوازا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اسکے نتیجے میں اسکی رضاء و خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور دوسری طرف اس سے اپنے باطن کا تزکیہ اور اسکی صفائی ہوتی ہے، اور تیسری طرف اس سے ضرورتمندوں کی ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے، معاشرے کی اصلاح اور بہتری ہوتی ہے، اور انسان کو ضرورت مندوں کی دعائیں ملتی اور اس طرح ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، سو عبادت اور خاص کر نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وہو الہادی الی سواء السبیل - اسی لیے قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر ان دونوں کا ایک ساتھ حکم دیا گیا ہے۔

الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

اور (دل وجان سے) جھک جاؤ تم (اپنے مالک حقیقی کے حضور،) دوسرے جھکنے والوں کے ساتھ ۱۳۱؎ کیا تم لوگ دوسروں کو نیکی کا

بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا

حکم دیتے ہو، اور بھولتے ہو خود اپنے آپ کو، (اور غفلت برتتے ہو تم اپنے بھلے سے) ۱۳۲؎ اور انحالیکہ تم خود کتاب بھی پڑھتے ہو ۱۳۳؎ کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا

لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۱۳۴؎ اور مدد مانگو تم (اپنے رب سے) ۱۳۵؎ صبر اور نماز کے ذریعے، ۱۳۶؎ بیشک یہ (نماز)

لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ

بڑی بھاری ہے مگر ان عاجزی کرنے والوں پر، ۱۳۷؎ جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں بہر حال ملنا ہے اپنے رب سے،

۱۳۱ رب کے حضور جھکنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جھک جاؤ تم اپنے خالق و مالک کے حضور۔ سو اپنے خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک جانے کی ہدایت ایک عظیم الشان ہدایت ہے، کہ وہی معبود برحق اس کا حقدار ہے کہ اسکے آگے جھکا جائے اور بس۔ اسکے سوا اور کسی کے بھی آگے جھکنا درست نہیں، اور اسکے سوا کسی اور کے آگے جھکنا انسان کی حد درجہ تذلیل ہے، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم مگر افسوس کہ اسکے باوجود آج کتنے ہی ایمان وتوحید کے دعویدار کلمہ گو ایسے ہیں جو یہاں اور وہاں، جگہ جگہ، اور طرح طرح کی چیزوں کے آگے جھکتے ہیں، اور اس طرح وہ اپنی تذلیل اور خداوند تعالیٰ کے غضب کا سامان کرتے ہیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم بہرکیف جھکنا یعنی رکوع وسجود جو کہ نہایت عاجزی اور فروتنی کے مظہر ہیں، یہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا حق ہے جو کہ سب کا خالق و مالک اور معبود حقیقی و برحق ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ اسکے حضور جھکنا اور اسکی رضاء کیلئے رکوع وسجود بجالانا اسکے بندوں کے ذمے اسکا حق بھی ہے، اور اسی میں اسکے بندوں کی عظمتِ شان اور سعادتِ دارین کا سامان بھی، کہ یہ رب کی رضاء وخوشنودی کے حصول اور اسکی نصرت وامداد سے سرفرازی کا سب سے اہم اور بنیادی ذریعہ ہے، اسی لیے نبی کریمؐ کے بارے میں وارد ومنقول ہے کہ جب آپؐ کو کوئی مشکل پیش آتی تو آپؐ نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے۔

۱۳۲ اپنی اصلاح کی فکر سب سے پہلے کرنے کی ضرورت:- سو اس ارشاد سے دوسروں کو ہدایت کرنے اور خود اپنے آپ کو بھول جانے کی مہلک روش سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دوسروں کو تو احکامِ تورات پر عمل کرنے کی تعلیم دیتے ہو مگر خود ایسا نہیں کرتے۔ یہ خطاب علماء یہود سے ہے۔ (تفسیر کبیر، وغیرہ) مزید یہ کہ جب مشرکینِ مکہ اور یہود کے اہلِ ایمان اپنے ان پیشواؤں سے اسلام کی حقانیت اور صداقت کے بارے میں پوچھتے تو وہ ان سے کہتے کہ بیشک یہ وہی نبی ہیں جن سے متعلق پیشگوئیاں ہماری کتابوں میں آئی ہیں، اور یہ وہی آخری

پیغمبر اور آخری دین ہے، جس کی ہمیں انتظار تھی، لہذا تم ان پر ایمان لے آؤ مگر خود ایمان نہیں لاتے تھے اس خوف سے کہ اسطرح ان کے دنیاوی مفادات متاثر ہو جائیں گے، اور نذرانے بند ہو جائیں گے، اس پر ان کو اس خطاب سے تنبیہ فرمائی جارہی ہے، کہ جان بوجھ کر " دیگراں رانصیحت اور خود میاں فضیحت" والا، معاملہ اپنانا کس قدر تعجب خیز اور افسوسناک ہے، (کبیر، مدارک اور قرطبی وغیرہ)۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر تم خود عمل نہیں کرتے تو دوسرں کو بھی نیکی کی تلقین وتبلیغ کرنا بھی چھوڑ دو، جیسا کہ بعض لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں کیونکہ اسطرح تو تبلیغ کا کام ہی بند ہو جائے گا، کیونکہ ایسا کون ہوگا جو ہر حکم پر خود پوری طرح اور کماحقہٗ عمل کرتا ہو، سو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو نیکی کا حکم دینے سے پہلے خود بھی عمل کرو۔ چنانچہ حضرت سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ " اسطرح تو تبلیغ کا کام ہی ختم ہو جائے گا" اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ " شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ لوگ اس طرح کے غلط خیالات میں پڑ کر فریضہء تبلیغ ہی چھوڑ دیں"، پس آیتِ کریمہ کا اصل مطلب یہ ہے کہ واعظ اور ناصح کو یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ دوسروں کو تو حق کی تبلیغ وتلقین کرے، اور خود اس سے محروم رہے، کہ اس میں اس کا اپنا ہی خسارہ ہے بلکہ اسکو پہلے خود اس کا نمونہ بننا چاہیئے - وباللّٰہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل - بہرکیف اس ارشاد سے اپنی فکر سب سے پہلے کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

۱۳۳ بے عمل علماء و وُعاظ کو تنبیہ وتذکیر:- سو اس میں ایسے عالموں اور واعظوں کی مذمت موجود ہے جو خود عمل نہیں کرتے، یعنی جب تم لوگ خود کتاب پڑھتے ہو تو پھر بھی تمہارا عمل وکردار یہ ہے، آخر کیوں؟ سو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تم لوگوں کا خود اپنی کتاب پر بھی ایمان ویقین نہیں ورنہ تمہارا حال یہ نہ ہوتا، سو اس میں ان بے عمل علماء و وعاظ کو تنبیہ وتذکیر ہے جو دوسروں کو تو وعظ ونصیحت کرتے ہیں مگر اس پر خود عمل نہیں کرتے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسے لوگ وعظ ہی چھوڑ دیں۔ نہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنی بے عملی کو ترک کر کے سچے عمل وکردار کا نمونہ پیش کریں تاکہ دوسروں پر ان کی بات کا اثر ہو اور وہ ان کے اسوہ اور قدوہ پر عمل کریں اور ان کے لئے دوہرے اجر و ثواب کا باعث بھی - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وھو الہادی الی سواء السبیل، بکل حال من الاحوال -

۱۳۴ عقل سے صحیح طور پر کام لینے کی تعلیم وتلقین:- سو اس غرض کیلئے ارشاد فرمایا گیا، اور تحریک وتحضیض کے طور پر بطور سوال واستفہام ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے کہ اس طرح حق و ہدایت سے منہ موڑتے ہو، حالانکہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ- اور تم لوگ جانتے بوجھتے حق سے محروم رہتے ہو، حالانکہ حق سے محرومی درحقیقت ہر خیر سے محرومی ہے، تو تم کیسے لوگ ہو جو جانتے بوجھتے اتنے بڑے نقصان کو اپناتے ہو، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہود اپنے رشتہ داروں سے کہتے کہ تم محمد پر ایمان لے آؤ کہ وہی پیغمبرِ آخر الزمان ہیں جن کے بارے میں پیشینگوئیاں ہماری کتابوں میں پائی جاتی ہیں، مگر وہ خود ایمان نہیں لاتے تھے، تو اس پر ان لوگوں کو اس ارشادِ ربانی میں جھنجھوڑا جارہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عالمِ باعمل کی مثال اس شمع کی سی ہے جو دوسروں کو تو فائدہ پہنچاتی ہے مگر خود جلتی جاتی ہے۔ (المراغی، المعارف، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور صحیحین وغیرہ میں نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے

روز ایک شخص کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اسکی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی، پھر وہ انکے گرد ایسے پھرے گا جیسا کہ گدھا چکی کے گرد پھرتا ہے، تو اہلِ جنت اسکے پاس اکٹھے ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ اے فلاں کیا تو وہی شخص نہیں ہے جو ہمیں نیکی کی تعلیم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا؟ اس پر وہ کہے گا ہاں میں وہی شخص ہوں لیکن میرا حال یہ تھا کہ میں تم لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا تھا مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا، اور تم کو برائی سے روکتا تھا لیکن خود برائی کرتا تھا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو راہِ حق سے منہ موڑنا اور اعراض و روگردانی سے کام لینا اور نورِ حق و ہدایت سے محروم رہنا ہر خیر سے محرومی اور خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال۔

۱۳۵ مدد ہمیشہ اللہ ہی سے مانگنے کی تعلیم و تلقین: ۔ کہ مدد دینے والا بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے، جیسا کہ مشہور حدیث میں فرمایا گیا۔ ''اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰہَ ''۔ '' جب تم مدد مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو'' ۔ اسی لئے مومن کو تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں اپنے رب کے حضور اپنی عرض و التجاء اس طرح پیش کرے۔ ﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾۔ کہ '' مالک ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، اور مانگتے رہیں گے'' ۔ پھر یہاں پر جیسا کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بھی گزر چکا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ مدد و استعانت کی دو صورتیں ہیں ''ماتحت الاسباب'' اور ''مافوق الاسباب''۔ ماتحت الاسباب سے مراد وہ مدد ہے جو عام دنیوی اسباب و وسائل کے دائرہ میں ہو۔ جیسے کسی سے قرض لینا، کسی کو کسی کام کے لئے کہنا، ڈاکٹر سے دوا لینا وغیرہ۔ تو یہ مدد جب اسباب کے درجے میں ہی ہو تو دوسروں سے لینا جائز ہے، کہ اس عالمِ اسباب کا مزاج و تقاضا یہی ہے۔ اور دینِ حق نے اس بارے اپنی پاکیزہ تعلیمات میں بھی یہی درس دیا ہے، اور ہمارے پیغمبرؐ نے عملی طور پر بھی یہ سب کچھ ہمیں کر کے بتلایا ہے ۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ ۔ البتہ اس ضمن میں دینِ حق نے ہمیں یہ بھی سکھایا اور بتایا ہے کہ اس سلسلے میں بھی اصل نظر اسباب پر نہیں، بلکہ مسبب الاسباب پر ہونی چاہیئے کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جب کہ استمداد و استعانت کی دوسری قسم جو کہ عام اسباب سے ہٹ کر اور مافوق الاسباب طریقے سے ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت اور اسی کا خاصہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ایسی مدد نہ کر سکتا ہے، اور نہ ہی اسطرح کی کوئی مدد مخلوق میں سے کسی سے مانگنا جائز ہے۔ پس غائبانہ کسی کو مدد کے لئے پکارنا، یا کسی فوت شدہ ہستی سے مدد مانگنا خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہستی کیوں نہ ہو، یا کسی آستانہ اور قبر پر جھکنا اور وہاں کے پھیرے لگانا، وغیرہ سب ناجائز اور شرک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پس مومنِ صادق کے عقیدۂ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دل کا بھروسہ و اعتماد بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی پر رکھے، اور مدد و امداد بھی ہمیشہ اسی سے مانگے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ کہ وہی ہے ہر کسی کی مدد کرنے والا اور ہر کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرمانے والا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۳۶ صبر و صلوٰۃ کی اہمیت اور عظمتِ شان کا ذکر و بیان: ۔ سو اللہ تعالیٰ کی مدد سے سرفراز ہونے کیلئے یہ دو اہم ذریعے ہیں یعنی صبر اور صلوٰۃ:۔ پس مدد دینے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے مگر اس سے مدد لینے کے یہ دو عظیم

الشان ذریعے اور طریقے ہیں۔ پس جس قدر تم صبر وصلوٰۃ کی پابندی اور اس کا التزام واہتمام کرو گے، اسی قدر وہ قادرِ مطلق تمہیں اپنی نصرت و مدد اور عنایات سے نوازتا چلا جائیگا، کہ اس کا کام اور اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے کہ وہ اکرم الاکرمین ہے۔ پس مدد ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگی جائے اور اسکے دو بڑے ذریعے یہاں ارشاد فرمائے گئے ہیں، یعنی صبر اور نماز۔ اور صبر کی آگے تین صورتیں ہیں۔ ''صبر عن المعصیۃ'' یعنی برائی سے رکنا یعنی اسکو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دینا۔ جبکہ اسکی دوسری قسم ہے'' صبر علی الطاعۃ'' یعنی نیکی اور اطاعت پر جم جانا۔ یعنی اس پر پکا رہے اور استقامت سے کام لے۔ اور تیسری قسم صبر کی ہے'' صبر علی المکارہ والمصائب'' یعنی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر و برداشت سے کام لینا۔ اور یہ سب کچھ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت کے بغیر ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے سرفرازی کا ذریعہ نماز ہے، جو کہ ایک عظیم الشان اور بے مثال عبادت اور رب تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں سے فائز المرام ہونے کا ایک بے مثال ذریعہ و وسیلہ ہے، اس لیے صبر وصلوٰۃ کے ان دو وسیلوں اور ذریعوں سے رب تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید۔

۱۳۷ خشوع وخضوع کی عظمتِ شان: ۔ سو خشوع وخضوع کی صفت بڑی عظیم الشان اور اہم صفت ہے اور اسکا اثر ونتیجہ بھی بڑا اہم ہے۔ '' خشوع'' کا لفظ اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اس کا اطلاق اقوال و اصوات پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴾۔ '' اور آوازیں [اس روز] خدائے رحمٰن کے حضور ایسی پست ہو جائیں گی کہ تم ایک سرسراہٹ کے سوا کچھ سننے نہیں پاؤ گے ''۔ مگر اس کا اصل تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب دل جھک گیا، تو باقی تمام اعضاء و جوارح اور ان سے صادر ہونے والے افعال واعمال آپ سے آپ جھک پڑیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ اپنے خالق و مالک کے حضور صدقِ دل سے جھک جانا ہی شاہ کلید ہے۔ تمام کامیابیوں اور فائز المرامیوں کی، جیسا کہ سورۂ حج میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔﴿ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴾۔ یعنی'' خوشخبری سنا دو ان عاجزی کرنے والوں اور صدقِ دل سے اپنے رب کے حضور جھک جانے والوں کو''، جن کی یہ اور یہ صفات ہیں۔ یہاں پر یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کو یہ خوشخبری کس چیز کی سنائی جائے، اس لئے اس عموم واطلاق سے یہ بات خود ظاہر ہو جاتی ہے کہ ان کے لئے ہر اچھائی اور ہر خوبی کی خوشخبری ہے۔ پس ایسے'' خاشعین'' اور'' مخبتین'' کے لئے نماز ادا کرنا بھاری نہیں، بلکہ ان کیلئے اس کا چھوڑنا اور ترک کرنا بھاری ہوتا ہے، کہ نماز تو ایسوں کے لئے ایک ایسی لذت ہے کہ اس جیسی دوسری کوئی لذت ہو ہی نہیں سکتی، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:۔'' جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ'' ۔ کہ'' میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے ''۔ اسی لئے آپؐ فرمایا کرتے تھے۔ '' اَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنِيْ بِهَا ''۔'' بلال نماز قائم کر کے میرے لئے راحت و آرام کا سامان کرو'' جبکہ لذتِ یقین اور دولتِ خشوع سے محروم لوگوں کے لئے یہ نماز واقعی ایک کوہِ گراں ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لئے اسکو یہاں پر۔﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ﴾۔ کے تاکیدی الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، کہ ایسے لوگوں کیلئے نماز یقیناً بڑی ہی بھاری ہے کہ اس میں کئی چیزیں صبر آزما ہیں ۔'' واشتمالها علی ضروب من الصبر ''۔ (المحاسن وغیرہ)

ع ۵ / ۷ / ۵

أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رٰجِعُونَ ۝٤٦ يٰبَنِيٓ

(اور اس کے حضور پیش ہونا ہے،) اور انہیں (ہر صورت میں) آخر کار اسی کے حضور لوٹ کر جانا ہے، ف۱۳۸ اے بنی

إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي

اسرائیل یاد کرو تم میرے ان احسانوں کو جو میں نے (طرح طرح سے) تم پر کئے ہیں، ف۱۳۹ اور (خاص کر

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝٤٧ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ

میرے اس احسان کو کہ) میں نے تم کو فضیلت دی تمام جہانوں پر ف۱۴۰ اور ڈرو تم لوگ اس ہولناک دن سے جس میں نہ کوئی شخص

عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ

کسی شخص کے کچھ کام آسکے گا، نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا،

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝٤٨ وَإِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ

اور نہ ہی ان لوگوں کی (کہیں سے) کوئی مدد کی جائے گی ف۱۴۱ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے نجات دی تم کو (اپنی رحمت وعنایت سے)

اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ

فرعون والوں سے، جو کہ چکھاتے تھے تم لوگوں کو (طرح طرح کے) برے عذاب، تمہارے بیٹوں کو وہ چن چن کر

أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

ذبح کرتے، اور تمہاری بیٹیوں کو وہ (اپنی اغراض کے لئے) زندہ رکھ چھوڑتے ف۱۴۲ اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے ف۱۴۳

رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝٤٩ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنٰكُمْ

رب کی جانب سے، اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے پھاڑا سمندر کو تمہارے لئے راستہ بنانے کو ف۱۴۴ پھر ہم نے تم لوگوں کو تو بچا لیا مگر ہم نے غرق کر دیا

۱۳۸ **عقیدۂ آخرت ایک انقلاب آفریں عقیدہ :-** سو ایمان بالآخرۃ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا ایمان و یقین ایک عظیم الشان اور انقلاب آفرین عقیدہ۔ پس ایسے لوگوں کیلئے نماز کوئی بھاری نہیں بلکہ ان کیلئے ایک عظیم الشان قوت وسعادت ہے جن کو یہ یقین ہے کہ ان کو بہر حال لوٹ کر اپنے رب کے یہاں جانا ہے، اور وہاں پہنچ کر اپنے کئے کرائے کا بدلہ پانا ہے۔ اور وہاں کی کامیابی اور رب کی رضا سب سے بڑا مقصد اور سب سے بڑی

اور حقیقی غایت اور اصل کامیابی ہے، جس کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ یہی نماز ہے۔ پس اس یقین و ایمان کی بناء پر نماز ان کے لئے ایک نہایت ہی محبوب عبادت اور لذیذ عمل بن جاتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی دولت ہے یہ ایمان و یقین کی دولت، جو انسان کو ایسی قوت اور نشاط سے سرفراز کر دیتی ہے- اَللّٰهُمَّ زِدْنَا بِکَ اِیْمَانًا وَّ یَقِیْنًا- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ بہت بھاری ہے مگر ان خاشعین پر جن کا آخرت پر کامل اور پختہ یقین ہے کہ ان پر یہ بھاری نہیں بلکہ ان کے لیے تسکینِ قلوب اور تسلیہ صدور کا ذریعہ و باعث ہے -- جعلنا اللّٰہ منھم -

۱۳۹ تذکیر نعمت برائے شکرِ نعمت کا اِعادہ و تکرار:- یہاں پھر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تم میرے احسانات کو یاد کرو، تاکہ اس طرح میرا احسان مان کر اور اس کو یاد کر کے تم صدق دل سے میرے آگے جھک سکو، کیونکہ احسان مندی کا تقاضا یہی ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے "اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ" کہ "انسان تو احسان کا بندہ اور غلام ہے" اور اس طرح تم لوگ حق کو قبول کر کے اپنی سعادت مندی اور فائز المرامی کا سامان کر سکو۔ آگے ان احسانات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن سے بنی اسرائیل کی اس ناشکری اور احسان فراموش قوم کو حضرت حق جل مجدہٗ کی طرف سے جگہ جگہ اور طرح طرح سے نوازا گیا، سو یہاں سے لیکر اس پارہ کے خاتمے تک بنی اسرائیل کی انہی خباثتوں اور قباحتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو انہوں نے مختلف مواقع پر اور مختلف شکلوں میں کیں، سو اس طرح ان پر گویا فردِ جرم عائد کر کے یہ واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ اپنے ان اور ان کرتوتوں کی بناء پر امامت و پیشوائی کے منصب کے اہل نہیں رہے۔ لہٰذا اب انکو اس منصبِ عظیم اور شرفِ جلیل سے معزول کر کے انکی جگہ بنو اسماعیل کو امامت و پیشوائی سے مشرف و سرفراز کیا جاتا ہے، جو کہ اب قیامت تک انہی کے پاس رہے گا- والحمد للہ رب العالمین- سو شکرِ نعمت ایک عظیم الشان مطلب و مقصد ہے- وباللہ التوفیق-

۱۴۰ بنی اسرائیل کے سب جہانوں پر فضیلت رکھنے کا مطلب؟:- یعنی تمہیں جو فضیلت بخشی گئی ہے وہ تمہارے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے نہ کہ سب زمانوں کے اعتبار سے۔ کیونکہ یہ شرف تو امت محمدیہ کا حصہ اور اسی کا خاصہ ہے۔ اور خیر الامم کا لقب اسی کو ملا ہے۔ پس بنی اسرائیل کی یہ فضیلت و فوقیت ان کے اپنے زمانے کے اعتبار سے تھی اور بس، (جامع البیان، صفوۃ البیان اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ اور یوں بعض جزوی فضائل تو بے شک ایسے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا دنیا میں آج تک کسی کو نہیں بخشے گئے، مگر کلی فضیلت بہرحال ان کا حق نہیں۔ اور یہاں یہ بنیادی نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ تمام تر فضیلت دراصل اس بناء پر تھی کہ اپنے دور میں یہی وہ قوم تھی جو دینِ حق کی حامل اور عقیدۂ توحید کی علمبردار تھی جیسا کہ خود تورات وغیرہ میں بھی اسکی تصریح موجود ہے، اور "جیوش انسائیکلو پیڈیا" وغیرہ اور دوسری مختلف الہامی اور غیر الہامی کتب میں اسکی تصریح و تفصیل موجود ہے۔ پس اس کا طبعی تقاضا اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اپنی طرح طرح کی تحریفات سے کام لے کر عقیدۂ توحید کو بری طرح مسخ کر دیا، شرکیہ عقائد کو اپنا لیا، پیغمبر آخر الزمانؐ کا اور ان پر نازل ہونے والی آخری وحی اور آخری کتاب کا انہوں نے انکار کر دیا، اور حق کے علمبردار بننے کی بجائے وہ حق کے لئے سدِّ راہ بن گئے، تو وہ اپنی عظمت و فضیلت کے اس شرف و مقام سے محروم ہو کر قعرِ مذلت میں گر گئے، اور ہمیشہ کے لئے "مغضوب علیھم" قرار پا گئے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - لہٰذا اب ان کیلئے اس طرح کی کسی فضیلت و بزرگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اب تو وہ مغضوب و مطرود ہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -

۱۲۱ **قیامت کے یوم عظیم کی ہولناکی کا ایک اہم پہلو:-** کہ وہاں پر کوئی کسی بھی طرح کسی دوسرے کے کام نہیں آسکے گا:- مصیبت میں کسی دوسرے کے کام آنے کی بالعموم یہی چار صورتیں ہوسکتی ہیں کہ یا تو کوئی اسکی جگہ اپنی جان پیش کر دے، یا سفارش کر کے اسے چھڑا دے، یا پھر فدیہ اور مال پیش کر کے اس کو رہا کراوے، یا یہ کہ اپنی قوت بازو کی مدد سے اس کی جان بخشی کرا دے۔ پس یہاں پر ان چاروں صورتوں کی نفی فرما دی گئی ہے کہ نفسی نفسی کے اس عالم میں کوئی شخص ان میں سے کسی بھی طریق سے کسی دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا۔ واضح رہے کہ یہاں جس شفاعت و سفارش کی نفی کی گئی ہے، وہ اس مشرکانہ شفاعت و سفارش کی نفی ہے، جس کا عقیدہ اہل شرک رکھتے تھے، کہ ہم کچھ بھی کریں فلاں فلاں ہستیاں ہمارا کام بنا دیں گی، اور وہ روٹھ کر اور لڑ کر اور اڑ کر ہمیں چھڑوا دیں گی، کہ وہ بڑی پہنچی ہوئی ''سرکاریں'' ہیں۔ ان کی بات رد نہیں کی جاتی۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی ان کے آگے'' وغیرہ۔ جس طرح کہ آج بہت سے کلمہ گو مشرک بھی اسی طرح کے خود ساختہ عقیدوں اور مصنوعی سہاروں کی بناء پر نہ عمل کی فکر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ضرورت سمجھتے ہیں- والعیاذ باللہ- ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم نے فلاں ہستی کا دامن پکڑ رکھا ہے، جو بڑی ''پہنچی ہوئی سرکار'' ہیں، وہ ہمارا سب کام خود کرا دیں گی۔ ''ہماری ان کے آگے اور ان کی اُن کے آگے''۔ وہ ہماری سنتا نہیں اور انکی رد نہیں کرتا۔ پس ہمارا کام ہے کہ ہم اپنے نذرانوں وغیرہ کے ذریعے اپنی انہی ''سرکاروں'' کو خوش رکھیں۔ آگے ہمارا سب کام یہ خود ہی کرا دیں گی وغیرہ۔ اس لئے ایسے لوگ نمازوں کی پابندی، عقائد کی اصلاح، قرآن پاک کی تعلیم، فریضہ زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی وغیرہ وغیرہ احکام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - پس اس آیت کریمہ اور اس طرح کی دوسری نصوص طیبہ سے دراصل اسی طرح کے مشرکانہ عقیدۂ شفاعت و سفارش کی نفی مقصود ہے۔ رہ گئی وہ شفاعت جو شریعت مقدسہ کے ارشادات عالیہ اور تقاضائے عقل و نقل کے مطابق ہوگی، اسکی نفی نہیں۔ اس کا ثبوت تو نصوص قرآن و سنت سے صراحۃً ملتا ہے۔ اور اسکے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ سفارش کرنے والا اس کا اہل ہو، اور اسکو اسکی اجازت ملی ہو۔ اور دوسرے یہ کہ جس کے لئے سفارش کی جائے وہ اس قابل ہو کہ اسکی سفارش کی جاسکے۔ یعنی اس کا جرم قابل معافی ہو، اور یہ دونوں باتیں اللہ پاک ہی کے علم اور اسی وحدہٗ لاشریک کی مرضی پر، اور اسی کے اختیار میں ہیں۔ پس شفاعت و سفارش کا معاملہ اسی کے اذن پر موقوف ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر اسکی تصریح موجود ہے مثلاً سورۂ طٰہٰ میں ارشاد ہوتا ہے-﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾-[طٰہٰ:۱۰۹]۔ اور سورۂ سباء میں ہے ارشاد ہوتا ہے-﴿وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾-[سبا:۲۳] اور سورۂ نباء میں ارشاد ہوتا ہے-﴿لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾[النبأ:۳۸] پس ان نصوص کریمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس شرکی اور بدعی شفاعت و سفارش کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، جو اہل ہوٰی نے اپنے تئیں گھڑ رکھی ہے۔ کہ فلاں فلاں ہستیاں اڑ کے بیٹھ جائینگی، اور منوا کے چھوڑیں گی، کہ ان کی بات رد نہیں کی جاسکتی وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسی سب باتیں اس طرح کے لوگوں کی خود ساختہ ہیں، جن کی نہ کوئی اصل ہے نہ اساس، نہ سند نہ ثبوت، محض ایسے لوگوں کے اپنے مفروضے ہیں اور بس- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم من کل

زیغ و ضلال وسوء وانحراف - بہرکیف اس روز انسان کو اپنا ایمان وعمل ہی کام آ سکے گا۔

۱۲۲ فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم کا ذکر و بیان :- سو اس سے فرعون کے بنی اسرائیل پر مظالم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور اس طرح اس ملعون کی طرف سے بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنے اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دینے میں تعذیب کا ایک خاص پہلو تھا۔ عورتوں کو زندہ رکھ چھوڑتے تاکہ ان سے طرح طرح کے فائدے اٹھائیں اور ظاہر ہے کہ غیرت مندوں کے لئے ان کی بچیوں کو اسطرح زندہ رکھ چھوڑنا، بیٹوں کے ذبح کرنے سے بھی بڑھ کر باعثِ اذیت ہوتا ہے، مگر غلامی کے اس ہولناک دور میں بنی اسرائیل کو اس ذلت آمیز عذاب میں مبتلا رکھا گیا تھا، اور ان کو یہ عذاب بہرطور برداشت کرنا پڑ رہا تھا کہ انکے پاس اسکے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ سو اللہ پاک نے محض اپنے فضل وکرم سے انکو اس رسواکن عذاب ''عذابِ مہین'' سے رہائی اور آزادی بخشی، مگر انہوں نے پھر بھی ناشکری اور حکم عدولی ہی سے کام لیا، اور بالآخر اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر رہے اور ہمیشہ کیلئے ذلت و رسوائی ان پر چپکا دی گئی۔ سو اللہ پاک کے احکام سے اعراض اور روگردانی کا نتیجہ بہت برا ہوتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۲۳ ''بلآء'' کا معنیٰ ومفہوم اور اسکی دو صورتیں ؟:- ''بلآء'' کے معنیٰ آزمائش کے بھی آتے ہیں، اور نعمت کے بھی۔ اس کا استعمال نعمت اور نقمت دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ (کبیر وغیرہ)۔ پس اگر یہاں پر ''ذالک'' کا اشارہ فرعونیوں کے ظلم وستم کی طرف مانا جائے تو ''بلاء'' کے معنی ابتلاء وآزمائش اور مصیبت کے ہوں گے۔ اور اگر یہ اشارہ ''اِنجاء'' یعنی فرعونیوں کے عذاب سے نجات و رہائی کے لئے مانا جائے تو اسکے معنی انعام اور نعمت کے ہونگے۔ اور بعض حضرات نے اسی کو ترجیح دی ہے مگر لفظ کے اصل مفہوم کے اعتبار سے ان دونوں کا احتمال ہے۔ (کبیر، روح، قرطبی، بیضاوی اور صفوہ وغیرہ)۔

۱۲۴ بنی اسرائیل کیلئے سمندر کو پھاڑنے کے انعام کا ذکر:- سو یہ بنی اسرائیل کے لئے ایک خاص انعام تھا کہ سمندر کو پھاڑ کر ان کے لیے راستے بنا دئے گئے تاکہ وہ آرام اور سہولت کے ساتھ اس سے پار ہو سکیں۔ سو انکو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے اپنی قدرتِ بے پایاں اور رحمتِ شاملہ سے تمہارے لئے سمندر کو اس طرح پھاڑ دیا، تاکہ اس طرح ایک طرف تو تمہاری نجات اور دشمن کے ظلم وستم سے تمہاری رہائی کا سامان ہو سکے۔ اور دوسری طرف اسطرح کے معجزانہ انتظام سے تمہاری تعظیم وتکریم بھی۔ اور تیسری طرف تمہارے دشمن اور اپنے وقت کے سب سے بڑے کافر کی اپنے لاؤ لشکر سمیت غرقابی کا بندوبست بھی - فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ قَادِرٍ قَوِيٍّ حَكِيْمٍ عَزِيْزٍ - سو اس طرح ہم نے تم لوگوں کو کرم بالائے کرم اور عنایت بالائے عنایت سے نوازا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے رب کے حضور جھک جھک جاتے، اور اس طرح اپنے خالق کا حق ادا کر کے تم لوگ دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرتے، مگر تم نے ناشکری اور حکم عدولی سے کام لے کر اپنے لیے دارین کی ناکامی اور محرومی کا سامان کیا - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف قدرت نے اپنی رحمت وعنایت سے بنی اسرائیل کو اس خاص انعام سے نوازا کہ چلتے سمندر کو پھاڑ کر اور اسکی موجوں کو روک کر بنی اسرائیل کے لئے خشک راستے بنا دئے جو بلاشبہ ان کے لئے قدرت کا ایک عظیم الشان انعام واحسان تھا مگر انہوں نے پھر بھی ناشکری ہی کی - والعیاذ باللہ۔

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا

ہم نے (فرعون کو اور) فرعون والوں کو، جب کہ تم لوگ خود (اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ) دیکھ رہے تھے ف۱۴۵ اور (وہ بھی یاد کرو کہ)

مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ کیا، چالیس راتوں کا (تورات عطا کرنے کے لئے،) پھر تم نے ٹھہرا لیا اس (بے جان اور بے حقیقت)

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

بچھڑے کو ف۱۴۶ (اپنا معبود) اس کے بعد، اور تم ہو ہی ظالم لوگ ف۱۴۷ پھر اس (ہولناک اور سنگین جرم) کے بعد بھی، ہم نے تم سے درگزر ہی کیا،

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

تاکہ تم لوگ احسان مانو (اور اپنے منعم حقیقی کا شکر بجالاؤ) ف۱۴۸ اور (ہمارا وہ احسان بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے موسیٰ کو وہ (عظیم الشان)

الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

کتاب (یعنی توراۃ) دی ف۱۴۹ اور (حق و باطل کے درمیان) فیصلے کا سامان بھی ف۱۵۰ تاکہ تم لوگوں کو راستہ مل سکے ف۱۵۱ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق

لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

ہے کہ) جب موسیٰ نے (دکھ اور درد بھرے انداز میں) اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم (کے لوگو!) بے شک تم نے بڑا ظلم ڈھایا ہے

فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ

اپنی جانوں پر اس بچھڑے کو (اپنا معبود) ٹھہرا کر ف۱۵۲ سو تم لوگ فوراً سچی توبہ کے ساتھ رجوع کرو اپنے پیدا کرنے والے (رب) کے حضور، اور

لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ

قتل کرو اپنے آپ کو ف۱۵۳ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کرنے والے کے ہاں ف۱۵۴ پھر اس نے (اپنے فضل و کرم سے) تمہاری توبہ

۱۴۵ فرعون کی غرقابی بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے:۔ سو اس سے بنی اسرائیل کیلئے ایک اور انعام کا ذکر فرمایا گیا کہ، فرعون کی غرقابی ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی سو بنی اسرائیل کیلئے ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کی غرقابی کا ایک اور انعام تھا جس سے ان کو نوازا گیا۔ سو اس طرح ہم نے تمہارے دشمن کو تمہارے سامنے غرقِ دریا کیا، جس سے تمہارا سرور دوبالا اور تمہیں ملنے والے اس انعام کا درجہ دو چند ہو جاتا ہے، کہ جس سمندر کے پھٹنے سے تمہاری نجات کا

سامان ہو رہا ہے اور تمہارے لئے خشک راستے نکل آتے ہیں، اسی سمندر سے اور انہی راستوں میں اترنے سے تمہارا دشمن اپنے لاؤ لشکر سمیت تمہارے سامنے، دیکھتے دیکھتے غرق ہو رہا ہے۔ سو ایسے عظیم الشان انعامات کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ تم لوگ دل و جان سے اپنے خالق و مالک کے حضور جھک جاؤ اور اسکے بھیجے ہوئے آخری رسول اور ان پر اتاری گئی آخری کتاب پر صدقِ دل سے ایمان لے آؤ اور اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ مگر تم ہو کہ اس سب کے باوجود اور اسکے برعکس کفر و انکار کی راہ پر چل رہے ہو۔ اور اس آخری پیغمبر اور آخری وحی پر ایمان لانے کی بجائے تم لوگ اس میں سدِّ راہ بن رہے ہو۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد و ہٹ دھرمی، اتباعِ ہوٰی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۴۶ بچھڑے کی پوجا ایک ظلمِ عظیم ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو بچھڑے، اور وہ بھی ایک مصنوعی بے حقیقت، بے جان بچھڑے کی پوجا بنی اسرائیل کا ایک ظلمِ عظیم تھا، جس کا ارتکاب انہوں نے کیا اور علانیہ طور پر کیا، تم نے اس بے حقیقت بچھڑے کو اپنا معبود ٹھہرایا اور تم اسکے آگے جھک گئے جو سامری نے خود تمہارے زیورات سے تمہارے سامنے گھڑا اور تراشا اور تمہاری پوجا کے لئے پیش کر دیا اور کہا کہ "یہ معبود ہے تمہارا بھی اور موسیٰ کا بھی مگر وہ بھول گئے"۔ ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ﴾ ۔ اور تم نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً اس کے آگے جھک گئے اور اس کو اپنا معبود مان لیا۔ اور اس ہولناک ظلم کا ارتکاب کر کے تم نے اپنے خالق و مالک کے عذاب کو دعوت دے دی۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو کیسے کیسے انعامات اور احسانات سے نوازا مگر تم ہو کہ تم نے شرک جیسے اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب کیا جس سے تم لوگوں کا جرم، ظلم پر ظلم اور جرم بالائے جرم بن گیا اور تم لوگ طویل سزا کے مستحق قرار پائے۔ والعیاذ باللہ۔ سو گوسالہ پرستی کا یہ جرم ان لوگوں کی طرف سے کفرانِ نعمت کی انتہاء ہے۔ والعیاذُ باللہ۔

۱۴۷ بنی اسرائیل کے گوسالہ پرستی کے سنگین جرم کا ذکر: ۔ اور ایسے ظالم کہ اپنے رب کی طرف سے اس قدر معجزانہ انعامات سے سرفراز ہونے کے باوجود اور حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی اتنی طویل دعوت و تبلیغ اور درسِ توحید کے باوصف، تم لوگ گوسالہ پرستی کے اس صریح شرک اور ظلمِ عظیم میں مبتلا ہو گئے اور سوچا تک نہیں کہ عقیدۂ توحید کی کن عظمتوں سے گر کر تم لوگ شرک کے کس مہیب گڑھے میں پڑ رہے ہو۔ اور تم اپنے لئے کس قدر بڑی ہلاکت و رسوائی کا سامان کر رہے ہو۔ اور تم کتنے بڑے اور کس قدر ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گئے ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ انبیاء و رسل کی نسل سے تعلق رکھنے کے باوجود اور حضرتِ موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی بلاواسطہ دعوت و تبلیغ کے باوصف تم لوگوں نے اتنے بڑے ہولناک جرم کا ارتکاب کیا۔ سو تم کتنے بڑے ظالم اور ناشکرے لوگ ہو۔ سو اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ دین و ایمان کی امانتِ مقدسہ کو سنبھالنے کے اہل نہیں رہے۔ اس لیے ان کو اس نعمت اور امامت و پیشوائی کے منصبِ جلیل سے معزول کر دیا گیا۔ والعیاذ باللہ۔ سو انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے ایمان و عقیدے، صدق و اخلاص اور عمل و کردار سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، جل و علا شانہ ۔

۱۴۸ نعمائے خداوندی کا تقاضا شکرِ خداوندی: ۔ اور اسکے شکر کے تقاضے میں تم اسکے حضور صدقِ دل سے جھک کر خود اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو، کہ شکرِ نعمت، نعمت کی حفاظت و بقاء اور اس میں خیر و برکت کا ذریعہ ہے، جبکہ ناشکری اور کفرانِ نعمت، نعمت سے محرومی اور عذاب کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ دوسرے

مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ ﴾[ابراہیم۔۷] پس شکرِ نعمت میں تمہارا اپنا بھلا ہے۔ اور کفرانِ نعمت میں خود تمہارا اپنا ہی نقصان۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو شکرِ نعمت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ روایات میں وارد ہے کہ حضرتِ موسیٰ نے بارگہِ خداوندی میں عرض کیا کہ مالک! تیری نعمتیں تو لامحدود اور بے شمار ہیں تو پھر بندہ تیرا شکر کس طرح ادا کرسکتا ہے؟۔ تو اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ بندے کا یہ سمجھ لینا کہ جو بھی نعمت ہے وہ میری ہی طرف سے ہے، بس یہی اس کے لیے کافی ہے۔ (خازن بحوالہ معارف للکاندھلویؒ)۔

۱۴۹ بنی اسرائیل کیلئے عطاءِ تورات کی نعمت کا ذکر و بیان:- یعنی کتاب سے یہاں پر مراد تورات ہے جو کہ اپنے دور میں حق و ہدایت کا منبع و مصدر، اور سرچشمۂ فیض تھی، اور اپنے زمانے کیلئے وہ روشنی کا ایک مینار تھی، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ﴾۔ سو تم کو تورات کی اس نعمت سے نوازا گیا، تاکہ تمہیں شریعت اور دستورِ حیات نصیب ہوسکے، اور اس طرح تم حق و ہدایت کی نعمت سے سرفراز ہوسکو، سو تم کو دوسری بے شمار اور عظیم الشان حسی اور ظاہری نعمتوں کے ساتھ ساتھ عطاءِ تورات کی عظیم الشان معنوی اور روحانی نعمت سے بھی نوازا گیا، مگر تم نے اسکی قدر نہ پہچانی جسکے نتیجے میں تم حرمان نصیبی کے حقدار بن کر رہ گئے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل کفران وخسران۔ سو کتاب ہدایت کی نعمت عظمیٰ پر شکر ادا کرنا بندے کے ذمے واجب ہے کہ یہ نعمتوں کی نعمت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۰ "الفرقان" کا معنیٰ ومفہوم اور اس سے مقصود و مراد؟:- "فرقان" سے یہاں پر مراد یا تو تورات ہی ہے کہ اسکے احکام وارشادات حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے تھے، اور اس صورت میں یہ عطف "عطف الصفۃ علی الموصوف" کے قبیل سے ہوگا۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ اور تورات کو "کتاب" اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے دور کے لحاظ سے احکامِ خداوندی کی جامع تھی۔ اور کتاب کے اصل معنیٰ جمع ہی کے آتے ہیں۔ اور اسکو "فرقان" اس اعتبار سے فرمایا گیا کہ اسکے احکام وفرامین حق و باطل کے درمیان فرق وتمیز کرنے والے تھے۔ (صفوۃ، کبیر، معالم وغیرہ)۔ اور یا اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرتِ موسیٰ۔ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کو عطا فرمائے گئے تھے کہ ان کے ذریعے بھی حق اور باطل کے درمیان فرق وتمیز حاصل ہوتی ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو کتابِ ہدایت بھی دی اور فرقان سے بھی نوازا مگر تم لوگ سیدھے نہ ہوئے۔

۱۵۱ راہِ حق سے سرفرازی ایک عظیم الشان نعمت:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ صحیح اور سیدھے راستے سے سرفرازی ایک عظیم الشان نعمت ہے، ایک عظیم الشان نعمت یعنی تم لوگوں کو ان نعمتوں سے نوازا تاکہ تمہیں وہ صحیح راستہ مل سکے جس پر چل کر تم دنیا میں بھی پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزار سکو، اور جس کے نتیجے میں تم کو آخرت کی اس حقیقی، ابدی اور سدا بہار زندگی میں بھی کامیابی نصیب ہوسکے، جو اس دنیاوی زندگی جو کہ ایک عارضی اور فانی زندگی ہے، کے بعد آنے والی زندگی ہے۔ سو راہِ حق و ہدایت سے سرفرازی انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی اور کامرانی سے بہرہ ور کرنے والی ایک عظیم الشان نعمتِ خداوندی ہے۔ اور ایسی کامل اور سچی ہدایت وراہنمائی انسان کو اپنے خالق و مالک کے سوا اور کہیں سے ملنی ممکن ہی نہیں۔ پس ہدایت کی نعمت وہ سب سے بڑی نعمت ہے جو حضرتِ حق۔ جل مجدہ۔ کی طرف سے اسکے بندوں کو عطا کی جاتی ہے کہ اسی کے ذریعے انسان کو صحیح راہ ملتی ہے اور وہ حیاتِ طیبہ سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور حق و ہدایت سے محرومی کی صورت میں انسان محض حیوان بن کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور کتابِ ہدایت کی

نعمت اب اپنی آخری اور تکمیلی شکل میں قرآنِ حکیم کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ پس اس کا شکر ادا کرنا سب سے بڑا حق ہے جو بندۂ مومن پر واجب ہوتا ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان بھٰذا الکتاب، وبالاشتغال بہ تعلما و تعلیما، و تفسیرا و تذکیرا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہر شائبہ شرک وریا سے محفوظ رکھے اور اس پر دوام واستقامت نصیب فرمائے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۵۲ شرک خود اپنے اوپر ظلم ہے۔ والعیاذُ باللہ العظیم :- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ مشرک شرک کے ذریعے خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتا ہے۔ والعیاذُ باللہ۔ سو بنی اسرائیل کے ان مشرکوں سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ بچھڑے کو اپنا معبود ٹھہرا کر تم لوگوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا، کہ اسطرح تم لوگوں نے کھلے اور صریح شرک کا ارتکاب کیا جو کہ سب سے بڑا جرم اور سنگین گناہ ہے اور جو کہ نا قابلِ معافی جرم اور ظلمِ عظیم ہے۔ سو اسکے لئے توبہ کرنا اشد ضروری ہے۔ اور اس کا طریقہ تمہارے لئے یہ قتل ہے کہ تم لوگوں نے حیوان اور بچھڑے جیسے حیوان کو اپنا معبود ٹھہرا کر ہولناک ظلم کا ارتکاب کیا، جو کہ بیوقوفی میں ضرب المثل ہے۔ سو مشرک شرک کے ذریعے خود اپنے ہی اوپر ظلم کرتا ہے اور اس طرح وہ راہِ حق وہدایت سے محروم ہو کر دائمی ہلاکت میں مبتلا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال۔

۱۵۳ گوسالہ پرستی کی سزا قتلِ باہمی۔ والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہا گیا کہ تم لوگ قتل کرو اپنے آپ کو، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یعنی جو بَری ہو وہ مجرم کو قتل کرے۔ چنانچہ اسطرح ستر ہزار یہودی قتل کے گھاٹ اتارے گئے۔ (صفوۃ التفاسیر، صفوۃ البیان، روح، کبیر اور جامع البیان وغیرہ)۔ کہ مخلوق پرستی اور بچھڑے جیسی مخلوق کی پوجا و پرستش جو کہ حماقت و بیوقوفی میں ضرب المثل ہے، ظلم بالائے ظلم ہے۔ اس لئے ان کو اسکی ایسی ہولناک سزا بھگتنا پڑی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اپنی اس بری حرکت سے ان گوسالہ پرستوں نے ظلم بالائے ظلم اور حماقت در حماقت کا ارتکاب کیا۔ اور اس حد تک کہ انسان حیرت میں ڈوب کر رہ جاتا ہے کہ نبیوں رسولوں کی اولاد ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ جیسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر سے براہِ راست توحید کا درس لینے کے باوصف یہ لوگ اس قدر ہولناک کھڈے میں آخر کیسے اور کس طرح گر گئے؟ سو جب قلب وباطن کی دنیا ایمان ویقین کے نور سے منور ومعمور نہ ہو تو انسان کا حال یہی ہوتا ہے اور وہ نفس وشیطان کے وساوس و خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور کبھی بھی پھسل کر ہلاکت وتباہی کے ہولناک کھڈے میں گر سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۵۴ اسلامی سزائیں باعثِ رحمت :- سو اسلامی سزاؤں میں رحمت وعنایت خداوندی کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ اس سے گناہوں کی میل یہیں صاف ہو جاتی ہے۔ اور انسان اُخروی عذاب سے بچ جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ سزائیں معاشرے کو جرائم سے پاک کرنے کا عظیم الشان ذریعہ ہیں۔ بہرکیف ان گوسالہ پرستوں کو حکم ہوا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو کہ اسطرح اس جرمِ عظیم کی سزا تم کو یہیں مل جائے اور تم آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ جو کہ بڑا ہی ہولناک اور بہت ہی سخت اور رسوا کن عذاب ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو یہ اسلامی سزاؤں میں رحمت وعنایت خداوندی کا ایک خاص پہلو ہے تاکہ اس طرح ایسے لوگوں کا معاملہ یہیں صاف ہو جائے، اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں کہ وہاں کا وہ عذاب بڑا ہی سخت اور نہایت ہی ہولناک عذاب ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾۔ نیز فرمایا گیا: ﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی﴾۔ یعنی ''آخرت کا عذاب بڑا ہی ہولناک اور انتہائی رسوا کن ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى

قبول فرمالی ۱۵۵ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ۱۵۶ انتہایت ہی مہربان ہے ۱۵۷ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب تم لوگوں نے (اپنے

اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

پیغمبر سے) کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارے کہنے پر یقین نہیں کریں گے، یہاں تک کہ ہم اللہ کو خود اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ

نہ دیکھ لیں ۱۵۸ تو (اس گستاخی پر) تم کو آپکڑا بجلی کے ایک کڑکے نے تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے، (جس کے نتیجے میں تم سب ڈھیر ہو کر

۱۵۵ بنی اسرائیل پر توبہ کی قبولیت کا انعام: ۔ سو بنی اسرائیل پر قبولیتِ توبہ کا یہ ایک اور خاص انعام تھا جس سے ان کو نوازا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے اپنے کرم سے تمہیں معاف فرما دیا، حالانکہ تمہارا یہ جرم اپنی سنگینی میں فرعون کے جرم سے بھی بڑھ کر تھا کیونکہ وہ ملعون تو سرے سے ایمان ہی نہیں لایا تھا، مگر تم لوگوں نے تو ایمان لانے کے بعد، اور اتنے کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود یہ کفر کیا، مگر اسکے باوجود اس نے اپنے کرمِ بے پایاں سے تمہاری اس توبہ پر تمہارا یہ جرم بھی معاف فرما دیا، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ اسکے حضور دل و جان سے اور ہمیشہ جھکے رہو، کہ اسی میں تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ بہرکیف بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے اس ہولناک جرم کے ارتکاب پر حکم ہوا کہ "تم لوگ اپنے آپ کو قتل کرو"۔ یعنی تم میں سے ساکتین اپنے ہاتھ میں خنجر لے کر ان مرتدین کو قتل کریں جنہوں نے گوسالہ پرستی کے اس ہولناک جرم کا ارتکاب کیا۔ سو حضرتِ موسیٰ نے جب ان لوگوں کو یہ حکمِ خداوندی سنایا تو ان سب نے کہا کہ ہم سب حکمِ خداوندی پر راضی ہیں۔ چنانچہ ان سب کو ایک میدان میں جمع کیا گیا اور جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا انہوں نے اپنے خنجروں اور تلواروں سے گوسالہ پرستوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور ستر ہزار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر حضرتِ موسیٰ اور ہارون نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور عفو و درگزر کی درخواست کی جس کو قبول فرما لیا گیا۔ سو مقتولین کی بخشش فرما دی گئی اور بقیۃ السیف کو معاف فرما دیا گیا۔ (معارف القرآن وغیرہ) اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین

۱۵۶ اللہ پاک کی شانِ توابیت کا ذکر و بیان: ۔ سو وہ ایسا بڑا تواب ہے کہ زندگی بھر کے گناہوں کی میل کو توبہ کرنے پر یکبارگی صاف فرما دیتا ہے، بشرطیکہ توبہ صحیح معنوں میں توبہ ہو، اور وہ گھڑی بھر کی تکلیف برداشت کر لینے پر ہمیشہ کی عزت و کرامت سے نواز دیتا ہے، حیاتِ فانی اور اسکے حطامِ زائل کے بدلے آخرت کی حیاتِ سرمدی اور اسکی نعیم مقیم، اور سرورِ ابدی سے سرفراز فرما دیتا ہے، کہ اسکی شان ہی کرم کرنا اور رحمت فرمانا ہے۔ سو توبہ کو قبول فرمانا اور اپنے گنہگار بندوں کو اپنی خاص رحمت و عنایت سے نوازنا اس ربِّ رحمٰن و رحیم کی ایک خاص شان ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ فَتُبْ عَلَيَّ وَارْحَمْنِي

یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ - بہرکیف اسکی شان ہے کہ- نیم جاں بستاند وصد جاں دہد- آنچہ درہمت نیاید آں دہد- سبحانہ و تعالیٰ- بہرکیف دنیا کی یہ فانی زندگی آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کے مقابلے میں گھڑی بھر سے زیادہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔اس کا حق یہ ہے کہ اس ساری زندگی کو اس خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری میں صرف کردیا جائے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے-اَلدُّنْیَا سَاعَةٌ فَاجْعَلْهَا طَاعَةً-یعنی''یہ دنیا ساری ایک گھڑی ہے پس تم اس گھڑی کو سراپا اطاعت وفرمانبرداری بنالو'' - وباللہ التوفیق - سوایسے میں وہ لوگ کس قدر بہکے بھٹکے اور گمراہ ہیں۔اور وہ کتنے بڑے خسارے میں مبتلا ہیں جو آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی اور اسکے تقاضوں کو بھول کر صرف اس دنیائے دوں ہی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ كُلِّ شَآئِبَةٍ مِّنْ شَوَآئِبِ هٰذَا الْاِغْتِرَارِ-

۱۵۷ اللہ کی صفت رحمت کا حوالہ وذکر:-سو اس سے واضح فرمادیا گیا ہے کہ اللہ تواب کے ساتھ رحیم بھی ہے سو اللہ پاک''تواب''ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی مہربان بھی ہے۔پس وہ چونکہ''تواب''کے ساتھ ساتھ رحمٰن ورحیم بھی ہے۔اس لئے صرف یہی نہیں کہ گناہ معاف فرمادیتا ہے اور بس۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے بندے کو خواہ وہ سمجھے یا نہ سمجھے اور اسے اس کا احساس و ادراک ہو یا نہ ہو، طرح طرح سے اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے بھی نوازتا ہے- جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوالُهٗ- پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں دل و جان سے اسکی طرف رجوع رہے، کہ اسکی عبدیت اور بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اسکا بندہ بن کر رہے، یہی اسکی شانِ بندگی کے لائق ہے اور اسی میں اسکا بھلا اور فائدہ ہے، دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی اور حقیقی جہاں میں بھی- وباللہ التوفیق-

۱۵۸ بنی اسرائیل کے ایک بیہودہ مطالبے اور اس کے نتیجے کا ذکر:- یہ اس وقت ہوا کہ جب حضرتِ موسیٰ - عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ- نے باذنِ الٰہی ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانے کے لئے چنا۔تاکہ یہ لوگ وہاں جاکر گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔تو جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں اپنا کلام سنادے، اس پر تھوڑی دیر میں ایک نورانی ابر ظاہر ہوا، تو حضرت موسیٰؑ اس میں کھوگئے، اور یہ بنی اسرائیلی نیچے کھڑے رہے۔تب اللہ پاک نے کلام فرمایا جو ان لوگوں نے سنا۔پھر حضرتِ موسیٰؑ نے اس ابرِ نورانی سے باہر تشریف لاکر جب ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے کلامِ الٰہی سنا، تو انہوں نے کہا کہ کلام تو ہم نے سنا لیکن اس کے کلامِ الٰہی ہونے کا یقین ہم اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کہ ہم علانیہ اور کھلم کھلا اللہ کو اپنی آنکھوں سے بولتا نہ دیکھ لیں، تو اس بے ہودہ جسارت پر ان کو بجلی کے ایک کڑکے نے اچانک اس طرح پکڑا کہ یہ ادھر ہی ڈھیر ہوکر رہ گئے (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔کیونکہ ان لوگوں کا یہ مطالبہ ایک بیہودہ مطالبہ تھا۔کیونکہ اس دنیا میں اور ان ناسوتی آنکھوں سے حضرت حق جل مجدہٗ کو دیکھنا کسی کیلئے ممکن نہیں، کہ ان ظاہری اور مادی آنکھوں سے کسی ظاہری اور مادی چیز ہی کو دیکھا جاسکتا ہے، جبکہ وہ خالق و مالک وحدہٗ لاشریک ایسے تمام تصورات سے پاک اور وراء الوراء ہے۔اور وہ مادہ اور مادیت کے تمام شوائب سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے-سبحانہٗ وتعالیٰ-

ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ

رہ گئے) ۱۵۹ پھر ہم نے اٹھا کھڑا کیا تم سب کو (اپنی رحمت وعنایت سے) تمہارے مرچکنے کے بعد ۱۶۰ تاکہ تم لوگ احسان مانو (اور اپنے

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

منعم حقیقی کا شکر بجالاؤ) ۱۶۱ اور (مزید کرم یہ کہ) ہم نے تم پر (میدان تیہ میں) بادلوں کا سایہ کیا ۱۶۲ اور تم پر من وسلوٰی اتارا ۱۶۳ (اور تم سے کہا

۱۵۹ بنی اسرائیل کی ایک سنگین گستاخی اور اسکی ہولناک سزا کا ذکر:- کیونکہ ان لوگوں کا یہ مطالبہ ایک سنگین جسارت اور سخت گستاخی تھی جس کا ارتکاب ان لوگوں نے کیا تھا، اس لئے کہ مخلوق کی ان محدود ومختصر اور قاصر نگاہوں سے حضرت خالقِ جل وعلا کو دیکھنا کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا، ان عاجز اور محدود نگاہوں کے ساتھ دیکھنے کے لئے انسان جتنا بھی زور لگائے، اور جس قدر بھی کوشش کرے، وہ کسی مخلوق ہی کو دیکھ سکتا ہے، اور بس، جبکہ حضرت خالقِ جل وعلا کا معاملہ تو مخلوق کے دائرہ، اور اس کے احاطہ وادراک سے وراء الوراء ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- ہاں جنت کی اس کامل زندگی میں انسان اس شرفِ عظیم سے مشرف ہو سکے گا، اور یہ ایسا بڑا شرف اور اتنا بڑا انعام ہوگا کہ اس کے سامنے جنت کی تمام نعمتیں ماند پڑ جائیں گی، مگر وہاں پر یہ اس لئے ممکن ہوگا کہ حضرتِ حق جل مجدہ اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ بے نہایت سے اہلِ جنت کو ایک نئی زندگی اور نئی اٹھان دیگا ﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى﴾ جس سے یہ ضعیف البیان انسان ایک اور ہی انسان کے روپ میں اٹھے گا- اَللّٰهُمَّ شَرِّفْنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ-

۱۶۰ "مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ" سے مقصود ومراد؟:- سو "من بعد موتکم" میں وارد لفظ "موت" کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم کے دو قول ہیں- ایک یہ کہ یہاں پر موت سے مراد اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ اس سے مراد اس کا مجازی معنیٰ ہے- اس لئے کہ موت کا اطلاق بطور مجاز، نیند، غنودگی اور بے ہوشی وغیرہ پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثور میں ارشاد فرمایا گیا ہے- "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَحْيَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ"- کہ اس دعا میں وارد لفظِ موت سے نیند ہی مراد ہے- اسی لئے بعض لوگوں نے کہا کہ "من بعد موتکم" میں بھی موت سے مراد حقیقی موت نہیں بلکہ نیند ہے- یعنی وہ لوگ حقیقت میں مرے نہیں تھے بلکہ ان پر ایک طرح کی نیند طاری ہوگئی تھی، مگر جمہور علماء ومفسرین کرام کے نزدیک اس آیت کریمہ میں وارد لفظ موت اپنے حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہے، اور بلاوجہ اسکو مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت بھی نہیں، یعنی وہ لوگ حقیقت میں مرگئے تھے، کیونکہ جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو لفظ کو اپنے حقیقی معنی سے پھیرنا درست نہیں، بہرکیف بنی اسرائیل کو انکے اس بیہودہ مطالبے پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور اس طرح ان کو اپنی اس گستاخی اور اس جرم کی سزا نقد انقد مل گئی- والعیاذ باللہ العظیم-

۱۶۱ شکرِ نعمت کی تعلیم وتذکیر- وباللہ التوفیق:- یعنی ہم نے تم پر یہ احسان کیا تاکہ تم شکر ادا کرو اس احسان کا کہ ہمارے مالک نے اپنے کرم سے ہمیں اتنے بڑے انعام سے نوازا کہ زندگی کی نعمت بھی دوبارہ عطاء فرمائی، توبہ واستغفار اور انابت واعتذار کا موقع بھی بخشا، اور بعث بعد الموت کا نمونہ بھی دکھلا دیا، جس

کے بعد ہمارا ایمان ایک درجے میں استدلالی سے بڑھ کر شہودی ایمان ہو گیا، جو کہ ناقابلِ تزلزل ہوتا ہے سو اس کرم بالائے کرم کو دیکھ کر تم لوگ دل و جان سے اس کے حضور جھک جاؤ اور اس طرح شکرِ منعم اور اسکے حضور خشوع و خضوع سے سرشار ہو جاؤ کہ اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے۔ و باللہ التوفیق۔

۱۶۲ بنی اسرائیل کیلئے عظیم الشان سائے کا انتظام:۔ سو بنی اسرائیل کے لیے اس تپتے صحرا میں بادلوں کے ایک عظیم الشان سائبان کی نعمت کا اہتمام و انتظام کیا گیا جب مصر سے نکلنے کے بعد جزیرہ نمائے سینا میں تمہارے لئے سر چھپانے کی بھی کوئی جگہ میسر نہ تھی، تو ہم نے ٹھنڈے اور سفید بادلوں سے۔ کما قال ابن عباس۔ تمہارے لئے عمدہ سائے کا عظیم الشان انتظام کیا، ورنہ اس گرم اور تپتے ہوئے صحرا میں اتنے لاکھ لوگوں کیلئے اس طرح سائے کا انتظام کرنا کسی کے بس میں نہ تھا، اور اگر اس سائے کا انتظام نہ کیا جاتا تو کھلے آسمان تلے اس صحرا کی آگ برساتی دھوپ میں تم لوگ جل کر مر جاتے، سو سوچو کہ یہ تم پر تمہارے رب کا کس قدر بڑا اور عظیم الشان انعام و احسان تھا جو کہ ایک طرف تم لوگوں پر اس منعم و وہاب کا ایک عظیم الشان احسان تھا اور دوسری طرف اسکی قدرت و عنایت کا ایک عظیم الشان مظہر بھی۔ ورنہ لاکھوں لوگوں کے اس جم غفیر کیلئے اس طرح فوری طور پر سائے کا انتظام کر دینا تو دور حاضر کی کسی بڑی سے بڑی متمدن اور ترقی یافتہ حکومت کے بس میں بھی نہ تھا، چہ جائیکہ ہزاروں سال پہلے کے اس دور میں اور پھر بادلوں کی طرح کا بلند اور ٹھنڈا سایہ بان مہیا کرنا تو ہزاروں سال بعد آج کے اس ترقی یافتہ اور متمدن دور میں بھی دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت کیلئے ممکن نہیں، مگر تمہارے رب نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے تمہارے لیے اس عظیم الشان اور بے مثال سائے کا انتظام فوری طور فرما دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۶۳ بنی اسرائیل کیلئے عظیم الشان کھانے کا اہتمام و انتظام:۔ سو بنی اسرائیل کے لئے اس لق و دق صحرا میں ''من و سلوٰی'' کی ایک عظیم الشان خوراک کا اہتمام و انتظام کیا گیا۔ اور یہ عظیم الشان قدرتی غذائیں تم کو مہاجرت کے اس زمانے میں برسہا برس تک برابر ملتی رہیں جو کہ ایک اور عظیم الشان خداوندی انعام تھا جس سے تم لوگوں کو نوازا گیا تھا۔ حالانکہ تم کئی لاکھ کی تعداد میں تھے۔ اور اتنی بڑی تعداد میں مہاجروں کا اتنے بڑے عرصے کیلئے، اور اتنے وسیع پیمانے پر، اس قدر ریگستان اور صحرائی علاقے میں انتظام کرنا آج کی متمدن حکومتوں کیلئے بھی نہایت مشکل امر ہے، چہ جائیکہ اس وقت کے ان حالات میں جو کہ آج سے کہیں مختلف، اور کئی ہزار برس پہلے کے تھے۔ واضح رہے کہ ''مَنّ'' کے، بارے میں حضراتِ علماء و مفسرینِ کرام کا کہنا ہے کہ یہ دھنیے کے بیج سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی، جو ان لوگوں کیلئے قدرتی طور پر اوس کی طرح گرتی اور زمین پر جم جاتی تھی، جسے یہ لوگ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق سمیٹ سمیٹ کر استعمال کرتے تھے، اور ''سلوٰی'' بٹیر کی قسم کے ایسے خاص پرندے تھے جو فضل و قدرتِ خداوندی سے ان لوگوں کیلئے اس کثرت و بہتات سے جمع ہو جاتے کہ وہ اتنی بڑی تعداد کے لوگوں کی غذائی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے کافی ہو جاتے جو واقعی قدرت کا ایک معجزانہ کرشمہ تھا جس سے اس نے اس نا ہنجار قوم کو نوازا تھا (روح، قرطبی، اور مدارک وغیرہ) مگر اس سب کے باوجود اس بے انصاف اور ناشکری قوم نے کفرانِ نعمت ہی سے کام لیا، والعیاذ باللہ العظیم۔

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ

کہ) کھاؤ (پیو) تم لوگ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں ۱۶۴ اور انہوں نے (حکم عدولی کر کے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ

فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے تھے ۱۶۵ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ہم نے (تم سے) کہا کہ داخل ہو جاؤ تم اس بستی

وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

میں ۱۶۶ اور وہاں تم لوگ کھاؤ (پیو فراغت اور) بے تکلفی کے ساتھ جہاں سے چاہو اور داخل ہونا اس کے دروازے سے جھکے ہوئے ۱۶۷ اور

۱۶۴ اللہ کی نعمتوں سے استفادے کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کھاؤ پیو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے سو اس سے ان لوگوں کو اللہ پاک کی بخشی ہوئی پاکیزہ چیزوں سے استفادہ کا حکم وارشاد فرمایا گیا۔ پس تم ان میں سے کھاؤ پیو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو، جمع کرنے اور جوڑ جوڑ کر رکھنے کی کوشش نہ کرنا، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب اور قدرتِ کاملہ سے اور دیتا جائیگا، مگر ان نابجاروں نے اس کے باوجود ذخیرہ اندوزی کی اپنی جبلی خصلت کی بناء پر اس رزق کو جوڑنا اور ذخیرہ کرنا شروع کر دیا جس سے وہ گلنے اور سڑنے لگا اور آخر کار یہ لوگ اس پاکیزہ رزق سے محروم کر دیئے گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - تورات وغیرہ کی روایت کے مطابق ان لوگوں کو یہ قدرتی خوراک چالیس برس تک ملتی رہی، (ابن کثیر، محاسن التاویل، اور تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح حکم عدولی اور نافرمانی سے انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

۱۶۵ اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد سے منہ موڑنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کے حکم وارشاد سے منہ موڑنا اور اس کی خلاف ورزی خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانا ہے - والعیاذ باللہ - کہ اس طرح انہوں نے معصیت و نافرمانی کا بار الگ اٹھایا اور اس پاکیزہ رزق سے محرومی الگ ہوئی جس میں نہ کوئی غل و غش تھا نہ محنت و مشقت۔ اور نہ آخرت میں کوئی سوال اور باز پرس۔ پس معصیت و گناہگاری میں خود انسان کا اپنا ہی خسارہ و نقصان ہے، نہ کہ حضرتِ حق - جَلَّ جَلَالُهٗ - کا، وہ اس سے پاک اور وراء الوراء ہے کہ کوئی مخلوق اپنے کسی عمل سے اس کو کوئی فائدہ یا کسی طرح کا کوئی نقصان پہنچا سکے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اس کی تصریح موجود ہے - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی - ، - وَالْعِيَاذُ بِهٖ جَلَّ وَعَلَا - سو بندہ جو بھی کچھ کرتا ہے وہ اپنے ہی لیے کرتا ہے، نیکی کا صلہ و ثمرہ اسی کو ملے گا اور برائی کا وبال بھی اسی پر پڑے گا - والعیاذ باللہ جل وعلا - ورنہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - پس بندے کا کام ہمیشہ اپنے خالق و مالک کے حضور جھکے رہنا ہے - وباللہ التوفیق۔

۱۶۶ "قَرْيَة" کا مفہوم اور "هٰذِهِ الْقَرْيَة" سے مراد؟: - "قَرْيَة" کا لفظ دراصل "قُرٰی" سے

ماخوذ ہے جس کے معنیٰ جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے آتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے ''قَرَی المَاءَ فِي الْحَوْضِ''، ''اس نے پانی کو حوض میں جمع کر دیا'' اور بستی چونکہ لوگوں کے جمع اور اکٹھا ہونے کی جگہ ہوتی ہے، اور اس میں مکانات وغیرہ بھی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، اس لئے اس کو لفظ ''قریہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے، اور یہ معنیٰ چونکہ بڑے شہروں میں بھی پایا جاتا ہے بلکہ زیادہ نمایاں طور پر پایا جاتا ہے، اس لئے ''قریہ'' کا اطلاق بڑے شہر پر بھی آتا ہے، جیسا کہ سورۂ زخرف کی اکتیسویں آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ — ''اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن ان دو بستیوں میں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا''۔ یہاں ''قریتین'' سے مراد'' مکہ مکرمہ'' اور ''طائف'' کے دو شہر ہیں۔ اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ سورۂ بقرہ کی اس زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں مذکور اس ''القریہ'' سے، مراد کونسی بستی ہے؟ تو اس میں حضراتِ مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ اور قتادہ، ربیع بن انس اور ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے (کبیر، روح، مدارک وغیرہ) اور یہ قصہ اس وقت کا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اپنی نافرمانی، حکم عدولی اور پست ہمتی کے باعث، چالیس سال کا طویل عرصہ میدانِ تیہ کی صحرا نوردی میں گزارنے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال فرما جانے کے بعد، حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں بیت المقدس کو فتح کیا، اور ان کو اس شہر میں فاتحانہ داخلے کا موقع نصیب ہوا، تو اس موقع پر ان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ شہر میں اس طرح داخل ہوؤ کہ اس سے اللہ پاک کی نعمتوں کی قدردانی اور تشکر و امتنان کا اظہار ہو، نہ کہ تکبر و رعونت کا، مگر ان میں سے بعض نے پھر بھی نافرمانی کی، جس کی بناء پر ان پر آسمان سے عذاب نازل ہوا، (المراغی وغیرہ)

۱۶۷ ادبِ شکر و تواضع کی تعلیم و تلقین: - یعنی ''سجود'' سے یہاں پر اس کے اصطلاحی اور معروف معنیٰ مراد نہیں بلکہ اسکے لغوی معنیٰ مراد ہیں جو کہ عبارت ہیں انتہائی تذلل اور عاجزی سے۔ یعنی اللہ پاک کی نعمتوں اور اس کے احسان و انعام کے احساس سے اس کے حضور جھکے جھکے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس شہر میں داخل ہونا۔ اور یہ اس لئے کہ حقیقی سجدہ کی حالت میں شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور امام رازی وغیرہ نے بھی لکھا ہے اس لئے سجود یہاں پر اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ ''أَيْ خُشَّعًا نَاكِسِي الرُّؤُوْسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ''۔ (تفسیر المراغی)۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''سجود'' کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہو۔ اور مطلب اس صورت میں یہ ہو کہ شہر میں داخل ہوکر اپنے خالق و مالک کے حضور سجدۂ شکر بجالاؤ، جس کو اصطلاحی زبان میں حال ''مقدرہ'' کہا جاتا ہے۔ (المراغی، القاسمی، المنار، الروح، الکشاف وغیرہ)۔ مآل و مفاد بہرحال ایک ہی ہے کہ شہر میں فاتحانہ غرور کے ساتھ داخل نہیں ہونا جس طرح کہ ابنائے دنیا کا طریقہ و وطیرہ ہوتا ہے، بلکہ عاجزانہ اور متشکرانہ انداز میں داخل ہونا۔ جیسا کہ حضرات انبیاء کرام - عَلَيْهِمُ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ - اور دوسرے صالحین و مقربین کا طریقہ رہا ہے کہ اللہ پاک کے احسان کے تصور سے دل و جان سے اس کے حضور جھکے رہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وہو الہادی الی سواء السبیل۔ بہرکیف اس سے ادب شکر و تواضع کی تعلیم دی گئی ہے۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

(زبان سے) کہتے جانا حِطَّۃ ۱۶۸ (ہماری توبہ) تو ہم بخش دیں گے تمہاری خطاؤں کو ف ۱۶۹ اور مزید (عنایتوں سے) نوازیں گے نیکو کاروں کو ف ۱۷۰ مگر

عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

بدل دیا ان ظالموں نے اس کو ایک اور ہی بات سے ف ۱۷۱ اس کے خلاف جو کہ ان سے کہی گئی تھی، جس کے نتیجے میں ہم نے اتارا ان ظالموں

۱۶۸ "حِطَّۃ" کا مفہوم اور یہاں پر اس سے مقصود و مراد؟:- "حِطَّۃ" دراصل خبر ہے مبتداء محذوف کی،- أيْ مَسْئَلَتُنَا حِطَّۃٌ - (مدارک، کبیر وغیرہ)۔ یعنی ہمارا سوال اور ہماری عرض والتجا اپنے خالق و مالک کے حضور یہ ہے کہ وہ ہمارے گناہوں اور ہماری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے۔ جن میں سے ایک بڑی خطا ولغزش کفرانِ نعمت کی ہے جو ہم سے صادر ہوئی۔ (المراغی)۔ اور اللہ والوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ فتح و غلبہ کے ایسے مواقع پر بھی تکبر واستکبار اور رعونت و بربریت میں مبتلا ہونے کی بجائے اسے حضرتِ واہبِ مطلق- جل وعلا- ہی کی طرف سے مرحمت فرمودہ انعام واحسان جانتے ہوئے اسکے حضور دل و جان سے جھک جاتے ہیں۔ جیسا کہ یہاں بتلایا گیا کہ ظاہری اور بدنی عمل کے طور پر تو اس کے حضور سجدۂ تشکر وامتنان بجالاؤ اور زبانی اور کلامی لحاظ سے اس کے حضور معافی و درگزر کی درخواست پیش کرو۔ اور اس کا سب سے عمدہ، کامل اور بے مثال نمونہ ہمارے آقا و مولیٰ - صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ - کی مقدس و پاکیزہ زندگی میں دکھایا گیا ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں جو بے مثال فتح آپ ﷺ - کو نصیب ہوئی، اس پر اترانے اور جشن فتح منانے کی بجائے آپ ﷺ - کو اپنے رب کی تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا۔ جیسا کہ سورۂ نصر میں اس کی تصریح ہے -﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾- اور آپ ﷺ - نے اس کی تعمیل میں بے مثال نمونہ پیش فرمایا کہ فتحِ مکہ کی عظیم الشان فتح کے موقع پر اپنے رب کے حضور آپ ﷺ - کی اس تواضع وانکساری کا اظہار آپ ﷺ - کی ہر ہر ادا اور ہر ہر قول وفعل سے ہویدا تھا۔ روایات کے مطابق آپ - ﷺ - کی اس شانِ تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ کا عمامۂ مبارکہ آپ ﷺ - کی ناقۂ غراء کی کوہان سے لگتا تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد آپؐ نے غسل فرمایا اور پھر بیت اللہ میں آٹھ رکعات نماز اداء فرمائی، جو کہ بعض علماء کے نزدیک ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی، اور بعض کے نزدیک یہ فتح وشکر کی نماز تھی۔ اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرامؓ کی بھی یہی شان رہی۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے اس فاتحانہ دخول کی بناء پر تکبر وغرور میں آنے کی بجائے محل میں پہنچ کر اپنے رب کے حضور عاجزانہ آٹھ رکعت نماز پڑھی (ابن کثیر، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ) سو اپنے خالق و مالک کے حضور تواضع اور عجز وانکسار ایک بڑی محمود ومطلوب شئی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۱۶۹ حکمِ خداوندی کی تعمیل پرخطاؤں کی بخشش کا وعدہ: -یعنی تمہارے اس تشکرانہ قول وفعل کی بناء پر، تمہاری گزشتہ خطائیں اور لغزشیں معاف کردی جائیں گی، کہ ان دونوں کا منبع ومصدر، اوران کی اصل وروح قلبی ندامت اوراپنے رب کی طرف دلی جھکاؤ ہے، اوراسی کی اصل قدروقیمت ہے تمہارے رب کے یہاں- ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ سو مومن کا کام ہے عجز وانکسار اور توبہ واستغفار۔ اس پر وہ رب غفور نوازتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس تم جب بیت المقدس میں داخل ہوجاؤ تو عجز وانکساری اور شانِ بندگی وتواضع کے ساتھ داخل ہونا، اور زبان سے اپنے گناہوں اور تقصیرات کی معافی مانگتے جانا کہ یہی شکرِ نعمت کا تقاضا ہے اوراسی میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- وباللہ التوفیق-

۱۷۰ نیکوکاروں کیلئے مزید سرفرازی کا وعدہ: -یعنی ان نیکوکاروں کو جنہوں نے پورے صدق واخلاص سے ہماری ہدایات پر عمل کیا۔ جیسا کہ لفظِ احسان کا تقاضا ہے۔ یا جنہوں نے شروع سے ہی ہمارے خوف وخشیت کی بناء پر گوسالہ پرستی اور کفرانِ نعمت جیسی نافرمانیوں، اور حکم عدولیوں سے، اپنے دامن کو بچائے رکھا، اور محسنین (اور نیکوکاروں) کو اپنی خاص عنایات سے نوازنا ہماری بے پایاں شانِ کرم وعطاء کا تقاضا ہے- ﴿اِنَّهٗ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾- سو احسان اور نیکوکاری ایک بڑی عمدہ اوراہم محمود صفت ہے- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ سو اس میں تحریض وتحریک ہے کہ تم احسان اور نیکوکاری کی روش کو اپنانے کی کوشش کرو، اور ہمیشہ اسکو اپنے پیشِ نظر رکھو۔ تم اپنا معاملہ احسان کا رکھو وہ تم کو اسکے بدلے میں احسان سے نوازے گا کہ احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ﴾ - وباللہ التوفیق- اور دین وہی اور صرف وہی ہے جو اللہ اوراس کے رسول سے ثابت ہو اور بس۔ کوئی خودساختہ امر دین نہیں ہوسکتا- والعیاذ باللہ-

۱۷۱ بنی اسرائیل کی ایک اور گستاخی اور باغیانہ جسارت کا ذکروبیان: -یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کو بجا نہ لائے۔ اس خلاف ورزی اور حکم عدولی کو یہاں پر تبدیل سے تعبیر فرمایا گیا۔ جیسا کہ سورۂ فتح کی پندرھویں آیتِ کریمہ میں تبدیل کا لفظ اسی معنٰی کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے۔ یہ حضراتِ مفسرینِ کرام کا ایک قول ہے۔ جیسا کہ تفسیر المراغی اور تفسیر القاسمی وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق لفظ تبدیل یہاں پر اپنے مشہور ومعروف اور متبادر معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ ان ظالموں نے اپنے رب کی طرف سے تعلیم فرمودہ لفظ "حِطَّةٌ" کو جو کہ خود انہی کے بھلے اور فائدے کیلئے تھا، بدل دیا۔ اوراس کی بجائے انہوں نے اپنی طرف سے دوسرے الفاظ تجویز کرلئے مثلاً یہ کہ "حِطَّةٌ" کی بجائے "حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ" یا "حِنْطَةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ" وغیرہ کہا (فتح القدیر، صفوہ وغیرہ)۔ سو دین کے تعلیم فرمودہ کلمات کو بدلنا ایک ہولناک جسارت ہے- والعیاذ باللہ- خداوندِ قدوس کی طرف سے تعلیم وتلقین فرمائے گئے کلماتِ کریمہ میں جو معنویت اور جو جامعیت اور خیر وبرکت پائی جاسکتی ہے وہ کسی انسان کے تجویز کردہ کلمات میں آخر کہاں اور کیسے پائی جاسکتی ہے؟ اس لیے اس وحدہٗ لاشریک کے تعلیم فرمودہ کلماتِ کریمہ کی پابندی میں ہر طرح کی خیر وبرکت ہے سو خیر سب کی سب اِتباع میں ہے اور شر ابتداع میں- اللہ تعالیٰ ابتداع کی ہر شکل سے محفوظ رکھے- آمین

يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا

پر ایک بڑا سخت (اور ہولناک) ۱۷۲ عذاب آسمان سے ان کی ان نافرمانیوں (اور حکم عدولیوں) کی بناء پر جو کہ یہ لوگ کرتے چلے آرہے تھے ۱۷۳

۱۷۲ اللہ کے کلام کو بدلنا عذاب کا باعث - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے قول کو بدلنے کی بنا پر یہودیوں کیلئے ایک سخت عذاب آیا، سو حکمِ خداوندی کی تبدیلی کی جسارت پر ان بنی اسرائیل کیلئے آسمان سے ایک سخت اور نہایت ہولناک عذاب نازل کیا گیا۔ قرآنِ حکیم نے اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ یہ عذاب کیا تھا جو ان بدبختوں پر نازل ہوا۔ مگر ایک تو رجزاً کی تنوین سے جو کہ ''تفخیم'' کیلئے ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی بڑا ہولناک اور سنگین عذاب تھا۔ اور رجز کے معنی ہی محققین کے نزدیک اشد العذاب کے ہیں، سو اسی کو ظاہر کرنے کیلئے ہم نے ترجمہ کے اندر بین القوسین ''اور ہولناک'' کا اضافہ کیا ہے۔ اور دوسری بات اس عذاب کے متعلق اس آیتِ کریمہ میں یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ وہ - ﴿مِنَ السَّمَآءِ﴾ - یعنی اوپر آسمان کی طرف سے تھا جس کو ٹال دینا یا روک دینا کسی کے بس میں نہ تھا۔ مگر اس سے آگے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا کہ وہ عذاب تھا کس طرح کا۔ البتہ تفسیری روایات کے مطابق وہ طاعون کا عذاب تھا جس سے ستر ہزار بنی اسرائیلی آناً فاناً لقمہء اجل بن گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ طاعون ایک مرض تھا جس کے ذریعے تم سے پہلے کی امتوں کو عذاب دیا جاتا تھا - والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۳ بُرے اعمال کی کچھ سزا دنیا میں بھی - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ بداعمالیوں کی کچھ سزا بطورِ نقد اس دنیا میں بھی ملتی ہے - والعیاذ باللہ - جبکہ پوری سزا آخرت کے اس ابدی جہاں ہی میں ملے گی جو کہ ''دار الجزاء'' ہے جبکہ دنیا ''دار الجزاء'' نہیں ''دار العمل'' ہے۔ بہر کیف اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے، مگر یہ پوری سزا نہیں ہوتی، بلکہ اسی قدر ملتی ہے جس قدر کہ حضرتِ حق جل مجدہ کی حکمت اور اس کی مشیت کا تقاضا ہوتا ہے۔ رہی اعمال کی پوری سزا و جزاء تو وہ آخرت ہی میں ملے گی، جس کی دوسری متعدد نصوص میں تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران کی پچیسویں آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ - '' اور قیامت کے اس روز میں ہر شخص کو اس کی کمائی کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا) اس کے علاوہ دیگر متعدد آیاتِ کریمہ میں بھی اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ آیت ۲۷۲، ۲۸۱، سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۷۰، ۱۶۱، سورۂ ھود آیت ۱۵ و نمبر ۱۱۱، النور ۲۵، فاطر ۳۰ الزمر ۷۰ اور الاحقاف ۱۹ وغیرہ وغیرہ۔ سو ان تمام آیاتِ کریمہ میں اس امر کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ اعمال کا پورا پورا بدلہ آخرت ہی میں ملے گا، اور اس کی بنیادی طور پر دو وجہیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ دنیا دراصل ''دار الجزاء'' نہیں ''دار العمل'' ہے۔ ''دار الجزاء'' کا مرحلہ اس دنیا کے خاتمے کے بعد اس جہان ہی میں آئے گا جو کہ آخرت کا اور بدلہ و جزاء کا جہان ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا اپنی محدودیت کی بناء پر اس قابل ہے ہی نہیں کہ اس میں اعمال کا پورا بدلہ مل سکے، اس لئے اعمال کی پوری سزا و جزاء تو اگرچہ آخرت ہی میں ملے گی لیکن ان کا کچھ نہ کچھ صلہ و بدلہ انسان کو اس دنیا میں بھی ملتا ہے، جیسا کہ یہاں پر اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور اسکے علاوہ دوسری بہت سی نصوصِ کریمہ میں بھی اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ مزید تفصیل انشاء اللہ کسی دوسرے مناسب موقع و محل پر - وَالتَّوْفِیْقُ بِیَدِ اللّٰہِ - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی -

اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (ہم سے) پانی کی درخواست کی ۱۷۴ تو ہم نے ان سے کہا کہ مارو تم

عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ

اپنی لاٹھی کو فلاں پتھر پر، پس (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) اس سے پھوٹ پڑے بارہ چشمے ۱۷۵ (اور بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے) ہر گروہ نے

۱۷۴ بنی اسرائیل کے لئے پانی کی دعاء و درخواست:- سو میدانِ تیہ کے اس تپتے صحرا میں بنی اسرائیل کیلئے حضرت موسیٰ نے اپنے رب کے حضور پانی کی دعاء و درخواست پیش کی۔ یعنی میدانِ تیہ کے اسی لق و دق صحرا اور تپتے دہکتے ریگستان میں، جہاں پانی کا کوئی نام نشان بھی نہ تھا، حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے اپنے رب سے پانی کی درخواست کی کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے، حضراتِ انبیاء و رسل بھی اسی کے محتاج اور اسی کے در کے سوالی ہیں۔ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اسی کے حضور دستِ دعاء و سوال دراز کرتے ہیں تو پھر اور کوئی حاجت روا و مشکل کشا کس طرح ہو سکتا ہے؟ سو غلط کہتے اور کرتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کی عاجز مخلوق میں سے طرح طرح کی ہستیوں کو اپنا حاجت روا و مشکل کشا مان کر پوجتے پکارتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۵ میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل کیلئے پانی کا معجزانہ انتظام:- اور اس طرح کھانے کی طرح تمہارے پینے کیلئے بھی خرقِ عادت کے طور پر پانی کا انتظام کر دیا گیا، تاکہ اس طرح تم لوگ حضرتِ حق جل جلالہ کی قدرت و عظمت اور اسکی بے پایاں رحمت و عنایت کی بناء پر اس کے حضور دل و جان سے جھک جھک جاؤ، اور اس کی توحید و یکتائی کا عقیدہ دل میں پختہ کر لو، حضرت موسیٰ کلیم اللہ- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی صداقت و حقانیت کا ایمان و یقین تمہارے دلوں میں راسخ اور پکا ہو جائے، اور اس غیبی طعام و شراب سے ایک طرف تو تمہاری قدر و منزلت کا اظہار ہو اور دوسری طرف اس پاکیزہ غذا سے تمہارے دلوں میں ایمان و یقین کے نور میں ترقی ہو، اور اس طرح تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو۔ فالحمد للہ رب العالمین- سو انسان کا قلب و باطن اگر نورِ ایمان و یقین سے منور و معمور ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمودہ نعمتوں کو اسی کی عطاء و بخشش سمجھ کر استعمال کرے تو یہ مادی نعمتیں بھی اس کی روحانی قوت اور خوراک کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور انہی کے ذریعے وہ اپنی آخرت کے لیے توشہ جوڑتا اور جمع کرتا جاتا ہے۔ اور اس مضمون کو دوسری مختلف نصوصِ کریمہ میں طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے "اَلطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ"- یعنی "کھا کر اللہ کا شکر ادا کرنے والا انسان ایسا ہو جاتا ہے جیسا اس نے روزہ رکھا ہو"- سبحان اللہ! - کیا کہنے دینِ حنیف کی ان انقلاب آفریں تعلیماتِ مقدسہ کے کہ ان سے خالص دنیا بھی دین بن جاتی ہے -وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید سبحانہ وتعالیٰ-

رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذْ

اچھی طرح (دیکھ اور) پہچان لیا اپنے گھاٹ کو۔ ۱۷۶ (اور ہم نے ان سے کہا کہ) کھاؤ پیو تم لوگ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے، اور مت پھرو

قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

تم اس زمین میں ۱۷۷ فساد مچاتے اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب تم نے کہا اے موسیٰ ۱۷۸ ہم ہرگز صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر،

۱۷۶ میدانِ تیہ میں بنی اسرائیل کیلئے تقسیم آب کا خاص انتظام: - اس طرح اس واہب مطلق جل وعلا نے اپنی رحمت وعنایت بے پایاں سے، تم کو کرم بالائے کرم، اور رحمت پر رحمت سے نواز دیا۔ اس صحرا میں خرقِ عادت کے طور پر پانی جیسی عظیم الشان نعمت سے مشرف فرمایا، اور مزید یہ کہ پانی کے بھی بارہ الگ الگ چشمے جاری فرما دیئے، تاکہ تمہیں بھیڑ بھاڑ، دھکم پیل اور اس کے نتیجے میں باہمی لڑائی، اور جدال وفساد سے بھی دوچار نہ ہونا پڑے، اور ہر گروہ اپنے اپنے گھاٹ سے ہی اپنی ضرورت پوری کر لے، اور دوسرے کیلئے تنگی اور تکلیف کا باعث نہ بنے۔ سو قدرت نے ان کی آب رسانی اور اس میں سہولت اور آسانی کے لیے بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے مطابق بارہ چشمے جاری فرما دیے۔ پھر اس میں قدرت کی مزید عنایت و رعایت ملاحظہ ہو کہ ان بارہ چشموں کے پھوٹنے کے لیے یہاں پر ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ جس کے معنیٰ خوب رواں دواں ہونے کے ہیں۔ لیکن سورۂ اعراف میں اس کے لیے ﴿فَانْبَجَسَتْ﴾ کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے جس کے معنیٰ رسنے اور آہستہ آہستہ نکلنے کے آتے ہیں۔ سو روایات کے مطابق حضرت کے عصا کی ضرب سے اس پتھر سے عورت کے پستان جیسی شیء ظاہر ہوئی جس سے وہ پانی رسنا شروع ہو جاتا اور اس کے بعد وہ خوب زور اور قوت سے بہنے لگتا۔ (معالم التنزیل وغیرہ)۔ اور امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ضرورت زیادہ ہوتی ہو تو وہ زیادہ بہتا ہو لیکن جب ضرورت کم ہوتی ہو وہ کم بہتا ہو۔ (معارف للکاندھلوی)۔ سو اس میں کئی معجزے ہیں جو اس ناشکری قوم کے لیے اس قصے میں ظاہر ہوئے، مگر انہوں نے پھر بھی کفرانِ نعمت اور ناشکری ہی سے کام لیا، والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۷۷ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہا گیا کہ تم زمین میں فساد مچاتے نہ پھرنا جیسا کہ غافل اور فارغ البال انسان کا عام طور پر طریقہ وطیرہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عیش وراحت میں پا کر اترانے اور تکبر کرنے لگتا ہے، اور وہ استغناء و بے نیازی کے جھوٹے گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو کہ فساد و انحراف کی جڑ بنیاد ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سورۂ عَلَق کی چھٹی آیت کریمہ میں اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس حقیقت کو اس طرح آشکارا فرمایا ہے - ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ - "ہرگز نہیں، بیشک انسان بڑا سرکش ہو جاتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگتا ہے" کہ مجھے جب یہ اور یہ کچھ مل گیا تو مجھے اور کسی کی کیا پروا۔ یہاں تک کہ اسی بنا پر وہ اپنے خالق و مالک سے بھی منہ موڑ لیتا ہے جو کہ احسان فراموشی اور نمک حرامی کے علاوہ خود اس کی اپنی ہی ہلاکت اور حرمان نصیبی کا سامان ہوتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور ناشکرے لوگوں کے اس طرزِ عمل کے نمونے ہم آج بھی یہاں اور وہاں، ادھر اور ادھر، ہر طرف پھیلے ہوئے دیکھتے ہیں۔ اور اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - اپنے کرمِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت

سے ان کو ڈھیل دیئے جا رہا ہے تا کہ انکو سمجھنے اور سنبھلنے کے مواقع بھرپور طریقے سے مل سکیں، مگر ایسے بدنصیب لوگ اپنی حرمان نصیبی کی وجہ سے اور اکڑتے اور بگڑتے جاتے ہیں، کہ ہم نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ ٹھیک ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم حالانکہ عقل وفہم اور عدل وانصاف کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ نعمت پانے کے بعد انسان اپنے خالق و مالک کے حضور اور زیادہ اور دل و جان سے جھک جائے، اسی میں اس کی اپنی سعادت و کامیابی ہے- فَاِیَّاہُ نَسْأَلُ التَّوْفِیْقَ وَ السَّدَادَ لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید- بہرکیف فساد فی الارض ممنوع ومحرم شے ہے- والعیاذ باللہ-

۱۷۸ بنی اسرائیل کی ناشکری اور جسارت کی ایک اور مثال:- یہ بنی اسرائیل کے بے ادبانہ اندازِ تخاطب اور گنوارپن کا ایک مظہر ہے کہ اپنے پیغمبر کو نام لیکر پکارتے اور مخاطب کرتے ہیں۔ حالانکہ اپنے سے بڑے کو نام لیکر پکارنا تہذیب وثقافت سے گری ہوئی بات، اور ایک گستاخانہ طریقہ ہے۔ اسی لئے پورے قرآن پاک میں کسی ایک جگہ بھی آنحضرت ﷺ کو آپ کے نام نامی سے پکار کر مخاطب نہیں فرمایا گیا، یعنی کسی ایک مقام پر بھی آپ کو ''یا محمد''، کہہ کر نہیں پکارا گیا، بلکہ آپ ﷺ کو کسی نہ کسی وصف کے ساتھ ہی مخاطب فرمایا گیا ہے، جیسے ''یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ''، ''یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ''، ''یَآ اَیُّھَا الْمُزَّمِّل'' اور ''یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّر'' وغیرہ۔ اہلِ بدعت کے ایک بڑے صاحب نے بھی بنی اسرائیل کے اس گستاخانہ انداز کا ذکر اس مقام پر اپنے تفسیری حواشی میں کیا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود اہلِ بدعت ''یا محمد'' کہنے پر گویا ادھار کھائے بیٹھے ہیں، اپنے در و دیوار پر، اپنی کتابوں رسالوں کے صفحات پر، اپنی گاڑیوں مشینوں وغیرہ کی پیشانیوں پر، اپنے کتبات ولوحات پر، اپنے اشتہارات اور سٹیکروں وغیرہ وغیرہ پر وہ دھوم دھڑلے سے، اور ہانکے پکارے اس طرح لکھتے، پکارتے، اور اعلان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس گستاخانہ جسارت پر نظمیں بھی بنائی ہیں مثلاً پنجابی میں ایک نظم اس طرح بنائی ہے، ''اسیں یا محمد کہندے رہنا اے، انہاں وہابیاں جلدے رہنا اے''، یعنی ''ہم یا محمد کہتے رہیں گے اور یہ وہابی- اللہ والے- جلتے رہیں گے'' جسارت ملاحظہ ہو کہ اللہ پاک نے تو اپنی کتابِ حکیم قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی ''یا محمد'' نہیں فرمایا۔ مگر ان اہلِ بدعت کا دھوم دھڑلے سے اور فخریہ انداز میں کہنا ہے کہ ہم ایسے کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے، سو جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی ایسے ہی گل کھلاتی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ اللہ پاک تو چونکہ سب کا خالق و مالک ہے، اس کی ذاتِ اقدس واعلیٰ سب سے بڑی اور مقدس و بالا اور دائرۂ مخلوق سے وراء الوراء اور سب کی خالق و مالک ذات ہے، اس لئے وہ جس کو بھی چاہے اور جیسے چاہے خطاب فرما سکتا ہے، اور انبیاء سابقین- علیھم الصلوٰۃ والسلام- کو اس نے ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ خطاب فرمایا بھی ہے، جیسے ''یَآ اٰدَمُ''، ''یَانُوْحُ''، ''یَاھُوْدُ''، ''یَا مُوْسٰی'' اور ''یَا عِیْسٰی'' وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود پورے قرآنِ پاک میں کسی ایک مقام پر بھی آنحضرت ﷺ کو ''یا محمد'' سے خطاب نہیں فرمایا، حضرتِ حق جلّ جَلَالُہٗ کا یہ انداز بھی ملاحظہ ہو، اور اہلِ بدعت کی وہ جسارت و جہالت بھی، جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہرکیف بنی اسرائیل نے حضرتِ موسیٰ کو اس طرح بے ادبانہ انداز میں خطاب کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہوئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کرسکتے- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال و سوءٍ و انحراف بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ -

رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ

پس آپ ہمارے لئے درخواست کریں ۱۷۹ اپنے رب سے، کہ وہ ہمارے لئے نکالے ان چیزوں میں سے جن کو زمین اگاتی ہے، جیسے

قِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

ساگ، (کھیرے) ککڑی، گیہوں، مسور، اور پیاز، (وغیرہ) تو موسیٰ نے فرمایا کیا تم لوگ ادنیٰ چیز کو لینا چاہتے ہو،

الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ

اس کے بدلے میں، جو کہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے؟ ۱۸۰ اچھا تو اتر جاؤ تم لوگ کسی شہر میں، وہاں تمہیں وہ سب کچھ

لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ

مل جائے گا جو تم نے مانگا ہے، اور (آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی ۱۸۱ کہ) چپکا دی گئی ان پر ذلت (وخواری) اور پستی (وبدحالی) ۱۸۲

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ

اور لوٹے یہ لوگ اللہ کی طرف سے (آنے والے) ایک بڑے ہی ہولناک غضب کے ساتھ ۱۸۳ یہ اس لئے کہ یہ لوگ کفر کرتے تھے

۱۷۹ ہر کوئی ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر کوئی ہر حال میں اللہ پاک ہی کی رحمت و عنایت کا محتاج ہے سو انہوں نے حضرتِ موسیٰ سے یہ نہیں کہا کہ ایسی چیزیں آپ ہمیں دے دو یا دلوا دو۔ بلکہ یہ کہا کہ آپ اپنے رب کے حضور درخواست و دعا کرو کہ وہ ہمیں یہ عطا فرما دے۔ کیونکہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اسی کی مشیت وارادہ پر موقوف ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل طرح طرح کی گمراہیوں، خرابیوں، اور اخلاقی گراوٹوں کے باوجود، شرکیات کے اس مہیب اور ہولناک گڑھے میں اس حد تک نہیں گرے تھے جس میں آج کے بہت سے کلمہ گو مشرک گرے ہوئے ہیں، کہ انہوں نے کتنے ہی مشکل کشا اور حاجت روا از خود گھڑ رکھے ہیں، اور جو اپنی حاجت روائیوں اور مشکل کشائیوں کے لئے طرح طرح کی مصنوعی "سرکاروں" اور "آستانوں" کے آگے، جھکتے، ان کو چومتے چاٹتے، ان کے گرد طواف کرتے، پھیرے مانتے، چکر لگاتے، بکرے کاٹتے، ان پر چادریں چڑھاتے، تعزیے کے گھوڑے کے نیچے سے گزرتے، اور کیا کیا کچھ کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - یہاں تک کہ ہمارے ملک میں اہلِ بدعت کے ایک مشہور گویا مولوی صاحب ہوا کرتے تھے جو ابھی کچھ ہی سال قبل دنیا سے رخصت ہو گئے، وہ بھرے جلسوں میں اس طرح گوہر افشانی فرمایا کرتے تھے کہ "اوہ وہابیا! تیری گولی قبض کشا ہو سکتی ہے، تو علی مشکل کشا کیوں نہیں ہو سکتے؟" اور آگے سے ان کو اس پر نعرۂ رسالت، نعرۂ حیدری اور نعرۂ غوثیہ جیسے نعروں کی گونج سے داد ملا کرتی تھی- فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ- دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کیا کہتی اور بتاتی ہیں، اور یہ لوگ کیسے اندھے اور

اوندھے ہورہے ہیں- والعیاذ باللہ- سو حاجت روا و مشکل کشا سب کا ایک ہی ہے، یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک، سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- وہی ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور باقی تمام مخلوق اسی کی محتاج ہے۔ اور ہر حال میں اور ہر چیز میں اس کی محتاج ہے۔ اور سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۱۸۰ بنی اسرائیل کی ناشکری اور انکی محرومی کا ایک مظہر اور نمونہ:- یعنی "مَنّ و سلوٰی" کی اس قدرتی غذاء کے بدلے میں، جو کہ قدرت کی طرف سے تمہیں مفت، بلا معاوضہ اور بغیر کسی محنت و مشقت، کے مل رہی ہے، جو کہ پاکیزہ، بے غل وغش اور بغیر کسی حساب و کتاب کے تمہیں مل رہی ہے، اور اس طرح تمہیں شاہی ضیافت اور شاہی اکرام و اعزاز کا جو عظیم الشان شرف نصیب ہورہا ہے، وہ اس سب سے کہیں بڑھ کر ہے جو تم مانگ رہے ہو، آخر تمہاری مت کہاں اور کیسے ماری گئی، اور تم لوگ کہاں اور کس قدر گر چکے ہو؟ - والعیاذ باللہ العظیم- سبحان اللہ- کیسا اعزاز ان کو ملا تھا، اور کس قدر ناشکری کا مظاہرہ انہوں نے کیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -اسی طرح محروم اور بدبخت لوگوں کی مت ماری جاتی ہے، جس سے وہ الٹے اور اوندھے ہوکر رہ جاتے ہیں، اور انکی فکر و سوچ کے دھارے ٹیڑھے ہوجاتے ہیں، اور وہ نعمت کو اپنے لیے نقمت اور عذاب بنالیتے ہیں، اور حق و صداقت سے دور اور نفور ہوکر محرومی در محرومی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہیں۔ اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا - والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف یہاں تک بنی اسرائیل کے ان انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا گیا جن سے حضرت حق - جل مجدہ - نے ان کو اپنی قدرت وعنایت سے نوازا۔ اور اب انکی ان شرارتوں اور شرانگیزیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن سے ان ناشکرے لوگوں نے کام لیا۔ سو ایک طرف تو قدرت کی یہ عظیم الشان نعمتیں ان لوگوں پر برستی گئیں اور دوسری طرف ان کے تمرد وعناد اور سرکشی و خرمستی میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ کفرانِ نعمت اور اپنی طبعی خست و دناءت کی بناپر یہ لوگ خسیس کو نفیس پر ترجیح دینے لگے۔ سو اسی سے ان کی شناعتوں اور قباحتوں کے ذکر کا آغاز فرمایا جارہا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۱۸۱ ناشکری اور نافرمانی کا نتیجہ بہت برا- والعیاذ باللہ:- سو اس سے بنی اسرائیل کی ناشکری اور نافرمانی کا نتیجہ و انجام سامنے آتا ہے کہ ان پر ذلت و خواری کا ٹھپہ لگ گیا۔ یعنی ان کی بدنیتی اور بدباطنی کی بناء پر۔ سو " اھبطوا " کے صیغۂ امر سے ان کے لئے جس ھبوط و انحطاط کا آغاز ہوگیا تھا، وہ بڑھتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ نوبت اس انجام و زوال کو پہنچ گئی اور انبیاء و رسل کی نسل سے تعلق رکھنے والی یہ قوم "مغضوب علیہم" بن کر رہ گئی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور یہی نتیجہ ہوتا ہے معصیت و نافرمانی پر اصرار اور استکبار کا، - والعیاذ باللہ- سو صحت و سلامتی کی راہ یہ ہے کہ انسان اپنے رب کی معصیت و نافرمانی سے ہمیشہ بچتا رہے، اور اگر کبھی نفس و شیطان کے شر سے کسی معصیت و نافرمانی میں گرفتار ہو بھی جائے والعیاذ باللہ- تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرے اور اس سے معافی مانگے، اور وہ بڑا ہی معاف کرنے والا توبہ قبول فرمانے والا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور توبہ اس خالق و مالک کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے ایک عظیم الشان عنایت اور رحمت ہے۔ جس سے گناہوں کی وہ ہولناک میل صاف ہوجاتی ہے جو دوزخ میں لے جانے والی میل ہے اور جس کی صفائی اور اس سے رہائی کا توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ کے سوا اور کوئی ذریعہ و وسیلہ نہیں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۱۸۲ بنی اسرائیل پر ذلّت و خواری کا ٹھپہ:- سو انکی معصیت و نافرمانی کے اصرار پر ان پر یہ ٹھپہ لگ گیا، جس کا ثبوت ان کی پوری تاریخ سے ملتا ہے کہ اپنی پوری تاریخ میں یہ قوم جگہ جگہ اور طرح طرح سے مرتی پٹتی اور ذلیل و خوار ہوتی رہی، یہاں تک کہ ہماری اسی رواں صدی کے اواسط میں اس پر یہ عذاب نازی جرمنی کے ہٹلر کی شکل میں مسلط ہوا، اور چھ ملین یعنی ساٹھ

لاکھ یہود کو اس نے نیست و نابود کر دیا، اور اس کا کہنا تھا کہ یہ لوگ جونکیں ہیں، جنہوں نے میری قوم کا خون چوسا ہے، اس لئے ان کو واپس میرے ملک کی دھرتی میں دفن کرو، تاکہ انکا چوسا ہوا وہ خون واپس میرے ملک کی مٹی میں آجائے، چنانچہ اس نے اس کام کیلئے سپیشل طور پر خاص قسم کے پلانٹ لگوائے، جن میں ہزاروں کے حساب سے یہودیوں کو گھسیڑ اجاتا، اور پھر مشینیں چالو کر دی جاتیں، جس سے یہ لوگ ایک سیاہ رنگ کے بہتے مادے کی شکل میں تبدیل ہو کر دوسری طرف سے باہر نکلتے، اس طرح نازی جرمنوں نے اپنے ملک سے گویا اس قوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی، اور اس سے قبل کی طویل ترین تاریخ بھی اس قوم کی ایسی ہی عبرتناک داستانیں پیش کرتی ہے، اسرائیل کی صورت میں پائی جانے والی موجودہ یہودی ریاست سے کسی شبہے میں نہیں پڑنا چاہیئے، اول اس لئے کہ تاریخ کی قدیم ترین قوم ہونے کے اعتبار سے اس کی تو دنیا میں سب سے زیادہ حکومتیں ہونی چاہئیں تھیں، جبکہ آج مسلمانوں کی جو کہ یہود و نصاریٰ میں سب سے آخر میں آنے والی قوم ہے اس کی دنیا میں ساٹھ کے قریب اپنی مستقل حکومتیں ہیں، اور عیسائیوں کی بھی اتنی ہی ہونگی، یا اس سے کچھ کم و بیش، مگر یہود کی یہ چھوٹی سی حکومت جس کی آبادی لاکھوں میں ہے صرف ایک ہی حکومت ہے، اور وہ بھی صدیوں بعد کچھ ہی سال قبل وجود میں آئی۔ دوسرے اس لئے کہ وہ بھی دوسری اسلام دشمن اور استعماری طاقتوں کے سہارے پر کھڑی ہے، جس کا استثناء خود قرآن پاک میں ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے، اور دنیا جانتی ہے کہ آج بھی اگر امریکہ و یورپ وغیرہ کی استعماری طاقتیں اس سے اپنے ہاتھ کھینچ لیں، تو اس کو فلسطینی عوام اکیلے ہی چبا جائیں، اور تیسرے اس لئے کہ اسرائیل کی یہ نام نہاد حکومت بھی ہمیشہ نہیں رہے گی، ایک وقت آئیگا جب یہی ارض فلسطین ان یہودِ بے بہبود کیلئے قبرستان بنے گی، لیکن یہ کب اور کیسے ہوگا؟ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اللہ کی اللہ ہی جانے، البتہ یہ ایک عام قاعدہ اور دستور ہے کہ قوموں کے فیصلے مہینوں سالوں میں نہیں، صدیوں اور قرنوں میں بدلا کرتے ہیں۔ پس اپنے وقت پر یہ لوگ اپنے آخری انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے، انشاء اللہ العزیز۔ اللہ وہ دن جلد دکھائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ انت ربنا و رب المستضعفین یا ذا القوۃ المتین۔

۱۸۳ بنی اسرائیل کیلئے ایک ہولناک غضب: سو منہلِ ہدایت و رحمت سے دینِ حق و ہدایت کے ساتھ لوٹنے کی بجائے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہولناک غضب کے ساتھ لوٹے، اپنی کرنیوں کی بناء پر، اور ایسی خباثتوں کی وجہ سے، یہ لوگ ایک ہولناک غضب کے ساتھ لوٹے، اور اس طرح یہ لوگ منصہ شرف سے گر کر قعرِ مذلت اور حضیضِ رسوائی میں جا پڑے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ عام اردو تراجم میں اس کا ترجمہ اللہ کے غضب یا "غضبِ الٰہی" وغیرہ الفاظ سے کیا جاتا ہے، مگر حقیقت میں یہ ترجمہ "غضب اللہ" کا ہے جبکہ یہاں پر "بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" فرمایا گیا ہے اور ان دونوں تعبیروں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ عربیت کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں۔ اور مزید یہ کہ تنوین اس میں تفخیم و تہویل کیلئے ہے، اس لئے ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وَ اللّٰهُ الْمُوَفِّقُ، وَهُوَ مُلْهِمُ الصِّدْقِ وَ الصَّوَاب۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سورۂ فاتحہ میں وارد "مغضوب علیہم" کے وصف سے مراد یہی یہودِ بے بہبود ہیں، کیونکہ قرآنِ حکیم کی اس آیتِ کریمہ میں، اور اسی طرح کی بعض دوسری آیاتِ کریمہ میں بھی غضب کا مورد انہی کو قرار دیا گیا ہے، سو انبیاءِ کرام کی نسل میں سے ہونے کے باوجود ان بدبختوں کے اس ہولناک انجام سے دوچار ہونے میں بڑا درسِ عبرت و بصیرت ہے، ان لوگوں کیلئے جو عبرت پکڑتے اور سبق لیتے ہیں، پس جب تک انسان کا اپنا ایمان و عقیدہ صحیح نہ ہو بڑوں کے انتساب سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جس کی واضح مثال دنیا میں ان بدبختوں کی شکل میں موجود ہے۔ کہ انبیائے کرام کی اولاد ہونے کے باوجود غضبِ خداوندی کے مستحق بنے۔ والعیاذ باللہ۔

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

اللہ (پاک) کی آیتوں کے ساتھ، اور قتل کرتے تھے (اس کے) نبیوں کو ناحق طور پر، ۱۸۴ (اور) یہ اس لئے کہ یہ لوگ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

نافرمانی کرتے تھے (اپنے رب کی،) اور یہ لوگ تجاوز کرتے تھے، ۱۸۵ (اس کی مقرر کردہ حدوں سے،) بیشک (اللہ کے قانون

۱۸۴ "بِغَیْرِ الْحَقِّ" کی قید کا فائدہ؟:- "بِغَیْرِ الْحَق"، " ناحق طور پر" کی یہ قید ان لوگوں کی بدکاریوں کی تشنیع و تاکید کے اظہار کیلئے ہے، ورنہ حضرات انبیائے کرام - عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ - کا قتل تو ہوتا ہی ناحق ہے، اس کے حق ہونے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ جرم تو وہ جرم ہے جو قیامت کے دن سخت ترین عذاب کا باعث ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبیء معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ اور سب سے سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو، یا جو کسی نبی کے ہاتھوں قتل کیا گیا ہو، اور جو کسی گمراہی کا (موجدو) پیشوا رہا ہو، اور تصویر بنانے والا شخص، (مسند احمد، بحوالہ معارف للکاندھلویؒ) پس "بغیر الحق" کی یہ قید ایسے ہی ہے جیسا کہ - ﴿رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ - [الانبیاء ۱۱۲] میں "بالحق" کی قید ہے، کہ وہ بھی محض تاکید اور اظہارِ واقع کیلئے ہے، ورنہ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم و فیصلہ تو ہوتا ہی حق کے ساتھ ہے۔ بہرکیف اس بدبخت قوم نے قتلِ انبیاء کے اس ہولناک جرم کا ارتکاب کیا - والعیاذ باللّٰہ جل و علا من کل زیغ و ضلال و سوء و انحراف -

۱۸۵ معاصی وذنوب باعثِ کفر وطغیان - والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی اور اسکی مقرر فرمودہ حدود سے تجاوز شدہ شدہ انسان کو کفر تک لے جاتا ہے - والعیاذ باللہ - سو اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رب کی نافرمانی اور اس پر مداومت واصرار - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اور اس کی مقرر کردہ حدود و قیود سے تجاوز انسان کو شدہ شدہ کفر کی انتہاء تک پہنچا دیتا ہے - والعیاذ باللہ - اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو گناہوں کو چھوٹا سمجھنے کی خطورت سے سختی کے ساتھ خبردار فرمایا ہے، چنانچہ ایک مقام پر آپ نے اس ضمن میں ارشاد فرمایا "اِیَّاکُمْ وَ اَنْ تُحَقِّرُوا الذُّنُوْبَ"، "خبردار کہ تم گناہوں کو حقیر سمجھو" کیونکہ کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنے سے گناہ سے متعلق وہ نفرت دلوں سے آہستہ آہستہ نکلنا شروع ہو جاتی ہے، جو انسان کو گناہ اور برائی سے روکتی اور باز رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ نوبت کفر والحاد تک جا پہنچتی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اسی لئے فرمایا گیا "اَلْمَعَاصِیْ بَرِیْدُ الْکُفْرِ"، "گناہ کفر کی ڈاک اور ذریعہ ہیں" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور کہا جاتا ہے "اِنَّ مُعْظَمَ النَّارِ مِنْ مُسْتَصْغَرِ الشَّرَرِ" یعنی بڑی آگ کا الاؤ چھوٹی چنگاریوں ہی سے تو بھڑکتا ہے۔ پس امن وسلامتی کی راہ یہ ہے کہ انسان ہر طرح کے گناہوں سے اپنا دامن بچا کر رکھنے کی کوشش کرے، اور ہمیشہ اپنے رب سے اس کی توفیق وعنایت اور راہِ حق پر استقامت کی دعاء کرتا رہے، اس سے وہ وہبِ مطلق اسکو ضرور اپنی رحمت وعنایت سے نوازے گا - وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ وملهم الصدق و الصداق - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین۔

الَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

عدل وانصاف کے مطابق،) جو لوگ ایمان لائے، جو یہودی بن گئے ۱۸۶ اور نصرانی اور صابی ۱۸۷ (ان میں سے) جو بھی کوئی (سچے دل سے)

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

ایمان لایا اللہ پر، اور روزِ آخر پر، تو ایسوں کے لئے (بلا فرق وتمیز) ان کا اجر ہے ۱۸۸ ان کے رب کے

رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَاِذْ

یہاں، اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، ۱۸۹ اور (وہ بھی یاد کرو کہ)

۱۸۶ ''اَلَّذِيْنَ هَادُوْا'' کے **اسلوب کی بلاغت کا بیان**:- عام ترجموں میں اس کا ترجمہ لفظ یہود سے کیا جاتا ہے، حالانکہ آیتِ کریمہ میں ''یہود'' یا ''الیہود'' کا لفظ نہیں فرمایا گیا، حالانکہ یہ مختصر تھا۔ بلکہ ''اَلَّذِيْنَ هَادُوْا'' فرمایا گیا ہے۔ سو اگر اس سے مراد ''یہود'' یا ''الیہود'' کا مفہوم ہی ہوتا تو پھر اس مختصر لفظ کو چھوڑ کر ''اَلَّذِيْنَ هَادُوْا'' کا جملہ کیوں ارشاد فرمایا جاتا، جبکہ لفظِ ''یہود'' خود قرآنِ پاک میں دوسرے کئی مقامات پر ذکر بھی فرمایا گیا ہے۔ سو اسی فرق کو واضح کرنے کیلئے ہم نے اپنے ترجمے میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ''جو یہودی بن گئے'' جس سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ یہودیت وغیرہ کے نام سے جو ادیان، ادیانِ سماویہ کے طور پر ایسے لوگوں نے اپنا رکھے ہیں، وہ درحقیقت ان لوگوں کے اپنے خودساختہ دین ہیں، جو انہوں نے اپنی اپنی اہواء واغراض کے مطابق خود گھڑ لئے ہیں، ورنہ اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- کی طرف سے اس کی مخلوق کی ہدایت وارشاد اور فوز وفلاح کیلئے جو دین بھیجا گیا وہ ہمیشہ ایک ہی دین رہا ہے، یعنی دین اسلام، جیسا کہ -﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾- اور دوسری بہت سی آیاتِ کریمہ میں اشارد فرمایا گیا ہے- هٰذَا مَا عِنْدِىْ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ - سو دینِ حق اسلام سے محروم لوگ نورِ حق وہدایت سے قطعی طور پر محروم ہیں۔ اور یہ ایسے محروم اور بدبخت ہیں کہ اپنے حقیقی نفع ونقصان کے فہم وادراک سے بھی عاری ہیں جس کے باعث یہ اپنے ضرر ونقصان کو بھی فائدہ اور بہتری سمجھتے ہیں- والعیاذ باللہ-

۱۸۷ ''صابئین'' سے **مقصود ومراد؟**:- ''صابی'' دراصل ایسے شخص کو کہا جاتا تھا جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے (صفوۃ البیان لمعانی القرآن) اس لئے یہ لفظ بے دین یا بددین لوگوں کیلئے استعمال کیا جاتا تھا اسی بناء پر مشرکینِ مکہ اس شخص کو ''صابی'' کہا کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتا اور دینِ حق میں داخل ہو جاتا، اور اس طرح وہ لوگ اپنے بغض وعناد کی بناء پر اہلِ حق کو صابی کہہ کر اپنے معاشرے میں بدنام کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، جیسا کہ دورِ حاضر میں اہلِ بدعت اور قبر پرست لوگ حضرات اہلِ حق کو ''وہابی'' کہہ کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جہالت کے مارے بہت سے سادہ لوح عوام کو وہ اس طرح غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنے

پھندے میں پھنسا بھی لیتے ہیں، حالانکہ ''وہابی'' کا، لفظ اپنی اصل حقیقت اور معنیٰ کے اعتبار سے کوئی گالی یا عیب نہیں بلکہ ایک خوبی اور کمال کا غماز و آئینہ دار ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ''اللہ والے'' کے ہیں جو ایک بڑا اعزاز ہے۔ سو اس طرح اہلِ بدعت اور قبر پرست لوگ خود اپنے منہ سے اہلِ حق کیلئے ''اللہ والے'' ہونے، کی شہادت اور گواہی دے رہے ہیں- والحمد للہ- بہرحال ''صابی'' ستارہ پرست یا ملائکہ پرست وغیرہ لوگوں کا ایک گروہ تھا جو گزر چکا- علیٰ اختلاف اقوال المفسرین- بہرکیف ایمان و یقین کی دولت سب لوگوں کے لیے یکساں ہے- وباللہ التوفیق-

۱۸۸ ایمان و یقین والوں کا اجر و صلہ محفوظ:- یعنی ان کا وہ اجر و ثواب جس کے ایسے لوگ اپنے عقیدہ و ایمان اور صدق و اخلاص کی بناء پر مستحق ہوتے ہیں اور جس کی عظمتِ شان کو ان کا رب ہی جان سکتا ہے- سبحانہ و تعالیٰ- اور جب وہ ان کے رب کے یہاں محفوظ ہے تو پھر اسکے ضائع ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے، نیز جب ان کو وہ اجر و صلہ ان کے رب کے یہاں سے ملے گا تو پھر اسکی عظمتِ شان کا اندازہ ہی کون کرسکتا ہے کہ وہ اس اکرم الاکرمین کی طرف سے ملے گا جس کے کرم کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اس ارشادِ عالی سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ نجات کا دارومدار حسب و نسب، قوم و قبیلہ یا شکل و صورت وغیرہ جیسے ان فوارق میں سے کسی پر نہیں جو انسان کے اپنے بس اور اس کے اختیار میں نہیں کہ یہ ''تکلیف مالا یطاق'' ہے، بلکہ اسکا دارومدار اور انحصار انسان کے اپنے عقیدہ و ایمان اور عمل و کردار پر ہے، جتنا کسی کا ایمان و عقیدہ صحیح اور پختہ و مضبوط ہوگا، اور جتنا اسکا عمل و کردار صحیح اور درست ہوگا، اتنا ہی وہ اپنے رب کی عنایات سے سرفراز ہوتا جائے گا، اور اللہ پاک کا قانون سب کیلئے ایک اور یکساں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- آگے معاملہ انسان کے اپنے ارادہ و اختیار کا ہے۔

۱۸۹ سچے ایمان والوں کیلئے نہ کوئی خوف اور نہ غم:- کیونکہ ان کے گزشتہ گناہ ایمان کی بناء پر معاف ہوگئے، کہ- ''اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہ'' - ''اسلام گزشتہ گناہ مٹا دیتا ہے'' اور آئندہ کیلئے اپنے عقیدہ و ایمان کی بناء پر ان کو خداوندِ قدوس کی رحمت و عنایت کا سہارا مل گیا، تو ایسی صورت میں ان کو نہ ماضی کا کوئی غم اور افسوس ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف و اندیشہ۔ بہرکیف یہاں سے یہ ایک عام اصول اور ضابطہ بتا دیا گیا ہے، کہ وہاں پر بات حسب و نسب وغیرہ کی نہیں، بلکہ ایمان و عقیدہ اور عملِ صالح ہی کی ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کیسا بھی ہو، جو بھی سچے دل سے ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ اس کا صلہ و بدلہ پائے گا اور جو اسکے برعکس چلے گا، اسکو اپنا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا- والعیاذ باللہ جل وعلا- سو اس ارشاد سے اس بنیادی اور اصولی ہدایت کو واضح فرما دیا گیا کہ جو بھی کوئی صدقِ دل سے ایمان لائے گا اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق اعمالِ صالحہ بجالائے گا وہ اس کا اجر و صلہ پائے گا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ کسی بھی رنگ و نسل اور شکل و صورت کا ہو اور اس کا تعلق کسی بھی قوم اور قبیلے سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا قوم قبیلے اور رنگ و نسل وغیرہ کے ان مصنوعی فوارق و امتیازات پر نہیں جو انسان کے اپنے بس میں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے یہاں سے ملنے والی عطا و بخشش کا تمام تر مدار و انحصار انسان کے اپنے ایمان و عقیدے اور عمل و کردار پر ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید-

اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ

جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا، اور تم پر اٹھا دیا تھا کوہِ طور کو، (اور تم سے کہا تھا) کہ مضبوطی سے تھام لو تم اس چیز کو جو

اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاذۡكُرُوۡا مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿٦٣﴾

ہم نے تمہیں دی ہے (یعنی توراۃ) ١٩٠ اور یاد کرو تم ان (احکام و ہدایات) کو جو کہ اس کے اندر (موجود و مندرج) ہیں تاکہ تم بچ سکو ١٩١

ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ

پھر اس کے بعد بھی تم لوگ پھر گئے (اپنے اس پختہ قول و قرار سے) ١٩٢ سو اگر نہ ہوتی تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت (وعنایت،) ١٩٣

١٩٠ اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم اور اسکا مطلب؟:- کہ سچے دل سے اس پر ایمان لاکر، اس کے احکام پر پوری طرح عمل کرو کہ یہی صحت و سلامتی کی راہ ہے اور اسی میں تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے، اور اسی کے نتیجے میں تم لوگوں کو نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کی سعادت بھی نصیب ہوگی، کیونکہ تمہاری اس کتاب میں ان سے متعلق صریح پیشگوئیاں موجود ہیں۔ بہرکیف کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے اور پکڑنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس پر سچے دل سے ایمان لایا جائے، اور اسکی ہدایاتِ عالیہ اور تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق عمل کیا جائے، جتنا کسی کا اس پر ایمان و یقین پکا اور پختہ ہوگا اتنا ہی وہ اپنے دعوئ ایمان میں سچا ہوگا اور اسی قدر کتابِ الٰہی اپنی فیض رسانی سے اسکو نوازے گی، اور سرفراز کرے گی اور لذتِ ایمان و یقین سے سرفراز و سرشار ہوتا جائے گا - وباللہ التوفیق- حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے کہ جب حق تعالٰی نے تورات نازل فرمائی تو حضرتِ موسٰی نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ اس کو قبول کریں اور مضبوطی سے تھام کر صدقِ دل سے ان پر عمل کریں۔ جو بنی اسرائیل نے اس کے بعض احکام کے شاق ہونے کی وجہ سے تورات کے احکام کو اپنانے سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالٰی نے حضرتِ جبریل کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سر پر معلق کر دیں تو جبریل نے تعمیلِ ارشاد میں پہاڑوں کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور ان سے کہا کہ تم لوگ ان احکام کو صدقِ دل سے قبول کرو اور اپناؤ۔ ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائے گا تو انہوں نے فوراً اقرار کرلیا۔ اور وہ سجدے میں گر گئے۔ سو اس آیتِ کریمہ میں اسی واقعے کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے۔ (معالم التنزیل بحوالہ معارف للکاندھلوی)۔ سو احکامِ خداوندی کو صدق دل سے اپنانا اور ان پر عمل کرنا اصل مقصود ہے۔

١٩١ کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے پکڑنا تقوٰی و پرہیزگاری کا ذریعہ:- یعنی تاکہ اس طرح تم لوگ بچ سکو، اللہ پاک سبحانہٗ وتعالٰی کی نافرمانی سے، اور اس کے نتیجے میں تم بچ سکو اس کی گرفت و پکڑ اور اسکے عذاب

سے، اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ سو اپنی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا حصولِ تقویٰ کا ذریعہ ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ ہے۔ تقویٰ و اتقاء کا اصل مفہوم ہوتا ہے بچنا اور پرہیز کرنا، ہر اس چیز سے جو رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور رب تعالیٰ کی رضا و عدمِ رضا کا پتہ وحیِ خداوندی اور کتابِ الٰہی کے بغیر چلنا ممکن نہیں، کتابِ الٰہی ہی وہ واحد اور پاکیزہ ذریعہ و وسیلہ ہے جس سے انسان اپنے رب کی رضا اور عدمِ رضا کو جان سکتا ہے اور اسی کے مطابق چل کر انسان تقویٰ و طہارت اور اپنے رب کی رضاء و خوشنودی سے سرفراز ہوسکتا ہے اور خداوندِ قدوس کی رضا و خوشنودی سے سرفرازی ہی اصل مقصود ہے۔ باللہ التوفیق۔ ورنہ محض زبانی کلامی دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۱۹۲ عہد سے پھرنا یہود کی موروثی خصلت۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر تم لوگ پھر گئے اس کے بعد اپنے قول و قرار سے اور تم نے ان خداوندی احکام و ارشادات سے غفلت ولا پرواہی برتی، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ایسے پسِ پشت ڈال دیا کہ گویا تم اس کو جانتے ہی نہیں۔ سو اپنے قول و قرار سے پھرنا، اور عہد شکنی کرنا یہود بے بہبود کی موروثی خصلت اور پرانی عادت ہے، جو ان کے اندر آج بھی جوں کی توں موجود ہے، جسکے مظاہر اور نمونے آج ہم فلسطین میں بچشم خود دیکھتے ہیں، فلسطینیوں سے انہوں نے کتنے ہی عہد و پیماں کیے پھر انکو توڑ دیا، اور آج تک توڑتے اور طرح طرح سے انکی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور قسما قسم کے مکر و فریب سے کام لیتے ہیں۔ بہرکیف یہاں پر ان کی اس عہد شکنی کا ذکر فرمایا گیا جو انہوں نے حضرتِ موسٰی سے پختہ عہد کرنے کے باوجود کی اور احکامِ خداوندی کو پسِ پشت ڈال دیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اپنے قول و قرار اور عہد و وعد سے پھرنا یہود بے بہبود کی ایک موروثی خصلت ہے جو جب سے اب تک جاری ہے اور اس قوم کے لیے ایک لازمہ اور وصمہءِ عار کی حیثیت رکھتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۹۳ اللہ پاک کی شانِ رحمت وعنایت کا ایک مظہر:۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت سے نوازا جس کی بناء پر اس نے تمہیں تمہارے کیے پر فوراً نہیں پکڑا اور تمہیں پھر سنبھلنے کا موقع دیدیا۔ سو یہ اس مالکِ مہربان کی شانِ رحمت وعنایت کا ایک اور مظہر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تم دل و جان سے اس کے آگے جھک جاؤ اور اس طرح خود اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور اپنی شانِ رحمت وعنایت کی بناء پر کسی کو بھی فوراً نہیں پکڑتا بلکہ ڈھیل پر ڈھیل دیے جاتا ہے، تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے، نہیں تو اپنا پیمانہ لبریز کرلے۔ سو اللہ تعالیٰ کی گرفت و پکڑ سے بےفکر اور نچنت ہونا بہت خسارے کا سودا ہے جس کا انجام بہرحال برا اور بہت برا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس تمہارے لیے اے اہلِ کتاب اب یہ موقع موجود ہے کہ تم اس نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ جو اب تشریف لا چکے ہیں، جن کا عہد تم سے تورات میں لیا جا چکا ہے اور جن کی بعثت و تشریف کے تم منتظر تھے۔ سو اپنے اس عہد کا ایفاء کرتے ہوئے تم اس نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ اور ان کی اطاعت و اِتباع کے شرف سے مشرف ہوکر اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو۔ (معارف للکاندھلوی)

وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

تو یقیناً تم لوگ ہو جاتے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ۱۹۴ اور تم اپنی قوم کے ان لوگوں (کے حال و مآل) کو بھی اچھی طرح جانتے ہو،

الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

جنہوں نے (قانون) سبت کے بارے میں تجاوز کیا ۱۹۵ تو ہم نے ان سے کہا (اپنے حکم قہری اور تکوینی کے طور پر) کہ ہو جاؤ تم

۱۹۴ اللہ کے عہد سے پھرنا ہولناک خسارے کا باعث - والعیاذ باللہ العظیم:- کہ دنیا میں بھی تم اپنے کئے کا بھگتان بھگتتے اور عذاب میں دھر لئے جاتے، اور آخرت میں بھی دائمی عذاب میں گرفتار ہو جاتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - مگر اس نے اپنے کرمِ بے پایاں سے تم کو پھر سنبھلنے کا موقع دے دیا۔ سو اب تمہیں اسکی قدر کرنی چاہیئے اور اللہ کے عہد کو نبھانا اور پورا کرنا چاہیئے کہ اسکے عہد سے پھرنا دنیا و آخرت کا خسارہ ونقصان ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اللہ تعالیٰ کے عہد کی پابندی میں دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے، اور اس سے اِعراض و انحراف میں - والعیاذ باللہ - دارین کا خسارہ ونقصان ہے - والعیاذ باللہ العظیم - پس مومنِ صادق کو ہمیشہ اللہ کے عہد کی پابندی کی فکر و کوشش میں رہنا چاہیئے - وباللہ التوفیق - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور اس کی رحمت وعنایت نہ ہوتی تو تم لوگ یقیناً سخت خسارے میں پڑ گئے ہوتے کہ تمہاری بدعہدی اور عہد شکنی کا تقاضا یہی تھا۔ مگر اس کریمِ مطلق نے پھر بھی تم لوگوں سے لطف وکرم اور رحمت و عنایت کا معاملہ فرمایا تاکہ تم لوگ سنبھل جاؤ اور اپنی اِصلاح کرلو۔ سو تم لوگ اگر عقل وخرد رکھتے ہو تو اس ربِ رحمٰن ورحیم کے اس اِمہال کی قدر کرو اور ایمان اور توبہ استغفار سے اپنی اِصلاح کرلو، قبل اس سے کہ یہ فرصت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور تمہیں ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۱۹۵ یہود کے قانونِ سبت سے تجاوز کا ذکر و بیان:- جو کہ حضرت داؤد - علیہ السلام - کے زمانے میں گزرے ہیں اور جو سمندر کے کنارے پر رہا کرتے تھے۔ ان کی گزر بسر کا زیادہ تر مدار وانحصار مچھلی کے شکار پر تھا۔ اور ہفتے کا دن جسے انہوں نے از خود اپنی عبادت کیلئے مقرر کیا تھا۔ ان کی آزمائش کیلئے اس دن ان کے لئے مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی تھی، مگر انہوں نے طرح طرح کے حیلے بہانوں سے کام لیکر ہمارے ان احکام کی خلاف ورزی کی، اور وہ آزمائش میں ناکام ہوئے، تو اس کے نتیجے میں وہ ایک ہولناک اور رسواکن عذاب سے دوچار ہو گئے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - واضح رہے کہ اللہ پاک کی طرف سے عبادت اور اسکے اہتمام کیلئے ہفتے کے سات دنوں میں سے جمعے کا دن ہی سب قوموں کیلئے مقرر فرمایا گیا تھا، اور مسلمانوں کے یہاں آج تک جمعہ کا دن ہی اس غرض کیلئے مقرر ہے، جو کہ ان کیلئے ہفتہ واری عید کی حیثیت رکھتا ہے، مگر اس کے برعکس یہود نے اپنے لئے ہفتے کا دن منتخب کیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا دن، اس طرح وہ دونوں گروہ مسلمانوں سے پیچھے ہو گئے، جیسا کہ یہ امر حضرت نبیء معصوم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - سے ثابت و وارد ہے اور قانونِ سبت سے متعلق یہود بے بہبود کا یہ قصہ آگے سورۂ اعراف میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے جہاں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ - الآیۃ - [الاعراف: ۱۶۳] - سو قانونِ سبت کی مخالفت کی بناء پر یہود کو سخت بھگتان بھگتنا پڑا۔

قِرَدَةً خٰسِـِٔيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا

بندر ذلیل (وخوار) ۱۹۶ سو (اس طرح) ہم نے اس (قصہ) کو سامانِ عبرت بنادیا اس زمانے کے لوگوں کے لئے، اور اس کے

وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى

بعد آنے والی نسلوں کے لئے بھی ۱۹۷ اور ایک عظیم الشان نصیحت پرہیزگاروں کیلئے ۱۹۸ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب موسٰی نے کہا

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا

اپنی قوم سے کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ذبح کرو ایک گائے کو، ۱۹۹ تو انہوں نے کہا

۱۹۶ یہود کیلئے بندر اور خنزیر بن جانے کی ہولناک سزا: - یعنی ذلیل وخوار اور اللہ پاک کی رحمت وعنایت سے محروم ومطرود ہوکر - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - معلوم ہوا کہ جھوٹے حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات کو بدلنا، اور ان سے گلوخلاصی کی کوشش کرنا، اور اس کی مقرر فرمودہ حدود کو پامال کرنا نہایت سنگین اور ہولناک جرم ہے، جس کا انجام بہت سخت اور خوفناک ہوتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - مگر وہ حیلے جن کا مقصد احکامِ شرعیہ کا ابطال نہیں، بلکہ ان پر عمل کرنا ہو، وہ اس زمرے میں نہیں آتے۔ سو ان کو اپنانا جائز ہے کہ ان کا ثبوت خود قرآن وحدیث سے ملتا ہے، مثلاً سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ایک حیلہ وترکیب کے ذریعے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا، تو قرآنِ پاک نے اس قصے کو نقل کرنے کے بعد اس کی کسی طرح کی کوئی تردید یا تغلیط نہیں فرمائی، بلکہ اس کی درستگی اور تصویب کو اس طرح صراحت کے ساتھ بیان فرمایا - ﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ﴾ - "اسی طرح تدبیر بتائی ہم نے یوسف کو" اسی طرح حضرتِ ایوب - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے قصے میں وارد ہے کہ جب انہوں نے غصے کی حالت میں اپنی بے قصور بیوی کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی تو اس میں "حنث" یعنی قسم توڑنے کے گناہ سے بچنے، اور بے قصور بیوی کو بلاوجہ سو کوڑوں کی سزا سے بچانے کیلئے، حضرت حق - جل وعلا - کی طرف سے آپ کو یہ ترکیب بتلائی گئی، اور یہ حیلہ سکھایا گیا کہ آپ سو کوڑوں کی بجائے سو تنکوں کا ایک مٹھا لیکر اس کے ذریعے انکو ایک ہی دفعہ مار دو، تاکہ قسم بھی پوری ہو جائے، حانث بھی نہ ہونا پڑے، اور ایک بے گناہ کو بلاوجہ مارنے کا ارتکاب بھی لازم نہ آئے۔ ارشاد ہوتا ہے - ﴿خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ - اسی طرح حدیث پاک میں ایک صاع عمدہ کھجور کو دو صاع ردی کھجور کے بدلے میں بیچنے سے منع فرمایا گیا کہ تفاضل کی اس صورت میں اکلِ ربوٰا [سود خوری] کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اور اس سے بچنے کیلئے یہ طریقہ اور حیلہ ارشاد فرمایا گیا کہ تبادل جنس سے بیچ کر اس کو نقد کی صورت میں خرید لو، تو اس کے ذریعے مطلوبہ تبادلہ کرلو، تو اس طرح اختلافِ جنس کے سبب سود لازم نہیں آئیگا، (معارف للدیوبندی المرحوم)۔ پس ہر ایسا حیلہ ممنوع ومحظور ہے، جس سے کسی حکم شرعی کا ابطال لازم آتا ہو، اور جہاں حیلہ سے مقصود کسی حکم شرعی کا ابطال نہیں، بلکہ اس پر عمل کرنا اور اس میں تسہیل مقصود ہو تو وہ درست ہے۔ پس اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ

اہلِ بدعت کے ایک بڑے صاحب نے جو یہ کہا کہ ''شرعی حیلے کرنے بنی اسرائیل پر حرام تھے ہماری امت پر حلال ہیں'' تو اس نے ایک ایسی بالکل غلط اور بے بنیاد بات کہی جو عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ کیونکہ جس شرعی حیلے سے مقصود کسی حکمِ شرعی کا ابطال ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ وہ نہ کل جائز تھا نہ آج جائز ہے۔ اسی لئے بنی اسرائیل کو اس سنگین جرم پر اتنی بڑی اور سنگین سزا بھگتنا پڑی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ بنی اسرائیل کے مسخ کا یہ قصہ جمہور کے نزدیک اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ یعنی واقعۃً ان لوگوں کی شکلیں بندروں کی شکلیں بنا دی گئی تھیں۔ مگر چونکہ قانونِ قدرت کے مطابق ایسے لوگوں کی نہ نسل چلتی ہے، اور نہ ان کو زیادہ لمبی زندگی ملتی ہے، بلکہ اس طرح نمونۂ عبرت بننے کے جلد ہی بعد ان کو مٹا دیا جاتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں سے بھی یہی ہوا کہ روایات کے مطابق اس مسخ صوری کے تین روز بعد یہ لوگ ہمیشہ کیلئے مٹا دیئے گئے، البتہ مجاہدؒ وغیرہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ مسخ صوری نہیں معنوی تھا۔ مفتی محمد عبدہٗ مرحوم اور حضرت مصطفیٰ مراغی مرحوم، وغیرہ کچھ مفسرینِ کرام نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ قرآنِ حکیم یا کسی حدیثِ صحیح میں ان دونوں احتمالوں میں سے کسی ایک کے بارہ میں بھی کوئی تصریح موجود نہیں، اور الفاظِ قرآنی میں دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس لئے قطعیت اور یقین کے ساتھ ان دونوں میں سے کسی ایک رائے کو حتمی قرار دینا تو مشکل ہے۔ البتہ عمومی قرائن اور تبادر لفظی کے اعتبار سے ہمارے نزدیک راجح قول جمہور ہی کا ہے۔ ایک تو خود اختیار جمہور کی وجہ سے۔ اور دوسرے اس لحاظ سے کہ مسخ معنوی تو یہودِ بے بہبود کی ایک عمومی صفت اور طبعی اور جبلی خصلت کے اعتبار سے یونہی مشہور و معروف ہے، وہ کوئی نئی اور اچنبھے کی بات نہیں، کہ اس کو ایسے کسی خاص واقعہ کا مصداق قرار دینے کی ضرورت پڑے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا۔ واضح رہے کہ اصحابِ سبت کا یہ قصہ آگے سورۂ اعراف میں آیت نمبر ۱۶۲ سے آیت نمبر ۱۶۶ تک میں خود بیان فرمایا گیا ہے۔ وَالتَّفْصِیْلُ فِی الْمُفَصَّلِ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو سورۂ اعراف میں اس پر مزید کچھ عرض کیا جائے گا۔ وباللہ التوفیق وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۱۹۷ **یہود کا انجام دوسروں کیلئے نمونۂ عبرت**:۔ تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے احکام وارشادات سے سرتابی کرنا اور حیلے حوالوں اور خود ساختہ مشکلات اور حیلے بہانوں سے کام لیکر ان سے منہ موڑنے اور گلوخلاصی کی کوشش کرنے کا انجام کس قدر ہولناک اور کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں سچائی ہی کام آسکتی ہے نہ کہ بناوٹ اور ظاہرداری کہ اس کی صفت اور شان یہ ہے کہ اس سے کوئی بھی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور وہ آنکھوں کی چوری اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی اس عقوبت وسزا اور ان کے اس قصہ کو ایک ایسی عبرت بنا دیا گیا جس سے ہر عبرت پکڑنے والا عبرت پکڑ سکتا ہے۔ '' نکال '' کے اصل معنیٰ روکنے اور منع کرنے کے آتے ہیں۔ کیونکہ ایسی سزا دوسروں کو ایسے جرم وقصور سے روکتی ہے۔ '' ای تمنعہ و تردعہ ''۔ اور اسی لیے باندھنے کی رسی کو بھی نکل کہا جاتا ہے (محاسن التاویل للامام القاسمی مشقی)

۱۹۸ **تقوٰی وسیلۂ سعادت وسرفرازی**:۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہلِ تقوٰی ہی دوسروں کے انجام سے

عبرت لیتے ہیں تا کہ اس کو دیکھ کر وہ اپنے خالق و مالک کی معصیت و نافرمانی سے بچیں اور اس طرح کے عذاب اور انجامِ بد سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ سعادت مندوں کی صفت وشان یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو اور ان کے حال و مآل کو دیکھ کر عبرت پکڑتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ ''اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ''۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ یہ نصیحت ہے پرہیز گاروں کیلئے کہ اس سے صحیح معنوں میں سبق وہی لیتے ہیں، ورنہ یہ نصیحت سب ہی کیلئے عام ہے، مگر اہلِ تقویٰ کے علاوہ دوسرے لوگ چونکہ لاپرواہ، بےفکرے اور نچنت ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اس طرح کے عبرت انگیز واقعات سے نہ نصیحت لیتے ہیں اور نہ اس طرف متوجہ ہوتے ہیں، اسی لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ''اس واقعہ کو ہم نے نصیحت بنایا پرہیزگاروں کیلئے'' کہ وہی قولِ حق و ہدایت پر صحیح طور سے کان دھرتے اور اس سے سبق لیتے ہیں۔ اسی لیے مثل مشہور ہے کہ غلام اور بے وقوف شخص کو ڈنڈے سے تنبیہ کی جاتی ہے، جبکہ عقل مند اور شریف انسان کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ '' ان العبد یقرع بالعصا والعاقل تکفیہ الملامۃ والاشارۃ ''۔ (معارف للکاندھلوی)

۱۹۹ بنی اسرائیل کے ایک اور عبرت انگیز قصہ کا ذکر و بیان:۔ یہ بنی اسرائیل کی عبرت بھری داستان میں سے ایک اور سبق آموز اور عبرت انگیز قصے کا ذکر ہے جس کی تفصیل تفسیری روایات کے مطابق اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بڑا مالدار شخص تھا۔ اس کے وارثوں میں اس کی ایک بیٹی اور ایک بھتیجے کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس کے اس بھتیجے کے دماغ میں یہ سودا سوار ہوا کہ اپنے اس چچا کو قتل کردوں تا کہ اس کے مال پر بھی جلد قبضہ کرلوں اور اس کی بیٹی پر بھی۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا۔ اور قتل کرنے کے بعد اپنے اس مقتول چچا کی لاش کو اس نے دوسروں کے در پر ڈال دیا، اور جھوٹ موٹ کا رونا رونے لگا کہ میرے چچا کو کسی نے قتل کر دیا، جیسا کہ ایک گروہ نے نواسۂ رسول کو جھوٹے وعدے کر کے خود عراق بلایا، اور وہاں ان کو حکومتِ وقت سے ٹکرا کر خود ان سے علیحدہ ہوگئے، جس کے نتیجے میں حضرت حسینؓ کو میدانِ کربلا میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد سمیت جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس کے بعد انہی لوگوں کے اتباع و احفاد اپنے نصیب کو آج تک روتے، اور اپنے سینوں اور چہروں کو اپنے ہاتھوں سے خود آج تک پیٹتے جا رہے ہیں، جو در حقیقت خداوندِ قدوس کی بے آواز لاٹھی کا ایک کرشمہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہرکیف بنی اسرائیل کے اس قتل کا کیس حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ السلام کے حضور پیش ہوا تو آنجناب نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا گوشت مردے سے لگاؤ، وہ خود زندہ ہو کر بول پڑیگا، اور اپنے قاتل کا پتہ بتا دیگا۔ اب اگر یہ لوگ ایمان و یقین کی سچی قوت سے سرشار ہوتے تو اپنے پیغمبر کے حکم پر فوراً عمل کرتے، تو اس طرح مسئلہ بھی حل ہو جاتا اور وہ ان جھنجھٹوں سے بھی محفوظ رہ جاتے جن سے بعد میں ان کو اپنے کیے کی بناء پر سابقہ پیش آیا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و یقین کی دولت کتنی عظیم اور امن و سکون بخشنے والی دولت ہے، اور بے ایمانی و بے یقینی انسان کو کیسی کیسی مصیبتوں سے دوچار کر دیتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ بہرکیف حضرت موسٰی کے اس حکم و ارشاد پر ان لوگوں نے آگے حیل و حجت شروع کر دی، جس سے انکا معاملہ تنگ سے تنگ تر اور مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا۔ اور اس طرح وہ لوگ اپنے لئے خود مشکلات پیدا کرتے گئے۔ والعیاذ باللہ۔ بہرکیف اس قصے سے ان بدبختوں کے اِعراض و روگردانی اور انکی حجت بازی کا ایک اور نمونہ پیش فرمایا گیا ہے اور اس میں اہلِ حق کے لیے یہ درس ہے کہ وہ اس طرح کی ہر یہودی روش سے ہمیشہ بچ کر رہیں۔ وباللہ التوفیق۔

اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ ف۲۰۰ موسیٰ نے کہا "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں ہو جاؤں جاہلوں میں

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ

سے" ف۲۰۱ تو انہوں نے کہا کہ "اچھا تو پھر آپ اپنے رب سے یہ درخواست کرو، کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ گائے کیسی ہو"؟ ف۲۰۲ تو

اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌ

موسیٰ نے کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ تو (بہت) بوڑھی ہو ف۲۰۳ اور نہ (بالکل) بچھیا، (بلکہ) اس کے درمیان اوسط عمر

بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

کی ہو، پس تم لوگ کر گزرو وہ کام جس کا حکم تمہیں دیا جا رہا ہے ف۲۰۴ (مگر) انہوں نے پھر بھی موسیٰ سے کہا کہ آپ اپنے رب سے

۲۰۰ ایمان و یقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں جو ہمیں ایسی انہونی اور بے جوڑ بات کا حکم دے رہے ہیں۔ بھلا گائے کا گوشت مردے سے لگانے اور اس کے زندہ ہو جانے کے درمیان کیا جوڑ اور کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ سو یہ نتیجہ و انجام ہوتا ہے بے یقینی اور بے ایمانی کا کہ اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر سے اس گستاخانہ انداز میں بات کی جاتی ہے۔ پس ایمان و یقین سے محرومی انسان کو مکارم اخلاق اور حسنِ تخاطب کی تمیز سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ بہرکیف وہ لوگ چونکہ ایمان و یقین کی قوت اور اسکی لذت سے محروم اور عاری تھے۔ اس لیے اپنے پیغمبر کی بات ماننے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے الٹا پیغمبر کے حکم و ارشاد کے جواب میں انہوں نے یہ گستاخانہ بات کہی کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، تو پیغمبر نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں، یعنی دین سے متعلق سوال کے جواب میں مذاق کرنا تو جہالت کی بات اور جاہلوں کا کام ہوتا ہے، بھلا میں ایسے کیسے کر سکتا ہوں؟ یعنی میں تم لوگوں سے مذاق نہیں کر رہا بلکہ حق اور حقیقت بیان کر رہا ہوں بس تم صدقِ دل سے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ، تاکہ تمہیں اس الجھن اور پریشانی سے رہائی مل جائے۔

۲۰۱ بامقصد سوال کے جواب میں مذاق اڑانا جاہلوں کا کام:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے ان لوگوں کے اس بیہودہ قول کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں کہ مقصد سوال کے جواب میں صحیح اور حق بات کہنے کی بجائے مذاق اڑانا تو جاہلوں کا کام ہوتا ہے، کیا میں منصبِ نبوت و رسالت پر فائز ہو کر ایسے کر سکتا ہوں؟ اللہ کی پناہ کہ میں اس طرح کی کوئی بات کروں۔ سو پیغمبر کی شان اس سے بہت بلند ہوتی ہے کہ وہ سوال کے جواب میں مذاق اڑائے۔ سو پیغمبر جو کہتا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے، اور اسکے حکم و فرمان کو صدقِ دل سے اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے ہی میں بہتری اور بھلائی ہوتی ہے اور اس سے اعراض و روگردانی میں خسارہ و

نقصان- والعیاذ باللہ العظیم- روایات میں ہے کہ اگر وہ لوگ پیغمبر کے ارشاد پر کوئی بھی گائے ذبح کر لیتے تو انکا کام بن جاتا، لیکن انہوں نے جب خودسختی اور تشدد سے کام لیا تو ان پر معاملہ سخت اور مشکل کر دیا گیا۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر وغیرہ)۔ سوانہوں نے اپنی قیل وقال سے اپنے لئے خود مشکلات پیدا کیں -والعیاذ باللہ- بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے اپنے اس جواب سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد کے تبلیغ وتعلیم کے سلسلے میں مذاق سے کام لینا جہالت اور حماقت ہے جس سے حضراتِ انبیاء کی ذواتِ قدسیہ جن کا ایک ایک ارشاد اور ہر قول و بول کانٹے کے تول پر تلا ہوا ہے۔ پاک اور اعلیٰ و بالا ہوتی ہیں لیکن وہ جو مثل مشہور ہے کہ آدمی دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے - " المرء یقیس علی نفسہ"- تو اسی کی بناء پر ان بدبختوں نے حضرتِ موسیٰ کی جناب میں ایسی بیہودہ بات کہی- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۰۲ حضرتِ موسیٰ سے سوال کہ وہ گائے کیسی ہو؟:- سوجب ان کو یقین ہو گیا کہ حضرت موسیٰ ان سے مذاق نہیں کر رہے، بلکہ سچ اور حقیقت ارشاد فرما رہے ہیں، تو اب ان کو یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ گائے کوئی عام گائے بھی ہوسکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاید وہ کوئی خاص قسم کی گائے ہوگی، جس کے ذریعے اس طرح کا معجزانہ فعل صادر ہوگا، تو اب لگے وہ ہندی کی چندی کرنے، کہ وہ گائے کیسی ہو! بہرکیف انہوں نے حضرتِ موسیٰ سے پوچھا کہ وہ گائے کیسی اور کن صفات کی ہو؟ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر وہ کوئی سی بھی گائے ذبح کر لیتے تو انکا کام بن جاتا لیکن انہوں نے سوالات کے ذریعے سختی سے کام لیا، تو ان کیلئے انکے معاملہ کو سخت کر دیا گیا، (ابنِ کثیر، ابنِ جریر وغیرہ)

۲۰۳ مطلوبہ گائے درمیانہ قسم کی ہو:- سوحضرتِ موسیٰ نے ان لوگوں کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ گائے درمیانہ قسم کی ہو۔ یعنی نہ وہ اتنی بوڑھی ہو کہ اب بچے دینے کے قابل بھی نہ رہ گئی ہو"فارض" اور نہ بالکل بچھیا کہ ابھی تک وہ اس قابل ہی نہ ہو کہ بچے دے سکے۔ "بکر" بلکہ ان دونوں حدوں کے درمیان "عوان" ہو، اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی اور ان صفات کی حامل گائے بڑی عمدہ اور زیادہ قیمت کی ہوتی ہے، سواس طرح انہوں نے اپنے لیے دائرہ اور تنگ کر دیا، اور اس طرح کا جانور سب سے اچھا، عمدہ اور قوی ہوتا ہے، (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور اس طرح کی گائے کا ملنا ان کیلئے اور مشکل ہو گیا۔ بہرکیف حضرتِ موسیٰ نے اپنے اس جواب سے ان لوگوں کے لیے واضح فرما دیا کہ وہ گائے کوئی عجوبہ قسم کی چیز نہیں ہوگی بلکہ یہ عام گائے ہی ہوگی جو تمہارے گھروں میں پائی جاتی ہے۔ البتہ یہ چند خاص صفات ایسی ہیں جو اس میں پائی جانی مطلوب ہیں جو ایک عمدہ گائے کی صفات ہیں۔ پس تم لوگ ان صفات کا لحاظ رکھو، اور ایک ایسی عمدہ گائے کو ذبح کرو،

۲۰۴ مزید قیل وقال سے ممانعت:- سوارشاد فرمایا گیا پس تم اس کو ذبح کر دو اور مزید حیل وحجت اور قیل وقال سے اپنے اوپر دائرہ خود تنگ مت کرو، روایات میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس طرح کے سوالات اٹھانے کی بجائے ابتداءِ امر ہی سے کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے، تو ان کا کام بن جاتا، مگر انہوں نے اپنی قیل وقال وغیرہ سے اپنا کام خود مشکل سے مشکل تر بنا دیا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو تین باتوں سے خاص طور پر روکا اور منع فرمایا ہے، یعنی قیل وقال، کثرتِ سوال اور اضاعتِ مال، یعنی مال کو ضائع کرنے سے، کہ بے مقصد قیل وقال بھی کئی طرح کے مفاسد کا باعث بنتی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اور مزید اسکی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ گہرے زرد رنگ کی ہو۔ اور ایسی عمدہ اور خوبصورت قسم کی ہو کہ دیکھنے والوں کو اچھی لگتی اور انکے دلوں کو لبھاتی ہو، اور ظاہر ہے کہ اس طرح اس گائے کا حاصل کرنا ان کیلئے اور بھی مشکل ہو گیا-

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

درخواست کرو کہ وہ "ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟" موسٰی، نے کہا "وہ فرماتا ہے کہ وہ زرد رنگ کی ہونی چاہیئے، جس کا

بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝۶۹ قَالُوا

رنگ ایسا شوخ (اور تیز) ہو کہ وہ لبھاتی ہو دیکھنے والوں کے دلوں کو" انہوں نے پھر کہا کہ "آپ اپنے رب سے درخواست

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا ھِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ

کریں، کہ وہ گائے کس طرح کی ہو، کیونکہ گایوں کا معاملہ ہم پر سخت مشتبہ ہو رہا ہے، اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور

وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

(حقیقت کی) راہ پالیں گے" ۲۰۵ تو موسٰی نے کہا کہ بے شک میرا رب فرماتا ہے کہ "وہ گائے ایسی ہو کہ نہ اس سے خدمت لی جاتی

بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ

ہو، نہ اسکو ہل چلانے میں جوتا جاتا ہو ۲۰۶ اور نہ ہی وہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، صحیح سالم اور بے داغ ہو" کہنے لگے "اب آپ نے حق

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ

(اور پوری) بات کہی" تب انہوں نے اس کو ذبح کر دیا (مگر) وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے ۲۰۷ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب تم

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۱ۧ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا ع ۸

نے ایک شخص کو (ناحق طور پر) قتل کر دیا، پھر تم اس کا الزام ایک دوسرے کو دینے لگے، ۲۰۸ اور اللہ نکال باہر کرنے والا ہے، ان

۲۰۵ "اِن شاءَ اللّٰہ" کہنے کی برکت: — سو "ان شاء اللہ" کہنے کی برکت سے ان لوگوں کو اس حکم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مل گئی۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ اگر یہ لوگ "ان شاء اللہ" نہ کہتے تو کبھی بھی راہ نہ پاتے، بیشک اللہ کا نام بہت بڑا ہے، یہاں پر "مَا ھِیَ" سے سوال گائے کی صفات کے بارے میں ہے، جبکہ پہلے "مَا ھِیَ" سے سوال اس کی نوعیت کے بارے میں تھا۔ بہرکیف یہاں سے "ان شاء اللہ" کہنے کی برکت ظاہر ہوگئی اور امرِ واقعہ یہی ہے کہ سب کچھ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ کی مشیت ہی کے تابع ہے، اسی لئے اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے کہ "کسی بھی کام کے بارے میں یہ مت کہو کہ میں کل اسکو کرلوں گا مگر یہ کہ

اللہ چاہے''۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾ - [الکہف:۲۳-۲۴] کیونکہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - بندے کے ذمے صرف یہ بات ہے کہ وہ اپنے بس کی حد تک کوشش کرے اور ضرور کرے اور بھرپور طریقے سے کرے، لیکن دل کا بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر رکھے، اور اسی سے ہمیشہ نصرت وامداد کی دعاء مانگے کہ ہوگا بہرحال وہی جو اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوتا ہے، کہ اسکی کائنات میں مشیت اسی وحدہٗ لاشریک کی چلتی ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۰۶ مطلوبہ گائے کی مزید صفات:- ہمارے یہاں چونکہ زمین جوتنے کا کام عام طور پر بیلوں ہی سے لیا جاتا ہے، اس لئے گائے کے زمین میں جوتنے کی بات عجیب سی لگتی ہے، مگر دوسرے مختلف ملکوں اور علاقوں میں یہ کام گائے سے بھی لیا گیا ہے اور آج بھی لیا جاتا ہے، اور بنی اسرائیل میں بھی اس کا رواج تھا، اور لفظ 'بقرۃ'' کا اطلاق اصلِ لغت کے اعتبار سے گائے اور بیل دونوں پر یکساں ہوتا ہے۔ (المنجد وغیرہ)۔ اس لئے بعض مترجمین حضرات نے یہاں پر'' البقرۃ'' کا ترجمہ بیل سے کیا ہے مگر عام اور مشہور اطلاق کے اعتبار سے''بقرۃ'' کا لفظ چونکہ گائے کیلئے ہی مستعمل ہوتا ہے، اور بیل کیلئے'' ثور'' کا لفظ بولا جاتا ہے، (مفردات راغب، قرطبی وغیرہ)۔ اس لئے ہم نے اپنے ترجمے میں اسی معنیٰ کو اختیار کیا ہے۔ واضح رہے کہ'' بقر'' کا لفظ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے'' شق'' کرنے اور'' چیرنے''،'' پھاڑنے'' کیلئے آتا ہے۔ اسی لئے بڑے عالم کو بھی'' باقر'' کہا جاتا ہے کہ وہ جہالت کے پردوں کو چیر پھاڑ کر علم کے موتی نکال لاتا ہے، اور نت نئے اسرار ورموز دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، اور گائے اور بیل کو بھی''بقر'' یا''بقرہ'' اس لئے کہا جاتا ہے، کہ ان سے ہل جوتنے کا کام لیا جاتا ہے اور اس طرح زمین کو چیر پھاڑ کر کاشت کرنے، اور بیج ڈالنے کے قابل بنایا جاتا ہے- سبحان اللہ! کیسی عظیم، عجیب، اور کتنی حکمتوں اور نزاکتوں بھری زبان ہے یہ عربی زبان۔ والحمدللہ۔ بہرکیف'' ان شاء اللہ'' کہنے کی برکت سے انہوں نے بالآخر ایسی گائے کو ذبح کر دیا، حالانکہ انکی قیل وقال اور حیل وحجت سے لگتا نہیں تھا کہ وہ ایسا کریں گے، اور یہ گائے ان کو ایک ایسے شخص کے پاس ملی جسکے پاس اسکے سوا کوئی مال نہیں تھا، تو اس نے ان لوگوں کے مطالبے پر اس سے کہا کہ میں تم کو یہ گائے اس قیمت اور اس شرط پر دونگا کہ تم مجھے اسکا چمڑا بھر کر سونا دو، انکو اپنی پیدا کردہ تشدیدات کی وجہ سے بامرِ مجبوری یہ بات ماننا پڑی، چنانچہ انہوں نے اس گائے کو اسی قیمت پر خرید لیا اور اسکو ذبح کرکے اسکا گوشت اس مردے سے لگایا تو وہ زندہ ہوکر بول پڑا، اور اس نے اپنے بھتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے، چنانچہ اسکو اسکے بعد مقتول کی میراث سے محروم کردیا گیا، اور بعض روایات کے مطابق اسکو قصاص میں قتل کردیا گیا۔ (ابن کثیر، ابن جریر، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) اور یہی تقاضا ہے قانون شریعت کا۔

۲۰۷ مشرکوں کے شرک کی تردید خود ان کے اپنے ہاتھوں:- سو اس طرح گوسالہ پرستی کے غلیظ شرکیہ عقیدے کی تردید خود بنی اسرائیل کے ہاتھوں اور عملی طور پر کرائی گئی کہ جس گائے کے مصنوعی بناوٹی اور بے حقیقت بچھڑے کو انہوں نے اپنا معبود قرار دے کر اسکی پوجا کی تھی اور نہ صرف اسکو معبود قرار دیا تھا بلکہ اس سے بڑھکر یہ ظالمانہ اور کھلے کفر کی بات کہی تھی کہ یہی معبود ہے تم سب کا اور یہی معبود ہے موسیٰ کا مگر وہ بھول کر کوہِ طور پر چلا گیا

[illegible]

فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿۷۲﴾

چیزوں کو جن کو تم لوگ چھپاتے تھے ف۲۰۹ تو ہم نے کہا کہ اس (مقتول کی لاش) کو اس (گائے) کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ،

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

(چنانچہ ایسا کرنے سے وہ خود ہی زندہ ہو کر بول پڑا) ف۲۱۰ اسی طرح اللہ زندگی بخشتا ہے (اور زندگی بخشے گا) ف۲۱۱ مُردوں کو (اپنی قدرتِ

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ

کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں، تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو، ف۲۱۲ مگر تمہارے دل

قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ

اس کے بعد بھی سخت ہو کر پتھروں کی طرح ہو گئے، ف۲۱۳ بلکہ وہ سختی میں ان سے بھی کہیں

قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ

بڑھ گئے، کیونکہ پتھروں میں بھی کچھ ایسے ہیں جن سے پھوٹ نکلتی ہیں طرح طرح کی نہریں، ف۲۱۴

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

اور کچھ ایسے ہیں جو پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، ف۲۱۵ اور کچھ ایسے ہیں

۲۰۹ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی: - کہ وہ وحدہٗ لاشریک نہاں اور عیاں کو ایک برابر جانتا ہے، اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی، کوئی شخص یا جماعت کسی بات کو چھپانے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے، اس سے تو کسی حقیقت کو کسی بھی طرح چھپایا نہیں جا سکتا، کہ وہ دلوں کے بھیدوں کو جاننے والا، اور ''عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'' ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ پوشیدہ راز اور اس سے بھی چھپی بات کو جانتا ہے - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى - سو اس عالم الغیب والشہادۃ سے کوئی بھی بات چھپی نہیں رہ سکتی - جَلَّ جَلَالُهٗ - کہ اس کی عظمتِ شان کا عالم یہ ہے کہ ''لَا تَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ'' اور جب اس نے تمہارے اس جرم کو، اس کے اسباب و دواعی کو، اور اس کے آثار و نتائج وغیرہ سب کو نکال باہر کرنا ہے تو پھر تمہاری ان چالبازیوں، دسیسہ کاریوں، اور پردہ داریوں، سے حقیقتِ امر کو چھپانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ سبحانہ وتعالیٰ - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نکال باہر کرنے والا ہے ان چیزوں کو جن کو تم لوگ چھپاتے تھے۔

۲۱۰ مردے کے زندہ ہو جانے کا ذکر و بیان: -سو اس پر وہ مردہ زندہ ہو کر بول پڑا اور اپنے قاتل کی خبر دینے کے بعد وہ پھر مر گیا، جس سے قاتل پکڑا گیا، اس سے قصاص لیا گیا اور اس کو میراث سے محروم کر دیا گیا۔

(معارف للکاندھلویؒ) کیونکہ ضابطہ یہی ہے کہ " مَنِ اسْتَعْجَلَ بِالشَّیْءِ قَبْلَ الْاَوَانِ عُوْقِبَ بِالْخِزْیِ وَ الْحِرْمَانِ"، یعنی جو کوئی کسی چیز کے حصول کیلئے جلد بازی سے کام لیتا ہے، اور اسکو اپنے وقتِ مقرر سے پہلے حاصل کرنا چاہتا ہے، اسکو رسوائی اور محرومی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اسی لئے شریعتِ مطہرہ میں یہ دائمی اور مستقل قانون قرار دیا گیا کہ قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا خواہ وہ اس سے کیسا ہی رشتہ و استحقاق کیوں نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۲۱۶ احیاء و اماتت کے عمل کے تسلسل کا ذکر و بیان: - سو یہاں پر یہ امر واضح رہنا چاہیے کہ اللہ پاک کی طرف سے احیاء و اماتت کا عمل مسلسل جاری و ساری ہے یعنی زندگی بخشنے کا یہ کام اس قادرِ مطلق کی طرف سے، اس کی قدرتِ مطلقہ کے نتیجے میں آج بھی ہو رہا ہے، اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا، اور اس کا کامل اور آخری ظہور آخرت کے اس جہان میں اس وقت ہوگا، جبکہ وہ اس حیاتِ ابدی سے سرفراز فرما دے گا، جس کے بعد اس کی جانب سے اعلان فرما دیا جائے گا " خُلُوْدٌ لَا مَوْتَ فِیْهِ" یعنی اب یہ ہمیشہ کی وہ زندگی ہے جس کے بعد کسی موت نے نہیں آنا۔ اور جس دن یہ اعلان ہوگا وہ دن جنتیوں کے لئے سب سے بڑا خوشی و مسرت کا دن ہوگا - اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو یہ خوشی اور یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔ جبکہ دوسری طرف وہ دن دوزخیوں کے لئے سب سے بڑے افسوس اور صدمے کا دن ہوگا - اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر شر اور خاص کر اس شر سے محض اپنے فضل و کرم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ سو اللہ پاک کی طرف سے احیاء و اماتت کا یہ عمل مسلسل جاری ہے جو کہ اس کی قدرت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ اور ہم نے عام اردو تراجم کے برعکس یہ ترجمہ اس لئے کیا کہ " یُحْیِیْ " فعل مضارع ہے جو کہ اپنی اصل و اساس کے اعتبار سے حال اور مستقبل دونوں کو عام اور شامل ہے۔ پھر یہاں پر اس ضمن میں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ احیاء و اماتت کا یہ حیرت انگیز سلسلہ بیرونی کائنات کے علاوہ خود انسانی جسم کے اندر بھی لگاتار جاری و ساری رہتا ہے۔ چنانچہ آج کی سائنس اپنے سائنسی انکشافات کی بناء پر کہتی ہے کہ انسان کے اندر قوت و انرجی (ENERGY) کے سیل (CELL) لگاتار بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ دس سال کے عرصے میں اسی انسان کے برابر ایک اور انسان بن کر ٹوٹ جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص کی عمر مثلاً ایک سو سال ہے، تو اس سے اس دوران اسی کے برابر دس وجود بن کو ٹوٹ پھوٹ چکے ہوتے ہیں۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مِنْ خَالِقٍ عَظِیْمٍ - لَا حَدَّ لِقُدْرَتِهٖ وَلَا نِهَایَةَ لِعَظْمَتِهٖ - جَلَّ وَعَلَا - فَتَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ - بہر کیف بنی اسرائیل کے اس قصے سے مُردوں کے زندہ ہونے کا ایک نمونہ اور ثبوت سامنے آگیا، سو جس اللہ نے اس طرح اس مردے کو تمہارے سامنے زندہ کر دیا، اسی طرح وہ قیامت کے روز مُردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

۲۱۷ عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت و تحریک: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو۔ یعنی تم لوگوں کو عقل و فکر سے کام لینا چاہیئے تاکہ تم حق اور حقیقت تک رسائی حاصل کر سکو اور اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر کے اس کی عظمتِ بے پایاں کے آگے دل و جان سے جھک جاؤ۔ اور اس کے ارشاداتِ عالیہ کے مطابق آخرت کی حقیقی اور دائمی زندگی پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ، اور حیاتِ دنیا کی اس محدود فرصت میں اس کے لئے تیاری کرو کہ پھر یہ موقع کبھی نہیں مل سکے گا۔ وباللہ التوفیق۔ سو عقل کی روشنی ایک عظیم الشان روشنی ہے کہ اسی سے انسان کو

باقی تمام مخلوق پر فوقیت اور برتری حاصل ہوتی ہے، لیکن اگر تنِ تنہا عقل ہی پر اکتفاء کیا جائے تو اس کا نتیجہ وانجام تباہی ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ لیکن عقل کے جوہر کو اگر وحی کے نور سے منور کر کے صحیح طور پر غور وفکر میں لگایا جائے تو اس سے انسان کو حق اور حقیقت تک رسائی نصیب ہوسکتی ہے اور وہ بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ بہرکیف عقل کے جوہر بے مثال کو صحیح طور پر استعمال کرنا ایک اہم مطلوب ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۲۱۳ بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کا ذکر وبیان: - اور اپنی اسی قساوتِ قلبی کی بناء پر تم لوگوں نے ان نشانہائے قدرت سے کوئی سبق نہیں لیا، حالانکہ ان میں سے ایک ایک نشانی ایسی تھی کہ اس سے تمہارے دل گداز ہو جاتے، تم اپنے خالق و مالک کے حضور پگھل پگھل جاتے، ایمان ویقین کا نور تمہارے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا، اورتم اپنے رب کے اوامر وارشادات کے آگے صدقِ دل سے سرِ تسلیم خم ہو جاتے، خاص کر ذبحِ بقرہ اور احیاءِ مقتول کی اس صاف وصریح نشانی کے بعد، جس سے تم نے اپنے رب کی قدرتِ مطلقہ، اپنے پیغمبر کی صداقت و حقانیت اور بعث بعد الموت سے متعلق ایک صاف وصریح نمونہ اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا، مگر تمہارے دل ہیں کہ اس سب کے باوجود پگھلنے پسیجنے کی بجائے اور بگڑ گئے، اور وہ لوہے تانبے وغیرہ سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، کہ وہ بھی آگ سے پگھل جاتے ہیں۔ مگر تمہارے دلوں پر ترہیب وترغیب کی کوئی بات بھی اثر نہیں کرتی، یہ ایسے پتھر بن گئے جن پر آگ بھی اثر نہیں کرتی، الا یہ کہ ان کو بلاسٹ کر کے ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ ﴿اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ﴾- سو دلوں کی سختی محرومی کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ من قسوة القلب و حرمانه۔

۲۱۴ پتھروں سے بھی سخت دل، والعیاذ باللہ: - کہ پتھروں سے بھی نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ایسی نہریں جن سے لوگ طرح طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح بعض دل ایسے ہیں کہ ان سے علوم ومعارف کے چشمے پھوٹتے اور نہریں جاری ہوتی ہیں، جن سے ایک دنیا جہاں کی سیرابی اور فیض رسانی کا سامان ہوتا ہے، جیسے علماء راسخین اور ائمہ ہادیین کی جماعت ہے، کہ ان کے کلماتِ طیبات مُردہ دلوں کیلئے آبِ حیات کا کام دیتے ہیں، جس سے ایسے لوگ سرفراز وفیضیاب ہوکر ایک دنیا جہاں کی فیض رسانی کا ذریعہ بنتے ہیں، اور علم وعرفان کی یہ سیرابی اور فیض رسانی حسی اور ظاہری سیرابی وفیض رسانی سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ وارفع اور مبارک وحیات آفریں ہے، مگر ان لوگوں کی سنگدلی سے کسی خیر اور فائدے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ سو قسوتِ قلوب - دلوں کی سختی - محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ من قسوة القلوب وغلظتها۔

۲۱۵ پتھروں کی فیض رسانی کی دوسری صورت کا ذکر وبیان: - کہ ان کی پھٹنے سے پانی نکلتا ہے اور پانی کی اس نعمت سے بھی بڑی حد تک لوگوں کو فیض پہنچتا ہے، اور وہ اس سے طرح طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح بعض دل ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اگرچہ پہلی قسم کے لوگوں کی طرح علوم ومعارف کی ایسی بڑی نہریں جاری نہیں ہوتیں، مگر ان سے بھی علم وحکمت کے ایسے چشمے رواں ہوتے ہیں، جن سے اللہ ہی جانے کتنی دنیا کیلئے نفع بخشی اور فیض رسانی کا سامان ہوتا ہے، اور کتنے ہی لوگ ان سے مستفید وفیضیاب ہوتے ہیں۔ جیسے علماء ربانیین کی جماعت، جن سے لوگ طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتے، اور حیاتِ تازہ کی کیف آور نعمت سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ بہرکیف اس ارشاد سے دلوں کے پتھروں سے بھی سخت ہونے کی وجہ بیان فرمادی گئی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

جو گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے (لرز کر) ۲۱۶ اور (یاد رکھو کہ) اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کر رہے ہو ۲۱۷ کیا پھر بھی تم (اے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ

مسلمانو! ایسے لوگوں سے) یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ ۲۱۸ حالانکہ ان (کی جسارت و بے باکی کا عالم یہ

كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ

ہے کہ ان) میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو سنتے ہیں اللہ کے کلام کو، پھر اسکو بدل دیتے ہیں (اپنی اہواء و اغراض کے مطابق،) ۲۱۹

۲۱۶ پتھروں کا خوف وخشیت خداوندی سے گر پڑنا:- سو جن پہاڑوں کو تم لوگ بے حس اور بے شعور سمجھتے ہو، وہ اپنے رب کی معرفت سے اس درجہ سرفراز و سرشار ہوتے ہیں، اور اسکی عظمتِ شان کے احساس و ادراک کی بناء پر گر کر وہ اپنی زبانِ حال سے اللہ پاک کی ہیبت اور عظمتِ شان کا درس دیتے ہیں، اسی طرح بعض دل ایسے ہوتے ہیں جو اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ کی عظمتِ شان اور جلالتِ مقام کے احساس و ادراک سے اس طرح سراپا عجز و انکسار بن جاتے ہیں، کہ ان میں اپنی عظمت و بڑائی اور غرور و استکبار کا شائبہ تک باقی نہیں رہ جاتا، اور اس طرح وہ اپنی زبانِ حال وقال سے اس عزیز متعال وحدہٗ لاشریک کی عظمت و کبریائی کا ایسا سچا درس دیتے ہیں کہ "اَلَّذِیْنَ اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ" "جن کو دیکھ کر خدا یاد آجائے" کا مصداق بن جاتے ہیں، جیسا کہ حضراتِ عباد و زہاد کی شان ہوتی ہے، جو کہ ہمیشہ اپنے رب کی عظمتِ شان کے آگے سرِ تسلیم خم رہتے ہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو خوف وخشیت خداندی سے محروم دل بڑے ہی محروم ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۱۷ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل و بے خبر نہیں جیسا کہ غافل و لاپرواہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، اور وہ ایسی غفلت کی زندگی گزارتے ہیں جیسا کہ انکی کوئی پوچھ ہی نہیں ہونی، سو ایسے نہیں بلکہ وہ تمہارے کئے کرائے کا ایسا عظیم الشان اور بے مثل ریکارڈ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تیار کروا رہا ہے، جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں، اور کل قیامت کے اس جہاں میں جو کہ کشفِ حقائق، ظہورِ نتائج اور جزاءِ اعمال کا جہاں ہوگا تمہارا کیا کرایا یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے رکھا دھرا ہوگا، اور تمہیں اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا۔ پس بڑے ہی خسارے میں ہوں گے وہ لوگ جو اس جہاں اور وہاں کے اس انجام کو بھول کر اور اسے پسِ پشت ڈال کر اسی دنیا پر ریجھ گئے، اور اسی کے ہو کر رہ گئے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اپنے رب کو کبھی نہیں بھولنا کہ وہ بہر حال تم سب پر نگاہ رکھے ہوئے ہے-﴿ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾- اور اسکو بھولنا خود اپنے آپ کو بھولنا ہے اور خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے- والعیاذ باللہ- جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی

تصریح فرمائی گئی۔ ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَانسَاهُمْ اَنفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾۔ [الحشر:۱۹]

۲۱۸ یہود سے قبولِ حق کی توقع رکھنا عبث: - یعنی یہ استفہام انکار و تعجب کے لئے ہے جس سے ان مخلص مسلمانوں کو جو ان یہودِ بے بہبود کے ایمان کی امید رکھتے تھے یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگوں سے جن کے کرتوت یہ اور یہ ہوں ایمان کی توقع رکھنا عبث ہے۔ کیونکہ ایمان و ہدایت جو اللہ پاک کی عظیم الشان نعمت اور انمول دولت ہے، اس سے سرفرازی کے لئے اولین شرط ہے طلبِ صادق، جو ان یہود کے یہاں مفقود ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ ناہنجار لوگ اللہ پاک کی عطاء فرمودہ کتابِ ہدایت کو بدلنے اور نورِ ہدایت کو چھپانے مٹانے اور اپنی اہواء و اغراض کے مطابق ڈھالنے کی سعیٔ مذموم میں لگے ہوئے ہیں۔ تو پھر ایسوں کو ہدایت کی دولت کیسے مل سکتی ہے؟ سو ایسے میں ان سے قبولِ حق کی توقع اور امید رکھنا بالکل فضول اور عبث ہے کہ یہ لوگ عناد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں جو کہ محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۲۱۹ یہود اور تحریفِ کلامِ خداوندی: - سو اس ارشاد سے یہودیوں کے کلامِ الٰہی میں تحریف کرنے کے سنگین جرم کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس طرح اسے اپنے من پسند معنیٰ پہنا کر یہ لوگ اسکو کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ واضح رہے کہ تحریف کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور لفظی تحریف، کہ کلامِ الٰہی کے لفظوں کو ہی بدل دیا جائے۔ اور دوسری قسم ہے تحریفِ معنوی کہ لفظوں کی بجائے معنوں کو بدل دیا جائے، خواہ لغوی معنیٰ کو بدل دیا جائے، اور خواہ مرادی معنیٰ کو، تو تورات وغیرہ گزشتہ آسمانی کتابوں میں ان میں سے ہر قسم کی تحریف کا ارتکاب کیا گیا، جس کی تفصیلات کو مختلف علمائے کرام نے اپنے اپنے انداز میں واضح اور آشکارا کیا، اور ماضی قریب میں ہندوستان کے ایک نامور اور مجاہد عالمِ دین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی - علیہ الرحمۃ - نے بڑی بسط و تفصیل سے اور نہایت عمدگی کے ساتھ، حوالہ اور ثبوت کی روشنی میں اپنے رسالہ "اعجازِ عیسوی" میں، بیان فرمایا ہے جو کہ انہوں نے اردو زبان میں تحریر فرمایا تھا، جب کہ عربی زبان میں آپؒ نے اسے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "اظہار الحق" میں بھی بڑی بسط و تفصیل سے بیان فرمایا ہے، جس کو حال ہی میں قطر کی حکومت نے سرکاری طور پر اور بڑی عمدگی اور نفاست کے ساتھ طبع کرا کر وسیع پیمانے پر تقسیم کیا ہے۔ فجزاھم اللّٰہ خیرا - اور جس کا اردو ترجمہ جناب مولانا تقی عثمانی صاحب - حفظہم اللہ - نے آج سے کئی سال قبل فرمایا تھا، اور وہ "بائبل سے قرآن تک"، کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ فالحمد للّٰہ - وجزاھم اللّٰہ خیراً - یہ تو حال ہوا تورات وغیرہ سابقہ آسمانی کتابوں کا، رہ گیا قرآنِ حکیم تو اس میں لفظی تحریف تو آج تک نہیں ہوئی، اور انشاء اللہ قیامت تک نہیں ہو سکے گی کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پاک نے خود اپنے ذمے لی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ ﴾۔ البتہ اس میں معنوی تحریف کا ارتکاب اہلِ زیغ و ضلال نے بہرحال کیا ہے مگر علمائے حقانیین نے ان کا ہمیشہ اور ہر طرح سے تعاقب کیا ہے جس سے اس کتابِ حکیم کا اصل مفہوم و مدعا اپنی اصل اور صحیح شکل و صورت میں آج تک محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ والحمد للہ رب العالمین۔ تفصیلات انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں۔ وباللہ التوفیق۔

مِنۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا

اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھ چکے ہوتے ہیں، جانتے بوجھتے، ۲۲۰ اور (ان کا حال یہ ہے کہ) جب یہ ملتے ہیں

الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ

ایمان والوں سے، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، مگر جب یہ تنہائی میں آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں،

قَالُوۡٓا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ

تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو، جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، تاکہ اس طرح وہ تمہارے خلاف حجت

بِهٖ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ

قائم کریں، تمہارے رب کے یہاں؟ کیا تم لوگ سمجھتے نہیں ہو؟ ۲۲۱ کیا یہ (احمق) لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ پوری

اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنۡهُمۡ

طرح (اور ایک برابر) جانتا ہے ان باتوں کو بھی جن کو یہ لوگ چھپاتے ہیں، اور ان کو بھی جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں ۲۲۲ اور ان میں سے

۲۲۰ جانتے بوجھتے تحریفِ کلام کا ارتکاب۔ والعیاذُ باللہ: - یعنی ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی اصلی مراد کیا ہے اور یہ لوگ اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کی تحریف کی جسارت کتنا بڑا جرم ہے، مگر پھر بھی یہ لوگ اس کا ارتکاب کرتے ہیں، دنیائے دوں کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے حصول کی غرض سے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ - [آلِ عمران: ۱۸۷]۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کا اپنے دین اور اپنی کتاب پر بھی ایمان نہیں، یہ ان کا نام بھی محض دھوکہ دینے اور نفسانی خواہشات واغراض کی تکمیل وتحصیل کیلئے لیتے ہیں، اصل چیز ان کے نزدیک دنیائے دوں اور اسی کے فانی مفادات ہیں اور بس۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ انکا جرم سنگین اور ڈبل ہے، کیونکہ اگر بات سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو پھر بھی کسی عذر اور معذرت کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن جب بات سمجھ لی جائے اور حقیقت واضح ہو جائے تو اسکے بعد جان بوجھ کر تحریف سے کام لینے کا کام اور بھی زیادہ سنگین جرم بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔

۲۲۱ یہودیوں کی مَت ماری کا ایک نمونہ ومظہر: - سو اسی طرح مت مار کر رکھ دی جاتی ہے ان لوگوں کی جو راہِ حق وہدایت سے سرتابی کرتے، اور جان بوجھ کر منہ موڑتے ہیں۔ بھلا ان لوگوں کو دیکھئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے کتاب ہدایت پانے والے، اہلِ کتاب ہونے کا شرف و امتیاز رکھنے والے اور انبیاء کرام - عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ - کی نسل سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ لیکن حضرت خاتم الانبیاء - ﷺ - پر اور آپ کی لائی ہوئی آخری اور کامل و جامع کتاب قرآنِ مجید پر ایمان لانے سے انکار کر کے یہ لوگ منصۂ شرف سے حضیضِ مذلت میں اس طرح اور اس حد تک گر گئے کہ یہ اپنے ان لوگوں سے اس طرح کہتے تھے جو کہ مسلمانوں میں سے کسی کو آنحضرت - ﷺ - کی ان صفات میں سے کچھ بتا دیں جو کہ ان کی کتابوں میں آپ - ﷺ - سے متعلق وارد ہوئی تھیں۔ تو یہ ان سے کہتے کہ تم نے ایسے کیوں کیا اور مسلمانوں کو ان کے نبی سے متعلق ان صفات کی خبر کیوں دے دی، جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، اور تمہاری کتاب میں ذکر فرمائی ہیں۔ اس طرح تو مسلمان کل حشر میں تمہارے رب کے یہاں تمہارے خلاف حجت قائم کر دیں گے، یعنی اگر تم ان کو بتاؤ گے نہیں، اور حق کو اس طرح چھپائے رکھو گے، تو پھر کوئی بات نہیں، گویا کہ پھر اللہ کو پتہ نہیں چلے گا، اور اس طرح کل قیامت کے روز ان کے خلاف حجت قائم نہیں ہو سکے گی۔ یہ حال ہے اس قوم اور ان لوگوں کا جو ایمان و یقین کے دعویدار اور انبیاء و رسل کی نسل اور ان کی اولاد میں سے ہونے کا زعم اور گھمنڈ رکھتے ہیں، اس وحدہٗ لاشریک کے بارے میں جو کہ ”علیم بذات الصدور“ ہے۔ ان لوگوں کا کہنا اور ماننا یہ تھا کہ اگر تم لوگ مسلمانوں کو نبی آخر الزماں سے متعلق ان صفات کی خبر نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے خلاف کوئی حجت قائم نہیں ہوگی، گویا اللہ کو تمہارے اس جرم حق پوشی کا پھر کوئی پتہ نہیں چل سکے گا، سو اس سے بڑھ کر اندھے اور اوندھے پن کی اور محرومی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ مگر ان بدبختوں کو اس کا احساس و شعور ہی نہیں جو کہ محرومیوں کی محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۸۳ اللہ تعالیٰ سے کسی بھی چیز کو چھپانا ممکن نہیں - سبحانہٗ و تعالیٰ: - سو جب اس وحدہٗ لاشریک کی صفت اور شان یہ ہے کہ وہ نہاں و عیاں کو ایک برابر جانتا ہے تو پھر اس سے کسی بات کو چھپا دینا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ پس یہ تم لوگوں کی اپنی حماقت اور سخت بھول ہے، جو تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس طرح حق پوشی کر کے تم لوگ اس قادرِ مطلق کی گرفت و پکڑ اور اس کے غضب و عقاب سے بچ جاؤ گے، اور تمہاری اس کج فکری نے تمہارا زاویۂ نگاہ ہی بدل دیا اور تم لوگوں کو بگاڑ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہر کیف اس ارشاد میں ان لوگوں کی تحمیق اور تجہیل پر تعریض ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس قدر واضح اور اتنی بڑی حقیقت کا بھی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ انکی چھپی اور ظاہری باتوں کو ایک برابر جانتا ہے۔ بہر کیف جیسا کہ حضرت حسن بصریؒ وغیرہ حضرات نے فرمایا کہ یہود جب اہلِ ایمان سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لائے، لیکن جب تنہائی میں اپنے بڑوں سے ملتے تو کہتے کہ کیا تم ان مسلمانوں کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، تاکہ یہ تمہارے رب کے یہاں تم پر حجت قائم کریں، کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (قرطبی، ابن کثیر وغیرہ)۔ بہر کیف یہ ان لوگوں کی حماقت اور مت ماری کا ایک نمونہ ہے - والعیاذ باللہ - بہر کیف یہ ایک اہم اور بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کو ایک برابر جانتا ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ -

أُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

کچھ ایسے امی (اور ان پڑھ) ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے کچھ (بے بنیاد) امیدوں (اور آرزوؤں) کے ۲۲۳ اور یہ لوگ

يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ق

محض ظن (و تخمین) پر چلے جا رہے ہیں ۲۲۴ سو بڑی خرابی ہے ۲۲۵ ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے، (اپنے خود ساختہ

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط

اضافوں کے ساتھ،) پھر کہتے ہیں کہ یہ (سب کچھ) اللہ کی طرف سے ہے ۲۲۶ تاکہ اس طرح وہ (اپنی اس جسارت کے عوض دنیاء دوں کا)

۲۲۳ یہود اپنی خود ساختہ اور من مانی امیدوں کے جال میں، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہود اپنی خود ساختہ امیدوں اور آرزوؤں کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں، اور من مانی امیدوں کے جال میں پھنسے اور الجھے ہوئے ہیں مثلاً یہ کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں - ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآءُهٗ﴾ - نبیوں کی اولاد اور صاحبزادے ہیں، جو کچھ کرتے جائیں نہ ہماری کوئی پکڑ ہونی ہے، اور نہ ہمیں کوئی سزا ملنی ہے، اور اگر کوئی سزا ملی بھی تو محض گنتی کے کچھ دنوں کیلئے - ﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ - تک ہوگی اور بس - وغیرہ وغیرہ - اور قریب قریب یہی حال آج کے بہت سے جاہل مسلمانوں، اہل ہوی اور اصحاب زیغ و ضلال کا ہے، وہ بھی اسی طرح کی "امانی" اور خود ساختہ امیدوں اور آرزوؤں کی بھول بھلیوں میں پڑے ہیں، ان میں بھی کتنی ہی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کو نہ اپنے دین کی مقدس تعلیمات کا کچھ پتہ، نہ اپنے فرائض و ذمہ داری سے آگہی، نہ عقائد کا علم، اور نہ اسلامی اخلاق کی خبر، بس کچھ رسوم و تقالید ہیں، جن پر یہ لوگ مست و مگن ہیں، اور کچھ مفروضے ہیں جن پر انہوں نے تکیہ اور آسرا کر رکھا ہے مثلاً یہ کہ ہم سید اور سید زادے ہیں۔ فلاں "گدی" اور دربار کے ملنگ اور مجاور ہیں۔ "نوری" اور "نورانی" ہیں۔ سگ درگہ فلاں اور فلاں حضرت کے تعلق دار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ نہ نماز کی پروا نہ روزے کی فکر۔ نہ حلال و حرام کی تمیز نہ قرآن کی تعلیم سے آگہی اور نہ حدیث رسول سے شناسائی - اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ - ان میں سے بعض تو صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ صاحب ہم نے تو فلاں ہستی کا لڑ پکڑ رکھا ہے۔ بس وہی ہمیں کافی ہیں۔ ان ہی کو خوش رکھنا ہمارا کام ہے۔ وہ ہمارا تمام کام خود بنا دینگے۔ جہاں سے اونٹ گزرتا ہے اس کی دم بھی اس کے ساتھ گزر جاتی ہے۔ ہماری ان کے آگے اور ان کی ان کے آگے۔ وہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی رد نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسے لوگ اسی طرح کی فلسفہ طرازیوں میں الجھے رہتے ہیں، اور اسی طرح کی سخن سازیوں میں مست و مگن رہتے ہیں - تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ - سو قرآن حکیم ایسے لوگوں کو طرح طرح سے جھنجھوڑتا اور خبردار کرتا ہے کہ اس طرح کی خود ساختہ آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا، یہ سب کچھ نفس و شیطان کا دھوکہ ہے، - والعیاذ باللہ العظیم - کام آنے والی چیز بہرحال انسان کا اپنا عقیدہ و عمل ہے اور بس - و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید -

۲۲۴ ظن و تخمین کی پیروی باعث محرومی والعیاذ باللہ: - سو اس سے یہودیوں کی ظن و تخمین کی پیروی اور اسکے شاخسانوں

کو ذکر فرمایا گیا ہے، سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ یہ لوگ محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ ظن و تخمین کی پیروی راہِ حق میں کچھ کام آنے والی نہیں۔ ﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا﴾۔ مگر یہ لوگ اپنی متاعِ عمر اور فرصتِ حیات کو اسی طرح ضائع کرتے جا رہے ہیں، اور کل جب فیصلہ کے اس مقام پر پہنچیں گے تو ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ تب یہ افسوس کے مارے اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائیں گے مگر عمرِ محدود اور فرصتِ عمل کی اپنی پونجی لٹا دینے کے بعد بے وقت کے اس افسوس سے ان کو حسرت و یاس میں اضافے کے سوا اور حاصل کچھ نہیں ہو سکے گا۔ یہی وہ سب سے بڑا اور ہولناک خسارہ ہے، جس کی تلافی ممکن نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ سو ایسے میں قرآنِ حکیم کا دنیا پر یہ کس قدر بڑا احسان ہے کہ وہ ان کو بار بار اور طرح طرح سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر حق و ہدایت کی دعوت دیتا ہے، تاکہ خود ان کا بھلا ہو۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ آخرت کی تیاری اور اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف یہودیوں نے اللہ کے کلام کو تحریف کے خراد پر چڑھا کر ایسا اور اس حد تک بدل دیا تھا کہ وہ کچھ کا کچھ ہو کر رہ گیا تھا۔ یہاں تک یہ بدبخت نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیرے میں ڈوب گئے تھے اور اوہام و ظنون کے ایک خود ساختہ گورکھ دھندے میں الجھ کر اور پھنس کر رہ گئے تھے۔ مثلاً یہ کہ جنت میں یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی داخل ہی نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ کہ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں سوائے گنتی کے کچھ دنوں کے۔ اور اس طرح یہ لوگ محروم سے محروم تر ہوتے چلے گئے ان کو احساس و شعور بھی نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۵ تحریف کرنے والوں کیلئے بڑی سخت خرابی:۔ یعنی "وَیْل" کی تنوین تعظیم و تفخیم کیلئے ہے، اور "ویل" مصدر ہے "ویح" کی طرح، لیکن اس سے نہ کوئی فعل آتا ہے اور نہ ہی جمع (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ اور اس کے معنی خرابی، ہلاکت اور تباہی وغیرہ کے آتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ عذابِ دوزخ میں مبتلا ہونے سے بڑھ کر ہلاکت و خرابی اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور سنن ترمذی وغیرہ کی بعض روایات میں وارد ہے کہ ویل سے مراد دوزخ کی ایک وادی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اسی لئے حضرات سلف میں سے اکثر نے اس کا مصداق اسی کو قرار دیا ہے (صفوۃ البیان، روح المعانی، ابن کثیر، وغیرہ وغیرہ)۔ سو کلامِ الٰہی میں تحریف اور اللہ کے ذمے ایسی بات لگانا جو اس نے نہیں فرمائی، بڑا ہی سنگین جرم ہے اور اس کا انجام نہایت ہی ہولناک ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس سلامتی کی راہ اور نجات کی راہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تعلیم فرمودہ ہدایات اور اسکے ارشاد فرمودہ احکام و اوامر کی پیروی کرے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف تحریف کرنے والوں کے لیے بڑی سخت خرابی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۶ جرم بالائے جرم کا ارتکاب۔ والعیاذ باللہ:۔ سو کلامِ الٰہی میں اپنی طرف سے اضافے کرنے، اور پھر انکو اللہ کی طرف منسوب کرنے اور اس طرح وہ جرم پر جرم کے مرتکب ہوتے ہیں کہ ایک طرف تو اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بدلنے کی سنگین جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں، اور دوسری طرف وہ کتابِ ہدایت کو بدل کر اس کی سچی اور نورانی تعلیمات سے خلقِ خدا کو محروم کرنے کا جرم کرتے ہیں۔ اور تیسری طرف وہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پر افترا باندھتے ہیں اور ایسی باتوں کو اس کے ذمے لگانے کی سعیِ مذموم کرتے ہیں جو اس نے نہیں فرمائیں۔ تَعَالٰى وَتَقَدَّسَ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ اور اللہ پر افترا کرنے والوں سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟۔ اور یہ سب کچھ ایسے بدبخت جانتے بوجھتے کرتے ہیں۔ کوئی بے خبری اور جہالت کی بناء پر نہیں۔ اور محض اس لیے کرتے ہیں کہ اس طرح یہ لوگ دنیائے دوں کے چند ٹکے کما سکیں۔ جس سے ان کی دنیا پرستی، خواہشاتِ نفس کی پیروی اور لذتِ ایمان و یقین سے محرومی جیسے رذائل و قبائح ظاہر و واضح ہو جاتے ہیں اور انکے دعوائے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے مگر ان کو اپنی اس محرومی کا احساس و شعور ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ۔

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا

کچھ گھٹیا مول حاصل کرسکیں ف٢٢٧ سو بڑی خرابی ہے ان کے لئے ان کے اپنے ہاتھوں کے اس لکھے کی بناء پر، اور بڑی خرابی ہے ان کے لئے

يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط

ان کی اپنی اس کمائی کی بناء پر، جو یہ لوگ (اس طرح) کرتے ہیں ف٢٢٨ اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں، بجز

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

گنتی کے کچھ دنوں کے ف٢٢٩ (ان سے) پوچھو کہ "کیا تم نے (اس پر) اللہ کے یہاں کوئی عہد لے رکھا ہے؟ کہ وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی

٢٢٧ حق کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نورِ حق و ہدایت کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ اور صفر ہے، کہ اول تو دنیا ساری ہی آخرت کے مقابلے میں قلیل اور بے حقیقت ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ۔﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾۔ [النساء:٧٧] نیز فرمایا گیا ۔﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ [التوبۃ:٣٨] اور حدیث شریف میں حضرتِ نبیِّ معصوم ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر اس ساری دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو پانی کا گھونٹ بھی نہ پلاتا" (ترمذی، باب الزھد)۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ ﷺ نے بکری کے مرے ہوئے ایک ایسے بچے کو جس کے کان بھی چھوٹے چھوٹے تھے (یعنی وہ بچہ تھا) کان سے پکڑ کر لوگوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کو ایک درہم کے بدلے میں لینے کو تیار ہو؟ تو اس کے جواب میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کوئی بھی نہیں، اس کو ہم کیا کرینگے۔ یہ اگر زندہ ہوتا تو بھی ہم اسے لینے کو تیار نہ ہوتے کہ یہ عیب دار ہے، کہ اس کے کان چھوٹے چھوٹے ہیں، تو اب اس حالت میں جبکہ یہ مرا ہوا اور مردار ہے اسے کوئی لے کر کیا کرے گا؟ تب اللہ کے رسول ۔عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام ۔ نے قسم کھا کر فرمایا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بھی کہیں زیادہ گھٹیا اور گئی گزری ہے، جتنا کہ تمہارے نزدیک بکری کا یہ مرا ہوا بچہ ہے "فَوَ اللّٰهِ اَلدُّنْيَآ أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ" تو جب پوری دنیا کی بھی اللہ پاک کے یہاں یہ حقیقت و حیثیت ہے، تو پھر اس کے کچھ ٹکوں کی اور وہ بھی حق فروشی اور حق پوشی کے عوض و بدلہ میں ملنے والے ٹکوں کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ پس اسی عظیم حقیقت کو ہم نے یہاں اپنے ترجمے میں ظاہر کرنے کی امکانی حد تک کوشش کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ سو اصل چیز دین و ایمان کی دولتِ بے مثال ہے، جسکے بعد دنیا ملے تو بھی خیر اور نہ ملے تو بھی خیر، جبکہ اسکے بغیر دنیا ملے تو بھی عذاب، اور نہ ملے تو بھی عذاب ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو دولتِ ایمان و یقین ایک عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے ۔ والحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان ۔

۲۲۸ بُری کمائی کی ایک بڑی قسم کی نشاندہی: -یعنی دین فروشی کے بدلے میں کی جانے والی کمائی، جو کہ بہت ہی بُری کمائی ہے والعیاذ باللہ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دین فروشی اور تحریف کے ذریعے کی جانے والی کمائی بہت ہی بُری کمائی ہے- والعیاذ باللہ- سو یہ لوگ کتمانِ حق اور دین فروشی کے ذریعے ایسے ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں کہ اس طرح یہ لوگ دنیا کے ان عارضی اور فانی فائدوں پر ریجھ کر آخرت کے دائمی اور ہولناک عذاب کو اپنانے کا سامان کرتے ہیں، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے- والعیاذ باللہ- اور اس طرح یہ لوگ ہدایت سے خود بھی محروم ہوتے ہیں، جو کہ محرومیوں کی محرومی ہے- والعیاذ باللہ- اور اس کو بدل سدل کر یہ لوگ دوسروں کو بھی محروم کرنے کے دوہرے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- تو پھر اس سے بڑھ کر خبیث اور بری کمائی اور کون سی ہوسکتی ہے- والعیاذ باللہ- بہرکیف دین فروشی اور کتمانِ حق یعنی حق کو چھپانے کا جرم ایک نہایت سنگین جرم ہے۔ اور اس جرم کے ذریعے حاصل کی جانے والی کمائی حرام اور گناہ کی کمائی ہے، اور حرام کمائی جب کسی جسم میں جاتی ہے- والعیاذ باللہ- تو وہ مسلوب التوفیق اور مسلوب الخیر ہو جاتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اور حق وہدایت کی دولت ایسی عظیم الشان اور اس قدر بے مثال دولت ہے کہ پوری دنیا بھی اس کے مقابلے میں ہیچ اور صفر ہے جبکہ اصل اور حقیقی دولت جنت کی نعیم مقیم ہی کی دولت ہے۔ اور اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جو کہ ابدی اور لامحدود زندگی ہے اور جس میں کامیابی کی اساس و بنیاد تقویٰ و پرہیزگاری ہی پر ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا -﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴾ [النساء: ۷۷] وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الٰی سواء السبیل- سو بڑے ہی بدبخت اور محروم القسمت ہیں وہ لوگ جو دنیائے دوں کے چندٹکوں کی خاطر دین فروشی کے ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس طرح اپنے لیے دائمی ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۲۲۹ بنی اسرائیل کی خودساختہ آرزوؤں کا ذکر وبیان: -سو اس سے بنی اسرائیل کی خودساختہ آرزوؤں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں مگر گنتی کے کچھ دن یعنی صرف چالیس دن کہ اتنے ہی دن ہم نے گوسالہ پرستی کے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ یا صرف سات دن۔ کیونکہ یہودِ بے بہبود کے نزدیک دنیا کی کل عمر صرف سات ہزار برس ہے، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں ہر ہزار برس کے جرائم کے عوض صرف ایک دن کی سزا ملے گی، اس طرح کل سات دن تک عذاب ہوگا اور بس۔ (جامع البیان ، صفوۃ البیان ، المراغی ، الروح وغیرہ)۔ سو یہ ان لوگوں کی اپنی خودساختہ امیدوں اور من گھڑت آرزوؤں کا ایک نمونہ ہے۔ سو ایسے ہی محرومی اور بدنصیبی کے دھکے لگتے ہیں، ان لوگوں کو جو اللہ کی عطا کردہ ہدایت ورہنمائی سے منہ موڑ کر، اپنی من مانی کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- سو سلامتی اور راست روی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو ترک کرکے حق و ہدایت کی اس راہ کو اپنائے، اور اسی بات کی پیروی کرے جو اسکو اسکے خالق و مالک کی طرف سے عطا فرمائی جاتی ہے کہ اسی میں اس کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان ہے۔ اسمیں اپنی طرف سے کوئی بات شامل نہ کرے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ

نہیں کرے گا، یا تم لوگ یونہی اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو، جس (کی خطورت وسنگینی) کو تم جانتے نہیں؟ ف۲۳۰ (اور دوزخ کی آگ تمہیں

سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

چھوئے گی) کیوں نہیں؟ (جب کہ قانون عام یہ ہے کہ) جس کسی نے بھی برائی کمائی اور (یہاں تک کمائی کہ) گھیر لیا اس کو اس کی

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

خطا کاریوں نے، تو ایسے لوگ (یقیناً) دوزخی ہیں، جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا ف۲۳۱ اور (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے

۲۳۰ یہود کے ایک زعمِ فاسد کی تغلیط وتردید:- کہ ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں سوائے گنتی کے کچھ دنوں کے۔ سو یہ لوگ اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہیں جس کی بارے میں یہ جانتے نہیں کہ اللہ پاک کے کلام کی تحریف کرنا، اور اس پر افتراء باندھنا کس قدر سنگین اور کتنا ہولناک جرم ہے۔ سو اتنی بڑی بات تم لوگ کس بنیاد پر کہہ رہے ہو۔ اس بات کا تعلق چونکہ محض غیب سے ہے اور آخرت کے اس جہاں سے ہے جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے، اور غیب کی بات کو جاننا سوائے وحیِ خداوندی کے ممکن نہیں۔ اب تم بتاؤ کہ تم لوگ آخر ایسی بڑی بات کس بنیاد پر کہتے ہو؟ کیا تمہارے پاس غیب کی ایسی کوئی خبر اور اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد جو اس نے تم سے اس بارہ فرمایا ہو کہیں ہے؟ اگر ہے تو بتاؤ وہ کہاں ہے؟ اور اگر ایسا کوئی عہد نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم لوگ اللہ پہ افتراء باندھتے ہو، اور اللہ پر یہ افترا باندھنے سے بڑھ کر ظلم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سو اب تم لوگ اپنے بارے میں خود دیکھ اور سوچ لو کہ تم لوگ کہاں کھڑے ہو اور کس انجام کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہو؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۳۱ خطا کاریوں کا احاطہ اور اس کا نتیجہ؟:- سو بنی اسرائیل کے مذکورہ زعم فاسد کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو دوزخ کی آگ چھوئے گی کیوں نہیں جبکہ قانونِ عام یہ ہے کہ جس نے برائیوں کی کمائی کی اور یہاں تک کہ گھیر لیا اس کو اس کی خطا کاریوں نے تو ایسے لوگ یقیناً دوزخی ہیں جہاں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ سو جس کی خطا کاریوں نے اس کو گھیر لیا اور اسکی خطا کاریوں کی ظلمت اسکے قلب و باطن پر چھا گئی ہو، اور اس طرح کہ اس میں ایمان و یقین اور خوف وخشیت خداوندی کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہ گئی ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اور یہ انجام کفر و شرک ہی کا ہوسکتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اس لئے یہاں پر ''خطیئۃ'' اور خطا کاریوں، سے مراد عام اور ابتدائی نوعیت کی خطائیں اور خطا کاریاں نہیں، بلکہ یہاں پر اس سے مراد اس کا آخری درجہ ہے، یعنی کفر و شرک - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اس لئے حضراتِ مفسرینِ کرام نے اس کو بالعموم اسی پر محمول کیا ہے، (مدارک، روح، ابن کثیر، المراغی، محاسن التاویل، اور صفوۃ، وغیرہ)۔ سو جس کو اسکی خطا کاریوں نے اس طرح اپنے گھیرے میں لے لیا ہو، وہ دوزخ کا یار بن جائے گا اور اسکو ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو جو کہ سب سے بڑا خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں خطا کاریوں سے محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۹ ع ۹/۱۱

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ

کام بھی نیک کیے ۲۳۲ وہ جنتی ہوں گے، جہاں انہیں ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا ۲۳۳ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ)

۲۳۲ مدارِ نجات ایمان اور عملِ صالح:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی نیک کیے تو وہ جنتی ہونگے۔ پس نجات و کامیابی کا مدار و انحصار ایمانِ صادق، اور عملِ صالح کی دو بنیادوں پر ہے، خواہ ایسا شخص کوئی بھی ہو، کہیں کا بھی ہو، نہ حسب و نسب کا کوئی سوال ہے، اور نہ خود ساختہ آرزؤں اور من گھڑت تمناؤں سے کچھ بن سکتا ہے۔ یہ سب کچھ نفس و شیطان کا دھوکہ اور فریب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ پس تم لوگ (اے یہود!) اگر فلاح و کامیابی چاہتے ہو تو سچے دل سے نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لے آؤ اور ان کے لائے ہوئے دینِ حق کی تعلیمات کو صدقِ دل سے اپناؤ، ورنہ تمہارے لیے ہلاکت و تباہی ہے کہ مدارِ نجات صرف اور صرف ایمانِ صادق اور عملِ صالح ہے اور بس۔ خواہ ایسا شخص کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو، اور اسکا تعلق کسی بھی قوم قبیلہ اور نسل و علاقہ سے ہو، کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ عدل و انصاف سب کیلئے ایک اور یکساں ہے، سو اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلہ فلاں ابن فلاں کی بنیاد پر نہیں ہوتا اور وہاں پر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کون ہے، بلکہ اس پر ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے؟ یعنی اشخاص و ذوات کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اعمال و کردار کو دیکھا اور پرکھا جاتا کہ اس کا ایمان و عقیدہ کیا تھا اور عمل و کردار کیا۔ وباللّٰه التوفيق لما يحب ويريد ،وعلى ما يحب ويريد ،وبيده ازمة التوفيق والعناية۔

۲۳۳ دقتِ تعبیر کا ایک نمونہ:۔ یہاں پر تعبیر کا ایک باریک مگر عظیم فرق بھی ملاحظہ ہو، کہ دوزخیوں کی جزاء کے بیان میں تو حرفِ "فاء" کو لایا گیا اور ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ فرمایا گیا، جو کہ ترتیب کو ظاہر کر رہی ہے، یعنی دوزخ میں جانا، اور اس میں ہمیشہ کیلئے رہنا، ان لوگوں کے اپنے کیئے کا وہ پھل اور ثمر ہوگا، جو انسان کے اپنے کیئے پر از خود مرتب ہوتا ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ جبکہ اہلِ جنت کی جزاء کے بیان میں حرفِ "فاء" کا ذکر نہیں، صرف ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ فرمایا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوا کہ جنت میں داخلہ اور وہاں کا خلود ان کو اگرچہ اپنے ایمان و عمل کے سبب سے ہی ملے گا، مگر یہ ان کے عمل کا عوض و بدلہ، اور لازماً مرتب ہونے والی جزاء کے طور پر نہیں بلکہ محض اللہ پاک کی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بے غایت کی بناء پر ہوگا۔ کیونکہ انسان ضعیف البنیان خود اور اس کا عمل سب کچھ محدود در محدود ہے۔ جبکہ آخرت کی زندگی اور جنت کی نعمتیں غیر متناہی اور لامحدود ہیں ۔ تو کوئی محدود و لامتناہی شے کسی غیر محدود و لامتناہی کا عوض و مقابل بننے کے لائق کہاں اور کیونکر ہوسکتی ہے۔ پس جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز فرمانا دراصل اس اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۔ جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ۔ کا کرم و احسان ہوگا، جیسا کہ دوسری مختلف نصوص میں اس کی تصریح موجود ہے، البتہ اس کے اس کرم و احسان کا سبب و ذریعہ انسان کا اپنا وہ ایمان و اخلاص اور عمل و کردار ہی ہوگا جس کا ثبوت اس نے اپنی زندگی میں دیا ہوگا۔ وباللّٰه التوفيق لما يحب ويريد وهو الهادى الى سواء السبيل ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَ

جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم نے بندگی نہیں کرنی مگر صرف اللہ کی ۲۳۴ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

تم نے اچھا سلوک کرنا ہے اپنے ماں باپ کے ساتھ، ۲۳۵ اور اپنے رشتہ داروں، یتیموں، اور مسکینوں کے ساتھ،

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط

اور عام لوگوں سے بھلی بات ہی کرنی ہے ۲۳۶ اور یہ کہ تم لوگ نماز قائم رکھنا، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا،

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

پھر تم لوگ پھر گئے، بجز تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے، اور تم لوگ تو ہو ہی پھرنے والے ۲۳۷

۲۳۴ بنی اسرائیل سے عبادت وبندگی کے عہد کا ذکر وبیان:- کہ عبادت و بندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرنی ہے۔ سو وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے کہ جب بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ تم کو عبادت و بندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرنی ہے کہ معبودِ برحق وہی اور صرف وہی وَحْدَہٗ لاشَرِیک ہے۔ پس عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی کیلئے مختص اور خاص اس کا حق ہے، خواہ وہ بدنی ہو یا مالی، یا دونوں سے مرکب، اور قلبی ہو یا لسانی، سب اسی وَحْدَہٗ لاشَرِیک کا حق ہے۔ ان میں سے کوئی قسم بھی اسکے سوا اور کسی کے لئے بجالانا جائز نہیں، اور ایسا کرنا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا اور ان اوامر و احکام کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی جو حضرتِ حق جل مجدہٗ نے بنی اسرائیل کو فرمائے تھے، اور ان میں سب سے پہلا جو حکم فرمایا گیا وہ حضرت حق جل مجدہ کی عبادت و بندگی کا حق ہے جو کہ سب سے اہم، سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ و بالا حق ہے، اور اس میں دورِ حاضر کے یہود و نصاریٰ اور دوسروں کیلئے بھی درس ہے کہ تم سب بھی عبادت و بندگی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی بجالاؤ، کہ معبودِ برحق بہرحال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۳۵ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم و تلقین:- کہ سچے دل سے ان کی تعظیم و تکریم کرو، بدنی و مالی ہر طرح سے ان کی خدمت کرو اور قولی و فعلی کسی طرح کی انکو ایذا مت پہنچاؤ وغیرہ وغیرہ۔ قرآنِ حکیم میں اس آیتِ کریمہ میں اور اس کے علاوہ دوسرے بھی کئی مقامات پر والدین کے حق کو حق اللہ کے ساتھ ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، جس سے حقوقِ والدین کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور اس کی ایک ظاہری اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کا اور ہر مخلوق کا خالق اور موجد تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اسباب کی اس دنیا میں انسان کے

ظہور و وجود اور اس کی تربیت و پرورش کا ظاہری سبب و ذریعہ اس کے والدین ہی ہوتے ہیں، اس لیے عقلی اور فطری طور پر ان کا حق مخلوق میں سب سے مقدم اور سب پر فائق ہی قرار پاتا ہے۔ اسی لیے حضرتِ حق جل مجدہٗ نے اپنے حق کے ساتھ اسکو ذکر فرمایا ہے۔ اور احادیث شریفہ میں بھی ماں باپ کے حقوق کو اسی طرح حق اللہ کے بعد سب سے اہم حق کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ درس دیا گیا ہے کہ سب سے اہم اور سب سے اولین حق تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اسکے بعد ماں باپ کا حق ہے، کہ اسکے وجود و بروز کا ذریعہ و وسیلہ وہی ہیں۔

۲۲۶ لوگوں سے حسنِ سلوک کی تعلیم و تلقین: ۔ ''النّاس'' کا لفظ عام ہے۔ مومن غیر مومن سب ہی کو شامل ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہر کسی سے اچھائی اور بھلائی ہی کی بات کرو خواہ وہ کوئی مومن ہو یا غیر مومن۔ اور بھلی بات میں بنیادی طور پر تین باتیں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ بات حق اور سچ ہو۔ دوسرے یہ کہ حق بات کہتے ہوئے نیت بھی بھلائی اور خیر خواہی کی ہو۔ تیسرے یہ کہ کہنے کا انداز بھی درست ہو۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ ''حق کہو، حق کیلئے اور حق کے ذریعے''۔ بالفاظِ دیگر۔ ''اَلْجَهْرُ بِالْحَقِّ لَهٗ وَبِهٖ''۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج سے کوئی بیس اکیس سال قبل ہم نے اپنی جماعت کے ایک لیٹر پیڈ پر انہی کلمات کو نصب العین اور ماٹو کے طور پر طبع کرایا تھا۔ بہر کیف۔ ﴿قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ کا ارشادِ ربانی جو کہ بظاہر ایک چھوٹا سا جملہ ہے، حقیقت میں ایک عظیم الشان ارشاد ہے، جو مکارمِ اخلاق کی ایک اہم اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آج اسی پر صحیح طور پر عمل کرلیا جائے تو معاشرے کی اصلاح میں ایک انقلابی نوعیت کی تبدیلی آسکتی ہے، مگر افسوس کہ آج مسلمان اس کے علم اور اس سے استفادہ کرنے سے محروم اور بے بہرہ ہے۔ اسکو اس کا پتہ ہی نہیں کہ اس کا دین اسکو کیا سکھاتا، بتاتا اور ہدایت کرتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ جَلَّ وَ عَلَا۔ اللہ مکارمِ اَخلاق کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲۲۷ عہد شکنی یہود کی موروثی خصلت: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ہو ہی پھرنے والے یعنی عہد شکنی اور وعدہ خلافی تمہاری عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ اور یہ چیز تمہارے لئے اجتماعی وطیرے اور قومی روگ کی حیثیت اختیار کرگئی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ سو کرتوت تو تمہارے یہ ہیں اور دعوے یہ کہ ''جنت میں ہمارے سوا کوئی جائے گا ہی نہیں'' اور یہ کہ ''دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں''۔ ذرا سوچو اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو کہ تمہارے کرتوت کیا ہیں اور تم خبط کیسے کیسے رکھتے ہو؟ یہ منہ اور مسور کی دال؟ ۔ شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب اپنے عہد سے پھر گئے۔ اور تم لوگ ہو ہی پھرنے والے اور عہد شکنی تمہاری مستقل اور موروثی خصلت ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ سو اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے اس طرح کا کوئی خصوصی وعدہ نہیں فرمایا تھا بلکہ اس نے تم لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ تم نے عبادت و بندگی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی کرنی ہے اور اپنے والدین، رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک اور انکی خبر گیری کرنا۔ اور عام لوگوں کے ساتھ خوش خلقی اور خندہ روئی سے پیش آنا۔ مگر تم نے اس عہد کو بھی توڑ ڈالا بجز تھوڑے سے لوگوں کے کہ وہی اس پر قائم رہ سکے۔ اکثریت نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا۔ سو عہد شکنی یہودیوں کی موروثی خصلت ہے ۔ والعیاذ باللہ۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ

اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا کہ تم نے آپس میں خونریزی نہیں کرنی، اور نہ ایک دوسرے کو

اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

اپنے گھروں سے نکالنا ہے، ف۲۳۸ پھر تم نے خود (اس عہد کا) اقرار بھی کیا، اور تم خود اس پر شہادت (اور گواہی) بھی دیتے ہو، ف۲۳۹

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِیۡقًا

پھر تم وہی لوگ ہو، جو (اس پختہ قول و قرار اور صریح شہادت کے باوجود) آپس میں ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے میں سے

مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِهِمۡ ۫ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ

ایک گروہ کو تم ان کے گھروں سے نکال باہر بھی کرتے ہو، ان کے خلاف چڑھائی کرتے ہوئے گناہ

وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ

اور ظلم کے ساتھ، ف۲۴۰ اور اگر وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آجائیں، تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ

مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ

ان کو (گھروں سے) نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا، تو کیا تم لوگ کتاب کے کچھ حصوں کو مانتے ہو

۲۳۸ دوسروں پر زیادتی خود اپنے اوپر زیادتی، والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالتے ہو، یعنی اپنی قوم کے لوگوں کو، اور اپنے ہم مذہب بھائیوں کو، ان کے گھروں سے نہیں نکالنا مگر اس کو یہاں پر تعبیر "اَنۡفُسَکُمۡ" کے الفاظ سے فرمایا گیا ہے کہ تم خود اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہیں نکالنا، سو اس میں بڑی بلاغت اور معنویت ہے، کہ اس سے یہ عظیم الشان درس ملتا ہے کہ اپنے بھائیوں کو ان کے گھروں سے نکالنا گویا خود اپنے آپ ہی کو نکالنا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ تمہارے بھائی تم ہی میں سے ہیں "بَعۡضُکُمۡ مِّنۡ بَعۡضٍ" کہ تم سب آپس میں ایک ہی جسم کی حیثیت رکھتے ہو۔ تو ان کو نکالنا گویا خود اپنے آپ کو نکالنا ہے، اور دوسرے اس لئے کہ اس طرح جب گھروں سے نکالنے کا یہ راستہ کھل گیا اور یہ ریت چل پڑی تو جس طرح آج تم نے ان کو نکالا ہے، کل وہ تمہیں نکالیں گے، تو گویا تم نے خود ہی اپنے آپ کو نکال باہر کیا، کہ یہ خود تمہارے اپنے کیے کا بدلہ ہے - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ -

۲۳۹ یہود کی عہد شکنی انکے اقرار کے باوجود: - سو یہود نے خود گواہی دینے اور اپنے قول و قرار کا عہد کرنے کے باوجود عہد شکنی کے جرم کا ارتکاب کیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - یعنی تم اس پر خود گواہی دے رہے ہو کہ واقعی ہمارے بڑوں نے ایسے کیا تھا یعنی تمہیں اپنے اس عہد و پیمان سے انکار نہیں، بلکہ تم اس کو اور اس کی ذمہ داریوں کو مانتے اور تسلیم کرتے ہو، ''مدینہ منورہ'' میں مشرکین کے دو بڑے قبیلے آباد تھے۔ ''اوس'' اور'' خزرج ''۔ جن کی آپس میں ہمیشہ جنگ اور خونریزی چلتی رہتی تھی، تا آنکہ اسلام کی رحمتوں بھری اور انقلاب آفریں تعلیماتِ مقدسہ نے آ کر ان کو باہم شیر وشکر کر دیا، ادھر یہود کے بھی مدینہ طیبہ میں دو بڑے قبیلے آباد تھے'' بنو قریظہ'' اور'' بنونضیر'' دونوں اپنی مشہور و معروف شرانگیزی اور فطری سازشی مزاج کے علاوہ یہود چونکہ وہاں پر اقلیت کی حیثیت میں رہتے تھے اس لئے بھی انہوں نے مشرکین کے ان دو قبیلوں کے ساتھ محبت و دوستی کی پینگیں بڑھائیں، اور ان کے ساتھ وہ بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ چنانچہ بنو قریظہ اوس کے حلیف اور دوست بن گئے، اور بنونضیر خزرج کے۔ اور جب ان دونوں کے درمیان جنگ ہوتی تو یہ بھی اپنے اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر باہم لڑتے اور آپس میں ایک دوسرے کے قتل و خونریزی کا ارتکاب کرتے اور ایک دوسرے کو جلاوطن کرتے، مگر جب کوئی یہودی گرفتار ہو کر اور قیدی بن کر آتا، تو یہ سب مل کر روپیہ پیسہ جمع کرتے، اور پھر زرِ فدیہ ادا کر کے اسے چھڑا دیتے، اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے، کہ جب ہمارا کوئی ہم مذہب بھائی قید ہو جائے، تو اس کو فدیہ دے کر چھڑانا ہم پر واجب ہے۔ جنگ اور باہمی قتل و خون ریزی تو وقت کا تقاضا، اور دنیوی مصلحت و ضرورت وغیرہ وغیرہ، سو ان آیاتِ کریمہ میں ان کے اسی کردار و عمل پر تبصرہ فرما کر ان کے ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے، مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کی اکثریت کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، وہ بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے آپس کے سر پھٹول، اور قتل و خونریزی، میں ملوث و مبتلا ہیں، یہاں تک کہ اپنے دشمنوں سے مل کر اپنے بھائیوں کو قتل کرانے کے مظاہر بھی جابجا موجود ہیں، جسکو دیکھ کر ایک دردمند انسان کی نگاہیں شرم کے مارے جھک جاتی ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دینِ حق کی پیروی نہیں بلکہ خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے، اور ظن و گمان کے پیچھے چلنا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر شر سے محفوظ رکھے - آمین۔

۲۴۰ یہود کے دوہرے جرم کے ارتکاب کی ایک مثال: - یعنی تم دوہرے جرم کا ارتکاب کرتے ہو، کہ ایک طرف تو تم اپنے بھائیوں کے خلاف چڑھائی کرتے ہو اور دوسری طرف تمہاری چڑھائی بھی ایسی ہے جو کہ اثم و عدوان اور گناہ و ظلم کے ساتھ ہے، اور یہ سب کچھ تم لوگ اپنی کتاب کی ہدایات کے خلاف اور اللہ کے عہد و میثاق کے برعکس کرتے ہو۔ سو اس میں بڑا درس اور سامانِ عبرت و بصیرت ہے ان مسلمانوں کے لئے جو آج جگہ جگہ اور طرح طرح سے آپس میں دست و گریبان ہیں، ایک دوسرے کی خونریزی کرتے، ان کے گھروں کو اجاڑتے، جلاتے اور ویران کرتے ہیں، ملک ملک سے لڑتے ہیں، قبیلے قبیلوں سے، اور گروہ گروہوں سے لڑتے اور ایک دوسرے کی تباہی اور ویرانی کا باعث بنتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ

اور کچھ کو نہیں مانتے ؟ ۲۴۱ سو کیا جزاء ہو سکتی ہے اس شخص کی جو تم میں سے ایسا

مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کرے بجز اس کے کہ اس کے لئے ایک بڑی رسوائی ہو دنیاوی زندگی میں، ۲۴۲ اور قیامت کے دن

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

ایسے لوگوں کو لوٹا یا جائے گا سخت ترین عذاب کی طرف، اور اللہ غافل (و بے خبر) نہیں،

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

تمہارے ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو ۲۴۳ یہ وہ (بدبخت) لوگ ہیں جنہوں نے اپنا لیا دنیا کی (عارضی و فانی) زندگی کو،

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

بدلے میں آخرت (کی حقیقی اور ابدی زندگی) کے، ۲۴۴ سو نہ تو (کسی طرح) ہلکا کیا جائے گا ان سے ان کا عذاب،

۲۴۱ دین کے نام پر خواہشات کی پیروی، والعیاذ باللہ:- سو اس سے دین کے نام پر خواہشاتِ نفس کی پیروی کی یہودیانہ چال کا ذکر فرمایا ہے، والعیاذ باللہ سو یہ لوگ محض ظن اور تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ پس اپنی پسند و ناپسند کی بنیاد پر اپنی اہواء و اغراض کے مطابق اور اپنے دنیوی مفادات و مصالح کے اعتبار سے، جس کو اپنی اہواء و اغراض کے مطابق پایا اسکو مان لیا، اور جسکو اس کیخلاف پایا اس کو ٹھکرا دیا۔ سو تم لوگ اِتباعِ ہُدی پر نہیں اِتباعِ ہَوٰی پر کاربند ہو، جو کہ خرابیوں کی خرابی، اور جڑ بنیاد ہے سب فتنہ و فساد کی۔ افسوس کہ اس یہودیانہ مرض کے مظاہر آج مسلمان معاشرے کے اندر بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، اور ان کا معاملہ بھی اغراض و اہوا اور خواہشاتِ نفس کے گرد گھومتا ہے، جسکو خواہشِ نفس کے مطابق پایا اسکو مان لیا، نہیں تو اس سے منہ موڑ لیا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اصل مقصود اور صحت و سلامتی کی راہ خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے اور انکو کچل کر، اور پسِ پشت ڈال کر، راہِ حق و ہدایت کی پیروی کرنا ہے، اور یہی راہ ہے سعادتِ دارین سے سرخروئی و سرفرازی کی - وباللہ التوفیق- جبکہ اِتباعِ ہَوٰی کی راہ ہلاکت و تباہی کی راہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -

۲۴۲ کچھ دین کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا کفر ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ :- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین کے کچھ احکام کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا کفر اور ایک سنگین جرم ہے جس کی سزا بڑی ہولناک ہے- والعیاذ باللہ- جو قتل و خونریزی، جنگ و جدال، دنگا و فساد، اور ذلت و رسوائی وغیرہ مختلف شکلوں میں ہو سکتی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

سو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ کی آیات میں سے کچھ کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا ایسا سنگین جرم ہے جو دارین کے عذاب کا باعث بنتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ لیکن افسوس کہ اس یہودی جرم کا ارتکاب بھی آج کے مسلم معاشرے میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے کیا جا رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں مسلمان جگہ جگہ اور طرح طرح سے ذلت وخواری کے دھکے کھا رہے ہیں، اور طرح طرح کے مظالم ان پر ڈھائے جا رہے ہیں مگر اس اصل مرض کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بہرکیف اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین کے کچھ احکام کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا کفر ہے کہ ایسا کرنا دراصل خواہشِ نفس کی پیروی ہے نہ کہ دین کی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۳ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاد دہانی:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ غافل و بے خبر نہیں اپنے بندوں کے اعمال سے پس وقت آنے پر وہ تمہیں پوری سزا دیگا جس کے تم اپنے کیے کرائے کی بناء پر مستحق ہو۔ ﴿اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾۔ ''بے شک تمہارا رب سبحانہٗ وتعالیٰ گھات میں ہے'' دینِ حق کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات میں سے اگر یہی ایک بنیادی ارشادِ مقدس انسان کے سامنے ہو کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے، وہ میرے کیے سے بے خبر نہیں، اور یہ کہ مجھے اس کے یہاں پہنچ کر اپنے کیے کا حساب بہرحال دینا ہے، تو اس کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے اور اس کی زندگی میں ازخود انقلاب واقع ہو سکتا ہے، مگر افسوس کہ آج کا عام انسان تو کیا عام مسلمان بھی اس یقین واحساس سے عاری وخالی ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ فَزِدْنَا اللّٰھُمَّ اِیْمَانًا بِکَ وَیَقِیْنًا بِمَا قُلْتَ۔ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ ۔ وَارْحَمْ بِنَا مِنَّا لِاَنْفُسِنَا ۔ تَبَارَکْتَ وَتَعَالَیْتَ ۔ بہرکیف جب ایک انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اور یہ کہ مجھے اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے کیے کرائے کا جواب دینا اور اس کا پھل پانا ہے تو اسکی زندگی کی خود بخود کایا پلٹ بھی سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللّٰھم فخذنا بنواصینا الی ما فیہ حبک والرضا بکل حالٍ من الاحوال۔

۲۲۴ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا بیماریوں کی بیماری ۔ والعیاذ باللہ:۔ سو یہ ہے بیماریوں کی بیماری، اور خرابیوں کی جڑ بنیاد، کہ انسان آخرت کی اپنی حقیقی ابدی اور دائمی زندگی کو بھول کر اور اسے پسِ پشت ڈال کر اسی دنیائے دوں کیلئے جینے اور اسی کیلئے مرنے لگے۔ یہی حال تھا ابنائے دنیا کا کل بھی، اور یہی حال ہے انکا آج بھی۔ ان کے نزدیک سب کچھ بس یہی دنیائے فانی اور اس کا حطامِ زائل ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ قرآنِ حکیم اپنی انقلاب آفریں اور پاکیزہ تعلیمات کے ذریعے جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس خیالِ باطل پر ضرب لگاتا ہے، کہ لوگو! اس دھوکے میں نہیں پڑنا، کیونکہ اصل زندگی بہرحال آخرت ہی کی زندگی ہے، جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں فرمایا گیا۔ ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی﴾۔ [الاعلیٰ:۱۶-۱۷] یعنی ''تم لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت اس سے کہیں بڑھ کر اچھی بھی ہے، اور ہمیشہ رہنے والی بھی'' سو ایسے میں آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینا خرابیوں کی خرابی اور خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیا میں بقدرِ ضرورت وکفایت ہی مشغول ہونا چاہیے اور بس۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

ع۱۰

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

اور نہ ہی ان کی (کہیں سے کوئی) مدد کی جائے گی، ف۲۲۵ اور بلاشبہ ہم ہی نے موسیٰ کو بھی وہ کتاب (ہدایت) عطا کی،

وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

اور ہم ہی نے ان کے بعد پے درپے (مختلف) رسول بھیجے، اور ہم ہی نے عیسیٰ بیٹے مریم کو

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا

بھی (حق وصداقت کے) کھلے دلائل دیئے، اور ان کو قوت بخشی روح القدس ف۲۲۶ کے ذریعے، تو پھر (تمہاری یہ کیا روش رہی کہ)

۲۲۵ بے ایمانوں کا انجام بڑا ہولناک، والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نورِ ایمان و یقین سے محروم لوگوں کا انجام بڑا ہی ہولناک ہے، والعیاذ باللہ سو ایسے بدبختوں کو ہمیشہ اسی ہولناک عذاب میں رہنا ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو جس بدنصیب کا انجام یہ ہونے والا ہے، اس کو اگر آج اس دنیا کی ساری دولت بھی مل جائے، تو بھی اسے کیا ملا، وہ تو بہرحال محروم اور سراسر محروم اور پرلے درجے کا خائب و خاسر ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اسکے برعکس جس کو آخرت کی وہ دائمی اور سدا بہار کامیابی نصیب ہوگئی، وہ کتنا بڑا خوش نصیب اور فائز المرام انسان ہے، اگرچہ اس دنیا میں اس کو پیٹ بھر کر کھانے کو بھی نہ ملا ہو، اور تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا بھی نصیب نہیں ہوا ہو۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و یقین کی دولت کتنی بڑی دولت ہے، جس سے حضرتِ حق جَلّ جَلالہٗ نے محض اپنی رحمت و عنایت سے ہمیں نوازا ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - اور دولتِ ایمان سے محرومی کتنی بڑی محرومی اور کس قدر ہولناک خسارہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔

۲۲۶ حضرتِ عیسیٰ کی تائید روح القدس سے:- یعنی جبریلِ امین سے۔ سو یہ اضافت موصوف اِلَی الصِّفَةِ کے قبیل سے ہے۔ اور حضرتِ جبریل کو "روح" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ وحی لانے والے فرشتے ہیں، جو کہ دلوں کیلئے بمنزلہ روح کے ہے۔ کیونکہ جس طرح روح سے جسم کی زندگی وابستہ ہے، اسی طرح وحی کے نور سے دلوں کو زندگی ملتی ہے، اسی لئے قرآنِ حکیم میں وحی کو بھی روح سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ شوریٰ میں فرمایا گیا- ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ - اور آپ کو "قدس" یا "امین" اس لئے فرمایا گیا کہ آپ وحیِ خداوندی کی اس امانت کے پہنچانے میں کسی بھی طرح کی کمی بیشی کے ہر شائبہ سے پاک اور معصوم ہیں، کہ کوئی زبردستی مداخلت کر کے اس امانت میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی کر سکے، اسی لئے سورۂ نجم میں آپ کی صفت میں "شَدِيْدُ الْقُوٰى" "سخت قوتوں والے" اور "ذُوْ مِرَّةٍ" "بڑی طاقت اور حکمت والے" بھی فرمایا گیا ہے۔

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج

جب بھی تمہارے پاس کوئی پیغمبر وہ کچھ لے کر آیا، جو تمہارے نفسوں کو نہیں بھایا تو تم لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا

ہو گئے، (اور تم نے سرکشی کی) ۲۴۷ جس کی بناء پر تم نے (حضرات انبیاء کرام کے) ایک گروہ کو جھٹلایا، اور ایک کے تم نے قتل کا

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

ارتکاب کیا، اور کہتے ہیں کہ "ہمارے دل بند ہیں" ۲۴۸ (نہیں) بلکہ ان پر اللہ کی پھٹکار ہے ۲۴۹ ان کے کفر کی بناء پر، پس یہ لوگ کم ہی

۲۴۷ استکبار شر و فساد کی جڑ بنیاد، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ استکبار یعنی اپنی بڑائی کا گھمنڈ شر و فساد کی جڑ اور بنیاد ہے، والعیاذ باللہ سو ان بدبختوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح تم لوگ استکبار یعنی اپنی بڑائی کے زعم اور گھمنڈ کی بناء پر راہِ حق سے منہ موڑ کر ہلاکت و تباہی کی اس راہ پر چل پڑے جو بڑے ہی خسارے اور سراسر محرومی کی راہ ہے، سو استکبار یعنی اپنی بڑائی کا جھوٹا گھمنڈ اور زعم فاسد منبع ہے شر و فساد کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جس کو قرآن حکیم نے یہاں پر اپنی ایجازِ بیانی اور اعجازِ کلامی سے "استکبار" کے لفظ سے آشکارا فرمایا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص یا گروہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو جائے تو پھر اس کی اکڑی ہوئی گردن حق کے آگے جھکنے کو تیار نہیں ہوتی، جس سے ایسے لوگوں کی مت ماری جاتی ہے، اور وہ الٹا حق ہی کے دشمن اور اہلِ حق کے جان لیوا بن جاتے ہیں، جس سے شقاوت و بدبختی ان پر ہمیشہ کیلئے پنجے گاڑ دیتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور یہی وہ مرض تھا جس میں یہودِ بے بہبود نے مبتلا ہو کر حضراتِ انبیاءِ کرام - عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام - کے نُفُوْسِ قُدْسِيَه کے قتل و تکذیب، جیسے ہولناک جرائم کا ارتکاب کیا، اور اس طرح وہ ہمیشہ کیلئے مغضوب اور مطرود ہو گئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - افسوس کہ آج یہی مرض مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت کے اندر بھی موجود ہے، اور پوری شدت اور قوت سے موجود ہے، اور جگہ جگہ اور طرح طرح سے اپنے گل کھلا رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں مسلمان بھی آج طرح طرح سے مصائب و آلام کا شکار ہو رہے ہیں، مگر ان میں کتنے ہی ایسے ہیں جن کو نہ اس جرم کا کوئی احساس ہے اور نہ اس کے علاج معالجہ کی کوئی فکر و پرواہ، بلکہ وہ اس کو مرض تسلیم کرنے کیلئے بھی تیار نہیں - ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا۔ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔ بہرکیف اپنی بڑائی کا زعم و گھمنڈ شر و فساد کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ -

۲۴۸ یہود کے عُجب و استکبار کا ایک نمونہ: - سو یہ ان کے اسی مذکورہ بالا استکبار کا ایک نمونہ اور ثبوت ہے، جس کی بناء پر انہوں نے کلمۂ حق کے لئے اپنے دلوں کے دروازے بند کر دیئے تھے اور "غلف" یا تو جمع

ہے ''اغلف'' کی، جیسے ''حمر'' جمع ہے ''احمر'' کی اور ''صفر'' جمع ہے ''اصفر'' کی، اور ''اغلف'' ایسی شے کو کہتے ہیں، جو کسی پردہ اور غلاف میں ڈھکی اور چھپی ہوئی ہو۔ مطلب ان کے کہنے کا یہ تھا کہ ہمارے دل پردوں میں بند اور محفوظ ہیں۔ آپ کی بات ان تک نہیں پہنچ سکتی، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ ﴾ - (حٰمٓ السجدۃ: ۵) اور یا ''غلف'' جمع ہے ''غلاف'' کی، جیسے ''کتب'' جمع ہے ''کتاب'' کی۔ صرف اتنا ہوا کہ ''غُلُفٌ'' میں لام کے ضمہ کو تخفیف کیلئے سکون سے بدل دیا گیا۔ اور ''غلاف'' کے معنیٰ ظرف اور برتن کے آتے ہیں۔ تو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے دل چونکہ علوم و معارف سے بھرے ہوئے برتن ہیں، لہٰذا ہمیں تمہاری بات سننے کی ضرورت نہیں۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ وغیرہ نے پہلے معنیٰ اختیار کئے ہیں، اور حضرت ابنِ عباسؓ نے دوسرے۔ اسی لئے آپ ''غلف'' کو ''غُلُف'' پڑھتے تھے یعنی لام کے ضمہ (پیش) کے ساتھ۔ بہرکیف لفظِ ''غلف'' میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں، اور دونوں ہی یہود کے اس استکبار کے نمونے ہیں جو ان کیلئے لعنت و پھٹکار، اور شقاوت و حرماں نصیبی کا باعث بنا، اور یہ ہمیشہ کیلئے محروم اور ''مغضوب علیہم'' قرار پا گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

۲۶۹ یہود پر اللہ کی لعنت و پھٹکار: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہیں بلکہ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت و پھٹکار ہے ان کے کفر کی بناء پر۔ یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح یہ لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں، کہ ان کے دل بند اور محفوظ ہیں، یا ان کے دل علوم و معارف کے بھرے ہوئے برتن ہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان پر لعنت اور پھٹکار پڑ گئی اللہ پاک کے اس قانونِ عدل و انصاف کی بناء پر، جو کہ اسباب و مسببات کی اس دنیا میں جاری اور کارفرما ہے، کہ انہوں نے جب اپنے ارادہ و اختیار سے حق اور ایمان کی بجائے کفر و انکار کا راستہ اپنا لیا، تو اس کے نتیجے میں یہ اس انجام سے دوچار ہوئے، اور ان کو یہ بھگتان بھگتنا پڑا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - ورنہ اس واہبِ مطلق - جل و علا - نے تو اپنی رحمتِ عامہ سے ان کو بھی دوسرے تمام انسانوں کی طرح فطرتِ سلیمہ پر پیدا فرمایا تھا۔ مگر جب انہوں نے خود راہِ راست کو ترک کر کے الٹے راستے کو اختیار کیا، تو یہ لوگ اس لعنت و پھٹکار کے حقدار بن گئے۔ سو جب انہوں نے ٹیڑھے پن کو اختیار کیا تو ان کو اسی کے حوالے کر دیا گیا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا، کہ جب انہوں نے بدی کے راستے کو اپنایا تو اس نے انکو اسی راہ پر چھوڑ دیا، کیونکہ ہدایت کی دولت ایسے لوگوں کو نہیں مل سکتی، جو اس کی طلب سے محروم اور اس سے منہ موڑے ہوئے ہوں - فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ - تو اس طرح ان بدبختوں نے اپنی فطری استعداد کو خود ضائع کر دیا، اور کان آنکھ وغیرہ قواءِ علم و ادراک کو انہوں نے اپنے اوپر خود بند کر دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے - ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴾ - [محمد: ۲۳] اور یہ اسی لعنت و پھٹکار کا اثر و نتیجہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اس ہولناک نقصان و خسران پر افسوس کرنے کی بجائے الٹا اس پر فخر جتلاتے ہیں، سو ایسے ہی ہوتی ہے خداوندِ قدوس کی بے آواز لاٹھی کی مار - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ایمان لاتے ہیں، ف۲۵۰ اور جب آ پہنچی ان کے پاس ایک ایسی عظیم الشان کتاب، اللہ کے یہاں سے، جو کہ تصدیق کرنے والی

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى

ہے، اس (کتاب) کی جو کہ ان کے پاس ہے، درانحالیکہ اس سے پہلے یہ لوگ کافروں کے مقابلے میں فتح (ونصرت) کی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫

دعائیں مانگا کرتے تھے ف۲۵۱ مگر جب پہنچ گیا ان کے پاس وہ کچھ جس کو انہوں نے (اچھی طرح) پہچان بھی لیا، تو یہ (پوری ڈھٹائی سے)

۲۵۰ ایمانِ قلیل سے مراد اور اس کا حکم؟:- "قَلِيْلًا" یہاں پر ایمان کی صفت بھی ہو سکتا ہے، یعنی "اِيْمَانًا قَلِيْلًا" اور مراد اس ایمانِ قلیل سے ان کا وہ نام نہاد ایمان ہے جو یہ اپنی کتاب کے کچھ حصے پر رکھتے تھے، اور کچھ پر نہیں رکھتے تھے، جس کا ذکر ابھی اوپر آیت نمبر ۸۰ میں بھی آ چکا ہے اور جس کا یہ لوگ زبانی کلامی دعوی بھی کرتے تھے۔ مگر ان کا یہ ایمان نہ ہونے کے برابر ہے۔ اول تو اس لئے کہ ایمان ایسی چیز ہے ہی نہیں جو تقسیم و تجزیہ کے قابل ہو کہ کچھ چیزوں کو مان لو اور کچھ کو نہ مانو۔ اور دوسرے اس لئے کہ ان کا یہ ماننا بھی ہوائے نفس کے تابع ہے کہ جو چیز خواہشاتِ نفس کے مطابق پائی مان لی اور جو اس کے خلاف ہوئی نہ مانی۔ اس طرح یہ امر تو اتباعِ ھدٰی سرے سے ہے نہیں بلکہ یہ اتباعِ ھوٰی ہے جو کہ حق کی ضد ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس لئے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں پر قلت بمعنی عدم کے ہے۔ یعنی تم لوگ سرے سے ایمان رکھتے ہی نہیں ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس دین کے کچھ حصے کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا کفر ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور محض زبانی کلامی دعوے کرنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک ایمان کی حقیقت دل میں اتری ہوئی نہ ہو اور عمل و کردار سے اس کی تصدیق نہ ہوتی ہو، مگر افسوس کہ آج کتنے ہی نام نہاد مسلمان بھی ایسے ہیں جو اس یہودی بیماری میں بری طرح مبتلا ہیں، وہ ایمان کے بلند بانگ دعوے تو بہت کرتے ہیں، مگر عمل کے لحاظ سے ان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے - الا ماشاء اللہ - وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے، سود کھاتے، جواء کھیلتے، شراب پیتے اور طرح طرح کے مکر و فریب سے دوسروں کا حق مارتے ہیں وغیرہ وغیرہ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور دوسرا احتمال "قَلِيْلًا" کے اس لفظ میں یہ ہے کہ یہ ایمان کی نہیں لوگوں کی صفت ہو، یعنی بہت کم لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہوں، اکثریت ان میں بے ایمانوں ہی کی ہے۔ اور یہ قرآنِ پاک کے عدل و انصاف کا ایک مظہر ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا کہ سب ہی یہود بے بہبود کو ان کے ظلم و عدوان کی بناء پر ایک ہی لاٹھی سے ہانک دے، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی اکثریت اگرچہ بے ایمانوں بدکاروں کی ہے مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو میانہ رو، اور سچے ایمان و یقین کی دولت سے بہرہ ور و سرشار ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ (الآیة)۔ [المائدۃ۔۶۶]

۲۵۱ "يَسْتَفْتِحُوْنَ" کا مطلب اور اس سے مراد؟:- "يَسْتَفْتِحُوْنَ" "فَتْح" سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھولنے اور بیان کرنے کے آتے ہیں جیسا کہ اوپر آیت نمبر ۷۶ میں انہی لوگوں کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے ﴿اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ - '' کیا تم ان [مسلمانوں] کو وہ کچھ بتا رہے ہو جو اللہ نے تم پر کھولا ہے '' اور اسی بناء پر جب کوئی قاری کوئی آیت بھول جائے اور کوئی اس کو بتائے تو عربی محاورے میں اس کو یوں کہتے ہیں '' فَتَحَ عَلَى الْقَارِئِ اَىْ عَلَّمَهُ الْاٰيَةَ الَّتِىْ يَنْسَاهَا '' یعنی فلاں شخص نے قاری صاحب کو فتحہ [لقمہ] دیا یعنی وہ آیت اس کو بتا دی جس کو وہ بھول رہا تھا۔ سو اس صورت میں '' يَسْتَفْتِحُوْنَ '' میں حرف سین اور تاء زائد ہونگے ، جن کو محض تاکید کیلئے بڑھایا گیا ہے ، جیسا کہ۔ '' اِسْتَعْصَمَ '' ، '' اِسْتَصْرَخَ '' اور '' اِسْتَعْجَبَ '' وغیرہ کلمات میں پایا جاتا ہے ، اس بناء پر اس آیتِ کریمہ میں '' يَسْتَفْتِحُوْنَ '' کا معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس سے پہلے مشرکین سے بیان کرتے اور انکو یہ بتایا کرتے تھے کہ عنقریب جو نبیٔ آخر الزماں تشریف لانے والے ہیں ، وہ اہلِ ایمان کی تائید و مدد کرینگے ، اور کفار و مشرکین کو سزا دیں گے (تفسیر التحریر والتنویر للعلامہ ابنِ عاشورؒ) اسی لئے اردو کے بعض معتبر تراجم میں اس لفظ کا ترجمہ '' بتایا کرتے تھے ، ، کے الفاظ سے کیا گیا ہے ، اور اسی بناء پر یہ لفظ یعنی '' فتح '' فیصلہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۸۹ میں فرمایا گیا - ﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ﴾ - '' اے ہمارے رب ، فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان ، حق کے ساتھ ، اور تو ہی ہے سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا '' اور جیسا کہ سورۂ انفال کی انیسویں آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے - ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾ - '' اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو بے شک آ چکا تمہارے پاس وہ فیصلہ '' اور چونکہ ایسے فیصلے کے ذریعہ حق والوں کی نصرت اور مدد ہوتی ہے۔ اس لئے '' فتح '' کا لفظ نصرت اور مدد کیلئے بھی آتا ہے۔ اس اعتبار سے '' يَسْتَفْتِحُوْنَ '' کا معنی و مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ اس سے پہلے اللہ پاک کے حضور فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے ، کہ وہ نبی آخر الزماں علیہ السلام جلد تشریف لائیں تاکہ ان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ہم کفار و مشرکین سے لڑیں ، اور ان دشمنوں پر بھرپور طریقے سے فتح و غلبہ حاصل کریں اور اسی امید و انتظار کی بناء پر وہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ وہ '' نبی منتظر '' اب آنے ہی والا ہے ، اس کی تشریف آوری کا زمانہ اب قریب ہی آ گیا ہے۔ اور جب وہ آ جائیگا تو ہم ان کے ساتھ ہو کر تم سے لڑینگے ، اور تمہارا اس طرح صفایا کریں گے جس طرح کہ عاد و ارم کا صفایا کر دیا گیا '' نَقْتُلُكُمْ مَعَهٗ قَتْلَ عَادٍ وَ اِرَمٍ '' الخ (تفسیر المنار ، المراغی وغیرہ) ابنِ جریر وغیرہ محققین نے اس بارے میں ارشاد فرمودہ روایات کا مطلب یہی بیان کیا ہے ، کہ وہ لوگ اللہ پاک سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ وقت جلد آ جائے جبکہ وہ نبی منتظر جلد تشریف لائیں ، تاکہ ہم ان کے ساتھ ہو کر اور ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر ان مشرکین سے لڑیں ، اور ان روایات میں سے بعض میں '' بِحَقِّهٖ '' کے جو الفاظ آئے ہیں ، اول تو وہ صحت اور سند کے اعتبار سے درست نہیں ، اور دوسرے یہ الفاظ اپنے معنیٰ و مفہوم کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ، کیونکہ اللہ کے ذمے کسی کا کوئی حق ہے ہی نہیں ، جس کے ذریعے اس سے اس طرح سوال کیا جائے ، جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ ائمہ کرام اور دوسرے علماء و محققین نے فرمایا ہے (تفسیر المنار وغیرہ)۔ پس اس تفصیل سے '' يَسْتَفْتِحُوْنَ '' کا مفہوم پوری طرح واضح ہو گیا ، کہ اس سے مراد ہے فتح و نصرت کی دعائیں مانگنا ، اور اس نبی منتظر کی تشریف آوری سے متعلق خبر دینا ، اور ان پیشینگوئیوں کو بیان کرنا۔ لہٰذا اب اہلِ بدعت کے لئے اس ارشادِ ربانی سے اپنے شرکیہ عقائد کیلئے سہارا لینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِيْقٍ مِّنْهُ جَلَّ وَعَلَا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ

اس کے منکر ہو گئے ف۲۵۲ پس لعنت (و پھٹکار) ہے ایسے کافروں پر، ف۲۵۳ بڑی ہی بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ

نے سودا کیا ف۲۵۴ اپنی جانوں کا، کہ یہ کفر کریں اس کا، جسے اللہ نے نازل فرمایا ہے، محض اس حسد (وعناد) کی وجہ سے کہ اللہ اپنی مہربانی

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ

سے (اپنی رحمت) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، سو مستحق ہو گئے

بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَ

یہ لوگ غضب بالائے غضب کے، اور ان کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے، ف۲۵۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے

اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَاۤ

کہ ایمان لاؤ تم اس (کتاب کامل) پر، جسے اللہ نے (اب) نازل فرمایا ہے، تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بس اسی پر ایمان لائیں گے جسے

اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ

(براہ راست) ہم پر اتارا گیا ہے، اور اس کے سوا سب کا وہ انکار کرتے ہیں ف۲۵۶ حالانکہ وہ سراسر حق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

تصدیق کرنے والی اس کتاب کی، جو کہ ان کے پاس ہے، کہو کہ (اچھا تو) پھر تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

رہے، اگر تم واقعی ایماندار ہو؟ ف۲۵۷ اور بلاشبہ موسیٰ بھی تمہارے پاس آئے کھلے دلائل کے

۲۵۲ انسانِ کفور کی ناشکری کا ایک نمونہ و مظہر:- یعنی اس سے پہلے ان کا حال یہ تھا کہ یہ اس نعمتِ کبریٰ یعنی بعثتِ محمدیہ کے منتظر تھے، اور اس کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے لیکن جب حضرت واہبِ مطلق نے اپنے کرمِ بے پایاں سے ان کو اس سے مشرف و سرفراز فرما دیا تو یہ اسکے منکر ہو گئے، اور یہی عام وطیرہ رہا ہے ایسے انسانِ کفور کا، کہ نعمت ملنے پر وہ اس کی ناقدری اور ناشکری کرتا ہے، اور اس طرح وہ اپنے رویئے سے اس نعمت کو نقمت بنا دیتا

ہے، کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ سو شکر نعمت باعث سرفرازی اور کفرانِ نعمت موجبِ محرومی، ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ﴾ ۔[ابراہیم: ۷]۔ سو عناد و ہٹ دھرمی اور حقد و حسد باعثِ محرومی ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ کہ انہی دو آفتوں کی بناء پر یہود بے بہبود نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بعثت و تشریف آوری کا جانتے بوجھتے انکار کیا اور ہمیشہ کی محرومی اور ذلت و خواری کا شکار ہوئے۔ اور بجائے اس کے کہ وہ راہِ حق و ہدایت میں لوگوں کے مقتدا و پیشوا بنتے، وہ الٹا کفر و ضلالت کے امام بن گیے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

۲۵۳ کفر و انکار موجبِ لعنت و پھٹکار ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ ان کے اس رویئے اور طرزِ عمل کی بناء پر، کہ انہوں نے اتنی بڑی نعمت کی اس طرح ناقدری کی، اور کفرانِ نعمت کے اس جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا، اور اس طرح انہوں نے اس نعمت کو اپنے لیے رحمت کی بجائے زحمت اور نعمت کی بجائے نقمت بنا دیا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ یعنی اگر یہ لوگ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت و تشریف کے بعد ان پر صدقِ دل سے ایمان لاتے تو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و مالا مال ہوتے، لیکن انہوں نے اسکے برعکس کفر و انکار سے کام لیکر اپنے لیے دارین کی محرومی کا سامان کیا، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے، سو یہی نتیجہ ہوتا ہے عناد و ہٹ دھرمی کا اور ہوٰی و ہوس کی اتباع و پیروی کا، والعیاذ باللہ العظیم ۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے ۔ آمین ثم آمین ۔

۲۵۴ لفظ ''اشتراء'' کا معنٰی و مفہوم؟: ۔ لفظِ ''اشتراء'' اگرچہ بیع و شراء کے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے، مگر یہاں پر یہ لفظ بالاتفاق صرف بیع کے معنی میں ہے، اور خرید و فروخت میں اصل چیز چونکہ وہ سامان ہی ہوتا ہے جس کو انسان ثمن اور قیمت کے بدلے میں خریدتا ہے، اور ثمن و قیمت محض اس کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے جس چیز کو انسان اپنے ارادہ و شوق سے اپناتا ہے، اس کو ''مشترٰی'' ''خریدی جانے والی چیز'' قرار دیا جاتا ہے۔ بلاغت کے اسی اسلوب کے مطابق یہاں پر فرمایا گیا کہ ان بے انصاف، ناشکرے اور بدنصیب لوگوں نے کفر و انکار کو اپنا کر اپنی جانوں کو بیچ دیا اور انکو عذاب دوزخ کے حوالے کر دیا، اور حق کو جاننے پہچاننے کے باوجود اس کو اپنانے کی بجائے ان لوگوں نے محض اس ضد اور عناد کی بناء پر اس کو رد کر دیا کہ اللہ پاک کا یہ انعام دوسروں کو کیوں مل گیا، اور شرفِ نبوت بنو اسحاق سے منتقل ہو کر بنو اسماعیل میں کیوں چلا گیا، اور نبی آخر الزماں ﷺ انکے اندر کیوں مبعوث ہو گئے۔ سو اتباعِ ہوٰی اور عناد و ہٹ دھرمی باعثِ محرومی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ اور اسکے برعکس اِتباعِ ھدٰی سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، وباللہ التوفیق۔ بہر کیف یہودِ بے بہبود نے محض حسد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر حق سے منہ موڑا اور ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہو گیے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔

۲۵۵ کافروں کیلئے رُسوا کُن عذاب: ۔ جو کہ تقاضا اور لازمی نتیجہ ہے ان کے استکبار اور اپنی بڑائی کے جھوٹے گھمنڈ کا، کیونکہ جزاء کے بارے میں اصول یہ ہے کہ وہ عمل کی جنس ہے، اور اس کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے ''اَلْجَزَآءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ'' چونکہ انہوں نے اپنی بڑائی کے جھوٹے گھمنڈ کی بناء پر حق کا

انکار کیا تھا، اس لئے اس کی سزا ان کو یہ دی جائیگی، کہ یہ ایسے "مُهِينٌ" اور رسواکن عذاب سے دوچار ہونگے۔ عام طور پر ہمارے اردو کے مترجم حضرات اس کا ترجمہ کرتے ہیں "ذلت کا عذاب" حالانکہ یہ ترجمہ ہے "عَذَابُ الْهُوْنِ" کا، جبکہ یہاں پر "عذاب الهون" نہیں بلکہ "عَذَابٌ مُّهِيْنٌ" فرمایا گیا ہے جس کا فٹ ترجمہ ہے۔ "رسواکن عذاب"۔ مگر پتہ نہیں یہ حضرات اس فٹ ترجمہ کو چھوڑ کر "ذلت کے عذاب" کا ترجمہ، کیوں اختیار کرتے ہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کافروں کو رسوا کن عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، کہ انہوں نے استکبار یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر حق سے اعراض و انکار کیا تھا۔ سو حق سے اعراض و انکار اور راہِ حق سے روگردانی خساروں کا خسارہ اور محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال۔

۲۵۶ دعوتِ حق اور یہود کے انکار کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے قرآنِ حکیم پر ایمان کی دعوت اور ان لوگوں کے انکار کو ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جب ان لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ تم ایمان لاؤ اس قرآنِ حکیم پر، جو کہ خود ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے، اور اس پر ایمان لانا خود ان لوگوں کی اپنی کتاب پر ایمان لانے کا مقتضیٰ ہے، نیز یہ سابقہ تمام کتبِ سماویہ پر "مُهَيْمِنٌ" اور ان کے علوم و معارف اور مضامین و مطالب کا محافظ و امین اور ضامن و پاسدار ہے جس کا تقاضا یہ تھا اور یہ ہے کہ یہ لوگ اس پر سب سے آگے بڑھ کر اور صدقِ دل سے ایمان لاتے اور اس کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح سے بہرہ ور ہوتے کہ اس کتابِ حکیم پر ایمان لانے میں خود انہی لوگوں کا اپنا فائدہ اور بھلا ہے کہ اس میں ان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ اسی لئے انکو دینِ حنیف کی رحمتوں بھری تعلیمات میں اس پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔ لیکن یہ ہیں کہ اس سے منہ ہی موڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ راہِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر غوایت و ضلالت اور ہلاکت و تباہی کی راہ کو اپناتے ہیں۔ اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم ہو کر ابدی شقاوت کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۵۷ یہود اپنی کتاب پر ایمان کے دعویٰ میں بھی جھوٹے:۔ سو یہود کے اس زعمِ باطل کی تردید کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے پوچھو کہ پھر تم لوگ اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے ہو۔ اگر تم لوگ واقعی ایماندار ہو؟ کہ ایمانداری کی حالت میں کوئی اپنے نبی کے قتل جیسے سنگین جرم اور گھناؤنے فعل کا ارتکاب کبھی نہیں کرسکتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ تم اپنی کتاب اور اپنے انبیاء پر ایمان لانے کے دعوے میں بھی جھوٹے ہو، ورنہ تم قتلِ انبیاء کے اس سنگین جرم کا ارتکاب کیونکر کرتے؟ جس کی سنگینی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے مگر یہود نے اس سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب بار بار کیا، جو ان لوگوں کی قساوتِ قلبی، حرمان نصیبی اور نورِ ایمان سے محرومی کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو کسی نبی کو قتل کرے، یا کسی نبی کے ہاتھوں قتل کیا جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ

ساتھ، پھر تم نے ان کے (کوہِ طور چلے جانے کے) بعد (اپنا معبود) ٹھہرالیا اس بچھڑے کو، اور (امرِ واقعہ یہ ہے کہ) تم

ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

لوگ ظالم ہو، ۲۵۸ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا، اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر اٹھا (کر ایک سایہ بان کی طرح

الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا

معلق کر) دیا (اور تم سے کہا کہ) مضبوطی سے تھام لو تم لوگ اس چیز کو جو ہم نے تمہیں دی، اور سنو، ۲۵۹ تو انہوں نے کہا

۲۵۸ یہود کا ذکر بحیثیت ایک ظالم قوم: - کہ خدائے وحدہٗ لاشریک اور اس کی توحید و بندگی سے منہ موڑ کر تم بچھڑے کے اور وہ بھی ایک مصنوعی اور بے حقیقت بچھڑے کے آگے جھک گئے، اس کو اپنا معبود بنا لیا، اور اس کی پوجا کر کے تم نے اپنی تذلیل و رسوائی اور عذاب مہین میں مبتلا ہونے کا سامان کیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - واضح رہے کہ گوسالہ پرستی کے اس جرم کا ارتکاب اگرچہ ان یہودیوں نے نہیں کیا تھا، جن سے خطاب کیا جا رہا ہے بلکہ ان کے ان بڑوں نے کیا تھا جو ان سے صدیاں پہلے گزر چکے تھے، لیکن یہ لوگ چونکہ انہی کی اولاد و اَحفاد ہونے کے علاوہ ان کے کیے کرائے پر خوش تھے اور یہ انہی کے طور طریقوں پر تھے، اور ان سے اپنے انتساب پر یہ لوگ فخر کرتے تھے، اس لیے اسکی نسبت ان سے کی گئی۔ سو اہلِ باطل اور ان کی باطل پرستی سے اظہارِ بیزاری اور براءت بھی ضروری ہے، ورنہ انسان انہی میں شمار ہوگا، والعیاذ باللہ العظیم، بکل حال من الاحوال۔

۲۵۹ سمع و اطاعت ایک اہم اور بنیادی مطلب: - سو ان لوگوں سے کہا گیا کہ جو احکام ہم نے تم کو دیے ہیں ان کو تم مضبوطی سے پکڑو اور سنو۔ گوشِ ہوش سے تاکہ تم بھولنے نہ پاؤ اور تاکہ تم ان کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنا سکو، سو کلامِ حق کو غور اور توجہ سے سننا ایک اہم مطلب اور بنیادی مقصد ہے کہ اس سے حق کو سمجھنے اور اپنانے کی توفیق اور سعادت نصیب ہوتی ہے، اور یہ ایسی سعادت و توفیق ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی راہیں ہموار کرتی ہے، اسی لیے دینِ حنیف میں سمع و اطاعت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یعنی حق بات کو سنو اور مانو۔ جب بھی ملے اور جہاں سے بھی ملے۔ سو کلامِ حق کو صدقِ دل سے سننا اور ماننا ایک اہم مطلب اور بنیادی درس ہے۔ اسی لیے اس اہم اور بنیادی مطلب کی دوسری مختلف نصوص میں طرح طرح سے تعلیم فرمائی گئی ہے اور اس کو مختلف صورتوں میں واضح فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ تغابن میں اس بارے صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ الآیۃ - [التغابن: ۱۶] سو سمع و اطاعت دینِ حنیف میں ایک اہم اور بنیادی مطلب ہے - وباللہ التوفیق، لما یحب و یرید -

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط

ہم نے سن تو لیا مگر (دل سے) مانا نہیں ۲۶۰ اور (بات دراصل یہ تھی کہ) ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی محبت اس بچھڑے کی ۲۶۱ ان کے اپنے

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

(اختیار کردہ) کفر کی بناء پر ۲۶۲ (ان سے) کہو کہ بڑی ہی بری ہے وہ چیز جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دے رہا ہے، اگر تم (واقعی) ایماندار ہو، ۲۶۳

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً

(ان سے) کہو کہ اگر آخرت کا وہ (بے مثل) گھر خالص تمہارے ہی لئے ہے،

مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٩٤﴾

دوسرے سب لوگوں کو چھوڑ کر، تو پھر تم تمنا کرو موت کی، ۲۶۴ اگر واقعی تم سچے ہو (اپنے اس دعوٰی میں)،

۲۶۰ ظاہر کچھ اور باطن کچھ، ایک اور یہودی خصلت کا ذکر: ۔ سو اس سے زبانِ قال سے اقرار اور زبانِ حال سے انکار کی ایک اور یہودی خصلت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی اپنی زبانِ قال سے تو مان لیا مگر زبانِ حال سے نہ مانا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں تم لوگوں نے اپنے عمل سے اس کی تکذیب کی۔ سو "سمعنا و عصینا" کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے یہ الفاظ کہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی زبانِ حال سے اس طرح کہہ رہے تھے اور عرب لوگ زبانِ حال کو زبانِ قال سے تعبیر کرتے ہیں، بلکہ یہ اسلوب تو دنیا کی ہر زندہ زبان میں پایا جاتا ہے، مثلاً اردو میں کہتے ہیں فلک بولا کہ مجھ میں چاند ستارے ہیں یا یہ کہ زمین بولی کہ مجھ میں نہریں اور دریا جاری ہیں، اور میرے اندر گل و گلزار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ بولنا زبانِ حال ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ زبانِ قال سے۔ بہرکیف یہاں پر عصینا سے مراد یہ نہیں کہ ان لوگوں نے اپنی زبانوں سے ایسے کہا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے عمل سے اپنے اس قول و قرار کی مخالفت کی۔ (المراغی اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو عمل سے انکار اور مخالفت کرتے ہوئے زبان سے ماننے کا دعوٰی بے کار و لایعنی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ماننا وہی معتبر اور مفید ہے جو ظاہر و باطن اور قول و عمل دونوں سے ہو ورنہ محض دھوکہ اور فریب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۶۱ شرک کی نحوست کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ یعنی گوسالہ پرستی کے جس شرک کا انہوں نے ارتکاب کیا اس سے ان کے احساس و ادراک کے راستے ایسے مسدود ہو گئے تھے، کہ توحیدِ خداوندی کی عطر بیز، اور حیات آفریں خوشبو کا اثر ان کے سویدائے قلب تک پہنچ ہی نہیں پاتا تھا، کہ نورِ توحید اور ظلمتِ شرک کے درمیان "بعد المشرقین" ہے۔ نورِ توحید سے وہی دل مشرف و منور ہو سکتے ہیں جو کہ شرک کی غلاظتوں سے پاک اور مُطَهَّر ہوں۔ سو ان کے تمرد و سرکشی اور کفر و انکار کے باعث اور شرک کی ظلمت و نحوست کی بناء پر ان کے دل ایسے بگڑ گئے تھے اور ان کے باطن ایسے مسخ ہو گئے تھے کہ گوسالہ پرستی کی محبت ان کے دلوں اور ان کی طبائع میں پیوست ہو کر رہ گئی تھی جس کے نتیجے میں گوسالہ پرستی تو ان

کو محبوب لگ رہی تھی مگر توحید خداوندی مکروہ و ناپسند۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و شرک کی نحوست کا - والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۲۶۲ بُرے ماحول کا بُرا اثر - والعیاذُ باللہ جَلَّ وَعَلَا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پیوست ہو گئی تھی ان کے کفر کی بنا پر۔ یعنی ان کے اپنے قیام مصر کے دوران، اور غلامی کے اس عرصے میں، جو کہ انہوں نے وہاں کے اس بت پرست ماحول میں گزارا تھا۔ یہ لوگ شرک کی نجاست میں ملوث ہو گئے، اور پھر نسلاً بعد نسلٍ وہ شرک ان میں اور پکا ہوتا گیا، یہاں تک کہ اس کے اثرات ان کے دل و دماغ میں رچ بس گئے، اور یہ لوگ نبیوں کی اولاد ہونے کے باوجود اور حضرت موسٰی جیسے جلیل القدر پیغمبر سے توحیدِ خداوندی کے درس سننے کے باوصف، شرک کی نجاست سے اس قدر لتھڑ گئے کہ ان کی مت ہی ماری گئی، اور یہ سامری کے خودساختہ بچھڑے کو معبود مان کر اسکے آگے جھک گئے، اور اسکی پوجا کر کے اپنے لیے دارین کی ذلت و تباہی کا سامان کیا۔ سو یہ ہوتا ہے برے ماحول میں اور برے لوگوں کے ساتھ رہنے کا نتیجہ وانجام - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اسی لئے قرآنِ حکیم نے دو نکاتی اور انقلاب آفریں پروگرام اپنانے کا حکم وارشاد فرمایا ہے، کہ متقی بنو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ ارشاد ہوتا ہے:- ﴿ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ [التوبۃ:۱۱۹] پس ہمیشہ اچھوں کے ساتھ اور اچھے ماحول میں رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ انسان پر اچھے ماحول کا اچھا اثر پڑتا ہے اور برے کا برا - والعیاذ باللہ جل وعلا - پس اہلِ ایمان کا کام اور ان کی صفت وشان یہ ہے کہ وہ اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے ایسے اچھے ماحول اور اچھی معاشرت کی فکر اور اس کا اہتمام کریں جو کفر وشرک ومعاصی وذنوب اور بدعات وخرافات کے جراثیم سے پاک اور محفوظ ہو - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ وھو الہادی الی سواء السبیل سبحانہ وتعالیٰ -

۲۶۳ دین و ایمان کے دعوے کا تقاضا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑی ہی بری ہے وہ چیز جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دے رہا ہے اگر تم واقعی ایماندار ہو۔ یعنی اپنی ایمانداری کے دعوے میں تم جھوٹے ہو، اور محض زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہو۔ ورنہ تمہارا عمل و کردار یہ نہ ہوتا۔ کیونکہ دین و ایمان ایسے گندے کاموں اور گھناؤنے اعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جو تم لوگ کرتے ہو۔ افسوس کہ آج کتنے ہی نام نہاد مسلمان بھی ایسے ہیں جو اسی طرح محض زبانی جمع خرچ سے کام لیتے ہیں، دعوے تو وہ بہت کرتے ہیں مگر عمل کے لحاظ سے ان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہ طرح طرح کے شرکیات اور قسما قسم کے معاصی و ذنوب میں مبتلا ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۲۶۴ یہود کی ایک اور تجہیل و تذلیل کا ذکر و بیان: - سو اس ارشاد میں یہود کے ایک زعم فاسد کی تردید و تغلیط اور ان کی تجہیل و تذلیل فرمائی گئی کہ اگر تم لوگ اپنے اس دعوے اور زعم و گھمنڈ میں سچے ہو کہ آخرت کا وہ گھر خالص تمہارے ہی لیے ہے تو تم لوگ موت کی تمنا کرو تا کہ اس طرح تم لوگ جنت کی نعمتوں سے جلد ہی متمتع اور بہرہ ور ہو سکو، کیونکہ دنیا کی یہ فانی نعمتیں اس کی نعمتوں کے سامنے ہیچ ہیں۔ کیونکہ تمہارا دعوٰی یہ ہے کہ جنت میں تمہارے سوا اور کوئی جائے گا ہی نہیں، کیونکہ ان کا کہنا تھا ﴿لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ﴾ - یعنی "جنت میں وہی داخل ہو سکے گا جو یہودی ہوگا یا نصرانی" سو اگر ایسا ہے تو تم لوگ موت کی تمنا کرو تا کہ اس طرح تم جلد جنت میں پہنچ سکو، اور جب تم ایسا نہیں کرتے اور ہرگز نہیں کر سکتے تو ثابت ہوا کہ تم لوگ اپنے دعوے میں قطعی طور پر جھوٹے ہو، اور تمہارے دعوے محض زبانی کلامی نوعیت کے دعوے ہیں، جن کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد، اور نہ وہ کسی کام آنے والے ہیں بلکہ سب کچھ محض دھوکے کا سامان ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

مگر (یاد رکھو کہ) یہ لوگ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے ف۲۶۵ اپنی اس کمائی کی بناء پر، جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھی ہے،

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى

اور اللہ (پاک سبحانہٗ وتعالیٰ) خوب (خوب) جانتا ہے ایسے ظالموں کو، اور تم ان کو سب لوگوں سے بڑھ کر زندگی کا

حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

حریص پاؤ گے، حتیٰ کہ ان لوگوں سے بھی جو کہ کھلے شرک پر ہیں ف۲۶۶ ان میں سے ایک ایک یہ ہوس رکھتا ہے کہ (کسی نہ کسی طرح)

۲۶۵ قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ:- سو یہ بھی قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں کے حال سے متعلق اتنی صراحت و وضاحت سے یہ خبر دی اور اس قدر جزم و تاکید کے ساتھ دی کہ یہ لوگ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ مگر اس کے باوجود وہ لوگ محض ظاہر داری کے طور پر بھی کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکے۔ حالانکہ ان کیلئے یہ ایک موقع تھا کہ وہ اپنے طور پر قرآنِ حکیم کی اس پیشینگوئی کو غلط ثابت کرنے کیلئے ایسی کوئی تمنا کر لیتے مگر کہاں اور کیسے؟ - فَسُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ غَیْرُہٗ وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاہُ - سو اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ کلام اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کا ہے جو دلوں کے بھیدوں کو جاننے والی ذات ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ کہ اس میں دلوں کے حال کی اسطرح خبر دی گئی ہے۔ سو یہ ارشاد صرف معجزہ ہی نہیں معجزے پر معجزہ ہے۔ اور اس ایک معجزے کے اندر کئی معجزے مخفی ومستور ہیں۔ فالحمد للہ جل وعلا۔

۲۶۶ یہود کے حرصِ دنیا کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہود، مشرکین سے بھی بڑھ کر دنیاوی زندگی کے حریص اور لالچی ہیں، سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ضرور بالضرور ان کو سب سے بڑھ کر دنیاوی زندگی کا حریص پاؤ گے یہاں تک کہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر جو کہ کھلے مشرک ہیں۔ جو سرے سے آخرت کی اس زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے بلکہ وہ محض دنیا ہی کیلئے جی رہے ہیں۔ مگر یہ یہود اپنے ایمان ویقین کے اپنے ان بلند بانگ دعووں کے باوجود ان کھلے مشرکوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اور ان سے بھی کہیں بڑھ کر یہ اس دنیاوی زندگی اور اسکے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے حریص ہیں۔ اور یہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے ایمان ویقین کے دعووں میں سراسر جھوٹے ہیں۔ ورنہ یہ دنیاوی زندگی کے اس قدر حریص نہ ہوتے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور یہ خطاب جیسا کہ ظاہر ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر - رضی اللہ عنہما - سے مروی ہے انہی یہود سے جو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - کے زمانے میں موجود اور آپ کے سامنے تھے۔ اور ﴿ابدًا﴾ کے لفظ سے فرمائی جانے والی تاکید اصل میں انہی کے اعتبار سے ہے۔ (روح المعانی بحوالہ معارف للکاندھلوی) لیکن یہودیوں کے موت سے ڈر کی یہ کیفیت آج بھی اسی طرح موجود ہے اور آج بھی یہ دنیا کے سب سے بڑے حریص ہیں۔ اور آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ فلسطین میں جاری "تحریک انتفاضہ" میں فلسطینی بچوں کی طرف سے مارے جانے والے پتھروں سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے وہ پتھر نہیں توپ کے گولے ہیں۔ خذلھم اللہ وقاتلھم وجعل کیدھم فی نحورھم - اللہ مسلمانوں کو ان پر غلبہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔

مع ۱۳/۲۸

اَلْفَ سَنَةٍ ج وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ

اسے ایک ہزار برس کی عمر مل جائے، ۲۶۷ حالانکہ اتنی عمر کا مل جانا بھی ایسے کسی شخص

يُّعَمَّرَ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ع ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ

کو اس عذاب سے نہیں بچا سکتا (جوان کے لئے بحالت موجودہ مقدر ہے،) ۲۶۸ اور اللہ پوری طرح دیکھ رہا ہے (اپنی قدرت کاملہ سے) ان

عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

سب کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں، ۲۶۹ (ان سے) کہو کہ جو کوئی دشمن ہوگا جبریل کا ف ۲۷ سو (وہ پرلے درجے کا احمق ہے ۲۷۱ کیونکہ) بے شک

ع ۱۱

۲۶۷ یہود کے دنیاوی زندگی کے حرص کا عالم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک ہزار برس کی عمر مل جائے تاکہ اس طرح وہ دنیائے فانی کی ان عارضی اور فانی لذتوں سے متمتع ہوتا رہے، اس سے بحث نہیں کہ وہ زندگی کیسی ہو۔ عزت کی ہو یا ذلت کی۔ اسی لئے اس کو "عَلٰی حَیٰوۃٍ" کے لفظِ نکرہ سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور یہی حال آج کی تمام مادہ پرست قوموں کا ہے کہ ان کا سارا زور حیوانی زندگی کی بقا اور اسی کی حفاظت و نگہداشت پر مرکوز ہے اور بس۔ اس سے آگے بڑھ کر دین و ایمان، اور عقیدہ و عمل، کی صحت و سلامتی سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ بلکہ اس بارے کچھ کہنے کرنے کو یہ لوگ انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں کہ ان کا اصل ہدف حیوانی زندگی اور اسی کی بقا ہے اور بس۔ کہ زندہ رہو کھاؤ پیو اور بطن و فرج کی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کا کام کرتے جائیں اور بس۔ یعنی خالص حیوانی زندگی۔ جبکہ اصل مقصود وہ زندگی ہے جو خدائے پاک کی معرفت اور اسکی عبادت و بندگی سے معمور و منور ہو۔ ورنہ یہ زندگی محض ایک وبال ہے جیسا کہ نبی اکرم-ﷺ- کا ارشاد ہے کہ "سب سے اچھا انسان وہ ہے جسکی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا۔ اور سب سے برا انسان وہ ہے جسکی عمر لمبی ہو اور عمل برا" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ جلّ وعلا- پس یہودیوں کی طرح محض لمبی عمر کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ زندگی وہ چاہیئے جو اپنے خالق و مالک کی معرفت اور اسکی عبادت و بندگی سے معمور و منور ہو، اور یہ سعادت اس کی توفیق وعنایت ہی سے نصیب ہو سکتی ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اصل چیز ایمان و یقین کی دولت ہے جس سے دنیا کی زندگی اور اس کا ہر لمحہ ایک دولتِ گراں مایہ بن جاتا ہے۔ اور ایسی صورت میں انسان کا وجود ایک ایمانی اور ایقانی وجود بن کر خیر و برکت اور ہدایت و نور کا منبع و سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنے لیے بھی خیر و برکت بن جاتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی۔ اور اس کا ہر لمحہ بہتر سے بہتر کی طرف ترقی کرتا جاتا ہے۔ ورنہ اس کی زندگی ایک وبال و عذاب ہے- والعیاذُ باللہ العظیم-

۲۶۸ ایمان کے بغیر لمبی عمر کا نتیجہ عذاب میں اضافہ- والعیاذُ باللہ:- سو لمبی عمر عذاب ہے اگر ایمان و یقین کی دولت نصیب نہ ہو۔ کیونکہ اس سے ایسے شخص کے جرم اور گناہ ہی میں اضافہ ہوتا جائے گا- والعیاذ باللہ- سو جب اتنی عمر بھی کسی کو عذاب سے نہیں بچا سکتی تو پھر ایسی لمبی عمر اور دنیائے فانی کی ان عیش کوشیوں کا فائدہ کیا؟ جن

کے بعد وہاں کا دائمی عذاب بھگتنا پڑے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - ہاں اگر لمبی عمر ایمان و یقین کے ساتھ ملے تو پھر وہ بلاشبہ خیر اور خیر میں اضافے کا ذریعہ ہے۔ ورنہ عذاب ہی عذاب ہے۔ اور دین و ایمان سے محروم انسان اپنے لیے بھی عذاب اور دوسروں کیلئے بھی عذاب کا باعث بنتا ہے۔ اور اس کیلئے دنیا میں بھی خسارہ ہے اور آخرت میں بھی - والعیاذ باللہ العظیم - سو اصل چیز دین و ایمان کی دولتِ بے مثال سے بہرہ مندی و سرفرازی ہے۔ اسکے بعد اگر لمبی عمر ملے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت وعنایت ہے کہ اس سے انسان آخرت کا توشہ جمع کرتا جاتا ہے، اور اپنی آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کا سامان کرتا رہتا ہے ورنہ لمبی عمر اسکے لئے عذاب میں ہی اضافے کا باعث بنتی جاتی ہے والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین۔

۲۶۹ **سب کے اعمال اللہ کے سامنے:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے ان کا کوئی عمل اور کوئی حرکت و سکون اسکے علم سے باہر اور مخفی نہیں رہ سکتا اور وہ ان کو ان کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیگا۔ اور یہ لوگ اپنے کئے کرائے کے بھگتان کے بھگتنے سے کسی بھی طرح بچ نہیں سکیں گے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو آج اگر ڈھیل مل رہی ہے تو اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہ مہلت بہرحال ختم ہونے والی ہے، اور پھر سب نے اس رب علیم وخبیر کے حضور حاضر ہوکر زندگی بھر کے کئے کرائے کا حساب دینا اور پھل پانا ہے۔ سو اصل چیز جو ہمیشہ مدنظر رکھنے کی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ دیکھے کہ میرے خالق و مالک کیساتھ میرا تعلق کیسا ہے۔ وہ اگر صحیح ہے تو پھر کسی کی بھی پروا نہیں۔ اور اگر وہ صحیح نہیں ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - تو پھر کچھ بھی نہیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید سبحانہ وتعالیٰ - سو اس ارشاد سے جاہلوں اور مشرکوں کے اس مشرکانہ فلسفے کی جڑ نکل جاتی ہے جو ایسے لوگوں کو اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کو دنیاوی بادشاہوں اور حکمرانوں پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح بگھارا کرتے ہیں کہ صاحب جب آپ دنیا کے کسی بادشاہ اور حکمران سے براہِ راست بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے یونہی نہیں مل سکتے تو پھر اللہ تعالیٰ سے کس طرح مل سکو گے؟ لہٰذا اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ہمہ وشما جیسی کسی ہستی کا وسیلہ پکڑو تاکہ وہ آپ کی عرض و درخواست اس کے حضور پیش کرے۔ سو یہ مشرکانہ فلسفہ سراسر غلط اور باطل و بے بنیاد ہے۔ بھلا جو ذاتِ اقدس واعلیٰ اپنے بندوں کے تمام اعمال وافعال کو دیکھتی جانتی ہو اور وہ سینوں کے بھیدوں سے بھی واقف و آگاہ ہو اس کو بندوں اور دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنے کی آخر کیا تک اور کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۷۰ **یہودِ بے بہبود کی دشمنی جبریلِ امین سے:** - جیسا کہ یہود کا کہنا تھا کہ ہم قرآن پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ اس کو لانے والے جبریل ہیں۔ اور ان سے ہماری پرانی دشمنی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی ہمارے بڑوں پر طرح طرح کے عذاب لائے ہیں، اور سخت احکام نازل کئے ہیں۔ اور بعض یہود کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ جبریل ہی تھے جو آخری وحی بنو اسرائیل پر اتارنے کی بجائے بنو اسماعیل پر لے گئے۔ اور اس طرح شرفِ نبوت و رسالت کو جو کہ اس سے قبل ہمیشہ بنی اسرائیل ہی کے اندر رہا اب وہ ہمیشہ کیلئے بنی اسماعیل میں منتقل ہوگیا۔ (صفوۃ البیان وغیرہ) اور بعینہٖ یہی کفریہ عقیدہ شیعہ کے ایک ملعون گروہ کا بھی رہا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ "نبوت و رسالت کے اصل حقدار تو حضرتِ علی تھے رضی اللہ عنہ۔ اللہ کی طرف سے جبریل کو وحی دے کر حضرتِ علیؓ کے پاس ہی بھیجا گیا تھا مگر حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ

کے درمیان چونکہ اس قدر کمال درجہ کی مشابہت تھی کہ ان کو پہچاننا مشکل ہو گیا اور وہ وحی حضرتِ علیؓ کی بجائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم - کے پاس لے گئے۔ اور انہی کو نبی بنا دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - کیونکہ ان دونوں کے درمیان اس قدر مشابہت تھی جیسا کہ غراب کو غراب سے اور مگس کو مگس سے ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر"۔ اور شاید اسی وجہ سے شیعوں کے اس فرقے کا نام "طائفہ غرابیہ" پڑ گیا۔ چنانچہ حضرتِ مجددِ الفِ ثانی - رحمۃ اللہ علیہ - اپنے مشہور رسالہ "ردّ روافض" میں جو کہ آپ نے فارسی زبان میں تحریر فرمایا تھا، روافض کے مختلف فرقوں کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "طائفہ غرابیہ از ایشاں میگویند کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم - بہ علیؓ مشابہ تر بود از مشابہت غراب بہ غراب و مگس با مگس۔ و حق تعالیٰ وحی بجانبِ علی فرستادہ بود جبریل از کمالِ مشابہت غلط کردہ وحی بمحمد رسانید و ایشاں جبریل را لعن می کنند" - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - (ردّ روافض بحوالہ تدبر قرآن)۔ دیکھا آپ نے کہ یہود اور روافض کا قارورہ باہم کس طرح ملتا ہے؟ اگر اس کے باوجود یہ لوگ مسلمان ہو سکتے ہیں تو پھر کفر کس بلا کا نام ہے؟ سو یہاں سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر اور ضد و عناد میں مبتلا ہو کر کس قدر اندھا اور کتنا اوندھا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مت کس طرح ماری جاتی ہے۔ اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ کر کیا کیا بکواس کرنے لگتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم بہرکیف وہ یہود کی مت ماری کا نتیجہ تھا کہ ان کو حضرتِ جبریلِ امین سے دشمنی تھی اور یہ روافض کی مت ماری کا نمونہ کہ یہ حضرتِ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس قدر بیہودہ گماں اور کفریہ عقیدہ رکھتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۲۷۱ جبریلِ امین سے دشمنی رکھنا پرلے درجے کی حماقت، والعیاذ باللہ: - یعنی "مَنْ" شرطیہ کی جزا محذوف ہے جو اسی طرح کے کسی جملے سے مقدر مانی جا سکتی ہے۔ اور ہم نے اللہ پاک کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق و عنایت کے سہارے یہاں پر یہ جملہ مقدر مانا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ حضرتِ جبریلِ امین کی اس ضمن میں بنیادی طور پر دو حیثیتیں ہیں۔ ایک "مامور من اللہ" ہونے کی حیثیت اور اس اعتبار سے ان پر کسی سوال و اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ ان کی شان اور ان کا کام ہی یہ ہے کہ اللہ پاک کے ہر حکم کو بلا کسی کم و کاست اور بدوں کسی چوں و چرا کے بجا لائیں۔ اور اس میں ہم لوگوں کیلئے بھی یہ درس ہے کہ اپنے خالق و مالک کے بندے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے۔ ہم بھی اس کا ہر حکم دل و جان سے بجا لائیں۔ اور دوسری حیثیت حضرتِ جبریل کی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ پاک کے اذن و ارشاد سے ہمیں قرآنِ حکیم کی اس عظیم الشان نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، جس جیسی دوسری کوئی نعمت متصور ہی نہیں ہو سکتی جو کہ سراسر ہدایت، عینِ رحمت، اور عظیم الشان بشارت و خوشخبری ہے، تو اس اعتبار سے ہمیں حضرت جبریلِ امین کا ممنونِ احسان اور شکر گزار ہونا چاہیئے، نہ کہ معترض اور دشمن - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - پس ظاہر ہو گیا کہ اس سے بڑھ کر احمق اور کوئی نہیں ہو سکتا جو حضرت جبریلِ امین جیسی پاکیزہ ہستی سے دشمنی رکھے، اور انکی لائی ہوئی وحی سے منہ موڑے - والعیاذُ باللہ من کل زَیغٍ وضَلال - ومِن کل شر وفساد - فی الحال و فی المآل - بہرکیف اس طرح کی ان بیہودہ باتوں سے یہود اور روافض کی خباثت اور ان کے فسادِ باطن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ کہ انسان جب نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ کس قدر گہرے کھڈے اور ہولناک ہاوئے میں گر جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو اصل دولت حق و ہدایت کی دولت ہے جو کہ سرفرازیِ دارین کا وسیلہ ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾

جبریل نے اس (قرآن کریم) کو اتارا ہے، آپ کے قلب (مبارک) پر ۲۷۱ اللہ ہی کے اذن (وارشاد) سے، اس حال میں کہ یہ تصدیق کرنے والا ہے ان (آسمانی کتابوں) کی جو آچکی ہیں اس سے پہلے ۲۷۳ اور یہ سراسر ہدایت ۲۷۴ اور عظیم الشان خوشخبری ہے ۲۷۵ ایمان والوں کے لئے ۲۷۶ (اور یاد رکھو کہ) جو کوئی دشمن ہوگا اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ) کا، اور اس کے فرشتوں، اور رسولوں، اور (خاص کر) جبریل

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ

۲۷۲ پیغمبر کے علوم و معارف کی عظمت شان کا ایک پہلو:- یہاں سے پیغمبر کے علوم و معارف اور دوسرے لوگوں کے علوم کا فرق بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی تعلیم کا آغاز حروف والفاظ کے سیکھنے سکھانے سے ہوتا ہے۔ اور ایک عمر کھپانے کے بعد کہیں جا کر اصل حقائق تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ دل و دماغ میں اترتے ہیں۔ جبکہ پیغمبر کے علوم کا آغاز ہی براہِ راست حضرتِ حق -جل شانہ- کی طرف سے ان کے دل پر اِلقا کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر ان کے علوم و معارف اور ان کے مرتبہ و مقام کا اندازہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے سوا اور کون کرسکتا ہے؟ یہاں سے اہلِ بدعت کی ان بے باکیوں اور غوغہ آرائیوں کی حقیقت اور ان لوگوں کے مبلغِ علم کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، جس کا اظہار وہ آئے دن اس طرح کے اعلانات و بیانات وغیرہ سے کرتے رہتے ہیں کہ "ہم مقامِ مصطفیٰ متعین کر کے رہیں گے"، "ہم مقامِ مصطفیٰ بیان کر کے چھوڑیں گے" وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ کہاں عظمت و مقامِ مصطفیٰ اور کہاں علومِ قرآن وسنت کے انوار سے محروم و بے بہرہ یہ ابنائے شرک و بدعت، جو انوارِ توحید وسنت سے محروم اور ظلماتِ جہل میں غرق ہیں۔ یہ کون ہوتے ہیں مقامِ مصطفیٰ متعین اور بیان کرنے والے؟ مقامِ مصطفیٰ کو تو حضرتِ حق جل مجدہ ہی جانے۔ بندہ تو بس اتنا ہی کرسکتا ہے کہ حضرتِ حق کے عطا کردہ اور متعین فرمودہ مقام ہی کے کسی حصے کو اپنے ظرف محدود کے مطابق بیان کرے اور بس۔ بہرکیف حضراتِ انبیاءِ کرام -عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ- کے علوم و معارف کا آغاز ہی اس فیضانِ وحی سے ہوتا ہے جو حضرتِ واہبِ مطلق -جَلَّ جَلَالُه و عَمَّ نَوَالُهٗ- کی طرف سے ان کے قلوبِ طاہرہ پر کی جاتی ہے۔ یہی مضمون سورۂ شعراء میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے -﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾- [سورہ الشعراء: ۱۹۲-۱۹۴] سو پیغمبر کا علم براہِ راست اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا نزول ان کے قلبِ طاہر پر ہوتا ہے۔ اور یہ منفرد اور عظیم الشان شرف و اعزاز پیغمبر کے سوا اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں اسلئے مخلوق میں دوسرا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۷۳ قرآنِ حکیم کی گزشتہ آسمانی کتابوں کیلئے تصدیق کا مفہوم و مطلب؟:- سو اس کتابِ حکیم کے ان کتابوں کیلئے مصدق ہونے کا مطلب ہے کہ ان کتابوں میں اس کتابِ حکیم کے بارے میں پیشنگوئی فرمائی گئی تھی، تو اب اس کتاب کا محض نازل ہوجانا ہی ان کی تصدیق ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ کتابِ حکیم نازل نہ ہوتی تو وہ کتابیں اس سے متعلق اپنی ان

پیشگوئیوں میں جھوٹی قرار پاتیں۔ اور دوسرے اس طرح کہ اس کتابِ حکیم کی اصولی تعلیمات بھی وہی ہیں جو ان کتابوں میں تھیں، یعنی توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ۔ یہ بات الگ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی ان کتابوں میں طرح طرح کی تحریفات کے ذریعے ان کو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ لیکن اصل اور اصولی تعلیمات ان کتابوں کی بھی یہی تھیں، کہ اللہ کا دین ہمیشہ ایک ہی رہا۔ اور تیسرے اس طرح کہ یہ کتابِ حکیم ان کتابوں کی حقانیت کی اس طرح تصریح بھی کرتی ہے کہ وہ کتابیں بھی اپنے اپنے دور میں ہدایت و نور کا منبع و سرچشمہ تھیں۔ ﴿فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾۔ پس ان لوگوں کے اپنی کتابوں پر ایمان کا تقاضا بھی یہ تھا اور یہی ہے کہ وہ قرآنِ حکیم کی اس کتابِ عزیز پر صدقِ دل سے ایمان لے آئیں۔ اور اگر یہ اس پر ایمان نہیں لاتے تو اسکا مقصد یہی ہے کہ انکا اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں اور ان پر ان کے ایمان کا دعوٰی محض زبانی کلامی ہے اور بس۔

۲۷۴ قرآنِ حکیم سراسر ہدایت:۔ سو اس کتابِ حکیم کو تم لوگ جس زاویہ نگاہ سے بھی دیکھو گے اور اس کی طرف سچے دل سے رجوع کرو گے یہ تمہیں ہدایت کے نور سے نوازے گی۔ عام طور پر حضراتِ مترجمین یہاں پر ترجمہ اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں "ہدایت دینے والی"، "راہ دکھانے والی"، "رہنمائی کرنے والی" وغیرہ۔ حالانکہ یہ ترجمہ اصل میں صفت یعنی "ھادی" کے لفظ کا ہے۔ جبکہ یہاں پر "ھادی" نہیں "ھدًی" فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے۔ جس میں ظاہر ہے کہ خاص زور اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ سو اسی کے اظہار کے لئے ہم نے اپنا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ بہر کیف یہ کتابِ حکیم قرآنِ مجید جس سے قدرت نے اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے بندوں کو نوازا اور سرفراز فرمایا ہے، سراسر ہدایت، نری ہدایت اور عینِ رحمت ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین الذی شرفنا بھٰذا الکتاب المبین و بالایمان بہ و الاشتغال۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۲۷۵ قرآنِ حکیم اہلِ ایمان کیلئے ایک عظیم الشان خوشخبری:۔ ایسی عظیم الشان خوشخبری جو آخرت کی حقیقی اور دائمی فوز و فلاح اور اس دنیا کی حیاتِ طیبہ وغیرہ سب بشارتوں پر حاوی اور ان کو عام و شامل ہے۔ سو اس میں ایمان والوں کیلئے وہ عظیم الشان اور سب سے بڑی خوشخبری ہے جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں۔ اس کی ہدایت و رحمت یوں تو سب دنیا کیلئے ہے لیکن اس سے مستفید و فیضیاب وہی ہوسکیں گے جو اس پر صدقِ دل سے ایمان لائیں گے۔ اور ایمان لانا چاہتے ہونگے۔ کیونکہ عناد اور ہٹ دھرمی رکھنے والوں کیلئے یہ کتاب خسارے پر خسارے کا باعث ہے، اور حضرتِ نبی کریم نے ارشاد فرمایا "القراٰن حجۃ لک او علیک" یعنی "یہ قرآنِ عظیم ایک عظیم الشان حجت ہے یا تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف"۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ قرآنِ حکیم ایمان والوں کے لیے ایک عظیم الشان خوش خبری ہے۔

۲۷۶ قرآنِ حکیم سے سرفرازی کیلئے اولین شرط، ایمان:۔ کہ اس سے سرفراز و فیضیاب ایمان والے ہی ہونگے۔ پس اس سے بہرہ ور ہونے کیلئے اولین شرط اور بنیادی تقاضا اس پر سچا پکا ایمان لانا ہے۔ ورنہ بے ایمانوں کیلئے تو یہ خسارے اور ان کے وبال ہی میں اضافے کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا﴾۔ سو نورِ ایمان و یقین کی دولت اور اس سے سرفرازی کی نیت و ارادہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ جبکہ اس سے اعراض و محرومی ہر خیر سے محرومی کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ قرآنِ حکیم ایمان والوں کے لیے سراسر ہدایت اور عظیم الشان بشارت ہے۔

اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا

اور میکائیل کا، تو یقیناً (وہ اپنی ہی تباہی کا سامان کرے گا)۲۷۷ کہ بے شک) اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا، اور بلاشبہ ہم نے اتاریں آپ کی

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ

طرف (اے پیغمبر!) روشن آیتیں ۲۷۸ اور ان کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو کہ فاسق (و بدکار) ہیں، کیا (یہ لوگ اپنے اس فسق کا

مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ

انکار کریں گے) جب کہ ان کی روش ہمیشہ یہی رہی کہ جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا، بلکہ

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے ۲۷۹ اور (اس کا ایک زندہ ثبوت یہ ہے کہ) جب آ گیا ان کے پاس ایک ایسا عظیم الشان رسول ۲۸۰

۲۷۷ اللہ کے فرشتوں سے دشمنی باعث ہلاکت و تباہی، والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے فرشتوں اور خاص کر حضرت جبرئیل و میکائیل سے دشمنی رکھنا، ہلاکت کا باعث، اور خود اپنی ہی تباہی کا سامان کرنا ہے، والعیاذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے معصوم اور نوری فرشتوں سے عداوت رکھنے اور اس ہدایت و ارشاد سے منہ موڑنے کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔ اور ایسی حماقت کا ارتکاب وہی کرسکتا ہے جس کی مت ماری دی گئی ہو، اور اسکے نصیب پھوٹ چکے ہوں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - ورنہ ان نوری فرشتوں سے جن کا کام ہی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں مشغول رہنا ہے اور جو ذاتیات کے تمام شوائب و علائق سے پاک اور بری ہوتے ہیں۔ اور جو ہر وقت اپنے خالق و مالک کے اوامر و ارشادات کی تعمیل و بجا آوری کیلئے تیار و مستعد رہتے ہیں اور جن سے خلقِ خدا کو فائدہ تو پہنچتا ہے نقصان کبھی نہیں پہنچتا۔ اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ ان سے عداوت و دشمنی رکھنے کی آخر کیا تک ہوسکتی ہے؟ سوائے اسکے کہ کسی کی مت ماری دی جائے - والعیاذ باللہ العظیم - سو اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ والوں سے عداوت و دشمنی رکھنا باعثِ ہلاکت و محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ -

۲۷۸ پیغمبر پر روشن آیتوں کے نزول کا ذکر و بیان:- ایسی روشن آیتیں جن سے حق و باطل کا فرق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ اور ایسا اور اس حد تک کہ اس میں کسی خفاء و غموض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - کہ ہٹ دھرم لوگ اسکے باوجود حق کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ سو یہ انکی اپنی کوڑھ مغزی، ہٹ دھرمی اور محرومی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ وضوحِ حق میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا - والحمد للہ جل و علا - اور حق کی اس طرح تشریح و توضیح کردینا کہ اسکے بارے میں کسی طرح کا کوئی خفا و غموض باقی نہ رہے، صرف

اور صرف انہی آیاتِ بینات کی خصوصیت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں۔ سو جو لوگ ان آیاتِ بینات پر ایمان و یقین سے محروم ہیں، وہ ہر خیر سے محروم اور سراسر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اگرچہ وہ مادی ترقی اور دنیاوی علوم وفنون کے اعتبار سے آسمان کی بلندیوں ہی کو کیوں نہ چھوتے ہوں کہ وہ اپنی منزلِ مقصود سے غافل و بے خبر اور اپنی زندگی کے اصل مقصد سے غافل ولاپرواہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۲۷۹ اکثریت بے ایمانوں ہی کی ہوتی ہے: ۔ یعنی اکثریت بے ایمانوں اور منکروں کی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ پس معلوم ہوا کہ عوام کی اکثریت کا کسی طرف ہو جانا اس کی صداقت وحقانیت کی دلیل نہیں بن سکتا، جیسا کہ دورِ حاضر میں رائج مغربی جمہوریت کے علمبرداروں کا کہنا اور ماننا ہے۔ یا جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ چونکہ عوام کالانعام کی اکثریت فلاں فلاں امورِ شرک و بدعت میں ہمارے ساتھ ہے لہٰذا یہ سب کچھ ٹھیک اور درست ہے۔ اور ہم حق پر ہیں۔ اور ہمارے اختیار کردہ یہ امورِ شرک و بدعت بھی صحیح اور درست ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ پس معیارِ حق کا مدار وانحصار عوام کی کثرت وقلت پر نہیں بلکہ اللہ اور اسکے رسول کے ارشاد وفرمان پر ہے اور بس۔ ورنہ عوام کالانعام کی اکثریت تو دنیا میں کل بھی کفر و باطل پر تھی اور آج بھی اس کا یہی حال ہے۔ اسی لئے حضرتِ نبیِ معصوم ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ یہ سب کے سب دوزخ میں جائینگے۔ سوائے اس ایک جماعت کے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگی۔ سبحان اللہ! ۔ کتنا واضح اور صاف ستھرا فیصلہ ہے جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کی روشن تعلیمات سے ہمیں ملتا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود ان عوام کی اکثریت کی تائید کو حق کی دلیل ٹھہرانا جو کہ دینی تعلیمات سے غافل و بے بہرہ ہیں کس قدر ستم ظریفی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف عوام کالانعام کی اکثریت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی۔ اس لیے ان کی اکثریت کو حجت اور سند نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۲۸۰ یہود کے کفرانِ نعمت کا ایک اور نمونہ ومظہر: ۔ سو اس سے نبیٔ آخر الزماںؐ کی بعثت وتشریف پر یہود کے ردِ عمل کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے جو کہ ان بدبختوں نے انکارِ حق اور کفرانِ نعمت کی صورت میں پیش کیا، والعیاذ باللہ جل وعلا سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب آ گیا ان کے پاس ایک عظیم الشان رسول۔ یعنی نبی آخر الزماں، امام الانبیاء والمرسلین، خاتم الرسل والنبیین، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جن کی شان سب سے بڑی اور جن کی نبوت و رسالت قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے عام ہے تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا ۔ والعیاذ باللہ۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ الْعَرْضِ عَلَی اللّٰہِ وَ اللِّقَآءِ۔ سو اس عظیم الشان نعمت اور جلیل احسانِ خداوندی کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ آگے بڑھ کر اس نعمت کو اپناتے، اسکی قدر کرتے، اور اس پیغمبرِ آخر الزمان پر صدقِ دل سے ایمان لاکر اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرتے، مگر انہوں نے اسکے برعکس کفر وانکار سے کام لیکر اپنے لیے ابدی ہلاکت وتباہی کا سامان کیا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ

اللہ کی طرف سے، جو کہ تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے، تو ان لوگوں کے ایک گروہ نے جن کو کتاب

ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا

دی گئی تھی پھینک دیا اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے، (اور ایسا کہ) گویا کہ یہ جانتے ہی نہیں ۲۸۱ اور (حق سے منہ موڑ کر) یہ لوگ

الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ

پیچھے لگ گئے ان چیزوں کے جو کہ شیطان سکھاتے (پڑھاتے) تھے ۲۸۲ لوگوں کو سلیمان کی بادشاہی کے نام پر ۲۸۳ اور سلیمان نے کبھی کفر

وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا

نہیں کیا مگر یہ شیطان ہی تھے جو کفر کرتے، اور سکھاتے تھے لوگوں کو جادوگری، نیز (یہ پیچھے ہو لئے اس کے) جو کچھ

۲۸۱ حسد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حسد اور ہٹ دھرمی انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے جس کے نتیجے میں محرومی اس کا مقدر بن جاتی ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب آ گیا ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک ایسا عظیم الشان رسول جو کہ تصدیق کرنے والا تھا اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس تھی ۔ تو انہوں نے اللہ کی کتاب کو اس طرح اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا گویا کہ یہ جانتے ہی نہیں محض حسد اور عناد کی بناء پر اور اپنے دنیوی فوائد و منافع کے لالچ میں ۔ حالانکہ اس نبیِ منتظر پر ایمان لانا خود ان کی اپنی کتابوں پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا تھا جس کا یہ دم بھرتے اور بڑھ چڑھ کر دعوی کرتے ہیں ۔ مگر حسد و عناد اور ہٹ دھرمی نے ان کو ایسا اندھا اور اس قدر اوندھا کر دیا کہ ان کو حق اور ہدایت کی بات سمجھ آتی ہی نہیں ۔ سو حسد اور ہٹ دھرمی انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے، اور ایسا اندھا اور بہرا کہ اسکے بعد نہ اسکو حق بات سننے سمجھنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ اسکو اپنانے اور اختیار کرنے کی، اور اس طرح یہ محروم کے محروم ہی رہتے ہیں، سو عناد اور ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

۲۸۲ کتابِ الٰہی کو پس پُشت ڈالنے کی سزا محرومی ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس کے نتیجے میں یہ لوگ کتابِ الٰہی کو چھوڑ کر جادو ٹونوں کے پیچھے لگ گئے اور اس طرح محرومی در محرومی کا شکار ہو گئے ۔ سو یہ یہود کی بدبختی کا ایک نمونہ ہے کہ یہ لوگ کتابِ الٰہی کو چھوڑ کر جادو ٹونوں کے پیچھے لگ گئے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ یعنی جادوگری اور طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے ۔ سو دیکھو کتنے بدنصیب نکلے یہ لوگ کہ کتابِ الٰہی اور نورِ وحی سے منہ موڑ کر اس طرح کی خرافات اور کفریات میں لگ گئے ۔ افسوس کہ آج کتنے ہی جہالت اور بدعت کے مارے مسلمان ہیں جو اسی ڈگر پر چل رہے ہیں ۔ قرآن و حدیث کی نورانی تعلیمات سے منہ موڑ کر وہ اسی طرح کے خود ساختہ اور طرح طرح کے گورکھ دھندوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ من گھڑت قصے کہانیاں تصنیف کر کے ان خرافات کو رواج دینے میں لگے ہوئے ہیں ۔ بس اتنا لکھ دیتے ہیں کہ "

روایت ہے'' کس کی روایت ہے؟ اور کہاں کی روایت ہے؟ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یا لکھتے ہیں کہ اسناد اس دعا کے بہت ہیں مگر مختصر یہ کہ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اسی طرح کے حیلوں حوالوں سے کام لیکر ایسے بہکے بھٹکے لوگوں اور ہوٰی و ہوس کے پجاریوں نے عام لوگوں کو ''عہد نامہ''، ''نور نامہ''، ''دعائے گنج العرش''، ''دعائے جمیلہ''، ''دعائے عکاشہ'' اور ''درودِ ماہی'' وغیرہ مختلف خود ساختہ چیزوں میں ایسا الجھا اور پھنسا دیا ہے کہ وہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتے ہی نہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ اتنا کرینگے کہ اس کو چوم چاٹ کر مختلف جزدانوں میں بند کر کے رکھ دینگے اور بس۔ کہ صاحب، اس کو کون سمجھ سکتا ہے؟ یہ تو محض برکت کیلئے ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح یہ لوگ خسارہ در خسارہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو اصل چیز جس سے تعلق اور اشتغال رکھنے کی ضرورت ہے وہ ہے کتاب اللہ الحکیم۔ جو کہ اللہ کا نازل کردہ مکمل ہدایت نامہ ہے۔ اور جو انسان کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا کفیل و ضامن ہے۔ اور سنتِ رسول جو کہ اس کتابِ حکیم کی شرح اور اسکی تفسیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور جو چیز اس سے روکنے والی ہو وہ سراسر خسارہ اور وبال ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ پس دینِ حنیف کی اس نعمت کو اپنانا سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے محرومی دنیا و آخرت سے محرومی اور سب سے بڑا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۸۳ جادو کا شیطانی کاروبار حضرتِ سلیمان کے نام پر، والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کے پیچھے لگ گئے جو کہ شیطان پڑھتے پڑھاتے تھے لوگوں کو حضرتِ سلیمان کی بادشاہی کے نام پر کہ صاحب حضرتِ سلیمان کی اتنی بڑی سلطنت اور ایسی بے مثال بادشاہی، انہی جادو ٹوٹکوں کے ذریعے چلتی تھی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اور اس بارے یہ لوگ طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت قصے تصنیف کرتے اور ان کو طرح طرح سے پھیلاتے ہیں۔ اور اس طرح کے جادو ٹوٹکوں کے کاروبار کو چلاتے ہیں۔ عام طور پر حضراتِ مفسرینِ کرام یہاں پر کلمۂ ''علیٰ'' کو ''فی'' کے معنیٰ میں لیتے ہیں یعنی شیاطین یہ کام حضرتِ سلیمان کے دورِ حکومت میں کرتے تھے۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ ''علیٰ'' کو اپنے معنیٰ پر رکھ کر جو سیدھا اور زیادہ واضح مطلب بنتا ہے اس کو چھوڑ کر ان حضرات کو ''علیٰ'' ''فی'' کے مجازی معنیٰ میں لینے کی آخر ضرورت کیا پیش آئی۔ اور پھر جب حضرتِ سلیمان کو جنوں پر کنٹرول اور حکمرانی کا امتیاز بھی حاصل تھا تو وہ اپنے دورِ حکومت میں ان لوگوں کو جادوگری کے اس کفریہ کاروبار کی اجازت اور چھوٹ دے ہی کس طرح اور کیونکر سکتے تھے؟ اس لئے صاف اور واضح مطلب وہی ہے جو کہ لفظِ ''علیٰ'' کو اپنے حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے سے بنتا ہے۔ اور جس کو ہم نے اختیار کیا ہے کہ شیاطین نے حضرتِ سلیمان۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے نام پر اپنے اس کفریہ کاروبار کو ان کے بعد چلایا اور اس بارے مختلف قصے اور افسانے ان لوگوں نے گھڑ گھڑ کر اور خود بنا بنا کر لوگوں میں پھیلائے کہ سلیمان کی بادشاہی اسی جادوگری کا کرشمہ تھی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ ورنہ حضرتِ سلیمانؑ نے نہ یہ کفریہ کاروبار کیا نہ اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ آگے صاف طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا﴾۔ اور آج بھی ''سلیمانی جادو'' کے نام سے طرح طرح سے جادوگری اور شعبدہ بازی کے اس کاروبار کو چلایا جا رہا ہے۔ اور کتنے ہی سادہ لوح اور دین سے ناواقف لوگوں کو اس جال میں پھنسایا جا رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف یہود کتابِ ہدایت سے منہ موڑ کر جادوگری کے اس شیطانی کاروبار کے پیچھے لگ گئے، اور اس طرح منصۂ شرف سے گر کر قعرِ مذلت میں جا پڑے۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے دینِ حق سے اِعراض و روگردانی کا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

اُنۡزِلَ عَلَى الۡمَلَكَيۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ ؕ

کہ اتارا گیا بابل میں ہاروت ماروت (نامی) دو فرشتوں پر، ۲۸۴

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنۡ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوۡلَاۤ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ

حالانکہ وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک کہ (صاف طور پر اس سے) یہ نہ کہہ دیتے کہ (دیکھو بھئی) ہم تو محض ایک

فَلَا تَكۡفُرۡ ؕ فَيَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا يُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَيۡنَ

آزمائش ہیں، پس تم کہیں کفر میں نہ پڑ جانا ۲۸۵ پھر بھی وہ لوگ ان دونوں سے وہ کچھ سیکھتے، جس کے ذریعے وہ تفریق کرتے

الۡمَرۡءِ وَزَوۡجِهٖ ؕ وَمَا هُمۡ بِضَآرِّيۡنَ بِهٖ مِنۡ اَحَدٍ اِلَّا

میاں بیوی کے درمیان، حالانکہ اس (جادوگری) کے ذریعے وہ کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے، مگر

بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوۡنَ مَا يَضُرُّهُمۡ وَلَا يَنۡفَعُهُمۡ ؕ

اللہ کی اجازت (اور اسکی مشیت) سے ۲۸۶ اور یہ لوگ وہ کچھ سیکھتے جو خود ان کو نقصان پہنچانے کا باعث تو تھا (دنیا و آخرت میں) مگر

۲۸۴ ہاروت و ماروت کے جادو کی کیفیت؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ نیز یہ لوگ پیچھے لگ گئے اس چیز کے جس کو اتارا گیا تھا بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر، یعنی جادو، جو کہ ایک خاص حکمت اور اہم مقصد کیلئے قدرت کی طرف سے ان دونوں کو سکھایا گیا تھا، تاکہ اس طرح وہ لوگوں کو معجزہ اور جادو کے درمیان فرق سمجھا سکیں، کیونکہ معجزہ خرقِ عادت کے طور پر ظاہری اسباب کے بغیر، بلکہ ان کے برعکس ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور سحر و جادو کی ظاہری شکل بھی اسی طرح کی ہوتی ہے، اس لئے عام لوگوں کو اس سے اشتباہ ہو جاتا ہے، اور ان کیلئے ان دونوں کے درمیان فرق و تمیز کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے ان دونوں فرشتوں کے ذریعے قدرت کی طرف سے عام لوگوں کو معجزہ اور جادو کے درمیان فرق و تمیز کرنے کا انتظام فرمایا گیا، اب جو سلیم اور سیدھی طبیعتیں تھیں، انہوں نے تو اس سے فائدہ اٹھایا، اور وہ معجزہ و جادو کے درمیان اس فرق سے آگاہ ہو گئے، اور شعبدہ بازوں اور جادوگروں کے چنگل میں پھنسنے سے بچ گئے، مگر جو ٹیڑھی طبیعتوں والے تھے انہوں نے الٹا اس سے آگے یہی کاروبار شروع کر دیا، اور وہ جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے اسی مذموم عمل میں لگ گئے، اور ان کے گروہ میں شامل ہو گئے،- وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - هذا ما استفدناه من صفوة البيان فى معانى القرآن و بيان القرآن والمعارف للكاندهلوىؒ و غيرها من التفاسير - اس میں اور بھی اقوال و احتمال اور مختلف بحثیں ہیں- و سنذكرها مفصلة فى التفسير المفصل ان شاء الله سبحانهٗ و تعالىٰ و بتوفيق منه جل و

علا ان کان للعمر بقیة - یہاں اس وقت اسی پر اکتفا کرتے ہیں - وفیہ کفایۃ - البتہ اس بارے میں ایک اور اہم قول واحتمال کو ذکر کر دینا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو کہ معقول اور دل کو لگنے والا ہے، کہ ماانزل علی الملکین سے مراد الفاظ وکلمات کے وہ خواص اور اثرات ہیں جو قدرت نے ان کے اندر رکھے ہیں، تاکہ اس طرح اور ان کے ذریعے وہ لوگ جادو کے مضر اثرات اور نقصانات سے بچ سکیں۔ مگر شر پسند لوگوں نے خواص کے اسی علم کو اپنی مذموم اغراض کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا، اور وہ اس کو تفریق بین الزوجین جیسے سفلی امور کے لیے استعمال کرنے لگے، اور انہوں نے اس کے لیے مختلف قسم کی دوکانیں سجالیں۔ جیسا کہ شعبدہ باز قسم کے لوگ آج بھی اسی طرح کے کاروبار جگہ جگہ طرح طرح کے ناموں اور مختلف عنوانات سے چلا رہے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۸۵ جادوگری کا کاروبار کفر ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ دونوں فرشتے ایسے شخص سے کہتے کہ دیکھو بھئی ہم تو محض ایک ابتلاء وآزمائش ہیں۔ پس تم کہیں کفر میں نہیں پڑ جانا۔ یعنی ہمارا مقصد تو سحر اور معجزہ کے درمیان کے فرق کو ظاہر کرنا اور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کا راستہ روکنا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو گمراہی میں نہ ڈال سکیں، اور انکو شرک وبت پرستی وغیرہ میں مبتلا نہ کر سکیں۔ اب جس نے ہم سے اس مقصد کیلئے اس کو سیکھا اور آگے نہ اس پر یقین کیا نہ عمل، تو وہ بچ گیا اور محفوظ رہا۔ اور جس نے ہم سے سیکھ کر آگے یہی کاروبار شروع کر دیا اور وہ اس پر یقین واعتقاد کر بیٹھا تو وہ مارا گیا، کہ اس نے کفر کا ارتکاب کیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس سے یہ امر ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے کہ جادو کا عمل ایک کفریہ عمل ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی ان سے سیکھنے آتا تو وہ اس سے صاف اور صریح طور پر کہہ دیتے کہ دیکھو بھئی ہم تو محض ایک آزمائش اور فتنہ ہیں۔ پس خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کفر میں پڑ جاؤ اور ایمان کی دولت اور اس کے نور سے محروم ہو جاؤ - والعیاذ باللہ - (معارف للکاندھلویؒ)۔

۲۸۶ نفع ونقصان اللہ ہی کے اختیار میں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ ہی کے اذن اور اسکی مشیّت پر موقوف ہے، سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ اس کے ذریعے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ ہی کے اذن اور اس کی مشیّت سے"۔ یعنی جادوگری کا یہ معاملہ بھی عام اسباب ومسببات کی طرح اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی مشیّت پر موقوف ہے، وہ جب چاہے اور جس کے حق میں چاہے کسی مسبب کو سبب پر مرتب فرمادے، ورنہ اس کے علاوہ ان لوگوں کو کوئی ایسی قوت وتاثیر نہیں بخشی گئی تھی کہ وہ اپنے طور پر جسکو چاہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا دیں۔ اگر ایسا ہوتا تو جادوگر اپنی جادوگری کے ذریعے جہاں چاہتے اودھم مچا دیتے مگر معاملہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے ہاتھ میں اور اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نفع ونقصان کا مدار وانحصار اللہ تعالیٰ ہی کی مشیّت اور اس کے اذن پر ہے۔ وہ جب چاہے سحر یا کسی بھی چیز میں تاثیر پیدا فرمادے۔ اور جب چاہے کسی سے اس کی تاثیر سلب فرما دے۔ سو اصل چیز ہے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ واعتماد رکھنا کہ اس کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیّت کے تحت اور اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ کہ اس کی مخلوق اور اس کی کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس لیے اپنا تعلق اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ہمیشہ صحیح رکھا جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

ان کو نفع کوئی نہیں دے سکتا ۲۸۷ حالانکہ خود ان کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ جس نے بھی اس کو خریدا، اس کے لئے آخرت میں کوئی

خَلَاقٍ قف وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوْا

حصہ نہیں، اور بڑی ہی بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا، کاش کہ یہ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ

جان لیتے (حق اور حقیقت کو) ۲۸۸ اور اگر یہ لوگ (سچے دل سے) ایمان لے آتے، اور تقوٰی (و پرہیز گاری) کا طریقہ اپناتے، تو یقیناً

۲۸۷ جادوگری کا وبال خود جادوگروں پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سب کے باوجود وہ لوگ ان دونوں سے وہ کچھ سیکھتے تھے جو ان کو نقصان تو پہنچا سکتا تھا لیکن ان کو نفع اور فائدہ کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ سحر اور جادو کے اس کاروبار کے ذریعے دوسروں کو نقصان پہنچانے کی اس روش سے ان کو خود بھی نقصان پہنچتا ہے اور یہ دوسرے لوگوں کے یہاں بھی مبغوض قرار پاتے اور آخرت کا عذاب الگ اپنے سر لیتے اور ذلت کی زندگی گزارتے ہیں۔ چنانچہ آج تک ان لوگوں کا یہی حال ہے کہ سب سے زیادہ محتاج اور بدحال ہوتے ہیں اور انہی دنوں میں جبکہ راقم آثم ان سطور کی پروف ریڈنگ کر رہا ہے اخبارات اور ٹی وی وغیرہ ذرائع ابلاغ میں یہ ہولناک خبر گردش کر رہی ہے کہ جنوبی ہندوستان کے ایک گاؤں میں ہندوؤں کے ایک بڑے گروہ نے ایک جلوس کی شکل میں جادوگروں کے گھروں پر حملہ بول دیا۔ ان میں سے جو لوگ بھاگ گئے وہ تو بچ گئے لیکن جن پانچ اشخاص کو انہوں نے پکڑا جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی ان کی پہلے تو ان لوگوں نے خوب پٹائی کی، اور پھر انکو درختوں کے ساتھ باندھ کر پٹرول چھڑکا اور ان سب کو انہوں نے زندہ جلا کر "فی النار والسقر" کر دیا۔ والعیاذ باللہ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ، بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال۔

۲۸۸ علمِ حق ہی ذریعۂ اصلاح ونجات ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ جان لیتے حق اور حقیقت کو تو یہ وہ کچھ نہ کرتے، جو اب کر رہے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ دارین کی تباہی کے سامان سے بچ جاتے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ لیکن چونکہ یہ لوگ حق اور حقیقت کے علم کی اس دولت سے محروم تھے، اس لیے یہ راہِ راست سے سرفراز نہ ہو سکے۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ علمِ حق ہی ذریعہ اصلاح ونجات ہے، کہ اسکے بغیر انسان گھمبیر اندھیروں میں ڈوبا رہتا ہے، اور وہ طرح طرح کے ہولناک گڑھوں میں گرتا جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ پس حق اور حقیقت کے اس علم ہی سے راہِ حق وصواب روشن ہو سکتی ہے جس کا منبع ومصدر وحی خداوندی ہو اور اسی روشنی کے ذریعے انسان مہالک سے بچ سکتا ہے۔ ورنہ اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

عِنۡدِ اللّٰهِ خَيۡرٌ‌ ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ

اللہ (تعالیٰ) کے یہاں سے ملنے والا اجر (وثواب خود ان کے لئے) کہیں بہتر ہوتا، کاش کہ یہ لوگ جان لیتے ۲۸۹ اے وہ لوگو!

اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ‌ؕ

جو ایمان لائے ہو، تم (اپنے پیغمبر کو خطاب کرتے وقت) ''راعنا'' مت کہو ۲۹۰ بلکہ (اس کی بجائے) ''اُنْظُرْنَا'' کہا کرو، اور (یوں

وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ

تم غور سے) سنا کرو ۲۹۱ اور کافروں کے لئے ایک بڑا ہی دردناک (اور ہولناک) عذاب ہے، ۲۹۲ کافر لوگ خواہ وہ

۲۸۹ علم بلا عمل نہ ہونے کے برابر- والعیاذُ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حسرت وافسوس کے اسلوب و انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''کاش کہ یہ لوگ جان لیتے''۔ یعنی یہ بات جان لیتے کہ کامیابی اور نجات کا مدار و انحصار صرف ایمان وتقوی پر ہے، جس کے حاصل کرنے کا موقع و مقام یہی دنیاوی زندگی ہے تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ پس اس فرصتِ محدود و مختصر کے ختم ہونے سے پہلے یہ لوگ آخرت کے لیے کوشش اور کمائی کر لیتے۔ سو اگر ان لوگوں کو یہ حقیقت معلوم ہو جاتی تو یہ ایسے لایعنی کاموں میں نہ لگتے اور متاعِ وقت کو ان میں ضائع کرنے کی بجائے اپنی توجہ ایمان وتقوٰی کی تحصیل پر مرکوز رکھتے، مگر حق اور حقیقت کے علم سے محروم ہونے کے باعث یہ لوگ ایمان وتقوٰی کی اس راہ کو نہ اپنا سکے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرتی ہے۔ اور اس طرح یہ محرومی اور خسارے کی راہ پر چل پڑے۔ یہاں پر یہ بات بھی قابلِ ذکر اور لائق توجہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں پہلے تو فرمایا گیا کہ ان لوگوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جس کسی نے جادوگری کے اس کاروبار کو اپنایا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور یقیناً بڑا ہی برا ہے وہ کچھ جس کے بدلے میں انہوں نے بیچا اپنی جانوں کو اور پھر آیتِ کریمہ کے خاتمے پر ارشاد فرمایا گیا کہ کاش یہ لوگ جان لیتے۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جس علم کے مطابق عمل نہ ہو وہ نہ ہونے کے برابر ہے- والعیاذ باللہ جل وعلا-

۲۹۰ ''راعِنا'' کہنے کی ممانعت: - سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ راعنا مت کہو تا کہ یہودِ بے بہبود کو اس لفظ سے اپنی خبیث مطلب برآری کا موقع نہ مل سکے۔ روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ- جب کوئی وعظ وتلقین فرماتے اور حضراتِ صحابہ کرام کو اس دوران کچھ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تو یہ حضرات نہایت ادب واحترام سے عرض کرتے ''رَاعِنَا'' ''حضور ہماری رعایت فرمائیے گا''۔ یعنی ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آسکی تو آپ ﷺ کمالِ شفقت سے ان کو پھر سمجھا دیتے، تو اس لفظ سے یہود نے اپنے خبثِ طبعی کی بناء پر غلط فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ لفظ ''راعنا'' ان کی زبان میں احمق وغیرہ کے غلط معنیٰ کیلئے استعمال ہوتا تھا

، یا کبھی یہ لوگ اس لفظ کو دبا کر ''رَاعِینَا'' کہتے، جس کا معنیٰ ہے ''اے ہمارے چرواہے'' پھر یہ لوگ اپنی اس چالاکی اور شیطنت پر خوش ہوتے کہ ہم نے کیسی ہوشیاری سے کام لیا، اور ان لوگوں کو کیسا بیوقوف بنا دیا، تو اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- نے اس آیتِ کریمہ میں اس بارے تنبیہ فرما دی کہ اب تم اے مسلمانو! یہ لفظ ''رَاعِنَا'' سرے سے کہنا ہی چھوڑ دو اور اس کی بجائے ''اُنْظُرْنَا'' کہا کرو۔ تاکہ ان لوگوں کو اس شیطنت کا موقع ہی نہ مل سکے۔ سو اس سے جہاں ان بدبختوں کی اس شرانگیزی کا راستہ بند ہو گیا، وہاں اس کے ساتھ ہی ساتھ قیامت تک ان کی ذلت و رسوائی کا سامان بھی ہو گیا، تاکہ دنیا ہمیشہ اس آئینے میں دیکھ سکے کہ یہ یہودی لوگ کتنے بدبخت اور سیاہ باطن ہوتے ہیں، -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- نیز اس ارشادِ ربانی سے یہ اصولی قاعدہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر ایسے لفظ سے بچنا چاہیئے جس سے غلط معنیٰ کا ایہام ہوتا ہو، مثلاً مومن موحد جو کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا شرکیہ عقیدہ نہیں رکھتا، اس کے لئے ''یا رسول اللہ'' کہنا اگرچہ فی حد ذاتہٖ جائز ہے۔ مگر اس سے چونکہ اس شرکیہ عقیدے کا ایہام ہوتا ہے جو کہ اہلِ شرک و بدعت رکھتے ہیں، اس لئے اہلِ ایمان کو اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اسی کو سدِّ ذرائع کا اصول کہا جاتا ہے، جو کہ ایک معروف اور مسلّم اصول ہے۔

۲۹۱ بغور سننے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا واسمعوا یعنی تم پہلے سے ہی بغور سنتے رہا کرو تاکہ پوچھنے اور سوال کرنے کی نوبت ہی نہ آئے اور تم اس طرح کے تمام جھمیلوں سے بچے رہا کرو۔ مفسر مراغی مرحوم اس موقع پر اپنی مشہور عربی تفسیر میں بڑے دکھ اور درد بھرے انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اسمعوا'' یعنی غور سے سننے کا یہ حکم صرف اسی دور اور اسی زمانے کیلئے نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ کیلئے ہے۔ کیونکہ وہی قرآن اور وہی سنتِ رسول جسکے اِستماع اور بغور سننے کا حکم اس وقت فرمایا گیا تھا وہ اب تک موجود ہے اور جوں کا توں موجود ہے اور انشاء اللہ العزیز تا قیامِ قیامت اسی طرح باقی اور موجود رہے گا، تو پھر کیا بات ہے کہ مسلمان اس سے غافل ہیں اور اسکو غور سے نہیں سنتے؟ اور اس بارے غفلت و لاپرواہی سے کام لیتے؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- (تفسیرِ مراغیؒ)۔ سو قرآن کو بغور سننے اور اس کے احکام کو اپنانے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۲۹۲ کافروں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب:- کیونکہ انہوں نے اپنے کفر و انکار اور طرح طرح کی شرانگیزیوں سے اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی ایذاء رسانی کا سامان کیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -اور ''وَالْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ'' کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ان کو ایسا ہی دردناک اور ہولناک عذاب بھگتنا چاہیئے اور بھگتنا پڑیگا -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا -﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا﴾ -[الاحزاب: ۵۷]۔ سو کفر منبعِ شر و فساد اور باعثِ ہلاکت و تباہی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- والعیاذ باللہ العظیم -اور فوز و فلاح اور عظمت و نجات سچے ایمان و یقین اور اللہ اور اسکے رسولؐ کی سچی اطاعت و فرمانبرداری ہی میں ہے- وباللہ التوفیق- اور اسی سے انسان دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوتا ہے- وباللہ التوفیق- سو کفر و انکار سعادتِ دارَین سے محرومی کا باعث اور موجب ذلت و رسوائی اور ہلاکت و تباہی ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ

اہل کتاب میں سے ہوں، یا دوسرے کھلے مشرکوں میں سے، وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھی بھلائی ۲۹۳ اتاری

عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

جائے تمہارے رب کی جانب سے، مگر اللہ (جو کہ مالک مطلق اور مختارِ کل ہے وہ نوازتا اور) مختص فرماتا ہے اپنی رحمت سے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ

جس کو چاہتا ہے، ۲۹۴ اور اللہ بڑے ہی (اور لامتناہی) فضل والا ہے، ۲۹۵ جو بھی کوئی آیت ہم منسوخ

۲۹۳ کفار و مشرکین کی دشمنی اہلِ ایمان سے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم :- سو کفار و مشرکین اپنی عداوت و دشمنی کی وجہ سے اہلِ ایمان کیلیے کسی بھی خیر کے روادار نہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - "خَيْر" نکرہ ہے جو کہ عموم کے معنی دیتا ہے۔ پھر اس پر بھی تنوین ہے جو کہ تقلیل کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر اس پر بھی "مِن" جارہ داخل ہے جو کہ استغراق کے معنی میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ سو ان سب باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ہم نے اس کا ترجمہ "کوئی بھی بھلائی" سے کیا ہے - والحمد للہ - تو جب اہلِ کتاب کے کافر اور دوسرے کھلے کفار و مشرکین، تم پر اے مسلمانو! کسی معمولی قسم کی خیر اور بھلائی کے نزول وحصول کے بھی روادار نہیں تو پھر قرآنِ پاک جیسی اس عظیم الشان اور بے مثال نعمت کا تم پر نزول ان کو کیسے برداشت ہوسکتا ہے؟ جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے اور جو کہ دارین کی سعادت و کامیابی کی ضامن و کفیل ہے۔ اور جس سے اللہ پاک نے تمہیں محض اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔ پس ان لوگوں کے حسد و عناد پر تم نہ کوئی تعجب کرو اور نہ کسی طرح کی تشویش و پروا۔ بلکہ تم ان کو یونہی چھوڑ دو۔ تاکہ یہ حسد کی اپنی اس ٹھنڈی آگ میں خود جلتے رہیں جو جسم اور ظاہر کو نہیں بلکہ باطن اور قلوب کو جلاتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو اس مضمون کے زور اور اثر کا مدار وانحصار بڑی حد تک "مِنْ خَيْرٍ" کے "مِنْ" استغراقیہ پر ہے جس کا احساس و اِدراک ذوقِ سلیم والوں پر واضح وعیاں ہے۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ عام طور پر بعض بڑے بڑے حضراتِ مفسرینِ کرام بھی اس کو "مِنْ" زائدہ کہہ دیتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں۔ ان کو اس کے لئے مجبوری کیا پیش آتی ہے اور اس تاثیر و بلاغت پر ان کی نظر کیوں نہیں جاتی۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے کفار و مشرکین کے خُبثِ باطن اور مسلمانوں سے انکی عداوت و دشمنی کو آشکارا کردیا گیا، جس میں اہلِ ایمان کیلیے یہ درسِ عظیم ہے کہ وہ اپنے ایسے دشمنوں سے کسی طرح کی کوئی توقع نہ رکھیں، بلکہ ہمیشہ محتاط رہیں اور بھروسہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی پر رکھیں۔ ایسے دشمنوں کو نہ اپنا رازدار بنائیں اور نہ ان پر بھروسہ اور اعتماد کریں۔

۲۹۴ اللہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے نوازے :- تو پھر ان لوگوں کے جلنے اور حسد کرنے سے کیا فرق پڑتا

ہے۔ پس تم ان کی فکر کرنے، یا ان کے پیچھے لگنے کی بجائے اس واہبِ مطلق - جل جلالہٗ - کی رضا وخوشنودی ہی کی فکر کرو، جس نے تمہیں اس نعمتِ عظمیٰ سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے۔ اور اس سے اپنا تعلق درست رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ اور وہ جسکو بھی نوازتا ہے اور جتنا نوازتا ہے ٹھیک نوازتا ہے، کہ اس کا علم بھی کامل ہے اور اسکی رحمت و عنایت بھی سب پر محیط اور شامل ہے، اور وہی جانتا ہے کون کس لائق ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- سو جو لوگ اس وحدہٗ لاشریک کی تقسیم وعطاء پر چلتے اور اعتراض کرتے ہیں وہ خود اپنی حماقت اور جہالت کا ثبوت دیتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم- وہ مالک الملک جو چاہے کرے- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ کافر خواہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا دوسرے کھلے مشرکوں میں سے۔ وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھی خیر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہو اپنے حِقد وحَسَد اور بغض وعناد کی بناء پر۔ تو پھر وہ اس سے کیسے اور کس طرح راضی ہو سکتے ہیں کہ تم کو دین ووحی اور قرآن جیسی عظیم الشان نعمت سے نوازا جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ مگر انکے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا فرق پڑسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے نوازے۔ اور جب اور جیسے چاہے نوازے- سبحانہٗ وتعالیٰ- کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔

۲۹۵ <u>اللہ بڑے ہی فضل والا ہے:</u> - واضح رہے کہ یہاں پر فضل کو اسمِ ذات - اللہ - کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ فضل فرمانا اس وحدہٗ لاشریک کی ذاتی صفت ہے، دنیا میں جس کسی پر بھی کوئی فضل واحسان ہوا ہے یا ہوتا ہے۔ یا آئندہ ہوگا۔ وہ اسباب کی اس دنیا میں جس بھی کسی سبب کے پردے میں بھی ہو، وہ سب بہرحال اسی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی طرف ہی سے ہوتا ہے- سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ بَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ- اب دیکھئے کہاں یہ ارشادات وتعلیمات اور کہاں آج کے کلمہ گو مشرکوں کی وہ طرح طرح کی شرکیات جن کا ارتکاب وہ طرح طرح سے اور نت نئے طور طریقوں سے کرتے ہیں۔ جگہ جگہ قبروں آستانوں پر جھکتے، سر ٹیکتے، سجدے کرتے، غیر اللہ کے نام کی دیگیں پکاتے، بانٹتے، طرح طرح کے آستانوں کے پھیرے مانتے، چکر لگاتے، نذریں مانتے، نیازیں دیتے، اور اپنی اولاد کے نام تک، ''پیر بخش''، ''حضور بخش''، ''نبی بخش''، ''رسول بخش''، ''علی بخش''، ''پیراں دتہ''، ''علی داد''، ''نذر حسین''، ''عبدالحسین''، ''عبدالرسول'' اور ''عبدالنبی'' جیسے شرکیہ نام رکھتے ہیں۔ ان میں سے جنہوں نے جہالت اور ناواقفی سے ایسے نام رکھ لئے ہیں، وہ تو پھر بھی کسی حد تک معذور ہو سکتے ہیں۔ مگر جو جان بوجھ کر ایسے نام رکھتے ہیں، اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم توحید والے اور سنی مسلمان ہیں، تو ان کا معاملہ یقیناً الگ اور قابلِ غور، اور لائقِ توجہ ہے کہ اس طرح کی سب شرکیات کے باوجود نہ ان کا ایمان بگڑے نہ توحید میں کچھ فرق آئے، اور نہ ان کی نام نہاد سنیت کے دعوے پر کوئی اثر پڑے، تو پھر کوئی بتائے کہ شرک اور کس بلا کا نام ہے؟ اور مشرک اور کس کو کہتے ہیں؟ - فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَكٰی - وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَ عَلَيْهِ التُّكْلَانُ - جَلَّ جَلَالُهٗ سبحانہٗ و تعالیٰ- بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ فضل اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ

کرتے ہیں، یا اسے (ذہنوں سے) بھلا دیتے ہیں ۲۹۶ تو ہم لے آتے ہیں اس سے کوئی بہتر آیت، یا اسی جیسی، ۲۹۷

اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

بیشک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، کیا تم جانتے نہیں (اے مخاطب) ۲۹۸

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

کہ بے شک اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی؟ ۲۹۹ اور تمہارے لئے

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ

اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے، نہ مددگار، کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ

تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ

تم بھی اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جیسے کہ اس سے پہلے (حضرت) موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں ۳۰۰ اور (یاد رکھو کہ)

۲۹۶ **"نُنْسِهَا" کا معنی و مطلب؟:-** بھلا دینے کا یہ معنیٰ اس وقت ہوگا جبکہ اس لفظ کو "نسیان" سے ماخوذ مانا جائے۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لفظ "نسا" سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ مؤخر کرنے کے ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں اس کے معنیٰ ہونگے کہ ہم اس کو مؤخر کر دیتے ہیں۔ اب اس کے مطلب اور معنیٰ و مراد میں آگے کئی احتمال ہیں۔ نمبر ایک یہ کہ لوحِ محفوظ سے اس کا نزول مؤخر کر دیتے ہیں۔ نمبر دو یہ کہ تورات کے احکام میں سے جس کے نسخ کو مؤخر کر کے اسے قرآنِ حکیم میں مستقل طور پر محفوظ کر دیتے ہیں۔ نمبر تین یہ کہ قرآنِ حکیم کے احکام میں سے جس حکم کو نسخ سے محفوظ رکھ کر اسے ہم باقی رکھ دیتے ہیں وغیرہ۔ (محاسن التاویل المعروف تفسیر القاسمی)۔ بہر کیف نسخ سے متعلق اس اصولی اور بنیادی ارشاد سے دراصل یہود و مشرکین وغیرہ کے ایک مشہور و معروف اعتراض اور مغالطے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان لوگوں کا اعتراض و مغالطہ اور ان کا کہنا یہ تھا کہ جب پہلی شریعتیں اور پہلی کتابیں بھی آسمانی اور الہامی تھیں، تو پھر ان کو منسوخ کر کے مسلمانوں کی یہ نئی شریعت اور نئی کتاب اتارنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ نیز خود اسلام کے اندر کے جو احکام منسوخ کر دیئے جاتے تھے، ان پر بھی کچھ لوگ ایسے ہی اعتراض کرتے تھے کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو -نعوذ باللہ- پہلے معلوم نہیں تھا؟ جو بعد میں ایسے احکام کو منسوخ کر دیا؟ تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ نسخ کا معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم لوگوں نے اپنی کج فطرتی، اور بدنیتی سے سمجھا ہے، بلکہ یہ تو اللہ پاک کی بے پایاں حکمتوں کا مظہر اور عقل و منطق کے تقاضوں کے عین مطابق ہے،

کیا تم لوگ اللہ پاک کی بے نہایت قدرت اور آسمان وزمین میں پائی جانے والی اس کی وسیع سلطنت کے اسرار و رموز پر غور نہیں کرتے کہ حقیقتِ حال تمہارے سامنے واضح ہو جائے۔ اللہ پاک کا علم تو ہمیشہ سے کامل ہے، اس میں کسی تغیر وتبدل کا تو کوئی سوال ہی نہیں، مگر وہ اپنے بندوں کی مصلحت اور بہتری کیلئے اپنے احکام وفرامین میں ترمیم و تنسیخ سے کام لیتا ہے، اور یہ پرحکمت سلسلہ تو اس عالمِ کون وفساد میں بھی برابر جاری وساری ہے۔ کیا تم لوگ دیکھتے نہیں کہ ایک انسان کی غذا اس کے بچپن سے لیکر آخر تک کیسے بدلتی رہتی ہے؟ ماں کے پیٹ میں اس کی غذا اسکا خون ہوتا ہے، اور وہ بھی منہ سے نہیں، ناف کے راستے، پھر پیدائش کے بعد ایک عرصہ تک یہ دودھ پیتا ہے، اور وہ بھی ایسا کہ جو ابتداء میں اس کی طبیعت وحالت کے عین مطابق بالکل پتلا اور ہلکا ہوتا ہے، اور پھر رفتہ رفتہ وہ گاڑھا ہوتا چلا جاتا ہے، پھر اس کے بعد یہ بچہ ہلکی ہلکی غذا کھانے لگتا ہے، پھر شدہ شدہ یہ اس دور میں پہنچ جاتا ہے کہ لکڑ ہضم، پتھر ہضم، والا معاملہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانیت جب اپنے عہدِ طفولیت میں تھی، تو اس کو شریعت کی جو روحانی غذا دی گئی تھی، وہ بالکل ہلکی اور ابتدائی نوعیت کی تھی، پھر شدہ شدہ جب انسانیت شباب وعروج کو پہنچ گئی، تو اس کو قرآن وسنت کی شکل میں وہ آخری اور کامل غذا مرحمت فرما دی گئی جو تا قیامِ قیامت اس کی ضرورتوں کیلئے کافی ووافی ہے، یا جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر وحکیم مریض کی حالت کے مطابق اس کی دوا اور اسکی غذا میں تبدیلی کرتا جاتا ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو شروع میں ان سب دواؤں اور غذاؤں کا علم نہیں تھا؟ نہیں ایسے نہیں۔ اور ہرگز نہیں، بلکہ وہ دوا وغذا کی یہ تبدیلی مریض کی کیفیت اور اس کی بدلتی ہوئی حالت کے نقطۂ نظر سے کرتا ہے۔ سو اسی طرح شریعت کی روحانی دوا وغذا کی تبدیلی بھی انسانوں کی حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ اور کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس عالمِ تکوین میں اس کی یہ حکمت جابجا کس اور کس طرح کارفرما ہے؟ یہ دن ورات کا ہمیشہ بدلنا، نہایت باقاعدگی سے ان کا آنا جانا اور چھوٹا بڑا ہونا اور مختلف موسموں کا تغیر وتبدل وغیرہ وغیرہ۔ کیا اس کی اس وسیع ترین قدرت وحکمت کے واضح اور کھلے مظہر نہیں؟ اور جب ان میں سے کسی بات پر بھی کسی سوال واعتراض کی کوئی گنجائش نہیں، تو پھر آخر نسخ کے مسئلہ پر اس طرح کا کوئی اعتراض کیسے اور کیونکر وارد ہو سکتا ہے؟ سو نسخ حضرتِ حق جل مجدہٗ کی قدرتِ کاملہ اسکی حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۲۹۷ ''اَوْ مِثْلِهَا'' کا فائدہ؟:- یعنی یا ہم اسی جیسی کوئی آیت لے آتے ہیں، جس کے ذریعے یا تو تم سے کسی حکم کی مشقت اور سختی کو کم کیا گیا ہوگا، اور تمہارے لئے آسانی پیدا کی گئی ہوگی۔ یا اس میں تمہارے لئے اجر وثواب زیادہ ہوگا وغیرہ۔ سو حکمِ ناسخ کبھی منسوخ سے اس اعتبار سے بہتر ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے اور کبھی اس لحاظ سے کہ اس پر اجر وثواب زیادہ ملتا ہے۔ اور کبھی یہ حکم اسی جیسا اور اسکے برابر ہی ہوتا ہے، جس میں دوسری کئی حکمتیں ہوتی ہیں جن کا احاطہ وہی وحدہٗ لاشریک کر سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ہم جو بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسکو بھلا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا اس جیسی کوئی آیت لے آتے ہیں جس میں تمہارے بھلے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔

۲۹۸ خطاب کسی سے اور سنانا کسی اور کو:- سو خطاب کسی سے اور سنانا کسی اور کو بلاغت کا ایک اہم اور معروف

اسلوب ہے- پس یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ ہی سے ہے کہ وحی کے اولین مخاطب تو بہر حال آپ ﷺ ہی ہیں مگر اس سے مراد یہاں پر درحقیقت وہ لوگ ہیں، جو کہ اس طرح کے اعتراض کرتے یا ان سے متاثر ہوتے تھے، کہ اصل میں سنانا ان ہی کو مقصود ہے، اور یہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے کہ خطاب کسی سے ہو، اور سنانا کسی اور کو ہو۔ اور اس انداز و اسلوب میں بلاغت کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے اعتراض کرنے والے لوگ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو منہ لگایا جائے اور ان کو براہِ راست خطاب کیا جائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو خطاب کر کے ان کے واسطے سے بھی ان کو سناتا ہے، اور اس استفہام میں تحریض کا اسلوب کارفرما ہے کہ یہ لوگ اس حقیقت میں غور و فکر سے کام لیں جو کہ انکے سامنے پیش کی جارہی ہے، تاکہ خود ان کا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- وباللہ التوفیق-

۲۹۹ بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے- سبحانہٗ وتعالیٰ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ساری کائنات میں بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے اور حکم و تصرف بھی اسی کا ہے۔ اور جب خالق و مالک وہی ہے اور حاکم و متصرف بھی وہی۔ اور بادشاہی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے تو وہ اپنی ملکیت اور اپنی بادشاہی میں جو حکم چاہے دے۔ جس حکم کو چاہے باقی رکھے اور جس کو چاہے منسوخ فرما دے۔ کسی کیلئے اس پر اعتراض کرنے یا کسی چوں و چرا کی گنجائش ہی کیا ہوسکتی ہے۔ مگر چونکہ وہ مالک اور حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم اور رحمان و رحیم بھی ہے۔ اس لئے اس کا ہر حکم حکیمانہ بھی ہوگا اور رحمتوں سے بھرپور بھی- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس بندوں کا کام یہ ہے کہ وہ اسکے احکام و ارشادات کو بلاچوں و چرا اور صدقِ دل سے اپنائیں۔ یہی ان کے مقامِ بندگی اور شانِ عبدیت کے لائق ہے، اور اسی میں ان کا بھلا اور فائدہ ہے۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جس طرح اس کائنات کا خالق و مالک وہ وحدہٗ لا شریک اکیلا ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح اس میں حکومت و بادشاہی بھی اسی کی ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری کوئی بھی ہستی نہ شریک ہے نہ شریک ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر حرفِ تنبیہ سے فرمایا گیا کہ اس پوری کائنات کا خالق بھی وہی ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے -﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾- [الاعراف: ۵۴] سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کے من گھڑت ناموں سے قسما قسم کی فرضی اور وہمی "سرکاریں" بنا رکھی ہیں۔ حاکم اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور حکومت و سرکار بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۳۰۰ لایعنی سوالات سے ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم بھی اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جیسے سوالات حضرت موسیٰ کی قوم نے ان سے کیے تھے؟۔ جیسے ذبحِ بقرہ کے قصے میں ان لوگوں نے طرح طرح کی حجت بازیاں کر کے خود اپنے ہی لئے مشکلات پیدا کی تھیں، نیز انہوں نے حضرتِ موسیٰ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ "ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دو" ﴿اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ یعنی یہ تم جیسی وفادار اور جاں نثار امت کے شایانِ شان نہیں کہ تم لوگ اپنے پیغمبر سے اس طرح کے غیر ضروری سوالات کرو۔ سو اس میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے رسول- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے ارشادات پر صدقِ دل سے عمل کریں اور ان کی محفل میں اس طرح کے غیر ضروری اور لایعنی سوالات نہ کریں، جس طرح کہ یہود نے حضرت موسیٰ سے کیے تھے، (المراغی وغیرہ)- والعیاذ باللہ جل وعلا-

يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾

جو بھی کوئی اپنائے گا کفر کو بدلے میں ایمان کے، تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے، ۳۰۱

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ

اور چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح وہ تم کو بھی تمہارے ایمان سے پھیر کر کافر

كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

بنا دیں، ۳۰۲ محض اپنے حسد (اور جلن) کی بناء پر، ۳۰۳ اس کے بعد

تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

کہ حق ان کے لئے پوری طرح واضح ہو گیا، سو (اس کے جواب میں) تم لوگ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے رہو ۳۰۴ یہاں تک کہ اللہ

۳۰۱ ایمان کے بدلے میں کفر کو اپنانا خساروں کا خسارہ ۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی ایمان کے بدلے میں کفر کو اپنائے گا وہ یقیناً بھٹک گیا سیدھی راہ سے اور سیدھی راہ سے بھٹک جانا سب سے بڑا خسارہ ہے ۔ کیونکہ سیدھی راہ ہی وہ راہ ہے جو کہ انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچانے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور کرنے والی راہ ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی راہ سے بھٹکنا اور محروم ہو جانا سب سے بڑا خسارہ و محرومی اور ناقابلِ تلافی و تدارک نقصان ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اور سیدھی راہ سے بھٹکنے کے بعد انسان جتنا آگے بڑھے گا اتنا ہلاکت و تباہی ہی کی طرف بڑھتا جائے گا ۔ والعیاذ باللہ ۔ جبکہ سیدھی راہ پر چلنے والا انسان جتنا بھی آگے بڑھے گا اپنی منزل ہی کی طرف بڑھے گا اور اس کا جو بھی قدم اٹھے گا وہ صحیح سمت میں اور منزل ہی کی طرف اٹھے گا اور وہ آخر کار منزلِ مقصود تک پہنچ جائے گا ۔ سو سیدھی راہ سے سرفرازی، دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے اور اس سے محرومی دارین کی محرومی ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے ۔ اور زیغ و ضلال کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، ۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ۔

۳۰۲ اہلِ کتاب کی حق دشمنی اور محرومی و بدبختی کا ایک نمونہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بہت سے اہلِ کتاب چاہتے ہیں کہ وہ کسی طرح تم لوگوں کو بھی اے ایمان والو! تمہارے ایمان سے پھیر کر تم کو کافر بنا دیں ۔ والعیاذ باللہ، سو اہلِ کتاب کی خواہش و چاہت اور انکی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح اہلِ حق کو بھی راہِ حق سے پھیر دیں ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ ایمان لا کر نورِ ہدایت سے بہرہ ور اور سرفراز ہوتے، وہ الٹا یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی اس نعمت سے محروم ہو کر انہی کی طرح ہو جاؤ، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ۔ ﴿ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾ ۔ [النساء: ۸۹] اور حاسد کی فطرت ہے کہ وہ اپنی حسد اور جلن کی بناء پر اسی بات کا خواہشمند ہوتا

ہے کہ محسود کو جو نعمت ملی ہوتی ہے وہ اس سے چھن جائے۔ اور وہ بھی اس سے اسی طرح محروم ہو جائے جس طرح کہ حاسد محروم ہوتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ کسی نے کسی گنجے سے پوچھا تھا کہ "تم کیا چاہتے ہو کہ تمہارے سر پر بال ہو جائیں، اورتم دوسرے لوگوں کی طرح ہو جاؤ، یا یہ کہ سب لوگ گنجے ہو کر تمہاری طرح ہو جائیں؟" تو اس نے کہا تھا کہ "دوسری بات ٹھیک ہے"، یعنی یہ کہ وہ سب بھی گنجے ہو کر میری طرح ہو جائیں۔ سو ایسا ہی کچھ حال ان دشمنانِ اسلام کا ہے، کہ یہ خود ایمان لانا تو درکنار مسلمانوں کو بھی ایمان اور یقینِ صادق کی اس نعمتِ کبریٰ سے محروم کرنے کے درپے ہیں۔ چنانچہ آج بھی عیسائی مشنری ادارے دنیا میں اربوں کھربوں روپیہ خرچ کر کے سادہ لوح لوگوں کو راہِ حق سے پھیرنے کی سعی مذموم میں دن رات مصروف ہیں۔ والْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ۔ سو ایسے دشمنوں سے تمہیں ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اے ایمان والو! اور خاص کر اپنی دولتِ ایمان کی حفاظت کے سلسلہ میں جو کہ دنیا کی دوسری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کیونکہ یہی تمہاری متاعِ امتیاز ہے اور اسی کی بناء پر وہ تمہارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

۳۰۳ **حسد باعث محرومی و ہلاکت۔ والعیاذ باللہ:۔** یعنی اتنے بڑے سنگین جرم کا ارتکاب یہ لوگ کسی شبہے یا غلط فہمی کی بناء پر نہیں محض حسد وعناد کی وجہ سے کر رہے ہیں کہ دین وایمان کی یہ جلیل القدر دولت تم لوگوں کو کیوں مل گئی۔ اورتم لوگ اس سے مستفید وفیضیاب کیوں ہوتے ہو؟ اور یہ لوگ ایسا اس کے بعد اور اس کے باوجود کہہ رہے ہیں کہ حق ان کے سامنے پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔ سو حسد ایسی آگ ہے جو ایک طرف حاسد کے اندر کو جلاتی رہتی ہے اور اس ٹھنڈی آگ سے اس کا باطن ہر وقت جلتا رہتا ہے اور دوسری طرف اس کو حق وہدایت کی روشنی سے محروم کر کے ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے۔ سو حسد محرومی اور ہلاکت کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

۳۰۴ **عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم وارشاد:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم عفو و درگزر سے کام لیتے رہو اے مسلمانو! سو اس ارشاد سے مسلمانوں کو اہلِ باطل کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمہاری عظمتِ شان اور مکارمِ اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ تم عفو و درگزر ہی سے کام لو کہ عفو و درگزر سے کام لینا اسی کا کام ہوتا ہے جو انتقام اور بدلہ لینے پر قادر ہوتا ہے۔ اس لئے اس ارشادِ عالی میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ تعداد اور دنیاوی ساز و سامان کے اعتبار سے تم کم ہی سہی مگر اصل زور اور حقیقی قوت بہرحال تمہاری ہی ہے۔ اور یہ شان تمہاری ہی ہے کہ تم عفو و درگزر سے کام لو کہ حق تمہارے ساتھ ہے۔ اور حق کی قوت سب سے بڑی اور سب سے اعلیٰ و بالا قوت ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے مومن کی اس عظمتِ شان کے۔ مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اپنی اس حیثیت اور شان سے غافل و بے خبر ہے۔ واضح رہے کہ اس "عَفْو و صَفْح" میں سے "صفح" کا درجہ بڑا ہے۔ کیونکہ عفو کے معنٰی ہیں معاف کر دینا۔ یعنی جرم و گناہ پر سزا نہ دینا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً﴾ الآیة [التوبۃ: ٦٦] جبکہ "صفح" ۔ درگزر ۔ کے معنٰی ہیں کہ عاصی و مذنب سے منہ پھیر لیا جائے جس میں ترکِ عقاب کے علاوہ ترکِ لوم وغیرہ بھی آ گیا کہ اسے برا بھلا بھی نہ کہا جائے (المنار وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ انکی اس جہالت وعداوت پر عفو و درگزر سے کام لو۔ سو عفو و صفح اور درگزر ایک بڑی عمدہ صفت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

نافذ فرمادے اپنا حکم ۳۰۵ بے شک اللہ (تعالیٰ) ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۳۰۶ اور قائم رکھو تم لوگ نماز کو،

وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ

اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ ۳۰۷ اور (یاد رکھو کہ) جو بھی کوئی بھلائی تم لوگ اپنے لئے آگے بھیجو گے، اسے اللہ (تعالیٰ) کے یہاں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَ قَالُوْا

(موجود ومحفوظ) پاؤ گے ۳۰۸ بے شک اللہ (تعالیٰ) پوری طرح دیکھ رہا ہے ان سب کاموں کو، جو تم لوگ کر رہے ہو ۳۰۹ اور کہتے ہیں

۳۰۵ صبر و برداشت کی تعلیم و تلقین: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم صبر کرو یہاں تک کہ آ پہنچے اللہ کا حکم"۔ اور اللہ کا یہ حکم دنیا کے عذابِ عاجل یا آخرت کے عذابِ دائم کی کسی بھی صورت میں آسکتا ہے۔ والعیاذ باللہ:- سو تم لوگ اسکے حکم تک صبر و برداشت ہی سے کام لو، خواہ دنیا میں عذابِ عاجل کے طور پر، جہاد و قتال وغیرہ کے ذریعے آئے، جیسا کہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ہوا، کہ "بنو قریظہ" کو قتل کیا گیا، اور "بنو نضیر" کو جلاوطن کیا گیا۔ اور یا آخرت کے پورے عذاب کی شکل میں، جو کہ کفار و مشرکین کو بہرحال ملنا ہے۔ اور وہ بہت ہی سخت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر صراحت و وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا - ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ﴾- نیز فرمایا گیا - ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾- نیز فرمایا گیا - ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى ﴾ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف تم عفو و درگزر ہی سے کام لو۔ ان لوگوں نے اپنے کئے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہے، اس سے یہ کبھی بچ نہیں سکیں گے- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف "بامرہ" کے عموم و اجمال میں وہ ساری ہی باتیں چھپی ہوئی ہیں جو بعد میں یہود کے ساتھ جنگ، انکی ہزیمت، قتل و جلاوطنی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوئیں، اور آخرت کا عذاب بھی جو کہ ان سب سے بڑھ کر ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۳۰۶ اللہ کی گرفت و پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا: - کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس مجرم اس قادرِ مطلق کی گرفت اور پکڑ سے کسی طور بھی بچ کر نہیں نکل سکتے اور اپنوں پر جو عنایت وہ چاہے فرما سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ کسی طرح کی کوئی روک ہو سکتی ہے نہ رکاوٹ کہ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ جو چاہے، جب چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ نہ اس کیلئے کوئی روک رکاوٹ اور نہ کوئی مشکل و دشواری- سبحانہٗ و تعالیٰ - سو اسکی طرف سے ڈھیل اور مہلت کی بناء پر کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ اسکی پکڑ بہرحال بہت سخت ہے- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ﴾ - اللہ ہر طرح کے عذاب سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین-

۳۰۷ اعمالِ مُصلحہ کے اہتمام کی تعلیم و تلقین: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو کہ نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہی وہ اعمالِ خیر ہیں، جو ایک طرف تو تمہارے لئے اپنے خالق و مالک کے یہاں قرب کا ذریعہ بنیں گے، اور تم اس کی رضا و خوشنودی کے شرف سے مشرف ہو سکو گے، اور دوسری طرف ان ہی کے ذریعے

تمہارے اندر ایسی قوت پیدا ہوگی کہ تم راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب و مشاکل برداشت کرسکو گے، اور مدارجِ ترقی وکمال طے کرسکو گے۔ اسی لئے حضراتِ علماء کرام ان کو اعمالِ مصلحہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ذکر زیادہ تر ایسے ہی مواقع پر آتا ہے جہاں اہلِ باطل سے مقابلے کا بیان ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان اور کیا ہی حکمتوں بھری تعلیمات ہیں یہ، جن سے خدائے رحمٰن و رحیم نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ مگر بندے ہیں کہ ان سے غفلت برت رہے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - الَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی - وایاہ نسأل التوفیق لما یحب ویرضی - اللہ تعالیٰ توفیق بخشے اور ہمیشہ راہِ حق پر رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۰۸ انسان کی ہر نیکی محفوظ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی بھی نیکی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکو محفوظ پائے گا۔ اور اس کو اس کا اجر پورے کا پورا اور بغیر کسی نقص اور کمی کے ملے گا۔ اور نقص و کمی کا کیا سوال، وہاں تو کئی گنا بڑھا چڑھا کر اس کا بدلہ دیا جائے گا، کیونکہ یہ اجر وصلہ اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کی طرف سے ملنے والا ہے، جو کہ - اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ - اور - اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ - ہے - سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی - چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب کوئی شخص اپنے حلال مال میں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صدقہ کرتا ہے، تو اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ (اپنے کرمِ بے پایاں سے) اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے لیتا، اور قبول فرماتا ہے، اگرچہ وہ کھجور کے ایک دانے کے برابر ہی کیوں نہ، بشرطیکہ نیت خالص اور صحیح ہو اور مال حلال و پاکیزہ ہو۔ کیونکہ وہ حلال و پاک مال ہی قبول فرماتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - پھر کھجور کے برابر کے اس صدقے کو وہ [اپنے کرمِ بے پایاں سے] ایسے خاص اہتمام سے پالتا پوستا اور بڑھاتا جاتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا پوستا ہے" "ثُمَّ یُرَبِّیْھَا کَمَا یُرَبِّیْٓ اَحَدُکُمْ فُلُوَّہٗ" یہاں تک کہ کھجور کے دانے کے برابر کیا جانے والا وہ صدقہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے"۔ اور ایک روایت میں مطلقاً جبل (پہاڑ) کا ذکر آیا ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق پہاڑ میں تو ہمالیہ بھی آ جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس اکرم الاکرمین کے کرم کے، اور کیا ٹھکانے اس ارحم الراحمین کی رحمتوں اور عنایتوں کے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - پس بندۂ مومن کو ہمیشہ کام سے کام رکھنا چاہیے - وباللہ التوفیق۔

۳۰۹ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سب کاموں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے پس تمہیں ہمیشہ فکر و کوشش صرف اس کی کرنی چاہیئے کہ اس سے ہمارا معاملہ صحیح رہے، کہ اس سے تمہارا کوئی عمل کسی بھی طور مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اور ہر کسی نے اسکے حضور پہنچ کر اپنے کیے کرائے کی جوابدہی کرنی اور اس کا پھل پانا ہے - اَللّٰھُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِیْنَآ اِلٰی مَافِیْہِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ فِیْ کُلِّ مَوْقِفٍ مِّنَ الْمَوَاقِفِ وَبِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ - سو وہ تمہارے سب کاموں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے ان کے ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے دیکھ رہا ہے۔ تمہارے اعمال کی کمیّت اور کیفیت وغیرہ سے متعلق کوئی بھی چیز اس سے مخفی اور مستور نہیں رہ سکتی۔ پس تم ہمیشہ اس بات کو اپنے پیشِ نظر رکھا کرو کہ اس وحدہٗ لاشریک سے ہمارا معاملہ صحیح رہے۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور نیت وارادہ اور باطن کے لحاظ سے بھی - وباللہ التوفیق - سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ بات سامنے آتی ہے کہ کتنے غلط کار اور ٹیڑھی سوچ کے ہیں وہ لوگ جو اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اپنا شرکیہ فلسفہ بگھارتے ہیں۔ اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے من گھڑت اور خود ساختہ شرکیہ واسطے اور وسیلے قرار دیتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح دیکھ رہا ہے تمہارے سب کاموں کو - سبحانہٗ وتعالیٰ -

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ط

کہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا مگر وہی جو کہ یہودی ہو، یا نصرانی،

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

یہ ان کی اپنی (خودساختہ) آرزوئیں ہیں ف۳۱۰ (ان سے) کہو، کہ اچھا تو لاؤ تم لوگ اپنی دلیل اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ق مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

سچے ہو (اپنے دعوے میں) ف۳۱۱ کیوں نہیں ف۳۱۲ (جب کہ ضابطہ عام یہ ہے کہ) جس نے بھی (صدق دل سے) اللہ کے سپرد کر دیا، اپنی ذات

مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ص وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

کو، بشرطیکہ وہ نیکوکار بھی ہو، تو اس کے لئے اس کا اجر ہے، اس کے رب کے یہاں، اور ایسوں پر نہ (آئندہ کے بارے میں) کوئی

ع ۱۳ هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى

خوف ہوگا، اور نہ ہی وہ (گزشتہ کے بارہ میں) غمگین ہوں گے، ف۳۱۳ اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ (کا دین مذہب) کسی بنیاد پر

۳۱۰ یہود و نصاریٰ کی بے بنیاد آرزوؤں کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ یہود و نصاریٰ کی خودساختہ اور بے بنیاد امیدیں و آرزوئیں ہیں اور بس۔ یعنی یہ ان کی ایسی امیدیں اور آرزوئیں ہیں جن کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد۔ محض خیالی پلاؤ ہیں اور بس۔ افسوس کہ آج امتِ مسلمہ میں بھی اسی ذہنیت کے مختلف نمونے پائے جاتے ہیں، اور وہ طرح طرح کی اسی طرح کی خودساختہ امیدوں اور آرزوؤں میں مست و مگن اور عمل و کردار سے غافل و لاپرواہ ہیں اور متاعِ عمر کو یونہی غفلت میں ضائع کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ''میں سگِ درگاہِ فلاں'' یعنی ''فلاں درگاہ کا کتا ہوں''۔ ''میں نے اس کا پٹا اپنے گلے میں ڈال دیا ہے''۔ ''مجھے کسی کی کیا پروا؟''۔ کوئی کہتا ہے کہ ''میں فلاں سرکار کا غلام اور اس کا نام لیوا ہوں''۔ لہٰذا مجھے کچھ کرنے کرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جبکہ کوئی کہتا ہے کہ ''میں علی کا ملنگ ہوں''۔ ''جو کچھ کرتا رہوں مجھے کوئی پروا نہیں''۔ کوئی کہتا ہے کہ ''میں نے فلاں کے نام کا دھاگہ باندھ دیا''۔ یا ''فلاں جگہ جھنڈی لگا دی''۔ ''کپڑا باندھ لیا'' یا ''راکھی باندھ لی''۔ یا ''فلاں آستانے کے لیے دیگ پکائی پس میرا کام بن گیا'' وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب کچھ خرافات بلکہ شرکیات کا پلندہ ہے جس کی کوئی اساس نہیں۔ حق وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت ہو اور بس۔

۳۱۱ مخالفین و منکرین سے دلیل کا مطالبہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ تم لوگ لاؤ اپنی دلیل و برہان اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں۔ مگر کہاں اور کیسے؟ جھوٹے دعووں اور بے بنیاد خیالات کیلئے سوائے اٹکل پچو اور ظن و

تخمین کے کوئی دلیل و برہان ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ سو ظاہری اعتبار سے اگرچہ اس میں دلیل کا مطالبہ ہے لیکن حقیقت اور واقعہ کے اعتبار سے یہ تعجیز اور تکذیب ہے۔ یعنی تم لوگ دلیل پیش کرنے سے عاجز اور اپنے دعوے میں جھوٹے ہو۔ (المراغی وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ راہ حق و صداقت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔ بہر کیف ان لوگوں سے کہا گیا کہ تم دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو اپنے دعوے میں۔ لیکن ایسی خرافات کے لیے آخر کوئی دلیل ہو ہی کیسے سکتی ہے۔ یہ سب کچھ تو محض من گھڑت، بے بنیاد اور فرضی و وہمی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۱۲ دخولِ جنت کیلئے ضابطۂ عام کا ذکر و بیان: - سو اس سے جنت میں داخلے کیلئے ضابطۂ عام کو ذکر فرمادیا گیا کہ وہ ہے ایمان اور عملِ صالح سے سرفرازی "بلٰی" کلمۂ ایجاب و اثبات ہے، جو نفی کے بعد آتا ہے۔ یعنی تمہارے سوا اور کوئی جنت میں کیوں نہیں جائیگا، جبکہ ضابطہء عام اور قانونِ عدل و انصاف یہ ہے کہ جو بھی کوئی ایمان و احسان کی راہ کو اپنائے گا وہ اس کا صلہ و بدلہ بہر حال پائے گا۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے وہ جنت سے بہرہ ور و سرفراز ہوگا، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ کیونکہ وہاں اعتبار ذات پات اور حسب و نسب کا نہیں، بلکہ صدق و اخلاص اور عمل و کردار کا ہے۔ سو اس سے جنت میں داخلے اور اس سے سرفرازی کیلئے ضابطہء عام بیان فرمادیا گیا کہ وہ ہے ایمان اور عملِ صالح - وباللہ التوفیق - سو اصل چیز جس پر دار و مدار ہے وہ انسان کا اپنا عمل و کردار ہے۔

۳۱۳ جنتیوں کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم: - سو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنتی ہوں گے، اور جنتیوں کی شان یہی ہوگی، کہ نہ ان کو آئندہ کے بارے میں کوئی خوف و اندیشہ ہوگا کہ وہ جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو چکے ہوں گے، جو نہ کبھی ختم ہوں گی، اور نہ کبھی چھینی جائیں گی کہ وہ ﴿لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ﴾ کی شان والی ہونگی اور نہ ہی ایسے خوش نصیبوں کو اپنی دنیاوی زندگی کے بارے میں کوئی افسوس ہوگا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے وہاں پر صحیح عقیدہ و عمل کی متاعِ بے بہا سے سرفراز رہے ہوں گے۔ ہاں افسوس اگر ہوگا تو اس کا ہوگا کہ ہم نے حیاتِ مستعار کی اس محدود و مختصر فرصت میں آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے اور زیادہ کمائی کیوں نہ کی، تاکہ مزید از مزید درجات قرب و رضا سے سرفراز، اور بہرہ ور ہوتے، جیسا کہ حضرتِ نبیء معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "قیامت کے روز نیک و بد ہر کسی کو افسوس کرنا پڑیگا، بد کو تو اس بات کا کہ میں نے بدی کو چھوڑ کر نیکی کی راہ کو کیوں نہ اپنایا، اور نیک کو اس بات کا کہ میں نے اور زیادہ نیکی کیوں نہ کی"۔ اس بارے کچھ مزید روشنی اس سے ملتی جلتی ایک اور آیتِ کریمہ میں اس سے پہلے بھی ڈالی جا چکی ہے اسکو بھی ملاحظہ کرلیا جائے۔ بہرکیف یہ جنتیوں کی ایک امتیازی شان اور ان کیلئے ایک خاص مژدہ جانفزا ہے کہ جنت سے سرفرازی کے بعد ان کیلئے نہ ماضی کا کوئی غم ہوگا، اور نہ آئندہ کے بارے میں کوئی خوف اللہ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے اور ہمیشہ راہِ حق پر رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العلمین۔

شَیْءٍ ص وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ

نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود (کا دین مذہب) کسی بنیاد پر نہیں،

وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ

حالانکہ یہ دونوں (گروہ اللہ کی) کتاب پڑھتے ہیں ۳۱۴ اسی طرح ان ہی کے قول کے مانند کہا ان لوگوں نے جو (کسی کتاب وغیرہ

مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا

کا) علم نہیں رکھتے ۳۱۵ سو اللہ ہی (آخری اور عملی) ۳۱۶ فیصلہ فرمائے گا ان سب کے درمیان، ان تمام باتوں کا جنکے بارے میں یہ لوگ

كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ

اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں، اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس

اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ

کے نام (پاک) کے ذکر سے روکے، اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے؟ ۳۱۷ ایسوں کو تو ان (پاکیزہ مقامات) میں داخل

۳۱۴ یہود و نصاریٰ کے معاندانہ دعوؤں کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک کا دوسرے کو بے دین کہتا ہے یعنی یہ دونوں ایک دوسرے کو بے بنیاد اور بے دین کہتے ہیں، حالانکہ دونوں آسمانی کتابوں کے حامل ہیں، جو کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں، کیونکہ وہ دونوں ایک ہی مصدرِ فیض سے اتری تھیں، مگر ان کو چونکہ ان لوگوں نے اپنی اَہواء واَغراض کے مطابق بدل کر کچھ کا کچھ کر دیا تھا، اس لئے اب واقعۃً کتابِ حق و ہدایت ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں رہی، جس سے اب یہ دونوں ہی گروہ جہالت و گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ ۔ اور اب حق و ہدایت کی روشنی قرآنِ حکیم کے سوا اور کہیں سے بھی نہیں مل سکتی، سو جو لوگ نورِ قرآن سے محروم ہیں وہ بہرحال گھٹا ٹوپ اندھیروں کے اندر ہیں۔ خواہ وہ دنیاوی اعتبار اور مادی لحاظ سے کتنی ہی کچھ ترقی کیوں نہ کر چکے ہوں کہ وہ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہیں اور انکی زندگی محض ایک حیوانی زندگی ہے۔ والعیاذ باللہ، جل وعلا۔

۳۱۵ مشرکین اور مجوس کے دعوؤں کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مشرکین اور مجوس بھی دوسروں کو بے دین کہتے ہیں، یعنی مشرکین اور مجوس وغیرہ اور دوسرے تمام ایسے باطل پرست، جن کے پاس نہ کوئی آسمانی اور الہامی کتاب ہے، نہ مذہب، بلکہ محض اَہواء و رسوم، اور ظن و تخمین پر مبنی کچھ طور طریقے اور اوہام و خیالات ہیں، جن پر وہ مست و مگن ہیں، اور بے فکری کے عالم میں متاعِ زندگی کو یونہی لٹا رہے ہیں، اور ان کو اس کا کوئی شعور و احساس نہیں

کہ اس طرح وہ کس قدر ہولناک خسارے اور سخت نقصان میں مبتلاء ہیں اور یہی نتیجہ ہوتا ہے مت ماری کا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - سو ایسے لوگ بھی اسی طرح دوسروں کو بے دین کہتے ہیں۔ سو غلط عقیدہ جب کسی کے دل و دماغ میں جڑ پکڑ جاتا ہے اور کفر و شرک کی میل جب کسی پر جم جاتی ہے تو وہ اپنے اس کفر و باطل ہی کو حق اور سچ سمجھنے لگتا ہے اور باقی سب کو غلط اور گمراہ قرار دیتا ہے۔ اور اس طرح وہ نورِ حق و ہدایت سے مزید دور ہوتا جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۱۶ اصل فیصلہ قیامت ہی کے دن ہوگا: - اصل اور حقیقی فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ فیصلہ فرمادے گا ان سب کے درمیان قیامت کے روز۔ یعنی علمی فیصلہ تو آج اس دنیا میں بھی فرما دیا گیا ہے اور نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ اور پوری تفصیل کے ساتھ فرما دیا گیا ہے، کہ راہِ حق وہی اور صرف وہی ہے جس کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے قول و فعل سے پوری طرح واضح فرما دیا ہے، اور اس درجہ کہ " لَیْلُهَا کَنَهَارِهَا " یعنی اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن اور واضح ہے، اور اس سے محروم وہی ہوگا جس کے نصیب ہی پھوٹ گئے ہوں " لَا یَزِیْغُ عَنْهَا اِلَّا هَالِکٌ " - والعیاذ باللہ العظیم۔ مگر اسکے باوجود کتنی ہی دنیا ایسی ہے جو اس صاف و صریح فیصلے اور دل و دماغ کو اپیل کرنے والے حق کو نہیں مانتی۔ بلکہ وہ اس کی عداوت و دشمنی پر کمربستہ ہے، اس لئے ان سب کے بارے میں عملی فیصلہ، فیصلے کے اس یومِ عظیم میں کر دیا جائیگا، جب کہ ہر کسی کو اس کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ دے دیا جائیگا، جس کے مطابق منکرینِ حق کو دوزخ کے عذابِ مقیم میں جھونک دیا جائیگا - والعیاذ باللہ العظیم - اور ان مومنینِ صادقین کو جنت اور اس کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائیگا، جنہوں نے عقیدہ و عمل کے میدانوں میں قرآن و سنت کی مقدس تعلیمات کو سچے دل سے اپنا کر، ان کی روشنی میں زندگی گزاری ہوگی، اور وہ اپنے رب کی رضا کے حصول کیلئے کوشاں رہے ہونگے - اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا رب العالمین ویا اکرم الاکرمین۔ بہر کیف فیصلے کے اس یومِ عظیم میں سب باتوں کا آخری اور عملی فیصلہ ہو جائے گا۔

۳۱۷ اللہ کی مساجد سے روکنا سب سے بڑا ظلم، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی مساجد سے روکنا سب سے بڑا ظلم، اور ایسے لوگ ہیں، والعیاذ باللہ سب سے بڑے ظالم، استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا، جو اس جرم کا ارتکاب کرے کہ اللہ کی مسجدوں میں اس کی یادِ دلشاد اور اس کے ذکرِ خیر سے روکے، اور ان کو ویران اور خراب کرنے کی کوشش کرے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - مگر افسوس کہ ظالم انسان نے اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب ہمیشہ کیا اور طرح طرح سے کیا اور آج تک برابر کئے جا رہا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - چنانچہ مکہ کے کفار و مشرکین نے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قدسی صفت ساتھیوں کو جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کیلئے اتنا طویل اور کٹھن سفر طے کر کے آئے تھے، مسجدِ حرام میں داخلے سے روک دیا، اور ان کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے تک کی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ ان سب حضرات کو " حدیبیہ " کے مقام پر ہی اپنے احرام کھول کر واپس ہونا پڑا۔ اسی طرح اس سے ایک زمانہ قبل بُختِ نصر نے فوج کشی کر کے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اور نصاریٰ نے اہلِ

کتاب ہونے کے باوجود اپنے گروہی مفادات و تعصبات کی بناء پر، اس کا ساتھ دیا۔ اور تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ ظالم انسان ایسے ہی کرتا آیا۔ تاتاریوں نے اپنے دور میں اس کی بھیانک مثالیں پیش کیں، اور آج کے اس دور میں جس میں ہم جیسے بیشمار لوگ اس درد و الم کی ٹیسیں اپنے اندر محسوس کر رہے ہیں، ان دکھ دہ اور المناک مناظر کو یہاں اور وہاں، ادھر اور ادھر، ہر طرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کراہ رہے ہیں۔ روس نے اپنی وحشیانہ فوج کشی کر کے پہلے بالشویک انقلاب کے دوران، اور اس کے بعد وسط ایشیائی ریاستوں میں کتنی ہی مساجد اور اسلامی مراکز کو تہس نہس کیا۔ پھر کئی سالوں تک افغانستان پر اپنی وحشیانہ بمباری کے دوران اسی منحوس شیطانی سپر پاور نے کتنی ہی مساجد کو شہید کیا، اور اس کے بعد اس کے ایجنٹ اسلامی صفوں میں گھس کر وہاں پر تباہی اور بربادی میں لگ گئے، اور اب تک لگے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں گائے کے پجاریوں نے وہاں کی کافر حکومت کی شہ پر دن دیہاڑے اپنے ناپاک جسموں اور نجس قدموں کے ساتھ، عظیم الشان تاریخی نشانی، یعنی بابری مسجد کی اس پاکیزہ اور مقدس عمارت میں گھس کر، اور اس کی چھت پر چڑھ کر، اس کی حرمت کو پامال کیا، اور اس کو منہدم اور زمین بوس کر کے اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کرنے کی سعیٔ مذموم کی، جو کہ پانچ سو سال پہلے کی بنی ہوئی ایک عظیم الشان یادگار اور تاریخی مسجد تھی۔ اور جو مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے ایک عظیم الشان نشان کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور جہنم کے ان کتوں نے مسلمانوں کی ایذاء میں اضافہ کرنے، ان کے زخموں پر نمک چھڑکنے، اور ان کی غیرت کو للکارنے، کیلئے یہ سب کچھ دن دیہاڑے، ہانکے پکارے، اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جتھہ بند ہو کر کیا۔ اور ہندوستان میں کتنی ہی مسجدیں اور ایسی ہیں جن کی لسٹیں انہوں نے تیار کر رکھی ہیں، کہ ان سب کو گرانا اور مسمار کرنا ہے۔ ادھر قلبِ یورپ میں واقع بوسنیا و ہرزگوینا کی چھوٹی سی اسلامی حکومت ان ابنائے کفر کے نرغے میں ہے، لگاتار تین سال سے وہاں نہتے مسلمانوں کا خون کیا جا رہا ہے۔ ان کی بے گناہ عورتوں اور معصوم بچوں کو ذبح کیا جا رہا ہے، اور صدیوں پہلے کی بنی ہوئی ان کی تاریخی مسجدوں کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور کتنی ہی تعداد میں ان مساجد کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ہے، جس پر خود یورپ کے اہلِ علم اور اصحابِ قلم بھی چیخ اٹھے، کہ اس تاریخی سرمائے کو اس بیدردی سے ضائع کیا جا رہا ہے، اور خود اپنے ملک پاکستان میں جو مساجد اہلِ شرک و بدعت کے قبضے میں ہیں، وہاں پر شرک و بدعت سے تعلق رکھنے والے ہر عمل کی تو کھلی چھٹی، اور بھرپور آزادی، اور پذیرائی ہے، مگر توحید و سنت کی بات اور تفسیر و حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر عمل کی ممانعت ہے، اور اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے، کہ اہلِ حق کی مساجد پر دن دیہاڑے حملے ہو رہے ہیں، اور ان کو عین رکوع و سجود کی حالت میں شہید کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے کتنے ہی واقعات ماضیٔ قریب میں رونما ہو چکے ہیں۔ سو اللہ کی مساجد کو اجاڑنے اور ویران کرنے اور انہیں اللہ کے ذکر سے روکنے کے اس جرمِ عظیم کا ارتکاب ظالموں نے ہمیشہ کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ وَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ سو ایسے ظالم لوگ اپنے ہولناک انجام کو بہرحال پہنچ کر رہیں گے۔ یہ اس سے بچ نہیں سکیں گے کہ اللہ کی راہ میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِي

ہونے ہی کا حق نہیں اِلّا یہ کہ یہ لوگ ان میں داخل ہوں (اس کی عظمت و کبریائی سے) ڈرتے (اور کانپتے) ہوئے، ان کے لئے

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

دنیا میں بڑی رسوائی ہے، اور آخرت میں بہت بڑا (اور ہولناک) عذاب، ۳۱۸

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

اور اللہ (وحدہٗ لاشریک) ہی کے لئے ہے مشرق بھی، اور مغرب بھی، ۳۱۹ سو تم لوگ جدھر بھی رخ کرو گے وہاں اللہ کی ذات

۳۱۸ ظالموں کیلئے بڑا ہی ہولناک عذاب ہے: - ایسا ہولناک جو ان کے اس ظلمِ عظیم کے عین مطابق ہو گا کہ قطعی آخری اور بھرپور انصاف تو بہرکیف وہیں اور صرف وہیں ہونا ہے۔ سو اس ہولناک اور دردناک عذاب سے بچنے کا موقع آج اور اس دنیوی زندگی کی اس فرصتِ محدود میں ہے اور بس۔ ورنہ پھر اسکے لئے کوئی موقع ممکن نہیں ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - پس آج رجوع کر لے حق و ہدایت کی طرف جس نے رجوع کرنا ہے اور درست کر لے اپنا معاملہ اپنے خالق و مالک کے ساتھ، جس نے درست کرنا ہے، قبل اس سے کہ فرصتِ حیات اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور پھر اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے، جبکہ بے وقت کے اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا سوائے یاس وحسرت میں اضافے کے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف ظالموں کو اگر دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود ومختصر میں ڈھیل ملی ہوئی ہے تو اس سے ان کو مست اور مغرور نہیں ہو جانا چاہیے اور اس سے ان کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ ان کا انجام اور ان کے ظلم کا نتیجہ بہرحال بہت برا ہے۔ اور ان کے لیے بہرحال ایک ہولناک عذاب تیار ہے اگر انہوں نے اپنے اس ظلم و بغاوت سے توبہ نہ کی - والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال -

۳۱۹ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے: - کہ سب کا خالق بھی وہی ہے، اور مالک بھی وہی۔ اور سب پر حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے، اور اس کی رحمت و عنایت بھی ہر جگہ موجود ہے، اور اس کا علم بھی سب کو محیط، اور ہر زمان و مکان پر حاوی اور عام ہے۔ اور اس نے اپنے کرمِ بے پایاں سے تمام روئے زمین کو تمہارے لئے مسجد اور عبادت کی جگہ بنا دیا ہے، اور اس کی مٹی کو تمہارے لئے "طہور" اور پاکی کا ذریعہ۔ پس اگر کہیں ظالم تمہیں اللہ کی مسجد سے روک دیں، یا مسجدوں کو منہدم کر دیں، جیسا کہ ظالموں نے کیا ہے، اور کر رہے ہیں، تو تمہارے لئے اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی کے شرف سے محرومی پھر بھی نہیں، کیونکہ اس کی پیدا کردہ اس وسیع و عریض دھرتی میں تم جہاں چاہو اس کے حضور سجدہ ریز ہو سکتے ہو۔ اور اس کے حضور سجدہ ریزی سے اپنے لیے سعادتِ دارین کا سامان کر سکتے ہو - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵ وَقَالُوا اتَّخَذَ

(اقدس واعلیٰ) کو پاؤ گے ف۳۲۰ بے شک اللہ (پاک سبحانہٗ وتعالیٰ) بڑی ہی وسعت والا، نہایت ہی علم والا ہے، اور (اس سب کے

اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

باوجود یہ لوگ) کہتے ہیں کہ اللہ (تعالیٰ) نے اولاد ٹھہرائی ہے ف۳۲۱ پاک ہے وہ (ایسی تمام شرکیات سے، اس کی کوئی اولاد نہیں)

الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۱۱۶ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ

بلکہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین (کی اس پوری کائنات) میں ہے ف۳۲۲ سب کے سب (طوعاً و کرھاً) اسی کے

الْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

(مطیع و) فرمان بردار ہیں ف۳۲۳ (وہ بلا شرکتِ غیرے) موجد ہے آسمانوں اور زمین (کی اس حیرت انگیز اور وسیع وعریض

فَيَكُوْنُ ۝۱۱۷ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا

کائنات) کا ف۳۲۴ اور (اس کی عظمتِ شان کا یہ عالم ہے کہ) جب وہ کسی چیز کا ہونا طے کر لیتا ہے، تو (اس کے لئے) صرف اتنا

۳۲۰ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ہر جگہ: یعنی اسکے کرم اور اسکی عنایت کو تم وہاں موجود پاؤ گے، اور اس کی رحمت تمہیں اپنے آغوش میں لے لیگی ورنہ وہ جسم اور جسمانیت کے تقاضوں سے پاک اور وراء الوراء ہے۔ اور وہ ایسا نہیں کہ کسی ایک جگہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو، اور اس نے جو تمہارے لئے ایک قبلہ مقرر فرمایا ہے، تو وہ خود تمہاری توحیدِ صفوف، اطمینانِ قلوب، وغیرہ ان مصالح وحکم کی بناء پر فرمایا ہے، جن کا علم واحاطہ اس کے سوا اور کسی کو نہیں ہوسکتا، اور جہاں حالات وحوادث کی بناء پر تمہارے لئے استقبالِ قبلہ کا یہ حکم متعذر ہو تو وہاں تمہارے لئے یہ پابندی اب بھی ضروری نہیں رہتی۔ مثلاً دشمن کے خوف اور مقابلے کی وجہ سے، یا رات کے اندھیرے وغیرہ ایسے عوارض کی بناء پر، جہاں تمہارے لئے جہتِ قبلہ پہچاننا ممکن نہ رہے، یا تم کسی ایسی سواری پر نماز پڑھتے ہو، جہاں استقبالِ قبلہ بھی دشوار ہو، اور سواری سے اترنا بھی، جیسے ہوائی جہاز یا ٹرین وغیرہ پر سفر کے دوران، تو تم بقدرِ امکان جہتِ قبلہ متعین کرنے کے بعد جدھر بھی رخ کر کے نماز پڑھو، پڑھ سکتے ہو (المعارف للکاندھلویؒ)

۳۲۱ مشرکوں کے ایک قولِ باطل کی تردید: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مشرکوں اور اہلِ باطل کا یہ قول باطل ومردود کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ٹھہرائی ہے چنانچہ یہود نے حضرتِ عزیر کو، نصاریٰ نے حضرتِ مسیح ابن مریم کو، اور مشرکینِ مکہ نے فرشتوں کو، خدا کی اولاد ٹھہرایا اور اپنے ہی طور پر یہ بھی قرار دے دیا کہ انہی حضرات کو خوش کرنے کی کوشش کرو، یہ اللہ کو خود راضی کر دینگے، اور ہمارا کام بنا دینگے۔ اس طرح شیطانِ مَرید نے ان لوگوں کو اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی عبادت و بندگی کے شرف سے محروم کر کے، اور ان کو سیدھی راہ سے ہٹا کر، طرح طرح کے اوہام وخرافات کے خود ساختہ جالوں میں

بری طرح سے الجھا اور پھنسا دیا۔ اور افسوس کہ امم سابقہ کی یہی عمومی اور اجتماعی بیماری اس آخری امت، امت محمدیہ میں بھی مختلف راستوں اور مختلف طریقوں سے سرایت کر گئی۔ چنانچہ شیعوں نے اپنے خود ساختہ اماموں کو معصوم قرار دے کر ان کو حضرات انبیاء و ملائکہ تک پہنچا دیا، بلکہ اس سے بھی بڑے درجوں پر فائز کر دیا، اور ان کو خدائی حقوق و اختیارات میں شریک و سہیم بنا لیا، اور ان کا یہ عقیدہ عقیدۂ امامت ان کے مذہب کی تمام بنیادی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دور حاضر کے امام، امام خمینی۔ علیہ ما علیہ۔ جس کو یہ لوگ ''آیت اللہ''، ''روح اللہ''، اور ''امام غائب'' کا نمائندہ، وغیرہ کیا کچھ کہتے اور مانتے ہیں وہ بھی اپنی کتاب ''الحکومۃ الاسلامیہ'' میں کہتا ہے کہ ہمارے دین کا اہم اور بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے امام کا مرتبہ وہ ہوتا ہے جس کو کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا والعیاذ باللہ۔ اور اسی طرح کے شرکیہ عقائد بہت سے اہل بدعت بھی رکھتے ہیں، جو کہنے کو تو اپنے آپ کو اہل السنّت کہتے ہیں، اور اس کے لئے بڑے بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہیں، لیکن ان کے عقائد کا حال یہ ہے کہ ان کے کتنے ہی غالیوں کا یہاں تک کہنا ہے کہ ''اَحد'' اور ''احمد'' میں تو بس میم کی مروڑی کا فرق ہے، ورنہ اندر سے یہ دونوں ہستیاں ایک ہی ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اسی لئے ان کے بعض غلو پسندوں کا غلو یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے یہاں تک کہہ دیا۔ وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر۔ اتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کے بعض غالیوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ''اللہ کے پاس وحدت کے سوا دھرا کیا ہے، جو کچھ لینا ہوا ہمیں لیں گے محمد سے''۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یہ خرافات و اعتقادات اور پھر بھی دعویٰ ایمان اور توحید کا، بھلا ان دونوں باتوں کا باہم جمع ہونا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

۲۲۲ پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ خلق و ایجاد کے اعتبار سے بھی، کہ اس سب کا خالق و موجد بھی وہی ہے، اور ملکیت و بادشاہی کے اعتبار سے بھی، کہ اس سب پر ملکیت بھی اسی کی ہے اور بادشاہی بھی اسی کی، اور حکم و تصرف کے لحاظ سے بھی کہ سب پر حکم بھی اسی کا چلتا ہے، اور تصرف بھی اسی کا، تو جب خلق و ایجاد، ملکیت و بادشاہی، اور تصرف و حکمرانی، میں سے کسی میں بھی اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں، تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک و سہیم کیسے ہو سکتا ہے؟۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو جھوٹ کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے جگہ جگہ اور طرح طرح کے ناموں سے مختلف ''سرکاریں'' گھڑ رکھی ہیں جہاں پر یہ لوگ طرح طرح کی شرکیات اور خرافات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ ''سرکار'' صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی سرکار جو اپنی اس پوری کائنات پر حکومت کرتا ہے۔ ظاہری اسباب کے مطابق جو دنیا والوں کو مختلف حکومتیں ابتلاء و آزمائش کے لیے ملی ہوئی ہیں وہ اور چیز ہے۔ لیکن خلاف اسباب کسی مری ہوئی ہستی کو سرکار ماننا عقل و نقل دونوں کے خلاف اور شرک کے زمرے میں آنے والی بات ہے اور ایسی خود ساختہ سرکاریں اوہام و خرافات ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۳ سب ہی اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار: تکوین و تخلیق کے دائرے میں تو سب ہی اسکے مطیع و فرمانبردار ہیں، اور اس لحاظ سے اس کائنات کی ایک ایک چیز اس کی اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے، حتیٰ کہ کافر و منکر، اور باغی و سرکش، بھی تکوینی امور میں اس وحدہٗ لاشریک کا فرمانبردار ہے۔ چنانچہ وہ اپنی پیدائش، اپنی موت، اپنی عقل و فکر،

اپنی رنگت ونسل، اپنے قد کاٹھ، وغیرہ وغیرہ تمام امور میں اسی کا تابع فرماں ہے، مگر تکوین وتخلیق کے اس دائرے میں پائی جانے والی انسان کی اس جبری اور غیر اختیاری اطاعت وفرمانبرداری پر اس کے لئے کوئی اجر وثواب نہیں، کیونکہ یہ اطاعت وفرمانبرداری اس کے اپنے ارادہ واختیار سے نہیں، بلکہ مجبوری اور اضطرار کی بناء پر ہے، اور اجر وثواب ملتا ہے اس اطاعت وفرمانبرداری پر جو کہ انسان کے اپنے ارادہ واختیار سے، اور برضا ورغبت ہو، اور اسی کو تشریعی فرمانبرداری کہا جاتا ہے۔ اس میں انسان کو آزاد وخود مختار بنایا گیا ہے کہ ابتلاء وآزمائش اور امتحان واختیار کا دار و مدار اسی پر ہے۔ اور جنت و دوزخ کے فیصلے اور اسکے استحقاق کا مدار وانحصار بھی بنیادی طور پر اسی پر ہے۔ اور اس تشریعی فرمانبرداری کے لحاظ سے بھی بہت سے لوگ اس وحدہٗ لاشریک کے مطیع وفرمانبردار ہیں، جیسے حضراتِ انبیاء کرام، ملائکۂ کرام، صحابۂ کرام، اور صلحاء عظام، اور دیگر تمام مومنین صادقین وغیرہ جو کہ اپنے ارادہ واختیار سے، اور اپنی رغبت وشوق سے اپنے خالق و مالک کے آگے جھکتے، اسی کے حضور سجدہ ریز ہوتے اور اسی کی اطاعت و بندگی سے سرشار ہوتے ہیں جس سے وہ اپنے رب کے یہاں عظیم الشان مراتب ودرجات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ جبکہ دوسرے بہت سے لوگ اس تشریعی اور اختیاری اطاعت وفرمانبرداری سے اعراض وسرکشی کر کے دوزخ اور اس کے درکات کے حقدار بنتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم سورۂ حج کی اٹھارہویں آیتِ کریمہ میں اس بات کو پوری صراحت و وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی مایحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۲۲۲ ساری کائنات کا مُوجِد اللہ تعالیٰ ہی ہے: سو آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات کا موجد اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اور جب اس کائنات کی تخلیق وایجاد میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں، تو پھر اس کی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کیسے ہوسکتا ہے؟ پس معبودِ برحق وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور عبادت کی ہر شکل اور ہر قسم اسی کا حق، اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اسکے سوا اور کسی کے لئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجالانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مگر دنیا ہے کہ اس ظلمِ عظیم کا ارتکاب ہمیشہ کرتی رہی اور آج تک کرتی جارہی ہے۔ چنانچہ روئے زمین پر جگہ جگہ اور طرح طرح سے کفر وشرک کے اس ہولناک جرم کا ارتکاب کیا جارہا ہے۔ کھلے کفار ومشرکین کا تو کہنا ہی کیا۔ انکا تو معاملہ ہی الگ ہے۔ اسلام کا نام لینے والے کلمہ گو مشرکوں کا بھی حال یہ ہے کہ وہ بھی اس میں ملوث ہیں۔ چنانچہ وہ بھی جگہ جگہ سجدے کرتے، طواف کرتے، چکر لگاتے، پھیرے مانتے، صدیوں پرانی قبروں اور بنے ٹھنے قبوں کے آگے جھکتے ان سے اپنی مرادیں مانگتے، حاجتوں کا سوال کرتے، ان کی نام کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے اور دیگیں پکاتے ہیں۔ اور ایسے اور اس حد تک کہ حضرت قادرِ مطلق۔ جلّ جلالہٗ۔ کو بھول ہی گئے اور یہاں تک کہ ان میں سے بعض اس طرح کا کفر بکتے ہیں کہ ہمیں تو سب کچھ یہیں سے اور اسی قبر والے کی طرف سے اور اسی درگاہ سے ملتا ہے۔ ہم تو بس اسی درگاہ کے کتے ہیں۔ یہاں سے نہیں ہٹیں گے اور اس کو کبھی نہیں چھوڑیں گے وغیرہ وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس قدر کفر وشرک اور ایسی بغاوت وسرکشی کے باوجود ایسے ظالموں کو ڈھیل دینا، اسی وحدہٗ لاشریک کی شانِ حلم وکرم کا کام ہوسکتا ہے اور بس۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس کے سوا اور کسی کے لیے ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ بس معبود برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

فرماتا ہے کہ ہوجا ۳۲۵ تو وہ (فوراً موجود اور) ہو چکی ہوتی ہے، اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (حق اور حقیقت کا ۳۲۶) ان کا کہنا ہے کہ اللہ

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

(تعالیٰ) ہم سے (براہ راست) کلام کیوں نہیں کرتا ۳۲۷ یا ہمارے پاس کوئی خاص نشانی کیوں نہیں آجاتی ۳۲۸ اسی طرح انہی لوگوں

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا

کی بات جیسی بات ان لوگوں نے کہی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ۳۲۹ ان سب (اگلوں پچھلوں) کے دل آپس میں ایک جیسے

۳۲۵ اللہ تعالیٰ کی شانِ کُن فیکون کا ذکر و بیان: - سو یہ اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کا ایک خاص پہلو ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ - یعنی وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا تو اس کیلئے اسکو کوئی لمبی چوڑی تیاری نہیں کرنی پڑتی۔ جیسا کہ انسانوں کے یہاں ہوتا ہے۔ بلکہ اسکو اس کیلئے صرف حکم فرمانا ہوتا ہے اور بس۔ اور اس سے بھی مراد کلمہ ''کُنْ''، ''ہوجا'' بولنا نہیں بلکہ یہ دراصل کنایہ ہے اس کے ارادے سے - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی - ورنہ اس کے یہاں یہ لفظ بولنے کی بھی حاجت نہیں بلکہ جونہی کسی چیز کا ارادہ فرمایا اور چاہا وہ ہوگئی - سبحان اللہ! - کیسی اقدس واعلیٰ شان ہے اس خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کی؟ اور کس قدر غلط اور ٹیڑھی سوچ والے ہیں وہ لوگ جو اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اسکے لیے طرح طرح واسطے اور وسیلے گھڑتے اور ڈھونڈتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کے لئے شریک وسہیم ماننا، اور اس کی رحمت وعنایت تک رسائی کیلئے وسیلے ڈھونڈنا کتنا بڑا ظلم ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ -

۳۲۶ علمِ حق کے نور سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذُ باللہ: - اور اس طرح ایسے لوگ حق اور حقیقت کے ادراک سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اس طرح کے احمقانہ اور گستاخانہ سوالات کرنا ایسے ہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے، جو علم کے نور سے محروم ہوتے ہیں۔ ورنہ جو لوگ حق اور حقیقت کا علم رکھتے ہیں ان کی شان ہی الگ ہوتی ہے۔ وہ ایسے سوالات کبھی نہیں کرتے۔ سو علم اصل میں وہی ہے جو انسان کو حق اور حقیقت سے آگاہ وروشناس کرے ورنہ انسان جاہل ہی ہے خواہ وہ دنیاوی اعتبار سے کتنی ہی ڈگریاں کیوں نہ اٹھائے ہوئے ہو، بلکہ وہ جہلِ بسیط سے بڑھ کر جہلِ مرکب کا شکار ہوتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- پس حق اور حقیقت کا علم ہی وہ اصل علم اور اسکا نور ہی وہ اصل نور ہے جو انسان کیلئے حق اور صواب کی راہیں روشن کرتا اور اسکو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز کرتا ہے، ورنہ اندھیرے ہی اندھیرے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۳۲۷ اہلِ باطل کے غرور اور گھمنڈ کا ایک نمونہ ومظہر: - یعنی ان کا کہنا ہے کہ اللہ ہم سے براہِ راست بات کیوں نہیں کرتا، جیسا کہ وہ فرشتوں سے کرتا ہے، یا جس طرح کہ اس نے حضرتِ موسیٰ کلیم اللہ سے کلام کیا۔ یا بالواسطہ طور پر وحی اور فرشتے کے ذریعے، جس طرح کہ وہ دیگر انبیاء ورسل سے کلام کرتا ہے۔ سو یہ ان لوگوں کے تکبر وعناد کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے

اپنے گھمنڈ کی بناء پر اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ لیا، جیسا کہ سورۂ فرقان کی بائیسویں آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ – سو تکبر اور اپنی بڑائی کا جھوٹا گھمنڈ، اور ایمان ویقین سے محرومی، اور قیامت اور اس کی باز پرس سے بے فکری ایسے ہی گل کھلاتی ہے کہ اس میں مبتلا ہو کر انسان اسی طرح کی خرمستیاں کرنے لگتا ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم – سو اللہ پاک نہ ہر کسی سے کلام فرماتا ہے اور نہ ہی یہ بات عقل اور نقل کے تقاضوں کے مطابق ہے کہ وہ ہر کسی سے براہِ راست کلام فرمائے۔ اور نہ ہی ہر کسی کے اندر اسکی اہلیت وصلاحیت ہی ممکن ہے، کہ وہ براہِ راست اللہ پاک کے کلام کو سننے کا متحمل ہو سکے۔ بلکہ اس مقصد کیلئے وہ مالکِ مطلق اپنے بندوں میں سے کچھ کو چنتا ہے، اور انکو نبوت ورسالت کے شرف سے نواز کر انکے ذریعے تمام مخلوق تک اپنا کلام پیغام پہنچاتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ – اور یہی تقاضا ہے عقل اور نقل کا۔ اور اسی میں بھلا ہے بنی نوعِ انسان کا۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی – وباللہ التوفیق۔

۳۲۸ مشرکین کا فرمائشی معجزے کا مطالبہ: – یعنی ان کی ان فرمائشی نشانیوں میں سے کوئی نشانی، جن کا مطالبہ یہ لوگ کیا کرتے تھے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۰ سے آیت نمبر ۹۳ میں ذکر فرمایا گیا ہے، کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے اس زمین کو پھاڑ کر اس میں سے ایک عظیم الشان چشمہ جاری کر دیں۔ یا آپ کیلئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی ایسا عظیم الشان باغ ہو جسکے درمیان نہریں رواں دواں ہوں، یا آپ آسمان کو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں۔ جیسا کہ آپ کا دعوی ہے۔ یا آپ اللہ اور اسکے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کریں۔ یا آپ کیلئے سونے کا ایک گھر ہو، یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور صرف چڑھنے ہی کو ہم نہ مانیں گے، یہاں تک کہ آپ ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ اتار دیں جس کو ہم خود پڑھیں۔ سو ان سب کے جواب میں پیغمبر کو یہ کہنے کی ہدایت فرمائی گئی کہ کہو میں تو محض ایک بشر اور انسان ہوں جس کو رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اور بس – ﴿هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ – یعنی میں نے ایسی کسی خدائی صفت کا کوئی دعوی کیا ہی کب ہے کہ تم لوگ مجھ سے اس طرح کے سوالات کرو؟ جن کا تعلق خدائی صفات و اختیارات سے ہے؟ میں تو اللہ کا پیغام پہنچانے والا ایک بشر اور رسول ہوں اور بس۔ سو میرا پیغام اگر تم لوگ صدقِ دل سے قبول کرو گے تو تمہارا اپنا بھلا ورنہ خود تمہارا نقصان – وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم – بہر کیف مشرکین نے کہا کہ اللہ براہِ راست ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ سو یہ نشانی ہے ان لوگوں کے کبر وغرور کی – والعیاذ باللہ۔

۳۲۹ حق سے محروم لوگوں کے مطالبے ایک ہی طرح کے: – یعنی یہ صرف آج کی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے کے منکروں کا حال بھی یہی تھا کہ انہوں نے بھی اپنے انبیاء ورسل سے اسی طرح کے مطالبے کئے جیسے یہود نے حضرتِ موسیٰ سے کہا تھا – ﴿اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ – نیز انہوں نے حضرتِ موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، وغیرہ وغیرہ۔ سو ان لوگوں کا اس طرح کہنا کوئی حقیقتِ حال کو جاننے اور سمجھنے کیلئے نہیں تھا بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر تھا (المراغی وغیرہ) – والعیاذ باللہ العظیم – سو نورِ حق وہدایت اور دولتِ ایمان ویقین سے محروم لوگوں کا حال ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا، اور انہوں نے اپنی بے فکری، لاپرواہی اور عناد وہٹ دھرمی وغیرہ کی بناء پر ہمیشہ اسی طرح کے لایعنی مطالبات و سوالات کیے اور اس کے نتیجے میں پیغامِ حق وہدایت سے منہ موڑ کر انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

ہیں ف۳۳۰ بے شک ہم نے کھول کر بیان کردی ہیں اپنی نشانیاں، ان لوگوں کے لئے جو (ایمان و) یقین (کی روشنی) رکھتے ہیں ف۳۳۱

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

بے شک ہم نے بھیجا آپ کو (اے پیغمبر!) حق کے ساتھ، خوشخبری سنانے والا، اور خبردار کرنے والا بنا کر، اور آپ سے پوچھ

۳۳۰ اہلِ باطل کے دل آپس میں ایک جیسے:۔ یعنی کجی وقساوت اور زیغ وضلال وغیرہ میں، اور زبان تو محض ترجمان ہے دل کی۔ جو کچھ دل کے اندر ہوگا وہی زبان پر آئے گا۔ اور اعضاء وجوارح تو سلطانِ دل کے کارندے، اور اسکے حکم پر چلنے والے ہیں۔ سو جب دل بگڑ اور بدل گئے، تو پھر ان اعضاء کی درستگی کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ اسی کو حضرت نبیؐ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مشہور ومعروف ارشادِ سامی میں اس طرح بیان فرمایا کہ "انسانی جسم کے اندر گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ جب وہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح ہوگا، اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا، آگاہ رہو کہ وہ ٹکڑا دل ہے" — اَللّٰھُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ ۔ اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ ، وَ احْفَظْنَا مِنْ اَمْرَاضِ الْبَاطِنِ وَ الظَّاھِرِ۔ بہرکیف اہلِ باطل کے دل اور ان کے بواطن آپس میں چونکہ ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور کفر و باطل کی سیاہی ان سب ہی پر چھائی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے ان کے مونہوں سے باتیں بھی ایک ہی طرح کی نکلتی ہیں — وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم — سو اصلاح وفساد کا اصل تعلق انسان کے اپنے قلب وباطن سے ہے۔

۳۳۱ دلائلِ حق وہدایت کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے کھول کر بیان کردیں اپنی نشانیاں یعنی وہ نشانیاں جن سے راہِ حق وہدایت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں سے مستفید ہونے کیلئے اولین شرط نورِ ایمان ویقین سے سرفرازی ہے جس سے ایسے منکر اور ہٹ دھرم لوگ محروم ہیں تو پھر یہ ان سے آخر کیوں اور کس طرح مستفید ہوسکتے ہیں۔ بہرکیف اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ ایک نشانی کیا ہم نے تو طرح طرح کی ایسی نشانیوں کا سامان کیا ہے جو کہ اِحقاقِ حق، اور اِبطالِ باطل کیلئے کافی ووافی ہیں۔ جن میں سب سے بڑی نشانی جو ہزاروں نشانیوں پر مشتمل ہے، قرآنِ حکیم کی یہ عظیم الشان نشانی ہے، جو کہ آیتِ خالدہ اور معجزۂ کبریٰ کے طور پر قیامت تک موجود ومحفوظ رہے گی مگر اس سے فائدہ انہیں لوگوں کو پہنچ سکے گا جو ضد وعناد اور ہٹ دھرمی سے پاک صاف ہوکر اور تعصب کی عینک اتار کر صدقِ دل سے اس کی طرف رجوع کریں گے اور ایمان لانا اور یقین حاصل کرنا چاہیں گے، اور اسکے برعکس جو لوگ اِعراض واستکبار اور عناد وہٹ دھرمی سے کام لیں گے اور اپنے دل ودماغ کے منافذ اور اپنے سمع وبصر کے ذرائع علم وادراک بند کرلیں گے، وہ بہرحال اس سے محروم ہی رہیں گے۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت ومحرومی ہے — وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم —

مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ

نہیں ہوگی دوزخیوں کے بارے میں ۳۳۲ اور (یاد رکھو کہ) ہرگز راضی نہیں ہوں گے تم سے یہود اور نہ ہی نصاریٰ، یہاں تک کہ تم

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

پیروی کرنے لگو ان کے مذہب کی (جو کہ ناممکن ہے) ۳۳۳ اور اگر (بفرضِ محال) تم نے پیروی کرلی ان کی خواہشات کی ۳۳۴ اس علم

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ

کے بعد جو کہ پہنچ چکا ہے تمہارے پاس تو تمہارے لئے اللہ (کی گرفت) سے چھڑانے کے لئے نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار ۳۳۵ جن لوگوں کو

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہم نے کتاب دی ۳۳۶ (اور) وہ اس کو ایسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، ۳۳۷ تو یہی لوگ ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

جو (درحقیقت) اس پر ایمان رکھتے ہیں، ۳۳۸ اور جس نے اس کا انکار کیا تو ایسے ہی لوگ ہیں

حاشیہ

۳۳۲ داعیٔ حق کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق:- کیونکہ آپؐ کے ذمے حق کی تبلیغ اور اس کا پہنچا دینا ہے اور بس۔ آگے اس کو منوا دینا، یا دلوں میں اتار دینا، نہ آپؐ کی ذمہ اری ہے اور نہ ہی یہ آپؐ کے بس اور اختیار میں ہے۔ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ پس تبلیغ حق کے بعد نہ آپ کو انکے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت ہے، نہ انکے پیچھے لگ کر خواہ مخواہ تکلیف اٹھانے کی۔ ﴿فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ﴾ ۔ سو داعیٔ حق کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق ہے اور بس۔ اس سے آگے کا وہ ذمہ دار نہیں، کیونکہ اس سے آگے کا نہ وہ مکلف ہے اور نہ ہی یہ اسکے بس میں ہے، اور کسی کو اسکے بس سے باہر کی تکلیف دینا عقل اور نقل دونوں کیخلاف ہے، ارشاد ربانی ہے، ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرۃ:۲۸۶] کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۳۳ ہٹ دھرموں کے لئے محرومی ہی محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ: ۔ سو ہٹ دھرم لوگ کبھی نورِ حق وہدایت سے مستفید و فیضیاب نہیں ہوسکیں گے کہ ان کے مذہب کی پیروی آپ کیلئے ممکن نہیں، اور جو ناممکن پر موتوف و معلق ہو وہ بھی ناممکن و محال ہے۔ پس ان ہٹ دھرم لوگوں کا ایمان لانا ناممکن ہے۔ لہٰذا آپ اپنی عظیم الشان رحمت وشفقت کی بناء پر ان کے پیچھے لگ کر خود تکلیف نہ اٹھائیں، کہ انکی محرومی ان کے اپنے ہی عناد، اعراض اور استکبار ہی کا نتیجہ ہے۔ آپؐ کا اس میں بہرحال کوئی قصور نہیں۔ اور ہٹ دھرم لوگ نورِ حق وہدایت سے کبھی مستفید و فیضیاب نہیں ہوسکتے، کیونکہ اس سے استفادہ اور فیضیابی کیلئے اصل اور بنیاد طلبِ صادق ہے جس سے ایسے لوگ محروم ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

وقف لازم

۲۲۴ اہلِ باطل کا دین صرف خواہشات کی پیروی والعیاذ باللہ:- یہاں پر ان کے دین و مذہب کو "اَھْوَاءَ" "خواہشات" کے لفظ سے تعبیر فرما کر دراصل اس بنیادی حقیقت سے پردہ اٹھا کر یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ جس مذہب کے یہ لوگ دعویدار ہیں، وہ درحقیقت کوئی مذہب نہیں، بلکہ ان کی اپنی خواہشات کا پلندہ ہے، جس کو یہ لوگ دین و مذہب کے نام سے چلانے اور رواج دینے میں لگے ہوئے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ دراصل دین و مذہب کے نام سے اور اسکے پردے میں اپنی ان خواہشات کی تکمیل کا سامان کر رہے ہیں۔ اور اس پر یہ اپنے طور بدمست و مگن ہیں کہ یہ اچھا کر رہے ہیں۔ مگر ان کو اس کا کوئی شعور و احساس نہیں کہ اس طرح یہ اپنے لیے کیسی ابدی محرومی اور ہولناک تباہی کا سامان کر رہے ہیں،- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور اہلِ باطل دین و مذہب کے نام سے جن مختلف رسوم وطقوم کو اپنائے ہوئے ہیں، ان سے انکی خواہشات کی تکمیل کے جو سامان وابستہ ہیں اور جن طرح طرح کی عیاشیوں اور عیش پرستیوں سے یہ لوگ کام لے رہے ہیں، وہ کسی بھی صاحبِ فکر و بصیرت سے مخفی نہیں، اس لیے ایسے لوگ اپنی ان خواہش پرستیوں کو چھوڑ کر دینِ حق کو اپنانے کیلئے کبھی آمادہ اور تیار نہیں ہو سکتے، الا ماشاء اللہ۔ اگر کسی نے ان کی عیش پرستیوں اور خرمستیوں کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھنا ہوں تو جا کر ان گرجاؤں، مندروں اور آستانوں وغیرہ میں خود دیکھ لے۔ اسکو نظر آئے گا کہ وہاں پر کیا کیا سامانہائے عشرت و عیش پرستی موجود ہیں۔ اور کن کن رنگ رنگیلیوں سے وہاں کام لیا جا رہا ہے۔ اور وہاں کی "فادر"، "بشپ"، "سادھو"، "بھکشو"، "ملنگ"، "ننگے" اور فقیر و درویش وغیرہ وغیرہ کن کن عیش پرستیوں میں محو و منہمک ہیں، الا ماشاء اللہ جل وعلا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ تو پھر ایسے لوگ اس دینِ حق کو اپنانے کے لئے کس طرح تیار ہو سکتے ہیں جس میں نبیٔ امی - فداہ نفسی - اپنی امت کو اس طرح کا درس دیتے ہیں کہ "سب سے برا برتن جو انسان بھرتا ہے وہ اس کا پیٹ ہے۔ آدمی کو تو بس چند لقمے چاہئیں جن سے اسکی پیٹھ سیدھی ہو سکے اور بس۔ اور اس سے زیادہ اگر کچھ کھانا پینا ہے بھی تو اسکو تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک حصہ کھانے کیلئے ایک پانی کیلئے اور ایک حصہ سانس کیلئے۔ سبحان اللہ! کہاں دینِ حنیف کی یہ تعلیماتِ مقدسہ اور ہدایاتِ عالیہ اور کہاں ادیانِ باطلہ کی وہ رنگ رلیاں اور فتنہ سامانیاں جن کے نمونے جگہ جگہ اور طرح طرح سے پائے جاتے ہیں۔ سو دینِ حق ایک اور صرف ایک ہے یعنی اسلامِ مجید اور باقی سب نفس و شیطان کے دھوکے اتباع ہوٰی اور خواہشات کی پوجا و پرستش کے سامان ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللّٰھم فخذ بنواصینا الی ما فیہ حبک و رضاک بکل حال من الاحوال یا ذا الجلال والاکرام

۲۲۵ دینِ حق سے منہ موڑنے والوں کے لئے نہ کوئی یار نہ مددگار:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دینِ حق سے منہ موڑ کر خواہشات کی پیروی کرنے والوں کیلئے نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ ہی سے ہے، کہ وحیِ الٰہی کے اصل اور اولین مخاطب تو بہرحال آپ ہی ہیں - ﷺ - مگر اس میں سنانا اور بتانا دراصل دوسروں کو ہے، کہ حق سے منہ موڑنا اور باطل کی پیروی کرنا، اس قدر سنگین جرم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - کہ اگر بالفرض آپ بھی ایسا کریں گے اے پیغمبر! تو آپ کیلئے بھی اللہ کی گرفت و پکڑ سے چھڑانے اور بچانے کیلئے کوئی یار و مددگار نہیں ہو سکے گا، تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا؟ سو خطاب اگرچہ اس میں آنحضرت - ﷺ - سے ہے لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے،؟ (المراغی، المحاسن وغیرہ) - اَللّٰھُمَّ

فَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَ کَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

۳۳۶ ''الکتاب'' سے مراد جنس کتاب: - یعنی الکتاب سے یہاں پر مراد جنسِ کتاب، اور مراد اس سے تورات وانجیل وغیرہ ہے، اور دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ اس سے مراد قرآنِ حکیم ہے (جامع البیان، صفوۃ البیان، محاسن التاویل، اور معارف وغیرہ)۔ سو اس ارشادِ ربانی میں اہلِ کتاب کے ان اچھے اور حق پرست لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی کتاب کی قدر کرتے اور اس پر سچے دل سے ایمان رکھتے تھے۔ رہے وہ اہلِ کتاب جو اس شرف وامتیاز سے محروم تھے، اور ان کی مثال اس گدھے کی تھی جسکی پیٹھ پر کتابوں کے انبار لگے ہوتے ہیں مگر اسکو کوئی پتہ نہیں ہوتا کہ اسکی پیٹھ پر کیا لدا ہے، تو ان کا معاملہ الگ ہے، کہ ایسے بے قدرے اور ناشکرے لوگ بہرحال علم اور ہدایت کی نعمت سے محروم ہی رہتے ہیں اور وہ گدھے کے گدھے ہی رہتے ہیں، کہ اللہ پاک کا قانون و دستور اور اسکی سنت یہی ہے کہ وہ ایمان و یقین کی معنوی اور روحانی نعمتوں سے انہی کو نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے جو ان کے قدردان اور خواہش مند ہوتے ہیں جبکہ بے قدرے اور ناشکرے محروم ہی رہتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ۔

۳۳۷ اللہ کی کتاب کی تلاوت حق تلاوت کے ساتھ: - کہ وہ اس پر سچا پکا ایمان یقین رکھتے ہیں، اس کے الفاظ وحروف کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں، اس کے معانی ومطالب کو سیکھتے، اور اس کے مطابق اپنے عقائد واعمال اور اخلاق وکردار کی اصلاح کرتے ہیں، یہ سب کچھ '' حَقَّ تِلَاوَتِہٖ '' کے عموم میں داخل ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس - رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ - وغیرہ صحابۂ کرام اور کبار مفسرین وعلماء سے مروی و منقول ہے (ابنِ کثیر، جامع البیان، القاسمی وغیرہ) سو کتاب اللہ کا ہم پر حق ہے کہ ہم اسکو حقِ تلاوت کے ساتھ تلاوت کریں، تاکہ اسکے انوار وتجلیات سے سرفراز وفیضیاب ہوسکیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۳۳۸ اہلِ کتاب کیلئے ایک تذکیر و یاد دہانی: - سو اسمیں اہلِ کتاب کیلئے اس بات کی تذکیر و یاد دہانی ہے کہ نبیٔ آخر الزمان پر ایمان لانا اہلِ کتاب کے اپنی کتاب پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اپنی کتاب پر، اور چونکہ اپنی اس کتاب میں وہ کسی تحریف وتبدیل وغیرہ سے کام نہیں لیتے تو اس کے نتیجے میں وہ نبیٔ آخر الزمان پر بھی ایمان لے آتے ہیں، اور آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - پر نازل ہونے والی کتابِ حکیم قرآنِ کریم پر بھی۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزماں - صلی اللہ علیہ وسلم - اور آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - پر نازل ہونے والی آخری وحی اور خاتم الکتب سے متعلق بشارات اور پیشینگوئیاں درج ہیں۔ اس لئے حضرت خاتم الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - پر ایمان لانا ان کی اپنی کتاب پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے۔ چنانچہ اہلِ کتاب میں سے ایسے سچے مومن نبیٔ آخر الزمان اور قرآنِ کریم پر سچے دل سے ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، بن صوریا اور بن یامین وغیرہ۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''بہ'' کی ضمیر مجرور کا مرجع قرآنِ حکیم ہو، یعنی اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اپنی کتاب کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں وہی قرآنِ حکیم پر ایمان لاتے ہیں، اور تیسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ ''الکتاب'' سے مراد ہی اصل میں قرآنِ مجید ہو، یعنی جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے نوازا ہے اور وہ اس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں وہی اصل میں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو یہ تینوں احتمال اس ارشادِ ربانی کی تفسیر میں موجود ہیں، اور تینوں ہی درست ہیں اور ہر ایک کا معنیٰ صحیح بنتا ہے۔ سو جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے ان کا اپنی کتاب پر ایمان کا دعویٰ بھی صحیح نہیں - والعیاذ باللہ العظیم -

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ

[illegible]

الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

[illegible]

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا

[illegible]

۲۲۹ [illegible]

۲۳۰ [illegible] ﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ [illegible]

[illegible] ﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ [illegible]

[illegible]

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ

کیا جائے گا، اور نہ ہی کسی کو کوئی سفارش (اذن و ایمان کے بغیر) کچھ کام دے سکے گی، اور نہ ہی ان لوگوں کی (کہیں سے) کوئی مدد

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذِ ابْتَلٰٓى إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ؕ

کی جائے گی ۳۴۱ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے ۳۴۲ کہ) جب آزمایا ۳۴۳ ابراہیم کو ان کے رب نے چند باتوں کے ۳۴۴ ذریعے تو ابراہیم ان کو بتمام

قَالَ إِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ

(وکمال) بجالائے، تب اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ میں تمہیں سب لوگوں کا پیشوا بناتا ہوں ۳۴۵ ابراہیم نے عرض کیا، اور (کیا) میری اولاد سے

قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَإِذْ جَعَلْنَا

بھی (یہی وعدہ ہے؟) فرمایا میرا عہد (و پیمان) نہیں پہنچتا ظالموں کو ۳۴۶ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب ہم نے اس (عظیم الشان) گھر

الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ

(خانہ کعبہ) کو سب لوگوں کے لئے ایک (عظیم الشان اور بے مثل) مرکز ۳۴۷ اور امن (و سکون کا گہوارہ) بنا دیا، اور (حکم دیا کہ) تم لوگ

۳۴۱ اہلِ کفر و باطل کی بے بسی اور لاچاری کا ذکر و بیان :- سو اس سے قیامت کے روز اہلِ کفر و باطل کی لاچاری اور بے بسی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس روز اہلِ کفر و باطل کی لاچاری و بے بسی کا عالم یہ ہوگا کہ نصرت و حمایت کے معروف ذرائع میں سے کوئی بھی قیامت کے روز اہلِ باطل کو انکے کام نہیں آسکے گا۔ یعنی نصرت و حمایت اور گلوخلاصی و نجات کے ممکنہ اور معروف ذرائع میں سے کوئی بھی وہاں میسر نہ آسکے گا، اور دینِ حق سے محرومی اور اس کے انکار کے نتیجے میں تم لوگ وہاں پر اپنے آپ کو ہر طرح سے بے سہارا، اور محروم پاؤ گے۔ لہٰذا آج قبولِ حق کا جو موقع تمہیں ملا ہوا ہے، اس کو ضائع نہیں کرو بلکہ اس سے فائدہ اٹھا کر حق کو قبول کر لو، اور اس ہولناک انجام سے بچ ... قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود و مختصر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہونا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ مزید توضیح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ، حاشیہ نمبر ۱۴۱ سو اصل اور حقیقی دولت ایمان و یقین کی دولت ہی ہے، جو دارَین میں کام آنے والی ہے۔ ورنہ انسان کی لیے محرومی ہی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۳۴۲ حضرتِ ابراہیمؑ کے قصے سے عبرت پذیری کی تعلیم و تلقین :- سو تم لوگ حضرتِ ابراہیمؑ کے اس قصے کو یاد کرو کہ اس میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں، کہ حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی ہستی وہ عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی ہے جن کو سب ہی اپنا مقتدا و پیشوا مانتے ہیں۔ یہود بھی، اور نصاریٰ بھی۔ اور مشرکینِ مکہ کے تو فخر و اعتزاز کی اساس و بنیاد ہی یہ تھی کہ ہم نسلِ ابراہیمی سے تعلق رکھتے، اور ان کے بنائے گھر کے مجاور و متولی اور

خادم و کارندے ہیں، جبکہ مسلمان ہیں ہی ملتِ ابراہیمی پر۔ تو ایسے میں حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی صدق وصفا سے بھرپور، اور ایثار وقربانی والی زندگی، کا آئینہ ان لوگوں کے سامنے رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ خود دیکھ لیں کہ ابراہیم کہاں اور کیسے تھے؟ اور یہ کہاں اور کیسے ہیں؟ اور ان کی محبت وتعلق کے دعوے میں یہ کہاں تک سچے اور حق بجانب ہیں، سو ایسے قصوں کی یاددہانی میں عبرت پذیری کی تعلیم وتلقین ہے، وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ صرف زبانی کلامی دعووں اور حضرت ابراہیم کا نام لینے سے کام نہیں چلے گا جب تک ان کے طریقِ کار کو نہ اپنایا جائے۔ اسکو اپنا نصب العین نہ بنایا جائے اور ان کی ملت نہ اپنایا جائے یعنی اس دینِ حق کو جو کہ اب تمہارے سامنے اسلام کے نام سے اور اسکی پاکیزہ اور مقدس تعلیمات کی صورت میں تمہارے سامنے پیش کیا جا رہا ہے کہ اب حق بہرحال یہی ہے۔ اس کے سوا سب اندھیرے اور خواہشاتِ نفس کے پلندے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

۳۴۳ **ابتلائے ابراہیم کا مطلب اور اسکا اصل مقصد؟**:- سو رب نے ان کو آزمایا تاکہ اس طرح دنیا کے سامنے ان کے انقیادِ بےمثل کے آئینہ میں ان کے کارنامے پوری طرح ظاہر ہوسکیں، اور ان سب کو یقین ہو جائے کہ واقعی ابراہیم اس عظیم الشان مرتبہ ومقام کے بجاطور پر اہل اور مستحق تھے، جس سے ان کو نوازا گیا۔ ان کو خلت سے سرفراز فرمایا گیا، اور وہ خلیل اللہ قرار پائے۔ ورنہ اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- کو کسی امتحان اور آزمائش کی کیا ضرورت؟ وہ تو اپنے علمِ ازلی وابدی کی بناء پر سب ہی کچھ جانتا ہے، اور پوری طرح اور ہر اعتبار سے جانتا ہے، کہ اسکے یہاں ماضی ومستقبل عیاں ونہاں اور ظاہر وباطن سب ایک برابر ہیں، مگر وہ ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے گزارتا ہے تاکہ اصل حقیقت سب کے سامنے پوری طرح آشکارا ہوجائے اور کھرا کھوٹا سب کا سب سامنے آجائے، تاکہ اسکے بعد نہ کسی کیلئے کسی سوال واعتراض کی کوئی گنجائش باقی رہے اور نہ کسی شک وشبہے کی اور پوری طرح واضح ہو جائے کہ حضرتِ ابراہیم واقعی ان انعامات کے مستحق تھے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

۳۴۴ **کلماتِ ابتلاء سے مقصود ومراد؟**:- یعنی یہ کہ وہ چند باتیں جن کے ذریعے حضرتِ ابراہیم کی آزمائش کی گئی تھی وہ کیا تھیں؟ سو ان کلمات سے مراد کچھ ایسی باتیں تھیں جن کے ذریعے آنجناب کی آزمائش کی گئی تھی، اور جن سے یہ امر پوری طرح واضح ہوگیا تھا کہ حضرتِ ابراہیم -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کو قدرت نے جس بےمثل مقام، اور عظیم الشان انعام سے نوازا تھا۔ وہ واقعی اس کے اہل تھے۔ سو ان کی ساری زندگی توحیدِ خداوندی کی تعلیم وتبلیغ، کفر وشرک کی تردید وبیخ کنی، اور راہِ حق میں ہر ایثار وقربانی سے عبارت تھی۔ آنکھ کھولی تو چاروں طرف کفر وشرک اور بت پرستی کے مہیب اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ باپ نہ صرف بت پرست، بلکہ بت ساز اور بت فروش بھی تھا، اور اس کا یہ کاروبار عروج پر تھا۔ قوم شرک وبت پرستی کی دلدل میں بری طرح غرق تھی۔ وقت کا مطلق العنان حکمران ایک ایسا ظالم وجابر ڈکٹیٹر تھا کہ وہ خود اپنی خدائی کا دعویدار تھا -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- حضرتِ ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سارے محاذوں پر تنِ تنہا جنگ لڑی، اور کامل اخلاص اور بےمثل استقامت کے ساتھ لڑی۔ باپ چاہتا تھا کہ آپ میری گدی سنبھالیں، اور جو کام میں کرتا ہوں وہی کریں، تاکہ اس طرح زیادہ سے زیادہ دنیاوی فائدے حاصل کرسکیں۔ اگر آپ ایسا کرتے تو بلاشبہ دنیاوی اعتبار سے بہت عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے، مگر آپ نے حق کی خاطر شرک وبت پرستی سے ملنے والے ان تمام مفادات کو لات ماردی

، اور سب سے پہلے باپ کو روکا ٹوکا، اور اس کو حق کی دعوت دی، مگر اس نے آپؑ کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے حضرتِ ابراہیمؑ سے بائیکاٹ کر دیا، اور آپؑ کو سنگسار کر دینے کی سخت دھمکی کے ساتھ، اپنے گھر سے نکال دیا۔ اور صاف وصریح طور پر کہہ دیا ﴿وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا﴾ -حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنے رب کی رضا کی خاطر اسکو بھی قبول اور برداشت کر لیا، اور اپنے باپ سے بھی الگ ہو گئے، پھر آپؑ نے اپنی قوم کو خطاب کیا اور انکو بت پرستی سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے بھی نہ مانا۔ پھر آپؑ نے شرک و بت پرستی کیخلاف عملی اقدام کیا، اور موقع پا کر ان کے بتوں کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا، اس پر ان لوگوں نے آپکو آگ کے ایک ہولناک الاؤ میں جھونک دیا۔ آپؑ نے حق کی خاطر اس کو بھی بخوشی قبول کر لیا، اور اسکے نتیجے میں وہ آگ اللہ پاک کے حکم وارشاد اور اسکی توفیق وعنایت سے آپؑ کے لئے گل وگلزار بن گئی۔ پھر آپؑ نے وقت کے مطلق العنان حکمران کے دربار میں پہنچ کر اس کو حق کی دعوت دی، اور آپ جابر حکمران کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے کے افضل ترین جہاد سے مشرف ہوئے۔ پھر جب ان میں سے کسی نے بھی آپؑ کی دعوت کو قبول نہ کیا، تو حق کی خاطر اور اپنے رب کی رضا کے حصول کیلئے آپؑ نے اپنے وطنِ مالوف کو بھی خیر باد کہدیا، اور عراق چھوڑ کر فلسطین پہنچ گئے۔ پھر ایک عرصہ تک وہاں قیام کرنے کے بعد، اپنے بھتیجے لوطؑ کو وہاں چھوڑ کر آپؑ نے ارضِ حجاز کی راہ لی، اور اپنے بیٹے اور بیوی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہاں کی وادیٔ غیرذی ذرعے میں چھوڑ کر خود واپس ہو لئے۔ پھر ایک اور آزمائش یہ پیش آئی کہ وہی بچہ جو بڑھاپے میں بڑے ارمانوں اور دعاؤں اور التجاؤں کے بعد قدرت کی طرف سے عطاء ہوا تھا، اس کے بھی قربان کر دینے کا اشارہ مل گیا، تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ کہیں اس کی محبت تو محبتِ خداوندی پر غالب نہیں آ گئی، تو باپ بیٹا دونوں اس عظیم الشان قربانی کے لئے بھی تیار ہو گئے، اور عظیم الشان باپ نے اپنے عظیم الشان اور ہونہار بیٹے کے گلے پر اپنے رب کی رضا کے حصول کیلئے چھری چلا دی۔ جس پر رب کی طرف سے آپ کو ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾- کی عظیم الشان سند اور بے مثال ڈگری مل گئی۔ پھر اپنے لئے کوئی گھر وغیرہ بنانے کی بجائے آپ اپنے اسی بیٹے کے ہمراہ اپنے خالق و مالک کی رضا وخوشنودی اور اس کی عبادت و بندگی کیلئے ارضِ مکہ میں اس عظیم الشان گھر کی تعمیر میں مشغول ہو گئے، جو ہزاروں سال سے آج تک مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔ اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے کوئی ایک منٹ سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا، کہ جب وہاں طواف ونماز، فرض ونفل، تلاوت وتسبیح، تعلیم وتبلیغ اور ذکر وتذکیر وغیرہ وغیرہ، قسما قسم کی عبادات نہ ہوتی ہوں، اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت ایسے ہی ہوتا رہے گا۔ تو کیا دنیا میں دوسرا کوئی مقام یا گھر ایسا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے؟ جس کی یہ شان ہو؟ اور کیا ہے دوسری ایسی کوئی ہستی یا ہو سکتی ہے جس کی پوری زندگی اس طرح کی ان عظیم الشان قربانیوں سے عبارت ہو؟ جس نے حق کیلئے اور اپنے رب کی رضا کی خاطر، اپنے ماں باپ کو چھوڑا ہو؟ قوم وملک کو چھوڑا ہو؟ برضا ورغبت آگ میں کود جانا برداشت کر لیا ہو؟ وقت کے ایسے جابر وظالم حاکم کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر، صاف اور برملا طور پر حق کی بات کہی ہو، جو کہ اپنی خدائی کا دعویدار تھا؟ اور یہ کہ جس نے محض رضاۓ خداوندی کیلئے اپنے پیارے اور اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری چلائی ہو؟ اور ہے ایسی کوئی ہستی جس نے اپنے لئے تو جھونپڑے کی بھی پرواہ نہ کی ہو لیکن رضاء خداوندی کیلئے خود اپنے ہاتھوں اور اپنے پیارے اور لاڈلے بیٹے کے ہاتھوں، خدا کی عبادت کیلئے ایسے گھر کی تعمیر کی ہو؟ اسی لئے ربِّ غفور وشکور نے آنجنابؑ کو، ایسے انعامات سے نوازا کہ وہ بھی آپؑ کے سوا اور کسی کے حصے میں بھی نہیں آئے۔ ایک طرف تو آپؑ کو امتحان میں

کامیابی کی سند اس طرح عطا فرمائی گئی - ﴿فَاَتَمَّھُنَّ﴾ - کہ ابراہیم ان باتوں کو بتمام وکمال بجائے لائے، نیز یہ کہ ﴿وَاِبْرَاھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰی﴾ "اور ابراہیم جس نے وفا کا حق ادا کر دیا"۔ پھر قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے آپؑ کا ذکر خیر فرمایا، جو آج تک باقی ہے، اور قیامت تک باقی رہے گا۔ پھر نماز میں درودِ ابراہیمی کے اندر آپؑ کا ذکر، جو ہر نمازی اپنی ہر نماز میں صبح وشام کرتا ہے، پھر نہ صرف آپؑ کے بلکہ آپؑ کی زوجۂ مطہرہ کے بعض اعمال وافعال کو بھی حج وعمرہ کی عظیم الشان عبادتوں کا حصہ قرار دے کر زندۂ جاوید کر دیا گیا۔ اور یہاں تک کہ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ - کو بھی اسی ابراہیم حنیف کی ملتِ حنیفیہ کی اتباع و پیروی کا حکم دیا گیا، ارشاد ہوتا ہے - ﴿ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا﴾ - [النحل: ۱۲۳] - سو یہ ہے شانِ ابراہیمی اور مقامِ ابراہیم کا ایک ہلکا اور مختصر سا تعارف۔ افسوس بھی ہوتا ہے اور تعجب بھی کہ حضراتِ مفسرینِ کرام نے بالعموم حیاتِ ابراہیمی کے ان عظیم الشان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے، دوسرے مختلف اور ہلکی قسم کے اوصاف کو ان کلماتِ امتحان کا مصداق قرار دے دیا، جیسے فطرت سے تعلق رکھنے والے خصالِ عشرہ کو یعنی مونچھیں کٹوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کٹوانا اور براجم یعنی جوڑوں کا دھونا وغیرہ۔ اگرچہ ان امورِ فطرت کا ذکر صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں آیا ہے، مگر ان کے بارے میں کسی بھی روایت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کو جن کڑے امتحانوں سے گزارا گیا تھا، ان سے مراد یہی خصالِ عشرہ ہیں، جو کہ ایک عام مسلمان بھی بجا لاتا ہے۔ اسی لئے مفتی محمد عبدہٗ وغیرہ محققین نے سخت الفاظ میں اس کی تنقید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر المنار تحت ہذہ الآیۃ)۔ جبکہ کچھ حضرات نے ان خصالِ خیر کو ان کا مصداق قرار دیا ہے جو اہلِ ایمان کی صفات کے ضمن میں سورۂ توبہ، مومنون، اور اَحزاب، وغیرہ میں بیان فرمائی گئی ہیں، حالانکہ وہ صفات بھی بہت سے عام مسلمانوں میں پائی جاتی رہی ہیں۔ پہلے بھی پائی جاتی تھیں، اور آج بھی پائی جاتی ہیں، گو کہ وہ اپنی جگہ بیشک بڑی اہم اور عظیم الشان صفات ہیں، مگر وہ بھی ایسی نہیں ہیں کہ حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی ان کڑی آزمائشوں کا اصل مصداق بن سکیں۔ اس بندۂ ناچیز نے اس بارے جو کچھ یہاں بیان کیا ہے، اس کے کچھ منتشر اجزاء اگرچہ "المنار"، اور "القاسمی" وغیرہ بعض تفسیروں میں ملیں گے، مگر ایسی تفصیل کے ساتھ کہیں پر شاید ہی مل سکیں - فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - اور "کلمات" (باتوں) کیلئے ضروری نہیں کہ اس سے مراد زبانی باتیں ہی ہوں، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ محاورے میں امور وافعال کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور ایسا ہر زبان میں ہی ہوتا ہے، مثلاً اردو میں بھی کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو کچھ باتوں میں آزمایا، مگر وہ سب ہی میں پورا نکلا، مثلاً محنت ومشقت، اطاعت وفرمانبرداری، دیانت وامانت اور وقت کی پابندی اور فرض شناسی وغیرہ۔ اور محض توضیح کیلئے یہ مثال دی گئی ہے، ورنہ اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - تو مثالوں سے پاک ہے - وَلَہُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی -

۳۲۵ حضرتِ ابراہیم کیلئے انعامِ خداوندی کا ذکر وبیان: - سو اس سے آزمائش میں کامیابی پر حضرتِ ابراہیم کیلئے انعامِ خداوندی کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے کہ آپ کو سب لوگوں کا امام و پیشوا بنا دیا گیا، اور آپ کی یہ امامت و پیشوائی ہمیشہ کیلئے جاری اور باقی رکھی گئی، جو قیامت تک قائم رہیگی سو یہ وہ انعام وصلہ ہے جس سے حضرتِ ابراہیم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کو ان کے رب کی طرف سے ان عظیم الشان قربانیوں کے صلے اور بدلے میں نوازا گیا، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرتِ ابراہیم کو یہود ونصاریٰ اور مشرکین وغیرہ سب ہی اپنا پیشوا مانتے ہیں، اور

مسلمان تو ہیں ہی ملت ابراہیمی پر۔ سو جس طرح حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنی عظیم الشان اور بے مثل اطاعت و فرمانبرداری کا ثبوت دیا، اور وفاداری کا حق ادا کیا، اسی طرح ربِ غفور وشکور نے ان کو نوازا بھی ایسے بے مثل انعام سے، جو انکے سوا اور کسی کے حصے میں نہیں آسکا - صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ و علیٰ نبینا محمد وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین - اور اس انعام کا حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف اس طرح صاف وصریح طور پر واضح اعلان بھی فرما دیا گیا کہ میں نے آپ کو سب لوگوں کا امام اور پیشوا بنا دیا، اور آپ کی یہ عظیم الشان اور بے مثال امامت و پیشوائی سب کے یہاں آج تک مسلم ہے، اور قیامت تک اسی طرح رہے گی، اور پھر یہ امامت و پیشوائی بھی ایسی پاکیزہ، روحانی اور بے مثل پیشوائی ہے کہ اسکی بناء پر ہمیشہ اور ہر لحہ حضرتِ ابراہیم کو اجر وثواب مل رہا ہے- سبحان اللہ! - کیسا عظیم الشان اور بے مثل انعام ہے یہ جس سے حضرتِ ابراہیم کو نوازا گیا۔ سو کیا شانِ صدق واخلاص تھی حضرت ابراہیم کی شان اور کیسی عظیم الشان اور بے مثال نوازش ہے حضرتِ حق جل مجدہٗ کی نوازش جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے -سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ ہمیں بھی اس سے کسی قدر نواز دے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۳۲۶ __ظلم باعثِ محرومی و ہلاکت - والعیاذُ باللہ:__ - پس جو ظالم نہیں ہونگے کہ حق سے منہ موڑیں، انکو بھی یہ شرف نصیب ہوگا، چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ آپ کے بعد نبوت و رسالت کے شرف کو آپ کی ذریت و اولاد ہی میں منحصر کر دیا گیا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتَابَ﴾ الآیۃ- [العنکبوت: ۲۷] لیکن جو ظالم ہونگے وہ امامت کے اس منصبِ جلیل کے اہل نہیں ہونگے۔ اس لیے ان کو اس سے نہیں نوازا جاسکتا۔ سو ظلم باعثِ محرومی و ہلاکت ہے، اور ظلم کا معنیٰ ہے حق تلفی، جس کا سب سے بڑا مظہر ہے شرک، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ - سو اس میں سب لوگوں کے لیے بالعموم اور اہلِ کتاب کے لیے بالخصوص دعوت و تحریک اور تحضیض و تلقین ہے کہ یہ سب نبیٔ آخر الزمانؐ پر ایمان لائیں جو کہ حضرتِ ابراہیم اور حضرت اسماعیل دونوں کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی بعثت و تشریف آوری دعائے ابراہیمی کی برکت اور اس کا ثمرہ ہے۔ سو یہ لوگ اس نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لا کر صدقِ دل سے ان کے پیش فرمودہ دینِ حق کی تعلیمات مقدسہ پر عمل کریں۔ تا کہ یہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوسکیں۔

۳۲۷ __"مَثَابَةً" کا معنیٰ ومطلب؟:__ - یعنی یہ مصدرِ میمی ہے بمعنی ظرف مکان۔ یعنی "مرکز"، اور "مرجع" (صفوۃ البیان، جواہر القرآن، وغیرہ)۔ "ثَابَ یَثُوْبُ ثَوْبًا وَثَوَابًا وَ ثُئُوْبًا" سے ماخوذ ہے بمعنی لوٹنا، رجوع کرنا۔ پس اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- نے اپنے کرمِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت سے اس گھر کو ایسا عظیم الشان اور بے مثل مرکز بنا دیا کہ دنیا بھر کے لوگوں کے دلوں کو اس سے وابستہ و پیوستہ کر دیا، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ روئے زمین کے مسلمان اس کی طرف کھچے ہوئے چلے آتے ہیں۔ سال کے بارہ مہینوں، مہینے کے تیس دنوں، اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں یہ سلسلہ برابر بغیر کسی توقف وانقطاع کے لگاتار مسلسل وجاری رہتا ہے۔ ہر طرف سے اور ہر قسم کے اور مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگ کفن کے مشابہ (احرام کا) لباس پہنے "لبیک لبیک" کی صدائیں لگاتے، ننگے سر، اور ننگے پاؤں، طرح طرح کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے اور بڑے بھاری اخراجات برداشت کر کے اس بیتِ عتیق کی طرف کھچے چلے آتے ہیں۔ بلاشبہ یہ اس وحدہٗ لاشریک کی قدرتِ بے پایاں اور رحمتِ بے نہایت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ

مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، ۳۴۸ اور ہم نے تاکید کی تھی ابراہیم اور

اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ

اسماعیل کو (اس بات کی) کہ پاک رکھنا ۳۴۹ تم میرے گھر کو، طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں،

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ

اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب تو اس (مقام) کو

۳۴۸ مقام ابراہیم سے مقصود و مراد؟:- مقامِ ابراہیم سے بعض نے کہا کہ مسجدِ حرام مراد ہے۔ بعض نے کہا جملہ مشاعرِ حج، جس میں عرفات، منٰی اور مزدلفہ وغیرہ سب آ گئے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے پورا حرم مراد ہے (جامع البیان ومحاسن التاویل وغیرہ۔) مگر مشہور قول کے مطابق اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرتِ ابراہیم نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ اور یہی قول ہے جمہور کا (روح وغیرہ)۔ اور یہ پتھر اب تک وہاں محفوظ ہے، مگر حکم اس کے پاس نماز پڑھنے کا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ ایسا کرنا آسانی سے ممکن ہو۔ اور ہجوم وغیرہ کی وجہ سے کسی کیلئے ایذاء رسانی کا باعث نہ ہو، اسکو چومنے چاٹنے اور چھونے مس کرنے کا کوئی ذکر کہیں نہیں۔ جیسا کہ بعض اہلِ بدعت وغیرہ کچھ جاہل لوگ کرتے ہیں۔ سو یہ سب کچھ سب بے اصل ہے۔ اسکے لیے نہ کتاب وسنت میں کہیں کوئی ثبوت وسند موجود ہے اور نہ سلفِ امت سے۔ بہرکیف یہ پتھر اب بھی بیت اللہ کے سامنے موجود ہے اور اس کے گرد جالی بنی ہوئی ہے۔

۳۴۹ بیت اللہ کی تطہیر کا حکم وارشاد:- سو اس سے اللہ تعالیٰ کے گھر - خانۂ کعبہ - کی تطہیر کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے ظاہری وباطنی ہر طرح کی نجاستوں سے، حضرت مجاہد، قتادہ، عطاء، مقاتل اور جبیر وغیرہ اکابر مفسرین سے مروی ہے کہ بیت اللہ حضرتِ نوح - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے زمانے سے آباد اور توحید وعبادتِ خداوندی کا مرکز تھا، مگر بعد میں لوگوں نے اپنے بزرگوں کی محبت کے غلو میں انکی شکل پر بت اور مورتیاں بنا کر اس میں رکھ دیں، انہی سے اس گھر کو پاک کرنے کا حکم حضرتِ ابراہیم واسماعیل - علیہما الصلوٰۃ والسلام - کو دیا گیا، (روح اور بحر وغیرہ)۔ سو یہی نتیجہ وانجام ہوتا ہے بزرگوں کی محبت میں غلو وافراط کا۔ اسی لئے دینِ حق نے اس سے طرح طرح سے منع فرمایا ہے۔ حضرتِ ابراہیم کے بعد مشرکوں نے پھر اس خانۂ خدا کو بتوں سے بھر دیا، یہاں تک کہ امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ کو ان سے پاک فرمایا، اور اس کے بعد سے آج تک یہ بقعۂ طاہرہ ہر طرح کے شرک اور شرکیات اور ظاہری نجاسات وقاذورات سے بھی پاک صاف ہے۔ والحمد للہ۔ نہ وہاں کوئی عرس نہ قوالی، نہ ناچنا تھرکنا، نہ ڈھول ڈھمکے نہ بھنگ وچرس کے مرغولے نہ چومنا چاٹنا نہ میلے نہ ٹھیلے وغیرہ۔ اللہ پاک نے اس کو ہر طرح سے پاک صاف رکھا، اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک ہمیشہ اور ہر طرح سے پاک صاف ہی رہے گا۔ ہر قسم کی گندگی اور ہر طرح کی ہر آلائش سے، اور اپنی زبانِ حال سے ہمیشہ کیلئے دنیا کو توحیدِ خداوندی کی دعوت دیتا رہے گا۔ انشاء اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارۡزُقۡ اَهۡلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ

ایک امن والا شہر بنادے ۳۵۰ اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں (اور پیداواروں) سے روزی عطا فرما، ۳۵۱ ان میں سے

اٰمَنَ مِنۡهُمۡ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنۡ كَفَرَ

ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، رب نے فرمایا، اور جس نے کفر کیا

فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ

تو (دنیاوی زندگی کا) چند روزہ سامان تو میں اس کو بھی پوری طرح دوں گا ۳۵۲ (مگر) پھر اس کو میں کشاں کشاں لے جاؤں گا دوزخ کے

بِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ

عذاب کی طرف ۳۵۳ اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ ۳۵۴ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ابراہیم بنیادیں اٹھا رہے تھے

۳۵۰ دعاءِ ابراہیمی اور اسکی بے مثال قبولیت: -سو اس سے حضرتِ ابراہیم کی دعا اور اسکی بے مثال قبولیت کا نمونہ سامنے آتا ہے، سو حضرتِ ابراہیم نے مکہ مکرمہ کے امن کیلئے مخلصانہ دعا فرمائی اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے اس کو بے مثال قبولیت سے نوازا گیا۔ سو اللہ پاک نے حضرتِ ابراہیم خلیل -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی اس دعاء کو شرفِ قبولیت سے ایسا نوازا کہ جتنا امن وسکون وہاں بخشا ہے، پوری روئے زمین میں کسی بھی اور جگہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا، یہاں تک کہ وہاں شکار ممنوع، وہاں کا درخت کاٹنا ممنوع، ''لقطہ'' اٹھانا ممنوع، اور جو بھی وہاں پہنچ گیا، وہ امن والا ہو گیا۔ ﴿وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ سبحان اللہ! کیا کہنے اس شانِ کرم کے- فللّٰہ الحمد رب العالمین- سو بندے کا کام ہے اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور اسکے حضور عرض والتجاء کرنا اور اللہ تعالیٰ کی شان ہے نوازنا اور عطا فرمانا۔ پس جتنا کسی کا صدق واخلاص زیادہ اور ایمان ویقین قوی ہوگا اتنا ہی اللہ پاک اس کو نوازے گا اور اس کا تو کام ہی نوازنا ہے اور مسلسل ولگاتار نوازنا -سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے- آمین۔

۳۵۱ اہلِ مکہ کیلئے ہر قسم کے پھلوں کی نوازش کا ذکر وبیان: -سو اہلِ مکہ کیلئے دنیا بھر کے پھلوں اور پیداواروں کا کھچ کھچ کر چلا آنا ان کیلئے قدرت کی ایک خاص عنایت اور نوازش تھی جو جب سے ابتک ان کو لگاتار اور برابر حاصل ہے اور جس سے ان کو بطورِ خاص نوازا گیا تھا اور نوازا گیا ہے اور یہ دعاء ابراہیمی کی بے مثال قبولیت کا صلہ وثمرہ تھا جسکی بناء پر اور جس کے نتیجے میں دنیا بھر کی ہر چیز وہاں پر آج بھی میسر ودستیاب ہے، اور ﴿يُجۡبٰۤى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ﴾ کی شاہد عدل بن کر تصدیق کر رہی ہے، اور ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی اسکی یہ شان اب تک قائم اور موجود ہے، اور حج اور عمرہ پر جانے والے لوگ اس کا مشاہدہ بچشمِ خود آج تک کرتے چلے آرہے ہیں- فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ - الَّذِىۡ لَاحَدَّ لِجُوۡدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَاِحۡسَانِهٖ - سبحانہٗ وتعالیٰ - سبحان اللہ! کہاں وہ ''وادیٍ غیرِ ذی زرع'' جس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا اور کہاں

اسکی صدیوں سے یہ عظیم الشان اور بے مثل شان کہ دنیا بھر کی ہر پیداوار اور ہر قسم کے پھل کھچ کھچا کر وہاں پہنچ رہے ہیں۔

۲۵۲ دنیا کی عارضی اور فانی نعمتیں سب کیلئے:۔سو اس سے واضح فرما دیا کہ دنیا کی عارضی اور فانی نعمتیں اہل ایمان اور اہلِ کفر سب کیلئے ہیں کیونکہ ایک تو دنیا کی یہ چند روزہ زندگی دراصل امتحان و آزمائش کی ایک فرصت ہے، اور امتحان کا تقاضا یہی ہے کہ اس دنیاوی سامان اور متاعِ حیات کو سب کے لئے عام رکھا جائے۔ اور دوسرے اس لئے کہ رب کی ربوبیتِ عامہ کی شان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ دنیا میں ان بنیادی ضروریات سے کسی کو بھی محروم نہ کرے۔ اور تیسرے اس لئے کہ جب اس پوری دنیا کی حیثیت اس کے یہاں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے تو پھر اگر اس زندگی میں کفار و منکرین کو اس میں سے کچھ حصہ مل گیا تو انہیں کیا ملا۔ پس اصل چیز جیسا کہ نصوص میں وارد ہے دین و ایمان کی دولت اور آخرت کی حقیقی اور ابدی کامیابی ہے نہ کہ مال و متاعِ دنیا۔

۲۵۳ منکروں کا انجام دوزخ، والعیاذُ باللہ:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کافروں اور منکروں کا آخری انجام دوزخ کی ہولناک آگ ہے۔ والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو میں کشاں کشاں لے جاؤں گا دوزخ کے عذاب کی طرف۔ کیونکہ میرا ضابطہ عام اور بے لاگ قانون یہی ہے کہ جو کوئی ایمان سے منہ موڑ کر کفر کی راہ پر چلے گا اس کا آخری انجام یہی ہوگا۔ اور جوں جوں وہ عمرِ رواں کی گنی چنی منزلیں طے کرتا جائیگا اپنے اسی انجام کے قریب ہوتا چلا جائیگا۔ اور اس طور پر کہ اس کو اس کا احساس بھی نہ ہوگا کہ میں کہاں جا رہا ہوں، آگے کیا معاملہ پیش آنے والا ہے، اور میں کتنے بڑے خسارے اور ہولناک نقصان کا سودا کر رہا ہوں، یہاں تک کہ اس جہاں میں قدم رکھتے ہی اس کو دھر لیا جائیگا،۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اسی کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ "بیشک تمہارا رب گھات میں بیٹھا ہے" جو دراصل تنبیہ کا ایک بڑا مؤثر اور بلیغ اسلوب ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس شانِ رحمت و کرم کے، بھلا ایسا بھی کوئی ہوا ہوگا یا ہو سکتا ہے؟ جو گھات لگانے کے بعد دشمن سے کہے، اور اعلانیہ کہے، کہ میں تمہارے لئے گھات میں بیٹھا ہوا ہوں۔ سو یہ اس وحدہٗ لاشریک ہی کی شانِ کرم و عنایت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسے مؤثر اور بلیغ انداز سے خبردار کرتا ہے، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں، مگر افسوس کہ لوگ ہیں کہ ان کی اکثریت پھر بھی غفلت اور بے حسی کا شکار ہے۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۵۴ دوزخ بڑا ہی برا ٹھکانا، والعیاذُ باللہ:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دوزخ کا ٹھکانا بڑا ہی برا ٹھکانا ہے اتنا برا اور اس قدر ہولناک و خطرناک کہ اس دنیا میں اس کا تصور کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اس لئے عقلمندی اور ہوشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اسی دنیا میں رہتے ہوئے اس سے بچنے اور خلاصی پانے کی فکر و کوشش کرے، کہ اس کے بعد اس سے بچنے کی پھر کوئی شکل و صورت ممکن نہ ہوگی، کہ دنیاوی زندگی کی یہ فرصت جو آج انسان کو میسر ہے اس میں وہ جو چاہے سامان کر سکتا ہے اور آج کے ان بازاروں سے جو چاہے خرید سکتا ہے، اور دنیا کے اس مزرعۂ آخرت میں جو چاہے کمائی کر سکتا ہے،۔وباللہ التوفیق ۔ وھو الْمُیَسِّرَ لِکُلِّ عَسِیْرٍ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر و انکار اور بغاوت و سرکشی برتنے والوں کو دنیاوی زندگی میں عام سامانِ زندگی اگرچہ ملتا رہے گا، لیکن آخرِ کار انکا انجام بہرحال دوزخ ہے، جو کہ بڑا ہی برا اور انتہائی ہولناک انجام ہے۔والعیاذ باللہ۔

مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ

(اللہ کے) اس گھر کی، اور اسماعیل بھی، (اور غایت درجہ عجز وانکساری سے یہ بھی کہتے جا رہے تھے کہ) اے ہمارے رب (اپنے کرم سے)

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

قبول فرمالے ہم سے، (ہماری یہ محنت،) ۳۵۵ بے شک تو ہی ہے سننے والا، جاننے والا ۳۵۶ اے ہمارے پروردگار، بنا دے ہمیں اپنی فرمانبرداری

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا

کرنے والے، اور ہماری نسل میں سے بھی (پیدا فرما) ایک ایسی امت، جو تیری فرمانبردار ہو ۳۵۷ اور ہمیں دکھا (اور سکھا) دے ۳۵۸

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾

طریقے ہماری عبادت کے، اور توجہ فرما ہم پر، بے شک تو ہی ہے سب کی توبہ قبول کرنے والا ۳۵۹ بڑا ہی مہربان،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

اے ہمارے پروردگار، اور اٹھا ان کے اندر ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر (ان کی ہدایت وراہنمائی کے لئے،) جو انہی میں سے ہو ۳۶۰

۳۵۵ **حضرتِ ابراہیم کے اخلاص وللّٰہیت کا ایک نمونہ ومظہر:** ۔سو اس سے حضرتِ ابراہیم کے صدق واخلاص عجز وانکسار، اور خلوص وللّٰہیت کا ایک واضح نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے، یعنی آپ کی رب کے حضور یہ دعاء کہ بیت اللہ کی تعمیر کی ہماری یہ محنت وسعی اگرچہ تیرے یہاں قبول فرمائے جانے کے لائق نہیں اے ہمارے رب! کہ تیری شان بہت ہی بڑی ہے، مگر تو اپنے کرم اور شانِ رحمت وعنایت سے اسے شرفِ قبولیت سے نواز دے۔ اور یہ مطلب لفظ "تَقَبَّلْ" سے نکلتا ہے جو کہ باب "تفعّل" سے ہے۔ کیونکہ حضراتِ علماء ومفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ جو چیز قابلِ قبول ہوتی ہے اس کے لئے عموماً قبول یعنی ثلاثی مجرد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اور جو چیز قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتی، اس کے لئے "تقبل" یعنی ثلاثی مزید کا صیغہ استعمال ہوتا ہے، جو کہ تکلف پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ ہماری یہ خدمت تیرے حضور شرفِ قبولیت پانے کے لائق نہیں، مگر تو اے ہمارے مالک! محض اپنے فضل وکرم سے اسکو قبول فرمالے، سبحان اللہ! کیا کہنے ان حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ کی اس شانِ عبدیت وتواضع کے، کہ اتنی بڑی اور ایسی بے مثل خدمت کا شرف نصیب ہو رہا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ شانِ عبدیت وتواضع بھی اس درجہ بڑھی ہوئی ہے، کہ ہر قول وفعل سے عاجزی ہی عاجزی ٹپکتی ہے۔ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو اور اپنی حالت کو دیکھ کر ہم سکتے میں پڑ جاتے ہیں، کہ ہم کیا ہیں؟ کہاں ہیں؟ کس حال اور کس شمار میں ہیں؟ اور ہمارا کیا بنے گا؟ ۔ فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ

الْعَفْوَ وَالْغُفْرَانَ – وَاَنْ تَسْئَلَکَ بِنَآ اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّکَ وَالرِّضَا یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ –

۳۵۶ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے: – سو اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کے کلمات اور ان کے عموم حصر سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے، سو حضرت ابراہیم نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ بیشک تو ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے اور تُو اے ہمارے خالق و مالک! دلوں کی نیتوں اور ارادوں تک کو جاننے والا، اور ہر کسی کی دعاء والتجاء کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ اس بات کو قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے، تاکہ یہ حقیقتِ صادقہ لوگوں کے دلوں میں اتر جائے، ان کے رگ و پے میں پیوست ہو جائے، اور ان کا رخ اور ان کی سمت درست ہو جائے، مگر اس کے باوجود ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے، کہ نہیں صاحب، وہ براہِ راست ہماری نہیں سنتا۔ بیچ کے واسطے ضروری ہیں۔ ہماری ان کے آگے اور ان کی ان کے آگے۔ وہ ہماری سنتا نہیں اور ان کی رد کرتا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ دونوں مفروضے غلط اور بے بنیاد ہیں، وہ سب کی سنتا ہے اور ہر حال میں سنتا ہے۔ اور کوئی ہستی ایسی نہیں کہ وہ اسکو ماننے پر مجبور کر دے۔ اور اسکے یہاں اَڑ کر بیٹھ جائے اور منوا کر چھوڑے، جیسا کہ مشرکانہ ذہنیت کے مالک لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے۔ وہ اگر نہ مانے تو بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبروں کی بات نہ مانے۔ چنانچہ اس نے حضرتِ نوحؑ کی دعا ان کے بیٹے کے حق میں، ابراہیمؑ کی دعاء ان کے باپ آزر کے حق میں اور امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی دعاء آپ کے چچا ابوطالب کے حق میں نہیں مانی، تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو وہاں اَڑ کر بیٹھ جائے اور منوا کر چھوڑے؟ – وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ – اور سچی توبہ پر وہ گناہگار کے سب گناہ معاف فرما دیتا ہے – سبحانہٗ وتعالیٰ – پس بندے کا کام ہر وقت اس کی طرف رجوع رہنا ہے – وباللہ التوفیق لما یحب، ویرید وعلی ما یحب ویرید –

۳۵۷ حضرتِ ابراہیم کی دعاء امتِ مسلمہ کیلئے: – یعنی ایسی فرمانبردار امت کہ ان کے عقائد بھی صحیح ہوں، اور اعمال واخلاق بھی درست ہوں، اور وہ سچے دل سے تیرے آگے جھکنے والے ہوں، کہ تیری اطاعت و بندگی اور فرمانبرداری ہی میں بندے کی سعادت اور اسکی کامیابی ہے، ورنہ اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سو اولاد وہی نعمت ہے جو ایمان و یقین کی دولت سے سرشار اپنے خالق و مالک کے حضور جھکنے والی، اور اسکی اطاعت و بندگی کے شرف سے مشرف ہو ورنہ وہ کس کام کی۔ بلکہ دین و ایمان سے محروم اولاد – والعیاذ باللہ – انسان کیلئے عذاب اور اسکی دشمن ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے اور اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے – ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ الاٰیة – [التغابن:۱۴] – اللہ تعالیٰ ہر قسم کے دشمنوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے – اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین –

۳۵۸ ''اَرِنَا مَنَاسِکَنَا'' کا مفہوم و مطلب؟: – یعنی۔ ''اَرِنَا'' یہاں پر تعلیم کے معنیٰ میں ہے، اور ''مناسک'' سے مراد اسلام کے احکام و شرائع ہیں (معالم وغیرہ)۔ اس میں حج کے مقامات و مواقف بھی آ گئے اور دوسرے احکام شرع بھی۔ اس لئے یہ معنیٰ عام اور جامع ہے، جبکہ کچھ حضراتِ اہلِ علم نے اس کو حج کے اماکن و ارکان کے ساتھ مختص قرار دیا ہے۔ بہرکیف اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت اور تعلیم و ارشاد ضروری ہے۔ اسکے بغیر انسان از خود کچھ نہیں کر سکتا۔ اس لیے حضرتِ ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے رب کے حضور اس کیلئے درخواست کی کہ حق اور ہدایت کا نور اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے مل سکتا ہے اسکے علاوہ اور کہیں سے یہ دولت ملنا ممکن نہیں – سبحانہٗ وتعالیٰ – اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

۳۵۹ ''التوّاب'' کے مبالغے کے اظہار کی دو اہم صورتیں: یعنی ''التواب'' مبالغے کا صیغہ ہے جس کے معنیٰ کا اظہار دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک اس طرح کہ وہ ہر کسی کی توبہ قبول فرماتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو، اور کتنا ہی بڑا گنہگار کیوں نہ ہو، بشرطیکہ توبہ سچی اور صحیح ہو۔ اور دوسرے اس طرح کہ وہ ایسا بڑا تواب اور مہربان ہے کہ سچی توبہ پر وہ زندگی بھر کے تمام گناہوں کو یکمشت مٹا دیتا ہے، اور ایسا کہ ان کا کوئی اثر و نشان بھی باقی نہیں چھوڑتا، کیونکہ گناہ خواہ کتنے ہی بڑے اور کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اس کی مغفرت و بخشش بہرحال ان سے کہیں بڑھ کر ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کو طرح طرح سے بیان اور واضح فرمایا گیا ہے، کہ انسان کے گناہ بہرحال محدود ہیں جبکہ اسکی رحمت لامحدود اور ناپیدا کنار ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور یہ شان صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ دوسری کوئی ایسی ہستی ہو سکتی ہی نہیں، اس لیے حضرتِ ابراہیم نے یہاں پر اپنی دعاء میں حصر کا اسلوب اختیار فرمایا ﴿اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾ میں مبتداء و خبر دونوں معرفہ ہیں، اور یہ اسلوب حصر کا فائدہ دیتا ہے، نیز ''تب علینا'' میں توبہ کے ساتھ ''علیٰ'' کا صلہ بھی ذکر فرمایا گیا ہے، جو کہ رحمت کیلئے آتا ہے تو اس بناء پر اس کا معنیٰ و مطلب ہوگا کہ تو ہم پر رحمت کے ساتھ رجوع فرما۔ سو یہ ایک عظیم الشان دعا ہے جو بندے کو ہمیشہ اپنے رب کے حضور کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے اور ہمیشہ اپنی رحمت و عنایت سے نوازے اور سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۳۶۰ بشریتِ پیغمبر ایک مستقل انعامِ خداوندی: سو ﴿رسولا منہم﴾ کی تصریح سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کا اولادِ آدم اور اپنی قوم ہی میں سے ہونا ایک مستقل انعام و احسانِ خداوندی ہے۔ یعنی وہ آدم کی اولاد میں سے اور بشر ہو۔ تاکہ وہ انکو بشریت سے متعلق جملہ امور و احکام اور تمام ضروریاتِ زندگی کے بارے میں بھرپور اور عملی نمونہ دکھا سکے، کیونکہ اس کے بغیر ان کی بعثت و نبوت کا مقصد کما حقہٗ پورا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۵ میں اس کی صراحت فرمائی گئی ہے، اور اس کے علاوہ بھی بشریتِ پیغمبر کی اس حقیقت کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے بیان فرمایا گیا اور واضح کیا گیا ہے۔ مگر اہلِ بدعت اس کے باوجود بشریتِ نبی کو ماننے اور تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں، اور وہ اس بارے نصوصِ قرآن و سنت میں طرح طرح کی تاویلات سے کام لیتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکٰی۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہرکیف حضرت نے اپنے رب کے حضور اپنی دعا میں عرض کیا کہ ان کے اندر ایک ایسا عظیم الشان رسول مبعوث فرما جو خود انہی میں سے ہو۔ تاکہ وہ انسانی ضرورتوں اور بشری تقاضوں کے مطابق ہر میدان میں انکی راہنمائی کر سکے اور یہ لوگ انسانوں کو پیش آنے والی ہر ضرورت کی تکمیل میں اس کی اتباع اور پیروی کر سکیں۔ اور اس اہم اور بنیادی حقیقت کو قرآنِ حکیم میں جابجا اور طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۵ میں پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان سے کہیں کہ اگر زمین میں انسانوں کی بجائے نوری فرشتے ہوتے جو اس میں رہتے، بستے اور چلتے پھرتے ہوتے تو ہم یقیناً ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ مگر زمین میں چونکہ انسان اور بشر ہی رہتے بستے ہیں اس لیے انکی ہدایت و راہنمائی کے لیے ہمیشہ انسانوں ہی کو نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سو رسول کا انسان اور بشر ہونا ایک ایسی اہم اور قطعی حقیقت ہے جو عقل و نقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے مگر اس کے باوجود مت کے مارے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پیغمبر کو بشر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

جوان کو پڑھ (پڑھ) کر سنائے تیری آیتیں ۳۶۱ اور سکھائے ان کو کتاب و حکمت (کے علوم و معارف) ۳۶۲ اور پاک (وصاف) کرے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ ع وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ۱۵

ان کے باطن کو ۳۶۳ بے شک تو ہی ہے (اے ہمارے مالک!) زبردست، نہایت ہی حکمت والا، اور کون ہے جو روگردانی کرے ملّت

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ

ابراہیمی سے؟ بجز اس کے جس نے حماقت میں مبتلا کر دیا ہو اپنے آپ کو ۳۶۴ اور بلاشبہ ہم ہی نے ان کو چنا (اپنے علم واختیار کامل کی بناء پر)

وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٣٠﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ

دنیا میں، اور بلاشبہ وہ آخرت میں (ہمارے قرب خاص کے) سزاواروں میں ہے، (یاد کرو اس کی شانِ عبدیت کو کہ) جب کہا اس سے

رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٣١﴾ وَوَصّٰى

اس کے رب نے کہ حوالے کر دو تم (اپنے آپ کو اپنے رب کے) تو اس نے (فوراً) عرض کیا کہ میں نے سپرد کر دیا اپنے آپ کو

۳۶۱ آیاتِ خداوندی کی عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر و بیان:- کہ آیاتِ خداوندی کو پڑھ کر سنانا بعثتِ پیغمبر کا اولین مقصد ہے تاکہ اس طرح وہ اس کے حروف و کلمات کو صحیح طور پر ادا کر سکیں۔ سو کلامِ الٰہی کی آیاتِ طیبات کی تلاوت اور ان کو صحیح طور پر پڑھنا اور ادا کرنا اس کتابِ حکیم کا وہ اولین اور بنیادی حق ہے جو مومنِ صادق پر ایمان کے بعد سب سے پہلے لازم اور واجب ہوتا ہے۔ اور قرآنِ حکیم میں چار مختلف مقامات پر اسکو مقاصدِ بعثت میں سے پہلا مقصد قرار دیا گیا ہے، مگر اسکے باوجود دنیا اس سے غافل و بے خبر اور لاپرواہ ہے۔ بلکہ کتنے ہی ایسے زائغین ہیں جو اسکی ضرورت واہمیت ہی کے منکر ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- پھر آیات آگے دو قسم کی ہیں۔ ایک آیات تنزیلیہ تشریعیہ جو کہ پڑھی پڑھائی جاتی ہیں جو کہ کتابِ حکیم کی آیاتِ کریمات ہیں۔ اور دوسری آیات کونیہ جو اس پوری کائنات میں ہر طرف پھیلی بکھری ہیں۔ اور ان کو پڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو صحیح طور سے دیکھنے اور درسہائے عبرت و بصیرت لینے اور دلائلِ قدرت و حکمت سیکھنے اپنانے کی تعلیم و تلقین فرمائے تاکہ اس طرح وہ لوگ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر کے دل و جان سے اس کے آگے جھک جائیں۔ اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان کر سکیں۔ (محاسن التاویل للامام العلامہ جمال الدین القاسمی الدمشقی - رحمۃ اللہ علیہ-)

۳۶۲ تعلیم کتاب و حکمت بعثتِ نبویہ کا دوسرا بڑا مقصد:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب و حکمت

کے علوم و معارف کی تعلیم و تلقین بعثتِ نبوی کا دوسرا بڑا مقصد ہے تاکہ اس طرح لوگ ان سے پوری طرح آگاہ ہو سکیں۔ اور اس طرح اپنے مقصدِ حیات کو پہچان سکیں۔ اور طریقِ حق وصواب کو اپنا سکیں۔ اور یہ جان سکیں کہ ان کا دین ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ کیا کچھ کرنے کو کہتا ہے اور کن کن چیزوں سے وہ ان کو روکتا اور منع کرتا ہے۔ یعنی ان کے عقائد کیا ہوں اور اعمال و اخلاق کس طرح کے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ مقاصد پیغمبر کی تعلیم و تبیین کے بغیر حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے آپ نے اپنے قول و فعل سے انکی بھرپور طریقے سے تعلیم و تلقین فرمائی، اور اس طور پر کہ انکا حق ادا فرما دیا۔ اور آپ کا سکھایا بتایا سرمایہ امت کے پاس اب تک موجود و محفوظ ہے اور تمام و کمال موجود و محفوظ ہے اور جو کتاب وسنت کے دو عظیم الشان ذخیروں کی صورت میں پوری حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور یہ ایسا عظیم الشان اور بے مثال سرمایہ ہے جس جیسا تو کیا اس کا عشر عشیر بھی پوری روئے زمین پر دوسری کسی بھی قوم و ملت کی پاس نہ موجود ہے نہ ہو سکتا ہے۔ فالحمد للّٰہ رب العٰلمین الذی شرفنا بھٰذا الکتاب المبارک المجید وبالایمان بہٖ وبالاشتغال بہٖ۔

۳۶۳ تزکیۂ باطن بعثتِ نبوی کا تیسرا بڑا مقصد: - یعنی ان کے باطن کو پاک صاف کرے۔ کفر وشرک کی نجاستوں اور معاصی و ذنوب وغیرہ کی آلائشوں سے کہ باطن کی صفائی اور تزکیۂ نفوس اصلاحِ نفس اور تعمیرِ شخصیت کی وہ اولین اساس اور اصل بنیاد ہے جس پر صلاح و فلاح کا اصل دارومدار اور انحصار ہے۔ اور آج پوری دنیا میں دینِ اسلام کے سوا اور کہیں بھی اس کا کوئی سامان و انتظام نہیں۔ جس کے نتیجے میں قرآنی ہدایت سے محروم لوگ خالص حیوانیت کا جیون جی رہے ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بری زندگی گزار رہے ہیں اور وہ کفر و باطل، اور جہالت و بے خبری کے مہیب اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبے پڑے ہیں۔ نہ ان کو اپنے مقصدِ حیات کا کوئی پتہ نہ اپنے مستقبل اور انجام کی کوئی فکر و آگہی، اور وہ "شر البریۃ"، "بدترین مخلوق" کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللّٰہ العظیم۔ سو کیا پاکیزہ انسان ہوتا ہے یہ بندۂ مومن جس کا باطن پاک، اس کا ظاہر پاک، اس کا دل و دماغ پاک، اس کا جسم و جان پاک، اس کا سامانِ خورد و نوش پاک، اسکی زبان و بیان پاک اور یہ شرف و شان مومن کے سوا اور کسی کو بھی نہ نصیب ہے نہ ہو سکتا ہے۔ فالحمد للّٰہ شرفنا بنعمۃ الایمان اللّٰھم زدنا منہ و ثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام۔

۳۶۴ ملتِ ابراہیمی تقاضاءِ عقل و نقل: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ملتِ ابراہیمی عقل و نقل کے مطابق اور فطرتِ سلیمہ کا مقتضٰی ہے، سو ملتِ ابراہیمی سے منہ موڑنا حماقت ہے کیونکہ ملتِ ابراہیمی عقل اور فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق، اور دارین کی سعادتوں اور فوز و فلاح کی کفیل و ضامن ہے، اور جس نے اس سے منہ موڑا وہ - ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ - کا مصداق بن گیا۔ اور یہی ہے کھلا ہوا اور سب سے بڑا خسارہ - ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ - سو اس سے بڑھ کر احمق، بدنصیب اور محروم القسمت اور کوئی نہیں ہو سکتا جو اس ملتِ مطہرہ سے منہ موڑے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - کہ اس سے منہ موڑنے والا روشنی کو چھوڑ کر اندھیروں کو اپنانے والا ہے، اور اس طرح وہ اپنے مقصدِ حیات سے غافل اور اپنے مستقبل اور انجام سے بے خبر ہو کر دائمی ہلاکت و تباہی کی طرف بڑھے چلا جا رہا ہے جو کہ انتہائی ہولناک خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -

بِهَآ اِبۡرٰهٖمُ بَنِيۡهِ وَيَعۡقُوۡبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰى

پروردگار عالم کے ۳۶۵ اور اسی کی وصیت (وتاکید) کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی ۳۶۶ کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے

لَـكُمُ الدِّيۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ‏ ﴿۱۳۲﴾ اَمۡ

چن لیا ہے تمہارے لئے اس دین (حق) کو، پس تم جان نہیں دینا مگر اسلام ہی کی حالت میں، ۳۶۷ کیا

كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ

تم لوگ اس وقت موجود تھے ۳۶۸ جب کہ یعقوب پر موت کا وقت آیا؟ جب کہ انہوں نے کہا

لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ

اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی بندگی کرو گے میرے بعد؟ تو ان سب نے (بالاتفاق) کہا کہ ہم اسی (معبود برحق) کی

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ

بندگی کریں گے، جو کہ معبود ہے آپ کا اور آپ کے باپ دادا، اور ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کا ۳۶۹ جو کہ ایک ہی معبودِ (برحق) ہے،

۳۶۵ حضرتِ ابراہیم کی شانِ تسلیم و رضا کا ایک مظہر و نمونہ:- کہ جب ان سے ان کے رب نے فرمایا کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ تو حضرتِ ابراہیم نے عرض کیا کہ میں نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا پروردگارِ عالم کے۔ پس میرا جسم و جان سب کچھ میرے خالق و مالک کے حوالے ہے جس نے مجھے وجود بخشا اور ہر طرح کی عنایات سے نوازا اور سرفراز فرمایا۔ اور یہی مدعاء و مفہوم ہے اسلام کا کہ اس کے لغوی معنیٰ آتے ہیں "سپردن" یعنی حوالے کر دینا۔ سو یہیں سے ملّتِ ابراہیمی کی تعیین و تشریح بھی ہو گئی کہ اس سے مراد اسلام ہی ہے جو کہ اللہ پاک -سبحانہٗ و تعالیٰ- کا پسندیدہ، پاکیزہ اور ایک ہی دینِ حق ہے۔ اور تمام انبیاء اور رسل -علیہم الصلوٰۃ والسلام- نے ہمیشہ اسی کی تعلیم و تبلیغ فرمائی۔ اور دنیا کو اسی کی دعوت دی۔ اس لئے یہاں سے اس پارہ کے خاتمے تک اسی سے متعلق ارشادات فرمائے جاتے ہیں، کہ یہی ملّتِ حنیفہ دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے، اور اس سے محرومی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے۔ کیونکہ اس سے محرومی کی صورت میں انسان راہِ حق سے محروم اپنے مقصدِ حیات سے غافل اور اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے جو کہ خساروں کا خسارہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

۳۶۶ حضرتِ ابراہیم اور یعقوب کی وصیت اپنی اولاد کیلئے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی دینِ حق کی وصیت فرمائی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور حضرت یعقوب نے بھی کہ حق کی دولت ہی اصل دولت ہے۔ سو اسی کی وصیت اور تلقین کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی۔ یعنی اسی ملتِ ابراہیمی کی جو کہ عبارت ہے اسلام سے اور جو کہ ایک ہی اور سچا دین ہے۔ اور جو تمام انبیاء و رسل کا دین رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرتِ یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ یہاں

سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام - علیھم الصلوۃ والسلام - کے نزدیک سب سے اہم اور سب سے مقدم چیز دین وایمان ہی ہے۔ اسی لئے حضرتِ ابراہیمؑ اور حضرتِ یعقوبؑ نے موت کے وقت اپنی اولاد کو اسی کی وصیت اور تعلیم وتلقین فرمائی۔ سو اس میں والدین کیلئے یہ درسِ عظیم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی اولاد کے دین وایمان کی فکر کریں، نہ کہ صرف جسم وجان اور تن وتوش کی، کیونکہ ان عقیدہ وایمان اگر درست ہے تو سب صحیح اور درست ورنہ کچھ بھی نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۳۶۷ "فَلَا تَمُوْتُنَّ" کا مطلب و مدعا؟:- "فَلَا تَمُوْتُنَ" "تم جان نہیں دینا مگر" الخ ۔ سے مراد موت سے منع کرنا نہیں۔ کیونکہ یہ بات تو انسان کے بس میں نہیں۔ اور جو چیز کسی کے بس میں نہ ہو اس سے منع کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا بلکہ اس سے اصل مقصد یہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ نورِ اسلام سے اپنے دلوں کی دنیا کو معمور ومنور رکھنا تا کہ جب بھی تمہیں موت آئے تو ایمان واسلام ہی کی حالت میں آئے۔ اور کسی بھی لمحہ اس سے غافل اور خالی نہ رہنا کہ مبادا اسی حالت میں موت آ جائے اور تمہاری جان غیر ایمان کی حالت میں نکل جائے، اور تم دائمی خسارے میں پڑ جاؤ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو یہ بلاغت کا ایک اہم اور مؤثر اسلوب ہے، جسے یہاں اختیار فرمایا گیا ہے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی سے کہا جائے "لَا تُصَلِّ اِلَّا وَاَنْتَ خَاشِعٌ" یعنی "تم نماز نہیں پڑھنا مگر اس حال میں کہ تم خشوع کرنے والے ہوا کرو"۔ سو یہاں پر نہی نماز سے نہیں بلکہ عدمِ خشوع سے ہے۔ مطلب یہ کہ تم جب بھی نماز پڑھو خشوع وخضوع والی نماز پڑھو۔ پس یہ بلاغت کا ایک معروف اور مؤثر اسلوب ہے، جس کو یہاں اختیار فرمایا گیا ہے۔ تا کہ انسان ہمیشہ اپنی موت کو یاد رکھے اور اس کے لیے تیاری کرے - وباللہ التوفیق۔

۳۶۸ یہودیوں کے بہتان کی تردید ایک خاص اسلوب سے:- یعنی یہ کہ کیا تم لوگ یعقوب کی موت کے وقت وہاں موجود تھے؟ اے گروہِ یہود ونصاریٰ، اور اگر تم وہاں موجود نہیں تھے، اور ظاہر ہے کہ نہیں تھے، تو پھر تم یہ دعویٰ کیسے اور کس بنیاد پر کرتے ہو کہ انہوں نے اس وقت اپنی اولاد کو یہودیت اور نصرانیت کی وصیت کی تھی؟ سو یہ کتنا بڑا جھوٹ اور افتراء ہے جو تم لوگ اپنے اس جدِّ امجد کی پاکیزہ ہستی پر باندھ رہے ہو؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - کیا اپنے بڑوں سے انتساب کا یہی طریقہ ہوتا ہے؟۔ سو حضرتِ یعقوب کا دین ومذہب بھی اسلام ہی تھا اور انہوں نے اپنے بعد اپنی اولاد کو اسی کی تعلیم وتلقین فرمائی کہ دین اللہ تعالیٰ کے یہاں اسلام ہی ہے - ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام﴾ الآیۃ - اس کے خلاف جن لوگوں نے دوسرے مختلف ناموں سے اور دین بنا رکھے ہیں وہ سب ان کی اپنی ایجاد واختراع ہے۔ اللہ کی طرف سے ایک ہی دین سب کے لیے آیا ہے۔ یعنی اسلام جو کہ اس پوری کائنات کا دین ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ﴾ - [آل عمران: ۸۳] - سو دینِ حق اسلام ہی ہے جو کہ دین ہے پوری کائنات کا۔

۳۶۹ معبودِ برحق سب کا ایک ہی ہے یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک:- سو ان سب نے کہا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے کہ معبودِ برحق تو بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ بدنی، مالی، زبانی، قالبی اور قلبی عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ خواہ وہ قیام اور رکوع وسجود ہو یا نذر ونیاز یا دعا واستغاثہ یا خوف ورجا وغیرہ۔ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے کہ معبودِ برحق بہر کیف وہی وحدہٗ لاشریک ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اسکے سوا اور کسی کیلئے بھی عبادت وبندگی کی کوئی بھی قسم بجا لانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے - والعیاذ باللہ العظیم - سو کتنے ظالم اور کس قدر بہکے بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو غیر اللہ کے آگے جھکتے، انکے آگے سجدہ کرتے، انکے ناموں کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے اور انکو اپنی حاجت روائی ومشکل کشائی کیلئے پکارتے ہیں۔ سو یہ سب جہالت کے نمونے اور شرکیات کے پلندے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا

اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں، (بہرکیف) یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے ہے وہ کچھ

كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا

جو انہوں نے کمایا (اپنی زندگی میں،) اور تمہارے لئے ہے وہ کچھ جو تم نے خود کمایا ف ۳۷۵ اور تم سے کوئی پوچھ نہ ہوگی ان کاموں کے

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ

بارے میں جو وہ کرتے رہے تھے، مگر (اس سب کے باوجود) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہودی بن جاؤ، یا نصرانی، تو ہدایت پا جاؤ گے ف ۳۷۶

قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

کہو (نہیں) بلکہ ملت ابراہیمی کو اپناؤ ف ۳۷۷ جو کہ یکسو (ہو کر ایک اللہ کا ہو گیا) تھا اور اس کا مشرکوں سے

الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوۡلُوۡٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَآ

کوئی لگاؤ نہیں تھا ف ۳۷۸ کہو (تم مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی،) ہم تو بہر حال ایمان لائے اللہ پر، اور اس (وحی) پر جو اتاری گئی ہماری طرف، اور

۳۷۵ ہر کوئی اپنے ہی کئے کرائے کا ذمہ دار ہے:- یہود و نصاریٰ کا یہ زعم اور دعویٰ تھا کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ پس یہی بات ہمارے لئے کافی ہے اور اسی انتساب کی بناء پر ہمارا سب کام ٹھیک ہو جائیگا۔ تو ان کو بتایا گیا ہے کہ تمہارا یہ زعم باطل اور بے بنیاد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں فیصلے کا دار و مدار انتساب پر نہیں، اپنے عقیدہ و کردار پر ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ﴾ - یہ حضرات اللہ پاک کی برگزیدہ اور پاکیزہ ہستیوں کی ایک جماعت تھی جو گزر چکی۔ ان کو اپنا عمل و کردار کام آئیگا اور تم لوگوں کو اپنا۔ نہ تم سے ان کے بارے میں کوئی پوچھ ہوگی اور نہ انکا انتساب تمہیں کچھ کام آسکے گا، جبکہ تمہارا اپنا عقیدہ و ایمان درست نہ ہو۔ افسوس کہ یہود و نصاریٰ کی اس بیماری کے جراثیم امتِ مسلمہ کے اندر بھی آج جگہ جگہ اور طرح طرح سے پائے جاتے ہیں، کتنے ہی لوگ مسلمان کہلانے والوں میں ایسے موجود رہے، اور آج تک ہیں، جو کہتے ہیں، اور جن کا زعم اور گھمنڈ یہ ہے کہ ہم بزرگوں کی اولاد، اور فلاں گدی کے مجاور ہیں۔ نسلی شاہ اور خاندانی سید ہیں۔ جو مرضی کرتے رہیں، کچھ فرق نہیں پڑتا۔ نہ عقیدے کی فکر نہ عمل کی پروا۔ اور اس دھوکے میں وہ متاعِ عمر کو یونہی ضائع کر رہے ہیں۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔ جبکہ حضرت امام الانبیاء اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ سے فرماتے ہیں کہ "فاطمہ تم مجھ سے دنیاوی مال و دولت میں سے جو چاہو مانگو میں دینے کو تیار ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکونگا"۔ اور اسی طرح اپنے خاندان کے دوسرے مختلف افراد کو بھی بلا کر اور پکار کر اسی طرح فرمایا، جیسا کہ احادیث میں موجود

ہے مگر اس سب کے باوجود ان لوگوں کا کہنا یہ ہے۔ بہر کیف دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے ہر کوئی اپنے کئے کرائے کا ذمہ دار خود ہے۔ اور اس کو اسی کا جواب دینا ہوگا۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

۲۷۱ یہود و نصاریٰ کے ایک بے بنیاد زعم کی تردید: ۔سو اس سے یہود و نصاریٰ کے ایک بے بنیاد زعم و گھمنڈ کا ذکر اور اسکی تردید فرمائی گئی ہے۔ یعنی ان کے اس زعم اور گھمنڈ کی کہ ہمیں بس یہ انتساب ہی کافی ہے اور کچھ ضرورت نہیں ۔ یہی حال آج کے اہلِ بدعت وغیرہ زائغین کا ہے جو اسی طرح کے مختلف فرضی سہاروں پر تکیہ کئے اور آس لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم چونکہ فلاں ہستی کی اولاد اور فلاں حضرت کے دامن گرفتہ ہیں۔ اور سگِ درگاہِ فلاں ہیں۔ لہٰذا ہمیں کسی کی پروا نہیں۔ جو چاہیں کریں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہود اور نصاریٰ باہمی عداوت اور دشمنی کے باوجود کلامِ دشمنی کی بناء پر آپس میں متحد ہو کر کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی بن جاؤ یا نصرانی تمہارا کام بن جائے گا۔ اور تم ہدایت پا جاؤ گے، یعنی یہ دونوں دین ٹھیک ہیں لیکن انکے مقابلے میں اسلام کے نام سے جو نیا دین آیا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ سو یہ سب کچھ خرافات اور ان لوگوں کی من گھڑت اور خود ساختہ باتیں ہیں جن کی نہ کوئی اصل ہے، اور نہ اساس و بنیاد۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- نجات کا دار و مدار صحتِ عقیدہ اور عمل و کردار پر ہے۔ اور ہر کوئی اپنا ذمہ دار خود ہے۔

۲۷۲ ملتِ ابراہیمی کو اپنانے کی تعلیم و تلقین :۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ملتِ ابراہیمی کو اپناؤ۔ یعنی ''مِلَّةَ'' کا ناصب ''اتَّبِعُوْا'' یا اس جیسا کوئی فعل مقدر ہے۔ یا اس کی بجائے یہ عاملِ مقدر جمع متکلم کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے یعنی '' نَتَّبِعُ '' کہ یہودیت و نصرانیت نہیں بلکہ ہم ملتِ ابراہیمی ہی کی پیروی کرتے ہیں، یا اس کی جگہ ''اِخْتَرْنَا'' مقدر مانا جائے، کہ نہیں بلکہ ''ہم نے ملتِ ابراہیمی کو اختیار کر لیا'' اور اپنا لیا ہے کہ مدارِ نجات یہی ملتِ طاہرہ ہے ، نہ کہ یہودیت و نصرانیت وغیرہ۔ سو اس طرح کا کوئی بھی فعل اس کا ناصب مانا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اس کے ذریعے یہ صاف کر دیا گیا کہ نجات کی راہ صرف ملتِ ابراہیمی ہے اور بس۔ جو اب دینِ حنیف اسلام کی صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ بہر کیف اس سے ملت ابراہیمی کو اپنانے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔

۲۷۳ حضرت ابراہیم کی مشرکوں سے براءت کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا ہے کہ ابراہیم کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا پس اس سے حضرتِ ابراہیم کی یہود و نصاریٰ اور مشرکین سب سے براءت و بیزاری کا اعلان و اظہار فرما دیا گیا کہ ابراہیم کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ پس مشرکینِ مکہ کی طرح یہود و نصاریٰ کا بھی حضرتِ ابراہیم سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا کہ یہ سب لوگ مشرک تھے اور مشرک ہیں کہ مشرکینِ مکہ نے تو مرکزِ توحید، خانہ کعبہ کو بھی بتوں کی نجاست سے آلودہ کر دیا تھا۔ اور جو گھر صرف اللہ پاک - سبحانہٗ و تعالیٰ - کی عبادت و بندگی کیلئے اور اس کی توحید کی اساس و بنیاد پر ہی بنایا گیا تھا، اس میں بھی انہوں نے تین سو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے، جبکہ یہود و نصاریٰ نے حضرتِ عزیر اور حضرتِ عیسیٰ جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کو اللہ کا بیٹا قرار دے رکھا تھا۔ سو ایسے مشرکوں کا حضرتِ ابراہیم سے تعلق و انتساب کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ کہ جن کا مشرکوں سے کسی بھی طرح کا کوئی لگاؤ نہیں تھا ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ پس یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضرتِ ابراہیم کے انتساب میں قطعی جھوٹے ہیں کہ یہ سب شرک میں ملوث اور اسکے روگی ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

أُنْزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

اس پر بھی جسے اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب،

وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَآ أُوتِيَ

اور ان کی اولاد ف۳۷۴ کی طرف، اور جو کچھ کہ دیا گیا موسٰی اور عیسٰی کو، اور اس سب پر بھی جو کہ دیا گیا

النَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ ج لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ صلے

دوسرے تمام انبیاء کرام کو، ان کے رب کی جانب سے ف۳۷۵ ہم ان کے درمیان کسی بھی طرح کی کوئی تفریق نہیں کرتے، ف۳۷۶

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ

اور ہم بہرحال اسی (وحدہٗ لاشریک) کے فرمانبردار ہیں، پس اگر یہ لوگ ف۳۷۷ اسی طرح کا ایمان لے آئیں جس طرح کا تم لائے ہو ف۳۷۸

فَقَدِ اهْتَدَوْا ج وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ج

تو یقیناً یہ ہدایت پا گئے، اور اگر یہ (اس کے بعد بھی) پھرے ہی رہے، تو یقیناً یہ ضد (اور ہٹ دھرمی کی دلدل) میں پڑے ہیں، ف۳۷۹

۳۷۴ "اَسباط" کا معنٰی و مفہوم؟:- "اَسباط" سے مراد ہے اولادِ یعقوب۔ سو جس طرح بنی اسماعیل کی اولاد میں مختلف خاندانوں کو قبائل کہا جاتا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کی اولاد میں ان کو "اَسباط" کہا جاتا تھا۔ اور حضرتِ یعقوب کی یہ اولاد بارہ کی تعداد میں تھی، جن سے آگے مختلف خاندان چلے اور پھیلے۔ بہرکیف ارشاد یہ فرمایا گیا ہے کہ ان سب حضرات کا دین ایک ہی دین تھا، یعنی اسلام اور ہم نے اسی دینِ حق کو اپنا رکھا ہے۔ اب اگر تم لوگ بھی اس کو اپناؤ گے تو خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہوگا ورنہ اس کا بھگتان خود تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ سو دینِ حق سے محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ - سب سے بڑی محرومی ہے، جو آگے طرح طرح کی گمراہیوں اور محرومیوں کی جڑ بنیاد ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ - اللہ ہر فتنے اور محرومی سے محفوظ رکھے - آمین۔

۳۷۵ تمام انبیاء ورسل پر ایمان رکھنے کا معنٰی و مطلب؟:- کہ وہ سب کچھ حق اور سچ تھا اور اپنے اپنے زمانے میں ہدایت و نجات کا دار و مدار اسی پر تھا۔ مگر اب آخری اور کامل وحی کے آجانے کے بعد جو کہ قرآنِ حکیم کی صورت میں آچکی ہے، وہ سب پچھلی کتابیں اور گزشتہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اب ہدایت اور نجات کی راہ صرف ایک ہی ہے، یعنی قرآنِ حکیم پر سچا پکا ایمان اور صرف اسی کی اتباع و پیروی، جو کہ عقل و نقل کے عین مطابق، اور ایک واضح حقیقت ہے۔ اب قیامِ قیامت تک یہی دینِ حق معیارِ حق و ہدایت اور مدارِ نجات و فلاح کے طور پر باقی رہے گا، جیسا کہ حضرتِ نبی اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ "آج اگر موسٰی اور عیسٰی بذاتِ خود زندہ موجود ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہیں تھا"۔ سو اب

نجات دینِ حنیف اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ ہی میں محصور ومنحصر ہے۔اس کے سوااور کوئی صورت ممکن نہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۲۷۶ **جملہ انبیاء ورسل پر ایمان لانا ضروری ہے:** - کیونکہ یہ تمام حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے تھے اس لیے ان سب پر ایمان لانا ضروری تھا۔ پس حضراتِ انبیاء ورسلِ کرام کے درمیان ایمان کے اعتبار سے تفریق جائز نہیں۔ کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، سو ہم اس کے کسی بھی طرح روادار نہیں ہو سکتے، بلکہ ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ ہم حق کو ماننے والے ہیں، خواہ وہ کہیں بھی ہو اور کسی بھی شکل میں ہو۔ پس حضراتِ انبیاء ورسلِ کرام میں سے کسی کا بھی انکار کرنا کفر ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور یہ شرف پوری دنیا میں صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ وہ تمام ہی انبیاء ورسل پر سچا پکا ایمان رکھتے ہیں اور اب نجات صرف حضرتِ خاتم الانبیاء والرسل اور تمام انبیاء ورسل کے امام اور ان کے افضل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع اور آپ کی ملت کی پیروی ہی میں منحصر ہے۔ کیونکہ آپ کی ملت گزشتہ تمام ملتوں کی خاتم اور ان کی ناسخ ہے - علیہ افضل الصلوات واتم التسلیمات - اور آپ کی لائی ہوئی کتابِ حکیم قرآنِ مجید گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کی اصولی تعلیماتِ مقدسہ کی امین و پاسدار اور محافظ ونگہبان ہے اور ان کی تعلیمات اپنی اصلی اور صحیح شکل میں قرآنِ حکیم کے سوا اور کہیں بھی نہیں مل سکیں گی۔ اسی لیے اس کتابِ حکیم کی صفت "مھیمن" بھی فرمائی گئی ہے۔یعنی یہ ان تمام کتابوں کی اصولی ہدایات وتعلیمات کی محافظ وامین اور نگہبان اور پاسدار کتاب ہے - والحمدللہ جل وعلا -

۲۷۷ **حضراتِ صحابہ کرام کا ایمان معیارِ حق وصداقت:** - یعنی اگر یہ لوگ سب انبیاء ورسل پر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح کہ تم لائے ہو تو یہ ہدایت پا گئے اور کامیاب ہو گئے۔سو یہ ایک بڑا اہم اور بنیادی ضابطہ ہے جو یہاں بیان فرمایا گیا ہے، اور جس سے ھدایت وضلالت کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے، کہ کون حق و ہدایت پر ہے، اور کون نہیں۔ پس جو بھی کوئی صحابہ کرام کی طرح کا ایمان نہ رکھتا ہو، وہ حق اور ہدایت پر نہیں ہو سکتا، خواہ اس کا تعلق پہلے کی امتوں سے ہو یا اس امت سے۔ پھر ان بدبخت لوگوں کے حق پر ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے؟ جو حضراتِ صحابہ کرام کے ایمان کو نمونہ ومثال بنانے کی بجائے الٹا ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسائیں، تبرّیٰ کریں، اور طرح طرح سے ان کی توہین وتنقیص کا ارتکاب کریں۔ اور اس حد تک کہ کھلے کافر بھی نہ کر سکیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اسی طرح وہ اہلِ بدعت بھی حق پر قرار نہیں دیئے جا سکتے جو کہ صحابہ کرام سے عشق ومحبت کے دعوے کرنے کے باوجود عقیدہ وعمل کے دونوں میدانوں میں ان کے طور طریقوں سے ہٹے ہوئے ہوں، اور وہ ایسی ایسی بدعتوں، اور نت نئے طریقوں، کو دین میں شامل کر رہے ہوں، جن کا ضرورت اور داعیہ کے باوجود صحابہ کرام کے اس پاکیزہ دور میں کوئی ثبوت و وجود نہیں ملتا۔اسی لئے نبئ اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے افتراقِ امت سے متعلق اپنی مشہور حدیثِ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ کی توضیح میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ ہونگے جو میرے اور میرے صحابہ کے طور طریقے پر ہونگے ان کے سوا باقی کے تمام بہتر فرقے دوزخ میں ہونگے "کلھم فی النار الا واحدۃ" اور اللہ کے رسول کے طریقے سے مراد ہے آپ کی سنت جو کتبِ حدیث میں تمام وکمال موجود ومحفوظ ہے۔سو آپ کی اور آپ کی ان قدسی صفت صحابہ کرام کی جماعت کو ماننے والے اور ان کے طریقہ پر چلنے والے لوگ ہی حق والے اور نجات کے حقدار ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں، کہیں کے

بھی ہوں، انہی کو جاتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ۔ یعنی جو آپ کی سنت کو بھی مانتے اور اپناتے ہیں اور آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحابۂ کرام کی پوری جماعت کو بھی کہ ان سب ہی حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ کا عظیم الشان اور بے مثال سرٹیفکیٹ مل چکا ہے۔ پس جو لوگ پیغمبر کی سنت کے منکر اور اس کے تارک ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور جو صحابۂ کرام سے بغض و عناد رکھتے ہیں اور ان میں سے کچھ کا ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسکے لئے اپنا معیار بناتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور جو سنت کے خلاف اپنی طرف سے طرح طرح کی بدعات و خرافات کو دین میں داخل کرتے ہیں اور اس دینِ کامل میں اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کرتے ہیں وہ سب اسی سیدھی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں اور وہ دوزخ کی راہ پر چل رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر قائم رکھے۔ آمین۔

۳۲۸ ضد اور ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت و محرومی۔ والعیاذُ باللہ: سوایسوں کا حق کی طرف لوٹنا بڑا ہی مشکل امر ہے۔ کیونکہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ کیونکہ نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی کیلئے اولین شرط اور بنیادی تقاضا ہے، طلبِ صادق اور رجوع الی الحق، اور اس سے یہ لوگ محروم ہیں، تو پھر ان کو حق و ہدایت کی دولت ملے تو کیسے اور کیونکر؟ سو ضد اور ہٹ دھرمی باعثِ ہلاکت و محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ شقاق اس عداوت و دشمنی کو نہیں کہا جاتا جو حق کی بنا پر ہو یا معمولی نوعیت کی ہو بلکہ شقاق اس سخت قسم کی اور سنگین نوعیت کی عداوت و دشمنی کو کہا جاتا ہے جو ایسی بڑی مخالفت اور دشمنی ہو کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عداوت و دشمنی میں ڈالنے والی ہو اور وہ اس کو اس کے غضب اور اس کی لعنت کا مستحق بنا دینے والی ہو اور اس سے انسان دوزخ کا مستحق بن جاتا ہو۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس ارشاد میں منکرین کے لیے بڑی وعید ہے اور اس لفظ سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ حق اور اہلِ حق کے خلاف اپنے دلوں میں سخت عداوت و دشمنی رکھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر یہ ان کو تکلیف اور ایذاء پہنچانے کے درپے ہیں وہ یقیناً سخت عناد اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے اس کے بعد آنحضرت۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی تسکین و تسلی سے نوازا گیا ہے۔ (محاسن التاویل للقاسمی)

۳۲۹ اللہ تعالیٰ کی حمایت کافی و وافی، سبحانہٗ و تعالیٰ: پس اللہ تعالیٰ کی حمایت و کفایت کے بعد اور کسی کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافی ہے آپ کو اللہ ان سب کے مقابلے میں۔ اور جب ان کے مقابلے میں اللہ آپ کو کافی ہو جائے جو کہ قادرِ مطلق بھی ہے اور سب کا خالق و مالک بھی۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور اس کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی جان بھی نہیں سکتا، تو پھر آپ ﷺ۔ کو اے پیغمبر ان دشمنوں کی پرواہ ہی کیا ہو سکتی ہے؟۔ صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ۔ پس جس کا تعلق اپنے خالق و مالک سے صحیح ہو اور اس کا بھروسہ و اعتماد اسی پر ہو۔ اس کے لئے فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ مگر افسوس کہ آج کا جاہل مسلمان اور اپنے دین و ایمان کی قدر و قیمت سے غافل و بے خبر انسان، اس سیدھی اور صحیح راہ کو چھوڑ کر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ قبروں آستانوں کے پھیرے مانتا، وہاں کے چکر لگاتا، بکرے چھترے کاٹتا، شرکیہ تعویذ گنڈھے کرتا اور امام ضامن باندھنے جیسے شرک کا مرتکب ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ مگر اللہ پر بھروسہ رکھنے اور اسکی طرف توجہ کرنے کی توفیق اسکو نصیب نہیں ہوتی۔ الا ماشاء اللہ۔ تو پھر اسکی بگڑی بنے تو کیسے اور کیونکر؟۔ اللهم فکن لنا ولا تکن علینا وخذ بنواصینا الی ما فیه حبک ورضاک۔ بہرکیف قرآن و سنت کی تعلیم یہی ہے کہ دل کا بھروسہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہو۔ وباللہ التوفیق۔

فَسَيَكۡفِيكَهُمُ ٱللَّهُۚ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾ صِبۡغَةَ

سو اللہ کافی ہے آپ کو ان سب کے مقابلے میں ف۳۸۰ اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا ف۳۸۱ (کہو رنگ اپنانا ہے تو) اللہ کا (معنوی اور ایمان

ٱللَّهِۖ وَمَنۡ أَحۡسَنُ مِنَ ٱللَّهِ صِبۡغَةٗۖ وَنَحۡنُ لَهُۥ

ویقین والا) رنگ اپناؤ ف۳۸۲ اس سے بڑھ کر اچھا رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے؟ اور ہم بہر حال اسی (وحدہٗ لاشریک) کے

۳۸۰ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہی ہے سننے اور جاننے والا سو وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو ہر کسی کی سنتا اور ہر حال میں سنتا ہے، اور ہر شے اور ہر حال کو جانتا اور پوری طرح جانتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس حقیقت کو جا بجا اور طرح طرح سے بتاکید وتکرار بیان فرمایا گیا ہے، کیونکہ اس ایمان ویقین کے پختہ ہو جانے کے بعد بہت سے دروازے شرک وشرکیات کے خود بخود بند ہو جاتے ہیں، مگر جاہل انسان کا حال کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے، کہ وہ اس وحدہٗ لاشریک کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے طرح طرح کے شرکیہ فلسفے بگھارتا ہے، جیسے یہ کہ بھئی تم جب دنیاوی بادشاہوں وغیرہ میں سے کسی سے بلاواسطہ اور براہِ راست نہیں مل سکتے، تو اللہ سے کیسے ملو گے؟ اور اگر کسی حاکم و بادشاہ کے پاس تم پہنچ بھی گئے تو تمہاری وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوگی، جب تک کہ تم کوئی وسیلہ نہ پکڑو۔ تو پھر تم اللہ تعالیٰ سے براہِ راست اور بلاواسطہ کیسے مل سکتے ہو؟ لہٰذا وہاں بھی ایسے واسطوں کا ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعے ہم اپنی دعاء والتجاء اس تک پہنچا سکیں۔ ہماری اِن کے آگے اور اِن کی اُن کے آگے۔ وہ ہماری سنتا نہیں، اور ان کی رد نہیں کرتا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ تمام مفروضے خود ساختہ اور بے بنیاد ہیں، اور ان کی اور اس طرح کے دوسرے تمام مفروضوں کی بنیادی غلطی اور اساسی خرابی یہ ہے کہ ان میں حضرت حق ۔ جَلَّ جَلَالُهٗ ۔ کو مخلوق پر قیاس کیا گیا ہے، حالانکہ وہ وحدہٗ لاشریک خالق اور دائرۂ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ اسی لئے اس کے لئے از خود مثالیں بنانے سے صاف اور صریح طور پر منع فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔ ﴿فَلَا تَضۡرِبُواْ لِلَّهِ ٱلۡأَمۡثَالَۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ﴾ [النحل: ۷۴] پس اللہ تعالیٰ کیلئے از خود مثالیں گھڑنا درست نہیں۔ کیونکہ انسان اپنے طور پر جو بھی کوئی مثال پیش کرے گا وہ مخلوق ہی کی مثال ہوگی کہ اسکی کھوپڑی مخلوق اور محدود ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ خالق اور مخلوق کے دائرہ سے وراء الوراء ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اسکو اسی طرح مانا جائے جس طرح کہ اس نے اپنے بارے میں خود بتایا ہے اور جس طرح کہ اسکے رسول نے بتایا ہے اور بس۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اور پیغمبر کا بیان اللہ ہی کا بیان ہوتا ہے۔

۳۸۱ اللہ کا رنگ اپنانے کی تعلیم وتلقین: ۔ یعنی ﴿صبغۃ اللہ﴾ کا ناصب محذوف ہے جس سے اللہ کے رنگ کو اپنانے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ رنگ اللہ ہی کا رنگ ہے جو چڑھتا ہے دلوں کی دنیا پر اور جو حاصل ہوتا ہے ایمان ویقین کی دولت سے، سو ایمان ویقین کا یہ رنگ ایک انقلاب آفریں رنگ ہے جو کہ چڑھتا ہے اپنی اصل واساس کے

اعتبار سے سلطانِ دل پر۔ اور پھر اس کے خوشبوئیں بکھیرتے اور رحمتیں پھیلاتے آثار ونتائج ظاہر ہوتے ہیں اعمال و کردار کے ہر دائرے میں۔ اور اس طرح وہ معنوی اور پاکیزہ رنگ، اپنی عطر بیزیوں سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر ایسا حاوی اور محیط ہو جاتا ہے کہ انسان کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ اور اسکو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے کہ وجودِ انسانی کی اس اہم سلطنت کا بادشاہ تو دل ہی ہے۔ وہ جس بھی رنگ میں رنگا جائے گا، اسی کے آثار ونتائج اس کے ظاہر پر ہویدا ہونگے۔ اگر سلطان دل کا یہ رنگ صحیح ہوا تو اس کے اثرات اس کے ظاہر پر، اور معاشرے میں ہر طرف، پھیلیں گے اور حیاتِ طیبہ ''پاکیزہ زندگی'' کا دور دورہ ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ معاملہ دوسرا ہوا تو اس کے نتیجے میں شر انگیزی کے زہریلے دھوئیں پھیلیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اسی کو نبوت کی لسانِ حق ترجمان نے اس طرح بیان فرمایا ہے'' آگاہ رہو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ درست ہوا تو پورا جسم درست رہے گا۔ اور اگر وہ خراب ہو گیا تو پورا جسم خراب ہو جائیگا۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے''۔ یہود ونصاریٰ اپنے بچوں کو اور اپنے دین میں داخل ہونے والے کسی نئے شخص کو ایک خاص قسم کے رنگ سے رنگتے اور کہتے کہ اب یہ اس دین میں پکا ہو گیا ہے۔ اس کو وہ ''بپتسمہ'' کہتے تھے۔ اس پر فرمایا گیا کہ اس طرح کے ظاہری اور خود ساختہ بناوٹی رنگوں سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ اصل اور حقیقی رنگ اپناؤ جو کہ ایمان ویقین کا وہ معنوی اور حیات آفریں رنگ ہے جو دل پر چڑھتا ہے۔ اور پھر وہ انسان کے ظاہر وباطن میں انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ سو فکر اس کی کرو نہ کہ ان ظاہری رسوم ورواج کی۔ یہاں سے یہ اہم اصول اور ضابطہ ملا کہ اسلام کی نظر میں اصل اہمیت قلب وباطن کی ہے نہ کہ محض ظاہری رسوم وطقوم کی۔ کیونکہ باطن اگر سنور جائے تو ظاہر کی اصلاح خود بخود ہوتی جاتی ہے، مگر افسوس کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی کتنی ہی تعداد ایسوں کی ہے جن کی ساری تگ ودو کا محور ومرکز ظاہر اور صرف ظاہر ہے۔ وہ قسما قسم کے رنگ بدلتے، خاص پٹے ڈالتے، طرح طرح کی بناوٹیں اپناتے، اور الگ الگ ٹولیاں بناتے، نیلی پیلی خاص سٹائل کی پگڑیاں باندھتے، قطع نظر اس سے کہ پیغمبر ﷺ کی سنت اور آپ ؐ کا اسوۂ کیا ہے، اور دین کی سچی تعلیمات کیا کہتی ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۳۸۲ اللہ کا رنگ ہی سب سے بہتر ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے رنگ سے بڑھ کر اچھا رنگ اور کسی کا ہو سکتا ہی نہیں یعنی استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اللہ کے رنگ سے بڑھ کر اچھا رنگ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ پس اصل میں اسی کا فکر واہتمام کرنے کی ضرورت ہے، کہ وہی معنوی، روحانی، اور باطنی رنگ ہے جو اصل مطلوب ہے۔ جو انقلاب آفریں اور حیات بخش ہے۔ اور جو انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ اسکے سوا باقی سب بے بنیاد اور بے حقیقت ظاہر داریاں ہیں، اور بس۔ جو محض دھوکے کا سامان ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر لوگ اپنی متاعِ عمر کو یونہی ضائع کر رہے ہیں، اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح یہ اپنا کس قدر سنگین اور ہولناک نقصان کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ظواہر ومظاہر پر فریفتہ ہونے والوں کو اس حقیقتِ صادقہ سے واقف وآگاہ ہو جانا چاہیے کہ یہ سب کچھ فانی اور بے حقیقت ہے۔ اصل چیز باطن اور اس کا رنگ ہے۔ اسی پر اصل توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ

عبادت گزار ہیں، کہو کیا تم لوگ ہم سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہی رب ہے ہمارا بھی، اور

رَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ

تمہارا بھی، اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، اور ہم اسی کے لئے

مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

خالص کرنے والے ہیں، (اپنی عبادت و بندگی کو،) و۳۸۳ کیا تم لوگ یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل،

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ

اسحٰق، اور یعقوب، اور ان کی اولاد، یہودی، یا

نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

نصرانی تھے؟ کہو کیا تم لوگ زیادہ جانتے ہو، یا اللہ؟ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے

كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

جو چھپائے اس گواہی کو جو خود اس کے پاس موجود ہو اللہ کی طرف سے؟ اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

کر رہے ہو، و۳۸۴ (بہرکیف) یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی، ان کے لئے ہے انکی وہ کمائی جو انہوں نے کی،

ع ۱۶/۱۲/۱۶ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

اور تمہارے لئے ہے وہ کمائی جو تم نے کی، اور تم سے پوچھ نہیں ہوگی ان کاموں کے بارے میں جو وہ لوگ کرتے رہے تھے و۳۸۵

۳۸۳ قبولیت عنداللہ کی اساس صدق و اخلاص پر: —سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی اساس صدق و اخلاص ہے، پس اس کے یہاں صرف وہی عمل شرفِ قبولیت پا سکتا ہے اور قابل قبول ہو سکتا ہے جو خالص اسی کیلئے ہو۔ اس میں اور کسی طرح کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔ اور جب اللہ یہ بتاتا ہے کہ یہ سب حضرات اسی کے مسلم و فرمانبردار تھے، اور ان سب کا دین اسلام ہی تھا، تو پھر تم لوگ اسکے برعکس دوسرے بے بنیاد دعوے کس

طرح کرتے ہو؟ اور یہودیت اور عیسائیت وغیرہ کے مختلف ناموں سے دین کے دوسرے مختلف ایڈیشن کس طرح تصنیف کرتے اور ان کو رواج دیتے ہو؟ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کی اساس و بنیاد صدق و اخلاص ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ویسا جو اسکے یہاں شرفِ قبولیت پانے والا ہو۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۸۴ اللہ سے کچھ مخفی نہیں ہوسکتا: -سو ارشاد فرمایا گیا "اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو"۔ اور اس نے تمہارے سب کرتوتوں کا ریکارڈ بھی تیار کر رکھا ہے اور پوری باریکی اور نہایت محکم طریقے کے ساتھ جس کے مطابق تمہیں اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ پس تم سوچو اور پوری طرح سے سوچ اور دیکھ لو کہ تم کس انجام کی طرف جا رہے ہو۔ اور آگے تم لوگوں کو کس مہیب نتیجہ و انجام سے سابقہ پیش آنے والا ہے۔ لہٰذا اسکو سوچ کر تم اپنی اصلاح کر لو قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اور تمہیں ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اور اس طرح کی کسی غلط فہمی میں کبھی نہیں رہنا کہ اللہ تمہارے کیے کرائے سے غافل اور بے خبر ہے بلکہ وہ تمہارے ہر حال کو دیکھتا اور جانتا ہے۔

۳۸۵ صرف آباء و اَجداد کا انتساب کافی نہیں: -جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ اور گھمنڈ تھا اور ان کا کہنا تھا- ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾- کہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں"۔ سو اس ارشاد سے آباء و اجداد کے انتساب پر بڑائی کے زعم و گھمنڈ پر ضرب کاری کو مکرر ذکر فرمایا تاکہ ان کے دماغوں سے یہ زعم نکل جائے کہ ہم بڑوں اور بزرگوں کی اولاد ہیں۔ اور یہی انتساب ہمارے لئے کافی ہے۔ ہم بخشے بخشوائے ہیں۔ اللہ کے بیٹے، اور اس کے پیارے ہیں ﴿اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئیگی بھی نہیں، بجز گنتی کے کچھ دنوں کے ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح اُمّتِ مُحَمَّدِیہ- عَلٰى صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ تَحِيَّةٍ - کو یہ درس دیا جا رہا ہے کہ تم لوگ اس طرح کے مزاعمِ فاسدہ سے بچ کر رہنا، جن میں مبتلا ہو کر یہود و نصاریٰ راہِ راست سے بھٹک گئے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- مگر افسوس کہ اس امتِ مرحومہ کا جاہل طبقہ اور اہلِ زیغ و ضلال کا گروہ بھی، آج ایسے ہی جھوٹے مزاعم اور من گھڑت دعووں کو گلے لگائے ہوئے ہے، اور یہ لوگ ٹھاٹھ سے کہتے ہیں کہ ہم "سید ہیں"، "صاحبزادے ہیں"، "فلاں حضرت کی اولاد" اور فلاں گدی کے خادم و مجاور ہیں"۔ فلاں "سرکار" سے نسبت رکھنے والے اور "سگِ درگاہ" ہیں۔ ہمیں کسی کی کیا پرواہ، اور کسی عمل اور محنت کی کیا ضرورت؟ ہمیں تو بس یہ تعلق و انتساب ہی کافی ہے، اسی سے ہمارا کام بن جائیگا وغیرہ وغیرہ۔ سو اس طرح کے فاسد عقائد کی جڑ کاٹنے کے لئے اس ارشاد کو مکرر لایا گیا کہ وہ بزرگ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور اپنا کیا کرایا اپنے ساتھ لے گئے، جس کا پھل وہ خود پائیں گے۔ تمہیں ان سے یہ انتساب کچھ کام نہیں دیگا بلکہ ان کی سچی تعلیمات کے مطابق اپنے عقیدہ و عمل کی اصلاح کرنے ہی سے تمہاری بگڑی بن سکتی ہے اور تمہاری بہتری ہوسکتی ہے ورنہ یہ سب کچھ سراب اور دھوکہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- پس تم لوگ ان بزرگوں سے انتساب پر فخر اور اکتفاء کرنے کی بجائے، ان کے طور طریقوں کو اپنانے اور ان کے متعین کردہ راستوں پر چلنے کی فکر و کوشش کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو، اور ان سے انتساب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انکی سچی تعلیمات کو اپنایا جائے۔ محض انتساب پر فخر کرنا اور عمل و کردار سے منہ موڑ لینا کچھ بھی کام نہیں کہ- اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست- یعنی راہِ حق میں محض فلاں ابن فلاں کا کوئی درجہ و مقام نہیں بلکہ ایمان و یقین، صحتِ عقیدہ اور عمل و کردار کی پونجی درکار ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، وہو الہادی الی سواء السبیل-

❀❀❀❀❀❀

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ

بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو ان کے

قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ

اس قبلے سے جس پر یہ لوگ (اس سے پہلے) تھے ف۳۸۶ کہو اللہ ہی کے لئے ہے مشرق بھی، اور

الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

مغرب بھی، ف۳۸۷ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ (کی توفیق) سے نوازتا ہے، ف۳۸۸

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ

اور اسی طرح ف۳۸۹ ہم نے تمہیں ایک توسط (واعتدال) والی امت ف۳۹۰ بنایا، تاکہ تم باقی لوگوں پر

۳۸۶ ایک پیشینگوئی اور اسکی تصدیق کا ذکر و بیان: ـ سو اس سے تحویلِ قبلہ سے متعلق قرآنِ حکیم کی ایک پیشینگوئی اور اس کی تصدیق سامنے آئی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ "عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر یہ لوگ اب تک تھے"۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ ان لوگوں نے تحویلِ قبلہ کے اس حکم پر اسی طرح کے اعتراضات کر کے اپنی حماقت و سفاہت کا ثبوت بہم پہنچا دیا، سو یہ بھی قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ ہے کہ اس نے جیسے پیشگی خبر دی تھی ویسے ہی ہوا۔ ورنہ ان لوگوں کے لئے یہ موقع تھا کہ جس قرآن کی مخالفت میں وہ دن رات ایک کئے ہوئے تھے، اس کی اس پیشینگوئی کو غلط ثابت کرنے کیلئے ـ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ـ وہ اس طرح کا کوئی اعتراض نہ کرتے اور پھر کہتے کہ لو جی قرآن کی یہ پیشینگوئی غلط ثابت ہوگئی ـ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ـ کہ ہم نے ایسا کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر اس کی ہمت ان کو نہ ہوسکی۔ سو یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعتِ مطہرہ کے کسی حکم پر اپنی عقلِ ناقص کی بناء پر اعتراض کرنا سفاہت و جہالت ہے۔ اور یہ یوں بھی ظاہر ہے، کیونکہ عقل کی پرواز جہاں ختم ہو جاتی ہے، وہاں سے وحی کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔ تو پھر اس خام اور ناقص عقل کی بناء پر وحی کے کسی حکم پر اعتراض کرنے کا کیا موقع و مقام ہوسکتا ہے؟ عقل کا دائرہ تو محسوسات تک ہے، اور بس۔ جبکہ شریعت اور وحی کا تعلق غیب سے ہے جس کا دائرہ عقل سے وراء الوراء ہے، اور اس سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ و بالا ہے۔ سو جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں سے وحی کے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

۳۸۷ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے: ـ کہ سب کا خالق بھی وہی ہے، اور مالک بھی وہی۔ اور اس پر حاکم و متصرف بھی وہی۔ پس وہ جس سمت کو چاہے قبلہ قرار دے، اور جس کو چاہے منسوخ فرما دے۔ بندے کو اس کی "لِمَ" اور علت پوچھنے کا کیا حق ہوسکتا ہے، جبکہ ایک غلام اپنے آقا سے اس کے حکم کی حکمت اور علت پوچھنے کا حق دار نہیں ہوتا، جبکہ ایک مریض اپنے ڈاکٹر کے لکھے ہوئے نسخے پر اعتراض نہیں کرسکتا، تو پھر ایک بندۂ مخلوق اپنے خالق و مالک کے حکم کی علت اور حکمت جاننے کا سوال کیونکر کرسکتا ہے؟ بلکہ بندے کا کام تو اس کے حکم و ارشاد کو بے چون و چرا تسلیم کرنا، اور اسے

جوں کا توں بجالانا ہے اور بس۔ اور یہی تقاضا ہے اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کا، جو کہ اس کے بندوں کی ذمہ داری اور ان سے مطلوب ہے۔ البتہ یہ حقیقت اپنی جگہ ایک قطعی اور اٹل حقیقت ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کا جو بھی حکم ہوگا، وہ کسی نہ کسی حکمت بلکہ حکمتوں پر ہی مبنی ہوگا، کہ وہ وحدہٗ لاشریک حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس اسکے ہر حکم کے بے چوں و چرا تسلیم کرنے اور اپنانے ہی میں بندے کا بھلا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مشرق و مغرب کی یہ ساری کائنات تنہا اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ وہی اس کا خالق و مالک بھی ہے اور اس میں حاکم و متصرف بھی۔ پس وہ جو چاہے حکم دے کسی کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ

۳۸۸ **ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں:** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سیدھی راہ کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں وہ جسکو چاہے ہدایت سے نوازے یعنی اپنی قدرت و حکمت کے مطابق کہ وہ حاکم مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم مطلق بھی ہے، اور اس کا ہر حکم، اور اسکی ہر مشیت اسکی حکمتِ مطلقہ ہی کے تابع ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ "وہ جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے سیدھی راہ سے"۔ سو سیدھی راہ سے نوازے جانے کیلئے بنیادی شرط مشیتِ خداوندی ہے، کیونکہ اس کا دار و مدار طلبِ صادق اور اخلاصِ نیت کی اس اساس و بنیاد پر ہے، جس کا محل دل ہے۔ اور دلوں میں چھپی چیزوں کو جاننے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس لئے وہی جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے، اور کون کس صلے اور بدلے کا مستحق اور کس کے لائق ہے؟ وہ اسی کے مطابق کسی کو نورِ حق و ہدایت سے نوازتا ہے، اور کسی کو اسکی اپنی اختیار کردہ ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ پس انسان کا بھلا اس میں ہے کہ وہ اپنے دل کی دنیا اور اپنے باطن کو صحیح رکھے، اور اپنے خالق و مالک سے اپنا رشتہ و تعلق درست رکھے، کہ اسی پر سارا دار و مدار ہے۔ سو انسان کے صلاح و فساد اور اس کے بناؤ بگاڑ کا تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۳۸۹ **بہترین امت کیلئے بہترین قبلہ:** ۔ یعنی جس طرح ہم نے تمہیں ایسے بہترین قبلے سے نوازا، جو اپنے موقع و محل کے لحاظ سے بھی بے مثل ہے، اور ان انوار و برکات کے اعتبار سے بھی، جو کہ حضرتِ حق جل مجدہ کی طرف سے برابر اس پر برستی رہتی ہیں۔ اسی طرح ہم نے تم کو بھی افراط و تفریط کی ان انتہاؤں سے بچا کر ایک وسط و معتدل اور بہترین امت بنایا ہے، جن میں دوسری بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں تاکہ تم ان انتہاؤں سے محفوظ رہو جن میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کی دوسری اقوام مبتلا ہو کر راہِ راست سے بھٹک گئیں، اور اس طرح وہ صراطِ مستقیم کی سعادت سے ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو ہم نے تمہیں کرم بالائے کرم اور احسان پر احسان سے نوازا، پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ ہمیشہ اور ہر حال میں دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھکے رہو، اور اسکے ان احسانات و انعامات کی قدر کرو جن سے اس نے تمہیں نوازا ہے۔ یہ اس کا اس کے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان کا بھلا بھی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۹۰ **"وَسَط" کا معنیٰ و مفہوم؟:** ۔ "وسط" جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم فرماتے ہیں اس متوسط اور درمیانی شے کو کہا جاتا ہے، جس کی دونوں طرفین ایک برابر ہوتی ہیں۔ اور یہیں سے اس میں خیریت اور بہتری کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" ۔ یعنی سب سے بہتر کام وہ ہوتا ہے جو ان کے وسط اور عین بیچ میں ہو، اور امتِ محمدیہ ۔ عَلٰی صَاحِبِھَا اَلْفُ اَلْفُ تَحِیَّۃ ۔ کو سب سے بہتر اور افضل امت اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ یہ افراط و تفریط کی انتہاؤں سے بچ کر توسط و اعتدال کی راہ پر چلنے والی امت ہے، اسی لئے یہ خیر الامم کے لقب کی مستحق ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری کوئی بھی قوم بسیطِ ارضی پر ایسی نہیں کہ حق و ہدایت کی دولت اسی امت کے پاس ہے۔ والحمد للہ جل و علا۔

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا

گواہ ہوؤ، ۳۹۱ اور (تمہارے) رسول تم پر گواہ ہوں، ۳۹۲ اور

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن

ہم نے نہیں بنایا اس قبلہ کو (آپ کا قبلہ اے پیغمبر!) جس پر آپ (اس سے پہلے کچھ عرصہ کے لئے) تھے، مگر (اس لئے کہ) تاکہ

يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِن

ہم دیکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون (اس راہ سے) الٹے پاؤں پھر جاتا ہے، ۳۹۳ اور بے شک

۳۹۱ اُمتِ محمدیہ سب امتوں پر گواہ: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ امتِ محمدیہ سب امتوں پر گواہ ہونے کا شرف رکھنے والی امت ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا، اور تا کہ تم لوگ باقی سب دنیا پر گواہ ہو، اپنے قول اور اپنے فعل کے لحاظ سے، کیونکہ جس دین کا حامل و علمبردار ہونے کا شرف تمہیں بخشا گیا ہے، وہ ابدی صداقتوں کا حامل و امین دینِ حق ہے، اور اس دینِ حق کے آجانے کے بعد اب قیامت تک تمام زمانوں کیلئے اور پوری روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کیلئے حق کی دولت اس دین کے سوا اور کہیں بھی نہیں مل سکے گی۔ سو اُمّتِ مُحَمّدِیّہ آج تک اپنے قول و فعل سے حق کی شہادت اور گواہی کی یہ عظیم الشان ذمہ داری برابر نبھا رہی ہے، کیونکہ ہزار کمزوریوں کے باوجود آج بھی پوری روئے زمین پر یہی اُمّتِ مَرْحُومہ ہے جو حق کی پاسداری کے شرف سے مشرف ہے۔ والحمدللہ- اور آج پوری روئے زمین پر یہی ایک امت ہے جو روزانہ پانچ وقت اپنی اذان و اقامت، اپنے محراب و منبر، اور اپنے قول و فعل سے، اللہ پاک سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت و کبریائی، اس کی وحدانیت و یکتائی، اس کے رسولِ برحق - علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی رسالت و حقانیت کا اقرار اور اس کا اعلان و اظہار کرتی ہے، دنیا بھر کو اپنے خالق و مالک کے آگے جھکنے اور اس کے حضور سربسجود ہونے کی دعوت دیتی ہے، اور ان کو حقیقی کامیابی اور فوز و فلاح کی طرف بلاتی ہے، اور یہی وہ امت ہے جو اس شہادت و گواہی کا عظیم الشان، کامل اور آخری اظہار کل قیامت میں سب دنیا کے سامنے، اور حضرتِ حق جل مجدہٗ کے حضور اس وقت کرے گی جبکہ سابقہ امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی، تو یہ امت ان سب کے خلاف حضراتِ انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- کے حق میں گواہی دے گی کہ ان حضرات نے کلمۂ حق کی تبلیغ کا فریضہ پوری طرح سرانجام دیا تھا، اور اس میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی تھی، کیونکہ ہمیں ہمارے دین نے، ہمارے قرآن و سنت کے دونوں مصادرِ خیر و برکت نے، اس کی خبر دی تھی اور اس کی تفصیلات بتلائی تھیں۔ اور اللہ کے نبی اپنی امت کے اس بیان اور ان کی اس شہادت و گواہی کی تصدیق فرمائیں گے، جیسا کہ کتبِ احادیث و تفاسیر میں اس کی تفصیل موجود ہے- فالحمدللہ جل وعلا الذی شرفنا بہٰذا الشرف والاکرام- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۳۹۲ **حضرتِ امام الانبیاء - صلی اللہ علیہ وسلم - کی گواہی اپنی امت پر:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور تا کہ تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں ۔ کیونکہ تمہیں حق و ہدایت کی جو بھی دولت ملی، وہ انہی پیغمبر کے سکھانے بتانے سے ملی۔ زندگی میں انہوں نے ایک ایک چیز تمہیں بتائی اور سکھائی ، اور دنیا سے انتقال فرما جانے کے بعد وہ تمہارے لئے قرآن وسنت کی شکل میں حق وصداقت کے دو ایسے جامع ،عظیم الشان، اور بے مثل ذخیرے، چھوڑ گئے جو قیامت تک زندگی کے ہر گوشے میں تمہاری رہنمائی کرتے رہیں گے، اور پھر کل قیامت کے روز وہ تم پر گواہ بن کر تمہاری گواہی کی تصدیق بھی فرمائیں گے ، جو کہ تمہارے اس '' شہادت علی الناس'' کے شرف و اِعزاز کا آخری اور عظیم الشان اظہار ہوگا، جیسا کہ ابھی اوپر گزرا - فالحمدللہ - اہلِ بدعت نے اپنی تحریفی کاوشوں کے دوران جو شہیداً کے لفظ سے اپنے شرکیہ عقائد پر استدلال کی سعیٔ نامراد کی، وہ باطل و مردود ہے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ استدلال دوسری نصوصِ قرآن وسنت کے خلاف ہے ۔ اور دوسرے اس لئے کہ یہ قرون مشہود لہا بالخیر، اور ان کے بعد کے علماء سلف وخلف کی تصریحات کے برعکس اور ان سے متصادم ومتضاد ہے۔ اور تیسرے اس لئے کہ اگر شہیداً کے لفظ سے حضرت نبیٔ اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے تو پھر ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ کے الفاظ سے پوری امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا، کہ بعینہٖ یہی لفظ یہاں بھی موجود ہے، حالانکہ اس کے تم لوگ بھی قائل نہیں ہو۔ اور چوتھے اس لئے کہ گواہ کے لئے موقع پر حاضر ہونا بنیادی طور پر ضروری ہی نہیں، بلکہ علم یقینی کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ وہ کسی بھی طرح سے حاصل ہو۔ مشاہدہ و حاضری سے ہو، یا دوسرے ذرائع سے۔ لہٰذا اہلِ بدعت کا اس لفظ سے حاضر و ناضر کے اپنے خودساختہ شرکیہ عقیدے کیلئے استدلال کرنا باطل و مردود ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو تحویلِ قبلہ ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ تھا کہ اس سے کھرے کھوٹے میں تمیز ہوگئی - والحمدللہ -

۳۹۳ **تحویلِ قبلہ ذریعۂ ابتلاء وآزمائش:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تحویلِ قبلہ امتحان و آزمائش کا ایک ذریعہ ہے پس جو لوگ اپنے ایمان و عقیدہ میں سچے تھے وہ سچے نکلے، ان کا سچ نکھر کر واضح ہوگیا، اور جھوٹے الگ ہوگئے۔ اور اس طور پر کہ وہ اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے، کہ وہ اپنے عمل و کردار کے اعتبار سے خود بخود نکھر کر سامنے آگئے۔ سو سچے اس آزمائش میں اپنے صدق و اخلاص کی بناء پر کامیاب ہوئے اور جھوٹے ناکام و مراد۔ سو سچ کامیابی کا ذریعہ ہے اور جھوٹ ناکامی و ہلاکت کا باعث - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی تو وہ اس لیے نہیں کہ یہ تمہارا مستقل قبلہ ہے۔ بلکہ یہ اجازت ایک عارضی اور وقتی اجازت تھی اور مقصود اس اجازت سے یہ تھا کہ پھر اس قبلہ کی تبدیلی کا حکم تمہارے لیے ایک کسوٹی اور ابتلاء و آزمائش کا ذریعہ بنے، تا کہ اس سے یہ ظاہر ہوجائے کہ تمہارے اندر وہ لوگ کون اور کتنے ہیں جو رسول کے سچے پیرو ہیں، اور وہ کون اور کتنے ہیں جو رسول کی پیروی سے زیادہ اپنی پچھلی روایات کے پرستار ہیں، اور وہ الٹے پاؤں پھر کر اپنے قدیم دین کی طرف چلے جاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - پس انسان کو ہمیشہ راہِ حق و ہدایت کو اپنانے اور اختیار کرنے کا خوگر رہنا چاہیے کہ اسی میں اس کا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی - وباللہ التوفیق -

كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ط وَمَا كَانَ

(تحویلِ قبلہ کا) یہ معاملہ بڑا ہی بھاری ہے ۳۹۴ مگر ان لوگوں پر، جن کو اللہ نے ہدایت (کے اطمینان بخش نور) سے نوازا ہوتا ہے ۳۹۵ اور اللہ

اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ط إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ایسا نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان کو ۳۹۶ بے شک اللہ (تعالیٰ) لوگوں پر بڑا ہی شفقت فرمانے والا، نہایت ہی مہربان ہے،

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بے شک ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے چہرے کا بار بار اٹھنا آسمان کی طرف، (وحی کے انتظار میں اے پیغمبر) سو ہم ضرور پھیر دیں گے

قِبْلَةً تَرْضَاهَا ص فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط

آپ کو اس قبلے کی طرف جو آپ کو پسند ہے، پس آپ پھیر دو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف ،

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ط وَإِنَّ

اور تم بھی (اے مسلمانو!) جہاں کہیں بھی ہو، پھیر دو اپنے چہروں کو اسی کی طرف، اور بے شک

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن

وہ لوگ جن کو دی گئی (آسمانی) کتاب، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ (تحویلِ قبلہ کا) ۳۹۷ یہ حکم قطعی طور پر حق ہے ان کے

رَّبِّهِمْ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾ وَلَئِنْ

رب کی طرف سے (مگر ضد اور عناد کی وجہ سے وہ مانتے نہیں،) اور اللہ بے خبر نہیں ان کے ان کاموں سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ۳۹۸

أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا

اور (ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ) اگر آپ ان کو ہر نشانی بھی لا کر دے دیں، تو بھی انہوں نے آپ کے قبلے

قِبْلَتَكَ ج وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج وَمَا بَعْضُهُم

کی پیروی نہیں کرنی ۳۹۹ اور نہ ہی آپ پیروی کر سکتے ہیں ان کے قبلے کی (کسی بھی قیمت پر،) ۴۰۰ اور نہ ہی یہ لوگ آپس میں

بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ

ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں، اور اگر آپ نے (بفرضِ محال) پیروی کر لی ان کی خواہشات کی، بعد اس

بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

علم کے جو کہ آ گیا آپ کے پاس (آپ کے رب کی جانب سے،) تو یقیناً اس صورت میں آپ ہو جائیں گے ظالموں میں سے، ف۱۰۲

۳۹۴ عادتِ مالوفہ کو بدلنا انسان کیلئے بڑا مشکل امر:- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عادتِ مالوفہ کو چھوڑنا اور بدلنا انسان کیلئے بڑا مشکل اور بھاری امر ہوتا ہے:- کیونکہ انسان جس کسی چیز کا عادی ہو جاتا ہے اس کا اس سے ہٹنا اس پر بہت ہی گراں ہوتا ہے، اور اپنی مالوفات میں سے کسی کو ترک کرنا اسکے لئے بہت مشکل امر ہوتا۔ (المراغی وغیرہ)۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے مگر عادت نہیں بدل سکتی۔ "جبل گردد جبلت نہ گردد"۔ پس بڑے مبارک اور خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی طبیعتیں خیر پر ڈھل گئیں، اور وہ اس پر ایسے پکے ہو گئے کہ خیر ان کی جبلت اور طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ جعلنا اللہ جمیعا منھم۔ اور اسکے برعکس بڑے بدبخت اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کی طبیعت شر کی کسی خاص شکل وصورت پر ڈھل کر ان کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی، جس کے باعث وہ اسکو چھوڑنے اور ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے، اور اس طرح بالآخر وہ بڑے ہولناک خسارے میں جا پڑتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ کیونکہ وہ خواہشات کو کچلنے اور ان کو دبانے کے حوصلے سے عاری ہوتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

۳۹۵ نورِ حق و ہدایت کی عظمتِ شان کا ایک خاص پہلو:- کہ نورِ حق و ہدایت کی یہ نعمت ہر مشکل کو آسان کرنے والی نعمتِ خداوندی ہے کہ ان کیلئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی طبیعتیں اور ان کے مزاج حق وصداقت اور ہدایت وارشاد کے سانچوں میں ایسے ڈھل چکے ہوتے ہیں، اور انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے اپنے نفوس کی باگیں حق کے اس طرح حوالے کر دی ہوتی ہیں کہ وہ حق کے مطابق ان کو جدھر لے جانا چاہیں، بآسانی اور بلا تکلیف وتکلف ادھر ہی چل پڑتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں مومنِ صادق کو "بعیرِ منقاد" یعنی "نکیل پڑے اونٹ" سے تشبیہ دے کر اس مفہوم کی توضیح فرمائی گئی ہے، کہ جس طرح اس "بعیرِ منقاد" یعنی نکیل پڑے اونٹ کو اسکی نکیل سے پکڑ کر اسکا مالک جہاں چاہے آسانی سے لے جا سکتا ہے، اسی طرح مومنِ صادق کو حق و ہدایت کے مطابق جہاں چاہے لے جایا جا سکتا ہے، اس کیلئے حق کی اِتباع و پیروی کے سلسلہ میں کوئی بھی چیز مشکل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خواہشاتِ نفس کو کچلنے دبانے کا خوگر ہو چکا ہوتا ہے۔

۳۹۶ نماز کی تعبیر ایمان سے اسکی عظمتِ شان کی بناء پر:- ایمان سے یہاں پر مراد جیسا کہ عام طور پر مفسرینِ کرام کا کہنا ہے نماز ہے، جس سے اسلام میں نماز کی اہمیت کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے، کہ اس کو یہاں پر عین ایمان قرار دیا گیا ہے، تحویلِ قبلہ کے حکم کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ جن حضرات نے اس سے قبل سابقہ قبلہ ہی کی طرف نمازیں پڑھیں، ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ اور معترضین ومنکرین نے اس امر کو اور بڑھا چڑھا کر، اور مرچ

مسالے لگا کر لوگوں کے درمیان پھیلانے کی کوشش کی ، تو اس پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پاک - سبحانہ و تعالیٰ - تمہاری ان نمازوں کو ضائع کرنے والا نہیں۔ وہ تو بڑا ہی شفقت فرمانے والا، انتہائی مہربان ہے۔ بلکہ وہ تو ایسا ہے کہ جو عمل انسان کرنے کے بعد خود بھول جاتا ہے، وہ اس کیلئے اس کو بھی محفوظ رکھتا ہے اور پوری طرح محفوظ رکھتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ الآیۃ (المجادلۃ - ۶) آگے یہ انسان کا اپنا اختیار ہے کہ وہ اچھے اعمال کا ذخیرہ جمع کرے تا کہ اس کے یہاں وہ اس کا بہتر صلہ اور عمدہ اجر پائے، ورنہ وہ اپنے کیے کا بھگتان بھگتے - والْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ''فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذَالِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ ''- بہر کیف خانہ کعبہ کو آپ کا قبلہ قرار دیا گیا تا کہ جس طرح آپ کی ملت، ملتِ ابراہیمی ہے، اسی طرح آپ کا قبلہ بھی قبلہ ابراہیمی ہو جائے (معارف للکاندھلویؒ)۔ سو اب تم سب کا قبلہ ہمیشہ کیلئے خانہ کعبہ ہی رہیگا حتی کہ اگر تم بیت المقدس میں بھی ہوؤ تو بھی تم نے اپنی نمازوں کی صحت و ادائیگی کیلئے مسجدِ حرام ہی کی طرف رخ کرنا ہے کہ اب تمہارا قبلہ ہمیشہ یہی ہے یعنی کعبۂ مشرفہ۔

۳۹۷ مرجع ضمیر کے دو احتمالوں کا ذکر و بیان: - سو یہاں پر ''اِنَّهٗ'' کی ضمیرِ منصوب کے مرجع میں دو احتمال ہیں، اور معنٰی دونوں ہی صورتوں میں صحیح بنتا ہے، یعنی ''اِنَّهٗ'' کی اس ضمیر کا مرجع تحویلِ قبلہ ہے، جس کا ذکر یہاں پر چل رہا ہے اور ان لوگوں کو اپنے انبیاء و کتب کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ نبیٔ آخر الزمانؐ کا قبلہ یہی قبلۂ ابراہیمی ہو گا (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ اور سیاق و سباق کے لحاظ سے اسی کو مرجع قرار دینا راجح ہے۔ اسی لئے عام طور پر حضراتِ مفسرینِ کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے (معالم، روح، صفوۃ، المراغی اور فتح القدیر وغیرہ)۔ مگر دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ اس کا مرجع رسول ہوں جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے، جیسا کہ امام رازیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے مگر ساتھ ہی رازی نے ترجیح پہلے احتمال ہی کو دی ہے، کہ سیاق و سباق اسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، مگر مقصد و مدعا کے اعتبار سے ان دونوں احتمالوں میں کوئی خاص اور بنیادی فرق بھی نہیں، اور دونوں ہی صحیح ہیں، اور دونوں ہی پتہ دیتے ہیں ان لوگوں کی ضد اور انکے عناد کا کہ انہوں نے حق کو جاننے پہچاننے کے باوجود اس سے منہ موڑا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - یعنی حق پوری طرح واضح ہے اور یہ اسکو اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن اسکے باوجود یہ لوگ اپنے بغض و عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اسکو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں۔ سو عناد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ حق کا جان بوجھ کر انکار کرتے ہیں - والعیاذ باللہ -

۳۹۸ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی تذکیر و یاد دہانی: - سو اللہ تعالیٰ کے علم کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بلکہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اور ان کے تمام کیے کرائے کا ریکارڈ بھی تیار کرا رہا ہے، تا کہ ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھرپور صلہ اور بدلہ پا سکے، اور اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے کامل طور پر اور اپنی آخری شکل میں پورے ہو سکیں، اس لئے یہ لوگ جو جان بوجھ کر حق سے اعراض کرتے اور منہ موڑتے ہیں، وقت آنے پر اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگت کر رہیں گے۔ سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کے مطابق انکو جو ڈھیل اور چھوٹ ملی ہوئی ہے، اس سے یہ کبھی دھوکہ نہ کھائیں

کہ کوئی پوچھنے والا نہیں وہ بہرحال ایک ڈھیل اور چھوٹ ہے، جس نے اپنے وقتِ مقررہ پر بہرحال ختم ہو کر رہنا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی اصلاحِ احوال کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۳۹۹ ہٹ دھرمی باعثِ محرومی، والعیاذُ باللہ: ۔سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہٹ دھرمی میں کوئی بھی نشانی کام نہیں آسکتی اور یہ سراسر محرومی کا باعث ہے، والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان لوگوں کے سامنے ہر نشانی بھی لا کر رکھ دیں تو بھی انہوں نے آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کرنی۔ کیونکہ یہ لوگ ضد اور ہٹ دھرمی پر آئے ہوئے ہیں اور ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے انسان قبولِ حق کی توفیق و سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ ۔پس تم اے مسلمانو! ان سے کسی خیر کی کوئی امید اور توقع مت رکھو کہ ہٹ دھرمی میں کوئی بھی نشانی کام نہیں آسکتی کہ میں نہ مانوں (I Never Agree) کا کوئی علاج نہیں۔ سو ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور حق سے اِعراض و روگردانی دارَین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ اور یہ خسارہ بڑا ہی ہولناک اور نا قابلِ تلافی خسارہ ہے۔ اور یہ دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے کیونکہ اس سے انسان اندھا اور اوندھا ہو کر رہ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۰۰ امرِ منسوخ کی پیروی جائز نہیں: ۔سو اس سے یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ امرِ منسوخ کی پیروی اہلِ حق سے ممکن نہیں کہ ناسخ کے ہوتے ہوئے منسوخ کی پیروی جائز نہیں، سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی آپ پیروی کر سکتے ہیں ان کے قبلے کی۔ کیونکہ ان کا قبلہ منسوخ ہو چکا ہے۔ اور جس قبلے کا حکم آپ کو دیا گیا ہے وہ اب کبھی بھی منسوخ نہیں ہوگا۔ تو اب آپ سے ان کے قبلہ کی پیروی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟ کہ ناسخ کے آجانے اور حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد امرِ منسوخ کی پیروی کرنا اہلِ حق کیلئے نہ جائز ہے اور نہ ہی ممکن۔ سو ایسے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں سے حق کو قبول کرنے کی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ یہ عناد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء کو پہنچ چکے ہیں اور ایسوں کا کوئی علاج نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس ایسے ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی اور اعراض و رُوگردانی پر نہ تعجب کرنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی ان پر غم کھانے کی۔

۴۰۱ محض خواہشات کی پیروی ظلم ہے، والعیاذُ باللہ: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ علمِ حق کی روشنی کے بعد خواہشات کی پیروی کرنا ظلم ہے یہاں پر خطاب اگرچہ بظاہر آپ ہی سے ہے۔ ﷺ ۔ کہ وحی کے اولین مخاطب تو بہرحال آپ ہی ہیں۔ ﷺ ۔ لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے کہ دینِ حق کی واضح تعلیمات کے آجانے کے بعد اگر آپ۔ ﷺ ۔ کیلئے بھی ان سے پھرنا اور دوسرے کسی دین کی کسی بات کو اپنانا جائز اور ممکن نہیں، تو پھر دوسروں کیلئے اسکی کسی گنجائش کا کوئی سوال ہی کیسے پیدا ہو سکتا ہے، اور بلاغت کے اس اسلوب میں جو قوت اور زور ہے وہ کسی دوسرے طریقہ و اسلوب میں نہیں پایا جا سکتا۔ لہذا ایسے موقع و مقام پر "اے مخاطب کسے باشد" جیسے الفاظ سے ترجمہ کرنے میں وہ بلاغت و تاثیر نہیں پائی جا سکتی جو کہ اس مقام کا اصل مقتضیٰ ہے۔ لہذا جن لوگوں نے اس طرح ترجمہ کیا ہے وہ تقاضاً بلاغت کے بھی خلاف ہے اور جمہور علماء و مفسرین کرام کی تفسیر و تصریح کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ جمہور مفسرین اور ثقہ اہلِ علم کا کہنا یہی ہے کہ ایسے مواقع پر خطاب اگرچہ آنحضرت ۔ ﷺ ۔ سے ہوتا ہے مگر مقصود دراصل دوسروں کو سنانا ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیرِ روح المعانی، روح البیان، المنار، المراغی، محاسن التاویل، جامع البیان، مدارک، معالم، ابنِ کثیر، فتح القدیر اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ وغیرہ)۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس (پیغمبر) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، ۴۰۲

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو کہ (طرح طرح سے) چھپاتا ہے حق کو، حالانکہ وہ (اچھی اور) پوری طرح جان رہے ہوتے

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ہیں ۴۰۳ بہرکیف یہ امرِ حق قطعی طور پر تمہارے رب کی جانب سے ہے پس تم نہیں ہوجانا شک کرنے والوں میں سے ۴۰۴

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

اور ہر کسی کے لئے ایک جہت رہی ہے، جدھر وہ اپنا منہ موڑتا ہے، پس تم لوگ (فضول بحثوں میں پڑنے کی بجائے) نیکیوں

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو ۴۰۵ اور جہاں کہیں بھی تم ہوؤ گے اللہ تم سب کو لے آئے گا اکٹھا کر کے (اپنی قدرتِ کاملہ سے)

شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۴۰۶ اور جہاں سے بھی تم نکلو (نماز کے موقع پر) تو پھیر دو اپنے چہرے کو

۴۰۲ ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ ومظہر:۔ سو اس سے ہٹ دھرموں اور معاندین و مکابرین کی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے، سو یہ ان معاندین اور مکابرین کے عناد اور انکی ہٹ دھرمی کا ایک نمونہ و مظہر ہے کہ یہ لوگ پیغمبر کو پوری طرح جاننے کے باوجود نہیں مانتے۔ یعنی جس طرح اپنے بیٹوں کو شکل وصورت سے دیکھنے کے بعد انسان کو ان کے پہچاننے میں کوئی دقت و دشواری پیش نہیں آتی۔ اسی طرح یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی ان نعوت و صفات کی بناء پر جو کہ ان کی کتابوں میں بیان فرمائی گئی ہیں، پوری طرح جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی خبر گزشتہ کتابوں میں دی گئی تھی مگر اسکے باوجود یہ مانتے نہیں، محض ضد اور عناد وغیرہ کی وجہ سے۔ سو ہٹ دھرم اور معاند انسان قبولِ حق کی سعادت و توفیق اور نورِ حق و ہدایت کی دولت سے محروم ہوجاتا ہے اور وہ حق بات کو پوری طرح واضح ہوجانے کے باوجود قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ سو عناد و ہٹ دھرمی محرومیوں کی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۰۳ جان بوجھ کر حق کو چھپانا دوہرا جرم، والعیاذ باللہ:۔ یعنی یہ لوگ جانتے ہیں کہ حق یہ ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ، حق کو چھپانا کس قدر سنگین جرم ہے، مگر اس کے باوجود یہ لوگ کتمانِ حق کے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، سو ان

کا جرم ڈبل ہوگیا، اور یہ سخت سزا کے مستحق ہوگئے اور اس کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہوگا۔ آج جو ڈھیل ان کو ملی ہوئی ہے اس سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے، کہ یہ ایک مہلت ہے جو بہرحال ختم ہوجائے گی۔ والْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو حق کو جان بوجھ کر چھپانا جرم پر جرم ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والا شخص نورِ حق و ہدایت سے خود بھی محروم ہوتا ہے، اور دوسروں کو بھی محروم کرتا ہے اور اس طرح وہ ضلال اور اِضلال کے دونوں جرموں کا مرتکب ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۰۴ خطاب کسی سے اور عتاب کسی پر:۔ سو اس میں خطاب پیغمبر سے ہے لیکن تنبیہ وعتاب کا رخ مخالفین کی طرف ہے، سو ارشاد فرمایا گیا پس تم شک میں نہیں پڑنا ان لوگوں کی تلبیسات وغیرہ کی وجہ سے۔ خطاب اگرچہ یہاں بھی حسبِ سابق پیغمبر ہی کو ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن سنانا دراصل دوسروں کو ہے۔ (جامع البیان، صفوۃ، محاسن التاویل، المراغی، روح، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ اور اس اسلوبِ بیان میں بلاغت وتاثیر زیادہ ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۴۰۱ میں گزرا۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے یہ واضح فرما دیا گیا ہے کہ حق بہرحال وہی ہوتا ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آتا ہے، اور رب کی وحی چونکہ پیغمبر ہی کی طرف ہوتی ہے اس لیے نورِ حق و ہدایت کی دولت دنیا کو پیغمبر کے ذریعے اور ان کے وجودِ باجود کے توسط ہی سے مل سکتی ہے۔ پیغمبر پر ایمان لائے بغیر اور ان کے توسط کے بدوں نورِ حق و ہدایت ملنا ممکن ہی نہیں۔ بہرکیف اس ارشاد میں خطاب بظاہر پیغمبر ہی سے ہے لیکن تنبیہ وعتاب کا رخ مخالفین و معاندین ہی کی طرف ہے، جو کہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے، اور اس میں خاص قوت اور تاثیر پائی جاتی ہے۔

۴۰۵ اہلِ ایمان کیلئے مسابقت کے اصل میدان کی نشاندہی:۔ سو اس ارشاد سے نیکیوں میں آگے بڑھنے کی ہدایت دے کر واضح فرما دیا گیا کہ مسابقت اور مسارعت کا اصل میدان یہی ہے کہ امورِ خیر اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھا جائے، نہ کہ دنیا کے متاعِ فانی اور اسکے وقتی مفادات، اور عارضی حظوظ و منافع میں کہ اصل مقصد یہی ہے کہ دنیا کی اس کھیتی سے کسبِ آخرت کا سامان کیا جائے، اور جتنا ہوسکے کیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔ لہٰذا اس مقصد کو بھول کر تم لوگ فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع مت کرو، بلکہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی فکر وکوشش کرو، کیونکہ فضول باتوں اور بیکار بحثوں میں الجھ کر اپنی متاعِ وقت کو ضائع کرنا بہت بڑا خسارہ ہے۔ ایسا بڑا کہ پھر اسکی تلافی بھی ممکن نہیں۔ کیونکہ متاعِ وقت کی جو دولت ہاتھ سے نکل گئی، وہ پھر کسی بھی قیمت پر دوبارہ نہیں مل سکتی۔ سو اس کا ضیاع بہت بڑا خسارہ ہے۔ والْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو منکرین ومعاندین اگر حق کو ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار نہیں، تو تم اُن سے منہ موڑ کر نیکیوں اور بھلائیوں میں آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ وباللہ التوفیق۔ اور ایسے ضدی اور ہٹ دھرم عناصر کے پیچھے لگ کر اپنا وقت ضائع مت کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۴۰۶ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ مطلقہ کا حوالہ وذکر:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے پس اس قادرِ مطلق کیلئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، کہ تم سب کو سزا و جزا کیلئے اکٹھا کرلائے، اور اس کے لئے اس کو کوئی تیاری کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ محض اسکے ارادہ اور حکم کی دیر ہوگی۔ جونہی وہ حکم دے گا سب کے سب اسکے سامنے آموجود ہوں گے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ، فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ﴾ (النازعات: ۱۳-۱۴)۔ سو اس طرح وہ قادرِ مطلق تم سب کو اکٹھا کرکے لائے گا اور وہاں تم نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے، اب تم دیکھ لو کہ وہاں کیلئے کیا سامان لیکر جارہے ہو؟ پس اصل فکر وکوشش وہیں کے لیے کرنی چاہئے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

مسجد حرام کی طرف، ۴۰۷ اور بے شک یہ قطعی طور پر حق ہے تمہارے رب کی جانب سے، اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان کاموں

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

سے جو تم لوگ کرتے ہو، ۴۰۸ اور جہاں سے بھی تم نکلو سو پھیر دو اپنے چہرے کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ

مسجد حرام کی طرف، اور جہاں بھی تم ہوؤ (اے مسلمانو!) تم پھیر دو اپنے چہروں کو اسی کی طرف، ۴۰۹

۴۰۷ **اعادۂ حکم برائے تاکید حکم:** - سو اس حکم کو پھر لوٹایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ یہ دائمی ہے، کسی خاص جگہ، یا وقت کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ اب ہمیشہ کیلئے اہل ایمان کا قبلہ یہی رہے گا۔ پس تم جہاں کہیں بھی ہوؤ خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ اور سفر بھی خواہ قریب کا ہو یا دور کا، اب تم نے بہر صورت اپنا رخ اسی قبلے کی طرف کرنا ہے۔ پس کسی بھی حالت میں انسان کا تعلق اپنے اس روحانی پاور ہاؤس سے منقطع نہیں ہونا چاہیئے، اور سفر و حضر کی ہر حالت میں وہی اسکا قبلۂ توجہ ہونا چاہیئے کہ اب قبلہ بہر حال یہی اور صرف یہی ہے اور ہر حال میں مرکز توجہ یہی ہونا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۴۰۸ **اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاد دہانی:** - سو اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاد دہانی کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ پس اور وہ تمہارے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیگا۔ پس تم ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور اسی کی رضا کی فکر و کوشش کرو۔ اور اس انقلاب آفریں درس کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا کرو کہ وہ تمہارے کاموں سے غافل و بے خبر نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور تم جہاں بھی ہوؤ گے وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَخُذْ بِنَوَاصِیْنَا اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ - یَا مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ یہاں پر یہ آیات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ آیت کے شروع میں خطاب مفرد کے صیغوں سے ہے، اور آخر میں جمع کے صیغے سے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پیغمبرؐ سے خطاب بحیثیت امت کے وکیل کے ہے۔ اس لیے اس سے مراد پوری امت ہے۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاد دہانی اصلاح احوال کے لیے اہم اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں اس کو جگہ جگہ اور طرح طرح دوہرایا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۴۰۹ **اعادۂ حکم برائے بیان مصالح و حکم:** - یہ تیسری مرتبہ پھر اس حکم و ارشاد کو دوہرایا گیا ہے، کہ تم جہاں سے بھی نکلو اپنے رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دو تاکہ اس کے بعد ان تین فوائد و مصالح کو ذکر فرمایا جائے جو کہ تحویل قبلہ کے اس حکم پر مرتب ہوتے ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور جو اس کے متصل بعد ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ سو دوسری مرتبہ اسکا اعادہ و تکرار اس حکم کی تاکید، اور سفر و حضر کی دونوں حالتوں کے حکم کے بیان کیلئے تھا۔ اور اب تیسری مرتبہ اسکا ذکر و اعادہ صرف ان مصالح و حکم کے بیان کیلئے ہے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ

تاکہ باقی نہ رہے تمہارے خلاف لوگوں کی کوئی حجت ف۴۱۰ بجز ان میں کے ان لوگوں کے

ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ

جو ظلم ہی پر کمربستہ ہیں (کہ ایسوں کی زباں تو کسی طرح بند نہ ہوگی،) پس تم لوگ مت ڈرو ان (کی ان گیدڑ بھبکیوں) سے ف۴۱۱ اور تم خاص

نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَا

مجھ سے ہی ڈرو ف۴۱۲ اور (یہ اس لئے کیا کہ) تاکہ میں پورا کروں تم پر اپنے انعام کو ف۴۱۳ اور تاکہ تم راہ پا سکو، ف۴۱۴ جیسا کہ ہم

أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ

نے (تم لوگوں پر یہ عظیم الشان احسان کیا، ایسے ہی ہم نے) تمہارے اندر ایک ایسا عظیم الشان رسول بھیجا، خود تم ہی میں سے ف۴۱۵

آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَ

جو تم لوگوں کو پڑھ (پڑھ) کر سناتا ہے ہماری آیتیں اور وہ (نکھارتا) سنوارتا ہے تمہارے باطن کو ف۴۱۶ اور سکھاتا (پڑھاتا)

الْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾

ہے تمہیں کتاب وحکمت (کے اسرار ورموز) اور وہ سکھاتا ہے تمہیں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے تھے، ف۴۱۷

۴۱۰ لوگوں کی حجت بازی کے خاتمے کا اہتمام وانتظام: ۔۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تحویلِ قبلہ سے لوگوں کی حجت بازی کا خاتمہ فرما دیا گیا کہ تحویلِ قبلہ کے اس حکم کے بعد لوگوں کا کوئی الزام باقی نہیں رہے گا ورنہ اہلِ کتاب یہ کہتے کہ نبی آخر الزمان کے بارے میں تو کتبِ سابقہ میں پیشینگوئی یہ تھی کہ ان کا قبلہ کعبۂ مشرفہ ہوگا۔ اور اس پیغمبر کا قبلہ بیت المقدس ہے۔ لہٰذا یہ وہ پیغمبر نہیں جن کے بارے میں پیشینگوئیاں ہماری کتابوں میں دی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۔ اور مشرکینِ مکہ کہتے کہ یہ کیسے پیغمبر ہیں جو کہ ہیں تو اولادِ ابراہیم واسماعیل میں سے، اور دعوٰی بھی کرتے ہیں ملتِ ابراہیمی کے احیاء کا، مگر ان کا قبلہ بیت اللہ کی بجائے بیت المقدس ہے۔ سو اب ان سب لوگوں کی ایسی ہر حجت قطع ہو گئی (المراغی، القاسمی، روح، فتح، اور صفوۃ، وغیرہ)۔ اور انکی ایسی ہر بولتی بند ہو گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔ بجز ظالموں اور ہٹ دھرموں کے کہ ان کا تو کوئی علاج نہیں، سو وہ اسکے بعد بھی چپ نہیں ہونگے۔

۴۱۱ نفع ونقصان اللہ پاک ہی کے اختیار میں: ۔۔ سو ارشاد فرمایا گیا پس تم ان لوگوں سے نہیں ڈرنا کہ یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کہ تم حق پر ہو، اور نفع ونقصان میرے اختیار میں ہے اور باطل والے حق والوں کا کچھ نہیں بگاڑ

سکتے - ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ - سو نفع و نقصان سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، پھر کسی اور سے ڈرنے کا سوال ہی کیوں پیدا ہوتا ہے۔ پس بندۂ مومن کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ بھروسہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھے، اور ڈرے بھی اسی سے کہ نفع و نقصان کے سب اختیارات اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور طمع و امید بھی ہمیشہ اسی وحدہ لاشریک سے رکھے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۱۲ ڈرنا ہمیشہ اللہ ہی سے چاہیئے: - سو ارشاد فرمایا گیا ''پس تم لوگ خاص مجھ ہی سے ڈرنا'' اور میرے ان احکام و اوامر کی مخالفت سے بچنا جو میرے رسول نے تم تک پہنچائے ہیں۔ پس ڈرنا ہمیشہ اسی سے چاہیئے جس کے پاس حق ہو، کہ حق والوں کے ساتھ اللہ کی مدد اور اسکی نصرت و امداد ہوتی ہے، اور باطل والوں کی کوئی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ باطل حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، کہ غلبہ بہرحال حق ہی کا ہوتا ہے، مگر افسوس کہ آج مسلمان نے حق سے ڈرنا چھوڑ دیا، جسکے نتیجے میں باطل کا خوف اس پر مسلط ہو گیا ہے، جسکے مظاہر آج ہم یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھتے ہیں - والعیاذ باللہ جل وعلا -

۲۱۳ تحویل قبلہ سے مقصود اتمام نعمت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں پورا کروں تم لوگوں پر اپنے انعام کو، تمہیں مستقل قبلہ سے نواز کر، اور اشرف الجہات کو تمہارا قبلہ قرار دے کر، اور تم کو متبوع و پیشوا بنا کر، اور قیامت تک آنے والی تمام قوموں کو تمہارا تابع بنا کر، اور پوری روئے زمین کیلئے تمہارے قبلہ کو مرکز توجہ بنا کر۔ اور اس بے مثال مرکزیت سے تمہیں مشرف فرما کر، جس سے آگے بے شمار مادی و معنوی اور ظاہری و باطنی فوائد و مصالح وابستہ ہیں - سبحان اللہ! کیا کہنے اس کرم و عطاء کے - فللّٰہ الحمد رب العالمین - پس اب تمہارا کام اے ایمان والو! یہ ہے کہ تم دل و جان سے اس نعمت کی قدر کرو اور اس واہبِ مطلق - جل وعلا - کے حضور صدقِ دل سے جھک جاؤ جس نے تمہیں ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا کہ اس کے حضور جھکنے ہی میں تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید -

۲۱۴ تحویلِ قبلہ کا دوسرا مقصد راہِ حق کی رہنمائی: - یعنی اس عظیم الشان اور پاکیزہ راہ کی راہنمائی جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرنے والی ہے، کہ اس پر چل کر تم دنیا میں حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی سے بہرہ ور و سرفراز ہو سکو، اور آخرت میں حقیقی اور ابدی کامیابی سے۔ سو اس راہِ حق و ہدایت سے نوازنا قدرت کا وہ عظیم الشان اور بے مثال احسان ہے، جس جیسا دوسرا کوئی احسان ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جو اس نے اپنے کرمِ بے پایاں سے تم پر فرمایا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اس راہ سے مراد وہ سیدھی اور صحیح راہ ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے، جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور جس کو صراطِ مستقیم کہا جاتا ہے، جیسا کہ سورۂ انعام میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے - ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ، دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ - [الانعام:۱۶۱] - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں صراطِ مستقیم ہی پر گامزن رکھے - آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین!

۲۱۵ بشریتِ رسول ایک عظیم الشان انعامِ خداوندی: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ رسول کا بشر اور

اپنی قوم میں سے ہونا ایک مستقل انعام و احسانِ خداوندی ہے۔ اسی لئے مِنْهُمْ سے اسکی بطورِ خاص تصریح فرمائی گئی ہے یعنی تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی قوم قبیلے میں سے، تاکہ وہ حیاتِ بشری کی تمام جوانب و جہات میں تمہیں پاکیزہ اور عملی نمونہ دکھا سکے اور تمہیں اپنے اسوۂ حسنہ سے سرفراز فرما سکے۔ اور یہ مقصد اس کے بغیر پورا نہیں ہوسکتا کہ نبی بشر ہو، تاکہ وہ تمہیں وہ سب کچھ کھول کر بتائے جسکی تمہیں اور تمام بنی نوعِ انسان کو اپنی بشری زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کیلئے ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ نبی اگر فرشتہ وغیرہ کوئی نوری مخلوق ہوتے، تو پھر نہ تو تمہیں ایسا اسوۂ کاملہ مل سکتا تھا، اور نہ ہی تم ان کی اتباع و پیروی کر سکتے تھے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۹۴۔۹۵ میں اس بارے تصریح فرمائی گئی ہے۔ پس نبی کا جنسِ بشر سے ہونا، جہاں عقل و منطق، اور فطرت و جبلت کا تقاضا ہے، وہاں یہ قدرت کا تم پر ایک عظیم الشان انعام و احسان بھی ہے، کہ اس نے بشر ہی کو تمہارے لئے رسول بنا کر بھیجا، مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس سب کے باوجود بشریتِ رسول کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ حالانکہ یہ عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم دونوں کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۳۲۶ بعثتِ رسول کا مقصد تزکیۂ باطن: ۔ سو اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح وہ پاک و صاف کرے تمہارے دلوں کو کفر و شرک وغیرہ کی نجاستوں، اور ہر طرح کی آلائشوں سے، تاکہ اس طرح تم پاکیزہ انسان اور جنت کے اہل اور مستحق بن جاؤ، سو تزکیۂ باطن مقاصدِ بعثت اور فرائضِ نبوت میں ایک بنیادی مقصد اور اہم فریضہ ہے، اور تزکیۂ باطن کا یہ مقصد پیغمبر کی تعلیم و تذکیر کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں۔ سو پیغمبر کی تعلیم و تذکیر اور انکے تزکیہ سے محروم لوگ سراسر اندھیروں میں مبتلا ہیں، اور باطن کی اس ہولناک سیاہی کے باعث وہ چوپایوں سے بھی بدتر، اور "بل ھم اضل" کے مصداق ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہری اور مادی ترقی کے اعتبار سے کتنے ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہوں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اصل ترقی تزکیۂ قلب و باطن ہی سے ممکن ہوسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۳۲۷ تعلیمِ کتاب و حکمت کے مقصد کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بعثتِ رسول کا ایک اہم مقصد تعلیمِ کتاب و حکمت بھی ہے سو رسول کی بعثت و تشریف آوری دولتِ علم سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ رسولِ عظیم تم لوگوں کو سکھاتا پڑھاتا ہے کتاب و حکمت اور وہ تم کو سکھاتا ہے وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ تاکہ اس طرح تم لوگ پہچان سکو اپنے مقصدِ حیات کو، اور تم دارین کی کامیابی اور حقیقی فوز و فلاح سے مشرف اور بہرہ ور ہوسکو۔ بس تم لوگ ذرا سوچو کہ اس سے بڑھ کر پاکیزہ اور بلند و بالا نصب العین اور کیا ہوسکتا ہے؟ سو اس پیغمبر کی بعثت و تشریف آوری کے ذریعے جو تمہیں اس راہِ حق و ہدایت سے نوازا گیا، اور زندگی کے اس عظیم الشان اور پاکیزہ نصب العین سے آگاہ فرمایا گیا یہ تمہارے خالق و مالک کا تم پر وہ احسانِ عظیم ہے جسکی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن ہی نہیں۔ سو کتنے بے قدرے، ناشکرے، اور کس قدر بے انصاف ہیں وہ لوگ جو اس سے منہ موڑتے اور اعراض برتتے ہیں، بلکہ وہ اس نورِ حق و ہدایت سے دوسروں کو بھی محروم کرنے کی سعی نامراد طرح طرح سے کرتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے سوا دوسروں کو بھی اندھیروں میں دھکیلتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

ع ۵/۱۸

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ ع

پس تم لوگ مجھے یاد کرو، ۴۱۸ میں تمہیں یاد کروں گا، ۴۱۹ اور تم میرا شکر ادا کرو ۴۲۰ اور میری ناشکری نہیں کرنا، ۴۲۱

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، مدد حاصل کرو تم ۴۲۲ (اللہ سے،) صبر اور نماز کے ذریعے، بے شک

۴۱۸ ذکرِ خداوندی سے سرشاری کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مجھے یاد کرو۔ یعنی تم مجھے یاد کرو میری ان صفات اور حقوق و اختیارات کے ساتھ جو میرا خاصہ ہیں، یاد کرو دل و جان سے بھی، اور زبان و بیان سے بھی، اور اپنے اعمال و اخلاق سے بھی اس کا ثبوت دو، صفات سے مراد یہ ہے کہ دینے والا، بخشنے والا، اور عطاء فرمانے والا، وہی وحدہٗ لاشریک ہے، جو کہ وہاب و کریم ہے۔ پس ہر ضرورت و حاجت کیلئے دستِ سوال و دعاء اسی کے حضور پھیلاؤ، اور حاجت روا و مشکل کشا، اسی وحدہٗ لاشریک کو جانو، اور غائبانہ اسی کو پکارو۔ اور حقوق سے مراد یہ ہے، کہ عبادت کی ہر قسم اور ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کیلئے خاص اور اسی کا حق ہے کہ معبودِ برحق بہر حال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس قیام، رکوع، سجدہ، طواف اور نذر و نیاز وغیرہ سب کچھ صرف اسی کا حق ہے، کہ یہ سب عبادت کی مختلف شکلیں ہیں، اور عبادت کی ہر شکل و صورت اور ہر قسم، بہر حال اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی بھی اور ہستی کیلئے ان میں سے کوئی بھی عبادت بجالانا شرک اور ظلم ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور اختیارات سے مراد یہ ہے کہ اس کائنات کا مالک و متصرف بھی وہی ہے، اور اس میں حاکم و فرمانروا بھی وہی ہے۔ سو جیسے اس کائنات کی تخلیق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح اس کے تصرف و ابقاء میں بھی اس کا کوئی حصہ دار نہیں۔ پس ان سب امور کو یاد کر کے تم لوگ دل و جان سے اس کے آگے جھک جاؤ، اور اپنے قول و قرار، اور عمل و کردار سے، اس کا عملی طور پر بھی ثبوت دو، یہ سب کچھ مفاد و مقتضیٰ ہے اس حرفِ فاء کا جو کہ "اُذْكُرُوْنِيْ" کے صیغۂ امر پر داخل ہے، جو کہ دال ہے تعقیب و ترتیب پر۔ یعنی جب اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - نے تم کو ان اور ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا ہے، جن کا ذکر اس سے پہلے کی آیاتِ کریمہ میں آچکا ہے، اور جو ایک سے بڑھ کر ایک عظیم الشان نعمت ہے، تو پھر اس سب کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس وحدہٗ لاشریک کو یاد کرو، اور اس کو اس طریقے سے یاد کرو۔ جل وعلا شانہٗ۔ جو اس نے تم کو اپنے رسول کے ذریعے بتایا اور تعلیم و تلقین فرمایا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اپنی طرف سے اس میں بدعتیں شامل نہ کرو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۱۹ ذکرِ خداوندی کا عظیم الشان صلہ و بدلہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مجھے یاد کرو میں تم لوگوں کو یاد کروں گا۔ یعنی میرے اس ذکر کے بدلے اور صلے میں میں تم کو یاد کرونگا اپنی ان عنایاتِ بے پایاں کے ساتھ، جن سے میں تم کو طرح طرح سے نوازوں گا، اور تمہارا ذکر عالمِ بالا میں، اور فرشتوں کی مجلس میں کرونگا، جس سے تم کو ملاءِ اعلیٰ (عالمِ بالا اور ملائکۂ مقربین) کی عنایات و توجہات نصیب ہونگی، جیسا کہ احادیثِ قدسیہ میں وارد و مذکور ہے اور جیسا کہ سورۃ مؤمن کی ابتدائی آیات میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے، کہ فرشتے اور حاملینِ عرش فرشتے اس بندۂ خاکی کیلئے اپنے خالق و مالک کے حضور کیسی کیسی دعائیں کرتے ہیں، اور یہ اہلِ ایمان کو ملنے والا ایک منفرد اور بے مثال اعزاز ہے۔ فالحمد للہ۔ سو اس ارشادِ خداوندی سے اہلِ ایمان کو یاد دلایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام اور اسکے عائد کردہ فرائض کو پوری

طرح بجالاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم کو دنیا و آخرت میں اپنی عنایات سے نوازے گا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق۔

۴۲۰ شکرِ خداوندی کی تعلیم و تلقین: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ میرا شکر کرو۔ شکرِ خداوندی کی یہ نعمت ایسی نعمت ہے جس سے خود تمہیں کو فائدہ ہوگا کہ میری عطا کردہ نعمتوں میں خیر و برکت نصیب ہوگی، اور ان میں اضافہ ہوگا، اور بڑھوتری نصیب ہوگی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ - (ابراہیم: ۷)۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے "وَبِالشُّكْرِ تَدُوْمُ النِّعَمُ" کہ "شکر سے نعمتوں کو دوام نصیب ہوتا ہے"۔ سو شکر وسیلۂ ظفر ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو شکر کی اسی عظمت و اہمیت کی بناء پر پہلے تو اس آیتِ کریمہ میں ﴿ وَاشْكُرُوْا لِيْ ﴾ کے امر سے حکم دیا گیا کہ تم ان تمام نعمتوں کا صحیح صحیح طور پر حق ادا کرنا جن میں سب سے بڑی نعمت شریعتِ مقدسہ کی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے، جو اب کامل شکل میں اس امت کو بخشی گئی ہے اور آخر میں۔ ﴿ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ - سے اسکی پھر تاکید فرما دی گئی کہ تم لوگ میری نعمتوں کی ناشکری نہیں کرنا۔ سو شکرِ نعمت باعثِ سعادت و سرفرازی ہے اور ناشکری موجبِ خسران و محرومی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے ذکر سے رطب اللسان رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۴۲۱ خدائے پاک کی ناشکری سے ممانعت: -سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ "میری ناشکری نہیں کرنا"۔ یعنی میری نعمتوں پر میری ناشکری نہیں کرنا کہ اس کا نقصان بھی خود تمہیں کو پہنچے گا کہ کفرانِ نعمت کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ جیسا کہ سورۂ ابرہیم کی اسی آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ - (ابراہیم: ۷) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس ارشاد میں مسلمانوں کیلئے یہ بڑا اہم اور بنیادی درس ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح کی ناشکری کے مرتکب نہ ہوجانا، جس طرح کہ یہود نے کیا کہ اسکے نتیجے میں تم بھی اسی انجام کے حقدار بن جاؤ، جسکے وہ لوگ بن چکے ہیں کہ اللہ کا قانون سب کیلئے ایک اور بے لاگ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۴۲۲ صبر و صلوٰۃ کی اہمیت و عظمتِ شان کا ذکر و بیان: -سو اس سے صبر و صلوٰۃ کی اہمیت و عظمتِ شان واضح ہوجاتی ہے کہ یہ دونوں مددِ خداوندی سے سرفرازی کے دو اہم ذریعے اور وسیلے ہیں سو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے دو بڑے ذریعے صبر اور نماز۔ یعنی مدد تو ہمیشہ اللہ ہی سے مانگو کہ مدد دینا بہرحال اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور اسی کا کام ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی مشہور و معروف حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا گیا۔ "وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ" - کہ جب تمہیں کچھ مانگنا اور سوال کرنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو۔ اور اسی سے سوال کرو۔ اور جب مدد طلب کرنا ہو تو اسی وحدہٗ لاشریک سے طلب کرو"۔ اسی لئے مومن کو تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں۔ ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ - کے ذریعے اس کے حضور اسی حقیقت کا اظہار اور اس کا اقرار و تکرار کرے، کہ "مالک! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں، اور کرتے رہیں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے"۔ بہرکیف مدد دینے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور اس کی اس مدد کے حاصل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ یہ ہے کہ صبر و صلوٰۃ سے کام لیا جائے کہ صلوٰۃ یعنی نماز کے ذریعے بندہ اپنے جسم و جان اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع ہوتا اور اسکی عبادت و بندگی میں مشغول رہتا ہے، اور صبر سے استقامت اور پختگی نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض حضراتِ اہلِ علم کے نزدیک یہاں پر صبر سے مراد روزہ ہے، جو کہ صبر و استقامت کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی مدد سے سرفرازی کیلئے صبر و صلوٰۃ دو عظیم الشان ذریعے ہیں۔ ان کے ذریعے ہمیشہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق۔

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ

اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ۴۲۳ اور مت کہو تم ان لوگوں کے بارہ میں جو مارے جائیں اللہ کی راہ میں، کہ وہ مردہ ہیں،

اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

(کہ ایسے لوگ حقیقت میں مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں ۴۲۴ مگر تم لوگ (ان کی اس زندگی کا) شعور نہیں رکھتے ۴۲۵ اور (کھرے

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ

کھوٹے کی تمیز ونکھار کے لئے) ہم نے ضرور تمہاری آزمائش کرنی ہے، کسی قدر خوف، بھوک، اور جان ومال کے نقصان،

الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ

اور پھلوں (اور آمدنیوں) کے گھاٹے کے ذریعے، اور خوشخبری سنا دو، ان صبر کرنے والوں کو ۴۲۶ جن (کی شان یہ ہوتی ہے کہ جب ان) کو

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

کوئی مصیبت پہنچتی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم سب تو اللہ ہی کا مال ہیں ۴۲۷ اور ہمیں بہرحال اسی کے یہاں

۴۲۳ معیتِ خداوندی اور اس سے مقصود و مراد؟: -سو اس سے اللہ تعالیٰ کی معیت اور اسکے ساتھ ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے، یعنی ''اللہ تعالیٰ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے''۔ اپنی تائید ونصرت اور مدد وعنایت کے اعتبار سے جو کہ عبارت ہے معیتِ خاصہ سے جو کہ اہلِ ایمان اور ان میں سے صابرین وغیرہ کے ساتھ مختص ہے۔ جبکہ اسکی معیتِ عامہ جو کہ احاطۂ علم وقدرت کے معنیٰ میں ہے وہ عام ہے اور سب ہی مخلوقات کو شامل ہے کہ وہ سب ہی اس کے احاطۂ علم و قدرت میں داخل ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا -﴿ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ الأیة (الحدید:۴) اور جیسا کہ -﴿ وَهُوَ مَعَهُمْ اَيْنَمَا كَانُوْا﴾ الأیة (المجادلة: ۷) میں فرمایا گیا ہے۔ اور جب اللہ پاک کی تائید ونصرت اور اسکی معیت وعنایتِ خاصہ نصیب ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیئے؟ - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔

۴۲۴ حیاتِ شہداء کا ذکر وبیان: -سو اس سے شہداء کی خصوصی حیاتِ برزخی کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے سو وہ زندہ ہیں اپنی اس حیاتِ برزخی کے اعتبار سے، جو کہ ان کو وہاں پر حاصل ہے اور جو دوسرے لوگوں کی حیات سے الگ ایک امتیازی شان رکھتی ہے (البیضاوی، المراغی، القاسمی، الروح، الصفوۃ اور الجامع وغیرہ)۔ ورنہ یہ دنیاوی زندگی تو بہرحال ان سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اور موت کے عمومی اثرات واحکام جو دوسرے لوگوں اور عام مُردوں پر مرتب ہوتے ہیں، وہ ان پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، ان کو دفن کیا جاتا ہے، ان کی بیویاں بیوہ قرار پاتی ہیں، ان کے آگے نکاح کئے جاتے ہیں، ان کے بچے یتیم کہلاتے ہیں، اور ان کی میراث تقسیم کی جاتی ہے وغیرہ

وغیرہ۔ سو اگر ان کی یہ دنیاوی حیات ختم نہ ہو چکی ہوتی اور اس اعتبار سے وہ مردہ قرار نہ پاتے تو ان پر یہ احکام کیسے جاری ہوتے؟ بہر کیف اس میں شہداء کرام کے امتیازی مقام اور عظمتِ شان کو بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ عالمِ برزخ میں ایک امتیازی شان کی زندگی سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ لہٰذا انکو مردہ نہ سمجھا جائے اور نہ یہ کہا جائے کہ وہ مردہ ہیں۔

۴۲۵ احوالِ برزخ کا علم صرف وحی کے ذریعے: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ برزخ کا علم محض عقل و حواس سے ممکن نہیں کہ اس زندگی کا تعلق برزخ کے اس غیبی جہاں سے ہے جس کا علم و اِدراک محض حواس اور عقل سے ممکن نہیں۔ اس کے بارے میں جاننے کا ذریعہ وحی اور صرف وحی ہی ہو سکتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ وغیرہ محققین فرماتے ہیں کہ شہداء کو وہاں پر خاص قسم کے برزخی اجسام عطا ہوتے ہیں جن سے ان کی ارواح کا تعلق قائم کر دیا جاتا ہے۔ (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں فرمایا گیا کہ ان کی ارواح کو سبز پرندوں ''طیر خضر'' میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ بہر کیف ان کو وہاں پر ایک خاص زندگی عطا فرمائی جاتی ہے جو اس دنیاوی زندگی سے مختلف ہوتی ہے۔ سو شہداءِ کرام کو برزخ میں ایک خاص اور امتیازی زندگی حاصل ہوتی ہے، اور وہاں کی اس زندگی میں انکو جن عظیم الشان کامرانیوں اور عنایات سے نوازا جاتا ہے۔ انکا اس ناسوتی زندگی میں تصور بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ ان کو ویسے ہی مانا جائے جیسا کہ نصوص سے ثابت ہو کہ اس کے بارے میں علمِ وحی کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

۴۲۶ صبر والوں کیلئے بشارت کا عموم و شمول: -یعنی یہاں پر ''مُبَشَّر بہٖ'' کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ یعنی یہ نہیں بتایا گیا کہ ان صابرین کو کس چیز کی خوشخبری سنائی جائے، جس سے عموم کا فائدہ ملتا ہے، کہ یہ خوشخبری کسی ایک چیز کی نہیں بلکہ اس کے ماتحت بہت سی اشیاء آتی ہیں جن کا احاطہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ صبر کے صلہ و بدلہ میں ان کا اجر و ثواب محفوظ ہو جائیگا۔ ان کو اطمینانِ قلب نصیب ہو گا۔ ان کے اندر رقت و عاجزی پیدا ہو گی۔ ان کو رجوع اور اِنابت الی اللہ کی توفیق نصیب ہو گی اور آخرت میں ان کو جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائے گا - اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔ بہر کیف صبر ایک عظیم الشان صفت ہے - اللہ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔

۴۲۷ ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں: - اور مالک اپنی ملکیت میں جو تصرف چاہے فرمائے۔ اس پر کسی چون و چرا کی گنجائش ہی کیا ہو سکتی ہے۔ پھر ہمارا خالق و مالک تو اس کے ساتھ ساتھ رحمٰن و رحیم اور حکیم و کریم بھی ہے۔ اس لئے وہ ہم سے جو بھی معاملہ فرماتا ہے اس میں ہماری خیر اور بہتری ہی ہوتی ہے اگرچہ ہم اس کو نہ سمجھ سکیں۔ کیونکہ وہ ہم پر خود ہم سے بھی کہیں بڑھ کر مہربان ہے - ''اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا لِاَنْفُسِنَا'' - سبحانہٗ وتعالیٰ - فَلَکَ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ یَارَبِّیْ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّنَعُوْذُ بِکَ مِنْ حَالِ اَھْلِ النَّارِ - سو صبر و شکر مومن کی عظیم الشان صفات میں سے ہیں، اور یہ دونوں صفتیں ایسی عظیم الشان صفتیں ہیں کہ مومن کی ہر حالت کو اس کیلئے خیر بنا دیتی ہیں۔ نعمت ملے تو بھی اور تکلیف پہنچے تو اسکو بھی۔ اور یہ شان مومن کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں - والحمد للہ جل و علا - جبکہ دولتِ ایمان سے محروم لوگوں کا معاملہ اس سے یکسر مختلف اور بالکل برعکس ہے۔ ان کو نعمت ملتی ہے تو وہ بھی ان کے لیے عذاب بن جاتی ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بھی عذاب بن جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ

لوٹ کر جانا ہے ۴۲۸ ایسے لوگوں پر خاص عنایات ہیں ان کے رب کی جانب سے، اور

۴۲۸ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ''صبر والے کہتے ہیں کہ ہم سب یقیناً اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم سب نے بہرحال اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے''۔ اور وہاں پہنچنے پر وہ واہب مطلق -جل وعلا شانہ- ہمیں اپنی رحمتِ بے نہایت کی بناء پر اس سے بھی کہیں بڑھ کر ان نعمتوں سے نوازے گا جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ- سو اس کے سامنے دنیا کی یہ ساری آزمائشیں اور یہ تمام نقصان کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے، کہ آخرت کی وہ نعمتیں دائمی اور ابدی ہیں۔ اور اس اکرم الاکرمین کی مزید شانِ کرم ملاحظہ ہو کہ اسکی ان پاکیزہ اور مقدس تعلیمات پر عمل کرنے سے انسان کو مصیبت پر بھی اور اسی دنیا میں عظیم الشان اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بطورِ نمونہ صحیح مسلم وغیرہ کی یہ حدیث ملاحظہ ہو جو کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ- رضی اللہ عنہا -سے مروی ہے کہ حضرت نبیٔ اکرم- ﷺ -نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے مصیبت پر (صدقِ دل سے) یہ دعا پڑھی یعنی ﴿اِنَّا لِلّٰهِ﴾ الخ۔ اور اس کے ساتھ مزید یہ ٹکڑا بھی ملا دیا ''اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا﴾'' ''اے اللہ، مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور اس سے بہتر بدلہ عطاء فرما'' تو اللہ پاک اس کو ضرور اس سے کہیں بہتر بدلہ عطا فرمائیگا۔ حضرت ام سلمہ- رضی اللہ عنہا -فرماتی ہیں کہ جب میرے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس ارشادِ نبوی- ﷺ -کے مطابق یہ دعا تو پڑھی مگر میرے دل میں یہ بات تھی کہ ابو سلمہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے جو کہ ان اوران خوبیوں کے مالک تھے۔ مگر اسکے تھوڑے ہی عرصے بعد اس کا مصداق میرے سامنے آ گیا کہ میرا دوسرا نکاح خود رسول اللہ- ﷺ -سے ہو گیا۔ سبحان اللہ! قدرت کا کتنا عظیم تحفہ ہے یہ عظیم الشان دعا، جو اس اکرم الاکرمین نے اپنی رحمت وعنایت سے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے، مگر بندے ہیں کہ اس سے غافل و بے خبر ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ یہ کلمہ اس امت -امتِ مسلمہ- ہی کو ملا ہے۔ پہلی امتوں میں یہ نہیں تھا۔ اسی لئے حضرتِ یعقوب- علیہ الصلوٰۃ والسلام -نے حضرت یوسف- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے غم میں اس کی بجائے- ﴿يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ﴾- فرمایا تھا (معارف للکاندھلویؒ)۔ مگر واضح رہے کہ اس سے مراد محض زبانی طور پر پڑھ لینا نہیں بلکہ اصل مقصد اس کے معنی اور مطلب کو سمجھ کر اسے دل سے ادا کرنا ہے۔ سبحان اللہ! -کتنا عظیم ہے یہ دین اور کس قدر سچی اور پاکیزہ ہیں اس کی یہ تعلیمات کہ اس سے مصیبت بھی نعمت بلکہ کئی نعمتوں کا ذریعہ اور مجموعہ بن جاتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے'' اِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ'' کہ ''مصیبت زدہ شخص تو درحقیقت وہ ہے جو [اپنی بے علمی اور بے دینی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -کی بناء پر] اجر وثواب کی دولت سے محروم رہا''۔ ورنہ صابر و شاکر کیلئے تو اس کی مصیبت بھی الٹا نعمت، بلکہ کئی نعمتوں کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

رَحۡمَةٌ ۟ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ اِنَّ الصَّفَا وَ

عظیم الشان رحمت بھی، اور یہی لوگ ہیں (صدق وصواب اور فوز وفلاح کی) راہ پر، ف۴۲۹ بے شک صفا اور

الۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنۡ حَجَّ الۡبَیۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ

مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے، یا عمرہ،

فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِ اَنۡ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا ۙ

تو اس پر اس بارہ کوئی گناہ نہیں، کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے ف۴۳۰ اور جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے گا تو یقیناً (وہ اس کا بدلہ

۴۲۹ صبر وسیلۂ ظفر:- سو صبر کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں پر ان کے رب کی جانب سے خاص عنایات بھی ہیں اور عظیم الشان رحمت بھی۔ اور یہی لوگ ہیں راہ پر۔ یعنی حق اور حقیقت کی اس راہ پر جس پر چلنے سے انسان کو دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی حقیقی اور ابدی فوز وفلاح نصیب ہوگی۔ سو کس قدر عظیم الشان ہے حق و ہدایت کی یہ راہ جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرتی ہے- اللہ سب کو نصیب فرمائے- آمین۔ اور کس قدر بدنصیب اور محروم ہیں وہ لوگ، جو حق و ہدایت کی اس راہ سے منہ موڑ کر خواہشاتِ نفس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں۔ اور انسانیت کے منصبۂ شرف سے گر کر حیوانیتِ محضہ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اور وہ اس حد تک محروم اور بدنصیب ہیں کہ ان کو اپنی اس محرومی کا احساس وشعور ہی نہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ صبر و استقامت سے اہلِ ایمان اپنے رب کی خاص عنایتوں اور رحمتوں کے مستحق قرار پاتے ہیں، اور اپنے رب کی انہی رحمتوں اور عنایتوں سے انہیں اس صراطِ مستقیم کی ہدایت ملتی اور اسی سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے جو انسان کیلئے دنیا وآخرت دونوں کی کامیابیوں کی ضامن ہے- وباللہ التوفیق- سو صفتِ صبر سے سرفرازی ایک عظیم الشان سعادت ہے- وباللہ التوفیق-

۴۳۰ صفا ومروہ "شعائر اللہ" میں سے ہیں:- اسلام سے قبل مشرکینِ مکہ نے صفا ومروہ کی پہاڑیوں پر "اساف" اور "نائلہ" نامی دو بت رکھے ہوئے تھے جن کی وہ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ اب جبکہ نورِ اسلام کے طلوع کے بعد، حج وعمرہ کے دوران صفا ومروہ کے درمیان سعی کا حکم دیا گیا، تو مسلمانوں کو اس بارے میں اشتباہ ہوا کہ جب ان دونوں پہاڑیوں پر شرک و بت پرستی کا ارتکاب کیا گیا، تو اب اس مقام پر سعی جیسے مبارک عمل کو کیسے بجالائیں، تو اس پر اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دونوں پہاڑیاں تو اللہ پاک کے شعائر میں سے ہیں، اور مشرکوں نے ان پر جس شرک کا ارتکاب کیا تھا، اس کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب ان دونوں کے درمیان سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ دونوں پہاڑیاں تو حضرتِ ابراہیم کے زمانے سے "شعائر اللہ" میں سے تھیں۔ اور ان کے درمیان سعی اور طواف تو حضرتِ ابراہیم کی سعی وطواف کی یادگار ہے، لیکن بعد میں مشرکین نے جس طرح مرکزِ توحید بیت اللہ کے اندر سینکڑوں بت رکھ دیئے تھے، اسی طرح انہوں نے ان دونوں شعائر کو بھی بت پرستی سے ملوث کر دیا تھا۔ سو اب انکو شرک کی اس گندگی سے پاک صاف کر کے "شعائر اللہ" کی حیثیت سے اجاگر کر دیا گیا۔ لہٰذا اب انکے درمیان سعی اور طواف میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ان کے درمیان سعی مطلوب و مامور ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ

پائے گا کہ) اللہ بڑا ہی قدر دان، سب کچھ جاننے والا ہے، بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری

اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

نازل کردہ روشن تعلیمات اور کھلی ہدایات کو، اس کے بعد کہ ہم نے انہیں کھول کر بیان کر دیا

لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ

لوگوں کے لئے اپنی کتاب میں، تو ایسوں پر لعنت کرتا ہے اللہ بھی ۴۳۱ اور سب لعنت

اللّٰعِنُوْنَۙ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا

کرنے والے بھی ۴۳۲ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی (حق پوشی کے اس جرم سے،) اور انہوں نے اصلاح کر لی (اپنے فساد و بگاڑ

فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

کی،) اور انہوں نے بیان کر دیا (چھپائے گئے حق کو،) تو ایسوں کی توبہ میں (اپنے فضل و کرم سے) قبول کر لوں گا، اور میں بڑا ہی

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ

توبہ قبول کرنے والا ۴۳۳ انتہائی مہربان ہوں، (اور اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر ہی کو اپنائے رکھا، اور کفر ہی کی حالت میں انہوں نے

لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَۙ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ

جان دی، تو ایسوں پر یقیناً لعنت ہے اللہ کی ۴۳۴ اس کے فرشتوں کی، اور لوگوں کی، سب کی ۴۳۵ جس میں ان کو ہمیشہ رہنا

فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ہوگا، نہ ان سے ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی، اور نہ ہی ان کو (وہاں) کوئی مہلت دی جائے گی ۴۳۶

۴۳۱ کتمانِ حق باعثِ لعنت و پھٹکار، والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کتمانِ حق کے مجرموں یعنی حق کو چھپانے والوں پر لعنت و پھٹکار ہے، والعیاذ باللہ: کیونکہ ایسے لوگ درحقیقت کتمانِ حق کے ذریعے اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کو اس کی ہدایت کے نور سے محروم کرنا چاہتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - جس کے نتیجے میں یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور اور اس مالکِ مطلق کی لعنت و پھٹکار کے مورد بن جاتے ہیں، کیونکہ کتمانِ حق کا یہ جرم

اس لحاظ سے بہت سنگین جرم اور ڈبل گناہ بن جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ یہ اشارہ ہے یہود کی طرف جنہوں نے ھدیٰ اور بینات سے تعلق رکھنے والی عام تعلیمات کو بھی چھپایا اور خاص کر ان نشانیوں کو جو تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمائی گئی تھیں۔ مگر ان بدبختوں نے ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے انکو چھپانے کی کوشش کی۔ اور اس طرح انہوں نے اپنی محرومی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی محرومی کا بھی سامان کیا جو کہ جرم بالائے جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو نورِ حق و ہدایت کو آگے پہنچانا ایک اہم مطلب ہے تاکہ اندھیروں میں ڈوبی دنیا اس سے مستفید ہو سکے۔

۴۳۲ کتمانِ حق کے مجرموں پر سب کی لعنت، والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ کتمانِ حق کے مجرموں پر سب لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ کے بندوں کو حق و ہدایت کے نور سے محروم کر کے اندھیروں میں دھکیلنا چاہتے ہیں جو کہ تباہی اور بربادی کی راہ ہے۔ اور کتمانِ حق کے اس جرمِ عظیم کے نتیجے میں جب عذاب آتا ہے، تو اس میں چرند پرند وغیرہ دوسری بے گناہ مخلوق بھی مبتلائے عذاب ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسی تمام مخلوق بھی ان ظالموں پر لعنت کرتی ہے، کہ ان کی وجہ سے ہمیں یہ بھگتان بھگتنا پڑا (جامع البیان، معارف القرآن اور صفوۃ وغیرہ)۔ سو یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتمانِ حق کا جرم کس قدر ہولناک اور سنگین جرم ہے، اس لئے اس جرم کے خلاف کمر بستہ ہو جانا بھی ہر مسلمان کے ذمے بقدرِ ہمت و استطاعت لازم و ضروری ہے، ورنہ ایسے سب لوگ اس وعید میں داخل ہو جائیں گے، (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ وَإِیَّاہُ نَسْأَلُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی التَّوْفِیْقَ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی، نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ صرف زبانی کلامی طور پر توبہ کے الفاظ کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ وہ سچی توبہ مطلوب ہے جو کہ سچے دل سے ہو، اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فساد و بگاڑ کی اصلاح بھی کی جائے، جیسا کہ اگلی آیت کریمہ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو جو لوگ کتمانِ حق کے جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد اسکی اصلاح کر لیں گے وہ اس انجام سے محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ سچی اور صحیح توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، انتہائی مہربان ہے، اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم اور شکل سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے، اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۴۳۳ اللہ تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے:۔ اور اتنا بڑا کہ سچی توبہ پر وہ زندگی بھر کے گناہوں کو یکسر معاف کر دیتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے اور کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ صحیح حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا کہ ابنِ آدم اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو بھی چھو رہے ہوں، اور تو سچے دل سے توبہ کرے تو میں وہ سب معاف کر دونگا، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی، ابنِ آدم! اگر تو روئے زمین کے برابر بھی گناہ لے کر آئے تو میں (سچی توبہ پر) تجھے اسی کے برابر بخشش سے نواز دونگا، البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو ﴿اَلَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا﴾ سبحان اللہ! کیا کہنے اس شانِ کرم و عطاء کے، اور کتنی عظیم ہے یہ توبہ کی دولت جس سے رب نے اپنے بندوں کو اپنے کرمِ بے پایاں سے نوازا ہے، ورنہ گناہوں کی اس تباہ کن میل کو کیسے اور کہاں سے صاف کرایا جاتا اور ہم جیسے گناہگار کہاں جاتے؟

۴۳۴ کفر و انکار موجبِ لعنت و پھٹکار۔ والعیاذ باللہ:۔ سو کفر کی حالت میں جان دینے والوں پر ہمیشہ

کیلئے اللہ کی لعنت و پھٹکار ہے- والعیاذ باللہ- کہ انہوں نے اپنے آپ کو توبہ کی سعادت سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا، اور فرصتِ حیات کو یونہی ضائع کر کے وہ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں پہنچ گئے، جہاں نہ توبہ کا کوئی امکان اور نہ آخرت کیلئے کمائی کا کوئی موقع ہوسکتا ہے۔ اور نہ ہی وہاں سے رجوع اور اس دنیاوی زندگی میں واپسی کا کوئی امکان ہوسکتا ہے۔ اور یہ وہ ہولناک اور سب سے بڑا خسارہ ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ ممکن ہی نہیں۔ سو ایسوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہی دوری اور محرومی ہی محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے، یعنی وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، نہ انہوں نے توبہ کی نہ اپنی اصلاح کی اور وہ حق کے اظہار و اعلان کے بغیر ہی دنیا سے اٹھ گئے، تو ان پر لعنت ہے اللہ کی اور اسکے فرشتوں کی اور سب لوگوں کی، اور اپنے اس جرم کے نتیجے میں وہ دوزخ کے ہولناک عذاب میں مبتلا ہوگئے، جس میں انکو ہمیشہ ہمیش کیلئے رہنا ہوگا، کہ ان کیلئے پھر اسکے تدارک اور تلافیٔ مافات کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حق پوشی کا جرم کس قدر سنگین جرم ہے، والعیاذ باللہ العظیم-

۴۲۵ کفر و انکار کا نتیجہ و انجام نہایت بُرا- والعیاذُ باللہ:- کہ کفر کی حالت میں مرنے والوں پر خالق و مخلوق سب کی لعنت ہے- والعیاذ اللہ- یعنی ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق کے یہاں بھی لعنت کے حق دار ہیں، اور ان کیلئے لعنت ہی لعنت اور پھٹکار ہی پھٹکار ہے۔ پس ان کیلئے نہ کوئی حمایتی ہو سکے گا، نہ سفارشی، اور ان کو دائمی عذاب میں رہنا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں نے کفر ہی پر زندگی گزاری، اور کفر ہی پر جان دی، وہ کس قدر محروم اور کتنے بدبخت لوگ ہیں، اگرچہ دنیا میں وہ اربوں کھربوں ہی کے مالک کیوں نہ رہے ہوں، اور ان کی ساری زندگی حکومت و اقتدار کی کرسی ہی پر کیوں نہ گزری ہو۔ کیونکہ آخر کار انہوں نے اس ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے۔ اس کے مقابلے میں وہ مومنِ صادق کس قدر خوش نصیب ہے، جو دنیا کی اس حیاتِ فانی کے بعد آخرت کے اس ہولناک عذاب سے بچ کر جنت کی حقیقی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہوگا، اگرچہ دنیا میں اسے پیٹ بھر کے کھانے کو بھی نہ ملا ہو، اور تن ڈھانپنے کو پورا کپڑا بھی میسر نہ آیا ہو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید -

۴۲۶ کافروں کے عذاب کی ہولناکی کا ایک پہلو:- کہ ایسوں کیلئے آخرت میں نہ کوئی مہلت ہوگی، اور نہ ہی ان کے عذاب میں کوئی تخفیف کہ توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرا سکیں، کہ اس کا موقع دنیا میں تھا جس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔ اور وہاں پر اب ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان بھگتنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿ ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ - [النحل:۸۴]۔ یعنی اس روز نہ تو ایسے کافروں کو کچھ کہنے بولنے کی کوئی اجازت ہوگی، اور نہ ہی ان سے کسی توبہ و معذرت کا کوئی مطالبہ کیا جائیگا، کہ اس سب کا موقع بہر حال گزر چکا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو نہ تو ان سے وہ عذاب ہلکا کیا جائے گا، جس میں انکو ڈالا جائے گا اور نہ ہی اس میں کوئی وقفہ اور انقطاع ہوگا، کہ انکو دم لینے کا کوئی موقع نہ مل سکے- والعیاذ باللہ العظیم- سو منکر لوگ مسلسل اور لگاتار وہاں کے اس ہولناک عذاب میں مبتلا ہونگے۔ کبھی اس سے نکل نہیں سکیں گے- ﴿ وَمَا هُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴾- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ -

وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ

اور معبود (حقیقی) تم سب کا (اے لوگو!) بہرحال ایک ہی معبود ہے، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس (وحدہٗ

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ ع اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ

ع ۱۹ / ۱۱ / ۳

لاشریک) کے ۴۳۷ کے جو کہ بڑا ہی مہربان، نہایت ہی رحم والا ہے، بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ادلنے

اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ

بدلنے میں، اور ان کشتیوں (اور جہازوں) میں، جو کہ رواں دواں ہیں سمندروں میں، طرح طرح کے ایسے سامانوں کے

فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ

ساتھ، جو کہ فائدہ پہنچاتے ہیں لوگوں کو ۴۳۸ اور (بارش کے) اس پانی میں جسے اللہ اتارتا ہے آسمان سے، پھر اس کے ذریعے وہ

۴۳۷ معبودِ برحق صرف ایک ہے، یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ "معبودِ [حقیقی] تم سب کا [اے لوگو!] ایک ہی معبود ہے"۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ پس عبادت و بندگی کی ہر قسم، خواہ وہ بدنی، ہو یا مالی، قلبی ہو، یا قالبی، اسی کا اور صرف اسی کا حق، اور اسی کے ساتھ خاص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اس کے سوا اور کسی کیلئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم کسی بھی شکل میں بجالانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اسی طرح اللہ کے سوا اور کسی کو مافوق الاسباب طور پر حاجت روا و مشکل کشا ماننا، اور اسکو حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے بلانا پکارنا، یہ بھی جائز نہیں کہ یہ بھی شرک ہے، (تفسیر المراغی وغیرہ)- والعیاذ باللہ العظیم- سو معبودِ حقیقی سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک۔ پس عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے- جل جلالہ وعم نوالہ-

۴۳۸ قدرت وعنایتِ خداوندی کا ایک مظہر:- یعنی یہ کشتیاں اور جہاز جن سے انسانی ضرورتوں کے سامان ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچتے ہیں اور طرح طرح سے ان کی حاجتوں کی تکمیل ہوتی ہے، کہ ان کو قسما قسم کے سامان بسہولت میسر آتے ہیں اور کتنی ہی دنیا کی ملازمتیں اور نوکریاں اور کاروبار اس سلسلہ حمل ونقل سے وابستہ ہیں، اور اس طرح ان کی روزی روٹی کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں- فللہ الحمد رب العالمین- سو یہ قدرت وعنایتِ خداوندی کا کس قدر عظیم الشان مظہر ہے کہ اس نے سمندر کو ان قوانین وضوابطِ فطرت کا اس قدر پابند بنا دیا کہ وہ انسان کیلئے اتنے عظیم الشان اور گوناگوں فوائد ومنافع کا ذریعہ بن رہا ہے، اور دنیا دن رات لگاتار اس سے طرح طرح کے ایسے عظیم الشان فائدے اٹھاتی ہے، مگر اپنے خالق ومالک کا شکر بھی ادا نہیں کرتی بلکہ اس کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوتی - الا ماشاء اللہ- والعیاذ باللہ جل وعلا-

السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

زندگی بخشتا ہے زمین کو، اس کے بعد کہ وہ مرچکی ہوتی ہے ۴۳۹ اور (طرح طرح کے) ان جانوروں میں جن کو اس نے پھیلا رکھا

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَ

ہے زمین میں ۴۴۰ (اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے،) اور ہواؤں کی گردش میں اور ان (بھاری بھرکم) ۴۴۱ بادلوں میں، جن کو

السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ

مسخر (اور معلق) کر رکھا ہے اس نے آسمان اور زمین کے درمیان میں، بڑی بھاری نشانیاں ہیں ۴۴۲ ان لوگوں کے لئے جو عقل

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ

سے (صحیح طور پر) کام لیتے ہیں ۴۴۳ مگر (اس سب کے باوجود) کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس (وحدہٗ لاشریک)

دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

کا ہم سر ٹھہرا رکھا ہے ۴۴۴ وہ ان سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت کہ اللہ سے کرنی چاہیے اور جو لوگ ایمان (صادق کا شرف ونور)

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ

رکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں ۴۴۵ اور اگر دیکھ لیتے یہ ظالم لوگ (آنے والے اس وقت کو کہ) جب یہ اس عذاب کو

۴۳۹ احیاءِ ارض رحمت وعنایت خداوندی کا ایک اور مظہر: سو زمین کو اسکی موت کے بعد زندگی بخشنا اللہ پاک کی قدرتِ بے پایاں حکمتِ بے نہایت اور اسکی رحمت وعنایتِ بیکراں کا ایک عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے جس سے اس میں قسماقسم کی اشیاء، غلے، اناج، اور پھل، پھول وغیرہ نکلتے، پھوٹتے اور پیدا ہوتے ہیں، جن سے انسان طرح طرح سے مستفید ہوتا، اور قسماقسم کے فائدے اٹھاتا ہے، سو اس سب کے باوجود اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق سے منہ موڑنا کس قدر ناشکری اور کتنی بے انصافی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ سو جو قادرِ مطلق تمہاری مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تحصیل وتکمیل کیلئے اس طرح کے عظیم الشان انتظامات فرماتا ہے، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان نہ کرے جبکہ جسم و روح میں اصل چیز روح ہی ہے۔ سو جس طرح اس نے ظاہری اور حسی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندگی بخشی تاکہ تمہاری مادی اور جسمانی ضرورتوں کی تکمیل کا سامان ہو، اسی طرح اس نے وحی کی معنوی اور روحانی بارش برسا کر تمہارے دلوں کی مردہ زمین کو زندگی بخشنے کا سامان فرمایا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نیز جو تمہیں ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازتا ہے، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تم کو یونہی چھوڑ دے اور اسکا کوئی حساب کتاب نہ لے؟ سو لازماً حساب کتاب کا ایک دن آئے گا جس میں ہر کسی کو اپنے زندگی

بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا اور بدلہ پانا ہوگا۔ تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں۔ سو وہی ہے روزِ قیامت جو اس دنیا کے بعد قائم ہوگا، اور جو اس کائنات کے خالق و مالک کی حکمت اور اسکے عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ سو غور کرنے سے ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی اسکی قدرت و حکمت، رحمت و عنایت، وحی و رسالت، اور معاد و آخرت سب ہی کے متعلق کھلے اور واضح دلائل ملتے ہیں اور روشن حقائق سامنے آتے ہیں۔ لیکن دنیا ہے کہ غفلت میں ڈوبی پڑی ہے۔ وہ غور و فکر سے کام لیتے ہی نہیں۔ اور جو غور و فکر کرتے بھی ہیں تو وہ صرف مادہ اور معدہ کے نقطۂ نظر سے۔ اس لئے وہ چشم کشا اور بصیرت افروز حقائق تک رسائی سے محروم رہتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۴۰ جانوروں میں سامانِ غور و فکر: ۔ سو زمین میں پھیلے بکھرے جانوروں کے اندر بھی بڑے درسہائے عبرت و بصیرت پائے جاتے ہیں، سو جانوروں کی تخلیق اور ان کے پھیلا دینے کی نعمت ایک اور عظیم الشان نعمتِ خداوندی ہے جس سے لوگ بلا واسطہ اور بالواسطہ طور پر، طرح طرح سے، اور نت نئے طریقوں سے مستفید اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ سو اس کے باوجود اس واہبِ مطلق۔ جل جلالہ۔ کی یادِ دلشاد اور اسکی عبادت و بندگی سے منہ موڑنا کس قدر ناشکری اور بے انصافی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ ذرا سوچو کہ قسما قسم کے ان جانوروں کو تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کا سامان بنا کر پیدا کرنا اور ان کو اس طرح نہایت پر حکمت طریقے سے پوری روئے زمین پر پھیلا دینا اس قادرِ مطلق کی کتنی بڑی رحمت اور کس قدر عظیم الشان عنایت ہے۔ پھر بھی اس سے منہ موڑنا اور اسکے حقِ عبادت و اطاعت سے غفلت برتنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۴۴۱ بادلوں میں سامانِ غور و فکر: ۔ سو فضاؤں میں تیرتے پھرتے بادلوں کے اندر بھی بڑے نشانہائے عبرت و بصیرت ہیں سو فضاؤں میں اڑتے پھرتے بادلوں کے اندر قدرت و عنایتِ خداوندی کے عظیم الشان مظاہر و نمونے ہیں جو ہزاروں ٹن پانی اٹھائے روئی کے گالوں کی طرح فضاؤں میں اڑتے پھرتے ہیں، اور اپنے خالق و مالک کے حکم و ارشاد کے مطابق جگہ جگہ بارش برسا کر اسکی مخلوق کی فیض رسانی کا سامان کرتے ہیں۔ نہ زمین پر گرتے ہیں۔ ورنہ تباہی مچا دیں۔ اور نہ ظاہری طور پر کسی چیز کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، بلکہ قدرت و عنایتِ خداوندی سے آسمان و زمین کے درمیان معلق ہیں۔ فللہ الحمد رب العالمین۔ سو فضاءِ بسیط میں پھیلے بکھرے اور اڑتے پھرتے یہ بادل اپنی زبانِ حال سے پکار پکار کر تمہیں دعوتِ غور و فکر دے رہے ہیں، مگر لوگ ہیں کہ غفلت میں ڈوبے پڑے ہیں اور کوئی سبق نہیں لیتے۔ الا ماشاء اللہ۔ ورنہ یہ کائنات درسہائے عبرت و بصیرت سے بھری پڑی ہے۔

۴۴۲ قدرت کی عظیم الشان نشانیاں: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سب میں عظیم الشان نشانیاں ہیں، اللہ پاک سبحانہٗ و تعالیٰ کی وحدانیت کی۔ اس کی بے پایاں حکمت و قدرت اور رحمت و عنایت کی۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ کہ وہ قادرِ مطلق کس قدر رحیم و کریم، اور کیسا حکیم و قدیر ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے ان حکمتوں بھری چیزوں کو وجود بخشا۔ اور ان کو اس پر حکمت طریقے سے اپنے بندوں کے کام میں لگا دیا جن سے وہ ہر وقت اور لگاتار اور طرح طرح سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس حد تک کہ اس کا شمار بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ پھر بھی اس واہبِ مطلق سے منہ موڑنا اور اعراض برتنا کس قدر ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ نیز جب اسکی ان قدرتوں، عنایتوں اور رحمتوں میں کوئی اسکا شریک و سہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اسکا شریک و سہیم آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ پس معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔

۲۲۳ عقل والوں کیلئے دعوتِ غور وفکر:- کہ جو اپنی عقلوں سے صحیح طور پر کام لیتے ہیں وہی صحیح نتیجہ اخذ کرتے ہیں، ورنہ جو لوگ صحیح طور پر غور وفکر سے کام نہیں لیتے وہ اندھے بہرے بن کر رہتے ہیں، بلکہ اس سے بھی نیچے گر کر۔ کوئی اس سب سلسلۂ ہست وبود کو بخت واتفاق کا نتیجہ قرار دیتا ہے، کوئی اسکو اندھی بہری طبیعت کی کرشمہ سازی مانتا ہے، اور کوئی ان ہی مختلف ظواہر ومناظر میں الجھ اور اٹک کر رہ جاتا ہے۔ اور وہ خود ان ہی کو معبود قرار دے کر ان کے آگے جھکتے اور انکی پوجا پاٹ کرنے لگ جاتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- اور کچھ ایسے ہیں جو ان دیو ہیکل اور فلک بوس پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کرنے کی مہم میں عمریں صرف کر دیتے، اور جانیں تک قربان کر دیتے ہیں مگر وہ یہ نہیں سوچتے اور اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ یہ چوٹیاں جن کو سر کرنا ہمارے بس سے باہر ہو رہا ہے ان کو بنایا کس نے؟ اور اس حیرت انگیز طریقے سے ان کو نصب کس نے کیا؟ وہ ذات کتنی عظیم ہے، اور اس کا حق ہم پر کس قدر ہے، اور اس کے اس حق کو ادا کس طرح کیا جا سکتا ہے، اس واجبِ معرفت کو پہچاننا اور اس کا حق اداء کرنا ہم پر کتنا ضروری ہے؟ وغیرہ وغیرہ اور اس طرح ایسے لوگ جوہرِ عقل کو صحیح طور پر استعمال نہ کر کے، اور اس سے اس کا اصل کام نہ لیکر، گھٹا ٹوپ اندھیروں کے اندر گر کر، اور گھر کر رہ جاتے ہیں، اور وہ خسارہ در خسارہ میں مبتلا ہوتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم من کل سوء وانحراف- اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر قائم اور گامزن رکھے- آمین۔

۲۲۴ اللہ کے ہمسر ٹھہرانے کے جرم کا ذکر:- سو اس سے اللہ پاک کے ہمسر ٹھہرانے کے جرم وظلم کے ارتکاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سب کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اس کا ہمسر ٹھہرا رکھا ہے۔ اور وہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو کہ معبودِ حقیقی کیلئے کرنا چاہیئے۔ یہ ان کے آگے جھکتے، سجدے کرتے، طواف کرتے، پھیرے لگاتے، نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے انکو پکارتے پوجتے، اور ان کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ مشرکینِ مکہ اپنے خود ساختہ بتوں سے کیا کرتے تھے، اور جیسا کہ آج کے کھلے مشرکوں کے علاوہ خود کلمہ گو مشرک بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ایسی ہی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور خود ساختہ ومن گھڑت اور فرضی ووہمی چیزوں کو پوجتے پکارتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ العظیم-

۲۲۵ محبت کا سب سے زیادہ حقدار، اللہ تعالیٰ:- سو اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت سے آگاہ فرما دیا گیا کہ محبت کا سب سے زیادہ حقدار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے کہ سب خوبیوں اور کمالات کا مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ ہر قسم کے نفع ونقصان کا مالک وہی ہے۔ خوبی وکمال، جود وعطاء اور بخشش ونوال، سب کچھ اسی کی صفاتِ حمیدہ میں سے ہے۔ وہی خالق ومالک اور حاکم ومتصرف ہے، اور پوری کائنات کے تمام خزانے اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہیں۔ وہ سب سے بے نیاز اور سب اسکے اور اسی کے محتاج ہیں۔ ایک ایک لحظہ اور لمحہ میں اسکے جو خزانے تقسیم ہوتے ہیں، ان کا حساب وشمار کرنا بھی کسی کے بس میں نہیں۔ اور یہ سب بخشش وعطا وہ وہّاب مطلق محض اپنی شانِ کریمی سے از خود کرتا ہے۔ انسان اگر دیکھے تو وہ اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک، اسکی طرح طرح کی رحمتوں اور عنایتوں میں گھرا اور ڈوبا ہوا پائے گا۔ پس محبوبِ حقیقی وہی وحدہٗ لاشریک ہے- فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ- اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ اَعْمَالٍ تُقَرِّبُنَآ اِلَيْكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ - سو اس محبوبِ حقیقی کی طرح دوسروں کو محبوب رکھنا ظلمِ عظیم ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف -

الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

خود دیکھیں گے، اور (پوری طرح کھل جائے گی ان کے سامنے) یہ حقیقت کہ قوت سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے، اور یہ کہ اللہ

الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے (تو ان لوگوں کی حالت قطعاً دگرگوں ہوتی،) ف۴۴۶ جب کہ براءت (و بیزاری) کا اعلان کر کے الگ

وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ

ہو جائیں گے وہ (پیشوا) جن کی (دنیا میں) پیروی کی جاتی تھی، اپنے ان پیروکاروں سے، جو ان کی پیروی کرتے تھے ف۴۴۷ اور کٹ جائیں گے

۴۴۶ **سببِ غفلت کی تشخیص و نشاندہی:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ غفلت کا سبب اپنے انجام و آخرت سے بے خبری ہے والعیاذ باللہ سو اپنے اس انجام سے غفلت و بے خبری کی بناء پر یہ لوگ اس طرح خوابِ غفلت میں پڑے ہیں۔ ورنہ اگر ان کو اس وقت کے حال کا کچھ پتہ چل جاتا تو ان کا سب نشہ ہرن ہو جاتا، مگر چونکہ ان حقائق پر آج پردہ پڑا ہوا ہے جو کہ ابتلاء و آزمائش کا مقتضیٰ ہے، اس لئے آج یہ لوگ حق کو سننے اور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یعنی ''لو'' شرطیہ کا جواب یہاں پر محذوف ہے۔ جو کہ اسی طرح کی کسی عبارت سے مقدر مانا جا سکتا ہے۔ بہرکیف اس سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں کی غفلت و لاپرواہی کا اصل سبب اپنی آخرت اور اپنے انجام سے غفلت و بے خبری ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور جو اپنے انجام کی فکر رکھتے ہیں انکی زندگی بالکل الگ ہوتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ اپنی آخرت کے بنانے کی فکر و کوشش میں رہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلی ما یحب و یرید۔

۴۴۷ **گروؤں کا اپنے پیروکاروں سے تبراء اور اظہارِ بیزاری:** - اور ان کی پیروی یہ لوگ اس امید پر کرتے تھے کہ ایسے مشکل وقت میں یہ ہمارے کام آئیں گے، مگر کام آنا تو درکنار وہ سرے سے ان کے اس شرک ہی کا انکار کر دینگے، اور ان سے براءت و بیزاری اور اپنی علیحدگی کا اعلان کر دیں گے، بلکہ اس سے بھی آگے یہ کہ وہ ان کے مخالف اور دشمن بن جائیں گے۔ اس لئے قرآنِ حکیم ''کَلَّا'' کے حرفِ زجر و تنبیہ کے ساتھ ان کو خبردار کرتا ہے کہ ایسی خود ساختہ امیدوں کے جھوٹے سہاروں پر نہیں رہنا، ورنہ حساب کتاب کے اس کڑے دن بہت پچھتانا پڑیگا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ - [مریم: ۸۲]۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ان غیبی حقائق سے پیشگی خبر کر دی اور اس قدر تفصیل اور صراحت کے ساتھ تاکہ انسان آخرت کے اس یومِ عظیم کیلئے تیاری کر لے، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے، مگر دنیا ہے کہ اسکے باوجود خوابِ غفلت میں محو و منہمک ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس سے آگاہ فرما دیا گیا کہ اس روز ایسے سب رشتے کٹ جائیں گے۔ اور اصل حقائق نکھر کر سب کے سامنے آ جائیں گے۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا

وہ تمام رشتے جو کہ ان کے درمیان قائم تھے ۴۴۸ اور (اس وقت) وہ پیروکار (نہایت یاس وحسرت کے ساتھ) کہیں گے کاش کہ ہمیں

تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ایک مرتبہ پھر (دنیا میں) لوٹ جانے کا موقع مل جائے، تو ہم بھی ان سے ایسے ہی کٹ کر الگ ہو جائیں، جس طرح کہ یہ لوگ

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

ہم سے الگ ہو گئے ہیں ۴۴۹ سو اسی طرح اللہ دکھائے گا ان کو ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر ۴۵۰ اور یہ لوگ (دوزخ کی) اس آگ سے

كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

کبھی نکل نہ سکیں گے، اے لوگو کھاؤ (پیو) تم ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں، (اس شرط کے ساتھ کہ وہ) حلال اور پاکیزہ ہوں ۴۵۱

۴۴۸ باطل پرستوں کا حال قیامت کے روز: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ان کی دنیاوی زندگی کے تمام رشتے اس روز کٹ جائیں گے، اور مٹ جائیں گے۔ عقیدت وغلو، چوما چاٹی اور پوجا پاٹ کے وہ سب روابط و تعلقات، جو انہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں باہم استوار کر رکھے تھے، اور کرکری ہو جائے گی ان کی وہ سب منطق، جو اپنی ان شرکیات کو صحیح ثابت کرنے کیلئے دنیا میں یہ لوگ بگھارا کرتے تھے، کہ صاحب یہ بت جن کی پوجا ہم کرتے ہیں، یہ کوئی ایسی بے جان و بے حقیقت اور گری پڑی چیزیں نہیں بلکہ یہ دراصل فلاں فلاں ہستیوں کی شبیہ اور ان کے مظاہر اور اوتار ہیں۔ ان کے آثار واثرات ان کے اندر منتقل ہو گئے ہیں، اور یہ جو ہمارے قائم کردہ آستانے ہیں، سب حاجتیں یہیں ہی پوری ہوتی ہیں۔ یہ بڑی پہنچی ہوئی "سرکاریں" ہیں۔ وہ ہماری سنتا نہیں، اور ان کی رد نہیں کرتا۔ لہٰذا ہماری اِن کے آگے، اور اِن کی اُن کے آگے۔ اور یہ کہ صاحب ہم نے فلاں ہستی کا دامن پکڑ رکھا ہے بس۔ وہی ہمیں کافی ہیں ہم نے فلاں "سرکار" سے تعلق جوڑ رکھا ہے اور ان کا لڑ پکڑ رکھا ہے۔ وہی ہمارا سب کام بنا دینگی۔ ہم سگِ دربارِ فلاں ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ سو فیصلے اور عدل وانصاف کے اس روز میں، اور کشفِ حقائق کے اس جہان میں ان سب لوگوں کے یہ سب سہارے ٹوٹ جائینگے، اور یہ سب رشتے اور تعلق کٹ جائینگے۔ تب اصل حقیقت مت کے مارے ایسے بدبختوں کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائے گی۔ اس وقت ان کے افسوس اور انکی یاس وحسرت کی کوئی حد نہیں رہے گی، مگر بے وقت کے اس پچھتاوے سے ان کو کوئی فائدہ بہر حال نہیں ہوگا سوائے یاس وحسرت میں اضافے کے سو آخرت سے غفلت کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۴۴۹ باطل پرستوں کی حسرت کا ایک منظر: - سو اس وقت یہ لوگ رہ رہ کر تمنا کریں گے کہ ہمیں پھر دنیا میں

جانے کا موقع مل جائے، مگر اب اس کا موقع کہاں۔ اب اس سے ان کی حسرتوں ہی میں اضافہ ہوگا کہ تلافی و تدارک کا زمانہ گزر چکا ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ﴿فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ﴾ کہ اس کا موقع تو حیاتِ دنیا کی اس مدتِ محدود اور عمرِ رواں میں تھا جو کہ اس وقت بہرحال گزر چکی ہوگی۔ اور اب اس نے کسی بھی طرح واپس نہیں آنا۔ سو قرآنِ حکیم اس طرح جھنجھوڑ کر کہتا اور خبردار کرتا ہے کہ آج ہوش میں آجاؤ اور اس یوم عظیم کیلئے تیاری اور کمائی کرلو، قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ مگر اس طرح کے غافل لوگ اس پر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ سو انکی اس غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ انکے سامنے اس روز اس طرح ظاہر ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۵۰ **باطل پرستوں کے اعمال ان کیلئے باعث حسرت:** - کہ جن جن امور و اشیاء کو وہ سب کچھ یا بہت کچھ سمجھ رہے تھے وہ انکے کچھ بھی کام نہیں آسکیں گی۔ وہ سب کچھ تتر بتر بے نام ونشان اور "هَبَآءً مَّنْثُوْرًا" ہوکر رہ جائیگا، اور اب انکو پتہ چلے گا کہ اصل چیز تو ایمان ویقین کی دولت اور صحتِ عقیدہ کا وہ سرمایہ تھا، جس کی کمائی کا موقع و مقام حیاتِ دنیا کی وہ فرصتِ محدود ہی تھی جو کہ اس وقت بہرحال گزر چکی۔ جس کی بازیابی کی اب کوئی صورت ممکن نہ ہوگی ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ - پس صحت وسلامتی کی راہ یہ اور صرف یہی ہے کہ دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں آخرت کے اس یومِ عظیم کیلئے آج تیاری کی جائے، کہ حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ محدود ہی میں آخرت کیلئے کمائی کی جاسکتی ہے، ورنہ پھر اس کیلئے کوئی موقع ممکن نہیں ہوگا کہ "دار العمل" یہ دنیا ہی ہے اسکے بعد "دار الجزاء" ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید - بکل حال من الاحوال۔

۲۵۱ **حلال اور پاکیزہ چیزوں کے کھانے کا حکم وارشاد:** - حلال یہ کہ اس کے اصل وجود میں کوئی ایسی خرابی وقباحت نہ پائی جاتی ہو، جس کی بناء پر شریعتِ مطہرہ نے اس کو حرام وممنوع قرار دے دیا ہو، کہ ایسی حرام وممنوع چیزوں کا اخذ وتناول جائز نہیں ہوگا، جیسے خمر، خنزیر، میتۃ اور دمِ مسفوح وغیرہ۔ اور طیب و پاکیزہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے حصول واکتساب میں کسی حرام وممنوع فعل کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو، جیسے چوری، ڈکیتی، غصب، دھوکہ، اور سود وقمار وغیرہ ذرائع سے حاصل کردہ مال۔ پس جو اشیاء حلال وطیب ہوں کہ ان کے اصل وجود میں بھی کوئی خرابی نہ ہو، اور ان کے حصول میں بھی کسی فعل ممنوع اور برائی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو، ان سے استفادہ کرو۔ انہیں کھاؤ، برتو اور حضرتِ واہبِ مطلق - جل وعلا - کا دل وجان سے شکر بجالاؤ۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیمات ہیں اس دینِ متین کی، جو کہ عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق، اور دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہیں۔ مگر دنیا ہے کہ ان سے منہ پھیر کر اور ان سے محروم ہوکر طرح طرح کی ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑی ہے اور ان کو اسکی کوئی فکر و پرواہ نہیں کہ اس کا نتیجہ وانجام کیا ہونے والا ہے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ ناصح کی نصیحت کو بھی سننے اپنانے اور اس پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا

اور شیطان کے نقش قدم پر نہیں چلنا کہ بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے، ۴۵۲ وہ تو

یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

تمہیں برائی اور بے حیائی ہی سکھائے گا، اور یہ کہ تم لوگ اللہ کے

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا

ذمے وہ باتیں لگاؤ جنہیں تم نہیں جانتے ۴۵۳ مگر (اس سب کے باوجود ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم

۴۵۲ **شیطان کے نقش قدم سے بچنے کی تعلیم و تلقین:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہیں کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور ایسا کھلا دشمن کہ اس نے اپنی دشمنی کو چھپایا نہیں، بلکہ اعلانیہ اور قسم کھا کر اور حضرتِ حق - جل جلالہ - کے سامنے تحدی اور چیلنج کے طور پر کہا کہ تیری عزت کی قسم، میں ان - بنی آدم - کو گمراہ کر کے چھوڑونگا، بجز تیرے خاص اور چیدہ بندوں کے کہ ان پر میرا زور اور جادو نہیں چل سکے گا ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ - (ص - ۸۲ - ۸۳) سو ایسے کھلے دشمن کی پیروی کرنا اور اسکے نقشِ قدم پر چلنا انہی لوگوں کا کام ہوسکتا ہے جن کی مت ماری گئی اور جن کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی سے مراد ان مشرکانہ توہمات کو اپنانا اور اختیار کرنا ہے، جن کی بناء پر یہ مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں، جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۱۴۱ تا ۱۴۵ میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور اسکے علاوہ دوسرے مختلف مقامات پر بھی اسکو بیان فرمایا گیا ہے۔ سو شیطان کے ایسے تمام ہتھکنڈوں سے ہمیشہ بچتے رہا کرو۔ کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اس کی پیروی کا انجام دائمی ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ -

۴۵۳ **شیطانی اغواء کے طور طریقے:** - یعنی تم نہیں جانتے کہ وہ کس قدر سنگین و خطرناک اور تمہاری عاقبت کو تباہ کرنے والی باتیں ہیں۔ مثلاً اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال بتانا اور اس کی حلال فرمودہ اشیاء کو حرام۔ یا یہ کہ ان اسباب و وسائل کو ترک کر کے وہمی اور شرکیہ وسائل کو اپنانے کی تلقین کرنا، جن اسباب و وسائل کے ساتھ قدرت نے اپنی سنن کونیہ میں مختلف اشیاء کو مربوط کر رکھا ہے۔ مثلاً یہ کہ کھیتی کیے بغیر فلاں حضرت فصل اگا دیں گے۔ پڑھے اور محنت کیے بغیر فلاں حضرت یونہی پاس کرا سکیں گے۔ (تفسیر الامام المراغی وغیرہ)۔ سو اس طرح شیطان تمہیں ہلاکت و تباہی کے کیسے ہولناک گڑھے میں ڈالنا اور دھکیلنا چاہتا ہے۔ پس تم اس کے مکر و فریب اور اس کی چالبازیوں سے ہمیشہ بچتے رہنا، جس کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے تقویٰ و پرہیزگاری۔ پس ہمیشہ اسی کو اپنائے رکھنا، اور ہر حال میں اپنے خالق و مالک سے ڈرتے رہنا اور اسی پر تکیہ و بھروسہ رکھنا اور اسکے ساتھ اپنا معاملہ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتے رہنا - وباللہ التوفیق - بہرکیف فرمایا گیا کہ شیطان کی پیروی سے بچنا کہ وہ تمہیں برائی اور بے حیائی ہی سکھائے گا اور تم کو ہلاکت اور تباہی کے راستوں پر ڈالنے ہی کی کوشش کرے گا - والعیاذ باللہ العظیم -

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

پیروی کرو اس (دینِ حق) کی، جسے اتارا ہے اللہ نے، تو یہ کہتے ہیں کہ (نہیں جی!) ہم تو بس اسی کی پیروی کریں گے، جس پر

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا

ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادا کو ۴۵۴ کیا (یہ لوگ باپ دادا کے طریقے پر ہی چلتے رہیں گے) اگرچہ وہ نہ کچھ سمجھتے ہوں ۴۵۵ اور نہ ہی

يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ

انہوں نے سیدھی راہ پائی ہو ۴۵۶ اور مثال ان لوگوں کی جو اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، ایسے ہے جیسے کوئی پکارتا

الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ

ہو کسی ایسی چیز کو جو کچھ نہ سنتی (سمجھتی) ہو، بجز پکار و آواز کے، ۴۵۷ یہ لوگ بہرے ہیں (سماعِ حق سے) گونگے ہیں (حق

۴۵۴ حق کے مقابلے میں باپ دادا کی تقلید اہلِ باطل کا پرانا طریقہ: - کہ یہ ہماری تہذیب و ثقافت اور ہمارا تاریخی ورثہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہی طریقہ و وطیرہ رہا ہے اصحابِ کفر و باطل اور اہلِ زیغ و ضلال کا۔ کل بھی یہی تھا، اور آج بھی یہی ہے۔ وہ ایسے ہی مفروضوں کی بناء پر قبولِ حق سے انکاری ہو کر نورِ حق سے محروم ہو جاتے ہیں، اور دائمی خسارے کو اپنے گلے کا ہار بنا لیتے ہیں، - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم سو واضح رہے کہ اصل چیز ہے حق کی پیروی اسکو چھوڑ کر باپ دادا کی تقلید و پیروی کرنا اہلِ کفر و باطل کا طریقہ ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ان بے سند باتوں اور بے اصل روایات کی بجائے اس دینِ حق و ہدایت کی اِتباع اور پیروی کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو یہ لوگ بڑے غرور و تکبر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم تو بس اسی طریقے پر جمے بیٹھے رہیں گے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ خواہ وہ باپ دادا نورِ حق و ہدایت سے محروم ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ والعیاذ باللہ العظیم

۴۵۵ باپ دادا کی پیروی جائز حدود کے اندر: - پس علم کی روشنی سے محروم باپ دادا کی عادات و تقالید کی پیروی عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - کہ ایسے باپ دادا دنیاوی اعتبار سے اگرچہ بڑے تیز اور ہوشیار ہوں، مگر دینی لحاظ سے وہ کچھ بھی سمجھتے جانتے نہیں کیونکہ اس بارے میں وہ نہ سنجیدہ ہیں اور نہ فکرمند۔ اور وہ صرف اپنے پیٹ کو بھرنے اور تن و توش کو پالنے پوسنے، اور اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور بس۔ اور اسی کو وہ سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ان کی رسائی مادیت اور مادہ پرستی کی انہی حدود تک ہے اور بس - ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ - یہاں تک کہ وہ اندھے اور اوندھے ہو کر اپنے سے نیچے کی اور کمتر اور بے عقل مخلوق تک کی پوجا پاٹ کرنے لگتے ہیں۔ حیوانوں کی پوجا، درختوں اور پتھروں کی پوجا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ان ان چیزوں کی پوجا جن کو

شرافت کی زبان پر لانا بھی ایک بارِگراں ہے۔ دانایانِ فرنگ ہی کو دیکھ لیجئے جن کی عقل اور ہوشمندی کا ڈھنڈورا چاردانگِ عالم میں پیٹا اور پورے زور وشور سے پیٹا جارہا ہے، اور جو چاند پر اترنے اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی تگ ودو میں مشغول ہیں، وہ اپنے خالق و مالک سے غافل، اپنے مقصدِ حیات سے بے خبر، اور اپنے مصیرِ محتوم، اور اپنی زندگی کی جوابدہی سے بے فکر، اپنے آخری اور ہولناک انجام کی طرف بڑھے جارہے ہیں۔ سو یہ مار ہے نورِ ہدایت سے منہ موڑنے، اور اپنے خالق و مالک سے بغاوت و سرکشی برتنے کی وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - تو کیا تمہارے باپ دادا اگر نورِ علم سے اس قدر دور اور محروم ہوں، تو تم لوگ پھر بھی انہی کی پیروی کئے جاؤ گے؟ اور تم ہوش میں نہیں آؤ گے؟ اور اسی طرح اندھے بہرے ہوکر اور حق سے منہ موڑ کر دائمی ہلاکت اور تباہی کی طرف بڑھے چلے جاؤ گے؟ سو ایسا کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے - والعیاذ باللہ الذی لا الٰہ الا ہو-

۲۵۶ باپ دادا کی محمود و مطلوب پیروی:- سو راہِ حق و ہدایت سے سرشار و بہرہ ور آباء واجداد کی پیروی کرنا مطلوب و محمود ہے کہ وہ پیروی دراصل انکی نہیں، راہِ حق وہدایت کی ہوتی ہے۔ سو" اگرچہ وہ سیدھی راہ پر نہ ہوں" کی اس قید سے معلوم ہوا کہ جو آباء واجداد حق وہدایت کی راہ پر ہوں، ان کی اِتباع و پیروی ممنوع نہیں، بلکہ وہ تو مطلوب ومحمود ہے۔ پس اگر تم نے باپ دادا کے طریقوں پر ہی چلنا ہے، تو ایسے باپ دادوں کے طریقوں پر چلو۔ اور ان کی راہ کو اپناؤ جو خود حق پر ہوں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ایسے ہدایت یافتہ اسلاف کی پیروی کے بارے میں اصولی ہدایت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ﴾ -[الانعام:۹۱] اور یہ اس لیے کہ دولتِ حق و ہدایت سے سرفراز و مالا مال باپ دادا کی پیروی دراصل نورِ حق و ہدایت ہی کی پیروی ہوتی ہے اور حق و ہدایت کی پیروی ہی اصل میں مطلوب ومقصود ہے۔ سو باپ دادا اگر راہِ حق پر ہوں تو انکی پیروی ممنوع ومحظور نہیں بلکہ مطلوب ومحمود ہے کہ یہ دراصل حق ہی کی پیروی ہے۔

۲۵۷ نورِ حق و ہدایت سے محروم لوگ جانور ہیں:- سو ان لوگوں نے اپنے سُوءِ اختیار اور بدنیتی کی بناء پر، اپنے آپ کو شرفِ انسانیت کے مقامِ بلند سے گرا کر حیوانوں کی سطح پر پہنچا دیا، جس کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو حق بات کو سننے، سمجھنے اور اسکو اپنانے کی اہلیت اور صلاحیت سے ہی محروم کردیا اور یہ چوپایوں کی طرح ہوگئے، بلکہ اس سے بھی برے اور بدتر، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾ الآیۃ[الاعراف:۱۷۹] - والعیاذ باللہ العظیم- بلکہ اس سے بھی آگے انہوں نے اپنے آپ کو بدترین مخلوق "شر البریۃ" بنادیا، جیسا کہ سورہ البینۃ میں اس حقیقت کو تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، (البینۃ: ٦)۔ بہرکیف یہاں پر ایسے لوگوں کی تمثیل کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کی مثال بھیڑ بکریوں وغیرہ جانوروں کے اس گلے کی سی ہے، جو عقل وادراک سے عاری اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بالکل محروم ہوتا ہے، وہ چرواہے کی آواز کو تو سنتے ہیں لیکن اس سے آگے وہ نہیں سمجھ پاتے کہ چرواہا ان سے کیا کہتا، یا کس کام کیلئے بلا رہا ہے۔ سو اس ارشادِ ربانی میں حال کی تمثیل حال سے ہے جس میں "ممثل" کے ایک ایک جز کا "ممثل لہٗ" پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اسکا حال اسکے حال کے مشابہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ من سوء الحال۔ بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ ایسے ہٹ دھرم کافروں کی مثال جانوروں کی سی ہے۔ جو نہ حق کی آواز کو سنتے ہیں اور نہ اس پر توجہ دیتے ہیں - والعیاذُ باللہ جلّ وعلا-

بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ

بات کہنے سے،) اندھے ہیں (راہِ حق کو دیکھنے پہچاننے سے،) پس یہ کچھ نہیں سمجھتے ۴۵۸ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، کھاؤ (پیو) تم ان

ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟

پاکیزہ چیزوں میں سے، جو ہم نے (اپنے کرمِ بے پایاں سے) تم کو عطاء کی ہیں ۴۵۹ اور (دل وجان سے) شکر بجالاؤ تم لوگ

۴۵۸ نورِ حق سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذ باللہ: - سو نورِ حق سے محروم لوگ کچھ نہیں سمجھتے سوائے ان نفسانی خواہشات کی تکمیل اور ان کے ان تقاضوں کو پورا کرنے کے جو کہ عام حیوانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کھایا پیا، پیٹ بھرا اور سو گئے۔ اور جہاں اور جیسے چاہا منہ مارا اور نفس کی خواہش پوری کر لی اور بس۔ اور یہی حاصل اور خلاصہ ہے حیوانی زندگی کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو کتنی بدبختی اور کتنی محرومی ہے ایسے انسان کی کہ وہ اپنی بد باطنی اور سوءِ اختیار کی بناء پر اپنے آپ کو شرفِ انسانیت کے اس مقامِ عالی سے گرا کر اس قدر ہولناک پستی اور تباہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں نے اپنے قوائے علم وادارک کو ایسا مسخ کر دیا، اور اس قدر بگاڑ دیا کہ یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے بن کر رہ گئے، جس سے انکو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے غفلت ولاپرواہی اور عناد وہٹ دھرمی کا - والعیاذ باللہ العظیم۔

۴۵۹ طیبات کے اکل وتناول کا حکم وارشاد: - کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھانا مقتضائے عبادت ہے۔ سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کھاؤ پیو ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم لوگوں کو عطا کی ہیں۔ سو حلال اور پاکیزہ چیزوں سے نفس کو روکنا اور محروم رکھنا جیسا کہ راہبوں اور جوگی قسم کے لوگوں کا کہنا اور ماننا ہے دین نہیں بلکہ دین کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ دین یہ سکھاتا اور بتاتا ہے کہ تم لوگ اپنے خالق و مالک کی پیدا کردہ اور عطاء فرمودہ نعمتوں سے کھاؤ پیو اور ان سے استفادہ کرو، تاکہ اس طرح ایک طرف تو تم لذتِ کام ودہن سے شاد کام ہو سکو، اور دوسری طرف تم اپنے خالق و مالک کی مزید از مزید اور سچی محبت سے سرشار ہو سکو، جو کہ بنیادی ذریعہ ہے دارین کی فوز وفلاح کا، کیونکہ نعمت کے استعمال سے منعم کی محبت کا جوش مارنا ایک طبعی امر ہے۔ اسی لیے دینِ حنیف اس کی تعلیم وتلقین فرماتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ﴾ الآیۃ (سبا: ۱۵) اور نبیٔ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "کھا کر شکر کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھ کر صبر کرنے والا"۔ سو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزوں سے کھا کر اس خالق و مالک کا شکر ادا کرنا عبدیت و بندگی اور عبادتِ خداوندی کا تقاضا ہے۔ اسی لیے یہاں فرمایا گیا، یعنی "تم ہماری بخشی ہوئی پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اسی کی عبادت و بندگی کرتے ہو"۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ میں کسی حلال چیز کو حرام کر دینے کو شرک قرار دیا گیا ہے - والعیاذ باللہ -

لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ

اللہ کا ۴۶۰ اگر تم واقعی اسی کی عبادت (وبندگی) کرتے ہو ۴۶۱ سوائے اس کے نہیں کہ اس نے تم پر (تمہارے ہی بھلے کے لئے) حرام فرمایا

الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ

۴۶۲ مردار، خون، اور خنزیر کے گوشت کو ۴۶۳ اور ہر ایسی چیز کو ۴۶۴ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو ۴۶۵ (اور اسے اس سے نامزد کر دیا گیا

اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ

ہو،) پھر (اس میں بھی اتنی چھوٹ ہے کہ) جو کوئی لاچار ہو جائے (اور اس بناء پر وہ ان میں سے کچھ کھالے) بشرطیکہ نہ تو وہ لذت کا

عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

طالب ہو، اور نہ ہی حد (ضرورت) سے تجاوز کرنے والا ۴۶۶ تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان

۴۶۰ **شکرِ خداوندی کی تعلیم و تلقین:** -سو ارشاد فرمایا گیا اور شکر بجا لاؤ تم لوگ اللہ کا:- جس نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے تم لوگوں کو ان عظیم الشان نعمتوں سے۔ اور تمہاری طرف سے کسی اپیل و درخواست کے بغیر نوازا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ مزید انعام یہ کیا کہ شکرِ نعمت سے تمہاری ان نعمتوں میں خیر و برکت کا وعدہ بھی فرمایا ہے، کہ اس سے یہ نعمتیں بڑھیں گی اور محفوظ رہیں گی، کیونکہ اس کا صاف و صریح ارشاد ہے-﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾- تو اس طرح شکرِ نعمت کی ادائیگی میں خود تمہارا فائدہ ہی فائدہ اور بھلا ہی بھلا ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی رحمت و عنایتِ بے کراں کی بناء پر تمہیں اس کا حکم دیا ہے، اور ایک مرتبہ نہیں بارہا دیا ہے۔ اور طرح طرح سے تم کو اسکی ترغیب دی ہے تاکہ خود تمہارا بھلا ہو۔ پس تم لوگ کہیں مشرکانہ توہمات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کسی کو اپنے اوپر حرام کر کے شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چل پڑنا کہ اس صورت میں تم سخت خسارے میں پڑ جاؤ گے- والعیاذ باللہ العظیم- سو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانا دینِ حنیف کا ایک عظیم الشان اور اہم مطلب ہے- وباللہ التوفیق-

۴۶۱ **عبادت و بندگی کا تقاضا شکرِ منعم:** - کہ اس کی عبادت و بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی نعمتوں پر صرف اسی کا شکر بجا لایا جائے، اور اس کے ساتھ کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ مگر افسوس کہ اس ناشکرے انسان نے ایسے نہیں کیا۔ بتوں کے پجاریوں کا تو کہنا ہی کیا، خود کلمہ گو مسلمانوں سے بھی کتنے ہی ایسے ہیں جو اس کی بخشی ہوئی نعمتوں میں دوسروں کو شریک کرتے، بلکہ انہی کو نعمت بخشنے والا مانتے، اور داتا جانتے ہیں، اور انہی کو خوش رکھنے کی فکر کرتے، ان کے نام کی نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، دیگیں پکاتے، اور گیارہویاں بانٹتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ فریضۂ نماز کی ادائیگی اور پابندی کی انہیں پرواہ نہیں ہوگی، مگر ان بدعی چیزوں کا یہ پوری طرح خیال رکھیں گے اور بھرپور اہتمام کرینگے- وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما

دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا تقاضا ہے کہ سب نعمتوں کو اللہ پاک ہی کی عطاء و بخشش سمجھا جائے۔ اسی کو داتا مانا جائے۔ سی کی تحلیل و تحریم پر اعتماد کیا جائے اور دل و جان سے اسی واہبِ مطلق - جل جلالہٗ - کا شکر ادا کیا جائے - سبحانہٗ وتعالیٰ و باللہ التوفیق - سو اسکی بخشی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کسی کو حرام قرار دینا تقاضائے بندگی کے خلاف ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم و گامزن رکھے - آمین۔

۴۱۰ **حصر سے مراد حصرِ اضافی ہے، نہ کہ حقیقی:** - سو حصر سے یہاں پر مراد حصرِ حقیقی نہیں اضافی ہے یعنی " اِنَّمَا " کے کلمہء حصر سے جو حصر یہاں مستفاد ہو رہا ہے، اس سے مراد حصرِ حقیقی نہیں، اضافی ہے۔ یعنی یہ حصر ان محرمات کے اعتبار سے ہے جن کو مشرکین نے از خود تراش رکھا تھا، جیسے "بحیرہ"، "سائبہ"، اور "وصیلہ" وغیرہ۔ سو اس حصر کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ پاک نے ان چیزوں کو حرام نہیں فرمایا جن کو تم لوگوں نے از خود حرام قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ اس نے تو محض ان اور ان چیزوں کو حرام فرمایا ہے، جو کہ خود تمہارے لئے ضرر و نقصان کا باعث تھیں، اور ہیں۔ دنیا و آخرت دونوں میں۔ پس تم ہمیشہ انہی سے احتراز کرو۔ سو دارین کی سلامتی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی و اتباع میں ہے۔ اور اس سے انحراف و روگردانی میں محرومی و ہلاکت - والعیاذ باللہ جلّ وعلا۔

۴۱۱ **لحمِ خنزیر کی حرمت کا ذکر و بیان:** - کہ خنزیر نجس العین ہے اور اس کے "لحم" یعنی گوشت کی تخصیص یہاں پر اس لئے فرمائی گئی کہ بڑا اور اصل مقصد جانور کے منافع میں سے یہی ہوتا ہے۔ باقی سب فوائد و منافع اس کے تابع ہوتے ہیں۔ ورنہ خنزیر کی کسی بھی چیز سے انتفاع جائز نہیں، کہ وہ سراسر ناپاک اور نجس العین ہے۔ اور دینِ حق اسلام اپنے پیروکاروں کیلئے انہی چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے جو کہ پاکیزہ ہوتی ہیں اور خبیث اور گندی چیزوں کو وہ حرام اور ممنوع قرار دیتا ہے، جیسا کہ پیغمبرِ اسلام کی ان خصال و صفات کے بیان کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا جو کہ انکے بارے میں تورات اور انجیل میں بیان فرمائی گئی ہیں - ﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ ﴾ الآیۃ (الاعراف: ۱۵۷) یعنی "وہ پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ لوگوں کیلئے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دے گا اور گندی و ناپاک چیزوں کو حرام"۔ تاکہ ایسے لوگ پاکیزہ خصال لوگ بن سکیں - فالحمد للہ جل وعلا۔

۴۱۲ **"مَآ اُهِلَّ" میں کلمہء "ما" کے عموم و شمول کا ذکر و بیان:** - یعنی کلمہ "ما" کا عموم ایسی ہر چیز کو شامل ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو۔ خواہ وہ کوئی جانور ہو، یا غلہ، یا کھانا، یا مٹھائی وغیرہ۔ ان میں سے جس چیز کو بھی غیر اللہ کے تقرب اور خوشنودی کیلئے نذر و نیاز کے طور پر پیش کیا گیا ہو، وہ حرام ہے۔ اور اس کا کھانا، کھلانا، دینا، وغیرہ سب حرام ہے۔ جیسا کہ " اَلْبَحْرُ الرَّائِق " وغیرہ کتبِ فقہ میں اس کی تفصیلات مذکور و مندرج ہیں۔ (معارف القرآن وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم - اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ اور نذر و نیاز کی حرمت کی وجہ اسکی باطنی گندگی ہے، جو اسکے اندر غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ دینِ حق اسلام کے اندر یہ حقیقت اپنی جگہ ایک مسلم اور واضح حقیقت ہے کہ شرک سب سے بڑی عقلی اور باطنی نجاست ہے۔ اس لیے اسکی چھوت کسی بھی پہلو سے جس کسی پاک چیز کو لگ جاتی ہے، وہ بھی اس کی بناء پر نجس اور ناپاک ہو کر رہ جاتی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اللہ ہر ناپاک و نجس چیز سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔

۲۶۵ "اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کا معنٰی و مطلب؟:- "اُهِلَّ" ماخوذ ہے "اِھلال" سے جس کے معنی رفعِ صوت کے آتے ہیں۔ جو دراصل ماخوذ ہے "ھلال" سے جو کہ ابتدائی دنوں کے چاند کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عربوں میں زمانۂ قدیم ہی سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ وہ نئے چاند کے دیکھنے پر "الھلال الھلال واللّٰہ" جیسی آوازیں اٹھایا کرتے تھے۔ پھر یہ لفظ مطلق رفع صوت یعنی آواز اٹھانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اسی لئے جب بچہ پیدا ہونے پر روتا، اور آواز لگاتا ہے، تو اس پر کہتے ہیں "اَهَلَّ وَاسْتَهَلَّ" یعنی "بچہ رویا"، یا "اس نے رونے کے آواز لگائی"۔ سو اسی سے "مَا اُهِلَّ بِهٖ" کے یہ الفاظ ماخوذ ہیں۔ یعنی جس چیز کو غیر اللہ کیلئے نامزد کر دیا جائے، جیسے مشرکینِ مکہ وغیرہ "لات" اور "عُزّٰی" وغیرہ بتوں کے ناموں سے نامزد کیا کرتے تھے۔ پس ایسی ہر شئی حرام ہے۔ کیونکہ ہر شئی کا خالق و مالک جب اللہ وحدہٗ لاشریک ہے، تو اس پر نام بھی صرف اسی کا لیا جانا چاہیئے اور خوشنودی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی مقصود ہونی چاہیئے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا اور کسی چیز کو اس کے لئے نامزد کرنا شرک اور کھلا ظلم ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اسی لئے صحیح احادیث میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو لعنت کا موجب قرار دیا گیا۔ مثلاً صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جو کہ حضرت علی - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے اور جس میں کئی چیزوں پر لعنت فرمائی گئی ہے، ان میں سے ایک ہے "وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ" "اور خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر اللہ کیلئے ذبح کرے" (صحیح مسلم کتاب الاضاحی)۔ امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر ذابح نے اس چیز کو غیر اللہ کی تعظیم کیلئے ذبح کیا تو یہ کفر ہوگا۔ اور ذابح اگر مسلمان تھا تو وہ کافر اور مرتد ہو جائیگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - (بحوالہ کبیر، محاسن التاویل)۔ اور یہی بات دوسرے بہت سے ثقہ اہلِ علم نے تحریر فرمائی ہے، مثلاً (تفسیر کبیر، جامع البیان، نیسابوری، تفسیر عزیزی، اور فتاوٰی عزیزیہ ج ۱ ص ۵۶) وغیرہ وغیرہ۔ پس اہلِ بدعت کا غیر اللہ کیلئے نامزد کی جانے والی چیز کو "عبداللہ کی گائے"، "عقیقہ کا بکرا" اور "ولیمہ کا دنبہ" جیسی نسبتوں پر قیاس کر کے دھوکہ دینا سراسر باطل و مردود ہے، کیونکہ ان میں سے کسی بھی چیز میں غیر اللہ کیلئے بطورِ تقرب و تعظیم نامزد کرنا، اور ذبح کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ یہ تو محض ملکیت کی نسبت ہوتی ہے۔ جیسا کہ "عبداللہ کی گائے" میں ہے۔ یا دین کے ایک ثابت شدہ حکم وارشاد کی تعمیل و تکمیل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ جیسے "عقیقہ کا بکرا" اور "ولیمہ کا دنبہ" میں ہے۔ جیسا کہ ظاہر اور واضح ہے۔ سو ان نسبتوں کو غیر اللہ کے نام پر نذر کی جانے والی اشیاء سے ملانا محض خلطِ مبحث اور مغالطہ آمیزی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ ہر طرح کی مغالطہ آمیزی اور اس کے اثرات سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور حق کو سمجھنے اور اپنانے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۲۶۶ "مضطر" کیلئے اکلِ حرام کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ:- سو "مضطر" کیلئے اکلِ حرام کی اس اِباحت واجازت کی دو شرطیں ہو گئیں۔ ایک یہ کہ اس میں بغاوت و سرکشی کا کوئی داعیہ اور شائبہ موجود نہ ہو۔ اور وہ شوق ولذت کے طور پر کھانے والا نہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ وہ حدِّ ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ بلکہ اسی قدر کھائے جس سے اسکی جان بچ سکے اور بس۔ کیونکہ ضرورت کو ضرورت کی حد تک ہی رکھنا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "اَلضَّرُوْرَةُ تُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا" - یعنی "ضرورت کی چیز کو اسی قدر اپنایا اور اختیار کیا جائے گا جتنا کہ اسکی ضرورت ہو اور بس" اس سے زیادہ اسکو اپنانا جائز نہیں۔ کہ ایسا کرنا حد سے تجاوز کرنا ہوگا جو کہ ممنوع ومحرم ہے - والعیاذ باللہ العظیم۔

یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِہٖ

ہے، بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اس کتاب (کے مضامین) کو، جسے اللہ نے ف۴۶۷ اتارا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اپناتے ہیں دنیا کا

ثَمَنًا قَلِیْلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا

(فانی اور) گھٹیا مول، ف۴۶۸ تو ایسے لوگ نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر (دوزخ کی ہولناک)

النَّارَ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ ۚۖ

آگ اور اللہ قیامت کے روز نہ ان سے کلام فرمائے گا، اور نہ ہی وہ ان کو پاک فرمائے گا، اور ان کے لئے

۴۶۷ کتمانِ حق کے جرم کی سنگینی کا ذکر و بیان:- سو جو لوگ چھپاتے ہیں اس حق کو جس کو اللہ نے نازل فرمایا اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے، اور اس کی تعلیمات اور احکام و مضامین کو چھپا کر ایسے لوگ کتمانِ حق کے سنگین جرم کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ اپنی محرومی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نورِ حق سے محروم کرتے ہیں اور دوہرے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کا جرم بڑا سنگین اور ان کا انجام بہت برا ہے- والعیاذُ باللہ- یہ اشارہ ہے اہلِ کتاب کی طرف۔ سو جس طرح مشرکینِ مکہ وغیرہ نے اپنے مشرکانہ توہمات کی بناء پر بعض حلال اور پاکیزہ چیزوں کو از خود اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا اسی طرح اہلِ کتاب نے بھی از خود اور اپنے طور پر بعض حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ سو جب دینِ فطرت اسلام نے تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں لوگوں کو اصل تعلیم اور صحیح ضابطے کی طرف راہنمائی فرمائی، اور لوگوں کو انکی خود ساختہ بدعات اور توہمات سے پاک، اصل اور حقیقی ملتِ ابراہیمی سے آگاہی بخشی تو اہلِ کتاب نے اسکی قدر کرنے اور آگے بڑھ کر اسکو اپنانے اور قبول کرنے کی بجائے الٹا یہ بدبخت لوگوں سے حق کو چھپانے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لینے لگے۔ سو یہاں پر انکی اسی حق پوشی اور حق فروشی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ ایسی ہر برائی سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یاربَّ العالمین۔

۴۶۸ حق کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ ہے:- کہ جب یہ دنیا ساری ہی اللہ پاک- سبحانہٗ وتعالیٰ- کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، ورنہ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی پینے کو نہ ملتا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، تو پھر اس میں سے بھی ایسے حق فروشوں کو جو کچھ ملتا ہے، وہ اس سے بھی کہیں کم اور اتنا کہ مجموعی دنیا کے مقابلے میں اس کی کوئی نسبت و حیثیت ہی نہیں ہوتی، اور وہ بھی کتمانِ حق اور دین فروشی کے اس جرم کے عوض میں جو کہ سب سے بڑا اور ہولناک و سنگین جرم ہے۔ اسکی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟ تو پھر ایسے میں کس قدر حقیر اور گھٹیا ہے حطامِ دنیا کا وہ مول جو ان لوگوں نے حاصل کیا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق و ہدایت کی دولت کتنی عظیم دولت ہے، اور مومن کی شان کس قدر اونچی اور بلند شان ہے، اور نورِ حق سے محروم دنیا کس درجہ حقیر و بے وزن دنیا ہے- وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید وعلیٰ ما یُحِبُّ ویرید-

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

(وہاں پر) ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے ۴۶۹ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنایا گمراہی (کے اندھیروں) کو بدلے میں ہدایت (کے نورِ

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى

عظیم) کے، اور عذاب کو بدلے میں بخشش کے، ف۴۷۰ سو کس قدر صبر (اور حوصلہ) رکھتے ہیں یہ لوگ (دوزخ کی اس ہولناک)

النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ

آگ پر؟ ف۴۷۱ یہ اس لئے کہ بے شک اللہ نے اتارا کتاب کو حق کے ساتھ، (تاکہ دنیا نورِ حق سے فیضیاب ہو، مگر انہوں نے دنیوی مفادات

الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع

کی خاطر اسے الٹا گمراہی کا ذریعہ بنا دیا) اور بے شک جن لوگوں نے اختلاف کیا کتاب میں، وہ یقیناً بہت دور جا پڑے ضد میں

۲۱ ع ۵ ۹

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ

(حق کے راستے سے،) نیکی یہ نہیں کہ تم لوگ اپنے چہرے پھیر لو مشرق

الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

یا مغرب کی طرف، اور بس، بلکہ نیکی تو دراصل یہ ہے کہ آدمی (سچے دل سے) ایمان لے آئے اللہ پر، ف۴۷۲ قیامت کے دن پر،

۴۶۹ حق فروشوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب، والعیاذ باللہ: - اتنا دردناک اور اس قدر ہولناک کہ اس کا اس جہاں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - کہ ایسے لوگوں نے اپنی آتشِ حرص و ہوس کو ایندھن مہیا کرنے کیلئے حق فروشی کے جس سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کیا تھا اسکا طبعی تقاضا اور لازمی نتیجہ یہی ہے کہ ایسے لوگ ایسے ہولناک اور دردناک انجام سے دوچار ہوں۔ سو ان کو اپنے اس جرم کے نتیجے میں ایسا دردناک انجام بھگتنا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم- سو حق پوشی اور حق فروشی کے عوض دنیا بنانے کا سودا بڑا ہی مہنگا اور انتہائی ہولناک خسارے کا سودا ہے، اور اس سنگین اور ہولناک جرم کے عوض آج یہ لوگ اپنے پیٹوں میں جو کچھ بھر رہے ہیں، وہ اصل میں آگ ہے، جو آج نگاہوں سے اوجھل ہے لیکن کل آخرت میں کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کے اس یومِ رہیب میں انکے سامنے آجائے گی۔ تب انکو پتہ چل جائے گا کہ حق فروشی کے عوض ملنے والے وہ لقمے آرام و آسائش کا سامان نہیں تھے بلکہ وہ دوزخ کے انگارے تھے جو غفلت کے مارے ایسے بے فکرے لوگ اپنے پیٹوں میں ڈال رہے تھے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ایسے ہر انحراف سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۷۷۰ **ہدایت کے بدلے میں گمراہی کے خریدنے کا مطلب؟:**- یعنی جس طرح گاہک اور خریدار اپنی پسند اور اپنے اختیار سے کوئی چیز بشوق و رغبت خریدتا ہے، اسی طرح ان لوگوں نے اپنی خواہشات سے مغلوب ہو کر نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑا اور گمراہی کے اندھیروں کو اپنایا۔ اسی کو یہاں پر ''اشتراء'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے - والحمد للہ - سو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے تو انکو حق اور ہدایت کی دولت سے نوازنے اور سرفراز کرنے کیلئے پختہ اور موثر انتظام فرمایا تھا، کہ ایک طرف تو اس کو عہدِ الست کی صورت میں نورِ فطرت کے طور پر انکی طبیعت اور فطرت و جبلت میں پیوست فرما دیا۔ اور دوسری طرف انکو نورِ عقل کی نعمت سے نواز کر کائنات کی یہ حکمتوں اور عبرتوں بھری کھلی کتاب انکے سامنے رکھ دی، اور انکو اس میں غور و فکر کی دعوت دی۔ اور تیسری طرف آسمانی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعے انکو دولتِ ہدایت سے نوازا، مگر انہوں نے اس سب کے باوجود نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر کفر و باطل کے اندھیروں کو اپنایا، اور اپنے لیے دارین کی ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا اور یہی نتیجہ ہوتا ہے خواہش پرستی اور عناد و ہٹ دھرمی کا - والعیاذ باللہ العظیم -

۷۷۱ **منکرین کی غفلت و لاپرواہی پر اظہارِ افسوس و تعجب:**- سو منکرین کی غفلت و لاپرواہی اور ان کی بے حسی پر افسوس اور تعجب کے اظہار کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیسے صبر کیے بیٹھے ہیں یہ لوگ دوزخ کے عذاب پر:- ''ما اصبر'' کا صیغہ ''ما احسن'' وغیرہ کی طرح اظہارِ تعجب کیلئے ہے کہ یہ لوگ دوزخ کی آگ پر کس طرح صبر کیے بیٹھے ہیں۔ سو یہ دوزخ کے عذاب سے خبردار کرنے کا ایک بڑا مؤثر اسلوب ہے کہ یہ لوگ دوزخ کی اس راہ پر چلے جا رہے ہیں، اور انہیں اس کی کوئی فکر و پرواہ ہی نہیں، کہ ہم کس انجام سے دوچار ہونے والے ہیں۔ اور فرصتِ دنیا کی اس محدود مہلت کے ختم ہونے کے بعد پھر اس ہولناک انجام سے بچنے کی کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں ہو سکے گی۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ایسا جرم کر رہا ہو، جس کا لازمی انجام جیل ہو، تو اس سے کہا جائے کہ ''صاحب یہ شخص کس قدر جیل اور قید کی زندگی کا شوقین ہے''۔ سو یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان و یقین سے محرومی انسان کو کس قدر احمق، لاپروا اور بے حس بنا دیتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ایسے بد بخت اور محروم لوگ راہِ حق و ہدایت سے اتنے دور جا پڑے کہ اب ان کو واپسی کی راہ سوجھتی ہی نہیں۔ سو ضد اور ہٹ دھرمی کا مرض بڑا ہی سنگین مرض ہے کہ اس سے انسان بگڑ کر کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۷۷۲ **ایمان باللہ اور اسکے تقاضے:**- یعنی وہ اللہ پر ایسا ایمان لائے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق اور تقاضا ہے۔ اس کو اسکی ذات و صفات میں یگانہ و یکتا مانے، اور اس کی اطاعت و رضا کو اپنا قبلۂ توجہ اور اصل مقصودِ حیات بنائے رکھے۔ اور اسکے اوامر و ارشادات کو دل و جان سے بجالائے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اسی میں بھلا ہے۔ میرا بھی اور دوسری ساری مخلوق کا بھی۔ اور یہ اس خالق و مالک کا اس کے بندوں پر حق ہے۔ اور یہ کہ اس وحدہٗ لاشریک کا حق سب سے اعلیٰ و بالا اور سب سے مقدم اور فائق حق ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ اپنا حقِ معرفت و بندگی اس طرح ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے جس طرح کہ اس کا حق ہے۔ سو انسان کی اصلاح اور اسکی فوز و فلاح کیلئے اولین اساس و بنیاد ایمان باللہ کی دولت ہے۔ اسکے بغیر اسکی حقیقی فوز و فلاح کا کوئی سوال و امکان ہی نہیں۔ اور ایمان بھی وہ معتبر ہے جو اپنے پورے تقاضوں کے ساتھ ہو۔ ورنہ محض زبانی کلامی دعووں کا کوئی فائدہ نہیں - والعیاذ باللہ - اللہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق و سعادت سے نوازے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔

الْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

فرشتوں پر، (اللہ کی نازل کردہ) کتابوں، اور اس کے پیغمبروں پر، اور وہ اپنا مال خرچ کرے اس کی

حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ

محبت پر، ۴۷۳ رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں،

السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

مسافروں، اور سوال کرنے والوں (کی حاجتوں اور ضرورتوں) میں، اور گردنوں کے چھڑانے میں ۴۷۴ اور وہ نماز قائم کرے (پابندی کے ساتھ)، ۴۷۵

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

اور زکوٰۃ ادا کرے (صحیح طریقے سے)، ۴۷۶ اور جو پورا کرتے ہیں اپنے (باندھے ہوئے) عہد کو جب وہ کوئی عہد کرلیں، ۴۷۷

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ

اور خاص کر ۴۷۸ وہ لوگ جو صبر (و برداشت) سے کام لیں سختی اور تکلیف میں، اور حالتِ جنگ میں،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں (اپنے قول و فعل میں)، اور یہی ہیں متقی (و پرہیزگار)، ۴۷۹

۴۷۳ "عَلٰی حُبِّہٖ" کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال:- "عَلٰی حُبِّہٖ" کی ضمیرِ مجرور کے مرجع میں تین احتمال ہوسکتے ہیں اور ان تینوں ہی پر معنی و مطلب صحیح بنتا ہے۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع اللہ ہو۔ یعنی وہ شخص جو بھی مال خرچ کرے، وہ محض اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کیلئے خرچ کرے۔ اسکے سوا کوئی مقصد اور غرض اس کے پیش نظر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کا مرجع مال ہو۔ یعنی وہ ایسا مال خرچ کرے جو اسے خود محبوب ہو، اور وہ خود اس کا ضرورت مند ہو۔ اور تیسرے یہ کہ اس کا مرجع "اِیتاء" ہو، یعنی دینے کا فعل ہو جو "اٰتی" کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی وہ شخص اپنا مال برضا و رغبت اور خوشی خوشی دے۔ نہ کہ مجبوری سے، اور تاوان اور چٹی کے طور پر۔ سو اس ضمیرِ مجرور کے مرجع میں یہ تینوں احتمال موجود ہیں اور تینوں میں سے ہر ایک پر اس کا معنی و مطلب صحیح اور درست بنتا ہے۔ پس مومنِ صادق کو چاہیئے کہ وہ اللہ کی راہ میں اور اسکی رضا و خوشنودی کیلئے اپنا عمدہ اور پاکیزہ مال دے۔ اور دے بھی دل کی خوشی اور رضاء و رغبت سے کہ اسکا صلہ و بدلہ خود اسی کو ملے گا۔ دنیا کی اس حیاتِ فانی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی اور حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید

وعلی ما یحب و یرید بکل حال من الاحوال وہو الہادی الی سواء السبیل- سبحانہ وتعالیٰ-

۲۷۴ "فی الرقاب" کا معنٰی و مطلب؟:- یعنی غلاموں کی آزادی، مسلمان قیدیوں کی رہائی، قرضداروں کو قرض کی قید سے چھڑانے، اور قیدیوں کے فدیہ کی ادائیگی میں۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ یہ "بر" اور نیکی کی ان اہم اقسام کا ذکر ہوا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اب آگے ان کا بیان ہے جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ اور دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ کا خلاصہ اور نچوڑ یہی دو چیزیں ہیں۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کہ ان دونوں کی معرفت اور پہچان بھی انسان کو حاصل ہو اور ان کو ادا کرنے کی فکر اور کوشش بھی- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید وہو الہادی الی سواء السبیل-

۲۷۵ نماز کی اہمیّت و عظمت:- سو یہاں پر حقوق العباد کے بیان کے بعد عبادات میں سے سب سے پہلے نماز کا ذکر فرمایا گیا، جو کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا حق ہے جس میں انسان اپنے پورے اعضاء و جوارح اور ظاہر و باطن سے اس معبودِ برحق کی عبادت و بندگی اور اسکی یادِ دلشاد میں مصروف ہوتا ہے۔ اور اس میں صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ ظاہری ارکان و افعال ادا کر لیے جائیں اور بس۔ نہیں بلکہ اس عبادتِ مقدسہ کو اس طرح ادا کیا جائے جس طرح کہ اسکے ادا کرنے کا حق ہے۔ اور اس کی اس روح اور حقیقت کے ساتھ ادا کیا جائے جو کہ اس میں اصل مطلوب ہے کہ ایسی ہی حقیقی نماز وہ انقلاب آفریں عبادت ہے جو انسان کو بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیتی ہے، اور اسکو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ اور یہی وہ نماز ہے جو انسان کو بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا- ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ -[العنکبوت: ۴۵] - اللہ ایسی ہی کامل اور انقلاب آفریں نماز نصیب فرمائے اور اس پر ثابت قدم اور پکّا رکھے- آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ یہاں پر ایمان اور انفاق کے بعد نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمانے سے یہ درس ملتا ہے کہ ایمان اور انفاق کا عملی ثبوت نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان اور انفاق کی شہادت کیلئے جو کم سے کم چیز درکار ہے وہ ہے نماز اور زکوٰۃ۔ اگر یہ دونوں چیزیں غائب ہوگئیں - والعیاذ باللہ- تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ نہ ایمان باقی رہا اور نہ انفاق۔ حالانکہ یہی وہ دو چیزیں ہیں جنکے ذریعے بندہ اپنے خالق اور اسکی مخلوق کے ساتھ اپنا تعلق صحیح اور صحتمندانہ بنیاد پر استوار کرتا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید- فی کل شان من شؤون الحیاۃ جل وعلا شانہٗ -

۲۷۶ فریضۂ زکوٰۃ کی اہمیت و عظمت:- نماز کے متصل بعد زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو زکوٰۃ ادا کرے اس کی حدود و قیود کے ساتھ، اور اس کی شروط و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے، جیسا کہ اس کے دین نے اس کو سکھلایا بتلایا ہے، تاکہ اس طرح وہ فریضۂ زکوٰۃ کے ان فوائد و ثمرات سے متمتع ہو سکے جو کہ قدرت نے اس میں رکھے ہیں۔ اور جو اس کی زندگی کو سنوارنے اور اسکی دنیا و آخرت کو بنانے والے ہیں۔ سو جس طرح بدنی عبادات میں نماز ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں عبادت ہے اسی طرح مالی عبادات میں زکوٰۃ ایک عظیم الشان اور بے مثل و انقلاب آفریں عبادت ہے۔ اور یہ دونوں عبادتیں مومنِ صادق کو ایک پاکیزہ اور نمونے کا انسان بنا دیتی ہیں۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں اکثر و بیشتر ان دونوں کو یکجا بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں پر زکوٰۃ کا ذکر علیحدہ فرمانے سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اوپر جس انفاق کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اس قانونی مطالبے سے الگ

چیز ہے۔ سو برّ وتقوای کے تقاضے صرف فرض زکوٰۃ کی ادائیگی سے پورے نہیں ہو سکتے، بلکہ اس کیلئے فریضۂ زکوٰۃ کے علاوہ اسکی راہ میں اور اسکی رضا کے لیے ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سے فیاضانہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہر کیف فریضۂ زکوٰۃ ایک عظیم الشان عبادت اور اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ اور مالی عبادات میں اس کا مرتبہ ومقام سب سے اہم اور سب سے مقدم ہے۔

۷۴۷ عہد و پیمان کی پابندی کی تعلیم و تلقین:۔ عام اس سے کہ ان کے ان عہود و مواثیق کا تعلق ان کے خالق و مالک کے ان حقوق سے ہو، جن کا التزام انہوں نے اپنے عقیدہ وایمان کی بناء پر کیا ہے، یا ان کا تعلق ان عہود و مواثیق سے ہو جو کہ بندوں کے درمیان آپس میں باہمی طور پر پائے جاتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دین کے کسی حکم سے متصادم نہ ہوں، کہ ایسے سب ہی عہود و مواثیق کا پورا کرنا اور ان کو صحیح طور پر بجالانا ایسے لوگوں کے دین وایمان کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ یہاں پر اسلوب بدل دیا گیا۔ اوپر ایمان، انفاق، اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر فعل کے صیغے سے فرمایا گیا، لیکن ''ایفائے عہد'' کا ذکر ''موفون'' کے صیغے سے، جو کہ اسمِ فاعل اور صفت کا صیغہ ہے۔ سو اس سے یہ درس ملتا ہے کہ ایفائے عہد ایسے لوگوں کی پکی اور مستقل صفت ہے۔ اس لیے کہ صفت کا صیغہ کسی مستقل صفت اور خصلت کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ فعل کا صیغہ کسی امر کے محض وقوع اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ سو عہد و پیمان کی پابندی کا اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ میں ایک اہم مقام ہے۔

۷۴۸ صبر کی عظمت واہمیت:۔ یعنی ''الصّٰبِرِیْنَ'' کا نصب اختصاص کی بنا پر ہے۔ اور وجہ اس اختصاص کی یہ ہے کہ ان تین موقعوں پر صبر وثبات سے کام لینا خاص طور پر زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور جو کوئی ان تینوں اہم موقعوں پر صبر وثبات سے کام لیتا رہا اس کے لئے دوسرے مواقع پر صبر کرنا آسان ہوگا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف صبر واستقامت اہلِ ایمان کی صفات میں ایک بڑی اہم اور بنیادی صفت ہے۔ اسی لیے یہاں پر اس کا ذکر اختصاص کے اسلوب میں فرمایا گیا ہے۔ اللہ اپنے فضل وکرم سے نصیب فرمائے اور اس درجے میں جو اس وحدہٗ لاشریک کے حضور مطلوب ہے۔ آمین۔ سوراہِ حق میں صبر وثبات ذریعۂ فوز ونجات ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

۷۴۹ متقی لوگوں کی تعریف و تشخیص:۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ متقی و پرہیزگار کون لوگ ہوتے ہیں، سو متقی و پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو یہ اور یہ عظیم الشان صفات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ پس محض ظواہر اور شکلیات پر الجھنے اور جھگڑنے کی بجائے، تم لوگ یہ پاکیزہ وصاف اور عمدہ خصال اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو، تاکہ تم لوگ سچوں اور پرہیزگاروں میں شامل ہوسکو۔ اور اس طرح تم دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ ور ہوسکو۔ سو تقوای و پرہیزگاری کوئی دکھلاوے اور ظاہرداری کی چیز نہیں، بلکہ یہ ایمان ویقین کے نور اور باطن کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے مومنِ صادق کا باطن منور ومعمور ہوتا ہے۔ اور جس کے آثار وثمرات اسکے ظاہر پر اس طرح نمودار ہوتے ہیں کہ وہ ایک امتیازی شان کا اور پاکیزہ انسان بن جاتا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور یہاں پر حصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ یہی ہیں متقی اور پرہیزگار لوگ۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو ان صفات سے عاری اور محروم ہوگا وہ متقی اور پرہیزگار نہیں ہوسکتا خواہ وہ اپنے آپ کو کیا ہی سمجھتا ہو۔ کیونکہ تقوای محض ظواہر ومظاہر کا نام نہیں، بلکہ اس کا اصل تعلق انسان کے باطن سے ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر قصاص فرض کر دیا گیا ہے ف۴۸۰ مقتولوں کے بارے میں، (یعنی قاتل کو قتل کیا جائے گا مقتول کے

ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ

بدلے میں خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو، اور کیسا ہی کیوں نہ ہو) ف۴۸۱ آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے، اور عورت

بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ

بدلے عورت کے، پھر جس کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی ف۴۸۲ تو (قاتل سے خون بہا کا) مطالبہ کرنا ہے

بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ

دستور کے مطابق ف۴۸۳ اور پہنچا دینا ہے (خون بہا کے اس مال کو) اس (کے حقدار) کے پاس، خوبی (اور بھلائی) کے ساتھ ف۴۸۴ یہ تخفیف ہے

مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ

تمہارے رب (مہربان) کی جانب سے، اور ایک رحمت (و مہربانی)، ف۴۸۵ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد، ف۴۸۶

فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ

تو اس کے لئے ایک بڑا دردناک عذاب ہے، اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے ف۴۸۷

يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا

اے عقل مندو، تاکہ تم بچو (خونریزی اور اس کے بھیانک انجام سے،) ف۴۸۸ تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب

حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ ٱلْوَصِيَّةُ

تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا ہو، کہ وہ وصیت کر جائے

لِلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ بِٱلْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى

اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لئے ف۴۸۹ دستور کے مطابق (مناسب طور پر،) یہ حق ہے

۲۸۰ حکمِ قصاص کا ذکر و بیان :۔سو اس سے قتل میں ''قصاص'' کے حکم اور اسکی فرضیت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، یعنی ''کتابت'' یہاں پر کنایہ ہے فرضیت اور ایجاب سے ۔ (المفردات للراغب، وتفسیر القاسمیؒ وغیرہ)۔ سو قتل میں ''قصاص'' فرض کر دیا گیا تاکہ اس طرح عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوں اور سب کی جانیں بھی محفوظ رہیں۔ اور یہ خداوندِ قدوس کی اس رحمت و عنایت کا ایک عظیم مظہر ہے جو اس مہربانِ مطلق کو اپنے بندوں سے ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ بہرحال اول لفظ ''کتب'' اور اسکے بعد کلمہ ''علیٰ'' کے ذکر سے قتل میں ''قصاص'' کی فرضیت اور اسکے وجوب کا ثبوت ملتا ہے۔ اور ''قتلی'' ، جمع ہے ''قتیل'' کی، جسکے معنی ''مقتول'' کے ہیں۔ اور اس لفظ کا اطلاق مذکر اور مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ سو ''قصاص'' ہر قتل میں فرض ہے خواہ وہ مرد کا ہو یا عورت کا ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو یہ دینِ حنیف کی تعلیم عدل و مساوات کا ایک نمونہ و مظہر ہے ۔ جو اسی کا اختصاص و امتیاز ہے۔ والحمدللہ جل وعلا۔

۲۸۱ عدل و انصاف سے متعلق درسِ عظیم :۔سو اس سے عدل و انصاف اور مساواتِ انسانی سے متعلق ایک اہم اور عظیم الشان درس دیا گیا ہے، یعنی قتل صرف قاتل ہی کو کیا جائے امیر ہو یا غریب ، شریف ہو یا وضیع، آزاد ہو یا غلام۔ جس نے بھی جرم قتل کا ارتکاب کیا ہو گا ۔ اس کو اسکے بدلے قتل کیا جائیگا ۔ ویسے نہیں جیسا کہ زمانہء جاہلیت میں رائج تھا۔ اور آج بھی کئی جگہ موجود ہے، کہ امیر خاندان کے غلام کے بدلے میں غریب خاندان کے آزاد کو قتل کیا جاتا۔ اور ان کے ایک آزاد آدمی کے قتل کی صورت میں غریب کے کئی آدمیوں کو قتل کیا جاتا، یا ان کے بڑوں اور سرداروں کو قتل کیا جاتا، بغیر اس کے کہ ان کا قتل میں کوئی اشتراک ہو۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ اور اس طرح ''کرے کوئی اور بھرے کوئی'' کے ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کیا جاتا اور آج بھی جہاں ظلم اور بربریت کا دور دورہ ہے۔ وہاں ایسے ہی ہو رہا ہے۔ سو دینِ حنیف نے اپنی ان پاکیزہ اور مقدس تعلیمات کے ذریعے ظلم و جبر کے ایسے تمام دروازوں کو بند کر دیا، اور بے لاگ عدل و انصاف اور مساواتِ انسانی کا وہ عظیم الشان درس دیا گیا جسکی مثال یقیناً ڈھونڈے سے بھی کہیں نہ مل سکے۔ فالحمدللہ ربِّ العالمین۔

۲۸۲ قاتل کیلئے معافی کی صورتیں:۔ مثلاً یہ کہ ولیٔ مقتول قصاص کے مطالبہ سے دستبردار ہو کر دیت پر راضی ہو جائے۔ یا دیت کو بھی معاف کر دے، تو قاتل کو معافی مل جائے گی کہ قتل کا بدلہ لینا بنیادی طور پر ولیِ مقتول کا حق ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ، اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ ۔[بنی اسرائیل:۳۳]۔ اور صاحبِ حق کو اپنا حق معاف کرنے کا حق و اختیار حاصل ہے۔ چاہے سب کا سب معاف کر دے یا اس کا کوئی حصہ۔ سو اسلام میں قصاص کا معاملہ قابلِ راضی نامہ ہے۔ مقتول کے وارث اگر چاہیں تو قاتل کو قتل بھی کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو اسکو معاف بھی کر سکتے ہیں، خواہ دیت لے کر خواہ یونہی۔ اس بارے اختیار انہی کے ہاتھ میں ہے۔ سو دینِ حنیف نے مقتول کے ورثاء کو بڑی عظمت سے نوازا ہے۔ والحمدللہ جل وعلا۔

۲۸۳ قاتل سے خون بہا کا مطالبہ دستور کے مطابق:۔ کہ اس میں کوئی ناجائز شرط عائد نہ کرے ۔ مثلاً یہ کہ قاتل سے کہے کہ میں تم سے قصاص معاف کرتا ہوں اس شرط پر، کہ تم اس کے عوض اپنے لڑکے کو میرا غلام بنا دو۔ یا یہ کہ اس کے بدلہ تم مجھے اپنے خاندان کی فلاں عورت سے بدکاری کرنے دو، وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ تو ایسی کوئی شرط قبول

نہیں کی جائیگی۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ سو دینِ حنیف نے ہر جگہ عدل و انصاف اور معروف کی تعلیم دی ہے۔ جس میں ہر کسی کا اور ہر لحاظ سے بھلا ہے۔ فالحمدللہ۔ سو اگر مقتول کے ورثاء کی طرف سے قاتل کو کچھ چھوٹ ملتی ہے تو اسکو اسکی قدر کرنی چاہیئے، اور وہ لوگ دیت وغیرہ کو احسان مندی اور شکر گزاری کے جذبے کے ساتھ ادا کر دیں۔ اس میں کسی ٹال مٹول، یا حیلہ بازی وغیرہ سے کام نہ لیں۔ معروف کے لفظ میں یہ سب کچھ ہی آجاتا ہے۔ سو یہ حسنِ معاملہ کی اعلیٰ تعلیم ہے۔

۲۸۴ احسان اور بھلائی کی تعلیم و تلقین: ۔ بغیر کسی ٹال مٹول ۔تسویل و تسویف۔ اور دھوکہ و فریب کے، کہ ایسی کوئی بھی بات روا نہ ہوگی۔ سو دینِ حنیف نے ہر موقع پر اور ہر معاملے سے متعلق احسان اور خوبی کو اپنانے کی تعلیم دی ہے، خاص کر حقوق العباد اور بندوں کے باہمی معاملات سے متعلق۔ اور یہ وہ اہم اور بنیادی تعلیم ہے جس سے باہمی فساد و بگاڑ سے حفاظت رہتی ہے، اور ہر طرف امن و سکون کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اور معاشرہ پاکیزہ روایات اور عمدہ تعلیمات کا امین و پاسدار بن جاتا ہے اور کتنے ہی نزاعات اس طرح کے حسنِ سلوک سے خود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

۲۸۵ تخفیف و رحمتِ ربانی کا حوالہ و ذکر: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ خدائے مہربان کی طرف سے ایک عظیم الشان تخفیف اور مہربانی ہے جو اس نے تم لوگوں پر فرمائی ہے، کہ اس طرح تم لوگ قصاص اور قتل سے بچ گئے، ورنہ تمہیں قتل کے بدلے قتل ہونا پڑتا۔ سو اس طرح تمہاری جان بخشی ہوگئی۔ سو یہ خدائے مہربان کی طرف سے تم لوگوں پر ایک عظیم الشان تخفیف اور رحمت و عنایت ہے۔ پس تم لوگ دل و جان سے اسکی قدر کرو اور اسکے تقاضے خوشی خوشی پورے کرو، تاکہ اس کی خیرات و برکات سے پورا معاشرہ مستفید و فیضیاب ہو سکے۔ وباللہ التوفیق۔ سو حرمتِ جان کا اصل حق تو یہی تھا کہ جان کے بدلے میں جان لی جاتی، لیکن یہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے تم پر مہربانی فرما دی اور تمہیں تخفیف سے نواز دیا۔ پس تم لوگوں کو اسکی قدر کرنی چاہیئے اور اس سے کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال۔

۲۸۶ اعتداء اور زیادتی کا انجام بُرا۔ والعیاذ باللہ: ۔ اور اس طرح اس نے اس قانونِ تخفیف و رحمت کی ناقدری کی۔ مثلاً یہ کہ ولیٔ مقتول سے قصاص معاف کر دینے اور دیت وصول کر لینے کے بعد جب قاتل مطمئن ہو گیا تو اس نے اس کو قتل کر دیا، یا قاتل دیت قبول کر لینے اور اس کی ادائیگی کا وعدہ کر لینے کے بعد فرار ہو گیا۔ اور اس طرح اس نے دھوکہ دہی سے کام لیا وغیر ذلک۔ تو ایسا کرنا بہت برا ہوگا اور ایسا کرنے والے کیلئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس جس نے تخفیف کے اس حکم سے فائدہ اٹھانے کے بعد ظلم و زیادتی کی کوئی راہ کھولی، تو وہ یاد رکھے کہ اس کیلئے بڑا ہی برا اور دردناک عذاب ہے، جس سے اسکو کوئی بھی چھڑا نہیں سکے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ اعتداء و زیادتی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۲۸۷ قصاص ذریعۂ حفظ و بقاء: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ قصاص میں سب کی زندگیوں کی حفاظت کا سامان ہے کہ جب قاتل کو جرمِ قتل کا یہ انجام معلوم ہوگا، اور اس کو اس سخت سزا کا پتہ ہوگا، تو وہ قتل کے ارتکاب سے بچے گا، اور اس طرح سب کی زندگیوں کی حفاظت کا سامان ہوگا۔ سو قصاص سے ایک جان گئی لیکن کئی جانیں اس سے بچ گئیں اور قصاص میں قتل ہونے سے

قاتل سے قتل کے گناہ کی میل ڈھل گئی اور وہ دوزخ کی آگ سے بچ کر حیاتِ ابدی سے سرفراز ہو گیا۔ اور قاتل کے قتل ہو جانے سے وارثانِ مقتول کے دلوں سے انتقام اور دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہوگئی اور آگے مزید خونریزیوں کا خطرہ ٹل گیا۔ اور مقتول کا خون بہا لینے سے مقتول کی یتیم اولاد کی مالی امداد ہوگئی اور اس کا خون بالکل رائیگاں نہیں گیا، وغیرہ وغیرہ۔ (المراغی، اور المعارف وغیرہ)

۲۸۸ قصاص ہولناک انجام سے بچاؤ کا ذریعہ و وسیلہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم بچ جاؤ، یعنی اس طرح تم بچ سکو اللہ کے غضب، اور اس کی پکڑ، اور اس عذاب سے جو کہ بہت سخت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو قصاص ایسے ہولناک انجام سے بچاؤ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور خود اس میں تم ہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے۔ پس تم اسکی قدر کرتے ہوئے اسکو صدقِ دل سے بجا لاؤ تاکہ اسکے فوائد وثمرات سے تم بھی مستفید و فیضیاب ہو سکو اور پورا معاشرہ بھی اسکی خیرات و برکات سے مالا مال ہو سکے۔ سو اس ارشادِ ربانی میں معاشرے کے تمام ذمہ دار لوگوں کو اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ وہ قصاص کے معاملہ میں کسی سہل انگاری، کسی جانبداری یا کسی چشم پوشی اور کسی بے جا رحم و مروت کو حائل نہ ہونے دیں۔ کیونکہ جو کسی کو قتل کرتا ہے وہ صرف ایک ہی شخص کو قتل نہیں کرتا بلکہ وہ درحقیقت اس قانون کو قتل کرتا ہے جو سب کی جانوں کی حفاظت کا کفیل اور ضامن ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ گویا سب ہی لوگوں کو قتل کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے یہ سب کی ذمہ داری ہے کہ وہ قتل کا قصاص لے کر اس ضمانت کو بحال کر دیں، اور جو بھی شخص اس ضمن میں تعاون کرے گا وہ گویا مقتول کو، پورے معاشرے کو، اور اس قانون کو زندہ کرنے میں تعاون کر رہا ہے جو کہ سب کی جانوں کا کفیل اور ضامن ہے۔ سو اسلامی قوانین سراسر رحمت وعنایتِ خداوندی کا ذریعہ و وسیلہ ہیں - فالحمد للہ۔

۲۸۹ وصیت کی فرضیت اور اسکی منسوخی: - سو شروع میں یہ وصیت کرنا مرنے والے کے ذمے فرض تھا، لیکن بعد میں جب آیتِ میراث نازل ہوگئی، اور ہر صاحبِ حق کا حصہ مقرر کر دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت - ﷺ - نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔ پس اب کسی وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں "فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" (ترمذی، کتاب الوصایا)۔ لہٰذا اب وارث کیلئے وصیت کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ دوسرے ورثاء اس سے راضی ہوں۔ اور وہ اس وصیت کی اجازت دے دیں۔ کیونکہ ابنِ عباسؓ کی روایت کے مطابق اس حدیث میں یہ استثناء موجود ہے "اِلَّا اَنْ تُجِيْزَهُ الْوَرَثَةُ" البتہ یہ وصیت ثُلث سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے، جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ بیان اس وصیت کا ہے جس کا تعلق مرنے والے کے مال اور اس کے ترکہ سے ہو، کہ یہ اب منسوخ ہوگئی ہے۔ رہ گئی وہ وصیت جس کا تعلق ان حقوق سے ہو جو کہ مرنے والے کے ذمے دوسرے لوگوں کے عائد ہوتے ہوں، جیسا کہ دوسروں کے مختلف قروض، دیون اور امانات، وغیرہ تو ان سے متعلق وصیت کرنا اس کے ذمے اب بھی لازم ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ اس پر دو یا تین راتیں گزریں اور اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود نہ ہو۔ بہرکیف وصیت معروف اور دستور کے مطابق ہونی چاہیئے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ کہ دوسروں کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھنا دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کا ایک اہم مقصد اور واضح تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ،

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ

پرہیزگاروں کے ذمے، پھر جس نے اس کو بدل دیا بعد اس کے، کہ اس نے اس کو سن لیا، تو اس کا

اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ۭ

گناہ انہی لوگوں کے ذمے ہوگا جو اس کو بدل دیں گے، ف۴۹۰ بے شک اللہ (سب کچھ) سننے، جاننے والا ہے، ف۴۹۱

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ

البتہ جس کسی کو (اندیشہ و) خوف ہو، وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی طرف داری، یا گناہ کا، اور اس بناء پر

بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ع

وہ ان کے درمیان صلح (صفائی) کروادے ف۴۹۲ تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے،

۲۲ ع ۶

۴۹۰ وصیت کو بدلنے کا گناہ بدلنے والے پر:- نہ کہ اس حاکم و مفتی وغیرہ پر جس نے ایسے لوگوں کے اقوال و بیانات وغیرہ سن کر ظاہر کے مطابق فیصلہ دیا کہ وہ اسی کا مکلف تھا کہ بیانات کے مطابق فیصلہ کرے اور فتوٰی دے اور بس۔ البتہ جس نے وصیت کو بدل کر کسی کی حق تلفی کی تو اس کا گناہ اسی کے ذمے ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ ایسی وصیت کا زیادہ تر انحصار چونکہ گواہوں ہی پر ہوتا تھا، اسی لیے اس ارشاد سے انکی عظیم ذمہ داری کو واضح فرما دیا گیا کہ اگر انہوں نے صاحبِ وصیت کی وصیت میں کسی رد و بدل سے کام لیا تو اسکا سارا گناہ انہی کے سر پر ہوگا۔ صاحبِ وصیت پر یا اس وصیت کو نافذ کرنے والوں پر اسکا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ پس گواہوں کو اپنی ذمہ داری کا پاس و احساس کرنا چاہیے۔

۴۹۱ اللہ ہر کسی کی سنتا سب کچھ جانتا ہے:- وہ ان کے ظاہری اقوال اور بیانات کو بھی سنتا ہے اور ان کے دلوں کی نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے اس سے کسی کی کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ پس ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ وباللہ التوفیق۔ سو "سمیع" اور "علیم" کی ان دو صفتوں کا یہاں پر حوالہ دینے سے ان لوگوں کیلئے تنبیہ اور دھمکی ہے جو اس وصیت کو بدلنے کی جسارت کریں گے کہ وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ سمیع وعلیم سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ پس انکا یہ جرم اس سے مخفی نہیں رہ سکتا اور یہ اسکی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو وصیت اور ہر معاملے سے متعلق انسان خدا کا خوف اپنے دل میں رکھے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

۴۹۲ صحیح طور پر صلح صفائی کی تعلیم و تلقین:- اس طور پر صلح صفائی کرادے کہ اس سے عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ نہ کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی پر کوئی ظلم و زیادتی۔ تو اس پر کوئی اِلزام و گناہ نہیں کہ یہ افساد نہیں اِصلاح ہے۔ اور فساد و بگاڑ نہیں بلکہ صلح صفائی ہے جو کہ مطلوب و محمود ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وصیت کرنے والے کی وصیت میں کوئی جانبداری یا حق تلفی پائی جائے تو اسکی اِصلاح کرنا وصیت کی تبدیلی نہیں ہے۔ اس لیے ایسی صلح کرادینا درست ہے کیونکہ ایسا کرنا بگاڑ نہیں اِصلاح ہے جو کہ مطلوب و محمود ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، فرض کر دیا گیا تم پر روزہ رکھنا، ۴۹۳ جس طرح

كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾

کہ وہ فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے، ۴۹۴ تا کہ تم لوگ متقی (اور پرہیزگار) بن جاؤ، ۴۹۵

أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ

گنتی کے کچھ دن، ۴۹۶ پھر (اس میں بھی یہ رعایت کہ) تم میں سے جو کوئی بیمار ہو، یا

عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى ٱلَّذِينَ

وہ کسی سفر پر ہو ۴۹۷ تو وہ اتنے ہی دنوں کی گنتی پوری کر (کے بعد میں اسی قدر روزے رکھ) لے، اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت

۴۹۳ روزوں کی فرضیت کا حکم: - خود تمہارے فائدے اور بھلے کیلئے تا کہ اس طرح تمہاری ایمانی قوت مضبوط ہو جو کہ اساس و بنیاد ہے مکارم و معالی کی۔ اور تم روحانی ترقی کے درجات طے کرتے جاؤ۔ اور تمہاری قوتِ شہویہ اور غضبیہ کو لگام دی جائے جو کہ منبع ہے ہر شر و فساد کا۔ اور اسے رام کر کے حق کے تابع کیا جائے جو کہ تقاضا ہے تمہارے دین و ایمان کا۔ اور جس میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو روزہ رکھنا تمہارے ایمان کا تقاضا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہارے قلب و باطن کا تزکیہ ہو اور شہوت و غضب کی قوتیں کمزور پڑیں۔ اور روحانی ملکات قوت پکڑیں اور عروج حاصل کریں کہ مومن کی اصل قوت اس کے قلب و باطن کی قوت ہے۔ جس پر دارین کی سعادت و سرخروئی کا مدار و انحصار ہے۔ اسی لیے تم لوگوں کو روزے کی اس عظیم الشان عبادت سے نوازا گیا ہے۔ تا کہ تمہارا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۴۹۴ روزوں کی فرضیت امم سابقہ پر: - یعنی حضرت آدم - علیہ السلام - سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک گزرنے والے سب ہی لوگوں پر۔ سو تفصیلات کے اعتبار سے ان میں اگرچہ فرق و اختلاف رہا، مگر روزے کی نفسِ فرضیت ان سب ہی امتوں اور جملہ لوگوں پر رہی (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس سے تم ہی لوگوں کو سابقہ پیش آ رہا ہو بلکہ یہ مقدس عبادت ہمیشہ ہی فرض رہی۔ چنانچہ حضرت آدم پر ہر مہینے کے تین روزے فرض تھے۔ یعنی ایام بیض کے روزے۔ اور یہود پر ''عاشوراء''، ''یوم السبت'' اور کچھ اور دنوں کے روزے فرض تھے۔ اور نصاریٰ پر رمضان ہی کے روزے فرض تھے۔ اور حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی و منقول ہے کہ عاشوراء اور ہر مہینے کے تین روزے حضرت نوح کے زمانے سے لے کر حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - کے زمانے تک مقرر رہے۔ یہاں تک کہ رمضان کے روزوں کے حکم سے انکی

فرضیت منسوخ ہوگئی (نفس المرجع)۔ سو روزے پہلے لوگوں پر بھی اسی طرح فرض رہے ہیں۔

۲۹۵ روزے کا مقصد حصولِ تقوٰی و پرہیز گاری: - کہ اس طرح تم دنیا میں اپنے خالق و مالک کی معصیت و نافرمانی سے بچو، اور اس کے نتیجے میں آخرت میں تم اس کی گرفت و پکڑ اور دوزخ کی اس ہولناک آگ سے بچو، جو کہ سب سے زیادہ سخت ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو روزہ تمہارے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اور اس میں سراسر تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ اور اسکی خاصیت اور تاثیر یہ ہے کہ اس سے انسان کے اندر تقوٰی و پرہیز گاری کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس سے شہوت و غضب کی ان سرکش قوتوں کا زور ٹوٹتا ہے جو انسان کو بے راہروی پر اکساتی اور لگاتی ہیں۔ سو روزے میں تمہارے لیے اصلاح اور اسعاد کے بڑے بڑے سامان پوشیدہ ہیں۔ اور اس میں تم لوگوں کی خیر اور سعادت کے بڑے بڑے راز مضمر ہیں جن کا احاطہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۹۶ روزوں کی فرضیت گنتی کے چند دنوں کیلئے: - یعنی صرف ماہِ رمضان المبارک کے تیس یا انتیس دن۔ سال کے بارہ میں سے گیارہ مہینے تمہیں چھٹی اور آزادی ہے۔ صرف ایک مہینے کے روزے اور اس پر ملنے والی رحمتیں اور برکتیں بے حد وحساب۔ سو کتنی ہی رحمت وعنایت کا سودا ہے یہ جس سے تمہیں تمہارے ربِّ رحمان ورحیم نے اس طرح مشرف وسرفراز فرمایا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس تم لوگ دل و جان سے اسکی قدر کرو اور اسکی رحمتوں اور برکتوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید و فیضیاب ہونے کی کوشش کرو - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - اور گنتی کے ان دنوں کی تحدید و تعیین میں بھی بڑے اثرات اور خاص حکمتیں ہیں۔ سو یہ دن اگر اس سے زیادہ ہوتے تو تم لوگ مشقت میں پڑ جاتے۔ اور اگر اس سے کم رکھے جاتے تو اس سے تم پر وہ اثرات مرتب نہ ہوتے جو اس عبادتِ مقدسہ سے اصل مقصود ہیں۔ پس تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم لوگ ماہِ صیام کی اس عبادتِ مقدسہ سے متعلق اس حکم و ارشاد کو دل و جان سے اور اس کے آداب اور تقاضوں کے مطابق بجالاؤ تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید - وہو الہادی الی سواء السبیل سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۹۷ روزہ چھوڑنے کے اَعذارِ مُبیحہ کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر تم میں سے جو کوئی بیمار یا مسافر ہو۔ اور ایسے میں اس کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہو تو اس کو روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ اور پھر بعد میں جب عذر زائل ہو جائے کہ بیماری کے بجائے صحت مل جائے اور سفر کے بجائے حضر و اِقامت کی سہولت میسر آ جائے تو جتنے دن اس نے افطار کیا تھا اتنے ہی دن کے وہ روزے رکھ لے۔ سو یہ دینِ حنیف کی رحمتوں کا ایک واضح مظہر ہے۔ پس تم لوگ ان کو دل و جان سے اپناؤ تا کہ خود تمہارا بھلا ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ربِّ رحمٰن و رحیم یہی چاہتا ہے کہ اسکے دین کی ان واضح اور مقدس تعلیمات کو اپنا کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر تم لوگ اپنی دنیا بھی سنوار سکو، اور آخرت بھی۔ اور اس طرح تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز اور بہرہ ور ہو سکو، کہ اس طرح تم دنیا کی اس حیاتِ فانی و زائل میں حیاتِ طیبہ - پاکیزہ زندگی - کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکو اور آخرت میں جنت کی سدابہار نعمتوں اور وہاں کی نعیمِ مقیم سے سرفراز ہو سکو۔ اور یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

يُطِيقُونَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا

رکھتے ہوں، (اور نہ رکھیں) تو ان کے ذمے فدیہ ہے، یعنی ایک مسکین کا کھانا ۴۹۸ اگر جو کوئی اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے ۴۹۹

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تو وہ بہرحال خود اسی کے لئے بہتر ہوگی، اور تمہارا روزہ رکھنا بہرحال تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ

جانتے ہو، ۵۰۰ رمضان کا مہینہ وہ (عظیم الشان مہینہ) ہے، جس میں اتارا گیا

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ

قرآن (حکیم جیسے کلامِ معجز نظام) کو، جو کہ سراسر ہدایت ہے ۵۰۱ لوگوں کے لئے اور جو مشتمل ہے ہدایت کے روشن دلائل، اور

الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ

حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی (ٹھوس) تعلیمات پر، پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس کے روزے

۴۹۸ روزے کے فدیے کا بیان: - پس وہ اگر روزہ نہ رکھے اور اس کی بجائے اس قدر فدیہ دے دے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔ اس کے ذمے روزہ رکھنا ضروری نہیں۔ سو یہ دوسری بڑی سہولت تھی جو کہ روزہ داروں کو دی گئی تھی، لیکن یہ سہولت ابتدا میں تھی۔ بعد میں یہ منسوخ ہوگئی تھی۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت عبداللہ بن عمر۔ رضی اللہ عنہم - وغیرہ حضرات سے مروی ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو اجازت تھی کہ جو چاہے اِفطار کرے اور فدیہ دے دے، یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ - ''پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس کا روزہ رکھے'' تو یہ اجازت منسوخ ہوگئی (بخاری، کتاب التفسیر، کتاب الصوم اور مسلم کتاب الصوم)۔ پس اب بلا عذر کسی کو بھی اِفطار کی اجازت نہیں۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں کچھ اور بھی احتمال اور اقوال ہیں، جن میں سے ایک جس کو بعض اہل علم نے اپنایا، وہ راقم آثم کو بھی بہت اچھا لگا۔ جسکو ہم نے اپنی مختصر تفسیر یعنی ''زبدۃ البیان فی تفسیر القرآن'' المعروف مختصر تفسیر المدنی میں بھی ذکر کیا ہے اور ان شاء اللہ اپنی مفصل تفسیر یعنی ''مجمع البیان فی تفسیر القرآن'' المعروف تفسیر المدنی الکبیر میں تفصیل سے ذکر کریں گے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۴۹۹ نیکی کا فائدہ نیکی کرنے والے ہی کو: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نیکی اور بھلائی خود کرنے والے ہی کے لئے بہتر ہے۔ پس جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے گا وہ خود اسی کیلئے بہتر ہوگی کہ اس کا صلہ وثمرہ خود اسی کو

ملے گا۔ اور یہاں بھی اسکی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک کی بجائے وہ کئی مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ یا اس کے علاوہ کوئی بھی نفلی عبادت کرے، یا ایسی کوئی نیکی کرے جو اس کے ذمے لازم نہیں تھی، تو وہ سب اس کے لئے بہتر ہے، کہ اس کا اجر وثواب اسی کو ملے گا۔ ارشادِ ربانی کے ان کلماتِ کریمہ کا عموم ایسے تمام امور کو شامل اور محیط ہے۔ سو اس ارشادِ عالی میں ربِّ رحمٰن - جل وعلا - کی طرف سے ''تطوع'' یعنی نیک عمل اور اسکی تکثیر کیلئے ترغیب و تحریض ہے کہ اس کا جو بھی موقع ملے اسکو غنیمت سمجھ۔ اور اس ضمن میں جتنی کمائی تم سے ہو سکے کرلو کہ یہ سب کچھ خود تم ہی لوگوں کو کام آئے گا دنیا کے اس دارِ فانی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی جہان کا ہر انعام کامل اور جہاں کی ہر نعمت ابدی و سرمدی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۵۰۰ روزہ رکھنا بہرحال بہتر ہے:- یعنی اگر تم جانتے ہو روزے پر ملنے والے اجر وثواب کو، اور ان فوائد و مصالح کو جو اس عظیم الشان اور بے مثل عبادت کے اندر مخفی و مضمر ہیں۔ رَبَّنَا افْتَحْ قُلُوْبَنَا لِذَالِکَ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لَهَا يَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ وَيَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ - سو اس ارشادِ عالی سے واضح فرما دیا گیا کہ روزے کے بدلے میں اگرچہ فدیہ کی اجازت ہے لیکن یہ بہرحال ایک رخصت اور رعایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ آدمی فدیہ کی بجائے روزے ہی رکھے اور عجز و عذر کی صورت میں اپنے ترک شدہ روزوں کی تکمیل اور قضا دوسرے دنوں سے کرے۔ سو روزہ ایک عظیم الشان اور بے نظیر عبادت ہے۔ اسی لئے مشہور حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''بنی آدم کا ہر عمل کرنے والے ہی کے لئے ہے۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا اجر و ثواب دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھا کر دیا جائے گا سوائے روزے کے کہ یہ خاص میرے لئے ہے اور اس کا اجر وثواب میں خود ہی دوں گا'' ''اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِه'' یعنی سوائے روزے کے کہ ''وہ خاص میرے ہی لئے اور بندہ میری ہی رضا وخوشنودی کی خاطر کھانا پینا اور اپنی خواہشات کو ترک کرتا ہے''۔ ''يَدَعُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِيْ'' - والحمد للہ جل وعلا- سو تمہیں روزے کی اس عظمتِ شان کا علم ہو تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے کہ یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال عبادت ہے۔

۵۰۱ قرآنِ حکیم سراسر ہدایت:- یعنی یہاں پر ''ہادی'' نہیں فرمایا گیا جو کہ ہدایت سے مشتق ہے، بلکہ ''ھدی'' فرمایا گیا ہے جو کہ مصدر ہے۔ جو کہ مبالغے کیلئے آتا ہے پس عام طور پر جو حضرات مترجمین ''ہدی'' کا ترجمہ ''ہدایت دینے والا'' جیسے الفاظ سے کرتے ہیں، وہ اس کا پورا ترجمہ نہیں بنتا، کہ وہ ترجمہ اصل میں ''ھادی'' کا ہے، جبکہ یہاں ''ھدی'' مصدر کا کلمۂ کریمہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں مبالغہ ہے اور مصدر کا مبالغہ کیلئے استعمال کیا جانا ایک مشہور و معروف اسلوب ہے۔ سو ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - سو قرآنِ حکیم ہر پہلو اور ہر اعتبار سے سراسر ہدایت ورحمت ہے۔ والحمد للہ- بہرکیف قرآنِ حکیم ایسی عظیم الشان اور بے مثل کتاب ہے جو سراسر ہدایت اور عینِ رحمت ہے ہر اس شخص کے لئے جو صدق واخلاص سے اسکی طرف رجوع کرے اور سچے دل اور طلبِ صادق کے ساتھ اپنا دامن اسکے آگے پھیلائے۔ وباللہ التوفیق وھو الہادی الی سواء السبیل- سو جو لوگ قرآن کی ہدایت سے محروم ہیں وہ بڑے خسارے میں سراسر اندھیروں میں ہیں- والعیاذ باللہ العظیم-

كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ

رکھے، اور جو کوئی بیمار ہو، یا کسی سفر پر ہو، تو اس کے ذمے (اتنے ہی دنوں کی) گنتی ہے دوسرے دنوں سے، ف۵۰۲

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا

اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے وہ تم سے سختی نہیں کرنا چاہتا ف۵۰۳ اور (یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کہ) تاکہ تم لوگ پورا کر سکو (روزوں کی)

الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ

گنتی کو ف۵۰۴ اور تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ کی، اس (عظیم الشان کرم و احسان) پر، کہ اس نے تم کو نوازا ہدایت (کی دولت بے مثال) سے، ف۵۰۵

تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي

اور تاکہ تم لوگ شکر بجا لاؤ (اس واہبِ مطلق کا،) ف۵۰۶ اور جب پوچھیں آپ سے (اے پیغمبر!) میرے بندے میرے بارے میں ف۵۰۷ تو

قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا

(واضح رہے کہ) میں بہت ہی قریب ہوں ف۵۰۸ (سنتا اور) قبول کرتا ہوں، پکارنے والے کی پکار کو، جب کہ وہ مجھے پکارتا ہے ف۵۰۹ پس ان کو

لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ

چاہیئے کہ یہ میرا حکم بجا لائیں، اور مجھ پر ایمان رکھیں، تاکہ یہ راہ (رشد و صواب) پا سکیں، ف۵۱۰ حلال کر دیا گیا تمہارے لئے

۵۰۲ <u>تکرارِ حکم برائے اِفادۂ خاص</u>:- اس کو مکرر طور پر اس لئے بیان فرمایا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ منسوخی کے حکم کا تعلق صرف فدیہ کے امر سے ہے۔ مریض اور مسافر کیلئے اِفطار و قضاء کی اجازت و رعایت منسوخ نہیں ہوئی (معارف القرآن للکاندھلوی، المراغی، الصفوۃ، المحاسن وغیرہ)۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو کوئی صحت اور اِقامت و حضر کی حالت میں اس مہینے کو پائے، وہ اسکے پورے کے پورے روزے رکھے۔ اور جس کے بیماری یا سفر کی بناء پر کچھ روزے بامرِ مجبوری رہ گئے ہوں تو وہ انکی تکمیل دوسرے دنوں سے کر لے، تاکہ وہ ان خیرات و برکات سے فیضیاب اور مالا مال ہو سکے جو اس ماہِ مبارک کے ان ایامِ محدود سے وابستہ ہیں جو کہ عظیم الشان خیرات و برکات ہیں۔

۵۰۳ <u>اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے ایک خاص پہلو کا ذکر</u>:- کہ اللہ اپنے بندوں سے نرمی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان، نہایت ہی شفیق اور انتہائی کریم ہے۔ اور اس کی صفات میں سے صفتِ ''رؤف'' اور ''ودود'' اور ''رحمان'' و ''رحیم'' وغیرہ کا یہی تقاضا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اور اس کا عطا فرمودہ یہ دینِ حنیف رحمتوں، عنایتوں، اور آسانیوں سے معمور و بھرپور ہے۔ مثلاً نبیٔ رحمت کا یہ مشہور ارشاد جو کہ

حضرت انسؓ وغیرہ سے مروی ہے اس کا ایک واضح مظہر ہے ''یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا'' اور یہ ایک بڑا اہم اور جامع ارشاد ہے، جس میں تیسیر و تبشیر کا حکم دیا گیا ہے اور تعسیر و تنفیر سے منع فرمایا گیا ہے۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ سفر اور بیماری کی حالت میں جو تم لوگوں کو روزے ملتوی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، تو وہ اس لیے دی گئی ہے کہ اللہ تمہارے لیے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ تمہیں کسی تنگی اور مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ وہ ربِ رحمان تم لوگوں پر بڑا ہی مہربان اور شفیق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۵۰۴ روزوں کی گنتی پوری کرنے کا حکم و ارشاد: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم لوگ پورا کرو گنتی کو اور اس طرح تم روزوں کی برکات سے بھرپور طور پر فیضیاب و مالا مال ہوسکو، اور بیماری اور سفر وغیرہ کے عذر کے سبب جو روزے تم سے رہ گئے تھے ان کو بعد میں پورا کرلو، تاکہ اس طرح تم روزوں کی گنتی پوری کر کے ان فوائد و منافع اور خیرات و برکات سے بہرہ ور ہوسکو، جو قدرت نے اپنی رحمت و عنایت سے ان میں ودیعت فرما رکھے ہیں۔ سو فدیہ کی اجازت اس لیے منسوخ کی گئی ہے تاکہ تم لوگ ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کی تعداد پوری کرو، اور ان خیرات و برکات سے محروم نہ رہو جو اس خالق و مالک نے ان مبارک دنوں کے اندر ودیعت فرما رکھی ہیں۔ سو اصل مقصود ان احکام سے خود تم ہی لوگوں کا بھلا اور تمہارا ہی فائدہ ہے۔

۵۰۵ شکرِ خداوندی کی تعلیم و تلقین: ۔سو اس سے نعمتِ ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم لوگ شکر ادا کرو جو کہ تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے۔ اور جو ایسی عظیم الشان اور بے مثل نعمت ہے، جس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ پس تم اسکی اس عظیم الشان نعمت پر اس کا شکر ادا کرنے کیلئے اسکی بڑائی بیان کرو۔ سو اللہ پاک کی عظمت و بڑائی کا بیان کرنا دینِ حنیف کی ایک اہم اور امتیازی تعلیم ہے۔ اسی لیے مومن اپنی اذان میں، اپنی اِقامت میں، اپنی نمازوں میں، اپنے حج و عمرہ کی عبادات میں، اور اپنی نمازوں اور عیدوں کے بعد اپنے رب کی عظمت و کبریائی اور اسکی بڑائی کا اعلان و اظہار کرتا ہے اور اس سے رطب اللسان ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنی دنیا اور عقبیٰ دونوں کو سنوارتا ہے۔ سو یہاں پر تکبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان اور اسکی جلالتِ قدر اور اسکی بزرگی و بڑائی کے احساس و اعتراف کی وہ خاص حالت اور کیفیت ہے، جو ایک روزے دار پر روزے کی حالت میں عملاً طاری ہوتی ہے، جس کی بناء پر بندۂ مومن محض اپنے رب کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلئے کھانے پینے سمیت تمام خواہشات کو ترک کردیتا ہے۔ سو نعمتِ ہدایت ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ اس لیے اس پر صدقِ دل سے شکر ادا کرنا چاہیے۔

۵۰۶ شکرِ نعمت اور اس کا صلہ و ثمرہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا تاکہ تم لوگ شکر بجا لاؤ اسکا اس کی ان عظیم الشان نعمتوں اور عنایتوں پر، جن سے اس نے تم لوگوں کو طرح طرح سے نوازا ہے۔ اور شکرِ نعمت سے نعمت بڑھتی اور محفوظ رہتی ہے۔ اور اس میں برکت نصیب ہوتی ہے۔ پس اس طرح تم لوگ اسکی مزید از مزید عنایات سے سرفراز ہوسکو گے۔ پس اس واہبِ مطلق کا شکر ادا کرنے میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ سو شکرِ نعمت بذاتِ خود ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ اس سے ایک طرف تو وہ واجب شکر ادا ہوتا ہے جو کہ حضرت واہبِ مطلق۔ جل وعلا شانہٗ۔ کا بندہ ہونے کے اعتبار سے انسان پر واجب ہوتا ہے، اور دوسری طرف اس سے اسکو ان طرح طرح کی خیرات و برکات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے جو کہ ادائے شکر سے وابستہ ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ سو شکرِ نعمت بذاتِ خود ایک عظیم

الشان نعمت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ پر ڈالتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۰۷ قربِ خداوندی کے بارے میں سوال کا جواب: ۔ سو اس سے بندوں کے اپنے رب کے بارے میں سوال اور رب کی طرف سے اس کے جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں کہ میں ان کے قریب ہوں یا دور، جیسا کہ روایات میں وارد ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ۔ﷺ۔ سے عرض کیا کہ ''کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم اس کو آہستہ سے پکاریں، یا دور کہ اسے زور زور سے پکاریں''۔ ''اَرَبُّنَا قَرِیْبٌ فَنُنَاجِیْهِ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْهِ؟'' ۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (صفوۃ التفاسیر، جامع البیان، روح المعانی، محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور اس میں صاف اور صریح طور پر بتا دیا گیا کہ تمہارا رب تمہارے نہایت قریب ہے۔ اس لیے اس کو بلانے پکارنے کیلئے زور لگانے کی ضرورت نہیں۔ پھر کتنا قریب ہے اسکی تفصیل اگلے حاشیے میں آ رہی ہے۔ اور یہ آیتِ کریمہ دراصل تمہید ہے ان تمام سوالوں کے جواب کی جو روزے کے حکم کے نزول کے بعد ماہِ رمضان کے احترام اور روزے کے احکام و آداب سے متعلق لوگوں کے ذہن میں ابھرے، یا انکی زبانوں پر آئے اور اللہ تعالیٰ نے انکا جواب دیا اور وضاحت فرمائی۔ سو ایسے لوگوں کو قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ یہ لوگ اپنے اس طرح کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کو خداوندِ قدوس اور اسکی شریعتِ مقدسہ کی مخالفت یا اسکی تنقید و تضحیک کا ذریعہ نہ بنالیں، بلکہ انکے سلسلہ میں رہنمائی کی طلب کیلئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کریں، اور جو کوئی صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اللہ اسکی طلب کو ضرور پورا کرتا ہے۔ خواہ اسکی ایسی طلب کا تعلق کسی دنیاوی ضرورت سے متعلق ہو یا اخروی ضرورت سے۔ پس بندوں کا کام رب کی طرف دل و جان سے رجوع رہنا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید بکل حالٍ من الاحوال۔

۵۰۸ ربِ تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے؟: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کلماتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ میں بہت قریب ہوں اور اتنا قریب کہ ان کی شہ رگ جو کہ رگِ جاں کہلاتی ہے، اس سے بھی زیادہ قریب ہوں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ ۔ (قٓ: ۱۶) اور اتنا قریب کہ اس کے بندے جہاں اور جس حال میں بھی ہونگے وہ ان کے ساتھ ہوگا، اپنے علم اور اپنے تصرف و قدرت کے اعتبار سے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ﴾ الآیۃ (الحدید: ۴) نیز فرمایا گیا۔ ﴿اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا﴾ الآیۃ (المجادلہ: ۷) حضرتِ ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر کے سفر کے دوران ایک موقع پر کچھ حضرات اونچی آوازوں سے دعائیں کرنے لگے تو آنحضرت ۔ﷺ۔ نے ان سے فرمایا کہ لوگو! تم اپنی جانوں پر رحم کرو [اتنا زور لگانے کی ضرورت نہیں کہ] جس کو تم پکار رہے ہو وہ نہ تو بہرا ہے اور نہ تم سے کہیں دور۔ وہ سب کچھ سننے والا، نہایت قریب ہے۔ اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (المراغی، الروح وغیرہ)۔ اور ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جس کو تم پکارتے ہو وہ تم میں سے ہر شخص کے اس سے بھی زیادہ قریب ہے، جتنا کہ اس کی سواری کی گردن'' (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا الخ)۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا۔ دوستِ من نزدیک تر از من است۔ دیں عجیب ترکہ من از و دورم۔ یعنی ''میرا محبوب تو میری جان سے بھی بڑھ کر مجھ سے قریب ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ میں پھر بھی اس سے دور ہوں'' اور شاید اسی قربِ بے مثل کے اظہار و بیان کیلئے یہاں پر جواب میں ''

قل'' کا لفظ بھی ذکر نہیں فرمایا گیا، یعنی یوں نہیں فرمایا گیا ''فَقُلْ اِنِّیْ قَرِیْبٌ'' - ''تم کہو کہ میں قریب ہوں'' بلکہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ - ''تو واضح رہے کہ میں بہت ہی قریب ہوں'' حالانکہ ایسے سوال و جواب کے مواقع پر بالعموم لفظ'' قل'' ذکر فرمایا گیا ہے، جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے- ﴿یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ﴾ الاٰیة [البقرة: ۲۱۹] اور جیسے - ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتٰمٰی ۖ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ﴾ الاٰیة [البقرة: ۲۲۰] یا جیسے - ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ ۖ قُلْ هُوَ اَذًی﴾ الاٰیة [البقرة: ۲۲۲] وغیرہ وغیرہ۔ سو یہاں سے اہلِ بدعت کے اس خود ساختہ مشرکانہ فلسفے کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے، جو وہ لوگ اس طرح بگھارتے ہیں کہ صاحب، جب تم کسی دنیاوی بادشاہ کے حضور خود براہِ راست نہیں پہنچ سکتے، اور پہنچ بھی جاؤ تو تمہاری وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی، جب تک کہ تم کوئی ذریعہ اور وسیلہ نہ اپناؤ، تو جب دنیاوی بادشاہوں کے سامنے تم براہِ راست اپنا مدعا عرض نہیں کر سکتے، تو پھر تم لوگ اللہ پاک کے حضور براہِ راست کیسے پہنچ سکتے ہو؟ پس لازم ہے کہ تم کچھ ایسے واسطے اور وسیلے اپناؤ جن کے ذریعے تم اپنی عرضداشت اس کے حضور پیش کر سکو کہ'' ہماری اِن کے آگے اور اِن کی اُن کے آگے'' وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سب من گھڑت اور مشرکانہ فلسفہ طرازی ہے، اور خرابیوں کی خرابی اس مشرکانہ فلسفے میں یہ ہے کہ اس میں حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - کو اس کی مخلوق پر قیاس کیا گیا ہے، جو کہ قطعی طور پر قیاس مع الفارق ہے۔ بھلا جو ذاتِ اقدس و اعلیٰ - سبحانہٗ تعالیٰ - انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو، اس کو دنیاوی بادشاہوں اور عاجز مخلوق پر قیاس کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ - ﴿فَتَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا﴾ - نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ پاک - سبحانہٗ و تعالیٰ - کو زور زور سے اور چیخ چیخ کر پکارنا، دینِ حق کے مزاج اور اس کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر آنحضرت -ﷺ- کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ'' لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو، جس کو تم پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے اور نہ کہیں دور''۔ بھلا جو ذاتِ اقدس و اعلیٰ اپنے صاف و صریح ارشاد کے مطابق انسان کے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو، اس کو چیخ چیخ کر اور زور لگا لگا کو پکارنے کی کیا ضرورت؟ مگر اس کے باوجود آج ہمارے ملک کے اہلِ بدعت کا حال یہ ہے کہ وہ مسجدوں کے لاؤڈ سپیکروں کو پوری پاور سے آن کر کے چیختے ہیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک مرتبہ آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں ایک اعلیٰ سطحی مجلس میں گفتگو کے دوران پاکستان کی عدالتِ عالیہ کے ایک جج صاحب اپنی نجی گفتگو میں فرما رہے تھے، کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ جب لوگ اپنے لئے مکان ایسی جگہ ڈھونڈا کرتے تھے جہاں مسجد نزدیک ہو، تاکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، لیکن اب وہ مکان ایسی جگہ ڈھونڈتے ہیں، جو کہ مسجد سے کہیں دور ہو، تاکہ وہاں کے شور سے بچ سکیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت کے ایک اور جج صاحب نے اس موضوع پر'' لاؤڈ سپیکر کا ظالمانہ استعمال'' کے، عنوان سے ایک مستقل مضمون بھی حال ہی میں لکھا، جو کہ خاصا مقبول ہوا اور ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں چھپا، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوگ اس طرح کے شور شرابے سے کس قدر تنگ ہیں۔ مفسر مصطفیٰ مراغی مرحوم نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زور زور سے پکارنا اور یاد کرنا،

اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ (تفسیر المراغی)۔ پھر کیا خیال ہے ان لوگوں کے بارے میں جو اس خلاف ورزی پر اڑے ہوئے ہیں؟ اور اسکے خلاف وہ حق و ہدایت کی کوئی آواز بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اور وہ اپنے چیخنے چلّانے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ والعیاذ باللہ من کُلِّ زَیْغٍ وَّضلال۔

۵۰۹ قبولیتِ دعاء مشیئتِ خداوندی کے تابع:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہوں۔ یعنی اپنی حکمت و مشیئت کے مطابق۔ اور ویسا جیسا کہ انسان کیلئے بہتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ﴾ الآیۃ [الانعام: ۴۱] سو دعا قبول کرنا بھی دوسرے تمام امور کی طرح اس۔ وحدہٗ لاشریک۔ کی مشیئت کے تابع ہے کہ وہی جانتا ہے کس کیلئے کیا اور کیسے بہتر ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ دعاء سے متعلق دوسری ضروری باتیں راقمِ آثم نے اپنی کتابوں خاص کر ''تحفہ علم و حکمت'' اور ''قرآن و سنت کی مقدس دعائیں'' میں کافی تفصیل سے بیان کر دیا ہے جو کہ عرصہ ہوا چھپ چکی ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تفصیل کیلئے ان کی طرف رجوع فرما لیا جائے۔ بہرکیف بندے کا کام ہے مانگنا۔ آگے قبول کرنا اور کس طرح قبول کرنا یہ سب اسکی مشیئت کے تابع ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ پر صدقِ دل سے ایمان لانا اور اسکے احکام کی بجا آوری انسان کیلئے راہِ حق و ہدایت سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ بندہ جب اپنے رب کو پکارتا ہے تو وہ اسکی پکار کو سنتا اور قبول فرماتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ بندہ اپنے رب کو پکارے اور وہ اسکی مدد نہ فرمائے، اور اسکی دادرسی اور فریادرسی کو نہ پہنچے۔ شرط صرف یہ ہے کہ بندہ اسکا بندہ بن کر اسکو اخلاص و تضرع کے ساتھ پکارے، اور اسکو اسی چیز کیلئے پکارے جس کیلئے پکارنا اسکو زیبا ہے۔ اگر بندہ اپنے رب سے وہ کچھ مانگے جو مانگنے کا ہے، اور اس طرح مانگے جس طرح مانگنا چاہیئے تو وہ کچھ اسکو ضرور عطا فرمایا جائے گا۔ اگر فوراً نہیں ملتا تو اسکو اسکے مستقبل یا اسکی آخرت کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اسکو وہ اس شکل میں نہیں ملتا جس میں وہ اس سے مانگتا ہے تو اس سے بہتر صورت میں مل جاتا ہے۔ یا اسکے نتیجے میں کسی اور سختی اور مصیبت کو اس سے ٹال دیا جاتا ہے، جیسا کہ قرآن و سنت کی مختلف نصوص میں ان تمام باتوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ اس لیے اپنے رب سے مانگنا بہرکیف کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ پس بندے کا کام اور اسکی بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے رب سے ہمیشہ مانگتا ہی رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۵۱۰ ایمان واطاعت باعثِ سرفرازی:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان و اطاعت رشد و ہدایت سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ یعنی یہ رشد و ہدایت کی اس راہ کو پاسکیں جس پر چل کر یہ لوگ دنیاوی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوں، اور اُخروی فوز و فلاح سے بھی۔ سو راہِ حق و ہدایت سے سرفرازی قدرت کا سب سے بڑا اور عظیم الشان عطیہ ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اس قدر قریب بھی ہے، اور وہ انکی دعاء و پکار کو سنتا اور قبول بھی فرماتا ہے تو پھر اسی کا ان پر یہ حق ہے کہ یہ اسکی دعوت پر لبیک کہیں اور صدقِ دل سے اس پر ایمان لائیں۔ اور اس طرح رشد و ہدایت اور راہِ صدق و صفات سے سرفراز و بہرہ ور ہوں۔ کیونکہ اسکے بعد اسکی طرف سے روگردانی کرنے اور کسی اور کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کوئی ادنیٰ وجہِ جواز بھی باقی نہیں رہتی۔ والعیاذ باللہ من کل زیغٍ وضلال وسوءٍ وانحراف۔

لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ

روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا، ۵۱۱ وہ ایک عظیم الشان لباس ہیں تمہارے

لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ

لئے ۵۱۲ اور تم ایک عظیم الشان لباس ہو ان کے لئے، اللہ کے علم میں ہے کہ تم لوگ

كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے ۵۱۳ مگر اس نے (اپنے کرم کی بناء پر) تم پر عنایت فرمادی، اور تم سے درگزر فرمالیا،

فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا

سو اب تم ان سے شب باشی کرو، اور (حاصل و) طلب کرو وہ کچھ جو اللہ نے لکھ دیا ہے تمہارے لئے، ۵۱۴ اور تم کھاؤ

وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ

پیو، یہاں تک کہ اچھی طرح ظاہر ہو جائے تمہارے لئے (سپیدۂ صبح کی) سفید دھاری

الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى

(تاریکیٔ شب کی) سیاہ دھاری سے، ۵۱۵ پھر تم لوگ پورا کرو اپنے روزوں کو رات (کی آمد)

۵۱۱ رمضان کی راتوں میں رفثِ نساء کی اجازت: - جو کہ اس سے قبل ممنوع تھا، جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد و مذکور ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر، وغیرہ)۔ سو اس طرح یہ تم پر ایک اور کرم و احسان ہے، اس ربِّ رحمان و رحیم کا، جس سے اس نے تم کو نوازا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ "رَفَث" کے اصل معنی فحش کلام اور شہوانی باتوں کے آتے ہیں، مگر یہاں یہ کنایہ ہے جماع اور اس کے متعلقات سے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو شروع میں جو اسکی ممانعت تھی وہ اب ختم ہوگئی اور اب تم کو اسکی اجازت دے دی گئی ہے۔ "رفث" کے بعد "الیٰ" کا جو صلہ آگیا تو اس سے اسکے اندر بیویوں سے اختلاط و ملاقات کا مضمون پیدا ہوگیا۔ بہرکیف اس ارشاد سے رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں سے اختلاط اور مباشرت کی اجازت کی تصریح فرمادی گئی کہ روزے کی پابندیوں کا تعلق صرف دن سے ہے۔ لہٰذا رات کے وقت میں اس سے صحبت و ہمبستری میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ وہ مباح اور حلال ہے۔ اور یہ دینِ فطرت کا مقتضیٰ ہے۔

۵۱۲ ایک عظیم الشان لباس کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے ایک عظیم الشان لباس ہے سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ عورتیں مردوں کا اور مرد عورتوں کا ایک عظیم الشان

لباس ہیں اور ایسا عظیم الشان لباس کہ اس جیسا دوسرا کوئی لباس ہے ہی نہیں۔ ایسا لباس جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے عظیم الشان فوائد و منافع مضمر ہیں۔ پس جس طرح لباس انسان کیلئے عزت و وقار اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کیلئے عزت و وقار اور سکون و اطمینان کا باعث ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ الآیۃ [الروم: ۲۱] اور اسی لئے شادی کے بعد زوجین میں سے ہر ایک کو ''محصن'' اور ''محصنہ'' کہا جاتا ہے، جو کہ حصن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''قلعہ'' کے آتے ہیں۔ یعنی زواج و نکاح کے بعد ان دونوں میں سے ہر ایک قلعہ بند ہو گیا، اور اس کی عزت و عفت محفوظ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ شادی کی عمر کو پہنچنے کے بعد شادی نہیں کرتے، ان کو عام طور پر شک و شبہ کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگتا ہے، اور طرح طرح سے ان پر نکتہ چینی کی جانے لگتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ نیز جس طرح انسان خواہ وہ مرد ہو یا عورت، لباس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہر سلیم فطرت شادی بیاہ سے بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا، نیز جس طرح لباس انسان کو سردی گرمی وغیرہ کی تکلیفوں سے بچاتا ہے اور اسکے آرام و راحت کا ذریعہ بنتا ہے، اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کو تکلیفوں اور پریشانیوں سے بچاتا، مشکلات میں اسکی ڈھارس بندھاتا، اسکے کام آتا اور اسکے لئے آرام و سکون کا ذریعہ بنتا ہے۔ نیز جس طرح لباس انسان کو دوسروں کی نگاہوں سے مخفی و مستور رکھتا ہے، اسی طرح زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کی کمزوریوں کو چھپاتا اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ سو قدرت کی کتنی بڑی نعمت اور عنایت ہے، انسان کیلئے زوجیت اور زن و شوئی کی یہ نعمت و عنایت۔ اور کس قدر بلیغ، موثر اور جامع ہے قرآنِ حکیم کی یہ تعبیر و ادا۔ ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾۔ جو ایسے ایسے عظیم الشان معانی و مطالب پر حاوی و مشتمل ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، رَبِّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَالْاَرَضِيْنَ۔ اللہ ہم سب کو اس لباس کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ بہر کیف یہاں پر ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ''ایک عظیم الشان لباس ہیں تمہارے لئے اور تم ایک عظیم الشان لباس ہو انکے لئے''۔

۵۱۳ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی خود اپنے آپ سے خیانت، والعیاذ باللہ: ـ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی خود اپنے آپ سے خیانت کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جانتا ہے کہ تم لوگ خیانت کرو گے خود اپنی جانوں سے، حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کر کے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرنا، دراصل خود اپنے آپ ہی سے خیانت کرنا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہ ظاہر ہے کیونکہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کا بوجھ خلاف ورزی کرنے والے ہی پر پڑے گا اور اس کا بھگتان خود اسی کو بھگتنا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو جو اچھا کرے گا وہ اپنے ہی بھلے کیلئے کرے گا اور جس نے برائی کی اسکا وبال خود اسی پر پڑے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾۔ [السجدۃ: ۴۶] بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ تم لوگ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کر کے خود اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہو تو اس نے تم پر رحم فرما دیا اور تم کو اس تخفیف و عنایت

سے نواز دیا اور تمہارے جرم وقصور کو بھی معاف فرما دیا کہ اس کی شان ہی معاف کرنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فاغفرلنا وارحمنا وتُبْ علینا فانک انت التواب الرحیم یا ذا الجلال والاکرام، ویاارحم الرحمین۔

۵۱۴ رشتۂ ازدواج سے اصل مقصد کی نشاندہی: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ رشتۂ ازدواج سے اصل مقصد متعِ زوجیت اور صالح اولاد ہے یعنی متعِ زوجیت جس کی اس نے تم کو اجازت دی اور اسے تمہارے لئے مباح فرما دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اس نے اس کو تمہارے لئے اجر وثواب کا ذریعہ بنا دیا، جس طرح کہ حضرت نبیٔ معصوم ۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ سے صحیح حدیث میں وارد وثابت ہے، کہ آپ ۔ ﷺ ۔ نے فرمایا۔ ’’وَفِیْ بِضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَةٌ‘‘ ۔ یعنی تمہارا وظیفۂ زوجیت بھی تمہارے لئے اجر وثواب کا باعث ہے، الیٰ آخر الحدیث۔ مگر صرف حظِ نفس اور غریزۂ جنس کی تسکین ہی اصل مقصد نہ ہو، بلکہ صالح اولاد بھی پیشِ نظر ہو، جو کہ زندگی کا سب سے بڑا پھل اور قدرت کی نعمتوں میں سے ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ سو کلمہ ’’ما‘‘ کا عموم ان سب چیزوں کو شامل ہے۔ پس اہلِ ایمان کو چاہیئے کہ رشتۂ زوجیت کی اس عظیم الشان نعمتِ خداوندی کی قدر پہچانیں اور دل وجان سے اس کا شکر بجا لائیں۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ رشتۂ ازدواج کا اصل مقصد اولاد ہے، اور یہی مقصد تمہارے پیشِ نظر رہنا چاہیئے۔ سو اصل مقصد محض لذتِ حیوانی کا حصول نہیں، بلکہ بقائے نسل ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جسکے پیشِ نظر رکھنے سے رشتۂ ازدواجیت کا یہ عمل نیکی اور عبادت بن جاتا ہے، مگر ساتھ ہی ’’کتب اللّٰہ لکم‘‘ کے ارشاد سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اس چیز کا تمام تر انحصار تقدیرِ الٰہی پر ہے، نہ یہ تمہارے اختیار میں ہے اور نہ ہی اس میں کسی اور ہستی یا سرکار وغیرہ کا کوئی عمل دخل ہوسکتا ہے۔ سبحان اللہ۔ دینِ متین نے جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح فرمایا کہ اولاد محض عطیۂ خداوندی اور عنایتِ ربانی ہے۔ اس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں ہوسکتا، مگر اسکے باوجود ظالم انسان محض اپنے اوہام وخرافات کی بناء پر ان کو دوسری بے بنیاد چیزوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کھلے مشرکوں اور بت پرستوں کا معاملہ تو الگ ہے، مگر کتنے ہی جاہل مسلمان ہیں جو ایسی خرافات اور اس طرح کی شرکیات میں مبتلا ہیں۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔

۵۱۵ انقضاءِ شب کی نشانی سپیدۂ صبح کا طلوع: ۔ جس سے انقضاءِ شب اور طلوعِ فجر کا یقین ہو جائے۔ سو اب سابقہ ممانعت کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا، جو پہلے سے چلا رہا تھا، کہ اِفطاری کے بعد اگر کسی کی آنکھ لگ گئی تو اسکے لئے کھانا پینا وغیرہ سب کچھ ممنوع ہو گیا جس کے باعث تم لوگ بڑی مشکل اور مشقت میں مبتلا تھے۔ پس اب تم سپیدۂ صبح کے ظاہر ہونے تک کھا پی سکتے ہو۔ یہ تمہارے ربِ رحمٰن ورحیم کا ایک اور کرم ہے، جو اس نے تم پر اپنی عنایت ومہربانی سے فرمایا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّکْرُ۔ سُبْحَانَهٗ وتعالیٰ ۔ پس تم لوگوں کو اپنے خالق ومالک کے ان رحمتوں بھرے احکام کی دل وجان سے قدر کرنی اور ان کو پوری احتیاط اور پابندی سے بجا لانا چاہیئے کہ اس میں سراسر تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں کھانے پینے کی یہ اجازت صبحِ صادق کے اچھی طرح نمایاں ہو جانے تک ہے۔ اور اسی کی تائید مختلف احادیث وروایات سے بھی ہوتی ہے۔ سو اس سے پہلے لوگ جس عمومی اور معروف رواج پر چلتے تھے اس کا خاتمہ فرما دیا گیا۔ پس طلوعِ فجر کے بعد سے لے کر رات کے آنے تک یعنی غروبِ آفتاب تک روزہ پورا کرنا ضروری ہے۔

الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي

تک، اور تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہیں کرنا، ایسی حالت میں جبکہ تم اعتکاف میں بیٹھے ہوئے، اپنی

الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ

مسجدوں میں، ۵۱۶ یہ (احکام) اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، پس تم ان کے قریب بھی نہ پھٹکنا، ۵۱۷ اسی طرح

۵۱۶ اعتکاف کا معاملہ روزہ سے مختلف: - اور تم اعتکاف کی حالت میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہیں کرنا، کہ اعتکاف کا معاملہ روزہ کے معاملہ سے مختلف ہے۔ کیونکہ روزہ تو دن کے اختتام پر ختم ہو جاتا ہے، مگر اعتکاف اس کے برعکس دن رات جاری رہتا ہے۔ لہٰذا اعتکاف کے دوران رات میں بھی اپنی بیوی سے صحبت و مباشرت کی اجازت نہیں، کہ طواف کی اس عظیم الشان عبادت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کلیتہً اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی کیلئے ایسے تمام علائق سے کٹ کر الگ ہو جائے، تاکہ اسکے انوار و تجلیات سے زیادہ سے زیادہ مستفید و فیضیاب ہوسکے۔ کیونکہ اعتکاف کی اصل ''تبتل الی اللہ'' ہے۔ یعنی یہ کہ انسان ہر طرف سے ہٹ کر اور ہر کسی سے کٹ کر اور کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق و مالک سے لو لگائے، تاکہ اس طرح وہ اسکے انوار و تجلیات سے منور و معمور ہو کر ایک نیا انسان بن کر ظاہر ہو، اور اسکے نتیجے میں وہ صرف اپنے ہی لیے نہیں بلکہ دوسروں کیلئے بھی منارۂ رشد و ہدایت بن کر ابھرے۔ نیز اعتکاف میں چونکہ مسجد کا قیام اسکے لوازم میں سے ہے، جس طرح کہ یہاں بھی ''فی المساجد'' کی تصریح سے ظاہر فرما دیا گیا ہے، اس لیے اسکے دوران بیویوں سے زن و شو کا تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے حالت اعتکاف میں رات کے دوران بھی اپنی بیویوں سے مباشرت کی اجازت نہیں۔

۵۱۷ اللہ کی حدود کے احترام کی تعلیم: - سو یہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ پس تم انکے قریب بھی نہ پھٹکنا کہ مبادا کہیں تم ان حدوں کو توڑ بیٹھو، اور مارے جاؤ۔ لہٰذا ان سے دور ہی رہو، کہ سدِّ ذرائع اور منہیات و محارم سے پوری طرح بچنے کا تقاضا یہی ہے، کہ تم ان سے دور رہو تاکہ حدود کو توڑنے اور پھلانگنے کے محذور سے بچے رہو۔ نبی اکرمؐ نے اسکو ایک عظیم الشان مثال سے واضح فرمایا ہے کہ جس طرح کسی بادشاہ کا ایک ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے تو جو چرواہا اسکی حدود سے دور رہے گا وہ اسکی حدود کو توڑنے اور پھلانگنے سے محفوظ رہے گا، اور جو اسکی حدود کے آس پاس چرائے گا وہ آخر کسی نہ کسی وقت اسکی حدود کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو جائے گا۔ سو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی حدود اور اسکے احکام کو سمجھو اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کا وہ ممنوعہ علاقہ اسکی حرمتیں ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشادات کے ذریعے نفس کی آزادی کیلئے جو حدود مقرر فرما دی ہیں، انکی پوری احتیاط سے نگرانی چاہیئے۔ سو انسان کو ہمیشہ اسی کی فکر و کوشش میں رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ ان حدود کی خلاف ورزی نہ ہو جائے کہ یہ اس کا مجھ پر حق بھی ہے کہ وہ میرا خالق و مالک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اس کی پابندی میں خود میرا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اسی میں بہتری اور بھلائی ہے دوسرے انسانوں اور پورے معاشرے کی۔ وباللہ التوفیق وھو الہادی الی سواء السبیل۔ بہر کیف حدود اللہ کی پاسداری دینِ حنیف میں ایک اہم مطلب ہے۔

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا

اللہ کھول کر بیان فرماتا ہے اپنے احکام لوگوں کے لئے تا کہ وہ بچ سکیں، ۵۱۸ اور مت

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى

کھاؤ تم لوگ اپنے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے، ۵۱۹ اور نہ ہی تم انہیں لے جاؤ

الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ

حاکموں کے پاس، تا کہ (اس طرح) تم ہتھیا سکو کچھ حصہ دوسروں کے مالوں کا گناہ کے ساتھ، ۵۲۰

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ ع ۲۳

حالانکہ تم لوگ خود جانتے ہو ۵۲۱ پوچھتے ہیں آپ سے یہ لوگ (اے پیغمبر!) چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے بارہ میں، (کہ ایسے کیوں ہوتا

۵۱۸ حدودِ خداوندی کی پابندی کے ثمرے کا ذکر و بیان:۔سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ اَحکام و حدودِ خداوندی کی پابندی تقویٰ و پرہیزگاری کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اور تقویٰ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا کفیل و ضامن ہے سوارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ ایسے لوگ بچ سکیں۔ یعنی تا کہ وہ بچ سکیں اپنے خالق و مالک کی نافرمانی و ناراضگی سے، اور اس کے نتیجے میں وہ بچ سکیں، اس کے عقابِ الیم اور عذابِ شدید سے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ سواحکام و حدودِ خداوندی کی پابندی تقویٰ و پرہیزگاری کا وسیلہ و ذریعہ ہے، کہ اس سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے سرفراز و مالا مال ہوتا ہے، اور اس سے اسکے باطن کی دنیا منور و معمور ہوتی ہے۔ انسان کے اندر اپنے خالق و مالک کی یاد اور اس کے خوف وخشیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور انسان ایک متقی و پرہیزگار اور محتاط انسان بن کر ایک پاکیزہ زندگی سے سرشار و بہرہ ور ہو جاتا ہے جبکہ احکام و حدودِ خداوندی سے لاپرواہی برتنے والا انسان - والعیاذ باللہ- ایک لاپروا، غیر ذمہ دار انسان، اور ایک شترِ بے مہار بن کر رہ جاتا ہے اور اپنے منصبِ شرف و کرامت سے گر جاتا ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

۵۱۹ دوسروں کا مال ناجائز طریقوں سے کھانے کی ممانعت:۔سواس سے آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل اور ناجائز طریقوں سے کھانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے جیسے سود، جوا، غصب، چوری، دھوکہ، فریب اور رشوت وغیرہ کے ذریعے کہ لفظ "باطل" کا عموم ان سب ہی صورتوں کو شامل ہے۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ دوسروں کے مالوں کو اپنا مال فرمایا گیا ہے، اور ان کو "اَمْوَالَكُمْ" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ پوری امت تکافلِ اجتماعی کے اعتبار سے ایک جسم اور ایک شخص کی حیثیت رکھتی ہے، اور دوسرے اس لئے کہ دوسروں کے مال کا احترام دراصل خود اپنے مال کا احترام ہے، اور ان کا اِتلاف وضیاع درحقیقت اپنے ہی اَموال کا اِتلاف وضیاع ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے دوسروں کے اموال ناجائز طریقوں سے ہڑپ کرنے کی تمام صورتوں کی ممانعت فرما دی گئی، کہ "الباطل" کا

عموم ان سب ہی صورتوں کو شامل ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس دوسرے کسی کے مال سے اسکی رضا کے بغیر فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔ سو دینِ حنیف نے دوسروں کے جان و مال کی حفاظت کی خاص تاکید فرمائی ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا۔

۵۲۰ مال کو ناجائز رسائی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت: ۔سو اس سے مال کو رشوت خور حکام تک رسائی کا ذریعہ بنانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یعنی جھوٹی قسموں، جھوٹی گواہیوں، اور دوسرے ناجائز اسباب و وسائل، اور اثر و رسوخ وغیرہ کے ذریعے، کہ ایسے ناجائز ذرائع و وسائل میں سے کسی کے ذریعے بھی حاصل کی جانے والی دولت ناجائز اور باعثِ نکال و وبال ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس دوسروں کے اموال سے انتفاع و استفادہ کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ برضا و رغبت اور اپنی خوشی سے اسکی اجازت دیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کسی شخص کیلئے کسی دوسرے کا مال جائز نہیں مگر یہ کہ وہ اپنی خوشی سے اسکی اجازت دے۔ بہرکیف اس ارشاد کے ذریعے اس بات کی صریح طور پر ممانعت فرما دی گئی کہ اپنے مالوں کو رشوت خور حکام تک رسائی کا ذریعہ بنایا جائے، تاکہ اس طرح دوسروں کے مالوں کو جبراً ہتھیایا جاسکے۔ والعیاذ باللہ۔ "تُدْلُوْا" ماخوذ و مشتق ہے "ادلا" سے جو بنا ہے "دلو" سے، جسکے معنیٰ ڈول کے آتے ہیں سو "ادلا" کا معنیٰ ہوا ڈول ڈالنا۔ جیسا کہ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ﴿ فَاَدْلٰی دَلْوَہٗ ﴾ سو اسی اعتبار سے اس میں رسائی اور قربت حاصل کرنے کا معنیٰ پیدا ہوگیا، کہ جس طرح رسی کے ذریعے ڈول پانی تک پہنچتا ہے، اسی طرح حرام خور انسان رشوت کے مال کے ذریعے حکام تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ سو فرمایا گیا کہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کیلئے اپنے مالوں کو حکام رسی کا ذریعہ مت بناؤ، کہ اس طرح تم دوسروں کا حق مار سکو۔ والعیاذ باللہ۔ پس دوسروں کا مال کسی بھی ناجائز صورت سے کھانا جائز نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہر قسم کے تجاوز اور زیادتی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۵۲۱ جانتے بوجھتے دوسروں کا مال ہتھیانے کی ممانعت: ۔سو اس سے جانتے بوجھتے دوسروں کا مال ہتھیانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جان بوجھ کر ناجائز طور پر دوسروں کا مال ہڑپ کرنا اور بھی سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ یعنی جبکہ تم یہ جانتے ہو کہ تم دوسروں کا حق مار رہے ہو، اور ناجائز طریقوں سے ان کا مال ہتھیا رہے ہو، کیونکہ محض حکام کے فیصلے سے نہ دوسروں کا مال لینا جائز ہوسکتا ہے، اور نہ ہی اس طرح کوئی حرام حلال بن سکتا ہے۔ نیز تم یہ بھی جانتے ہو کہ ناجائز طو پر دوسروں کے مال ہتھیانا، اور اپنانا کس قدر سنگین جرم اور ہولناک معاملہ ہے۔ سو یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ایسے جرم کا ارتکاب کرنا اس جرم و گناہ کو اور زیادہ سنگین بنا دیتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾۔ کے اس جملے سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسے میں اس جرم کی سنگینی اور زیادہ ہوجاتی ہے اور رشوت وغیرہ کے ناجائز ذرائع سے دوسروں کا مال ہتھیانا جرم و گناہ اور حق تلفی ہے۔ تمام دنیا کے معروف اور ہر دین و شریعت میں اسکا گناہ ہونا مسلم رہا ہے، اور عقلِ سلیم کے نزدیک بھی اس کا جرم و گناہ ہونا ایک طے شدہ امر ہے۔ سو رشوت کے ذریعے مال کا حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ یہ اِثم و گناہ ہے اور بڑا سنگین جرم و گناہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

ہے، تو) کہو کہ یہ لوگوں کے لئے تاریخوں کی تعیین اور (خاص کر) حج (کے اوقات وتواریخ) کی علامتیں ہیں ۵۲۲ اور نیکی یہ نہیں ہے کہ

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا

تم لوگ آؤ اپنے گھروں میں ان کے پیچھے کی طرف سے ۵۲۳ بلکہ نیکی تو دراصل یہ ہے کہ انسان بچے (اپنے خالق ومالک کی نافرمانی

الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

وناراضگی سے،) لہٰذا تم لوگ آؤ اپنے گھروں میں (سیدھے طریقے یعنی) ان کے دروازوں سے ۵۲۴ اور ہمیشہ ڈرتے رہا کرو تم لوگ

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا

اللہ سے، تاکہ تم فلاح پاسکو، اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، ۵۲۵ مگر

تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ

زیادتی نہ کرنا، کہ بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا زیادتی کرنے والوں کو، ۵۲۶ اور قتل کرو تم ان (عہد شکن ظالموں) کو

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

جہاں بھی تم انہیں پاؤ، ۵۲۷ اور نکال باہر کرو ان کو جہاں سے انہوں نے نکالا ہے تم کو، (ظلم وزیادتی کے ساتھ،) ۵۲۸

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ

اور فتنہ قتل سے بھی کہیں بڑھ کر ہے ۵۲۹ البتہ ان سے مسجد حرام کے قریب نہیں لڑنا، یہاں تک کہ وہ خود تم لوگوں سے لڑیں، پس

۵۲۲ چاند کے بارے میں سوال اور اس کا جواب:- سو اس سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں سوال اور اس کے جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ چاند کا گھٹنا، بڑھنا اللہ پاک کا ایک عظیم کثیر الفوائد عطیہ واحسان ہے جس سے تم لوگوں کے طرح طرح کے عظیم الشان فوائد ومنافع وابستہ ہیں۔ چنانچہ ان کے ذریعے تم لوگ بآسانی اپنی تاریخیں معلوم کر سکتے ہو، اور اپنی عبادات، جیسے روزے اور حج وغیرہ کی ادائیگی میں مدد حاصل کرتے ہو، اور آپس کے معاملات کی مدتیں مقرر کرتے اور ان کے مطابق باہمی لین دین کرتے ہو۔ سو یہ حضرت خالق - جل مجدہٗ - کی قدرت وعنایت کی ایک ایسی عظیم الشان نشانی ہے جس سے

عامی بھی فائدہ اٹھا رہا ہے، اور خواص بھی مستفید ہوتے ہیں۔ جبکہ جنتریوں کی کتابوں اور ریاضی کی باریکیوں سے خاص پڑھے لکھے لوگ ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى اِحْسَانِهٖ وَاِنْعَامِهٖ۔ اور اس طرح چاند کا یہ عظیم الشان روشن کرہ اپنی ان گھٹتی بڑھتی صورتوں کے ذریعے تمہاری طرح طرح کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہا ہے۔ سو عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اس عظیم الشان خادم یعنی چاند سے فائدے اٹھاؤ۔ خدمتیں حاصل کرو اور اپنے اس خالق و مالک مہربان کے آگے دل و جان سے جھک جاؤ، جس نے سورج اور چاند جیسے ان عظیم الشان کرّوں کو اس قدر کمالِ حکمت کے ساتھ تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، جیسا کہ اس نے اپنے کلامِ حکیم میں اس حقیقت کو اس طرح آشکار فرمایا ہے۔ سو یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر اندھے اور اوندھے ہیں وہ لوگ جو سورج اور چاند کے ان عظیم الشان کرّوں کو اپنا خادم اور قدرت کا اِنعام سمجھنے کی بجائے ان کو اپنا مخدوم بلکہ معبود قرار دے کر ان کے آگے جھکتے اور انکی پوجا پاٹ کر کے اپنی تحقیر و تذلیل کا سامان کرتے ہیں، اور اپنے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے اور اسکے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ واضح رہے کہ ''اہلہ''، ''ھلال'' کی جمع ہے جسکے معنی شروع ماہ کے چاند کے آتے ہیں، اور کبھی بطورِ مجاز اسکا اِطلاق مہینے پر بھی کر دیا جاتا ہے۔ معنیٰ دونوں طرح صحیح ہے۔ بہرکیف چاند کے بارے میں سوال کے بارے میں یہ حکیمانہ جواب دیا گیا کہ اس میں لوگوں کے لیے مختلف قسم کے فوائد و منافع ہیں۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۵۲۳ زمانۂ جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم کی تردید: یہ زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم جس کی یہاں تردید فرمائی جارہی ہے۔ ان لوگوں کا طریقہ تھا کہ احرام باندھ لینے کے بعد جب انکو گھر میں واپس آنے کی ضرورت پیش آتی، تو وہ دروازے سے واپس نہیں آتے تھے، بلکہ پیچھے سے یا چھت وغیرہ سے آیا کرتے تھے، کہ جب اس دروازے سے ایک مرتبہ احرام باندھ کر نکل گئے ہیں تو پھر حج یا عمرہ کیے بغیر اسی دروازے سے گھر واپس کس طرح آئیں؟ تو اس پر فرمایا گیا کہ ایسی خود ساختہ رسوم کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو چھوڑو اور سیدھے راستے اور سچے دین کو اپناؤ، جو کہ اصل مقصود ہے، کہ تقویٰ اور پرہیزگاری تو اصل میں ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی اور پاسداری کرتے ہیں۔ امتوں کے اندر یہ بیماری عام طور پر رہی ہے کہ یہ لوگ دین کے اصلی اَحکام و فرائض کو آہستہ آہستہ فراموش کر کے اور اسکے اصل اور حقیقی تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر دین کو خود ساختہ رسومات و بدعات کا ایک گورکھ دھندہ بنا دیتے ہیں، اور اس طرح وہ راہِ حق و صواب سے ہٹ کر کہیں سے کہیں جا پہنچتے ہیں، اور اصل دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی لیے دینِ حنیف میں بدعات کی طرح طرح سے مذمت اور ممانعت کی گئی ہے، اور ایجادِ بدعت کو دین کی عمارت کو ڈھا دینے، ہدم کر دینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا کہ ہر بدعت گمراہی اور مردود ہے۔ والعیاذ باللہ۔ دین اصل میں وہی اور صرف وہی ہے جو کتاب و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ سے ثابت ہو اور بس، اس میں نہ کوئی کمی جائز ہے نہ اضافہ۔

۵۲۴ ایک اہم اصولی ضابطے کی تعلیم و تلقین: ﴿وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ کے اس ارشادِ ربانی کا

ذکر تو اگرچہ یہاں پر ایک خاص سیاق وسباق میں آیا ہے لیکن اس سے ایک ایسا عظیم الشان ضابطہ اور اہم اصول تعلیم وارشاد فرمایا گیا ہے، جس کا دائرہ بہت وسیع ہے، یعنی یہ کہ ہر کام کو اسی طریقہ سے کرنا اور بجالانا چاہیئے، جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہو، خواہ وہ کوئی بھی کام ہو، سو کسی بھی کام کیلئے اسکے معروف طریقے کو چھوڑ کر اسکے خلاف دوسرا کوئی راستہ وطریقہ اپنانا اور اختیار کرنا درست نہیں، کہ دینِ فطرت کا مذاق ومزاج یہی ہے، کہ ہر کام کی تکمیل اور انجام دہی اسکے معروف ضابطے اور طبعی طریقہ سے ہو۔ سو اپنے الفاظ وکلمات کے عموم کے اعتبار سے یہ ضابطہ ایسے ہر موقع پر منطبق ہوتا ہے۔ سو زمانۂ جاہلیت کے ان لوگوں کی اس رسم بد کی تردید کے ضمن میں ارشاد فرمائے جانے والے اس مختصر سے جملے میں یہ اہم اصولی ضابطہ تعلیم وتلقین فرمایا گیا ہے کہ ہر کام کو اس کے اس اصول اور ضابطے کے مطابق ہی انجام دیا جائے جو کہ اس کیلئے مقرر کیا گیا ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید۔

۵۲۵ لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم وارشاد: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں تاکہ وہ حق کا راستہ روکنے نہ پائیں، اور اس طرح بول بالا حق اور اہلِ حق ہی کا ہو، کہ حق ہی کا یہ حق ہے کہ وہ غالب رہے، اور اسی میں بھلا ہے خلقِ خدا اور اس پوری کائنات کا۔ سو اسلامی تعلیمات کی رو سے جہاد وقتال کا اصل مقصد یہی ہے کہ غلبہ حق ہی کا ہو، اور باطل اور اسکے کارندے وکارپرداز حق کی راہ میں روڑے نہ اٹکا سکیں، اور وہ اپنے کفر وباطل پر چلیں تو بھی اسلام کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے کہ حق بہرحال یہی اور صرف یہی ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔﴿ حَتّٰی یُؤْتُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾۔ [توبہ:۲۹]۔ سو اس ارشادِ ربانی میں مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ اگر حج کے سلسلہ میں جنگ کی نوبت آجائے تو تم لڑ سکتے ہو کہ ایسے میں ''اشہرِ حرم'' کے اندر دفاعی جنگ جائز ہے۔ البتہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا کہ یہ بات اللہ کو پسند نہیں۔ پس نہ تو تم لوگ ''اشہرِ حرم'' میں جنگ کیلئے پہل کرنا اور نہ ہی ضرورت پڑنے پر جنگ کی صورت میں ضرورت سے زیادہ کوئی کارروائی کرنا کہ ایسی کسی بات کی تمہیں اجازت نہیں۔ سو اسلامی جہاد کا اصل مقصد راہِ حق کی رکاوٹیں دور اور صاف کرنا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۲۶ زیادتی کرنے کی ممانعت: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا پس نہ تو تم ''حدودِ حرم'' اور ''اشہرِ حرم'' میں ازخود لڑائی کا آغاز کرو، اور نہ لڑائی کے دوران بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اور معذوروں، کو قتل کرو اور نہ مُثلہ کرو، کہ یہ سب کچھ اعتداء اور تجاوز وزیادتی میں داخل ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے اس دینِ حق کی ان رحمت بھری تعلیمات اور اسکی عظمتِ شان کے، کہ عین جنگ کے دوران بھی زیادتی اور بے رحمی کے ارتکاب سے روکا جارہا ہے، اور رحمت وشفقت اور حدود کی پابندی والتزام کا درس دیا جارہا ہے۔ کیا ہے دوسرا کوئی دین اور نظام جو اس کا کوئی نمونہ پیش کرسکے سوائے خدائے رحمٰن ورحیم کے اس دینِ حق کے؟ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے ''اشہرِ حرم'' میں دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے، مگر اتنی اور اس قدر جتنی کہ مدافعت کیلئے ضروری ہو۔ اس سے آگے بڑھنے اور تجاوز کی اجازت نہیں، کہ دینِ حنیف میں حدود کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

۵۲۷ عہد شکن ظالموں کے قتل کا حکم وارشاد: ۔سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ عہد شکن ظالموں کو جہاں پاؤ قتل

کرو یعنی حدودِ حرم کے اندر یا باہر، جہاں بھی ان کو پاؤ ان کو قتل کرو، کہ انہوں نے اپنے کفر و شرک اور اپنی عہد شکنی کی بناء پر اپنے آپ کو اسی کے لائق بنا دیا ہے۔ (قرطبی، معارف وغیرہ)۔ سو ایسوں کو حل وحرم میں جہاں پاؤ قتل کرو، تاکہ ایسے ناسوروں کی جڑیں کٹ جائیں اور اللہ کی زمین اور اسکے بندوں کو ایسے شرانگیزوں اور ان کی شرانگیزیوں سے امن و امان نصیب ہوسکے اور اللہ کی دھرتی ایسے لوگوں کے ناروا وجودوں اور ان کے بوجھ سے پاک اور صاف ہوجائے، اور یہی مقصود ہے اسلامی جہاد کا، کہ اسکی حیثیت دراصل ڈاکٹر کے اس نشتر کی ہے جسکے ذریعے وہ آپریشن کر کے مریض کے جسم کا فاسد مواد کاٹ پھینکتا ہے تاکہ باقی جسم اسکے زہریلے اثرات سے محفوظ رہ سکے۔ سو اسی طرح جہادِ اسلامی سے مقصود انسانی معاشرے کو شر و فساد سے نجات دلانا ہوتا ہے تاکہ عباد و بلاد سب کا بھلا ہو اور خیر کا دور دورہ ہو اور امن و امان کے ٹھنڈے سائے سب کے سروں پر سایہ فگن ہوں۔ فالحمد للہ جل وعلا الذی شرفنا بہذا الدین العظیم المبارک۔

۵۲۸ ظالموں کو نکال باہر کرنے کا حکم وارشاد: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم انکو نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے بغیر کسی جرم اور قصور کے، محض اس بناء پر کہ تم لوگ اپنے رب پر ایمان لے آئے، اور اسی وحدہٗ لاشریک کے بندے بن کر رہنے کا عہد و اقرار کیا، جس کے تم فی الواقع بندے ہو۔ سو ایسی صورت میں ان فرزندانِ کفر و باطل کا جرم اور بھی زیادہ سخت اور سنگین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے ظالموں کو ارضِ حرم کے اس بقعۂ نور سے نکال باہر کرو، اس لیے کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل اور حقیقی وارث تم ہو، جبکہ یہ مشرک ہیں۔ لہٰذا اس گھر سے نکالے جانے کے لائق یہ لوگ ہیں نہ کہ تم۔ پس تم ان کو وہاں سے نکال باہر کرو تاکہ وہ بقعۂ نور مشرکوں اور ان کے شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف ہوسکے۔ وہاں سے شرک کی ظلمتیں چھٹ سکیں اور وہاں پر توحید کا پھریرا لہرا سکے جو کہ اس بیتِ عتیق کی تاسیس و تعمیر کا اصل مقصد ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۵۲۹ فتنہ کفر سے بھی بڑھ کر، والعیاذ باللہ: — اور کفر و شرک کے اس فتنے کا ارتکاب یہ لوگ کر چکے ہیں، اور حدودِ حرم اور خانہ کعبہ کے اس بقعۂ نور میں جو کہ توحید کا مرکز تھا اور ہے، اور جس کی اساس و بنیاد ہی عقیدۂ توحید پر استوار کی گئی ہے۔ اس کو انہوں نے بت خانہ بنا دیا ہے، اور حق والوں کو وہاں سے نکال دیا ہے۔ پس تم ان لوگوں سے لڑو اور بیدریغ لڑو، اور ان کو وہاں سے نکال باہر کر کے، اس پاکیزہ مقام کو ان کے کفر و شرک کی غلاظتوں اور نجاستوں سے پاک و صاف کر دو، تاکہ ان کو فتنہ انگیزی کے اپنے جرم کی سزا بھی ملے اور یہ آئندہ راہِ حق سے روکنے کی جرات و جسارت نہ کرسکیں اور سربلندی حق اور اہلِ حق ہی کی ہو کہ یہ انہی کا حق ہے ﴿وکلمۃ اللّٰہ ھی العلیا﴾ سو "اشہرِ حرم" اور "حدودِ حرم" میں لڑنا اور قتل و قتال کا ارتکاب کرنا اگرچہ بڑی سنگین بات ہے لیکن اللہ کے بندوں کو دینِ حق سے روکنا، اور محروم کرنا اور انکو محض انکے دین و ایمان کی بناء پر انکے گھروں سے باہر نکال دینا اور ان پر طرح طرح سے ظلم و ستم ڈھانا، اس سے کہیں بڑھ کر ہولناک اور سنگین جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ظلم کو مٹانا اور اس کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے۔ تاکہ حق کا بول بالا ہو۔

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

اگر یہ وہاں بھی تم سے لڑنے سے نہ چوکیں، تو (تمہیں بھی اجازت ہے کہ) تم ان کو قتل کرو (اور حدودِ حرم کو ان سے پاک کرو)

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا

یہی سزا ہے ایسے کافروں کی (جو حرمتِ حرم کا بھی لحاظ نہ کریں،) پھر اگر وہ باز آ جائیں (اپنے کفر و باطل اور اپنی شرانگیزیوں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

سے) تو (ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ف۵۳۰ کہ) بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اور لڑو تم ان سے یہاں تک کہ

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا

فتنہ (وفساد) باقی نہ رہے ف۵۳۱ اور دین (سب کا سب) اللہ ہی کے لئے ہو جائے، پھر اگر یہ لوگ باز آ جائیں (اپنے کفر و شرک

۵۳۰ مؤاخذہ سے بچنے کی صورت کا ذکر و بیان: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شرانگیزی سے باز آ جانے والوں پر کوئی اِلزام و مؤاخذہ نہیں کہ دشمنی ان کی ذوات و نفوس سے نہیں، بلکہ اس کفر و شرک اور فتنہ پروری اور باطل پرستی سے ہے، جس کو انہوں نے اپنا رکھا ہے، اور جو جڑ بنیاد ہے شر و فساد کی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور جب اس جرم و قصور سے یہ لوگ باز آ گئے، تو اب ان سے درگزر ہی کرو، جو کہ تمہاری شان، اور مکارمِ اخلاق کا تقاضا ہے۔ سو کفر و باطل کے علمبرداروں اور فتنہ و فساد بپا کرنے والوں کیلئے یہ ایک بڑی رعایت ہے جس سے استفادہ کر کے وہ اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکتے ہیں۔ سو ایسوں کو اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اسکی بخشش اور رحمت کی دعاء و درخواست کرنی چاہیئے، کہ وہ بڑا بخشنے والا انتہائی مہربان ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ اپنے کفر و انکار اور ظلم و عدوان سے باز آ جائیں تو پھر ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں اور ان کے گزشتہ کیے کرائے پر ان کی کوئی گرفت و پکڑ نہیں۔ بلکہ ان کو مزید رحمتوں سے بھی نوازا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور کے ساتھ رحیم بھی ہے - سبحانہ، وتعالیٰ - فاغفرلنا وارحمنا یا ذا الجلال والاکرام فانک انت الغفور الرحیم -

۵۳۱ جہادِ اسلامی کا مقصد فتنہ و فساد کی سرکوبی: - سو جہادِ اسلامی کا مقصد یہی ہے کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے، اور کفر و شرک کو حق کے مقابلے میں سر اٹھانے کی، اور اس کا راستہ روکنے کی ہمت و سکت نہ رہے۔ یا تو کفر و باطل کی ظلمت بالکل مٹ جائے، یا وہ حق کے سامنے مغلوب اور سرنگوں ہو کر رہے، کہ غلبہ بہرحال حق ہی کا ہے، اور اسی کو غالب رہنا چاہیئے تا کہ دنیا اس کے نور سے فیضیاب ہو کر دارین کی سعادت و کامرانی سے بہرہ مند ہو سکے۔ اور یہی خلاصہ و مقصود ہے جہادِ اسلامی کی مشروعیت کا، جیسا کہ ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۲۶ اور ۲۷ میں بھی گزرا۔ تا کہ حق غالب ہو اور تمام بنی نوع انسان کا بھلا ہو۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید -

عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ

اور فتنہ وفساد سے،) تو (پھر ان پر کوئی دست درازی نہ کی جائے کہ) دست درازی روا نہیں مگر ظالموں پر ۵۳۲ حرمت والا مہینہ بدلے میں

الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ

حرمت والے مہینے کے ۵۳۳ اور حرمت والی سب چیزیں قصاص (اور بدلے) کی چیزیں ہیں ۵۳۴ پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے

۵۳۲ دست درازی صرف ظالموں پر، والعیاذُ باللہ: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ دست درازی روا نہیں مگر صرف ظالموں پر سو ظالموں پر دست درازی روا اور جائز ہے، ان کے اپنے ظلم وعدوان کے نتیجے میں۔ پس جب وہ اس سے تائب ہو گئے اور باز آ گئے تو اب ان پر دست درازی کی اجازت نہیں، کہ اب ان کا ظلم وعدوان باقی نہیں رہا۔ سو اگر یہ لوگ باز آ کر اسلام کی راہ اختیار کرلیں، تو انکے پچھلے جرائم کی بناء پر انکے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ پھر صرف انہی کیخلاف کوئی اقدام کیا جائے گا جو کفر وشرک اور ظلم وعدوان پر جمے رہیں۔ سو دست درازی ظالموں کے سوا اور کسی پر جائز نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ظلم وعدوان باعثِ محرومی وخسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۳۳ شہرِ حرام کی حرمت کا تقاضا: سو شہرِ حرام کی حرمت کے تقاضے کو ذکر وبیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ حرمت والا مہینہ بدلے میں حرمت والے مہینے کے۔ پس اگر دشمن اس مہینے کی عزت وحرمت کا لحاظ کریں تو تم بھی کرو، اور اگر وہ تم پر زیادتی کریں تو تمہیں بھی اس کا جواب دینے کا حق ہے، اور اس صورت میں الزام تم پر نہیں بلکہ انہی لوگوں پر ہے کہ انہوں نے ہی ظلم وزیادتی کا آغاز کیا اور وہ تمہاری دست درازی اور جوابی کارروائی کا باعث بنے۔ سو "اشہرِ حرم" اور "حدودِ حرم" کا احترام اپنی جگہ مُسلّم ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ کفار اسکا احترام کریں، اور وہ ان میں دوسروں کو ظلم وستم کا ہدف نہ بنائیں، لیکن جب انکی تلواریں ان مہینوں میں اور اس بلدِ امین کے اندر بے نیام ہو جائیں تو وہ اس سلوک کے سزاوار ہیں کہ اسکے قصاص اور بدلے میں انکو بھی انکے امن واحترام کے حقوق سے محروم کر دیا جائے۔ یہی تقاضا ہے عدل وانصاف اور قانونِ جزا وسزا کا، تا کہ ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ پائے۔

۵۳۴ حرمتیں بدلے کی چیزیں: سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حرمت کی سب چیزیں قصاص اور بدلے کی چیزیں ہیں۔ پس جو تمہارے ساتھ ان کے احترام کا معاملہ کرے تم بھی اس کے ساتھ ان کے احترام کا معاملہ کرو۔ اور جو تم سے ایسے نہ کرے تم بھی اس کو ویسا ہی جواب دو (بیان القرآن وغیرہ) کہ جب انہوں نے حرمت والی اشیاء کی حرمت کا لحاظ نہیں کیا تو تم پر بھی یہ پابندی ضروری نہیں اور اس سب کی ذمہ داری انہی پر ہو گی، کہ انہوں نے اس میں پہل کی اور پہل کرنے والا ہی ظالم ہوتا ہے۔ سو جب کفار حدودِ حرم اور اشہرِ حرم میں جنگ چھیڑ کر انکی حرمت کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو تمہیں بھی اسکا حق حاصل ہے کہ تم بھی انکو انکی حرمت سے محروم کر دو، جس طرح ہر شخص کی جان شریعت میں محترم ہے، لیکن جب ایک شخص دوسرے کی حرمت کو پامال کرتے ہوئے اسکو قتل کر دیتا ہے تو اسکے بدلے اور قصاص میں اسکو بھی قتل کر دیا جاتا ہے، اور یہی تقاضا ہے عدل وانصاف کا۔ وباللہ التوفیق۔

فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ ص

تو تم بھی اس پر ویسی ہی زیادتی کرو، جیسی کہ اس نے تم پر کی، ف۵۳۵

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور اللہ سے ڈرتے رہو، ف۵۳۶ اور یقین جانو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے، ف۵۳۷

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى

اور خرچ کرو تم لوگ اللہ کی راہ میں، ف۵۳۸ اور مت ڈالو تم لوگ (اپنے آپ کو) خود اپنے ہاتھوں

التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾ ع

ہلاکت (و تباہی کے گڑھے) میں، ف۵۳۹ اور نیکی کرتے رہو بے شک اللہ محبت فرماتا ہے نیکوکاروں سے،

۵۳۵ ظلم و زیادتی کا بدلہ اسی کے مطابق:- سبحان اللہ! - قرآنِ حکیم کی اعجازِ بیانی کا نمونہ و مظہر ملاحظہ ہو کہ - ﴿بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَیْكُمْ﴾ - "اسی جیسی زیادتی جو اس نے تم پر کی" کے اس ارشادِ ربانی کا عموم و شمول جیسا اس زمانے کی نیزوں بھالوں اور تیروں، تلواروں وغیرہ سے کی جانے والی زیادتی پر صادق آتا تھا - اسی طرح دورِ حاضر کے ٹینکوں، توپوں، میزائلوں، راکٹ لانچروں، ہوائی جہازوں کی بمباری اور زہریلی گیسوں وغیرہ سے کی جانے والی ہر زیادتی پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے - اور قیامت تک انسانی ترقی جو بھی کچھ ایجاد کریگی، اس سب پر بھی پوری طرح صادق آتا جائیگا، کہ جس طرح کی زیادتی دشمن تم پر کریں تم بھی اسی طرح کی زیادتی ان پر کرو، یعنی تم بھی ان کو ویسے ہی جواب دو، جیسا انہوں نے تم سے کیا - سو انتقام و بدلہ ظلم و زیادتی کے برابر ہوگا - اس سے زیادہ نہیں - ورنہ مظلوم الٹا ظالم بن جائے گا - والعیاذ باللہ -

۵۳۶ تقویٰ کی تاکید اور اسکی عظمتِ شان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے - یعنی تم لوگ ہر حال میں، اور ہر موقع پر، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی و ناراضگی سے بچتے رہا کرو، سبحان اللہ! کتنی عظیم الشان تعلیم ہے یہ تقویٰ و پرہیزگاری کی تعلیم، کہ عین حالتِ جنگ میں بھی اس کو پیشِ نظر رکھنے کی تلقین و تاکید فرمائی جارہی ہے، کیونکہ یہ دراصل نجات اور کامیابی کی اساس و بنیاد ہے، جیسا کہ فرمایا گیا - اللہ اپنے کرم سے نصیب فرمائے - آمین - سو اس سے تقویٰ کی عظمت و اہمیت واضح ہوجاتی ہے کہ اسکو ہمیشہ اور بہر حال اپنانے کی ضرورت ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر گامزن اور ثابت و مستقیم رکھے - آمین ثم آمین -

۵۳۷ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے:- یعنی اپنی تائید و نصرت اور اپنی مدد و حمایت کے اعتبار سے - پس اس

کی رضاء وخوشنودی کو تم لوگ ہمیشہ اور ہر حال میں پیشِ نظر رکھا کرو کہ یہی چیز درحقیقت کامیابی کا ذریعہ و وسیلہ اور اسکی ضمانت ہے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور اسکی نصرت و امداد کا ذریعہ ہے اور جب اسکی معیت اور نصرت و امداد نصیب ہوجائے تو پھر اور کیا چاہیئے کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالک تو وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور نفع ونقصان کے تمام اختیارات اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہیں اور جس کو اسکی معیت اور نصرت و امداد نصیب ہوگئی، خدا کی ساری خدائی اس کے ساتھ اور اسکے حق میں ہوگئی تو پھر اس کو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟ اور اس صاف وصریح اور مؤکد ارشاد سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسکی معیت ونصرت و امداد متقی اور پرہیزگاروں ہی کے لئے ہوتی ہے۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ بندہ جتنا اور جس قدر تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ میں آگے بڑھتا اور ترقی کرتا جائے گا اتنا اور اسی قدر وہ اسکی معیت اور نصرت و امداد سے سرفراز ہوتا جائے گا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ سو تقویٰ و پرہیزگاری ایک عظیم سعادت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ امین ثم امین۔

۵۳۸ اِنفاق فی سبیل اللہ کا حکم وارشاد:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اپنے ان مالوں میں سے، جو اسی نے تم کو عطا فرمائے ہیں اپنے کرم اور مہربانی سے۔ اور جب دیئے ہوئے اسی کے ہیں تو ان کو بلکہ ان میں سے بھی کچھ کو اسکی راہ میں خرچ کرنا تمہارے لیے کیوں اور کیا مشکل ہوسکتا ہے؟ سو اسکے دیئے ہوئے ان مالوں میں سے اسکی رضاء وخوشنودی کیلئے خرچ کرو، تاکہ وہ تمہارے لئے توشۂ آخرت بنے، اور تمہارے لئے جمع اور محفوظ ہوجائے۔ یوں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا حکم عام ہے۔ جو بھی کچھ اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کیلئے خرچ کیا جائے گا وہ اس میں داخل ہے، لیکن یہاں پر سیاق وسباق کے اعتبار سے اس سے مراد جہاد کیلئے خرچ کرنا ہے، کہ جہاد جان اور مال دونوں کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں جہاں کہیں بھی جہاد و قتال کا بیان ہوا ہے، وہاں پر بالعموم انفاق کا حکم بھی ضرور دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۳۹ اپنے آپ کو خود ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت:۔ سو اس سے اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ سو دین کی تعلیماتِ مقدسہ سے منہ موڑنا اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں ڈالنا ہے، خاص کر اس کی راہ میں جہاد سے منہ موڑ کر، اور جان و مال کے صَرف وخرچ میں بخل سے کام لیکر۔ سو جہاد سے منہ موڑنا، اور اپنے مالوں کو خداوندِ قدوس کی رضاء وخوشنودی اور دین کی خدمت اور اسکی سربلندی کیلئے خرچ کرنے سے ہاتھ کھینچنا دراصل اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو جو لوگ اللہ کی راہ میں جان اور مال کی قربانی دینے سے جی چراتے ہیں، وہ خواہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہوں حقیقت میں وہ اپنے آپکو ہلاکت کے جہنم میں جھونکتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت واتباع اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کو صدق دل سے اپنانے میں زندگی ہے۔ اور ان سے اِعراض و روگردانی میں ہلاکت و تباہی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا

اور پورا کرو تم حج اور عمرہ کو اللہ کیلئے، ف۵۴۰ پھر اگر تم کہیں روک دیئے جاؤ، ف۵۴۱ تو جو

اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى

قربانی میسر ہو (اسے اس کی بارگہ اقدس میں پیش کردو،) اور اپنے سر نہ منڈواؤ تم لوگ یہاں تک

يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

کہ پہنچ جائے وہ قربانی اپنی جگہ، ف۵۴۲ پھر اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو جائے،

أَوْ بِهٖ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ

یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (جس کی بناء پر اس کو وقت سے پہلے ہی سر منڈوانا پڑ جائے) تو اس کے ذمے فدیہ (وبدلہ) ہے، روزوں،

صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ

یا صدقہ، یا قربانی کی صورت میں، پھر جب تمہیں امن (وسکون کی دولت) نصیب ہو جائے ف۵۴۳ تو جو کوئی فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کو

إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ

حج کے ساتھ ملا کر ف۵۴۴ تو وہ (ان دونوں عبادتوں کے جمع کرنے کے شکرانے کے طور پر) جو قربانی اس سے ہوسکے ادا کرے ف۵۴۵ مگر جس کو

يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا

قربانی میسر نہ آئے تو وہ روزے رکھے، تین، حج کے دوران، ف۵۴۶ اور سات، جب کہ

رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

تم لوٹ آؤ (اپنے گھروں کو)، یہ پورے دس دن ہوگئے۔ یہ (رعایت واجازت صرف) ایسے لوگوں کے لئے ہے

۵۴۰ حج اور عمرے کے اتمام کا حکم وارشاد: سو ارشاد فرمایا گیا۔ اور اللہ ہی کیلئے پورا کرو تم لوگ حج اور عمرہ کو۔ یعنی ان دونوں کے احکام وافعال کو مکمل کرو اور انکی ادائیگی اور تکمیل سے صرف اس کی رضا مقصود ہو۔ ریاء ونمود اور نمائش و دکھلاوے وغیرہ کا کوئی شائبہ بھی اس میں شامل نہ ہو۔ حج وعمرہ کی عبادت چونکہ ایک عظیم الشان اور منفرد نوعیت کی عبادت ہے اور اس میں خاص مظاہر اور اعمال بھی پائے جاتے ہیں، جن کی بناء پر اس میں ریاء ونمود کا خطرہ وخدشہ نسبتاً زیادہ ہوتا

ہے، اس لئے اس میں خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس میں ریاکاری اور نمود و نمائش کی آمیزش نہ ہو جائے اور وہ ایسے جملہ شوائب سے پاک وصاف اور محفوظ ہو، تاکہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے یہاں شرفِ قبولیت پاکر انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ بن سکے - اللہ پاک اس کی توفیق وعنایت نصیب فرمائے - آمین۔

۵۲۱ ''اِحصار'' کا معنیٰ ومفہوم اور اسکا حکم؟:- ''اِحصار'' کے معنی گھیرنے اور گھیر لیے جانے کے ہیں۔ یعنی اگر تمہیں گھیر لیا جائے کسی بیماری یا دشمن وغیرہ کی وجہ سے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''اِحصار'' کہا جاتا ہے اور جس کے خاص احکام ومسائل ہیں۔ سو اگر ایسا کوئی موقع پیش آجائے اور ایسے کسی عذر اور مانع کی وجہ سے تم اپنا حج یا عمرہ پورا نہ کر سکو اور تمہیں اس سے پہلے ہی احرام کھولنا پڑ جائے، تو اس کیلئے تم کوئی قربانی پیش کرو خواہ اونٹ ہو یا گائے بکری وغیرہ۔ اور بعد میں موقع میسر آنے پر اس فوت شدہ ''نسک'' کی قضاء کرلو۔ سو جب تم کو ''اِحصار'' کی ایسی کوئی صورت پیش آجائے اور اسکی بناء پر تمہارے لیے بیت اللہ تک پہنچنا ممکن نہ رہے تو تمہیں جو قربانی میسر آئے وہ وہیں پیش کردو، جہاں تم گھر جاؤ۔ چنانچہ حضورؐ نے اسی ہدایت کے مطابق ''حدیبیہ'' ہی میں قربانی پیش کر کے اِحرام کھول دیا تھا، اور اس کو دیکھ کر آپ کے سب صحابۂ کرام نے بھی ایسے ہی کیا تھا۔ سو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - اور آپ کے صحابۂ کرام کے اس عمل سے بھی اِحصار کا یہ حکم واضح ہو جاتا ہے - والحمد للہ جل وعلا -

۵۲۲ ''ھَدْی'' یعنی قربانی کے ذبح کی جگہ حرم:- یعنی وہ حرم میں پہنچ جائے کہ اسکی ذبح کی جگہ حرم ہی ہے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا - ﴿ ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ - [الحج:۳۳]- نیز فرمایا گیا ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ الآیۃ [المائدۃ-۹۵]- سو اس ''ھَدْی'' ''قربانی'' کے اپنے موقع یعنی حرم میں پہنچنے سے پہلے تمہارے لئے اِحرام کھولنا جائز نہیں۔ لہٰذا اسکے لیے اس بات کا انتظام کرو کہ وہ اپنے مقام پر پہنچ کر ذبح ہو جائے اسکے بعد تم اپنا احرام کھولو (معارف للکاندھویؒ)۔ سو جب وہ حرم میں پہنچ کر ذبح ہو جائے تو تم حلق یا قصر کر کے اپنا احرام کھول دو اور احرام کی پابندیوں سے فارغ ہو جاؤ۔

۵۲۳ امن ملنے پر ''مناسک'' بجالانے کا حکم وارشاد:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جب تم کو امن نصیب ہو جائے تو تم حسبِ معمول تمام مناسک بجالاؤ یعنی عارض رفع ہو جائے، خطرہ ٹل جائے اور اِحصار ختم ہو جائے۔ یا شروع سے ہی تم لوگ امن وامان میں ہو اور احصار وغیرہ کی کوئی صورت پیش ہی نہ آئی ہو، تو ان دونوں صورتوں میں حکم یہی ہے جو آگے بیان ہو رہا ہے، کہ حج اور عمرہ دونوں کی ادائیگی میں وہ ''دمِ تمتع'' ادا کرے۔ یہ دراصل آفاقی حاجیوں یعنی عازمینِ حج کیلئے ایک رخصت بیان فرمائی گئی ہے، جو حدودِ حرم سے باہر سے آتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو ادا کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات حدودِ حرم کے اندر رہنے والے لوگوں کیلئے ٹھیک تھی اس لیے کہ ان کیلئے حج اور عمرہ کیلئے الگ الگ سفر کرنا کچھ مشکل نہ تھا، لیکن دور سے آنے والے حجاج کیلئے اس میں زحمت تھی۔ اس لیے شریعتِ مطہرہ نے انکو یہ رخصت مرحمت فرمائی کہ وہ ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں ادا کرسکتے ہیں۔ البتہ ایسی صورت میں ان کیلئے قربانی کرنا ضروری ہے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو دس روزے رکھیں جیسا کہ آگے آرہا ہے، اور یہ قربانی دمِ شکر کہلاتی ہے۔ یعنی اس بات کا شکر کہ ایک ہی سفر میں دونوں عبادتوں کی سعادت

نصیب ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت کے بغیر از خود بندہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اللہ ہمیشہ توفیق حق سے سرفراز رکھے۔ آمین

۵۲۴ دمِ "تمتع" کے وجوب کا بیان:۔ پس جو کوئی تمتع کرنا چاہے اور یہ دونوں عبادتیں وہ ایک ہی سفر میں ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہے خواہ وہ عمرہ اور حج کے ان دونوں نسکوں کو ایک ہی احرام میں ادا کرے، جیسے "قران" میں ہوتا ہے یا الگ الگ احرام میں، جیسا کہ حجِ تمتّع میں ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اپنے خالق و مالک کے حضور قربانی پیش کرے اور یہ قربانی وہ اس کے شکر میں پیش کرے کہ اسکی توفیق وعنایت سے ایسے شخص کو حج وعمرہ کی یہ دونوں عظیم الشان عبادتیں ایک ہی سفر میں ادا کرنے کی توفیق وسعادت نصیب ہوئی۔ اس لیے اسکو دمِ تمتع اور دمِ شکر کہا جاتا ہے اور اس کا گوشت وہ خود بھی کھاسکتا ہے، جیسے قربانی کا گوشت کھاتا ہے۔ سو "فمن تمتع" سے مراد اس کا لغوی معنی ہے، جو کہ اصطلاحی تمتع اور قران دونوں کو شامل ہے۔ یعنی حجِ تمتّع کرے یا قران کرنا چاہے۔ اسکی ذمے "ہدی" یعنی قربانی واجب ہے، جو کہ اصل میں "دمِ شکر" ہے۔ یعنی اس بات کا شکر کہ ایک ہی سفر میں ان دونوں عبادتوں کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہوگئی۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۵۲۵ قربانی حسب توفیق وتیسیر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو قربانی اسکو میسر ہو ادا کرے۔ یعنی اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ بکری وغیرہ میں سے جو بھی میسر آئے وہ اس کی قربانی کرے، جس کو دمِ تمتع یا دمِ قران کہا جاتا ہے۔ سو حج کی تین قسموں میں سے دو میں قربانی کرنا لازم ہے۔ یعنی "حج تمتّع" اور "قران" میں۔ جبکہ تیسری قسم یعنی "حج اِفراد" میں قربانی کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس قربانی کی اصل حیثیت جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا دمِ شکر کی ہے، کہ جب انسان ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں عبادتوں کو بجالانے کی سعادت حاصل کرتا ہے تو اسکے شکر میں وہ اپنے رب کے حضور شکرانے کے طور پر قربانی پیش کرتا ہے۔ اور حجِ اِفراد میں چونکہ یہ صورت ہوتی نہیں کہ وہاں عمرہ نہیں ہوتا بلکہ صرف حج ہی ہوتا ہے اس لئے اس میں قربانی کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اسی طرح صرف عمرے کی ادائیگی پر بھی دمِ تمتع کی یہ قربانی واجب نہیں کہ وہاں دو عبادتیں جمع نہیں ہوتیں۔

۵۲۶ "ہدی" کے بجائے روزوں کی اجازت:۔ سو "ہدی" میسر نہ آنے کی صورت میں ایسا شخص تین روزے رکھے اور اس طور پر کہ ان کا آخری دن نویں ذی الحجہ ہو۔ لیکن اگر اس سے پہلے ہی پورے کرلے تو یہ بھی بالاجماع جائز ہے۔ (بیان القرآن، معارف القرآن للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہر کیف جسکو "ھدی" یعنی قربانی کا جانور میسر نہ ہو خواہ اس بناء پر کہ جانور موجود ہی نہ ہو یا اس بناء پر کہ جانور خریدنے کیلئے اس کے پاس مال نہیں تو ایسی صورت میں وہ اس کے بدلے دس روزے رکھے۔ تین حج کے دوران یعنی یوم نحر سے پہلے اور سات واپس گھر لوٹ کر۔ خواہ گھر پہنچ کر یا اس سے پہلے رجوع کے دوران ہی۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف "حجِ تمتّع" اور "حجِ قران" میں سے جو بھی حج کوئی کرے، اس پر قربانی واجب ہے۔ جو کہ دراصل دمِ شکر ہے جو بندہ اپنے رب کے حضور شکر کے طور پر ادا کرتا ہے یعنی اس بات کا شکر کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے اس نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کی دونوں عبادتوں کو یکجا ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اور اگر قربانی میسر نہ ہوسکے تو اسکی جگہ دس روزے رکھے۔ تین سفرِ حج کے دوران ہی، یومِ نحر سے پہلے اور سات وطن واپس لوٹ کر۔ سو یہ پورے دس روزے ہوگئے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ﴾۔ سو جس کو قربانی میسر ہو وہ قربانی کرے۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو تو وہ دس دن کے روزے رکھے۔ پس دینِ حنیف میں محرومی کسی کے لیے بھی نہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین بکل حال من الاحوال۔

اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

جو مسجد حرام کے آس پاس (اور اس کے قرب وجوار) کے رہنے والے نہ ہوں، ف۵۴۷ اور اللہ سے ڈرتے رہو (ہر حال میں)،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ

اور یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے، ف۵۴۸ حج کے چند مہینے ہیں

مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

معلوم (ومقرر) ف۵۴۹ پس جس شخص نے ان مہینوں میں حج کا ارادہ (والتزام) کرلیا، تو وہ دورانِ حج نہ کسی شہوانی فعل کا ارتکاب کرے،

وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

نہ کسی گناہ کا، اور نہ کسی طرح کے لڑائی جھگڑے کا، اور جو بھی کوئی نیکی تم لوگ

خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ

کرو گے (خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو) اللہ اس کو جانتا ہے ف۵۵۰ اور (تقویٰ کا) زادِ سفر اپنایا کرو کہ بے شک سب سے بہتر زادِ سفر

ع ۸ / ۱۵

وقف لازم، وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

۵۴۷ "تمتع" و "قران" کی اجازت اہلِ حرم کے سوا دوسروں کیلئے:۔ یعنی "تمتع" اور "قران" کی سعادت حاصل کرنے کی یہ رعایت واجازت صرف اُن لوگوں کیلئے ہے جو حدودِ حرم سے باہر کے رہنے والے ہوں، حرم مکہ کی حدود کے اندر رہنے والوں کیلئے نہیں۔ ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ﴾ ۔ کے لفظ سے یہاں پر اس کے اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ لغوی معنیٰ مراد ہیں، جو کہ "تمتع" اور "قران" دونوں کو شامل ہیں (معارف القرآن وغیرہ)۔ اور وجہ اسکی ظاہر ہے کہ باہر والوں کیلئے حج اور عمرہ کیلئے الگ الگ سفر کرنا مشکل ہے۔ اس لیے انکو یہ اجازت دی گئی کہ وہ حج اور عمرہ کی یہ دونوں عبادتیں ایک ہی سفر میں ادا کرسکتے ہیں، بخلاف اہلِ مکہ کے کہ انکو اس کیلئے کسی سفر کی ضرورت نہیں پڑتی ہے وہ جب چاہیں عمرہ کرسکتے ہیں۔ اس لیے ان کو ایک ہی سفر میں یعنی ایامِ حج میں "تمتع" اور "قران" کی اجازت نہیں، تاکہ ان دنوں میں آفاقی حجاج کے لئے آسانی اور سہولت ہو۔ سو حدودِ حرم کے اندر رہنے والے ان دنوں میں صرف حج اِفراد کرسکتے ہیں نہ کہ قران وتمتع۔ (معارف وغیرہ)

۵۴۸ التزامِ تقویٰ کا حکم وارشاد:۔ سو ہدایت فرمائی گئی کہ اللہ کے خوف اور اسکے تقویٰ کو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنائے رکھو اور یہ کہ یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اسی کی رضاء وخوشنودی کو اپنے پیشِ نظر رکھو، اور اسی کی کوشش کرو، کہ اُس سے ہمارا معاملہ صحیح ہو، کہ وہ راضی ہوگیا تو سب کام بن گیا۔

اور اس کے بغیر مخلوق کی رضاء کیلئے کوشش کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ مگر افسوس کہ آج دنیا کی اکثریت کا حال اسکے برعکس یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی رضا کے اس اصل اور اہم مقصد کو بھول کر، مخلوق کی رضا کے حصول ہی کو اپنا مقصد بنائے ہوئے ہے، جس کے نتیجے میں نہ خدا راضی کہ اس کی ان کو فکر ہی نہیں، اور نہ ہی مخلوق راضی، کہ مخلوق کے دل تو اسی خالق و مالک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں۔ تو اس کی رضاء کے بغیر مخلوق کی رضاء کیونکر ممکن ہوسکتی ہے؟ اسی لئے آج انسان طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلاء اور قسما قسم کی پریشانیوں کا شکار ہے، اور آرام و راحت کے تمام تر اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود وہ سکون اور اطمینانِ قلب کی دولت سے محروم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا - سو تقویٰ کلید ہے دارین کی فوز و فلاح کی، وباللہ التوفیق۔

۵۴۹ ''اَشْہُرِ حج'' سے مقصود و مراد؟:- ''اشہرِ حج'' سے مراد یہ تین مہینے ہیں۔ یعنی شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن، جن کو ''اَشْہرِ حج'' کہا جاتا ہے، اور ذوالحجہ کے اگرچہ دس ہی دن ہیں مگر یہ اس قدر فضائل اور خصوصیات کے حامل دن ہیں کہ پورے مہینے کے برابر، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں- فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - اور راقم آثم نے ''فضائلِ عشرہ ذی الحج'' کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو عرصہ قبل چھپ بھی چکا ہے- والحمدللہ رب العالمین- ''اَشْہرِ معلومات'' کے الفاظ سے مقصود و مراد ''ایامِ معدودات'' کی طرح انکے محدود اور معین ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ کوئی ایسی محدود اور غیر معین مدت نہیں ہے، کہ حج اور عمرہ کی نیت کرنے والوں کیلئے انکی پابندیاں بہت بھاری اور مشکل ہوں، بلکہ یہ تو چند معلوم اور معین مہینے ہیں۔ سو جو کوئی ان میں حج یا عمرے کا عزم و ارادہ کرے وہ انکی پابندیوں کو اپنائے، اور شہوت و نافرمانی اور لڑائی جھگڑے سے بچے، اور زیادہ سے زیادہ نیکی اور تقویٰ کی کمائی کرنے کی کوشش کرے جو کہ خیر و برکت کے اس موسم کا تقاضا ہے کہ اس میں کیے جانے والے عمل کا اجر وثواب بہت زیادہ ہوتا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۵۵۰ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی نیکی تم لوگ کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر عمل کو جانتا ہے۔ اور اس پر وہ تمہیں اپنے بے پایاں فضل و کرم کی بناء پر اجر وثواب سے نوازے گا۔ سو جب وہ تمہارے ہر عمل کو دیکھتا اور جانتا ہے تو پھر اور کسی کی کیا فکر و پرواہ۔ تمہارا کوئی بھی عمل نہ ضائع ہوسکتا ہے اور نہ تمہیں اسکے اجر و ثواب سے محروم ہونے کا کوئی خدشہ ہونا چاہیئے۔ پس تم ہر وقت نیکیوں کی دولت جمع کرنے کی فکر و کوشش میں لگے رہا کرو، خاص کر حج اور عمرہ کے ان دنوں میں جو گنتی کے ہی کچھ دن ہیں کہ ان میں نیکیوں کی کمائی کا خاص موقع ہے۔ انسان کو اس جہاد میں اگرچہ اپنے جذبات اور خواہشات کی قربانی ضرور دینا پڑتی ہے، لیکن یہ چیز ایسی نہیں ہے کہ اس سے انسان اپنا حوصلہ چھوڑ دے اور کمزوری دکھائے، بلکہ اسکو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسکی ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی جانتا ہے اور وہ اسکو اس پر بھرپور اجر وصلہ سے نوازے گا۔ اس لئے اسکی رضاء وخوشنودی ہی کو اپنا اصل مقصد بنانا چاہیئے۔ کہ اس خالق و مالک کی رضاء وخوشنودی اگر نصیب ہوگئی تو سب کچھ مل گیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔

التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

تقویٰ (و پرہیز گاری) ہی کا ہے ۵۵۱ اور خاص مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو، اے عقل سلیم رکھنے والو ۵۵۲ تم لوگوں پر

جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم (زمانۂ حج میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو، ۵۵۳ پھر جب تم لوگ کوچ کرو

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠

عرفات (کے میدان) سے، تو (خوب خوب) یاد کرو اللہ کو مشعرِ حرام کے پاس، (یعنی مزدلفہ میں،) اور اس کو اسی طرح یاد کرو

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ

جس طرح کہ اس نے تم کو ہدایت (اور تعلیم) دی ہے ۵۵۴ اور حقیقت یہ ہے کہ اس (نورِ ہدایت) سے پہلے تم لوگ پرلے درجے

۵۵۱ تقویٰ بہترین زادِ سفر:- کہ تقویٰ و پرہیز گاری کا یہ زادِ سفر تمہیں دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی کے علاوہ، آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی کام دیگا، جہاں مال واولاد وغیرہ میں سے کوئی بھی دوسری چیز کام نہیں آسکے گی، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے۔ ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ، اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾ (الشعراء: ۸۸-۸۹) یہ اسلام کی مقدس تعلیمات کی انقلاب آفرینی کا ایک عظیم مظہر ہے کہ یہ عام دنیاوی امور کو بھی آخرت کی تذکیر و یاد دہانی کا ذریعہ بنادیتی ہیں۔ مثلاً یہاں پر زادِ راہ اور سفر خرچ کا ذکر ہو رہا تھا جو کہ عام دنیاوی چیز ہے جس کی ضرورت مومن غیر مومن سب ہی کو یکساں طور پر ہوتی ہے، مگر یہاں پر اس کے ذکر کے ساتھ ہی آخرت کے اس مسلسل اور دائمی سفر کی یاد دہانی بھی کرادی، جو کہ ہر شخص کو درپیش ہے، اور جس پر ہر کوئی رواں دواں ہے۔ اور اس قدر التزام و پابندی کے ساتھ کہ وہ چاہے یا نہ چاہے، بہرکیف وہ اپنے انجام کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور اپنی اس آخری منزل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے، جس سے پھر اس دنیا میں نہ واپسی کی کوئی شکل ممکن ہوگی، اور نہ کمائی کی کوئی صورت۔ اور یہ بھی بتادیا کہ اصل زادِ راہ اور آخرت کے اس سفر میں کام آنے والی چیز صرف اور صرف تقویٰ و پرہیز گاری کا زادِ راہ ہے، جو آج دنیاوی زندگی کی اس فرصتِ محدود اور حیاتِ مستعار ہی میں کمائی جاسکتی ہے، اور بالکل مفت اور بلا کسی دقت و دشواری کے۔ اسی طرح سواری پر بیٹھتے وقت پڑھنے کیلئے جو یہ دعاء تلقین فرمائی گئی۔ ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ﴾۔ "پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے مسخر کر دیا اس سواری کو، ورنہ ہم از خود اسکو قابو میں لانے والے نہیں تھے" تو اس میں بھی اسکے ساتھ ہی آخرت کی تذکیر و یاد دہانی کیلئے یہ بھی تلقین فرما دیا گیا۔ ﴿وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾۔ "اور بے شک ہمیں بہرحال اور ہر قیمت پر اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔ یعنی ایک سفر تو یہ ظاہری سفر ہے جس پر ہم اس

وقت اس سواری کے ذریعے روانہ ہو رہے ہیں، اور ایک وہ مخفی اور معنوی سفر ہے جس پر ہم ہمیشہ رواں دواں ہیں۔ اور جس کا خاتمہ حیاتِ دنیا کے خاتمے پر ہی ہوگا۔ لہٰذا اس کے لئے بھی تیاری کرنی چاہیئے بلکہ دنیاوی سفر اور دنیاوی زندگی کے سامان سے بھی کہیں بڑھ کر اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ وہاں سے پھر واپسی کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی اور وہاں کیلئے کمائی کرنے کا پھر کوئی موقع نہیں مل سکے گا۔ اسی طرح سوتے وقت پر دعاء تعلیم فرمائی گئی۔ ''بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیَا رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبعثُ عِبَادَکَ'' ۔ ''تیرے ہی نام کے ساتھ اے اللہ میرا مرنا اور جینا ہے، اے میرے رب، مجھے اپنے عذاب سے بچا دینا اس روز کہ جس روز تو اپنے بندوں کو اٹھا کھڑا کریگا''۔ اسی طرح نیند سے اٹھتے وقت یہ دعا بتائی گئی ہے۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ''۔ ''حمد وثنا ہے اس اللہ کیلئے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف ہمیں پھر واپس جانا ہے''۔ نیند اور اس سے بیدار ہونے کے ان دونوں موقعوں سے متعلق ان دعاؤں کے ذریعے یہ بتلایا گیا ہے کہ نیند اور بیداری کی یہ دونوں کیفیتیں جو آج لوگوں کو پیش آ رہی ہیں دراصل زندگی بعد الموت کیلئے ایک طرح کی ریہرسل اور یاددہانی ہیں، جن کے ذریعے انسان کو روزانہ یہ عملی درس دیا جاتا ہے، کہ مرنے کے بعد تم ایسے ہی دوبارہ اٹھو گے، جیسا کہ نیند کے بعد اٹھتے ہو، تو نیند مشابہ ہے موت کے۔ اسی لئے اس کو ''اُخْتُ الْمَوْت'' ''موت کی بہن'' کہا گیا ہے۔ اور اس سے بیداری اور سو کر اٹھنا مرنے کے بعد جی اٹھنے کا نمونہ ہے۔ سو اس طرح اسلام نے ان طبعی چیزوں کو بھی حق وصداقت کا درس و پیغام بنا دیا، جن سے غیر مسلم بھی مستفید ہوتے ہیں، مگر ان کو ان عظیم الشان حقائق کی طرف توجہ کہاں نصیب ہو سکتی ہے، جو کہ صرف نورِ ایمان کی بدولت ہی نصیب ہو سکتی ہے۔ وہ تو عام حیوانوں کی طرح ۔ بلکہ ان سے بھی بدتر انداز میں ۔ سوتے اور جاگتے ہیں۔ کسی درس و نصیحت اور سود وزیاں کا کوئی پتہ ہی نہیں ۔ الا ماشاء اللہ ۔ ان کی ساری تگ و دو کا حاصل تو خواہشاتِ نفس کی پیروی اور انکے تقاضوں کی تکمیل کا سامان کرنا ہے اور بس۔ سو کس قدر خسارے کا باعث ہے نورِ ایمان سے محرومی، اور کس قدر بڑی دولت ہے ایمان و یقین کی یہ دولت ۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ العظمی ۔ اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْهِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام ۔

۵۵۲ تقوٰی تقاضاءِ عقل وفطرت: ۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ تقوٰی و پرہیزگاری عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا ہے سو عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا یہی ہے کہ انسان سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے اُس خالق و مالک سے ڈرے۔ اور اس کی ناراضگی سے بچنے کی فکر و کوشش کرے، جس نے اسے نعمتِ وجود سے نوازا۔ اور پھر اسے اس کے جسم کے اندر اور اس کے باہر ان بے حد و حساب نعمتوں سے نوازا اور سرفراز فرمایا، جن کو پوری طرح جاننا اور شمار کرنا بھی اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کے بس میں نہیں۔ اور پھر آخرکار لوٹ کر جانا بھی اسی کے حضور ہے، جہاں پر ہر کسی کو اپنی زندگی بھر کی کارگزاری کی جوابدہی کرنی ہے۔ پس اسی سے ڈرا جائے اور اسی کی رضاء و خوشنودی کو مقصودِ حیات بنایا جائے، سو عقلِ صحیح و سلیم کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ہمیشہ ہر حال میں اپنے خالق و مالک سے ڈرے، اور اسی کی رضاء و خوشنودی کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ اور جو لوگ اسکی پرواہ نہیں کرتے اور انکے طور طریقے اسکے برعکس ہیں، انکی عقلیں سلیم و صحیح ہیں ہی نہیں، بلکہ انکو اہواء و اغراض کی میل نے ماؤف کر دیا ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ اسی لیے یہاں پر ''اولوا العقول'' نہیں

''اولوا الالباب'' فرمایا گیا ہے۔ اور ''لبّ'' عقلِ خالص ہی کو کہا جاتا ہے جبکہ عقل عام ہے۔ اس کا اِطلاق ہر قسم کی عقل پر ہوتا ہے خواہ وہ کیسی ہی ہو۔ اور وہ کفر و شرک وغیرہ کے زنگ سے ماؤف ہی کیوں نہ ہو چکی ہو۔ والعیاذ باللہ۔

۵۵۳ موسمِ حج میں فضلِ خداوندی کی طلب و تلاش کی اجازت: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم صحیح طریقے سے اور جائز حدود کے اندر رہ کر اپنی دنیا کماؤ کہ یہ منع نہیں۔ منع صرف یہ ہے کہ تم اپنے اس مبارک سفر میں اس چیز کو اصل مقصد بنا لو۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ اسلام سے پہلے لوگ منٰی میں ''عکاظ'' اور ''ذوالمجاز'' وغیرہ ناموں سے خاص بازار قائم کیا کرتے تھے، اور ان میں وہ تجارت وغیرہ کا بڑا کاروبار کیا کرتے تھے، مگر اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ لوگ اس کاروبار کو برا سمجھنے لگے اور اس میں گناہ کا خدشہ محسوس کرنے لگے۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس سے ان کو اس کی اجازت دے دی گئی (بخاری، کتاب الحج، باب التجارۃ ایام الموسم والبیع الخ) اور اس میں بتایا گیا کہ صحیح طریقے سے اور جائز حدود کے اندر رہ کر اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے دنیا کمانا کوئی برا اور محظور امر نہیں۔ اور روزی کو فضل کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ واضح فرما دیا گیا کہ یہ ملتی بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہے۔

۵۵۴ ذکرِ خداوندی ہدایتِ خداوندی کے مطابق کرنے کا حکم و ارشاد: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو ویسے ہی یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے یعنی جس کمالِ خوبی سے اس نے تم کو نعمتِ ھدایت سے سرفراز فرمایا ہے، اسی طرح تم بھی کمال خوبی کے ساتھ سراپا عجز و نیاز بن کر، دل و جان سے اس کو یاد کرو۔ اور صدقِ دل سے اس کی ہدایت کو اپناؤ۔ تو یہ نصیحت دراصل حسن و کمال میں تسویہ اور برابری کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''اِخْدِمْهُ كَمَآ اَكْرَمَكَ'' یعنی ''جس طرح اس نے تم کو اِکرام سے نوازا ہے اسی طرح تم بھی اس کی خدمت کرو''۔ یعنی تمہاری خدمت اس کے اِکرام سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ نیز اس میں یہ درس بھی دیا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر اور اس کی یاد اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اپنی طرف سے نئے طریقے اس میں ایجاد اور شامل نہیں کرنے چاہئیں، جیسا کہ اہلِ بدعت اور اصحاب زیغ و ضلال نے طرح طرح کے بدعی بلکہ شرکیہ اضافوں اور طریقوں سے کیا ہے۔ پہلے بھی کیا تھا، اور اب بھی کر رہے ہیں۔ کہ باجوں، گاجوں، ڈھول ڈھمکوں، گھنگرو بجانے، گھڑے کوٹنے، تالیاں پیٹنے اور ناچنے تھرکنے، اور اچھلنے کودنے کے کتنے ہی خودساختہ اور بدعی طریقوں کو انہوں نے ذکر اور سماع کے ناموں سے اپنا رکھا ہے، اور طرح طرح کی ان خرافات کو رواج دے رکھا ہے، جو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے حرام ہیں۔ جبکہ اللہ پاک صاف اور صریح طور پر ہدایت فرما رہا ہے کہ تم لوگ اللہ کو ویسے ہی یاد کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے۔ پس تم اسکی تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت اس طرح کرو، جس طرح اس نے تم کو سکھایا بتایا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کسی بدعت کو شریک و شامل نہ کرو۔ بس دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف جو بھی ہوگا وہ باطل و مردود ہوگا۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل زیغ و ضلال وسوء وانحراف۔ سو یہ ایک اہم اور اصولی ہدایت ہے کہ تم اللہ کو ویسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تم کو ہدایت فرمائی ہے۔

الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ

کے گمراہوں میں سے تھے ۵۵۵ پھر تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے اور لوگ پلٹ کر آتے ہیں ۵۵۶ اور معافی مانگو تم اللہ سے بے

النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت مہربان ہے، پھر جب تم پورے کر چکو اپنے حج کے ارکان، تو (قیامِ منیٰ کے دوران اپنے باپ

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ

دادوں کے مفاخر و مآثر بیان کرنے کی بجائے) تم لوگ یاد کرو اپنے اللہ کو ۵۵۷ جیسا کہ تم یاد کیا کرتے تھے اپنے باپ دادا (کے

اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ

مفاخر) کو، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر (یاد کرو اس وحدہٗ لاشریک کو) ۵۵۸ مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو (اپنی کوتاہ نظری سے دنیائے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ

فانی ہی کا سوال کرتے ہیں اور) کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا ہی میں دے دے (جو کچھ کہ دینا ہے)، ایسوں (کو دنیا

خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى

میں تو اس کی حکمت و مشیت کے مطابق جو کچھ ملنا ہوا مل جائے گا ۵۵۹ مگر ان) کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا ۵۶۰ اور (اسکے

الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

برعکس) کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما ۵۶۱ اور آخرت میں بھی بھلائی عطا

۵۵۵ **نورِ حق و ہدایت کی نعمت اور اس کا تقاضا:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے پہلے تم لوگ پرلے درجے کے گمراہوں میں سے تھے۔ اور ایسے گمراہ کہ نہ تم اپنے مقصدِ حیات سے آگاہ تھے، اور نہ تمہیں اپنے انجام کی کچھ خبر تھی، نہ سلیقہ زندگانی کا کچھ پتہ تھا، اور نہ ہی تم یہ جانتے تھے کہ کامیابی کس میں ہے اور ناکامی کس میں۔ سو جب اللہ پاک نے اپنے کرمِ بے پایاں سے، اپنی ہدایتِ کامل کے ذریعے، تم کو ان تمام امور سے کامل و مکمل طور پر آگاہ فرما دیا۔ سو اس سے تم لوگ اندازہ کرو کہ نورِ ہدایت کی یہ نعمت کس قدر عظیم الشان نعمت ہے جس سے تمہارے مالکِ مہربان نے تم لوگوں کو محض اپنی رحمت و عنایت سے نوازا ہے۔ پس تم لوگ اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے اپنے اس خالق و مالک کا شکر ادا کرو اور ہمیشہ دل و جان سے اس کو یاد کرو اور اپنے ظاہر و باطن سے اس کے حضور جھک کر اپنے لیے دارین کی

سعادت و سرخروئی کا سامان کرو کہ اسکے حضور سرِ تسلیم خم کرنے میں خود اپنا ہی بھلا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۵۶ متکبرین کے زعمِ باطل پر ایک ضرب کاری: ۔ سو اس سے متکبرینِ قریش کے جھوٹے زعم اور گھمنڈ پر ایک ضرب کاری لگائی گئی ہے، سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں، یعنی "عرفات" سے۔ اور اس طرح نہیں کرنا کہ جس طرح قریش کرتے تھے کہ ہم چونکہ اللہ والے، اور بیت اللہ کے خادم اور اسکے مجاور ہیں، لہٰذا ہم حدودِ حرم سے باہر نہیں نکلیں گے۔ پس ہم عرفات میں نہیں جائینگے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر ہے، بلکہ ہم "مزدلفہ" ہی میں رہیں گے، جو کہ حدودِ حرم کے اندر ہے، اور باقی لوگ عرفات میں جائینگے۔ سو اس جاہلانہ خیال کی جڑ کاٹ دی گئی، جو کہ تکبر پر قائم تھا، اس خطاب میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ عام اور سب لوگوں سے ہے، یا صرف قریش سے۔ (تفسیر القاسمیؒ وغیرہ)۔ بہرکیف اس سے قریش کے جھوٹے زعم اور گھمنڈ پر ایک کاری ضرب لگائی گئی ہے، اور یہ امر صاف کر دیا گیا ہے کہ دینِ حنیف میں ایسے کسی اونچ نیچ اور فرق و تفاوت کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ اسکی تعلیماتِ مقدسہ سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہیں۔ اور یہ دینِ حق اور دینِ فطرت ہے، جو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت اور اسکی بہتری و بھلائی کے لئے آیا ہے۔ اور یہ اس کے لیے سعادتِ دارین کا ضامن و کفیل ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذُ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۵۵۷ آباؤ اجداد کی بجائے اللہ کو یاد کرنے کی ہدایت و ارشاد: ۔ سو اس سے ہدایت فرمائی گئی کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کی بجائے اللہ کو یاد کرو تاکہ اس طرح تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو، کہ اللہ اپنے خالق و مالک کی یادِ دلشاد انقلاب آفریں اور حیات بخش سعادت ہے۔ اور اس سے محرومی موت ہے۔ والعیاذُ باللہ العظیم۔ جبکہ اپنے باپ دادوں کے تذکروں اور ان کے مفاخر گنوانے سے جھوٹی نخوت اور تکبر کے سوا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، کہ وہ دنیا سے کفر ہی کی حالت میں گئے، اور کفر پر مرنے والے باپ دادوں سے انتساب پر فخر کرنا اپنی ہلاکت و تباہی میں اضافے کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو فخر کی چیز یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ کون حق و ہدایت کی دولتِ بے مثال و لازوال سے زیادہ بہرہ مند اور مالا مال تھا۔ بہرکیف قرآنِ حکیم نے انکو ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ دادا کے مفاخر بیان کرنے کے غلو مشاغل کو ترک کر کے اللہ کے ذکر کو اپناؤ تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اللہ تعالیٰ کی یادِ دلشاد دلوں کی زندگی اور اس سے محرومی دلوں کی موت ہے۔ والعیاذُ باللہ جل وعلا من کل حال من الاحوال۔

۵۵۸ ذکرِ خداوندی کی عظمت شان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ ذکر اس اللہ کا کرو جس کی نعمتوں اور رحمتوں و عنایتوں کا کوئی کنارہ اور ٹھکانا نہیں۔ اور اس کی یادِ دلشاد میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے، اور اسکے عبید اور بندے ہونے کے اعتبار سے یہ اس کا تم پر حق بھی ہے۔ سو ذکرِ خداوندی ایک عظیم الشان نعمت اور جلیل القدر عبادت ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس تم لوگ ہمیشہ اور ہر حال میں اور دل و جان سے اسکی یادِ دلشاد سے سرشار رہو۔ "اَللّٰهُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰى مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ"۔ سو ذکر اور یادِ خداوندی دلوں کی دنیا کو آباد اور زندہ کرنے والی ایک عظیم الشان اور بے مثال عبادت ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال عبادت ہے کہ انسان اس سے ہر حال میں اور ہر جگہ اور ہر وقت سرشار ہو سکتا ہے۔ اس میں

نہ کوئی رکاوٹ نہ کوئی مشکل۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۵۵۹ اصل معاملہ مشیئتِ خداوندی پر ہے:- یعنی دنیا کا ملنا بھی ان کی مرضی وخواہش پر نہیں، بلکہ ہماری مرضی اور مشیت پر موقوف ہے۔ ہم جس کو چاہیں، اور جتنا اور جو چاہیں، اور جیسا چاہیں عطاء کریں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ - [بنی اسرائیل: ۱۸] - سو اصل چیز مشیّت ومرضیِ خداوندی ہے۔ سب کچھ اسی کے تابع ہے۔ اسکی کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیّت ومرضی سے ہوتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - مگر ابناءِ دنیا اس ایمان ویقین سے محرومی اور اس حقیقت سے اپنی بے خبری کے باعث دنیا کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل ہی کو اپنا مقصدِ حیات اور مطمحِ نظر بنائے ہوئے ہیں، اور اسی بناء پر انہوں نے زمانہ جاہلیت میں حج جیسی مقدس عبادت کو ایک تجارتی میلے کی شکل میں بدل کر رکھ دیا تھا، اور اسی بیماری کے مریض اور اسکے جراثیم کے حامل دورِ حاضر کے وہ لوگ ہیں جو حج کو ایک سالانہ کانفرنس کے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ حج کی اصل روح ''ہجرت الی اللہ'' ہے، اسکے دنیوی فوائد محض ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ سو اس عبادتِ مقدسہ کی روح اور اس کے اصل مقصد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

۵۶۰ طالبانِ دنیا کیلئے آخرت کی محرومی، والعیاذُ باللہ:- کیونکہ آخرت انہوں نے مانگی ہی نہیں، ان کی ساری تگ ودو بس دنیا اور اس کے متاعِ فانی ہی تک محدود رہی، اور آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کو وہ بھول بیٹھے تھے، اس لئے وہاں ان کیلئے دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا - والعیاذ باللہ- جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات کے علاوہ سورۂ بنی اسرائیل کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ہی ارشاد فرمایا گیا ﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل-۱۸] ''یعنی دنیا کے بعد آخرت کے اس ابدی جہاں میں ایسے لوگوں کو جہنم کے اندر داخل ہونا ہوگا، ذلیل وخوار ہوکر - والعیاذ باللہ العظیم- اور یہی ہے وہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا، اور جس کی تلافی و تدارک کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی اور یہی ہے سب سے بڑا خسارہ- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا-

۵۶۱ ایک عظیم الشان اور جامع دعاء کی تعلیم وتلقین:- سو یہ دنیا وآخرت کی بھلائی کیلئے ایک عظیم الشان اور جامع دعا ہے، جو حضرت حق جل مجدہٗ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں کو تلقین فرمائی ہے سو یہ دنیا وآخرت کی بھلائی مانگنے کیلئے ایک جامع دعا ہے کہ دنیوی زندگی میں اپنی حاجات وضروریات کی تکمیل کیلئے حلال وپاکیزہ ذرائع ووسائل میسر ہوں۔ خاص کر نیک بیوی، کھلا کشادہ گھر، صحت وعافیت کی نعمت، اور ایمان ویقین کی دولت وغیرہ وغیرہ۔ اور اس طرح ہم اس دنیا میں بھی امن وعافیت اور سکون وسعادت والی زندگی گزار سکیں، اور تیری اطاعت و بندگی سے زیادہ سے زیادہ سرفراز وسرشار ہوسکیں، اور اس طرح آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے کمائی کا سامان بھی کرسکیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ تیری توفیق وعنایت کے بغیر ممکن نہیں۔ اے ہمارے مالک! اور جب حضرتِ حق - جل مجدہٗ- نے محض اپنے کرم سے دارین کی سعادت وسرخروئی پر مشتمل اس جامع دعاء کی تلقین فرمائی ہے تو وہ انشاء اللہ اسکو قبول بھی ضرور فرمائے گا۔ پس بندے کا کام ہے اس سے مانگنا اور درخواست کرنا کہ دینے والا وہی وحدہ لاشریک ہے۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

فرما ۵۶۲ اور ہمیں بچالے (دوزخ کی) اس آگ کے عذاب سے سو ایسوں کے لئے بڑا حصہ ہے ان کی کمائی میں سے،

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ

اور اللہ بڑا ہی جلد حساب لینے والا ہے، اور یاد کرو تم لوگ اللہ کو گنتی کے

مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

ان چند دنوں میں ۵۶۳ پھر جس نے جلدی سے کام لیکر دو دنوں میں ہی کوچ کر لیا، ۵۶۴ تو اس پر کوئی

۵۶۲ آخرت کی بھلائی اور اس سے مراد؟:- یعنی آخرت کی وہ بھلائی نصیب فرما جس سے تیری رضا اور جنت سے بہرہ مندی کی سعادت وکامیابی نصیب ہو سکے، جو کہ اصل مقصود ہے۔ سو اس طرح یہ دعا دنیا وآخرت کی سعادت وکامیابی کو جمع کر دیتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ اکثر وبیشتر یہی دعا فرمایا کرتے تھے، اور حضرات صحابہ کرام کا عمل بھی یہی تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الدعوات ابنِ کثیرؒ ومحاسن التاویل وغیرہ)۔ اور دوزخ کی آگ سے بچانے سے مراد یہ ہے کہ ان معاصی ومحارم سے بچا کر رکھ جو دوزخ کا باعث بنتے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ) - والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۶۳ "ایامِ منیٰ" میں ذکرِ خداوندی کی ہدایت وتلقین:- "ایامِ منیٰ" سے مراد ہیں "ایامِ تشریق"، یعنی ذوالحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ (ابنِ عباسؓ)۔ نیز "یومِ عرفہ" اور "یومِ نحر" بھی اس میں شامل ہیں، کہ ان دِنوں کو حدیث میں اکل وشرب اور خوشی کے دن فرمایا گیا ہے، اسی لئے ان میں فرض نمازوں کے بعد بآوازِ بلند تکبیرات کہی جاتی ہیں (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، اور معارف وغیرہ)۔ سو ان مخصوص اور مبارک دنوں میں اللہ پاک کے ذکر اور اسکی یادِ دلشاد سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور وسرفراز ہونے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

۵۶۴ منیٰ سے کوچ کیلئے تعجیل وتاخیر دونوں کی اجازت:- اور وہ بارہویں کو ہی رمیِ جمرات کے بعد منیٰ سے واپس لوٹ آیا، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، کہ اس کا حج تو بہرحال پورا ہو گیا۔ اس کا وہاں پر مزید ٹھہرنا ضروری نہیں، اس سے دراصل زمانۂ جاہلیت کے ایک خیالِ فاسد کا رد فرمایا گیا ہے، کہ ان میں سے کچھ لوگ تو جلدی کرنے والوں کو گنہگار سمجھتے تھے، اور کچھ دوسرے تاخیر کرنے والوں کو، تو اس پر ارشاد فرمایا گیا کہ گناہ نہ تعجیل میں ہے نہ تاخیر میں۔ دونوں ہی صورتیں درست ہیں۔ البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ انسان وہاں پر تین دن قیام کرے، اور تیرھویں کو بھی رمیِ جمرات کر کے لوٹے۔ (معارف القرآن للکاندھلویؒ) کہ اس طرح اس کو زیادہ اجر وثواب حاصل ہو گا جو کہ مستقل مطلوب ہے۔ بہرحال اجازت دونوں کی ہے۔

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ

گناہ نہیں، اور جس نے تاخیر سے کام لیا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، ہر ایسے شخص کیلئے جو ڈرتا ہو (اپنے رب سے،) ؀۵۶۵

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے اور یقین جانو کہ تمہیں بہر حال اسی کے حضور اکٹھے ہو کر جانا ہے ؀۵۶۶

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اچھی لگتی ہیں آپ کو ان کی (چکنی چپڑی) باتیں، دنیاوی

الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ

زندگی (کے بارے) میں، ؀۵۶۷ اور وہ اپنی نیک نیتی پر گواہ بناتا ہے اللہ کو، حالانکہ وہ پرلے درجے کا

الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

دشمن ہے (حق اور اہل حق کا) ؀۵۶۸ اور جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے ؀۵۶۹ تو اس دوڑ دھوپ میں لگ جاتا ہے کہ فساد مچائے

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

زمین میں، اور ہلاک (وتباہ) کرڈالے کھیتی اور نسل کو ؀۵۷۰ اور اللہ (جس کو ایسا شخص اپنی نیک نیتی پر گواہ بناتا ہے وہ) کبھی پسند نہیں فرماتا

الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ

فساد کو، ؀۵۷۱ اور (اس کے تکبر کا عالم یہ ہے کہ) جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو ڈر اللہ سے، تو آ پکڑتی ہے اس کو اس کی نخوت

بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ

گناہ کے ساتھ (اور وہ مزید بگڑ جاتا ہے،) سو کافی ہے اس کو جہنم، اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ، اور (دوسری طرف) کچھ

۵۶۵ **اصل چیز تقوی و پرہیزگاری:** - پس اصل چیز جو بنیادی طور پر مطلوب اور ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے، وہ ہے تقوائے خداوندی کہ رب راضی ہو جائے۔ اس کی رضا ہی اصل مقصد ہے۔ اس بنیادی امر کو پیشِ نظر رکھ کر تم لوگ تعجیل و تاخیر کی ان دونوں باتوں میں سے جو بھی اختیار کرو، وہ جائز اور درست ہے۔ اس میں کسی حرج اور گناہ کا کوئی سوال نہیں۔ پس

تقویٰ و پرہیزگاری کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے اور مقصد بنانے کی ضرورت ہے کہ یہی اصل اور اساس ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۶۶ آخرت کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سوارشاد فرمایا گیا اور یقین جانو کہ تم سب کو بہرحال اسی کے حضور اکٹھے ہو کر جانا ہے، اور وہاں پہنچ کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا، اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ حساب و کتاب کے اس یومِ عظیم کو پیشِ نظر رکھو، اور اس سے کسی بھی حال میں غفلت اور لاپرواہی مت برتو، اور ہمیشہ اسکے لیے تیار اور اسکی فکر میں محو رہا کرو کہ اس کیلئے تیاری کا موقع یہی دنیاوی زندگی ہے۔ اسکے خاتمے کے بعد پھر اسکی تیاری کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ پس اسکو غنیمت سمجھو اور اس سے فائدہ اٹھالو، قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود و مختصر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تمہیں ہمیشہ کیلئے پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس روز کوئی شخص اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دیئے بغیر اور اپنے رب کے حکم کے بغیر وہاں سے قدم نہیں اٹھا سکے گا۔ اور حج کا یہ اجتماع روزِ حشر کے اس عظیم الشان اجتماع کی تذکیر و یاددہانی ہے۔ سو اس مجاز کی شکل میں دیکھی جانے والی اُس حقیقت کبریٰ سے کبھی غفلت نہیں برتنی چاہیئے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۵۶۷ اہلِ باطل کی ملمع سازی کا ایک نمونہ و مظہر: ۔ "فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" کے ان کلماتِ کریمہ کے یہاں پر دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے لوگوں کی ان ملمع سازیوں کا جادو اسی دنیا میں چل سکتا ہے اور بس، کہ یہاں اصل حقائق پر پردہ پڑا ہوا ہے، جس کی بناء پر یہاں دھوکہ و فریب سب کچھ چلتا ہے، مگر آخرت میں ایسوں کی کوئی منطق کارگر نہ ہو سکے گی، کہ وہ کشفِ حقائق کا جہاں ہوگا اور وہاں پر ہر شئے اپنی اصل شکل میں سامنے آجائیگی۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی یہ باتیں جو دنیاوی زندگی کے بارے میں ہوتی ہیں، وہ بڑی چکنی چپڑی اور دلوں کو لبھانے والی ہوتی ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا اور مطمحِ نظر ہی یہ دنیا اور اس کے مادی اور وقتی فوائد و منافع ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾۔ [النجم:۲۹-۳۰] اور اللہ پاک کا عام قانون و ضابطہ یہی ہے کہ انسان جدھر بھی جانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی باگیں ادھر ہی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنے ارمان پورے کرلے اور اپنے انجام کا سامان خود کرلے، مگر راہِ حق سے منہ موڑ کر باطل کی راہوں پر چلنے کا نتیجہ و انجام بہرحال جہنم ہے، جیسا کہ ایک اور مقام پر ایسے شخص کیلئے ارشاد فرمایا گیا (النساء۔ ۱۱۵) اور ابنائے دنیا جب دنیا ہی کو اپنا مقصدِ حیات اور مطمحِ نظر بنا دیتے ہیں، اور وہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں، تو اللہ پاک انکو ان کے اپنے اختیارِ کفر و ضلال اور ان کی اپنی خواہش و چاہت کے مطابق، اور ان کی کوششوں اور محنتوں کے نتیجے میں، آخرت سے محروم کر کے دنیا ہی کے راستے ان پر کھول دیتا ہے، جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر ابنائے دنیا کی تاریخ کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾ [العنکبوت:۳۸] یعنی دنیاوی اعتبار سے وہ لوگ واقعی بڑے چالاک اور ہوشیار تھے۔ اور یہی بات ہر زمانے کی طرح آج بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کہ ابنائے دنیا، دنیا کی تعمیر و ترقی، زیب و زینت، اور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ، اور اس کے مادی تقاضوں کی تکمیل کیلئے بہت کچھ جانتے اور کرتے ہیں، مگر آخرت کی اپنی اصل حقیقی اور دائمی زندگی کے تقاضوں سے ایسے لوگ یکسر غافل اور بے خبر ہوتے ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ بہرکیف آیتِ کریمہ میں

ارشادفرمودہ کلماتِ کریمہ ''فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا'' میں کلمہء ''فِیْ'' ظرفیہ بھی ہوسکتا ہے اور اجلیہ بھی۔ اور دونوں صورتوں میں دو مفہوم بنتے ہیں (جامع البیان وغیرہ)۔ اور یہ دونوں ہی صحیح، اور اپنی اپنی جگہ بہت اہم اور مہتم بالشان ہیں۔

۵۶۸ اہلِ باطل کی اصل دشمنی حق کے ساتھ: - کہ ایسوں کی زندگی کا اصل مقصد نفس کی پیروی اور خواہش کی پرستش ہوتا ہے، اور حق ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتا ہے، جس کی بناء پر ان کی اصل دشمنی اور مخاصمت حق اور حق والوں ہی سے ہوتی ہے۔ پس تم لوگ ایسوں کی ان ظاہری چکنی چپڑی باتوں کے دھوکے میں نہیں آنا، کہ ایسے لوگ خود دھوکے اور فریب میں پڑے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا شخص اپنی باتوں کا اعتبار دلانے کیلئے اپنے دل کی نیت پر اللہ کو گواہ بناتا اور قسمیں کھاتا ہے، اور یہ منافق انسان کی ایک عمومی خصلت اور نشانی ہوتی ہے کہ وہ اپنا اعتبار قائم کرنے کیلئے بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ اسکے پاس سچائی کی دولت اور کردار کی پونجی چونکہ ہوتی نہیں، اس لیے وہ ہر قدم پر قسمیں کھا کھا کر اپنا اعتبار قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے دل میں چور موجود ہوتا ہے کہ لوگ میری باتوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ جبکہ مومنِ صادق اپنے ایمان ویقین کی بنا پر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے۔ سو یہ اس کو ایک نقد انعام ملتا رہتا ہے - والحمد للہ جل وعلا -

۵۶۹ ''تَوَلّٰی'' کے دو معنیٰ ومطلب؟: - پیٹھ پھیرتا ہے یعنی مجلس سے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ ''تولّیٰ'' کو ''ولی'' سے ماخوذ مانا جائے، جس کے معنیٰ پھرنے اور لوٹنے کے آتے ہیں۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ بھی ہے کہ یہ ''وَلَایَۃٌ'' سے ماخوذ ہو، جس کے معنیٰ والی اور حاکم بننے کے ہیں، یعنی جب ایسا شخص کسی علاقے کا والی اور حاکم بنتا ہے اور کرسیٔ اقتدار پر بیٹھتا ہے، تو ایسے اور ایسے کام کرتا ہے۔ (جامع البیان، التحریر والتنویر وغیرہ)۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح کے شخص کی باتیں جب وہ تمہارے سامنے ہوتا ہے تو بڑی دل لبھانے والی ہوتی ہیں، لیکن تمہارے سامنے سے ہٹنے کے بعد یا کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے کے بعد ایسے شخص کی ساری بھاگ دوڑ اور تگ ودو فساد فی الارض کیلئے ہوتی ہے، اور فساد فی الارض سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی اور اسکی اطاعت وفرمانبرداری کی مخالفت اور مزاحمت کرنا ہے، کیونکہ زمین کے تمام تر امن وامان اور عدل وانصاف کا مدار وانحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندے اسی کی عبادت وبندگی اور اطاعت وفرمانبرداری کریں جو کہ اس ساری کائنات کا بلاشرکت غیرے خالق ومالک اور حاکم وفرمانروا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۵۷۰ حرث ونسل کی انسانی معاشرے میں اہمیت: - سو حرث ونسل دو اہم بنیادیں ہیں جن پر انسانی معاشرے کا مدار وانحصار ہے۔ یعنی کھیتوں کی پیداوار، اور نسل یعنی حیوانی دولت کو تباہ کردے۔ اور یہ دو ہی ایسی بنیادی چیزیں ہیں، جن پر انسانی زندگی اور معاشرہ کا دارومدار اور انحصار ہے۔ سو ان کی تباہی دراصل انسان اور پورے انسانی معاشرے کی خرابی اور تباہی کا سامان کرنا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - مگر ظالم انسان کل کی طرح آج بھی یہی کررہا ہے۔ کھیتوں کو جلایا جارہا ہے، ان کو زہرآلود کیا جارہا ہے، جانوروں کی بیخ کنی کی جارہی ہے، جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس کے روح فرسا مظاہر دیکھنے میں آرہے ہیں، خواہ وہ بوسنیا ہرزگوینا ہو، یا افغانستان، یا فلسطین یا کشمیر یا بمبئی اور دلی وغیرہ، ہندوستان کے مختلف شہر ہوں یا افریقہ کے یوگنڈا اور راونڈا وغیرہ ممالک۔ ہر

جگہ اور ہر طرف ایک آگ ہے جو لگی ہوئی ہے، کھیتوں اور آبادیوں کو جلایا جا رہا ہے، اور انسانی ضروریات کا سامان جگہ جگہ اور طرح طرح سے بھسم کیا جا رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - شانِ نزول کے اعتبار سے اگرچہ یہ آیات کریمہ اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئیں، جو کہ اس تصویر کا اولین مظہر اور اس کا ایک اہم مصداق تھا، جیسا کہ تفسیری روایات میں وارد و مذکور ہے لیکن الفاظ کے عموم کے اعتبار سے یہ قیامت تک آنے والے اس قماش کے سب ہی لوگوں کیلئے عام، اور ان سب کو شامل ہیں۔ نیز یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ لفظ ''حرث و نسل'' کا اِطلاق جس طرح اس ظاہری کھیتی وغیرہ پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اِطلاق عورت پر بھی ہوتا ہے، کیونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان کھیتی ہے جس سے نسلِ انسانی جیسی عظیم الشان پیداوار حاصل ہوتی ہے، اور جو انسانی زندگی کا حاصل اور اصل متاع ہے۔ تو ایسے مفسد لوگ اس عظیم الشان کھیتی اور نسلِ انسانی کی تباہی کیلئے بھی تگ و دو کرتے ہیں، اور طرح طرح سے ان کی خرابی اور بگاڑ کی کوشش کرتے ہیں، جس کی ایک بڑی کھلی اور مہلک صورت فحاشی اور بے حیائی کے وہ وسائل و ذرائع ہیں، جو آج اپنے عروج و شباب پر ہیں، اور جن سے اخلاق و ایمان کی دولت کو تباہ کرنے کیلئے طرح طرح سے کام لیا جا رہا ہے، اور خاص کر عورتوں اور جوان نسل کے اخلاق کو بگاڑنے کے سلسلہ میں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اخلاقیات کی اصل اور اساس یعنی شرم و حیا کو ختم کرنے کیلئے طرح طرح کے شیطانی وسائل سے کام لیا جا رہا ہے، کیونکہ شرم و حیا کی دیوار ہی وہ دیوار ہے جو فواحش و منکرات کو روکتی ہے اور یہ دیوار اگر گر جائے تو پھر خواہشات و منکرات روکنے کیلئے کوئی آڑ باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی حقیقت کو لسانِ نبوت سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ پہلی نبوت سے جو کلام متوارث چلا آرہا ہے یہ ہے کہ جب شرم و حیا ختم ہو جائے تو پھر تم جو مرضی کرو، اسی کو فارسی میں کہتے ہیں ''بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن'' - والعیاذ باللہ العظیم - سو شرم و حیا ایک عظیم الشان جوہر ہے جو انسان کو بہت سی برائیوں سے روکتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔

۵۷۱ فساد فی الارض اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک مبغوض امر، والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا بلکہ فساد فی الارض اسکے یہاں ایک مبغوض امر ہے، والعیاذ باللہ پس جو ایسا فسادی اور شرانگیز ہوگا وہ اللہ کا محبوب کس طرح ہو سکتا ہے؟۔ لہٰذا ایسے شخص کا اللہ کو اپنی نیک نیتی پر گواہ بنانا بھی ایک طرح کا فریب اور فراڈ ہے۔ پس تم اس طرح کے لوگوں کی ان باتوں میں کبھی نہیں آنا، نہ یہ بحالتِ موجودہ اصلاح کرنے کے لائق ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی یہ اللہ پاک کے محبوب اور پیارے بن سکتے ہیں، اِلّا یہ کہ یہ اپنی اس روش کو بدل دیں اور اخلاقِ فاسدہ کی بجائے اخلاقِ فاضلہ اور خصالِ حمیدہ کو اپنا لیں۔ سو مفسد بظاہر کتنی ہی چکنی چپڑی اور دل لگی کی باتیں کریں، وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی محبت کا دم بھی کیوں نہ بھرتے ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہرحال کوئی مرتبہ اور مقام نہیں حاصل کر سکتے، کہ ایسے لوگ اپنے طرزِ عمل سے اس فساد کو ہوا دے رہے ہیں، جسکے نتیجے میں تمام انسانیت کی تباہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی پیدا کردہ اس دنیا کی فلاح و بہبود اور اسکی بہتری چاہتا ہے۔ پھر وہ اس میں فساد اور مفسدین کو کس طرح پسند فرما سکتا ہے؟ - سبحانہ وتعالیٰ - اور فساد کی سب سے بڑی بنیاد کفر و شرک ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا -

النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ اللہ کی رضا کی طلب میں اپنی جان (عزیز) کو بھی بیچ دیتے ہیں، ۵۷۲

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا

اور اللہ بڑا ہی مہربان ہے اپنے بندوں پر، ۵۷۳ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، داخل ہوجاؤ تم

فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اسلام (کے حظیرۂ قدس) میں پورے کے پورے، ۵۷۴ اور (خبردار!) شیطان کی پیروی نہیں کرنا،

۵۷۲ ایمان کا تقاضا کہ جان بھی اللہ کیلئے قربان:- کہ یہ جان ہماری نہیں، ہمارے اسی خالق و مالک کی ہے۔ اس پر ہماری مرضی نہیں چلے گی، بلکہ اسی وحدہٗ لاشریک کی مرضی چلے گی۔ یہ اس کا ہم پر حق ہے اور اسی میں ہماری بہتری و بھلائی اور فوز و فلاح ہے۔ روایات میں ہے کہ جب حضرتِ صہیب رومی - رضی اللہ عنہ - ہجرت کے ارادے سے نکلے، تو کفارِ قریش نے ان کا راستہ روک لیا کہ تم نہیں جاسکتے۔ تو آپؓ نے ان سے فرمایا کہ دیکھو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو، کہ میں تم میں سب سے بڑا تیر انداز ہوں، جب تک ایک بھی تیر میرے ترکش میں باقی رہا تم لوگ میرے قریب نہیں آسکو گے، اور جب تیر ختم ہو گئے تو میں تمہارے ساتھ اپنی تلوار سے لڑونگا، جب تک میرے اندر تلوار اٹھانے کی سکت رہی، اور جب اس سے بھی رہ گیا، تو پھر تمہاری مرضی، تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کر لینا، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اور اگر تم لوگ مال چاہتے ہو، تو آؤ میں تم کو اپنے مال کا پتہ دے دیتا ہوں، جا کر لے لو، اور میرا راستہ خالی کر دو۔ تو ان لوگوں نے آپؓ کی یہ بات مان لی، اور وہ مال کے بدلے آپؓ کا راستہ خالی کرنے پر راضی ہوگئے، اور آپؓ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنا سب مال و دولت ان کے حوالے کر کے خالی ہاتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور وہاں پہنچ کر اپنا سب ماجرا آنحضرت - ﷺ - کی خدمت میں پیش کیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ "رَبِحَ الْبَيْعُ اَبَا يَحْيٰى، رَبِحَ الْبَيْعُ اَبَا يَحْيٰى" "ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہوگیا، ابو یحییٰ تمہارا یہ سودا کامیاب ہوگیا" اور فرمایا کہ تمہارے بارے میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَرِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ - سو اللہ پاک کی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا، خسارے کا نہیں سراسر نفع کا سودا ہے کہ اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کی رضاء و خوشنودی دارین کی فوز و فلاح کی ضامن اور کفیل ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہر کیف اس سے مومن مخلص کا نمونہ پیش فرمایا گیا ہے۔

۵۷۳ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی

مہربان ہے اتنا مہربان کہ اس کی عنایت و مہربانی کا کوئی کنارہ نہیں - سبحانہ وتعالیٰ - اور یہ اسی کے اس کرمِ بے پایاں کا ایک مظہر ہے کہ وہ غنی مطلق اہلِ ایمان سے ان کے جان و مال خریدتا ہے، کہ اس کے عوض ان کو وہ جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے نوازے، حالانکہ بندے خود اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے، وہ سب کا سب بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی ملکیت ہے۔ بندہ سے صرف اسی قدر مطلوب ہے کہ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اس کی اطاعت و بندگی قبول کرے، اور اسی کا ہو کر رہے۔ اور اپنے خالق و مالک سے کئے گئے اس سودے پر خوش و خرم رہے اور بس - ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ﴾ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی عبادت و بندگی اور رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین- سو وہ وحدہٗ لاشریک اپنی اسی رافت و رحمت اور مہربانی کی بناء پر اپنے بندے پر اسکی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا، اور اگر بندے سے اسکے بشری تقاضوں کی بناء پر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو وہ اسکو معاف فرما دیتا ہے۔ اور اسکی رحمت و عنایت اس کے سخط و غضب پر غالب ہے- سبحانہ وتعالیٰ-

۵۷۴ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا حکم و ارشاد: -سو اس سے اسلام کے حظیرۂ قدس میں پورے کے پورے داخل ہونے کا حکم و ارشاد فرمایا گیا ہے، چنانچہ ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اسلام میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے۔ اپنے عقیدہ و عمل اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے۔ اور زندگی کے تمام احکام و مسائل میں اسلام ہی کی طرف رجوع کرو۔ یہ نہیں کہ کچھ احکام یہاں سے لو، اور کچھ وہاں سے، اور کسی کام کیلئے ادھر رجوع کرو، اور کسی کے لئے ادھر۔ روایات میں ہے کہ اہلِ کتاب میں سے بعض حضرات نے ایمان لانے کے بعد ایک موقع پر آنحضرت ﷺ - سے یہ درخواست کی کہ اگر ہم تورات کے بھی کچھ ایسے احکام پر عمل کر لیں جو کہ اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں ہیں، تا کہ اس طرح دونوں کتابوں پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کر لیں، تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا؟ مثلاً یہ کہ شریعتِ موسویہ کے مطابق سبت کی بھی تعظیم کر لیا کریں، اونٹ کا گوشت کھانے، اور دودھ پینے، سے بھی پرہیز کریں، اور تورات کی بھی تلاوت کرتے رہیں، وغیرہ۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، جس میں بتا دیا گیا کہ ایسے کسی خیال کی دینِ حق اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ دین ہر طرح سے کامل و مکمل ہے۔ لہٰذا اس میں اس طرح کی کسی بھی پیوندکاری کی نہ کوئی ضرورت ہے، نہ گنجائش، بلکہ سعادت اور نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے، کہ اسلام میں داخل ہونا ہے تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور اس میں کسی بھی طرح کی کسی آمیزش اور پیوند کاری کا سوچو بھی نہیں۔ پس دینِ حق اسلام میں کسی طرح کے دوسرے نظریات کی پیوندکاری کی نہ کوئی ضرورت ہے نہ گنجائش۔ اور آج جو لوگ نئے نئے نعرے لگا کر اپنی سیاسی دوکانداری چمکا رہے ہیں، مثلاً یہ کہ اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، اور سوشلزم ہماری معیشت ہے، وغیرہ۔ تو وہ سب کچھ اس ارشادِ ربانی کے خلاف ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کہ بندوں سے یہی مطلوب ہے کہ وہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

کہ بے شک وہ تمہارا دشمن ہے کھلم کھلا، ۵۷۵ پس اگر تم لوگ پھسل گئے (راہ حق و صواب سے) ان کھلی

جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾

نشانیوں کے بعد، جو کہ پہنچ چکیں تمہارے پاس، تو تم یقین جان لو کہ (تمہیں اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں چھڑا سکے گا کہ) بے شک اللہ بڑا ہی

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ

زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے ۵۷۶ تو کیا اب یہ لوگ اسی (آخری انجام) کے منتظر ہیں کہ آجائے ان کے پاس اللہ، بادلوں کے سایہ

۵۷۵ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یقیناً وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے کہ اس نے اپنی انسان دشمنی کو چھپایا نہیں، بلکہ علی الاعلان اسکا اظہار کیا، اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ کے سامنے کہا اور اسکی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ "میں ان سب کو گمراہ کر کے چھوڑونگا، بجز تیرے ان چنے ہوئے خاص بندوں کے جن پر میرا زور نہیں چل سکے گا" کہ وہ تو بہرحال میرے حملوں اور میرے اِغواء و اِضلال کے پھندوں میں نہیں پھنسیں گے، ورنہ باقی کسی کو نہیں چھوڑوں گا جیسا کہ سورہ صٓ میں اس بارے ارشاد فرمایا گیا- ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ، اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ﴾ (صٓ: ۸۲-۸۳)۔ سو اطاعتِ کامل کا یہی راستہ امن و سلامتی کا راستہ ہے، اور جو لوگ اسکو چھوڑ کر کوئی اور راہ نکالنا چاہتے ہیں، اور وہ بیک وقت کفر اور اسلام دونوں سے راہ و رسم رکھنے کے خواہش مند ہیں، وہ شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے ہیں، اور شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس لیے اس نے روزِ اول ہی سے اسکی راہ مارنے اور گمراہ کرنے کا کھلم کھلا الٹی میٹم دے رکھا ہے- والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال-

۵۷۶ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز و حکیم کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے:- پس اس کی گرفت اور پکڑ سے نہ کوئی نکل سکتا ہے اور نہ کہیں بھاگ کر بچ سکتا ہے، مگر وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لئے فوراً نہیں پکڑتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے۔ سو اس کی پکڑ بھی بڑی سخت اور نہایت حکیمانہ ہوتی ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- -اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِیْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فی الحیاۃ، یَا مَنْ رَّحْمَتُهٗ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ وَّسَبَقَتْ غَضَبَهٗ- سو اس کے اِمہال اور ڈھیل سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ کوئی مجرم اسکی گرفت اور پکڑ سے کسی بھی طرح بچ نہیں سکتا، الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لے ورنہ اسکی گرفت و پکڑ بڑی ہی دردناک اور سخت ہے- والعیاذ باللہ العظیم-

الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

بانوں میں اور اس کے فرشتے بھی، اور تمام کر دیا جائے سارا معاملہ (اپنی آخری شکل میں؟) ۵۷۷ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؑ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ

سب معاملات، ۵۷۸ پوچھو، بنی اسرائیل سے کہ ہم نے کتنی ہی کھلی نشانیاں عطا کیں ان (ناشکرے

ع ۲۵ ۹

۵۷۷ منکرین کے عناد اور ہٹ دھرمی کا ذکر و بیان :۔ سو منکرین کے عناد اور ان کی ہٹ دھرمی کے ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا اب یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان کے پاس اللہ بادلوں کے سایہ بانوں میں اور اس کے فرشتے بھی اور معاملہ تمام کر دیا جائے؟۔ یعنی امرِ حق کی وضاحت اور اس کے بیان میں تو اب کوئی کمی اور کسر باقی نہیں رہ گئی۔ سب کچھ دلائل و براہین کے ساتھ پوری طرح اور روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے۔ اب بھی اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو گویا اب یہ قیامت ہی کے منتظر ہیں، کہ وہ ان کے پاس آ جائے، اور یہ سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اور اپنے آخری انجام سے ہمکنار ہو جائیں، تو تب مانیں گے۔ سو اس وقت یہ مانیں گے تو ضرور، مگر اس وقت کے اس ماننے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ ایمان ان کے کچھ کام نہیں آ سکے گا۔ اور وہاں کے اس ہولناک عذاب سے بچنے کی ان کے لئے کوئی صورت پھر ممکن نہ ہوگی، جس کا یہاں پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ایمان وہ معتبر ہے جو بالغیب یعنی بن دیکھے ہو جس کا موقع یہ دنیاوی زندگی ہے اور بس۔ اور عالمِ آخرت کا وہ ایمان چونکہ بالمشاہدہ ہوگا اس لیے اس سے انکو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کہ وہ ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالشہود والمشاہدہ ہوگا۔ جو کہ نہ مطلوب ہے اور نہ مفید۔

۵۷۸ جملہ امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف :۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تمام معاملات اور جملہ امور۔ یعنی آج بھی سب امور و معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے، کیونکہ اس کائنات میں حکم و تصرف بہرحال اسی کا چلتا ہے۔ اور یہاں جو بھی کچھ ہوتا ہے، وہ اسی کے حکم و ارشاد سے، اور اسی کی مشیئت کے مطابق ہوتا ہے، اور کل بھی سب امور و معاملات آخری فیصلہ کیلئے اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے، کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾۔ (یٰسین: ۸۳)۔ پس انسان کو اپنے دائرۂ اختیار میں بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، اور ہر معاملے میں اعتماد و بھروسہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہیئے، کہ ہوتا وہی ہے جو اس کو منظور ہوتا ہے، اور ہوگا وہی جو اس کو منظور ہوگا۔ پس ہر کوئی اسی اہم اور بنیادی حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھے، تاکہ اس طرح وہ دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الی سواء السبیل۔ پس بندہ ہمیشہ اس حقیقت کو اپنے پیشِ نظر رکھے کہ میرا معاملہ میرے خالق و مالک سے درست ہو۔ وباللہ التوفیق۔

مِّنْ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ

بے انصافوں) کو، ف۵۷۹ اور جو کوئی اللہ کی نعمت کو بدلے گا بعد اس کے کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئی ف۵۸۰ تو (اسے اس کا بھگتان

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بہرحال بھگتنا ہوگا کہ) بے شک اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے ف۵۸۱ خوشنما بنا دیا گیا دنیا کی زندگی (اور اس کے متاعِ فانی وزائل) کو ف۵۸۲

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ

ان (بدنصیب) لوگوں کے لئے جو اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (وباطل) پر ف۵۸۳ اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ان (خوش نصیب) لوگوں کا جو

مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ

وقف لازم

(اپنے سینوں میں) ایمان (ویقین کا نور) رکھتے ہیں ف۵۸۴ حالانکہ جن لوگوں نے تقویٰ (و پرہیزگاری) کو اپنایا ہوگا، وہ قیامت کے (اس ابدی

الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

فیصلہ کے) دن ان (کافروں) سے کہیں بالا (وبرتر) ہوں گے (اپنے مراتب و درجات کے اعتبار سے) ف۵۸۵ اور اللہ جس کو چاہتا ہے

۵۷۹ بنی اسرائیل کی نشانیوں کا ذکر: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے کتنی ہی کھلی نشانیاں عطاء کیں بنی اسرائیل کو تاکہ حق پوری طرح ان کے سامنے واضح ہو جائے، اور اس کی روشنی میں یہ لوگ اپنی سعادت وکامرانی کی راہیں استوار کر سکیں، اور ظاہر ہے کہ یہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہ ۔ کی طرف سے ان لوگوں کیلئے نعمتِ کبریٰ تھی، جس کا شکر اداء کرنا ان کے ذمے فرض تھا۔ اور اس کا تقاضا تھا کہ یہ لوگ صدقِ دل سے اس پر ایمان لاتے، اور اس طرح یہ دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتے، مگر انہوں نے اس کے برعکس دیدہ و دانستہ اس سے روگردانی کی، اور حق کا انکار کیا، اور اس طرح یہ حرمان نصیبی کا شکار ہو کر سب سے بڑے خسارے میں مبتلا ہو گئے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ اور انہوں نے شکرِ نعمت کی بجائے کفرانِ نعمت سے کام لیکر اپنی قوم کو ہلاکت او تباہی کے ہولناک گڑھے میں اتار دیا جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ﴾ ۔ [ابراہیم: ۲۸-۲۹] ۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار ۔

۵۸۰ کفرانِ نعمت باعث محرومی ۔ والعیاذُ باللہ: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی اللہ کی نعمت کو بدلے گا اس کے بعد کہ وہ اس کے پاس پہنچ گئی تو اس کا انجام بڑا برا ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ یعنی ان کو بلا محنت ومشقت، یہ نعمت از خود نصیب ہو گئی ۔ اس طرح ان کو نعمت پر نعمت، اور کرم بالائے کرم سے نوازا گیا، مگر انہوں نے پھر بھی اس کو نہ مانا، تو اس طرح

انہوں نے حق سے اِعراض و انکار، اور اس کی ناقدری و ناشکری کے دوہرے جرم کا ارتکاب کیا، جس کے نتیجے میں یہ لوگ حق اور ہدایت کی دولت سے محروم ہوگئے کہ کفرانِ نعمت محرومی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو شکرِ نعمت ذریعۂ خیر و برکت اور وسیلۂ سرفرازی ہے جبکہ کفرانِ نعمت ۔ والعیاذ باللہ ۔ باعثِ محرومی اور موجبِ خسران ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ ۔ وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۔ اللہ ہمیشہ اپنا شاکر و ذاکر بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۵۸۱ اللہ کے عذاب سے ڈرنے کی ضرورت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔ پس وہ ایسے بے انصاف اور ظالم لوگوں کو سخت عذاب میں مبتلا کریگا، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی بڑی اور عظیم الشان نعمت کی ناقدری کی، اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے الٹا اسکی توہین کی، اور اس طرح انہوں نے اس کو اپنے لئے گناہ اور عذاب میں اضافے کا باعث بنا دیا۔ سو اس میں ان لوگوں کیلئے سخت وعید ہے جنہوں نے حضرتِ خاتم الانبیاء ۔ ﷺ ۔ کی بعثت و تشریف آوری کے بعد ان پر ایمان نہیں لایا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو اللہ پاک رحمٰن و رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ شدید العقاب بھی ہے اس لیے جہاں اسکی رحمت و عنایت کی امید رکھنا ایمان کا تقاضا ہے وہاں اسکی گرفت و پکڑ سے بچنے کی فکر اور اسکے عذاب سے ڈرنا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی پناہ اور اپنی عنایت میں رکھے اور ہر قسم کے عذاب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۵۸۲ حُبِّ دنیا ہلاکت و بربادی کی جڑ بنیاد ۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بیماری کی جڑ بنیاد دنیا کے متاعِ فانی پر ریجھ جانا اور اس کی محبت میں گرفتار ہو جانا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ پس اس ارشاد سے اصل مرض کی تشخیص فرما دی گئی ہے کہ ان لوگوں کی اس محرومی اور بدنصیبی کی اصل وجہ یہ ہے، کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی اور اسکے متاعِ فانی پر ریجھ گئے، اور انہوں نے اس کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا، جس کی بناء پر یہ اسی کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے انہوں نے آخرت کی اصل، حقیقی اور ابدی زندگی اور اسکے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیا جو کہ خساروں کا خسارہ اور دائمی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو اس فریبِ نظر میں مبتلا ہونے کے باعث اہلِ کفر و باطل اپنے کفر و باطل پر مست و مگن ہیں، اور یہ حق اور اہلِ حق کی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، اور اہلِ حق کی طرف سے جب انکو انکے انجام سے خبردار کیا جاتا ہے، تو یہ اسکو سننے کی بجائے الٹا انکا مذاق اڑاتے ہیں، اور انکو زِچ کرنے کیلئے طرح طرح کی باتیں بناتے، آوازے کستے، اور انکو تنگ کرنے کیلئے طرح طرح کے مطالبات کرنے لگتے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ کلمۂ حق کو سننے ماننے اور اسکو اپنانے سے اندھے، بہرے اور گونگے بن کر رہ جاتے ہیں، جو کہ خساروں کا خسارہ اور دائمی ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے۔ سو راہِ حق و ہدایت سے اِعراض و روگردانی باعثِ ہلاکت و تباہی ہے اور اس کا نتیجہ و انجام بہت برا اور نہایت ہولناک ہے ۔ والعیاذُ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال۔

۵۸۳ کفر و باطل پر اَڑ جانا سب سے بڑا خسارہ، والعیاذُ باللہ:۔ یعنی ایک قسم تو ان کفار کی ہے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور وہ حق کو ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ سو ایسے لوگ کبھی نہ کبھی نورِ حق سے

مشرف ہو جاتے ہیں، اور اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ سو وہ تو قابلِ عتاب و مؤاخذہ نہیں، مگر ایک قسم ان کفار کی وہ ہے جو حق کے بارے میں عقل سے کام لیتے ہی نہیں، اور وہ اپنے کفر و باطل ہی پر اڑے رہتے ہیں، اور وہ اپنے کفر و باطل کے سیاہ اور مہیب دلدل سے نکلنے کو تیار ہی نہیں ہوتے، اور اپنے گھٹا ٹوپ اندھیروں ہی میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں، یہاں تک کہ فرصتِ عمر تمام ہو جاتی ہے، اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سو ایسے بدبخت ہی دوزخ کا ایندھن بنیں گے، اور ایسے ہی منحوس لوگ ہیں جو اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے، اور اس طرح یہ اپنے کفر کی سیاہی کو اور پکا کرتے ہیں، اور اپنے کفر و باطل کی نحوست کی بناء پر وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ خود اپنا ہی نقصان کرتے اور ایک نہایت ہی ہولناک اور ابدی خسارے کی طرف بڑھے جا رہے ہیں، ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ غلط رویے اور غلط راستے سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۵۸۴ اہلِ ایمان کا مذاق اڑانا کفار اشرار کا ہمیشہ کا شیوہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حالانکہ نورِ ایمان کی دولت، جس سے یہ خوش نصیب لوگ سرفراز ہیں وہ دولت ہے جس سے انسان دنیا و آخرت میں کامیابی اور فائز المرامی سے سرفراز و بہرہ مند ہوتا ہے، اور اس کی بناء پر حاملین عرش فرشتے بھی اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں، مگر یہ کفار اشرار ہیں کہ ایسے مؤمنین صادقین کا مذاق اڑاتے، انکی تحقیر و تذلیل کرتے، اور انکی طرح طرح سے دلآزاری کرتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم، سو اہلِ ایمان کا مذاق اڑانا کفار اشرار کا شیوہ اور محرومی کا باعث ہے، والعیاذ باللہ العظیم اور ایسے لوگ اپنی دنیاوی ترقی اور مادی سروسامان کی بناء پر تکبر میں مبتلا ہو کر اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے اور انکی تحقیر کر کے اپنی محرومی کے داغ کو اور پکا اور گہرا کرتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دنیاوی مال و دولت کا یہ پہلو زیادہ باعثِ ہلاکت و محرومی ہے کہ اس سے انسان محروم سے محروم تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۵۸۵ اہلِ تقویٰ کیلئے عظیم الشان درجات کی خوشخبری: ۔ سو اہلِ ایمان کو قیامت کے اس یوم فصل و تمیز میں ایسے عظیم الشان درجات سے نوازا جائے گا کہ یہاں اس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، مگر چونکہ یہ سب کچھ ابھی پردۂ غیب میں ہے، اس لئے نورِ ایمان سے محروم لوگ ایسے متقی اور پرہیزگار لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور خود ان کو جس ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے اس سے یہ لوگ غافل و لاپرواہ اور بے فکر ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ایک طرف تو ان کفار و مشرکین کو تنبیہ ہے جو ان اہلِ حق اور اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ اپنی اس روش سے باز آ کر اپنی اِصلاح اور اپنی آخرت کی فکر کرو کہ تمہارا بھلا اسی میں ہے۔ اور دوسری طرف اس میں اہلِ حق کیلئے تسکین و تسلی کا سامان ہے کہ ایسے کفار و اَشرار کے طعن و تشنیع اور مذاق و اِستہزاء سے تمہیں افسردہ اور دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں، کہ تمہارے لیے رب نے آخرت میں ایسے عظیم الشان درجات تیار کر رکھے ہیں جن کا اس دنیا میں تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ سو ایمان و تقویٰ کی دولت ہی اصل دولت ہے جو دارَین کی سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ اس دولت سے محفوظ و سرفراز رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ

روزی دیتا ہے، بغیر کسی حساب کے ۵۸۶ سب لوگ (شروع شروع میں) ایک ہی طریقے پر تھے ۵۸۷ پھر (ان میں اختلاف پڑنے پر) اللہ

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ

نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا خوش خبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر، اور ان کے ساتھ اپنی کتابیں بھی اتاریں حق کے ساتھ،

بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط

تاکہ (اس طرح) وہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان ان تمام باتوں کے بارے میں، جن میں وہ اختلاف میں پڑے ہوئے تھے ۵۸۸

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ

اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر انہی لوگوں نے جن کو وہ (کتاب حق) دی گئی تھی، اس کے بعد کہ آ چکی تھیں

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ج فَهَدَى اللّٰهُ

ان کے پاس (حق و ہدایت کی) کھلی نشانیاں، محض آپس کی ضد کی وجہ سے ۵۸۹ سو اللہ نے ہدایت سے سرفراز فرما دیا ان لوگوں کو جو

۵۸۶ رزق و روزی کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر۔ سبحانہ و تعالیٰ:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا فرماتا ہے۔ پس نہ تو دنیاوی روزی اور دولت کا مل جانا اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت و شرف اور محبوبیت کا ثبوت ہو سکتا ہے، اور نہ ہی اس کا نہ ملنا اس کے یہاں مبغوض اور غیر محبوب ہونے کی علامت قرار پا سکتا ہے، بلکہ یہ مسئلہ محض اس کی حکمت و مشیئت پر مبنی و موقوف ہے، جس کے حِکَم و مصالح کا احاطہ اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ البتہ دین و ایمان کی دولت سے سرفرازی ضرور اس کی رضا اور محبت کی علامت ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں نبیِ اکرم ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے صاف و صریح طور پر مروی ہے، کہ "اللہ تعالیٰ دنیا تو اپنے پیاروں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی، مگر دین صرف اسی کو دیتا ہے جو اس کے یہاں محبوب ہوتا ہے" اور دین و ایمان سے سرشار ایسے ہی حضرات کو وہ دنیا کی حقیقی عزت و عظمت کے علاوہ آخرت میں بھی بے حد و حساب روزی عطاء فرمائیگا۔ (جامع، صفوۃ البیان وغیرہ)۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو دولتِ ایمان و یقین سے سرفرازی دارین کی فوز و فلاح سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۵۸۷ دینِ فطرت توحید ہی ہے:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شروع میں سب لوگ ایک ہی دین یعنی توحید ہی پر تھے اور سب ایک ہی طریقے پر یعنی دینِ حق اور توحید خداوندی پر تھے جو کہ دینِ فطرت ہے اور حضرتِ آدمؑ نے اپنی اولاد کو اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی تھی۔ اور یہی تقاضائے عقل و فطرت بھی ہے، کہ وہ دینِ فطرت ہی کو اپنائیں، سو غلط اور بے حقیقت و بے بنیاد بات کہتے ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ شروع میں لوگ شرک یا تعدد الٰہ کے عقیدہ و نظریہ پر قائم تھے۔ والعیاذ باللہ۔ قرآنِ حکیم نے صاف و صریح الفاظ میں اور CLEAR CUT طور پر بتا دیا کہ شروع میں

سب لوگ ایک ہی طریقہ یعنی عقیدۂ توحید اور دینِ حق ہی پر قائم تھے، اور یہی قول جمہور علماء ومفسرینِ کرام کا ہے۔ (ابنِ جریرؒ، ابنِ کثیر، مدارک، کبیر، جامع، مراغی، روح، وغیرہ)۔ بعد میں جب لوگ اِتباعِ ہَویٰ، باہمی ضد وعناد، وغیرہ مختلف عوامل کی بناء پر اختلاف میں پڑ گئے اور وہ مختلف گروہوں، گروپوں اور طرح طرح کے خود ساختہ دینوں اور طریقوں میں بٹ گئے، تو حق تعالیٰ نے ان کی اصلاح و رہنمائی کیلئے اپنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ تاکہ وہ ان کی اِصلاح کریں اور ان کو راہِ حق وصواب کی طرف واپس لائیں۔ جیسا کہ سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا﴾ - (یونس: ۱۹)۔ سو جب لوگ اختلاف میں پڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اختلاف کو رفع کرنے اور ان کو پھر سے راہِ حق و ہدایت پر ڈالنے کیلئے اپنے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان پر آسمانی کتابیں بھی اتاریں تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک ہی دین دیا اور ایک ہی امت بنایا، جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا - ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ الاٰیة اور یہی دین وہ دین ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ الاٰیة یہی دینِ فطرت ہے جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا فرمایا۔ اور یہی دین اس نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے دنیا کی ہدایت و راہنمائی کیلئے نازل فرمایا۔ اس نے اسلام کے سوا نہ کسی دین کو پسند فرمایا، اور نہ ہی امتِ مسلمہ کے سوا کوئی اور امت بنانا چاہی۔ اسکے یہاں دین صرف اسلام ہے اور امت صرف امتِ مسلمہ ہے، اور اسلام ہی اس پوری کائنات کا دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے - ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا﴾ الاٰیة (آلِ عمران: ۸۳)۔

۵۸۸ رفعِ اختلاف کا طریقہ کتابُ اللہ کی طرف رجوع:- عقائد اور اعمال وغیرہ سب میں۔ معلوم ہوا کہ فیصلہ اور رفعِ اختلاف کیلئے اصل طریقہ یہی ہے کہ کتابِ الٰہی کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ الاٰیة [شوریٰ: ۱۰] ''اور جس کسی چیز میں بھی تمہارا اختلاف ہو جائے، اس کا فیصلہ اللہ ہی کے حوالے ہے''۔ پس مسلمانوں کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے اختلافات کو رفع کرنے کیلئے کتاب وسنت ہی کی طرف رجوع کریں۔ یہی طریقہ ہے صحت اور سلامتی والا، اور اسی کے ذریعے حقیقت اور حق کی معرفت اور حق تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے۔ بہرکیف شروع میں سب لوگ ایک ہی طریقہ یعنی دینِ فطرت پر تھے اور عقلِ خالص کی روشنی اسکی تصدیق وتائید پر موجود تھی، مگر بعد میں جب انہوں نے مختلف اَہواء واَغراض کی بناء پر اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکی ہدایت و رہنمائی کیلئے انبیاء و رسل بھی مبعوث فرمائے اور ان پر اپنی کتابیں بھی اتاریں، تاکہ انکی روشنی میں لوگ راہِ حق و ہدایت کی طرف رجوع کر سکیں۔

۵۸۹ ضد اور حسد باعثِ محرومی - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ لوگ باہمی ضد اور حسد کی بناء پر اختلاف میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس طرح انہوں نے اللہ کی کتاب کو بھی جو کہ ان کی اِصلاح اور توحِید کلمہ کے لئے آئی تھی، اختلاف وشقاق کا ذریعہ بنا دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - مگر افسوس کہ آج یہی مرض اس امتِ مرحومہ اُمّتِ مُحمّدیہ عَلٰی صَاحِبِهَا اَلْفُ اَلْفِ تَحِيَّةٍ - میں بھی موجود ہے اور پوری شدت سے موجود ہے، جس کے نتیجے میں یہ امت آج جگہ جگہ اور طرح طرح سے پٹتی اور مار کھاتی جا رہی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ضد اور حسد محرومی کا باعث اور خسارے کا سودا ہے، اور اسکی بناء پر انسان حق و ہدایت کی ابدی اور بے مثال دولت سے بھی محروم ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ - سو اصل چیز ہے انقیاد وتسلیم - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید -

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ

ایمان (کی روشنی) رکھتے تھے ف۵۹۰ اس حق (وصواب) کے لیے جس کے بارہ میں یہ لوگ اختلاف میں پڑے ہوئے تھے، اپنے اذن سے

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اور اللہ (اپنے کمالِ علم وحکمت کی بناء پر) جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے ہدایت (کے نور) سے، سیدھے راستے کی طرف، ف۵۹۱

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ

کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم لوگ یونہی (بغیر کسی محنت ومشقت کے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ ف۵۹۲ حالانکہ تم پر ابھی تک ان

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ

حالات کا گزر نہیں ہوا، جو پہنچے ان لوگوں کو جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے؟ ف۵۹۳ ان پر (ایسی ایسی) سختیاں آئیں،

الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ

مصیبتیں گزریں، اور ان کو اس طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا گیا، کہ ان کے پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ

ایمان لائے تھے، چیخ اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ (تب ان کو تسلی دی گئی کہ) بے شک اللہ کی مدد

قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ

قریب ہے، ف۵۹۴ پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر!) کہ کیا خرچ کریں، تو کہو کہ جو بھی کچھ مال تمہیں

۵۹۰ نورِ ایمان باعث نجات وسرفرازی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے ہدایت سے سرفراز فرما دیا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے تھے۔ اور اس بناء پر اس نے ان کو سعادت وکامیابی کی راہ پر ڈال دیا۔ ان کی اپنی نیک نیتی، اور سلامتیٔ فکر کی بناء پر۔ کیونکہ وہ دلوں کے حال کو جاننے والا ہے، اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس تم لوگ ہمیشہ اسی بات کی فکر وکوشش میں رہا کرو کہ اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ تمہارا معاملہ درست رہے۔ عقیدہ وعمل اور ظاہر وباطن ہر لحاظ و اعتبار سے۔ وَاِیَّاکَ فَنَسْاَلُ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ لِذَالِکَ وَالسِّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَیْہِ"۔ بہرکیف نورِ ایمان کی دولت سب سے بڑی دولت ہے جو سعادتِ دارین کی کفیل ہے جبکہ اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۵۹۱ ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے سیدھے راستے کی۔ کیونکہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ سے ہمکناری وسرفرازی بنیادی طور پر موقوف ہے اس طلبِ صادق پر جو کہ انسان کے دل کے اندر پائی جاتی

ہے، اور وہ وحدہٗ لاشریک دلوں کے حالات اور ان کی نیتوں کو پوری طرح جانتا ہے، اور اسی کے مطابق وہ فیصلہ فرماتا ہے۔ پس جو سچے ہوتے ہیں وہ نوازے جاتے ہیں، اور جو ایسے نہیں ہوتے وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو یہی مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا کہ اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت سے نوازتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس سے پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کی اصلاح اور اس کے بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۵۹۲ سنت ابتلاء و آزمائش کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟۔ یعنی نہیں ایسا نہیں ہونے کا، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اسکے دستورِ عام کے خلاف ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے گزارتا ہے، تاکہ کھرے اور کھوٹے میں علیحدگی اور تمیز ہو سکے۔ ﴿لِیَمِیزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾۔ اور اسی ابتلاء و آزمائش کے بعد جو جس کے لائق ہوتا ہے اس کو اس سے نوازا جاتا ہے جو کہ تقاضا ہے اسکے قانونِ عدل و انصاف کا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو کھرے کھوٹے اور صحیح اور غلط کے درمیان فرق و تمیز کا ذریعہ ابتلاء و آزمائش کی کسوٹی ہی ہے۔ اور اسی سے ظاہر اور واضح ہو جاتا ہے کہ انعام کا مستحق کون ہے اور سزا کا مستوجب کون؟۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس سے سنتِ ابتلاء و آزمائش اور اس کی غرض و غایت کو ذکر و بیان فرما دیا گیا ہے۔

۵۹۳ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کیلئے ایک اور بے لاگ: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کا قانون عام اور بے لاگ ہے۔ اور وہ سب کیلئے یکساں ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت خباب بن الارتؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں کا یہ حال رہا ہے، کہ ایک شخص کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسموں سے گوشت اور ہڈیوں کو الگ کر دیا جاتا تھا، مگر اس کے باوجود وہ لوگ دین سے نہیں پھرتے تھے (بخاری، کتاب الاکراہ)۔ اور خود اس امت کے اندر بھی ابتلاء و آزمائش کے بہت سے واقعات پیش آئے۔ غزوۂ اُحد میں اور غزوۂ اَحزاب و حُنین وغیرہ میں، جن کا ذکر قرآنِ حکیم میں مختلف مقامات پر فرمایا گیا ہے، مثلاً غزوۂ اَحزاب کی تصویر سورۂ اَحزاب کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲ میں اس طرح پیش فرمائی گئی ہے "جبکہ دشمن تم پر ہر طرف سے چڑھ آئے تھے" وغیرہ وغیرہ۔ سو اللہ تعالیٰ ابتلاء و آزمائش کے ایسے مختلف اور صبر آزما مراحل سے گزار کر کھرے کھوٹے کی تمیز کا سامان کرتا ہے، اور ہر کوئی اپنے ایمان و یقین کے مطابق درجات و مراتب سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں۔

۵۹۴ ہر تنگی کے بعد آسانی کا مژدہ: ۔ سو ان کو یہ بشارت سنائی گئی کہ بے شک اللہ کی مدد قریب ہے کہ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ کا دستور یہ ہے کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ۔ ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾۔ پس تم صبر و استقامت سے کام لو، اے مسلمانو! اللہ کی نصرت و مدد اور فتح و ظفر تمہیں پہنچنے والی ہے، اور جب اللہ کی مدد تمہیں مل گئی تو تمہیں پھر اور کسی کی پرواہ ہی کیا ہو سکتی ہے۔ پس تمہارا اصل مطمحِ نظر یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے اس خالق و مالک کے ساتھ جو کہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے اسکے ساتھ اپنا رشتہ و تعلق ہمیشہ درست رہے جو کہ عبدیت و اطاعت کا رشتہ ہے جسکے نتیجے میں تمہیں اسکی معیت کا شرف حاصل ہوگا اور اسکی نصرت و امداد سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ اور جب اللہ کی معیت اور اس کی نصرت و امداد سے سرفرازی نصیب ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے کہ یہ چیز تو سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

خرچ کرنا ہو تو وہ حق ہے تمہارے ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں،

وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ

اور مسافروں کا، ۵۹۵ اور (یاد رکھو اور مطمئن رہو کہ) جو بھی کوئی بھلائی تم لوگ (صدق و اخلاص سے) کرو گے، تو (اس کا اجر و ثواب تم

بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ

یقیناً پاؤ گے کہ) بے شک اللہ اس کو پوری طرح جانتا ہے ۵۹۶ تم لوگوں پر فرض کر دیا گیا (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنا، ۵۹۷ جو کہ تمہیں (طبعاً) ناگوار

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَ

ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو، مگر (حقیقت میں) وہی تمہارے لئے بہتر ہو، اور

عَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو مگر (حقیقت کے اعتبار سے) وہی تمہارے لئے بری ہو، اللہ

يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ ع يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ

جانتا ہے (سب کچھ) اور تم لوگ نہیں جانتے، ۵۹۸ پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے (اے پیغمبر!) حرمت والے

۲۶ ع ۱۰

۵۹۵ جواب علی اسلوب الحکیم کا ایک نمونہ: ـ سو ایسے جواب کو "جواب علی اُسْلُوْبِ الْحَکِیْم" کہا جاتا ہے۔ یعنی حکیمانہ انداز سے جواب دینا، یعنی جواب میں وہ پہلو اختیار کرنا جو کہ سائل کیلئے زیادہ مفید اور بہتر ہو۔ یہاں پر سوال یہ تھا کہ کیا خرچ کریں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان اور ان لوگوں پر خرچ کرو۔ یعنی خرچ جو بھی کچھ کرنا ہو کرو، وہ تمہاری اپنی مرضی و اختیار، اور حالات پر منحصر ہے، کیونکہ نفلی صدقات میں صدقہ کرنے والے کا اپنا ارادہ اور اس کی صوابدید ہی اصل بنیاد ہوتی ہے، مگر تم خرچ جو بھی کچھ کرو، وہ ان اور ان مصارف میں کرو، تاکہ وہ اپنے صحیح محل اور مصرف میں لگے، اور تمہارے لئے محفوظ ہو جائے، اور زیادہ سے زیادہ کار آمد ثابت ہو، کیونکہ صدقہ و خیرات اگر صحیح مصرف میں نہ لگے تو وہ مفید اور بہتر نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ مکتوب الیہ تک وہی خط پہنچ سکتا ہے جس کو صحیح طور پر لیٹر بکس میں ڈالا جائے، ورنہ غلط جگہ ڈالنے سے وہ بیکار ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔ ان کا سوال تھا کہ کیا خرچ کریں تو جواب دیا گیا کہ جو کچھ بھی خرچ کرو وہ ان ان مصارف میں خرچ کرو۔ تاکہ تمہارا انفاق صحیح اور تمہارے لیے مفید ہو۔

۵۹۶ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ و ذکر: ـ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر بھلائی کو پوری طرح جانتا ہے۔ تو جب اس ربِّ غفور و شکور کے کمالِ علم اور اس کی شانِ کرم و عطاء اور قدر دانی کا یہ عالم ہے

سبحانہ وتعالیٰ- تو پھر تمہیں فکر وتشویش کی کوئی ضرورت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ بلکہ عمل کی ضرورت ہے، جتنا بھی ہو سکے۔ پس اس کی رضاء وخوشنودی کیلئے عمل کرتے جاؤ، وہ محفوظ فرماتا جائیگا، تاکہ وہ تم کو اسکے اجرِ جزیل سے نوازے، کیونکہ اس کی شان ہی عطاء ونوال ہے- سبحانہ وتعالیٰ - ہر لحظہ اس کے جو خزانے تقسیم ہوتے ہیں، ان کا شمار بھی کسی کے بس میں نہیں، اور اس کا صاف اور صریح وعدہ ہے کہ میں کسی بھی عامل کا عمل اور اس کا اجر وثواب ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے- ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾ الاٰية [آل عمران۔۱۹۵] نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا- ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه﴾- [الزلزال:۷] پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے کام کیے جائے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید-

۵۹۷ جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت کا ذکر وبیان:- سو تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تاکہ فتنہ وفساد کی جڑ کٹ سکے، اور حق کا بول بالا ہو، اور باطل والے حق کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈال سکیں، جیسا کہ عام دواؤں سے جب فائدہ نہیں ہوتا تو پھر آخری علاج آپریشن ہی ہوتا ہے، تاکہ جسم کا وہ مسموم حصہ کاٹ پھینکا جائے، اور اس طرح جسم کے باقی اجزاء اس زہر کے اثر سے سالم ومحفوظ رہیں۔ سو اسی طرح جہاد کو سمجھو، جو دنیا کو زہریلے عناصر اور فاسد مواد سے پاک صاف کرتا ہے، تاکہ اللہ کے دینِ حق کا بول بالا رہے اور اسکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے کہ اللہ کا کلمہ ہی بلند وبالا اور سب سے افضل واعلیٰ ہے۔ اور جہاد میں چونکہ جان اور مال دونوں کی قربانی دینا پڑتی ہے اس لیے یہ طبعی طور پر انسان کیلئے گراں اور سخت مشکل چیز ہے، لیکن بعض اوقات بلکہ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ایک چیز انسان کو طبعی طور پر بری لگتی ہے لیکن اسکی بہتری اور بھلائی کا سامان اسی میں مضمر ہوتا ہے۔ سو "جہاد فی سبیل اللہ" بھی ایک ایسی عظیم الشان اور بے مثال عبادت ہے جو انسان اور خاص کر مسلمان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ہے، کہ اس سے دنیا سے شر وفساد کے عناصر کا قلع قمع ہوتا ہے۔ حق کا بول بالا ہوتا ہے اور مسلمان کو دنیاوی عزت وکرامت بھی نصیب ہوتی ہے، اور آخرت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی بھی۔ اور اگر اس سے گریز وفرار اختیار کرلیا جائے تو تمام انسانی اقدار بالکل تباہ ہوکر رہ جاتی ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- سو جہاد فی سبیل اللہ ایک عظیم الشان فریضہ ہے۔

۵۹۸ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری طرح جانتا ہے ہر چیز کو:- پس تم اپنی پسند اور ناپسند، اور گوارا اور ناگوار ہونے کو کبھی بنیاد نہ بناؤ، بلکہ اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کے احکام وفرامین ہی کو بناؤ کہ تمہاری بہتری اور بھلائی بہرحال اسی کے حکم وارشاد میں ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ خواہ تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے، کہ اس کا ہر حکم وارشاد بہرحال حق وصدق اور تمہاری خیر اور بھلائی ہی پر محیط ومشتمل ہوتا ہے۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو ہر چیز کو اسکے ظاہر وباطن، حال ومآل ہر اعتبار سے جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے- سبحانہ وتعالیٰ - اور تم لوگ نہیں جانتے۔ سو دنیاوی اعتبار سے اگرچہ تم لوگ بھی ظاہری طور پر اور مادی پہلو کے لحاظ سے بہت کچھ جانتے ہو، لیکن حق اور حقیقت کے اعتبار سے اور مآل وانجام اور نہایت وعاقبت کے لحاظ سے تم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کے علم وادراک اور اطلاع وآگہی پر انسان کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا مدار وانحصار ہے، اور یہ سب کچھ جاننا اللہ کے سوا اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا تم لوگ ہمیشہ اور ہر حال میں اس خالق ومالک کی تعلیمات وہدایات پر یقین واعتماد رکھو کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ اور اس کے ارشادات کو دل وجان سے اپناؤ- وباللہ التوفیق-

الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ

مہینے میں لڑائی کے بارے میں، ف۵۹۹ تو (ان سے) کہو کہ اس میں لڑنا بہت برا ہے، ف۶۰۰ مگر اللہ کی

۵۹۹ منکرین کا ایک اعتراض اوراس کا جواب: -سواس سے حرمت والے مہینے کے بارے میں منکرین ایک سوال و اعتراض اوراس کے جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے، کہ اس میں لڑائی کرنا کیسا ہے؟ صحیح ہے یا غلط؟ جائز ہے یا ناجائز وغیرہ۔ روایات کے مطابق نبئ اکرم- صلی اللہ علیہ وسلم - نے غزوۂ بدر سے کوئی دو ماہ پیشتر اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں آٹھ یا بارہ آدمیوں کا ایک جتھا کفار کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ ان حضرات کا مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع وادئ نخلہ کے مقام پر کفارِ قریش کے ایک قافلے سے مقابلہ ہوا، جو طائف سے سامانِ تجارت لے کر لوٹ رہا تھا۔ اس حملے میں کفار کے ان رؤسا میں سے جو اس قافلے میں موجود تھے، عمرو بن الحضرمی مارا گیا، اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ گرفتار ہو گئے، اور صحابۂ کرام یہ ساز و سامان، اور ان قیدیوں کو لیکر آنحضرت ﷺ - کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے یہ تاریخ یکم رجب کی تاریخ تھی جو کہ "اشہرِ حرم" میں سے ہے۔ جبکہ صحابہ ءکرام نے اس کو جمادی الثانیہ کی تیسویں سمجھ رکھا تھا، مگر چاند انتیس کا ہو جانے کی وجہ سے رجب کی یکم ہو چکی تھی، جس کا ان حضرات کو علم نہیں تھا۔ اس پر کفار نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ لوگ اشہرِ حرم میں بھی جنگ کرنے سے نہیں چوکتے، تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (ابنِ کثیر، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ تو اس سے کفار کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا گیا کہ جو لوگ اس واقعے کی آڑ میں اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف کر رہے تھے، کہ یہ واقعہ جو غلط فہمی کی بناء پر پیش آ گیا، تو تم لوگوں کو برا لگ رہا ہے، لیکن تم لوگ خود اپنے آپ کو نہیں دیکھتے، کہ تم نے کتنے بڑے اور کیسے کیسے ہولناک جرائم کا ارتکاب کیا ہے، اور کر رہے ہو۔ اللہ کی راہ سے روکنا، اس کے گھر میں عبادت کرنے سے منع کرنا، اوراس کے ساتھ کفر کرنا، وغیرہ وغیرہ، جو کہ اس سے کہیں بڑھ کر بڑے گناہ ہیں، تو دوسروں کے تنکوں پر شور مچانے والوں کو اپنی آنکھوں کے یہ شہتیر آخر کیوں نظر نہیں آتے؟ اور ان کی اس طرف توجہ کیوں نہیں ہوتی؟۔ سو دوسروں پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے آپ کو دیکھو۔

۶۰۰ حرمت والے مہینے میں جنگ کرنا بہت برا ہے: - مگر تب جبکہ کوئی قصداً اور جان بوجھ کر ایسا کرے، جبکہ حضراتِ صحابہءکرامؓ نے قصداً ایسے نہیں کیا تھا، بلکہ خطاء اور لغزش سے ایسے ہو گیا تھا، کہ وہ اس کو پچھلے مہینے کی تیسویں تاریخ سمجھتے رہے تھے، مگر مہینہ انتیس کا ہو جانے کی وجہ سے وہ اگلے ماہ کی پہلی تاریخ ہو چکی تھی، جو کہ "اشہرِ حرم" میں سے تھا۔ تو ان سے اس فعل کا صدور قصد و ارادے سے نہیں، خطاء ولغزش سے ہو گیا تھا۔ اور خطاء و لغزش قابلِ مؤاخذہ نہیں ہوتی، جبکہ تم لوگ جن جرائم کا ارتکاب کرتے ہو وہ سب عمداً اور قصد و ارادہ سے کرتے ہو۔ مگر یہ انسان کی بدبختی اور نفسیاتی کج روی کا ایک شاخسانہ ہے۔ اور خاص کر منکر اور بدنیت انسان کا کہ وہ دوسروں کی چھوٹی بات کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے مگر اپنے بڑے بڑے جرائم کی بھی پرواہ نہیں کرتا اور ان کو معمولی چیز سمجھتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال۔

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

راہ سے روکنا، ف۶۰۱ اور اس کے ساتھ کفر (وشرک) کا ارتکاب کرنا، مسجدِ حرام کا راستہ (خدا پرستوں پر) بند کرنا،

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ

اور جو لوگ مسجد حرام کے حقیقی اہل (اور حق دار) ہیں، ان کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی کہیں بڑھ کر برا ہے ف۶۰۲ اور فتنہ

اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى

(وفساد) تو قتل سے بھی بڑھ کر (جرم) ہے، اور یہ لوگ تم سے لڑتے ہی رہیں گے (اے مسلمانو!) یہاں تک

يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۗ وَمَنْ

کہ تم کو تمہارے دین سے ہی پھیر دیں، اگر ان کا بس چلے، ف۶۰۳ مگر (اچھی طرح سے یاد رکھنا کہ) تم میں سے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

جو بھی کوئی (خدانخواستہ) پھر گیا اپنے دین سے، اور اس نے کفر ہی کی حالت میں جان دے دی،

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

تو اکارت چلے گئے ایسے لوگوں کے سب اعمال، ف۶۰۴ دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی،

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور یہ لوگ یار ہیں دوزخ کے، جہاں انہیں ہمیشہ ہمیش رہنا ہوگا، ف۶۰۵

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے (سچے دل سے)، اور انہوں نے ہجرت کی (اللہ کی رضا کے لئے، اور اپنے دین کی خاطر)، اور

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ

جہاد کیا اللہ کی راہ میں، تو یقیناً ایسے لوگ امید رکھ سکتے ہیں، ف۶۰۶ اللہ کی (رضا و) رحمت کی، اور اللہ

ف۶۰۱ اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب؟: یعنی دینِ حق سے روکنا، جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی جنت تک پہنچنے کا

راستہ اور ذریعہ ہے۔ پس اللہ کے دین سے روکنا اللہ کے راستے سے روکنا ہے جو کہ جرموں کا جرم ہے۔ سو یہ امور تو اس سے کہیں بڑھ کر سنگین گناہ اور ہولناک جرم ہیں، جن کی پرواہ کیے بغیر اور ان سے آنکھیں بند کر کے تم لوگ ایسی چھوٹی بات پر اس طرح کا واویلا کرتے ہو۔ یہ مت ماری اور عناد وہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا'' سو اللہ کی راہ اور اسکے دینِ متین سے روکنا ڈبل جرم ہے کہ اس سے انسان اپنی محرومی کو مزید پکا کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نورِ حق وہدایت سے محروم کرنے کے سنگین اور دوہرے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۰۲ اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت: - پس تم لوگ اپنے جرائم سے آنکھیں بند کر کے دوسروں کی عیب چینی کا ایک کافرانہ رویہ ترک کر کے ذرا اپنے آپ کو دیکھو اور اپنے کرتوتوں پر نظر ڈالو اور خود اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو کہ تمہارا اپنا حال کیا ہے؟۔ سو اس میں منکرین ومعاندین کو اپنے گریبان میں جھانکنے کی دعوت دی گئی ہے کہ جب ان اور ان سب حرکاتِ شنیعہ اور افعالِ قبیحہ کا ارتکاب تم لوگوں نے کیا ہے، اور اب تک کر رہے ہو، تو دوسروں کی آنکھ کا تنکا بھی جب تم کو اتنا بڑا نظر آ رہا ہے، تو اپنی آنکھوں کے ان شہتیروں کو تم لوگ آخر کیوں نہیں دیکھتے؟ سو تم لوگوں نے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کفر وشرک کا ارتکاب کیا۔ اللہ کے پاکیزہ اور مقدس بندوں کو مسجدِ حرام کی حاضری وزیارت اور حج کی ادائیگی سے روکا۔ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور ان میں ایک سے بڑھ کر ایک گناہ ہے۔ تو پھر تم لوگ کس منہ سے ایسا سوال واعتراض کر سکتے ہو؟ اور فتنہ یعنی دینِ حق سے پھیرنے کا جرم تو قتل کے جرم سے بھی کہیں بڑھ کر ہے، مگر اسکا ارتکاب تم لوگ کرتے ہو، اور لوگوں کو دینِ حق سے پھیرنے کے لئے تم طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہو۔ والعیاذ باللہ۔

۶۰۳ کفار کی اصل دشمنی حق کے ساتھ - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کفار ومنکرین کی دشمنی دراصل اس دینِ حق ہی سے ہے جس کا امین وپاسدار تم کو بنایا گیا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ﴾ - [الانعام: ۳۳]۔ پس تم کبھی ان کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہونا، اے دینِ حق کے علمبردارو وپاسدارو۔ سو اس ارشادِ ربانی میں ایک طرف تو اہلِ ایمان کو ان کفار ومشرکین کے شرور وفتن سے محتاط اور چوکنا رہنے کی تلقین ہے اور دوسری طرف اس میں اہلِ حق کیلئے یہ تسلی وتسکین بھی کہ یہ لوگ اپنا سارا زور لگانے کے باوجود اہلِ حق کو دینِ حق سے نہیں پھیر سکیں گے۔ ان کی کوشش بہر حال یہی ہے اور یہی رہے گی کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو دینِ حق سے پھیر دیں۔ تاکہ کفر وانکار کے جن ہولناک اندھیروں میں یہ لوگ بھٹک رہے ہیں تم بھی انہی میں مبتلا ہو جاؤ اور نفس وشیطان کی طرف سے ایسے لوگوں کی ملمع سازی کی تائید ہوتی ہے۔ پس تم لوگ اے مسلمانو! ان کے مکر وفریب سے محتاط اور ہوشیار رہنا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۶۰۴ کفر پر مرنے والوں کے سب اعمال اکارت - والعیاذُ باللہ: - پس ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا نہ اس دنیا میں کوئی فائدہ پہنچ سکے گا، اور نہ آخرت میں۔ کیونکہ اس کے لئے اولین اساس اور بنیادی شرط ہے ایمان۔ جس کے نور سے یہ لوگ بوجہ اپنے ارتداد کے محروم ہو گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - پس نہ تو ان کیلئے جان ومال کی حفاظت کا وہ حق

باقی رہے گا جو اس سے پہلے انہیں حاصل تھا، نہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اور نہ ہی انکو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائیگا، اور آخرت میں ان کے کسی عمل پر ان کو کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ اور یہ ہمیشہ کیلئے دوزخی ہونگے - والعیاذ باللہ العظیم- سو ایمان ویقین کی دولت انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند کرنے والی دولت ہے، جبکہ اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - دارین کی محرومی ہے۔ اور ایسے لوگ سخت خسارے میں رہیں گے - والعیاذ باللہ العظیم-

۶۰۵ کفار کیلئے دائمی عذابِ دوزخ - والعیاذُ باللہ: - سو ان کو ہمیشہ ہمیش کیلئے دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں رہنا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ایمان سے محرومی اور کفر کی حالت ہی میں جان دی، اور کفر کی سزا یہی ہے۔ یعنی دائمی عذاب۔ سو ایمان ویقین کی دولت سے محرومی ہر خیر سے محرومی، دائمی نقصان اور ابدی خسارہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم- سو یہاں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس کافر کا یہ ہولناک انجام ہونے والا ہے، وہ کس قدر محروم اور کتنا بڑا بدبخت انسان ہے اگرچہ اس کو دنیا کی اس عارضی اور مختصر و فانی زندگی میں دنیا بھر کی دولت ہی کیوں نہ مل جائے - والعیاذ باللہ - کہ اسکو آخرکار اس ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے۔ سو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس مومنِ صادق کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہوتی ہے، وہ کتنا نیک بخت اور کس قدر خوش نصیب انسان ہے کہ اسکو دوزخ کے اس ہولناک انجام سے بچا کر جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز کردیا جائے گا کہ یہی ہے اصل اور حقیقی کامیابی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ﴾ الأية [آل عمران: ۱۸۵] - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔ سو کفر و کفار کا انجام بہرحال بہت برا ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال-

۶۰۶ مومنِ صادق کیلئے اللہ کی رحمت کی امید: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے حضرات اللہ کی رحمت کی امید رکھ سکتے ہیں، اپنے اخلاص، اور اپنی سعی اور کوشش کی بناء پر، کہ ان کے ذمے جو کچھ تھا وہ اسے بجالائے اور اپنے بس کی حد تک انہوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ وہ کامیاب ہوگئے، اور انہوں نے اپنے رب کی رحمت پالی، اور وہ جنت کے مستحق ہوگئے وغیرہ۔ بلکہ ﴿ يَرْجُوْنَ ﴾ فرمایا گیا ہے یعنی "یہ لوگ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھ سکتے ہیں" کہ اس سے ان کو نوازا جائیگا۔ اور یہ اس لئے کہ بندہ جتنی بھی کوشش و محنت کرے، وہ یقین سے کبھی نہیں کہہ سکتا کہ میرا عمل ایسا ہے کہ اسے لازماً قبول کیا جائیگا، بلکہ وہ صرف امید ہی رکھ سکتا ہے کہ انشاء اللہ میرا عمل شرفِ قبولیت پالیگا۔ دوسرے اس لئے کہ جنت انسان کو اپنے عمل کے بدلے میں نہیں، بلکہ محض اللہ پاک کے فضل و کرم اور اس کی رحمت وعنایت ہی سے نصیب ہو گی۔ جیسا کہ دوسری نصوص میں صراحتاً وارد و مذکور ہے۔ اور یوں بھی جب انسان کا عمل محدود ہے، اور جنت اور اس کی نعمتیں ابدی اور لامحدود، تو پھر وہ اس محدود اور ناقص عمل کا بدلہ کیسے قرار پاسکتی ہیں؟ اس سے تو اللہ پاک اپنے بندوں کو محض اپنے کرم سے نوازیگا۔ البتہ وہ ملے گی انسان کے اسی عمل محدود کی وجہ، اور اس کے سبب سے، جو کہ اس نے اپنی زندگی میں اپنے مالک کی رضا کیلئے کیا ہوگا۔ تو اعمال اس کا سبب ہیں، نہ کہ مقابل اور بدلہ، اور اللہ پاک محض اپنے فضل و کرم سے اپنے مومن بندوں کو اس سے نواز دے گا - سبحانہ تعالیٰ - سو یہ لوگ ایمان، جہاد اور ہجرت کے ان تمام مراحل سے گزرنے کے باوجود اللہ کی رحمت کے حقدار ہونے کا یقین نہیں کرسکیں گے، بلکہ یہ اسکے امیدوار ہی ہوسکتے ہیں۔ سو کسی کو کبھی مست نہیں ہو جانا چاہئے۔ بلکہ خوف ورجا کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنی چاہیے اور یہی صحت وسلامتی کی راہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ

بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ف ۶۰۷ پوچھتے ہیں آپ سے (اے پیغمبر!) شراب اور جوئے کے بارے میں، تو (انہیں)

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ

بتادو کہ ان دونوں چیزوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی، مگر ان کا گناہ ان کے فائدوں سے

مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ

کہیں بڑھ کر ہے، ف ۶۰۸ اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں؟ تو کہو کہ

الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

جو زیادہ ہو (تمہاری اپنی ضرورتوں سے،) ف ۶۰۹ اللہ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنے احکام، تا کہ تم لوگ

تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

(غور و) فکر سے کام لو، اپنی دنیا و آخرت کے بارہ میں ف ۶۱۰ اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں، تو کہو کہ ان کے لئے

عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ

اصلاح (والا طریقہ اپنانا) ہی بہتر ہے، اور اگر تم انہیں (کھانے پینے اور رہن سہن میں اپنے ساتھ) شریک کر لو تو (اس میں

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ

بھی کوئی حرج نہیں، کہ) وہ تمہارے بھائی ہیں ف ۶۱۱ (دینی اور نسبی اعتبار سے،) اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو اصلاح

۶۰۷ اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کی تذکیر و یاد دہانی: - سو اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کی تذکیر و یاد دہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی غفور و رحیم ہے۔ پس جو غلطیاں، کوتاہیاں، بشری تقاضے سے سرزد ہو جائیں، وہ ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور آپؐ کے ساتھی جو مالِ غنیمت لائے تھے، وہ ابھی تک تقسیم نہیں کیا گیا تھا، بلکہ حکمِ خداوندی کے انتظار میں رکھا تھا، تو اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے پر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اس مال کا خمس نکالا، جو بیت المال کیلئے ہوتا ہے، اور باقی غانمین میں تقسیم فرما دیا (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف گناہ جتنے بھی ہو جائیں اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اور رحمت و عنایت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس سے ہمیشہ اس کی مغفرت و بخشش اور رحمت و عنایت کا سوال کرتے رہنا چاہیئے کہ اسکی بخشش اور رحمت ناپید کنار ہے - سبحانہ، وتعالیٰ -

۶۰۸ خمر و میسر کی تقبیح کا ذکر و بیان: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خمر و میسر یعنی شراب اور جوئے کا گناہ انکے فائدوں سے کہیں بڑا ہے کہ شراب سے انسان جوہرِ عقل سے محروم ہو جاتا ہے، جو تمام خوبیوں اور کمالات کی اصل و اساس، اور انسان کیلئے مابہ الامتیاز ہے۔ اور اس جوہر سے محرومی کے بعد انسان طرح طرح کی بدمستیوں میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوتا ہے، اور گالی گلوچ اور بغض وعناد جیسی برائیوں اور بداخلاقیوں میں پھنس جاتا ہے، اور طرح طرح کی ہلاکت خیزیوں کا ارتکاب کرتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جبکہ جوا مال کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ اور باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - واضح رہے کہ یہاں پر جوئے اور شراب کے جن منافع اور فوائد کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد انکے طبی، جسمانی اور مادی فوائد و منافع نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ان اشیاء و اعمال کے مادی اور طبی وجسمانی فوائد کو بیان کرنے کا قرآنِ حکیم سے براہِ راست کوئی تعلق ہی نہیں، کیونکہ اس کتابِ ہدایت کا اصل موضوع و مقصد خلقِ خدا کی ہدایت و رہنمائی ہے نہ کہ مادی اور طبی امور پر بحث کرنا۔ اور دوسرے اس لیے کہ اس طرح کے طبی اور مادی فوائد تو ہر گناہ میں پائے جاتے ہیں، ورنہ انسان گناہ کرے ہی کیوں؟ سو اس بناء پر شراب اور جوئے کے ان فوائد و منافع سے مراد انکے وہ معاشرتی فوائد و منافع ہیں جو اس دور کی شراب نوشی اور جواء بازی میں پائے جاتے تھے۔ سو وہ لوگ اس طرح کے مواقع میں پیسے تقسیم کیا کرتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا۔ سو اس پر ارشاد فرمایا گیا کہ شراب نوشی اور جواء بازی میں اس طرح کے کچھ معاشرتی فوائد و منافع اگرچہ موجود ہیں، لیکن انکا گناہ انکے ان فوائد سے کہیں بڑھ کر خطرناک اور نقصان دہ ہے- والعیاذ باللہ العظیم- سو ایسے مہلک امور سے ہمیشہ دور و نفور رہنا چاہیے۔ یہی مومن کی شان ہے اور اسی میں اس کا بھلا ہے- وباللہ التوفیق-

۶۰۹ انفاقِ عَفو کا حکم وارشاد: -سو اس سے ''عفو'' یعنی ضرورت سے زائد کو خرچ کرنے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے، سو تم اسکو اللہ کی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے خرچ کرو، تاکہ وہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع اور محفوظ ہو جائے، اور تمہیں اس وقت کام آئے جبکہ تم اس کے سب سے زیادہ ضرورت مند، اور محتاج ہوؤ گے، کہ اپنے ہاتھوں کا دیا ہی کام آئے گا باقی سب یہیں رہ جائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے میں اسکو کہاں خرچ کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا اس کو اپنی ذات پر خرچ کرو، اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے تو ارشاد ہوا اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا اسکو اپنے گھر والوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔ اس نے کہا میرے پاس ایک اور ہے تو آپؐ نے فرمایا تم بہتر جانتے ہو یعنی تم جہاں اسکو بہتر سمجھو خرچ کرو۔ (ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب صلۃ الرحم، نسائی، کتاب الزکوٰۃ)۔ سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان اور کتنی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم ہے اس دینِ حنیف کی جس سے قدرت نے ہمیں نوازا ہے۔ اب دیکھئے کہاں یہ تعلیماتِ مقدسہ اور کہاں نفسی نفسی، ذخیرہ اندوزی اور خود غرضی کی وہ مارا ماری جس کا آج دور دورہ ہے- والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف-

۶۱۰ اپنی دنیا و آخرت کیلئے فکرمندی کی ضرورت: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ تم لوگ سوچو اپنی دنیا و آخرت کے بارے میں تاکہ اس طرح تمہیں دنیا میں بھی سعادت مندی نصیب ہو اور تم حیاتِ طیبہ سے بہرہ ور اور سرفراز ہو سکو، اور آخرت میں بھی تمہیں حقیقی کامیابی اور فائز المرامی حاصل ہو سکے، کہ دنیا و آخرت دونوں ہی کی بہتری مقصود ہے۔ پس نہ تو تم لوگ ان ابنائے

دنیا کی طرح ہو جاؤ جو آخرت کو بھول کر دنیا ہی کے لئے جی رہے ہیں، حالانکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، جو کہ حقیقی بھی ہے اور ابدی اور دائمی بھی۔ اور اس کو بھلا دینا ناقابلِ تلافی خسارہ ہے — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور نہ ہی تم ان تارکُ الدُّنیا راہبوں اور جوگیوں کی طرح بن جاؤ جو کہ دنیا کو ایک ''دار العذاب'' قرار دے کر اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں اور عذابوں میں ڈال کر اپنے رب رحیم وکریم کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم کر دیتے ہیں، کہ انتہاء پسندی کا یہ نظریہ بھی جو کہ عقل وفطرت کے خلاف ہے، دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے صحیح نہیں، کہ یہ فطرت کے تقاضوں کے خلاف جنگ ہے۔ جبکہ راہِ حق و صواب ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، جس کی تعلیم دینِ فطرت یعنی اسلام نے دی ہے۔ سو توسط واعتدال اور صدق و صواب کی اس راہ کو پہچاننا اور اس تک پہنچنا اسلام کی سچی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے بغیر ممکن نہیں، کیونکہ اسلام دنیا کو ترک کرنے کا حکم نہیں دیتا، بلکہ یہ سکھاتا اور بتاتا ہے کہ اس کو سب کچھ اور اصل منزل نہ سمجھو، بلکہ اس کو اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو بنانے کیلئے ایک فرصت جانو، تاکہ اس طرح تمہارے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی اور حقیقی کامرانی کا سامان ہو سکے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ — (القصص: ۷۷)۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ اکثر وبیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے جو کہ دنیا وآخرت کی بھلائی کی جامع دعا ہے۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ — (البقرۃ: ۲۰۱)۔ سو توسط واعتدال کی یہ راہ جو دینِ حنیف نے تلقین فرمائی ہے، ہی وہ صحیح راہ ہے جو عقل ونقل کے تقاضوں کے عین مطابق اور دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ اور اسی میں پوری نوع انسانیت کا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۶۱۱ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم وتلقین: — سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم ان کو شریک کر لو تو بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور جب یتیم تمہارے بھائی ہیں تو انکے ساتھ خلط ملط میں کوئی حرج نہیں، کہ ایک بھائی کا دوسرے بھائی کے مال سے خلط ملط رکھنا، اور حسبِ ضرورت وضابطہ اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں جبکہ نیت اس کی ضرر رسانی کی نہ ہو، بلکہ فائدہ پہنچانے کی ہو۔ سو اصل مدار وانحصار نیت اور باطن پر ہے۔ اس لئے اصل اور ہمیشہ نظر اسی پر رکھو، تاکہ اس کا معاملہ صحیح رہے۔ سو یتیموں کے ساتھ لطف وعنایت اور کرم واحسان کا معاملہ مطلوب ہے۔ اسی لیے ان کو بھائی قرار دیا گیا کہ جس طرح تم لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہو اسی طرح ان یتیموں کے ساتھ بھی کرو۔ بہر کیف جب یتیموں کے حقوق اور انکے اموال کی حفاظت سے متعلق دینِ حنیف نے سخت تنبیہات فرمائیں، مثلاً سورۂ نساء کی دسویں آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ ''جو لوگ ظلم وزیادتی کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، اور انکو یقیناً دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا''۔ اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۳۴ میں فرمایا گیا کہ ''تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو، مگر اسی طریقے کے ساتھ جو کہ سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو'' تو ایسے ارشادات کی بناء پر مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر یہ فکر واندیشہ پیدا ہوا کہ ایسے میں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، تو انہوں نے اس بارے سوالات کیے، جن کے جواب میں انکو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ ایسے خلط ملط میں کوئی حرج نہیں۔ اصل جو چیز مقصود ہے وہ ہے یتیموں کے بارے میں بہتری اور اصلاح احوال کا معاملہ۔ وہ جس طرح بھی پورا ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آخر وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ سو اصل معاملہ تمہاری نیت اور تمہاری صوابدید پر ہے کہ مقصود یتیم کی بہتری ہو نہ کہ ضرر وایذا رسانی — والعیاذ باللہ — سو دار و مدار انسان کے قلب وباطن اور اس کی نیت وارادے پر ہے — وباللہ التوفیق لما یحب ویرید —

الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

کرنے والے سے ۶۱۲ اور اگر اللہ چاہتا تو تم لوگوں کو سخت مشقت میں ڈال دیتا ۶۱۳ بے شک اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ

حکمت والا ہے، اور تم لوگ (اے ایمان والو!) مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور

۶۱۲ اپنے قلب و باطن کی دنیا کو درست رکھنے کی ہدایت: - سو قلب و باطن کی دنیا کو درست رکھنے کی ہدایت کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ مصلح اور مفسد ہر ایک کو جانتا ہے:- پس تم لوگ اس سے اپنے دلوں اور اپنی نیتوں کا معاملہ درست رکھو، کہ وہاں پر محض ظاہرداری سے کام نہیں چلے گا کہ وہ باطن کے احوال اور سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے۔ اور پوری طرح جانتا ہے۔ اور اسکو پوری طرح معلوم ہے کہ کون اصلاح کرنے والا، اور کون فساد بپا کرنے والا ہے۔ پس ظاہرداری پر زور دینے کی بجائے اپنی نیتوں اور اپنے بواطن کا معاملہ درست رکھو جس پر اصل مدار و انحصار ہے- وباللہ التوفیق- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ جانتا ہے کہ یتیموں کے اموال کے ساتھ اشتراک اور خلط ملط کرنے سے کس کا مقصد یتیموں کی اصلاح اور انکی بہتری ہے، اور کون اس طرح انکے اموال ہڑپ کرنا چاہتا ہے کہ اس سے کسی کا بھی کوئی معاملہ مخفی نہیں رہ سکتا۔ سو جس نے دینِ متین کی اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، وہ اسکی گرفت و پکڑ سے بچ نہیں سکے گا، کہ وہ ربِ رحمٰن و رحیم بڑا ہی زبردست بھی ہے اور انتہائی عزیز و حکیم بھی- سبحانہٗ و تعالیٰ- پس معاملہ اس سے صاف رکھنے کی ضرورت ہے۔ سو اصل چیز صلح و صفائی اور اصلاح معاملات ہے۔ سو دار و مدار انسان کے اپنے قلب و باطن کے بناؤ بگاڑ پر ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید-

۶۱۳ اللہ تعالیٰ کی تیسیر و عنایت کی تذکیر و یاددہانی:- سو اللہ تعالیٰ کی تیسیر و عنایت کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور اگر اللہ چاہتا تو تم لوگوں کو سخت مشقت میں ڈال دیتا:- سخت اور مشکل احکام نازل کر کے۔ مثلاً اس طرح کہ وہ تم کو یتیموں کے ساتھ مخالطت اور مشارکت کی اجازت نہ دیتا، اور تم کو معمولی اور بلاقصد کی گئی کمی بیشیوں پر بھی پکڑتا، تو تم لوگ یقیناً بہت مشکل اور سخت مشقت میں پڑ جاتے، مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ تمہیں اپنی رحمت و عنایت سے نوازا، کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے- سبحانہٗ و تعالیٰ- پس اسکی ان عنایتوں اور رحمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان کی قدر کرو، اور دل و جان سے تم اسکے حضور جھک جاؤ، اور اس طرح خود اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرو۔ سو اس وحدہٗ لاشریک نے تم لوگوں پر بڑا کرم فرمایا کہ اس نے تمہیں کسی مشقت اور مشکل میں ڈالے بغیر تمہارے لیے یتیموں کی خدمت اور نیکی کی یہ راہ کھولی، بس تم اسکے اس احسان کا شکر ادا کرو، اور اسکے ہر حکم کو پورے صدق و اخلاص سے بجا لاؤ اور اس کی مقرر فرمودہ حدود و قیود کی پوری پابندی کرو تاکہ خود تمہارا بھلا ہو- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

ایک ایماندار باندی ایک مشرک عورت سے بہرحال کہیں بہتر ہے، اگرچہ وہ (مشرک عورت) تم کو اچھی لگتی ہو، ۶۱۴ اور تم (اپنی

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ

عورتوں کو) مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، اور ایک ایماندار غلام ایک (کافر و

مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ

مشرک (آزاد شخص) سے یقیناً کہیں بہتر ہے، اگرچہ وہ (کافر و مشرک) تم کو اچھا لگتا ہو، کیونکہ یہ (کافر و مشرک) لوگ

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ

بلاتے ہیں (دوزخ کی ہولناک) آگ کی طرف ۶۱۵ جب کہ اللہ بلاتا ہے (اپنی رحمت و عنایت کی بناء پر) جنت اور بخشش کی

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ ۵ ۱۱

طرف، اپنے اذن سے، اور وہ کھول کر بیان فرماتا ہے، اپنے احکام لوگوں کے لئے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، ۶۱۶

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے بارے میں، ۶۱۷ تو کہو کہ وہ ایک گندگی ہے، پس تم لوگ دور رہو

النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى

اپنی عورتوں (کی صحبت) سے، حیض کی حالت میں، ۶۱۸ اور ان کے قریب بھی نہ جاؤ، یہاں تک کہ

يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ

وہ پاک ہو جائیں، پس جب وہ اچھی طرح سے پاک ہو جائیں، تو تم ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

حکم دیا ہے، (ان کے پاس آنے کا) ۶۱۹ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے ان لوگوں کو جو (ہمیشہ) توبہ کرتے رہتے ہیں، اور وہ پسند فرماتا

۶۱۴ مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ایک ایماندار باندی ایک مشرک عورت سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک عورت تم کو اچھی لگتی ہو۔ سو اصل قدر و قیمت ایمان و یقین کی ہے:۔ کہ ایمان و یقین کی بے مثل، اور بے بدل، دولت کے مقابلے میں دنیوی مال و منال اور حسن و جمال کی کوئی حیثیت نہیں خواہ وہ کتنا ہی زیادہ اور کیسا ہی دلربا کیوں نہ ہو۔ سو اصل قدر و قیمت ایمان و یقین کی ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اسی کو اپنے پیشِ نظر رکھو اور اسکے مقابلے میں ظاہری حسن و جمال جیسی کسی بھی چیز کو کوئی حیثیت نہ دو کہ یہ سب کچھ بے حقیقت اور فانی اور زائل ہونے والا ہے۔ سو اس ارشادِ عالی سے یہ اصول اور بنیادی تعلیم دی گئی ہے کہ اسلام میں پسند و ناپسند کی بنیاد اور اخذ و ترک کا معیار، نہ ظاہری شکل و صورت ہے نہ حسب ونسب، اور نہ ہی آزادی و غلامی۔ بلکہ صرف ایمان اور عمل صالح ہے اور بس۔ لہٰذا اہلِ ایمان کے ایمان و یقین کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی اصول اور بنیاد کو اپنے پیشِ نظر رکھیں اور اسی کے مطابق آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی کوشش کریں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال۔

۶۱۵ کافر سے حرمتِ نکاح کا حکم، اور اس ضمن میں راقم کے اپنے ایک واقعے کا ذکر: سو اس سے مسلمان عورت کے کافر مرد سے نکاح کی حرمت کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے، اور اس ضمن میں راقم کے اپنے ایک قصے کا ذکر بھی کیا جاتا ہے جس میں بڑا درسِ عبرت وبصیرت ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور ایک ایماندار غلام ایک کافر و مشرک آزاد شخص سے کہیں بہتر ہے اگرچہ وہ کافر اور مشرک شخص تم لوگوں کو اچھا لگے۔ کیونکہ یہ لوگ دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں۔ سو کفار و مشرکین کی دعوت و پکار دوزخ کی ہولناک آگ کی طرف ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ لوگ دوسروں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اپنے قول و فعل سے، کیونکہ کفر و شرک کی جس راہ پر یہ چل رہے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ اور حتمی انجام دوزخ کی آگ ہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اِلَّا یہ کہ وہ سچے دل سے اس سے تائب ہو کر ایمان لے آئیں، اور اسلام کے حظیرۂ قدس میں داخل ہو جائیں۔ پس جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، ان سے مناکحت وازدواج کا رشتہ قائم کرنا جائز نہیں، ورنہ تم بھی ان ہی کے انجام سے دوچار ہو جاؤ گے، جو کہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اسی لئے دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾۔ (ھود: ۱۱۳)۔ مگر افسوس کہ اس قدر صاف وصریح اور قطعی تعلیمات و ہدایات کے باوجود آج کتنے ہی کلمہ گو مسلمان ایسے ہیں جو کہ ہلاکت و تباہی اور نارِ جہنم کی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ یہاں اور وہاں، ادھر اور ادھر، مشرق و مغرب میں، کتنے ہی نام نہاد مسلمان ایسے ہیں جن کی رشتہ داریاں، ہندوؤں، عیسائیوں، رافضیوں، اور قادیانیوں، اور دوسرے مختلف گمراہ اور بے دین لوگوں سے قائم ہیں۔ محض دنیا کے کچھ عارضی فائدوں اور وقتی مفادات کی بناء پر۔ خود یہاں متحدہ عرب امارات میں جہاں راقم گزشتہ کوئی تیس سال سے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے سے قیام پذیر ہے، اور جہاں بیٹھ کر میں اس وقت بھی یہ سطور تحریر کر رہا ہوں، یہاں کچھ ہی سال قبل بعض انگریزی اخبارات میں یہ خبر چھپی کہ روزینہ قمر الدین نام کی ایک نام نہاد مسلمان لڑکی کی شادی گنیش مہندر بھاٹیا نامی ایک ہندو سے ہو رہی ہے، اور کوئی اس سے ٹس سے مس

نہیں ہو رہا۔ کچھ غیرت مند مسلمانوں نے اس بارے میں راقِم آثم سے رابطہ کیا، اور بتایا کہ ایسے ہو رہا ہے۔ اور اگر ایک عرب ملک میں ایسے ہو گیا تو یہ ایک ایسی بُری مثال قائم ہو جائیگی جو آئندہ ہمیشہ کیلئے ایک دردِسر اور عذاب بن جائیگی۔ ملکی سفارت خانے وغیرہ سے رابطہ قائم کیا گیا تو کہیں سے بھی کچھ توقع قائم نہیں ہو سکی۔ ہر ایک نے کہا ہم اس بارے کچھ نہیں کر سکتے۔ اس پر راقِم آثم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، اور اسی کے سہارے و اعتماد پر مختلف طریقوں سے اس بارے کوشش شروع کی۔ یہاں تک کہ اللہ پاک نے کامیابی و سرفرازی سے نوازا۔ وہ رشتہ منسوخ ہو گیا۔ مقامی وزارتِ اوقاف، اور اسلامک سنٹر وغیرہ سے باضابطہ فتوے جاری کرائے گئے۔ ان کو اخبارات میں شائع کرایا گیا، جن کے تراشے (Cuttings) وغیرہ اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں، والحمد للہ اور اس طرح ایک فتنہ جو کہ ایک نئے انداز سے پر پُرزے نکال رہا تھا مٹ گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

۶۱۶ نصیحت کو صدقِ دل سے اپنانا ایک اہم مقصود: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اپنی آیتوں کو لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور تاکہ وہ ان کو اپنا کر، اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنا بھلا کریں اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور ہو سکیں۔ سو نصیحت حاصل کرنا اور درسِ عبرت و بصیرت لینا ایک اہم مقصود ہے۔ سو اللہ پاک اپنے بندوں کیلئے اپنے اَحکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ یہ بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے، ان کی عقلوں کو اپیل کرے اور وہ اسکو صدقِ دل سے اپنا کر اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکیں اور انکو اس حقیقت سے آگہی ہو جائے کہ رشتوں ناطوں کے اثرات زندگی پر سطحی اور سرسری نہیں ہوتے، بلکہ بڑے گہرے اور بہت دور رس ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص انکو نظر انداز کر کے صرف ظاہری حسن و جمال یا مال و منال یا قوم قبیلہ یا وقتی مصالح و مفادات جیسے عوامل ہی کو پیشِ نظر رکھے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ہی خرچے پر اپنے گھر میں ایک ایسی بلا پال لے، جو صرف اسی کے نہیں بلکہ اسکی آئندہ نسلوں کے دین و ایمان کی بھی جڑ نکال دے۔ والعیاذ باللہ۔ شادی بیاہ کے تعلقات نے مذہب، روایات اور تہذیب و تمدن میں جو عظیم تبدیلیاں پیدا کی ہیں تاریخ کے اوراق و صفحات انکے ذکر و بیان سے بھرے پڑے ہیں۔ اس لئے اس بارے پورے حزم و احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ بہر کیف دین حق کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنانا اور نصیحت پر کان دھرنا ذریعۂ سرفرازی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۶۱۷ حیض کے بارے میں سوال کا جواب: ۔ سو اس سے حیض کے بارے میں ایک سوال اور اس کے مبنی برحق و انصاف جواب کا ذکر فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں حیض کے بارے میں کہ ایسی حالت میں عورت سے کیا معاملہ کریں۔ کیونکہ اسلام سے پہلے لوگ اس بارے میں اِفراط و تفریط میں مبتلا تھے۔ یہود اس انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے کہ ایسی حالت میں عورتوں کو اپنے گھر میں رکھنے کے بھی روادار نہ تھے، بلکہ ان کو ایک نجس اور ناپاک مخلوق قرار دے کر اپنے سے الگ کر دیا کرتے تھے، جبکہ نصاریٰ اس بارے تفریط میں مبتلا تھے، کہ وہ ایسی حالت میں ان سے صحبت و مباشرت کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ (المراغی، وغیرہ)۔ اور آج بھی حق و ہدایت کی روشنی سے محروم مادہ پرست دنیا کا حال یہی کچھ ہے، کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کی تسکین و پیروی میں کسی اخلاق و ضابطہ اور حد بندی کے سرے سے قائل اور روادار ہی نہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ جبکہ دینِ حق اسلام نے اِفراط

وتفریط کی ان دونوں انتہاؤں سے پاک ومبرا ایسا طریقہ وراستہ بتایا جو کہ عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، کہ حالتِ حیض میں تم اپنی بیویوں سے صحبت ومباشرت کے سوا باقی تمام تعلقات قائم رکھ سکتے ہو، جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ سو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم کے عین مطابق ہیں۔ اور انہی میں بھلا اور بہتری ہے انسان کے لیے دنیا وآخرت میں۔ فالحمد للہ جل وعلا، الذی بیدہ ازمۃ التوفیق۔

۶۱۸ حائضہ سے تعلقات کے بارے میں خاص ہدایات: سو اسلامی تعلیمات کی رو سے حالتِ حیض میں عورت سے مباشرت کے سوا ہر طرح کے اختلاط کی اجازت ہے۔ یعنی اس حالت میں تم ان سے صحبت ومباشرت نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ باقی تمام تعلقات قائم رکھنا جائز ہے۔ پس ان کے ساتھ کھانے پینے اور رہنے سہنے کے اشتراک میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے ایک طویل حدیث میں جس میں ایک قصہ بھی مذکور ہے۔ اس میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ'' یعنی حالتِ حیض میں تم ان عورتوں سے مجامعت اور ہمبستری کے سوا باقی ہر کام کر سکتے ہو۔ (مسلم، کتاب الحیض)۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ حالتِ حیض میں عورتوں سے علیحدگی اور کنارہ کشی صرف زن وشو کے خاص تعلق کی حد تک ہی مطلوب ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی صورت میں اسکو بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے، جیسا کہ دوسرے مذاہب میں ہے۔ سو اس ضمن میں دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ اِفراط وتفریط کی دونوں انتہاؤں سے پاک، عدل وانصاف اور فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا۔ سو اس طرح اسلام نے صنفِ نازک کو طرح طرح کے مظالم سے نجات دلائی۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بہذا الدین المبارک المجید۔

۶۱۹ فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی تعلیم وتلقین: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب وہ حیض سے اچھی طرح پاک ہو جائیں تو تم ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ یعنی آگے کی جانب سے، جو کہ فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، نہ کہ دبر سے، کہ وہ خباثت کی علامت اور لعنت وپھٹکار کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ چنانچہ حضرتِ نبیِّ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کا ارشاد ہے ''مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَى اِمْرَاَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا'' یعنی ملعون اور لعنتی ہے وہ شخص جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔ (رواہ احمد، وابو داود، بحوالہ معارف للکاندھلویؒ ابن کثیر، والمراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی میں فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے، اور ان کی پاسداری کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے کہ اسی میں بھلا ہے، خود انسان کا، اس کی شخصی زندگی کا اور پورے انسانی معاشرے کا۔ اس دنیا میں بھی اور اس ابدی جہاں میں بھی۔ اور فطرت کے یہ تقاضے چونکہ بدیہی اور واضح ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے معاملات کو انسان کی فطرت پر چھوڑ دیا ہے کہ فطرت اپنے تقاضوں کی تعمیل وتکمیل کے سلسلہ میں کسی راہنمائی کی محتاج نہیں۔ اگر کسی کی فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو تو وہ اسکے تقاضوں کو بالکل صحیح طور پر پورا کر دے گا۔ اسی بناء پر محلِ مباشرت کا حال بھی یہی ہے کہ جس کی فطرت صحیح اور سلامت ہوگی وہ قُبُل ہی سے مباشرت کرے گا۔ اور جو فطرت کو مسخ کر کے دبر سے وطی کرے گا وہ حیوان سے بھی گر جائے گا، کہ ایسا شخص اندھا اور اوندھا بن کر ایسا کام کرتا ہے جو کوئی حیوان بھی نہیں کرتا۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل سوء وانحراف۔ بہر کیف فطرت کے تقاضوں کی صحیح طور پر تکمیل دینِ فطرت کی تعلیماتِ مقدسہ کے بغیر ممکن نہیں کہ فطرت کے تقاضوں کو حضرتِ فاطر۔ جل مجدہٗ۔ ہی صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز

ہے ان لوگوں کو جو پاک صاف رہتے ہیں و۶۲۰ تمہاری بیویاں عظیم الشان کھیتیاں ہیں و۶۲۱ تمہارے (نفع اور بھلے) کے لئے، پس تم آؤ

۶۲۰ طہارت و پاکیزگی کی عظمتِ شان کے ایک اہم پہلو کا ذکر و بیان:- سو اس سے طہارت و پاکیزگی کی عظمتِ شان کا یہ اہم پہلو سامنے آتا ہے کہ یہ محبتِ خداوندی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرفرازی کا ایک اہم ذریعہ و وسیلہ طہارت و پاکیزگی ہے۔ پس تم گناہ اور نافرمانی کی نجاست و غلاظت، اور دوسری ہر طرح کی ناپاکی سے ہمیشہ اور ہر طرح سے بچنے کی کوشش کیا کرو، اور پھر بھی جو کوتاہی ہو جائے اس پر تم ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے رہا کرو، تاکہ اس طرح تم اسکے محبوب بندوں میں شامل اور شمار ہو سکو، کہ اسکی محبت کے حقدار یقینی طور پر وہی لوگ ہیں جو ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں اور جو پاک صاف رہتے ہیں- وباللہ التوفیق- سو توبہ اور تطہر کی دو صفتیں اللہ تعالیٰ کو پسند اور پیاری ہیں۔ توبہ دراصل اپنے باطن کو گناہوں کی آلائشوں سے پاک کرنے کا کام ہے، اور تطہر اپنے ظاہر کو نجاستوں اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔ سو ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب اور پیارے ہیں، جو اپنے ظاہر اور باطن دونوں کے اعتبار سے پاک اور صاف ہوں- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید-

۶۲۱ بیوی انسان کی ایک عظیم الشان کھیتی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہاری بیویاں تمہارے لئے ایک عظیم الشان اور بے مثال کھیتی ہیں۔ سو تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ اور ایسی عظیم الشان کھیتیاں جن کی دوسری کوئی نظیر و مثال ممکن نہیں ہو سکتی۔ جن میں نطفوں کا بے مثل بیج ڈالا جاتا ہے، اور جن سے اولاد جیسی بے مثل نعمت اور سب سے عمدہ پھل سے سرفرازی و سرشاری نصیب ہوتی ہے۔ پس بڑا ہی بدبخت اور ملعون ہے وہ شخص جو نطفہ کے اس بے مثل بیج کو رحمِ مادر میں پہنچانے کی بجائے کسی اور طرح سے ضائع کرے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- پس- ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ کے اس مختصر سے قرآنی جملے نے اپنے اعجاز و ایجازِ بیانی کے ساتھ اَغلام بازی، وطی فی الدُّبُر - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور متعہ وغیرہ جیسی تمام حرام کاریوں کی حرمت پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔ کیونکہ ایسی تمام صورتوں میں عورتوں کے "حرث" اور کھیتی ہونے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - نیز اس ارشادِ ربانی میں اتنی بڑی جامعیت اور معنویت پائی جاتی ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے- انشاء اللہ- اگر قدرت کو منظور ہوا تو اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے انشاء اللہ وباللہ التوفیق- مختصر یہ کہ اپنی اس کھیتی میں تم اس طرح آیا کرو کہ جس طرح ایک اچھا کسان اپنی دنیاوی اور ظاہری کھیتی میں آتا ہے، اور وہ اسکی حفاظت کرتا اور اسکے حسن و جمال میں اضافے کی کوشش کرتا ہے، نہ کہ اسکے بگاڑنے، اجاڑنے اور خراب کرنے کی۔ نیز وہ اپنی کھیتی میں چل پھر کر اور اس کو دیکھ کر اپنے سر در کو دوبالا کرتا ہے۔ سو تم لوگ بھی اپنی اس بے مثال کھیتی سے اسی طرح کا برتاؤ کرو، تاکہ تم اس عظیم الشان کھیتی کے حقیقی فوائد و ثمرات سے پوری طرح بہرہ ور اور متمتع ہو سکو، اور تمہاری یہ عظیم الشان اور بے مثال کھیتی تمہارے لیے دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن سکے۔ نیز اپنی اس عظیم الشان کھیتی کی حقیقت اور اسکے فوائد و ثمرات پر غور کر کے تم لوگ اپنے اس خالق و مالک کا بھی شکر ادا کرو اور دل و جان سے اسکے حضور جھک جھک جاؤ، جس نے اپنی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ اور رحمتِ شاملہ سے تم لوگوں کو حکمتوں بھری ایسی عظیم الشان نعمتوں سے نوازا ہے- فالحمد للہ رب العالمین- اور اس سے متعہ زوجیت کے علاوہ نیک اور صالح اولاد کے اس پھل کی توقع رکھو، جو کہ دارین میں کام آنے والا اور زندگی کا سب سے بڑا پھل ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید-

وَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

اپنی ان کھیتیوں پر جہاں سے (اور جیسے) تم چاہو، اور آگے کی (فکر اور) تیاری کرو اپنے (مستقبل اور اپنے) بھلے کیلئے ۶۲۲ اور (ہمیشہ

مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً

اور ہر حال میں) ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، اور یقین جانو کہ تمہیں بہر حال اس سے ملنا ہے ۶۲۳ اور خوشخبری سنا دو ایمانداروں کو ۶۲۴ اور

لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ

مت بناؤ تم لوگ اللہ (کے نام پاک) کو آڑ، اپنی قسموں کے لئے، کہ (اس کے نام کی قسم کھا کر تم رک جاؤ اس سے کہ) تم نیکی

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

کرو، پرہیز گاری کو اپناؤ، اور لوگوں کے درمیان صلح کراؤ ۶۲۵ اور اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے، اللہ تمہاری گرفت نہیں فرماتا

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

تمہاری بے مقصد (و بے ارادہ) قسموں پر ۶۲۶ مگر وہ تمہاری ان قسموں پر تمہاری گرفت ضرور فرمائے گا، جو تم نے دل کے ارادے سے

۶۲۲ اپنے مستقبل کی فکر کا درس: — سو ارشاد فرمایا گیا اور اپنے لیے آگے کا سامان کرو: — پس عورت کی صحبت اور مباشرت سے محض غریزۂ نفسانی کی تسکین مقصود نہ ہو، جو کہ محض ایک حیوانی فعل ہے۔ بلکہ تم لوگ نیک اور صالح اولاد کا مقصد اپنے سامنے رکھا کرو، تا کہ وہ تمہارے لئے ایک عظیم الشان ذریعۂ خیر بنے۔ اور تمہاری عمدہ یادگار ہو، اور تمہاری عمرِ فانی کیلئے امتداد ثابت ہو، اور تمہاری زندگی کے بعد تمہیں ان کی دعاؤں اور ان کے اعمالِ خیر کا ذخیرہ برابر ملتا رہے۔ جو کہ وہاں کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں تمہیں کام آئیگا۔ کیونکہ صحیح اور مشہور حدیث کی رو سے جن تین کاموں کا مرنے کے بعد بھی کام آنا اور فائدہ پہنچانا مذکور ہے، ان میں سے ایک ہے۔ "وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْا لَه" یعنی وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاءِ خیر کرے۔ اسی لئے صحبت کے وقت یعنی عملِ مباشرت شروع کرنے سے پہلے، اللہ کا نام لینے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے تا کہ وہ اولاد شیطان کے شر اور اس کے اثر سے محفوظ رہے - سبحان اللہ - کیا کہنے اس دینِ عظیم کی عظمتوں اور اس کی رحمتوں اور پاکیزگیوں کے، کہ عورت سے صحبت و ہمبستری جیسے خالص جنسی فعل کو بھی رحمتوں اور برکتوں کا ایک عظیم الشان ذریعہ بنا دیا گیا - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - اس کے علاوہ - ﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾ — کے عموم میں ہر وہ نیک عمل اور اچھا مقصد بھی داخل ہے جو آنے والے وقت میں انسان کو کام دے۔ یعنی نیک اعمال کا ذخیرہ کرتے رہو، جو تم کو آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں سدا بہار نعمتوں سے ہمکنار کرے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ یعنی ہر موقع و

مقام پر اپنی آخرت اور اپنے انجام کو یاد رکھو، اور اس کیلئے فکر و سعی کو اپنے پیشِ نظر رکھا کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید و علی ما یحب ویرید۔ بہرکیف رشتہ زوجیت کو محض ایک حیوانی عمل سمجھنے والے لوگ سخت غلطی پر ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۲۳ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور پیشی کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور یقین جانو کہ تم لوگوں کو بہرحال اس سے ملنا ہے اور وہاں پہنچ کر، اور اس کے حضور حاضر ہو کر تم نے اپنے کئے کرائے کا صلہ و بدلہ بہرحال پانا ہے۔ پس تم لوگ اس بات کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو کہ ہمارے ہر عمل کا کل کیا نتیجہ برآمد ہوگا، اور آنے والے اس ابدی جہاں میں ہمیں اس کا صلہ و بدلہ کیا اور کس شکل میں ملے گا۔ سو اس سے تمہاری اصلاح خود بخود ہوتی جائے گی اور تمہارے اندر انقلاب برپا ہو جائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری اور پیشی کا عقیدہ و ایمان اور اسکی تذکیر و یاددہانی ایک عظیم الشان اور انقلاب آفریں حقیقت ہے۔ اور اس سے غفلت و لاپرواہی ہولناک خسارے کا باعث اور منبعِ شر و فساد ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد میں جہاں ایک طرف ان اہلِ ایمان کیلئے بشارت ہے، جنہوں نے نفس کی تمام تر ترغیبات کے باوجود اس امر کو یاد رکھا، کہ ایک دن انکو اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اسکا پھل پانا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں سرکش اور باغی لوگوں کیلئے وعیدِ شدید اور سخت دھمکی بھی ہے جنہوں نے اس یومِ عظیم اور اسکی باز پرس اور ہولناکی کو پسِ پشت ڈال کر باغیانہ زندگی گزاری کہ اس دن تم لوگوں کو بہرحال اللہ کے حضور پیش ہونا، اور اپنے کیے کرائے کا حساب دینا ہے، اور وہاں اسکی گرفت و پکڑ سے تم کو کوئی نہیں چھڑا اور بچا سکے گا بلکہ اپنا ہی ایمان اور عمل و کردار کام آئے گا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔

۶۲۴ اہلِ ایمان کو خوشخبری سنانے کا حکم و ارشاد: ۔ سو مومنین صادقین کیلئے خوشخبری ہی خوشخبری ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوشخبری سنا دو ایمان والوں کو، لیکن کس چیز کی خوشخبری سنا دو؟ یہ نہیں ذکر فرمایا گیا، جس سے اس کا عموم مستفاد ہوتا ہے۔ یعنی سچا اور پکا ایمان رکھنے والوں کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور کامیابی و کامرانی کا مژدہ ہے، کہ ایمان کی برکت سے ایسے لوگوں کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ "پاکیزہ زندگی" کی سعادت نصیب ہوگی، جس سے وہ طرح طرح کی خیرات و برکات سے متمتع و فیضیاب ہونگے، اور آخرت کے اس جہاں میں جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوگی۔ سبحان اللہ! ۔ کیا کہنے ایمان و یقین کی اس بے مثل و بے بدل دولت اور اس کی عظمتوں اور اس کے ثمرات و برکات اور اسکے منافع و فوائد کے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّهٖ وَكَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۔ اے اللہ ایمان و یقین کی قوت اور اسکی حلاوت و چاشنی سے مزید از مزید سرفراز و مالامال فرما اور ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرما۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۶۲۵ اللہ کے نام کو اپنی قسموں کے لیے آڑ بنانے کی ممانعت: ۔ سو اس سے اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو اپنی قسموں کیلئے آڑ بنانے کی ممانعت فرما دی گئی۔ روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور ان کے داماد حضرت نعمان بن بشیرؓ کے درمیان کسی بات میں تکرار ہو گیا، تو عبداللہ بن رواحہؓ نے قسم کھا لی کہ میں نہ تم سے ملونگا، نہ کلام کرونگا، اور نہ تمہاری کسی بھلائی برائی میں کوئی دخل دونگا۔ اس کے بعد جب کوئی حضرت عبداللہ سے اس

بارے میں بات کرتا تو آپ کہہ دیتے کہ میں نے تو اللہ کے نام کی قسم کھائی ہے۔ لہٰذا میں اس بارے کچھ نہیں کر سکتا۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (معارف، مراغی، صفوۃ وغیرہ)۔ بہرکیف اس میں اس بات سے منع فرمایا گیا ہے کہ کسی نیک کام کے کرنے سے قسم کھائی جائے، اور اگر کوئی ایسا کر لے تو وہ اپنی قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے، اور وہ نیک کام جس سے اس نے قسم کھالی تھی کر لے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ ﷺ۔ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے کوئی قسم کھالی، پھر دیکھا کہ وہ کام جس سے اس نے قسم کھائی تھی بہتر ہے، تو وہ اس کام کو کر لے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر لے (صحیح مسلم، کتاب الایمان)۔ نیز اس آیتِ کریمہ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ اللہ کا نام لے کر بار بار قسمیں کھانا بھی اسلام کی نظر میں درست نہیں، کیونکہ اللہ پاک کا نام اس طرح کی قسموں میں بار بار استعمال کرنا بھی اس کو آڑ بنانا ہے (القاسمی)۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لیے بار بار قسمیں کھانے کو منافقوں کی نشانی بتایا گیا ہے۔ بہرکیف اللہ پاک کا نام بہت ہی عظمت و شان والا ہے۔ لہٰذا اسکی اس عظمتِ شان اور جلالتِ مقام کا ہمیشہ اور ہر موقع پر خیال رکھا جائے، اور پھر اس قول و فعل سے احتراز و اجتناب اور پرہیز کیا جائے، جس سے اس کے بارے میں سوءِ ادبی کا کوئی پہلو نکلتا ہو یا اس طرح کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہو۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ والعیاذ بہٖ جل وعلا۔ سو اس سے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت بھی آشکارا ہو جاتی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۶۱۸ بے مقصد قسموں پر کوئی گرفت و مؤاخذہ نہیں:۔ جو انسان قسم کے قصد و ارادہ کے بغیر یونہی کھا لیتا ہے، جیسا کہ عربوں کا طریقہ اور رواج تھا اور آج بھی ہے کہ وہ قسم کے قصد و ارادہ کے بغیر یونہی ''لَا وَاللّٰہِ'' اور ''بَلٰی وَاللّٰہِ'' وغیرہ کہہ دیتے ہیں، اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ایسی ہی قسموں کے بارے میں نازل ہوئی (بخاری کتاب الایمان والنذور، موطا امام مالک، کتاب الایمان والنذور، اور سنن ابی داؤد کتاب الایمان والنذور)۔ اسی طرح ''یَمِیْنِ لغو'' اس قسم کو بھی شامل ہے جو انسان اپنے طور پر صحیح سمجھتے ہوئے کھاتا ہے مگر واقع میں وہ غلط ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ جو حضرات ''بے ہودہ قسموں'' سے کرتے ہیں وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لئے ہم نے اپنے ترجمہ میں جو الفاظ اختیار کئے ہیں، کہ یہ ایک طرف تو بے ہودہ کے اس ثقیل لفظ و معنی سے محفوظ و مبرا ہیں، اور دوسری طرف یہ الفاظ قسم کے ان دونوں معنوں کو بھی عام اور شامل ہیں، جو کہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ آگے حضراتِ اہلِ علم کے یہاں ان دونوں میں سے کسی ایک معنی کی ترجیح و اختیار کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، کہ ''یمین لغو'' کا مصداق ان دونوں میں سے کونسا مفہوم ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصداق پہلا مفہوم ہے یعنی آدمی کا قصد و ارادہ کے بغیر ''لَا وَاللّٰہ'' جیسے الفاظ کہنا، جس پر نہ کوئی گناہ ہے نہ کفارہ، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے مراد دوسرا مفہوم ہے، یعنی کسی گزرے ہوئے امر پر خلافِ واقعہ قسم کھانا، جبکہ انسان اپنے طور پر اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہو، اس پر امام شافعیؒ کے یہاں کفارہ ہے کہ اس نے جھوٹی قسم کھائی، اگرچہ اس کا اپنا ارادہ ایسا نہیں تھا، جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جھوٹ تو ہے مگر اس پر کفارہ نہیں، کیونکہ اس نے جان کر جھوٹی قسم نہیں کھائی۔ بہرکیف لغو کا یہ لفظ بنیادی طور پر قسم کے ان دونوں مفہوموں کو عام اور شامل ہے۔

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ

کھائی ہوں، ف۶۲۷ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی بردبار ہے، جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے سے

مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ

قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی، سو اگر انہوں نے (اس مدت کے اندر) رجوع کر لیا تو (ان کا نکاح باقی،

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

قسم توڑنے کا کفارہ لازم، اور گناہ معاف، کہ) بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے ف۶۲۸ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی

۶۲۷ "یمینِ منعقدہ" اور اس کا حکم:- یعنی مستقبل کے بارے میں کوئی قسم کھائی ہو کہ میں فلاں کام کروں گا، یا نہیں کروں گا۔ سو یہ قسم کی دوسری قسم ہے جس کو "یمینِ منعقدہ" کہا جاتا ہے۔ اس کے توڑنے پر انسان کے ذمے کفارہ لازم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا حکم سورۂ مائدہ میں ﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ﴾ سے بیان فرمایا گیا ہے، جس کی تین صورتیں ہیں۔ جن کو وہیں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ۔ اور تیسری قسم ہے "یمینِ غموس" کہ کسی گزری ہوئی بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی جائے۔ اس میں چونکہ کسبِ قلوب کی شرط پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس میں گناہ اور سخت گناہ تو ہے، مگر کفارہ نہیں۔ کیونکہ یہ گزشتہ کام سے متعلق ایک دیدہ دانستہ جھوٹ ہے۔ اس لئے اس پر گناہ تو ہے مگر کفارہ نہیں، کہ جھوٹ پر کفارہ نہیں ہوتا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر بھی کفارہ ہے، کیونکہ یہ بھی ﴿بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ کے ذیل میں آتی ہے، جس پر کفارہ ہے (معارف، مراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مواخذہ اور کفارہ سے مستثنیٰ صرف وہی قسمیں ہیں جو قصد و ارادہ کے بغیر یونہی زبان پر جاری ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو قسمیں دل کے قصد و ارادہ سے کھائی جائیں اور وہ قصدِ قلب کا نتیجہ ہوں، اور جن کا کوئی قریب یا بعید اثر انسان کے اپنے یا دوسروں کے حقوق و مفادات پر پڑنے والا ہو، ان پر کفارہ اور مواخذہ ضرور ہوگا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۲۸ "ایلاء" کا معنیٰ و مفہوم اور اسکا حکم؟:- شریعت کی اصطلاح میں اس طرح کی قسم کو "ایلاء" کہا جاتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے۔ پس اگر اسکے پاس نہ جانے کی یہ مدت چار ماہ یا اس سے زیادہ کی ہو۔ یا کسی تعیین و تحدید کے بغیر ہو۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے پر طلاق بائن واقع ہو جائیگی، اور اسکی بیوی اس سے الگ ہو جائیگی۔ اور اگر چار ماہ سے کم کی مدت ہو تو یہ "منعقدہ" کے حکم میں ہوگی۔ اس مدت کے اندر اگر بیوی سے رجوع کر لیا تو کفارۂ یمین ادا کرنا پڑیگا۔ اور اگر چار ماہ سے کم کی صورت میں اس نے رجوع نہیں کیا، اور وہ مدت پوری ہو گئی تو بغیر کفارۂ یمین کے بیوی اس کے پاس رہے گی، اور کوئی طلاق وغیرہ نہیں واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق ہوتی ہے چار ماہ کی مدت پر۔ اور کفارہ ہوتا ہے "حنث" یعنی قسم توڑنے پر۔ اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت نہیں پائی گئی، قسم توڑنے اور کفارہ ادا کرنے پر اللہ ان کو معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا ہی غفور اور رحیم ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ

ٹھان لی ف۶۲۹ تو (یاد رکھیں کہ یہ مدت گزرتے ہی قطعی طلاق پڑ جائے گی کہ) بے شک اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے اور طلاق یافتہ

بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

عورتیں روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک، ف۶۳۰ اور ان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ

چھپائیں اس چیز کو جو کہ اللہ نے پیدا فرمائی، ان کے رحموں کے اندر، ف۶۳۱ اگر یہ (سچے دل سے اور صحیح معنوں میں) ایمان

يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ

رکھتی ہیں اللہ پر، اور قیامت کے دن پر ف۶۳۲ اور ان (مطلقہ عورتوں) کے شوہر اس (مدتِ عدت کے) دوران ان کو (اپنی زوجیت

بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ

میں) واپس لانے کا پورا حق رکھتے ہیں، ف۶۳۳ (بشرطیکہ طلاق رجعی ہو،) اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو ف۶۳۴ اور عورتوں کے لئے

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

(مردوں کے ذمے) ویسے ہی حقوق ہیں جیسا کہ ان کے ذمے (مردوں کے حقوق) ہیں ف۶۳۵ دستور کے مطابق، البتہ مردوں کو (مرد ہونے

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ؑ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ ع ۲۸ / ۱۲

کے اعتبار سے) ان پر ایک خاص درجہ ف۶۳۶ (اور فوقیت) حاصل ہے، اور اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے، طلاق (جس کے

۶۲۹ "ایلاء" پر قائم رہنے والوں کا حکم:- کہ وہ اپنی قسم پر ہی قائم رہے، نہ انہوں نے رجوع کیا، اور نہ ہی قسم توڑی، تو چار ماہ کی یہ مدت گزرتے ہی ان پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی، جس کے بعد اس بیوی کو اپنے عقدِ زوجیت میں رکھنے کیلئے اس کو تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی کہ وہ اسکے حبالہ عقد سے بہرحال نکل گئی۔ سو ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں کہ وہ سمیع و علیم ہے جو ان کے "ایلاء" اور ان کی قسموں کو بھی سنتا ہے، اور ان کے دلوں کی نیتوں اور ان کے مخفی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ اسکی گرفت و پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس لیے ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صاف اور صحیح رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس طرح کی قسم چونکہ ازدواجی مقاصد کے خلاف اور بر و تقوی کے منافی ہے، کہ اس سے بیوی بالکل معلق ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نے اس طرح کی قسم کھا کر بیٹھنے والوں کیلئے چار ماہ کی حد مقرر کر دی ہے، کہ یا تو وہ

اس مدت کے اندر بیوی سے ازدواجی تعلقات بحال کرلیں۔ یا اگر اسکو طلاق دینے کا فیصلہ ہے تو طلاق دے دیں، تاکہ وہ یونہی معلق نہ پڑی رہے، اور اس کا معاملہ طے ہو جائے۔ اور اس کی پوزیشن واضح ہو جائے۔ اور اس کو ایذا نہ پہنچے۔

۶۳۰ مطلقہ عورتوں کی عدت کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے مطلقہ یعنی طلاق یافتہ عورتوں کی عدت کے سلسلہ میں ان کو تین حیضوں تک انتظار کرنے کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس دوران وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کریں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو حمل ہے یا نہیں، تاکہ ایک دوسرے کی اولاد میں باہم خلط ملط نہ ہو جائے۔ اس لئے استبراءِ رحم کیلئے اتنی مدت تک کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ ''بانفسہن'' کے لفظ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ ان کے ذمے لازم ہے کہ یہ اپنے آپ کو اتنی مدت تک انتظار میں رکھیں کہ یہ اپنی جانوں پر اتنا کنٹرول رکھتی ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف تین حیضوں کی اس مدت کے مقرر کرنے کا اصل مقصد چونکہ یہ معلوم کرنا ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ اس چیز پر بہت سے اہم امور کا انحصار ہے۔ اس وجہ سے ان مطلقات کے دین وایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ اگر اپنے اندر حمل کی قسم کی کوئی چیز محسوس کریں تو اسکو چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ ورنہ اس سے ان تمام مصالح کو سخت نقصان پہنچے گا جو شریعتِ مطہرہ نے اس حکم میں مرد عورت اور پیٹ میں موجود بچے کیلئے ملحوظ رکھے ہیں۔ والعیاذ باللہ من کل سوءٍ وّزیغٍ وّضلال۔

۶۳۱ مطلقہ عورتوں کیلئے ایک خاص ہدایت کا ذکر و بیان: ۔ سو اس خاص ہدایت کے ذریعے مطلقہ عورتوں کو اپنے رحموں کے اندر کی کیفیت کو چھپانے کی ممانعت فرمادی گئی، یعنی حیض یا حمل کو، جس پر ان کی عدت اور آگے کے دیگر امور کا دارومدار ہے، اور ان کا اصل اور براہ راست علم انہی کو ہوسکتا ہے، نہ کہ دوسروں کو۔ تو وہ اگر اپنے اس معاملہ کو چھپائیں گی، کہ تاکہ عدت جلد گزر جائے، یا خاوند کو ان سے رجوع کا حق باقی نہ رہے وغیرہ، تو ایسا کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا کہ عورت اپنے خاوند سے علیحدگی کے فوراً بعد ہی دوسرے سے نکاح کر لیتی، جس سے بعد میں پتہ چلتا کہ وہ پہلے خاوند سے حاملہ تھی، تو اس سے کئی طرح کے فساد پیدا ہوتے، اور خرابیاں جنم لیتیں۔ بچہ کسی کا ہوتا اور وہ ذمے کسی اور کے لگ جاتا۔ نسب بگڑ جاتے وغیرہ وغیرہ۔ تو اسلام نے اپنی عدل وانصاف پر مبنی تعلیماتِ مقدسہ کے ذریعے اس پر روک لگادی۔ اور ایسے تمام مفاسد کو بند کردیا۔ فالحمدللہ۔ سو اسی بناء پر مطلقہ عورتوں کے دین و ایمان کا تقاضا قرار دیا کہ وہ اپنے باطن کی کیفیت کو چھپائیں نہیں بلکہ صحیح بات بتائیں تاکہ صحیح فیصلہ ہو۔

۶۳۲ اطاعتِ خداوندی ایمان باللہ کا لازمی تقاضا: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ایمان باللہ کا لازمی تقاضا ہے اطاعتِ خداوندی اور اسکے احکام کی تعمیل و بجاآوری، اور ایمان باللہ خیانت اور دھوکہ دہی وفریب کاری کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اللہ پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے نازل کردہ اور ارشاد فرمودہ تمام احکام و اوامر کو صدقِ دل سے بجالایا جائے کہ یہ اس خالق و مالک کا مجھ پر حق ہے اور ان کی پابندی میں بھلا ہے، خود میرا اور تمام بنی نوع انسان اور پورے معاشرے کا۔ اور اسی میں میری بہتری ہے اس دنیا میں بھی اور اسکے بعد آنے والے آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔ اور قیامت کے دن پر ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس دن مجھ سے پوچھ ہوگی اور میں نے اپنے کیے

کرائے کا جواب دینا اور اس کا بدلہ اور پھل پانا ہے، جبکہ اسکے برعکس اَحکامِ خداوندی کی اِطاعت و فرمانبرداری سے گریز و فرار اور اِعراض وانحراف ایمان کے تقاضوں کے منافی اور اپنی دنیا و آخرت کو بگاڑنے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وانحراف۔ بہرکیف ایمان کا تقاضا ہے کہ احکامِ خداوندی کی صدقِ دل سے فرمانبرداری کی جائے۔

۶۳۳ دورانِ عدت خاوند کو رجوع کرنے کا پورا حق ہے: - خواہ وہ عورتیں اس سے راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اور اس کو چاہیں یا نہ چاہیں۔ کیونکہ طلاق کی صورت میں عدت گزرنے سے پہلے وہ من وجہٍ انہی کی زوجیت میں ہوتی ہیں۔ اور ان کا رشتۂ زوجیت ابھی منقطع نہیں ہوتا۔ اس لئے عدت کے اندر وہ تجدیدِ نکاح کے بغیر ہی ان کی زوجیت میں واپس آ جاتی ہیں، جبکہ وہ ان سے اس بارے رجوع کرلیں، کیونکہ طلاقِ رجعی میں خاوند کو اس کا حق بہرحال رہتا ہے، لیکن خاوند کیلئے ضروری ہے کہ وہ رجوع حسنِ نیت سے کرے یعنی اس کا مقصد اسکو صحیح طور پر رکھنا ہو، نہ کہ محض معلق کر کے عذاب میں ڈال دینا کہ یہ ظلم ہے جو ممنوع اور حرام ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا من کل سوء وزیغ۔

۶۳۴ بیویوں سے رجوع میں اِصلاح کی نیت کی شرط: - یعنی ان کے رجوع سے یہ مقصود ہو کہ وہ ان کو بیوی بنا کر رکھنا چاہتے ہوں۔ محض ان کو تنگ کرنا مقصود نہ ہو، کہ نہ تو وہ انکو صحیح طریقے سے بیوی بنا کر رکھیں، اور نہ ہی انکو آزاد کریں۔ تاکہ وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد کرلیں، کہ اس طرح عورت کو روکنا ظلم اور زیادتی ہے، جس کی دینِ حق کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا کہ وہ لوگ نہ تو اس کو صحیح طریقے سے بیوی بنا کر رکھتے، اور نہ ہی اسکو چھوڑتے کہ وہ کسی اور جگہ اپنا عقد کرلیتی۔ پس اس طرح ظلم و زیادتی کے ساتھ وہ اس کو لٹکائے رکھتے۔ یہاں تک کہ اسلام نے آ کر ان کی دادرسی فرمائی، اور ان پر ہونے والے اس ظلم کو روکا، اور اس سے منع فرمایا۔ مگر واضح رہے کہ ایسا کرنے سے رجعت اگرچہ ہو جائیگی، مگر اس کا گناہ بہت بڑا اور سخت ہوگا، (معارف للکاندھلویؒ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور اسکو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ (المراغی) - والعیاذ باللہ جل وعلا - سو اصل مطلب و مقصد اِصلاحِ احوال ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

۶۳۵ مردوں اور عورتوں کے باہمی حقوق و فرائض کا ذکر و بیان: - سو اس سے مردوں اور عورتوں کے ایک دوسرے پر باہمی حقوق و فرائض کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے پس اِصلاح و خیرخواہی اور حسنِ زوجیت کا یہ مقصد اس وقت تک پورا نہ ہوگا، جب تک کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کو ادا نہ کرے۔ اور اس کا پوری طرح خیال نہ رکھے۔ اور مراد اس تماثل اور مثلیت سے یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ذمے جو حق ہے، اس کے بدلے اسی طرح کا حق دوسرے کے ذمے بھی ہے۔ اپنے اپنے اس دائرۂ کار میں، جو کہ فطرت نے ان کے لئے مقرر کیا ہے۔ پس وہ دونوں حقوق و اعمال، شعور و اِحساس اور فرائض و واجبات وغیرہ کے اعتبار سے باہم دیگر برابر و مساوی ہیں، تاکہ دونوں اپنے باہمی ترابط واشتراک سے زندگی کی گاڑی کو اس طرح صحیح طور پر چلا سکیں، کہ وہ خود ان دونوں کیلئے، ان کی اولاد و متعلقین کیلئے، اور پورے معاشرے، اور ملک و ملت، سب کیلئے خیر و برکت اور یمن و سعادت کا ذریعہ بن سکیں۔ اسی لئے حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ فرماتے تھے۔ "اِنِّیْ لَاَ تَزَیَّنُ لِاِمْرَاَتِیْ کَمَا تَتَزَیَّنُ هِیَ لِیْ" کہ میں

اپنی بیوی کیلئے اسی طرح زیب وزینت اور اچھی پوشاک کا اہتمام کرتا ہوں، جس طرح کہ وہ میرے لئے کرتی ہے"۔ (تفسیر المراغی)۔ یعنی اس آیتِ کریمہ میں وارد مثلیت اور برابری کے اعتبار سے میں اس بات کا خیال رکھتا ہوں، سبحان اللہ! کس قدر شرف و اعزاز سے اسلام نے اس صنفِ نازک کو نوازا، اور پندرہ سو برس قبل، اُس وقت نوازا جبکہ چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ حقوقِ نسواں کا کوئی تصور وخیال تک کسی ملک و معاشرے، اور قانون و دستور میں، موجود نہیں تھا۔ اسلام نے اس وقت عورت کو وہ حقوق دیئے، جو عقل وفطرت، اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق تھے اور ہیں۔ اور اس اعلیٰ وارفع پیمانے پر نوازا کہ دنیا آج بھی ہزار ترقیوں کے دعووں اور نعروں کے باوجود اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکی۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک نہیں پہنچ سکے گی۔ بھلا خالق کے قانون و دستور کا مقابلہ کرنا کسی انسان یا انسانوں کے کسی مجموعے کے بس میں آخر کس طرح ہوسکتا ہے؟ -﴿فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ اور آج جو مغرب زدہ حلقے، اور مادہ پرست طبقے، اور لادین لوگ، عورت کے حقوق کے نام سے یہاں اور وہاں، طرح طرح سے واویلا کرتے اور شور مچاتے ہیں، وہ دراصل اپنی ہوس کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش میں ہیں اور بس۔ عورت کو وہ لوگ اس کی حقیقی عزت وکرامت سے محروم کرکے اس کو بازاری مال بنانا چاہتے ہیں، تاکہ اس طرح یہ لوگ اپنی اَغراضِ مشؤمہ کو حاصل کرسکیں، بلکہ قرآنِ حکیم نے اپنی اِعجاز بیانی سے ایک جملے کے ایک مختصر سے حکم وارشاد کے ذریعے جو تعلیم اس بارے دی ہے۔ دنیا کے تمام دساتیر وقوانین اس کے مقابلے سے عاجز ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ الاٰية " اور تم ان سے حسنِ معاشرت کا معاملہ کرو، دستور کے مطابق" (النساء۔ ۱۹) پھر کتنے ظالم، اور کس قدر بے انصاف، ہیں وہ لوگ، جو اس بارے دینِ حق پر اعتراض کرتے ہیں، اور اس طرح یہ لوگ خود اپنی محرومی اور سیاہ بختی میں اضافہ کرتے ہیں، اور انکو اس کا شعور احساس تک نہیں کہ وہ کس قدر خسارے کا سودا کررہے ہیں۔ اور ایسا خسارہ جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل نوع من انواع الخسران۔

۶۳۶ مردوں کی عورتوں پر فضیلت وفوقیت کا ذکر وبیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر حاکمیت و قوامیت کی فضیلت وفوقیت حاصل ہے اور یہ درجہ قدرت نے انکی فطرت و جبلت میں ودیعت فرمایا ہے، جو کہ حاکمیت اور قوامیّت کا درجہ ہے، تاکہ گھریلو زندگی کی اس چھوٹی سی حکومت کا نظام صحیح طور پر چل سکے، جو کہ ملکی حکومت اور پھر باہمی نظام کی صحت کیلئے اولین اساس و بنیاد ہے۔ اور یہ کوئی جبر واستبداد کا نظام نہیں، بلکہ یہ ایسے ہی فطری عمل ہے جیسا کہ خود انسانی جسم میں سر اور دل و دماغ وغیرہ، ہر ایک کا اپنا ایک مقام اور مرتبہ ہے، اور ہاتھ پاؤں وغیرہ دوسرے اعضاء و جوارح کا اپنا وظیفہ وعمل۔ ہر ایک اپنی جگہ اپنا اپنا کام کرتا ہے تو انسانی جسم و جان کا سسٹم و نظام صحیح طور پر چلتا ہے۔ اس سے کسی کے اونچ یا نیچ ہونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ سو ایسے ہی بیوی، خاوند اور اولاد پر مشتمل خاندان کی اکائی (Unit) میں ہر ایک کا اپنا ایک درجہ اور مقام ہے۔ اسکے مطابق جب ہر کوئی اپنی ذمہ داری اپنے فطری دائرے میں پوری کرے گا تو اس میں سب کا بھلا اور فائدہ ہوگا۔ اسکے برعکس ان میں سے بھی اگر کوئی اپنے کام اور اپنے مقام کو چھوڑ کر دوسرے کے کام اور اسکے مقام میں دخل دے گا تو اس سے سارا نظام مختل ہوجائے گا کہ فطرت سے لڑنے اور ٹکرانے کا انجام بہرحال برا ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور فطرت کے تقاضوں کا پاس ولحاظ دینِ فطرت میں بتمام وکمال موجود ہے۔

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ

بعد رجوع ہوسکتا ہے) دو ہی مرتبہ ہے، پھر یا تو (رجوع کر کے) اس کو دستور کے مطابق روک لیا جائے، یا بھلے طریقے کے ساتھ

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ

چھوڑ دیا جائے، ۶۳۷ اور تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ تم (چھوڑنے کی صورت میں) اس (مال) میں سے کچھ واپس لے لو، جو کہ

يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا

تم نے (نکاح کی بناء پر) ان کو دیا تھا، مگر یہ کہ ان دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ (زوجیت کی بقاء کی صورت میں) وہ دونوں اللہ کی

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا

حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، سو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ واقعی اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے ۶۳۸ تو ان دونوں پر اس بات

افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

میں کوئی گناہ نہیں ۶۳۹ کہ وہ عورت کچھ مال دے کر اپنی جان چھڑا لے، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، پس تم ان سے آگے نہیں

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

بڑھنا، اور جو بھی کوئی اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا تو (اس نے یقیناً اپنا ہی نقصان کیا کہ) ایسے لوگ سراسر ظالم ہیں، ۶۴۰

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ

پھر اگر اس شخص نے (ان دو کے بعد) اس کو تیسری طلاق بھی دے دی، تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی ۶۴۱ یہاں تک کہ وہ نکاح

زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

کر لے کسی اور خاوند سے ۶۴۲ پھر وہ شخص اگر (اپنی مرضی سے بھی) اس کو طلاق دے دے ۶۴۳ تو اب ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ (عدت

اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ

گزرنے پر) آپس میں رجوع کر لیں ۶۴۴ اگر ان دونوں کو اس بات کا گمان غالب ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے، اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں کو، اور یہ

۶۳۷ تیسری طلاق آخری اور فیصلہ کن:— سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تیسری طلاق آخری اور فیصلہ کن امر ہے۔ اس کے

بعد اس کی بیوی قطعی طور پر اس کی زوجیت سے فارغ اور الگ ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا کہ انسان جتنی طلاقیں چاہتا اپنی بیوی کو دے دیتا۔ اور پھر اس کی عدت گزرنے سے پہلے وہ اس سے رجوع کر لیتا، اور اس طرح وہ "معلقہ" (لٹکی ہوئی) رہتی۔ نہ تو اس کا خاوند اسے باقاعدہ بیوی بنا کر رکھتا، اور نہ ہی وہ اسے باقاعدہ طلاق دے کر چھوڑ دیتا، تاکہ وہ کسی اور جگہ اپنا عقدِ نکاح کر لیتی۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکر صنفِ نازک کو اس عذاب سے ہمیشہ کیلئے رہائی اور نجات دلائی، اور طلاق کی آخری حد تین تک مقرر کر دی، کہ تین طلاق کے بعد وہ اس سے بالکل فارغ اور الگ ہو جائے گی۔ بہر کیف اس ارشاد سے طلاق کا صحیح طریقہ تعلیم وارشاد فرما دیا گیا ہے کہ تمام معاشرتی زندگی کی بنیاد چونکہ نکاح کے پاکیزہ رشتے ہی سے وابستہ ہے۔ اس لیے اگر کسی مجبوری کے باعث اسکے ٹوٹنے کی نوبت آجائے تو یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ آدمی ایک ہی جھٹکے میں اس رشتے کو توڑ تاڑ کر رکھ دے، بلکہ وہ دو الگ الگ طہروں میں دو مرتبہ طلاق دے۔ پھر تیسرے طہر میں اسکو اختیار ہے کہ یا تو وہ اس سے مراجعت کر لے اگر اسکا ایسا ارادہ ہو، نہیں تو وہ اسکو بھلے طریقے سے رخصت کر دے اسکو یونہی معلق کر کے نہ رکھے کہ وہ نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی کہ یہ ظلم اور زیادتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ دنیا کو ظلم سے بچانے کی ضامن وکفیل ہیں کہ یہ فاطرِ فطرت کی طرف سے ہیں اور ان میں ہر ایک کے حقوق کی پوری رعایت موجود ہے۔ والحمد للہ۔

۶۲۸ "خلع" کی اجازت اور اس کا بیان:۔ یعنی جب باہمی حدود کو قائم نہ رکھ سکنے کا اندیشہ ہو تو مرد اور عورت باہمی فرقت وجدائی اختیار کر سکتے ہیں اور ان کو اندیشہ ہو کہ اس طرح اس رشتہ نکاح کو باقی رکھ کر وہ گناہ میں مبتلا ہونگے۔ تو ایسی صورت میں اگر مرد کچھ مال لے لے، اور عورت کچھ مال دے کر فارغ ہو جائے، تو ایسا کرنا درست ہے۔ اس کو شریعت کی اِصطلاح میں "خلع" کہا جاتا ہے۔ اور اس مال کو بدلِ خلع۔ اور خلع کے لغوی معنیٰ ہوتے ہیں لباس اتارنا، اور بیوی خاوند میں سے ہر ایک چونکہ قرآنِ حکیم کی تصریح کے مطابق ایک دوسرے کے لیے لباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ کہ "تمہاری بیویاں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو"۔ اس لئے علیحدگی کی صورت میں گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے اس لباس کو اتار دیا ہے، جو ان دونوں کے درمیان رشتہ زوجیت کی بناء پر قائم اور موجود تھا۔ اس لئے اس کو "خلع" کہا جاتا ہے اور جس مال کے بدلے میں اس لباسِ عظیم کو اتارا گیا اس کو "بدلِ خلع"۔ بہر کیف جب میاں بیوی کے درمیان ازدواجی زندگی کا نباہ نہ ہو سکے اور وہ محسوس کریں کہ وہ ازدواجی زندگی کی حدود و قیود کو نباہ نہیں سکیں گے تو وہ خلع کے ذریعے جدائی اختیار کر سکتے ہیں۔ تاکہ اس کے بعد دونوں میں سے ہر ایک اپنا من پسند راستہ اختیار کر سکے۔

۶۲۹ "خلع" میں زوجین میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں:۔ سو باہمی حقوق نہ ادا کر سکنے کے اندیشے کی صورت میں مال کے عوض طلاق حاصل کرنے پر زوجین میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔ نہ عورت پر اس مال کے دینے میں، اور نہ مرد پر اس مال کے لینے اور قبول کرنے میں۔ کیونکہ ان دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اب اس رشتہ زوجیت کو قائم رکھنے کی صورت میں وہ دونوں ان حدود کی پاسداری نہیں کر سکیں گے، جو کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ نے اس ضمن میں قائم فرمائی ہیں۔ اور ایسی صورت میں اس رشتہ زوجیت کو باقی رکھنا ان کیلئے خیر کا ذریعہ نہیں، شر کا باعث بنے گا۔ والعیاذ باللہ۔ اس لیے ان

دونوں نے جب اندیشۂ شر کی بنیاد پر ''خلع'' کیا تو اس طرح دین ہی کے تقاضے کو پورا کیا۔ ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ سو نہ عورت پر مال۔ بدلِ خُلع۔ دینے میں کوئی گناہ ہے اور نہ مرد پر وہ مال لینے میں کوئی گناہ ہے جو عورت نے اس کو دیا بشرطیکہ وہ مہر سے زیادہ نہ ہو (معارف للکاندھلوی)۔ بہر کیف خلع رشتۂ زوجیت کے بگاڑ کا آخری حل ہے۔

۶۲۵ اللہ کی حدود کو توڑنے والے ظالم ہیں۔ والعیاذُ باللہ:۔ سو یہ لوگ ظالم ہیں اللہ کے حق میں کہ انہوں نے اپنے خالق و مالک کی حدوں کو توڑا۔ نیز یہ لوگ ظالم ہیں خود اپنی جانوں کے حق میں، کہ اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑ کر یہ ہر طرح سے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ ایسے لوگ پورے معاشرے کو فساد اور بگاڑ کی راہ پر ڈالتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم سو اللہ پاک کی مقرر فرمودہ حدوں کو توڑنا ہر طرح سے اور سراسر ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اس ارشادِ عالی سے ایک طرف تو اس حقیقت کو ظاہر اور واضح فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد فرمودہ اور مقرر کردہ یہ احکام جن کا ذکر اوپر بیان فرمایا گیا ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود ہیں۔ سو جس طرح تم لوگ اپنے رقبوں اور چراگاہوں کے اردگرد حد بندیاں کرتے ہو، اور تم نہیں چاہتے کہ کوئی ان حدوں کو توڑے اور ان میں کسی طرح کی مداخلت کرے، اور ایسی کسی مداخلت کو تم لوگ اپنی عزت اور غیرت کیلئے چیلنج سمجھتے ہو۔ اسی طرح خداوندِ قدوس نے اپنے محارم کے اردگرد یہ حدیں قائم فرمائی ہیں۔ تمہیں انکے اندر مداخلت کی اجازت نہیں۔ اور اللہ پاک کی یہ مقرر فرمودہ حدود چونکہ انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق اور بندوں کے مصالح پر مبنی ہیں۔ اس لیے جو لوگ انکو توڑتے ہیں وہ خود اپنی ہی فطرت کے تقاضوں کی بربادی کا سامان کرتے اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے مصالح کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔ سو اس طرح وہ ظالم قرار پاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف حدودِ الٰہی کی پابندی و پاسداری ہی میں انسان کے لیے بہتری ہے۔ اور ان کو توڑنا اور پھلانگنا ظلم ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۲۶ تین طلاق کے بعد بیوی ہمیشہ کیلئے حرام:۔ کہ اب اس کے لئے اس کی حلت بالکلیہ ختم ہوگئی۔ اب نہ اس سے اس کا رجوع ہوسکتا ہے، جیسا کہ ''طلاقِ رجعی'' میں ہوتا ہے، اور نہ ہی تجدیدِ نکاح، جیسا کہ ''طلاق بائن'' کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ تیسری طلاق آخری حد تھی جبکہ اس نے اس کو بھی پار کر دیا تو اب وہ عورت ایسے شخص کیلئے حرام ہوگئی۔ اب اسکے اس کے لیے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں سوائے اسکے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے پھر وہ اسکو طلاق دے دے یا مرجائے تو عدت گزرنے کے بعد وہ پہلے اس شوہر کیلئے حلال ہوسکتی ہے جیسا کہ ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہ﴾ سے اسکی تصریح فرمادی گئی۔ سو اس ارشاد اور پابندی سے طلاق کو ایک آسان کھیل بنانے سے بچالیا گیا۔ اب اس پابندی کے سامنے آجانے کے بعد جو کوئی طلاق دے گا، وہ خوب سوچ سمجھ کر دے گا، ورنہ اسکو اس طرح کی تذلیل اور شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ لیکن افسوس کہ دنیا پھر بھی اس سے غافل اور لاپرواہ ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے، آمین

۶۲۷ ''حلالۂ شرعیہ'' کیلئے وطی و مباشرت شرط ہے:۔ یعنی وہ صحیح طور پر اس سے نکاح بھی کرنے اور وطی و مباشرت بھی۔ یعنی محض عقدِ نکاح کافی نہیں بلکہ وطی اور مباشرت بھی شرط ہے، جیسا کہ صحیحین کی روایت کے مطابق رفاعہ قرظی کی بیوی کے قصہ میں اس بارے تصریح فرمائی گئی ہے، کہ ایسی عورت (یعنی مطلقہ مثلثہ) پہلے شوہر کیلئے اس کے بغیر حلال نہیں ہو سکتی (بخاری کتاب الطلاق، مسلم کتاب النکاح)۔ اور حکمت اس ہدایت و ارشاد کی یہ ہے کہ اس طرح لوگ طلاق دینے کے

اس انتہائی اِقدام سے بچیں کیونکہ جب انکواس کا یہ حکم اور انجام معلوم ہوگا تو وہ اس سے پرہیز کریں گے کیونکہ طبائع مستقیمہ اس سے اباء کرتی ہیں اور یہ بات ایسے لوگوں کو بہت ناگوار ہوتی ہے کہ انکی بیوی دوسرے کے نکاح میں جاکر اور اس سے وطی کراکر واپس اسکے پاس آئے۔ اس لیے شریعتِ مطہرہ نے اس کی یہ کڑی سزا رکھی ہے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں مگر لوگ ہیں کہ نفس وشیطان کی شرارت سے پھر بھی اس محذور میں مبتلا ہوتے اور اس کا ارتکاب کرتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۲۳ مصنوعی اور ظاہرداری کا "حلالہ" ایک ملعون عمل- والعیاذُ باللہ:- یعنی وہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے اسکو طلاق دے دے، یا وہ فوت ہو جائے۔ یہ نہیں کہ دونوں میں آپس میں طے کرلیں اور صرف تحلیل کی غرض سے دوسرا شخص اس عورت سے نکاح کرلے، کہ ایسی صورت میں محلل (حلالہ کرنے والے) اور محلل لہ (حلالہ کرانے والے) دونوں پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت فرمائی ہے- علیہ الصلوٰۃ والسلام- (ترمذی کتاب النکاح عن ابنِ مسعودؓ) نیز مسند امام احمدؒ میں بھی یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً آئی ہے اور سنن ابنِ ماجہ میں اس لعنت کے ساتھ اس کو "تَیسِ مُستَعار" "کرائے کا سانڈ" بھی فرمایا گیا ہے (ملاحظہ ہو ابنِ ماجہ، کتاب النکاح)۔ اور حاکمؒ نے مستدرک میں نافع سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر- رضی اللہ عنہما- سے پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس کے ایک بھائی نے اس سے نکاح کرلیا، تاکہ وہ اس سے پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے، بغیر کسی سازش یا قرارداد کے، تو کیا اس طرح یہ عورت پہلے شخص کیلئے حلال ہو جائیگی؟ تو حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا نہیں، کیونکہ نکاح وہ مطلوب ہے جو کہ رغبت اور شوق سے ہو۔ نیز فرمایا کہ اس طرح کے نکاح کو آنحضرت ﷺ- کے زمانے میں ہم لوگ نکاح نہیں "سفاح" سمجھا کرتے تھے۔ یعنی زناکاری- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور ابوبکر ابنِ ابی شیبہؒ نے حضرتِ عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایسا "مُحلِّل" اور "مُحلَّل لَہٗ" یعنی "حلالہ کرنے والا" اور "کرانے والا" اگر میرے پاس لائے گئے تو میں ان کو رجم کرونگا۔ اور حضرتِ عثمانؓ سے مروی ہے کہ ان کو جب اس طرح کے نکاح کا علم ہوا تو انہوں نے ان دونوں کے درمیان تفریق کروا دی۔ اور اس قسم کے واقعات کچھ دوسرے صحابۂ کرام سے بھی مروی ہیں- رضوان اللہ علیہم اجمعین- (ملاحظہ ہو تفسیر محاسن التاویل لعلامۃ الشام جلال الدین القاسمی- رحمہ اللہ- وغیر ذٰلک من التفاسیر)۔ اس لئے کچھ حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ایسے نکاح سے وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ ایک طرح کا سازشی نکاح ہے اور یہ کہ ایسا نکاح ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ﴾ کا مصداق نہیں بن سکتا، جبکہ کچھ دوسرے حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ اگرچہ ایسا کرنا برا اور غلط ہے، مگر جب نفسِ نکاح پایا گیا اور وطی بھی ہوگئی، تو اس سے وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائیگی، کہ نکاح بھی پایا گیا اور وطی بھی اور اس طرح ﴿حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ﴾ کا مصداق متحقق ہوگیا۔ والحمدللہ جل وعلا

۶۲۴ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا مسئلہ:- یعنی دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد اگر یہ دونوں رجوع کریں اور پھر یہ دونوں نیا نکاح کرکے باہم زن وشوئی کے تعلقات قائم کرلیں اور نئے سرے سے ازدواجی زندگی بسر کریں تو اس میں ان دونوں پر گناہ نہیں، جبکہ ان دونوں کو یہ ظنِ غالب حاصل ہو کہ وہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی پاسداری کرسکیں گے، اور اس تنبیہ کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نکاح اور طلاق بچوں کا کھیل نہیں۔ بلکہ یہ ایسا اہم امر ہے کہ اس پر خاندانی اور عائلی زندگی اور اس سے آگے بڑھ کر پورے معاشرے کے بناؤ و بگاڑ کا اس پر مدار وانحصار ہے۔ اس لیے تنبیہ فرمائی گئی کہ یہ جب بھی عمل میں آئے سچے ارادے اور سازگاری کی مخلصانہ خواہشوں کے ساتھ ہی عمل میں آئے، تاکہ آگے ذریعہ خیر بنے۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ کھول کر بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں، ف۶۴۵ اور جب تم طلاق دے دو

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

اپنی عورتوں کو، پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت (کے خاتمے) کو، تو پھر یا تو تم ان کو روک رکھو (اپنے نکاح میں) دستور کے مطابق، ف۶۴۶

۶۴۵ **علم کی روشنی ہی استفادے کی اصل بنیاد:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ کھول کر بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ سو علم کی روشنی ہی استفادے کی اصل اساس اور بنیاد ہے اور علمِ حق کی روشنی رکھنے والے ہی ارشاداتِ ربانی سے مستفید ہوتے ہیں کہ وہی درحقیقت اس سے مستفید ہوتے ہیں، اور وہی جانتے ہیں، کہ خداوندِ قدوس کے ان اوامر و ارشادات میں دراصل ہمارا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی، اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ نیز انہی احکام و ہدایات کی پابندی اور ان کے التزام میں پورے خاندان بلکہ فریقین کے دونوں خاندانوں اور پورے معاشرے کی بہتری اور بھلائی کا سامان ہے، جبکہ ان سے انحراف میں خرابی و فساد اور تباہی و بربادی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ یہ احکام و قوانین فطرت کے تقاضوں کے امین و پاسدار ہیں۔ اور فطرت کے تقاضوں کو پوری طرح جاننا، اور انکی پوری رعایت کرنا، خالقِ فطرت حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے سوا اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں۔ سو حضرتِ حق جل مجدہٗ کے احکام و ارشادات سے انحراف و روگردانی دراصل فطرت کے تقاضوں سے انحراف و روگردانی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس اہم حقیقت کا احساس و ادراک وہی لوگ کرسکتے ہیں جو علمِ حق کی روشنی رکھتے ہیں، ورنہ اندھوں کو اسکی کیا خبر کہ وہ ہلاکت اور تباہی کے کس گہرے کھڈ میں گرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۴۶ **"اِمساک بالمعروف" سے مراد؟:-** کہ ان سے صحیح طریقے سے رجوع کر کے، ان کو اپنی زوجیت میں باقی رکھنا مطلوب ہو، نہ کہ محض عدت کو طول دینا اور اس کو تکلیف میں ڈالنا، اور ضرر پہنچانا، کہ ایسا کرنا اور اس غرض کیلئے رجوع کرنا جائز نہیں۔ واضح رہے کہ ﴿بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ سے مراد یہ نہیں کہ وہ عدت پوری کرلیں، کیونکہ عدت پوری کرنے کے بعد ان کو روکنے کا کسی کو حق ہے ہی نہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ عدت کے خاتمے کے قریب پہنچ جائیں (المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اس لیے ہم نے اپنے ترجمے کے اندر بین القوسین کے لفظ بڑھا کر اسی مفہوم کو واضح کیا ہے۔ والحمد للہ۔ بہرکیف ارشادِ عالی کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کی عدت کے خاتمے کا وقت قریب آجائے تو اب دو میں سے ایک ہی صورت جائز ہے کہ یا تو ان کو دستور کے مطابق روک لیا جائے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ سو منشاء اس ارشادِ عالی کا یہ ہے کہ انکو روکنا انکو اذیت اور نقصان پہنچانے کی نیت سے نہ ہو، بلکہ اِصلاح اور نیکی کی نیت سے ہو، جس سے ان کو بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہو۔ اور نیتوں اور قلوب وضمائر کا معاملہ لوگوں سے اگرچہ چھپایا جاسکتا ہے، لیکن اللہ سے اس کو چھپانا اور مخفی رکھنا ممکن نہیں، کہ وہ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اسلئے وہ دلوں میں چھپے بھیدوں اور رازوں کو بھی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ اور اس لئے معاملہ ہمیشہ اس کے صاف رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید۔

اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا

یا انہیں چھوڑ دو بھلے طریقے کے ساتھ، ف۶۴۷ اور تم انہیں مت روکو نقصان پہنچانے کی غرض سے

لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

کہ (اس طرح) تم (ظلم اور) زیادتی کا ارتکاب کرو گے، اور جس کسی نے ایسے کیا تو اس نے یقیناً خود اپنی جان ہی پر ظلم کیا، ف۶۴۸

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

اور مت ٹھہراؤ تم لوگ اللہ کی آیتوں کو کھیل (اور تماشہ)، ف۶۴۹ اور یاد کرو تم اللہ کے اس (عظیم الشان)

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ

احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا، ف۶۵۰ اور کتاب و حکمت (کی اس بے مثل دولت) کو جو اس نے تم پر

۶۴۷ بھلے طریقے سے چھوڑنے کا حکم و ارشاد: - یعنی تم ان کو بھلے طریقے سے چھوڑ دو تا کہ وہ عدت گزارنے کے بعد اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں نکاح کر لیں، اور اپنی مرضی کی ازدواجی زندگی گزاریں، کہ یہ ان کا ایک جائز حق ہے، جس سے ان کو روکنا اور منع کرنا درست نہیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے، اور ان کو ایسے لٹکا کر رکھتے کہ نہ ان کو بیوی بنا کر رکھتے اور نہ ہی طلاق دے کر فارغ کرتے کہ وہ کسی اور جگہ نکاح کر لیں۔ سو اسلام نے صنفِ نازک کو اس ظلم سے رہائی دلائی۔ سو "تسریح بالمعروف" یعنی بھلے طریقے سے چھوڑنے میں یہ بھی داخل ہے کہ محض انکو تنگ کرنے اور عدت کو طول دینے کیلئے نہ روکو، اور اسکے ساتھ ایسی بھی کوئی حرکت نہ کرو کہ انکو بدنام اور مطعون کر کے آگے کا بھی نہ چھوڑو، جس طرح کچھ ظالم اور بے انصاف لوگ پہلے بھی کرتے تھے۔ اور آج بھی بعض جگہوں پر کرتے ہیں جو ظلم اور بے انصافی ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۶۴۸ حضرتِ خالق کی معصیت خود اپنے آپ پر ظلم - والعیاذُ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خالق کے اَحکام کی خلاف ورزی کرنا خود اپنی جان پر ظلم کرنا ہے، والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے ایسے کیا تو اس نے یقیناً خود اپنی جان ہی پر ظلم کیا کہ اس طرح اس نے ایک طرف تو اس نے اپنے خالق و مالک - اللہ وحدہٗ لاشریک - کی ناراضگی کا ارتکاب کیا جو کہ ایک سنگین جرم اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور دوسری طرف اس نے حقدار کو اس کے حق سے محروم کیا۔ اور تیسری طرف اس نے معاشرے کی اصلاح کی بجائے اس کو فساد اور بگاڑ کی راہ پر ڈال دیا۔ اور اسکے نتیجے میں وہ لوگوں کے درمیان بھی مبغوض و ممقوت قرار پائے گا - والعیاذ باللہ العظیم - سو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے ارشاد فرمودہ اَحکام انسان کے فطری تقاضوں کے مطابق عدل و انصاف کے اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ انکی خلاف ورزی کر کے انسان اپنے فطری تقاضوں اور عدل و انصاف کے اصولوں کو پامال کرنے کا

مرتکب ہوتا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرتا ہے مگر اس کو اس کا احساس بھی نہیں - والعیاذ باللہ العظیم -

۶۴۹ اللہ کی آیتوں کو مذاق بنانے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ممانعت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مذاق مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو۔ کہ ان سے منہ موڑنا اور ان کی خلاف ورزی کرنا، اور ان سے لاپرواہی برتنا، ان سے مذاق کرنے اور ان کو تماشہ بنانے کے مترادف ہے۔ (المراغی، المعارف وغیرہ) اور ظاہر ہے کہ یہ ایک سنگین جرم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - لہٰذا اہلِ ایمان کو اس کی ہر شکل سے بچنا چاہیئے - وباللہ التوفیق - حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور پھر کہتا کہ میں تو ایسے ہی مذاق کررہا تھا اور اپنے غلام کو آزاد کرتا اور پھر کہتا کہ میں تو ایسے ہی مذاق کررہا تھا تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جس میں ایسی تمام باتوں سے ممانعت کردی گئی۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ نیز مذاق اڑانے میں یہ بھی داخل ہے کہ بظاہر تو وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتا ہو، لیکن اندر نیت اسکے مقتضٰی کے خلاف رکھتا ہو۔ مثلاً یہ کہ تیسرے طہر میں وہ اپنی بیوی سے مراجعت کرے تو از روئے شریعت اسکو اسکا حق حاصل ہے، لیکن اس سے اسکا مقصد بیوی کو بسانا اور آباد کرنا نہیں بلکہ تنگ کرنا ہو، تو یہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق بنانے کا ارتکاب اگر قصد وارادہ سے ہو تو یہ کفر ہے ورنہ یہ ایک سنگین جرم اور گناہ ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بہرکیف اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا ایک ممنوع ومحرم امر ہے - اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین -

۶۵۰ تذکیر نعمت برائے شکر نعمت: - سو ارشاد فرمایا گیا اور یاد کرو تم لوگ اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا، اپنے عظیم الشان رسول کو تمہارے اندر مبعوث فرما کر۔ اور ان کے ذریعے اپنے اس عظیم الشان کامل ومکمل اور آخری دینِ حنیف کی سچی تعلیمات سے تمہیں نواز کر، جس سے تم کو دارین کی سعادت وکامرانی، اور حقیقی کامیابی اور فائز المرامی کی راہ نصیب ہوئی۔ ورنہ تم لوگ تو ہدایت کی روشنی سے محرومی کے باعث دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کی راہ پر چلے جارہے تھے، تو اللہ پاک - سبحانہ وتعالیٰ - نے اپنے اس رسولِ عظیم کو مبعوث فرما کر، اور دینِ کامل ومبین کی نعمت سے تمہیں سرفراز فرما کر، تم کو اس ہولناک انجام سے بچالیا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا - ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ - [آل عمران - ۱۰۳] ''اور تم لوگ (دوزخ کی) اس (ہولناک) آگ کے کنارے پر کھڑے تھے، تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا'' اور بلاشبہ یہ اس وحدہٗ لاشریک ربِّ مہربان کی رحمتِ بے نہایت اور کرم بے پایاں کا ایک عظیم الشان اور بے مثل وبے بدل مظہر ہے، جس سے اس نے محض اپنے فضل وکرم سے تمہیں نوازا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - پس حق وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ دل وجان سے اس کی قدر کرکے اپنے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرو - وباللہ التوفیق - اور کہیں تم نے ناشکری سے کام لیا - والعیاذ باللہ - تو خود اپنا ہی نقصان کرو گے - والعیاذ باللہ - سو شکرِ نعمت کا فائدہ خود انسان کو پہنچتا ہے اور کفرِ نعمت کا نقصان بھی اسی کو - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور اپنے شکر کی نعمت سے سرشار رکھے - آمین ثم آمین -

وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

نازل فرمائی ۶۵۱ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اس (خزانۂ علم وحکمت) کے ذریعے اور ۶۵۲ ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے، اور یقین جانو

اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

کہ اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، ۶۵۳ اور جب تم طلاق دے دو اپنی عورتوں کو

فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ

پھر وہ پورا کرلیں اپنی عدت کو، تو تم ان کو مت روکو اس بات سے کہ وہ نکاح کریں

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ

اپنے (تجویز کردہ) شوہروں سے ۶۵۴ جب کہ وہ آپس میں (نکاح کرنے پر) راضی ہو جائیں دستور کے مطابق ۶۵۵ اس

يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

(مضمون) کی نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے ہر اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر، اور قیامت کے

الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

دن پر، ۶۵۶ یہ تمہارے لئے نہایت پاکیزہ اور بڑی صفائی کی بات ہے، اور اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ) جانتا ہے تم

۶۵۱ کتاب وحکمت کی دولت بے مثال اور اسکا تقاضا:- سو یہ ایک ایسی عظیم الشان دولت ہے جس کی عظمت شان کا یہ عالم ہے کہ دنیا وآخرت کی کوئی خیر ایسی نہیں جس کی ہدایت ورہنمائی اس میں نہ فرمائی گئی ہو، اور دارین کا کوئی شر ایسا نہیں جس سے اس میں خبردار نہ کیا گیا ہو، اور اس سے تحذیر وتنبیہ نہ فرمائی گئی ہو۔ سو کتنے ظالم، اور کس قدر بدنصیب، اور بے انصاف ہیں وہ لوگ، جو ہر خیر کے اس سرچشمہ سے منہ موڑتے، اور اس سے اعراض و بے رغبتی برتتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے اندر اپنا پیغمبر مبعوث فرمایا، اور اسکے ذریعے تمہیں ہر خیر وشر اور نیک وبد کے درمیان فرق وتمیز سے آگہی بخشنے والی اس کتاب عظیم سے نوازا، جو کہ قانون اور حکمت دونوں کا مجموعہ ہے، مگر تم لوگوں نے ان عظیم الشان نعمتوں کی دل وجان سے قدر کرنے کی بجائے الٹا انکی حدود کو توڑا، اور اسکی شریعت کا مذاق اڑایا۔ سو سوچ لو ایسی ناشکری اور بے انصافی کا نتیجہ اور انجام کیا ہوسکتا ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف کتاب وحکمت کی دولت بے مثال کا شکر اور اس کی قدردانی لازم ہے- وباللہ التوفیق-

۶۵۲ اللہ کی نصیحت منفرد وبے مثال:- کہ یہ وہ نصیحت ہے جس میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا۔ سو

یہ وہ عظیم الشان اور بے مثال نصیحت ہے جس میں کسی خطا اور غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ باقی دنیا کی ہر نصیحت میں غلطی اور کوتاہی ہو سکتی ہے، مگر اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات ایسے ہیں کہ ان میں کسی غلطی و خطا اور کوتاہی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا۔ پس تم لوگ دل کے اطمینان اور کامل سکون و اعتماد کے ساتھ ان کو دل و جان سے اپنا لو، کہ اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اگر تم نے اس سے منہ موڑا تو تم خود اپنا ہی نقصان کرو گے۔ والعیاذ باللہ۔ سو جس طرح اللہ پاک خود یکتا و بے مثال ہے اسی طرح اس کی نصیحت بھی یکتا و منفرد اور بے مثال ہے، جو اب قرآنِ حکیم کی صورت میں دنیا کی رہبری و راہنمائی کے لیے موجود ہے، اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت موجود رہے گی۔ سو اس کو اپنانا سعادتِ دارین سے بہرہ مندی کا ذریعہ اور واحد ذریعہ ہے اور اس سے محرومی۔ والعیاذُ باللہ۔ ہر خیر سے محرومی اور سراسر خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذُ باللہ العظیم۔

۶۵۳ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی تذکیر و یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یقین جانو کہ اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو اس سے کسی کا کوئی قول و فعل، یا نیت و ارادہ تک کوئی بھی چیز کسی بھی درجے میں چھپی نہیں رہ سکتی۔ پس تم ہمیشہ اور ہر حال میں اس کا خیال رکھو کہ اس سے تمہارا معاملہ درست رہے۔ رَبِّ اِنِّیْ رَاضٍ عَنْکَ مِنْ اَعْمَاقِ قَلْبِیْ۔ فَارْضَ اَنْتَ عَنِّیْ بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ وَاِحْسَانِکَ۔ وَخُذْنِیْ بِنَاصِیَتِیْ اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّکَ وَرِضَاکَ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِیْ کُلِّ مَوْقِفٍ مِّنَ الْمَوَاقِفِ فِی الْحَیَاةِ۔ یَا مَنْ هُوَ اَرْحَمُ بِنَا مِنَّا لِاَنْفُسِنَا۔ بہرکیف ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے خالق و مالک سے اپنا معاملہ درست رکھنے کی ضرورت ہے اور سچے دل سے کہ وہاں ظاہر داری نہیں چل سکتی، کہ وہ ہر چیز کو ہر اعتبار سے اور پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ وہ نیکوں کی نیکیوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے، اور بروں کی برائیوں کو بھی۔ پس ہمیشہ اس امر کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ اپنے اس خالق و مالک کے ساتھ میرا معاملہ صحیح ہو اور اس کی رضا و خوشنودی کا شرف مجھے نصیب ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

۶۵۴ عورتوں کو انکے حقِ نکاح سے روکنے کی ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ عورتوں کو ان کے حقِ نکاح سے مت روکو۔ خواہ وہ اپنے سابقہ شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں یا دوسرے نئے خاوندوں سے۔ ان کو بہرحال اس کی آزادی و اختیار ہے۔ پس تم ان کو ان کے اس حق اور آزادی کے اختیار اور استعمال سے کبھی نہیں روکنا، بشرطیکہ وہ دستور کے مطابق (بالمعروف) ہو۔ پس اگر دستور کیخلاف کسی امر کا ارتکاب کیا گیا ہو تو پھر اسکو روکنے کا حق ہے۔ مثلاً یہ کہ کسی امر محرم کا ارتکاب کیا گیا ہو، یا وہ نکاح غیر کفو میں ہو، وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ اگلے حاشیے میں اسکی مزید تفصیل آرہی ہے۔ "عضل" کے معنیٰ روکنے اور کسی کام میں رکاوٹ ڈالنے کے ہوتے ہیں۔ اور "ازواجہن" میں "ازواج" سے مراد ان کے ہونے والے وہ شوہر ہیں جن سے وہ آئندہ نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ خواہ وہ کوئی بھی ہوں پرانے ہوں یا نئے۔ سو یہ اختیار ان کا حق ہے۔ اس لیے ان کو اس سے روکنا درست نہیں، پس وہ اپنے نکاح اپنی مرضی کے مطابق کر سکتی ہیں۔

۶۵۵ دستور کے خلاف ہونے والے نکاح کو روکنے کا حکم: سو بالمعروف کی قید سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ حکم و ارشاد اس صورت میں ہے جبکہ یہ نکاح دستور کے مطابق ہو۔ پس اگر ان کا یہ نکاح دستور کے مطابق نہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ غیر کفو میں، یا کسی غیر مسلم، یا مرتد و زندیق، کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں، یا عدت کے اندر ہی نکاح کا پروگرام

بنالیں، وغیرہ۔ تو ایسی ہر صورت میں تم دخل دے کر ان کو روک سکتے ہو، اور روکنا چاہیئے۔ تا کہ وہ ایسی برائی میں مبتلا ہونے اور ارتکابِ منکر سے بچ جائیں۔ اور منکر سے روکنا ہر مسلمان کا دینی و ایمانی فریضہ ہے۔ روایات کے مطابق حضرتِ معقل بن یسارؓ کی ہمشیرہ کو طلاق ہوگئی۔ پھر ان کی عدت پوری ہونے پر اسی شخص نے جس نے ان کو طلاق دی تھی دوبارہ پیغامِ نکاح دیا، تو حضرتِ معقلؓ کو چونکہ اس طلاق پر بہت صدمہ اور افسوس تھا، اس لئے آپؓ نے قسم کھالی کہ اب میں دوبارہ اپنی بہن کو تمہارے نکاح میں کبھی نہیں دوں گا، کیونکہ میں نے اس سے پہلے تم سے اس کا نکاح کیا، اور تمہارا گھر بسایا، مگر تم نے اس کو بلاوجہ طلاق دے دی۔ لہٰذا اب یہ دوبارہ تمہارے گھر کسی صورت میں بھی نہیں جائیگی، معقلؓ خود کہتے ہیں کہ وہ آدمی بھی کوئی برا آدمی نہ تھا، اور میری بہن بھی اس کے یہاں دوبارہ جانے پر راضی تھی، مگر میں نے قسم کھالی کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، جس سے وہ فوراً اس شخص سے اپنی بہن کا دوبارہ نکاح کرنے پر آمادہ ہوگئے، اور اس کا نکاح اسی شخص سے کر بھی دیا، جیسا کہ ان حضرات کی شان اور ان کا طرۂ امتیاز تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر یہ اس طرح فوراً لبیک کہتے تھے کہ اس کے بعد کسی چوں و چرا، حیل و حجت اور قیل و قال کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ رِضْوَانُ اللّٰہ علیھم اجمعین۔ بہرکیف شانِ نزول کوئی بھی ہو، حکم بہر حال عام ہے اور قرآنِ حکیم نے اپنی اعجاز بیانی کے مطابق یہ قانونِ کلی اور دستورِ عام اس بارے میں مقرر فرما دیا کہ عورتوں کی عدت جب پوری ہو جائے، تو اس کے بعد دستور کے مطابق وہ جہاں چاہیں اپنا نکاح کر لیں۔ تم ان کو ان کے اس حق سے مت روکو، کہ اسی میں سب کی بہتری اور بھلائی ہے ورنہ خواہ مخواہ ان کو روکنے سے معاشرے میں کئی خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور پیدا ہوتی ہیں جن کے اثرات دور دور تک پہنچتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۵۶ ایمان و یقین کی دولت اصل اور اساس ہے ہر خیر کی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی نصیحت کی جاتی ہے تم میں سے ہر اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یعنی فائدہ اس نصیحت سے بہر حال وہی اٹھائے گا، جو یہ ایمان و یقین رکھتا ہو، اور اسے اس کا احساس ہو کہ میں نے وہاں پہنچ کر اپنے کئے کرائے کی جوابدہی کرنی ہے، اور یہ میرے خالق و مالک کا مجھ پر حق ہے کہ میں اس کے حکم و ارشاد کو دل و جان سے قبول کروں اور ان پر لبیک کہوں۔ سو ایمان و یقین کی دولت اصل اور اساس ہے ہر خیر کی اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ نصیحتیں ان ہی لوگوں کو کی جارہی ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین رکھتے ہیں، کہ انکے ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ ان نصیحتوں پر عمل کریں۔ پھر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے۔ یعنی اگر عورت کے حسبِ منشاء و مرضی نکاح میں رکاوٹ ڈالی گئی تو اس سے خاندان میں اور پھر پورے معاشرے میں طرح طرح کی برائیاں پھیلنے کے خدشے ہیں۔ یہیں سے خفیہ روابط، پھر زنا پھر اغواء اور بالآخر قتل و فرار جیسے طرح طرح کے مفاسد کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور اس طرح بالآخر ان سب لوگوں کی ناک کٹ کر رہتی ہے، جو اپنی ہی ناک کو اونچا رکھنے کے زعم میں فطری جذبات کے مقابلے میں رسم و رواج کی رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کرتے ہیں، والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دینِ حنیف کی مقرر فرمودہ حدود و قیود کی پابندی ہی میں سب کا بھلا اور بہتری ہے۔

لَا تَعۡلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾ وَالۡوَالِدٰتُ يُرۡضِعۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ

نہیں جانتے، ف۶۵۷ اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو

حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ لِمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

پورے دو سال، جو پورا کرنا چاہیں دودھ پلانے کی مدت کو، ف۶۵۸

وَعَلَى الۡمَوۡلُوۡدِ لَهٗ رِزۡقُهُنَّ وَكِسۡوَتُهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ

اور (باپ) جس کے لیے دراصل وہ بچہ جنا گیا ف۶۵۹ اس کے ذمے ہے، ان دودھ پلانے والیوں کے کھانے اور کپڑے کا بندوبست کرنا

۶۵۷ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے پس یہ یقین و اطمینان رکھو کہ اس کے ارشاد فرمودہ ہر قانون و ضابطہ میں خود تمہارے ہی لئے بہتری اور سراسر خیر اور بھلائی ہے، خواہ تمہیں اس کی سمجھ آئے یا نہ آئے، کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے اسکے ظاہر و باطن کے اعتبار سے، اور حال و مآل دونوں کے لحاظ سے، پس اس کا ہر ارشاد سراسر حق اور عین خیر ہے اور اسی میں بھلا ہے ہر کسی کا۔ پس تم اے ایمان والو! اپنے اس خالق و مالک کے ہر ارشاد کو دل و جان سے اپناؤ، سو تمہارا علم ناقص اور تمہاری نظر محدود و قاصر، اس لیے زندگی کے تمام نشیب و فراز کو جاننا، اور ہر چیز سے پوری آگہی رکھنا تمہارے لیے بڑا مشکل بلکہ ناممکن ہے، بھلا ناقص عقل اور محدود و قاصر نگاہیں ہر چیز کو پوری طرح آخر کیونکر جان سکتی ہیں؟ سو تمہارے لیے بہتری اور سلامتی کی راہ یہی اور صرف یہی ہے کہ تمہیں خداوند قدوس کی طرف سے جو بھی حکم دیا جا رہا ہو، اس کو تم دل و جان سے اپناؤ اور اسکی مقرر فرمودہ حدود و قیود کی پوری پابندی کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ سو علم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ اس کے سوا باقی تمام علوم ناقص اور محدود ہیں۔ ان کا تعلق صرف مادیات اور محسوسات سے ہے اور بس۔ حالانکہ محسوسات کا دائرہ بہت محدود ہے۔ غیب کا جہان اس سے کہیں زیادہ وسیع اور محیط ہے۔ سو علم محیط اور شامل اللہ تعالیٰ ہی کا علم ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۶۵۸ مدتِ رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال:۔ ان کیلئے جو یہ مدت پوری کرنا چاہیں، اور جو مائیں یہ مدت پوری نہ کرنا چاہیں، وہ اس سے پہلے بھی اپنی مصلحت و ضرورت کے مطابق جب چاہیں دودھ چھڑا سکتی ہیں۔ اور "وَالِدَات" کا لفظ عام ہے، خواہ وہ طلاق والی ہوں، یا غیر مطلقہ ہوں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ کیونکہ ماں کا دودھ بچے کیلئے سب سے عمدہ اور افضل دودھ اور سب سے زیادہ مفید اور مناسب غذا ہے۔ اور ایسی اور اس حد تک کہ اس کا کوئی نعم البدل ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا، اس پر سب اطباء اور تمام ڈاکٹروں کا اتفاق ہے۔ اور ماں کا دودھ بچے کی عمر کے مطابق قدرت کی طرف سے خود بخود، حسبِ ضرورت بدلتا جاتا ہے، اور اس باریک حساب سے، اور حیرت انگیز طور پر، کہ اس کا اور کوئی بدل ممکن نہیں۔ فَسُبۡحَانَ اللّٰهِ مِنۡ خَالِقٍ عَلِيۡمٍ قَدِيۡرٍ۔ سی لئے ڈبوں وغیرہ

کے دوسرے مصنوعی دودھ مختلف قسم کی بیماریوں کا سبب بنتے ہیں، خاص کر بچوں کے نقصان دہ موٹاپے وغیرہ کی اصل اور بڑی وجہ یہی مصنوعی دودھ ہوتے ہیں، جو ان کو بچپن میں پلائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اب خود یورپ وغیرہ کے ان ملکوں میں جو یہ دودھ تیار کرتے ہیں ان کے خلاف کام کرنے والی مستقل اور مختلف قسم کی ٹیمیں اور جماعتیں کام کرنے لگی ہیں۔ حالانکہ یہ مضرت ونقصان کا صرف مادی اور حسی پہلو ہے جو ان لوگوں کے سامنے ہے۔ جبکہ اس کا معنوی اور دینی پہلو اس سے بھی کہیں بڑھ کر نزاکت اور اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ عورت کا دودھ بچے کیلئے صرف غذاء ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس کی تعمیر یا تخریب کا ایک بڑا اہم سبب اور بنیادی عنصر بھی ہوتا ہے، کہ اس کے ذریعے ماں کے اخلاق، اس کی عادات وصفات، اور اس کی محبت وشفقت، کے اثرات وغیرہ سب کچھ بچے میں منتقل ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ماں کے دل میں اپنے بچے کیلئے محبت وشفقت، اور ہمدردی وپیار وغیرہ کے جو جذبات واحساسات پائے جاتے ہیں، وہ دوسری کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہوسکتے۔ پھر ماں کے علاوہ جو عورت بچے کو دودھ پلائے گی اس کے اخلاق اور اس کی صحت کے بارے میں بھی پورے جزم ویقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ حالانکہ اولاد انسانی زندگی کا سب سے بڑا ثمرہ، اور سب سے عمدہ پھل ہوتا ہے۔ اس کی بناء واصلاح سے دوسرے کتنوں کا اور کس کس طرح سے بھلا ہوگا، اور اس کے فساد وبگاڑ اور بے راہ روی کے آثار ونتائج کہاں کہاں تک پہنچیں گے، اور کس کس شکل میں پہنچیں گے، اس کا پوری طرح احاطہ وادراک اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں۔ اس لئے دینِ حق اسلام نے اولاد کی اِصلاح اور تربیت وتہذیب کا جس قدر اہتمام کیا ہے، اس کی کوئی نظیر ومثال دنیا کے دوسرے کسی بھی دین ومذہب میں ڈھونڈے سے بھی کہیں نہیں مل سکے گی۔ پس کتنے خسارے اور کس قدر گھاٹے میں ہیں، وہ ماں باپ جو اس اہم ذمہ داری سے غفلت برتتے ہیں، اور اپنی اولاد کو ان نوکرانیوں اور خادماؤں کے حوالے کردیتے ہیں، جن کے نہ دین وایمان کا کچھ پتہ ہوتا ہے، اور نہ ان کے اخلاق وکردار کا۔ جیسا کہ آج بہت سے مسلمان ملکوں اور مسلمان گھرانوں میں ہورہا ہے، خاص کر خوشحال اور کھاتے پیتے گھرانوں، اور عیاش اور بےفکر حلقوں میں، جس سے آگے چل کر طرح طرح کے المناک فتنے اور ہولناک مفاسد جنم لیتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

۷۵۹ والد کی بجائے ''مَوْلُوْدٌ لَہٗ'' کہنے کی حکمت:- یہاں پر والد کہنے کی بجائے ''مَوْلُوْدٌ لَہٗ'' فرمایا گیا حالانکہ والد کا لفظ اس کے مقابلے میں مختصر تھا، اس لئے کہ اس میں ایک تو یہ درس ہے کہ اولاد چونکہ باپ ہی کی ہوتی ہے، اس لئے یہ اصل اور بنیادی ذمہ داری اسی کی بنتی ہے کہ وہ اسکی پرورش اور رعایت ونگہداشت کے بارے میں پورا خیال رکھے، کہ مآل وانجام کے اعتبار سے اس کا فائدہ، بہرحال اسی کو پہنچے گا۔ اور اسکی یہ ذمہ داری بھی اس کی حیثیت کے مطابق ہی ہوگی، جیسا کہ سورۂ طلاق کی آیت نمبرے میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے، جیسا کہ اس کا کچھ ذکر اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ بچے کے باپ کے ذمے ہے کہ وہ اسکو دودھ پلانے والی عورتوں کی اپنی حیثیت کے مطابق خوراک اور پوشاک کا انتظام کرے کہ بچہ اسی کا ہے اور اس کا نسب وتعلق بھی اسی کے ساتھ ہے۔ اس لیے یہ ذمہ داری اسی کی بنتی ہے اور اس کا نفع اور فائدہ بھی اسی کو پہنچے گا۔ اور – '' الغرم بالغنم '' – کے مشہور ومعروف ضابطے اور اصول کا تقاضا بھی یہی ہے – والحمدللہ جل وعلا-

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

دستور کے مطابق، کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اسی قدر جتنا کہ اس کے بس (اور اختیار) میں ہو ف۶۶۰ (سو) نہ تو کسی ماں کو تکلیف

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ

میں ڈالا جائے اس کے بچے کی بناء پر ف۶۶۱ اور نہ ہی کسی باپ کو تکلیف میں ڈالا جائے اس کے بچے کی وجہ سے ف۶۶۲ اور (باپ کے زندہ نہ ہونے

۶۶۰ حد سے بڑھ کر کسی کو تکلیف دینے کی اجازت نہیں:- سو اس سے ایک ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے کہ کسی کو اسکی حیثیت سے بڑھ کر تکلیف دینا جائز نہیں پس امیر کو اسکی حیثیت کے مطابق، اور غریب کو اسکی حیثیت کے مطابق مکلف بنایا جائیگا۔ اور یہ دینِ حنیف کا ایک بنیادی ضابطہ اور مستقل اصول ہے کہ کسی بھی انسان کو اسکی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جاتی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرۃ۔ ۲۸۶] نیز فرمایا گیا ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ﴾ الآیۃ۔ [الطلاق۔ ۷] سو "مرضعہ" یعنی دودھ پلانے والی عورت کو خوراک و پوشاک کے سلسلہ میں شوہر کی حیثیت، عورت کی ضروریات اور گردوپیش کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر فریقین فیصلہ کریں گے کہ عورت کو نان ونفقہ کے طور پر کیا دیا جائے؟ اور اس کے لئے کیا مناسب ہوسکتا ہے۔

۶۶۱ ماں کو اس کے بچے کی بناء پر تکلیف میں ڈالنے کی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کسی ماں کو اسکے بچے کی بناء پر تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔ مثلاً یہ کہ اس کو اس کے اپنے بچے کے دودھ پلانے کے حق سے محروم کر دیا جائے، یا دودھ پلانے کی صورت میں اس کے نان ونفقہ میں کمی کر دی جائے۔ یا اس کو اپنے بچوں کی زیارت و ملاقات وغیرہ سے محروم کر دیا جائے، وغیرہ۔ سو اس کو اس طرح کی کسی بھی تکلیف میں ڈالنا اور ایذاء پہنچانا جائز نہیں۔ اور دینِ حنیف کا مستقل اصول اور ضابطہ یہ بھی ہے کہ نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ۔ نیز یہ کہ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴾۔ [البقرۃ: ۲۷۹]۔ اور حدیثِ صحیح میں فرمایا گیا، " لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ فِي الْاِسْلَامِ " یعنی اسلام میں نہ تو نقصان اٹھانے کی اجازت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ضَرَر سے بچائے اور ضرار سے بھی۔ آمین ثم آمین۔ یاربَّ العالمین۔

۶۶۲ باپ کو اس کے بچے کی بناء پر تکلیف میں ڈالنے کی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی کسی باپ کو اسکے بچے کی بناء پر تکلیف میں ڈالا جائے۔ مثلاً یہ کہ ماں دودھ پلانے سے انکار کر دے، تاکہ اس طرح وہ دوسری عورتوں کو دایہ بنانے اور ان سے دودھ پلوانے پر مجبور ہو جائے، یا اس سے نان ونفقہ میں اس کی طاقت وحیثیت سے بڑھ کر مطالبہ کیا جائے، یا وہ بچے کی تربیت اور اسکی پرورش میں کوتاہی سے کام لینے لگے، اور اسکی جسمانی یا اخلاقی تربیت میں جان بوجھ کر غفلت برتنے لگے۔ تاکہ اس طرح وہ بچے کے باپ کو تنگ کر کے اور اسکو مشکلات میں ڈال کر من مانی کرنے لگے وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسی کوئی بھی صورت جائز نہیں کہ ضرر اور اِضرار کی ہر شکل اسلام میں ممنوع ہے جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں گزرا۔ سو بچے کی آڑ لے کر باپ پر کوئی بھی ناروا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا

کی صورت میں اس کے) وارث پر بھی ایسا ہی حق ہے، پھر اگر وہ دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے ف۶۶۳ (دو سال کی اس مدت کی

وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

تکمیل سے پہلے ہی) دودھ چھڑانا چاہیں تو (اس میں) ان پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی

تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

اور دایہ سے) دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جب کہ تم ادا کر دو

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

وہ (معاوضہ) جس کا دینا تم نے طے کیا ہو دستور کے مطابق، ف۶۶۴ اور ہمیشہ ڈرتے رہا کرو اللہ سے، اور یقین جانو کہ

اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ

اللہ پوری طرح دیکھ رہا ہے تمہارے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کر رہے ہو، ف۶۶۵ اور تم میں سے جو وفات

مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

پا جائیں اور وہ (اپنے پیچھے) چھوڑ جائیں بیویاں، تو ان (بیواؤں) کو چاہیئے کہ وہ انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

چار مہینے اور دس دن، ف۶۶۶ پھر جب وہ پورا کر لیں اپنی (عدت کی) مدت کو،

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

تو تم پر کوئی گناہ نہیں ان کے ان کاموں کی بناء پر جو وہ خود کریں، اپنی جانوں کے حق میں، ف۶۶۷

بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا

دستور کے مطابق، ف۶۶۸ اور اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، ف۶۶۹ اور تم

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ

پر اس اشارہ (وکنایہ) میں بھی کوئی گناہ نہیں، جس سے تم نے (عدت کے دوران) ان عورتوں کی منگنی سے متعلق کام لیا ہو، ف۶۷

أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ

(خواہ تم نے اس کو ظاہر کیا ہو) یا اسے چھپائے رکھا ہو اپنے دلوں میں ف۶۷ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم عنقریب ہی (عدت کے

۶۶۳ خاندانی امور و معاملات میں باہمی مشورے کی ہدایت:- سو اس سے خاندانی امور میں خاندان والوں کے مشورے کی ضرورت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں سے باہمی مشورہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو کہ اسلام کی مقدس تعلیمات کا ایک اہم حکم اور بنیادی عنصر ہے، کہ گھر کے اندر کے مسائل کے بارے میں گھر والے مشورہ کریں۔ محلّہ اور شہر کے مسائل، اہلِ محلّہ اور اہلِ شہر کے اَصحابِ رائے کے باہمی مشوروں سے طے ہوں۔ اور ملکی و بین الاقوامی مسائل کے بارے میں ملکی اور بین الاقوامی سطح کے مفکر و دانشور اور اَصحابِ فکر و بصیرت باہم مشورہ کریں، تو ایسے فیصلوں سے خیر ہی پھیلے بڑھے گی۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں ایک مستقل سورت سورۂ شوریٰ کے نام سے نازل ہوئی ہے، جس میں مومنوں کی ایک مستقل صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾- یعنی ان کے اجتماعی اور اہم امور ان کے باہمی مشوروں سے طے ہوتے ہیں اور ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ''مَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ وَلَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ''، یعنی جس کسی نے مشورہ سے کام لیا وہ کبھی نادم اور شرمندہ نہیں ہوگا۔ اور جس نے استخارہ کر کے کام کیا وہ ناکام و نامراد نہیں ہوگا۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیمات ہیں یہ، جن سے دینِ حنیف نے دنیا کو نوازا ہے، مگر دنیا کی بے قدری اور ناشکری ملاحظہ ہو کہ وہ اسکے باوجود ان ہدایاتِ عالیہ اور تعلیماتِ مقدسہ سے منہ موڑے ہوئے ہے، اِلّا ماشاء اللہ اور یہ ناشکری اور بے انصافی باعثِ محرومی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ماں باپ دونوں باہم مشورے سے اس سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ معاملہ ان کی صوابدید پر ہے۔

۶۶۴ دایہ کو اس کا طے شدہ معاوضہ ادا کرنے کی ہدایت:- کہ اپنے قول و قرار کو نبھانا ضروری ہے اور کسی کا حق مارنا یا اس میں کمی و کوتاہی کرنا جائز نہیں۔ اس لیے تم دایہ کو اس کا مقرر کردہ معاوضہ پورے طور پر ادا کر دیا کرو۔ ایک تو اس لیے کہ اپنے عہد و پیمان اور قول و قرار کو نبھانا اور پورا کرنا تمہارے ایمان و عقیدہ کا تقاضا ہے اور دوسرے اس لیے کہ دایہ کو خوش رکھنا، خود بچے کیلئے اور اس کے والد کیلئے بھی مفید ہے کیونکہ جب دایہ خوش ہوگی تو بچے کی پرورش دل و جان سے کرے گی، ورنہ وہ اسکی پرواہ نہیں کرے گی، جس سے بچے کی تربیت متاثر ہوگی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر دایہ طبعی طور پر مطمئن اور خوش نہیں ہوگی تو اس کا اثر اسکے دودھ پر بھی پڑے گا، اور اس کا دودھ بھی اسکے نتیجے میں خراب ہو جائے گا۔ جس سے بچے کی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ جس سے لازمی طور

پر بچے کے باپ کو بھی تکلیف پہنچے گی اور صدمہ ہوگا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو عقل و نقل سب کا تقاضا یہی ہے کہ دایہ کو اسکی طے کردہ اجرت پوری کی پوری ادا کی جائے، اور اسکی کسی بھی طرح کی حق تلفی نہ کی جائے۔

۶۶۵ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی تذکیر و یاد دہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ دیکھ رہا ہے تمہارے ان کاموں کو جو تم لوگ کر رہے ہو۔ پس اس کی ناراضگی سے ہمیشہ بچتے اور ڈرتے رہنا، کیونکہ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے، مگر وہ بہرحال تمہیں دیکھتا اور پوری طرح سے دیکھتا اور جانتا ہے، اور اسی کے حضور تم نے حاضر ہو کر اپنے کئے کرائے کا حساب دینا ہے اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى فِىْ كُلِّ شَاْنٍ مِنْ شُؤُوْنِ حَيَاتِنَا مِنَ السِّرِّيَّةِ مِنْهَا وَالْعَلَانِيَةِ- سو خوفِ خداوندی وہ اہم اور بنیادی عنصر ہے جو انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتا ہے اور انسان پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنتا چلا جاتا ہے۔ پس بندۂ مومن کا کام اور اس کی صفت و شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کو اپنے پیشِ نظر رکھے کہ میرا معاملہ میرے خالق و مالک کے ساتھ صحیح رہے اور وہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے کہ یہ اس کا حقِ واجب بھی ہے کہ وہ میرا خالق و مالک ہے اور میں اس کا بندہ و مخلوق اور اسی کا مملوک ہوں۔ اور اسی میں خود میرا بھلا بھی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔

۶۶۶ عدتِ وفات کا بیان: - سو وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی، مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کو حمل نہ ہو، کیونکہ حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ -[الطلاق:۴]۔ آگے ایک آیتِ کریمہ میں آئے گا کہ عدتِ وفات ایک سال ہے سو وہ حکم پہلے تھا جو اس آیتِ کریمہ سے منسوخ ہوگیا۔ پس یہ آیتِ کریمہ تلاوت کے اعتبار سے اگرچہ مقدم ہے مگر نزول کے اعتبار سے مؤخر ہے۔ (معارف للکاندھویؒ)۔ اور عام مطلقہ کی بنسبت بیوہ کی عدت میں یہ اضافہ استبراء رحم، عورت کی سہولت اور اسکے سوگ وغیرہ مختلف مصلحتوں کی بناء پر ہے۔ عورت کمزور دل، صنفِ نازک اور شدید الاحساس ہونے کی وجہ سے شوہر کی وفات کے صدمے کو محسوس بھی زیادہ کرتی ہے، اور حالتِ بیوگی میں وہ ہمدردی کی محتاج اور مستحق بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسکا زمانہ عدت زیادہ رکھا گیا ہے، تاکہ شوہر کی وفات کے صدمے کے ساتھ ساتھ اسکو اپنے شوہر کی ڈیوڑھی چھوڑنے کا صدمہ بھی نہ اٹھانا پڑے۔ سبحان اللہ! دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ میں دوسروں کے مشاعر و احاسیس کا کسقدر خیال و احساس اور پاس و لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ کسی کے آبگینۂ احساس کو کوئی ٹھیس نہ پہنچنے پائے۔ اور ہر ایک کا حق پوری طرح محفوظ رہے۔ فالحمد للہ۔

۶۶۷ عدت کے بعد ایسی عورتوں کیلئے آزادی و اختیار کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انقضاءِ عدت کے بعد ایسی عورتیں دستور کے مطابق جو کریں اس میں اولیاء پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ عدت گزرنے کے بعد ان کو زیب و زینت اختیار کرنے اور نئے نکاح کی اجازت ہے۔ اور جو زیب و زینت اس سے پہلے ان کے لیے ممنوع تھی وہ اب مباح ہوگئی۔ ہاں اگر عدت کی تکمیل سے پہلے اس طرح کی کوئی بات کرتیں تو ان کے سرپرستوں اور دوسرے مسلمانوں کو ان کے روکنے کا حق تھا۔ یہاں تک کہ ان کو اس سلسلہ میں حکومتِ وقت سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی تو بھی لیتے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ لیکن عدت کو پورا کر لینے کے بعد ان پر

ایسی کوئی روک اور پابندی روا نہیں۔ بلکہ وہ اپنے معاملے میں آزاد اور خود مختار ہیں جو چاہیں کریں۔

۶۶۸ دستور کے خلاف کام سے روکنے کی اجازت:- البتہ انکی یہ آزادی معروف کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ پس اگر وہ دستور کے خلاف کوئی کام کریں، تو تمہیں بولنے اور مداخلت کرنے کا حق حاصل ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ عدت گزرنے سے پہلے ایسا کوئی کام کرنے لگیں، جو عدت کے دوران کرنا جائز نہیں، یا غیر کفوء میں نکاح کرنے لگیں، یا یہ کہ یونہی کسی سے ناجائز تعلقات استوار کرنے لگیں، وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - تو اس صورت میں ان کو روکنے اور منع کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے کہ ازالۂ منکر بقدر استطاعت واجب ہے، ورنہ مذکورہ عدت گزار چکنے کے بعد وہ اپنے بارے میں آزاد ہیں۔ جو قدم اپنے مناسبِ حال سمجھیں اٹھالیں اس میں نہ ان پر کوئی اعتراض والزام اور نہ انکے اولیاء پر کوئی اعتراض والزام۔

۶۶۹ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ سو اللہ اپنے بندوں کے ہر ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارا کوئی بھی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا۔ پس تم ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی کوشش اور فکر میں رہا کرو، کہ کوئی جانے یا نہ جانے، وہ بہرحال سب کچھ جانتا ہے۔ اور اسی کے حضور حاضر ہوکر ہر کسی نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کی جوابدہی کرنی ہے، اور اس کا صلہ و بدلہ پانا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اور اسی کا یہ حق ہے کہ بندہ ہمیشہ اسکی رضا وخوشنودی کو اپنے پیشِ نظر اور سب سے مقدم رکھے۔ سو خداوندِ قدوس نے اپنے بندوں کیلئے جو احکام نازل فرمائے۔ اور جو حدود اس نے ان کیلئے مقرر فرمائیں، انکی پوری پابندی کرنی چاہیئے اور اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے بندوں کے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے - سبحانہ وتعالیٰ - بس معاملہ اس سے صحیح رہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید -

۶۷۰ دورانِ عدت نکاح کیلئے تعریض کی اجازت:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دورانِ عدت نکاح کیلئے تعریض جائز ہے، مثلاً یہ کہنا کہ میرا گھر خالی ہے۔ مجھے کسی شریف خاتون کی ضرورت ہے۔ یا یہ کہ مجھے آپ جیسی کوئی نیک اور صالح عورت اپنی زوجیت کیلئے درکار ہے۔ یا یہ کہ مجھے ایسی کوئی نیک اور سلیقہ مند خاتونِ خانہ چاہیئے جو میرے گھر کا سارا نظام سنبھال سکے۔ یا یہ کہ میں عورتوں کے حق میں بہت کشادہ دست انسان ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کے کنایات سے کام لینا درست ہے، اور اس میں تم پر کوئی حرج نہیں، لیکن عدت کے دوران صریح طور پر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں، کہ یہ ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے، اور اسلامی تعلیمات کی عظمت اور انکے تقدس کے بھی منافی ہے، اور احساسِ مروت کے بھی خلاف ہے۔

۶۷۱ ارادۂ نکاح کے اخفاء کی اجازت:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ نکاح کے خیال کو دل میں چھپا کر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں یعنی یہ کہ تم نے نکاح کے خیال کو دل میں مخفی و مضمر رکھا ہو اور اشارہ وکنایہ کے طور پر بھی اس کا ذکر و اظہار کسی سے نہ کیا ہو، بلکہ محض اپنے دل میں ہی رکھا ہو کہ عدت گزرنے کے بعد میں اس عورت سے نکاح کرونگا، تو اسکی تمہیں اجازت ہے، اور اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں - سبحان اللہ! کیسی نزاکتوں اور باریکیوں پر مشتمل تعلیمات سے نوازا گیا ہے بندوں کو انکے ربِّ رحمٰن و رحیم اور علیم و خبیر کی طرف سے، مگر ناشکرے انسان پھر بھی اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں - والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن بکل حال من الاحوال -

وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا

(بعد) ان کو یاد کرو گے ۶۷۳ مگر (یاد رکھنا کہ کہیں) ان سے خفیہ عہد و پیمان نہ کر لینا، ۶۷۴ مگر یہ کہ تم کہو کوئی بھلی بات، ۶۷۵

مَّعْرُوْفًا ۭ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى

(دستور کے مطابق،) اور تم (ان سے) عقدِ نکاح کا قصد (اور پختہ ارادہ) بھی نہ کرنا، یہاں تک

يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ

کہ میعاد نوشت پوری ہو جائے ۶۷۵ اور یقین جانو کہ اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ تمہارے دلوں میں ہے، پس تم (ہمیشہ

اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور ہر حال میں) ڈرتے رہا کرو اس (وحدہٗ لاشریک) سے ۶۷۶ اور یہ بھی یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی بردبار ہے

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْھُنَّ

تم پر اس بات میں بھی کوئی گناہ نہیں، کہ تم طلاق دے دو اپنی عورتوں کو قبل اس سے کہ تم نے ان کو ہاتھ لگایا ہو، ۶۷۷

اَوْ تَفْرِضُوْا لَھُنَّ فَرِيْضَةً ښ وَّمَتِّعُوْھُنَّ ۚ عَلَي

یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر کیا ہو، اور (ایسی صورت میں) تم ان کو کچھ سامان دے دیا کرو، ۶۷۸ خوشحال پر

۶۷۳ فطرت کے تقاضوں کی رعایت کا ایک نمونہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم لوگ ان کو یاد کرو گے کہ یہ انسانی فطرت و جبلت کا تقاضا ہے۔ سو اس سے شریعتِ اسلامیہ میں فطرتِ انسانی کے تقاضوں کی رعایت کی ایک عمدہ مثال سامنے آتی ہے۔ یعنی تم لوگ ان کو یاد کرو گے اپنی طبعی کمزوری، اور جنسی میلان کی وجہ سے، اس لئے تم پر رحم کرتے ہوئے، اور تم پر شفقت فرماتے ہوئے، اس خالق و مالک نے تم کو تعریض یعنی اس اشارہ و کنایہ سے کام لینے کی اجازت دے دی۔ تاکہ تم گناہ میں نہ پڑ جاؤ۔ اور یہ اس وحدہ لاشریک کی اس رحمتِ عامہ اور کرمِ بے پایاں اور تعلقِ خاص کا ایک اور ثبوت اور مظہر ہے، جو اس کو اپنے بندوں سے ہے، کہ وہ ان کی طبائع اور نفسانی کمزوریوں سے پوری طرح آگاہ اور واقف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کہ وہ ان کا خالق و مالک ہے۔ بھلا وہ اگر ان کے ان طبعی میلانات اور نفسانی خواہشات کو نہیں جانے گا تو اور کون جانے گا؟ ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ؟﴾۔ سو اس طرح اس ارشادِ ربانی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ تم لوگوں کو اس تعریض اور اشارہ و کنایہ کی اجازت اگرچہ دے دی گئی، مگر تمہارے لئے افضل

اور بہتر بہر حال یہی ہے کہ عدت کے دوران تم لوگ اس سے بھی بچتے رہا کرو، تاکہ تم فتنہ وفساد کے مواقع ومظان اور ان کے دواعی واسباب سے بھی دور اور محفوظ رہو - اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ وَّمَوَاقِعِ الزَّیْغِ وَالزَّلَلِ - سو جب تم کو اسکی اجازت دی گئی ہے تو تم کو رخصت کی حدود کے اندر ہی رہنا چاہیئے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کو خوب معلوم تھا کہ تم انکو یاد کرو گے۔ اس لیے اس نے تم سے نرمی فرمائی، لیکن انکو یاد اس طرح نہ کرو کہ وہ قول وقرار اور عہد و پیمان کی شکل اختیار کر لے۔ اور اس طرح بعد میں تمہارے لیے مشکل پیدا ہو جائے۔

۶۷۳ پاسداریٔ حدود کا درس:- سو اس سے پاسداریٔ حدود یعنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ اس طرح حدود سے تجاوز کر کے تم لوگ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - "سِرًّا" کے لفظ کے بارے میں حضرات اہلِ علم فرماتے ہیں کہ یہاں پر یہ نکاح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، اور اس طرح یہ ﴿لَا تُوَاعِدُوْھُنَّ﴾ کا دوسرا مفعول بہ قرار پائیگا۔ مطلب یہ کہ تم کہیں ان سے خفیہ نکاح نہ کر لینا۔ اور دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ یہاں پر یہ لفظ جہر کے مقابلے میں اپنے اصل اور معروف معنی میں استعمال ہو۔ اور اس صورت میں یہ حال ہوگا "مُسْتَخْفِیْنَ بِذٰلِکَ" کے معنی میں۔ اور مفعول بہ اس صورت میں محذوف ہوگا "اَیْ لَا تُوَاعِدُوْھُنَّ النِّکَاحَ سِرًّا"۔ سو اس صورت میں یہ مصدر محذوف کی صفت واقع ہوگا، یعنی "مُوَاعِدَۃً سِرًّا" اور ترجمہ میں اسی صورت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور اس خفیہ عہد و پیمان سے منع اس لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ آگے کئی طرح کے فتنوں اور فساد کا سبب اور مختلف قسم کے شکوک وشبہات اور تہمتوں کا ذریعہ بن سکتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو تمہارے خالق و مالک کے ہر حکم وارشاد میں خود تمہارا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ اس لیے تم ان حدودِ الٰہیہ کی پوری طرح پابندی کرو - وباللہ التوفیق۔

۶۷۴ بھلی بات کہنے کی اجازت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مگر یہ کہ تم کوئی بھلی بات کہو۔ ایسی بھلی بات جو نہ عام قواعد وضوابط کے خلاف ہو، اور نہ اس میں کسی اِتہام اور بہتان طرازی کا خدشہ واندیشہ ہو، اور نہ ہی اسے عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں کوئی مانع ہو۔ سبحان اللہ! کیسی عظیم الشان باریکیوں پر مبنی اور حکمتوں بھری تعلیمات سے نوازا گیا ہے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے اس کے بندوں کو - فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ - پس بندوں کا بھلا اسی میں ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے اوامر وارشادات کی پوری پابندی کریں۔ پس اس دوران تم ان عدت والی عورتوں سے قول وقرار اور عہد و پیمان کی نوعیت کی کوئی بات نہیں کرنا، بلکہ وہی اور ویسی ہی بات کرنا جو بھلی اور دستور کے موافق ہو۔ ورنہ آگے کئی مشکلیں پیدا ہو جائیں گی - والعیاذ باللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

۶۷۵ تکمیلِ میعاد سے قبل عزمِ نکاح کی ممانعت:- سو اس سے میعاد کی تکمیل سے پہلے عقدِ نکاح کے پختہ ارادے سے ممانعت کر دی گئی، کیونکہ اس سے قبل اس طرح کے پختہ عزم و ارادہ سے فریقین کے درمیان نکاح کی تحریک کا جذبہ اور داعیہ مزید قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے، جس کے باعث انقضاءِ عدت تک صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے، جس سے آگے کئی طرح کی خرابیاں جنم لے سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! معصیت اور نافرمانی سے روکنے کیلئے حضرتِ حق جل مجدہٗ - کی طرف سے کس قدر مضبوط بند باندھے گئے ہیں، اور مسلمان کی عزت اور اسکی عصمت کی حفاظت کیلئے کیسی عمدہ اور پُر حکمت تعلیم دی گئی ہے۔ کیا دنیا کے کسی بھی قانون و دستور، اور نظامِ زندگی میں اس کی کسی بھی درجے میں کوئی نظیر و

مثال کہیں مل سکتی ہے؟ - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِهٰذَا الدِّیْنِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اس ارشاد سے اس امر کی تصریح فرما دی گئی کہ عدت کی تکمیل سے پہلے اپنے دل میں نکاح کا پختہ ارادہ نہیں کر لینا کہ اس کے نتیجے میں بعد میں مشکل پیش آئے اور تم خواہ مخواہ کی مصیبتوں میں پھنس جاؤ۔ اس لیے ایسی بات سے بچ کر رہنا۔

۶۷۶ تقوٰی وپرہیزگاری کا حکم وارشاد:- سو شرعی قوانین کی ایک امتیازی شان خوفِ خداوندی کی تعلیم و تلقین بھی ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اس سے ڈرتے اور اسکی معصیت و نافرمانی سے بچتے رہنا، اور اس کے قوانین کو کہیں عام دنیاوی قوانین کی طرح نہیں سمجھ لینا، جن سے فرار کیلئے طرح طرح کے حیلے حوالے اختیار کئے جاتے ہیں، بلکہ اسکے احکام کو سچے دل سے اپنانا، اور ان پر پورے عزم و جزم سے عمل پیرا ہونا ہے، کہ اسی میں تمہاری سعادت و کامرانی ہے، اور اسی پر وہ تمہیں اپنے مزید از مزید انعامات سے نوازے گا - اَللّٰهُمَّ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیٰوةِ، وَلَا تَکِلْنَآ اِلٰی اَنْفُسِنَا طَرْفَةَ عَیْنٍ، یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ - سو دنیا والے نہیں جان سکتے کہ کس کے دل میں کیا ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ ہر کسی کے ظاہر و باطن سے ایک برابر واقف و آگاہ ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اس لئے وہاں پر محض ظاہرداری سے کام نہیں چل سکے گا۔ بلکہ وہاں پر دل کی نیتوں اور ارادوں کی اصلاح اور درستگی بھی مطلوب ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید -

۶۷۷ ''خلوتِ صحیحہ'' سے پہلے کی طلاق کا بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے پہلے کہ تم نے ان کو ہاتھ لگایا ہو۔ یعنی ان سے صحبت اور مباشرت نہ ہوئی ہو۔ اور ''خلوتِ صحیحہ'' بھی اسی کے قائم مقام ہے۔ یعنی ایسی خلوت جس میں مباشرت سے کوئی مانع موجود نہ ہو۔ نہ طبعی جیسے حیض و نفاس وغیرہ۔ اور نہ شرعی جیسے حالتِ صیام وغیرہ۔ کہ ایسی خلوت ''خلوتِ صحیحہ'' کہلاتی ہے اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو کہ صحبت اور مباشرت کا ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دے دے کہ نہ اسکا مہر مقرر کیا ہو اور نہ اس نے اسکو چھوا ہو، تو اس صورت میں اس پر مہر کے بارے میں کوئی گناہ نہیں، کہ اس صورت میں وہ اسکو دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کر دے جیسا کہ آگے آرہا ہے، اور جس کو ''متعہ'' کہا جاتا ہے۔ اور جو ایسی صورت میں واجب ہے۔ جبکہ اس کے علاوہ دوسری صورتوں اور عالم حالات میں وہ بہتر اور مستحب کے درجے میں ہوتا ہے۔

۶۷۸ ''متعۂ طلاق'' کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں تم ان کو کچھ سامان دے دیا کرو کیونکہ ایسی صورت میں جبکہ مباشرت اور ''خلوتِ صحیحہ'' بھی نہیں ہوئی، اور مہر بھی مقرر نہیں تھا، خاوند پر طلاق دینے سے مہر تو کچھ لازم نہیں ہوگا، البتہ وہ کچھ سامان (متاع) دے کر اس کو عزت کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور اگر مباشرت یا ''خلوتِ صحیحہ'' ہوئی ہوتی، اور مہر مقرر نہ ہوتا تو مہرِ مثل دینا پڑتا۔ اور اگر کچھ مقرر ہوتا تو وہ پورا اداء کرنا پڑتا۔ اور اگر مہر تو مقرر ہوتا مگر مباشرت یا خلوت نہ ہوئی ہوتی تو مہر مقرر کا آدھ حصہ دینا پڑتا، جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے اور یہ متعۂ نساء - جس کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے - اس عورت کیلئے دینا تو واجب ہے جس کا مہر مقرر نہ ہو اور اس کی طلاق قبل ازیں واقع ہوگئی ہو۔ جبکہ اس کے علاوہ دوسری مطلقات کیلئے یہ واجب نہیں، محض مستحب ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ سو اس میں بھی حسنِ معاملہ اور مکارمِ اخلاق کی اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے - والحمد للہ -

الْمُوسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۚ

اس کی حیثیت کے مطابق، اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، فائدہ پہنچانا ہے خوش اسلوبی کے ساتھ،

حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ

حق ہے نیکوکاروں کے ذمے، ف۶۷۹ اور اگر تم ان کو طلاق دے دو

قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً

قبل اس سے کہ تم نے ان کو ہاتھ لگایا ہو، جب کہ تم ان کے لئے کوئی مہر مقرر کر چکے تھے،

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا

تو (ایسی صورت میں) تم کو اپنے مقرر کردہ مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا، مگر یہ کہ وہ (عورتیں) معاف کر دیں ف۶۸۰ یا وہ شخص معاف کر دے

الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا

جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، ف۶۸۱ اور تمہارا معاف کر دینا (اے مسلمانو!)

۶۷۹ **متعۂ طلاق کے لزوم و وجوب کا ذکر و بیان**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسی صورت میں متعۂ طلاق نیکوکاروں کے ذمے حق واجب ہے۔ پس احسان اور نیکوکاری کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے محسن اور نیکوکار لوگ اس حق کو ضروری طور پر، اور برضاء و رغبت ادا کریں۔ اور اس میں کسی لیت و لعل، تسویف و تاخیر، اور ٹال مٹول سے کام نہ لیں۔ اور حکمت و مصلحت اس متعہ اور سامان کی یہ ہے کہ عورت کو جب مباشرت اور خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دے دی جاتی ہے تو اسکی عزت و شرافت پر بٹہ لگتا ہے اور عام لوگ کہنے لگتے ہیں کہ قصور اس عورت ہی کا ہے ورنہ اسکا خاوند اسکو اس طرح طلاق کیوں دیتا۔ تو اس طرح اسکی عزت داغدار ہو جاتی ہے، لیکن جب وہ اس کو کچھ مال وغیرہ دے کر عزت سے رخصت کرے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ عورت میں کوئی قصور نہیں تھا بلکہ خاوند نے اسکو کسی اور وجہ سے ہی طلاق دی ہے۔ سبحان اللہ! ۔ دینِ حنیف میں دوسروں کی عزت اور ان کے احترام، خاص کر صنفِ نازک کی عزت اور اسکے احترام کی، کس قدر رعایت فرمائی گئی ہے۔ اس لیے شریف لوگ اپنی شرافت کی بناء پر ایسی تعلیمات کا بطورِ خاص زیادہ اہتمام کرتے اور خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ روایات میں وارد ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی ایک بیوی کو جب اس طرح کی طلاق دی تو اس کو دس ہزار درہم بطور متعہ دیئے تو اس نے کہا، یعنی دس ہزار درہم کی یہ رقم اگرچہ فی نفسہ ایک بڑی رقم ہے لیکن جس رفیق و محبوب کو چھوڑنے کے عوض یہ رقم ملی ہے اسکے مقابلے میں یہ ایک نہایت ہی

معمولی چیز ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ زن وشوئی کا رشتہ جب صحیح طور پر قائم ہو تو یہ کس قدر بڑی نعمت ہے اور ایک پاکیزہ اور نیک سیرت خاتون اسکو اپنے لیے کتنی بڑی نعمت اور قدرت کا انعام سمجھتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ بہرکیف مکارمِ اَخلاق کے ذیل میں متعۂ طلاق کو نیکوکاروں کے ذمے واجب قرار دیا گیا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۶۸۰ مہر معاف کرنے کا حکم واختیار:- سو مہر عورت کا حق ہے۔ وہ اگر اپنے حق سے دست بردار ہونا چاہے تو ہوسکتی ہے۔ مثلاً وہ مطلقہ عورت یوں کہے کہ جب میرے اس خاوند نے نہ مجھے ہاتھ لگایا، نہ مجھ سے کوئی فائدہ اٹھایا، اور نہ میں اس کی کوئی خدمت کر سکی تو اب میں اس سے یہ مہر کیونکر لوں۔ لہٰذا میں اسے معاف کرتی ہوں، تو وہ معاف ہو جائیگا۔ کیونکہ یہ اسی کا حق تھا اور اس نے اپنی خوشی سے معاف کر دیا، مگر یہ اس صورت میں معتبر ہوگا جبکہ وہ عاقلہ بالغہ ہو اور اپنا یہ حقِ مہر برضاء ورغبت اور اپنی خوشی سے معاف کرے۔ بہرکیف ایسی صورت میں عورت کا جو حق بنتا ہے یعنی آدھا مہر، وہ اگر چاہے تو اسکو معاف کرسکتی ہے، کہ جب میرے اس شوہر نے نہ مجھ سے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ میں اسکی کوئی خدمت کرسکی تو پھر میں اس سے یہ مہر کیسے لوں؟ سو معاف کرنے کا محرک دونوں طرف موجود ہے لیکن مرد معاف کرنے کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی ''فتوّت'' اور مردانگی کا حق اور اس کا تقاضا ہے۔ اس لیے تحریک وتحریض اسی کو فرمائی گئی ہے کہ وہ معاف کر دے۔

۶۸۱ خاوند کو معاف کر دینے کی ترغیب:- یعنی اسکا خاوند جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ اور اسکی باگ ڈور ہے، کہ وہ احسان کا معاملہ کرے، اور کہے کہ میں اس کو پورا مہر دونگا، یا اگر پہلے ہی دے رکھا تھا تو اس میں سے جس قدر واپسی کا وہ حق رکھتا تھا، وہ بھی وہ اس کو معاف کر دے، اور کہے کہ اب سب مہر اسی کو پہنچا، تو یہ بھی درست، بلکہ اولیٰ وافضل ہے، کہ اس نے کرم واحسان کا معاملہ کیا، اور اپنا حق اس کو معاف کر دیا۔ سو کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم ہے عائلی زندگی کے بارے میں، جس سے اس دینِ حنیف نے دنیا کو نوازا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّة - یہاں پر ﴿الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ﴾ کے جملۂ کریمہ کی اہمیت اور اسکی عظمتِ شان پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے، کہ اس میں اس اہم بنیادی حقیقت کو اجاگر فرمایا گیا ہے کہ نکاح وطلاق کی باگ ڈور مرد ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہی تقاضا ہے عقل ونقل کا اور فطرتِ کاملہ کا۔ اور اسی سے خاندان کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ پس غلط کہتے اور کرتے ہیں وہ لوگ جو یورپ وامریکہ وغیرہ کے مادہ ومعدہ کے پجاریوں اور اندھوں بہروں کی سُر میں سُر ملا کر کہتے ہیں کہ طلاق جیسے حساس اور نازک مسئلے میں مرد اور عورت کو برابر کے اور مساویانہ حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ سو ایسا کہنا اور ماننا عقل ونقل کے تقاضوں کے خلاف، اور فطرت کے تقاضوں سے جنگ کرنے کے مترادف ہے، جس کا نتیجہ و انجام بہرحال بہت برا اور ہولناک ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نکاح کی گرہ مرد ہی کے اختیار میں ہے، اور اسی سے خاندان کی بہتری اور اسکی تنظیم وابستہ ہے۔ بہرکیف نکاح کی گرہ چونکہ خاوند کے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کو عفو وسماح سے کام لینا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔

أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ

تقویٰ (وپرہیز گاری) کے زیادہ قریب ہے ۶۸۲ اور آپس (کے معاملات) میں تم لوگ احسان (اور مہربانی کرنے) کو نہ بھولو ۶۸۳

إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى

بے شک اللہ پوری طرح دیکھ رہا ہے ان سب کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو، ۶۸۴ حفاظت کرو تم لوگ اپنی

۶۸۲ ''وَاَنْ تَعْفُوْا'' کا مطلب؟:- ''وَاَنْ تَعْفُوْا'' کا صیغہ اگرچہ جمع مذکر کا صیغہ ہے، جس کا اولین اور ظاہر و متبادر مصداق اگرچہ مرد ہی ہے، لیکن یہاں پر خطاب دراصل مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ کیونکہ عورتوں کا ذکر اس میں دوسری بہت سی نصوص کی طرح ضمناً آ گیا ہے، جس سے عورتوں کے مردوں کے تابع ہونے، اور ان کے پردے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ بہر کیف عفو و درگزر، اور اپنے حق سے تنازل وچشم پوشی کی عادت وخصلت کو اپنانا، اِصلاحِ معاشرہ کیلئے ایک بڑی اہم اور بنیادی خصلت اور اہم تعلیم ہے۔ اور یہ صیغہ چونکہ جمع مذکر کا ہے، اس لئے اس سے یہ اشارہ بہرحال نکلتا ہے کہ عفو و درگزر اور فضل ومہربانی کا معاملہ بھی دراصل مرد ہی کے شایان شان ہے۔ اور یوں مرد کے حاکم اور قوّام ہونے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ عفو و درگزر ہی سے کام لے اور فضل واحسان کا معاملہ کرے۔ اللہ توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین۔

۶۸۳ ایک عظیم الشان ضابطۂ اخلاق کی تعلیم وتلقین:- سو اس سے مکارِمِ اخلاق کے بارے میں ایک عظیم الشان ضابطے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ کے اس مختصر سے جملے کے ذریعے مکارم اخلاق اور احسانِ باہمی کے بارے میں ایک عظیم الشان اصول وضابطے کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے۔ سو باہمی احسان اور مہربانی کے بارے میں یہ چھوٹا سا جملہ جو ان مختصر سے الفاظ پر مشتمل ہے، اگرچہ اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے، طلاق اور مہر وغیرہ ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے، مگر اپنے الفاظ وکلمات، اور معنی و مفہوم، کے عموم واطلاق کے لحاظ سے یہ عام ہے اور اپنے عموم وشمول کے اعتبار سے یہ جملہ اہلِ ایمان کو یہ درسِ عظیم دے رہا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے جملہ معاملات میں فضل واحسان، اور عنایت ومہربانی ہی کا برتاؤ کرنا چاہیئے، اور یہ قرآنِ حکیم کی معجزانہ تعالیمِ مقدسہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ اور اتنا عظیم الشان کہ اگر اسی ایک چھوٹے سے جملے کو اپنے پیشِ نظر رکھا جائے، اور اس پر پوری طرح عمل کیا جائے، یعنی ﴿وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾ کہ ''تم لوگ آپس میں احسان ومہربانی کا معاملہ کرنا مت بھولو'' اور اس کے مطابق ہر مسلمان عدل ومساوات سے بڑھ کر فضل واحسان کا معاملہ کرنے لگے، تو معاشرے کا فساد وبگاڑ بڑی حد تک آپ سے آپ ختم ہو جائے، اور کتنے ہی جھگڑے اور اختلافات ہیں، جو خود بخود رفع ہو جائیں، کیونکہ باہمی معاملات بنیادی طور پر دو طرح کے امور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک حقوق، دوسرے فرائض۔ یعنی ایک قسم اِن امور کی وہ ہوتی ہے جو دوسروں کے ذمے بطورِ حق وفرض کے آپ کے لئے عائد ہوتی ہے، جو آپ ان سے لینے اور وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

اور دوسری قسم ان کی وہ ہوتی ہے جو آپ کے ذمے ان کے لئے عائد ہوتی ہے، جس کو لینے اور وصول کرنے کا حق وہ لوگ آپ پر رکھتے ہیں، تو یہ آپ کے ذمے فرض ہیں، تو جیسے دوسروں کے ذمے آپ کے حقوق ہیں، ایسے ہی آپ کے ذمے دوسروں کے حقوق ہیں۔ اور جیسے دوسروں کا اپنے ذمے کے حقوق کا اداء کرنا ان پر بطور فرض کے عائد ہوتا ہے، ایسے ہی آپ کے ذمے کے اپنے حقوق کا اداء کرنا آپ پر بطور فرض عائد ہوتا ہے، اب ہوتا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ان حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے، اور پوری شدت وقوت سے کرتا ہے جو اس کے لئے دوسروں کے ذمے عائد ہوتے ہیں، مگر ان فرائض کو وہ بھول جاتا ہے جو اس کے ذمے دوسروں کے لئے عائد ہوتے ہیں، اور یہیں سے نزاع وجدال پیدا ہوتے، اور فتنہ وفساد کے عوامل جنم لیتے ہیں۔ اب اگر ہر انسان اس کے برعکس اس طریقے کو اپنا لے کہ نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ذمے کے فرائض کو بلا کم وکاست پوری طرح ادا کریگا، بلکہ اس کے ساتھ فضل واحسان سے کام لیتے ہوئے وہ اس کے علاوہ کچھ مزید بھی ادا کردے۔ اور جب اسی طرح کے فضل واحسان والا رویہ دوسرا مسلمان بھائی بھی آپ کیلئے اختیار کرے، تو پھر جھگڑا اور فساد پیدا ہوگا ہی کیونکر؟ پھر تو اس کے برعکس محبت واُلفت اور اِکرام واِحسان ہی کا دور دورہ ہوگا - سبحان اللہ - کیسی عظیم الشان اور کس قدر مقدس اور وقیع ہیں دینِ حق کی یہ مقدس تعلیمات، جن کے اس قدر مختصر سے ارشاد سے بھی تمام بگاڑ ختم ہوسکتا ہے، مگر افسوس کہ آج دنیا اور خود مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت ان سے منہ موڑے ہوئے ہے، جس کے باعث آج دنیا طرح طرح کے مفاسد اور عذابوں میں پڑی کراہ رہی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنانے میں سب لوگوں اور پورے معاشرے کا بھلا اور بہتری ہے۔

۶۸۴ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ دیکھ رہا ہے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس لئے تمہارا کوئی بھی کام اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ پس تم لوگ ہمیشہ یہ بات اپنے پیشِ نظر رکھا کرو کہ اس سے ہمارا معاملہ صحیح رہے اور وہ ہمارا خالق و مالک ہم سے راضی رہے، اور کوئی کام ہم سے ایسا سرزد نہ ہوجائے جو اس خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کی ناراضگی کا باعث ہو۔ اور اگر تم سچے دل سے اس کی خواہش رکھو گے، اور کوشش کروگے، تو وہ تم کو ضرور اس سے نوازیگا، کہ اس کی تو شان ہی نوازنا، اور کرم فرمانا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور وہ اپنے بندوں سے ان کے ظن وگمان کے مطابق معاملہ فرماتا ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی میں وارد و مذکور ہے۔ یعنی "میں اپنے بندے کے ساتھ اسکے ظن وگمان کے مطابق ہی معاملہ کرتا ہوں" اب اس کی مرضی جیسا ظن وگمان چاہے قائم کرے۔ سو اللہ پاک کے بارے میں حسنِ ظن سے کام لینا ایک اہم مقصود ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے اور بتمام وکمال دیکھ رہا ہے۔ اس لیے بندہ ہمیشہ اس بات کو اپنے پیشِ نظر رکھے۔ سو یہ ایسی عظیم الشان تعلیم اور اہم اور بنیادی ہدایت ہے کہ اگر انسان اس کو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے پیشِ نظر رکھے تو اس کی آپ سے آپ اصلاح ہوتی جائے اور وہ کچھ کا کچھ بن جائے اور اس کی زندگی میں آپ سے آپ انقلاب بپا ہوجائے۔ سو اس سے اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی اور ان کی انقلاب آفرینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے - فللہ الحمد ربِ العالمین -

الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

نمازوں کی، اور خاص کر درمیانی نماز کی، ۶۸۵ اور کھڑے رہا کرو تم لوگ اللہ کے حضور عاجزانہ طور پر، ۶۸۶

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ

پھر اگر تمہیں (کبھی دشمن وغیرہ کا) خوف ہو تو پیادہ یا سواری پر (جیسے بھی ہو سکے نماز پڑھ لیا کرو) ۶۸۷ پھر جب تمہیں امن میسر آ جائے

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

تو یاد کرو تم اللہ کو جیسا کہ اس نے سکھایا ہے تمہیں وہ کچھ جو تم لوگ نہیں جانتے تھے،

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور وہ اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں،

وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِہِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ

تو انہیں چاہیئے کہ وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے لئے سال بھر کے نان ونفقہ کی ، گھر سے

اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْ مَا

نکالے بغیر، ۶۸۸ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (اے وارثو!) اس کا کوئی گناہ نہیں، جو کچھ کہ وہ

۶۸۵ صلوٰۃ وسطیٰ سے مقصود و مراد؟:- ''صلوٰۃ وسطیٰ'' (درمیانی نماز) سے مراد جمہور کے نزدیک نمازِ عصر ہے (روح، المراغی، المعارف، وغیرہ)۔ یہاں پر نکاح اور طلاق وغیرہ کے مسائل کے درمیان میں نماز کی محافظت کا جو حکم وارشاد فرمایا جا رہا ہے، اس سے نماز کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس سے دو اور بڑے اہم درس مستفاد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیاوی امور و معاملات میں مشغول ہو کر فریضۂ نماز سے غفلت نہیں برتنا، کہ فریضۂ نماز میں تمہارے لئے دارین کی سعادت مضمر ہے۔ اور اس سے اِعراض و محرومی - والعیاذ باللہ- طرح طرح کے مفاسد و مہالک کا باعث ہے- والعیاذ باللہ العظیم - اور دوسرا یہ کہ فریضۂ نماز کی کماحقہٗ ادائیگی اور پابندی خود ہمارے لئے عام دنیوی معاملات کی اِصلاح وسازگاری میں بھی مدد معاون ہے۔ سو اس کی محافظت و مواظبت سے ہماری مشکلات آسان ہوتی ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ﴾ '' اور مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعے''۔ اسی لئے نماز کو امورِ مصلحہ میں اہم اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی بناء پر امیر المومنین حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں یہ فرمان جاری فرمایا تھا کہ '' تمہارے امور میں میرے نزدیک سب سے اہم امر نماز ہے، جس نے اس کی حفاظت کی وہ باقی کاموں کی بطریقِ اولیٰ حفاظت کریگا، اور جس نے اس میں کوتاہی برتی، وہ باقی امور میں اور بھی زیادہ کوتاہی سے کام لیگا''- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو

نماز انسانی زندگی کی شیرازہ بندی کی اہم اور مقدس اساس ہے۔ اس لیے اس کو قائم رکھنے کی بار بار تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے۔

۶۸۶ نماز کے بارے میں ایک خاص حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا اور کھڑے رہا کرو تم اللہ کے حضور عاجزانہ طور پر۔ یعنی خاموشی اور سکون کے ساتھ کھڑے رہا کرو۔ بخاری مسلم وغیرہ کی روایت کے مطابق حضرتِ زید بن ارقم - رضی اللہ عنہ - سے مروی ہے کہ ہم لوگ نماز کے اندر بولا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو ہمیں نماز میں بولنے سے منع فرمادیا گیا۔ ''قنوت'' کے اصل معنیٰ ''خضوع'' اور ''تذلّل'' کے ہیں۔ سو ''قانتین'' کے معنی ہونگے کہ پورے خضوع وتذلل اور عجز و نیاز کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی بارگہ اقدس میں کھڑے رہا کرو۔ سو نماز کی محافظت کے حکم میں اسکا یہ ادب بھی داخل ہے۔ پس تم لوگ عجز و نیاز کی تصویر بن کر، نہایت ادب و احترام اور خضوع و تذلّل کے ساتھ اپنے رب کے حضور کھڑے ہوا کرو- وباللہ التوفیق- سو نماز میں انسان پورے ادب واحترام کے ساتھ کھڑا ہو اور اس کے آداب و ارکان کا پورا پورا خیال رکھے۔ نہ کسی سے بولے اور نہ آگے پیچھے دیکھے۔ اور اس کو اپنے اوقات میں پابندی والتزام کے ساتھ ادا کرے۔ اور جب تم اس طرح نماز کا خیال رکھو گے اور اس کی حفاظت کرو گی تو یہ تمہارا خیال رکھے گی اور تمہاری حفاظت کرے گی۔ جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم نے اس کی تصریح فرمائی ہے (المعارف للکاندھلوی وغیر ذلک)۔ سو نماز ایک عظیم الشان عبادت اور مناجاتِ خداوندی کی ایک جلیل القدر شکل ہے۔ اس لیے اس کے تقاضوں کا پوری طرح خیال رکھنے اور اہتمام کرنے کی ضرورت ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۶۸۷ نماز کی اہمیت وعظمت کا ایک اہم مظہر:- کہ نماز حالتِ خوف میں بھی معاف نہیں۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوف کی صورت میں بھی جس طرح ہو سکے تم نماز پڑھ لیا کرو۔ اگرچہ اس حال میں تم خشوع وخضوع، رکوع وسجود، اور استقبالِ قبلہ وغیرہ کی پوری طرح رعایت نہ کر سکو (معارف للکاندھلویؒ)۔ اس سے بھی نماز کی عظمت، اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ عظیم الشان فریضہ ایسی حالت میں بھی معاف نہیں، بلکہ ایسی صورت میں بھی جس طرح بن پڑے اسکو ادا کرو۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ اسی لیے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی - والعیاذ باللہ - تو وہ کافر ہو گیا - سبحان اللہ! - نماز کی عظمتِ شان اور اس سے متعلق تاکیدات کیا کہتی بتاتی ہیں اور دورِ حاضر کے مسلمان کا حال کیا ہے؟ کتنے ایسے ہیں جو دنوں، ہفتوں بلکہ مہینوں سالوں میں بھی نماز نہیں پڑھتے۔ اور ایسے مست و مگن ہیں کہ کچھ پرواہ ہی نہیں۔ نہ ایمان بگڑے اور نہ ان کے دین میں کوئی فرق آئے۔ اور ان کو اس کا احساس تک نہیں کہ اس طرح وہ ہلاکت وتباہی کے کس ہاویے میں گرتے جا رہے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۸۸ بیوہ کیلئے وصیت کا عارضی حکم:- یعنی خاوند کے ذمے لازم ہے کہ اپنی وصیت میں اس کی تصریح کردے کہ سال بھر تک ان کو گھر سے نہیں نکالا جائیگا، اور اس دوران اس کو نان و نفقہ دیا جاتا رہے گا۔ سو جمہور کے نزدیک یہ حکم عارضی اور شروع کا ہے جبکہ مرنے والوں کے اقارب و رشتہ داروں کے حصے مقرر نہیں کیے گئے تھے۔ مگر بعد میں جب آیتِ میراث نازل ہوگئی اور اس میں سب کے حصے مقرر کردیئے گئے تو بیوہ کیلئے وصیت کا یہ حکم بھی منسوخ ہوگیا جبکہ بعض حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ وصیتِ ازواج کا یہ حکم منسوخ نہیں محکم ہے۔ اور یہ اب بھی باقی ہے لیکن یہ وجوب کیلئے نہیں بلکہ بطورِ استحباب ہے۔ اور یہی مروی ہے مجاہد سے۔ (معارف اور مراغی وغیرہ)۔ لیکن جمہور کے نزدیک یہ ایک عارضی حکم تھا جو بعد میں منسوخ ہوگیا تھا۔ بہرکیف بیواؤں کی بہتری کیلئے یہ ایک ابتدائی حکم تھا جو ایک عرصے تک قائم رہا پھر منسوخ ہوگیا۔

فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ

خود اپنی جانوں کے بارہ میں کریں بھلائی میں سے، ف۶۸۹ اور اللہ بڑا ہی زبردست،

حَكِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا

نہایت ہی حکمت والا ہے، اور طلاق والی عورتوں کو کچھ نہ کچھ سامان دینا ہے دستور کے مطابق، بطور حق (لازم) کے

عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ

پرہیزگاروں کے ذمے، ف۶۹۰ اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے تمہارے (بھلے کے) لئے اپنے احکام،

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا ع ۳۱/۷ ۱۵

تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو، ف۶۹۱ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف (بنظرِ غور وفکر) نہیں دیکھا؟ ف۶۹۲ جو کہ نکل پڑے تھے

مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص

اپنے گھروں سے، جب کہ وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے موت کے ڈر سے

۶۸۹ بیوہ کو جائز حدود کے اندر آزادی برتنے کا حق:- مثلاً یہ کہ وہ زیب و زینت اختیار کریں، یا کسی نئے شوہر سے عدت گزرنے کے بعد نکاح کر لیں، تو تمہیں ان کو اس سے روکنے کا کوئی حق نہیں، کہ یہ ان کا حق اور انکی آزادی کا تقاضا ہے۔ ہاں اگر وہ دستور کیخلاف کسی بات کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اس سے روکو، کہ تغییرِ منکر ہر کسی پر بقدرِ استطاعت واجب ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اپنی بیوائیں چھوڑ جانے والے شوہر اپنی بیواؤں کیلئے ایک سال کے نان ونفقہ اور اپنے گھروں میں سکونت کی اجازت کی وصیت کر جائیں، اور میت کے ورثاء کو اس کا حق نہیں کو وہ اس وصیت کی خلاف ورزی کریں۔ ہاں اگر اس دوران وہ بیوہ اپنی مرضی سے گھر چھوڑ دے، اور اپنے نکاحِ ثانی یا اپنی سکونت کے سلسلہ میں دستور کے مطابق کوئی قدم اٹھائے تو اسکو اسکا حق حاصل ہے۔ کوئی اسکو اسکے اس حق سے محروم کرنے کا مجاز نہیں، الّا یہ کہ کوئی بات دستور کے خلاف ہو۔ اگر ایسی کوئی صورت پیش آ جائے تو پھر اولیائے امور کو روکنے اور مداخلت کرنے کا حق ہے۔

۶۹۰ طلاق یافتہ عورتوں کو سامان دینا تقویٰ کا تقاضا:- اور چونکہ اس تقویٰ و پرہیزگاری کا بڑا، اور سب سے اولین اور بنیادی درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے۔ اس لئے "اِتِّقَاء" کا یہ وصف سب ہی مسلمانوں کو عام اور شامل ہے۔ یعنی ہر مومن متقی اور اللہ والا ہے۔ آگے فرق ان کے درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ ان کے اپنے اپنے عمل و کردار کے مطابق۔ اس

لئے مطلقہ کو سامان دینے کا یہ حکم سب ہی مسلمانوں کو عام اور شامل ہے۔ سو پرہیزگاروں کی پرہیزگاری کا مقتضا یہ ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائیں، اور جو نہیں بجالائیں گے انکی بہر حال گرفت و پکڑ ہوگی۔ بہر کیف اس سے طلاق یافتہ عورتوں کے حق کی ایک مرتبہ پھر یاددہانی کرادی گئی، کہ ان کا حق بہر حال ان کو دیا جائے کہ صاحب حق کو اس کا حق بہر حال ملنا چاہیے۔

۶۹۱ غور وفکر سے کام لینے کی تعلیم وتلقین: - اور تم اپنے بھلے اور فائدے کیلئے سوچو اور غور وفکر کرو، اور عقل و دانش سے کام لو، کہ یہ احکامِ الٰہی کس قدر اہم مصالح اور فوائد مشتمل ہیں۔ اور یہ کہ ان پر عمل پیرا ہونے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ اس دنیا میں بھی۔ اور اسکے بعد آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ اور اس طرح تم لوگ ان کو دل و جان سے اپنا کر سعادتِ دارین سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو- وباللہ التوفیق- سو عقل وفکر کا صحیح محمل و مصرف یہ ہے کہ انسان اپنے آغاز وانجام کے بارے میں سوچے، تا کہ اس طرح وہ اپنے خالق و مالک کو پہچان سکے اور اسکے نتیجے میں وہ حق و ہدایت کی اس راہ کو اپنا سکے، جو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی عظیم الشان اور بے مثال راہ ہے، لیکن انسان کی بڑی اکثریت کا حال ہمیشہ یہی رہا کہ وہ عقل کے اس جوہر کو اسکے صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی بجائے اسکو بطن وفرج کی شہوات و خواہشات کی تحصیل میں صرف کر کے اپنے لیے مزید محرومی کا سامان کرتا ہے- اِلّا ماشاء اللہ- اور اس طرح غافل و لاپرواہ انسان ایک تیز و طرار اور شاطر قسم کا حیوان بن کر رہ جاتا ہے، اور وہ دوزخ کی ہولناک آگ کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ﴾ (محمد۔۱۲)- والعیاذ باللہ العظیم۔

۶۹۲ "اَلَمْ تَرَ" کا خطاب اور اس کے مخاطب؟: - خطاب اگرچہ بظاہر آنحضرت ﷺ - سے ہے کہ وحیِ الٰہی کے اولین مخاطب تو بہر حال آپ ہی ہیں - ﷺ - مگر اصل مقصود اس سے ہر مخاطب ہوتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور کہیں کا بھی ہو، کہ مقصود ایسے کلام سے اسی کو تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔ اور رؤیت سے یہاں پر مراد علم ہے، جس کو اس کی غایتِ شہرت کی بناء پر اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (صفوۃ البیان، المراغی، الجواہر، معارف القران، وغیرہ)۔ بہر کیف اس خطاب میں دعوتِ غور وفکر ہے کہ کیا تم نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں اور ان کے حال و مآل میں غور وفکر سے کام نہیں لیا۔ یعنی اس بارے غور وفکر سے کام لینا چاہیئے کہ اس میں بڑے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں، مثلاً یہ کہ موت سے بھاگنا بے سود ہے کہ کوئی بھاگ کر اور چھپ کر موت سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے اپنے وقتِ مقرر پر بہر حال آکر رہنا ہے اور یہ کہ اللہ پاک کیسا قادرِ مطلق اور اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - وغیرہ وغیرہ۔ اور اس خطاب کو مقرر لانے میں یہ بلاغت ہوتی ہے کہ اس میں مخاطب گروہ کا گویا ایک ایک فرد مخاطب ہوتا ہے، اور اسکے بعد جس واقعے کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ یا تو مخاطب گروہ کا عینی مشاہدہ ہوتا ہے، یا واقعے کی شہرت اس درجے کی ہوتی ہے کہ اسکی نسبت باور کیا جاتا ہے کہ اس سے مخاطب باخبر ہیں، یا انکو باخبر ہونا چاہیئے، یا متکلم کو ایسا اعتماد ہوتا ہے کہ واقعے کی صداقت ایسی مسلّم ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سو اس میں بلاغتِ کلام کا ایک خاص زور پایا جاتا ہے جو اس کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ

تو اللہ نے ان سے (اپنے حکمِ تکوینی کے اعتبار سے) فرمایا کہ مرجاؤ تم سب (سو وہ مرگئے) پھر اللہ نے ان کو زندہ فرما دیا ۶۹۳ بے شک

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

اللہ بڑا ہی فضل (وکرم) والا ہے لوگوں پر، مگر اکثر لوگ ایسے ہیں

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

کہ وہ شکر ادا نہیں کرتے، اور لڑو تم اللہ کی راہ میں (اے مسلمانو!) اور یقین جانو

۶۹۳ موت سے بھاگنے والوں کیلئے درسِ عبرت: - سو اس نے انکو دوبارہ زندہ کر دیا اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے، تاکہ یہ امر لوگوں کے لئے سامانِ عبرت اور درسِ بصیرت بن سکے، کہ کوئی شخص بھاگ کر موت کے منہ سے نہیں بچ سکتا، وہ اپنے وقت پر بہر حال آ کر رہے گی، اور کوئی اس کو کسی طرح ٹال نہیں سکتا۔ پس موت کے ڈر سے جہاد سے منہ موڑنا، یا کسی بیماری کے مقام سے بھاگنا، سراسر حماقت ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ لوگ کون تھے؟ کتنی تعداد میں تھے؟ اور کہاں کے رہنے والے تھے؟ وغیرہ وغیرہ تو ان تفصیلات کا جاننا اس مقصدِ عبرت کیلئے کچھ ضروری نہیں، جس کے لئے یہ قصہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ ورنہ اللہ پاک خود ہی یہ سب کچھ اپنی کتابِ حکیم میں بیان فرما دیتا۔ پس ان عام روایات کی بناء پر جو کہ زیادہ تر اسرائیلیات میں سے ہیں، ہمیں ان امور کی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں، مختصر یہ کہ یہ کوئی ایسی قوم تھی، جو کہ ہزاروں کی تعداد میں تھی، اور اپنی عیش پسندی وغیرہ امور کی بناء پر، اتنی سست اور کمزور ہوگئی تھی، کہ یہ جہاد کرنے سے نکل بھاگی تھی، جیسا کہ تفسیر المراغی اور ابو السعود وغیرہ میں بیان فرمایا گیا ہے، اور اس طرح یہ قصہ دراصل توطئہ و تمہید ہے، جہاد کے اس حکم کی، جو اس کے بعد والی آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے، یا یہ قوم طاعون وغیرہ کسی وباء کے پھوٹ پڑنے پر اپنا ملک چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ کوئی بھی صورت ہو، ان کا بھاگنا بہر حال موت کے خوف اور اسکے ڈر سے تھا، جیسا کہ ﴿حَذَرَ الْمَوْتِ﴾ کے قرآنی الفاظ میں اس کی تصریح فرما دی گئی۔ پھر ان کو بحکمِ خداوندی موت آگئی، اور پھر اس قادرِ مطلق کی قدرت و حکمت سے ان کو دوبارہ زندگی عطاء فرما دی گئی، جس سے خود ان کو اور ان کے ذریعے ان کے بعد کے تمام لوگوں کو یہ بتا دیا گیا کہ زندگی و موت دونوں اللہ پاک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں۔ اور اسی کے حکم و ارشاد کے تابع ہیں۔ پس موت سے بھاگنا فضول اور محض حماقت ہے، اور اس بناء پر جہاد سے بھاگنا بڑے خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کہ موت اپنے وقتِ مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی اور اسکے بعد ٹل نہیں سکتی تو پھر ڈرنے کا کیا فائدہ؟ سو اس میں اس بات کا یقین مومن کو ایک عظیم الشان قوت بخشتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا، بکل حال من الاحوال۔

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ

کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے، ۶۹۴ کون ہے جو قرض دے

۶۹۴ اللہ تعالیٰ ہر کسی کی سنتا، سب کچھ جانتا ہے:۔ یعنی وہ تمہاری ان باتوں کو بھی سنتا ہے جن کا اظہار تم لوگ اپنی زبان و بیان سے کرتے ہو، اور تمہاری ان پوشیدہ نیتوں اور خفیہ ارادوں کو بھی جانتا ہے، جن کو تم اپنے دلوں اور اپنے باطن میں چھپا کر رکھتے ہو۔ پس تم لوگ اپنے ان اقوال کا بھی خیال رکھا کرو جو تم منہ سے نکالتے ہو، اور اپنی ان نیتوں اور ارادوں کا بھی، جو تم اپنے باطن کے پردوں میں مخفی و مستور رکھتے ہوتے ہو، جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی آدمی اپنی بہادری دکھانے کیلئے لڑتا ہے، کوئی قومی حمیت کیلئے، اور کوئی ریاء و سُمعہ یعنی دکھلاوے کے لئے۔ تو ان میں سے اللہ کی راہ میں کون شمار ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا صرف اس شخص کا ہوگا جو صرف اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ اور اس کا دین سربلند ہو (بخاری کتاب العلم، مسلم کتاب الامارۃ)۔ پس جب تمہاری نیت بھی دورانِ جہاد صحیح ہوگی، اور تمہارا کلام اور تمہارے الفاظ و کلمات بھی، تو تم اللہ کی نصرت و امداد سے نوازے جاؤ گے، اور جب اللہ کی نصرت و امداد تم کو حاصل ہوگئی، تو پھر تمہارے مقابلے میں کوئی نہیں جیت سکتا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ الآیۃ [آل عمران۔۱۶۰] اور مومن کی مدد اور اسکی فتح و نصرت محض اس کے اسباب اور مادی وسائل سے نہیں، بلکہ وہ اصل میں اللہ پاک کی طرف سے ہوتی ہے، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران ہی کی ایک دوسری آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجاہد واقعی مومن مجاہد ہو، اور اس کا بھروسہ واقعی اللہ ہی پر ہو، اس کے دل کی نیت بھی درست ہو، اور زبان کے الفاظ و کلمات بھی۔ مگر افسوس کہ آج مسلمان فوج کا حال اس سے دگرگوں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ خود اپنے ملک کی فوج ہی کو دیکھ لیجئے، بعض اوقات محاذِ جنگ پر بھی اس کے لئے غیر محرم مغنی اور رقاص عورتوں کے ناچ گانوں کا انتظام کیا جاتا ہے، اور کتنے ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو شراب بھی پیتے ہیں۔ نماز کی فرضیت اور اس کی پابندی سے وہ غافل و بے خبر ہیں، اور مزید یہ کہ وہ نعرے بھی شرکیہ لگاتے ہیں جیسے "یا علی مدد"، "یا پیر دستگیر" وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر ایسوں کیلئے اللہ کی مدد آئے تو کہاں سے، اور کیسے؟ مگر اس کے باوجود جو بسا اوقات بھرم رہ جاتا ہے، وہ محض اللہ پاک کا کرم، اور شاید اس لئے کہ ان میں بہت سے سچے اور مخلص ایسے بھی ہوتے ہیں جو جذبۂ جہاد سے سرشار اور مالا مال ہوتے ہیں۔ سو ایسے ہی سچے اور مخلص مجاہدین کے جذبۂ جہاد، صدقِ ایمان اور توکل علی اللہ کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے کہ جو فتح نصیب ہوتی ہے۔ ہماری افواج میں۔ الحمد للہ۔ ایسے عناصر اب بھی پائے جاتے ہیں۔ كَثَّرَ اللّٰهُ اَمْثَالَهُمْ وَ ضَاعَفَ اَجْرَهُمْ وَثَوَابَهُمْ۔ کہ ایسے ہی فوجی فتح و کامرانی کا اصل ذریعہ اور سبب ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے ایسے بھی ہیں جو اس دولت سے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ، جل وعلا بکل حال من الاحوال۔

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ

اللہ کو اچھا قرض، ۶۹۵ پھر اللہ اس کو بڑھا کر لوٹائے گا اس کے لئے کئی گنا کے اضافوں کے ساتھ،

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۖ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾ اَلَمْ

اور اللہ ہی (اپنی حکمت و مشیئت سے) تنگی بھی کرتا ہے اور فراخی بھی عطا فرماتا ہے ۶۹۶ اور اسی کی طرف بہر حال لوٹ کر جانا ہے تم سب کو، کیا

تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ

تم نے غور نہیں کیا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے (قصہ کے) بارے میں، جو کہ (حضرت) موسیٰ کے (ایک زمانہ) بعد پیش آیا ۶۹۷

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ

جب کہ انہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، تا کہ ہم (اس کے جھنڈے تلے) لڑیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ

اللہ کی راہ میں، تب ان کے نبی نے ان سے فرمایا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم پر جہاد

وقف لازم

۶۹۵ اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کی تعلیم و تلقین اور اس سے مقصود و مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض حسن؟- یعنی ایسا قرض جو محض اس کی رضا کیلئے، اپنے حلال و پاکیزہ مال سے ہو، دل کی خوشی اور اخلاص کے ساتھ دیا جائے۔ اور یہ بھی اس وحدۂ لاشریک کی بے مثال شانِ کرم و احسان کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ وہ اپنے نام پر اپنے بندے کی طرف سے دیئے کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ بندہ خود اور اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ اسی وحدۂ لاشریک کا پیدا کردہ، اسی کا عطاء فرمودہ، اور اسی کی ملکیت ہے۔ اور جبکہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ سب سے غنی و بے نیاز، اور ہر لحاظ سے غنی و بے نیاز ہے- فَسُبْحٰنَهٗ مِنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ كَرِيْمٍ وَاِلٰهٍ حَقٍّ عَظِيْمٍ - جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ - اور اس کو قرض کے لفظ سے تعبیر کرنے میں یہ بلاغت بھی ہے کہ جس طرح قرض کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اسی طرح وہ واہبِ مطلق تمہارے دیئے کو ضرور تمہیں واپس کریگا، مگر اس کرم و احسان کے ساتھ کہ اس کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیگا، اور اتنا بڑھا چڑھا کر کہ انسان کے تصور سے بھی باہر ہے۔ پس تم لوگ اس کے نام پاک پر اور اس کی رضاء کیلئے کھلے دل سے اور اطمینانِ قلب کے ساتھ دیئے چلے جاؤ، اور اس کے ضیاع یا نقصان کا کوئی خوف و خدشہ مت رکھو- رَزَقَنَا التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَالسَّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَيْهِ - اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ - سو اللہ پاک کے نام پر دینا اور اسکی رضا کیلئے خرچ کرنا ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ جس کی اہلِ ایمان کو ترغیب دی گئی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید-

۶۹۶ رزق و روزی کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ رزق کی

تنگی و کشائش کا معاملہ اللہ پاک ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے جو مبنی ہے مختلف حِکَم و مصالح پر، جن کا علم و احاطہ وہی وحدہ لاشریک کرسکتا ہے۔ پس نہ تو دنیاوی مال و دولت کا مل جانا اللہ پاک کے یہاں محبوب ہونے کی علامت ہوسکتا ہے، اور نہ اس سے محروم ہونا، اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جانا اس کے یہاں مبغوض ہونے کی نشانی قرار پاسکتا ہے۔ اور دنیا ساری کی حیثیت بھی جب اس وحدۂ لاشریک کے یہاں پر کاہ کے برابر بھی نہیں، تو پھر اس میں سے کچھ معمولی سے حصہ کا کسی کو مل جانا اگرچہ وہ کروڑوں اور اربوں ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ پوری دنیا کا تو ''کچھ'' ہی ہے، سو اس کا کسی کو مل جانا اس کے یہاں مقبول و محبوب ہونے کا معیار آخر کس طرح قرار پاسکتا ہے؟ سو یہ سب کچھ اس کی مشیّت اور ان دوسری حکمتوں کے تابع ہے جن کا احاطہ اس وحدۂ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ اصل چیز جو اس کے یہاں محبوب و مبغوض ہونے کی اساس و بنیاد، اور علامت و معیار ہے، وہ ہے دین و ایمان کی دولت، جس کو اس سے نواز دیا گیا، وہ اس کے یہاں محبوب ہے، اور جو اس سے محروم ہو گیا، وہ اس کے یہاں مبغوض و مطرود ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ - جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے، مگر ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی، یا اس سے محرومی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - دراصل موقوف ہے انسان کے اپنے ارادہ اور دل کی خواہش و چاہت پر، جو دل سے اس کو چاہے گا، اور اپنے اندر اس کی طلب و تڑپ اور خواہش رکھے گا، اللہ پاک اس کو اپنے فضل و کرم سے اس سے نواز دیگا، کہ اسکی شان ہی نوازنا ہے۔ مسلسل و لگاتار نوازنا۔ اور حسبان و گمان سے بڑھ کر نوازنا۔ اور بلا حدود و قیود نوازنا۔ سبحانہ و تعالیٰ - اور جو ایسا نہیں چاہے گا وہ محروم رہیگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ جَلَّ وَ عَلَا۔ پس بندۂ مومن کو اپنے قلب و باطن کا معاملہ درست رکھنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید۔

۶۹۷ ایک اور قصے میں غور و فکر کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے قصے میں غور نہیں کیا جو کہ حضرت موسیٰ کے بعد پیش آیا؟ یعنی اس میں غور و فکر کرنا چاہیئے کہ اس میں بھی بڑے درس ہائے عبرت اور سامان ہائے فکر و بصیرت پوشیدہ ہیں۔ اور قرآنِ حکیم میں بیان فرمائے جانے والے قصوں کا اصل مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان سے درسِ عبرت و بصیرت لیا جائے، ورنہ یہ کوئی تاریخ و جغرافیہ کی کتاب نہیں کہ محض قصہ گوئی کیلئے یونہی بے مقصد قصے بیان کردیئے جائیں، یا یونہی کسی قوم کی تاریخ کا ذکر کردیا جائے اور بس۔ نہیں اور ہرگز نہیں، بلکہ یہ تو کتابِ ہدایت ہے جو اسی نقطۂ نظر سے قصوں کو بیان کرتی ہے تاکہ اس سے درسہائے عبرت و بصیرت لئے جائیں، اور اسکی روشنی میں اپنے ایمان و عقیدہ اور اخلاق و کردار کی اِصلاح کی جائے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف یہ قصہ جس کا ذکر یہاں پر فرمایا جا رہا ہے حضرتِ موسیٰ کے ایک زمانے کے بعد اور حضرتِ عیسیٰ سے کوئی گیارہ سو برس پہلے پیش آیا۔ حضرتِ موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کا حال ایک زمانے تک درست رہا۔ وہ اپنی کتاب کی تعلیمات پر عمل پیرا رہے اور ان کا کام بنتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب وہ احکامِ تورات سے دور ہوتے گئے تو قدرت کی طرف سے گرفت و پکڑ کے شکنجے میں آتے گئے۔ ان کے دشمن ان پر مسلط ہوتے گئے۔ عمالقہ ان پر غالب آگئے اور جالوت جو کافر بادشاہ تھا اس نے بنی اسرائیل کے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا اور ان کے سینکڑوں بچوں کو وہ پکڑ کر لے گیا اور ان کو غلام باندی بنا لیا۔ اور وہ لوگ بنی اسرائیل سے تورات بھی چھین کرلے گئے۔ سو جب بنی اسرائیل کی ذلت و رسوائی یہاں تک پہنچ گئی تو بنی اسرائیل کے سرداروں کے اندر اس کی فکر پیدا ہوئی تو انہوں نے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنے وقت کے نبی سے اپنے اوپر کوئی ایسا بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی جس کے جھنڈے تلے وہ جہاد کرسکیں اور اپنی اس ذلت کا مداوا کرسکیں (المعارف وغیرہ)

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا

فرض کر دیا جائے | پھر تم نہ لڑو، ف۶۹۸ | تو انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے

نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا

کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں | جب کہ ہمیں نکال باہر کیا گیا ہے اپنے گھروں سے، اور جدا کر دیا گیا

وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

اپنے بیٹوں سے، ف۶۹۹ | مگر (اس سب کے باوجود) جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا | تو وہ سب پھر گئے،

اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

بجز ان کی ایک تھوڑی سی تعداد کے، | اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

۶۹۸ جذبۂ جہاد کی عظمت واہمیت کا ذکر و بیان: ــ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ جہاد کیلئے اصل ضرورت جذبۂ جہاد کی ہوتی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں نے اپنے دور کے نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے تاکہ ہم اس کے جھنڈے تلے لڑائی کریں اللہ کی راہ میں تو اس کے جواب میں پیغمبر نے ان سے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ یعنی ان کے نبی نے ان کے مطالبے کے جواب میں ان سے کہا کہ جہاد میں اصل ضرورت لیڈر اور بادشاہ کی نہیں، بلکہ اس جذبے کی ہوتی ہے جو مجاہد کو جہاد پر ابھارتا اور اسکو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ کرتا ہے، اور وہ مجھے تم لوگوں کے اندر نظر نہیں آتا۔ ایسے میں ہوسکتا ہے کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے اور تم اسکو ادا نہ کرسکو۔ کیونکہ سابقہ تجربوں اور تمہارے احوال وکوائف سے اس کا خدشہ بہرحال موجود ہے۔ اور خدانخواستہ اگر ایسے ہو گیا تو پھر تم مارے گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰہ ــ سو اس طرح ان کے پیغمبر نے اس بارے اپنے خدشات کو پیشگی ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تاکہ معاملہ پوری طرح واضح ہو جائے۔

۶۹۹ قوم کی طرف سے اپنے پیغمبر کو جہاد کی پختہ یقین دہانی: ــ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اس پر ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کو جہاد کی پختہ یقین دہانی کرادی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حالات ذکر کر کے پیغمبر کو جہاد کی یقین دہانی کرائی کہ ہم جہاد کیوں نہ کریں گے جبکہ اسکے عظیم اجر وثواب کے علاوہ اس کے لئے یہ وقتی داعیہ بھی موجود ہے کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال باہر کیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا؟ تو ایسے میں ہم ضرور لڑیں گے اور راہِ حق میں جہاد کریں گے۔ لہٰذا آپ ہم پر اس بارے یقین کرلیں اور جہاد کیلئے ہم پر کوئی امیر مقرر کر دیں۔ سو انکے اس اظہار و بیان پر انکے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق انکی قیادت وراہنمائی کیلئے ایک امیر بھی مقرر کر دیا، تاکہ وہ اسکی امارت وقیادت میں جہاد کرسکیں مگر انہوں نے اس پر اعتراض کیا جس سے پیغمبر کے ان خدشات کی تصدیق ہوگئی جن کا اظہار انہوں نے پہلے کیا تھا۔ والعیاذ باللہ۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ

اوران کے نبی نے ان سے فرمایا کہ (دیکھو!) بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا ہے تمہارے لئے طالوت کو

مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ

بادشاہ، تو اس پر ان لوگوں نے (اعتراض کرتے ہوئے) کہا کہ ان کو ہم پر بادشاہی کیسے مل سکتی ہے، جب کہ ہم

اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ

ان کے مقابلے میں بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں، ف۷۰۰ اوران کوتو مال کی فراخی بھی عطا نہیں فرمائی گئی،

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً

ان کے پیغمبر نے (ان لوگوں کے ان اعتراضات کے جواب میں) فرمایا کہ حقیقت بہرحال یہی ہے کہ اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے ف۷۰۱

فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ

اور (دنیاوی مال و دولت کی بجائے) ان کو اللہ نے علم اور جسم (کی قوتوں) میں فراخی (اور فراوانی) عطا فرمائی ہے، اور اللہ اپنی

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

بادشاہی جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ف۷۰۲ اور اللہ بڑا ہی وسعت والا، نہایت ہی علم والا ہے ف۷۰۳ اوران کے نبی نے ان سے یہ بھی فرمایا

۷۰۰ بادشاہی کے خاندانی حقدار ہونے کا دعویٰ:- سو انہوں نے اپنے پیغمبر کے انتخاب پر اعتراض کرتے ہوئے کہ طالوت ہمارا امیر اور حاکم کس طرح بن سکتا ہے جبکہ ہم اس کے مقابلے میں حکومت و بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں۔ ہمارا تعلق شاہی خاندان سے ہے۔ کیونکہ ہم لوگ یہودا کی اولاد میں سے ہیں جس میں بادشاہت ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ تو ہم تو بادشاہی کا موروثی حق رکھتے ہیں۔ تو پھر ہم پر طالوت بادشاہ کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اسکے مقابلے میں خاندانی اور موروثی طور پر ہم بادشاہی کا حق رکھتے ہیں۔ سو انہوں نے وہی کیا جس کا خدشہ انکے پیغمبر نے ظاہر کیا تھا کہ انہوں نے اول تو اپنے اس امیر کی امارت اور اسکی تعیین ہی پر اعتراض کردیا، جس کو انکے پیغمبر نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و راہنمائی کی روشنی میں ان کیلئے مقرر فرمایا تھا، اور پھر جب بادلِ نخواستہ انکی فوج میں بھرتی ہوگئے تو آگے اس راہ میں پیش آنے والے پہلے ہی امتحان میں ناکام ثابت ہوئے، بجز تھوڑے سے لوگوں کے۔ اور دوسرا اعتراض ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کے اس انتخاب پر یہ کیا کہ طالوت کو تو مال کی وسعت و کشائش بھی نہیں ملی۔ یعنی خاندانی لحاظ سے بھی وہ ہم سے کم تر ہیں اور دنیاوی مال وجاہ کے اعتبار سے بھی۔ تو پھر وہ ہمارے امیر اور حاکم کس

طرح ہو سکتے ہیں؟ سو یہ ہوتا ہے بگڑی ہوئی ذہنیتوں اور ٹیڑھی کھوپڑیوں کا حال!۔ اور یہ ہوتی ہے منطق ان لوگوں کی جو مادہ اور معدہ کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں کہ ان کو سیدھی بات بھی الٹی نظر آنے لگتی ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۷۰۱ اللہ کا انتخاب اعتراض و سوال سے اعلیٰ و بالا:۔ پس اللہ کے انتخاب پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہو سکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو ان کے پیغمبر نے ان سے فرمایا کہ یہ اللہ کا انتخاب ہے۔ پس تم مانو یا نہ مانو حقیقتِ حال بہر کیف یہی ہے کہ اللہ پاک نے ان کو اس منصب کیلئے چن لیا ہے اور اس کا انتخاب بہر کیف حق اور سچ ہے۔ کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ تم لوگ تو امارت اور سرداری کو دنیاوی مال و دولت اور جتھا و تعداد وغیرہ کے پیمانوں سے ناپتے تولتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں معتبر علم و عمل کا پیمانہ ہے، اور اس اعتبار سے حضرتِ طالوت اس منصب کے پوری طرح اہل ہیں، جس کیلئے اللہ نے انکو چنا ہے۔ اس لئے تم کو انکی امارت پر اعتراض کا حق نہیں ہو سکتا۔

۷۰۲ حکومت سے نوازنا اللہ ہی کے اختیار میں:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حکومت و بادشاہی اور اس سے نوازنا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اپنی حکومت اور بادشاہی عطا فرماتا ہے جسکو چاہتا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ اور اللہ جس کو جو عطاء فرماتا ہے ٹھیک عطاء فرماتا ہے۔ کیونکہ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون کیسا ہے، اور کس مرتبہ و مقام کے لائق ہے۔ پس اس کا انتخاب ہی بہر حال حق اور صدق ہے۔ سو اقتدار اور حکومت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں اور اسی کی دین و عطاء ہے۔ وہ اپنی مشیّت اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اسکا اقتدار تمام اقتداروں کو محیط اور اسکا علم ہر چیز پر حاوی اور اسکو محیط ہے۔ اسکے پاس نہ بخشنے کیلئے کوئی کمی ہے، اور نہ بخش کر واپس لینے میں اس کیلئے کوئی مانع ہو سکتا ہے، اور نہ کسی معاملے کے ظاہر و باطن یا اسکے ماضی اور مستقبل کا کوئی گوشہ اس سے کبھی کسی طرح مخفی ہو سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو حکومت و بادشاہی سے نوازنا اور سرفراز فرمانا یا اس سے محروم کر دینا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [آل عمران-۲۶] مگر آج کتنے ہی جاہل مسلمان اور کلمہ گو مشرک ایسے ہیں جو الیکشن لڑتے ہیں تو پہلے جا کر کسی بنی ٹھنی قبر یا کسی فرضی اور وہمی "سرکار" کے یہاں حاضری دیتے ہیں اور پھر الیکشن جیتنے پر وہیں جا کر سر ٹیکتے ہیں اور اس طرح اپنی تذلیل کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۷۰۳ اللہ تعالیٰ کی وسعت اور اس کے علم کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ بڑی ہی وسعت والا، اور نہایت علم والا ہے:۔ اور وہ اپنے اسی علمِ کامل کے مطابق ہر کسی کو اس کے لائق مرتبہ و مقام سے نوازتا ہے، اور اپنی بے پایاں نعمت کے مطابق عطاء فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو تم لوگ تو ہر معاملے میں اپنی تنگ اور محدود نگاہوں سے دیکھتے ہو، اور اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے اپنی لامحدود قدرت اور اپنے وسیع اور محیط علم کے اعتبار سے کرتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لیے تمہیں چاہیئے کہ تم اسکے کسی فیصلے پر اعتراض کرنے کی بجائے اسکو صدقِ دل سے اپناؤ، اور اسکے تقاضوں کو پورا کرو۔ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بہر حال صحیح اور درست ہوتا ہے کہ اس کا علم بھی کامل اور اس کی حکمت و عنایت بھی کامل۔ اس لیے اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہو سکتا۔ اس کا ہر حکم و ارشاد حق و صدق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر گامزن رکھے۔ آمین۔

إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ

کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہوگی کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آجائے گا (جو تم سے چھین لیا گیا تھا، اور)

سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ

جس میں تمہارے لئے سکونِ قلب کا سامان ہے تمہارے رب کی جانب سے ۷۰۴ اور کچھ باقی ماندہ اشیاء ان چیزوں میں سے، جن کو

وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً

چھوڑا ہے آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے ۷۰۵ اٹھالائیں گے اس کو فرشتے، ۷۰۶ بے شک اس میں بڑی بھاری نشانی ہے

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا فَصَلَ

تمہارے لئے اگر تم واقعی ایماندار ہو، پھر جب طالوت لشکر لے کر

طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ

روانہ ہونے لگے تو (ان سے) کہا کہ دیکھو! اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے، ایک نہر

بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۖ وَمَنْ

(کے پانی) سے، ۷۰۷ سو (یاد رکھو کہ) جس نے اس سے پانی پی لیا وہ میرا ساتھی نہیں، اور جس نے

۷۰۴ بنی اسرائیل کے "تابوتِ سکینت" کا ذکر:- زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اس صندوق کو وہ لوگ دشمن سے مقابلے کے وقت اپنے سامنے رکھتے، اور کہتے کہ اس کے ذریعے ہمیں اللہ کی مدد ملتی ہے اور فتح حاصل ہوتی ہے۔ (صفوۃ وغیرہ)۔ ایک موقع پر فلسطینیوں نے ان سے وہ چھین لیا تھا، جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ اب اللہ کی رحمت نے ان سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، اور وہ لوگ حوصلے چھوڑ گئے، اور ان کے مورال ڈاؤن ہوگئے۔ بنی اسرائیل کے یہاں انکے خروج مصر کے زمانے سے لیکر بیت المقدس کی تعمیر کے زمانے تک اس صندوق کو قبلہ کی حیثیت حاصل رہی، وہ اپنی دعاء وعبادت میں اسی کی طرف متوجہ ہوتے۔ سو اس تابوت کو انکے یہاں بڑا مرتبہ حاصل تھا۔

۷۰۵ تابوتِ بنی اسرائیل میں پائی جانے والی اشیاء؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس میں کچھ باقیماندہ اشیاء تھیں ان چیزوں میں سے جن کو چھوڑا آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے۔ جیسے تورات کی وہ تختیاں جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو عطاء ہوئی تھیں، ٹوٹی ہوئی تختیوں کے ٹکڑے، حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرتِ ہارونؑ کی پگڑی، تورات کا وہ اصل نسخہ جسے حضرتِ موسیٰ نے خود لکھوا کر بنی لاوی کے سپرد کیا تھا۔ نیز ایک بوتل جس میں "مَن" کو بھر کر رکھ دیا گیا تھا، تاکہ آئندہ نسلیں

اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کریں، جو اس نے ان کے باپ دادا پر کیا تھا۔ (روح، قرطبی، ابنِ کثیر، معارف، اور تفہیم وغیرہ)۔ سو ان چیزوں کی بناء پر وہ لوگ اس صندوق سے تسکین پاتے تھے، انکے ربی اور کاہن غیبی راہنمائی کیلئے اسی کو مرجع بناتے۔ سو مصائب و مشکلات میں حوصلہ قائم رکھنے کیلئے اس صندوق کو انکے یہاں سب سے بڑے عامل کی حیثیت حاصل تھی۔ اس لیے اس کے چھن جانے سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور وہ ہمت ہار گئے تھے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۷۰۶ فرشتوں کا تابوتِ بنی اسرائیل کو اٹھا لانے کا مطلب؟:۔ فرشتوں کے اس کو اٹھا لانے سے یہاں پر اس کا ظاہری اور لفظی مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ فرشتے اس صندوق کو سب کے سامنے اٹھا کر لائے۔ (ابنِ کثیر، جامع وغیرہ)۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کام ظاہری اسباب کے بغیر ہوا تھا۔ اس لئے اس کو فرشتوں کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ اور صورت اسکی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے جب اس صندوق کی وجہ سے پڑنے والی بیماریوں سے تنگ آ کر، اس کو ایک بیل گاڑی پر رکھ کر اس کو ہانک دیا، تو فرشتے ان بیلوں کو ہانک کر سیدھے، فلسطینیوں کے علاقے سے بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس لے آئے، اور ہر وہ اچھا کام جو ظاہری اَسباب کے بغیر وجود پذیر ہو، اس کو فرشتوں کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے (مراغی وغیرہ)۔ سو اس صندوق کا اس طرح خرقِ عادت کے طور پر ان کے پاس پہنچ جانا جہاں حضرتِ طالوت کے بادشاہ ہونے کی علامت اور نشانی ہوگا، وہیں یہ حضرتِ شمویلؑ کی نبوت اور آپکی صداقت کا ثبوت بھی، کہ انہوں نے جس طرح خبر دی تھی اسی طرح ہوا۔ سو جب فرشتوں نے وہ تابوت لا کر حضرتِ طالوت کے سامنے رکھ دیا تو بنی اسرائیل خوش ہو گئے اور ان کو اپنا بادشاہ مان لیا، اور وہ سب کے سب جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ اور اس صندوق کے اس طرح بیل گاڑی کے ذریعے بنی اسرائیل کے پاس واپس پہنچ جانے کا قصہ تورات میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ (سمویل۔ باب ۶۔۷۔۱۳)۔ بہرکیف قدرت کے غیبی ہاتھوں نے اس تابوت کو انکے پاس واپس پہنچا دیا۔ اور اس سے ان کے ٹوٹے ہوئے حوصلے پھر بلند ہو گئے۔ اور ان کے مردہ جسموں میں پھر جان آ گئی۔ والحمد للہ۔

۷۰۷ لشکرِ بنی اسرائیل کیلئے ایک آزمائش کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب طالوت اپنے اس لشکر کے ساتھ روانہ ہونے لگے تو ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو آگے ایک نہر کے ذریعے تم لوگوں کی آزمائش ہونے والی ہے۔ تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو سکے، اور سچے اور پختہ کار لوگ آزمائش کے اس مرحلے سے گزر کر دوسروں سے الگ ہو جائیں، اور خام اور ناقص لوگ ان سے الگ ہو جائیں، کیونکہ معرکۂ جہاد و قتال میں ایسے پختہ کار اور سچے پکے مومن ہی ثابت قدمی دکھا سکتے ہیں جو اپنی خواہشات پر قابو پانے والے اور کنٹرول رکھنے والے ہوں۔ بہرکیف حضرتِ طالوت نے اپنی فوج کی وفاداری و اطاعت گزاری اور انکے ڈسپلن کی آزمائش کیلئے یہ اعلان کیا کہ ہمارے راستے میں جو فلاں ندی آ رہی ہے، اسکے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہاری جانچ کرے گا۔ تم میں سے جو اس سے پانی پی لے گا وہ میرا ساتھی نہیں بن سکے گا، اور جو اس سے بالکل نہیں پیے گا وہی میرا ساتھی بن سکے گا۔ ہاں اگر کسی نے ایک آدھ چلو پی لیا تو وہ قابلِ درگزر ہے۔ بہرکیف انہوں نے ان کو پیشگی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اسطرح تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔

لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً

اس سے چکھا بھی نہ، (اصل میں) وہی میرا ساتھی ہے، ہاں جس نے ایک (آدھ) چلُّو بھر لیا (تو وہ اسے معاف ہے)

بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ

مگر (اس سب کے باوجود) ان لوگوں نے اس (دریا) سے سیر ہو کر پانی پیا ف۷۰۸ بجز ان میں کے تھوڑے سے لوگوں کے ف۷۰۹ پھر

هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

(اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) جب طالوت اور ان کے ساتھ والے اہل ایمان نے اس دریا کو پار کیا ف۷۱۰ تو انہوں نے (ہمت ہار کر صاف)

بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم

کہہ دیا کہ ہمارے اندر جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ف۷۱۱ اس پر ان لوگوں نے جو اس بات پر یقین

مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً

رکھتے تھے کہ انہوں نے بہرحال اللہ سے ملنا ہے، ان سے کہا کہ دیکھو! کتنی ہی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت بڑی

۷۰۸ اکثریت کی آزمائش میں ناکامی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے باوجود ان لوگوں نے وہاں سے سیر ہو کر پانی پیا بجز تھوڑے سے لوگوں کے۔ یعنی ان کی اکثریت صبر نہ کر سکی، اور اس آزمائش میں ہار کر وہ لوگ ہمت توڑ بیٹھے، اور انہوں نے حوصلہ چھوڑ دیا - والعیاذ باللہ- اور یہی نتیجہ ہوتا ہے ایمان کی کمزوری اور صبر و استقامت کے فقدان کا - والعیاذ باللہ- سو اکثریت ہمیشہ غلط کاروں کی ہی رہی - الا ماشاء اللہ- بہرکیف ابتلاء و آزمائش کے اس مرحلے میں تھوڑے سے لوگ ہی ثابت قدم رہ سکے اور اکثریت اپنے ضعفِ ایمانی اور فقدانِ صبر و استقامت کے باعث ناکام رہی - والعیاذ باللہ- ان میں سے زیادہ لوگوں نے اس ندی سے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اپنے امیر کے حکم و ارشاد کی کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ سب فیل ہو گئے اور تھوڑے سے لوگ اس امتحان میں کامیاب ہو سکے۔ سو انکی اکثریت اس امتحان میں ناکام ہو کر پیچھے رہ گئی اور وہ اس میں ہار گئے - والعیاذ باللہ العظیم - سو صبر و برداشت اور استقامت کی صفت بڑی عظیم الشان صفت ہے - وباللہ التوفیق-

۷۰۹ آزمائش میں پورے اترنے والے کم ہی لوگ ہوتے ہیں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس آزمائش میں کامیابی تھوڑے سے لوگوں ہی کو نصیب ہوئی جس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ابتلاء و آزمائش میں کامیابی سے سرشار ہونے والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں ہمیشہ یہی صورت رہی ہے کل بھی یہی تھا، اور آج بھی یہی ہے سو ارشاد فرمایا گیا بجز ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے۔ کہ انہوں نے صبر و ضبط سے کام لیا، اور وہ آزمائش میں پورے اترے۔ روایات میں ہے کہ یہ لوگ اسّی ہزار کی تعداد میں تھے۔ موسم سخت گرمی کا تھا، جو گویا قدرت کی طرف سے ان کی

آزمائش کا سامان تھا۔ اس میں کچے لوگ ناکام رہے، اسّی ہزار میں سے صرف چار ہزار اس آزمائش میں پورے اتر سکے، جنہوں نے وہاں سے پانی نہیں پیا۔ باقی سب نے وہاں سے اپنے نبی کے روکنے کے باوجود پانی پی لیا اور وہ ناکام رہے (صفوہ وغیرہ)۔ اسی تھوڑی سی تعداد نے دشمن کا مقابلہ کیا اور اپنے ایمان و یقین کی پختگی و مضبوطی کی بناء پر، اور اپنے خالق و مالک کی توفیق و عنایت سے وہ لوگ سرخرو اور کامیاب ہوئے۔ پس واضح ہو گیا کہ فتح و کامرانی کا اصل مدار و انحصار ظاہری اسباب پر نہیں، بلکہ ایمان و یقین کی باطنی قوت، اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر ہے، جس کا دار و مدار انسان کے باطن اور اسکی نیت و ارادہ پر ہے۔ وباللہ التوفیق - اور خاص کر ان کی قوتِ ارادی اور صبر و برداشت اور استقامت پر۔ سو تنگی و تکلیف مشکل و مصیبت اور خاص کر جنگ میں اور دشمن سے معرکہ آرائی کے دوران صبر و برداشت کی صفت کی خاص عظمت و اہمیت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف و صریح طور پر اسطرح ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ﴾ یعنی خاص کر جو لوگ صبر و برداشت سے کام لیتے ہیں تنگی تکلیف میں اور عین لڑائی کے موقع پر اور روزے کی عظیم الشان اور مقدس عبادت کے ذریعے۔ مومنِ صادق اسی چیز کا درس لیتا اور سبق سیکھتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید، وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۷۱۰ صبر و برداشت وسیلۂ فتح و ظفر: ۔ مفسرینِ کرام کی اکثریت کے نزدیک یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس دریا سے پانی نہیں پیا تھا کیونکہ جنہوں نے پانی پیا تھا وہ وہیں رہ گئے اور دریا سے پار جا ہی نہیں سکے۔ اور جو آزمائش میں پورے اترے، وہ بعض روایات کے مطابق چار ہزار تھے جبکہ بعض دوسری روایات کے مطابق انکی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ بہر کیف ان تھوڑے سے لوگوں نے جو چُلّو بھر پانی پیا اس سے یہ سیراب ہو گئے۔ ان کی پیاس بجھ گئی اور ان کے دل مضبوط اور قوی ہو گئے۔ اور جنہوں نے زیادہ پیا تھا ان کی پیاس بھی نہیں بجھی، ان کی ہمتیں بھی ٹوٹ گئیں اور وہ بزدل ہو گئے۔ اور وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ نہر سے پار ہو سکیں۔ (المعارف، القرطبی، المراغی وغیرہ)۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے بے صبری اور احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس اصل چیز راہِ حق و ہدایت پر صبر و ثبات ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۷۱۱ دونوں لشکروں کا باہمی فرق اور اس کا طبعی اثر: ۔ سو کمزور ایمان والوں نے دشمن کے لشکر کی کثرت و قوت کو دیکھ کر کہا کہ ہمارے اندر جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے کی سکت نہیں۔ اور یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے ان دونوں لشکروں کے درمیان جو فرق و تفاوت تھا، اس کا طبعی تقاضا اور لازمی اثر یہی تھا کہ وہ بے ساختہ طور پر یوں ہی کہیں۔ کیونکہ تعداد اور سامان و اسلحہ کے اعتبار سے دونوں فریقوں کے درمیان کوئی تناسب ہی نہیں رہ گیا تھا۔ ایک طرف صرف چار ہزار لوگ تھے، جن کے پاس کوئی خاص اسلحہ اور سامانِ حرب و ضرب بھی نہ تھا، جبکہ دوسری طرف ایک لاکھ افراد پر مشتمل ایک ایسا ہولناک لشکر تھا جس کے پاس ہر طرح کا اسلحہ اور ساز و سامان موجود تھا۔ ایسے میں تو یہ مقابلہ کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا، چہ جائیکہ اس میں غلبہ حاصل ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول انہی لوگوں کا ہو جو خوب پانی پی کر وہیں رہ گئے تھے۔ اور وہ ندی پار کرنے کی ہمت بھی نہ کر سکے تھے، اور انہوں نے ہمت ہار کر کہا کہ اب ہمارے اندر جالوت اور اسکے لشکر کے مقابلے کی ہمت نہیں۔

كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

جماعت پر غالب آ گئی، اللہ کے اذن (وحکم) سے ۱۲ اے (پس تم گھبراؤ نہیں) اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ۱۳ اے

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ

اور جب وہ (قوت ایمان ویقین سے معمور وسرشار مجاہد میدانِ کارزار میں) نکلے، تو انہوں نے (ظاہری اسباب ووسائل کے فرق و

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

تفاوت سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور) عرض کیا ۱۴ اے اے ہمارے رب (اپنے خاص کرم اور عنایت سے) ہم

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ قف

پر فیضان فرمادے صبر (اور استقامت) کا، ہمیں نواز دے ثابت قدمی (کے جوہر) سے، اور ہماری مدد فرما، ان کافر لوگوں کے مقابلے میں ۱۵ اے

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ

سو (اس کے نتیجے میں) انہوں نے شکست دے دی ان (کافروں) کو اللہ کے اذن سے ۱۶ اے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو ۱۷ اے اور اللہ نے

الْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ

نواز دیا ان کو بادشاہی اور حکمت (کی دولت) سے ۱۸ اے اور ان کو سکھا دیا وہ کچھ جو وہ چاہتا تھا، اور اگر اللہ (اسی طرح) لوگوں کو

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ

ایک دوسرے کے ذریعے ہٹاتا (اور مٹاتا) نہ رہتا، تو یقیناً زمین بھر جاتی (فتنہ و) فساد سے، ۱۹ اے مگر

لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ

اللہ بڑا ہی فضل والا (اور مہربان) ہے، تمام لوگوں پر، ۲۰ اے یہ اللہ کی آیتیں ہیں

اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو (اے پیغمبر!) حق کے ساتھ، اور بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں، ۲۱ اے

۴۱۲ اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے:- سواس سے واضح فرمایا گیا کہ اس کے بالمقابل ان لوگوں نے جو اس بات پر یقین رکھتے کہ انہوں نے بہرحال اللہ سے ملنا ہے انہوں نے ان ہمت ہار جانے والوں سے کہا کہ حوصلہ رکھو۔ دیکھو کتنی ہی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ تعالیٰ کے اذن وحکم سے ایک بڑی جماعت پر غالب آ گئی۔ لہٰذا تم لوگ ہمت نہ ہارو۔ کیونکہ فتح وشکست کا دار ومدار اصل میں ظاہری اسباب و وسائل پر نہیں، بلکہ ایمان و یقین کی باطنی قوت اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر ہے، کہ ایسی صورت میں جبکہ ایمان و یقین کی قوت مضبوط ومستحکم اور بھرپور ہو- اللہ نصیب فرمائے- اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت حاصل رہے، تو پھر ایسے میں کوئی بھی قوت اہلِ حق پر غالب نہیں آسکتی۔ سو اسکی تصدیق وتائید اس قصے سے بھی ہوتی ہے کہ ایک چھوٹی سی اور بے سروسامان جماعت اتنے بڑے لشکرِ جرار پر غالب آ گئی۔ سو اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے جس سے ایمان والے نصرت و تائید ایزدی سے سرفراز ہوتے ہیں، جسکے بعد ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا- فزدنا اللّٰھم ایمانا ویقیناً-

۴۱۳ صبر والوں کیلئے معیتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزاء:- سواس سے صبر کرنے والوں کے لیے اللہ کی معیت کی نوید مسرت بشارت سنائی گئی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اپنی تائید ونصرت، اور مدد وحمایت کے اعتبار سے۔ پس تم لوگ صبر وثبات اور عزم واستقامت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھو۔ اور کفر اور اہلِ کفر سے اللہ کے بھروسے واعتماد پر ٹکرا جاؤ۔ کامیابی اور فتح ونصرت تمہارے ہی لئے ہے، کہ جو لشکر تائید ونصرتِ خداوندی سے سرفراز وسرشار ہوتا ہے اسکو کوئی شکست نہیں دے سکتا، کہ فتح وشکست سب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو معرکۂ حق و باطل میں اصل چیز تعداد اور ساز وسامان کی قلت وکثرت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور اسکی حمایت ومدد ہے۔ اور وہ نصیب ہوتی ہے صبر وثبات، عزم وہمت اور حوصلہ واستقامت سے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وھو الھادی الی سواء السبیل-

۴۱۴ سچے اہلِ ایمان کا قابلِ تقلید نمونہ:- کہ وہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے اور اسی سے دعا کرنے لگے۔ سو یہ طریقہ ہوتا ہے مومنِ صادق کا، کہ وہ اپنے بس کی حد تک ضروری اسباب و وسائل تیار کر لے۔ اور مقدور کی حد تک ان سے کام بھی لے، مگر اصل بھروسہ اور اعتماد ان اَسباب و وسائل پر نہیں، بلکہ ان اسباب کے خالق و مالک پر رکھے، کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور یہ سب چیزیں اسی کے حکم وفرمان کے تابع ہیں۔ پس جان بوجھ کر اسباب و وسائل سے منہ موڑنا، اور ان کو ترک کرنا بھی غلط ہے۔ اور اسباب ہی پر تکیہ کرنا، انہی کو سب کچھ سمجھ لینا اور مسبب الاسباب کی طرف رجوع نہ کرنا، اس سے بھی برا ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ اور نبئ اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اسوۂ حسنہ سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ اپنے بس کی حد تک اپنے اسباب کو اپناؤ اور پوری طرح اپناؤ، لیکن بھروسہ ان اسباب پر نہیں، بلکہ مسبب الاسباب پر رکھو۔ سو یہی طریقہ ہے جو کہ اِفراط وتفریط دونوں کی انتہاؤں سے محفوظ، اور عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے- والحمد للہ رب العالمین- اس لیے مومنِ صادق ضرورت کی حد تک اور اپنی ہمت و بساط کے مطابق اَسباب و وسائل یکجا کرنے کے بعد معرکۂ کارزار میں اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتا اور اسی سے مدد مانگتا ہے، جیسا کہ ان حضرات نے اس موقع پر کیا، کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا بہرطور اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن آج کا جاہل مسلمان ایسے مشکل مواقع میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اسکی کسی

عاجز مخلوق کی طرف رجوع کرتا، اور اسی کو پکارتا ہے۔ کوئی کہتا ہے "یا علی مدد"، کوئی "پیر دستگیر"، اور کوئی شرکیہ راگ الاپتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے یہ سب پیارے اپنی حاجتوں میں اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۷۱۵ سوال و دعاء ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی سے:۔ سو ان بندگانِ صدق وصفا نے اپنی دعاء میں اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر فیضان فرما دے صبر کا۔ ہمیں نواز دے ثابت قدمی سے اور ہماری مدد فرما کافر لوگوں کے مقابلے میں۔ سو یہ دوسری اہم بنیاد ہے اسلامی عقائد کی، کہ رجوع ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کیا جائے، اور دعاء اسی سے مانگی جائے کہ حاجتوں کو پورا کرنا اور مشکلات کو دور کرنا اسی وحدہ لاشریک کی شان اور اسی کا کام ہے۔ اسی کی تعلیم قرآن وسنت کی نصوصِ کریمہ میں جا بجا اور طرح طرح سے دی گئی ہے۔ صحیحین وغیرہ کی مشہور حدیث میں حضرت نبیٔ معصوم ﷺ کا ارشاد ہے "اِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ" کہ جب تم سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو "وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ" یعنی جب تم مدد مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، اور قرآنِ حکیم میں بھی صاف اور صریح طور پر اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ تم لوگ مجھ ہی کو پکارو میں تمہاری دعاء و پکار کو سنوں گا۔ ﴿اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾۔ نیز مومن کو سکھایا گیا کہ وہ اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ "مالک! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں، اور کرتے رہیں گے، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے" مگر افسوس کہ اس سب کے باوجود آج کا جاہل مسلمان اللہ پاک کو چھوڑ کر اس کی عاجز مخلوق کو پکارتا اور اسی سے مدد مانگتا ہے، اور وہ "یا علی مدد"، "یا حسین"، "یا غوث"، اور "یا پیر دستگیر" جیسے طرح طرح کے شرکیہ نعرے لگاتا ہے۔ سچ فرمایا قرآنِ حکیم نے ﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ﴾ کہ ان کی اکثریت ایسی ہے جو ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ کفر وشرک کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۷۱۶ صدق واخلاص والی دعاء کی فوری قبولیت کا ایک نمونہ:۔ یعنی ان حضرات کی اپنے رب کے حضور یہ عاجزانہ دعاء فوراً قبول ہوگئی، اور اسکے نتیجے میں انہوں نے اتنی تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود دشمن کو اس قدر آسانی سے اور اتنی جلدی شکست اور ایسی شکستِ فاش دے دی، کیونکہ وہ اپنے عقیدہ وایمان میں پکے سچے اور مخلص تھے، اور ان کی دعاء بھی صدقِ دل سے اور اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے حضور ہی تھی۔ اور یہی کامیابی کی راہ ہے، کہ کامیابی کیلئے اپنے خالق و مالک کے حضور دعاء مانگی جائے اور پورے صدق و اخلاص سے مانگی جائے۔ بہرکیف اس ارشاد سے حقیقتِ نفس الامری کا اظہار فرما دیا گیا کہ فتح وشکست جو بھی کچھ پیش آتا ہے، اسکا اصل تعلق قلت و کثرت اور وسائل و تدابیر سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اسکی مشیت سے ہے۔ اس لیے دل کا بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیئے، نہ کہ اسباب و وسائل پر۔ اور اس سے مقصود اسباب و وسائل کے اختیار کرنے کی نفی نہیں بلکہ انہی پر اعتماد کرنے اور تنہا انہی کو وسیلۂ ظفر سمجھنے کی نفی ہے۔ حضرتِ داؤدؑ جنہوں نے ایک پتھر سے جالوت جیسے دیوہیکل سورما کو ڈھیر کر دیا، اگرچہ اس وقت نبی نہیں تھے لیکن اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو اس عظیم الشان کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو صدق واخلاص کی دولت عظیم الشان دولت ہے جس کے نتیجے میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۴۱۷ **عطاء وعنایت خداوندی کا ایک نمونہ ومظہر:-** سو عطاء وعنایتِ خداوندی کا ایک نمونہ اور اس کی ایک مثال ہے کہ حضرتِ قادرِ مطلق نے بھیڑ بکریوں کے چرواہے کو یکا یک تختِ سلطانی پر بٹھا دیا۔ روایات کے مطابق داؤد ایک ایسے نوجوان تھے جنہوں نے حرب وضرب کی کوئی تربیت نہیں پائی تھی۔ ان کا کام بھیڑ بکریوں کو چرانا تھا۔ حضرتِ طالوت کے لشکر میں شامل ہوگئے، اور معرکہ پیش آنے پر جب دشمن کے لشکر سے جالوت جیسے دیوہیکل شخص نے جو کہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا، اور وہ اپنے تکبر وغرور کے نشے میں بدمست اور چور ہوکر میدان میں اترا تھا، اور اس نے جب دعوتِ مبارزت دی تو اس کے مقابلے میں آنے کیلئے حضرتِ داؤد اپنی سادہ حالت میں اپنی فلاخن کے ساتھ کچھ پتھر لئے ہوئے میدان کارزار میں اتر آئے، تو جالوت نے ان سے اپنے متکبرانہ انداز میں کہا تم اور میرا مقابلہ؟ اور وہ بھی اس حال میں؟ میں تمہارے اس طرح پرخچے اڑاؤں گا کہ تمہاری بوٹیاں پرندے اور درندے نوچ نوچ کر کھائیںگے، حضرتِ داؤد نے اپنی فلاخن سے ایک پتھر جو اس پر داغا، تو اللہ پاک کی قدرت وعنایت سے وہ سیدھا جا کر اس کے سر میں پیوست ہوگیا، اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، اس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی، اور وہ شکست سے دوچار ہوگئی، اور حضرتِ داؤد بنی اسرائیل کی آنکھوں کے تارا بن گئے۔ سو یہ ہے اللہ پاک کی شانِ عطاء وعنایت، جس سے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے، اور اسکو آن کی آن میں کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ شاہ کو گدا اور گدا کو شاہ بنا دینے کے اسکی قدرت وعنایت کے یہ مظاہر ہمیشہ رہے، آج بھی ہیں۔ اور یہاں اور وہاں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ مگر غافل دنیا ہے کہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتی- اِلّا ما شآء اللّٰہ- والعیاذ باللّٰہ جل وعلا - اور جہالت کے مارے نام کے مسلمان الیکشن جیتنے کیلئے طرح طرح کے شرکیہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ مختلف قبروں اور آستانوں کے آگے جھکتے، ان کے پھیرے مانتے، ان کے گرد چکر لگاتے، فرضی اور وہمی سرکاروں کے نام پر دیگیں پکاتے، نذریں مانتے، نیازیں دیتے، ننگ دھڑنگ قسم کے چرسی، بھنگی ملنگوں کے آگے جھکتے اور اپنی تذلیل ورسوائی کا سامان خود کرتے ہیں- والعیاذ باللّٰہ العظیم-

۴۱۸ **حکمتِ داؤد سے یہاں پر مراد اور حضرتِ داؤد کی عظمت شان؟:-** حکمت سے یہاں پر مراد جمہور علماء کے نزدیک نبوت ہے۔ حضرتِ داؤدؑ پہلے شخص تھے جن کو نبوت اور بادشاہی دونوں سے نوازا گیا، اور ان کے بعد یہ شرف ان کے بیٹے حضرتِ سلیمانؑ کو بھی نصیب ہوا اور دنیا میں یہ منفرد اِعزاز پانے کے باوجود اپنے خالق ومالک کے آگے جھکنے اور اس کی عبادت وبندگی بجالانے میں بھی حضرتِ داؤدؑ اس قدر آگے اور ایک مثالی مقام پر فائز تھے کہ صحیح حدیث میں نبیء اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ان کو "اَعْبَدُ النَّاسِ" یعنی "سب سے بڑا عبادت گزار انسان" قرار دیا۔ صومِ داؤد جس کو "افضل الصیام"، "سب سے اچھا روزہ" قرار دیا گیا، کہ ایک دن روزہ اور ایک دن اِفطار ہو، یہ حضرتِ داؤدؑ ہی کی اس شانِ عبدیت وعبودیت کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں ان کو "ذَا الْاَیْدِ" "ہاتھوں والا" یعنی بڑی قوتوں کا مالک، اور صبر و استقامت کا ایک ایسا عمدہ نمونہ قرار دیا گیا کہ جس کو یاد کرنے، اور سامنے رکھنے کی تلقین حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ - صلی اللہ علیہ وسلم - کو بھی فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ [ص-۱۷] "صبر سے کام لیتے رہو ان باتوں پر جو یہ (ظالم) لوگ بناتے ہیں، اور یاد کرو ہمارے خاص بندے داؤد کو، جو کہ بڑی قوتوں کے مالک تھے (اپنے رب کی طرف ہمیشہ) رجوع رکھنے والے"۔ بہرکیف یہاں سے حضرتِ حق

-جل مجدہ- کی شانِ کرم کا یہ نمونہ بھی ملاحظہ ہو، کہ وہ جب کسی کو اٹھائے تو کہاں سے اٹھا کر کہاں پہنچا دیتا ہے، اور کیا سے کیا بنا دیتا ہے، اور اس کے لئے وہ کس طرح اسباب مہیا فرما دیتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - پس بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنے اس خالق و مالک اور واہبِ مطلق -جل وعلا- سے اپنے دل اور اپنے ظاہر و باطن کا تعلق صحیح رکھے- فَاِیَّاکَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ وَالرَّشَادَ وَالثَّبَاتَ -مگر اس کے ساتھ ظالموں کے ظلم کا یہ پہلو بھی ملاحظہ ہو کہ جس داؤد کی یہ شان اور یہ عظمت ہے، اس پر بائبل والوں نے کیا کیا بہتان باندھے، اور کیسی کیسی تہمتیں لگائیں۔ اور ابھی انہی دنوں میں جبکہ راقم یہ سطور لکھ رہا ہے، اخبارات میں اسرائیل کے وزیر خارجہ شمعون پیریز کا یہ بیان آیا کہ ''داؤد کی سب باتیں ہمارے لئے قابلِ تقلید نہیں ہیں''۔ اخبارات والوں نے کہا کہ اس سے وزیرِ مذکور کا اشارہ حضرتِ داؤد سے متعلق فلاں واقعہ کی طرف تھا، یعنی ایسا جھوٹا قصہ جو ان لوگوں کی مذہبی کتابوں میں پایا جاتا ہے، اور جس سے اللہ کے پیغمبر اور اس پاکیزہ بندے کی سیرت کو داغدار کیا جاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو اپنا انتساب بھی انہی داؤد کی طرف کرتے ہیں، کہ ہم حضرتِ داؤد کی اولاد، اور ان کے وارث و جانشین ہیں۔ اور ''نجمۂ داؤد''، ''داؤدی ستارہ'' کو انہوں نے اپنے قومی نشان اور مقدس شعار کے طور پر اپنا بھی رکھا ہے۔ پھر بھی ان کا کہنا یہ ہے کہ داؤد کا ہر کام ہمارے لئے نمونہ نہیں۔ سو یہیں سے یہ اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم کا دنیا پر کتنا کتنا، کہاں کہاں، اور کس کس طرح کا احسان ہے کہ ان حضراتِ انبیائے کرام -عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ- کا دفاع بھی یہ قرآن ہی کرتا ہے، جن کی عظمتوں اور صداقتوں کو ان کے ماننے والوں نے بھی جھوٹے قصوں اور بے سروپا حکایات و مخترعات کی بناء پر داغدار کیا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - سو قرآنِ حکیم نے ایسی پاکیزہ ہستیوں کی صفائی کی، اور انکی عظمتِ مقام کو پوری طرح اجاگر اور واضح کیا، اور انکی پاکیزہ سیرتوں سے ایسے تمام داغ دھبوں کو پاک صاف کر دیا- فالحمد للّٰہ جل وعلا الذی بیدہٖ ازمۃ التوفیق والھدایۃ- اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر شکل اور اس کے جملہ شوائب سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۷۱۹ **مشروعیتِ جہاد کا اصل مقصد دفعِ فساد:** - سو اس سے ''جہاد فی سبیل اللّٰہ'' کی مشروعیت کی ایک عظیم الشان حکمت اور مصلحت کو بیان فرمایا گیا ہے، کہ اس کے ذریعے شر و فساد کے عناصر کا قلع قمع کیا جاتا ہے، ورنہ اشرار ہی کا غلبہ رہنے سے زمین شر و فساد سے بھر جائے۔ سو اس طرح جہاد فی سبیل اللہ، عباد و بلاد دونوں کیلئے اللہ پاک کی رحمت و عنایت سے سرفرازی کا ایک عظیم الشان ذریعہ اور مظہر ہے، جیسا کہ سورۂ حج کی آیت نمبر ۴۰ میں اس کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ وہاں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع اور دور نہ کرتا رہتا اور ان کا زور توڑتا نہ رہتا تو ڈھا دیا جاتا نصاریٰ کے خلوت خانوں کو، اور اجاڑ دیا جاتا عبادت خانوں کو، اور یہود کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو۔ ایسی مسجدوں کو جن میں اللہ کو یاد کیا جاتا ہے کثرت سے لیکن چونکہ اللہ بڑا ہی فضل والا اور اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے، اس لیے اس نے جہاد کا حکم دے کر اور اسکو شروع فرما کر ایسے اشرار اور انکے شر کو مٹانے اور کفر و شرک کے فتنہ کی سرکوبی کا انتظام فرمایا، تاکہ اسکی یہ زمین اور اسکے بندے ان کے شرور و فتن سے محفوظ رہیں۔ بہرکیف اس ارشاد سے جہاد کی ضرورت اور اسکے فلسفے کو واضح فرما دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر جہاد کا حکم نہ دیتا، اور اسکے صالح بندے زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کیلئے تلوار نہ اٹھاتے، اور علمِ جہاد بلند نہ

کرتے تو اَشرار و مفسدین دنیا کو شر و فساد سے بھر دیتے اور اس سے نیکی اور تقوی کے آثار مٹا دیتے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر شر و مکروہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اور ہمیشہ اپنی عنایت اور پناہ میں رکھے -آمین ثم آمین یارب العالمین -

۷۲۰ **اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی تذکیر و یاددہانی:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی فضل والا ہے لوگوں پر - اسی لئے وہ ان کے لئے ایسے رحمتوں بھرے اور عظیم الشان انتظامات از خود فرماتا ہے، جن کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا - اور ان کی اکثریت ان سے غافل و لاپرواہ ہے، مگر اس کے باوجود وہ ان سے اپنی رحمتوں کا سلسلہ بند نہیں کرتا - سبحانہ و تعالیٰ - جو کہ اس کے فضل و کرم کا ایک عظیم الشان مظہر ہے - سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے اس فضل و کرم کو اور انعام و احسان کو پہچانیں، اور دل و جان سے اسکے حضور جھکے رہیں، تاکہ اس طرح اس کا یہ انعام و احسان خود ان لوگوں کیلئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ بن جائے - وباللہ التوفیق -سو اپنے اسی فضل و کرم کی بناء پر اس نے تم لوگوں پر جہاد فرض کیا تاکہ کفر و باطل کا زور ٹوٹے - فتنہ و فساد دفع ہو اور خلقِ خدا کو امن و امان نصیب ہو - اور کفر و شرک سے بڑھ کر فتنہ و فساد اور کوئی نہیں ہوسکتا - سو جہاد فی سبیل اللہ کی مثال ڈاکٹر کے نشتر کی سی ہے جس سے وہ جسم کے فاسد مواد کو کاٹ پھینکتا ہے تاکہ باقی جسم صحت اور سلامتی کے ساتھ رہے - ورنہ فساد سب میں پھیل جائے گا - والعیاذ باللہ -

۷۲۱ **پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی ایک واضح دلیل:** -سو اس سے آنحضرتؐ کی رسالت اور آپؐ کی صداقت و حقانیت کی ایک عظیم الشان دلیل اور واضح ثبوت بھی سامنے آتا ہے، کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، پس یہ آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی رسالت و نبوت، اور آپ کی حقانیت و صداقت کی ایک عظیم الشان اور واضح دلیل ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - اور ان کی قوموں سے متعلق صدیوں پہلے کے یہ حالات و واقعات آپ اس طرح ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں، جبکہ آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے دنیا میں کسی سے ایک حرف بھی کبھی نہیں پڑھا تھا، جس سے واضح ہوگیا کہ آپؐ کے علم کا ماخذ وحیِ خداوندی ہی ہے، اور آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپؐ یہ سب کچھ وحی کے ذریعے ہی بتا رہے ہیں، ورنہ دوسرا کوئی ذریعہ اس علم و آگہی کا وہاں موجود نہیں تھا - سو یہ آپؐ کی صداقت کا ایک کھلا ثبوت ہے - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کہ آپ کے وحی کے ذریعے ہی گزشتہ قوموں اور سابقہ انبیاء و رسل کے حالات کو اس صفائی سچائی اور عمدگی سے بیان فرما دیا - سو یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول تھے - اور اب آپ ہی کی رسالتِ صادقہ قیامت تک چلے گی - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک آپ خدا کے رسولوں میں سے ہیں - ان کو بھی اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا اور وہ بھی بے سروسامانی کے باوجود دشمنوں کے بڑے بڑے لشکروں سے لڑے اور ان کے سچے نام لیواؤں، مخلص جاں نثاروں اور خدام و غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بڑے بڑے لشکروں پر غلبہ عطاء فرمایا - سو جہاد پیغمبروں کی سنت ہے - اور غلط کہتے ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جہاد و قتال نبیوں کا کام نہیں ہوتا - اگر جہاد و قتال کا حکم نہ ہوتا تو مفسد لوگ عباد و بلاد سب کے لیے عذاب بن جاتے - سو جہاد فی سبیل اللہ دفعِ فساد کا واحد اور بنیادی ذریعہ ہے - اور یہ قیامت تک باقی رہے گا - کہ جب تک فساد رہے گا تب تک جہاد بھی باقی رہے گا -

❁❁❁❁❁

❁❁

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

یہ سب رسول (جن کا ذکر ابھی ہوا) ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی، ۷۲۲

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا ۷۲۳ اور بعض ایسے ہیں جن کو اس نے (دوسری حیثیتوں سے) بلند درجے عطا

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ

فرمائے، ۷۲۴ اور ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں عطا کی تھیں، اور روح القدس کے ذریعے

الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ

ان کی تائید (وتقویت) کا سامان کیا تھا، ۷۲۵ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں کبھی نہ لڑتے، جو اُن

۷۲۲ رسولوں کے باہمی تفاضل کا ذکر و بیان:- سو اس سے رسولوں کے باہمی تفاضل یعنی ان میں سے بعض کی بعض پر فضیلت و فوقیت کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے یعنی ان میں سے بعض کو کسی ایسی خاص فضیلت سے نوازا جو دوسروں کو نہیں دی گئی۔ تاکہ ہر ایک کا فضل و کمال الگ الگ نظر آئے۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا ارشاد ہے ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ [الاسراء-۵۵]۔ سو شرفِ نبوت و رسالت میں مشترک اور برابر ہونے کے بعد ان کے مراتب و درجات میں فرق و تفاوت رکھا گیا۔ سو اللہ کے رسولوں کے بارے میں یہ ہے صحیح رویہ، جو اُن کی امتوں کو اپنانا اور اختیار کرنا چاہیئے تھا، کہ اللہ کے رسول سب کے سب سچے اور سب برحق تھے، جن کے مراتب و درجات میں فرق و امتیاز تھا مگر ان لوگوں نے رسولوں کے بارے میں اس صحیح رویئے کے برعکس وہ غلط رویہ اپنایا تھا، جس سے انکے درمیان تعصب کی دیواریں کھڑی ہوگئیں، اور یہ لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن کر باہم جنگ و جدال اور قتل و قتال میں مبتلا ہوگئے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۷۲۳ تکلیمِ خداوندی کے اعزاز کا ذکر و بیان:- سو اس سے بعض رسولوں کے لیے کلامِ خداوندی کے شرف سے مشرف ہونے کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا اور ان میں سے کچھ سے اللہ نے کلام فرمایا۔ یعنی براہِ راست، فرشتہ کے واسطہ کے بغیر، جیسا کہ حضرتِ موسیٰؑ سے جن کا لقب ہی اس وجہ سے "کلیم اللہ" پڑ گیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی ہے، اور جیسا کہ حضرتِ آدمؑ سے فرمایا تھا جن سے فرمایا گیا تھا- ﴿ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ﴾ -اور جیسا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ - سے شبِ معراج میں کلام فرمایا گیا۔ بہرکیف کچھ حضراتِ انبیاء و رسل کو ہمکلامی کے شرف سے مشرف فرمایا گیا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بے پایاں اور اسکی رحمتِ بیکراں کا نتیجہ ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف درجات و مراتب کا یہ

اختلاف تو اگرچہ ان حضرات کے درمیان پایا گیا، لیکن تھے وہ سب ہی حق پر۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۷۲۴ **فرقِ درجات کی نوازش کا ذکر و بیان:-** سو اس سے حضراتِ انبیائے کرام کو مختلف درجات سے نوازنے کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں سے بعض کے اللہ تعالیٰ نے درجے بلند فرمائے۔ جیسا کہ حضرتِ ابراہیم کو مقامِ خلّت سے سرفراز فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ [النساء۔۱۲۵]۔ حضرتِ ادریس کو مکانِ عالی پر اٹھایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾۔ [مریم:۵۷]۔ حضرتِ داؤد کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ عظیم الشان بادشاہت سے بھی نوازا گیا۔ اور آپؑ کے بعد یہ منصب آپ کے بیٹے حضرتِ سلیمانؑ کو بھی عطا فرمایا گیا، اور جیسا کہ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ کو طرح طرح کے عظیم الشان درجات سے نوازا گیا، مثلاً یہ کہ سلسلۂ نبوت کی آپ ﷺ۔ پر تکمیل فرمائی گئی۔ آپ ﷺ کو شبِ معراج میں سب انبیائے کرام کی امامت و پیشوائی کے شرف سے مشرف فرمایا گیا۔ اور پھر قرآنِ حکیم کا ایسا عظیم الشان اور بے مثل علمی و معنوی معجزہ آپ کو عطا فرمایا گیا، جو سدا بہار معجزہ ہے اور جو رہتی دنیا تک ہمیشہ کیلئے دنیا کے دلوں کو زندگی بخشتا اور ان کو ایمان و یقین کے نور سے منور کرتا رہیگا۔ جو سب کتابوں کا خاتم و جامع، اور علوم و معارف کا ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ۔ کو حسی معجزات بھی سب سے بڑھ کر، اور سب سے زیادہ عطاء فرمائے گئے، جن میں سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ اسراء و معراج کا معجزہ ہے، جو کہ اپنے اندر دروس و عبر اور معانی و معارف کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ نیز یہ کہ آپ ﷺ۔ کی شریعت کو تمام آسمانی شریعتوں کی جامع، اور ان کی مکمل کرنے والی، اور سب کی ناسخ شریعت بنایا گیا، وغیرہ وغیرہ۔ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ – وَمَنِ اهْتَدٰى بِهُدَاهُ اِلٰى يَوْمِ الْعَرْضِ عَلَى اللّٰهِ وَ اللِّقَاءِ – اور آپؑ کی بعثت و تشریف آوری قیامت تک کی سب دنیا کیلئے ہے۔ اب آپ کے بعد قیامت تک کسی نبی و رسول نے نہیں آنا۔

۷۲۵ **حضرت عیسیٰ کیلئے تائیدِ خداوندی کا ذکر و بیان:-** سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ کی تائید و تقویت روح القدس کے ذریعے فرمائی گئی سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں عطا کیں اور ان کی تائید روح القدس کے ذریعے فرمائی۔ تاکہ اس طرح ایک طرف تو ان یہودِ بے بہبود کی عداوت و دشمنی اور ان کے مطاعن و اعتراضات سے آپؑ کی حفاظت ہو سکے، اور دوسری طرف عیسائیت کے علمبرداروں کیلئے بھی یہ واضح ہو سکے کہ حضرتِ عیسیٰؑ نہ خدا تھے اور نہ اس وحدہٗ لاشریک کی خدائی میں کسی طرح کے شریک۔ بلکہ وہ اس کی مخلوق اور اس کے بندے تھے، جو ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اس کی تائید و نصرت کے محتاج تھے۔ اس لیے ان کو خداوندِ قدوس کی خدائی میں شریک ماننا کھلا شرک ہے، جو کہ ظلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی جرم ہے، – وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ – بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ عیسیٰؑ کو خاص معجزات بھی عطاء فرمائے گئے، اور انکو روح القدس کی خاص تائید سے بھی نوازا گیا۔ سو یہ ان چند مخصوصات کا ذکر ہے جن سے حضراتِ انبیاء و رسل کرام میں سے بعض کو سرفراز فرمایا گیا۔ علیٰ ھذا القیاس دوسرے انبیاء و رسل کرام کو بھی مختلف درجات و مراتب سے سرفراز فرمایا گیا۔ یہاں پر ان چند اہم حضرات ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جو کہ محض نمونہ اور مثال کی حیثیت رکھتا ہے والحمدللہ جلّ وعلیٰ

بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ

(انبیائے کرام) کے بعد آئے، اس کے بعد کہ آ چکیں ان کے پاس کھلی (اور روشن) دلیلیں، مگر

اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ ؕ وَلَوۡ

یہ لوگ (اس کے باوجود) اختلاف ہی میں پڑے رہے، سو کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کوئی اپنے کفر ہی پر اڑا رہا، اور

۳۳ ع ۵ ا شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ع ﴿۲۵۳﴾

اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں کبھی نہ لڑتے ۲۶ے مگر اللہ (اپنی حکمت بے پایاں اور مشیت مطلقہ سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے ۲۷ے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ

اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، تم خرچ کرو (ہماری راہ میں اور ہماری رضا جوئی کیلئے) اس (مال و متاع) میں سے جو ہم نے تم کو

قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ

بخشا ہے ۲۸ے اس سے پہلے کہ آ پہنچے ایک ایسا ہولناک دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ممکن ہوگی، اور نہ ہی کوئی دوستی کام آ سکے گی،

وَالۡكٰفِرُوۡنَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

نہ سفارش، اور کافر لوگ ہی (اصل) ظالم ہیں، ۲۹ے اللہ وہ ذات ہے جسکے سوا کوئی بھی معبود (برحق)

هُوَ ۚ اَلۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ۚ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ

نہیں، جو ہمیشہ زندہ ۳۰ے اور (ساری کائنات کو) تھامنے والا ہے، ۳۱ے نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند، ۳۲ے

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ مَنۡ ذَا

اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۳۳ے کون ہے جو اس کی جناب

۲۶ے **جبری ہدایت نہ مطلوب ہے نہ مفید:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ آپس میں کبھی نہ لڑتے۔ اور یہ لوگ باہم اختلاف کر ہی نہ سکتے کہ وہ اپنے ارادہ اور ایک غیبی اشارہ سے ہی ان سب کو ایک ہی طبیعت پر اس طرح ڈھال دیتا کہ ان میں کوئی اختلاف اور تنازع ہی باقی نہ رہتا، جیسا کہ فرشتے ہیں کہ ان کے درمیان آپس میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ نزاع، یا جیسا کہ سورج چاند وغیرہ باقی تمام مخلوق ہے، کہ وہ قدرت کے حکم تکوین و تسخیر کے

مطابق لگے بندھے طریقوں کے مطابق اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔ ان میں باہم نہ کوئی تصادم ہے نہ کوئی اختلاف، بلکہ ہر ایک ﴿ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ﴾۔ کے مصداق اپنے اپنے دائرے میں رواں دواں اور مصروف کار ہے۔ مگر بنی نوعِ انسان کے بارے میں ایسا کرنے سے ابتلاء و آزمائش کا وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے، جس کے لئے حضرتِ انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اور جس کی خاطر جنت و دوزخ کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔ پس اس کے لئے ضروری تھا کہ انسان کو ارادہ و اختیار کی صلاحیت کے ساتھ، اور اس کی آزادی دے کر اس دنیا میں پیدا کیا جائے، تاکہ ان میں سے جو چاہے اپنی عقل و فکر کی قوت سے کام لے کر صحیح راہ کو اپنائے، اور اپنی رضا و رغبت سے اپنے خالق و مالک کی طرف سے بخشی گئی ھدایات کو اپنا کر راہِ حق و صواب کا راہی اور جنت کا وارث بن جائے، اور پھر ہمیشہ کیلئے جنت کی سدا بہار نعمتوں سے بہرہ ور اور لطف اندوز ہوتا رہے۔ اللہ ہم کو انہی میں سے بنائے۔ (آمین)۔ اور جو چاہے راہِ حق و ھدایت سے منہ موڑ کر اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کر دوزخ کی راہ پر چلے، اور اپنے اس ارادہ و اختیار کی بناء پر وہ وہاں کے دائمی عذاب اور ابدی ناکامی سے ہمکنار ہو جائے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۴۲۷ اللہ کی مشیّت سب پر حاوی ۔ سبحانہ وتعالیٰ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس میں نہ کسی کے اعتراض کی کوئی گنجائش ہے، اور نہ کسی میں یہ ہمت اور حق ہے کہ وہ اس سے یہ پوچھ ہی سکے، کہ ایسا کیوں کیا گیا، اور ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ اسکی شان ہے۔ ﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ﴾۔ [الانبیاء۔۲۳] کہ اس ساری کائنات کا خالق و مالکِ حقیقی بھی وہی ہے، اور اس میں حاکمِ مطلق بھی وہی۔ وہ اپنی مخلوق اور اپنی ملکیت و بادشاہی میں جو چاہے اور جیسا چاہے تصرف کرے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ چونکہ حکیمِ مطلق بھی ہے، اس لئے وہ جو بھی کوئی حکم و تصرف فرماتا ہے، یا فرمائیگا، وہ سراسر حق و انصاف اور علم و حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے اور مبنی ہوگا۔ لہٰذا اس کے ہر حکم و ارشاد کو دل و جان سے قبول کرنا اور اس پر پوری طرح سے مطمئن ہو جانا ہی تقاضا ہے عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم کا، کہ خیر اور بہتری بہرحال اسی میں ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ نے یہی چاہا کہ وہ اپنے بندوں پر جبر نہ کرے، اور جب اس نے یہی چاہا تو اس سے آپ سے آپ یہ بات نکلتی ہے کہ اسی کے اندر اسکی حکمت اور مصلحت ہے کیونکہ خداوندِ قدوس کا کوئی ارادہ و فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف وہ خالق و مالک اور حاکم و حکیم ہونے کے اعتبار سے جو چاہے کرے۔ اور اس کا ہر حکم و ارشاد علم و حکمت ہی پر مبنی ہوتا ہے۔ اور وہ نقص و عیب کے ہر شائبے سے پاک ہے، سبحانہ وتعالیٰ

۴۲۸ اِنفاق فی سبیل اللہ کا حکم و اِرشاد:۔ سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ خرچ کرو [ہماری رضاء و خوشنودی کے لیے] اس مال و متاع میں سے جو ہم ہی نے تم لوگوں کو دیا بخشا ہے قبل اس سے کہ اس کی فرصت و مہلت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور تم لوگوں کو ہمیشہ کے لیے پچھتانا پڑے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا عقل و نقل کا تقاضا اور دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، یعنی جب دیا ہوا سب کچھ ہمارا ہی ہے، تو اس کو بلکہ اس میں سے بھی ''بعض'' اور ''کچھ''، کو ہماری راہ میں خرچ کرنا تم لوگوں کو گراں کیونکر ہو۔ اور خاص کر جبکہ اس خرچ کا فائدہ بھی خود تم ہی کو واپس ملنے والا ہے، اور کئی گنا بڑھا چڑھا کر

ملتا ہے۔ سو اللہ پاک کے دیئے بخشے میں سے اسکے نام پر اور اسکی رضاء و خوشنودی کیلئے خرچ کرنا عقل ونقل کا تقاضا بھی ہے، اور اس میں بھلا بھی خود بندے ہی کیلئے ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔

۷۲۹ کافر لوگ ظالم ہیں، والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ کافر ہی اصل ظالم ہیں، کہ وہ اپنے اس خالق و مالک سے منہ موڑے ہوئے ہیں، جس کی نعمتوں میں یہ ڈوبے ہوئے ہیں، مگر اسکے باوجود یہ اس کی اس ہدایت و وحی اور احکام و ارشادات کے منکر ہو رہے ہیں، جن میں سراسر انہی کا بھلا اور فائدہ اور انہی کی کامیابی کا سامان ہے، اس دنیا میں بھی، اور اسکے بعد آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ اور اس طرح یہ لوگ خود اپنی جانوں کے حق میں بھی ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں، اور ان کو جنت کی نعمتوں سے محروم کر کے دوزخ کی آگ میں ڈال رہے ہیں۔ سو اپنے خالق و مالک کی ہدایت سے منہ موڑنا ہر طرح سے ظلم ہے۔ اور ایسے ظالموں کو اپنے اس ظلم کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہوگا اور بڑی ہی بری اور ہولناک شکل میں بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ - سو کفر و انکار ہلاکتوں کی ہلاکت ہے اور ایمان ویقین دارین کی سعادتوں سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۷۳۰ اللہ ہی زندہ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی زندہ ہے اور یہ اس لیے کہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ کیلئے زندہ رہے گا۔ نہ وہاں عدمِ سابق تھا اور نہ عدمِ لاحق کا کوئی سوال و امکان۔ سو جب کچھ نہیں تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہیں ہوگا تب بھی وہ موجود ہوگا۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَجَلَّ جَلَالُهٗ وَ عَزَّ بُرْهَانُهٗ - اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شانِ اقدس واعلیٰ ہے دوسری کسی بھی ہستی میں یہ نہ پائی گئی ہے، نہ پائی جاتی ہے، نہ پائی جانی ممکن ہے کہ اس کے سوا مخلوق کی ہر چیز عدمِ سابق اور عدمِ لاحق دونوں کے اندھیروں میں گھری ہوئی ہے۔ سو ایسے میں مخلوق میں سے ہر شئی کی زندگی کالعدم اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ اصل اور حقیقی زندگی ایک ہی ذات کی ہے اور وہ ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات اقدس و اعلیٰ۔ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کا بدیہی نتیجہ اور لازمی تقاضا یہ ہے کہ معبودِ برحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہو۔ اسکے سوا کسی کیلئے بھی عبادت کی کوئی بھی قسم بجالانا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو زندگی اصل میں اسی معبودِ برحق وحدہٗ لاشریک کی ہے باقی ہمہ وشما جیسی مخلوق کو جو عارضی اور فانی زندگی ملی ہوئی ہے یہ بھی اسی کی عنایت سے ہے۔ سو حی اور زندہ حقیقت میں وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۷۳۱ قیوم کا معنیٰ و مطلب؟: - قیوم کے معنیٰ قائم رکھنے اور تھامنے والے کے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ساری کائنات کو تھامنے والا ہے اپنی قدرتِ بے پایاں، حکمتِ بے نہایت اور رحمتِ لامحدود کی بناء پر۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اگر وہ لحہ بھر بھی اپنی اس کائنات سے توجہ ہٹالے تو یہ سب کچھ فنا ہو کر بطنِ عدم میں چلا جائے، اور پھر کسی میں یہ ہمت اور طاقت نہیں کہ وہ اس کو سہارا دے سکے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ اللّٰهَ

یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَکَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا﴾ [فاطر۔۴۱] ”بے شک اللہ ہی نے تھام رکھا ہے آسمانوں اور زمین کو اس سے کہ وہ (اپنی حالت اور جگہ سے) ٹل جائیں، ورنہ اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے بعد کوئی ایسا نہیں جو ان کو روک سکے، بیشک وہ بڑا ہی بردبار، نہایت ہی بخشنہار ہے“ تو آسمان و زمین کی یہ کائنات اس کی شانِ قیومیت کا ایک عظیم الشان اور کھلا مظہر ہے۔ پھر کتنے احمق و نادان ہیں وہ لوگ جو اس کی مخلوق میں سے کچھ زندہ یا مردہ ہستیوں کو ”قَیُّوْمِ زماں“ یا ”قَیُّوْمِ دوراں“ جیسے القاب سے نوازتے، لکھتے، اور یاد کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف زمین و آسمان کو تھامنے اور قائم رکھنے والا اور بلاشرکتِ غیرے تھامنے اور قائم رکھنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔سبحانہ وتعالیٰ۔

۷۳۲ اللہ ہر لحاظ سے پاک اور یکتا ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے جملہ عوارض و شوائب سے یکسر پاک اور یکتا ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کو نہ اونگھ آسکتی ہے نہ نیند کہ یہ مخلوق کی شان اور اسی کے عوارض میں سے ہے، جبکہ وہ ذاتِ اقدس واعلیٰ اس سے پاک و بالا اور وراء الوراء ہے، کہ وہ مخلوق کے دائرے سے باہر اور سب کا صانع و خالق ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی تو پھر عبادت و بندگی بھی اسکے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ پس معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور عبادت اور بندگی کی ہر قسم اور ہر شکل اسی کا حق، اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ”سِنَةٌ“ یعنی اونگھ نیند کی ابتدائی کیفیت ہے اور ”نوم“ اسکی انتہائی۔ سو یہاں پر ”سنۃ“ اور ”نوم“ کی نفی سے ابتداء اور انتہاء دونوں کی نفی کر دی گئی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ پاک۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ غفلت کے تمام اثرات سے بدرجہ تمام وکمال پاک اور بری ہے سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور یہ بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے۔ اس لئے معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۷۳۳ کائنات ساری اللہ ہی کی ہے:- سو یہاں پر ﴿لَهٗ﴾ کی تقدیم سے واضح فرما دیا گیا کہ اسی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے۔ یعنی آسمان و زمین کی ساری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے، اور مالک بھی وہی۔ اور سب کا حاکم و متصرف بھی وہی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس غلط کہتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ یہ ”داتا کی نگری“ یا ”خواجہ کی بستی“ یا ”پیر بابا کا علاقہ“ ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب اللہ پاک صاف وصریح طور پر اپنے کلامِ حکیم میں فرما رہا ہے اور بار بار اور جگہ جگہ فرما رہا ہے کہ یہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے، تو پھر تم لوگ آخر کس دلیل و بنیاد پر ایسے کہہ رہے ہو؟ اور تمہیں اسکا حق آخر دیا کس نے کہ تم لوگ اسکی اس ملکیت و بادشاہی کے از خود حصے بخرے کر کے مختلف ناموں سے تقسیم کرو؟ سو ایسے تمام تصورات و خیالات بالکل غلط، بے بنیاد اور جہالت پر مبنی ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ اس سب کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور اسمیں حاکم و متصرف بھی وہی۔ اس لئے عبادت اور اسکی ہر قسم اور شکل کا حقدار بھی وہی ہے۔ اس میں دوسرا کوئی بھی نہ اس کا شریک ہے، نہ ہوسکتا ہے، وہ ہر شریک اور ہر شائبۂ شرک سے پاک ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

(اقدس واعلیٰ) میں کوئی سفارش کر سکے، مگر اسی کے اذن سے ۴۳۴ وہ (پوری طرح) جانتا ہے وہ سب کچھ جو

اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ

ان (لوگوں) کے سامنے ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ ان کے پیچھے ہے، جب کہ یہ لوگ اس کی معلومات میں سے کسی

عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ

(معمولی) چیز کے علم کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا کہ وہ چاہے ۴۳۵ چھائی ہوئی ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین (کی

الْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ

اس وسیع وعریض کائنات) پر، اور اس کے لئے کچھ گرانی نہیں ان دونوں کی حفاظت میں، اور وہی ہے سب سے برتر،

الْعَظِيْمُ ۝۲۵۵ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ

نہایت ہی عظمت والا ۴۳۶ کوئی (زور و) زبردستی نہیں دین (کے معاملے) میں، یقیناً رشد (وہدایت کی روشنی) پوری طرح واضح

۴۳۴ **مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کی نفی:** - سو مشرکانہ عقیدۂ شفاعت کے قلع قمع کے لیے استفہامِ انکاری کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کر سکے؟ مگر اس کے اذن کے ساتھ؟ سو اللہ کے یہاں سفارش اسکے اِذن کے بغیر ممکن نہیں۔ پس اس کے یہاں شفاعت وسفارش کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں شفاعت و سفارش وہی کر سکے گا جس کو اجازت ملے اور دوسرے یہ کہ وہ سفارش اسی کیلئے کر سکے گا جس کے لئے اجازت ملے اور بس۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴾ [طٰہٰ۔ ۱۰۹] ''اس دن سفارش کام نہ دیگی مگر جسے خدائے رحمان اجازت دے، اور اس کی بات کو وہ پسند بھی کرے'' اور یہ اس لئے کہ حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُہٗ - ہی جانتا ہے کہ کون شفاعت وسفارش کرنے کے لائق ہے، اور کون اس لائق ہے کہ اس کے لئے شفاعت وسفارش کی اجازت دی جائے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں بالعموم جہاں بھی شفاعت اور سفارش کا ذکر ہوا ہے، وہاں پر یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ جس سے اسی بات کی تصدیق وتائید ہوتی ہے، کہ اللہ پاک ہی جانتا ہے کہ کس کا جرم قابلِ معافی اور سفارش کے لائق ہے اور کس کا نہیں۔ اس لئے شفاعت وسفارش اسی کیلئے کی جاسکے گی جسکے لئے اسکے یہاں سے اجازت ملے گی۔ سبحانہٗ تعالیٰ - پس اس سے اس جاہلانہ اور مشرکانہ تصورِ شفاعت کی نفی ہوجاتی ہے جو جاہل اور مشرک لوگوں نے اپنا رکھا ہے

کہ ہم فلاں حضرت سے وابستہ اور انکے دامن گرفتہ ہیں۔ وہ ہمیں بہر حال بخشوا دیں گے، خواہ ہمارے عقائد اور اعمال کچھ بھی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ہم جن کے دامن گرفتہ ہیں وہ اڑ کے بیٹھیں گے اور منوا کر چھوڑیں گے وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسی تمام باتیں من گھڑت اور اس طرح کے لوگوں کے خودساختہ مفروضے ہیں، جن کی کوئی اساس اور بنیاد نہیں۔ اس کے یہاں سفارش وہی کر سکے گا جس کو اسکے لئے اذن ملے گا اور وہ سفارش اسی کے لئے کرے گا جو اس کا اہل ہوگا اور جسکے لئے اجازت ملے گی۔ اڑ کر بیٹھنے اور منوا کر چھوڑنے کی بات وہاں پر سرے سے ہے ہی نہیں۔ یہ سب لوگوں کے من گھڑت ڈھکوسلے اور ان کی خودساختہ باتیں ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۷۳۵ انسان کے نقصِ علم وادراک کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ایک برابر جانتا ہے وہ سب کچھ جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے مگر یہ اسکے علم میں سے کسی بھی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اور احاطہ تو درکنار انسان ضعیف البنیان یہ بھی پوری طرح نہیں جان سکتا کہ اس کی معلومات کا دائرہ کہاں تک وسیع ہے۔ یہ تو ابھی تک مادیات بلکہ اس کی بھی ابجد ہی میں الجھا ہوا ہے۔ اور اس ضمن میں بھی یہ کسی ایک ہی طرف کا کچھ حال جان سکا ہے، اور وہ بھی محدود نوعیت کے ساتھ۔ اور خاص حدود میں اور بس۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ [بنی اسرائیل۔ ۸۵] اور حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے علمِ کامل ومحیط کے معاملے میں ان لوگوں کا یہ علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ پھر کوئی اپنے طور پر یہ کیسے جان سکتا ہے کہ کون سفارش کے لائق ہے اور کون نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ وسعت اور دوسروں کے علم کی یہ محدودیت مشرکین کے تصورِ شفاعت کا بالکل خاتمہ کر دیتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں مشرکانہ تصورِ شفاعت کی تردید کے سلسلہ میں علمِ الٰہی کی اسی وسعت اور دوسروں کے علم کی محدودیت کا حوالہ دوسرے مختلف مقامات پر بھی دیا ہے، مثلاً سورۂ انبیاء آیت نمبر ۲۸ اور سورۂ طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۹۔ ۱۱۰ وغیرہ وغیرہ۔

۷۳۶ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے: ۔ یعنی جب یہ تمام صفات اسی وحدہ لاشریک کے ساتھ خاص ہیں، اس کے سوا کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں، اور نہیں پائی جاسکتیں، تو پھر معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور عبادت کی ہر قسم بھی اسی کا اور صرف اسی کا حق ہے۔ اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ خاص اور اسی کی شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ یہ آیتِ کریمہ "آیت الکرسی" کہلاتی ہے کہ اس میں اللہ پاک کی کرسی کا ذکر ہے اور لسانِ نبوت سے اس کو قرآنِ پاک کی سب سے بڑی آیت "اعظم الآیہ" فرمایا گیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس میں توحیدِ خداوندی کو نہایت ہی معقول، مدلل، مؤثر، اور عمدہ طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے، جس کی تشریح کیلئے ہم نے اختصار کے ساتھ کچھ اہم نکات کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔تفصیل ان شاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں عرض کریں گے اگر اللہ پاک کو منظور ہوا اور اس کی توفیق وعنایت شاملِ حال رہی ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْمُوَفِّقُ لِكُلِّ خَيْرٍ وَ الْمُيَسِّرُ لِكُلِّ عَسِيْرٍ ۔ بہر کیف اس آیتِ کریمہ میں توحیدِ خداوندی کو ایسی عمدگی سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کوئی خفاء باقی نہیں رہ جاتا۔ اور عقیدۂ توحید جو کہ سارے دین کی اساس و بنیاد ہے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا، بکل حال من الاحوال۔

مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

(ہو کر الگ) ہو چکی ہے گمراہی سے سو جو کوئی انکار ۴۳۷ کرے گا طاغوت کا، اور ایمان لائے گا اللہ پر، تو اس نے یقیناً تھام لیا

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ط

ایک ایسا مضبوط سہارا جس نے کبھی ٹوٹنا نہیں ۴۳۸ اور اللہ (جس کا سہارا ایسے شخص نے تھام لیا ہے،) بڑا ہی سننے والا، سب کچھ

۴۳۷ دینِ حق کے لیے کوئی جبر و اکراہ نہیں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اسلام و ایمان کیلئے نہ جبر ہے نہ ہو سکتا ہے۔ راہِ حق وہدایت پوری طرح واضح ہو کر گمراہی سے الگ ہو چکی ہے، اور اس درجہ میں کہ اب حق اور باطل کو جاننے پہچاننے میں کسی کیلئے کوئی خفاء وغموض باقی نہیں رہ گیا۔ اب جس کی مرضی ایمان لائے، کہ اس میں اس کا خود اپنا ہی بھلا ہے، اور جو اس سے منہ موڑے گا تو وہ خود اپنا ہی نقصان کریگا۔ والعیاذ باللہ۔ سو دنیا کے اس دار الامتحان میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ ان دونوں راہوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ زور زبردستی کا اس میں کیا سوال۔ زور زبردستی کا سوال تو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں انسان کو کسی مضر یا ناگوار چیز پر مجبور کیا جائے۔ اور جب ایمان نام ہے دل سے ماننے اور قبول کرنے کا تو پھر اس میں کسی زور زبردستی کا کوئی عمل دخل ہو ہی کیسے سکتا ہے؟ کہ دل کی نیت اور ارادہ تو انسان کے اپنے ہی اختیار میں ہے۔ سو ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے لئے نہ کسی جبر و اکراہ کی ضرورت ہے اور نہ ہی مجبوری کا اور جبری ایمان مفید و معتبر نہیں کہ معتبر وہی ایمان ہے جو اپنے ارادہ و اختیار سے ہو۔ کہ اسی پر سارا مدار و انحصار ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۴۳۸ ایمان باللہ سب سے مضبوط سہارا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے طاغوت کا انکار کیا، اور وہ اللہ پر صدقِ دل سے ایمان لے آیا تو اس نے ایک بڑے ہی مضبوط سہارے کو اپنا لیا۔ اور اس طرح اس نے ایمان باللہ کے مضبوط حلقے کو تھام کر اپنے آپ کو گمراہی اور ہلاکت وتباہی کے ہاویئے اور ہولناک گڑھے میں گرنے سے بچا لیا، اور خود اپنا ہی بھلا کیا۔ سو ایمان باللہ یعنی اللہ پر سچے دل سے ایمان لانا اور طاغوت کا انکار، اور اس سے کفر کرنا ایسا مضبوط سہارا ہے جو انسان کو دارین کے مہالک سے بچا کر حقیقی کامیابی اور دائمی سرفرازی سے بہرہ ور کرتا ہے۔ سو اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کو بھیج کر اتمامِ حجت کا سامان کر دیا، اور حق کو باطل سے بدرجۂ تمام وکمال نکھار کر الگ کر دیا تو اب جسکی مرضی حق کو اپنا کر اپنے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کا سامان کرے، اور جسکی مرضی اسکے بعد بھی باطل سے چمٹا رہے، اور آخرکار اپنے ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف ایمان باللہ سب سے بڑا اور مضبوط حلقہ ہے۔ نجات کا مدار اسی پر ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق وصواب پر ثابت قدم رکھے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ

جاننے والا ہے، اللہ کارساز (اور مددگار) ہے ان لوگوں کا جو (سچے دل سے) ایمان لائے، وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر

یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا

لاتا ہے روشنی کی طرف ف۳۹ے اور اس کے برعکس جو لوگ اڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، ان کے حامی و دوست طاغوت

اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ النُّوۡرِ

ہیں، جو ان کو (ہدایت و ایمان کے) نور سے نکال کر لے جاتے ہیں (کفر و شرک، اور شکوک و شبہات کے گھٹاٹوپ)

اِلَی الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا

اندھیروں کی طرف ف۴۰ے ایسے لوگ ساتھی (اور دوست) ہیں (دوزخ کی اس ہولناک) آگ کے، اور ان (بدبختوں)

خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵۷﴾ؑ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰہٖمَ فِیۡ ع ۳۴ ۲

کو اس میں ہمیشہ رہنا ہوگا ف۴۱ے کیا تم نے غور نہیں کیا اس شخص کے حال پر ف۴۲ے جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے بارہ

ف۳۹ے **ایمان ایک عظیم الشان نور، والحمدللہ:** ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان و یقین کی روشنی ایک عظیم الشان و بے مثال روشنی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ایمان والوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، یعنی ایمان و یقین کی اس عظیم الشان روشنی کی طرف، جو اس کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کی راہیں روشن اور واضح کر دیتی ہے۔ سو ایمان و یقین کی روشنی انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرنے والی عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے، جس سے انسان اس دنیا میں حیات طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی سے سرفراز ہوتا ہے اور آخرت میں جنت کی سدا بہار اور ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوگا ۔ انشاء اللہ العزیز ۔ سو ایمان و یقین کی روشنی ایسی عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے جس سے انسان کا عقل و ضمیر روشن ہو جاتا ہے۔ اسکے اعمال و اخلاق روشن و منور ہو جاتے ہیں، اور نورِ ایمان سے سرفرازی کے بعد انسان کچھ کا کچھ بن جاتا ہے، جبکہ اس سے محروم انسان طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوب کر دارین کے خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ ۔ سو ایمان و یقین کی روشنی ایک عظیم الشان اور بے مثال روشنی ہے جو دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے ۔ والحمدللہ جل وعلا ۔

ف۴۰ے **کفر و باطل بڑے اندھیرے، والعیاذ باللہ:** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفر و باطل کے اندھیرے ہیں، اور نہایت ہی ہولناک اندھیرے ہیں، والعیاذ باللہ سو کفر و باطل کے معنوی اندھیرے ظاہری اندھیروں سے کہیں بڑھ کر ہولناک ہیں، اور انکے آثار و نتائج ظاہری اور محسوس اندھیروں سے کہیں بڑھ کر ہولناک

اور تباہ کن ہیں۔ کیونکہ ظاہری اور حسی اندھیرے انسان کو دوزخ میں لے جانے والے نہیں، جبکہ کفر و شرک، اور ضلالت و گمراہی کے یہ مخفی و پوشیدہ اور غیر محسوس اندھیرے انسان کو شرفِ انسانیت کی عظمتوں سے گرانے والے، اور نارِ جہنم سے ہمکنار کرنے والے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - مگر انسان کی غفلت اور کوڑھ مغزی ملاحظہ ہو کہ وہ ظاہری اور حسی روشنیوں کے انتظام کیلئے تو دن رات مصروفِ عمل اور سرگرداں ہے، مگر اپنے دائمی انجام کے خیر و شر سے آگاہ کرنے والی باطنی اور ایمانی روشنی کی وہ کبھی فکر نہیں کرتا۔ سو یہی ہے سب سے بڑا خسارہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو ایسے میں دینِ حنیف کی یہ عظیم الشان روشنی قدرت کی کتنی بڑی دولت و عنایت اور اس کا کس قدر عظیم الشان و بے مثال کرم و احسان ہے، جس سے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے دنیا کو نوازا ہے، مگر ناشکری دنیا ہے کہ اس سے منہ موڑے ہوئے ہے اور اس سے اِعراض اور بے رخی برتتی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنی ان نعمتوں کی قدر پہچاننے کی اور ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے - اور زیغ و ضلال کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اور جملہ شوائب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۶۲۱ دوزخ اہلِ کفر و باطل کا دائمی ٹھکانہ، والعیاذُ باللہ: - سو کفار و مشرکین کیلئے وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اس لیے کہ وہ دنیا سے ایمان کی دولت سے محرومی کے ساتھ رخصت ہوئے، اور ایمان سے محرومی پر جان دینے والوں کا آخری انجام بہرحال یہی ہے۔ یعنی "خلود فی النار" - والعیاذ باللہ - سو یہاں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کفر و انکار کتنا سنگین اور کس قدر ہولناک جرم ہے، اور کافر و منکر انسان کس قدر محروم و بدنصیب انسان ہے، اور ایسے میں اگر دنیاوی زندگی کی اس چندروزہ فرصت میں ایسے منکر انسان کو دنیا بھر کی دولت مل بھی جائے تو بھی اسکو کیا ملا کہ اس کا آخری انجام تو یہ ہونے والا ہے۔ سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے، جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور کرتی ہے، اور اس سے محرومی - والعیاذ باللہ - ہر چیز سے محرومی اور دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۶۲۲ قصۂ نمرود سے متعلق دعوتِ غور و فکر: - یعنی کیا اس کے بارے میں تم نے غور نہیں کیا کہ اس کا معاملہ کس قدر عجیب، عبرتناک اور سبق آموز ہے، کہ اللہ پاک سبحانہٗ وتعالیٰ نے تو اس کو حکومت و بادشاہی سے نوازا، اور وہ اس پر اس کا شکرگزار اور اس کے حضور سجدہ ریز ہونے کی بجائے الٹا خدائی کا دعویدار بن گیا، اور حضرتِ ابراہیم خلیل - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے سمجھانے بتانے کے باوجود وہ نہیں سمجھا۔ اور اس نے سیدھی بات کا الٹا جواب دیا، جس کے نتیجے میں وہ آخرکار ابدی ہلاکت اور دائمی تباہی سے ہمکنار ہوا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - کفر و انکار نے اس کی مت کیسے ماردی تھی، سو یہ ایک نمونہ اور مثال ہے کفر و انکار کے ان اندھیروں میں بھٹکنے کی جن سے نکالنے کیلئے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے وحی اور دین کی ضیاء پاشیوں کا انتظام فرمایا، مگر منکروں کے انکار اور ہٹ دھرمی کا کیا کیا جائے، کہ وہ اسکے باوجود نورِ حق و ہدایت کی قدر کرنے اور اسکو اپنانے کیلئے تیار نہیں ہوتے، اور اس سے اِعراض و انکار برت کر اپنے لیے دائمی ہلاکت اور تباہی کا سامان کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جَلَّ وَعَلَا بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال -

رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ

میں، اس بناء پر کہ اللہ نے اس کو عطا فرما رکھی تھی بادشاہی، جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے

الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ

جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، تو اس نے (پوری ڈھٹائی سے) کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں، ف۴۴۳

قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

تب ابراہیم نے کہا کہ بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے، پس تو اس کو لا دکھا مغرب سے، تو اس پر مبہوت (و

فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ

ششدر) ہو کر رہ گیا وہ کافر اور اللہ ہدایت (کے نور) سے نہیں نوازتا ایسے (ضدی اور ہٹ دھرم) کافر لوگوں کو ف۴۴۴ یا (تم

اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ۝۲۵۸ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ

نے غور نہیں کیا) اس شخص کے بارہ میں جس کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر ف۴۴۵ تو اس نے کہا کہ اللہ

۴۴۳ نمرود کی فریب کاری کا ایک نمونہ ومظہر: سو اس سے نمرود کی دھوکہ دہی اور فریب کاری کا ایک نمونہ اور مظہر سامنے آتا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ سو اس نے کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور موت دیتا ہوں۔ چنانچہ اس بدبخت نے ایک ایسے انسان کو چھوڑنے کا حکم دے دیا جس کے پھانسی لگانے کا فیصلہ ہو چکا تھا، اور کہا دیکھو میں نے بھی مردہ کو زندہ کر دیا، اور ایک دوسرے بے گناہ شخص کا سر خود قلم کرا دیا، اور کہا کہ دیکھو میں نے زندہ اور بے گناہ انسان کو اس طرح فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا، حالانکہ یہ اسکی کھلی حماقت تھی، اور اس کی یہ بات بالکل غلط اور مہمل بات تھی، نہ اس طرح سے کسی کی رہائی کو اِحیاء کہا جا سکتا ہے اور نہ اس طرح کسی بے گناہ شخص کو ظلماً قتل کر دینا اِماتت کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ اِحیاء کی حقیقت ہے عدم سے وجود میں لانا اور معدوم سے موجود کرنا۔ اور اس کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں، اور نہ ہی یہ حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کے سوا کسی کے بس میں ہو سکتا ہے۔ اور اِماتت یعنی موت دینے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا محل اور مقام باقی رہنے کے باوجود اس سے جان نکال لی جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بھی حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی صفتِ خاصہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی ایسے کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی بھی ہستی ایسی نہیں جو کسی مہلک ہتھیار، یا دوا وغیرہ کے کسی ظاہری سبب کے بغیر، یونہی کسی جسم سے جان نکال لے۔ قتل وغیرہ کی صورت میں تو قاتل یہ کرتا ہے کہ اپنے فعلِ قتل سے زندگی کا محل ختم کر دیتا ہے، جس پر اس کو قتل کا مجرم قرار دے کر سزا دی جاتی ہے، لیکن یہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کسی ظاہری عمل کے بغیر کسی کے جسم سے جان نکال دے۔ لہٰذا حضرتِ

ابراہیم-علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے جواب کے مقابلے میں نمرود کا یہ کہنا محض ایک کٹ حجتی اور بے بنیاد بات تھی۔ اسی لئے حضرت ابراہیم-علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے اس پر اس سے الجھنے کی بجائے اس پر دوسری حجت قائم فرما دی۔ سو اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کفر و استکبار کے باعث انسان کس قدر ڈھیٹ اور کتنا ہٹ دھرم ہو جاتا ہے، اور وہ کیا سے کیا ہانکنے لگتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف اس سے اس بدبخت کی مکاری وفریب کاری کا ایک نمونہ سامنے آتا ہے- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، اور نفس و شیطان کے ہر مکروفریب سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۴۴ ہٹ دھرمی کا نتیجہ محرومی، والعیاذ باللہ: -سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہٹ دھرمی کا نتیجہ، ہٹ دھرموں کے لیے دولتِ ایمان سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ ہٹ دھرم کافروں کو دولتِ ہدایت سے نہیں نوازتا۔ یعنی ایسے ظالم اور ہٹ دھرم لوگوں کو ان کے اپنے کفر وعناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اللہ پاک کی ہدایت سے مستفید و فیضیاب ہونے کی توفیق نہیں ملتی، ورنہ اس واہبِ مطلق -جل وعلا- کی طرف سے ہدایت کا نورِ عام تو سب کیلئے عام ہے۔ کیونکہ نورِ ہدایت سے بہرہ مندی و سرفرازی کے لئے اولین شرط طلبِ صادق ہے، جس سے یہ لوگ محروم ہیں، کیونکہ یہ نورِ ہدایت چاہتے ہی نہیں، تو پھر ان کو اس سے بہرہ مندی اور سرفرازی نصیب ہو تو کیسے اور کیونکر؟ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ [ھود-۲۸] استفہام اس آیتِ کریمہ میں انکاری ہے۔ یعنی ایسے نہیں ہوسکتا، کہ تم ہدایت کو چاہو ہی نہ بلکہ اسکو ناپسند جانتے رہو، اور ہم تم پر اس کو چپکا دیں۔ سو ایسے نہیں ہوسکتا کہ نورِ حق وہدایت سے سرفرازی کیلئے اولین شرط طلبِ صادق ہے۔ پس طلبِ صادق سے محرومی محرومیوں کی محرومی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - جبکہ طلبِ صادق ذریعۂ سرفرازی ہے کہ اسی پر اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- اپنی عنایات سے نوازتا ہے۔ سو انسان کے بناؤ اور بگاڑ کا اصل مدار وانحصار اس کے قلب و باطن پر ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال

۷۴۵ "قریہ" کا مفہوم ومطلب اور یہاں پر اس سے مقصود ومراد؟: -قریہ کا لغوی مفہوم ہے جمع اور اکٹھا ہونے کی جگہ۔ اس لیے لغت اور محاورہ کے اعتبار سے اس کا اطلاق بستی اور شہر دونوں پر ہوتا ہے اور مشہور اور معتبر روایات کے مطابق اس بستی سے مراد بیت المقدس ہے، جس کو بُخت نصر نے تباہ وبرباد کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی، اور بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد کو اس نے تہِ تیغ کر دیا تھا، اور ایک بڑی تعداد کو وہ قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اور اس شخص سے مراد جس کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے، حضرتِ عزیر- علیہ الصلوٰۃ والسلام- ہیں، سو انہوں نے بخت نصر کی قید سے رہائی کے بعد اس بستی سے گزرتے ہوئے اس کی تباہی کو دیکھ کر حسرت بھرے انداز میں اس طرح کہا تھا، جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیئے میں گزرا، سو حضرتِ عزیر کا اس طرح کہنا کسی شک یا انکار کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ اطمینانِ قلب اور یقینِ مزید کے حصول کے لئے تھا، جس کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔ سو ان کا یہ کہنا کہ اللہ اس بستی کو اس طرح فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا" انکار کی نوعیت کا نہیں تھا، بلکہ یہ اظہارِ حیرت کی نوعیت کا تھا۔ انسان بسا اوقات ایک چیز کو مانتا تو ہے کہ وہ عقل وفطرت کا تقاضا ہوتی ہے، لیکن وہ بات بجائے خود ایسی حیران کن ہوتی ہے کہ اس سے متعلق یہ سوال بار بار ابھرتا ہے کہ یہ کیسے واقع ہوگی؟ سو ایسا سوال انکار کے جذبے سے نہیں بلکہ جستجوئے حقیقت کے جوش سے ابھرتا ہے کہ یہ کیسے واقع ہوگی؟ سو حضرت عزیر کا سوال بھی اسی نوعیت کا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسی اجڑی اور تباہ حال بستی کو دوبارہ کس طرح آباد کریگا۔

عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى

کیونکر زندہ کرے گا اس بستی کو اس کے مر چکنے کے بعد؟ ۲۴۶؎ تو اللہ نے اس پر موت طاری کر کے اس کو سو سال تک موت کی

يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ

ایسی ہی نیند سلا دیا، پھر اس نے اس کو (زندہ کر کے) اٹھایا اور اس سے پوچھا تم کتنا عرصہ (اس حال میں) پڑے رہے؟

عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا

تو اس نے کہا ایک دن، یا دن کا بھی کچھ حصہ ۲۴۷؎ تو فرمایا (نہیں) بلکہ تم تو پڑے رہے ہو اس حالت میں پورے ایک سو سال

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ

(کی طویل مدت) ۲۴۸؎ سو اب دیکھو اپنے کھانے پینے (کے سامان) کی طرف، کہ اس میں کوئی تغیر نہیں آیا، اور دوسری

۲۴۶ **حضرتِ عُزَیر کی دعاء بطور استبعاد:** سو آپ کا یہ فرمانا استبعاد عادی کے طور پر تھا کہ عادۃً ایسی تباہی کے بعد اس طرح کی کسی بستی کا پھر قائم اور بحال ہونا بڑا مشکل اور بعید ہوتا ہے۔ یہ دراصل حضرتِ عزیر کی طرف سے اس ویران بستی کی دوبارہ آبادی کیلئے ایک درد بھری دعاء تھی۔ اور اسی کے بارے میں ان کا اپنا احساس اور اظہار یہ تھا کہ کیا میری یہ دعاء شرفِ قبولیت پاسکے گی اور یہ اسی قدر تباہ و برباد ہونے کے بعد کیا دوبارہ آباد ہوسکے گی۔ (معارف للکاندھلویؒ، وتفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف حضرتِ عزیرؑ کا اس طرح فرمانا جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیئے میں بھی گزرا، انکار کی بناء پر نہیں بلکہ جستجوئے حقیقت کے باعث تھا اور یہ حالت ایمان کے منافی نہیں بلکہ اس ایمان کے مقتضیات میں سے ہے، جس کی بنیاد محض روایتی اور تقلیدی نوعیت کی نہیں ہوتی، ایک عقل و بصیرت پر قائم ہوتی ہے۔ اور یہ سلوکِ باطن کی ایک حالت و منزل ہے، جس سے ہر طالبِ حقیقت کو گزرنا پڑتا ہے اور یہ سفر اس وقت تک برابر جاری رہتا ہے، جب تک کہ اس کے قلب و نظر انوارِ ایمان و یقین سے پوری طرح روشن اور منور ہو جائیں اور وہ ﴿حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ کی منزل تک نہ پہنچ جائے۔ اس سفر میں اگرچہ ہر منزل خوب سے خوب تر کی طرف اقدام کی نوعیت کی ہوتی ہے، لیکن عارف کی نظر میں اس کا ہر آج اس کے گزشتہ کل سے اتنا روشن ہوتا ہے کہ وہ کل اس کو آج کے مقابلے میں شبِ تاریک نظر آنے لگتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ بہر حال بندے کا کام اپنے رب کے حضور دعاء والتجاء اور اسی کی طرف رجوع ہے۔ یہی اس کی شانِ عبدیت کا تقاضا ہے اور اسی میں اس کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۲۴۷ **مُردے کو دنیا کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، اِلّا ماشاء اللہ:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مرنے والے کو دنیا کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا، اِلّا ماشاء اللہ، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مرنے والے کو مرنے کے بعد اپنے پیچھے

کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا کیونکہ حضرت عزیر کو اس سو سالہ موت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا تو ان سے پوچھا کہ آپ اس حالت میں کتنا عرصہ رہے؟ تو آنجناب نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ۔ اور یہ اس بناء پر کہ اگر یہ دوبارہ جی اٹھنا اسی دن ہے جس دن ان پر موت طاری ہوئی تھی، تو یہ دن کا کچھ ہی حصہ ہوا۔ اور اگر یہ دوسرا دن ہے تو پھر یہ پورا دن ہوگیا۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ مردے وادیٔ موت میں اترنے کے بعد نہ کچھ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں۔ یہاں دیکھئے کہ یہ حضرتِ عزیر جو سو برس تک اس طرح موت کی کیفیت میں پڑے رہے، ان کو خود اپنے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں کہ وہ اتنا عرصہ اس طرح سوئے پڑے رہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک دن، یا دن کا بھی کچھ حصہ اس طرح پڑے رہے، حالانکہ ان کو اس طرح پڑے ہوئے پورے سو برس ہو چکے تھے۔ جب کہ ان کی یہ موت بھی اصل اور حقیقی موت نہیں تھی۔ تو پھر حقیقی موت والے مُردے کیسے سن یا جان سکتے ہیں؟ سو مرنے کے بعد انسان کو اپنے پیچھے کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ پس بڑے ہی گمراہ اور بہکے بھٹکے ہیں وہ لوگ جو مرے ہوئے حضرات کو اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے پکارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ ہماری سنتے اور فریادرسی، اور حاجت روائی و مشکل کشائی کرتے ہیں اور بعض بدعتی مُلّاں تو ہانکے پکارے اپنے وعظوں تقریروں میں کہتے ہیں کہ قبر والے کو تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میری قبر پر چڑیا بیٹھی ہے یا چڑا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ کس قدر بہل اور بھٹک گئے یہ لوگ؟ دین کیا کہتا ہے، نصوصِ قرآن وسنت کیا بتلا رہی ہیں اور یہ لوگ اندھے اور اوندھے ہو کر کہاں گر رہے ہیں؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ ۔ بہرکیف اس قصے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ بندے کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اسکے مرنے کے بعد کیا ہونا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ یعنی اگر اللہ کسی کو کچھ بتانا چاہے تو یہ اور بات ہے کہ وہ قادر مطلق ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ مگر اس کے لئے ثبوت چاہیے۔ ثبوت کے بغیر محض قیاسی گھوڑے دوڑانے سے کچھ نہیں بنتا، والعیاذ باللہ جل وعلا

۸۲۸ حضرت عزیر کی آگہی کا ذکر وبیان: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس بے خبری اور لاعلمی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عزیر کو حقیقتِ حال سے آگہی بخشی گئی سو ارشاد فرمایا گیا کہ نہیں بلکہ تم پورے سو سال تک اس حالت میں رہے ہو۔ سو حضرت عزیر قرآن حکیم کی نص صریح کے مطابق سو سال تک اس حالت میں پڑے رہے۔ اور اس دوران حالات بھی کہیں سے کہیں پہنچ گئے تھے۔ بخت نصر مر گیا تھا۔ بنی اسرائیل آزاد ہو گئے تھے، اور بیت المقدس دوبارہ آباد ہو گیا تھا۔ (معارف وغیرہ)۔ کیونکہ پوری ایک صدی کے اس طویل زمانے میں ایسا ہونا ایک طبعی امر ہے، مگر حضرتِ عزیر کو نہ صرف یہ کہ اس بارے کچھ پتہ نہیں تھا بلکہ ان کو خود اپنے بارے میں بھی یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہ صدی بھر کے اس طویل زمانے تک اس طرح محوِ خواب رہے۔ اور جب حضرتِ عزیرؑ جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی کچھ پتہ نہیں، اور خود اپنے بارے میں بھی پتہ نہیں، اور وہ بھی ایسی صورت میں جبکہ آپ کی یہ موت بھی حقیقی موت نہیں تھی، تو پھر اور کسی کو اپنی موت کے بعد کے حالات کے بارے میں کس طرح کچھ معلوم ہوسکتا ہے؟ اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ حقیقی موت سے ہمکنار ہو چکے ہوں۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر گمراہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بزرگوں کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انکی قبر پر بیٹھنے والا پرندہ نر ہے یا مادہ جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں گزرا۔ اور ایسے ہی غلط عقیدے کی بناء پر ایسے لوگ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی اور اس کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یاربَّ العالمین

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

طرف اپنے گدھے کو بھی دیکھ لو (کہ اس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں) اور (ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ) تاکہ

اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَی

ہم تم کو بنا دیں ایک عظیم الشان نشانی ف۷۴۹ لوگوں کے لئے اور (اپنے گدھے کی) ان (بوسیدہ) ہڈیوں کو بھی دیکھو، کہ ہم

الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ

(اپنی قدرت سے) کس طرح ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر ہم گوشت چڑھاتے ہیں، سو (اس طرح) جب

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ

حقیقت حال اس شخص کے سامنے پوری طرح واضح ہوگئی، تو اس نے کہا کہ میں (یقین) جانتا ہوں ف۷۵۰ کہ بے شک اللہ ہر چیز

قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ

پر پوری قدرت رکھتا ہے اور (وہ واقعہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب ابراہیم نے اپنے رب کے حضور عرض کیا، کہ اے میرے رب

الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنْ

(اپنے کرم سے) مجھے دکھا دے کہ تو کس طرح زندہ فرمائے گا مُردوں کو؟ تو اس پر رب نے ان سے فرمایا کہ کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟

لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ

عرض کیا "کیوں نہیں، مگر (یہ درخواست اس لئے پیش کی کہ) تاکہ میرا دل (اور زیادہ) مطمئن ہو جائے ف۷۵۱ ارشاد ہوا، اچھا تو تم

فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ

چار پرندے لے لو، پھر ان کو اپنے سے (اچھی طرح) مانوس کرلو، پھر ان کا ایک ایک جزء ایک ایک

مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ

پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو پکارو، وہ چلے آئیں گے تمہارے پاس دوڑتے ہوئے، اور یقین جانو

۳۵۴۲

أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ

کہ اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے، ۷۵۲ مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں

أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ

اپنے مال اللہ کی راہ میں ۷۵۳ ایسی ہے جیسے ایک دانہ (زمین میں بویا جائے) جو اگائے سات

۷۴۹ **قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی کا ذکر و بیان**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ ہم آپ کو ایک عظیم الشان نشانی بنا دیں اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ شاملہ کی، کہ ہم کس طرح موت کے بعد زندگی بخشتے ہیں، اور کس کس طرح اپنے بندوں کی رحمت وعنایت کا انتظام کرتے ہیں، تاکہ اس طرح وہ ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز ہوسکیں، ان کے ایمان و یقین کی قوت میں اضافہ ہو، اور وہ راہِ حق وصواب پر مزید از مزید صدق و بصیرت سے گامزن ہوسکیں۔ اور اس طرح وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوں۔ سو حضرت عزیر کو ان آیات کا مشاہدہ کرانے سے مقصود ایک تو یہ تھا کہ موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں ایک طرف تو ان کو خود شرحِ صدر اور اطمینانِ مزید حاصل ہو جائے۔ اور دوسری طرف ان کا یہ مشاہدہ بھی اسرائیل کے لئے پیغامِ حیات کا کام دے اور اس سے ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی دوبارہ ایک زندہ قوم بنانے پر قادر ہے۔ اس لئے حوصلہ توڑنے کی بجائے ہمت سے کام لیکر آگے بڑھنا چاہئے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ ہم آپ کو ایک عظیم الشان نشانی بنا دیں سب لوگوں کے لیے۔ کہ قیامت کے روز بھی سب مردے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی طرح زندہ ہو کر اٹھیں گے۔ سو اس طرح تمہارا وجود لوگوں کے لیے قیامت کی ایک مجسم نشانی اور علامت بن جائے گا۔ جس سے وہ حق کیلئے استدلال کرینگے، اور راہِ حق پاسکیں گے۔

۷۵۰ **علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب حقیقتِ حال انکے سامنے پوری طرح واضح ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ میں یقین جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ کہ پہلے تو صرف علم تھا، اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مشاہدہ بھی ہوگیا اور علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کا درجہ حاصل ہو گیا۔ سو جو چیز پہلے سے یقینی تھی، وہ اب مشاہدۂ عینی بن گئی اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ مجھے میری زندگی میں دکھلا دیا۔ سو اس مشاہدے کے بعد جب ان پر حیات بعد الموت کا راز بے نقاب ہوگیا تو وہ پکار اٹھے کہ میں نے یقین جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے اور ان کی قوم بھی دوبارہ اٹھ سکتی ہے اور اسی اعتبار سے ان کو اپنی قوم کے لئے قدرت کی ایک نشانی بھی ٹھہرایا گیا۔ سو اللہ پاک کی قدرت ہر چیز پر حاوی و محیط ہے۔ وہ جو چاہے، جیسے چاہے، اور جب چاہے کرے۔ نہ اسکے لئے کوئی مشکل اور نہ کسی طرح کی کوئی رکاوٹ، وہ ایسے ہر شائبے سے پاک اور اعلیٰ وبالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۷۵۱ **حضرتِ ابراہیم کی درخواست اطمینانِ مزید کیلئے**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟ تو انہوں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں نے ایسا اس

لیے عرض کیا کہ تا کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اور اس طرح مجھے علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی نصیب ہو جائے، کیونکہ سننے اور دیکھنے میں تو بہر حال فرق ہوتا ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ "لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَةِ" کہ "خبر دیکھنے اور معائنہ کرنے کے برابر نہیں ہوتی"۔ "کَیْفَ" کے لفظ سے جو سوال کیا جاتا ہے وہ بالعموم کیفیت کے بارے میں ہوتا ہے۔ سو حضرتِ ابراہیمؑ کا یہ سوال اس کیفیت کے جاننے کے بارے میں تھا جس سے مُردوں کو زندہ کیا جائے گا۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ بہر کیف حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنے رب کے حضور اطمینانِ قلب سے سرفرازی کی دعا اور درخواست کی جو کہ مدارجِ ایمان میں سب سے اعلیٰ درجہ ہوتا۔ ورنہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے اس سے یہ حضرات روزِ اول ہی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ سو اطمینانِ قلب کی طلب ایمان کے منافی نہیں بلکہ یہ اس کی تکمیل ہے۔ تا کہ اس سے ایمان کی قوت مزید پختہ ہو اور میرا یقینِ کامل اور پکا ہو جائے۔ اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۷۵۲ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز وحکیم کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس وہ جو کرنا چاہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا، کہ وہ عزیز ہے، اس کا حکم بہر حال نافذ ہو کر رہتا ہے، اور اس کا ارادہ بہر حال پورا ہوتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے وہ کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بہر حال حق اور سراسر حق اور عینِ حکمت اور صواب پر مبنی ہوتا ہے، کیونکہ وہ عزیز کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی وَجَلَّتْ قُدْرَتُهٗ۔ سو یہاں پر بھی اس نے چار پرندوں کو ذبح کر کے، ان کے اجزاء کو چار مختلف پہاڑوں پر رکھنے کا جو حکم دیا اسکی حکمت بھی وہی جانے۔ بہر کیف آپ کو زندگی بعد از موت کا ایک نمونہ دکھا دیا۔ سو "عزیز" اور "حکیم" کی ان دو صفتوں کا تقاضا ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے، کہ وہ اس پر قادر بھی ہے اور یہ اس کی حکمت کا مقتضیٰ بھی ہے۔ تا کہ اس طرح لوگ زندگی بھر کے کیے کرائے کا پھل پا سکیں۔ اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں اور بدرجۂ تمام وکمال پورے ہو سکیں، اور تخلیق کائنات کی حکمت اور غرض و غایت کا تحقُّق ہو سکے، ورنہ یہ تمام کارخانہ ہست وبود عبث اور بیکار ہو کر رہ جائیگا، جو کہ حضرتِ خالق جل مجدہٗ کی حکمت کے تقاضوں کے خلاف ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ

۷۵۳ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب وتلقین: ۔ سو انفاق فی سبیل اللہ کی تحریک وترغیب کے طور پر ایسے لوگوں کے لیے ایک عظیم الشان مثال بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی ان لوگوں کے لیے جو ہر ایسے موقع ومقام پر خرچ کرتے ہیں جہاں مقصود اسی وحدہٗ لاشریک کی رضاء وخوشنودی ہوتی ہے۔ دوسرا کوئی مقصد اس میں شامل نہیں ہوتا، تا کہ اس طرح وہ آخرت کی اپنی اصل اور حقیقی زندگی کیلئے تیاری اور اس کیلئے سامان کر سکیں، کیونکہ آج جو اللہ کی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے دیا جائے گا وہی جمع ہو کر محفوظ ہو جائے گا اور وہاں کام آئے گا۔ جو کام بھی اسلام اور مسلمانوں کی بہتری اور ان کی خدمت کے لئے کیا جائے وہ "فی سبیل اللہ" کے زمرے میں آتا ہے۔ حالات کے اعتبار سے کسی کام کی اہمیت زیادہ ہو سکتی ہے اور کسی کی کم لیکن جو بھی کام اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لئے اور شریعتِ مقدسہ کی تعلیمات کے مطابق کیا وہ "فی سبیل اللہ" ہی ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لیے عظیم الشان ثمرات اور فوائد و منافع ہیں۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین

سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ

بالیں، ہر بال میں ہوں سو دانے، ۵۴ے اور اللہ (اس سے بھی کہیں زیادہ) بڑھا چڑھا کر دیتا ہے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

جس کیلئے چاہتا ہے، (اس کے صدق واخلاص کے مطابق) اور اللہ بڑا ہی وسعت والا ۵۵ے نہایت ہی علم والا ہے ۵۶ے جو لوگ خرچ کرتے

اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، پھر وہ اپنے خرچ کے پیچھے نہ کوئی احسان جتلاتے

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا

ہیں، اور نہ دکھ دیتے ہیں، ۵۷ے تو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے یہاں، نہ ان پر

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ

کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، ۵۸ے بھلی بات (کہہ دینا) اور (کسی ناگواری کی

۵۴ے انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ایک عظیم الشان تمثیل:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی مثال اس دانے کی سی ہے جس کی سات بالیں ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں کہ ایک دانہ مٹی میں ملنے کے بعد سات سو دانے بن جاتا ہے۔ سو یہ قدرت وعنایتِ خداوندی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے کہ زمین سے ایک دانے کے سات سو دانے نکلتے ہیں اور ایسا ہمیشہ اور سب کے سامنے ہوتا ہے۔ سو اسی طرح اللہ پاک کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے خرچ کرنے پر اتنا اجر وصلہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اپنے کرمِ بے کراں اور عنایتِ بے نہایت سے عطاء فرماتا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس مضمون کو اس طرح نہیں بیان فرمایا کہ اللہ ایک پر سات سو گنا اجر وثواب دیتا ہے، حالانکہ یہ طریقہ مختصر بھی تھا، بلکہ اس کو اس حسی مثال کی صورت میں بیان فرمایا، تاکہ انسان کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیز بالفعل تمہارے سامنے موجود ہے، اور ایسا فی الواقع تمہارے سامنے ہو رہا ہے مگر تم لوگ غور نہیں کرتے۔ سو اس طرح یہ ارشادِ ربانی "دعویٰ مع الدلیل" کے طور پر ہے۔ سو جب وہ قادرِ مطلق اس بے جان مٹی سے جو اپنی شانِ ربوبیت کے مقتضیٰ کے مطابق انسان کی حسی اور مادی ضروریات کیلئے اس قدر بڑھا چڑھا کر پیدا فرماتا ہے، تو وہ اس کی روحانی غذا اور معنوی ضروریات کیلئے انتظام کیوں نہیں فرمائے گا؟ اور وہ تمہیں تمہارے خرچ کئے گئے کے بدلے میں تمہیں کئی گنا بڑھا کر اور وہ بھی اس جہانِ فانی میں نہیں، بلکہ آخرت کے اس عالمِ جاودانی میں جہاں اس کی رحمتِ بے پایاں کا کمالِ ظہور ہوگا، کیوں نہیں دے گا؟ اور وہاں پر وہ کیا کچھ نہیں کریگا؟ اور وہاں پر وہ جو کچھ عطاء فرمائیگا اس کا ٹھکانا ہی کیا ہوگا

جہاں بنصِّ حدیث وہ کچھ ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ ہی کسی بشر کے دل پر اس کا گزر ہی ہوا ہوگا۔ سو آج دنیا کے اس ''دارالعمل'' میں اسکی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے دیئے چلے جاؤ، جو وہاں جمع ہوتا جائے گا اور پھر وہ اس کو وہاں پر اپنی شانِ کرم کے مطابق بڑھا چڑھا کر واپس فرمادے گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی پونجی کو دنیا میں سودی بنکوں میں جمع کر کے اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کی بجائے اللہ کے بنک میں جمع کرائے تاکہ وہاں اسکوکئی گنا بڑھا کر واپس ملے اور اس وقت ملے جب کہ یہ اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔ وباللہ التوفیق لمایحب و یرید، وعلٰی مایحب و یرید، بکل حال من الاحوال

۷۵۵ **اللہ تعالیٰ کی کمالِ وسعت کا حوالہ و ذکر:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بڑی ہی وسعت والا ہے۔ اتنی بڑی وسعت والا کہ اس کی بخشش و عطاء کا کوئی کنارہ نہیں۔ انسان ضعیف البنیان کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، جیسا کہ مشہور حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ اگر اولین و آخرین کے تمام جن و انس ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں، اور سب مجھ سے اپنی اپنی حاجت و ضرورت کا سوال کرنے لگیں، اور میں ان سب ہی کی حاجتیں اور ضرورتیں پوری کردوں تو اس سے میری بادشاہی اور میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آئیگی جتنی کہ ایک سوئی کے ناکے کو سمندر میں ڈبونے سے اس میں کمی آسکتی ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ مَآ اَعْظَمَ شَانُہٗ وَمَآ اَجَلَّ بُرْھَانُہٗ۔ اس کے خزانے بے نہایت اور اس کی بخشش لامحدود ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ سو اسکی وسعت کا کوئی کنارہ نہیں اور اسکی بخشش و عطاء کی کوئی حد و انتہاء نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس تم اسکے نام پر اور اسکی رضاء کیلئے دیئے جاؤ اور اسکے بعد کی فکر نہ کرو کہ اسکے یہاں سے تو نوازشیں ہی نوازشیں اور بخششیں ہی بخششیں ہیں اور اس کی اس جود و سخا اور عطاء و نوال سے اس کے خزانوں میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، امین ثم امین

۷۵۶ **اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نہایت ہی علم والا ہے:۔ سو اس کی نوازش اس کے علم کی بناء پر اور اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کو کیا دیا جائے، اور کتنا اور کس قدر دیا جائے۔ اس لئے اس دنیا میں وہ بندوں کو دیتا اتنا ہی ہے جتنا کہ اس کی حکمت اور مشیّت کا تقاضا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ''وَاسِعٌ'' کے ساتھ ''عَلِیْمٌ'' بھی ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ کس کی نیت کیسی ہے اور کس کا صدق و اخلاص کس درجے کا ہے۔ اس لیے اسکے ساتھ اپنا معاملہ پورے صدق و اخلاص کا معاملہ رکھو۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ۔ سو ''وَاسِعٌ، عَلِیْمٌ'' کی ان دو صفتوں کے حوالے سے ایک بات تو یہ واضح ہو جاتی ہے کہ بندہ اس کی وسعت کو اپنی تنگ دامنی پر قیاس نہ کرے، کہ اس کی وسعت لامحدود اور ناپیدا کنار ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ اس کی عطاء و بخشش اس کے علم کے مطابق ہوتی ہے۔ نیز اس کی راہ میں اور اس کی رضا کے لئے جو بھی کوئی چھوٹی یا بڑی، یا علانیہ یا پوشیدہ نیکی کی جاتی ہے۔ وہ سب اس کے علم میں رہتی ہے۔ اس لئے بندہ اپنے اجر کی طرف سے مطمئن رہے کہ جب دینے والا خزانہ بھی غیر محدود ہے اور اس کا علم بھی کامل اور لامحدود ہے اور اس کے یہاں کسی نیکی کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ

ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یاربَّ العالمین

۴۵۷ احسان جتلانے اور ایذاء رسانی کی ممانعت: -سو اس سے صدقہ کے بعد احسان جتلانے اور دکھ دینے کی ممانعت فرمائی گئی ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر وہ اپنے خرچ کیے کے پیچھے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی دکھ دیتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے یہاں ان کا اجر ہے۔ یعنی نہ وہ اپنے قول سے تکلیف دیتے ہیں، نہ فعل سے، نہ اپنی نیکی کو گنتے گنواتے ہیں، اور نہ اس کی وجہ سے وہ اس پر زبان درازی کرتے، یا اس کا ذکر دوسرے سے کرتے ہیں۔ کہ اس طرح کے امور صدقہ و نیکی کو برباد کرنے والے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - جیسا کہ آگے والی آیت کریمہ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ بلکہ ایسے لوگ نیکی کرنے کے بعد اس کو گویا بالکل بھلا ہی دیتے ہیں، اور نیکی کر کنوئیں میں ڈال والا طریقہ اختیار کرتے ہیں، کہ جس مالک کے نام پر اور جسکی رضا کیلئے ہم نے دیا ہے وہ بہر حال جانتا ہے اور یہی ہمیں کافی ہے۔ اس لئے اس کا خیال رہے کہ اس طرح کے کسی امر سے وہ صدقہ کہیں ضائع نہ ہو جائے - وباللہ التوفیق - لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال۔

۴۵۸ سچے ایمان والوں کیلئے عظیم الشان اجر و ثواب کا ذکر و بیان: -سو سچے ایمان والوں کے لئے ایک عظیم الشان اور بے مثال اجر و ثواب کے ذکر کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان پر نہ گزشتہ کا کوئی غم نہ آئندہ کا کوئی خوف سو ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی دولت ایسی عظیم الشان اور بے مثال دولت ہے کہ اس کے بعد نہ کوئی غم نہ کوئی اندیشہ۔ یعنی نہ ان کو آئندہ کے بارے میں کوئی غم ہو گا کہ ان کو دخولِ جنت کی حقیقی کامیابی نصیب ہو چکی ہو گی اور فرشتے ان کا ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ﴾ جیسے پیارے، پاکیزہ اور دلنواز ترحیبی کلمات سے استقبال کر رہے ہونگے، اور نہ ہی ان کو اپنی دنیاوی زندگی اور ماضی کے بارے میں کوئی حزن و ملال اور رنج و افسوس ہو گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق و عنایت سے اپنی دنیاوی زندگی کو ایمان و یقین کے نور اور عملِ صالح کی سعادت کے ساتھ گزارا ہو گا، جس کے نتیجے میں وہ اب جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہو چکے ہونگے - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ - اور اب وہ ہر غم سے آزاد اور ہر خوف سے محفوظ شاہی زندگی گزاریں گے - اللہ نصیب فرمائے - آمین - سو اس کا اصل ظہور تو اگرچہ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں ہو گا، لیکن اس کا اثر ان کی اس دنیاوی زندگی میں بھی ظاہر اور واضح ہوتا ہے، کیونکہ ان کا اپنے ماضی کے بارے میں کہنا ہوتا ہے کہ جو ہوا سو ہوا، کیونکہ وہ اللہ ہی کی طرف سے تھا اس لئے بہتری اسی میں ہو گی - وَالْخَيْرُ فِيْ مَا وَقَعَ - اور آئندہ کے بارے میں ان کو اپنے رب کی طرف سے خیر ہی کی توقع، اور اسی کی دعاء ہوتی ہے۔ اس لئے وہ پریشانی کی بجائے ربِّ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے سہارے مطمئن رہتے ہیں۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے اور اس سے محرومی دنیا و آخرت کی محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اصل دولت ایمان و یقین کی دولت ہے اور اصل اور حقیقی کمائی وہ ہے جو آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی کیلئے کی جائے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین، یاربَّ العالمین

وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ

صورت میں) درگزر کر لینا، کہیں بہتر (اور بڑھ کر) ہے ایسے صدقہ (وخیرات) سے، جس کے بعد ستایا جائے، اور اللہ

غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

بڑا ہی بے نیاز، نہایت ہی بردبار ہے ۷۵۹ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اکارت (اور ضائع) مت کرو تم لوگ اپنے

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

صدقات (وخیرات) کو، احسان جتلا کر، اور ایذاء پہنچا کر، ۷۶۰ اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

اپنا مال لوگوں کے دکھلاوے کیلئے، اور وہ ایمان نہیں رکھتا اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، ۷۶۱

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ

سو اس کی مثال ایسے ہے، جیسے کسی چٹان پر کچھ مٹی پڑی ہو، ۷۶۲ پھر زور کی بارش پڑ کر

وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ

اس کو بالکل صاف کر دے، ایسے لوگوں کو اپنی کمائی میں سے کچھ بھی ہاتھ

مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

نہ لگ سکے گا، اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا ایسے ظالم لوگوں کو، (ان کی اپنی بدنیتی اور سوءِ اختیار کی بناء پر،) ۷۶۳

۷۵۹ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا اور حلم کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی بے نیاز نہایت ہی بردبار ہے۔ پس اس غنیِ مطلق -سبحانہ و تعالیٰ- کے نام پاک پر دینے کو تم لوگ اپنی سب سے بڑی سعادت اور خوش نصیبی جانو اور احسان جتلانے کی بجائے اپنے اوپر اس کا احسان مانو کہ وہ تم کو ایسے مواقع فراہم فرماتا ہے جن میں خرچ کرنے سے خود تمہاری ہی سعادت و بھلائی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی۔ اور وہ غنیِ مطلق اور بے نیاز ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا ہی حلیم اور بردبار بھی ہے۔ پس وہ اگر کسی کو اسکے جرم و گناہ پر فوراً نہیں پکڑتا تو اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہ اس حلیمِ مطلق کے حلمِ بیکراں کا ایک مظہر اور تقاضا ہے -سبحانہٗ و تعالیٰ- اور یہ اس کے حلم و کرم ہی کا ایک مظہر ہے کہ نیکوکار اور بدکار سب ہی اس کے خزانے سے رزق پا رہے ہیں۔

ورنہ وہ اگر اپنے بندوں کو ان کی کوتاہیوں اور نافرمانیوں پر اپنے فضل وکرم سے محروم کر دیا کرے تو پھر کون ہے جو کسی فضل کا مستحق قرار پا سکے؟۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بندوں کے اندر بھی ان صفات کا عکس واظہار ہو۔ سو جن کو اس نے غنی بنایا ہوان کے اندر ان کے غنا کے بقدر حلم اور بردباری بھی ہونی چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف وہ غنیِ مطلق جب تم لوگوں سے مانگتا ہے اور اپنے نادار بندوں کے لئے مانگتا ہے تو اس سے تمہیں یہ سبق لینا چاہئے کہ تم اپنے ان نادار بھائیوں کیلئے ازخود اپنے مال خرچ کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید،

۷۶۰ منّ واذیٰ باعثِ خسران وضیاع - والعیاذ باللہ جل وعلا: - سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے صدقات کو منّ اور اذیٰ کے ذریعے ضائع اور اکارت مت کرو۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایذاء رسانی اور احسان جتلانے سے صدقات وخیرات ضائع ہو جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ الٹا گناہ اور تباہی کا باعث بن جاتے ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں نبیٔ اکرم - ﷺ - سے اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرتِ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت - ﷺ - نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ ان سے کلام فرمائیگا، نہ ان کو نظرِ رحمت سے دیکھے گا، اور نہ ہی ان کو پاک کریگا، اور ان کیلئے ایک بڑا دردناک عذاب ہے۔ اور یہ بات آپ - ﷺ - نے تین بار ارشاد فرمائی۔ اس پر حضرتِ ابوذرؓ نے چونک کر عرض کیا کہ وہ بڑے ناکام ونامراد لوگ ہیں۔ اللہ کے نبی بتلایئے وہ کون ہیں "خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" تو آپ - ﷺ - نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا "اَلْمُسْبِلُ، اَلْمَنَّانُ ، اَلْمُنْفِقُ سِلْعَتَهٗ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ "، یعنی ان آدمیوں سے مراد ایک تو وہ شخص ہے جو اپنا کپڑا اپنے ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، -خواہ وہ کوئی بھی کپڑا ہو- دوسرا احسان جتلانے والا، اور تیسرا وہ جو اپنا سامان جھوٹی قسمیں کھا کر بیچتا ہے۔ (مسلم، کتاب الایمان) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔ ثم آمین یارب العالمین

۷۶۱ اعمال کی قدر وقیمت کا مدار ایمان واخلاص پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے صدقات کو اکارت اور ضائع مت کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھلاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اور جب اس کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ویقین ہی نہیں، تو پھر وہ خالص اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا کیلئے اور آخرت کے اجر وثواب کی غرض سے خرچ کریگا ہی کیونکر؟ سو یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل قدر وقیمت تب ہی بنتی ہے جبکہ انسان کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر سچا پکا ایمان ویقین ہو، اور اس کا خرچ بھی صدق واخلاص سے ہو- ورنہ اس کے بغیر تمام اعمال ہیچ ہیں- فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا كَامِلًا وَّيَقِيْنًا صَادِقًا وَّالْاِخْلَاصَ فِى الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ- سو جو لوگ سچے ایمان کی دولت سے محروم ہیں، اور وہ اپنے مال ریاکاری اور دکھلاوے کیلئے خرچ کرتے ہیں وہ سراسر خسارے میں ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف وہی عمل شرفِ قبولیت پا سکتا ہے، جو ایمان ویقین کی بنیاد پر اور صدق واخلاص سے کیا جائے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ. وَهُوَ الْهَادِىْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ- اللہ اپنے فضل وکرم سے صدق واخلاص

کی دولت سے نوازے اور بدرجۂ کمال نوازے - اور اپنی شانِ کریمی سے نوازے، آمین ثم آمین، یا ربَّ العالمین

۶۱۲ ریاکارانہ صدقات کے ضیاع کی تمثیل:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی چٹان پر کچھ مٹی پڑی ہو جس کو دیکھ کر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس میں بیجائی ہوسکتی ہے، اور وہ اس امید پر اس میں بیج ڈال دیتا ہے، کہ اس طرح اس کو ایک کے سات سو دانے ملیں گے۔ مگر بعد میں جب زوردار بارش کے ریلے سے وہ سب مٹی بہ جاتی ہے تو اس کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ سو اسی طرح ریاکاری جیسے عوارض صدقات و خیرات کو نیست و نابود کر دیتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں یہ اپنے کیے کے اجر و ثواب کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔ وہاں اسکو کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا، کہ ریاکاری کے طوفان نے اس کا سب کیا کرایا بالکل برباد کر دیا ہوگا - والعیاذ باللہ العظیم - سو جس طرح اس محروم القسمت کسان کی ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے اس کو کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا اسی طرح اس خیرات کرنے والے کی خیرات برباد ہو کر رہ جائیگی جو صدق و اخلاص کی محرومی کے ساتھ خیرات کرتا ہے اور اس کے بعد وہ احسان جتلا کر اور دلآزاری سے کام لے کر اس کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس کا کوئی حصہ بھی اس کے کام نہیں آئے گا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ریاکاری کے ہر شائبہ سے محفوظ رکھے - اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔ بکل حال من الاحوال۔

۶۱۳ ظالموں کے لیے محرومی - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت سے نہیں نوازتا ظالم لوگوں کو۔ یعنی ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں ملے گی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا نور تو عام اور بلا امتیاز سب کیلئے ہے، اور اس کی رحمت سے محرومی کسی کیلئے بھی نہیں، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ انسان اپنے خبثِ باطن اور بدنیتی کی وجہ سے اس سے خود منہ موڑ لے، اور اس طرح وہ اپنے آپ کو خود اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم کر دے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کیونکہ ہدایت کیلئے اولین تقاضا اور بنیادی شرط ہے طلبِ صادق، جس کا تعلق انسان کے دل سے ہے اور اس کو وہی خود جانتا ہے یا اس کا خالق و مالک۔ اور طلبِ صادق اور تڑپ کے بغیر ہدایت سے سرفراز کرنا اسکے قانونِ عدل و فطرت کے خلاف ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ﴾ جس میں ہمزۂ استفہام انکار کیلئے استعمال فرمایا گیا ہے، یعنی ایسا نہیں ہوتا اور نہیں ہوسکتا کہ کسی کو اس کے نہ چاہنے کے باوجود ہدایت سے یونہی زبردستی سرفراز کر دیا جائے، اور یہ ایک فطری اور بدیہی امر ہے کیونکہ جب متاعِ دنیا کی کوئی عام اور معمولی سی چیز بھی مانگنے اور طلب و استدعاء کے بغیر نہیں مل سکتی، تو پھر ہدایت کی نعمت جو کہ سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے، وہ طلبِ صادق کے بغیر کیسے مل سکتی ہے؟ سو یہ مطلب ہے اس ارشادِ ربانی کا کہ اللہ ظالموں کو نورِ ہدایت سے نہیں نوازتا، کہ وہ چاہتے ہی نہیں۔ ورنہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی سچے دل سے ہدایت چاہتا ہو، اور اللہ پاک اسکو یونہی محروم کر دے۔ سو ایسے نہ ہے نہ ہوسکتا ہے۔ وہ ذاتِ اقدس و اعلیٰ ایسے ہر شائبہ سے پاک ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - سو طلبِ صادق اور رجوع الی اللہ اصل اساس اور بنیاد ہے سرفرازی کی کہ اسی سے اللہ پاک کی رحمت و عنایت اسکے بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے - و باللہ التوفیق - سو ظلم محرومیوں کی محرومی ہے - والعیاذ باللہ العظیم - بکل حال من الاحوال

وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ

اور (اس کے برعکس) مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی رضا (وخوشنودی)

اللّٰهِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ کَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبۡوَةٍ

کی طلب میں، اور اپنے دلوں کی مضبوطی (وپختگی) کی بناء پر ۶۴۷ (سو ان کی مثال ان کے اجر وثواب کے اعتبار سے ایسے ہے،)

اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُکُلَهَا ضِعۡفَیۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ

جیسے کہ ایک باغ ہو جو بلندی پر واقع ہو، کہ اگر اس پر زور کی بارش پڑے تو وہ کئی گنا پھل لائے، ۶۵۷ اور اگر

یُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲۶۵﴾

زور کی بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار ہی (اس کے لئے کافی ہو جائے) ۶۶۷ اور اللہ پوری طرح دیکھنے والا ہے تمہارے ان کاموں کو جو

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ

تم لوگ کرتے ہو ۶۷۷ کیا تم میں سے کوئی شخص (اپنے لئے) یہ بات پسند کرے گا کہ اس کے لئے ایک ایسا (عمدہ اور ہرا بھرا)

۶۴۷ تَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ کا مطلب؟: - یعنی ایسی تصدیق اور ایسے یقین کی بناء پر جو ان کے دلوں سے نکلا ہوا ہو (معارف للکاندھلویؒ) کہ ہمیں اس انفاق پر اپنے خالق و مالک حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے اس کا اجر و ثواب اور صلہ و بدلہ ملے گا۔ اس لئے وہ اپنے مقدور کی حد تک شرک وریاکاری اور نمود ونمائش کے ہر شائبہ سے بچنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اور اپنے دلوں کے اس یقین واعتماد کے سوا اور کوئی چیز ان کو اس انفاق پر ابھارنے والی نہیں ہوتی۔ اور ان کا مقصود رضاءِ خداوندی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ پس یہ ارشادِ ربانی ایسے ہی ہے جیسا کہ حدیث میں صیام رمضان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ''مَنۡ صَامَ رَمَضَانَ اِیۡمَانًا وَّاحۡتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِهٖ'' یعنی جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان ویقین کی بناء پر اور اجر وثواب کی نیت سے، اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے۔ آیتِ کریمہ کا یہی مفہوم حضرتِ ابنِ عباسؓ، شعبیؒ اور قتادہؒ، وغیرہ حضرات سے مروی ہے اور ابنِ جریرؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے (ابنِ کثیرؒ)۔ سو اس صورت میں یہ مفعول لہٗ ہوگا کہ اس کا عطف ''ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ'' پر ہوگا جو کہ مفعول لہٗ ہے اور اس میں اور بھی احتمال ہیں جو انشاء اللہ اپنی مفصل تفسیر میں پیش کریں گے اگر اسکی توفیق وسعادت نصیب ہوئی - وباللہ التوفیق - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق پر ثبات واستقامت نصیب فرمائے - آمین

۶۵۷ ضِعۡفَیۡنِ کا استعمال تکرار وتکثیر کیلئے: - یعنی ''ضِعۡفَیۡنِ'' کا لفظ یہاں پر محض تثنیہ کیلئے نہیں، جیسا کہ اس کے تبادر سے عام طور پر سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ لفظ یہاں پر تکرار وتکثیر کیلئے ہے، جیسا کہ ''لَبَّیۡکَ'' کے لفظ میں

ہے (تفسیر التحریر لابن عاشور وغیرہ) یا جیسا کہ ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں ہے۔ یعنی وہ باغ اپنے شاندار محلِ وقوع اور وسعت فضاء کے باعث اپنے احوال کے اختلاف و تفاوت کے مطابق اپنا پھل کئی گنا بڑھا کر لاتا ہے۔ سو ایسے ہی جو لوگ اپنے حلال اور پاکیزہ مال میں سے اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے خرچ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے یہاں انکے دیئے اور خرچ کیے کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیا جاتا ہے، ان کے صدق و اخلاص کی بناء پر۔ سو دوسری تمام عبادات کی طرح انفاق فی سبیل اللہ کا اصل اور حقیقی فائدہ بندے ہی کی طرف لوٹتا ہے کہ اس سے اس کو خداوندِ قدوس کی رضاء و خوشنودی کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور اس کے لئے اجر و ثواب کا ذخیرہ بھی جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ دوسری بھی طرح طرح کی خیرات و برکات سے سرفراز و مالا مال ہوتا رہتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو صدق و اخلاص سے کیا جانے والا صدقہ بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔

۷۶۶ زرخیز مٹی کیلئے پھوار ہی کافی: - اس کی زرخیز مٹی، لطیف و عمدہ آب و ہوا، اور شاندار محلِ وقوع کی بناء پر۔ سو ایسے ہی مومن مخلص کا انفاق فی سبیل اللہ، اور اللہ کی راہ میں دیا ہوا اس کا صدقہ و خیرات، اس کے اخلاص اور صدقِ نیت کے مطابق اس کیلئے اجر و ثواب، کا ذریعہ بنتا ہے۔ کامل اور اعلیٰ درجے کے اخلاص پر وہ اس کے لئے کامل و اعلیٰ درجے کے اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ اور اگر یہ نہیں تو نفسِ ایمان اور نیت کی درستی کی بناء پر بھی اس کو اس کا اجر و ثواب کئی گنا بڑھا کر دیا جائیگا۔ اس کا دیا ضائع کبھی نہیں ہوگا (الجواہر، القرطبی، الصفوۃ، وغیرہ)۔ سو ایمان و اخلاص دارین کی سعادت و سرخروئی کی اساس و بنیاد اور وسیلۂ سرفرازی ہے، اور جتنا انسان ایمان و یقین میں کامل اور صدق و اخلاص میں سچا اور پکا ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات سے زیادہ سرفراز ہوگا وباللہ التوفیق - اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمانِ کامل یقینِ صادق اور اخلاص و للّٰہیت کی دولت سے نوازے - ریاکاری کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۷۶۷ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کی تذکیر و یاددہانی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح دیکھ رہا ہے تمہارے ان اعمال کو جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس لئے تمہارا کوئی بھی عمل بلکہ تمہاری نیتوں کا حال اور دلوں کی کیفیت بھی اس سے کسی بھی طور مخفی نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا مومنِ صادق کو اپنے باطن اور اپنی نیت کے حال پر ہمیشہ نگاہ رکھنی چاہیئے کہ اس میں کوئی شائبۂ ریاء یا کھوٹ نہ آ جائے، تاکہ کیا کرایا برباد نہ ہو جائے کہ اسکے یہاں قبولیت کیلئے اولین اساس و بنیاد ایمان و اخلاص اور صدق و صفا ہے - وباللہ التوفیق - سو اس ارشاد میں آپ نیکوکاروں کے لئے تو تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ تمہارے تمام اعمال کو وہ دیکھ رہا ہے۔ بس تم مطمئن رہو کہ تم اس کے اجر و ثواب سے کبھی محروم نہیں ہوؤ گے کہ وہ تمہارے اعمال کو خود اور پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ اور دوسرے اس میں بدکاروں کے لئے تہدید و وعید ہے کہ تم باز آ جاؤ کہ تمہارے کرتوت اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ وہ اگر تمہیں ڈھیل دے رہا ہے تو اس سے دھوکے میں مت پڑ جاؤ کہ وہ بہرحال ایک ڈھیل ہے جس نے اپنے وقت پر بہرحال ختم ہو جانا ہے۔ کہ ڈھیل بہرحال ڈھیل ہوتی ہے اور وہ ایک محدود وقت اور گنی چنی مدت ہی کے لئے ہوتی ہے۔ اس پر مست و مغرور ہونے کے بجائے اس سے صحیح کام لینا چاہیئے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - وعلیٰ ما یحب و یرید، سبحانہٗ و تعالیٰ -

اَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا

باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا، کہ اس کے نیچے سے بہہ رہی ہوں نہریں، اور اس کے لئے اس میں

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ

ہر قسم کے پھل ہوں، اور آ پہنچے اس کو بڑھاپا (اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے ساتھ) ؀۶۸ اور اس کی ضعیف (وناتواں)

ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ

اولاد بھی ہو ایسے میں آ پہنچے اس باغ کو ایک ایسا بگولہ جس میں آگ ہو، جس سے وہ باغ جل (کر راکھ ہو) جائے ؀۶۹

۳۶ ع

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع

اللہ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتوں کو، تاکہ تم لوگ غور و فکر سے کام لو، ؀۷۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، خرچ کرو تم (اللہ کی راہ میں) ان پاکیزہ چیزوں میں سے بھی جو تم نے کمائی ہیں، ؀۷۱

وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا

اور ان میں سے بھی جو ہم نے (اپنی رحمت و عنایت سے) تمہارے لئے نکالی ہیں زمین سے، ؀۷۲ اور ان میں سے

۶۸ ریاکارانہ اعمال کے ضیاع کی تمثیل:- سو اس سے اپنے اعمال کو ریاکاری وغیرہ کے ذریعے ضائع کر دینے والوں کی تمثیل پیش فرمائی گئی ہے۔ بڑھاپے کی حالتِ زار اور اس سے درسِ عبرت و بصیرت لینے کی ضرورت ہے جس کے باعث ایسا انسان کمانے اور محنت کرنے کے قابل بھی نہ رہے، کہ اس کی قوت و شباب کا دور گزر چکا ہو۔ اور مزید یہ کہ اس کی ایسی چھوٹی چھوٹی اور کمزور و ناتواں اولاد بھی ہو، جو کمانے کھلانے اور اس کی خدمت کرنے سے بھی عاجز ہو، اور الٹا اس کا بوجھ بھی اس شخص پر ہو، اور اس طرح وہ نہایت ہی قابلِ رحم حالت کو پہنچ جائے۔ اسی لئے نبیِ اکرم ﷺ - نے اپنی رحمت بھری تعلیمات میں اپنی امت کو بڑھاپے کی عمر میں وسعتِ رزق کیلئے خاص دعاء کی تعلیم و تلقین بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت کے مطابق اس بارے میں آپ ﷺ - کی دعاء اس طرح منقول ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَآءِ عُمُرِيْ" (ابن کثیر) "اے اللہ، مجھے اس وقت خاص طور پر اپنے رزق کی وسعت سے، نوازنا جبکہ میرا بڑھاپا آ جائے، اور میری عمر گزر جانے کو ہو جائے" سبحان اللہ! کیسی عمدہ اور کیا ہی پیاری دعاء ہے جو نبیِ اکرم

-علیہ السلام- نے اپنی امت کو تلقین فرمائی، اور بڑھاپے کی کمزوری اور ناتوانی کو کس طرح یاد دلایا - صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَجَزَاہُ عَنَّا خَیْرَ مَا جُوْزِیَ بِہٖ نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِہٖ - بہرکیف بڑھاپے کی اس عمر کو یاد رکھنے کی اور یاد رکھ کر اس کیلئے تیاری کرنے کی ضرورت ہے، قبل اس سے کہ جوانی اور صحت کی فرصتِ محدود ہاتھ سے نکل جائے - وباللہ التوفیق - سو یہ تمثیل ہے اس شخص کی حالتِ زار کی جو ریاکاری وغیرہ کے ذریعے اپنے صدقات کو ضائع کر دے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو دکھلاوا اور ریاکاری سے اس طرح انسان کی نیک اعمال کی پونجی ضیاع کا شکار ہو جاتی ہے اور انسان آخرکار ایک نہایت ہی ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں ہر قسم کے خسارے سے محفوظ اور اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۷۶ ریاکاروں کے ہولناک خسارے کا ذکر - والعیاذ باللہ: - سو اس سے ریاکاروں کی زندگی بھر کی پونجی کی تباہی اور ان کے ہولناک خسارے کو آشکارا فرما دیا گیا اور اس طور پر کہ ایسے شخص کی زندگی بھر کی کمائی اور جمع کردہ پونجی نیست ونابود ہو جائے، اور اس کے باغ کا یہ واحد سہارا بھی اس سے چھن جائے، اور عین ایسے وقت میں جبکہ وہ اس کا سخت محتاج بھی تھا، اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ اب اس کے لئے کمانے اور بنانے کا نہ کوئی موقع ہو نہ امکان - سو ایسے شخص کی ناکامی ونامرادی اور خسران ونقصان کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے - پس یہی حال سمجھا جائے اس شخص کا جو ریاکاری اور "مَنّ وَ اَذٰی" کی بناء پر اپنے صدقات وخیرات کے ذخیرے کو تباہ کر دے، اور اس کے عوض ملنے والے اس عمدہ باغ کو جو اسے آخرت میں نصیب ہوتا، ریاکاری اور من واذی کا وہ ہولناک بگولا جس میں قہر اور غضبِ خداوندی کی آگ پنہاں تھی، اس کو جلا کر خاکستر کر دے - اور یہ شدید حاجت وضرورت کے اس ہولناک وقت میں اپنی زندگی بھر کی پونجی سے محروم ہو کر دائمی خسران وناکامی کا شکار ہو جائے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ وَالرِّیَا وَالْمَنِّ وَالْاَذٰی - اللہ محفوظ رکھے ایسے ہولناک انجام سے - بہرکیف اس ارشاد میں یہ دکھایا گیا ہے کہ انفاق کرنے والے عین اس وقت اپنی امیدوں کے باغ کی تباہی اور بربادی کا حسرت انگیز منظر دیکھیں گے جب کہ وہ اس کے سب سے زیادہ محتاج ہوں گے اور جب کہ ان کے لئے سعی وعمل کے سب دروازے بند ہو چکے ہوں گے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّشَرٍّ - اللہ تعالیٰ ریا وشرک اور اس کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین -

۷۷ غور وفکر کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتوں کو تاکہ تم لوگ غور وفکر سے کام لو - سو تم لوگ سوچو اور غور کرو اپنے انجام اور مستقبل کے بارے میں - اور تم فکر کرو اپنے مستقبل اور آئندہ پیش آنے والے اس ہولناک وقت کی ناکامی اور خسارے سے بچنے کی اور ہر حال میں اس کا خیال رکھو، کیونکہ اس ناکامی کا پھر کوئی تدارک ممکن نہیں ہوگا - سو روزِ حساب اور جزا وسزا کے اس دن کا وہ خسارہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ اِن آیتوں میں غور وفکر سے کام لیکر اپنے انجام کی فکر کرو - سو اس نے جو تمہارے لئے یہ فکر انگیز اور چشم کشا تمثیل بیان فرمائی ہے، یہ ان لوگوں کا حال واضح کر رہی ہے، جو اپنے انفاق کو برباد کرنے والی آفتوں سے نہیں بچاتے - سو اس سے واضح فرما

دیا گیا کہ ایسے لوگوں کے خرمن کو خاکستر کر دینے والی بجلی خود ان کی آستینوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے اور وہ ٹھیک اس وقت ظاہر ہو کر اپنا اثر دکھائے گی جب کہ ان کے لئے کھو کر پانے کا پھر کوئی امکان باقی نہیں رہے گا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابِ حکیم انسان کو کس قدر عظیم الشان اور بے مثال تعلیمات سے نوازتی ہے۔ جن کی دوسری نہ کوئی نظیر و مثال ممکن ہے اور نہ ہی دوسرا کوئی ایسا ماخذ ممکن ہو سکتا ہے۔

۷۷۱ انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم و تلقین:- سو اس سے اپنی کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے تم خرچ کرو ایسی پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے اپنی محنت و مشقت، صنعت و حرفت، اور کاروبار و تجارت، وغیرہ مختلف ذرائع و وسائل سے کمائی ہیں، بشرطیکہ وہ حلال پاکیزہ اور عمدہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جنابِ اقدس و اعلیٰ میں ایسی ہی چیزیں شرفِ قبولیت پا سکتی ہیں۔ اور یہی تقاضا ہے تمہارے ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کا۔ اور یہی تقاضا ہے اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کی عبادت و بندگی کا - وباللہ التوفیق - ''طیبات'' کے لفظ سے بیک وقت دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ تم اپنی کمائی میں سے وہی مال خرچ کرو جو پاکیزہ طریقوں سے آیا ہو کسی غلط یا مشتبہ طریقہ سے حاصل نہ ہوا ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ مال بجائے خود اچھا ہو، بے وقعت گھٹیا اور نکما نہ ہو، کیونکہ غلط طریقے سے آئے ہوئے یا نکمے مال سے نہ تو خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی نفس کو وہ تربیت مل سکتی ہے جس کا ذکر اوپر ''ثبت'' کے لفظ سے ہوا۔ سو اللہ کے نام پر اور اسکی رضا کے لئے جو مال انسان آج دے گا وہی اسکے لئے جمع ہو جائے گا، جو آخرت کے اس حقیقی اور اَبدی جہان میں کام آئے گا - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید -

۷۷۲ زرعی آمدن سے بھی خرچ کرنے کی تعلیم و تلقین:- سو اس سے زرعی آمدن، یعنی زمین کی پیداوار سے بھی خرچ کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے، سو ارشاد فرمایا گیا اور ان چیزوں میں سے بھی جو ہم نے تم لوگوں کے لیے نکالی ہیں زمین سے۔ جیسے مختلف قسم کے غلے، طرح طرح کے پھل، اور پیداواریں، اور مختلف اقسام کی معدنیات کے بیش قیمت ذخائر وغیرہ وغیرہ۔ جن کے پیدا کرنے میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، ہم محض اپنی قدرت و عنایت سے ان کو تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں۔ سو جن چیزوں کے وجود و ابراز میں تمہارا عمل دخل ہے ان میں سے بھی ہماری راہ میں خرچ کرو، اور ان میں سے بھی جو تمہارے عمل دخل کے بغیر ہم ازخود اپنی قدرت و عنایت سے تمہارے لیے زمین سے نکالتے ہیں، کہ اسی میں تمہارا بھلا اور فائدہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو ﴿مَا کَسَبْتُمْ﴾ سے مراد وہ مال ہے جو تجارت وغیرہ کے مختلف ذرائع سے تم لوگ کماتے اور حاصل کرتے ہو اور ﴿مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ سے مراد زمین کی پیداوار ہے۔ یہ سب کچھ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا دیا بخشا ہے - سبحانہ و تعالیٰ - پس عقل و نقل اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو اس واہبِ مطلق کی رضاء کیلئے خرچ کیا جائے - وباللہ التوفیق - لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال -

الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ

ایسی ردی (اور بے کار) چیزوں کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے کو مت چھانٹو (جن کو تمہیں خود لینا گوارا نہ ہو) مگر یہ کہ

تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

تم اس میں چشم پوشی سے کام لو ۷۷۳ اور یقین جانو کہ اللہ بڑا ہی بے نیاز، نہایت ہی خوبیوں والا ہے، ۷۷۴

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ

شیطان تم کو ڈراتا دھمکاتا ہے فقر (محتاجی کے خوف) سے، ۷۷۵ اور وہ سکھاتا ہے تم لوگوں کو (بے ہودگی و) ۷۷۶ بے حیائی

وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ

جب کہ اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے اپنی طرف سے عظیم الشان بخشش اور مہربانی کا، اور اللہ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۖۙ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ

بڑا ہی وسعت والا، نہایت ہی علم والا ہے، وہ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور جس کو

يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا

حکمت (کی دولت) مل گئی، اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی مل گئی، ۷۷۷ اور

۷۷۲ **اللہ کے نام پر ردی چیز دینے کی ممانعت:-** سو اس سے اللہ پاک کے نام پر ردی چیز دینے کی ممانعت فرما دی گئی۔ پس اپنے خالق و مالک کے نام پر دینے، اور اس کے حضور پیش کرنے کے لئے اس طرح کی ردی اور بے کار چیز کو اپنے قصد و ارادہ سے چھانٹنا، سخت گستاخی اور گناہ کی بات ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اگر تمہارے قصد و ارادہ کے بغیر اس طرح کی کوئی خراب چیز تمہاری خیرات میں مل جائے تو اس پر تمہارا کوئی مؤاخذہ نہیں۔ اور تم ذرا سوچو کہ جب تم ایک گھٹیا اور ناقص چیز اپنے حقوق میں لینا گوارا نہیں کرتے، تو پھر اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے گھٹیا اور ناقص چیز کو کیسے گوارا اور برداشت کرتے ہو۔ تمہاری غیرتِ ایمانی کو کیا ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ - اور خراب اور برے مال کی تعریف اس طرح فرما دی کہ اگر وہی مال تمہیں لینا پڑ جائے تو تم آنکھیں نیچے، اور دل پر جبر کئے بغیر لینے کو تیار نہ ہوؤ۔ سو جس چیز کو انسان خود اپنے لئے پسند نہ کرے اس کو خدا کے لئے پیش کرنا جب کہ دیا ہوا سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے، انتہائی خِسّت اور دناءت کی بات ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اسکی رضاء کیلئے اور اس کے نام اچھی اور عمدہ چیز دو اس نے جب تم کو عمدہ سے عمدہ نعمتوں سے نوازا ہے اور تمہارے کسی استحقاق کے بغیر نوازا

ہے تو پھر تم کو اس کے نام پر ردی چیز دینا کیونکر روا ہو سکتا ہے ؟ - والعیاذ باللہ العظیم، من کل سوءٍ و انحراف-

۷۷۴ **اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا اور حمد کا حوالہ و ذکر:** - سو ارشاد فرمایا گیا اور یقین جان لو کہ اللہ بڑا ہی بے نیاز تمام خوبیوں کا مالک ہے۔ پس وہ جو کچھ حکم تمہیں صدقہ و خیرات، اور انفاق کیلئے دیتا ہے، وہ خود تمہارے ہی بھلے کیلئے دیتا ہے، تاکہ تمہارا دیا ہوا ایک طرف تو تمہارے اپنے ہی ضرورت مند بھائیوں کے کام آ کر تمہارے لئے ذخیرۂ آخرت بن جائے، اور وہاں کے مشکل اور سخت ضرورت کے وقت میں تمہیں کام آئے، اور دوسری طرف تمہیں ان ضرورت مندوں کی دعائیں نصیب ہوں جس سے تمہارے مال و دولت میں برکت ہو، اور تمہاری سختیاں اور مشکلیں ٹلیں۔ اور تیسری طرف تمہارے دلوں میں بخل و کنجوسی اور حبِ دنیا جیسے رذائل کی کدورت و میل نہ جمنے پائے، وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے وہ وحدہٗ لاشریک اپنی بے پایاں رحمت وعنایت کی بناء پر چاہتا ہے کہ دوسروں کی ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل کا سامان تمہارے ذریعے اور تمہارے واسطے سے ہو، اور ان محتاجوں کو یہ مال تمہارے ہاتھوں سے ملے، تاکہ خود تمہارا بھلا ہو، ورنہ وہ اگر چاہے تو تم سے یہ سب کچھ چھین کر دوسروں کو دے سکتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو اس غنیِ مطلق - سبحانہٗ وتعالیٰ - کا فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے اور وہ سب خوبیوں کا مالک ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اسکے نام پر اور اسکی رضاء کیلئے دینا تو انسان کیلئے ایک بڑا شرف ہے۔ اور اس میں خود دینے والے ہی کا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو پھر اس میں کوئی ہچکچاہٹ کیوں؟ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید،

۷۷۵ **شیطان کی ایک شیطنت کا ذکر و بیان:** - سو اس سے شیطان کی ایک شیطنت کے ذکر و بیان کے طور پر واضح فرمایا گیا کہ شیطان کا کام فقر و فاقہ کا خوف دلا کر صدقات و خیرات سے روکنا ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے سے مال کم ہو جائے گا، اور تمہاری فلاں فلاں ضرورتیں پوری نہیں ہونگی، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ نصوصِ قرآن وسنت اس کی تصریح کرتی ہیں، اور تجربہ وعمل سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر، اور اس کی رضاء کیلئے دینے سے اور اس کے نامِ پاک پر خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی، بلکہ اس سے مال و دولت میں ترقی و اضافہ اور برکت و بڑھوتری نصیب ہوتی ہے، جیسا کہ آگے کچھ ہی آیاتِ کریمہ کے بعد ارشاد فرمایا جا رہا ہے ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ﴾ "اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے" اور حضرتِ نبیٔ معصوم - علیہ السلام - سے بھی مختلف احادیث و روایات میں یہ امر ثابت و منقول ہے، مثلاً صحیح مسلم میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، عفو و درگزر سے آدمی کی عزت ہی میں اضافہ ہوتا ہے، اور یہ کہ جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو رفعت و بلندی ہی سے نوازے گا۔ (مسلم، کتاب البر والصلۃ)۔ پس یہ وسوسہ و اندیشہ کہ صدقہ و خیرات سے مال میں کمی آ جائیگی محض شیطانی دھوکہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اس لیے اس سے ہمیشہ ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۷۷۶ **شیطان کے طریقۂ واردات سے آگہی:** - سو اس بار آگہی کے طور پر واضح فرمایا گیا کہ شیطان کا کام نیکی سے روک کر بے حیائی کی راہ پر ڈالنا ہے، والعیاذ باللہ سو اس ارشادِ ربانی میں شیطان کے طریقۂ واردات سے پردہ اٹھایا گیا ہے، کہ وہ لعین ایک طرف تو انسان کو اس طرح کے اندیشوں میں مبتلا کرتا ہے، کہ صدقہ کرنے سے تم فقر و محتاجی میں مبتلا ہو جاؤ

گے۔ اور دوسری طرف وہ ایسے لوگوں کو بے حیائی کے کاموں میں اس طرح الجھا اور پھنسا دیتا ہے، کہ ان کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ہمت و گنجائش ہی نہیں رہتی، جیسا کہ اس کے شواہد آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ملتے ہیں، کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کو اپنی بھاری آمدنیوں کے باوجود خرچے پورے نہیں ہوتے، جبکہ اسلام کی سچی اور پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے آخرت کی حقیقی کامیابی اور ابدی نعمتوں سے سرفرازی سے قبل اس دنیا میں بھی انسان کو دلی آرام وسکون اور حقیقی راحت و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور بندہ اپنے خالق و مالک کی خاص عنایتوں اور رحمتوں کے سائے میں رہتا ہے، جس کی ایک جھلک صحیحین کی اس متفق علیہ حدیث گرامی میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، جو حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ ﷺ۔ نے ارشاد فرمایا کہ ہر روز جب لوگ صبح کو اٹھتے ہیں تو آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، جن میں سے ایک کہتا ہے "اَللّٰھُمَّ اعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا" "اے اللہ، خرچ کرنے والے کو اس کے بدلے میں اور دے" اور دوسرا کہتا ہے "اَللّٰھُمَّ اعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا" "اے اللہ کنجوس کو نقصان دے" (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب قولہ تعالیٰ ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی﴾ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فی المنفق والممسک)۔ اللہ تعالیٰ نفس وشیطان کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے امین

۷۷۲ حکمت کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو حکمت مل گئی اس کو بہت بڑی بھلائی مل گئی۔ کیونکہ دنیا و آخرت کی حقیقی سعادت و کامیابی اسی سے وابستہ اور اسی میں مضمر ہے۔ اس لئے کہ حکمت کے معنی و مفہوم کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ و نچوڑ ہے "حق اور حقیقت کا صحیح علم اور اس کے مطابق قول و فعل" اور ظاہر ہے یہ بات جس کو نصیب ہوگئی، وہ ہر چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھے گا، اور ہر ایک کا حق اور حصہ پوری طرح سے اور صحیح طور پر ادا کریگا۔ اور یہی چیز صلاح و اصلاح کی اساس و بنیاد ہے۔ اس کے بغیر صحیح راستے کی راہ نوردی اور حقیقی کامیابی سے سرفرازی ممکن نہیں۔ اور حق اور حقیقت کا صحیح علم وادراک وحی و ہدایت کے نور کے بغیر ممکن نہیں، اور وحی و ہدایت اب اپنی آخری اور کامل شکل میں صرف قرآن و سنت کی صورت میں موجود ہے، جس کے بغیر انسان اس فانی اور مادی دنیا کے کچھ پہلوؤں کے بارے میں اگر کچھ یا بہت کچھ جان لے تو یہ ممکن ہے، بلکہ واقعۃً اس بارے انسان نے بہت کچھ ترقی کر بھی کر لی ہے، مگر اس سے اصل زندگی اور حقیقی کامیابی کا سراغ نہ اس کو مل سکا ہے نہ مل سکتا ہے، کیونکہ دنیاوی زندگی کی اس محدود و مختصر فرصت کے خاتمے کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے، جو کہ انسان کے احاطۂ علم وادراک سے وراء الوراء ہے۔ اس کا پتہ صرف اور صرف وحی سے ہی چل سکتا ہے۔ پس حقیقی اور ابدی کامیابی کی اساس و بنیاد قرآن و سنت کے علومِ مقدسہ ہی ہیں، جن کے بغیر حقیقی کامیابی انسان کیلئے ممکن ہی نہیں، اگرچہ اس کی دنیاوی اور مادی ترقی کے عروج کا شہرہ چاردانگِ عالم ہو، اور اگرچہ وہ فضاؤں میں اڑتا، اور ستاروں پر کمندیں ڈالتا ہو، اور یہاں پر حکمت کا ذکر اس سیاق وسباق میں فرما کر دراصل یہ بتایا گیا ہے کہ اپنے مالوں کو اللہ کی رضاء کیلئے، اور اس کی راہ میں خرچ کرنا ہی حکمت کا تقاضا ہے، اور ایسے ہی لوگ دراصل حکیم اور عقلمند ہیں، جو اپنے مال و دولت کو اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کی رضاء و خوشنودی کے حصول کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاۃِ۔ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔

يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ

نصیحت قبول نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو عقل خالص رکھتے ہیں، اور (یاد رکھو کہ) جو بھی کوئی

مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

خرچ تم لوگ کرتے ہو، اور جو بھی کوئی نذر تم مانتے ہو، تو (یقیناً اس کا پھل تمہیں ملے گا کہ) بے شک اللہ اس کو پوری طرح

يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا

جانتا ہے، اور (یاد رکھو کہ) ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں، ف ۷۷۸ اگر تم اپنے صدقات

الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا

ظاہر کر کے دو تو یہ بھی ایک اچھی بات ہے، ف ۷۷۹ اور اگر تم ان کو پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دے

الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ

دو، تو یہ تمہارے لئے اور بھی زیادہ اچھا ہے، ف ۷۸۰ اور (اس طرح ان صدقات و خیرات کی بناء پر،) اللہ مٹا دے گا تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ

تمہارے کچھ گناہ، اور اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، ف ۷۸۱ آپ کے ذمے (اے

عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

پیغمبر!) یہ بات نہیں ہے کہ آپ ان کو راہِ راست پر لے آئیں، بلکہ اللہ (ہی کی یہ شان ہے کہ وہ) جس کو چاہے راہِ

۷۷۸ **ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہیں:-** کہ انہوں نے اپنے اختیار کردہ ظلم کے باعث خود کو ایسے اعوان و انصار اور مددگاروں سے محروم کر دیا، جو ان کو مشکل وقت میں کام آسکتے اور وہ ان کو اللہ کی طرف سے مل سکتے تھے، اور جو مددگار ان لوگوں نے از خود گھڑ رکھے تھے، وہ سب فرضی وہمی اور بے بنیاد تھے۔ پس جس طرح حکمت کا مقتضیٰ ہر چیز کو اس کے صحیح موقع و محل میں رکھنا ہے، اسی طرح ظلم کا مفہوم اس کے بالکل برعکس اس کو بے موقع صرف کرنا، اور غلط جگہ رکھنا ہے۔ پس ان کیلئے کوئی ایسا مددگار نہیں ہوگا جو ان کو قیامت کے اس ہولناک عذاب سے بچا سکے اور ان کے کچھ کام آسکے — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ — سو ظالم لوگ ظلم کے ارتکاب سے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ — اور اپنی جن اعوان و انصار اور معاون و مددگار ہستیوں کا ان کو زعم و گھمنڈ تھا ان میں سے کوئی بھی ان کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ سب کچھ

وہمی اور فرضی تھا جس کی نہ کوئی اساس تھی نہ بنیاد۔ سو وقت آنے پر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ یہ لوگ کس قدر ہولناک خسارے میں پڑے تھے۔ — والعیاذ باللہ — اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۷۷۹ **ابداءِ صدقات کی اجازت اور اس کے فوائد:** — سو اس سے ظاہر فرما دیا گیا کہ صدقات کو ظاہر کر کے دینا بھی جائز ہے کہ اس میں بھی کئی فائدے ہیں کہ تمہارے اس نیک عمل کو دیکھ کر دوسرے تمہاری اتباع کریں گے، تو اس طرح تمہارا یہ عمل "اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِه" کے ضابطہ عمومی کے مطابق تمہارے لئے دوہرے اور دوگنے اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائے گا۔ نیز دوسرے لوگ تمہاری اس سخاوت کو دیکھ کر تمہارے لئے دعاء کریں گے، اور دوسری طرف اس سے محتاجوں اور مستحقوں کے دلوں میں بھی تمہارے لئے محبت و اکرام اور خیر خواہی کے جذبات ابھریں گے، اور وہ بھی تمہارے لئے دعا کرینگے کہ اس شخص کی دولت ہم جیسے ضرورت مندوں کے کام آنے والی ہے، وغیرہ وغیرہ فوائد اس طرح حاصل ہوتے ہیں، مگر یہ سب کچھ اس امر پر موقوف، اور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں ریاکاری اور دکھلاوے کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے، ورنہ سب کچھ اکارت چلا جائیگا — وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ — اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۷۸۰ **اِخفاءِ صدقات اور اس کی عظمت وافادیت:** — سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ صدقات کو چھپا کر دینا زیادہ اچھا ہے کہ یہ طریقہ ایک طرف تو ریاکاری کے خطرے سے محفوظ ہے، اور دوسری طرف اس میں فقیر و محتاج کی پردہ پوشی بھی ہے۔ اسی لئے صحیحین کی مشہور حدیثِ گرامی میں جن سات آدمیوں کے قیامت کے روز عرش کے سائے سے مشرف فرمائے جانے کی خوشخبری دی گئی ہے، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جو اپنا صدقہ اس طرح چھپا کر دے کہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور بائیں کو خبر نہ ہو، "لَا تَعْلَمُ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ" پس صدقہ ظاہر کر کے اور پوشیدہ رکھ کر دینا دونوں طرح درست اور جائز ہے، اور ہر ایک کے اپنے اپنے فضائل و مزایا ہیں، جن میں سے کچھ کا اجمالی ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور حضرات علمائے کرام کا کہنا ہے کہ فرض صدقہ کو ظاہر کر کے دینا افضل ہے اور نفلی صدقہ چھپا کر اور پوشیدہ رکھ کر دینا افضل ہے۔ اور فرض و نفل کا یہ فرق و امتیاز، دوسری تمام عبادات میں بھی اسی طرح ملحوظ و مطلوب ہے کہ فرض عبادت تو انسان ظاہر کر کے ادا کرے، لیکن نفلی عبادت کو پوشیدہ ہی رکھ کر کرے، تاکہ اس طرح وہ تہمتوں سے بھی بچ سکے اور ریاکاری کے خطرات سے بھی۔ کیونکہ ریاکاری کی وبا اعمال کو ضائع کر دینے والی ہے — والعیاذ باللہ — اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین

۷۸۱ **اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی:** — سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ پس اس سے تمہاری کوئی بھی عبادت مخفی نہیں رہ سکتی، اور نہ ہی اس سے تمہارا کوئی عمل چھپ سکتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ ہمیشہ اور ہر حال میں اس بات کا خیال رکھا کرو کہ اس وحدہٗ لاشریک سے تمہارا معاملہ درست اور صاف رہے، کہ وہی وحدہٗ لاشریک تمہارا رب ہے اور اس سے تمہاری کوئی حالت اور کیفیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اور اسی کے حضور حاضر ہو کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا جواب دینا اور اس کا بھرپور صلہ اور بدلہ پانا ہے۔ پس تم ہمیشہ اسی کی فکر اور کوشش میں رہا کرو کہ اس سے تمہارا معاملہ ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے صحیح اور درست ہو۔ سو تمہارے اعمال کا علانیہ یا پوشیدہ ہونا تمہارے لحاظ سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتیں ایک برابر ہیں، کہ وہ تمہارے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے — سبحانہٗ تعالیٰ —

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ

راست پر لے آئے ۴۸۲ اور (یادرکھو اے مسلمانو! کہ) تم جو بھی کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے اپنے ہی بھلے کے لئے ہے ۴۸۳ اور

اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

تم جو بھی کچھ خرچ کرتے ہو (وہ خرچ نہیں کرتے) مگر اللہ کی رضاء (اور اسکی خوشنودی) کے لئے، اور جو بھی کوئی مال تم

۴۸۲ **ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جس کو چاہے راہِ راست پر لے آئے کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے، اور کس کے باطن کی حالت و کیفیت کیا ہے۔ روایات میں ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض حضرات نے اپنے ان رشتہ داروں کو صدقہ و خیرات دینا بند کر دیا، جو کہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے، تاکہ اس طرح وہ لوگ ایمان کے شرف سے مشرف ہو کر دارین کی فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکیں، تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ اس طرح مجبور کر کے ان لوگوں کو راہِ راست پر لے آنا تمہاری ذمہ داری ہے، اور نہ ہی یہ تمہارے بس میں ہے۔ ہدایت تو اللہ پاک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہی یہ جانتا ہے کہ کونسا دل نورِ ہدایت کے لائق ہے، اور کونسا اس کے لائق نہیں۔ پس تم لوگ اس کی فکر و پرواہ کئے بغیر ہر ضرورت مند کی حاجت روائی کرو۔ یعنی کافر کو بھی صدقہ دے سکتے ہو۔ یہاں پر یہ امر واضح رہنا چاہیئے کہ یہ حکم صرف نفلی صدقات کیلئے ہے، کیونکہ زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ صرف مسلمانوں ہی کا حق ہے، جیسا کہ حدیثِ معاذ بن جبل -رضی اللہ عنہ- وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے "تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ" "کہ وہ ان کے امیروں سے لیکر انہی کے ضرورتمندوں پر صرف کی جائیگی" (معارف القرآن وغیرہ)۔ بہرکیف یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۴۸۳ **انسان کا عمل خود اسی کیلئے** :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر انسان کا عملِ خیر خود اس کے اپنے ہی بھلے کے لیے ہوتا ہے، اور ہو گا سو ارشاد فرمایا گیا تم جو بھی کچھ خرچ کرو گے وہ تمہارے اپنے ہی بھلے کیلئے ہوگا کہ اس کا فائدہ بہرحال خود تم ہی لوگوں کو پہنچے گا، اس دنیائے فانی میں بھی، اور اس کے بعد آخرت کے اس عالمِ جاودانی میں بھی۔ کہتے ہیں کہ ایک عالمِ دین بڑی خیرات کیا کرتے تھے، مگر جب کوئی اس بارے ان سے پوچھتا تو وہ قسم کھا کر کہتے کہ میں نے کسی کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کی، تو کسی نے ان سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ اتنی خیرات بھی کرتے ہیں، اور پھر پوچھنے پر قسم بھی کھاتے ہیں کہ میں نے کسی سے کوئی بھلائی نہیں کی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کرتا، بلکہ میں جو بھی کچھ کرتا ہوں اپنے ہی لئے کرتا ہوں، اور پھر انہوں نے یہی آیتِ کریمہ تلاوت کی ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ﴾ سبحان اللہ! کیسا پختہ ایمان، صحیح فکر و فہم، اور عمدہ ذوق ہے جس کے بعد انسان کو نہ راہِ خدا میں خرچ کرنے پر کوئی گرانی ہو سکتی ہے، اور نہ ہی اگلوں کی ناشکری و احسان فراموشی پر کوئی رنج و غم، اور شکوہ و شکایت۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسا ہی ایمان و یقین نصیب فرمائے اور ریاء و نمود کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

یُّوَفَّ اِلَیۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ

لوگ (اس راہ میں) خرچ کرو گے، اس کا پورا بدلہ (اور اجر وصلہ) تم کو دیا جائے گا، اور تمہاری کوئی بھی (اور کسی بھی طرح

الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ

کی) حق تلفی نہ ہوگی ۷۸۴ (یہ صدقات وخیرات دراصل) حق ہیں ان محتاج (اور ضرورت مند) لوگوں کا، جن کو پابند کر دیا گیا

ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ

ہو اللہ کی راہ میں، (جس کے باعث) وہ لوگ (کسبِ معاش کے لئے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے ۷۸۵ نادان شخص ان کو غنی

التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ ۚ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ

(اور مالدار) سمجھتا ہے ان کی خود داری کی بناء پر، تم ان کو (اور ان کی اندرونی کیفیت کو) پہچان سکتے ہو ان کے چہروں

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

مہروں کے ذریعے ۷۸۶ وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر نہیں مانگتے، اور (یاد رکھو تم اے مسلمانو! کہ) جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے تو

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ

(وہ یقیناً ضائع نہیں جائے گا کہ) بے شک اللہ اس کو پوری طرح جانتا ہے ۷۸۷ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات (کے

عَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ

اندھیرے) میں بھی، اور دن (کے اجالے) میں بھی، پوشیدہ بھی، اور ظاہری طور پر بھی ۷۸۸ تو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان

۷۸۴ **کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی:** سو ارشاد فرمایا گیا اور تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہوگی:۔ پھر تم کو کسی اور کی کیا پرواہ؟ جتنا ہو سکے راہِ حق میں خرچ کرو، اور پورے اطمینان اور صدق واخلاص کے ساتھ اس کی راہ میں دیئے جاؤ۔ اس سے بڑھ کر نفع واطمینان کا سودا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ کسی نقصان اور حق تلفی کا کوئی خدشہ واندیشہ نہ رہا ہو۔ فللّٰہ الحمد رب العالمین۔ پس تم لوگ اس کی فکر و پرواہ نہ کرو کہ تمہارا صدقہ مسلمانوں ہی کو ملے کفار کو نہ دیا جائے۔ تاکہ اس طرح وہ ایمان لے آئیں کہ ایسا زبردستی کا ایمان نہ تمہارے بس میں ہے اور نہ ہی تم لوگوں کی ذمہ داری ہے، بلکہ تم اسکی رضاء کیلئے اور اسکے نام پاک پر دیئے چلے جاؤ کہ آج اس کا موقع ہے۔ کل جب عمرِ رواں کی یہ فرصت محدود تمہارے ہاتھ سے نکل گئی تو پھر تمہارے لیے اس کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔ وباللہ التوفیق۔ سو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا و

خوشنودی کے لئے جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے، وہ سب تمہیں دیا جائے گا اور پورے کا پورا دیا جائے گا تمہاری کوئی حق تلفی نہیں ہو گی۔ بلکہ تمہارے دیئے ہوئے کو کئی گنا بڑھا کر تمہیں دیا جائے گا تو پھر تمہیں کس کی پرواہ، اور کیوں؟ بس اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافے کی فکر و کوشش کرو۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ

۷۸۵ محصور فی سبیل اللہ صدقات کے زیادہ حق دار ہیں: -سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں محصور ہو جانے والے صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں: کہ ان کے تمام اوقات دین کی خدمت اور علوم دین کی تحصیل اور ان کی تعلیم و تبلیغ میں گزرتے ہیں اور وہ اسی راہ میں مشغول رہتے ہیں، اور ان کی انہی کوششوں سے حق و ہدایت اور علم و معرفت کا نور پھیلتا ہے جس سے دنیا طرح طرح سے مستفید و فیضیاب ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ بھی اس عظیم الشان خدمت کو چھوڑ کر کسبِ دنیا کے پیچھے لگ جائیں، اور دنیا کے دوسرے جھنجھٹوں میں الجھ اور پھنس کر رہ جائیں، تو پھر دنیا علم و ہدایت کے نور سے محروم ہو جائے گی - والعیاذ باللہ- لہٰذا ایسے صدقات و خیرات میں سب سے پہلا اور سب سے اہم حق انہی لوگوں کا ہے، تا کہ یہ ذاتی ضروریات کی فکر و تحصیل سے فارغ ہو کر ہمہ تن خدمتِ دین میں مشغول ہو جائیں اور اسی میں سب کا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیاوی زندگی کی اس عارضی اور محدود فرصت میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی جہاں اور ابدی زندگی میں بھی - وباللہ التوفیق- سو ان محصورین سے مراد وہ حضرات ہیں جن کو کسی دینی مقصد نے کسبِ معاش کی جدوجہد سے روک رکھا ہو۔ وہ اپنی دینی مصروفیت کی بناء پر تجارت وغیرہ کسی کاروبار کے لئے ادھر ادھر سفر یعنی "ضرب فی الارض" کا موقع نہ پا سکتے ہوں۔ سو اس کا اولین مصداق اَصحابِ صفہ ہیں اور ان کے بعد جو بھی ان کے طریقِ کار اور نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں، وہ سب ہی اس میں داخل ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہو۔ کہ علت سب میں مشترک ہے۔

۷۸۶ محصورین فی سبیل اللہ کی عزتِ نفس اور شانِ استغناء کا ذکر: -سو اس میں محصورین فی سبیل اللہ کی شانِ اِستغناء اور جاہلوں کا انکے بارے میں گمان کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی جاہل اور نادان شخص اگرچہ ان کو ان کی عفت و پاکدامنی اور عزتِ نفس و خودداری کی بناء پر غنی اور مالدار سمجھتا ہو، مگر ایک مومنِ صادق کیلئے اپنے نورِ یقین اور فراستِ ایمانی کی بناء پر ان کو پہچاننا مشکل نہیں ہوتا۔ اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ لوگ مستحق اور اصل اور حقیقی مستحق ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت - ﷺ - نے ارشاد فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرے اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں لیکر لوٹ جائے، بلکہ مسکین تو حقیقت میں وہ شخص ہے جس کے پاس نہ تو اتنا مال ہو کہ اس سے اس کا گزارہ ہو سکے، اور نہ اس کی حالت ایسی ہو کہ کوئی (عام آدمی) اس کو پہچان کر اس پر کچھ صدقہ کر سکے، اور نہ ہی وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کر سکے۔ سو ایسے سفید پوشوں کا حق زیادہ بنتا ہے۔ اس لئے ان کو از خود اور ڈھونڈ کر دیا جائے،

۷۸۷ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ و ذکر: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر نیک عمل کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو وہ پوری طرح جانتا ہے کہ تم لوگوں نے کتنا اور کہاں خرچ کیا، کس نیت سے اور کن حالات اور کن مواقع میں خرچ کیا، کس قدر اخلاص اور کتنی سچائی کے ساتھ خرچ کیا، وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے مطابق وہ تم سے معاملہ فرمائیگا اور اسکے بدلہ و جزاء سے نوازیگا - سبحانہٗ تعالیٰ- اس سے تمہاری کوئی بھی کیفیت اور حالت کسی بھی طرح

چھپی نہیں رہ سکتی۔ پس تم لوگ ہمیشہ اس کی فکر رکھو کہ اس سے تمہارا معاملہ درست رہے، کیونکہ وہاں پر قبولیت اور عدمِ قبولیت کا مدار وانحصار اصل میں نیت وارادہ اور باطن کی ان ہی کیفیات پر ہوگا، جو کہ اصل محرک ہوتی ہیں ظاہری اعمال کی، اور یہ کام وہاں ایسی چھانٹ پھٹک کے ساتھ ہوگا کہ سب کچھ پوری طرح واضح ہو جائے گا اور ایسا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا اور کسی عمل کا کوئی گوشہ وزاویہ مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ جائے گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ، فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ﴾ (الطارق۔ ۹۔۱۰) پس تم اس کے ساتھ ہر حال میں اور ہر موقع پر اپنا معاملہ درست رکھو، کہ اپنے بس کی حد تک اس بارے میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین۔

۴۸۸ ہر حال میں خرچ کرنے والوں کی عظمتِ شان:- یعنی وہ اپنی ہمت وبساط کے مطابق جب بھی ہو سکے، بغیر کسی تخصیص وتعیین کے، ہر موقع پر، اور ہر حال میں، خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ رب راضی ہو جائے اور آخرت کا توشہ بن جائے۔ تو ان کے لئے ان کا وہ اجر وثواب ہے جو ان کے صدق واخلاص کے مطابق، اور ان کے لائق ہوگا۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں مال کی محبت کیلئے کوئی جگہ نہیں رہ جاتی، اور ان کا شغلِ شاغل اور مقصودِ اصلی اپنے رب کی رضاء و خوشنودی کا حصول ہوتا ہے۔ اور بس اس کیلئے وہ ہر حال میں اور ہر موقع پر خرچ کرنے کی فکر وکوشش میں ہوتے ہیں۔ سو ان کو بدلہ اور جزاء کے اس دن میں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی یہ غمگین ہونگے، بلکہ یہ خوش ہو رہے ہونگے کہ ہم نے اپنے رب ذوالجلال کی توفیق وعنایت سے اپنے مالوں کو اسکی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے خرچ کر کے یہ صلہ اور بدلہ پایا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش کہ ہم نے یہ سب کچھ اسی کی راہ میں اور اسی کی رضاء کیلئے لٹا دیا ہوتا۔ جبکہ کنجوس اور بخیل لوگ اس وقت رہ رہ کر افسوس کریں گے کہ کاش کہ ہم نے اپنے مالوں کو جوڑ جوڑ کر رکھنے کی بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوتا، تو آج کے اس یومِ عصیب ورہیب میں کام آتا۔ مگر اس وقت کی اس تمنا وآرزو سے ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا سوائے ان کی آتشِ یاس وحسرت میں اضافے کے۔ والعیاذ باللہ۔ واضح رہے کہ یہاں پر ''رات'' کو ''دن'' کے مقابلے میں اور ''سِرّ'' یعنی پوشیدہ کو ''علانیہ'' کے مقابلے میں پہلے ذکر فرمایا گیا ہے، جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ رات کا صدقہ اور پوشیدہ طور پر دیئے جانے والے صدقے کا اجر وثواب زیادہ ہوتا ہے بنسبت اس صدقے کے جو دن کو اور علانیہ طور پر کیا جائے۔ روایات کے مطابق یہ آیت کریمہ حضرتِ صدیق اکبرؓ کے بارے میں نازل ہوئی، جنہوں نے چالیس ہزار دینار صدقہ کیے۔ دس ہزار رات کو، دس ہزار دن کو، اور دس ہزار پوشیدہ طور پر، اور دس ہزار علانیہ طور پر۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں اوقات بھی سب آگئے اور پوشیدہ اور علانیہ کی دونوں حالتوں کا ذکر بھی آگیا۔ سو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو بھی میسر آئے، اور جب بھی آئے، وہ خرچ کرنا چاہئے کہ جو اس کے نام پر دیا اور اس کی راہ میں خرچ کیا وہی محفوظ ہوگیا اور باقی سب یونہی رہ گیا سو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اس کی رضاء وخوشنودی کے لیے خرچ کرنا ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے، امین ثم امین یا ربَّ العالمین

وقف منزل

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ

کے رب کے یہاں، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، (اس کے برعکس) جو لوگ سود کھاتے ہیں (ان

الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

کا حال کل قیامت کے روز یہ ہوگا کہ) وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس شخص کی طرح جس کو حواس باختہ کر دیا ہو

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا

شیطان نے چھوکر، ۷۸۹ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ ان لوگوں نے (حبِّ دنیا کے خبط میں پڑ کر بے باکانہ) کہا کہ

۷۸۹ سودخوروں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان: -سواس سے سودخوروں کے عبرتناک اور ہولناک انجام کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، سو سودخور انسان دنیاوی مال و دولت کے عشق میں اور اس کے خبط میں گرفتار و مبتلاء ہو کر خود کو اسی کے قابل بنا دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اس کا حال یہی ہوتا ہے، کہ ہر وقت اس پر یہی دھن سوار رہتی ہے، اور وہ اسی کے خبط میں مبتلاء اور حیران و سرگرداں رہتا ہے، کہ مال کس طرح اکٹھا کیا جائے اور کسطرح زیادہ سے زیادہ جوڑ جوڑ کر اور سمیٹ سمیٹ کر رکھا جائے، اور اتنا اور اس قدر کہ اسکے لیے ان کے یہاں کوئی حد اور انتہاء ہی نہیں ہوتی، مگر یہاں یعنی اس دنیا میں اصل حقائق پر چونکہ پردے پڑے ہوئے ہیں، اس لئے وہ سامنے نظر نہیں آ سکتے، جبکہ کل آخرت کے اس جہاں میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہاں ہوگا، وہاں پر یہ سب مخفی احوال و کوائف اور مستور حقائق و وقائع جب اپنی اصلی شکل میں سامنے آ جائیں گے، تو اس موقع پر سودخوروں کی یہ کیفیت سب کے سامنے آشکارا ہو جائے گی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ سُوْءِ الْعَاقِبَةِ -صدقات کے بیان کے ضمن میں سودخوری اور اس کے انجام کے اس ذکر سے دراصل یہ واضح فرمایا جا رہا ہے، کہ جب مال کی محبت انسان کے باطن میں جڑ نہیں پکڑتی، بلکہ دل اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- کے ذکر اور اس کی یادِ دلشاد سے منور و معمور ہوتے ہیں، تو یہ دنیاوی مال و دولت دوسروں کے کام آتے، خیر کے کاموں میں لگتے، اور سراسر خیر بن جاتے ہیں۔ جبکہ سودخوری کی لت پڑ جانے، اور دنیاوی مال و دولت کے عشق و خبط میں مبتلاء ہو جانے پر، یہ اموال ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر مخصوص ہاتھوں میں مرتکز ہونے لگتے ہیں، اور پھر اس کے نتیجے میں سودخوروں کے دلوں سے رحم و کرم، اور ہمدردی و خیر خواہی کے خصائلِ خیر کا قتل اور قلع قمع شروع ہو جاتا ہے، اور ان کی بجائے وہاں پر حرص و آز اور بخل و شح جیسے رذائل جنم لینے لگتے ہیں۔ اور اس طرح انسان بدلتے بدلتے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، اور اس طرح پورا معاشرہ عذاب میں مبتلاء ہو جاتا ہے اور عداوت و دشمنی کا دور دورہ ہو جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سچ فرمایا گیا کہ دنیا کی محبت ہر جرم و خطاء کی جڑ اور بنیاد ہے "حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ "- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین، یا ربَّ العالمین

الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

سوداگری بھی تو سود ہی کی طرح ہے، ف۷۹۰ حالانکہ سوداگری کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام، ف۷۹۱

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا

پس جس شخص کے پاس آ گئی نصیحت اس کے رب کی جانب سے، اور وہ رک گیا (حرام خوری سے،) تو اس کے لئے ہے

۷۹۰ سودخوروں کے ایک باغیانہ مغالطے کا ذکر:- سو اس سے سودخوروں کے ایک گستاخانہ اور باغیانہ مغالطہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، یعنی یہ کہ سوداگری بھی سود ہی کی طرح ہے کہ جس طرح اس میں نفع کمایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی نفع کمایا جاتا ہے، تو پھر جب وہ حلال ہے تو یہ حرام کیوں؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - حالانکہ ان دونوں یعنی بیع اور ربوا میں کھلا ہوا اور جوہری فرق موجود ہے، کہ بیع وشراء کے ذریعہ کمایا جانے والا نفع محنت کے عوض اور بدلہ میں ہوتا ہے، اور اس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ سود کی زیادتی بغیر کسی محنت اور عوض ومقابلہ کے ہوتی ہے اور اس میں سودخوروں کا نفع بہرحال محفوظ اور متعین ہوتا ہے، مگر ان سودخوروں کی مت ایسی ماردی گئی کہ ان کو یہ فرق نظر نہیں آتا بلکہ وہ الٹا ربٰوا (سود) کو اصل قرار دے کر "بیع" یعنی تجارت وسوداگری کو اس کے مثل قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "بیع" بھی تو سود ہی کی طرح ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - حالانکہ "بیع" یعنی خرید وفروخت اور سوداگری باہمی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ اور تعاملِ باہمی کا وسیلہ اور باعثِ خیر وبرکت ہے، جبکہ سود ضرورتمندوں کے خون چوسنے اور مسلمان کو غریب سے غریب تر کردینے کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ

۷۹۱ تجارت حلال اور سود حرام، والعیاذ باللہ:- سو اس سے تصریح فرمادی گئی کہ تجارت -سوداگری- کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام، اور جب اللہ پاک نے اپنے حکم وارشاد سے ان دونوں کے درمیان اس طرح فرق کردیا تو یقین جانو کہ ان دونوں کے درمیان بنیادی اور جوہری فرق ہے، اور اللہ پاک کا حکم وارشاد سراسر حق اور سچ ہے کیونکہ وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اور وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو ہر شیٔ کی اصل حقیقت اور اس کے حال ومآل اور نتائج وثمرات کو پوری طرح جانتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو سودخوری ہلاکت وتباہی کی راہ ہے، اور اس کا انجام بہرحال بہت برا ہے اسی لیے صحیحین وغیرہ میں اسکو "سبع موبقات" یعنی ہلاکت وتباہی میں ڈالنے والی سات بڑی آفتوں میں سے ایک آفت قرار دیا گیا ہے- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف جب اللہ نے سوداگری اور خرید وفروخت کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام تو اس سے خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان میں سے ایک کی حلت اور دوسرے کی حرمت کا حکم ہی صحیح اور درست اور عقل وفطرت کا تقاضا ہے۔ پس بیع وشراء میں چونکہ خلق خدا کے بیشمار فوائد ومنافع مضمر ہیں اس لئے اس کو حلال ہی ہونا چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا اور اسکے مقابلے میں سودخوری کے اندر چونکہ دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے بہت نقصانات ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام ٹھہرایا تاکہ خود تمہارا ہی بھلا ہو کہ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ-

سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

جو کچھ کہ وہ اس سے پہلے لے چکا، ۹۲؎ اور اس (کے باطن) کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے، مگر جو اس کے بعد بھی لوٹا (سود خوری کی

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۲۷۵ يَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا

طرف) تو ایسے لوگ یار ہیں دوزخ کے، جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا، ۹۳؎ اللہ مٹاتا ہے سود کو، ۹۴؎

وَيُرۡبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيۡمٍ ۝۲۷۶

اور بڑھاتا ہے صدقات کو، ۹۵؎ اور اللہ پسند نہیں کرتا کسی بھی ناشکرے بدکار کو، ۹۶؎

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے (صدقِ دل سے،) اور انہوں نے کام بھی نیک کئے، انہوں نے اپنی نماز بھی قائم کی،

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ

اور زکوۃ بھی بطیبِ خاطر اداء کی، تو ان کے لئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے یہاں، نہ ان پر کوئی

۹۲؎ **اللہ کا حکم ماننا باعثِ خیر و برکت:** - یعنی اس حکمِ تحریم سے قبل، جس قدر سود وہ لے چکا وہ اسی کا ہے وہ اس سے واپس نہیں لیا جائیگا اور اس پر کوئی مؤاخذہ بھی نہیں ہوگا۔ (روح، قرطبی اور معارف، وغیرہ)۔ سو یہ حکم ماضی پر لاگو نہیں، بلکہ اسکے نزول کے وقت سے، اور اب سے آئندہ کیلئے لاگو ہورہا ہے۔ سو اللہ پاک کے حکم وارشاد کو ماننا اور صدقِ دل سے اس پر عمل پیرا ہونا باعثِ خیر و برکت اور موجبِ اجر و ثواب ہے۔ اور اس سے انسان کو آخرت سے پہلے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ جب کہ اللہ کے حکم سے اعراض و سرتابی موجبِ لعنت و عذاب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم — اور بندے کا کام اور اسکے لائق یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم وارشاد پر سرِ تسلیم خم رہے۔ یہ اس کی بندگی کا تقاضا ہے اور اسی میں اس کا بھلا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید

۹۳؎ **سود کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو اس کے بعد بھی لوٹا [سود خوری کی طرف] تو ایسے لوگ یار ہیں دوزخ کے جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے حرامِ قطعی کو حلال سمجھا جو کہ کھلا کفر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور کفر کی سزا آتشِ دوزخ اور ''خلود فی النار'' ہی ہے (روح، قرطبی، معارف، وغیرہ) - والعیاذ باللہ۔ سو ایک چیز ہے جذبات کے غلبے سے کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھنا، یہ الگ چیز

ہے جو توبہ و استغفار اور نیک اعمال کی برکت سے معاف ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک چیز ہے واضح ہدایت اور تنبیہات کے باوجود برائی پر آڑ جانا۔ یہ بالکل دوسری چیز ہے جو کفر اور بغاوت کے زمرے میں آتی ہے۔ اسکے باوجود اگر کوئی ایمان و اسلام کا نام لیتا اور دم بھرتا ہے تو وہ ایک منافقانہ چال چل رہا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایسی چال دنیا میں اور لوگوں کے سامنے تو چل سکتی ہے مگر اس ذاتِ اقدس اعلیٰ کے سامنے نہیں چل سکتی جو دلوں کے بھیدوں کو جاننے والی "علیم بذات الصدور" ذات ہے۔ لہٰذا ایسے منافق لوگ اپنے اس کافرانہ اور منافقانہ عمل کے نتیجے میں ہمیشہ آتشِ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور دوزخ کی اس آگ کے سلسلہ میں دوسرے مختلف مقامات کی طرح یہاں پر بھی "اَهْلُ النَّار" (دوزخی) نہیں فرمایا بلکہ "اَصْحَابُ النَّار" فرمایا گیا ہے۔ "اصحاب" جمع ہے "صاحب" کی اور جو ماخوذ و مشتق ہے صحبت سے۔ سو اس لفظ سے دو بڑی اہم حقیقتیں واضح ہو گئیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ دوزخ کی اس ہولناک آگ کے ساتھی ہوں گے اور جس طرح ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے الگ نہیں ہوتا اسی طرح نہ یہ لوگ اس آگ سے الگ ہو سکیں گے اور نہ وہ ان کا ساتھ چھوڑ یگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اس کو گلے لگائے رکھا تو اسی طرح اب اس کفر کا نتیجہ یعنی دوزخ کی یہ آگ بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑ یگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۷۹۷ **اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے:** ۔ یعنی نظر بظاہر اگرچہ لوگوں کو یہ دھوکہ لگتا ہے کہ سود سے مال بڑھ رہا ہے۔ اسی لئے وہ سودی کاروبار کرتے ہیں، مگر حقیقت میں اس سے مال بڑھتا نہیں گھٹتا ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ اس سے مال گھٹتا ہے اور ہر اعتبار سے گھٹتا ہے مگر چونکہ تنگ نظر اور کوتاہ بیں انسان کی نگاہ بہت محدود ہوتی ہے اس لئے اس کو ایسے حقائق نظر نہیں آتے، اس لئے وہ صدقِ دل اور اطمینانِ قلب سے ان کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ اول تو سودی مال اور سودی کاروبار کی تباہی اور اس کا خاتمہ اسی دنیا میں، اور سب کے سامنے ہو جاتا ہے، اور وہ بھی صدیوں اور قرنوں میں نہیں، اس سے بھی کہیں کم عرصے میں۔ جیسا کہ آئے دن ہم لوگ جگہ جگہ دیکھتے خبروں میں سنتے اور اخباروں میں پڑھتے ہیں، کہ سودی کاروبار اور سودی ادارے جس قدر جلد اٹھتے اور شہرت پاتے ہیں، اسی قدر دھڑام سے گرتے اور بری طرح سے گرتے اور ہمیشہ کیلئے مٹ جاتے ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ نہ ایسے واقعات سے سبق لیتے ہیں، نہ سبق آموزی اور عبرت پذیری کی اس اہم جانب کی طرف توجہ کرتے ہیں، اور نہ ہی ایسے واقعات کو یاد رکھتے ہیں بلکہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں، حالانکہ ایسے واقعات جگہ جگہ اور طرح طرح سے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں، اور اس کی تازہ مثال جو آج ہمارے سامنے ہے اور جو ابھی کچھ ہی عرصہ قبل پیش آئی، بی سی سی آئی انٹرنیشل کے مشہورِ عالم بینک سکینڈل کی ہے۔ جو تھوڑے ہی عرصے میں ابھرا اور پھر یکا یک ایسا دیوالیہ ہوا کہ اربوں کھربوں کی لوگوں کی رقمیں ڈوب گئیں، اور اس کے آغا حسن عابدی اور صالح نقوی وغیرہ جیسے وہ بڑے بڑے ڈائریکٹر جو اس بینکنگ کے سلسلے میں اور اسی کی بدولت اکثر و بیشتر فضاؤں میں ہی اڑتے پھرتے رہتے تھے کہ صبح کہیں ہیں، اور شام کہیں۔ اور ابھی اس ملک میں ہیں، تو ابھی اس میں۔ ناشتہ کہیں

ہے تو لنچ کسی دوسرے ملک میں، اور ڈنر کسی اور میں، اور کیا کیا آرام اور سہولتیں ان کو حاصل و میسر تھیں، مگر اب یہ لوگ جگہ جگہ اور طرح طرح سے چھپتے پھر رہے ہیں، کوئی روپوش ہے، اور کوئی کسی ملک میں اور کوئی کسی اور میں جیل کاٹ رہا ہے، جبکہ کروڑوں کے جرمانوں کی سزائیں الگ ہیں، اور ان کھاتے داروں کی پریشانیوں کا تو کوئی حساب ہی نہیں، جن کی لاکھوں کروڑوں کے حساب سے جمع شدہ رقمیں ڈوب گئیں۔ اسی طرح اور کتنے ہی ادارے اور کمپنیاں ہیں جن کے دیوالیہ ہونے کی خبریں آئے دن سننے اور دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔ یہ تو مرابی اور سود خور لوگوں اور ان کے سودی اموال کا حال و مآل اس دنیا میں ہوا، جبکہ آخرت کا معاملہ اس سے کہیں بڑھ کر ہولناک اور خطرناک ہے ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ﴾ الاٰیة [الرعد۔۳۴] ''اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت سخت ہے'' ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی ﴾ الاٰیة [حٰم السجدہ۔۱۶] ''اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بڑا ہی رسوا کن ہے'' ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ﴾ الاٰیة [القلم۔۳۳] ''اور آخرت کا عذاب تو یقیناً بہت بڑا ہے''، کیونکہ سود خور شخص اول تو کسی کارِ خیر میں خرچ کرنے کی توفیق و سعادت ہی سے محروم ہو جاتا ہے، کہ حرام خوری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ ایسا انسان جمع کرنے اور جوڑ جوڑ کر رکھنے ہی کو اپنا مقصد اور نصب العین بنا لیتا ہے، اور اگر وہ کچھ کرے بھی تو وہ قبول ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرتِ حق - جل مجدہ - کے یہاں تو بس وہی مال قبول ہوتا ہے جو کہ طاہر و طیب اور ستھرا و پاکیزہ ہو اور بس۔ جیسا کہ حضرتِ نبیءِ معصوم - ﷺ - کا ارشاد ہے ''اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا'' ''اللہ پاک ہے وہ وہی چیز قبول فرماتا ہے، جو کہ پاکیزہ ہو'' تو ایسے میں سود خور شخص جب اس جہاں میں پہنچے گا تو بالکل خالی ہاتھ پہنچے گا، اور اس وقت جبکہ وہ سب سے زیادہ محتاج ہو گا، جو کچھ کمایا بنایا تھا وہ سب اسی دنیا میں چھوڑ گیا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پھر سود خوری کی اس لعنت سے اخلاقی دولت اور فضائل اور مکارمِ اخلاق کی جو تباہی ہوتی ہے، اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں، حالانکہ اصل دولت یہی ہے کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے مکارمِ اخلاق ہی سے ہے۔ یہ اگر گئے تو گویا انسان ہی چلا گیا، جیسا کہ شاعر کہتا ہے اور کیا ہی خوب کہتا ہے فَهُمْ ذَهَبُوْٓا اِنْ ذَهَبَتْ اَخْلَاقُهُمْ . بہرکیف سود مٹنے والی اور ایک منحوس و بے برکت چیز ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ یہودی قوم خیر و برکت سے محروم ہے۔ چنانچہ یہ تاریخ کی سب سے قدیم قوم ہونے کے باوجود دنیا میں آج بھی سب سے قلیل قوم ہے، کیونکہ یہ حرام خور قوم نہ صرف یہ کہ سود خور ہے، بلکہ سودی نظام کی اساس و بنیاد رکھنے والی بدبخت قوم ہے۔ اس لئے یہ خیرات و برکات اور تکثیرِ نسل و تعداد کی نعمت سے محروم ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ بہرکیف سود خوری کا انجام بہر محرومی اور تباہی ہے اور جیسا کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سود اگرچہ کتنا ہی بڑھ جائے اس کا انجام بہرحال قلت اور تباہی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ڈھیل سے سود خوروں کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ، اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین

۴۹۵ **اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے**:- اس دنیا میں بھی کہ صدقہ و خیرات سے مال و دولت میں برکت ہوتی ہے۔ سختیاں ٹلتی اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں، اور آخرت میں بھی، کہ وہاں ان کا اجر و ثواب بتمام و کمال بلکہ کئی

گنا بڑھ کر ملے گا، جبکہ انسان اس کا بطورِ خاص اور سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔ چنانچہ صحیحین یعنی۔ صحیح بخاری و مسلم ۔ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اپنی پاک کمائی میں سے کھجور کے ایک دانے کے برابر بھی صدقہ کریگا اور اللہ تعالیٰ پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے، تو بے شک وہ (کھجور کے دانے کے برابر کے) اس صدقہ کو بھی (اپنی بے پایاں شانِ کرم سے) اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے۔ پھر وہ (اپنے کرم بالائے کرم سے) اس کو ایسے (پالتا پوستا اور) بڑھاتا جاتا ہے، جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا پوستا ہے۔ یہاں تک کہ وہ چھوٹا سا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، اور پہاڑ میں تو ہمالیہ کا پہاڑ بھی داخل ہے۔ سو اس طرح صدقات سے مال بڑھتے اور ان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ انسان کیلئے اس دنیا میں بھی حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں، اور اس کے علاوہ آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی انسان کو اسی طرح کام آتے ہیں، اور سدابہار کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا کہنے حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کی شانِ کرم و عطا کے؟ اور کیا ٹھکانے صدقہ و خیرات کی عظمتوں اور برکتوں کے؟ سو کس قدر محروم اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے مال و دولت کو ایسے نفع کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں، اور ان میں سود کی خباثت کو شامل کر کے ان کو اپنے لئے خیر کی بجائے شر کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِیْ کُلِّ مَوْطَنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیٰوۃِ۔

۷۹۶ **ناشکری اور بدکاری اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض خصلتیں:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پسند نہیں فرماتا کسی بھی ناشکرے بدکار کو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مبغوض خصلتیں ہیں، سو اس سے معلوم ہوا کہ مرابی (سود خور شخص) ناشکرا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی رضا جوئی اور اس کی مخلوق کی بھلائی میں صرف کرنے کی بجائے الٹا اس کو لوگوں کے خون چوسنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ اور اس کو راہِ حق و صواب میں خرچ کر کے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کرنے کی بجائے الٹا وہ اس کو تباہی کا ذریعہ بناتا ہے، اور وہ بڑا گنہگار اور بدکار بھی ہے کہ لوگوں کے حق مارتا اور سودخوری جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کرتا ہے، جس کی خطورت و سنگینی کا یہ عالم ہے کہ حضرت نبیءِ معصوم ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے ارشاد فرمایا کہ ''سودخوری کے جرم و گناہ کے ستر سے اوپر درجے ہیں جن میں سب سے کم درجے کا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کرے'' ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو سودخور شخص مال پانے کے بعد اللہ کا شکرگزار بندہ بننے کی بجائے اس کا ناقدرا بن جاتا ہے اور اللہ کے دیئے اور بخشے ہوئے مال کو اس کے بندوں کی بہتری اور بھلائی میں خرچ کرنے کی بجائے وہ الٹا اس کو ان کے خون چوسنے کا ذریعہ بنالیتا ہے اور اس طرح وہ اللہ کا محبوب بننے کی بجائے اس کے یہاں ایک مبغوض انسان بن جاتا ہے اور اس کا مال و دولت اس کے لئے ذریعۂ خیر اور وسیلۂ نجات بننے کی بجائے موجبِ وبال اور باعثِ حرمان و خسران بن جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی غلط روی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

خوف (واندیشہ) ہوگا، اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، ۷۹۷ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو،

اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ

ڈرو تم اللہ سے، اور چھوڑ دو تم لوگ اس کو جو کچھ کہ باقی رہ گیا ہے سود میں سے، اگر (واقعی) تم لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ

ایماندار ہو، ۷۹۸ پس اگر تم نے ایسے نہ کیا تو تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے،

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، ۷۹۹ اور اگر تم نے توبہ کر لی (صدقِ دل سے) تو تمہارے لئے ہیں تمہارے اصل مال،

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ

نہ تم (کسی پر) ظلم (وزیادتی) کرو، نہ تم پر کوئی ظلم (وزیادتی) کی جائے، ۸۰۰ اور اگر وہ شخص (یعنی تمہارا قرض دار)

۷۹۷ مومنینِ صادقین کیلئے نہ کوئی غم نہ اندیشہ: -سو قیامت کے یومِ حساب میں جبکہ لوگ سب سے بڑی گھبراہٹ میں مبتلا ہونگے ایسے خوش نصیب لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوری طرح مطمئن اور امن وسکون میں ہونگے۔ نہ ان کو اپنے ماضی کا کوئی غم ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی خوف واندیشہ۔ کیونکہ انہوں نے اپنے صدقِ نیت، اور اپنے حسنِ اختیار، اور اللہ پاک کی توفیق وعنایت سے اپنی زندگی کو حق وہدایت کی اس راہ پر گزارا ہوگا جس کے نتیجے میں وہ اب سدابہار نعمتوں اور ابدی وحقیقی کامیابی سے سرفراز وسرشار ہونگے، اور ان کو ایسی کامیابی وفائز المرامی نصیب ہوگی، جو کہ صحیح معنوں میں اور حقیقی طور پر ایک عظیم الشان بادشاہی ہوگی، جس کی بناء پر ان خوش نصیبوں کو نہ اپنے ماضی کا کوئی غم ہوگا، اور نہ مستقبل کے بارے میں کوئی فکر واندیشہ- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ - مومنینِ صادقین اگرچہ اس دنیا میں بھی اس شان سے سرشار وسرفراز ہوتے ہیں، مگر اس کا اصل اور کامل ظہور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں ہوگا جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہان ہوگا۔ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں وہ حواشی تفسیریہ جو اس طرح کی آیاتِ کریمہ کے ذیل میں اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید-

۷۹۸ سود کو ترک کرنا ایمانداری کا تقاضا: -سو اس ارشاد میں تصریح فرمادی گئی کہ ایمانداری کا تقاضا ہے کہ تم لوگ باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو کہ سچے ایمان ویقین کا تقاضا یہی ہے کہ انسان صدقِ دل سے اپنے خالق ومالک کے حکم کے آگے

جھک جائے، تو پھر سود خوری جیسے سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب اس سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ سو اسکے باوجود جو لوگ سود خوری سے باز نہیں آتے وہ درحقیقت مومنِ صادق نہیں، اگرچہ وہ زبانی کلامی طور پر ایمان کے بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہوں۔ کیونکہ دین کے کچھ حصوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا ایمان نہیں کفر ہے، جس کی سزا "خلود فی النار" ہے، (تفسیر المراغی وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین

۷۹۹ سود خوروں کے خلاف اعلانِ جنگ، والعیاذُ باللہ: - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ سود خوروں کیخلاف اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے - والعیاذ باللہ، سو اس ارشاد میں تصریح فرما دی گئی کہ اگر تم لوگوں نے سود چھوڑنے کے اس حکم پر عمل نہ کیا تو تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے۔ کیونکہ یہ اس کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہے، جو اس سے بغاوت کے مترادف ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اس محاربہ اور جنگ کی کامل اور آخری شکل کا ظہور تو قیامت کے روز ہی اس وقت ہوگا جبکہ حقائق سے پردہ اٹھے گا، اور سب کچھ اپنی اصل شکل میں سامنے آجائے گا، جبکہ وہاں پر مرابی (سود خور شخص) کو بطورِ تذلیل وتحقیر کہا جائیگا کہ اپنے ہتھیار لو، اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑو۔ "خُذ سَلَاحَکَ وَحَارِبِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (جامع البیان، صفوۃ، وغیرہ عن ابن عباس)۔ مگر اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اسکی مختلف کیفیات ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں، اور اللہ اور اسکے رسول کیخلاف اعلانِ جنگ کا نتیجہ وانجام محتاجِ بیان نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سود خوری کا جرم کس قدر سنگین جرم اور کتنا بڑا گناہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا - اس آیتِ کریمہ سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ اللہ پاک کی مقرر کردہ حدوں کو توڑنا اور اس کے واضح احکام کی جان بوجھ کر اور کھلم کھلا خلاف ورزی کرنا، دراصل اللہ اور اس کے رسول سے جنگ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرے اس سے بڑھ کر بدبخت، ظالم، اور ناکام و نامراد، اور کون ہو سکتا ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف جو لوگ اسکے باوجود سود کھا رہے ہیں وہ اپنے بارے میں سوچ لیں اور خود دیکھ لیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں اور کس انجام کی طرف بڑھ رہے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہر طرح کے فتنہ وفساد اور ہر قسم کی گمراہی سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین۔ ثم امین یارب العالمین۔

۸۰۰ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے: - یعنی نہ تم سود لو کہ یہ دوسروں پر ظلم ہے، اور نہ تمہیں اپنے اصل سرمایہ اور راس المال سے محروم کیا جائے کہ یہ تم پر ظلم ہوگا۔ اگرچہ یہ ارشاد یہاں پر سود خوری کے بارے میں، اور اسی کے ذیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے، لیکن اس کو عمومِ الفاظ سے ایسے عام ضابطے اور کلیّے کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے، کہ یہ اس طرح کے ہر موقع ومقام پر چسپاں ہوتا ہے، کہ نہ تم کسی دوسرے پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ پس ظلم کی ہر شکل سے خود بھی بچنا چاہیئے اور دوسروں کو بھی بچانا چاہیئے۔ سو دوسروں کو ظلم سے بچانا دراصل اپنے آپ کو ظلم سے بچانے کا ذریعہ و وسیلہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، امین ثم امین یاربَّ العالمین۔

عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ

تنگ دست ہو تو تم اس کو مہلت دو (اسکی کشائش و) فراخ دستی تک، اور اگر تم (اس کو بالکل ہی) معاف کر دو، تو یہ تمہارے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ

لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، ۸۰۱ اور ڈرو تم اس عظیم الشان (اور ہولناک) دن سے جس میں تم سب کو بہر حال

فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

لوٹ کر جانا ہے اللہ کے پاس، پھر وہاں پورا بدلہ ملے گا ہر شخص کو اس کی زندگی بھر کی کمائی کا،

۳۸ ع ۶ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، ۸۰۲ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب

تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

تم آپس میں (قرض وادھار کا) کوئی لین دین کرو کسی مقررہ مدت تک، تو اس کو تم لکھ لیا کرو، ۸۰۳

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۖ وَلَا يَاْبَ

اور تمہارے درمیان (ایسی دستاویز) لکھنے والا شخص عدل (وانصاف) کے ساتھ لکھے، ۸۰۴ اور لکھنے والا

كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے سو وہ لکھے ۸۰۵ اور (اس دستاویز و وثیقہ کا) املاء

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ

وہ شخص کرائے جس کے ذمے حق ہے، اور اس کو چاہیئے کہ وہ ڈرتا رہے اللہ سے، جو کہ اس کا رب ہے، اور اس میں وہ کوئی کمی

۸۰۱ تنگ دستوں کے ساتھ نرم روی کی تعلیم و تلقین: — سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ تنگ دست سے درگزر کرنا اور اسکو معاف کر دینا بہت بہتر ہے۔ سو اگر تم لوگ جانتے ہو حق اور حقیقت کو کہ ایسے میں اس سے تم کو خود یقین ہو جائیگا کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے، دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی، اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی، کہ اس سے تم کو دنیا میں دل کا سرور، اور سچی خوشی نصیب ہوگی۔ حقیقی عزت و احترام اور پاکیزہ زندگی میسر

آئیگی، اور آخرت کا اجر وثواب بھی، جو وہاں پر کئی گنا بڑھا کر اور کہیں بہتر شکل میں ملے گا - سبحان اللہ! - کیسی عمدہ، پاکیزہ اور رحمت بھری اور انقلاب آفریں تعلیمات ہیں یہ جن سے اس دینِ حق نے دنیا کو نوازا ہے، کہاں وہ صورتِ حال کہ سودخوری کے ذریعے انسان دوسرے کا خون چوستا، اور پیسے سے پیسہ کھینچنے کی فکر اور تگ و دو میں لگا رہتا ہے، اور کہاں یہ انقلاب آفریں درس کہ مقروض اور حاجت مند انسان سے تم لوگ اپنی اصل رقم بھی واپس مت لو، بلکہ وہ بھی اللہ کی رضا کیلئے اس کو بخش دو اور معاف کر دو۔ دونوں تصویریں ایک دوسرے کی بالکل عکس اور ضد ہیں۔ اسی لئے محققین اور مفکرین کا کہنا ہے کہ سودی نظام اسلامی نظام کے بالکل مغایر و مخالف نظام ہے۔ اور یہ دونوں نظام ہر اعتبار سے ایک دوسرے کے مقابل و معاکس ہیں، مگر افسوس کہ آج خود مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت اس سے ناواقف و بے بہرہ ہے، اور وہ اسی سودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے، جسکے نتیجے میں وہ طرح طرح کے مصائب میں پھنسی ہوئی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین،

۸۰۲ یومِ قیامت کی تذکیر و یاددہانی: - سو اس ارشاد سے قیامت کے ہولناک دن، اور وہاں کی پرسش کی تذکیر و یاددہانی فرمائی گئی ہے۔ سود سے متعلق احکام و ارشادات کا خاتمہ اس آیتِ کریمہ سے فرمایا گیا ہے جس میں دلوں کو لرزا دینے والی یہ تنبیہ ہے کہ تمہیں بہر حال اس عظیم الشان اور ہولناک دن میں اس وحدہٗ لاشریک کے حضور پیش ہو کر اپنے کئے کرائے کا حساب دینا ہے، اور اپنے اعمال کا اور زندگی بھر کے اپنے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ پانا ہے۔ اب ہر شخص خود دیکھ لے کہ اس کا نامۂ اعمال کیسا ہے، اور اس کو کس طرح کے صلے اور بدلے کی توقع ہو سکتی ہے۔ انسان کا ضمیر خود اس کا منصف اور محاسب ہے۔ حضرتِ ابنِ عباس - رضی اللہ عنہما - سے مروی ہے کہ یہ قرآنِ پاک کی سب سے آخری آیتِ کریمہ ہے جو نبیٔ اکرم - صلی اللہ علیہ وسلم - پر نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - صرف اکیس یا اکیاسی دن اس دنیا میں بقیدِ حیات رہے - صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ - اور جبریل امین کی ہدایت کے مطابق آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - نے حکم دیا کہ اس کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے متصل بعد رکھا جائے (المراغی وغیرہ)۔ بہر کیف اس یومِ عظیم کو ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ انسان اس کے لیے تیاری کر سکے - وباللہ التوفیق - لما یحب و یرید، اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۸۰۳ آیتِ مداینہ اور اس کی عظمتِ شان: - سو یہ آیت کریمہ یعنی آیت مداینہ قرآنِ حکیم کی سب سے بڑی اور ایک عظیم الشان آیت کریمہ ہے اور اس میں لین دین سے متعلق بڑی اہم اور بنیادی ہدایات دی گئی ہیں۔ سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ آپس میں کوئی لین دین کرو کسی خاص مدت تک تو اس لکھ لیا کرو۔ سو ایسے ہر معاملہ کو لکھ لیا کرو تاکہ بعد میں جھگڑے اور اختلاف کی صورت پیدا نہ ہو۔ اور ادھار خواہ قیمت ہو، خواہ مبیع، دونوں صورتوں میں اس کو تحریر کر دیا کرو۔ فقہائے کرام میں سے بعض کے نزدیک یہ حکم استحباب کیلئے ہے، اور بعض کے نزدیک وجوب کیلئے (معارف للکاندھلویؒ)۔ یہ آیتِ کریمہ "آیتِ مداینہ" کہلاتی ہے۔ کیونکہ اس میں لین دین سے متعلق یہ عظیم الشان ہدایات ارشاد فرمائی گئی ہیں، اور یہ قرآنِ حکیم کی سب سے طویل آیتِ کریمہ ہے۔ اور یہ قرآنِ حکیم کے اعجاز اور اس کے کمال کا ایک اور ثبوت ہے کہ اس میں

لین دین سے متعلق چودہ سو برس قبل جو ہدایات ارشاد فرمائی گئی تھیں، دنیا اپنی ترقی کے ہزار دعووں کے باوجود اس سے بہتر تو درکنار اس کے برابر بھی آج تک کچھ نہیں کہہ سکی، اور نہ قیامت تک کہہ سکے گی کہ یہ سب کچھ وحی خداوندی سے ہے جس کے نور سے دنیا محروم ہے۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں باہمی لین دین سے متعلق بڑی اہم اور پاکیزہ ہدایات و تعلیمات ارشاد فرمائی گئی ہیں، جس میں معاشرے کے ہر طبقے کی بہتری اور بھلائی ہے۔ جن کو اپنانے سے بہت سے جھگڑوں اور اختلافات کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور ہر کسی کے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں اور امن و امان کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ جل وعلا، بکل حال من الاحوال۔

۸۰۴ تحریر میں عدل وانصاف سے کام لینے کی تعلیم وتلقین: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارے درمیان لکھنے والا شخص عدل وانصاف کے ساتھ لکھے۔ نہ اصل حقیقت سے کوئی کمی کرے نہ زیادتی، اور نہ کسی کی طرف داری کرے، نہ کوئی رو رعایت، بلکہ صرف عدل وانصاف کو اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھے۔ اور حقیقتِ امر کو جوں کی توں ضبطِ تحریر میں لائے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کیونکہ اس کا تعلق دوسروں کے حقوق سے ہے۔ اس لئے لکھنے والا ٹھیک ٹھیک حق اور حقیقت کے مطابق لکھے تاکہ نہ کسی کا حق مارا جائے اور نہ کسی پر کوئی زیادتی ہو، کیونکہ بعد میں حقوق کی تشخیص اور ادائیگی اسی تحریر کے مطابق ہوگی۔ اور اس طرح کسی کا حق نہیں مارا جائے گا اور سب کے حقوق محفوظ ہونگے۔ سو ہر موقع پر اور ہر حال میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا دینِ حنیف کی تعلیمات مقدسہ کا ایک عظیم الشان امتیازی پہلو ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر قائم رکھے، امین ثم امین یارب العالمین،

۸۰۵ کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے پس وہ لکھے تاکہ اس طرح وہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کر سکے جس سے اس نے اس کو نوازا ہے، اور اس کو اس بات کا احساس وادراک رہے، کہ لکھنے کی یہ نعمت جس سے کتنے ہی دوسرے محروم ہیں اس سے حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ نے اپنے کرم سے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّبَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ۔ اور وَلَا يَاْبَ کی اس نہی سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ جو کوئی عوام کے فائدے سے متعلق علم رکھتا ہو، اس کو چاہیئے کہ جب اسکو ایسے کام کی انجام دہی کیلئے بلایا جائے تو وہ اس سے انکار نہ کرے، اور لَا يَاْبَ کی نہی کے بعد فَلْيَكْتُبْ سے امرِ حکم فرمانے سے اس بارے مزید تاکید کا اظہار ہوتا ہے، کیونکہ اس موضوع کا تعلق انسانی حقوق کی حفاظت سے ہے جو کہ خصوصی اہمیت کا معاملہ ہے۔ (تفسیر المراغی)۔ بہرکیف جس کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم اور کتابت کی دولت سے نوازا ہو اسکو چاہیئے کہ وہ اس سے حسبِ ضرورت دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ کیونکہ دینِ حنیف یہ سکھاتا ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے تم بھی آگے دوسروں پر احسان کرو، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ الآیۃ (القصص۔ ۷۷) اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس کسی نے جان بوجھ کر کسی علم کو چھپایا اسکو قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ) سو علم نور ہے جس کا حق یہ ہے کہ اس کو اس طرح عام کیا جائے کہ دنیا اسکی روشنی سے فیضیاب و مستفید ہو۔ اس روشنی کو چھپانا جرم ہوگا کیونکہ اس کے نتیجے میں دنیا ہلاکت کے گڑھوں میں جا گرے گی اور اندھیروں میں بھٹکتی رہے گی۔ والعیاذ باللہ۔ جل وعلی

مِنۡهُ شَيۡـــًٔا ؕ فَاِنۡ كَانَ الَّذِىۡ عَلَيۡهِ الۡحَـقُّ سَفِيۡهًا

(بیشی) نہ کرے، ف۸۰۶ پھر اگر وہ شخص کہ جس کے ذمے حق ہے، بے سمجھ،

اَوۡ ضَعِيۡفًا اَوۡ لَا يَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ يُّمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ

یا کمزور ہو، یا وہ (کسی عذر کی بناء پر) املاء نہ کرا سکتا ہو، ف۸۰۷ تو اس کا مختار (وکارگزار) املاء

وَلِيُّهٗ بِالۡعَدۡلِ ؕ وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ

کرائے، عدل (وانصاف) کے ساتھ، اور (اس پر) تم دو گواہ رکھ لیا کرو اپنے

رِّجَالِكُمۡ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ

مردوں میں سے، ف۸۰۸ پھر اگر دو مرد نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہی کافی ہیں، ان لوگوں میں سے جن کو

مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰٮهُمَا

تم پسند کرو گواہی کے لئے ف۸۰۹ (اور ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو اس لئے تجویز کیا گیا کہ) تاکہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے

فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰٮهُمَا الۡاُخۡرٰى ؕ وَلَا يَاۡبَ الشُّهَدَآءُ

تو دوسری اس کو یاد دلادے ف۸۱۰ اور گواہ انکار نہ کریں، (نہ گواہ بننے سے، اور نہ گواہی کی ادائیگی سے،) جب کہ ان کو بلایا

اِذَا مَا دُعُوۡا ؕ وَلَا تَسۡــَٔمُوۡۤا اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا

جائے (اس غرض کے لئے،) ف۸۱۱ اور تم لوگ اکتایا نہ کرو لکھنے سے، خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، ف۸۱۲

اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاَقۡوَمُ

اس کی میعاد تک، یہ طریقہ اللہ کے نزدیک زیادہ قائم رکھنے والا ہے انصاف کو، اور زیادہ سیدھا

لِلشَّهَادَةِ وَاَدۡنٰٓى اَلَّا تَرۡتَابُوۡٓا اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ

(اور درست) رکھنے والا ہے گواہی کو، اور زیادہ نزدیک ہے اس بات کے کہ تم لوگ (باہمی معاملات میں)

تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ نقدا نقدی کا کوئی ایسا سودا ہو، جو تم (دست بدست) آپس میں کرتے ہو، تو اس کے نہ لکھنے میں

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ

کوئی حرج نہیں ۸۱۳، اور تم گواہ مقرر کر لیا کرو جب تم باہم خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کرو، اور کسی طرح کا نقصان نہ پہنچایا جائے

۸۰۶ املاء کرانے والا کوئی کمی بیشی نہ کرے:- بلکہ امر واقع کے مطابق صحیح صحیح لکھوائے تاکہ نہ کسی کا حق مارا جائے اور نہ کسی پر زیادتی ہونے پائے، اور یہ اسکے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ کسی کمی بیشی سے باز رہے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو کہ اس کا رب ہے۔ یہاں پر اسم جلیل اور نعت جلیل یعنی اسم ذات "اللہ" اور صفت یعنی "رب" دونوں کو جمع فرمایا گیا، جس سے معنیٰ میں مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اللہ جو کہ رب ہے سب کا اس سے ڈرنے اور ڈرتے رہنے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ املاء کے دوران کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ املاء اور اِملال کے دونوں لفظوں کا معنیٰ ایک ہی ہے یعنی لکھوانا اور قرآن حکیم میں یہ دونوں لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ بہرکیف اِملاء کرانے والے کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اس ضمن میں کسی کمی بیشی سے کام نہ لے بلکہ ٹھیک ٹھیک لکھائے۔ تاکہ کسی کی کسی طرح کی حق تلفی نہ ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۸۰۷ صاحب عذر کی طرف سے اس کا مختار اِملاء کرائے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ شخص جس کے ذمے حق ہے بے سمجھ یا کمزور ہو یا وہ کسی اور عذر کی بناء پر املاء نہ کرا سکتا ہو تو اس کا مختار اور کارگزار املا کرائے عدل وانصاف کے ساتھ۔ جیسے مثلاً وہ گونگا ہو، یا زبان نہ جانتا ہو، یا کہیں قید میں ہو، یا کوئی پردہ نشین خاتون ہو، جو کاتب کے سامنے نہ آ سکتی ہو، وغیرہ وغیرہ۔ سو ایسی صورت میں اس کا مختار اور کارگزار اِملاء کرائے اور وہ بھی عدل وانصاف کے تقاضوں کا پاس ولحاظ رکھے، اور معاملہ کو صحیح صحیح اور بلا کسی کمی بیشی کے املاء اور تحریر کرائے۔ وہ بھی نہ کسی طرح کی طرف داری سے کام لے اور نہ بلا ضرورت کسی حذف واضافہ سے۔ تاکہ حقوق کے سلسلہ میں کسی سے کوئی زیادتی نہ ہونے پائے۔ پس نہ کسی پر زیادتی ہو اور کسی کا حق مارا جائے بلکہ ہر صاحب حق کو اس کا حق پورا ملے۔ اور انصاف کے تقاضے پورے ہوں اور امن وامان کا دور دورہ ہو۔ اللہ توفیق بخشے، امین ثم امین

۸۰۸ ہر معاملے پر گواہ رکھنے کا حکم وارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم گواہ رکھ لیا کرو تاکہ معاملہ مزید یقینی اور پختہ ہو جائے، اور نزاع ومخاصمت کا کوئی خطرہ واندیشہ باقی نہ رہے۔ اور کسی اختلاف اور نزاع کے پیش آ جانے کی صورت میں وہ اصل معاملہ کی گواہی دے سکیں۔ مگر وہ گواہ دو آزاد اور بالغ مسلمان مرد ہوں۔ پس محض دو عورتوں کی یا ایک گواہ یا غلام یا بچے کی گواہی اس بارے معتبر نہیں ہو گی، کیونکہ یہاں پر ﴿شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ﴾ فرمایا گیا ہے جس سے یہ سب قیود وشروط معلوم ومستفاد ہوتی ہیں۔ سو حقوق کی پاسداری، اور نزاع کی صورت میں معاملہ کو نمٹانے کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ سو گواہ کم از کم دو شخص ہونے چاہئیں جو مسلمانوں میں سے یعنی مسلمان ہوں غیر مسلم نہ ہوں۔ سو غیر مسلم مسلمانوں پر گواہ نہیں بن سکتا،

۸۰۹ **گواہ ثقہ اور معتبر ہونے چاہئیں:** - سوارشاد فرمایا گیا کہ وہ دو گواہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تم لوگ گواہی کے لیے پسند کرو۔ یعنی وہ ایسے ثقہ، معتبر، اور امین شخص ہوں جن پر فسق و فجور، اور بے مروتی و دھوکہ دہی وغیرہ کی کوئی تہمت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان سے کوئی ایسی قرابت و رشتہ داری ہو، جو کہ تہمت و شبہ کا باعث بن سکتی ہو۔ غرضیکہ گواہی کے معیار پر ٹھیک طرح سے پورے اترتے ہوں۔ اس قید کا یہاں پر اضافہ اس لیے فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر اس طرح کے باہمی معاملات میں عورت کی گواہی پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اسی لیے یہاں پر معاملہ گواہ بنانے والوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) یعنی گواہ وہ ہوں جنہیں تم پسند کرو۔ یعنی وہ اپنے دین و ایمان اور اخلاق و کردار کے اعتبار سے ثقہ و معتبر ہوں

۸۱۰ **ایک مرد کی بجائے دو عورتوں کی گواہی کا بیان:** - سوارشاد فرمایا گیا کہ اگر دو مرد گواہ میسر نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہی کافی ہیں۔ کیونکہ ایسے اجتماعی اور عوامی امور میں اشتغال رکھنا اصل میں اور بنیادی طور پر ذمہ داری ہوتی ہے مرد کی، نہ کہ عورت کی۔ عورت کی اصل اور بنیادی ذمہ داری اس گرانقدر اور بے مثال متاع عزیز کی حفاظت و نگہداشت ہے۔ جو انسان کیلئے سب سے اہم اور سب سے زیادہ قیمتی متاع ہے، یعنی متاع اولاد جس کی اِصلاح و نگہداشت میں اس کے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان ہے، اور اس سے غفلت و اِعراض برتنا دنیا و آخرت کے خسران و نقصان کا ذریعہ و سبب - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - پس دنیاوی عیش و عشرت کیلئے چند ٹکوں کی خاطر اس عظیم الشان ذمہ داری سے غفلت برتنا اور اتنے بڑے نقصان کیلئے آمادہ ہو جانا کسی عقلمند اور ہوش مند انسان کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور جب عورت کے کام کا میدان یہ ہے ہی نہیں، تو اس کو ان امور سے متعلق وہ تجربہ کیسے ہوسکتا ہے جو مرد کو ہوتا ہے؟ اس لئے ان کی گواہی کے سلسلہ میں دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ قدرت نے بنی آدم میں شروع سے لیکر آخر تک مجموعی طور پر یہی تناسب رکھا ہو کہ عورتیں دو تہائی ہوں، اور اس کے مقابلے میں مرد ایک تہائی، اور اسی تقابل کی بناء پر ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ کے ارشاد سے ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا گیا ہو۔ (معارف وغیرہ)۔ بہر کیف اس ارشادِ ربانی میں عورت کی تنقیص نہیں، بلکہ اس کی تعظیم و تکریم اور اس کو اس کے اس اصل مقام پر رکھنا ہے جو اس کی فطرت کے لائق ہے، اور جس سے اس کے لئے دارین کا بھلا ہے۔ اور آج جو عورت کو اپنے اصل اور حقیقی دائرۂ کار سے نکال دیا گیا، تو وہ دراصل فطرت سے تصادم، اور اس کے خلاف جنگ ہے، جسکے ہولناک آثار و نتائج آج دنیا میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے ظاہر ہو رہے ہیں، اور طرح طرح کے گل کھلا رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ - بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر دو مرد میسر نہ آسکیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو۔ سو اسطرح گواہی کا نصاب پورا ہو سکے گا،

۸۱۱ **گواہ بننے سے انکار نہ کیا جائے:** - کیونکہ ان کے گواہ بننے میں سب کا بھلا ہے۔ اور اس سے انصاف و حق رسی میں مدد ملے گی، اور ان کے اپنے بھائی کے حق کی حفاظت اور اس کی معاونت ہوگی جبکہ گواہ بننے کے بعد ان کے گواہی نہ دینے سے ان کے بھائی کی حق تلفی ہوگی۔ لہٰذا ان گواہوں کو گواہی سے انکار نہیں کرنا چاہیئے، نہ گواہ بننے سے انکار کرنا چاہیئے اور نہ گواہی کی ادائیگی سے۔ ربیع کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس وقت اور اس پس منظر میں نازل ہوئی جبکہ آدمی گواہی کیلئے جگہ جگہ پھرتا تھا مگر کوئی اسکے معاملے میں گواہ بننے کیلئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ سو گواہ بننے سے ہچکچانا اور گواہی کی ادائیگی سے کنی کترانا دونوں امر حرام اور

ممنوع ہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔اور یہ فرض کفایہ ہے کسی خاص شخص پر اس کا اطلاق و الزام نہیں ہوتا مگر جبکہ دوسرا کوئی شخص اسکے لیے میسر نہ ہو۔ (نفس المرجع)۔ بہرکیف جو لوگ کسی دستاویز کے گواہوں میں شامل ہو چکے ہوں، ان کو عند الطلب گواہی سے گریز و فرار کی اجازت نہیں اس لئے کہ حق کی گواہی ایک عظیم الشان معاشرتی خدمت بھی ہے کہ اس سے سب کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے اور "شہداء اللہ" ہونے کے اعتبار سے یہ اس امت کے فریضۂ منصبی کا ایک جزو بھی ہے۔ اس لئے عند الضرورت اور عند الطلب گواہی کے تحمل اور اس کی ادائیگی سے انکار کسی کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ حسبِ ضرورت و موقع امرِ واقع کی گواہی دے اور پوری دیانت و امانت کے ساتھ۔ نہ کسی کی سائیڈ لے اور جانبداری برتے اور نہ کسی کا حق مارے۔ اور ہر صاحبِ حق کو اس کا پورا حق ملے۔ اور اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اور کسی کی حق تلفی نہ ہو،

۸۱۲ ہر معاملہ کو لکھنے کی ہدایت:۔ سو اس سے ہر معاملہ کو لکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے خواہ وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، "تَكْتُبُوْهُ" کی ضمیر منصوب کا مرجع حق یا دین ہے، اور "الیٰ" کا کلمہ "مع" کے معنی میں ہے۔ یعنی معاملہ کو اس کی مدت مقرر کے ساتھ لکھ دیا کرو۔ (الجواہر، المحاسن وغیرہ)۔ یعنی جتنا قرض یا ادھار کا لین دین ہو، اس کو بھی لکھ لیا جائے، اور جتنی مدت اس ضمن میں مقرر کی گئی ہو، اس کو بھی لکھ لیا جائے۔ واضح رہے کہ باہمی لین دین سے متعلق یہی وہ اصول وضوابط ہیں جن کے مطابق آج تمام محکموں، کمپنیوں، اور اداروں وغیرہ میں سب کچھ لکھا اور جمع کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اب اس بارے میں کمپیوٹرز وغیرہ جدید آلات سے بھی کام لیا جانے لگا ہے، تاکہ سب کے حقوق و واجبات محفوظ ہوں، اور ہر متعلقہ فریق ان سے واقف و آگاہ ہو۔ سو دنیا والوں نے تو اب کہیں جا کر ان چیزوں کو اپنایا اور اختیار کیا ہے، اور اس طرح مربوط اور (Systemise) کیا ہے، مگر دینِ حنیف نے ان تعلیماتِ مقدسہ سے دنیا کو چودہ سو برس قبل اس وقت نوازا تھا جبکہ دنیا ہر اعتبار سے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی، اور اس طرح کی تعلیم کا کہیں کوئی نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ ضبط و تحریر اور ریکارڈنگ وغیرہ کے آلات و ذرائع نے اگرچہ اب بہت کچھ ترقی کر لی، مگر اس بارے میں بنیادی اصول وضوابط اور قواعد و قوانین بہرحال وہی ہیں جن کی تعلیم دینِ حنیف نے دی ہے۔ ان پر کوئی اضافہ نہ آج تک ہو سکا ہے، اور نہ ان شاء اللہ العزیز قیامت تک کبھی ہو سکے گا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ

۸۱۳ نقدا نقدی کے باہمی معاملہ کو لکھنا بہتر ہے ضروری نہیں:۔ "تم پر کوئی حرج نہیں" کے اس ارشاد سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایسے میں لکھنا اگرچہ ضروری نہیں، مگر بہتر اس صورت میں بھی بہرحال یہی ہے کہ اسے لکھا اور ضبطِ تحریر میں لایا جائے، جیسا کہ آج کل "کیش میمو" وغیرہ لکھے جاتے ہیں، مگر اس کو لازم اور ضروری نہیں قرار دیا گیا، تاکہ لوگوں کو دقت و دشواری پیش نہ آ جائے۔ سبحان اللہ! ۔ کیسی عظیم الشان اور حکمت بھری تعلیمات ہیں جن سے قرآنِ حکیم نے دنیا کو نوازا اور اس وقت نوازا جبکہ دنیا گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی، اور ایسے نوازا کہ پندرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود دنیا ایسی عمدہ اور مقدس تعلیمات کا کوئی نمونہ آج تک نہیں پیش کر سکی، اور ان شاء اللہ قیامت تک کبھی نہیں پیش کر سکے گی۔ بہرکیف دست بدست لین دین میں تحریر ضروری نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ اس کو بھی ضبطِ تحریر میں لایا جائے۔ کہ اسمیں بھی کئی فائدے ہیں۔

وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا

نہ لکھنے والے کو اور نہ گواہی دینے والے کو۸۱۴ اور اگر تم لوگ ایسا کرو گے تو یقیناً (تم گناہ کا ارتکاب کرو گے، کہ) یہ تمہارے

فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ

لئے اللہ کی اطاعت سے نکلنا ہوگا، اور (ہمیشہ اور ہر حال میں) ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے۸۱۵ اور اللہ تم کو سکھاتا ہے (وہ کچھ

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ

جس میں تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی ہے)۸۱۶ اور اگر تم (کہیں) سفر پر ہوا کرو اور تمہیں (تحریر معاملہ کے لئے) کوئی کاتب نہ

وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ

مل سکے، تو کوئی ایسی چیز رہن رکھ دیا کرو جو کہ اس کے قبضے میں دے دی جائے۸۱۷ اور اگر تمہیں آپس میں ایک دوسرے پر اعتبار ہے

بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ

(جس کے باعث رہن رکھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے) تو اس آدمی کو کہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے چاہیے کہ وہ (ٹھیک ٹھیک اور

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن

پورا پورا) ادا کر دے اپنی امانت کو۸۱۸ اور وہ ڈرتا رہے اللہ سے جو کہ اس کا رب ہے۸۱۹ اور تم مت چھپاؤ گواہی کو، اور (یاد رکھو کہ)

۸۱۴ کسی کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانعت: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ کاتب اور گواہ میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے "یُضَارَّ" کا لفظ مضارع معروف بھی ہوسکتا ہے، یعنی "یُضَارِرُ" بروزنِ "یُقَاتِلُ" کہ نقصان نہ پہنچائے لکھنے والا اور گواہی دینے والا، مثلاً یہ کہ تحریر و شہادت کے تحمل یا اس کی ادائیگی میں وہ جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لے، اور یہ لفظ مضارع مجہول بھی ہوسکتا ہے یعنی "یُضَارَرُ" بروزنِ "یُقَاتَلُ" کہ نقصان نہ پہنچایا جائے کاتب کو اور نہ گواہ کو، مثلاً یہ کہ اس مقصد کیلئے ان کو اپنے ضروری کام چھوڑنے پر مجبور کیا جائے، یا ان کو اس مقصد کیلئے سفر کرنے پر سفر خرچ بھی نہ دیا جائے، یا ان کو کسی اور طرح الجھایا اور پھنسایا جائے وغیرہ۔ بہر کیف لفظ میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں اور ان دونوں میں سے پہلا احتمال حضرتِ عمرؓ سے مروی و منقول ہے۔ اور دوسرا حضرتِ ابنِ عباس سے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (الکشاف وغیرہ)۔ سبحان اللہ!۔ کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم ہے کہ اس میں ہر ایک کے حق کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، اور یہ بنیادی اصول تعلیم وارشاد فرمایا گیا ہے کہ کسی کو بھی کوئی ضرر اور نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اگر آج اسی ایک ارشادِ ربانی کو صحیح طور پر اور پورے طریقے سے اپنا لیا جائے، تو ہمارے معاشرے کی کس قدر اصلاح ہوسکتی ہے، اور کتنا بگاڑ ختم ہوسکتا ہے، مگر غفلت اور لاپرواہی کا کیا کیا جائے۔ والعیاذ باللہ من کل زیغ وضلال، وسوء وانحراف۔ بکل حال من الاحوال

۸۱۵ تقوٰی وسیلۂ فوز وفلاح:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہمیشہ ڈرتے رہا کرو تم لوگ اللہ سے اور اس کے ارشاد فرمودہ احکام کو پوری طرح اور دل و جان سے بجا لایا کرو کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سو تقوٰی وسیلہ فوز وفلاح اور ذریعہ نجات ونجاح ہے کہ اسی سے انسان اللہ پاک کی نصرت وعنایت سے مشرف وفیضیاب ہوتا ہے۔ اور اسکے لیے دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہیں کھلتی اور اسباب و وسائل میسر آتے ہیں۔ اس لیے آیتِ مداینہ کی اس عظیم الشان آیت کریمہ کا خاتمہ اسی کی تعلیم وتلقین پر فرمایا گیا اور تقوٰی کو اختیار کرنے کا صاف وصریح طور پر حکم دیا گیا، اور تقوٰی اور خوفِ خداوندی ہی اصل میں وہ چیز ہے، جو انسان کو سیدھا، اور راہِ راست پر رکھتی ہے۔ سو تقوٰی کے اس حکم وارشاد سے یہ بھی واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام وارشادات کو عام دنیاوی احکام کی طرح نہیں سمجھتا۔ جہاں انسان طرح طرح کے حیلے حوالوں اور چکر بازیوں سے کام لے لیتا ہے، کیونکہ یہ احکام اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کے نازل کردہ ہیں جو کہ دلوں کے رازوں کو جاننے والی ذات ہے۔ اس سے انسان کے ظاہر اور باطن کی کوئی بھی حالت مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اس کے ساتھ اپنے ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کا معاملہ بھی صحیح رکھنے کی ضرورت ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید- وھو الہادی الٰی سواء القراما۔

۸۱۶ اللہ کی تعلیم میں سراسر بندوں کا بھلا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس میں خود تمہارا بھلا ہے، سو اللہ تعالیٰ کی تعلیم میں سراسر بندوں ہی کا بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی اور محدود فرصت میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور اَبدی جہاں میں بھی۔ یہاں پر ''یُعَلِّمُ'' کا دوسرا مفعول محذوف ہے، جس سے تعمیم کا فائدہ ملتا ہے۔ یعنی وہ اپنی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بے نہایت سے تم لوگوں کو ہر خیر اور بھلائی کا درس دیتا ہے- سبحانہ و تعالیٰ- اس لئے اس کی تعلیماتِ عالیہ اور ارشاداتِ مقدسہ پر عمل کرنے میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا اور فائدہ ہے۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ بعض حضرات جو اس آیتِ کریمہ کو اس معنی میں پیش کرتے ہیں کہ تم تقوٰی اختیار کرو تو اللہ تم کو علم عطاء فرما دیگا، وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ تقوٰی کی اہمیت اپنی جگہ درست اور بجا۔ اس کی عظمت وافادیت اور اس سے ملنے والی نورانیت مُسَلّم۔ اس کے انکار کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کہنا صرف یہ ہے کہ یہاں پر ﴿یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ﴾ کو ﴿اِتَّقُوا اللّٰہَ﴾ پر مرتّب ماننا اور اس کو اس کے جوابِ امر کے معنٰی میں لینا درست نہیں کہ ان دونوں کے درمیان واوٴ عاطفہ کا فصل موجود ہے، جو اس ترتُّب میں مانع ہے۔ پتہ نہیں ان حضراتِ اہلِ علم کی توجہ اس طرف کیوں نہیں گئی۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کی ارشاد فرمودہ یہ تعلیمات تمہارے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی کی ضامن اور کفیل ہیں۔ اس لیے انکو تم لوگ دل و جان سے اپناؤ کہ اس میں تمہارا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ اسی سے حقوق وفرائض کا تعیُّن اور تحفُّظ ہوتا ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے آمین

۸۱۷ رہن رکھنے کا حکم وارشاد:- تاکہ اس شے مرہون کی بناء پر اس کے حقِ دَین کی ضمانت وحفاظت اور توثیق ہو سکے۔ اس میں ''مَّقْبُوْضَۃٌ'' کے لفظ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ رہن کی تکمیل کیلئے اس کا قبضہ ضروری ہے۔ اور دوسری یہ کہ شیٴ مرہون پر مُرتَہِن صرف قبضے کا حقدار ہے تاکہ اس طرح اس کے حقِ دَین کی حفاظت وضمانت ہو سکے، لہٰذا مُرتَہِن کو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، جیسا کہ آج ہمارے معاشرے میں بالعموم ایسے کیا جاتا ہے، حالانکہ قرض دے کر اس پر کوئی نفع اٹھانا ممنوع اور

حرام ہے، کیونکہ یہ سود کے زمرے میں آتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ اسی لئے اصول یہ بیان فرمایا گیا کہ جو قرض دے کر اس پر نفع کمایا جائے وہ حرام ہے " کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَھُوَ حَرَامٌ " اور آیتِ کریمہ میں سفر کی قید احترازی نہیں واقعی ہے، کہ واقعتاً ایسے ہوتا ہے کہ حالتِ سفر میں اس کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں کاتب اور شاھد کا ملنا عادتاً بہت مشکل ہوتا ہے۔ ورنہ رہن حالتِ حضر میں بھی رکھنا جائز ہے، اور خود آنحضرت ﷺ کی زرہ تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ کما اخرجہ الامام البخاری و مسلم رحمہما اللہ۔ لہٰذا یہ کہنا کہ رہن کا حکم صرف سفر کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ بعض سلف نے اس آیتِ کریمہ سے سمجھا ہے (جامع البیان وغیرہ) وہ صحیح نہیں۔ بلکہ رہن سفر و حضر کی دونوں حالتوں میں درست اور جائز ہے (معارف للکاندھلویؒ، و جامع البیان، وغیرہ)۔ سو سفر کی اس قید اور کسی ایسے کاتب کا نہ ملنا جو اس قرض کے بارے میں باقاعدہ دستاویز تحریر کرے، دراصل بیان ہے اس عذر کا کہ ایسے موقع پر انکے لیے ایسی تحریر ضروری نہیں، بلکہ وہ کوئی چیز رہن رکھ لیں جو اس تحریر کے قائم مقام ہو، تاکہ صاحبِ دَین مطمئن ہو ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر کے علاوہ رہن رکھنا جائز نہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو یہ قید غالب اَحوال کے اعتبار سے ہے کہ ایسی ضرورت اکثر سفر ہی میں پیش آتی ہے۔ حَضَر میں کم،

۸۱۸ قرض کی واپسی کیلئے ایک بلیغ اِرشاد:- یعنی امانت سے یہاں پر قرض مراد ہے، کیونکہ قرض دینے والے شخص نے محض امن و اعتماد کی بناء پر بغیر کسی تحریر اور رہن کے اس کو یہ قرض دے دیا۔ لہٰذا عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ قرض لینے والا اس اعتماد پر پورا اترتے ہوئے اس کا قرض صحیح طور پر اور پورے کا پورا واپس کر دے۔ اور اس کی واپسی کا ایسا ہی اہتمام کرے اور اس کا خیال رکھے جیسا کہ امانت کی واپسی کیلئے رکھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر امانت سے مراد رہن کردہ مال ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رہن قرض دینے والے کے پاس بطور امانت ہوتا ہے، جس کی حفاظت مُرتَہِن کے ذمے ہوتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا اس کے لئے جائز نہیں ہوتا۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا ہے کہ رہن رکھنے کی ضرورت اس صورت میں ہے کہ جب قرض دینے والا اس کے بغیر قرض دینے کو تیار نہ ہو۔ لیکن جب ایک دوسرے پر اعتماد کی صورت پیدا ہو جائے مثلاً یہ کہ وہ سفر ختم کر کے حضر میں آ جائیں، اور دستاویز تحریر کرنے کے لئے کاتب اور گواہ بن کر آ جائیں تو پھر قرض دینے والے کو چاہئے کہ وہ دستاویز وغیرہ پر اعتبار کر کے رہن کردہ چیز کو جو کہ اس کے پاس بطورِ امانت تھی واپس کر دے۔ سو نہ تم کسی کا حق مارو نہ کوئی تمہارا حق مارے بلکہ ہر کسی کو اس کا حق پورا پورا ملے۔ یعنی جتنا کہ اس کا حق ہے۔

۸۱۹ تقوٰی و پرہیزگاری کو اپنانے کی تعلیم و تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ ڈرتا رہے اللہ سے جو کہ رب ہے اس کا۔ یعنی وہ ڈرتا اور بچتا رہے اللہ کی ناراضگی و نافرمانی سے جو کہ اس کا رب ہے۔ ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اور یاد رکھے کہ اس کی شانِ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا بندہ ہمیشہ اور ہر حال میں اس سے ڈرتا رہے۔ اور وہ اس بات کا پورا خیال رکھے کہ اس کا رب اس سے ناراض نہ ہو جائے اور مجھ سے اس کی نافرمانی نہ ہو جائے، اور ایسا کرنے میں خود بندے کا اپنا بھلا ہے۔ پس نہ وہ حق کا انکار کرے اور نہ اس میں خیانت کا ارتکاب کرے کہ ایسی ہر صورت تقوٰی و پرہیزگاری کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ یہاں بھی اسکے اسمِ جلیل یعنی "اللہ" اور صفتِ جمیل یعنی "رب" دونوں کو جمع فرمایا گیا ہے جس سے اس حکم و ارشاد کی اہمیت واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان اور اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ تم اس سے ڈرو اسی میں تمہارا بھلا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ ما یحب و یرید، اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین

۳۹ ع ۷

يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

جس نے چھپایا اس کو، تو بے شک گناہ گار ہے اس کا دل ۸۲۰ اور اللہ پوری طرح جانتا ہے ان سب کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو ۸۲۱

۸۲۰ گواہی کو چھپانا ایک سنگین جرم - والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور جس نے چھپایا گواہی کو تو بے شک گناہگار ہو گیا اسکا دل۔ کیونکہ شہادت کو چھپانا براہِ راست اور بلاواسطہ قلب ہی کا فعل ہے، کسی اور عضو اور جارحہ کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔اور جب قلب گنہگار ہو گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو باقی سب اَعضاء و جوارح آپ سے آپ گنہگار ہو گئے اور سب برائی میں ملوث ہو گئے، کہ سلطنتِ جسم و جان کا حاکم اور اس کا بادشاہ دل ہی تو ہے۔ اس کی اصلاح میں تمام اعضاء و جوارح کی اصلاح ہے اور اس کی خرابی و فساد میں سب کی خرابی و فساد۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی مشہور حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اولادِ آدم کے جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہوا تو سب جسم ٹھیک اور اگر وہ خراب ہو گیا تو پورا جسم خراب، آگاہ رہو کہ وہ دل ہے" - فَنَوِّرْ اَللّٰهُمَّ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ الْحَقِّ وَالْمَعْرِفَةِ وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا عَلٰى صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ" بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ بعض گناہ تو ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر محض انسان کے ظاہری اعضاء تک ہی محدود رہتا ہے۔ ایسے گناہوں کی حیثیت اوپری گرد و غبار کی سی ہوتی ہے مثلاً لغو قسمیں جو بے مقصد کھائی جاتی ہیں۔ اس طرح کے گناہ یا تو انسان کے روزمرہ کی معمولی نیکیوں سے جھڑ جاتے ہیں یا معمولی توجہ سے ان کی اصلاح ہوتی رہتی ہے لیکن دوسری قسم کے گناہ وہ ہوتے ہیں جن کی تحریک دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے۔ ایسے گناہوں کے اثرات بھی دل تک متعدی ہوتے ہیں۔ گناہوں کی یہ قسم بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ یہ دل کے فساد کی غمازی کرتی ہے۔ جن کی اِصلاح کے لئے خاص توجہ اور فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر دل گنہگار ہو گیا - والعیاذ باللہ - تو پھر باقی کیا رہ گیا؟ - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین، یارَبَّ العالمین

۸۲۱ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح جانتا ہے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو۔ سو اللہ اپنے بندوں کے سب کاموں کو پوری طرح جانتا ہے:- پس تمہارا کوئی کام اور کسی کام کا کوئی پہلو اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا تم لوگ ہمیشہ اپنا محاسبہ خود کیا کرو اور خود دیکھ لیا کرو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ کیسا ہے۔ کیا اس سے ہمارا وہ خالق و مالک ہم سے راضی ہو گا یا ناراض۔ اور ہر موقع پر اس کا خیال رکھنے سے تمہاری اصلاح خود بخود ہوتی چلی جائے گی، کہ انسان اپنے اعمال، اور اپنے آپ کو اچھی طرح سے، اور پورے طور پر خود جانتا ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ﴾ الآیۃ [القیامۃ-۱۴] - پس تم ہمیشہ اپنے خالق و مالک سے اپنا معاملہ درست رکھنے کی فکر و کوشش کرو، اور ان گناہوں سے بطورِ خاص بچنے کی فکر اور کوشش کیا کرو جن کے اثرات دلوں تک متعدی ہوتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور جب کسی کا دل بیمار ہو گیا تو لازماً اس کی نتیجے میں اسکے سارے اعضاء و جوارح بیمار ہو گئے - والعیاذ باللہ العظیم - پس ہمیشہ اللہ سے اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی کوشش کی جائے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید -

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا

اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے ۸۲۲ اور اگر تم لوگ ظاہر کر دو اس کو جو

مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ

کہ تمہارے دلوں کے اندر ہے، یا اسے پوشیدہ رکھو، اللہ بہر حال تم سے اس سب کا حساب لے گا ۸۲۳ پھر جس کو چاہے گا بخش

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ۸۲۴ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ایمان لائے رسول اس (ہدایت) پر

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ

جو کہ اتاری گئی ان کی طرف، ان کے رب کی جانب سے، اور سارے مسلمان بھی، (یعنی وہ) سب بھی ایمان لائے اللہ

اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

پر ۸۲۵ اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر ۸۲۶ (اس بنیاد پر کہ) ہم اس کے رسولوں میں کسی بھی طرح

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ

کی کوئی تفریق نہیں کرتے ۸۲۷ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا (اپنے رب کے اوامر و ارشادات کو،) اور مان لیا (صدقِ دل

۸۲۲ کائنات سب کی سب اللہ ہی کی ہے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو کہ زمین میں ہے۔ پس آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے، اور مالک بھی وہی، اور سب پر حکم و اختیار اور تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ نہ اس کی تخلیق و انشاء میں کوئی اس کا شریک و سہیم ہے، اور نہ ہی اس کے حکم و تصرف میں ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ پس بڑے ہی بہکے اور بھٹکے ہوئے ہیں وہ لوگ جو اس کے سوا اوروں کو مافوق الاسباب طور پر اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیلئے بلاتے پکارتے ہیں، اور ان کو اس وحدہٗ لاشریک کی خدائی میں شریک اور حصہ دار مانتے ہیں۔ اور اس طرح وہ شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس زمین و آسمان کی اس حکمتوں بھری کائنات کے اندر جو بھی کچھ ہے وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کا پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے، اور اس پر حکم و تصرف بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے اور چلے گا۔ اور بالآخر تم سب لوگوں نے لوٹ کر اسی خالق و مالکِ مطلق کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا حساب دینا اور اس کا پھل پانا ہے تاکہ عدل و انصاف کے

تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ بہر کیف اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اسمیں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں، سبحانہ وتعالیٰ

۸۲۳ اللہ کے محاسبے کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ ظاہر کرو وہ کچھ جو کہ تمہارے دلوں میں ہے یا اسے پوشیدہ رکھو۔ اللہ اس سب پر تم لوگوں کا محاسبہ فرمائے گا۔ پس جو کچھ تم لوگ اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھتے ہو، یا اس کو ظاہر کرتے ہو وہ سب اسکے یہاں ایک برابر ہے کہ اسکی شان ہے ﴿یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ﴾ [المومن۔۱۹]۔ سو وہ تم سے اس سب کا محاسبہ کرے گا، اب تم لوگ خود دیکھ لو کہ تم اسکے حضور کیا لے کر حاضر ہو رہے ہو، اور اسکے یہاں سے کس صلے اور بدلے کے مستحق ہو سکتے ہو۔ اور تمہارا یہ محاسبہ ہوگا قیامت کے روز جو کہ حساب کتاب کا دن ہوگا۔ فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ اَنْ تُحَاسِبَنَا فِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ الْعَظِیْمِ الرَّھِیْبِ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّالَّذِیْ ھُوَ الْعَرْضُ فَحَسْبُ ۔ کَمَآ اَخْبَرَنَا بِذَالِکَ نَبِیُّکَ الْاَکْرَمْ ۔صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۔ واضح رہے کہ یہ محاسبہ دل کے ان ارادوں پر ہوگا جو کہ پکے پختہ اور عزائم کے درجے میں ہوں گے۔ یعنی جس میں کسی برے کام کے کرنے کا پختہ ارادہ تھا، مگر کسی مجبوری یا مزاحمت کے سبب وہ ایسے نہیں کر سکا۔ رہ گئے وہ وساوس و خطرات جو دل میں آئے اور گزر گئے ان پر کوئی گرفت و پکڑ نہیں ہوگی کہ وہ انسان کے بس میں نہیں اور ان کے بارے میں ان سے متعلق پختہ ارادہ نہیں پایا جاتا جیسا کہ ابھی آگے بھی آرہا ہے اور احادیث میں اس کی طرح طرح سے تشریح فرمائی گئی ہے۔ کہ خداوندِ قدوس کی مشیت میں کوئی مداخلت اور مزاحمت کرنے والا نہیں ہو سکتا اور اس سے مقصود دراصل شرک کی نفی کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ اس طرح کی آیاتِ کریمات کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی مشیّت کے لئے سرے سے کوئی ضابطہ اور قاعدہ ہی نہیں ہوتا۔ نہیں بلکہ اس کی ہر مشیّت اس کی حکمت کے ساتھ مربوط ہوتی ہے۔ سو اس کی بخشش اور عذاب کا معاملہ بھی اسی ضابطۂ حکمت کے تحت عمل میں آئے گا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

۸۲۴ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و بخشش اس کی مشیّت پر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جس کی چاہے بخشش فرمائے اور جسکو چاہے عذاب دے کیونکہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کونسا گناہ مغفرت و بخشش کے لائق ہے، اور کونسا نہیں۔ روایات میں ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی تو حضراتِ صحابۂ کرامؓ سخت گھبرا گئے کہ جب دل کے خیالات کا بھی محاسبہ ہوگا تو پھر کون بچ سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اس گھبراہٹ کا اظہار نبیء اکرم ۔ﷺ۔ کی خدمت میں کیا، تو آپ ۔ﷺ۔ نے ان سے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح انکارمت کرو، بلکہ دل و جان سے اس کے حکم کو قبول کرو۔ تو ان حضراتِ صدق و صفا نے فوری طور پر اور صدقِ دل سے ایسے ہی کیا، اور کہا ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ﴾ "سن لیا ہم نے اور صدقِ دل سے مان لیا، ہم تیری بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے رب، اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے سب کو" تو اس پر اگلی آیتیں نازل ہوئیں (صحیح مسلم، کتاب الایمان، واخرجہ الامام احمد ونسائی وغیرھم عن ابن عباس، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، معارف القرآن اور مراغی وغیرہ) بہر کیف بندے کا کام ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے ہر حکم و ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم رہے کہ اس کا ہر حکم و ارشاد حق و صدق ہے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید، اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے آمین ثم آمین

۸۲۵ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب؟:- سو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس طرح مانا جائے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ نہ وہاں سبقِ عدم تھا اور نہ لحوقِ زوال کا کوئی سوال ہے۔ جب کچھ بھی نہ تھا وہ تھا۔ اور جب کچھ بھی نہ رہے گا وہ موجود ہوگا۔ اس ساری کائنات کا خالق بھی بلاشرکت غیرے وہی ہے اور مالک ومتصرف بھی وہی۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ اس کی ذات وصفات میں، اور نہ اسکے حقوق واختیارات میں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ ہی اس کی کوئی نظیر ومثال ممکن ہے، کہ اسکی شان ہے ﴿لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَد﴾ پس اس پر سچا پکا ایمان ویقین بندے پر سب سے پہلی ذمہ داری ہے اور یہ تمام ایمانیات کی اساس وبنیاد ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی واضح رہے کہ ایمان لانے والوں کے ذکر کے سلسلے میں سب سے پہلے جس کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ خود رسول کی ذات ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اسلام میں قانون کی فرمانبرداری اور اطاعت کے معاملہ میں پیغمبر بھی اس سطح پر ہے جس پر عام اہلِ ایمان ہیں۔ ان کا معاملہ ان دنیاوی بادشاہوں کی طرح نہیں ہوتا جو اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون لانے والے پیغمبر نہ صرف یہ کہ اس قانون کے ماتحت ہوتے ہیں بلکہ وہ اس میں سب سے آگے ہوتے ہیں اور وہ اس کو ﴿ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ اور ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ کہہ کر اپناتے ہیں۔ سو یہ ان کی صداقت وحقانیت کی ایک بڑی گواہی ہوتی ہے۔ صلواتُ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

۸۲۶ اللہ کے سب رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب؟:- یہ کہ وہ سب سچے اور برحق تھے، اور اپنے اپنے وقتوں میں نجات انہی کی اتباع وپیروی میں تھی۔ اور اب آخر میں ان سب کے امام اور خاتم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت وتشریف آوری کے بعد ان سب کی شریعتیں اور کتابیں منسوخ ہوگئیں۔ اب سلامتی اور نجات کی راہ صرف ایک ہی ہے کہ اسی آخری وحی پر ایمان لایا جائے اور اسی کی اتباع وپیروی کی جائے۔ ان حضرات انبیائے کرام میں سے جن کے اسمائے گرامی معلوم ہیں ان پر ہم ان کے ناموں کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اور جن کے نام معلوم نہیں ان پر اجمالی طور پر کہ وہ سب سچے تھے۔ اور سب ہی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے۔ سو ان میں سے کسی ایک کا بھی کفر وانکار سب کا کفر وانکار ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۸۲۷ تفریق بین الانبیاء کفر ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تفریق بین الانبیاء کفر ہے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، جیسا کہ یہود ونصاریٰ نے کیا بلکہ ہم بلاتفریق سب کو مانتے اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ ان کے درمیان مراتب ودرجات کے فرق کو مانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ سو تفریق اور چیز ہے اور فرقِ مراتب اور چیز۔ تفریق بین الانبیاء تو کفر ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور فرقِ مراتب ودرجات ایک امرِ واقعہ اور حقیقتِ صادقہ۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ الأیة [البقرۃ۔۲۵۳] سو اس سے اہلِ ایمان کی عظمتِ شان اور انکی حقانیت واضح ہوجاتی ہے کہ وہ سب ہی رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے جبکہ اہلِ کتاب تفریق بین الانبیاء والرسل کے اس جرم کے مرتکب ہیں، اور ان کا کہنا اور ماننا ہے، کہ ہم کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ الآیۃ [النساء: ۱۵۰] - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

مِّنْ رُّسُلِهٖ ۛ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ

سے اس کے فرامین کو،) ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب ۸۲۸ اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے (سب کو،) اللہ

رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی (طاقت و) گنجائش کے مطابق ۸۲۹ ہر شخص کو پھل ملے گا اس کی اس نیکی کا جو اس نے کمائی

۸۲۸ بخشش کی دعاء و درخواست کی تعلیم و تلقین:- سو سچے اہلِ ایمان کے نمونے کو پیش فرما کر یہ تعلیم و تلقین فرمائی گئی کہ وہ اپنے رب پر اپنے ایمان و یقین کے اعلان و اظہار کے ساتھ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ اپنی ان سب خطاؤں اور تقصیرات کی (یا بعض) جو ہم سے بشری تقاضوں کی بناء پر سرزد ہوگئی ہیں، یا آئندہ ہونگی والعیاذ باللہ۔ ''غفرانک'' منصوب ہے اور اس کا فعلِ ناصب محذوف و مقدر ہے جو ''نرجو'' یا ''نشتاق'' جیسے کسی فعل کی صورت میں مقدر مانا جاسکتا ہے اور اس طرح کے مواقع پر فعل کو حذف کر دینے میں بلاغت کا یہ پہلو کارفرما ہوتا ہے کہ دعاء کرنے والا اپنے اندر اس دعاء کے لئے سخت اضطراب رکھتا ہے اور یہ چیز دعاء کی قبولیت کے لئے نہایت مؤثر سفارش کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں پر سمع و طاعت کے اقرار کے فوراً بعد دعاء کا زبان پر جاری ہو جانا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ اقرار ایک عظیم الشان ذمہ داری کا اقرار ہے۔ اس لئے بندۂ مومن اس کے فوری بعد طلبِ مغفرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ تیری بخشش کے سواء اور کوئی سہارا ہمارے لئے موجود نہیں اور ﴿وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ میں کامل سپردگی کا ذکر فرمایا گیا کہ تیرے سوا اور کوئی نہیں جو کسی بھی اعتبار سے ہمارا مرجع و ماویٰ بن سکے۔ ہماری آس و امید تجھ ہی سے وابستہ ہے اور ہمارا بھروسہ و اعتماد تجھ ہی پر ہے۔ پس ہمیں ہمیشہ اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھ امین ثم امین۔ یاذا الجلال والاکرام۔

۸۲۹ بے اختیار خیالات پر کسی کی گرفت نہیں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بلا قصد و ارادہ آنے والے خیالات پر کسی کی کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ پس ان ہواجس و خواطر پر کسی کی گرفت و پکڑ نہیں ہوگی جو بلا قصد و ارادہ دل میں پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان سے بچنا انسان کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ نبئ معصوم۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت سے خطاء و نسیان اور ہر وہ عمل و قصور مرفوع و معاف ہے جو کسی جبر و اکراہ کے ذریعے کرایا گیا ہو ''رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیِ الْخَطَآءُ وَالنِّسْیَانُ وَ مَا اسْتُکْرِهُوْا عَلَیْهِ'' اور وہ اپنے بندوں سے نرمی کرنا چاہتا ہے سختی نہیں کرنا چاہتا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا، الآیۃ [البقرۃ۔ ۱۸۵]۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور ہر شخص اسی حد تک مکلف ہے جس حد تک اس کو طاقت عطا فرمائی گئی ہے۔ سو جو چیز اس کے حدودِ اختیار و امکان سے باہر ہوگئی اس پر اس کا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ غیر اختیاری امور پر گرفت و پکڑ تقاضاءِ عدل کے مطابق نہیں۔

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

اور اسی پر پڑے گا وبال اس کی اس برائی کا جو اس نے سمیٹی ف ۸۳۰ (ایمان والو! اپنی تقصیرات کو پیشِ نظر رکھ کر اس طرح دعاء مانگا

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا

کرو کہ) اے ہمارے رب، ہماری گرفت نہیں فرمانا اس بھول یا چوک پر، جو ہم سے سرزد ہو جائے ، اے ہمارے رب،

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ

ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہیں ڈالنا، جیسا کہ تو نے ان لوگوں پر ڈالا ہے جو گزر چکے ہیں

مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۚ

ہم سے پہلے (ان کے تمرد اور سرکشی کی بناء پر) ف۸۳۱ اے ہمارے رب، ہم سے وہ بوجھ نہیں اٹھوانا جن (کے اٹھانے) کی ہمیں طاقت

۸۳۰ **ہر کسی کو اسکے اپنے کئے کرائے کا بدلہ ملے گا:**۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا پورا بدلہ ملے گا خواہ اس کی وہ کمائی نیک ہو یا بد۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ سو یہ شریعتِ مطہرہ کا دوسرا بڑا ضابطہ و اصول ہے جو یہاں بیان فرمایا گیا ہے، کہ ہر کسی کو اسکے اپنے کئے کرائے کا پھل ملیگا اور ہر ایک کو اپنی برائی کا بھگتان خود ہی بھگتنا ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ الآیۃ [فاطر۔۱۸]۔ پس یہ نہیں ہوگا کہ ''کرے کوئی اور بھرے کوئی''، جیسا کہ عیسائیوں کے عقیدہ ''کفارہ'' کے موجدوں نے سمجھ رکھا ہے، اور نہ ہی کسی ایک کی نیکی کا پھل کوئی دوسرا پا سکے گا، بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق جو کرے گا وہی بھرے گا کے اصول پر عمل ہوگا۔ اور جو کچھ کوئی بوئے گا وہی کاٹے گا۔ نہ دوسرے کسی کے نیک اعمال کا کریڈٹ اس کو ملے گا اور نہ دوسرے کسی کی برائیاں اس کے کھاتے میں ڈالی جائیں گی۔ بلکہ ہر کسی کو اس کے اپنے کیے کرائے ہی کا صلہ وبدلہ ملے گا۔ جو کہ تقاضاءِ عدل ہے۔

۸۳۱ **بھاری بوجھ سے مراد؟:**۔ یعنی سخت احکام اور تکالیفِ شرعیہ کی صورت میں، ہم پر بھاری بوجھ نہیں ڈالنا کیونکہ ایسے بوجھ کو اٹھانے اور برداشت کرنے کی ہمت ہمارے اندر نہیں۔ ہم تو بہرحال عاجز اور کمزور مخلوق ہیں اور ہمیں اپنے عجز و قصور کا اعتراف بھی ہے اور احساس و اقرار بھی، اور تجھ سے بڑھ کر اے ہمارے خالق مالک ہماری کمزوریوں کو اور کون جان سکتا ہے، اور تجھ سے زیادہ ہم پر مہربان اور کون ہو سکتا ہے، ۔تبارکت و تعالیت ۔ (محاسن التاویل، المراغی اور المعارف وغیرہ) یہاں پر دعاء میں ''اصر'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اور ''اصر'' کے اصل معنی عہد و پیمان اور ذمہ داری کے آتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ إِصْرِیْ﴾ الآیہ [اٰل عمران: ۸۱] اور یہیں سے اس کا استعمال ان گرانبار ذمہ داریوں اور بوجھوں کے لئے ہوا جن کا اٹھانا دشوار ہو۔ سو یہاں پر یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال فرمایا گیا ہے کہ، ہم پر ایسے بھاری بوجھ نہ ڈالنا جن کو اٹھانے کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ کہ اسطرح ہم کہیں کے نہیں رہینگے ، والعیاذ باللہ

وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

نہیں، ب۸۳۲ ہمیں معاف فرمادے، ہماری بخشش فرمادے، اور ہم پر رحم فرما، کہ تو ہی ہے ہمارا مالک (اورکارساز،)

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

پس مدد فرما ہماری کافر لوگوں کے مقابلے میں، ب۸۳۳

۸۳۲ **ایک خاص اور عظیم الشان دعاء کی تعلیم وتلقین:**۔سو اس سے دنیاوی آفتوں سے حفاظت و پناہ کی دعاء و درخواست کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے سو اس عرض والتجاء کا مطلب ہے کہ ہمیں دنیاوی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا نہیں فرمانا۔ یعنی ہمیں دنیاوی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا نہیں فرمانا۔ سو پہلی دعاء تشریعات واَحکام کے اعتبار سے ہے اور دوسری مصائب وآلام کے اعتبار سے کہ ان دونوں سے ہمیں بچا کر اور محفوظ رکھنا (معارف للکاندھلویؒ والمحاسن للقاسمیؒ وغیر ذالک) تحمیل کے معنی لادنے اور کسی پر بھاری بوجھ ڈالنے کے ہیں، آج کل بھی یہاں پر عربوں کے درمیان تحمیل کا یہ لفظ لوڈنگ، اَن لوڈنگ کے لئے عام استعمال ہوتا ہے۔ سو مطلب یہ ہوا کہ سمع وطاعت کی اس راہ میں آگے جو مشکلات اور آزمائش پیش آنے والی ہیں ان میں کوئی آزمائش ایسی نہ ہو جو ہماری برداشت سے زیادہ ہو۔ جو ہمیں تیری وفاداری کے امتحان میں ناکام بنادے جہاں تک لفظِ ابتلاء وآزمائش کا تعلق ہے وہ تو ایمان واسلام کا تقاضا اور لازمۂ حیات ہے جس سے اس دنیا میں مفر نہیں۔ کھرے کھوٹے کے درمیان فرق وغیرہ کے لئے اس کا پایا جانا تو ضروری ہے لیکن ہم سے اپنی رحمت وعنایت کا معاملہ فرماتے ہوئے ہمیں کسی ایسے امتحان میں نہیں ڈالنا جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ سو دعاء کے اوپر والے ٹکڑے میں یہ دعاء و درخواست کی گئی تھی کہ ہماری شریعت اس طرح کے ''اصر و اغلال'' سے پاک رہے جو گزشتہ شریعتوں میں پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں۔ اور دعاء کے اس دوسرے ٹکڑے میں یہ درخواست کی گئی ہے کہ ہمیں ان خارج از استطاعت آزمائشوں سے محفوظ رکھنا، جو اس شریعت کے حقوق ادا کرنے کی راہ میں پیش آسکتی ہیں۔ کیونکہ ہم کمزور اور ضعیف و ناتواں ہیں۔ ہم پر رحم فرمانا۔ اور ہمیں ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھنا امین ثم امین یاربّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۸۳۳ **غلبہ ونصرت کی دعاء کی تعلیم وتلقین:**۔سو اس سے کافروں کے مقابلے میں نصرت وامداد اور غلبہ کی دعاء و درخواست کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے، سو ارشاد فرمایا گیا اور ہماری مدد فرما کافروں کے مقابلے میں۔ جو کہ تیرے دین کے دشمن، اور تیری راہ سے روکنے والے ہیں۔ سبحان اللہ!۔ کیسی عظیم الشان، پاکیزہ، عمدہ اور جامع دعاء ہے جو حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کی طرف سے اس کے بندوں کو سکھائی گئی ہے۔ اور اسی میں اس کی قبولیت کا مژدہ بھی ہے، کیونکہ اگر اس نے اس دعاء کو قبول نہ کرنا ہوتا، تو وہ اس کی تعلیم بھی نہ دیتا۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ جب بندہ یہ دعاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر جملے پر فرماتا ہے ''نَعَم'' ''ہاں میں نے ایسے کر دیا'' (الاساس فی التفسیر)۔ سو یہ عظیم الشان آیتیں ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابومسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے

رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لیں وہ اسکو کافی ہوگئیں۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرۃ) اور مسند امام احمدؒ میں حضرتِ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے کے ایک خزانے سے عطاء فرمائی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ (مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۵۱، محاسن التاویل اور معارف القرآن وغیرہ)۔ سو اس طرح آخر میں مخالفینِ اسلام کے مقابلے میں مدد و نصرت کی دعاء کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی۔ والحمد للہ ربّ العالمین الذی لاتتم الصالحات الا بتوفیق منہ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ

☆--- ۱۰ شعبان ۱۴۱۵ ہجری مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۹۶ء شارع طارق بن زیاد، منطقہ ام ھریر دبئی، والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل نظر ثانی ۱۶ جمادی الاولی ۱۴۱۷ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز ہفتہ نو بجے صبح۔

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ (دوسری مرتبہ) ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ ہجری مطابق ۳۱- دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعرات بوقت سوا سات بجے شام (عند اذان العشاء) (بموقع اختتام بیسویں صدی عیسوی، وتکمیل الف ثانی المیلادی، یعنی عیسوی تاریخ کی دوسری ہزاری کی تکمیل پر) سطوہ، دبئی، متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ (تیسری مرتبہ) ۶ رمضان المبارک ۱۴۲۱ ہجری مطابق ۲۱ نومبر ۲۰۰۱ء بروز بدھ بوقت پونے بارہ بجے دن، سطوہ، دبئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل چوتھی ریڈنگ ۱۰- رمضان المبارک ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۱۵ نومبر ۲۰۰۲ء بروز جمعہ بوقت سوا دس بجے شب (بعد از نماز تراویح)۔ سطوہ، دبئی، متحدہ عرب امارات، والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- اللمسات الاخیرۃ (Final touches) ۲۸ شعبان ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز جمعہ بوقت تین بجے شام، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان۔ والحمد للہ رب العالمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ
وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

اٰیَاتُھَا ـــ ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رُکُوْعَاتُھَا ـــ ۲۰

سورۂ اٰلِ عمران مدنی ہے، اور اسکی دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

الٓمّٓ ﴿١﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿٢﴾ نَزَّلَ

الٓمّٓ ف۱ اللہ وہ (ہستی) ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ف۲ جو خود زندہ (سب کو) تھامنے والا ہے ف۳ اسی نے (جو اس عظمت و

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

شان کا مالک ہے،) اتاری آپ پر یہ کتاب ف۴ حق کے ساتھ، جو تصدیق کرنے والی ہے ان سب کتابوں کی جو اس سے پہلے

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى

آچکی ہیں، اور اسی نے اتارا تورات کو بھی اور انجیل کو بھی، ف۵ اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت (وراہنمائی)

لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

کے لئے، اور اسی نے اتارا (حق و باطل کے درمیان) فرق کردینے والی چیز کو ف۶ بے شک جن لوگوں نے انکار کیا اللہ کی

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤﴾

آیتوں (کی عظیم الشان نعمت) کا، ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے ف۷ اور اللہ بڑا ہی زبردست، (اور) انتقام لینے والا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

بے شک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں، نہ زمین (کی پستیوں) میں، اور نہ

۱ حروف مقطعات کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، سبحانہ وتعالیٰ:- سورۂ کریمہ کے شروع کے یہ حروف "حروفِ مقطعات" کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کو کاٹ کر اور الگ الگ کرکے، اور ساکن پڑھا جاتا ہے اور ان سے مقصود و مراد کے بارے میں کتبِ تفسیر میں مختلف اقوال اور احتمالات پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات نے ان سے مختلف اشارات مراد لیے ہیں لیکن اسکے لئے کتاب وسنت سے کوئی مستند دلیل اور نص نہیں پائی جاتی اس لئے ثقہ

حضراتِ اہلِ علم کے نزدیک اور راجح قول کے مطابق حضراتِ اہلِ علم کا کہنا ہے کہ ان کی صحیح اور حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا ان کے بارے میں مجمل طور پر یہی کہنا چاہیئے کہ ''اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ'' ''ان کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے''۔ اسکی کچھ مزید تفصیل اس سے پہلے سورہ بقرۃ کے شروع میں کردی گئی ہے۔ اس لیے اسی کی طرف رجوع کرلیا جائے۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ، وھو اعلم بمراد کلامہ جل وعلا

۲ معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے:- کہ معبودِ برحق صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس اس کے سوا جہاں بھی کسی کی کوئی بندگی و عبادت کی گئی، یا کی جائیگی وہ سراسر ظلم ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- پس دست بستہ قیام، رکوع و سجود، نذر و نیاز، ندا و پکار، اور استمداد و استغاثہ وغیرہ وغیرہ عبادت و بندگی کی ہر شکل وصورت اسی وحدہٗ لاشریک کا حق اور اسی کا اختصاص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اسکے سوا ان میں سے کسی بھی قسم کو کسی بھی حال میں بجالانا جائز نہیں بلکہ ایسا کرنا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو زندہ حقیقت میں وہی وحدہٗ لاشریک ہے، کہ واجب الوجود اسی کی صفت اور شان ہے۔ اس کے سوا باقی ہر چیز مخلوق اور ممکن الوجود ہے جو کبھی نہیں تھی اور کبھی نہیں ہوگی۔ جو ذات ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ کے لئے ہو، وہ اسی وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے۔ اسی لئے گزشتہ آسمانی کتابوں میں بھی ''زندہ خدا''، ''خداوندِ زندہ خدا'' کی تعبیر بکثرت استعمال ہوئی ہے۔ پس معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں وہ ہر لحاظ سے واحد واَحد اور یکتا وصَمَدْ ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

۳ اللہ قیُّوم ہے -سبحانہٗ وتعالیٰ:- یعنی اس ساری کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا۔ سو قیومیّت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت اور صرف اسی کی شان ہے۔ اور جب ذاتی اور ازلی وابدی حیات وزندگی، اور سب کو تھامنے اور قیومیّت کی یہ دونوں صفتیں صرف اسی وحدہٗ لاشریک میں پائی جاتی ہیں، تو عبادت و بندگی کی ہر قسم بھی اسی کا حق اور اسی کا اختصاص ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس اسکے سوا کسی بھی ہستی کیلئے عبادت و بندگی کی کوئی بھی قسم کس بھی شکل میں بجا لانا شرک ہوگا، جو کہ ظلمِ عظیم ہے- والعیاذ باللہ العظیم- نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ اپنے بزرگوں کیلئے ''قیومِ زمان'' اور ''قیومِ دوران'' جیسے اَلفاظ واَلقاب استعمال کرتے ہیں، وہ بڑا غلط اور بہت برا کرتے ہیں۔ کیونکہ قیوم صرف حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی صفت ہے اور بس، زمان ومکان وغیرہ سب کچھ اسی کی شان قیومیّت سے قائم وباقی ہے اور ہر چیز کا وجود اسی کی رحمت وعنایت کا مرہونِ منت ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - پس ''حی'' اور ''قیوم'' کی یہ دو صفتیں بڑی قطعی اور واضح دلیل ہیں اس کی وحدانیت اور اس کے معبودِ برحق ہونے کی۔

۴ قرآنِ حکیم ایک بے مثل کتاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اسی نے اتاری آپ پر یہ کتاب یعنی قرآنِ حکیم، جو سراسر حق وصدق ہے، اس کے اندر جو کچھ بیان فرمایا گیا وہ بھی عینِ حق وصواب ہے۔ خلقِ خدا کی ہدایت و رہنمائی کے جس عظیم الشان مقصد کیلئے اس کو نازل فرمایا گیا ہے، وہ بھی نہایت عظیم الشان مقصد اور عینِ حق و صواب ہے، اور حفاظت کے جس بے مثل نظام کے ساتھ اس کو اشرف الملائکہ کے ذریعے اشرف الرسل پر اتارا گیا ہے، وہ بھی بے مثال اور قطعی طور پر حق وصواب ہے۔ پھر جس طرح اس کو اتارنے والی ذاتِ اقدس واعلیٰ کی عظمت

شان اور جلالتِ قدر کا کوئی کنارہ نہیں۔ اسی طرح اس کے اس کلامِ حق ترجمان کی عظمتوں اور بلندیوں کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں۔ بے مثل اور بے مثال رب نے بے مثل و بے مثال کتاب نازل فرما کر اپنی مخلوق پر بے مثل و بیمثال کرم فرمایا۔ پس کتنے ہی بدنصیب اور محروم ہیں وہ لوگ جو اس کتابِ عزیز کا انکار کرتے اور اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۵ تورات وانجیل سے مقصود ومراد؟: - واضح رہے کہ تورات وانجیل سے مراد وہ کتاب نہیں ہے جو کہ آج بائبل کے نام سے موجود ومعروف ہے۔ اور جو "عہد نامہ قدیم" اور "جدید" پر مشتمل ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کتابیں الہامی نہیں ہیں، بلکہ ان میں زیادہ حصہ انسانی عمل کا نتیجہ ہے۔ مثلاً "عہد نامہ قدیم" جو اس وقت دنیا میں موجود ومعروف ہے وہ دراصل عزرا کاہن (حضرتِ عزیر) کی مرتب کردہ کتاب ہے، جو انہوں نے اپنی قوم کے کچھ دوسرے بزرگوں کی مدد سے مرتب کی تھی، جبکہ بخت نصر کی طرف سے یروشلم کی تباہی کے ایک عرصہ بعد بنی اسرائیل کے بچے کھچے لوگ بابل کی اسیری سے رہائی پانے کے بعد واپس یروشلم آئے تھے، اور بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ تو اس طرح بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی گئی، جو اب موجودہ بائبل کی پہلی سترہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اور اس تاریخ کے چار ابواب یعنی "خروج"، "احبار"، "گنتی"، اور "استثناء" حضرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی سیرت پر مشتمل ہیں، اور اس سیرت کے ضمن میں ہی تاریخِ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسبِ موقع درج کر دی گئیں، جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔ پس اب تورات دراصل انہی منتشر اجزاء کا نام ہے، جو سیرتِ موسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - میں بکھرے ہوئے ہیں، جن کو اس طرح تلاش کیا جا سکتا ہے، کہ اس تاریخی بیان کے دوران جہاں کہیں سیرتِ موسوی کا مصنف کہتا ہے کہ "خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا" یا "موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یوں کہتا ہے"، وہیں سے تورات کا کوئی جزء شروع ہوتا ہے۔ پس اہلِ کتاب کی تحریفات کے باوجود تورات کا جو کچھ حصہ مل سکتا ہے وہ اسی طرح سے مل سکتا ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے۔ اسی طرح انجیل کا حال بھی یہی ہے، کہ آج "متی"، "مرقس"، "لوقا" اور "یوحنا" کے نام سے جو "اناجیلِ اربعہ" دنیا میں موجود ہیں، وہ دراصل انسانی تصنیفات ہیں، جو حضرتِ عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے ایک زمانہ بعد لکھی گئی ہیں۔ بلکہ حقیقی انجیل دراصل آپؑ کے وہ الہامی خطبات اور اقوال ہیں جو آپ نے اپنی زندگی کے آخری اڑھائی تین سالوں میں بطورِ نبی ارشاد فرمائے تھے، اور ان میں سے جس قدر ارشادات بعد کے لوگوں کو زبانی یا تحریری طور پر کسی بھی طرح مل سکے، ان کو انہوں نے ان "اناجیل" کی تصنیف کے دوران ان تاریخی واقعات کے ضمن میں حسبِ موقع درج کر دیا، جن کو انسانی کلام سے ممیز کرنے کا کوئی ذریعہ بعد کی دنیا کیلئے اس کے سوا نہیں رہ جاتا کہ جہاں سیرتِ عیسوی کا مصنف کہتا ہے کہ "مسیح نے یہ فرمایا" یا "انہوں نے لوگوں کو یہ تعلیم دی" یا "خداوند نے مسیح کو یوں فرمایا" صرف وہی اجزاء اصل انجیل ہیں۔ پس اسی طرح کے منتشر اجزاء وہ الہامی کلام ہے جو انجیل میں موجود ہے، اور جن کی قرآنِ حکیم تصدیق کرتا ہے، نہ کہ ان

تاریخی واقعات کے اس مجموعے کی جو کہ انسانی تصنیف وتالیف ہے کہ وہ الہامی نہیں انسانی کلام ہے، اور انجیل کے اندر موجود ومنتشر ان الہامی اجزاء کو اگر یکجا مرتب کر کے دیکھا جائے تو ان کے اور قرآنی تعلیمات کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ملے گا کہ ان دونوں کا منبع ومصدر درحقیقت ایک ہی ہے۔ مگر لوگوں کے ہاتھوں نے اس کو بندوں کے کلام میں خلط ملط کر دیا ہے۔ اور اس طرح اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا - والعیاذ باللہ- جل وعلا

۶ **''الفرقان'' سے مقصود ومراد؟:** - یعنی قرآنِ حکیم، جو کہ حق و باطل کے درمیان فرق کو پوری طرح واضح کرنے والا ہے (روح، خازن، صفوۃ، وغیرہ) اور اس حد تک واضح کرنے والا ہے کہ کسی کیلئے بھی کوئی خفاء وغموض باقی نہیں رہ جاتا۔ سوائے ان لوگوں کے، جن کے دل ودماغ مقفل ہیں اور جو عناد وہٹ دھرمی کے روگی ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - (روح البیان، خازن، صفوہ، وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد معجزات ہیں کہ ان سے بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ جبکہ بعض حضرات اہلِ علم نے کہا کہ اس سے مراد میزانِ عدل وشریعت ہے، جس سے لوگوں کے حقوق کی تعیین اور ان کی ادائیگی کا انتظام ہوتا ہے اور جس کا ذکر سورۂ حدید میں فرمایا گیا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ الآیۃ [الحدید۔ ۲۵] یعنی ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان بھی تا کہ لوگ انصاف قائم کر سکیں۔ (محاسن التاویل) جبکہ بعض حضرات نے کہا کہ اس ''فرقان'' سے مراد وہ عقل صحیح وسالم ہے جو حق و باطل اور صحیح وغلط کے درمیان فرق وتمیز کرتی ہے۔ (المراغی)۔ سو لفظِ ''فرقان'' اپنے عموم کے لحاظ سے اگرچہ ان سب ہی مفاہیم کو شامل ہے اور یہ سب ہی مطالب اسکے دائرہ میں آتے ہیں لیکن اس کا واضح مصداق قرانِ حکیم ہی ہے، جس میں سب کے حقوق اور ان کے دوائر کو پوری طرح واضح اور متعین کر دیا گیا۔ اور باقی تمام احتمالات بھی اس کے ماتحت آتے ہیں، اور اپنی اپنی جگہ وہ سب ہی صحیح اور درست ہیں۔ بہرکیف قرآنِ حکیم وہ فرقانِ حمید ہے جس سے حق اور باطل پوری طرح واضح ہو کر اور نکھر کر ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا۔

۷ **کافروں کیلئے بڑا سخت عذاب:** - کہ ان کا جرم بہت بڑا اور نہایت سنگین ہے۔ اس لئے کہ حق کا انکار ہر خیر سے محرومی کا باعث، اور ہر شر وفساد کی جڑ بنیاد ہے۔ اس لئے ایسے لوگ سخت اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہونگے، جس کا اس جہان میں تصور کرنا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور یہ اس لیے کہ یہ سارا جہاں عدل وقسط پر قائم ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان وصفت ہے کہ وہ ''قائم بالقسط'' ہے اور اس عدل وقسط کا قیام دینِ حق کے ماننے اور اسکی سچی تعلیمات کو روبعمل لانے ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔ سو جو لوگ دینِ حق کا انکار کرتے ہیں وہ درحقیقت اس جہاں کی تباہی اور اسکی خرابی کے درپے ہیں اور اللہ پاک کی تخلیق کے اس عظیم الشان شاہکار اور حکمتوں اور نعمتوں بھرے اس جہاں کی تباہی وبربادی ایک بڑا ہولناک اور نہایت سنگین جرم ہے۔ اس لیے ایسے منکروں کیلئے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ سو کفر وانکار محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور ایمان دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔

السَّمَآءِ ۭ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ

آسمان (کی بلندیوں) میں ۸ وہ (وحدہٗ لاشریک) وہی ہے جو تمہاری صورت گری فرماتا ہے تمہاری ماؤں کے رحموں کے

یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۶﴾ هُوَ

اندر، جیسے چاہتا ہے ۹ کوئی معبود نہیں سوائے اس (وحدہٗ لاشریک) کے، جو بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے،

الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ

وہ وہی ہے جس نے آپ پر یہ (عظیم الشان) کتاب اتاری، جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، ۱۰

هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ

جو کہ اس کتاب کی اصل بنیاد ہیں، ۱۱ جب کہ اس کی کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں، ۱۲ سو جن لوگوں کے

۸ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ذکر و بیان:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ پس جس طرح اس کا اقتدار کامل ہے، اسی طرح اس کا علم بھی محیط و کامل ہے۔ لہٰذا نہ کوئی اس سے چھپ سکتا ہے اور نہ اس کی پکڑ سے بچ سکتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - نیز یہاں سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو اللہ ایسی شان اور قدرت کا مالک ہے اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے طرح طرح کے وسیلے اور واسطے گھڑنا، جس طرح کہ اہلِ بدعت وغیرہ کرتے ہیں سخت بے جا بات اور ایک گمراہ کن مشرکانہ فلسفہ ہے۔ سو وہ وحدہٗ لاشریک اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور وراء الوراء ہے، اسکو اسی طرح مانا جائے جیسا کہ وہ خود بتائے یا اس کا رسول بتائے -سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس طرح کے تصوات اس کے حق میں قائم کرنا، گمراہیوں کی گمراہی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ-اسی لئے اس وحدہٗ لاشریک کیلئے اپنی طرف سے مثالیں گھڑنے سے صاف اور صریح طور پر منع فرمایا گیا ہے کہ وہ خالق ہے اور دائرۂ مخلوق سے وراء الوراء ہے-سبحانہٗ وتعالیٰ- اس کو ویسا ہی مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے- علیہ الصلوٰۃ والسلام- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے راہِ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے، آمین

۹ خلقتِ انسانی قدرت کا ایک عظیم الشان شاہکار:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ انسانوں کی تخلیق اور صورت گری حضرتِ خالق -جل مجدہٗ- کی قدرت وحکمت کا ایک عظیم الشان شاہکار اور بے مثل نمونہ ومظہر ہے سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ وہی ہے جو ماؤں کے رحموں کے اندر تمہاری صورت گری فرماتا ہے جو اس کی قدرت وحکمت اور اس کی رحمت وعنایت کا ایک عظیم الشان و بے مثل اور محیر العقول نمونہ ومظہر ہے۔ اس لئے تمہاری فطرت اور فطرت کے تقاضوں سے جس طرح وہ وحدہٗ لاشریک واقف وآگاہ ہو سکتا ہے، اس طرح نہ دوسرا کوئی ہو سکتا ہے اور نہ خود تم ہو سکتے ہو، کہ کسی کیلئے بھی ایسی واقفیت وآگہی ممکن نہیں۔ اس لئے اس کی ہدایت و رہنمائی پر اعتماد کئے بغیر تمہارے لئے کوئی چارۂ کار نہیں

کہ اسکے بغیر راہِ حق وصواب میسر آ ہی نہیں سکتی۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جس ذاتِ اقدس نے استقرارِ حمل سے لیکر اس کے بعد کے مختلف مراحل میں تمہاری زیست و بقاء اور جسمانی نشوونماء کیلئے اس طرح کا عظیم الشان اور بے مثل انتظام فرمایا ہے، کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ تمہاری روحوں کی غذا کا انتظام نہ فرمائے۔ جبکہ جسم کے مقابلے میں اصل اور مقصود روح ہی ہے؟ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جب تمہاری اس تخلیق اور صورت گری میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں تو پھر اسکی عبادت و بندگی میں کوئی اس کا شریک وسہیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ سوانسان اگر خود اپنی ذات، اپنے آغاز، اور اپنے جسم و جان ہی میں غور کرے تو اس کو حضرتِ حق کے وجود باجود، اس کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ، اور رحمت و عنایتِ شاملہ کے ایسے قطعی اور عظیم الشان شواہد ملیں گے کہ یہ دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کے حضور جھک جھک جائے، لیکن مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان اس کی طرف غور کرتا ہی نہیں۔ اس کی ساری تگ و دو اپنے بطن وفرج کی شہوات وخواہشات میں گھر کر اور اُلجھ کر رہ گئی ہے۔ اور اس حد تک کہ اس نے جوہرِ عقل کے اس عظیم الشان اور بے مثال عطیہ خداوندی کو اس کے اصل مقصد کی بجائے بطن وفرج اور اس کے تقاضوں کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وتعالیٰ۔ سوانسان کا وجود اور اس کی شکل وصورت خالق کی قدرت وحکمت کا ایک عظیم الشان مظہر ونمونہ ہے۔

۱۰ "محکم" کا معنیٰ اور اس سے مراد؟:۔ سو ایسی آیاتِ کریمات وہ ہوتی ہیں جن کے مفاہیم واضح، اور ان کی مراد متعین ہوتی ہے۔ اور ان کے مفہوم و مراد کو سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ "محکم" اِحکام سے ماخوذ ہے۔ جس کے اصل اور لغوی معنیٰ پختگی اور مضبوطی کے ہوتے ہیں۔ سو اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کی سب ہی آیات محکم اور پختہ ہیں، کہ وہ سب ہی اپنے ظاہر و باطن، الفاظ و معانی، تراکیب و مبانی، اور اپنے مطالب و مقاصد، کے اعتبار سے نہایت مضبوط اور محکم ہیں، جن میں کسی طرح کا کوئی خلل اور فتور راہ نہیں پاسکتا۔ سو اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کی سب ہی آیات محکم ہیں۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ارشاد فرمایا گیا ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ [ہود۔۱] یعنی "یہ ایک ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس کی آیتوں کو محکم بنایا گیا پھر ان کی تفصیل کی گئی ایک ایسی ذات اقدس واعلیٰ کی طرف سے جو کہ نہایت ہی حکمت والی، انتہائی باخبر ہے"۔ اور دوسرے معنیٰ "محکم" کے واضح اور ظاہر کے ہیں۔ یعنی جس کا معنیٰ و مطلب ایسا ظاہر و واضح ہو کہ اسکے سمجھنے میں کوئی دقت و دشواری نہ ہو۔ سو اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کی آیتیں دو قسم پر ہیں۔ ایک وہ جن کے معانی و مطالب ظاہر و واضح ہیں۔ اور دوسری وہ جو ایسی نہیں ہیں۔ سو اسی اعتبار سے یہاں فرمایا گیا کہ قرآنِ حکیم کی آیات دو قسم پر ہیں۔ "محکم" اور "متشابہ"، یعنی انہیں سے کچھ تو وہ آیاتِ کریمات ہیں جن کے معانی و مطالب ظاہر اور واضح ہیں، اور کچھ اس کے برعکس دوسری نوعیت کی ہیں۔ جن کے یا تو سرے سے اصل معنیٰ ہی معلوم نہیں یا ان کے معنیٰ مراد واضح نہیں۔ یہ دونوں قسم کی آیتیں برحق اور منزل من اللہ ہیں اور دونوں ہی اللہ پاک کی عظمت وحکمت کے مظہر ونمونہ ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱ محکم آیتیں، ہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں:۔ کہ ہدایت و رہنمائی کے جس مقصدِ عظیم کیلئے قرآنِ حکیم کو نازل فرمایا گیا ہے، اس کا تعلق انہی آیاتِ کریمات سے ہے۔ اور طالبِ حق کیلئے ایمان اور عملِ صالح جو کہ اصل مدارِ نجات ہے، کے بارے میں کوئی خفاء وتشنگی باقی نہیں رہ جاتی۔ ایمان واخلاق، عبادات ومعاملات، عقائد واعمال، اور فرائض و واجبات وغیرہ سب کچھ جو کہ ایک انسان کے عمل اور اس کی ہدایت اور فلاح ونجات کیلئے ضروری اور اس کے لئے مطلوب ہے، وہ سب انہی

آیاتِ محکمات کے ذریعے بتمام وکمال واضح فرما دیا گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ سوان آیات کریمات کی حیثیت اصل اور "ام الکتاب" کی ہے۔ اور باقی ساری آیات کا مرجع ومرکز یہی "محکمات" ہوتی ہیں۔ ساری بحث کا دارومدار انہی پر ہوتا ہے۔ باقی تمام شاخیں انہی سے پھوٹتی ہیں۔ اگر کوئی نزاع اور خلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی انہی کی کسوٹی پر پرکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ پھر انہی آیاتِ محکمات کا یہ درجہ ومقام ہے کہ ان کو اصول قرار دے کر ان سے مسائل مستنبط کئے جائیں اور ان مسائل پر اسی طرح اعتماد کیا جائے جس طرح اصولوں پر کیا جاتا ہے۔ سو یہی صحت وسلامتی کی راہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۱۲ "متشابہ" کا معنیٰ اور اس سے مراد؟: ۔ "محکم" کی طرح متشابہ کی بھی دو صورتیں، اور دو قسمیں ہیں، اور اس کے بھی دو معنی ومطلب بنتے ہیں۔ ایک یہ کہ "متشابہ" کے معنیٰ ہوں "تشابہ" اور "مشابہت" والی۔ یعنی باہم ایک جیسی اور آپس میں ملتی جلتی۔ سو اس اعتبار سے قرآنِ حکیم کی سب ہی آیات "متشابہ" ہیں۔ یعنی وہ اپنی عمدگی وتاثیر، صداقت وحقانیت، اعجاز وبلاغت، اور کمال وجامعیت وغیرہ صفاتِ حمیدہ اور خصائص ومزایا، اور کلامِ الٰہی ہونے کے اعتبار سے باہم دیگر متشابہ اور ایک جیسی ہیں۔ ان میں باہم کوئی فرق واختلاف نہیں۔ سو اسی بناء پر اس پوری کتابِ حکیم کو "متشابہ" قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ زمر میں اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ﴾ الآیۃ [الزمر۔۲۳] یعنی اللہ ہی نے نازل فرمایا ہے یہ سب سے عمدہ کلام ایک ایسی عظیم الشان کتاب کی صورت میں، جس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی، اور دہرائی جانے والی ہیں۔ اور دوسرا معنیٰ "متشابہ" کا یہ ہے کہ یہ "تشابہ" اور "اشتباہ" کے معنیٰ میں ہو۔ یعنی ان کے معانی ومطالب سے متعلق اشتباہ پایا جاتا ہو۔ سو اس اعتبار سے قرآنی آیات دو قسم پر ہیں۔ ایک "محکم" اور دوسری "متشابہ" جیسا کہ یہاں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ سو اس اعتبار سے "متشابہ" سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنیٰ مراد واضح نہ ہوں۔ خواہ اس اعتبار سے کہ ان کی دلالت علی المعنیٰ ہی واضح نہ ہو، جیسا کہ حروفِ مقطعات ہیں کہ ان کی کسی خاص معنیٰ مرادی پر کوئی دلالت ہی واضح نہیں۔ اس لئے کہ "الٓمّٓ" یا "الٓرٰ"، "طٰهٰ" یا "طٰسٓمّٓ" وغیرہ کے کوئی خاص معنیٰ ان کی دلالتِ لغوی کے اعتبار سے واضح نہیں۔ اسی لئے ان کے بارے میں راجح قول حضراتِ اہلِ علم کا یہی ہے کہ "اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ" کہ "ان کی مراد اللہ ہی بہتر جانتا ہے"۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ یا یہ ہو کہ لغوی معنیٰ تو واضح ہوں مگر معنیٰ مراد واضح نہ ہوں، جیسا کہ ﴿یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ اور ﴿بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتَانِ﴾ اور ﴿وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ﴾ اور ﴿وَیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ﴾ وغیرہ آیاتِ کریمہ میں ہے، کہ ان میں واردشدہ الفاظ "یَدٌ"، "نَفْسٌ"، اور "وَجْهٌ" وغیرہ کے لغوی معنیٰ تو معلوم ومفہوم اور واضح ہیں، مگر ان کے وہ معانی ومفاہیم حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کیلئے نہیں لئے جا سکتے جو مشہور ومعروف ہیں، کیونکہ ان کے یہ مشہور ومعروف معانی ومفاہیم تو مخلوق کیلئے ہیں۔ جبکہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کی شانِ اقدس واعلیٰ اس سے پاک، بالا، اور وراء الوراء ہے۔ کہ وہ خالق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس اس کے لئے صحیح طریقہ اور سلامتی کی راہ یہی ہے کہ حضرتِ حق کے بارے میں ان الفاظ وکلمات کے معانی ومفاہیم سے متعلق یوں کہا جائے کہ "جیسا کہ اس کی شانِ اقدس واعلیٰ کے لائق ہے"۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور حضراتِ سلف سے بھی یہی منقول ہے۔ اور یہی مخاوف ومحاذیر سے محفوظ اور سلامتی کی راہ ہے۔ بہرکیف "متشابہ" کے دو معنیٰ اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ اور یہ دونوں اپنے طور پر اور اپنے اپنے دائرے میں صحیح ہیں، جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزرا۔ والحمد للہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور ان دونوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ ابۡتِغَآءَ

دلوں میں کجی (اور ٹیڑھ) ہے، وہ اس کی انہی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں، جو کہ متشابہ ہیں، فتنہ (وفساد) کی تلاش میں ۱۳۱ اور ان (سے

الۡفِتۡنَۃِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِہٖ ۚ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا

اپنی مرضی) کا مطلب نکالنے کے لئے حالانکہ ان کا (حقیقی) مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ (وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡک)

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۳۱ ''زائغین'' کا طریقہ ''متشابہات'' کے پیچھے پڑنا:- سو ایسے لوگ ''متشابہ آیات'' کے پیچھے لگتے ہیں، تاکہ اس طرح وہ اپنے عقائدِ باطلہ، اور خیالاتِ فاسدہ کی تائید و تصدیق کا مواد جمع کر کے ان نصوص کو خلقِ خدا کے اِغواء و اِضلال کے مقاصدِ خبیثہ کیلئے استعمال کر سکیں- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ - اسی لئے نبیٔ اکرم - ﷺ - نے ایسے لوگوں سے بچنے اور ان سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ام المومنین حضرتِ عائشہ - رضی اللہ عنہا - سے مروی ہے کہ آنحضرت - ﷺ - نے آپؓ سے ارشاد فرمایا کہ ''عائشہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو کہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں، تو جان لو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں فرمایا ہے''۔ پس تم ان سے بچ کر رہنا، (بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ آلِ عمران)۔ اسی لئے جیسا کہ مسندِ دارمی میں مروی ہے کہ حضرت عمر - رضی اللہ عنہ - نے صبیغ بن علی نامی ایک شخص کی ایسے ہی سوالات کرنے پر سخت پٹائی کی تھی۔ یہاں تک کہ اس کے سر کو لہولہان کر دیا تھا، اور اس کو آپ نے تب چھوڑا جبکہ اس نے کہا کہ ''حضرت بس کیجئے، معاف کیجئے، اب میرے دماغ سے وہ خمار اتر گیا ہے''۔ (تفسیر القاسمی ج ۱ ۹۹) اسی لئے حضرت ابنِ عباسؓ سے جب کوئی شخص اس طرح کے سوالات کرتا تو آپ اس کو فرماتے کہ تم اس لائق ہو کہ تمہارے ساتھ وہی حشر کیا جائے جو حضرتِ عمر نے صبیغ بن علی کے ساتھ کیا تھا۔ (القاسمی ج ۲ ص ۳۸)۔ بہر کیف ''متشابہات'' کے پیچھے لگنا ''زائغین'' کا طریقہ ہے، اور اس طرح ان بدبختوں نے طرح طرح کے ہولناک فتنوں کے دروازے کھولے- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وَعَلَا - مثال کے طور پر قرآنِ پاک میں حضرتِ عیسیٰ کو ''کلمۃ اللہ''، ''اللہ کا فرمان'' قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی بات ان کے بارے میں انجیل میں بھی فرمائی گئی۔ یعنی قرآن اور انجیل دونوں میں۔ آنجناب کو اللہ کا فرمان قرار دیا گیا ہے اور اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ چونکہ آپؑ کی ولادت فطرت کے عام قاعدے اور معروف ضابطے کے خلاف باپ کے واسطے کے بغیر محض والدہ ماجدہ سے ہوئی تھی، اس لئے آپؑ کو ''کلمۃ اللہ''، ''اللہ کا فرمان'' قرار دیا گیا کہ آپؑ کی ولادت باسعادت محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کن'' سے ہوئی تھی مگر ''زائغین'' نے اس لفظ کو من مانے معنیٰ پہنا کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ یہاں تک کہ اسی بناء پر دینِ عیسوی کا حلیہ بگاڑ دیا اور اس کو دینِ توحید سے بدل کر شرک کا پلندہ اور ایک گورکھ دھندا بنا کر رکھ دیا جو نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ

کے ۱۴ اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر (اللہ کی مراد کے مطابق) ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب کی

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

طرف سے ہیں، اور (حقیقت یہ ہے کہ) سبق وہی لوگ لیتے ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں ۱۵ (اور وہ دعاء کرتے ہیں کہ)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ

اے ہمارے رب، پھیر نہ دینا ہمارے دلوں کو (راہ حق وصواب سے،) اس کے بعد کہ تو (اپنے کرم سے) ہمیں نواز چکا ہے

لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

(حق و) ہدایت (کی دولت) سے اور عطاء فرما دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت بے شک تو (اے ہمارے مالک!) بڑا ہی بخشنے والا

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ

(سب کچھ عطاء کرنے والا) ہے ۱۶ اے ہمارے رب بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو ایک ایسے (ہولناک اور)

۱۴ ''متشابہات'' کی مراد اللہ ہی جانتا ہے:۔ یعنی وقفِ لازم لفظِ جلالہ ''اللہ'' پر ہے۔ اور آگے ''وَالرَّاسِخُوْنَ'' الخ جملہ مستانفہ ہے۔ اور یہی قول جمہور علماء ومفسرین کا ہے۔ جیسے حضرت ابنِ عباس، ابنِ عمر، ابنِ مسعود، ابی بن کعب، عروۃ بن الزبیر، ام المومنین حضرت عائشہ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرتِ حسن بصریؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کا، کہ ان سب حضرات کے نزدیک ''متشابہات'' کا علم صرف حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کو ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور ''راسخین فی العلم'' اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ سب حق اور سچ ہے، اور ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے۔ سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ ''محکم آیات'' پر چونکہ ہمیں عمل کرنا تھا اس لئے اس کی مراد واضح فرمادی گئی جبکہ ''متشابہات'' پر ہمارا کوئی عمل موقوف نہیں تھا۔ اس لئے اسکی توضیح و تعیین نہیں فرمائی گئی۔ اور جمہور کا یہی قول حنفیہ کے یہاں بھی معتبر ومختار ہے۔ (روح، مظہری، قرطبی، کبیر، القاسمی، المعارف، جواہر، اور مراغی، وغیرہ)۔ جبکہ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ وقفِ لازم لفظِ جلالہ پر نہیں، بلکہ لفظ ''علم'' پر ہے۔ یعنی ''راسخین فی العلم'' بھی اس کی تفسیر وتاویل کو جانتے ہیں، مگر یہ قول پہلے قول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔ تفصیل مطولات میں ان شاء اللہ۔ مفصل تفسیر لکھنے کا موقع اگر ملا تو اس میں اس بارے میں پوری تفصیلی بحث کی جائیگی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ ۔ بہر کیف کتابِ حکیم کی آیاتِ کریمات دو طرح ہیں ''محکم'' اور ''متشابہ''۔ ''محکمات'' کا تعلق چونکہ اصول ومبادی اور انسان کے عمل سے ہے۔ اس لیے ان کی مراد واضح ہے تا کہ انسان اسکے مطابق اپنے عقیدہ اور عمل کو درست کرے۔ جبکہ ''متشابہات'' پر اس کا کوئی عمل موقوف نہیں، اس لیے انکی مراد کو واضح نہیں فرمایا گیا۔ بہر کیف متشابہات کے بارے میں پہلا قول جو کہ عقل ونقل اور فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے وہ جمہور اہلِ علم کا ہے، جب کہ دوسرا قول شیعہ اور بعض متکلمین وغیرہ کا ہے۔

(تدبر قرآن وغیرہ)۔ سو متشابہات کی اصل مراد اللہ ہی جانتا ہے اور اسی کا علم کامل اور محیط ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔
۱۵ صحیح سبق عقل سلیم رکھنے والے ہی لیتے ہیں: ۔ یعنی ایسی عقول جو ہر طرح کے انحراف اور میل کچیل سے پاک صاف اور محفوظ ہیں، اور زیغ وضلال اور خواہش پرستی ونفس پرستی وغیرہ کا کوئی زنگ ان کو نہ لگا ہو۔ کہ ایسے ہی صاف ستھرے اور خالص وسلیم عقل والے لوگ صحیح سبق لیتے اور نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ورنہ جن کی عقلیں کسی طرح کے زیغ وضلال اور فساد و انحراف کا شکار ہو جاتی ہیں، ان کو نہ راہ حق سوجھتی ہے، اور نہ ہی ان کو آیات و دلائل سے سبق لینے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآن پاک ایسے مواقع میں "اُولُوا الْعُقُوْل" نہیں "اُولُوا الالباب" فرماتا ہے۔ اس لئے عام طور پر اردو تراجم میں جو اس کا ترجمہ "عقلمند" وغیرہ جیسے الفاظ سے کیا جاتا ہے وہ اس لفظ کا پورا اور مکمل ترجمہ نہیں بنتا، کیونکہ "عقل" اور "لُبّ" کے درمیان فرق ہے کہ "لُبّ" اصل میں خالص اور سلیم عقل کیلئے موضوع ہے، جبکہ عقل عام ہے۔ ہر طرح کی عقل کو شامل ہے۔ اگرچہ ہوٰی وہوس، اور زیغ وضلال کے زنگ نے اسکو کھالیا ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسی عقل کا کوئی اعتبار نہیں، کہ وہ ماؤف ہو چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے کتنے ہی لوگوں نے طرح طرح کے باطل کو اپنایا ہے، اور انہوں نے جمادات ونباتات، اور حیوانات بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر انسانی شرم گاہوں تک کی پوجا کر ڈالی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ کہ ایسے لوگوں کی عقلیں ہوٰی وہوس کی میل کچیل سے لتھڑ کر مسخ ہو چکی ہوتی ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ تو پھر ایسی عقلوں کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ سو صحیح طور پر غور وفکر کرنے اور اشیاء سے صحیح سبق لینے اور صحیح نتائج تک پہنچنے کے لیے اس عقل سلیم کی ضرورت ہوتی ہے، جو ہر قسم کی میل کچیل سے پاک صاف ہو اور اس پر کوئی زنگ نہ لگا ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ ۔
۱۶ وہّاب کا معنیٰ ومفہوم؟: ۔ یعنی "الوھاب" چونکہ مبالغے کا صیغہ ہے، اس لئے اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ سب کچھ بخشنے والا، ہر کسی کو بخشنے والا، اور بے حد وحساب عطاء کرنے والا ہے۔ اور اس کی بخشش وعطاء کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک لمحہ کے اندر اس کی نعمتوں کے جس قدر خزانے تقسیم ہو رہے ہیں، ان کی بھی نہ کوئی حد ہے نہ حساب۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نیز چونکہ یہاں پر مبتداء وخبر دونوں معرفہ ہیں، اس لئے اس میں حصر کا معنیٰ پیدا ہو گیا کہ یہ سب کچھ صرف اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ملتا ہے، جو وہ محض اپنی رحمت وعنایت سے عطا فرماتا ہے۔ جل وعلا شانہٗ۔ واضح رہے کہ اسی لفظ "وہاب" کے ساتھ جو کہ اللہ پاک کی ایک عظیم الشان صفت ہے یائے نسبت لگانے سے لفظ "وہابی" بنتا ہے جس کو اہل بدعت اہل حق کے خلاف طعن وتشنیع کے طور پر استعمال کرتے ہیں، حالانکہ یہ ایک عظیم الشان شرف ہے، کہ اس کے معنی ہیں وہّاب والا، یعنی "اللہ والا"، مگر اہل بدعت چونکہ اس کو بری نیت سے اور اہل حق کے خلاف طعن وتشنیع کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس لئے وہ دوہرا نقصان اٹھاتے ہیں کہ اس طرح ایک طرف تو یہ لوگ لاشعوری طور پر حضرات اہل حق کی حقانیت کا اقرار کرتے، اور ان کو یہ لوگ خود "اللہ والا" قرار دیتے ہیں، اور دوسرا نقصان وہ اس طرح اٹھاتے ہیں کہ چونکہ وہ "وہابی" کے اس لفظ کو طعن وتشنیع کیلئے استعمال کرتے ہیں، اس لئے اس طرح وہ اپنی محرومی اور بدنصیبی کو اور پکا کرتے جاتے ہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے شرک وبدعت کی نحوست کا کہ اس سے انسان کی مت ماری جاتی ہے، اور اس کی کھوپڑی الٹی اور اوندھی ہو جاتی ہے جس سے وہ سیدھی بات کو بھی الٹا دیکھنے لگتا ہے، اور اسطرح وہ راہ حق وہدایت سے بہک اور بھٹک کر کہیں سے کہیں جا پہنچتا ہے، جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

عظیم الشان دن میں، جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ خلاف نہیں فرماتا اپنے وعدہ کے ۱۷ بے شک جو لوگ اَڑے ہوئے

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ

ہیں اپنے کفر (باطل) پر، ان کو اللہ کے مقابلے میں نہ تو ان کے مال کچھ کام آسکیں گے، اور نہ ہی ان کی اولادیں، ۱۸

۱۷ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتا: - لہٰذا اس عظیم الشان اور ہولناک دن نے بہر حال واقع ہونا ہے، تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے۔ پس تو اے ہمارے خالق و مالک، ہمیں اپنے کرم اور اپنی رحمت و عنایت سے اس دن کی ہولنا کیوں اور ناکامیوں سے محفوظ رکھنا، اور اس کی رسوائی سے بچانا، کہ تیرے کرم اور تیری عنایت کے سوا ہمارے پاس کوئی سہارا نہیں۔ محض تیرا ہی آسرا اور سہارا ہے۔ تَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ۔ بہرکیف اس ارشاد سے ''راسخین فی العلم'' کی اس دعاء کو ذکر فرمایا گیا ہے، جو وہ اپنے رب کے حضور اپنے ایمان و یقین کی دولت کی حفاظت کے لئے کرتے ہیں۔ سو اس کے حضور عرض کرتے ہیں کہ راہ حق میں ان کے جمے ہوئے قدم کبھی اور کہیں اکھڑنے اور راہِ حق سے ہٹنے اور پھرنے نہ پائیں۔ اور فتنوں کے مقابلے میں وہ خدائے وہاب ہمیشہ اپنی ایسی روحانی کمک سے ان کو نواز دے جو ان کو راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ بہرکیف یہ ''راسخین فی العلم'' کی دعاء ہے جو وہ اپنے رب کے حضور کرتے ہیں تاکہ وہ راہِ حق پر ثابت قدم رہیں اور ان کے جمے ہوئے قدم کبھی اکھڑنے نہ پائیں۔ سو وہ رجوع الی اللہ کی دولت سے بھی پوری طرح سرشار ہوتے ہیں جو ان کا اصل سہارا ہوتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔

۱۸ اہلِ کفر و باطل کا انجام نہایت ہولناک - والعیاذُ باللہ: - سو اہلِ کفر کا انجام نہایت ہی ہولناک ہوگا اور ان کو اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال کچھ کام آسکیں گے اور نہ ان کی اولادیں۔ جن کا یہ اپنے طور پر بڑا زعم اور گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اور اعلانیہ اور فخریہ طور پر کہتے ہیں۔ ﴿نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا﴾ - [سبا۔۳۵] کہ ''ہم مال و دولت میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں اور آل اولاد میں بھی''۔ لہٰذا ہم ٹھیک اور ہمارا راستہ بھی ٹھیک۔ ورنہ ہمیں یہ سب کچھ کیوں ملتا؟ اور جب ہم ایسے اور اس قدر مال و دولت اور آل و اولاد رکھنے والے ہیں تو پھر کوئی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے، مگر حقیقت میں یہ محض ایک دھوکہ ہے جو شیطان اور اس کے اعوان و انصار کی طرف سے ان لوگوں کو دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ قدر و قیمت اصل میں حق کی، اور حق کے قبول کرنے کی ہے، نہ کہ متاع دنیا کے اس حطامِ زائل کی۔ البتہ اس مال و متاعِ دنیا کی قدر و قیمت اس صورت میں ہو سکتی ہے، جبکہ حق کو قبول کرنے کے بعد اس کو راہِ حق میں، اور اپنے خالق و مالک کی رضا کی طلب میں صرف و خرچ کیا جائے، کہ اس صورت میں یہ عارضی اور فانی اشیاء بھی دائمی اور قیمتی بن جائیں گی۔ اور اگر یہ چیزیں اس کے برعکس حق کی قبولیت کی بجائے اس کی راہ میں رکاوٹ بن جائیں، تو پھر یہ الٹا دائمی عذاب کا باعث بن جائینگی، اور یہ سب سے بڑا خسارہ اور انتہائی ہولناک نقصان ہے۔ اور اتنا بڑا اور اس قدر ہولناک خسارہ کہ اس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ

اور یہی لوگ ہیں جو ایندھن ہوں گے (دوزخ کی) اس ہولناک آگ کا ۱۹ (یہ لوگ اپنے حال ومآل کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں)

فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ

جیسا کہ فرعون والے اور وہ لوگ تھے جو کہ ان سے بھی پہلے گزر چکے ہیں ۲۰ کہ انہوں نے بھی جھٹلایا ہماری آیتوں کو، جس کے نتیجے میں

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

اللہ نے (آخر کار) ان کو پکڑا، ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے ۲۱ کہہ دو ان لوگوں سے جو اڑے ہوئے ہیں

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی

اپنے کفر (و باطل) پر کہ عنقریب ہی تم کو (اس دنیا میں بھی) مغلوب ہونا ہے ۲۲ اور (پھر قیامت کے روز) تم کو ہانک کر لے جایا جائے گا

۱۹ کافر و منکر لوگ دوزخ کا ایندھن - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں جو ایندھن ہونگے دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ کا کہ انہوں نے اپنے مال و متاع پر نظر کرتے ہوئے، اور اس کے زعم اور گھمنڈ میں مبتلاء ہو کر دولتِ حق اور راہِ صدق و صواب سے منہ موڑ لیا۔ اور اس طرح انہوں نے دائمی ناکامی اور ابدی خسران کو اپنے گلے کا ہار بنا دیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اور یہ سب کچھ چونکہ انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار سے اور از خود کیا، اس لئے یہ اپنی اس ابدی ناکامی اور دائمی خسارہ کے ذمہ دار خود ہیں۔ سو دنیاوی مال و دولت اور جاہ و اقتدار کا یہ پہلو بڑا ہی خطرناک اور سخت نقصان دہ ہے کہ اس کی بناء پر انسان تکبر میں مبتلاء ہو کر راہِ حق و صواب سے اعراض کرتا، اور منہ موڑ لیتا ہے۔ اور ایسی ضد اور ہٹ دھرمی میں مبتلاء ہو جاتا ہے کہ وہ کلمۂ حق و ہدایت کو سننے اور ماننے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ دائمی خسارہ و ہلاکت کے عمیق گڑھے اور گہری کھائی میں جا گرتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - سو ایسے لوگوں کے لئے یہاں پر صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو حساب و کتاب کے اس یوم عظیم میں ان کے مال و اولاد کچھ بھی کام نہ آسکیں گے اور یہ دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ میں ہمیشہ کے لئے ایندھن بنیں گے جہاں ان کو ہمیشہ کے لئے رہنا اور جلنا ہوگا۔ نہ ان سے وہاں کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ہی یہ اس سے کسی طرح چھٹکارا پاسکیں گے، اور نہ ہی ان کو وہاں پر موت آئے گی کہ کسی طرح ان کو وہاں سے رہائی مل سکے۔ سو کفر و انکار ہلاکتوں کی ہلاکت اور محرومیوں کی محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم -

۲۰ کفر و انکار کے جرم کا نتیجہ ہولناک تباہی، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ اپنے حال و مآل دونوں کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسا کہ فرعون والے اور وہ لوگ تھے جو کہ ان سے بھی پہلے گزر چکے تھے۔ جیسے قوم نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ لوط وغیرہ کہ یہ سب لوگ کفر و انکار کے اپنے مشترکہ جرم کی بناء پر اپنے

اپنے وقتوں پر اپنے اپنے انجام کو پہنچ کر رہے۔ اور مال و دولت کی کثرت، اور اولاد اور جتھوں کی بہتات۔ جس کا ان کو بڑا زعم اور گھمنڈ تھا۔ وہ اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ سو ان لوگوں کے قصوں اور ان کے عبرتناک انجاموں، درد بھری داستانوں، میں دورِ حاضر کے کافروں اور منکروں کیلئے بڑا درسِ عبرت اور سامانِ بصیرت ہے، مگر اس سے فائدہ وہی اٹھا سکتے ہیں، جن کے دل زندہ ہوں اور جن کے کان کلمۂ حق سننے کیلئے کھلے ہوں۔ اور جو حق کو قبول کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ ورنہ پتھر پر جونک بھلا کیسے لگ سکتی ہے۔ بہرکیف کوئی مانے یا نہ مانے۔ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ کفر و انکار کے جرم کا انجام برا اور بہت ہی برا اور ہولناک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جَلَّ وَعَلَا۔ بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ آج کے یہ منکر اسی روش پر چل رہے ہیں جس پر اس سے پہلے فرعون اور اس کی قوم اور دوسرے منکر اور کافر قومیں چل چکی ہیں۔ سو انہوں نے بھی اس طرح کے ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے جس سے وہ منکر اور کافر قومیں ہو چکی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لئے یکساں ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کفر و انکار کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۲۱ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ والعیاذ باللہ:۔ اتنا بڑا اور اس قدر سخت کہ اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ہو سکتی، اور ایسا کہ کفار کیلئے اس سے نکلنے کی تب کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ واضح رہے کہ اس میں یہ درس ہے کہ گناہوں کی سزا ان کا طبعی نتیجہ ہے جو ان پر طبعی طور پر مرتب ہوتا ہے۔ سو جس طرح طبعی قوانین پر ان کے طبعی اثرات و نتائج کا مرتب ہونا ضروری اور ایک طبعی امر ہے اسی طرح اخلاقی قوانین پر ان کے اثرات و نتائج کا ترتب ایک طبعی امر ہے، جو اپنے وقت پر بہرحال ہو کر رہتا ہے۔ پس کفار و منکرین کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ ان کو اپنے وقت پر اپنے اس طبعی انجام کو بہرحال پہنچ کر رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو جو لوگ ہلاکت و تباہی کی اس سیدھ پر چل رہے ہیں اور اپنے انجام اور نتیجۂ اعمال سے نچنت اور بےفکر ہیں وہ بڑے ہی ہولناک خسارے میں ہیں۔ معلوم ہوا کہ غفلت اور لاپرواہی و بےفکری بیماریوں کی بیماری اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنَ الْغَفْلَةِ وَاللَّامُبَالَاةِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی ہی طرف رجوع رکھنے کی توفیق و عنایت سے سرفراز رکھے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ امین ثم امین، یارب العالمین

۲۲ کفر و انکار کا نتیجہ ذلت و رسوائی والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کافروں سے کہہ دو کہ تم لوگوں کو عنقریب مغلوب ہونا پڑے گا جیسا کہ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد مشرکینِ مکہ کا حال بدر و احزاب وغیرہ کے معرکوں میں ہوا۔ اور جیسا کہ قبائلِ یہود بنوقینقاع، بنونضیر، اور بنوقریظہ کا حال مدینہ طیبہ میں ہوا کہ ان کو قتل، قید، اور جلاوطنی وغیرہ کی ذلتیں اپنے ہاتھوں کی کمائی کی بناء پر اٹھانا پڑیں، اور پھر فتحِ مکہ اور فتحِ خیبر کے بعد ان سب کی ایسی تذلیل ہوئی کہ ارضِ حرمین کو ان کے وجود اور ان کے کفر سے ہمیشہ کیلئے پاک و صاف کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد بھی جب کبھی ایسے کھلے کفر کا مقابلہ سچے اہلِ ایمان سے ہوا تو ان کو مال و دولت کی کثرت، اور مادی ذرائع و وسائل کی بہتات کے باوجود منہ کی کھانی پڑی، جیسا کہ آج بھی اس کی کئی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں، چنانچہ دورِ حاضر کی سب سے بڑی

شیطانی قوت (سپر پاور) روس نے جب اپنی مادی ترقی کے زعم و گھمنڈ میں اپنی پوری قوت اور جدید ترین اسلحہ کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا، اور اس زعم اور گھمنڈ کے ساتھ کہ آگے کوئی ہماری اس ہولناک طاقت کا مقابلہ کرنے والا نہیں، اور ہم سیدھے جا کر خلیج عرب کے گرم پانیوں تک پہنچ جائینگے، اور حسبِ منشاء ان سے استفادہ کرینگے، تو افغانستان کے وہ نہتے مسلمان جن کے پاس نہ حرب وضرب کا کوئی سامان تھا، نہ کوئی مادی اَسباب ووسائل، اور نہ کوئی فوجی تعلیم وتربیت، اور خود افغانستان کی اس وقت کی حکومت بھی اپنی بے دینی کی بناء پر، روس کی کمیونسٹ حکومت اور اسکی طرف سے بھیجی جانے والی کمیونسٹ فوج کے ساتھ تھی، اور پوری طرح اس کی پٹھو اور کٹھ پتلی بن چکی تھی، اور اسی کی دعوت پر روسی فوج افغانستان میں داخل ہوئی تھی، مگر دنیا نے دیکھا اور کھلی آنکھوں دیکھا کہ اس سب کے باوجود ان نہتے اور بے سہارا مسلمانوں نے اپنے ایمان ویقین کے بل بوتے پر وقت کی اس سب سے بڑی شیطانی سپر پاور اور اسکی بھیجی ہوئی ڈیڑھ لاکھ فوج کا مقابلہ کیا، تو اس کی اس مزاحمت کی بناء پر جو کہ محض ایمانی جذبہ وقوت پر قائم تھی، نہ صرف یہ کہ روسی خلیج کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل نہ کر سکے، بلکہ ان کو ہر طرح کے ہتھیار استعمال کرنے، اور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے، کے باوجود اپنی جان چھڑانا مشکل ہوگئی۔ یہاں تک کہ اربوں کھربوں کے مالی نقصان، اور ہزار ہا فوجیوں کے جانی خسارہ اٹھانے اور شدید ترین ذلت وخواری سے دوچار ہونے کے بعد ان کو وہاں سے واپس لوٹنا پڑا۔ اور اس حال میں کہ سوویت یونین کی اس سپر پاور کا خود اپنا وجود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور وہ دنیا کے نقشے سے ہمیشہ کیلئے مٹ گئی۔ اور یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مشرقی یورپ میں واقع اس کی ہمنوا تمام حکومتوں کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح دنیا کا نقشہ ہی بدل کر کچھ کا کچھ ہوگیا، اور دنیا بھر کے لوگ اسلام کے اس تازہ اور زندہ معجزہ کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔ اور یہی حال آج مسلم جمہوریہ چیچنیا کی معرکہ آرائی کا ہے کہ روس وہاں بھی اپنی بھرپور قوت آزمائی اور ڈیڑھ سال کی لگاتار آتش فشانی اور گولہ باری کے باوجود چیچنیا کے مسلمانوں کو زیر کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہا ہے، حالانکہ تعداد اور اَسباب و وسائل کے اعتبار سے یہ مقابلہ ایسے ہے جیسے کہ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ۔ اسی طرح قلبِ یورپ میں واقع مسلم ریاست جمہوریہ بوسنیا ہرزگوینا میں ہوا کہ کفر کے علمبرداروں کو وہاں کے نہتے اور معصوم و بے گناہ مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم ڈھانے کے باوجود ہمیشہ کی ذلت و رسوائی سے ہمکنار ہونا پڑا۔ اور اسی طرح کشمیر میں جاری مسلمانوں کی تحریکِ حریت، فلسطینی مسلمانوں کی حرکتِ انتفاضہ وغیرہ وغیرہ وہ نمونے حق و باطل کی معرکہ آرائیوں کے آج بھی ایسے موجود ہیں، کہ کفر و باطل اپنے بے پناہ مادی وسائل اور ہر طرح کے ظلم و جبر کے باوجود نہ صرف یہ کہ اہلِ حق کو زیر نہیں کر سکا بلکہ ان ایمانی تحریکوں کی بناء پر آج دنیا بھر میں ابنائے کفر و باطل پر ایک لرزہ طاری ہے۔ فَصَدَقَ اللّٰهُ الْقَائِلُ ﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران۔۱۳۹] کہ "غلبہ و سربلندی تمہارا ہی مقدر و نصیب ہے، بشرطیکہ تم اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہو"۔ سو حقیقی غلبہ اور سچی عزت حق اور اہلِ حق ہی کا مقدر ہے۔ آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی اور اس سے پہلے دنیا کی اس زندگی میں بھی۔ بس شرط اتنی ہے کہ مسلمان مسلمان ہو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال وَهُوَ الهادی اِلیٰ سواءِ السبیل۔ سو ایمان ویقین سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ اور کفر وانکار باعثِ محرومی۔ والعیاذ باللہ

جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ

جہنم (کے ہولناک گڑھے) کی طرف ۲۳ اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے ۲۴ وہ بے شک تمہارے لئے (حق و باطل کی پہچان کے لئے) بڑی

فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

نشانی تھی ان دو گروہوں (کی مڈبھیڑ) میں، جن کا (بدر کے مقام پر) باہم مقابلہ ہوا ۲۵ جن میں سے ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں (اور

وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ؕ

اس کی رضاء کے لئے) لڑ رہا تھا، اور دوسرا گروہ جو کہ کافروں کا تھا، وہ (عین معرکہ کے وقت) مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ

دیکھ رہا تھا آنکھوں کے دیکھنے کے اعتبار سے ۲۶ اور اللہ تائید فرماتا ہے اپنی مدد سے (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی بناء پر)

لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ

جس کی چاہتا ہے، بے شک اس میں بڑا سامانِ عبرت ہے چشمِ بینا رکھنے والوں کے لئے ۲۷ خوشنما بنا دیا گیا لوگوں کے لئے

۲۳ قیامت کے روز کفار کی تذلیل و تحقیر کا ایک منظر: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفار کو قیامت کے روز جانوروں کی طرح ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا یعنی جس طرح جانوروں کو ہانک کر ان کے باڑے کیطرف لے جایا جاتا ہے، ایسے ہی ان بدبختوں کو ہانک کر دوزخ کے اس ہولناک گڑھے کیطرف لے جایا جائیگا کیونکہ حق کے منکر اور اس کے دشمن اپنے آپ کو خواہ کچھ بھی سمجھیں، اور کچھ بھی کہیں، لیکن حقیقت میں وہ بہرحال جانور، بلکہ اس سے بھی کہیں بدتر مخلوق ہیں، کہ نہ وہ اپنے خالق و مالک کے آگے جھکتے ہیں، نہ اس کو پہچانتے ہیں، اور نہ انکو اپنی عاقبت و انجام کی کوئی فکر ہے۔ بس حیوانوں کی طرح اپنے پیٹوں کو بھرنا، خواہ کسی بھی طرح سے ہو، اور اپنے تن و توش کی خدمت اور بہتری کیلئے دوڑ دھوپ کرنا، جس طرح بھی ہو سکے، ان لوگوں کا مقصدِ حیات ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے لوگ حق سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس سے روکنے اور محروم کرنے کی فکر و کوشش کرتے ہیں، جو کہ ایک حیوان کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے ایسے لوگ ان سے بھی برے ﴿شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ اور "بدترین مخلوق" ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [الانفال۔۵۵] "بیشک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر (و باطل) پر اڑ گئے، پھر وہ ایمان نہیں لائے"۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ﴾ [البینۃ۔۶]۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہاں پر ان کافروں سے مراد یہودِ مدینہ ہیں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن سے حضورﷺ نے غزوۂ بدر کے معرکے کے بعد فرمایا تھا کہ تم لوگ ایمان لے آؤ تاکہ ایسے انجام سے بچ سکو، تو انہوں نے کہا محمد اپنی قوم کے ان جاہل اور گنوار لوگوں پر غلبے سے دھوکے میں نہیں پڑنا ہم سے جب مقابلہ ہوگا تو پتہ چل جائے گا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ تو اس سے ان کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ان سے کہو کہ تم دنیا میں بھی مغلوب ہوؤ گے اوراس کے بعد آخرت میں بھی تمہیں ہانک کر دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ کی طرف لے جایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اسکے کچھ ہی عرصہ بعد یہود و بنوقریظہ کو انکی خیانت و بددیانتی کی بناء پر قتل کیا گیا اور بنونضیر کو جلاوطن کیا گیا۔ خیبر بھی فتح ہوگیا اور باقی ماندہ یہود پر جزیہ عائد کردیا گیا۔ سو اصل قوت اور اصل دولت ایمان ویقین کی قوت و دولت ہے۔ اَللّٰھُمَّ فَزِدْنَا مِنْہُ وَثَبِّتْنَا عَلَیْہِ وَاحْفَظْنَا مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّزَلَلٍ۔ اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین

۲۴ **دوزخ بڑا ہی بُرا ٹھکانہ۔ والعیاذُ باللہ:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں کو بتادو کہ تم لوگوں کو ہانک کر دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے جہاں تم لوگوں نے اپنے کئے کرائے کے نتیجے اور بدلے میں ہمیشہ رہنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور دوزخ کی اس ہولناک آگ میں ہمیشہ جلتے رہنے کا یہ عذاب ان لوگوں کے اپنے اس کفر وعناد کی بناء پر ہوگا، جس کو انہوں نے زندگی بھر اپنائے رکھا تھا، اور یہ ایسا ہولناک انجام اور خوفناک عذاب ہوگا کہ اس جہاں میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ سو کتنے محروم اور کس قدر بدبخت ہیں وہ کفار جن کو اس انجام سے دوچار ہونا ہے، اگرچہ اس دنیا میں وہ اربوں کھربوں کے مالک ہی کیوں نہ رہے ہوں، کہ یہ سب کچھ یہیں رہ جائیگا، اور انہوں نے بالآخر اس ہولناک اور ابدی و دائمی عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ کفر محرومیوں کی محرومی اور دارین کی ہلاکت و تباہی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اسکے مقابلے میں ایمان دارین کی فوز و فلاح کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان۔ اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں راہ حق پر مستقیم وثابت قدم رکھے، امین ثم امین

۲۵ **معرکۂ حق و باطل میں سامانِ عبرت وبصیرت:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا تمہارے لئے اے لوگو حق اور باطل کے ان دونوں گروہوں کے ٹکراؤ میں بڑا سامانِ عبرت و بصیرت تھا کہ کس طرح ایک چھوٹی سی جماعت، اپنی قلتِ تعداد اور قلتِ وسائل و اسباب کے باوجود محض اپنی ایمانی قوت کی بناء پر، اور اپنے خالق و مالک کی تائید وحمایت اور اسکی نصرت و امداد کے آسرے اور سہارے پر، اپنے سے کئی گنا بڑی اور ایک ایسی جماعت کا مقابلہ کر رہی تھی، جو کہ آلاتِ حرب وضرب سے لیس اور تعداد و سامان وغیرہ کے اعتبار سے ان سے کئی گنا بڑھ کر تھی۔ اور پھر اس معرکہ آرائی میں بالآخر فتح و غلبہ بھی اسی چھوٹی جماعت کو نصیب ہوتا ہے، جو ایمانی قوت سے سرشار تھی۔ پس اصل قوت ایمان و یقین کی قوت ہے، اور اصل سہارا و اعتماد اللہ پاک کی مدد وعنایت کا سہارا ہے، جس کے مقابلے میں کوئی قوت بھی غالب نہیں آسکتی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ

ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[آل عمران۔۱۶۰] سو معرکہ بدر میں اس کا ایک عملی اور عمدہ نمونہ تمہارے سامنے موجود تھا، اور سبق لینے اور عبرت پکڑنے والوں کیلئے اس میں بڑا سامانِ عبرت وبصیرت تھا مگر غفلت اور ہٹ دھرمی کا کیا کیا جائے کہ وہ محرومیوں کی محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۲۶ **معرکہ بدر میں ایک خاص عنایتِ خداوندی کا ذکر وبیان:۔** سو اس سے معرکہ بدر میں اہلِ ایمان کیلئے ایک خاص رحمت وعنایتِ خداوندی کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے، کہ دشمن ان کو عین معرکہ کے دوران اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا، تاکہ اس طرح ان کی ہمتیں ٹوٹیں، اور مسلمانوں کا رعب ان پر چھا جائے اور وہ شکست کھا جائیں۔ سو یہ بھی اللہ پاک ۔سبحانہ وتعالیٰ۔ کی اسی غیبی امداد کا ایک حصہ ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو نوازتا اور ان کی تائید ونصرت فرماتا ہے۔ جَلَّ وَعَلَا۔ ﴿وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ﴾ واضح رہے کہ جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں بھی بین القوسین اشارہ کیا ہے یہ عین معرکے کی حالت کا بیان ہے، جبکہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کفار مسلمانوں کو اپنے سے کم دیکھ رہے تھے جیسا کہ وہ واقع میں تھے بھی کم۔ اسی لئے سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِھِمْ﴾ الآیۃ [الانفال۔۴۴] (روح، قرطبی، مراغی، اور معارف وغیرہ)۔ اس کے علاوہ اس میں کچھ دوسرے اقوال بھی ہیں، جو کہ ان شاء اللہ ہم اپنی مفصل تفسیر کے موقع پر ذکر کریں گے۔ بہرکیف جب انسان کا ایمان ویقین درست ہوتا ہے اور اسکے دل کا بھروسہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنی عنایات سے طرح طرح سے نوازتا ہے اور ہمیشہ نوازتا ہے۔ سبحانہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین

۲۷ **چشمِ بینا رکھنے والوں کیلئے سامانِ عبرت وبصیرت:۔** سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اس میں بڑا سامانِ عبرت ہے دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے کہ قوت اصل میں ایمانی قوت ہی ہے۔ اور مدد دراصل خدائی مدد ہی ہے۔ پس جو لوگ ایمانی قوت سے سرشار اور خداوندی تائید ونصرت سے سرفراز ہوتے ہیں، غلبہ بہرحال انہی کا ہوتا ہے، خواہ وہ تعداد اور سامانِ حرب وضرب کے اعتبار سے کتنے ہی تھوڑے اور کمزور کیوں نہ ہوں۔ سو ایمان ویقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس سے اور اسکی قوت سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو الہادی الی سواء السبیل۔ ''عبرت'' کا لفظ دراصل ''عبور'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ہوتا ہے ''عبور کرنا''، ''پار ہونا'' وغیرہ۔ اس لئے عبرت کے معنی ہوتے ہیں ایک حقیقت سے عبور کر کے دوسری تک پہنچ جانا۔ سو صاحبِ بصیرت شخص ایک حقیقت سے دوسری کی طرف عبور کر کے بڑے اہم درس لیتا ہے اور یہی فرق ہوتا ہے ایک صاحبِ بصیرت اور ایک بلید شخص میں، کہ ایک اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھتا جب کہ دوسرے کے لئے ایک معمولی سی نشانی ایک ادنیٰ سی تنبیہ، اور ایک سرسری سا اشارہ حقائق کے دفتر کھولنے کے لئے کلید بن جاتا ہے۔ سو ایسے ہی لوگ قرآنِ پاک کے نزدیک ''اولوا الابصار'' کہلاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت کا نور بھی ہوتا ہے جو ان کو جزء میں کل اور قطرہ میں دجلہ دیکھنے کا اہل بنا دیتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وعلی ما یحب و یرید، وَھُوَ الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

مرغوباتِ نفس کی محبت کو ف۲۸ جیسے عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے جمع کردہ ڈھیر، نشان کیے ہوئے (عمدہ) گھوڑے، مویشی

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ

اور کھیتی ف۲۹ (مگر) یہ سب کچھ تو دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا سامان ہے، (اور بس) ف۳۰ جب کہ (اصل اور) عمدہ ٹھکانا اللہ ہی کے

الْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

پاس ہے ف۳۱ کہو کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیز (نہ) بتا دوں جو ان سے کہیں بڑھ کر بہتر ہے؟ (وہ یہ کہ) جن لوگوں نے تقوٰی

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

(و پرہیزگاری) کی زندگی گزاری ہوگی ف۳۲ ان کے لئے ان کے رب کے یہاں ایسی عظیم الشان جنتیں ہوں گی، جن کے نیچے سے

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ

بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی عظیم الشان (اور بے مثل) نہریں، جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا، اور وہاں ان کے لئے

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

ایسی بیویاں بھی ہوں گی جن کو پاک کر دیا گیا ہوگا (ہر طرح کے عیوب و نقائص سے،) اور (ان سب سے بڑھ کر یہ کہ

وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

ان کے لئے) اللہ کی طرف سے خوشنودی (کی عظیم الشان نعمت) بھی ہوگی، ف۳۳ اور اللہ خوب دیکھنے

۲۸ فتنہ و فساد کی ایک جڑ کی نشاندہی: سو مرغوباتِ نفس کی محبت کا خوشنما بنا دیا جانا فتنہ و فساد کی جڑ بنیاد ہے - والعیاذ باللہ العظیم - جس کی بناء پر انہوں نے انہی چیزوں کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصدِ حیات بنا دیا، یہانتک کہ وہ ان کی محبت میں مستغرق ہو کر اپنے خالق و مالک کو، اور اس کے حقوق کو بھی بھول گئے، اور اپنے انجام اور آخرت سے بھی غافل ہو گئے۔ اور اس طرح وہ اصل مقصد سے منہ موڑ کر اور انہی فانی چیزوں کی تحصیل و تکمیل، اور ان کے جوڑنے جمع کرنے میں مشغول و منہمک ہو گئے۔ اور اس طرح ایسے بدنصیب لوگ متاعِ عمر کی اپنی پوری پونجی اسی راہ میں صرف کر دیتے ہیں، اور اپنی آخرت اور وہاں کی حقیقی زندگی میں خالی ہاتھ پہنچتے ہیں، جو کہ سب سے بڑا نقصان اور خساروں کا خسارہ ہے، اور ایسا کہ اسکی پھر تلافی و تدارک کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو سکتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسے میں دینِ حنیف کا دنیا والوں پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ان کو

خبردار کرتا ہے کہ رک جاؤ، باز آجاؤ اور اس ہولناک ناکامی سے بچ جاؤ مگر غفلت کی ماری دنیا ہے کہ وہ سن کے ہی نہیں دے رہی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو مرغوباتِ دنیا، یعنی مال و اولاد، اور زن و زمین وغیرہ کی نفس محبت جو کہ طبعی اور فطری حدود کے اندر ہو تو بری نہیں بلکہ وہ تو ایک درجے میں ضروری اور محمود و مطلوب ہے کہ اس پر انسان کی شخصی اور نوعی بقاء کا دارومدار ہے۔ اس لئے یہاں پر محض ان چیزوں کی طبعی محبت اور رغبت زیرِ بحث نہیں بلکہ برائی ان کی تزیین کی گئی ہے۔ اور تزیین کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز اس طرح کسی کی آنکھوں میں کھب جائے کہ اس کے اثر سے آدمی ہر چیز کو اس کے رنگ میں دیکھنے لگ جائے۔ اس لئے مذموم و ممنوع دراصل یہی تزیین ہے کہ اس سے آگے طرح طرح کے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر فتنے سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت و عنایت کی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

۲۹ **''حرث'' کے تاخیر ذکر میں ایک نکتہ:** ''حرث'' یعنی کھیتی کے مرغوباتِ نفس میں سب سے آخر میں بیان کرنے میں ایک خاص علمی نکتہ یہ ہے کہ ''حرث'' یعنی کھیتی ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ ان مرغوبات میں سب سے پہلے ہے، مگر شہوت و خواہش کے اعتبار سے وہ ان میں سب سے آخر میں ہے۔ اس لئے یہاں پر اس کا ذکر سب سے آخر میں فرمایا گیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کہنے تعبیرِ قرآنی کی ان باریکیوں اور لطافتوں کے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ بہرکیف مرغوباتِ نفس کی محبت میں کھوجانا اور انہی کے پیچھے لگ جانا بڑے ہی ہولناک انجام کی طرف جانے والا راستہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ خواہشاتِ نفس میں سب سے پہلے عورت کا نمبر آتا ہے، پھر بیٹوں کا، پھر سونے اور چاندی کے ذخیروں کا، پھر نشان زدہ عمدہ گھوڑوں کا، پھر مویشی اور کھیتی کا۔ یعنی اسی ترتیب کے مطابق جو کہ اس آیتِ کریمہ میں پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور و فتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

۳۰ **متاعِ دنیا کی بے حقیقتی کا ذکر و بیان:** سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دنیا کی چندروزہ زندگی کا یہ سامان آخرت کے مقابلے میں ہیچ ہے اور اس کی حقیقت و حیثیت آخرت کے اس عالمِ جاودانی کے مقابلے میں محض ایک سراب اور خواب کی سی ہے۔ پس دنیائے فانی کے اس متاعِ زائل کو مقصدِ حیات بنا کر آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں کو بھول جانا ایک ایسا ہولناک خسارہ ہے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا، اور جس کی حیاتِ دنیا کی اس محدود و مختصر فرصت کے خاتمے کے بعد تلافی و تدارک کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے اور نفس و شیطان کے ہر فریب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ بہرکیف اس ارشادِ ربانی سے دنیا کی ناپائیداری کی طرف بھی اشارہ فرما دیا گیا اور مرغوباتِ دنیا کی بے حقیقتی کی طرف بھی اور اس بات کی طرف بھی کہ دنیائے فانی کی ان فانی اور عارضی لذتوں کے پیچھے لگ کر آخرت کی حقیقی اور ابدی زندگی اور اس کے تقاضوں کو فراموش کر دینا کس قدر بڑی حماقت اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ ہر شر و مکروہ سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی ہی طرف رجوع رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۱ **اصل اور عمدہ ٹھکانہ اللہ ہی کے پاس ہے:** جو اتنا عمدہ اور اس قدر نفیس ہے کہ اس کا یہاں اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے ﴿وَذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ﴾۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو مومنِ صادق کو ہمیشہ آخرت کے اس حسنِ ثواب اور عمدہ ٹھکانے کو ہی اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے اور دنیاوی زندگی کے اس متاعِ فانی میں سے بس اتنے ہی حصے کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیئے جو بدرجۂ ضرورت و کفایت ہو اور بس۔ اور اس طرح

توسط واعتدال کی راہ پر چل کر وہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہوجائے گا اور اسی کی تعلیم اسکو اس دعائے ربانی میں دی گئی ہے ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ سو دنیا ایک دارِفانی ہے، اور آخرت عالمِ جاودانی، جیسا کہ کہا جاتا ہے "اَلدُّنْیَا دَارُ مَفَرٍّ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ مَقَرٍّ" اور عقل ونقل دونوں کا تقاضا یہی ہے کہ باقی کو فانی پر ترجیح دی جائے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ﴿وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

۳۲ تقوٰی وپرہیزگاری فوز وفلاح کی اصل اور حقیقی بنیاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے تقوٰی کی زندگی گزاری ہوگی اور انہوں نے خواہشاتِ نفس کو ترک کر کے رضائے خداوندی کو اپنا نصب العین اور مقصدِ حیات بنایا ہوگا ان کے لیے ان کے رب کے یہاں ایسی عظیم الشان جنتیں ہونگی جن کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہونگی۔ سو ان کو ان کے تقوٰی کے عوض آخرت کی اس حقیقی زندگی میں وہ من چاہی زندگی گزارنے کی سعادت نصیب ہوگی، جو یہاں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوسکتی، کہ وہاں ان کی ہر خواہش پوری ہوگی جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ﴾ [حٰم السجدہ۔۳۱] یعنی "تمہیں وہاں پر ہر وہ چیز ملے گی جسکی تم خواہش کرو گے اور تمہیں وہاں پر ہر اس چیز سے نوازا جائیگا جو تم مانگو گے" تو کیا دنیا میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی یہ شان ہوسکتی ہے؟ اور ظاہر ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں تو اہلِ جنت کو جس بادشاہی سے وہاں نوازا جائے گا اسکے سامنے دنیاوی بادشاہی کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ - اللہ ہم سب کو نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین -اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی بادشاہی سے سرفرازی کے لئے اولین اساس اور بنیادی تقاضا ہے تقوٰی وپرہیزگاری سے سرفرازی اور تقوٰی کا مفہوم ہے "بچنا" یعنی ہر اس چیز سے بچنا جو رب تعالٰی کی ناراضگی کا باعث ہو- والعیاذ باللہ- جس میں سب سے پہلے کفر وشرک اور الحاد وبے دینی سے بچنا ہے اور اس کے بعد جملہ معاصی وذنوب سے بچنا- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ- سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی-

۳۳ رضائے خداوندی کی نعمت سب سے بڑی نعمت:- سو رضائے خداوندی کی یہ نعمت جو ان خوش بختوں کو نصیب ہوگی بڑی ہی عظیم الشان نعمت ہوگی جو کہ باقی تمام حسی نعمتوں سے کہیں بڑھ کر نعمت ہوگی۔ بلکہ جنت کی طلب ہی درحقیقت اس لئے ہے کہ وہاں پر رضائے خداوندی کی اس عظیم الشان اور بے مثل نعمت سے سرفرازی نصیب ہوگی (معارف للکاندھلویؒ) اللہ اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت سے ہم سب کو نصیب فرمائے- آمین۔ سو جنت کی نعمتیں بھی دنیاوی نعمتوں کی طرح دو قسم کی ہونگی۔ ایک ظاہری اور حسی، جیسے کھانے پینے کے بیشمار سامان اور ایسی پاکیزہ بیویاں جن کو ظاہری اور باطنی ہرطرح کے عیوب سے پاک صاف کردیا گیا ہوگا۔ اور دوسری قسم ہوگی رضائے خداوندی کی اس نعمت کی جو کہ معنوی نعمت ہوگی۔ اور جو دوسری تمام حسی اور ظاہری نعمتوں سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ وارفع ہوگی۔ سو اس آیت کریمہ کے اندر اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اہلِ جنت بھی مختلف درجات پر ہونگے۔ ایک وہ جن کی نظر ظاہری اور حسی نعمتوں تک ہی محدود ہوگی اور دوسرے وہ جو رضائے خداوندی کی معنوی نعمت ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں۔ (تفسیر المراغی) - اَللّٰھُمَّ فَشَرِّفْنَا بِنَعِیْمِ جَنَّتِکَ وَبِمَرْضَاتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ- انک انت السمیع القریب المجیب وعلی ما تشاء قدیر - الیک نتضرع وبک نستعین فی کل حین واٰن وبکل حال من الاحوال-

بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۞ ١٥ اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا

والا ہے اپنے بندوں کو ۳۴ (یہ خوش نصیب لوگ وہ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم (صدق دل سے) ایمان لائے،

فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۞ ١٦ اَلصّٰبِرِيۡنَ وَ

پس تو بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور بچا دے ہمیں دوزخ کے عذاب سے ۳۵ جو صبر کرنے والے، راستباز، فرمانبرداری

۳۴ اللہ اپنے بندوں کو پوری طرح دیکھتا ہے: سو وہ پوری طرح دیکھتا اور جانتا ہے کہ کون کیا کرتا ہے اور کس نیت و ارادہ اور کس غرض و مقصد سے کرتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ ہر کسی کو اسکی اس سزا و جزا سے نوازیگا جس کا وہ اہل اور لائق ہوگا۔ پس ہر کسی کو ہمیشہ یہی بات پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس سے میرا معاملہ کیسا ہے، اور میں وہاں کیا جواب دوں گا؟ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی ہی کو پیش نظر رکھنے کی سعادت و توفیق سے نوازے - اور اس ارشاد میں کہ اللہ پوری طرح دیکھتا ہے، اپنے بندوں کو تہدید و تخویف اور تسلیہ و تسکین کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہاں پر سیاق و سباق کے لحاظ سے تسلیہ و تسکین کا پہلو زیادہ نمایاں اور واضح ہے لیکن اپنے اصل اور عموم کے لحاظ سے یہ ان دونوں ہی پہلوؤں کو عام اور شامل ہے۔ سو اس میں تسلیہ و تسکین ہے ان خوش نصیبوں کے لئے جنہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری کی روش کو اپنائے رکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے صدق و اخلاص اور ان کی قربانیوں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ وہ ان کو ان کے صلہ و بدلہ سے ضرور نوازے گا اور بھرپور طریقے سے نوازے گا اور اس میں تہدید و تخویف ہے منکرین و مخالفین کے لئے کہ وہ حق اور اہلِ حق کے خلاف جو کچھ کر رہے ہیں وہ اللہ سے مخفی نہیں۔ اس لئے وہ اپنے کئے کرائے کے بھگتان کے بھگتنے سے کبھی بچ نہیں سکیں گے - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔

۳۵ ایمان کے وسیلے سے دعاء: سو ایسے خوش نصیب لوگ اپنے رب کے حضور دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے۔ پس تو بخشش فرما دے ہمارے گناہوں کی اور ہمیں بچا دے دوزخ کی آگ سے۔ سو اس میں ایمان کے وسیلے اور صدقے میں عذابِ دوزخ سے بچنے کی دعاء و درخواست کی تعلیم و تلقین ہے۔ یعنی ایمان و یقین کی اسی دولت کے طفیل جو تو نے ہم کو بخشی ہے اور جس سے تو نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں نوازا ہے، اسی کے طفیل ہمارا کام بنا دے کہ جو لغزشیں اور خطائیں ہم سے سرزد ہوگئیں، یا آئندہ ہونگی ان سب کی بخشش فرما کر ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے کی درخواست کا بطورِ خاص ذکر فرمایا گیا کہ جس کو اس عذاب سے بچا لیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہوگیا، جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ، وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴾ [آل عمران-۱۸۵] یعنی "جس کو دوزخ سے بچا کر جنت سے سرفراز فرما دیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی دھوکے اور فریب کے سامان کے سوا کچھ نہیں - والعیاذ باللہ العظیم۔

الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ

کرنے والے، (راہِ حق میں) خرچ کرنے والے، اور اپنی بخشش کی دعائیں مانگنے والے ہیں، راتوں کے پچھلے حصوں

بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ

میں ۳۶ گواہی دی اللہ نے خود اس بات کی کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، سوائے اس (وَحْدَہٗ لَاشَرِیک) کے ۳۷ اور اس

۳۶ اللہ کے اطاعت گزار بندوں کا شعار توبہ و استغفار:۔ یعنی وہ اپنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے باوجود اپنی تقصیرات اور کوتاہیوں کا احساس رکھتے، اور اپنے خالق و مالک کے حضور ان کا اقرار و اعتراف کرتے، اور اس سے مغفرت و بخشش کی دعاء و درخواست کرتے ہیں، اور رب تعالیٰ اور اس کے حقوق کی عظمت اور اپنے عجز و انکسار کے پیش نظر وہ رات کے پچھلے حصوں میں جبکہ دنیا غفلت کی نیند سوئی ہوئی ہوتی ہے، وہ اٹھ کر اس کے حضور توبہ و استغفار کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، جو کہ دعاؤں کی قبولیت، اور اس کی بارانِ رحمت و عنایت کے نزول کے خاص اوقات ہوتے ہیں۔ اور ان وقتوں میں اٹھنا نفس پر بڑا گراں ہوتا ہے یہ ایمان و یقین کی قوت ہی ہے کہ جو انسان کو آرام و راحت اور سکون و غفلت کے ان اوقات میں ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے۔ بہرکیف یہاں پر اللہ کے خاص بندوں کی صفات کو واضح فرما دیا گیا ہے۔ اللہ ان سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔ بہرکیف یہاں پر ان خوش نصیبوں کی خاص صفات بیان فرمائی گئی ہیں جو تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ کو اپناتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل کر دینے والی مرغوبات سے دستکش ہو کر صدقِ دل سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سو ان کی یہاں پر پانچ صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں صبر، صدق، قنوت، انفاق اور استغفار۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور اس قدر کہ وہ مالک راضی ہو جائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ولاحول ولاقوۃ الا بہ جل وعلا۔

۳۷ اللہ کی گواہی اسکی وحدانیت و یکتائی پر:۔ اور اس نے یہ گواہی اپنے انبیاء و رسلِ کرام کے ذریعے بھی دی، کہ سب نے ہمیشہ یہی اولین پیغام دنیا کو دیا کہ اے لوگو! ایک اللہ ہی کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں، اور اپنی نازل فرمودہ کتب وصحف کے ذریعے بھی اس نے یہی گواہی دی، کہ ان سب میں بھی یہی پیغام تھا۔ نیز اپنے تخلیق فرمودہ اس صحیفۂ کائنات میں بھی اس نے اپنی وحدانیت و یکتائی کی گواہی اس قدر مؤثر اور قوی انداز میں ودیعت فرما دی کہ اس کی ہر ہر چیز پکار پکار کر اپنی زبانِ حال سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ شَاهِدٌ ۔ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ۔ نیز جیسا کہ فرمایا گیا کہ زمین سے اگنے والی ہر انگوری اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔ ہر گیاہے کہ از زمین روید۔ وحدہٗ لاشریک می گوید۔ بہرکیف یہ پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز اپنی زبانِ حال سے گواہی دے رہی ہے کہ اس کا خالق و مالک واحد و یکتا اور ''قائم بالقسط'' ہے۔ اور شمس و قمر شجر وحجر اور زمین و آسمان اپنی زبانِ حال سے ہر وقت یہ درس دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق و مالک کے مقرر فرمودہ پیمانے سے سرِ مو تجاوز نہیں کر سکتے۔ جل جلالہ وعز سلطانہٗ

الْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

کے فرشتوں نے بھی (یہی گواہی دی) اور اہل علم نے بھی ۳۸ وہی قائم رکھنے والا ہے (عدل و) انصاف کو، کوئی بھی بندگی کے لائق

هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

النصف

نہیں سوائے اس (وَحْدَہٗ لَاشَرِیک) کے، جو بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے ۳۹ بے شک دین (حق) اللہ کے

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ

نزدیک صرف اسلام ہی ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس (حق اور

مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

حقیقت کے بارے میں صحیح) علم پہنچ گیا، محض آپس کی ضد (اور حسد) کی بناء پر، ف ۴۰ اور جو کوئی کفر کرے گا اللہ کی

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ

آیتوں کے ساتھ تو (وہ یقیناً اپنا ہی نقصان کرے گا کہ) بے شک اللہ بڑا ہی جلد حساب لینے والا ہے، پس اگر یہ لوگ (پھر بھی)

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ

آپ سے جھگڑا (اور حجت بازی) ہی کریں، تو (ان سے صاف) کہہ دو کہ (تم لوگ مانو یا نہ مانو،) میں نے تو بہرحال

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ

حوالے کر دیا اپنی ذات کو اللہ کے، اور ان سب نے بھی جو میری پیروی کرتے ہیں ۴۱ نیز پوچھو ان لوگوں سے جن کو کتاب دی

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

گئی ہے، اور ان اَن پڑھوں سے بھی ۴۲ کہ کیا تم لوگ اسلام لائے ہو؟ سو اگر وہ اسلام لے آئے، تو یقیناً ہدایت سے سرفراز ہو گئے

۳۸ اللہ کے فرشتوں اور اہلِ علم کی گواہی اسکی توحید و وحدانیت کیلئے: - سو فرشتے اور اہلِ علم سب اللہ پاک کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں، اپنی زبان و بیان، حجت و برہان، اور دلائلِ نقلیہ و عقلیہ کے ذریعے۔ یہانتک کہ آج کھلے مشرک بھی اپنے آپ کو مشرک کہنے سے شرماتے ہیں- اللہ تعالیٰ ایسے علمائے حقانیین کو اپنی خاص

رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے، اور ان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز فرمائے، اور ہم جیسے طالب علموں کو بھی انہی کے زمرے میں شامل فرما دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَیْهِ بِعَزِیْزٍ۔ وَهُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اس ارشادِ ربانی میں علماءِ ربانیین کی ایک بڑی فضیلت و مزیت کا ذکر و بیان ہے کہ انکی گواہی کو فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے، جبکہ فرشتوں کی گواہی کو حضرت حق -جل مجدہٗ- کی گواہی پر معطوف کر کے اور اسکی گواہی کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے۔ نیز اس سے عقیدۂ توحید اور وحدانیتِ خداوندی کی عظمتِ شان کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو کتنے بہکے بھٹکے، اور کس قدر بگڑے ہوئے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اس سب کے باوجود توحید کے عقیدہ صافیہ سے انکار و انحراف کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ انہی فرشتوں کو خدا کا شریک اور اسکی اولاد ٹھہراتے ہیں جو کہ اس وحدہٗ لاشریک کی توحید و وحدانیت اور اسکی یکتائی کی گواہی دینے میں مصروف ہیں۔

۲۹ اللہ بڑا ہی زبردست نہایت ہی حکمت والا ہے: - پس نہ کوئی مجرم اس کی گرفت اور پکڑ سے بچ سکتا ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی فیصلہ اور کوئی امر و ارشاد حکمت سے خالی ہو سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اسکی رضا کا حصول دینِ حق اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے کلی طور پر اپنے آپ کو اپنے خالق و مالک کے حوالے کر دے۔ اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اسی وحدہٗ لاشریک کیلئے بجا لائے، کہ معبودِ برحق وہی اور صرف وہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ یہی دینِ حق ہمیشہ سے رہا ہے اور یہی ہمیشہ رہے گا۔ اور اسی کی دعوت ہر پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں دی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء۔۲۵]۔ پس جن لوگوں نے اسلام کے سوا اور دین گھڑے وہ کبھی بھی ان سے قبول نہیں ہونگے۔ اور ایسے لوگ سخت خسارے میں ہیں اور خسارے ہی میں رہیں گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ - اور خاص کر آخرت میں، جیسا کہ آگے اسی سورۂ کریمہ کے ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ [آل عمران۔۸۵]۔ سو اس سے صاف ہو گیا کہ دینِ حق صرف اسلام ہے، اور اس کے سوا کوئی بھی دین قابلِ قبول نہیں۔ پس بعض ماڈرن لوگوں کا یہ کہنا کہ سب ہی دین ٹھیک ہیں۔ سب ہی اللہ کی طرف بلاتے اور امن و آشتی کا پیغام دیتے ہیں، سراسر غلط بات اور ایک مردود قول ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ۔ بہرکیف اللہ پاک کی صفتِ عزیز یعنی اسکے زبردست ہونے کو سامنے رکھتے ہوئے انسان کو کبھی اسکی گرفت و پکڑ سے بے خوف و نڈر نہیں ہونا چاہیئے۔ نیز اسکی طرف سے ملنے والی ڈھیل سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ یہ چیز اسکی حکمت پر مبنی ہوتی ہے، اور انسان اپنے کیے کرائے کے انجام اور بھگتان بھگتنے سے کبھی بچ نہیں سکتا۔ ڈھیل بہرحال ڈھیل ہوتی ہے جو بہرحال ختم ہو جاتی ہے۔

۳۰ عناد و ہٹ دھرمی باعثِ محرومی: - سو ضد اور حسد کی آفت اتنی بڑی اور اس قدر ہولناک آفت ہے کہ انسان کو نورِ حق و ہدایت تک سے محروم کر کے اسکو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسی حسد و عناد کے جرم کا ارتکاب سب سے پہلے کیا گیا۔ اور اسی کی بناء پر اولادِ آدم میں سب سے پہلے جرم قتل کا ارتکاب کیا گیا۔ قابیل نے ہابیل کو مارا۔ اور اسی کی بناء پر ابلیسِ لعین نے اولادِ آدم سے دشمنی اور ان کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی۔ وَالْعِیَاذُ

بِاللّٰہِ - جسکے نتیجے میں وہ ہمیشہ کیلئے مردود اور راندۂ درگاہ ہوگیا۔سو عناد و ہٹ دھرمی محرومی کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرحال اللہ کا دین صرف دینِ اسلام ہے، اور یہ دین عدل وقسط کی میزان ہے۔اور یہی دین آسمان وزمین کی اس پوری کائنات میں تکوینی نظام کے طور پر نافذ ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ﴾ [اٰل عمران: ۸۳] اور اسی دینِ حنیف کی دعوت تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے ادوار میں اپنی اپنی امتوں کو دی۔علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۴۱ اہلِ باطل سے اظہارِ بیزاری: - یعنی ہم نے تو بصدق و رضا دینِ حق کو قبول کر لیا اور توحید کے عقیدۂ صافیہ کو اپنا لیا۔تم مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی۔ ہم تو بہرحال اس راہِ حق وصواب سے ہٹنے والے نہیں۔ یہ منکرین و معاندین کیلئے اہلِ حق کا آخری جواب ہے، جیسا کہ سورۂ کافرون میں ارشاد فرمایا گیا ﴿لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ﴾ [الکافرون۔ ۶] سو یہ اہلِ باطل سے اظہارِ بیزاری ہے کہ تم لوگ اگر نہیں مانتے تو ہمارا راستہ اور تمہارا راستہ الگ ہے کہ ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ پیغمبر کا کام حق کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس سے آگے بڑھ کر اس کا منوا لینا نہ پیغمبر کے بس میں ہوتا ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری۔ ''بر رسولاں بلاغ است وبس''۔سو پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان سے صاف طور پر کہدیں کہ ہم نے تو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا، اور اپنی گردن اس کے آگے ڈال دی ہے۔اب اگر تم بھی ایسا کرتے ہو، اور اس راہ میں ہمارے شریک بنتے ہو تو ٹھیک، تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کے دروازے کھل سکتے ہیں ورنہ تمہارا راستہ الگ اور ہمارا الگ۔تم ہماری راہ میں رکاوٹ نہ بنو۔سو اس میں اہلِ حق کے لئے اہلِ باطل سے اظہار واعلانِ بیزاری کا درس ہے۔

۴۲ ''اُمیّون'' سے یہاں پر مراد؟: - یہاں پر ''اُمیّون'' سے مراد غیر اہلِ کتاب ہیں (صفوۃ البیان)۔اس طرح قل کے اس ارشاد سے فرمایا جانے والا یہ سوال تمام لوگوں سے ہے خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں۔اس لئے کہ دنیا بھر کے لوگ ان ہی دو قسموں پر مشتمل ہیں۔اھلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب۔ پس یہ سوال سب ہی کی طرف متوجہ ہے۔اس طرح یہ بھی ان اہم اور صریح دلائل میں سے ایک ہے جو آنحضرت - ﷺ - کی عمومِ بعثت کو واضح کرتے ہیں، جیسا کہ قرآن وسنت کی دوسری بہت سی نصوص اس کی تصریح کرتی ہیں کہ آپؐ کی نبوت اور آپؐ کا پیغام قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے ہے، جبکہ آپؐ سے پہلے ہر پیغمبر کی بعثت ایک خاص قوم اور خاص زمانے کیلئے ہوا کرتی تھی، جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت - ﷺ - نے خود اسکی تصریح فرمائی ہے-والتفصیل فی المفصل ان شاء اللہ- بہرکیف پیغمبر سے فرمایا گیا کہ آپ نے ان لوگوں کو دعوت دینے کا فریضہ پورا کر لیا، اور اس ذمہ داری کا حق ادا کر دیا۔اب اگر یہ نہیں مانتے اور اپنی حماقتوں اور ہٹ دھرمیوں ہی پر اڑے ہوئے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔اب ان کا فیصلہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ فرمائے گا جس کا وہ مستحق ہے لہٰذا ان کا معاملہ اسی پر چھوڑ دیا جائے-سبحانہٗ وتعالیٰ-

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰ ع اِنَّ ع ۲ ۱۱ ۱۰

اور اگر وہ منہ موڑے ہی رہے، تو (آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کیونکہ) آپ کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے (پیغامِ حق کو) اور بس ف۴۳

الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ف۴۴ بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور وہ قتل کرتے اس کے پیغمبروں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ

بغیر کسی حق کے، ف۴۵ اور وہ قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو (دنیا کو) تعلیم دیتے ہیں (حق و

مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۱ اُولٰۗىِٕكَ

انصاف کی، ف۴۶ تو ان کو خوشخبری سنا دو ایک بڑے ہی دردناک عذاب کی، ف۴۷ یہ وہ لوگ ہیں جن کے

الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ

اکارت چلے گئے سب عمل، دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی ف۴۸ اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا ف۴۹ کیا تم نے ان لوگوں

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۲ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

(کے تعجب انگیز حال) کی طرف نہیں دیکھا؟ جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب (خداوندی) کا ف۵۰ (ان کا حال یہ ہے کہ جب) ان کو

۴۳ پیغمبر کی ذمہ داری صرف تبلیغ حق اور بس:- اور تبلیغِ حق کی یہ ذمہ داری آپ نے پوری کر دی اور بتمام وکمال پوری کر دی۔ پس اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر و باطل پر اڑے ہوئے ہیں وہ اپنی گمراہی اور اپنی بربادی و تباہی کے خود ذمہ دار ہیں، آپؐ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ راہِ حق پر ڈال دینا اور حق کو منوا دینا نہ آپؐ کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ آپؐ کی ذمہ داری ہے۔ آگے ان سے نمٹنا اور ان کو ان کے کئے کرائے کا پورا بدلہ دینا ہمارے ذمے ہے ﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلَاغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ہٹ دھرموں کو آپؐ کے اِنذار اور آپ کی تبلیغ سے بہرحال کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آپؐ کے اِنذار اور آپ کی تبلیغ سے مستفید و فیضیاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو حق بات کو سننے اور ماننے کے لئے تیار ہوں اور وہ خدائے رحمٰن سے بھی بن دیکھے ڈرتے ہوں ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ [یٰس:۱۱]-

۴۴ اللہ پوری طرح دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو:- پس وہ پوری طرح واقف و آگاہ ہے کہ کون کہاں، اور کیا کر رہا ہے، اور اسی کے مطابق وہ ہر ایک کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پوا پورا بدلہ دے گا اور اس کا یہ اجر و صلہ اگرچہ اسکو کسی قدر اس دنیا میں بھی ملے گا، لیکن اس کا پورا اجر و صلہ اسکو آخرت کے اس حقیقی اور اَبدی جہاں ہی میں ملے گا جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے کہ دار الجزاء بہرحال

وہی ہے، اسلئے اسی کے تقاضوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ پس جس نے بھلائی کی تو اپنے ہی لئے کی۔ اور جس نے برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ پس کوشش ہمیشہ اسکی ہونی چاہیئے کہ اپنے اس خالق و مالک سے معاملہ صحیح رہے کہ یہ اس کا اسکے بندوں کے ذمے حق بھی ہے، اور اسی میں ان کا بھلا بھی ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور اسکے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس میں پیغمبر کے لئے تسلی کا سامان ہے کہ تبلیغ حق کے بعد آپ ﷺ ان لوگوں کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں۔ وہ ان سے عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق خود نمٹ لے گا کہ وہ اپنے بندوں کو پوری طرح دیکھ رہا ہے اور ان کے جملہ احوال و کوائف سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو داعیٔ حق کی اصل ذمہ داری تبلیغ حق ہے اور بس۔ آگے منوالینا اس کی ذمہ داری ہے اور نہ اس کے بس میں۔ تبلیغ حق کی ذمہ داری کی تکمیل کے بعد معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

۲۵ نبیوں کا قتل بغیر کسی حق کے، والعیاذ باللہ: ۔ یعنی "نکرہ تحت النفی" عموم کیلئے مفید ہے۔ اور حضرات انبیائے کرام کے قتل کے حق ہونے کی کوئی صورت تو ممکن ہی نہیں کہ وہ پاکیزہ ہستیاں ہر طرح کے جرم اور ہر قسم کے عیب و قصور سے پاک و بری ہوتی ہیں۔ سو "بغیر حق" کے اندر پائے جانے والے اسی مفہوم کو ہم نے اپنے ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ والحمد للہ۔ پس عام طور پر اس موقع پر جو ترجمہ "ناحق" طور پر وغیرہ الفاظ سے کیا جاتا ہے، وہ حقیقت میں اس کا پورا ترجمہ نہیں بنتا۔ کیونکہ ناحق وغیرہ دراصل ترجمہ ہے "بغیر الحق" کا، جبکہ یہاں ارشاد ہے "بِغَیْرِ حَقٍّ" تنکیر کے ساتھ، اور عربی بلاغت و مفہوم کے اعتبار سے یہ دونوں تعبیریں برابر نہیں۔ اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ "بغیر کسی حق کے" سے کیا ہے، تاکہ قرآنی بلاغت کا بقدر امکان اظہار ہو سکے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ بہر کیف حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے قتل کا جرم جو ایک انتہائی سنگین جرم ہے، ظالم اور بدبخت لوگوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اس طرح وہ دارین کی ہلاکت و تباہی کے انتہائی ہولناک گڑھے میں گر گئے اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اور قتل انبیاء کے اس انتہائی سنگین اور نہایت ہولناک جرم کا ارتکاب یہودِ بے بہبود نے کیا۔ اول تو قتل ناحق خود ایک سنگین جرم اور بڑے گناہوں میں سے ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر یہ قتل کسی نبی کا ہو تو اس کی سنگینی کے کہنے ہی کیا۔ سو یہودِ بے بہبود نے اس انتہائی ہولناک اور سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ اسی لئے اس بدبخت قوم پر خدا کا غضب ٹوٹا اور یہ "مغضوب علیہ" قوم قرار پائی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

۲۶ علمائے حقانیین کا قتل انتہائی سنگین جرم، والعیاذ باللہ: ۔ یعنی مصلحین کرام اور علمائے حقانیین کو، جو حق و انصاف کی دعوت دیتے، اور قرآن و سنت کی تعلیمات مقدسہ کا نور پھیلاتے ہیں۔ الفاظ کا عموم ہر دور کے ایسے علمائے کرام کو شامل ہے، جو حق کی حفاظت و آبیاری، اور خلق خدا کی ہدایت و خیر خواہی کیلئے ہمیشہ سرگرم عمل رہے، اور جنہوں نے اس کے لئے طرح طرح کی قربانیاں دیں، اور صعوبتیں برداشت کیں اور آج تک کر رہے ہیں۔ اور آج بھی ساری دنیا میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں، اور حق کے دشمن ان کو قتل کر کے حق و ہدایت کی روشنی کو گل کرنے کی سعیٔ مذموم میں پہلے کی طرح آج بھی مصروف ہیں۔ بہر کیف علمائے حق، حق کی خاطر یہ قربانیاں دیتے رہے اور دیتے جا رہے ہیں۔ بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ فَرَحِمَهُمُ اللّٰہُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَتَقَبَّلَ جُهُوْدَهُمْ وَضَاعَفَ اُجُوْرَهُمْ وَ الثَّوَابَ ۔ بہر کیف علمائے حقانیین اور مصلحین کرام کا قتل ایک انتہائی سنگین جرم ہے۔ اسی لیے یہاں اس کو حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے قتل کے سنگین اور نہایت ہولناک جرم

کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا گیا ہے- والعیاذ باللہ- بہر کیف یہاں پر اس سے مراد، اور اس کا اولین مصداق وہ علمائے مخلصین اور مجددینِ کرام ہیں جو عام لوگوں سے اٹھتے ہیں اور انہوں نے یہود و نصاریٰ کی تحریفات و بدعات کی اصلاح و تردید کا بیڑا اٹھایا اور انہوں نے از سرِ نو خدا کے دیئے ہوئے نظامِ حق وعدل کے مطابق ان کی زندگیوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ تو یہود و نصاریٰ کے بدبختوں نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جو انہوں نے خدا کے نبیوں کے ساتھ کیا۔ سو ''اَلَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ'' کا اولین مصداق اگرچہ یہی حضرات علمائے مصلحین ہیں لیکن الفاظ کا عموم ایسے تمام علمائے مصلحین کو شامل ہے جو ان کے بعد ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔

۲۷ ایک نہایت سنگین جرم اور اس کا نہایت دردناک عذاب- والعیاذُ باللہ:- سو حضراتِ انبیاء و مصلحین کا قتل نہایت سنگین جرم ہے اور ان کے قاتلوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے- والعیاذ باللہ- کیونکہ حضراتِ انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- اور ان کے بعد ان کے جانشین یعنی حضراتِ علماء وصلحاء کے قتل کے جس جرمِ عظیم کا ارتکاب ان بدبختوں نے کیا، وہ بہت بڑا اور نہایت ہی سنگین و ہولناک جرم ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح -رضی اللہ عنہ- سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت-صلی اللہ علیہ وسلم- سے پوچھا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا؟ تو آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے کسی نبی کو قتل کیا، یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نبی کی تعلیم دیتا اور برائی سے روکتا تھا۔ پھر آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے قرآنِ پاک کی یہی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ نیز ارشاد فرمایا ''ابوعبیدہ! بنی اسرائیل نے ایک دن میں اور صبح کے ایک وقت میں تینتالیس انبیائے کرام کو قتل کیا۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایک سو ستر علماء وصلحاء نے ان بدبختوں کو نصیحت فرمائی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا تو انہوں نے اسی شام کو ان سب کو بھی قتل کر دیا (ابن جریر، معارف، المراغی وغیرہ)۔ سو یہودِ بے بہبود کی قوم ایک بڑی منحوس قوم اور بدبخت جماعت ہے کہ انہوں نے من حیث الجماعت انبیائے کرام اور صلحائے عظام کے قتل کے اس سنگین جرم کا ارتکاب کیا- والعیاذ باللہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو ایک بڑے ہی دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو جوان کو بہر حال بھگتنا ہوگا اور ہمیشہ کے لئے بھگتنا ہوگا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور یہ اس لئے کہ ایسے حضرات روشنی کے مینار اور دنیا کی اصلاح کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا وجود قدرت کی ایک خاص عنایت ہوتا ہے- علیہم الرحمۃ والرضوان-

۲۸ انبیاء وصلحاء کے قاتلوں کے سب عمل اکارت:- کہ دنیا میں جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جو نعمت انکو حاصل تھی اس سے یہ لوگ محروم اور مباح الدم ہو گئے، اور ذلت و خواری کے مستحق بن گئے۔ اور آخرت میں دوزخ کی آگ کا ایندھن بن گئے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضراتِ انبیاء وصلحاء کے قتل کا جرم کس قدر سنگین اور کتنا ہولناک جرم ہے- والعیاذ باللہ- ان لوگوں کے عمل دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کو یہ لوگ اپنے طور پر نیکی اور ثواب کا کام سمجھ کر رہے تھے کہ یہ ان کو آخرت میں کام آئیں گے۔ سو ان کے ایسے کاموں کے آخرت میں ان کے کام آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہاں کام آنے کے لئے اولین شرط ایمانِ صحیح کی دولت سے سرفرازی ہے جس سے یہ لوگ محروم ہیں۔ اور دوسری قسم ان کے اعمال کی وہ تھی جو یہ لوگ دینِ حق اسلام کی مخالفت

اور اس کا راستہ روکنے کے لئے کرتے تھے۔ وہ بھی ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ دینِ حق بہرحال غالب آکر رہے گا۔ ان کو اس بارے منہ کی کھانی پڑیگی۔ سو ان کے تمام اعمال اکارت چلے گئے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور یہ دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل وخوار اور مستحقِ نار ہو گئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۴۹ انبیاء و مصلحین کے قاتلوں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہوگا:۔ جو ان کو اللہ کی گرفت و پکڑ سے بچا سکے، اور دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب کو ان سے ٹال سکے، کہ ان کا جرم بڑا سنگین اور نہایت ہولناک جرم ہے۔ لہٰذا ان کو ہمیشہ کیلئے اس ہولناکی میں رہنا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور یہ اس لئے کہ حقیقی ناصر و مددگار تو سب کا ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی اللہ وحدہ لاشریک۔ اسکے تو یہ لوگ منکر اور باغی ہیں۔ اس لئے اسکی نصرت و امداد سے سرفرازی کی ان کے لئے کوئی صورت ممکن نہ ہوگی اور جن کو ان لوگوں نے از خود اور اپنے طور پر اپنایا اور مددگار بنا رکھا تھا، اور ان کو یہ دنیا میں اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارا کرتے تھے، انکی نہ کوئی اصل ہے اور نہ حقیقت۔ اس لئے ان میں سے کسی کے کام آنے کی کوئی صورت ہوگی ہی نہیں کہ وہ سب وہمی اور فرضی سہارے تھے جن کے اندر کسی کے کام آنے کی کوئی اہلیت اور صلاحیت سرے سے تھی ہی نہیں۔ سو ایسے لوگ دنیا و آخرت کی اس ذلت وخواری اور ناکامی و نامرادی سے نہ خود بچ سکیں گے اور نہ ہی ان کو کام آنے والا کوئی یار و مددگار مل سکے گا۔ اور تاریخ اس بات کی گواہ اور شاہدِ عدل ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآنِ حکیم کی ہر پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی کہ اللہ کا عذاب آنے پر ان کے ان خود ساختہ سہاروں میں سے کوئی بھی انکے کام نہ آسکا۔ اور اصل عذاب تو ایسے بدبختوں کو آخرت میں بھگتنا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۰ اہلِ کتاب کے قابلِ تعجب رویے کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا جس کے یہ حامل بھی ہیں اور اس پر ایمان کے دعویدار بھی۔ اور جس کی تعلیمات پر عمل کرنا اور کرانا ان کی ذمہ داری تھی اور ہے۔ ان سب باتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ایسی ہر دعوت پر فوراً لبیک کہتے اور آگے بڑھ کر اس کو قبول کرتے، جو اللہ کی طرف سے ان کو ملتی، اور اس کے مقتضیٰ پر یہ لوگ دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔ مگر یہ اس کے برعکس اس سے منہ موڑتے اور اعراض کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر دوسروں کو بھی اس سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح ضلال و اِضلال کے دوہرے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ واضح رہے کہ یہاں پر کتاب کے ایک حصہ "نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ" سے مراد تورات و انجیل وغیرہ آسمانی کتابیں ہیں اور "کتاب اللہ" سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ کیونکہ جس طرح پچھلے آسمانی مذاہب اور شریعتِ اسلامیہ میں جزو کل کی نسبت ہے اسی طرح دیگر آسمانی کتابوں اور قرآنِ مجید میں بھی جزو کل کی نسبت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت انسانی ذہن اور انسانی معاشرے کے تدریجی ارتقاء کے مطابق درجہ بدرجہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اب وہ دینِ اسلام کی شکل میں اپنی آخری اور کامل شکل میں موجود ہے اور قیامت تک دنیا کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت سے باقی رہیگی۔ فالحمد للہ۔ سو جو لوگ اس سے محروم ہیں وہ حق و ہدایت کے نور سے محروم ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف، تاکہ وہ فیصلہ فرمائے ان کے درمیان، تو پھر جاتا ہے ان میں سے ایک گروہ ۵۱ (کلامِ حق سے

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

پوری ڈھٹائی کے ساتھ،) بے رخی برتتے ہوئے ۵۲ یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے

۵۱ قرآنِ پاک کے عدل و انصاف کا ایک نمونہ: - قرآنِ پاک کے عدل و انصاف اور اس کی حق گوئی کا نمونہ ملاحظہ ہو کہ یہ نہیں فرمایا کہ یہ سب ہی ایسے ہیں بلکہ فرمایا ﴿فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ یعنی ان میں کا ایک گروہ ایسا ہے۔ ورنہ ان میں اچھے اور انصاف والے بھی موجود ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا کہ وہ سب برابر نہیں، بلکہ اھلِ کتاب میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو رات کے وقت (اٹھ اٹھ کر) اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے اور (اسی وحدہٗ لاشریک کے حضور) سجدہ ریز رہتے ہیں" ﴿لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ الآیة [آل عمران آیت نمبر ۱۱۳] مگر ایسے لوگ ان میں تھوڑے ہی ہیں۔ زیادہ تر بدکار ہی ہیں، جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا ﴿مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی ان میں سے کچھ لوگ سیدھی راہ پر ہیں مگر ان کی اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے جو بڑے برے کام کرتے ہیں [المائدۃ-۶۶]۔ اور ان کی وہ تھوڑی سی تعداد جو سیدھے راستے پر قائم، اور راست رو ہے، وہی دولتِ ہدایت و ایمان سے سرفراز و مالا مال ہوئی ہے، اور وہ ہی عدل و انصاف سے کام لیتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ [الاعراف-۱۵۹] اور یہی وہ خوش نصیب اور حق پرست و انصاف پسند لوگ ہیں، جن کو حضرت خاتم الانبیاء - صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین - پر اور آپ - ﷺ - کی لائی ہوئی کتابِ حکیم قرآنِ مجید پر ایمان لانے کی توفیق و سعادت نصیب ہوئی، اور وہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و ہمکنار ہوئے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وعلى ما يحب و يريد، بكل حال من الاحوال، وهو الهادى الى سواء السبيل -

۵۲ اِعراض و بے رخی ایسے لوگوں کی دائمی عادت، والعیاذُ باللہ: - یعنی ﴿وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ جملہ اسمیہ ارشاد ہوا ہے، جو کہ دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اِعراض و بے رخی کی ان کی یہ کیفیت کوئی وقتی اور عارضی بات نہیں، بلکہ یہ ان کا ایک مستقل وطیرہ اور دائمی روگ ہے، اور یہ ایک طبعی امر ہے کہ جب کوئی شخص یا قوم خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ جاتی ہے، وہ حق کی طرف رجوع کی توفیق سے محروم ہوجاتی ہے اور اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے۔ سو اس ارشاد سے اہلِ کتاب کے اجتماعی مزاج پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حق سے اِعراض و اِنکار ان کی کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں بلکہ یہ ان کا ہمیشہ طریقہ و وطیرہ اور دائمی روش ہے اور یہ چیز ان لوگوں کی فطرتِ ثانیہ اور قومی و اجتماعی مزاج بن گئی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بكل حال من الاحوال

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا

گی بھی نہیں ۵۳ مگر گنتی کے کچھ دن ۵۴ اور دھوکے میں ڈال رکھا ہے ان کو ان کے دین کے بارے میں، ان کی ان (خودساختہ)

۵۳ ''صاحبزادگی'' کا گھمنڈ اور اس کا انجام:- سو اسی بناء پر ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں کیونکہ ہم بڑے اونچے اور پاکیزہ لوگ، اور صاحبزادے ہیں۔ نبیوں کی نسل سے تعلق رکھنے والے، اور اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے اور لاڈلے ہیں ﴿اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ افسوس کہ ''صاحبزادگی'' کا یہ مرض، جس نے اہلِ کتاب کو دینِ حق سے دور اور خداوند تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم کیا، اس کے جراثیم مختلف شکلوں میں امت مسلمہ کے اندر بھی پائے جاتے رہے، اور آج بھی موجود ہیں۔ اسی مرض اور خود ساختہ بڑائی کے گھمنڈ کی بناء پر کوئی ''امام معصوم'' بن گیا۔ کوئی ''صاحبزادہ'' اور ''پیرزادہ'' بن گیا۔ اور کسی نے ''سید'' اور ''آلِ سید'' ہونے کے دعوے کی بناء پر اپنی اَغراض واَہوا پرستی کی راہ ہموار کر لی، کہ چونکہ ہم ایسے اور ایسے، اور ان اور ان اَلقاب کے حامل و مستحق ہیں۔ لہٰذا ہم جو چاہیں کریں ، نہ ہماری کوئی گرفت ہونے والی ہے، اور نہ ہمیں کوئی روک ٹوک سکتا ہے۔ چرس پئیں، بھنگ پئیں، کتے لڑائیں، بٹیر بازی کریں وغیرہ وغیرہ۔ جو بھی کچھ کریں، کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں سب کچھ معاف اور ہمارے لئے ہر شے مباح ہے۔ اور پھر اس سے آگے طرح طرح کے گل کھلتے اور شگوفے پھوٹتے ہیں۔ کوئی اگر پوچھے تو اتنا جواب کافی ہے کہ صاحب یہ تو ''شاہ صاحب'' ہیں ''پہنچی ہوئی سرکار'' ہیں۔ ان کا معاملہ الگ ہے۔ ہم کیا جانیں۔ یہ فلاں ''سرکار کی اولاد'' اور ان کے گدی نشین ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جو مرضی کریں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح وہ راہِ حق و ہدایت اور اسکے تقاضوں سے کتنے دور اور محروم ہوتے جا رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا- بہرکیف صاحبزادگی کا یہ مرضِ خطیر پہلے بھی رہا اور آج بھی ہے؟ افراد میں پایا جاتا ہے، اور جماعتوں اور گروہوں میں بھی اور اس کے شاخسانے مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۵۴ یہودِ بے بہبود کا ایک بے بنیاد مفروضہ:- کہ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی بھی نہیں مگر گنتی کے کچھ دن اور بس۔ تا کہ تھوڑی بہت خطائیں اور غلط کاریاں جو ہم سے ہو گئیں، اس طرح ان کی بھی صفائی ہو جائے۔ اور نصاریٰ نے تو ''کفارہ'' کے خود ساختہ عقیدے کی بناء پر اس سے بھی جان چھڑا لی۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ کے اکلوتے بیٹے نے سولی پر چڑھ کر ہم سب کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، جبکہ شیعوں کا کہنا ہے کہ جنت دوزخ کی کنجی تو امامِ معصوم کے ہاتھ میں ہے۔ یہی بات بوہری کہتے ہیں۔ اسی طرح کا عقیدہ آغا خانی رکھتے ہیں۔ اور اسی دھوکے کا شکار بہت سے سادہ لوح عوام اور اہلِ بدعت ہیں کہ صاحب ہم نے تو فلاں ہستی کا لڑ پکڑ رکھا ہے۔ ان کا دامن تھام لیا ہے۔ ان کے نام کی نذر و نیاز دے دی۔ پس یہ ہمارے لئے کافی ہے وغیرہ وغیرہ- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى -حالانکہ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ صاف اور صریح طور پر بتاتی اور واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ مجازات سب کے لئے ایک اور یکساں ہے۔ اور مدارِ نجات ہر انسان کے لئے اس کا اپنا ایمان وعقیدہ اور عمل وکردار ہے۔ اور اس میں کسی کے لئے کوئی استثناء نہیں اور سب کے لئے اصول اور ضابطہ یہی ہے کہ ہر انسان اپنے کیے کرائے کے عوض رہن ہے ﴿كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ﴾ [الطور: ۲۱] -وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ- اللہ تعالیٰ خود فریبی اور زیغ وضلال کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

باتوں نے جن کو یہ لوگ خود (گھڑ) گھڑ کر بناتے ہیں ۵۵ پھر کیا حال ہوگا ان لوگوں کا اس وقت، جب کہ ہم اکٹھا کر لائیں گے

یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ

ان سب کو ایک ایسے ہولناک دن میں جس میں کوئی شک (وشبہ) نہیں، اور (اس روز) پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر کسی کو

فِیْهِ ۫ وَوُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

اس کی (زندگی بھر کی) کمائی (اور کیے کرائے) کا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ۵۶ کہو اے اللہ، مالک اس (ساری سلطنت و

یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ

بادشاہی کے، تو (اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ سے) جس کو چاہتا ہے (حکومت و) بادشاہی سے نوازتا ہے، اور جس

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ

سے چاہتا ہے (حکومت و) بادشاہی چھین لیتا ہے ۵۷ جس کو چاہتا ہے عزت (وعظمت) سے سرفراز فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے

مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ

ذلت (وخواری) سے ہم کنار کر دیتا ہے، تیرے ہی ہاتھ میں ہے سب (خوبی و) بھلائی، بے شک تو (اے ہمارے مالک!)

عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، تو داخل فرماتا ہے (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) رات کو دن میں

تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ

اور دن کو رات میں، ۵۸ اور تو ہی نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے،

۵۵ من گھڑت ڈھکوسلوں کا نتیجہ محرومی، والعیاذ باللہ: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خود ساختہ باتوں اور من گھڑت ڈھکوسلوں کا نتیجہ محرومی ہے، والعیاذ باللہ سو ان لوگوں کا ایسا کہنا اور ماننا سراسر دھوکہ وفریب ہے کہ اس طرح کے ان ڈھکوسلوں اور خود ساختہ مفروضوں کی بناء پر ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے محروم ہو کر ایسے لوگ تباہی کے گڑھے کی طرف بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اور ان کو یہ احساس ہی نہیں کہ اس

انسان سراسر دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو کر اپنی عاقبت اور انجام کی تباہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرتا ہے، مگر اس کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی ان ہی خود ساختہ آرزوؤں (امانی) کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کی کوئی سند اور بنیاد ان کے دین میں موجود نہیں تھی سوائے اس کے کہ ان علماء و مشائخ اور اَحبار و رہبان نے اپنی طرف سے گھڑ کر اور اپنے جی سے گھڑ کر ان کو اپنی شریعت کا جزو بنا دیا تھا اور آج بھی کتنی ہی ایسی بدعتیں ہیں جو جاہل مسلمانوں نے دین کے نام سے اپنا رکھی ہیں۔ اور وہ انہی کو اصلِ دین سمجھ کر گلے لگائے ہوئے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ حق و ہدایت کی روشنی سے محروم ہوتے جاتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ امین ثم امین یاربَّ العالمین

۵۶ روزِ قیامت میں ایسے لوگوں کا حالِ بد: - یعنی اس روز ان کا حال بہت ہی برا ہوگا کہ ایمان وعملِ صالح کی کوئی پونجی حساب کے اس دن کیلئے یہ لوگ اپنے ساتھ لے نہیں گئے ہونگے، کیونکہ سعی وعمل کی فرصت اور عمرِ رواں کی مہلت کو انہوں نے اسی طرح کے خود ساختہ ڈھکوسلوں، اور من گھڑت مفروضوں اور افسانوں کے تکیے پر یونہی ضائع کر دیا ہوگا۔ اور تلافیٔ مافات کی اب کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہ ہوگی۔ سو یہ خسارہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آج جو یہ لوگ امیدوں اور آرزوؤں کی ایک خیالی اور سہانی دنیا میں رہتے ہیں لیکن اسوقت ان کا کیا بنے گا جب کہ ہم ان کو ایک ایسے ''یوم الفصل'' میں اکٹھا کر لائیں گے جس نے بہر حال آکر رہنا ہے اور جو اس کائنات کی ایک اٹل حقیقت ہے اور جس کے پیش آنے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور اس دن ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ سو جو لوگ آج اپنی خود ساختہ آرزوؤں میں مست ومگن ہیں وہ اپنے بارے میں خود سوچ اور دیکھ لیں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ اس دن ان پر کیا گزرے گی اور ان کا کیا بنے گا؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین۔ ثم امین

۵۷ حکومت و بادشاہی اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حکومت و بادشاہی بخشنا اور اس کا چھیننا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ پس تو ہی جانتا ہے اے ہمارے خالق ومالک! کہ کس کو کیا دیا جائے اور کیا نہ دیا جائے۔ کون کس کے لائق ہے اور کون کس کے لائق نہیں۔ پس تو ہمیں اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت وعنایت سے بادشاہی وحکومت سے نواز اور عزت وسلطنت عطا فرما، تاکہ تیرے دین کا بول بالا ہو، اور تیرے نام لیوا حق کو غالب اور باطل کو مغلوب وزیر کرنے کے لائق ہو سکیں۔ غزوۂ اَحزاب کے موقع پر جب آنحضرت -ﷺ- نے خندق کی کھدائی کے موقع پر سامنے آنے والی ایک چٹان پر ضرب لگائی تو اس سے ایک بڑی چنگاری نکلی، تو آپ -ﷺ- نے فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے حِمیَر کے محلات دکھائے گئے ہیں۔ پھر دوسری ضرب لگانے پر چنگاری نکلی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے روم کے سرخ محلات دکھائے گئے ہیں۔ اور پھر تیسری ضرب پر جب چنگاری نکلی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی

روشنی میں مجھے صنعاء کے محلات دکھائے گئے ہیں۔ اور جبریل امین نے مجھے بتایا ہے کہ ان تمام ممالک پر عنقریب ہی میری امت کا غلبہ و تسلط قائم ہو گا۔ اس پر کفار نانہجار نے اس کا مذاق اڑایا کہ ان صاحب کو دیکھو کہ اپنے مخالفوں کے خوف کے مارے چھپنے کیلئے خندقیں کھود رہے ہیں، اور دعوے اتنے بڑے کر رہے ہیں کہ ان تمام ملکوں اور محلات پر ان کا غلبہ و تسلط عنقریب ہی قائم ہو جائے گا۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ ان لوگوں کی ان ہرزہ سرائیوں سے قطع نظر کر کے آپؐ اپنے خالق و مالک سے اس طرح عرض و التجا کرو کہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ، المراغی، الصفوۃ، وغیرہ)۔ نیز اس قرآنی دعاء کی تعلیم و تلقین میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ اب یہود و نصاریٰ سے دینی سیادت و قیادت چھن کر مسلمانوں کو ملنے والی ہے جو ابد قیامت تک انہی کے اندر رہے گی۔ بہر کیف قرآنِ حکیم کے اس ارشاد سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت و اقتدار بخشنا اور اس سے محروم کرنا سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، لیکن آج کا جاہل مسلمان الیکشن جیتنے کیلئے طرح طرح کی قبروں اور مختلف ناموں کی خودساختہ اور فرضی سرکاروں کے چکر کاٹتا، ان کے طواف کرتا اور طرح طرح کے ننگ دھڑنگ ملنگوں کے آگے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ بنتا ہے اور بننا چاہتا ہے وہ قوم کا لیڈر و راہنما مگر اپنی عقل و خرد اور دین و ایمان کا حال یہ ہے کہ جگہ جگہ اس طرح کی ذلتیں اٹھاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بہر کیف حکومت و اقتدار سے سرفراز کرنا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس سے محروم کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۵۸ دن رات کا ادلنا بدلنا قدرت کا عظیم الشان مظہر: سو دن کا رات میں اور رات کا دن میں داخل کرنا قدرت کی کارفرمائی کا ایک عظیم الشان مظہر ہے جس سے کبھی رات بڑی اور کبھی دن۔ اور یہ نہایت ہی حکمت اور بڑی باریکیوں پر مشتمل ایک ایسا حیرت انگیز نظام ہے جس سے مخلوق کے طرح طرح کے فوائد و منافع وابستہ ہیں۔ اور کسی کے بس اور اختیار میں نہیں کہ وہ اس میں کوئی رکاوٹ ڈال سکے۔ اور دن رات کے ادلنے بدلنے کا یہ سلسلہ چونکہ نہایت باریکی اور انتہائی پابندی کے ساتھ ہر لحہ و لحظہ اور ہر حال میں جاری و ساری رہتا ہے، اس لئے اس سے یہ ایک اہم اور بنیادی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کا حکم و تصرف اسکی اپنی اس کائنات میں ہر لمحہ و لحظہ جاری و کارفرما رہتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ایسا نہیں کہ اس کائنات کو بنا سنوار کر وہ اس سے الگ ہو بیٹھا ہو، جیسا کہ بہت سے ٹیڑھی کھوپڑی والوں کا کہنا اور ماننا ہے اور اس بناء پر وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے اور مہالک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنی اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کیلئے طرح طرح کی خودساختہ اور فرضی و وہمی سرکاروں اور ہستیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سو ایسا نہیں جیسا کہ اس طرح کے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ وہ قیوم السموات والارض اپنی اس کائنات میں ہر وقت اور ہر طرح کا تصرف فرماتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور عبادت کی ہر قسم اور اس کی ہر شکل اسی کا حق ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ

اور مردہ کو زندہ سے، ۵۹ اور جس کو چاہتا ہے روزی دیتا ہے

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ

بغیر کسی حساب کے، ۶۰ ایمان والے کافروں کو اپنا دوست نہ

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

بنائیں اہلِ ایمان کو چھوڑ کر، اور جس نے ایسے کیا،

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ

اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ۶۱ مگر یہ کہ تم ان (کے ظلم وستم) سے بچنے کے لئے (اور اپنی حفاظت کی خاطر) بچاؤ کا

۵۹ احیاء واماتت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں:۔ سو احیاء و اماتت یعنی زندگی بخشنا اور موت دینا قدرت کی حکمت وتصرف کا ایک اور عظیم الشان مظہر ونمونہ ہے، سو مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے نکالنا قدرت کی عظمت وحکمت اور اس کے حکم وتصرف کا ایک اور عظیم الشان نمونہ ومظہر ہے۔ جیسے چوزہ کو بیضہ سے اور بیضہ کو چوزہ سے، مادۂ تولید سے جاندار کو، اور جاندار سے مادۂ تولید کو۔ مومن کو کافر سے اور کافر کو مومن سے۔ موحد کو مشرک سے اور مشرک کو موحد سے۔ کیونکہ ایمان وتوحید زندگی ہے اور کفر وشرک موت۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا گیا ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ الآية [الانعام۔۱۲۳]۔ یعنی ''کیا ایسا شخص جو مردہ ہو پھر ہم (ایمان ویقین کی دولت سے نواز کر) اس کو زندگی بخش دیں، اور اس کو ایک ایسے عظیم الشان نور سے سرفراز کر دیں، جس کو وہ لئے ہوئے لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو، کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو طرح طرح کے اندھیروں میں اس طرح پڑا ہو، کہ ان سے نکلنے ہی نہ پاتا ہو؟'' اور اسی طرح زمین کے بارے میں بتایا گیا کہ بارش اور پانی سے قبل وہ مردہ پڑی ہوتی ہے، جس میں نہ کچھ اگتا ہے، نہ کوئی پیداوار ہوتی ہے مگر پانی ملنے کے بعد وہ زندہ ہو جاتی ہے، جس سے طرح طرح کی انگوریاں پھوٹتی اور پیداواریں نکلتی ہیں۔ چنانچہ سورۂ روم میں ارشاد ہوتا ہے ﴿فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ الآية [الروم۔۵۰] ''سو دیکھو اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ) کی رحمت کے آثار ونشانات کی طرف کہ کس طرح وہ زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے بعد کہ وہ مردہ پڑی ہوتی ہے''۔ سو اس طرح زندوں کو مُردوں سے، اور مُردوں کو زندوں سے نکالنے کا یہ حیرت انگیز اور عبرت خیز عمل، جو کہ اس وحدہٗ لاشریک

کی قدرتِ بے پایاں، اور رحمتِ بے کراں کا ایک عظیم الشان مظہر ہے، اس عالمِ کون وفساد میں ہر طرف جاری و ساری ہے۔ اور ہمیشہ سے اور ہر وقت جاری و ساری ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو کیسے اندھے اوندھے اور کوتاہ بین ہیں وہ لوگ جو اپنی دانش و بینش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود نہ اس پر غور و فکر کر کے اپنے خالق و مالک کو پہچانتے ہیں نہ اسکے حقِ بندگی کو ادا کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے انجام اور عاقبت کی فکر کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۶۰ روزی رساں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ ہی کی شان ہے بے حساب روزی عطا فرمانا۔ حساب کے دو معنی آتے ہیں۔ اور یہاں پر دونوں ہی مراد لینا صحیح ہے۔ ایک یہ کہ اس کے معنیٰ لئے جائیں بغیر گنتی وشمار کے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اپنی حکمتِ بے پایاں اور اپنے علمِ بے نہایت کی بناء پر جس کو چاہے جو نعمت دے اور بغیر کسی حد و حساب کے جتنی چاہے عطا فرمائے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور دوسرے یہ کہ حساب کو حُسبان و گمان کے معنی میں لیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے وہ کچھ دیتا ہے اور وہاں سے دیتا ہے جس کا اور جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ الآیۃ [الطلاق ۲-۳]۔ پس مومن کا کام ہے کہ وہ اپنے بس کی حد تک صدق واخلاص کے ساتھ کوشش ومحنت کرے، اور راہِ حق وصواب میں مصروفِ عمل رہے۔ روزی کی فکر نہ کرے۔ اللہ پاک روزی سے اسکو وہاں سے نوازے گا جہاں سے اسکو اس کا گمان بھی نہیں ہوگا، مگر آج کا جاہل مسلمان ہے کہ وہ توکل علی اللہ کی اس دولت سے محروم ہے۔ اس کا توکل و آسرا طرح طرح کے فرضی وہمی اور خود ساختہ سہاروں پر تو ہے مگر اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس پر توکل کرنے کی توفیق اسکو نصیب نہیں ہوتی۔ الا ماشاء اللہ۔ اور اس وجہ سے وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔ اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۶۱ اہلِ کفر و باطل کو دوست بنانے کی ممانعت: - پس اہلِ کفر و باطل کو دوست بنانا ایک سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی رکھنا ایک سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ کیونکہ کفار اللہ کے دشمن ہیں۔ اور دشمن و دوست دونوں کی محبتیں یکجا نہیں ہوسکتیں۔ پس کفار سے دلی دوستی ممنوع وحرام ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اور ایسی دوستی کا نتیجہ وانجام بہت برا ہے کہ ایسا شخص اللہ کی دوستی اور اسکی نصرت وعنایت کے شرف سے محروم ہوگیا جو کہ خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑا نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ''اولیاء'' جمع ہے ''ولی'' کی جس کے معنی دوست، ساتھی، کارساز و مددگار اور حمایتی وغیرہ کے آتے ہیں ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کی قید سے یہ واضح فرمادیا گیا کہ کافروں سے صرف اس قسم کی موالات ممنوع اور ناجائز ہے، جو مسلمانوں کے بالمقابل یا ان کے مفاد و مصالح کے خلاف ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کا مفاد اور ان کا حق دوسرے تمام حقوق اور مفادات پر بہر حال مقدم اور فائق ہے۔ افسوس کہ آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا معاملہ اور ان کا طرزِ عمل اس سے یکسر مختلف ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ کتنے ہی ایسے بدبخت ہیں جو کافروں سے مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین ثم آمین

تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

کوئی طریقہ اختیار کرلو ۶۲ اور اللہ تم لوگوں کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے ۶۳ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (سب کو،) ۶۴

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ

کہو (ان سے، کہ اے لوگو!) اگر تم چھپا کر رکھو وہ کچھ جو کہ تمہارے سینوں کے اندر ہے، یا اس کو ظاہر کرو، اللہ بہرحال

اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

اس سب کو جانتا ہے ۶۵ اور اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۶۶ (اور ہمیشہ یاد رکھو اس بڑے دن کو کہ)

۶۲ کفار اشرار سے ظاہری مدارات کی اجازت: - اور اس بناء پر تم ان سے ظاہری تعلق اور میل ملاپ رکھو کہ یہ منع نہیں۔ کہ ان کے شر سے بچنے کیلئے ایسا کرنے کی اجازت ہے، جیسا کہ حضرتِ امام بخاریؒ حضرت ابو الدرداء۔ رضی اللہ عنہ۔ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن سے ہم ہنس کر ملتے ہیں مگر ہمارے دل ان کو لعنت کر رہے ہوتے ہیں "اِنَّا لَنَكْشِرُ فِىْ وُجُوْهِ اَقْوَامٍ وَّقُلُوْبُنَا تَلْعَنُهُمْ" (اخرجہ البخاری فی کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس). ظاہری دوستی اور تعلق جو ضرورت کی بناء پر ہو رکھنا پڑتا ہے، اسکی اجازت ہے۔ البتہ ان سے دل کی دوستی رکھنا جائز نہیں۔ "بِطَانَۃ" یہاں پر مفعولِ مطلق کے طور پر استعمال ہوا ہے جس سے فعل کی تاکید ظاہر ہوتی ہے، سو جو مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے دوستی اور موالات کا تعلق رکھتے ہیں ان کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ انہی میں سے ہوں گے جن سے یہ دوستی رکھتے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ اور اس کے دشمنوں دونوں سے دوستی رکھنا ممکن نہیں۔ اللہ سے دوستی اور تعلق کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دشمنوں سے اپنا دامن بچا کر رکھا جائے۔ اس سے مستثنیٰ صرف وہی لوگ ہیں جو ان کفار کی مخالفِ اسلام موالات سے اس طرح بچیں جس طرح اس سے بچنے کا حق ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید وہو الہادی الیٰ سواء السبیل۔

۶۳ اللہ سے ڈرتے رہنے کی ضرورت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے تاکہ تم ڈرو اس کے غضب وعقاب سے، اور بچو اس کی گرفت و پکڑ سے۔ کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے ﴿اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ نیز فرمایا گیا ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ﴾ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس وہ اپنے حلمِ بے پایاں اور کرمِ بے نہایت کی بناء پر جو تم لوگوں کو ڈھیل اور مہلت دے رہا ہے، اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا کہ یہ مہلت بہرحال ایک مہلت ہے، جس نے لامحالہ ختم ہو جانا ہے۔ سو اس قادرِ مطلق رب رحمان ورحیم کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ پس اسکی ناراضگی سے ہمیشہ بچتے رہنا اور اسکی گرفت و پکڑ سے کبھی غافل اور بے فکر نہیں ہو جانا۔ وباللہ التوفیق۔

اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یا ربّ العالمین

۶۴ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کو بہرحال لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر ہر کسی نے اپنے زندگی بھر کے کیئے کرائے کا جواب دینا اور بھرپور بدلہ پانا ہے۔ پس ہر کوئی خود دیکھ لے کہ میں وہاں کیلئے کیا لے کر جا رہا ہوں۔ سو وہاں سرخرو ہونے کا سامان کر لو قبل اس سے کہ متاع عمر ہاتھ سے نکل جائے۔ اور پھر تلافی و تدارک کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ سو اس میں تنبیہ ہے منکرین و منافقین کو کہ اگر ڈھیل ملی ہوئی ہے تو وہ اس سے دھوکے میں نہ پڑیں کہ یہ بہرحال ایک ڈھیل ہے۔ جس نے بہرحال ختم ہو کر رہنا ہے اور تم نے بالآخر اسکے حضور حاضر ہو کر اپنے کیئے کرائے کا پھل پانا اور اس کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ اور عدل و فضل کے اس دن نے اپنے وقت پر بہرحال آ کر رہنا ہے۔ لہٰذا آج ملنے والی ڈھیل اور مہلت سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اور ہمیشہ اپنے اس آخری انجام کو یاد رکھنا چاہئے۔ اور اس فکر و کوشش میں رہنا چاہیے کہ وہاں مجھے کیا چیز کام آئے گی۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من احوال۔

۶۵ اللہ کے کمال علم کا حوالہ وذکر :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کو ایک برابر جانتا ہے کہ اس سے کوئی چیز یا کسی چیز کا کوئی پہلو پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ سو دنیا والوں سے تو تم لوگ بہت کچھ چھپا سکتے ہو مگر اس سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتے۔ اس لئے اس وحدہٗ لاشریک سے اپنے دلوں کا معاملہ بھی ہمیشہ درست رکھا کرو اور یہ حقیقت بھی ہمیشہ پیشِ نظر رکھا کرو کہ اس کے یہاں ظاہر و باطن سب ایک برابر ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس سے کسی کی کوئی بھی حرکت مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ سو وہ تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی جانتا ہے اور آسمان اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو کچھ ہے اس سے بھی پوری طرح آگاہ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی و پوشیدہ کہ اسکے یہاں غیب و حاضر اور نہاں و عیاں سب ایک برابر ہے اور اس کا علم سب پر یکساں حاوی و محیط ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۶۶ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت کا ذکر و بیان :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کا علم اور اسکی قدرت سب پر حاوی و محیط ہے۔ پس نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی گرفت و پکڑ سے بچ سکتا ہے، کہ اس کا علم بھی کامل و لامحدود اور اس کی قدرت بھی کامل و لامحدود ہے۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شان ہے۔ پس معبودِ برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس لیے بندے کو ہر وقت اور ہر حال میں اسکی رضا کے حصول ہی کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اسکی رضا سے سرفرازی نصیب ہوگئی تو سب کچھ مل گیا نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ اپنے اس علمِ کامل اور قدرتِ لامحدود کے باوجود جو ڈھیل دے رہا ہے تو اس لئے دے رہا ہے کہ اس نے سزا و جزا کے لئے ایک خاص دن مقرر کر رکھا ہے، جس میں ہر کسی کی نیکی اور بدی اس کے سامنے آ جائے گی اور وہ اپنے زندگی بھر کے کیئے کرائے کو خود دیکھ لے گا اور اس کے مطابق پورا پورا بدلہ پائے گا۔ اور یہ کہ عدل و انصاف کے تقاضے اپنی کامل اور آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔ پس عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس یومِ جزا کے لئے تیاری کرے اور اس کو اور اسکے تقاضوں کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب و یرید، وھو الھادی الی سواء السبیل. اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ

جس دن ہر شخص اپنے (زندگی بھر کے) کیے کرائے کو اپنے سامنے حاضر (و موجود) پائے گا، نیکی کو بھی، اور

مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗۤ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ؕ

بدی کو بھی، (اور اس وقت) یہ تمنا کریگا کہ کاش اس کے درمیان اور اس کے ان برے اعمال کے درمیان بڑی دور کی مسافت

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

حائل ہوتی ۶۷ اللہ ڈراتا ہے تم لوگوں کو اپنے آپ سے، ۶۸ اور اللہ بڑا ہی مہربان (و شفیق) ہے اپنے بندوں پر، ۶۹

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

کہو (ان سے کہ اے لوگو!) اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے (اس کی بے انتہاء رحمتوں اور عنایتوں کی بناء پر) ۷۰ تو تم میری پیروی کرو، ۷۱

۶۷ روزِ جزا میں اہلِ باطل کی ایک بے فائدہ تمنا: - سو اس روز ایسے لوگ رہ رہ کر تمنا کریں گے کہ کاش کہ ان کے اور ان کے برے اعمال کے درمیان بڑے دور کی مسافت حائل ہو جاتی تاکہ مجھے اس کے معائنے کی اور یہ انجامِ بد دیکھنے کی نوبت نہ آتی، مگر اس وقت اس کے اس چاہنے سے اس کو کچھ فائدہ بہر حال نہیں ہوگا۔ سو بچنا ہے تو اب دنیا کی اس فرصت میں اس سے بچنے کی فکر و کوشش کرو کہ آخرت کی فوز و فلاح کے حاصل کرنے کی فرصت اور وہاں کیلئے کمائی کرنے کی جگہ یہ دنیا ہی ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ''اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ لِلْاٰخِرَةِ'' کہ ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے'' اس فرصت کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کمائی کیلئے کوئی موقع ملنے کا نہیں، اور وہاں کے افسوس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ﴾ (سبا۔۵۲)۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کتابِ حکیم کا دنیا پر کس قدر عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے آخرت کے اس غیبی جہاں کے ان غیبی حقائق کو اس قدر صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے اور وہ یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے اسکی خبر نہ تھی۔ مگر دنیا ہے کہ اسکے باوجود خوابِ غفلت میں پڑی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل و علا۔ سو آج دنیاوی زندگی میں آخرت کے لئے کمائی کا جو موقع ہے وہ پھر کبھی ملنے والا نہیں۔ اس کو غنیمت سمجھا جائے ۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ۔ وعلى ما يحب و يريد، بكل حال من الاحوال

۶۸ اللہ تعالیٰ کی تحذیر و تنبیہ کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم کو اپنے آپ سے ڈراتا اور خبردار کرتا ہے۔ تاکہ اس طرح تم اس کی نافرمانی اور اس کی پکڑ سے بچ سکو کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ جَلَالُهٗ۔ سو آج جو ڈھیل تم لوگوں کو اس کی طرف سے ملی ہوئی ہے اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا، کہ یہ ڈھیل بہر حال ایک ڈھیل ہے جس نے بہر حال ختم ہو جانا ہے اور اس رب رحمان و رحیم کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ اس

لیے وہ تم لوگوں کو اپنی ذات سے ڈراتا اور اپنی گرفت و پکڑ سے خبردار کرتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو وہ چونکہ ''رؤف'' ہے اور اپنے بندوں پر نہایت درجہ مہربان ہے۔ اور وہ ان کو ان کے اعمال کے نتائج بد سے بچانا چاہتا ہے اس وجہ سے وہ ان کو اپنی ذات سے بار بار خبردار اور ہوشیار کرتا ہے کہ وہ اس ڈھیل سے کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں کہ وہ ڈھیل تو بیشک دیتا ہے لیکن جب وہ پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہوتی ہے اور ایسا خسارہ کہ پھر اس کی تلافی و تدارک کی کوئی صورت بھی ممکن نہیں رہے گی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر ہی چلنا نصیب فرمائے۔ اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین ویا اکرم الاکرمین

۶۹ اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے: ۔ اتنا مہربان اور اس قدر شفیق کہ اس کی شفقت و مہربانی کا کوئی کنارہ نہیں، اور یہ اس کی شفقت و مہربانی ہی کا ایک حصہ ومظہر ہے کہ وہ تم کو پیشگی خبردار کرتا اور اپنی گرفت و پکڑ سے ڈراتا، اور تمہارے انجامِ بد سے تمہیں اس طرح خبردار کرتا ہے، تاکہ تم وقت کے ہاتھ سے نکل جانے سے قبل اور فرصتِ عمر کے فوت ہو جانے سے پہلے اپنے حال کی اِصلاح اور اپنے مآل کی فکر کرلو کہ یہ موقع پھر کبھی ملنے والا نہیں۔ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ۔ پس اس خدائے رؤف ورحیم کی بارگہ رأفت ورحمت سے منہ موڑنا اور اِعراض برتنا جہاں اسکے حق بندگی سے منہ موڑنا ہے، وہیں یہ اپنے لیے دارَین کا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۷۰ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے تقاضے: ۔ سو محبت کا اصل اور حقیقی حقدار اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے، کہ نہ اس کی رحمت وعنایت کا کوئی کنارہ، اور نہ اس کی عطاء و بخشش کی کوئی حد وانتہاء ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جو بھی کوئی خوبی و کمال اس کائنات میں موجود ہے، خواہ وہ ہمارے جسم کے اندر ہو یا اس کے باہر، چہار سو پھیلی بکھری اس پوری کائنات میں ہو، وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے۔ کہ واہبِ مطلق وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور کمالِ مطلق بھی اسی کی صفت وشان ہے۔ لہٰذا محبوبِ حقیقی بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ پس اس کی محبت ایک فطری امر اور طبعی چیز ہے۔ لہٰذا جو دل اس کی محبت سے خالی ہیں وہ دل زندہ نہیں مردہ ہیں۔ اور وہ دل نہیں پتھر ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا ۔ سو اسکی محبت سے سرشاری ایک طبعی اور جبلی امر اور ایک عظیم الشان سعادت ہے اور اس سے محرومی ایک بڑی ہولناک محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کی محبت کے تقاضے پورے کرنے کی شکل ہے اسکے رسول کی اتباع۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اتباعِ رسول سے سرشار رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

۷۱ اِتّباعِ رسول ہر خیر کی اَساس و بنیاد: ۔ سبحان اللہ! کتنا عظیم الشان اور کس قدر واضح اور مختصر طریقہ بتلایا گیا محبوبِ حقیقی ۔جل وعلا۔ کی محبت کے مقتضیٰ کی ادائیگی کا۔ یعنی صرف اِتباع اور یہ اِتباع و پیروی ہے اس ہستی کی جو کہ منصبِ نبوت ورسالت سے مشرف وسرفراز ہے۔ کہ اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت، اور اس کی اِتباع و پیروی اللہ کی محبت کا تقاضا ہے۔ اور یہ اِتباع و پیروی زندگی کے تمام زاویوں اور جملہ گوشوں پر حاوی ومحیط ہے۔ خواہ وہ اجتماعی ہوں یا انفرادی، گھر سے متعلق ہوں یا باہر کی دنیا سے وغیرہ وغیرہ۔ وباللہ التوفیق۔ پس ہر خیر کی اساس و بنیاد اِتباعِ رسول ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لہٰذا جو لوگ پیغمبر کی اِتباع و پیروی نہیں کرتے، وہ محبت کے اپنے بلند بانگ دعووں میں جھوٹے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾

اس پر اللہ تم سے محبت بھی فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کی بخشش بھی فرمادے گا ۲ے اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے،

قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

کہو، تم لوگ سچے دل سے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی ۳ے پھر اگر یہ لوگ منہ موڑیں (حق اور ہدایت کی اس راہ سے)

لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ

تو (یقیناً یہ اپنا ہی نقصان کریں گے کہ) بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا ایسے کافروں کو ۴ے بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور

نُوحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿٣٣﴾

نوح کو، اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو، سب جہانوں پر ۵ے درانحالیکہ یہ سب ایک دوسرے کی اولاد تھے ۶ے اور اللہ (ہر کسی کی)

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

سنتا، (اور سب کچھ) جانتا ہے، (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب عمران کی بیوی نے کہا ۷ے کہ اے میرے رب!

۴۲ اِتّباعِ رسول کے بعض اہم ثمرات: - یہ اس اکرم الاکرمین کا ایک اور کرم ہے کہ وہ اپنے رسول کی اِتّباع و پیروی کرنے پر ان اور ان انعامات سے نوازتا ہے کہ ایک تو وہ اِتّباع کرنے والے سے محبت فرماتا ہے، اور دوسرے وہ اس کے گناہوں کی بخشش بھی فرما دیتا ہے - سبحانہ و تعالیٰ - اور جس کو یہ دو عظیم الشان انعام یعنی محبتِ خداوندی اور گناہوں کی بخشش مل گئے، اس کو اور کیا چاہیئے - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اِتّباعِ رسول - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کتنی بڑی نعمت اور کس قدر عظیم الشان دولت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے - فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَرَزَقَنَا التَّوْفِيقَ وَالسَّدَادَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى - اِنَّهٗ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ - وَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيرٌ - بہر کیف اتباعِ رسول دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مندی اور سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے - آمین

۴۳ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت بغیر کسی شرط وقید کے: - سو اس سے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے، کہ انکی اطاعت بغیر کسی شرط وقید کے ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی کہ اس میں خود تمہارا ہی بھلا ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، کہ یہاں اس سے تم لوگوں کو حیاتِ طیبہ یعنی پاکیزہ زندگی کی سعادت نصیب ہوگی، اور آخرت میں جنت کی ابدی اور سدابہار نعمتوں سے سرفرازی کا شرفِ بے مثال حاصل ہوگا - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ - اور اللہ اور اسکے رسول کی یہ اطاعت وفرمانبرداری مطلق اور بدوں کسی

شرط و قید کے ہے کہ اس میں بہرحال خیر ہی خیر ہے۔ کسی غلطی اور خطاء کا وہاں کوئی تصور اور احتمال ہی نہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے سوا اطاعتِ مطلقہ اور کسی کی بھی نہیں کہ باقی ہر کسی کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط اور اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی بھی اطاعت جائز نہیں ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' اور رسول کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ الآیة۔ یعنی ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔ [النساء: ۸۰] - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۷۴ اطاعتِ خدا اور رسول سے روگردانی کفر ہے، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرنا کفر ہے - والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اس سے منہ موڑیں گے تو یقیناً اللہ پسند نہیں فرماتا ایسے کافروں کو جو حق و ہدایت کے واضح ہوجانے کے باوجود اس سے منہ موڑتے ہیں، اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ کر حق کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کرتے ہیں۔ سو اس سے اِن یہود و نصاریٰ کا بھی دعویٰ رد ہوگیا جو اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اس کے دینِ حق کے منکر اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہیں کہ اللہ ایسے کافروں کو کبھی اپنا دوست اور محبوب نہیں بناتا۔ بہرکیف اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کرنا کفر ہے۔ (جامع البیان، معارف القرآن وغیرہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا - سو جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن عملاً وہ ان کی اطاعت کی بجائے نافرمانی کرتے ہیں ان کا دعویٰ محض زبانی جمع خرچ ہے - والعیاذ باللہ - ایمان کا ثبوت دینے کے لئے ان کو عملی طور پر اطاعت و فرمانبرداری کی ضرورت ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى - بہرکیف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان کا تقاضا ہے اور اس سے روگردانی کفر - والعیاذ باللہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۷۵ اصطفاءِ خداوندی اور اس کا تقاضا: - سو اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کی کچھ چنی ہوئی ہستیوں کا ذکر فرمایا گیا اور ان کی عظمتِ شان کے مقتضیٰ کو واضح فرمایا گیا ہے۔ سو ان حضرات کو اس نے سب جہانوں پر چن لیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں پر بھی کہ ''عالمین'' میں وہ بھی داخل اور شامل ہیں۔ (جامع البیان، محاسن التاویل وغیرہ)۔ اور یہ اس لئے کہ ان حضرات کو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے ایسے ایسے خصائص و مزایا سے نوازا تھا، جو اور کسی کے حصے میں نہیں آئے۔ مثلاً حضرتِ آدم - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کو حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے (یعنی خاص اہتمام کے ساتھ) تخلیق فرمایا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے ﴿خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ﴾ [ص۔ ۷۵] پھر ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ پھر ان کو اپنی خلافت و نیابت کے تاج سے سرفراز فرمایا۔ پھر ان کو مسجودِ ملائکہ بنایا اور ابلیس کو ان کے آگے سجدہ نہ کرنے اور ان کی ہمسری اور ان سے برتری کا دعویٰ کرنے کی بناء پر ہمیشہ ہمیش کے لئے طوقِ لعنت میں جکڑ دیا گیا۔ اور انکو تمام نوعِ انسانی کی ابوت یعنی سب کے باپ ہونے کے شرف سے نوازا۔ اسی طرح ان کو سب سے پہلے نبی ہونے کا اعزاز بخشا۔ اور حضرتِ نوحؑ کو یہ اعزاز بخشا کہ ان کو سب سے پہلا ایسا رسول بنایا جن کو شرک اور بت پرستی کی تردید کیلئے

مبعوث فرمایا گیا۔ پھر انہوں نے ساڑھے نو سو برس تک۔ اتنی صدیوں پر محیط و مشتمل طویل زمانے تک۔ بے مثل طریق پر حق کی تبلیغ اور باطل کی تردید فرمائی۔ پھر ان کی دعوت کا انکار کرنے والوں کو آخر کار اس عظیم الشان، بے مثل اور ہولناک طوفان سے ہمیشہ کیلئے غرق کر کے جہنم رسید کر دیا گیا، جس جیسا عذاب دوسری کسی قوم پر نہیں آیا، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا﴾ [نوح۔ ۲۵] اور اس طوفان سے جو کہ "طوفانِ نوح" ہی کے نام سے ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہو گیا، حضرتِ نوحؑ کو اور آپ کے ماننے والوں کو بچانے کیلئے خاص انتظام فرمایا گیا۔ اور اپنے خاص کرم سے، اور اپنی خاص نگرانی میں، ان سے ایک ایسی عظیم الشان کشتی بنوائی گئی جو کہ نجات کا نشان بن گئی۔ اور طوفانِ نوح کی طرح کشتی نوح بھی ایک ضرب المثل بن گئی۔ اور پھر آنجناب کے بعد آنے والی ساری نسلِ انسانی آپؑ اور آپکے ساتھیوں ہی سے چلی، اور آپؑ آدم ثانی قرار پائے۔ اور آپؑ کی صدیوں پر محیط اس عظیم الشان تاریخ میں عبرت و بصیرت کے ایسے عظیم الشان اور بے مثل نمونے دکھلائے گئے جو رہتی دنیا تک ہمیشہ کیلئے نشانِ راہ بن گئے۔ اور آلِ ابراہیم کو یہ عظیم الشان شرف و امتیاز بخشا گیا کہ حضرتِ ابراہیمؑ کے بعد تشریف لانے والے تمام انبیائے کرام کا تعلق آپؑ ہی کی نسل سے رہا ہے۔ اور اس طرح حضرتِ ابراہیمؑ "ابو الانبیاء" اور "جد الانبیاء" قرار پائے۔ اور آپ کے ایک فرزندِ ارجمند حضرتِ اسماعیل۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کی نسل سے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ تشریف لائے، جو کہ سب نبیوں سے افضل اور سب کے امام قرار پائے، اور جن کو بعثتِ عامہ کے شرفِ عظیم سے نوازا گیا، اور جن کی نبوت و رسالت کو قیامت تک جاری و ساری فرمایا گیا۔ جبکہ آپ کے دوسرے فرزندِ ارجمند حضرتِ اسحاق۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کی نسل سے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء و رسل تشریف لائے۔ اور آپ ان سب کے جدِّ امجد قرار پائے۔ اسی طرح آلِ عمران کو بھی خاص انعامات سے نوازا گیا۔ عمران سے یہاں کونسے عمران مراد ہیں۔ عمران بن ماثان جو کہ حضرتِ مریم کے والد اور حضرتِ عیسیٰ کے جدِّ امجد تھے، یا عمران بن احمد بن قاہت بن لاوی جو کہ حضرتِ موسیٰ و ہارون۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ کے والد تھے؟ حضراتِ مفسرینِ کرام سے اس بارے دونوں قول مروی ہیں۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ سیاق و سباق سے اگرچہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد عمران بن ماثان ہیں جو کہ حضرتِ مریمؑ کے والد ہیں، کہ آگے قصہ بھی انہی کا آ رہا ہے۔ اور اس لئے کہ اس سلسلۂ گفتگو کا تعلق نصاریٰ نجران ہی سے ہے جو کہ حضرتِ عیسیٰ اور حضرتِ مریم کی الوہیت کے قائل اور مدعی تھے، مگر اس کے باوجود پہلے قول کو بھی بالکلیہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ جو بھی ہو اور عمران سے مراد جو بھی بزرگ لئے جائیں، درست ہے۔ کیونکہ بہرصورت آلِ عمران کو اللہ پاک نے اپنی خاص عنایتوں اور نوازشوں سے نوازا تھا۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو ان بزرگوں کی تذکیر و یاددہانی سے ایک طرف انکی اولاد اور ان سے تعلق رکھنے والوں کیلئے یہ درس ہے کہ دیکھو تمہارے یہ بڑے اور آباؤ اجداد کس طرح کے لوگ تھے، اور تمہارے طور طریقے کیا ہیں؟ اور کیا ہونے چاہئیں؟ اور دوسری طرف یہ کہ یہ سب کے سب ایک دوسرے کی اولاد اور اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے تھے۔ ان میں خدائی یا الوہیت کی کوئی صفت نہیں تھی۔ اس لیے جن لوگوں نے ان میں سے کسی کو خدائی صفات کا حامل قرار دیا انہوں نے شرک کیا اور بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔ وَالْعِيَاذُ

باللہِ مِنْ کُلِّ شَآئِبَةٍ مِّنْ شَوَآئِبِ الشِّرْکِ وَالْاِنْحِرَافِ- اللہ ہمیشہ راہ حق وصواب پر گامزن رکھے۔ اٰمین

۷۶ نسب عیسوی کا ذکر و بیان تردید شرک کیلئے:- سو یہاں سے حضرت عیسیٰ کے شجرۂ نسب کا ذکر و بیان شرک کی تردید کے لئے فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب حضرات ایک دوسرے کی اولاد تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کی یہ چنی ہوئی ہستیاں سب ایک دوسرے کی اولاد تھیں۔ ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ اپنی اصل فطرت اور اپنے خمیر وطینت کے اعتبار سے یہ سب حضرات باہمدگر مشابہ اور ایک ہی طرح کے تھے۔ اور اصطفاء و اجتباء کے شرف سے سب ہی یکے بعد دیگرے مشرف ہوئے۔ اور ان میں سے کسی میں بھی الوہیت کا کوئی شائبہ تک نہیں تھا، جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے ان میں سے بعض ہستیوں کے بارے میں اس طرح کے انتہاء پسندانہ اور غلو پر مبنی دعوے کر رکھے تھے۔ اور بے بنیاد عقیدے اپنا رکھے تھے۔ کیونکہ جو ہستی کسی کی اولاد ہو، یا اس کی کوئی اولاد ہو، وہ اللہ اور معبود نہیں ہو سکتی، کیونکہ معبودِ برحق کی شان ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾ ''نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ خود کسی کی اولاد''- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف اس سارے شجرہ کے بیان سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ عیسیٰ بھی اسی سلسلۂ مبارکہ کی ایک کڑی ہیں۔ ان کی والدہ ماجدہ ان کے نانا اور ان کے دوسرے اَجداد سب معلوم ہیں۔ یہ سارے خاندان ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ اور ایک دوسرے کی ذریت و اولاد ہیں۔ تو پھر اسی خاندان سے اٹھنے والے کسی شخص کے بارے میں الوہیت کے دعوٰی کرنے کی آخر کیا تک ہو سکتی ہے اور اس طرح کے کسی شرک کی آخر کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟- وَالْعِيَاذُ بِاللہِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّ ضَلَالٍ-

۷۷ عمران کی بیوی کی نذر کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی لائق ذکر و بیان ہے کہ جب عمران کی بیوی نے جن کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا اس طرح کہا۔ اور انہوں نے اس وقت کے اپنے رواج کے مطابق یہ نذر مانی تھی۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف یہاں سے اُن مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کے حالات کا تفصیلی ذکر شروع ہوتا ہے تاکہ اس سے ان کی اصلی شان واضح ہو جائے اور ان کے بارے میں بعد کے لوگوں نے اِفراط وتفریط سے کام لیکر جن طرح طرح کی ہولناک اور تباہ کن گمراہیوں کا ارتکاب کیا تھا ان کی حقیقت واضح ہو جائے، خاص کر حضرت عیسیٰ کے بارے میں، جن کے بارے میں یہود نے تفریط سے کام لیکر اور ان کی جناب میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کر کے اپنے لیے ہلاکت وتباہی کا سامان کیا، جبکہ عیسائیوں نے ان کے بارے میں اِفراط اور غلو سے کام لیکر ان کو خدائی صفات کا حامل اور خدا کی خدائی میں شریک قرار دیا۔ اور اس طرح انہوں نے اپنے آپ کو دائمی ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں ڈالا- والعیاذ باللہ- اس لیے ان کا ذکر یہاں پر انکی والدہ ماجدہ کی پیدائش کے ذکر سے کیا جا رہا ہے۔ بلکہ پیدائش سے بھی پہلے کے دور سے جب کہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ ہی میں تھیں۔ سو عمران کی بیوی نے اس وقت یہ نذر مانی تھی کہ میں نے اپنے ہونے والے اس بچے کو اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے نذر کر دیا ہے اور بنی اسرائیل میں اس طرح کی نذر کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کو ان کے معبد کی خدمت کے لئے خاص کر دیا جائے گا اور محرراً کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بڑے ہونے پر گھر داری اور کمانے کھلانے کی ذمہ داریوں سے فارغ رکھا جائے گا۔ ایسی کوئی ذمہ داری ان پر نہیں ہوگی اور ان کی ساری زندگی صرف بیت المقدس کی خدمت اور اپنے خالق و مالک کی عبادت وبندگی کے لئے وقف ہوگی۔ اور کوئی کام اس سے نہیں لیا جائیگا،

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ

(اے میرے مالک، میں نے تیرے لئے نذر کردیا اپنے اس بچے کو جو کہ میرے پیٹ میں ہے، سب سے آزاد کر کے ۷۸ پس تو

مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّكَ اَنْتَ

اپنے کرم سے میری اس نذر کو) قبول فرمالے، بے شک تو ہی ہے (ہر کسی کی) سنتا (سب کچھ) جانتا، مگر جب اس کے یہاں

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

(خلاف توقع بچے کی بجائے) بچی پیدا ہوگئی تو اس نے (حسرت بھرے انداز میں) کہا کہ اے میرے رب! میرے یہاں

اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ط وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَ

تو بچی نے جنم لیا ہے ۷۹ اور اللہ کو خوب معلوم تھا کہ اس خاتون نے کس چیز کو جنم دیا ۸۰ حالانکہ وہ بیٹا (جس کی خواہش انہوں نے

لَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ج وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْٓ

کی تھی) اس بچی جیسا نہیں تھا (جو کہ قدرت کی طرف سے ان کو ملی تھی) ۸۱ اور (کہا کہ) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے ۸۲ نیز میں نے

اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

تیری پناہ میں دے دیا (اے میرے مالک!) اس کو بھی، اور اس کی اولاد کو بھی، شیطان مردود (کے شر وفتنہ) سے ۸۳ اس (عرضِ حسن)

۷۸ **اصل چیز فکرِ دین ہے نہ کہ فکرِ دنیا:** سو اس سے یہ واضح فرمادیا گیا کہ اولاد کے بارے میں اصل فکر انکے دین ہی کی ہونی چاہیئے نہ کہ صرف انکی دنیا اور مادی ضروریات کی۔ سو عمران کی بیوی نے اپنے رب کی رضا کے لیے نذر مانی کہ "میرے رب میرے پیٹ میں جو کچھ ہے میں نے اس کو تیری رضا کے لیے نذر کردیا آزاد کر کے"۔ یعنی جملہ دنیاوی مشاغل سے۔ تاکہ وہ دنیا کے سب کاموں سے فارغ ہو کر تیری عبادت و بندگی اور تیرے گھر کی خدمت میں لگا رہے کہ زندگی کا اصل مقصد اور اس کا سب سے بڑا مصرف اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی ہی تو ہے۔ سو اس سے ایک طرف تو حضرتِ مریم کی والدہ ماجدہ کی سچی دینداری اور اس کے لئے آپ کی فکرمندی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اس سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ اولاد کے بارے میں اصل اور بنیادی فکر ان کے دین و ایمان ہی کی ہونی چاہیئے نہ کہ روزی روٹی کی کہ اس کا انتظام ان کا خالق و مالک خود فرمادیگا۔ سو یہی ہے سیدھا طریقہ جو عقل و نقل اور فطرتِ سلیمہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کہ انسان اصل فکر اپنے خالق و مالک کی عبادت و بندگی کی کرے۔ رزق روزی کے لئے بقدرِ ضرورت و کفایت محنت و مشقت تو ضرور کرے لیکن اس کو بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کرے اور اسی کے بھروسہ و اعتماد پر چھوڑ دے کہ روزی کا ذمہ اس نے خود اپنے اوپر لے رکھا ہے جیسا کہ سورۂ ذریات کے آخر میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ سو بندے کے ذمے ہے اپنے

خالق و مالک کی عبادت و بندگی اور خالق کے ذمے ہے اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کی روزی رسانی لیکن غافل انسان نے اس کا الٹ کیا ہے اس نے اپنے خالق و مالک کے حقِ عبادت و بندگی کو پسِ پشت ڈال کر - والعیاذ باللہ- اپنی روزی کے لئے محنت ومشقت ہی کو اپنا اصل مقصد بنا دیا ہے گویا کہ اس کا جینا اور مرنا سب اس کی پیٹ پوجا کے لئے وقف ہو کر رہ گیا ہے جس کے باعث وہ طرح طرح کی ذلتیں اٹھاتا اور جگہ جگہ دھکے کھاتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف یہاں سے یہ درس ملتا ہے کہ اصل فکر اولاد کے دین و ایمان ہی کی کرنی چاہئے کہ وہی اصل مقصود و مطلوب ہے۔

۷۹ حضرتِ مریم کی والدہ کی حسرت اور اس میں درسِ عظیم:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان کے گھر بچے کی بجائے بچی پیدا ہوئی تو انہوں نے حسرت بھرے انداز میں کہا کہ اے میرے رب میرے یہاں تو بچی نے جنم لیا ہے۔ سو اب میری نذر کا کیا بنے گا، اور میری حسرت کس طرح پوری ہوگی، کیونکہ لڑکی اس غرض کیلئے قبول نہیں کی جاتی۔ جبکہ میری خواہش اور تمنا تھی کہ میرے پیٹ سے جنم لینے والا بچہ اللہ کے گھر کا خادم ہو۔ سو اس اظہار سے جہاں ایک طرف حضرتِ مریم کی والدہ ماجدہ کی دلی حسرت کا پتہ چلتا ہے وہاں اس سے عیسائیوں کی مشرکانہ ذہنیت پر ایک طمانچہ رسید ہوتا ہے کہ جس بچی کی ماں اسکی پیدائش کے موقع پر اس طرح یاس و حسرت کا اظہار کرتی ہے تم لوگوں کی مت کہاں ماری گئی ہے اور تم لوگ کتنے اوندھے ہو گئے ہو کہ بعد میں تم اسی کو خدا اور خدا کی ماں قرار دیتے ہو؟ اور اس طرح تم دوزخ کے ہولناک گڑھے میں چھلانگ لگانے کی راہ پر چل پڑے ہو- والعیاذ باللہ العظیم- بہرکیف حضرتِ مریم کے یہاں بچے کی بجائے بچی کی پیدائش سے ان کو صدمہ اور افسوس ہوا کہ اس سے انکی نذر کا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ لیکن ان کو نہیں پتہ تھا کہ یہ لڑکی کس عظمت شان کی مالک ہے،

۸۰ اللہ سب کچھ جانتا ہے- سبحانہ وتعالیٰ:- سو جملہ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا اور اللہ کو خوب معلوم تھا کہ اس نے کس چیز کو جنم دیا کہ وہ عالم الغیب ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ کوئی بھی چیز اور اس کی کوئی بھی شکل، اس سے مخفی نہیں ہو سکتی- سبحانہ وتعالیٰ- وہ پوری طرح جانتا ہے کہ والدۂ مریم کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور جس بچی کو اس نے جنم دیا وہ کس شان کی بچی ہے۔ سو اس ارشاد سے بطورِ جملہ معترضہ حضرتِ مریم کی والدہ محترمہ کے اس اظہارِ افسوس اور احساسِ کمتری کا ازالہ فرما دیا گیا جس کا اظہار انہوں نے خلافِ توقع بچے کی بجائے بچی کے جنم لینے پر کیا تھا اور ان کو اللہ کے حضور پیش کرنے کے لئے یہ ہدیہ حقیر معلوم ہو رہا تھا۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لڑکی بڑی ہی عظمت و شان والی لڑکی ہے۔ اور ایسی کہ اس جیسی دوسری کوئی لڑکی نہ ہوگی۔

۸۱ ایک بڑی ہی خیر و برکت والی بچی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بیٹا اس بیٹی جیسا نہیں تھا۔ کیونکہ یہ بچی بڑی ہی خیر و برکت کا باعث، اور مبارک و مسعود بچی ہے۔ اور اس کے وجود میں سے ایک ایسے عظیم الشان اور بے مثل بچے نے جنم لینا ہے، جس کا تصور بھی اس بچی کی والدہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس لئے حقیقت کے اعتبار سے اس بچی کی ولادت حسرت کا مقام نہیں مسرت و شادمانی کا باعث ہے۔ آگے اس بچی کے بطن سے جو مبارک و مسعود بچہ جنم لینے والا ہے اسکی خیر و برکت سے ایک دنیا مستفید و فیضیاب ہوگی اور ایسی بڑی شان کا بچہ ہوگا جو اپنی شان کا ایک ہی بچہ ہوگا۔ سو یہ بچی عام بچیوں کی طرح نہیں بلکہ بڑی ہی خیر و برکت والی اور مبارک و مسعود بچی ہے، جس سے آگے ایک

بڑی ہی خیر و برکت والی، اور مبارک و مسعود ہستی نے جنم لینا ہے، جس سے ایک دنیا کی دنیا مستفید و فیضیاب ہوگی۔ سو بندے کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی مشیّت و مرضی پر راضی رہنا چاہیئے کہ بہتری اسی میں ہوتی ہے جو وہ کرتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین

۸۲ عمدہ بچی کیلئے عمدہ نام: - سو حضرت مریم کی والدہ نے کہا کہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ تا کہ یہ اسم بامسمّٰی بنے۔ یعنی ''عابدہ'' و ''زاہدہ'' کیونکہ مریم کے معنیٰ ان کی لغت میں ''عابدہ'' ہی کے ہیں (جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ حضرتِ مریمؑ کی والدہ ماجدہ حضرتِ حنہ بنت فاقوذا کتنی پاکیزہ اور کس قدر نیک نیت اور نیک بخت اور صالح خاتون تھیں۔ اسی لئے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے ان کو حضرتِ مریم بتول جیسی پاکیزہ اور بے مثل بیٹی سے نوازا۔ اور قرآنِ حکیم میں ذکر کر کے ان کے نام کو زندۂ جاوید بنا دیا گیا۔ پس پاکیزہ اور نیک نیت و نیک طینت ماؤں کی گود سے ایسی ہی پاکیزہ اور نامور اولادیں جنم لیتیں اور پروان چڑھتی ہیں، اور جہاں مائیں ایکٹریس اور ڈانسر ہوں اور وہ بداطوار ہو کر بازاری مال بن جائیں، جن پر ہر ایرے غیرے کی نظر پڑتی ہو، وہاں نیک اور پاکیزہ اولاد کی نعمت کہاں سے، اور کیسے مل سکتی ہے؟ - اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی - بہر کیف جب بچی خود اس شان کی ہو اور اس نے اس طرح کی ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہو اور اس کی ماں نے اس کیلئے اس طرح عاجزانہ دعائیں کی ہوں، اسکو خدا اور خدا کی ماں ماننا اور خدا کی خدائی میں شریک جاننا جس طرح نصاریٰ نے کیا، کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر بڑا ظلم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو معبودِ برحق اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے جو اپنے بندوں کو ایسی طرح طرح کی اور عظیم الشان نعمتوں سے نوازتا ہے۔ وہ ہر قسم کے شرک اور اس کے ہر شائبہ سے پاک ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۸۳ پناہ دینا اللہ ہی کا کام اور اسی کی شان ہے: - کہ تو ہی وحدہٗ لاشریک ہر شر سے بچانے والا، اور پناہ دینے والا ہے، اے میرے خالق و مالک! صحیح بخاری و مسلم میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ - نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو مس کرتا ہے جس سے وہ چیختا ہے، سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ یعنی ان دونوں کو شیطان نے مس نہیں کیا۔ حضراتِ علمائے کرام اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مس کرنے سے مراد یہ ہے کہ شیطان بچے کی کوکھ میں اس طرح انگل مارتا ہے کہ وہ درد سے چیخ اٹھتا ہے، سوائے حضرتِ مریم اور ان کے بیٹے حضرتِ عیسیٰ کے - عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ - اور وجہ اس کی یہ حضرات یہی لکھتے ہیں کہ حضرتِ مریم کی والدہ نے ان کو اور ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا، جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو کتنا عمدہ، پاکیزہ، اور مؤثر نسخہ ہے اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت و پناہ کا کہ ان کو اللہ پاک کی حفاظت اور اس کے امان و پناہ میں دے دیا جائے۔ مگر افسوس کہ آج کا جاہل مسلمان جو کہ اپنے دینِ متین کی ان پاکیزہ اور مقدس تعلیمات سے غافل و بے بہرہ ہے، وہ اس کی بجائے طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتا ہے۔ کہیں وہ کسی درگاہ کے پھیرے لگاتا، اور چکر کاٹتا ہے، اور کہیں ایسے کسی آستانے کے نام کی نذر مانتا، اور چڑھاوے چڑھاتا ہے، اور کہیں کوئی شرکیہ نام رکھتا اور شرکیہ تعویذ گنڈے کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ خسارہ در خسارہ سے دوچار ہوتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ اور اس کو اس کا کوئی احساس ہی نہیں کہ اس طرح میں کتنے بڑے خسارے کا سودا کرتا ہوں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنْبَتَهَا نَبَاتًا

پر اس کے رب نے (لڑکے کی بجائے) اس لڑکی کو ہی قبول فرمالیا، بڑی عمدہ قبولیت کے ساتھ، اور اس کو ایک بڑی ہی عمدہ اٹھان

حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا

(اور بڑھوتری) سے نوازا ۸۴ اور (حضرت) زکریا کو اس کا سرپرست (ونگران) بنادیا، جب بھی زکریا اس کے پاس اس کے حجرے

الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ

(محراب) میں آتے ۸۵ تو اس کے پاس کھانے (پینے) کا کچھ نہ کچھ سامان موجود پاتے، ان سے پوچھتے کہ مریم تیرے پاس

۸۴ حضرتِ مریم کی عمدہ اٹھان کا ذکر وبیان:۔ سو اس سے حضرت مریم کی نہایت عمدہ اور پاکیزہ اٹھان کا ذکر وبیان فرمایا گیا ہے کہ ان کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ایسی عمدہ تربیت اور بالیدگی نصیب ہوئی کہ کسی طرح کے فساد اور بگاڑ نے ان کی طرف کوئی راہ نہ پائی۔ بلکہ روایات میں یہاں تک وارد ہے کہ وہ ایک دن میں اتنا بڑھتیں جتنا کہ عام لڑکیاں ایک سال میں بڑھتی ہیں (جامع البیان، وغیرہ)۔ اور ظاہر ہے کہ جس کو رب تعالیٰ نے قبولِ حسن اور انباتِ حسن سے نوازا ہو، اس کے لئے ایسی کسی بات میں کیا تعجب ہوسکتا ہے؟ اور اسی قبولِ حسن کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان کو حضرتِ زکریاؑ جیسی پاکیزہ اور مقدس ہستی کی کفالت وسرپرستی میں دے دیا گیا، جس سے ان کی ظاہری وباطنی، حسی ومعنوی اور اخلاقی وجسمانی ہر اعتبار سے عمدہ سے عمدہ تربیت کا انتظام ہوگیا۔ سو اللہ تعالیٰ جب نوازتا ہے تو ایسے ہی نوازتا ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ بھروسہ واعتماد اسی وحدہٗ لاشریک پر ہو۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِیْقَ لِذَالِکَ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ کُلِّ حِیْنٍ مِّنَ الْاَحْیَانِ۔

۸۵ لفظ "محراب" سے یہاں پر مقصود ومراد؟:۔ یعنی "محراب" کے لفظ سے یہاں پر مراد وہ مشہور ومعروف محراب نہیں جو ہماری مساجد میں پایا جاتا ہے، اور جہاں امام کھڑا ہوتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور ہماری مساجد کے محرابوں میں بالعموم یہ آیت کریمہ بھی لکھی جاتی ہے، تو اس سے عام طور پر آدمی کا ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ اس محراب سے جو کہ یہاں اس آیتِ کریمہ میں مذکور ہے سے مراد بھی وہی محراب ہے جو کہ ہماری مساجد میں ہوتا ہے۔ پھر ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس محراب میں جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، ایک لڑکی کے رہنے اور پھل پانے کا کوئی موقع کیسے ہوسکتا ہے؟ سو اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے ہم نے اپنے ترجمے کے اندر بھی اس بات کو واضح کردیا ہے کہ یہاں پر لفظِ محراب سے مراد وہ مشہور ومعروف محراب نہیں ہے، جو ہماری مساجد میں آج کل پایا جاتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہاں پر موجود ان حجروں اور خلوت خانوں میں سے کوئی حجرہ اور خلوت خانہ ہے جہاں حضرتِ مریم کو رکھا گیا تھا، اور جس کی تعمیر وبناء بھی خاص اسی مقصد اور عبادت کیلئے ہوا کرتی تھی۔ اور جیسا کہ حرمِ مکی کے نچلے حصے میں چاروں طرف ایسے بے شمار حجرے اور خلوت خانے آج بھی پائے جاتے ہیں۔ اور جو خلوت خانوں کے اسی نام ہی سے آج بھی مشہور ومعروف ہیں۔ بہر کیف اسی طرح کا کوئی خاص حجرہ اور خلوت خانہ تھا جس میں حضرت مریم صدیقہ کو رکھا گیا تھا، تاکہ وہ وہاں پر اپنے رب کی عبادت وبندگی میں مشغول رہ سکیں جو کہ ان سے متعلق نذر سے اصل مقصود تھا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ

یہ (سب کچھ) کہاں سے آ گیا؟ ۸۶ تو وہ جواب دیتیں کہ یہ سب کچھ اللہ کے یہاں سے آیا ہے، بے شک اللہ جس کو چاہتا

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا

ہے روزی دیتا ہے بغیر کسی حساب کے ۸۷ اس موقع پر زکریا نے اپنے رب کو پکارا (اور اس کے حضور،) عرض کیا کہ اے میرے

رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً

رب، عطا فرما دے مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد ۸۸ بے شک تو ہی ہے دعاء کو سننے (اور قبول فرمانے) والا، اس پر

طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

فرشتوں نے ان کو آواز دی جب کہ وہ اپنے حجرے میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بے شک اللہ آپ کو خوشخبری دیتا ہے یحیٰ

وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

(جیسے عظیم الشان بیٹے) کی، جو کہ تصدیق کرنے والا ہوگا، اللہ کی طرف سے صادر ہونے والے ایک عظیم الشان فرمان کی،

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ

جو کہ سردار ہوگا ۸۹ بڑا ہی (پاک دامن اور) ضبط نفس رکھنے والا ۹۰ اور پیغمبر، (ہمارے قربِ خاص کے) سزاواروں میں سے

حَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

(اس پر) زکریا نے (فرطِ مسرت اور کمالِ ادب سے) عرض کیا کہ اے میرے رب، میرے یہاں کوئی لڑکا کس طرح ہوگا

يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ

جب کہ حال یہ ہے کہ مجھے ایسا (آخری درجے کا) بڑھاپا پہنچ چکا ہے ۹۱ اور میری بیوی (پہلے سے ہی) بانجھ ہے ۹۲ ارشاد ہوا

۸۶ حضرتِ مریم کے لیے بعض خاص عنایات کا ذکر و بیان: ـــ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب بھی حضرت زکریا ان کے پاس ان کے خلوت خانے میں داخل ہوتے تو ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی نہ کوئی سامان پاتے اور ان سے پوچھتے کہ مریم یہ تمہارے پاس کہاں سے آ گیا؟ ۔ یعنی جب بظاہر لانے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا، تو پھر یہ سب کچھ تمہارے پاس کہاں سے اور کیسے آ گیا "انّی" کا لفظ "اَیْنَ" اور "مَتٰی" دونوں کے معنی میں آتا ہے۔ اور بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ ان کے پاس بے موسم کے پھل موجود رہتے تھے۔ سردیوں میں گرمیوں کے پھل، اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل۔ (ابن کثیر، صفوة

التفاسیر اور معارف القرآن وغیرہ) سو تفسیری روایات میں اس بات کا ذکر تو آتا ہے کہ ان کے پاس ایسے بے موسم پھل آتے تھے لیکن قرآن وسنت سے ہمیں اس کا کوئی ثبوت ایسا نہیں ملتا جس سے ہم اس طرح کی اسرائیلی روایات کی تصدیق یا تردید کرسکیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف حضرت مریم کے پاس اس طرح کے پھلوں کو دیکھ کر حضرتِ زکریا ان سے بطورِ تعجب پوچھتے کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ اور بعض نے کہا کہ اس رزق سے یہاں پر مراد حکمت ومعرفت ہے۔ اور قرآنِ حکیم میں اس لفظ کا اطلاق اس معنیٰ پر ایک سے زیادہ مواقع پر ہوا ہے۔ سو حضرتِ زکریا جب ان کے پاس جاتے تو ان کے کمالِ روحانی کے نفحات محسوس کرتے اور بطورِ استعجاب ان سے پوچھتے کہ علم ومعرفت اور اصابت فکر ورائے کی یہ دولت تم کو کہاں سے ملی؟ اور اس قدر صغر سنی میں تم اس سے کیسے بہرہ ور ہوگئی ہو؟ سو "رزق" کا لفظ اپنے عموم کے ساتھ ان ظاہری وحسی اور معنوی وروحانی سب ہی عنایات کو شامل ہے۔ اور یہ سب ہی اس میں داخل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مریم کو جس خاص توجہ وعنایت اور انباتِ حسن سے نوازا تھا وہ ان سب کو عام اور شامل تھا اور اس کا کرم بڑا ہی عظیم الشان ہے۔ وہ جس کو جب اور جیسے چاہے نوازے۔ سبحانہٗ تعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے، آمین ثم آمین

۸۷ ایک عظیم الشان درسِ عبرت وبصیرت: سو حضرت مریم کے اس جواب میں ایک عظیم الشان درسِ عبرت وبصیرت پایا جاتا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت زکریا کے اس سوال کے جواب میں حضرت مریم کہتیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ہے اور بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے رزق سے نوازتا ہے بغیر کسی حساب وگمان کے۔ یعنی وہ وہاں سے دیتا اور نوازتا ہے جہاں سے کسی کا گمان بھی نہیں ہوتا، تو پھر تعجب اور اچنبھے کی کیا بات؟ سبحان اللہ! جب طبیعت صاف اور مزاج درست ہو، تو ایک چھوٹی سی بچی بھی کیسا صحیح اور کتنا عمدہ جواب دیتی ہے۔ نہیں تو بڑے بڑے جبوں قبوں اور عمامہ ودستار والوں کو بھی صحیح اور حق بات سمجھنا نصیب نہیں ہوتی۔ اور وہ اللہ پاک کے یہاں سے طرح طرح کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے اور ان پر پلنے بڑھنے، اور اپنی توندیں بڑھانے کے باوجود طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور ان نعمتوں کو حضرتِ واہبِ مطلق۔ جل جلالہ۔ کی بجائے کبھی کسی کی طرف اور کبھی کسی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اس طرح ظلم پر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کبھی اپنی کسی فرضی اور وہمی سرکار کا نام لیتے ہیں اور کبھی کسی ننگ دھڑنگ ملنگ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کبھی کسی زندہ یا مُردہ انسان کی طرف۔ مگر واہبِ حقیقی یعنی اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کا نام لینے کی اور اس کی طرف نسبت کرنے کی توفیق ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ مگر اس سب نمک حرامی، بے انصافی اور ناشکری وروگردانی کے باوجود اس خدائے قادر وقیوم واہبِ مطلق نے ایسے لوگوں کو جو ڈھیل دے رکھی ہے یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک ہی کی شانِ کرم وحلم ہے اور بس۔ اس کا کوئی شمہ بھی کہیں اور متصور نہیں ہوسکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے، تسلیم کرے یا نہ کرے، حق اور حقیقت بہرحال یہی اور صرف یہی ہے کہ جس کو جو کچھ ملا، اسی کی طرف سے ملا۔ جو کچھ مل رہا ہے اسی کی طرف سے مل رہا ہے اور جو کچھ ملے گا اسی کی طرف سے ملے گا کہ سب کو اور سب کچھ دینے والا اور وہاب وکریم وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی۔ فَلَہُ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ۔ پس دستِ دعا وسوال ہمیشہ اسی کے حضور بلند کرنے چاہئیں کہ دینے والا اور سب کو سب کچھ دینے والا وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنا ہی بنائے رکھے، آمین

۸۸ حضرت زکریا کی دعاء کا ذکر وبیان: سو اس سے حضرتِ زکریا کی اپنے رب کے حضور اولاد کی دعاء کا ذکر فرمایا گیا ہے،

سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر حضرت زکریاؑ نے اپنے رب کے حضور دعاء و درخواست پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے بھی اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطاء فرما دے۔ یعنی جب تو اے میرے خالق و مالک! اس بچی کو ظاہری اَسباب کے بغیر اس طرح یہ نعمتیں دے سکتا ہے، اور اس کو علم و حکمت اور نورِ معرفت کے ایسے خزانوں سے اسقدر چھوٹی عمر اور صغرسنی میں بھی اس طرح نواز سکتا ہے، تو مجھے بھی اولاد کی نعمت سے بہرہ ور و سرفراز فرما دے۔ سبحان اللہ۔ کس قدر واضح اور صریح ہدایت ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ بھی اللہ ہی کے محتاج ہیں اور وہ بھی اسی سے مانگتے اور دعا کرتے ہیں۔ اور کسی کو اولاد دینا تو درکنار وہ خود اپنے لئے بھی کسی طرح کی اولاد کا کوئی اختیار نہیں رکھتے، بلکہ وہ اپنے لئے بھی اولاد کی اس نعمت سے سرفرازی، اور بہرہ مندی کیلئے اپنے خالق و مالک کے حضور ہی عرض و التجا کرتے اور اسی کے آگے دستِ دعاء و سوال دراز کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے اولاد اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگتے ہیں، تو پھر اور کون ہو سکتا ہے، جو کسی کو اولاد دے سکے؟ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر گمراہ، غلط کار، اور بھٹکے ہوئے ہیں راہِ حق و صواب سے وہ لوگ جو غیر اللہ سے اولادیں مانگتے ہیں؟ اور اس کے لئے وہ طرح طرح کے آستانوں پر جھکتے، قبروں کے طواف کرتے، چکر کاٹتے، نذریں مانتے، نیازیں دیتے، چڑھاوے چڑھاتے، دیگیں پکاتے، تقسیم کرتے اور ملنگوں کے آگے ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ اور پھر "پیراں دتہ"، "پیر بخش"، "حضور بخش"، "نبی بخش"، "حسین بخش"، "نذر حسین" اور "کرامت علی" وغیرہ جیسے شرکیہ نام رکھ کر طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الرَّحْمٰنِ۔ ان میں سے جو لوگ جہالت و نادانی اور دین سے ناواقفیت کی بناء پر اس طرح کے شرکیہ نام رکھتے ہیں وہ تو پھر بھی کسی درجے میں معذور ہو سکتے ہیں، مگر جو جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں ان کے شرک میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ شرک کے سر میں کوئی سینگ تو نہیں ہوتے، بلکہ شرک اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں اس کی کسی مخلوق کو شریک مانا جائے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہی ہے وہ شرک جو کہ "اکبر الکبائر" یعنی سب سے بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ سو کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ایمان کا دعویٰ کرنے اور توحید کا دم بھرنے کے باوجود اس شرک میں مبتلا ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ﴾ یعنی ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جو ایمان کے دعوے کے باوجود مشرک ہیں۔ [یوسف:۶] ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۸۹ حضرتِ یحییٰ کی بعض خاص صفات کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر فرشتوں نے حضرت زکریا کو پکارا جبکہ وہ اپنے حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور ان سے کہا کہ بے شک اللہ آپ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ جیسے بیٹے کی، جو کہ تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کی طرف سے صادر ہونے والے ایک عظیم الشان فرمان کی، اور جو کہ ایک عظیم الشان سردار ہوگا۔ یعنی اپنی قوم کے اندر، اپنے علم و حلم، تقویٰ و طہارت، اور بندگی و عبادت وغیرہ اوصافِ عالیہ اور خصالِ حمیدہ کی بنا پر۔ یعنی صرف یہی نہیں کہ آپ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا اور بس۔ نہیں بلکہ وہ بچہ ان اور ان صفات و خصال والا، اور ایسا عظیم الشان بچہ پیدا ہوگا۔ سو اس طرح حضرتِ زکریا کو بشارت پر بشارت اور خوشخبری کے ساتھ خوشخبری سے نوازا گیا اور یہی تقاضا ہے اس مالک الملک کی شانِ بخشش و عطاء کا کہ اس کی شان ہی بخشنا اور نوازنا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف حضرت زکریا کو نماز ہی کی حالت میں حضرتِ یحییٰ جیسے عظیم الشان بیٹے کی بشارت و

خوشخبری سے نوازا گیا۔ بائبل میں حضرتِ یحییٰ کا نام "یوحنا" آیا ہے اور بائبل ہی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت حضرتِ عیسیٰ سے چھ ماہ پہلے ہوئی تھی۔ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔ بہرکیف بچوں کی نعمت سے نوازنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ کسی اور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوسکتا۔ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے ہاتھ میں ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ

۹۰ لفظ "حصور" کا معنی و مطلب؟: - یہ لفظ یعنی "حصور" حصر سے ماخوذ ہے، جس کے معنیٰ لغت میں حبس اور منع، یعنی روکنے کے آتے ہیں۔ یعنی وہ اس قدر پاکیزہ بچہ ہوگا کہ ناجائز امور تو درکنار، وہ اپنے نفس کو جائز شہوات و خواہشات سے بھی پاک، صاف اور دور رکھے گا اور وہ خالص اللہ کا بندہ اور آخرت کیلئے ہو کر رہے گا۔ سو لفظِ "حصور" کے معنی نامرد کے نہیں، جیسا کہ بعض تفسیروں میں لکھا گیا ہے، کہ یہ بات مرد کیلئے تعریف نہیں تنقیص کے زمرے میں آتی ہے۔ اور اللہ کے نبی ہر طرح کے نقص و عیب سے پاک اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "ضبطِ نفس رکھنے والے" کے الفاظ سے کیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ - اور ضبطِ نفس سرداری کی اہم صفات و خصوصیات میں سے ہے کیونکہ جو اپنے نفس پر ضبط اور کنٹرول کر سکے گا وہی مخلوق کو بھی ضبط اور کنٹرول میں لا سکے گا اور رکھ سکے گا۔ اور حضرتِ یحییٰ اور حضرتِ عیسیٰ دونوں نبیوں کی زندگیاں بالکل درویشانہ زندگیاں تھیں۔ انہوں نے زندگی کی ان جائز لذتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جن کے استعمال و استفادے کو کسی بھی طرح دنیاداری قرار نہیں دیا جا سکتا۔ علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ چہ جائیکہ کسی ناجائز اور ممنوع چیز کی خواہش کرتے اور اسکی طرف ہاتھ بڑھاتے۔

۹۱ حضرتِ زکریا کے تعجب و استعجاب کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرت زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے یہاں کوئی لڑکا کس طرح ہوگا جبکہ میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ گیا ہوں۔ یعنی ایسے آخری درجے کا بڑھاپا جس میں عادۃً بچہ پیدا ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمرِ مبارک ایک سو بیس برس ہو چکی تھی، اور آپ کی بیوی کی اٹھانوے برس۔ (معارف، صفوۃ، وغیرہ وغیرہ)۔ اور اس عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ایسی صورت حال میں بچہ پیدا ہونے کی شکل کیا ہوگی، جبکہ بظاہر یہ چیز بہت بعید از امکان نظر آتی ہے۔ سو اس سوال کے جواب سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسے انتہا درجے کے بڑھاپے میں بھی نعمتِ اولاد سے سرفراز فرما سکتا ہے کہ اس کی شان ﴿عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ کی شان ہے وہ جو چاہے اور جب اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لیے وہاں پر نہ کسی تعجب کی گنجائش ہے نہ کسی اچنبھے کی۔ وہ ایسے ہر تصور سے پاک ہے۔

۹۲ بیوی کے بانجھ پن کے عذر و مانع کا ذکر: - سو حضرت زکریا نے اپنے تعجب و استعجاب کے بارے میں عذرِ مزید کے طور پر کہا اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ سو وہ بانجھ ہونے کے باعث پہلے سے ہی بچہ جننے کے قابل نہیں، تو "یک نہ شد دو شد" والا معاملہ ہو گیا کہ ایک تو بڑھاپا اس قدر آ گیا ہے، جس میں عادۃً بچہ پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا، اور دوسرا بیوی کا بانجھ پن اس پر مزید رکاوٹ ہے۔ تو اس طرح بچے اور اولاد سے سرفرازی کے عادی اسباب مفقود ہیں تو پھر بچے سے سرفرازی کی یہ سعادت کس طرح حاصل ہو سکے گی؟ سو اس سوال سے حضرتِ زکریا نے نہایت حسین و بلیغ انداز میں اس بشارت کی تصدیق کی طلب و درخواست پیش کر دی۔ ان کے سامنے اس بشارت کے وقوع و ظہور میں جو رکاوٹیں تھیں وہ انہوں نے بیان کر دیں اور اس طرح چاہا کہ اس کی تصدیق حاصل کر لیں کہ ان رکاوٹوں کے باوجود اس بشارت کے ظاہر ہونے کی شکل کیا ہوگی؟ تاکہ اس طرح وہ بشارت کے حصول کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر قائم رکھے آمین

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿٤٠﴾ قَالَ رَبِّ

ایسے ہی ہوگا، اللہ (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) جو چاہتا ہے کرتا ہے ۹۳ عرض کیا اچھا تو پھر میرے لئے اے میرے

اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ

مالک کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے ۹۴ ارشاد ہوا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم (تندرست وصحت مند ہونے کے باوجود) تین دن تک

۹۳ قدرتِ خداوندی سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں:- سو حضرت زکریا کے اس تعجب و استعجاب کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس قادرِ مطلق کی قدرتِ مطلقہ اسباب و مسببات کے ظاہری سلسلہ کی پابند نہیں۔ کہ وہ قادرِ مطلق ہے، جو چاہے اور جیسے چاہے کرے، اس کی قدرت و مشیّت اسباب کی پابند نہیں، بلکہ اسباب پر مسببات کا ترتب بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی قدرت و مشیّت کا رہینِ منت اور اس کے امر و ارشاد کا تابع، اور اس کا پابند ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ لہٰذا وہ ظاہری اسباب کیخلاف آپ کو اولاد کی نعمت سے نواز سکتا ہے کہ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ بات یونہی ہوگی۔ یعنی یحییٰ کی ولادت بوڑھے باپ اور بانجھ ماں کے ہاں ان کی اسی حالت میں ہوگی۔ اصل چیز اس کی مشیت و ارادہ ہے اسباب تو محض ظاہر کا پردہ ہیں۔ وہ اگر چاہے تو پتھر کے اندر سے پانی کے چشمے پھوٹ سکتے ہیں اور صحرا کے سینے سے حباب اٹھ سکتے ہیں تو پھر اس کے لئے بوڑھے ماں باپ کو بچے کی نعمت سے نوازنا کیا مشکل ہو سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین

۹۴ حضراتِ انبیائے کرام نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس پر حضرت زکریا نے عرض کیا کہ اے میرے رب میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دیجیے۔ یعنی کوئی ایسی نشانی مقرر فرما دی جائے جس سے معلوم ہو جائے کہ استقرارِ حمل ہو گیا ہے، اور اس طرح آثارِ ولادت دیکھ کر تیری طرف سے ملنے والی اس عظیم الشان نعمت کے شکر میں مشغول ہو جاؤں، اور اس طرح شکرِ نعمت کی بدولت اور اس کے ذریعہ میں تیری مزید نعمتوں سے سرفراز ہو سکوں، کہ تیرا شکر ہی دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ و ضامن ہے۔ اللہ توفیق بخشے۔ آمین۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضراتِ انبیائے کرام نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں اور نہ مختارِ کل، ورنہ حضرتِ زکریا کو اس طرح اپنے لیے اولاد مانگنے اور نشانی کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اور وہ بھی اپنے گھر اور اپنی بیوی کیلئے۔ ان حضرات کو غیب کی وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو ان کو وحی کے ذریعے بتائی جاتی ہیں، نہ کہ کل غیوب، کہ کل غیوب کو جاننا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے، کہ عالم الغیب وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس حقیقت کو حصر اور تاکید کے الفاظ کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ الآیۃ [النمل: ۶۵] یعنی ”کہو اے پیغمبر کہ زمین اور آسمان کی اس پوری کائنات میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے ایک اللہ کے“۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِیۡرًا وَّ

لوگوں سے اشارہ کے سوا بات نہیں کر سکو گے، (سو اس دوران) تم اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتے رہنا اور

سَبِّحۡ بِالۡعَشِیِّ وَالۡاِبۡكَارِ ﴿۴۱﴾ وَاِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ

صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہنا ۹۵ اور (وہ بھی یاد کرو کہ) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا

یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصۡطَفٰىكِ

کہ اے مریم، بے شک اللہ نے تم کو (اپنے کرم خاص سے) چن لیا ۹۶ تم کو طہارت (و پاکیزگی) سے نواز دیا ۹۷ اور تم کو چن لیا

عَلٰی نِسَآءِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّكِ

دنیا بھر کی عورتوں کے مقابلے میں ۹۸ (پس اب تم اس کے شکریے میں) اے مریم، اپنے رب کی فرمانبرداری میں لگ جاؤ،

وَاسۡجُدِیۡ وَارۡكَعِیۡ مَعَ الرّٰكِعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ

اس کے سامنے سجدہ ریز ہو ۹۹ اور اس کے حضور جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ ۱۰۰ یہ سب کچھ غیب کی ان خبروں میں سے ہے

مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡهِ اِلَیۡكَ ؕ وَمَا كُنۡتَ

(اے پیغمبر!) جو ہم وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجتے ہیں ۱۰۱ ورنہ آپ اس وقت وہاں انکے پاس موجود نہیں تھے، جب کہ وہ لوگ

لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَیُّهُمۡ یَكۡفُلُ مَرۡیَمَ ۪

(قرعہ اندازی کے لئے) اپنے اپنے قلم (پانی میں) ڈال رہے تھے، کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت (و پرورش) کرے،

وَمَا كُنۡتَ لَدَیۡهِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ اِذۡ قَالَتِ

اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب کہ وہ (اس بارے) باہم جھگڑ رہے تھے ۱۰۲ (اور وہ بھی یاد کرنے کے لائق

الۡمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرۡیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖۗ

ہے کہ) جب فرشتوں نے کہا اے مریم، بے شک اللہ تم کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے صادر ہونے والے ایک ایسے عظیم

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي

الشان کلمے کی ۱۰۲ جس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، جو کہ بڑی عزت (وآبرو) والا ہوگا دنیا میں بھی، اور وہ (اللہ

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ

کے خاص) مقرب بندوں میں سے ہوگا، اور وہ (ایسی عظمت شان والا ہوگا کہ) لوگوں سے کلام کرے گا گہوارے میں بھی، اور

۹۵ حضرتِ زکریا کیلئے ایک عظیم الشان نشانی کی تعیین: - سو حضرت زکریا کی اس دعاء و درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تندرست وصحتمند ہونے کے باوجود تین دن تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے مگر اشاروں کے ساتھ - سبحان اللہ! - نشانی بھی کیسی عطا ہوئی کہ نشانی کی نشانی بھی، اور اس نشانی سے مقصود یعنی شکر نعمت کی توفیق وارزانی بھی اور لطف مزید اس پر یہ ہوا کہ ذکر و تسبیح کے عمل کو تو اختیاری رکھا، اسی لئے اس کے بجا لانے کا حکم و ارشاد بھی فرمایا گیا، تا کہ اس اختیاری عمل سے شکر نعمت کا مقصود بھی پورا ہو، اور ادھر لوگوں سے بولنے چالنے اور گفتگو کی قدرت بھی اس محدود وقت یعنی تین دنوں کیلئے سلب کر لی گئی، تا کہ سارا ہی وقت ذکر و تسبیح کے پاکیزہ عمل میں صرف ہو - سبحان اللہ! کیا کیا شانیں ہیں اس وحدہٗ لاشریک کی بخشش و عطاء کی - اور کیا کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اس کے اوامر و فرامین میں - سبحانہٗ و تعالیٰ - اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ وَالسَّدَادَ لِكُلِّ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، فِيْ كُلِّ حِيْنٍ مِّنَ الْاَحْيَانِ، وَفِيْ كُلِّ لَحْظَةٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ فِي الْحَيَاةِ - اور "عَشِيِّ وَ اِبْكَار" یعنی صبح و شام کا ذکر یہاں پر احاطہ و شمول کے لئے ہے، جیسا کہ ہمارے یہاں بھی صبح و شام کا اطلاق اسی معنی پر ہوتا ہے - یعنی صبح و شام بول کر پورا دن مراد لیا جاتا ہے - اور یہ بلاغت کا ایک معروف اسلوب ہے،

۹۶ حضرتِ مریم کے اِصطفاء کا ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک تم کو اللہ نے چن لیا ہے کہ تم کو شروع میں قبول حسن اور اِنباتِ حسن کے شرف سے نوازا - اور آخر میں فرشتوں کے کلام اور خطاب سے عزت بخشی - اور تم کو اپنی طرح طرح کی کرامات و عنایات کا مورد بنایا - اور یہ ایسی خصوصیات ہیں جو آپ کے سوا اے مریم اور کسی بھی خاتون کو نصیب نہیں ہوئیں - پس اپنے رب کی ایسی عظیم الشان عنایات کے بدلے میں تم ہمیشہ اس واہبِ مطلق کی شکر گزار رہو کہ شکر نعمت کا تقاضا یہی ہے - اور اس میں بھلا اور فائدہ بھی شکر ادا کرنے والے ہی کیلئے ہوتا ہے - وباللہ التوفیق - پھر اس اِصطفاء کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اِصطفاء کوئی معمولی اِصطفاء نہیں تھا بلکہ تمام جہانوں کی عورتوں پر تھا - سو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ مریم کو اپنی عظیم امانت سپرد کرنے کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں سے منتخب فرمایا، اور یہ ایک ایسا شرف ہے جس میں حضرتِ مریم کا کوئی شریک و سہیم نہیں - یہ انکی ایک امتیازی شان تھی جس سے ان کو قدرت کی طرف سے بطور خاص نوازا گیا تھا، - صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهَا -

۹۷ حضرتِ مریم کی تطہیر کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ فرشتوں نے ان سے کہا کہ اللہ نے تم کو طہارت اور پاکیزگی سے نواز دیا ہے کہ تم کو ہر طرح کے ظاہری اور باطنی عیوب سے محفوظ رکھا - اور تم کو لڑکی ہونے کے

باوجود اپنے گھر کی مجاورت اور اس کی خدمت کے لائق بنایا۔ اور تم کو مَسّ شیطانی سے محفوظ رکھا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح۔ اور تم کو حضرتِ عیسٰی جیسی عظیم الشان اور پاکیزہ ہستی کی ماں بننے کے اس شرفِ عظیم سے نوازا جو ایک ایسا عظیم الشان اور منفرد و بے مثال اعزاز ہے جس نے تم کو دنیا بھر کی عورتوں کے مقابلے میں امتیازی شان سے سرفراز کر دیا۔ سو حضرتِ مریم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک عظیم الشان نشانی کے ظہور کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ یہ نشانی ایک بہت بڑی خدائی امانت بھی تھی جو ان کے سپرد ہونے والی تھی اور ساتھ ہی یہ ایک عظیم الشان اِبتلاء و آزمائش کا ذریعہ بھی۔ اس لئے اللہ پاک کی طرف سے حضرتِ مریم کی تربیت کے لئے خاص انتظام فرمایا گیا تاکہ آپ آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کی اہل بن سکیں۔ سو اسی تربیت کو یہاں پر تطہیر سے تعبیر فرمایا گیا۔ جس سے حضرتِ مریم کو اللہ پاک کی طرف سے بطورِ خاص نوازا گیا تھا۔ اور وہ واہب مطلق جس کو چاہے اور جیسے چاہے نوازے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۹۸ حضرتِ مریم کی تفضیل اور اس کی بعض صورتوں کا ذکر: سو فرشتوں نے ان سے کہا کہ اللہ نے تم کو چن لیا ہے دنیا بھر کی عورتوں کے مقابلے میں کہ اس نے تم کو بعض ایسے خصال و فضائل سے نوازا، جو اور کسی کے حصے میں نہیں آئے۔ جن میں سے ایک بڑی اور منفرد فضیلت یہ ہے کہ تمہیں کسی مرد کے چھوئے بغیر ایک بیٹے سے نوازا۔ اور بیٹا بھی ایسا عظیم الشان کہ اس نے ماں کی گود میں کلام کیا۔ اور کلام بھی ایسا کہ نہ صرف یہ کہ اس سے اس کی والدہ ماجدہ کی عفت و پاکدامنی واضح ہوگئی، اور مخالفین و معترضین کے منہ بند ہوگئے، بلکہ اس سے اس نے ان تمام فتنوں کا بھی سدِّ باب اور قلع قمع کر دیا جو یہود و نصاریٰ کی طرف سے بعد میں اٹھائے اور پھیلائے جانے والے تھے، اور حق کو اس بارے ایسا واضح کر دیا کہ کسی خفاء و غموض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ أَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَ اَتَمُّ التَّسْلِیْمِ۔ سو یہ ایسی خصوصیات ہیں جو آپؑ کے سوائے مریم اور کسی بھی خاتون کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اس لیے ان خصوصیات کے ذریعے آپ کو دنیا بھر کی عورتوں کے مقابلے میں ایک بے مثال امتیازی شان سے نواز دیا گیا۔ پس ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے اس خالق و مالک کی شکر گزار رہو اور اسکے حضور دل و جان سے جھکی رہا کرو کہ یہی تقاضا ہے عبدیت و بندگی کا۔ اور اسی میں بھلا اور فائدہ ہے بندے کا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال

۹۹ نعمتوں سے سرفرازی کا تقاضا شکرِ خداوندی: سو نعمتوں سے سرفرازی کے نتیجے اور اس کے تقاضے کی تعلیم و تلقین کے طور پر فرشتوں نے حضرتِ مریم سے مزید کہا پس تم اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور اس کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ۔ سو رب کے حضور سجدہ قربِ خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ و وسیلہ ہے کہ اس کے حضور سجدہ ریزی اس کا قرب حاصل کرنے کا عظیم الشان ذریعہ ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ "اور سجدہ کرتے جاؤ اور اسکا قرب حاصل کرتے جاؤ" اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ بندہ اپنے رب کے یہاں سب سے زیادہ قریب اُس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ سجدے میں ہوتا ہے۔ اور سجدہ چونکہ عاجزی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر ہے اس لیے یہ معبودِ برحق حضرتِ حق۔ جل جلالہٗ۔ ہی کا حق اور اسی کے ساتھ مختص ہے۔ اسکے سوا اور کسی کیلئے بھی سجدہ کرنا شرک اور سب سے بڑا ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اور سجدہ، رکوع اور قیام نماز کے اہم ارکان ہیں۔ اس لئے یہاں پر انہی کا ذکر فرمایا گیا۔ بہرکیف عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اللہ وحدہٗ لاشریک

ہی کا حق ہے، اسکے سوا اور کسی کیلئے بھی کسی قسم کو بجالانا شرک ہوگا، جو کہ ظلم عظیم ہے والعیاذ باللہ۔ جل وعلا

۱۰۰ رب کے حضور جھکنے کی تعلیم و تلقین: ۔ سو فرشتوں نے حضرت مریم سے مزید کہا کہ تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا یہ حکم جو حضرت مریم صدیقہ کو دیا گیا، یا تو اس بناء پر تھا کہ اس زمانے کی شریعت میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کی اجازت تھی، اور یا یہ حضرتِ مریم کی خصوصیات میں سے تھا (معارف للکاندھلویؒ)۔ اور یہ اس لئے بھی کہ آپ ہیکل کے اندر ہی قیام فرماتھیں، جہاں آپ کو خلوت کی نمازوں کے ساتھ ساتھ جماعت کی برکات سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملتا تھا۔ نیز یہاں پر سجدہ کو جو رکوع پر مقدم کرکے ذکر فرمایا گیا تو یہ اس لئے کہ سجدے میں عاجزی کا اظہار بہت زیادہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بندے سے اصل مقصود اظہارِ عبدیت اور بندگی ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو ﴿مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ کی اس قید سے نمازِ با جماعت کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے اور حضرتِ مریم کے لئے اس ہدایت کی عظمت بھی، کہ آپ چونکہ ہیکل کے اندر ہی معتکف تھیں، اس لئے آپ کو خلوت کی نمازوں کے ساتھ ساتھ جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کا موقع بھی حاصل تھا۔ عَلَيْهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ بہرکیف حضرتِ مریم کو حکم فرمایا گیا کہ "تم رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ"۔ کہ یہ حضرت معبود برحق جل جلالہٗ کی عبادت و بندگی کا ایک اہم مقتضیٰ ہے، سبحانہٗ وتعالیٰ

۱۰۱ پیغمبر کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا اور واضح ثبوت: ۔ سو اس سے حضرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی صداقت وحقانیت کا ایک واضح اور کھلا ثبوت سامنے آتا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جو ہم بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجتے ہیں [اے پیغمبر]۔ سو یہ اس بات کا ایک قطعی اور بین ثبوت ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور آپؐ کو یہ سب باتیں اس وحی کے ذریعے ہی معلوم ہوئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس آتی ہے، ورنہ ماضی بعید کے ان احوال وکوائف کو جاننے کا آپؐ کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ و وسیلہ نہیں تھا۔ صلوات اللّٰہِ وسَلامُهٗ عَلَيْهِ وعلٰى اٰلِه وَصَحْبِه وَمَنِ اهْتَدٰى بِهَدْيِه۔ کہ آپ نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا، اور نہ ہی آپؐ نے کبھی کسی انسان سے ایک حرف بھی پڑھا اور نہ کسی کے سامنے کبھی زانوئے تَلَمُّذ طے کیا تو ایسے میں ماضی کے ان واقعات کو اس طرح صحت وصفائی کے ساتھ اور اس قدر باریکی کے ساتھ سنانا اور بیان کرنا اسکے بغیر ممکن نہیں کہ آپؐ کے پاس آپؐ کے رب کی طرف سے وحی آتی ہے۔ سو یہ آپؐ کی نبوت اور آپؐ کی صداقت وحقانیت کی ایک واضح، صریح، اور قطعی دلیل ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۰۲ پیغمبر ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیج رہے ہیں، ورنہ آپ ان لوگوں کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے جبکہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت و پرورش کرے۔ اور نہ ہی آپ اس وقت وہاں موجود تھے جبکہ وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ یعنی وہ اس بارے میں باہم جھگڑ رہے تھے کہ حضرتِ مریم کی سرپرستی کون کرے، اور ان کو کس کی تولیت میں دیا جائے؟ حضرتِ مریم چونکہ ایک سردار اور بڑے باپ کی بیٹی تھیں، اس لئے ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ اس کی سرپرستی میں رہیں، مگر حضرتِ زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میری بیوی

چونکہ اس بچی کی خالہ ہیں، اس لئے اس کی تولیت و پرورش کا زیادہ حقدار میں ہی ہوں۔ آخر کار فیصلہ قرعہ اندازی کرنے پر ہوا کہ ہر ایک اپنا وہ قلم جس سے وہ تورات لکھتا ہے پانی میں ڈالے۔ پھر جس کا قلم پانی کے بہاؤ کے خلاف الٹا بہے، وہی اس بچی کی تولیت و سرپرستی کا حق دار سمجھا جائیگا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اور اس میں بھی حضرتِ زکریا ہی کا نام آیا۔ اور اس طرح وہ ''حق بحق دار رسید'' کے مصداق بنے، اور بچی انہی کی تولیت و سرپرستی میں دے دی گئی۔ جو اس کے حقدار تھے یعنی حضرتِ زکریا - علیہ الصلوٰۃ والسلام - اس آیتِ کریمہ میں دو مرتبہ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ﴾ ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپؐ اے پیغمبر! اس قرعہ اندازی اور اس جھگڑے کے ان دونوں موقعوں پر وہاں موجود نہیں تھے۔ سو اس سے دو حقیقتیں واضح ہوگئیں۔ ایک یہ کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور اللہ پاک آپ کو بذریعہ وحی ان واقعات کی خبر دے رہے ہیں، ورنہ آپؐ نہ خود وہاں موجود تھے، اور نہ اس قصہ کو جانتے تھے۔ اور یہی یہاں پر اصل اور بڑا مقصد ہے، اس قصے کو بیان کرنے کا۔ اور دوسری حقیقت اس سے یہ واضح ہوگئی کہ آپؐ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں، جس طرح کہ آج کل کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ سو اس طرح حاضر و ناظر کے اہلِ بدعت کے اس شرکیہ عقیدے کی جڑ کٹ گئی - والحمد للہ - کیونکہ یہاں صاف اور صریح طور پر دو مرتبہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ سو اس کے بعد ایسے کسی شرکیہ عقیدے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ سو ہر جگہ موجود ہونا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی صفت و شان ہے۔ اور اس کی کسی بھی صفت میں کسی کو شریک ماننا شرک ہوگا جو کہ ظلمِ عظیم ہے - والعیاذ باللہ - اللہ تعالیٰ شرک کے ہر شائبہ سے محفوظ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین رب العالمین

۱۰۳ حضرتِ عیسیٰ کو ''کلمۃ اللہ'' کہنے کی وجہ؟ - یعنی حضرتِ عیسیٰ کی۔ اور حضرتِ عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور فرمان'' اس لئے کہا گیا ہے کہ آپؐ کی ولادت باسعادت والد و مولود کے عام اور معروف سلسلۂ اسباب و مسببات کے بغیر، اور عام دستور کیخلاف، محض اللہ پاک کے حکم و ارشاد اور کلمہ ''کن'' سے ہوئی تھی - سبحانہٗ و تعالیٰ - جو کہ اس کا کلمہ تکوین ہے۔ جیسا کہ دوسرے مختلف مقامات پر اسکی تصریح فرمائی گئی۔ مثلاً سورہ یاسین میں ارشاد فرمایا گیا ہے - ﴿انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كُنْ فيكون﴾ - [یاسین: ۸۲] - سو اسی بناء پر حضرتِ عیسیٰ کو ''کلمۃ اللہ''، ''اللہ کا فرمان'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کی تصریح فرمادی گئی کہ اس کلمہ اور فرمان سے مراد مسیح، یعنی حضرتِ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ اور حضرتِ مریم چونکہ کنواری بھی تھیں اور شرم و حیا کا پیکر بھی۔ اور ان کے یہاں بچے کی پیدائش کسی مرد کی ملاقات کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فرمان سے ہو رہی تھی اس لئے ان کو بچے کی یہ بشارت نہایت اختصار بلکہ ابہام کے ساتھ محض ''کلمہ'' کے لفظ ساتھ ہی دی گئی۔ البتہ اس کے بعد حضرتِ عیسیٰ کے نام اور ان کی صفات کے ذکر و بیان سے واضح فرما دیا گیا کہ اس ''کلمہ'' سے مراد کیا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی کیسی باریکیاں، اور لطافتیں ہیں اللہ پاک کے اس کلامِ حکیم میں - فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالْاِیْمَانِ بِهٖ وَبِالْاِشْتِغَالِ بِهٖ حَمْدًا یَلِیْقُ لِجَلَالِ وَجْهِهٖ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِهٖ - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی، وَهُوَ الْوَهَّابُ الْکَرِیْمُ - اللہ اپنی اس کتاب حکیم کی مزید از مزید خدمت کی توفیق بخشے اور اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے - آمین ثم آمین۔ یاربَّ العالمین

النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

بڑی عمر کو پہنچ کر بھی (یکساں طور پر) ۱۰۴ اور وہ (قربِ خاص کے) سزاواروں میں سے ہوگا، مریم نے (اس پر بطورِ تعجب) عرض کیا

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ

کہ اے میرے رب، میرے یہاں کوئی بچہ کس طرح ہوگا، جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا بھی نہیں ۱۰۵ (اس پر ان کو) جواب ملا

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى

کہ ایسے ہی ہوگا، اللہ (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے ۱۰۶ وہ جب کسی کام (کے کرنے) کا فیصلہ

۱۰۴ حضرت عیسیٰ کے زمانۂ کہولت کے کلام کا ذکر و فائدہ؟:- یعنی یہاں پر ''مہد'' اور ''کہولت'' کے دو دوروں میں کلام کرنے کا جو ذکر آیا ہے تو اس میں ''مہد'' یعنی گود اور گہوارے میں کلام کرنا تو ظاہر ہے ایک معجزہ ہے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے نوازا گیا تھا۔ اس لئے اس کے ذکر کا مقصد و مدعا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر کہولت میں کلام کرنا تو کوئی معجزانہ بات نہیں، اس کے ذکر کا مقصد و مدعا کیا ہے؟ سو اس میں دراصل دو عظیم الشان مطلب اور فائدے مضمر ہیں۔ ایک یہ کہ مہد و کہل کے یکجا ذکر کرنے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آنجناب کی مہد والی گفتگو بھی اتنی معقول اور ٹھوس ہوگی، جیسا کہ زمانہ کہولت میں کی جاتی ہے۔ اور حقیقتِ حال اور امرِ واقع اس کا شاہد ہے، کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماں کی گود میں بھی نہایت عمدہ، معقول اور ٹھوس گفتگو کی تھی۔ ترجمہ کے اندر بین القوسین والی عبارت سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور دوسرا مطلب و فائدہ اس میں یہ مضمر ہے کہ ''کہلا'' کے اس لفظ سے نزولِ عیسیٰ کی طرف اشارہ بھی مفہوم ہوتا ہے، کیونکہ جب آپؑ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا تھا اس وقت آپ کی عمرِ مبارک مشہور روایات کے مطابق صرف تینتیس برس تھی، جبکہ کہولت کا زمانہ چالیس سال کے بعد شروع ہوتا ہے، تو اس سے واضح ہوگیا کہ آپ دوبارہ تشریف لائینگے، اور کہولت کی اس عمر کو پہنچ کر کلام فرمائینگے۔ اور روایات کے مطابق نزول کے بعد آپ چوبیس سال تک قیام فرمائیں گے۔ (ابنِ جریر، قرطبی، روح، اور کبیر، وغیرہ) یہاں سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ قرآنِ حکیم کے کس قدر احسانات ہیں دنیا پر۔ اور حضراتِ انبیائے سابقین، اور خاص کر حضرتِ عیسیٰ بن مریم پر- علیہم الصلوٰۃ والسلام- پر کہ ان سب پاکیزہ ہستیوں کی سیرت اور ان کے کردار کو اس کتابِ حکیم نے اس درجہ نکھار کر بیان فرمایا، اور ان کی اس قدر براءت و نزاہت ذکر فرمائی ہے، کہ کسی داغ دھبے کا کوئی شائبہ تک ان پاکیزہ ہستیوں کی سیرت و کردار پر باقی نہیں رہنے دیا۔ ورنہ ان کے نام لیواؤں تک نے طرح طرح کے قصے گھڑ کر اور خود ساختہ روایتیں پھیلا کر، ان کی پاکیزہ سیرتوں کو داغدار کرنے کا سامان کیا تھا۔ مثلاً حضرتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معجزانہ پیدائش کے سلسلہ میں یہودِ بے بہبود نے حضرتِ مریم صدیقہ پر سنگین بہتان طرازی کی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور عیسائیوں نے حضرتِ عیسیٰ-

علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے اس معجزانہ کلام کا انکار کیا، جو انہوں نے اپنی ماں کی گود میں اپنی پوزیشن کی وضاحت، اور اپنی والدہ ماجدہ کی پاکدامنی و براءت کے بارے میں کیا تھا (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو ایسے میں قرآنِ حکیم نے اپنی بے مثال حق گوئی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا - فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -

۱۰۵ حضرت مریم کی عفت و پاکدامنی کا ذکر و بیان: - سو اس سے حضرتِ مریم کی بے مثال پاک دامنی کا ذکر و بیان گیا ہے، سو اس سے حضرت مریم صدیقہ کی بے مثال پاک دامنی کا ایک عظیم الشان اور بے مثال مظہر و نمونہ سامنے آتا ہے کہ ان کے لیے قرآن حکیم میں اس امر کی تصریح فرمائی گئی کہ ان کو کسی بشر نے چھوا بھی نہیں تھا: - نہ جائز طریقے سے، کہ آپ کا کسی سے نکاح نہیں ہوا تھا، اور نہ ناجائز طریقے سے، کہ آپ کی پاکیزہ ہستی اس طرح کے کسی تصور اور شائبہ سے بھی پاک تھی۔ اس لیے انہوں نے کمالِ تعجب سے عرض کیا کہ میرے یہاں کوئی بچہ کس طرح پیدا ہوگا، جبکہ مجھے کسی نے چھوا بھی نہیں۔ اور بچے کی پیدائش اس عالمِ اَسباب و مسببات میں مرد اور عورت کی مباشرت اور باہمی اتصال ہی پر مبنی و موقوف ہوتی ہے۔ سو یہ مریم صدیقہ کی طرف سے تعجب کا اظہار تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصد یہ پوچھنا اور اس بارے سوال کرنا ہو کہ کیا بچے کی یہ بشارت یونہی خرقِ عادت کے طور پر پوری ہوگی، یا اس کیلئے مجھے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا پڑے گا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف حضرتِ مریم نے اس بارے اپنے استعجاب کا ذکر فرمایا کہ اسباب کے بغیر ایسے کس طرح ممکن ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے اسکی کوئی نظیر و مثال موجود نہیں تھی،

۱۰۶ اللہ کی مشیت سب پر حاوی اور سب سے اعلیٰ و بالا: - سو حضرت مریم کو ان کے اس سوال و استعجاب کا جواب ملا کہ ایسے ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ یعنی تم اپنی اسی حالت پر رہو گی، رشتۂ ازدواجیت کی استواری کے بغیر، اور معروف طریقۂ تولید و توالد کے فقدان کے باوجود۔ اللہ پاک اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تمہیں اس عظیم الشان بچے سے نوازے گا - سبحانہٗ وتعالیٰ - کیونکہ اس کی قدرتِ کاملہ نہ سلسلۂ اسباب و مسببات کی محتاج ہے، اور نہ ہی اس پر موقوف اور اسکی پابند۔ حضرتِ زکریا - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کی بشارت کے ضمن میں فِعْل "یَفْعَلُ" ذکر فرمایا گیا تھا، اور یہاں پر اس کی بجائے "یَخْلُقُ" لایا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہاں پر اس بشارت کا تحقق ظاہری اسباب کے ماتحت ہی ہوا تھا کہ بچے کی ماں اور اس کا باپ دونوں موجود تھے، جبکہ یہاں پر ظاہری اسباب کے برعکس والد کے بغیر صرف والدہ ہی سے ولادت ہو رہی تھی۔ تو یہاں تکوین و ایجاد ہے، جس کے لئے "خلق" کا لفظ ہی استعمال کیا جاتا ہے جبکہ وہاں پر صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ اس لئے وہاں "یَفْعَلُ" فرمایا گیا - سبحان اللہ! - مَآ اَجْمَلَ وَمَآ اَدَقَّ ھٰذَا الْکَلَامُ الْمَجِیْدُ - اللہ اپنے فضل و کرم سے اسکے اَسرار و رموز سے زیادہ سے زیادہ مطلع و مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور اس کے سمجھنے کے لیے سینہ کھول دے اور ظاہر و باطن کو اس کے انوار سے منور فرما دے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔ بہرکیف اس سے اس حقیقت کو ظاہر اور آشکارا فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سب پر حاوی اور سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ وہ سلسلۂ اسباب و مسببات کی پابند نہیں۔ وہ جو چاہے اور جیسا چاہے کرے - اسکے لئے نہ کوئی چیز مشکل ہوسکتی ہے، اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی رکاوٹ - سبحانہٗ وتعالیٰ

اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ ﴿۴۷﴾ وَیُعَلِّمُهُ

فرما دیتا ہے تو اسکو صرف اتنا کہتا ہے کہ ''ہوجا''، تو وہ ہو جاتا ہے ف۱۰۷ اور اس کو اللہ خود ہی (بغیر کسی معلم اور استاذ کے)

الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوۡلًا

سکھائے گا ف۱۰۸ کتاب اور حکمت (کے معارف) بھی، اور تورات وانجیل بھی ف۱۰۹ اور (مزید یہ کہ وہ اللہ کا) رسول ہوگا (خاص) بنی

اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ۬ اَنِّیۡ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِاٰیَةٍ

اسرائیل کی طرف ف۱۱۰ (اس مضمون و پیغام کے ساتھ،) کہ بے شک میں تمہارے پاس آیا ہوں، ایک عظیم الشان نشانی

۱۰۷ اللہ تعالیٰ کی شان ''کن فیکون'' کی شان ہے :- یعنی وہاں پر اسباب و وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف حکم و ارشاد کی دیر ہوتی ہے اور بس۔ جونہی حکم ہوا شئی موجود ہوگئی۔ اسباب و وسائل کی وہاں سرے سے کوئی ضرورت ہوتی ہی نہیں۔ پس تم اس بشارت پر تعجب مت کرو، اور اس کا یہ حکم حکم تکوین کہلاتا ہے جس میں نہ کسی کا کوئی اختیار ہوتا ہے اور نہ ہی ایسے حکم کی بجا آوری پر کوئی اجر وثواب جبکہ اسکے حکم کی دوسری قسم حکم تشریعی کہلاتی ہے، جس میں انسان کو اختیار ہوتا ہے اور اسی پر اسکو اجر وثواب بھی ملتا ہے۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کی شان ''کُنۡ فَیَكُوۡن'' کی شان ہے۔ جو کرنا چاہتا ہے اس کے لئے صرف حکم دیتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ سو وہاں پر اسباب اور مسببات کی ضرورت و احتیاج کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی شان اس سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۰۸ پیغمبر کا علم براہ راست اللہ کی طرف سے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کو اللہ خود سکھائے گا کتاب وحکمت بھی، اور تورات وانجیل بھی۔ سو پیغمبر کی ایک امتیازی شان ہے کہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتا ہے۔ دنیا میں کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کرتا۔ سو یہ پیغمبر کی ایک امتیازی شان ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں کسی سے نہیں پڑھتا، بلکہ اس کا علم براہِ راست اللہ پاک ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ قادیانی دجال کی طرح نہیں کہ سکول میں مڈل فیل اور پھر اس کے بعد نبوت کا دعوٰی۔ حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- کے علوم براہِ راست اللہ پاک کی طرف سے ہوتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ حضرتِ عیسیٰ جب کچھ بڑے ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ ان کو استاد کے پاس پڑھانے کیلئے لے گئیں، تو استاد نے حسب معمول جب آپ سے کہا پڑھو بچے الف، آپ نے کہا الف۔ استاد نے کہا پڑھو با، تو حضرتِ عیسیٰ نے کہا کہ جناب پہلے الف کا معنی تو بیان کیجئے۔ استاد نے کہا کہ یہ تو حروفِ ہجا میں سے ہے، جن کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ تو حضرتِ عیسیٰ نے فرمایا کہ جب آپ نے پہلا لفظ ہی بے معنی پڑھایا تو پھر آپ آگے مجھے کیا پڑھائیں گے؟ اور میں آپ سے کیا پڑھونگا؟ استاد نے کہا کیا تم اس کے معنی جانتے ہو؟ تو آپؑ نے کہا جی ہاں، پھر آپ نے اپنے وہ وہبی علوم بیان فرمانا شروع کر دیئے، جو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے آپ کو عطاء ہوئے تھے۔ تب استاد نے حیرت زدہ ہو کر کہا ''كَیْفَ اُعَلِّمُ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنِّیْ؟'' کہ میں اس کو کیسے اور کیا پڑھاؤں جو مجھ سے بھی کہیں زیادہ اور بڑھ کر علم رکھتا ہے۔ یہ اس بارے مختلف روایات کا خلاصہ ہے (درمنثور، بحوالہ حاشیہ جامع البیان)۔ ایسی روایات سند کے اعتبار سے خواہ کمزور ہی کیوں

نہ ہوں، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے من حیث المجموع یہ معنیٰ ومطلب بہرحال درست ہے۔ اور جو مضمون ان روایات میں بیان کیا گیا ہے وہ بہرحال صحیح ہے، کہ پیغمبر کبھی کسی انسان سے کچھ پڑھتا سیکھتا نہیں بلکہ ان کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فرشتہ جو کچھ ان کو سکھاتا بتلاتا ہے وہ محض واسطہ اور وسیلہ کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور بس۔ ورنہ پیغمبر کا علم اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا علم ایک خاص امتیازی شان کا ہوتا ہے۔

۱۰۹ "الکتاب" سے یہاں پر مراد؟:- سو "الکتاب" سے یہاں پر مراد یا تو جنسِ کتاب ہے، جس میں سب ہی آسمانی کتابیں آ گئیں، جن میں قرآنِ حکیم بھی داخل ہے۔ سو یہ اس وقت ہوگا جبکہ آنجناب دوبارہ تشریف لائیں گے اور دنیا میں نزولِ اجلال فرمائیں گے۔ تو اس وقت اللہ پاک آپ کو اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے قرآن وسنت کے علوم سکھا دیگا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ (روح، وغیرہ)۔ اور یا "الکتاب" سے یہاں پر کتابت مراد ہے، کہ اللہ پاک آپ کو خط وکتابت بھی سکھا دیں گے۔ (المراغی، القاسمی، صفوۃ، وغیرہ)۔ جو بھی ہو یہ حقیقت بہرحال اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ پیغمبر دنیا میں کسی انسان سے کبھی کچھ نہیں پڑھتا بلکہ ان کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ جل وعلا شانہٗ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو پیغمبر کی شان باقی سب مخلوق سے ممتاز اور نرالی ہوتی ہے۔ وہ دنیا میں بھی کسی سے نہیں پڑھتے بلکہ ان کا علم براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۱۰ حضرت عیسیٰ کا پیغام صرف بنی اسرائیل کیلئے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اللہ کا رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف۔ نہ کہ کسی اور قوم کی طرف۔ یعنی ان کی بعثت وتشریف آوری خاص وقت اور خاص قوم کے لئے تھی۔ اور یہ بات بائبل میں بھی طرح طرح کی تحریفات کے باوجود آج بھی موجود ومعروف ہے۔ مثال کے طور پر انجیل متی (۱۰-۵،۷) کے مطابق حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ نیز اسی انجیل متی ہی کے ایک دوسرے مقام پر اس طرح آیا ہے کہ ہمیں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی ۱۶-۲۴)۔ اس کے علاوہ خود مسیحی فضلاء کو اس بات کا اِقرار و اِعتراف ہے کہ مسیحیت عالمی دین نہیں ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج ۵ ص ۳۱، ۳۲ میں ہے کہ مسیح نے اسرائیل کے باہر اپنے مرید تلاش نہیں کئے۔ نیز یہ کہ مسیح کے اولین شاگردوں کو بھی مسیحی تعلیم کی عالمگیری کا احساس نہیں ہوا۔ سو اب عیسائی ادارے اور عیسائی مشنریاں دینِ مسیحی کی عالمی پیمانے پر جو تبلیغ وتشہیر کرتی اور اس کے لئے جو کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کرتی ہیں، وہ انکے اپنے دین کے خلاف، اور اپنی کتاب کے خلاف ہے۔ اور اس طرح یہ عیسائیوں کی مشنریاں اپنے پیغمبر کے ارشادات اور انکی تعلیمات کے خلاف عمل کر رہی ہیں، جس کا وبال خود ان پر ہوگا، اور جس کا بھگتان ان کو بہرطور بھگتنا ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کیونکہ ان واضح نصوص کی بناء پر نہ تو دینِ مسیح عالمی دین ہے، اور نہ ہی مسیحی پادریوں کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس جانے کی اجازت ہے۔ مگر افسوس کہ اہلِ حق اور دینِ حق کے نام لیواؤں کی غفلت شعاری کی بناء پر آج عیسائی پر چارک عیسائیت اور دینِ مسیح کے نام سے دنیا بھر میں اپنے کفر وشرک کا پرچار کر رہے ہیں اور ان کو گمراہ کر کے راہِ حق وہدایت اور صراطِ مستقیم سے محروم کر رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین

مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

کے ساتھ تمہارے رب کی جانب سے ۱۱۱ کہ میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک مجسمہ) بناتا ہوں،

الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ

پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، جس سے وہ ہو جائے گا (سچ مچ کا) ایک پرندہ، اللہ کے اذن (وحکم) سے، اور میں اچھا

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے، اور کوڑھ والے کو، اور میں زندہ کرتا ہوں مُردوں کو؟ اللہ کے اذن (وحکم) سے ۱۱۲ اور (یہ کہ)

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ

میں تم کو یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ تم لوگ کیا کھا کر آتے ہو، اور کیا کچھ رکھ آتے ہو اپنے گھروں میں ۱۱۳ بے شک اس

بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

(سب) میں بڑی بھاری نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم لوگ واقعی ایمان لانے والے ہو ۱۱۴ اور مجھے تصدیق کرنے

۱۱۱ حضرتِ مسیح کے معجزات کا ذکر: - یعنی ایسے عظیم الشان معجزات جو کہ میری صداقت وحقانیت کو واضح کرنے کے لئے کافی ووافی ہیں (القاسمی المراغی وغیرہ) سو میں تم لوگوں کو ایک نشانی کے بعد ایک کے طور پر دکھاتا جاؤں گا جس سے میری صداقت وحقانیت نکھر کر تمہارے سامنے آجائے گی اور حق تمہارے سامنے واضح سے واضح تر ہوتا جائے گا۔ سو آیت کی تنکیر یہاں پر اس کی وحدت کو نہیں بلکہ اس کی تعمیم کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی میں اپنی رسالت کے ثبوت کے لئے نشانی لے کر آیا ہوں قطع نظر اس سے کہ ایسی نشانیوں کی تعداد کیا اور کتنی ہوگی (تدبر قرآن)۔ سو حضرتِ عیسٰی کے معجزات انکی صداقت وحقانیت کے واضح ثبوت تھے جن کا تقاضا تھا کہ انکی نبوت ورسالت کو تسلیم کیا جاتا اور ان کے پیغام کو قبول اور اختیار کیا جاتا۔ مگر ہٹ دھرم لوگوں نے پھر بھی مان کر نہ دیا۔ سو ہٹ دھرمی باعثِ محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین یارب العالمین

۱۱۲ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں: - سو "بِاِذْنِهٖ" کی اس تصریح اور اس کے تکرار سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر معاملہ اور خاص کر معجزات کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو حضرت عیسٰی کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے رب کے حضور اس کی صحت یابی کیلئے دعاء کر کے اس پر ہاتھ پھیرتا ہوں تو وہ اچھا اور تندرست ہو جاتا ہے۔ پس یہ سب معجزات اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں، نہ کہ میرے اپنے بس اور اختیار سے۔ لہٰذا تم لوگ ان معجزات کی بناء پر کسی طرح کے شرک میں نہ پڑنا کہ معجزہ اپنی اصل اور حقیقت

کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہء قدرت واختیار میں ہوتا ہے نہ کہ پیغمبر کے اختیار میں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی اس طرح تصریح فرما دی گئی ہے ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ الآیۃ (الرعد۔ ۳۸)۔اور جب معجزہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں تو کرامت ولی کے اختیار میں کس طرح ہوسکتی ہے؟ پس معجزہ وکرامت سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہء قدرت واختیار میں ہے۔ جس کو جو ملتا اسی مالکِ مطلق کی رضا اور مشیت سے ملتا ہے۔سبحانہٗ و تعالیٰ۔اسلئے دست دعاء وسوال ہمیشہ اسی کے حضور دراز کرنا چاہیے، وباللہ التوفیق

۱۱۳ حضرتِ عیسیٰ کے بعض خاص معجزات کا ذکر: ۔سو حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ تم کیا کھا کر آئے ہو اور کیا کچھ اپنے گھروں میں رکھ کر آئے ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی مجھے اس کی خبر کر دیتا ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔حضرتِ عیسٰی۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔کے پہلے چاروں معجزے حسی اور عملی تھے، اور یہ پانچواں معجزہ علمی ہے اور ان میں سے پہلے چاروں معجزات میں ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کا ذکر بتکرار فرمایا گیا، تاکہ کہیں کسی کو آپؑ کی الوہیت کا کوئی اشتباہ نہ ہو جائے، جبکہ پانچویں اور علمی معجزے میں اس کا کوئی خدشہ نہیں تھا اس لئے یہاں ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ نہیں فرمایا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔سبحان اللہ! کیسی کیسی باریکیاں اور کیا کیا لطافتیں ہیں جو اس کتابِ حکیم میں پائی جاتی ہیں۔اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ علم و آگہی اور معرفت سے مشرف فرمائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین۔حضرتِ عیسٰی کے ان معجزات میں سے اکثر کا ذکر انجیل میں بھی موجود ہے مگر ان کے اندر ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کی یہ قید موجود نہیں۔شاید اس کی وجہ یہی ہو کہ جب انہوں نے حضرتِ عیسیٰ کے ان خوارق ومعجزات کی بناء پر ان کو خدا تسلیم کر لیا تو اب ﴿ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کی اس قید کو انجیل کے مرتبین نے بےضرورت بلکہ اپنے خودساختہ عقیدہ کی راہ میں خارج اور مخل سمجھا ہو۔اور اس بناء پر اس کو خذف کر دیا گیا ہو۔سو یہی نتیجہ ہوتا ہے زیغ وضلال اور انحراف کا کہ انسان راہِ راست سے ہٹنے اور محروم ہونے کے بعد بھٹکتا ہی چلا جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف قرآنِ حکیم نے اصل حقیقت کو واضح فرما دیا ہے کہ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہء قدرت واختیار میں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی قادرِ مطلق۔جل وعلاشانہٗ۔کے اذن اور اسی کے حکم وارشاد سے ہوتا ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۱۱۴ معجزات کا تقاضا ونتیجہ سچا پکا ایمان: ۔سو حضرت عیسیٰ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ بلاشبہ اس میں تمہارے لیے بڑی بھاری نشانی ہے اگر تم لوگ واقعی ایمان لانے والے ہو۔سو اس سے واضح فرما دیا کہ معجزاتِ انبیاء کا تقاضا صدقِ دل سے ان پر ایمان لانا ہوتا ہے۔وباللہ التوفیق۔یعنی اگر واقعی تم نے ایمان لانا ہو تو اب کوئی خفاء وغموض باقی نہیں رہ گیا۔حق پوری طرح واضح اور روشن ہو گیا ہے۔اب تم حق کو ایسے مانو جیسا کہ اس کے ماننے کا حق ہے کہ یہی تقاضا ہے ایمانداری کا کہ حق اور حقیقت کی وضاحت کے بعد اسکو صدقِ دل سے قبول کیا جائے اور صحیح طور پر اپنایا جائے اور اسی میں بھلا ہے تم لوگوں کا دنیا وآخرت میں۔سو حضراتِ انبیائے کرام کے ہاتھوں پر ظاہر ہونے والے معجزات وخوارق کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ صدقِ دل سے ان پر ایمان لایا جائے اور ان کی دعوت کو قبول کیا جائے کہ اسی میں ان کا بھلا اور دارین کی بہتری ہوتی ہے۔ ورنہ وہ معجزات منکروں کے خلاف حجت بن جاتے ہیں اور ان کا جرم وقصور ثابت اور پکا ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین

مُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ

والا بنا کر بھیجا گیا اس (آسمانی کتاب) کی جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے، یعنی تورات، اور (اس لئے بھیجا گیا) تا کہ میں

التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلّت بیان کروں تمہارے لئے بعض ان چیزوں کی، جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں ۱۱۵ اور میں تمہارے پاس آیا ہوں ایک عظیم

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

الشان نشانی کے ساتھ، تمہارے رب کی جانب سے، پس تم لوگ ڈرو اللہ سے (اور بچو میری تکذیب ومخالفت سے،) اور

اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

(سچے دل سے) اطاعت (وفرمانبرداری) کرو میری، بے شک اللہ ہی رب ہے میرا بھی، اور تمہارا بھی، پس تم سب اسی (وَحْدَہٗ

۱۱۵ بنی اسرائیل کے لیے بعض خاص عنایات کا ذکر وبیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا کہ مجھے تورات کے لیے تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے۔ نیز اس لیے کہ میں تمہارے لیے حلّت بیان کروں بعض ان چیزوں کی جن کو تم پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اور میں تم لوگوں کے پاس ایک عظیم الشان نشانی کے ساتھ آیا ہوں تمہارے رب کی جانب سے۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ سو اس میں بنی اسرائیل پر بعض خاص حرام کردہ چیزوں کی حلّت کا بیان ہے۔ جیسے اونٹ کا گوشت، چربی، اور ہفتے کے روز شکار کی ممانعت وغیرہ۔ اور حلال کر دینے سے مراد ان کی حلّت کا بیان کرنا ہے، نہ کہ از خود کسی حرام کو حلال کر دینا وبالعکس۔ کیونکہ تحلیل وتحریم اللہ تعالیٰ کا حق اور اسی کا اختیار ہے- سبحانہ وتعالیٰ- کہ خالق جب وہی وحدہ لاشریک ہے تو یہ حق بھی صرف اسی کا ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے، اور اپنی مشیت ومرضی، اور اختیار کے مطابق جس کو چاہے حلال قرار دے، اور جس کو چاہے حرام فرمائے- سبحانہ وتعالیٰ- چنانچہ نبی اکرم- ﷺ- خود اپنے بارے میں اس حقیقت کی تصریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں نہ کسی حرام کو حلال کر سکتا ہوں اور نہ کسی حلال کو حرام"، "اِنِّيْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۸، وصحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۰)۔ اور علامہ عینی حنفیؒ اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں "وَاِنَّ التَّحْلِيْلَ وَالتَّحْرِيْمَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَا مَدْخَلَ لِبَشَرٍ فِيْهِ" یعنی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کی طرف سے ہے۔ کسی بشر کا اس میں کوئی دخل نہیں (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۷۴۵) حضراتِ انبیائے کرام- علیہم الصلوٰۃ والسلام- کی طرف تحلیل وتحریم کی جو نسبت ہوتی ہے وہ محض اظہار وبیان کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ حضراتِ علمائے کرام نے اپنے اپنے طور پر اس کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، جیسا کہ حضرتِ شاہ ولی اللہؒ نے "حُجَّةُ اللّٰهِ الْبَالِغَة" میں ج ۱ ص ۴۹ میں اور حضرتِ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ ۳۳۵ میں کیا ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ جل وعلا الذی لا تتم الصالحات الا بتوفیق منہ - سبحانہٗ وتعالیٰ-

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ

لا شریک) کی بندگی کرو، یہی ہے سیدھا راستہ، ف۱۱۶ پھر جب عیسٰی نے ان کی طرف سے کفر ہی

الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

محسوس کیا، تو کہا کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں؟ ف۱۱۷ تو آپؑ کے حواریوں نے (جو کہ آپ کے خاص ساتھی تھے، انہوں نے)

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہا کہ ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے، ہم (سچے دل سے) ایمان لائے اللہ پر، اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم پکے فرمانبردار ہیں،

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

اے ہمارے رب، ہم (سچے دل سے) ایمان لائے اس سب پر جو کہ نازل فرمایا ہے تو نے، اور ہم نے پیروی کی آپ کے رسول کی،

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ

پس تو (اے ہمارے مالک!) لکھ دے ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ ف۱۱۸ اور ان لوگوں نے (جو کہ آپ کے منکر اور دشمن تھے

الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ الربع ع ۵ ۱۴ ۱۳

آپ کے قتل و قید کے لئے) خفیہ تدبیریں کیں، اور اللہ نے بھی ان کے جواب میں خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے

وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

والوں میں سب سے بہتر ہے، ف۱۱۹ (چنانچہ اس کا ایک نمونہ وہ تھا کہ) جب فرمایا اللہ نے (عیسٰی سے، کہ) اے عیسٰی میں تم کو

۱۱۶ صراطِ مستقیم سے مقصود و مراد؟: سو سیدھا راستہ صرف توحیدِ خداوندی اور اطاعت و اتباعِ پیغمبر کا راستہ ہے۔ اور یہ سیدھا راستہ جو کہ عبارت ہے اللہ پاک کی توحید اور اس کی یکتائی و وحدانیت، تقویٰ و طہارت، اور پیغمبر کی اِتباع و اطاعت سے، دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والا عظیم الشان اور بے مثل و عدیم النظیر راستہ ہے۔ پس خبردار، تم لوگ میرے معجزات کی بناء پر کسی شرک کا ارتکاب نہ کر لینا کہ ایسا کرنا دارین کی ہلاکت و تباہی کا پیش خیمہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ مگر اس کے باوجود آپؑ کے نام لیواؤں نے آپؑ کے بعد آپؑ کے نام پر شرک کا کاروبار کیا اور آج تک کئے جا رہے ہیں۔ آپؑ کو خدا اور خدا کا اکلوتا بیٹا قرار دیا۔ پھر "کفارہ" کا خودساختہ اور نامعقول عقیدہ گھڑا۔ آپؑ کی معجزانہ ولادت اور آپؑ کے معجزات کی بناء پر ایسے ہی شرکیہ عقائد کا اختراع کیا اور اصل دینِ مسیحی کے برعکس ان بدبختوں نے انہی خودساختہ عقائد کو گلے لگایا اور آج تک

دنیا میں یہ لوگ اپنا یہ کاروبارِ کفر و شرک چلائے جا رہے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بہرکیف حضرتِ عیسیٰ نے ان لوگوں سے صاف اور صریح طور پر کہہ دیا کہ حق و ہدایت اور دارین کی سعادت اور فوز و فلاح سے سرفراز اور بہرہ ور کرنے والی راہ یہی اور صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو سب کا رب جانا اور مانا جائے۔اپنا بھی اور دوسروں کا بھی اور ہر قسم کی عبادت و بندگی صرف اسی کے لئے بجالائی جائے۔ جن لوگوں نے اس راہ میں دوسروں کے وسیلے اور واسطے پیدا کر لئے ہیں انہوں نے اس سیدھی راہ میں مختلف کج و پیچ پیدا کر لئے، جس کے نتیجے میں وہ شرک اور طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے اور صراطِ مستقیم کی یہ راہ بغیر کسی عوج اور کجی کے ہے اور یہی سیدھی راہ خدا تک پہنچانے والی ہے۔" صراط" کی تنوین اس راہ کی عظمتِ شان اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۱۱۷ حضرتِ عیسیٰ کی پکار حق کی نصرت و امداد کے لیے: -سو حضرتِ عیسیٰ نے فرمایا" کون ہے جو میرا مددگار ہو اللہ کی راہ میں؟ سو اس طرح حضرتِ عیسیٰ نے اللہ کی راہ میں نکلنے والے مددگاروں کیلئے اعلان فرمایا تا کہ وہ راہِ حق میں ان کا ساتھ دیں۔ یعنی ایسا مددگار جو اللہ کی راہ میں میرے ساتھ نکلے اور ان نانہجاروں اور ظالموں کے مقابلے میں راہِ حق میں میرا ساتھ دے، جو کہ مجھ پر ایمان لانے کی بجائے میرے قتل کے درپے ہو گئے ہیں۔ یہاں پر" الی اللہ" کے کلمہ سے یہ مضمون نکلتا ہے کہ میں تو اللہ کی راہ میں بہرحال چل رہا ہوں اب تم میں سے کون ایسا ہے جو اس راہ میں میرا ساتھ دے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جبکہ آپ نے اپنی قوم کے بارے میں یہ محسوس کرلیا کہ اب یہ حق کو قبول کرنے والے نہیں بلکہ اب یہ لوگ الٹا میری جان ہی کے دشمن ہو گئے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -سو حضرتِ عیسیٰ نے جب بنی اسرائیل کے علماء اور سرداروں کے رویے سے یہ محسوس کر لیا تو آپ نے ان سے منہ پھیر کر ساری توجہ اپنے ان غریب ساتھیوں کی طرف کر دی جو اگرچہ دنیاوی جاہ و منصب نہیں رکھتے تھے لیکن صدق و اخلاص اور دولتِ ایمان سے سرشار و مالا مال تھے اور حضراتِ انبیاء و رسل کی سنت یہی رہی کہ انہوں نے اول اول تو اپنی اپنی قوموں کے با اثر لوگوں کو جھنجوڑنے کی کوشش کی لیکن جب انہوں نے نہ مانا تو انہوں نے ان کو چھوڑ کر اپنے غریب اور مخلص ساتھیوں ہی کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل قدر اور اہمیت صدق و اخلاص ہی کی ہے۔ اور جو ضدی اور ہٹ دھرم ماننا چاہتے ہی نہیں ان کے پیچھے لگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سوائے تضییعِ وقت کے- والعیاذ باللہ-

۱۱۸ حواریوں کی دعاء و درخواست کا ذکر و بیان: -سو اس سے حضرتِ عیسیٰ کے ساتھیوں یعنی حواریوں کی اپنے رب کے حضور دعاء و درخواست کا ذکر فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے اپنے رب کے حضور عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس سب پر جو تو نے نازل فرمایا ہے۔ اور ہم نے پیروی کی آپ کے رسول کی۔ پس تو [اے ہمارے خالق و مالک] ہمیں لکھ دے گواہی دینے والوں کے ساتھ کہ مالک ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ رکھ دے تا کہ ہمارا یہ صدق و اخلاص اور ایمان و یقین معتبر ہو جائے۔ اور ہم تیری خاص رحمتوں اور عنایتوں کے مستحق ہو سکیں، اور قیامت کے روز ہمارا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہو جنہوں نے دنیا میں حق کا ساتھ دیا تھا نہ کہ ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے حق کو چھپانے کے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا تھا کہ حق کی گواہی اور اس کا ساتھ دینا وہ عظیم الشان ذمہ داری ہے جو حضراتِ انبیائے کرام کا اصل مقصد اور اہم نصب العین رہا ہے۔ جس کیلئے انہوں نے زندگی بھر محنت کی اور جہاد فرمایا۔ اور

اس کیلئے انہوں نے جان و مال سمیت ہر طرح کی قربانی دی۔ اسی لیے شہادتِ حق کے مقابلے میں کتمانِ حق نہایت سنگین جرم ہے جس کا ارتکاب قومِ یہود نے کیا ہے جس سے ان پر پھٹکار وارد ہوئی ہے۔ اسی لیے یہود ملعون قرار پائے کہ وہ اس جرم کے سب سے بڑے مرتکب رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف شہادتِ حق کی یہ ذمہ داری ایک عظیم الشان ذمہ داری ہے جو حضراتِ انبیائے کرام پر اور ان کے بعد ان کی امتوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح کے خوف اور ہر قسم کے لالچ سے بے نیاز اور لاپرواہ ہو کر خلقِ خدا پر حق کی گواہی دیں۔ اور یہ گواہی دل و جان، زبان و بیان، قول و قرار اور جان و مال کی قربانی ہر طرح سے دیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ

۱۱۹ "مکر اللہ" کا معنیٰ و مطلب؟:۔ یعنی ان لوگوں کی چال کے مقابلے میں جو چال اللہ نے چلی اسکی بناء پر یہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو گئے کہ اس کی خفیہ تدبیر کا نہ کوئی مقابلہ کر سکتا ہے، نہ کوئی توڑ، اور نہ اس کو کوئی سمجھ ہی سکتا ہے۔ عام طور پر اردو محاورے اور ہمارے معاشرے میں لفظِ "مکر" چونکہ برے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے قرآنِ حکیم میں وارد ایسے الفاظ و کلمات سے کچھ لوگوں کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ان کو اچنبھا ہونے لگتا ہے کہ اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ "مکر" کیسے کر سکتا ہے۔ اور اس کو "مکر" کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور وہ ﴿خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ﴾ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ مگر واضح رہے کہ عربی زبان و محاورہ میں یہ لفظ ایسے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہی نہیں، جس میں یہ ہماری زبان اور ہمارے محاورے میں استعمال ہوتا ہے، بلکہ عربی زبان و محاورہ میں یہ لفظ دراصل دوسرے شخص کے ارادہ و پروگرام کے توڑ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اور ایسے طریقے کے ساتھ کہ اس کو پتہ بھی نہ چلنے پائے۔ چنانچہ محققین کے یہاں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے "صَرْفُ غَیْرِکَ عَمَّا یُرِیْدُ بِمَا لَا یَدْرِیْہِ" یعنی دوسرے شخص کو اس کے ارادہ و پروگرام سے ایسے طریقے سے روکنا اور باز رکھنا کہ اس کو اس کا پتہ بھی نہ چلنے پائے"۔ اسی لئے مکر کے معنی تدبیرِ محکم بھی کیے گئے ہیں۔ پس فی نفسہ "مکر" میں کوئی برائی سرے سے ہے ہی نہیں بلکہ اس کی اچھائی برائی کا مدار و انحصار اس کے مقاصد پر ہے۔ اگر یہ اچھے مقصد کیلئے ہو تو یہ اچھا، برے کیلئے ہو تو برا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ﴾ الآیۃ [فاطر۔۴۳] کہ "بری سازش و چال اپنے کرنے والے ہی کے گلے پڑے گی"۔ پس اگر یہ کید و مکر اچھی بات اور نیک مقصد کیلئے ہو تو یہ محمود و مطلوب ہے۔ جیسا کہ یہاں پر ہے کہ حضرتِ حق ۔ جَلَّ مَجْدُہٗ ۔ نے یہودِ بے بہبود کے مکر و فریب کے جواب، اور اس کے رد میں ایسی تدبیر فرمائی کہ اپنے رسولِ برحق کی نہایت حکیمانہ اور معجزانہ طور پر حفاظت بھی ہو گئی، اور ان کی شان میں اضافہ بھی۔ اور دشمنوں کے مونہوں پر ناکامی و نامرادی کی وہ سیاہی بھی مل دی گئی جسکی بناء پر وہ ہمیشہ کیلئے ذلیل و خوار، اور مردود و مغضوب بھی ہو گئے۔ پس حضرتِ حق ۔ جل جلالہٗ ۔ کی طرف سے وجود میں آنے والا ہر "مکر" اور ہر تدبیر سراسر خیر ہی خیر اور حق و صواب ہے۔ لہٰذا ایسے موقع پر صرف صنعتِ مشاکلت کا سہارا لینے اور اس پر اکتفا کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ لغت اور محاورے کی روشنی میں لفظ مکر و کید وغیرہ کا ایسا معنی و مفہوم مراد لیا جائے جو اس کی شانِ اقدس کے لائق ہو۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ نے ان بدبختوں کی سازشوں کو اس طرح ناکام بنایا کہ وہ ہمیشہ کے لئے رسوا و ذلیل ہو گئے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اور ان کے ساتھ ایسا معاملہ اور برتاؤ کیا کہ ان کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ وہ اپنے کئے کرائے کے نتیجے اور اس کے جال میں اس بری طرح سے پھنس رہے ہیں اور یہی نتیجہ اور انجام ہوتا ہے حق اور اہلِ حق کی مخالفت اور دشمنی کا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

پورا پورا واپس لینے والا ہوں ف۱۲۰ اور تم کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں ف۱۲۱ اور تم کو پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں (کے گندے

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ

اور دل آزار ماحول) سے ف۱۲۲ جو کہ اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (و باطل) پر، اور تمہارے پیروکاروں کو بالا و برتر کرنے والا ہوں

بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا

ان لوگوں کے مقابلے میں، جو کہ اَڑے ہوئے ہیں (آپ کے کفر و) انکار پر، قیامت کے دن تک ف۱۲۳ پھر آخرکار تم سب کو

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي

(اے لوگو!) لوٹ کر بہر حال میری ہی طرف (اور میرے ہی پاس) آنا ہے، تب میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے درمیان (آخری

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا

اور عملی طور پر،) ان تمام باتوں کا جن کے بارے میں تم لوگ آپس میں اختلاف کرتے رہے تھے ف۱۲۴ سو وہ لوگ جو کہ اَڑے ہوئے ہیں

۱۲۰ "مُتَوَفِّيْكَ" کا معنیٰ و مطلب؟:- یعنی "میں تمکو اے عیسیٰ پورے کا پورا واپس لینے والا ہوں" تاکہ دشمنوں کے ناپاک ہاتھ آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ واضح رہے کہ "توفی" کا لفظ وفاء سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ پورے کا پورا لے لینے کے ہیں۔ لغتِ عرب میں یہ لفظ اسی معنیٰ کیلئے موضوع ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اور لکھا ہے کہ لغتِ عرب میں "توفی" کا لفظ استیفاء اور قبض کے معنیٰ میں ہی مستعمل ہوتا ہے اور اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک نیند کی حالت میں جبکہ شعور و ادراک کا قبض و استیفاء ہو جاتا ہے، اور دوسری قسم توفی کی موت ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے، اور تیسری قسم توفی کی وہ ہے جس میں جسم اور روح دونوں کو قبض کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے بارے میں ہوا (الجواب الصحیح ج ۲ ص ۲۸۳) اور قرآنِ حکیم کی آیاتِ کریمہ میں اس کے شواہد موجود ہیں کہ توفی کا لفظ موت کے علاوہ دوسرے معانی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے مثال کے طور پر سورۃ انعام کی آیت نمبر ۶۰ میں ارشاد ہوتا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ الاٰیۃ۔ یہاں پر "توفی" سے مراد نیند ہے، اور اسی معنیٰ کے اعتبار سے توفی کی ان دونوں قسموں کا ذکر سورۃ زمر کی بیالیسویں آیتِ کریمہ میں یکجا طور پر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ وہاں ارشاد ہوتا ہے ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا﴾ الاٰیۃ۔ کہ ایک قسم کی توفی و قبض وہ ہوتی ہے جو موت کی صورت میں ہوتی ہے، اور ایک وہ جو نیند کی صورت میں ہوتی ہے۔ سو آیتِ زیرِ بحث میں حضرتِ عیسیٰ سے متعلق جس توفی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے مراد یہی ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جسم اور روح دونوں کے ساتھ اوپر اٹھا لیا گیا، نہ کہ صرف روح کو۔ اور دوسرا قول اس میں

حضرات اہلِ علم کا یہ ہے کہ توفی کا لفظ یہاں پر موت کے معنیٰ میں ہے جو کہ اس لفظ کا عام اور معروف استعمال ہے، جیسا کہ یہ قول قتادہ اور حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس صورت میں اس عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے کہ ﴿مُتَوَفِّیْکَ﴾ جو کہ لفظوں میں یہاں پر مقدم ہے حقیقت کے اعتبار سے مؤخر ہے اور ﴿رَافِعُکَ﴾ جو کہ بظاہر مؤخر ہے حقیقت کے اعتبار سے مقدم ہے۔ مطلب یہ کہ یہ دشمن آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم آپ کو پورے کا پورا اپنی طرف اور اپنے جوارِ کرامت میں اٹھالیں گے، اور پھر بعد میں آپکو اپنے وقت پر طبعی موت دیں گے۔ مآل دونوں صورتوں کا ایک ہی رہتا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ نہ قتل ہوئے نہ سولی دے گئے، جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا کہنا ہے۔ یہود تو فخر و اعلان سے کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو جو کہ اللہ کا رسول تھا قتل کر دیا ہے ﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ الآیۃ [النساء۔۱۵۷]۔ اس جرائم پیشہ قوم کی جرم و گناہ پر دلیری و بیبا کی ملاحظہ ہو کہ اپنے زعم میں کئے گئے اس قدر سنگین جرم یعنی قتلِ مسیح پر شرمانے کی بجائے الٹا یہ لوگ اس پر فخر کرتے ہوئے فخریہ انداز میں اور اعلانیہ طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو قتل کر دیا جو کہ مسیح (برکتوں والا) تھا، اور اللہ کا رسول بھی۔ سو اس سے بڑی نحوست اور سنگدلی اور کیا ہو سکتی ہے؟ ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اور نصاریٰ کا کہنا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ کو سولی پر لٹکا کر قتل کر دیا گیا تھا۔ جمعہ کے روز ان کو سولی پر لٹکایا گیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ مغرب تک اسی طرح لٹکے رہے۔ ہفتے کی رات کو ان کو اتار کر دفن کر دیا گیا۔ ہفتے کے روز وہ قبر میں رہے اور اتوار کے روز وہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ (محاسن التاویل، المعروف بتفسیر القاسمیؒ)۔ اور اس پورے افسانے کی بنیاد انہوں نے اپنی من گھڑت اور خود ساختہ روایات و خرافات پر رکھی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ اس سب کے برعکس یہ ہے کہ آنجناب کو نہ قتل کیا گیا نہ سولی پر لٹکایا گیا، بلکہ خود ان لوگوں کو شبہے میں ڈال دیا گیا جو آنجناب کو قتل کرنے گئے تھے اور آپؑ کو قتل سے بچانے کے لئے ان حملہ آوروں کے اپنے ہی ایک آدمی پر حضرتِ عیسیٰ کی شباہت ڈال دی گئی، جس کی بناء پر انہوں نے اسی کو قتل کر دیا۔ اور پھر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا۔ پھر جب ان کے سامنے یہ سوال آیا کہ اگر ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا تو ہمارا اپنا آدمی کدھر گیا؟ اس کا کوئی جواب ان کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ پس وہ شک و اشتباہ کی اسی دلدل میں پڑے ذلت و رسوائی کے دھکے کھا رہے ہیں، اور کھاتے رہیں گے ۔وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ الآیۃ [النساء۔۱۵۷] نیز ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ الآیۃ [النساء۔۱۵۷۔۱۵۸]۔ اس لئے جمہورِ امت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرتِ عیسیٰ کو نہ قتل کیا گیا، نہ سولی دیا گیا۔ بلکہ ان کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ (معارف لکاندھلویؒ وللدیوبندی، صفوۃ، جامع البیان، تلخیص الحبیر، لابن حجر ص ۲۱۹ وغیرہ)۔ اور حافظ ابنِ کثیرؒ نے نزولِ مسیح سے متعلق احادیث کو متواتر کہا ہے (معارف)۔ اسی لئے سابق مفتی دیارِ مصریہ شیخ حسنین محمد مخلوف مرحوم لکھتے ہیں کہ نصاریٰ وغیرہ کا حضرتِ عیسیٰ کے بارے میں قتل اور سولی کا اعتقاد رکھنا ایسا صاف و صریح کفر ہے جس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ (صفوۃ البیان لمعانی القرآن ص ۸۲)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین یارب العالمین

۱۲۱ **"رَافِعُکَ اِلَیَّ" کا مطلب؟:۔** یعنی "میں تم کو اپنی طرف اٹھا لونگا زندہ وسلامت، پورے کا پورا"۔ کیونکہ ضمیر منصوب کا مرجع حضرتِ عیسیٰ ہیں، اپنے جسم اور روح دونوں کے ساتھ، نہ کہ صرف روح کے اعتبار سے۔ لہٰذا آپ کو جسم و جان کے

مجموعے کے ساتھ اوپر اٹھایا گیا- علیہ الصلوٰۃ والسلام- سو اس طرح پہلے تو حضرت عیسیٰ کو توفی کی بشارت سے نوازا گیا۔ یعنی آپ کو دشمنوں کے نرغے سے پورے کا پورا اور صحیح وسالم طور پر نکال لیا جائے گا اور یہ لوگ آپ کو کوئی بھی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ اسکے بعد دوسری بشارت آپ کو یہ دی گئی کہ دشمنوں سے بچانے اور نجات دینے کے بعد آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا جائے گا اور آپ کو وہیں رکھا جائے گا جو کہ ملائکہ کی قرارگاہ ہے اور اس طرح آپ کو رفعِ آسمانی اور معراجِ جسمانی کی بشارت سے نوازا اور سرفراز فرمایا گیا۔ اور ﴿رَافِعُکَ﴾ کو محض رفعِ درجات کے معنیٰ میں لینا صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں ﴿اِلَیَّ﴾ کا لفظ بالکل بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گا اور قرآن پاک میں کوئی لفظ بھی بے ضرورت استعمال نہیں ہو سکتا۔ سو اگر رفع سے یہاں پر مراد صرف درجے کی بلندی کا بیان کرنا ہوتا تو عربیت کے لحاظ سے اس کے لئے صرف ﴿رَافِعُکَ﴾ فرمانا کافی تھا۔ اس کے ساتھ ﴿اِلَیَّ﴾ کے اضافے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلندیٔ مرتبہ کے لئے یہ لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے وہاں یہ اس مسئلہ کے بغیر ہی استعمال ہوا ہے جیسے سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۳، اعراف ۱۷۶ اور مریم آیت نمبر ۵۷ وغیرہ، سو ﴿رَافِعُکَ اِلَیَّ﴾ کا صحیح معنیٰ و مطلب یہ ہو گا کہ میں تم کو عزت واکرام کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں- والحمد للہ جل وعلا- سو اس کے خلاف مطلب لینا تقاضائے نصوص کتاب وسنت کے خلاف ہے- والعیاذ باللہ جل وعلا- بکل حال من الاحوال

۱۲۲ حضرتِ عیسیٰ کیلئے تطہیر کی بشارت وخوشخبری:- سو حضرت عیسیٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں آپ کو پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جو اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر و باطل پر۔ اور میں آپ کو دشمنانِ حق کے اس تکلیف دہ ماحول سے نکال کر اپنے جوارِ عزت و کرامت میں جگہ دینے والا ہوں۔ اس طرح ایک طرف تو آنجناب -علیہ الصلوٰۃ والسلام- کا اعزاز و اکرام ہو گیا، اور دوسری طرف آپ کے ان دشمنوں کی تحقیر و تذلیل کا سامان۔ بہر کیف آنجناب کو اس خوشخبری سے نوازا گیا کہ آپ کو ان کافروں کے اس متعفن ماحول سے نکال کر ایسے پاک وصاف مقام پر پہنچا دیا جائے گا جہاں فرشتوں کی تسبیحوں کی خوشبوئیں ہی خوشبوئیں میسر ہونگی۔ حضراتِ انبیائے کرام- علیھم الصلوٰۃ والسلام- کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہی رہا ہے کہ جب ان کو کسی قوم کے اندر ان کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے، وہ ان کے اندر اسی وقت تک رہتے ہیں جب تک کہ ان کے ایمان لانے کی توقع ہوتی ہے اور جب یہ توقع ختم ہو گئی اور وہ قوم ایمان لانے کی بجائے نبیوں کے قتل کے درپے ہو گئی والعیاذ باللہ- تو اس وقت پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم فرما دیا گیا اور پیغمبر کی ہجرت اور ان کی علیحدگی کے بعد اس قوم کی حیثیت ایسے ہی رہ گئی جیسا کہ روح نکل جانے کے بعد جسم کی حیثیت ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کے گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی شکل باقی نہیں رہ جاتی۔ سو اس طرح پیغمبر اور ان کے مخلص ساتھیوں کی علیحدگی کے بعد ان کے جھٹلانے والوں کے لئے ہزیمت اور ذلت و رسوائی کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی۔ پیغمبر اور ان کے ساتھی اس گندے اور متعفن ماحول سے نکل کر پاکیزہ اور صحت بخش ماحول میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں ان کی روحانی قوت اور صحت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے بعد ان کو جھٹلانے والے تیزی کے ساتھ ہلاکت و تباہی کے آخری اور ہولناک گڑھے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۳ پیروانِ عیسیٰ کے غلبے کی بشارت وخوشخبری: ۔سو اس سے حضرت عیسیٰ کے سچے پیروکاروں کیلئے کافروں پر غلبے کی خوشخبری سنائی گئی ہے سو حضرت عیسیٰ سے فرمایا گیا کہ میں بالا و برتر کرنے والا ہوں آپ کے پیروکاروں کو کافروں پر قیامت کے دن تک ۔اور آپؑ کے سچے اور حقیقی پیروکار تو مسلمان ہیں، جو آپؑ پر سچے دل اور صحیح طریقے سے ایمان رکھتے ہیں ۔آپؑ کو حقیقتِ نفس الامری کے مطابق اللہ تعالیٰ کا پاکیزہ طریقہ و برگزیدہ بندہ جانتے ،اور سچا رسول مانتے ہیں ،اور آپؑ کی اور آپ کی والدہ ماجدہ کی عفت و پاکدامنی سے متعلق سچائی اور حقیقت کے امین و پاسدار ہیں ،مگر نورِ اسلام کے طلوع سے قبل آپ کے ماننے والے نصاریٰ ہی تھے ،اور اب بھی وہ اپنے زعم وگمان کے مطابق آپؑ کو مانتے ہیں ۔سو اس ارشادِ ربانی کے عین مطابق حضرتِ عیسیٰ کے ماننے والے یہ دونوں گروہ یعنی مسلمان جو کہ آپؑ کو سچے دل اور صحیح طریقے سے مانتے ہیں ،اور عیسائی جو کہ اپنے زعم وگمان کے مطابق اور اپنے دعوٰی اور اعلان کے اعتبار سے آپ کے نام لیوا اور پیروکار ہیں ،دونوں ہی آنجناب کے دشمنوں یعنی یہود پر غالب اور حاوی ہیں اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک رہیں گے ۔قیامت کے قریب حضرتِ عیسیٰ خود آسمان سے نازل ہو کر یہود کا صفایا کر دیں گے ،اور آپ کی تیغِ بیدریغ چن چن کر ان کو قتل کرے گی اور بجز ان لوگوں کے کوئی نہیں بچ سکے گا ،جو آپؑ پر سچے دل سے ایمان لائیں گے یہاں تک کہ جس درخت اور پتھر کے پیچھے بھی کوئی یہودی چھپ کر پناہ لے گا ،وہ بھی پکار کر کہے گا کہ اے اللہ کے بندے (مسلمان!) یہ میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے آ کر اس کو قتل کر دے ،پھر عیسیٰ ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔خنزیر کو قتل کرینگے ،اور صلیب کو توڑینگے ،جو کہ موجودہ عیسائیت کا مذہبی نشان ہے ۔اس طرح یہ سب لوگ دینِ حق (اسلام) کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائینگے ،جیسا کہ اس سے متعلق تمام تفصیلات احادیث و روایات میں وارد و مصرح ہیں ۔والتفصیل فی المطولات ۔

۱۲۴ اصل اور آخری فیصلہ قیامت ہی کے روز: ۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تمام باتوں کا فیصلہ قیامت ہی کے روز ہو گا سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرکار تم سب کو لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے ۔تب میں تمہارے درمیان فیصلہ کر دوں گا ان سب باتوں کا جن میں تم لوگ باہم اختلاف کرتے رہے تھے ۔اور وہ سب سے آخری قطعی اور عملی فیصلہ ہو گا جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا ۔اور ہر کوئی اپنے کیے کرائے کی پوری جزا اور بھرپور بدلہ پا لے گا ،ورنہ علمی حد تک اس کا قطعی و صریح اور واضح فیصلہ تو دینِ حق نے آج ہی اس دنیا میں فرما دیا ہے ،مگر عملی اور آخری فیصلہ بہرحال اس دن ہو سکے گا جو کہ فیصلے اور بدلے کا دن ہو گا اور اسکی دو بڑی وجہیں ہیں ۔ایک یہ کہ یہ دنیا اصل میں ''دار العمل'' ہے ''دار الجزاء'' نہیں ۔یہاں کچھ اعمال کا کسی قدر بدلہ تو اگرچہ انسان کو مل جاتا ہے ۔نیک اعمال کا نیکی کی صورت میں اور برے اعمال کا برائی کی شکل میں ۔والعیاذ باللہ ۔لیکن یہ بہرحال ان اعمال کا پورا بدلہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا کچھ اور کسی قدر بدلہ ہی ہوتا ہے اور بس ۔کہ یہ دنیا اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے ''دار الجزاء'' نہیں ''دار العمل'' ہے اور دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے اس ظرفِ محدود میں اسکی گنجائش ہی نہیں کہ کسی کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ اس دنیا میں مل سکے ۔سو اعمال کا پورا اور حقیقی بدلہ آخرت کے اس ابدی اور لامحدود جہاں ہی میں مل سکے گا ۔اور اصل کامیابی اور ناکامی وہیں کی ہو گی ۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے وہاں کی اس کامیابی سے مشرف و سرفراز فرمائے اور اس دن کی رسوائی سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے ۔اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے ،امین

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ

اپنے کفر (وباطل) پر، ان کو میں سخت عذاب دوں گا دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا ۱۲۵ اور جو

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ

لوگ (سچے دل سے) ایمان لائے ہوں گے، اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے، ان کو وہ ان کے اجر پورے کے پورے

مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى

عطاء فرمائے گا ۱۲۶ اور اللہ پسند نہیں فرماتا ایسے ظالموں کو، یہ ہماری آیتیں ہیں جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو (اے پیغمبر!) اور حکمت

عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ

سے لبریز ذکر (ونصیحت جس سے ہم نوازتے ہیں آپ کو) ۱۲۷ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے، کہ ان کو

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

بنایا اللہ نے مٹی سے، پھر فرمایا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا (زندہ وموجود) ۱۲۸ حق تمہارے رب ہی کی طرف سے ہے، پس تم کبھی

۱۲۵ کافروں کیلئے ہمیشہ کا عذاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں کو میں سخت عذاب دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ یعنی ان کا عذاب اسی دنیا سے شروع ہو کر آخرت کے اس بھرپور عذاب تک جا پہنچے گا، جو ابدی دائمی اور نہایت ہی سخت ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اس ارشاد کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی عدالت کسی مجرم کو سزا دیتے وقت یوں کہے کہ تمہاری سزا ایک سال ہے، لیکن اگر تم اپنی شرانگیزی سے باز نہ آئے تو تمہاری یہ سزا دو سال کر دی جائے گی۔ یعنی اس صورت میں تمہاری یہ سزا آج ہی سے شروع ہو رہی ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھا جائے کہ حق اور رسولِ حق کے ان دشمنوں کا عذاب اسی دنیا سے شروع ہو کر آخرت کے اس ابدی اور ہولناک عذاب تک جا پہنچے گا جس کا پھر کوئی خاتمہ نہیں ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ۔ سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اور اس نے ہمیشہ کیلئے ایسے ہولناک عذاب میں رہنا ہے تو اس کو اگر اس دنیا میں دنیا جہاں کی سب دولت بھی مل جائے اور اسکی پوری زندگی بھی اگر حکومت واقتدار کی کرسی ہی پر گزر جائے تو بھی اسکو کیا ملا۔ اور اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے کہ اسکو آخر کار اس ہولناک انجام سے دوچار ہونا ہے۔ اور اس کے مقابلے میں وہ مومنِ صادق کس قدر خوش نصیب ہے جس کو اس ہولناک عذاب سے بچا کر جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفراز کر دیا جائے گا، اگرچہ دنیا میں اس کو نانِ جویں بھی میسر نہ رہی ہو۔ سو ایمان کی دولت ہی اصل، سب سے بڑی اور بے مثال دولت ہے۔ اور کفر سب سے بڑی محرومی اور دارین کی ہلاکت وتباہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، ہر قدم بہتر سے بہتر ہی کیطرف اٹھانے

کی توفیق بخشے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۱۲۶ اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا:- سو "یُوَفِّیھِمْ" کے اس لفظ سے یہاں ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت واضح کر دی گئی جو کہ قرآنِ حکیم میں دوسرے کئی مقامات پر اور مختلف پیرایوں میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اعمال کا بھرپور بدلہ آخرت ہی میں ملے گا۔ اور وہیں مل سکتا ہے۔ دنیا میں اعمال کا بدلہ خواہ وہ خیر ہوں یا شر، کسی نہ کسی حد تک اگرچہ ملتا ہے، مگر پورا بدلہ یہاں پر نہ ملتا ہے نہ مل سکتا ہے۔ وہ بہرحال آخرت میں ہی ملیگا کہ "دار الجزاء" وہی ہے، اور اسی کی وسعتیں اس کی متحمل ہوسکتی ہیں، جیسا کہ اسکی کچھ تفصیل ابھی اوپر حاشیہ نمبر ۱۲۵ میں بھی گزر چکی ہے۔ سو اصل کامیابی آخرت ہی کی کامیابی ہے- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ اور اصل ناکامی آخرت ہی کی ناکامی ہے مگر دنیا ہے کہ اس حقیقتِ عظمیٰ سے غافل اور نچنت ہے، الا ماشاء اللہ- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۱۲۷ پیغمبرِ آخر الزماں ؐ کی صداقت و حقانیت کا ایک اور ثبوت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہماری آیتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں [اے پیغمبر] اور یہ حکمت سے لبریز ذکر ہے جس سے ہم آپ کو نواز رہے ہیں۔ سو یہ اس بات کا ایک قطعی اور واضح ثبوت اور علامت ہے کہ آپ ہمارے بھیجے ہوئے رسول ہیں، جو ہماری وحی اور ہدایت کے مطابق لوگوں کے سامنے حکمت سے لبریز اس نصیحت و ذکر کو پیش کررہے ہیں۔ ورنہ آپؐ تو امی محض تھے۔ کبھی کسی انسان سے ایک حرف تک نہیں پڑھا تھا۔ تو پھر آپؐ کیلئے ایسے علوم و معارف اور اس قدر حکمت بھرا یہ ذکر سنانے اور پیش کرنے کا اور کیا ذریعہ ہوسکتا ہے سوائے وحیِ خداوندی کے۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ ہے حضرتِ عیسیٰ کی اصل حقیقت جو کہ نکھار کر آپ کے سامنے رکھ دی گئی جس میں طرح طرح کے درسہائے عبرت و بصیرت ہیں اور اس ذکرِ حکیم سے راہِ حق و صواب کو بالکل واضح کر دیا گیا جو کہ سراسر حکمت اور عبرت و بصیرت ہے، بخلاف اس من گھڑت داستان کے جس کو عیسائیوں نے تصنیف کیا ہے۔ جس سے انہوں نے حق اور حقیقت کو بدل اور بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے اور جس سے گمراہی کے سوا کچھ نہیں مل سکتا مگر ایک دنیا کی دنیا ہے جو پھر بھی آنکھ نہیں کھولتی- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اٰمین

۱۲۸ عیسائیوں پر حجت حضرتِ آدم کی ولادت سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ ان کو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر ان سے فرمایا ہو جاؤ تو وہ ہو گیا۔ آدم کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا گیا۔ تو پھر اگر ماں اور باپ کے معروف اور ظاہری سبب کے بغیر پیدا ہونے سے آدم کے اندر الوہیت و معبودیت کا کوئی شائبہ نہیں آسکتا تو پھر حضرتِ عیسیٰ صرف باپ کے بغیر پیدا ہونے سے خدا یا خدا کے بیٹے اور معبود کس طرح بن سکتے ہیں؟ جبکہ آدم کو تم لوگ بھی خدا اور خدا کا بیٹا نہیں مانتے، حالانکہ ان کا تو الد صرف باپ کے بغیر نہیں بلکہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر محض قدرتِ خداوندی سے ہوا تھا۔ سو جس طرح حضرتِ آدم کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ماں اور باپ کے اپنے حکم سے پیدا کیا اور ان سے کہا "ہو جا" تو وہ ہو گئے۔ ایسے ہی حضرتِ عیسیٰ کو بغیر باپ کے اپنے کلمہ کن سے پیدا فرمایا اور پھر اس کو کہا ہو جا تو وہ ہو گئے۔ سو یہ چیز ان کی الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ پس جنہوں نے محض اس بناء پر ان کو خدا بنا دیا انہوں نے بڑا ظلم ڈھایا۔ اور اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان کیا - والعیاذ باللہ جل وعلا- اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال اور اسکے ہر شائبہ سے محفوظ رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

الْمُمْتَرِيْنَ ⑥٠ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

نہیں ہوجانا شک کرنے والوں میں سے ف۱۲۹ پھر بھی جو آپ سے اس بارے جھگڑا (اور حجت بازی) کریں (حق اور حقیقت کو

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ

واضح کردینے والے) اس علم کے بعد، جو کہ پہنچ چکا آپ کے پاس، (آپ کے رب کی جانب سے،) تو ان سے کہو کہ آؤ (ہم

اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۚ

اور تم اس بارے آپس میں مباہلہ کرلیتے ہیں ف۱۳۰ اس طرح کہ) ہم اور تم خود بھی (میدان میں) آتے ہیں، اور اپنے اپنے بیوی

۱۲۹ منکرین پر الزام اور اتمام حجت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، پس تم اے مخاطب کبھی شک کرنے والوں سے نہ ہوجانا۔ سو حق کی ایسی وضاحت کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی:- کہ حق تمہارے رب کی طرف سے واضح ہوگیا کہ حضرتِ عیسیٰ -علیہ الصلوٰۃ والسلام- خدا نہیں، خدا کے بندے اور اسکے رسول تھے۔ ان کی ولادتِ باسعادت والد کے واسطے کے بغیر محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے حکم سے معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ اور ان کی والدہ ماجدہ قطعی طور پر ایک عفیفہ اور پاکدامن تھیں۔ یہودِ بے بہبود کی طرف سے ان پر لگائے جانے والے الزامات سب افتراء و بہتان تھے۔ پس حضرتِ عیسیٰ نہ تو وَلَدُ الزِّنا تھے جیسا کہ یہودِ بے بہبود نے ان پر افتراء و بہتان بازی کی- والعیاذ باللہ- اور نہ ہی وہ خدا اور خدا کے بیٹے تھے، جیسا کہ نصاریٰ نے ان کے بارے میں شرکیہ عقیدہ رکھا- والعیاذ باللہ- یہ دونوں انتہاء پسندیاں باطل و بے بنیاد ہیں۔ حق اور حقیقت وہی ہے جسکو تمہارے رب نے بیان فرما دیا کہ حضرتِ عیسیٰ خدا کے پاکیزہ اور برگزیدہ بندے اور اسکے سچے رسول تھے- عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق وصواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۱۳۰ خدائی فیصلے کی طرف رجوع کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر بھی اگر یہ لوگ پھرے ہی رہیں تو ان سے کہو کہ ہم مباہلہ کرلیتے ہیں تاکہ اس طرح خدائی فیصلہ ہمارے اور تمہارے درمیان ظاہر ہوجائے اور حق و باطل پوری طرح واضح ہوجائے۔ سو جب فریقِ مخالف حق کے پوری طرح واضح ہوجانے کے باوجود حق کو ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہو اور وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑا ہی رہے تو اسکے لیے آخری بات یہی ہے کہ حق و باطل کے فیصلے کیلئے مباہلہ کیا جائے اور معاملے کو خدائی فیصلے پر چھوڑ دیا جائے۔ ابتہال کے اصل معنی تضرع اور دعاء کے ہیں، لیکن اس کے اندر ترک کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ لفظ ایک دوسرے پر لعنت کی بد دعا کے لئے معروف ہے۔ یہاں پر اس سے یہی معنیٰ و مفہوم مراد ہے۔ جہاں پر مخاطب ایسی ہٹ دھرمی پر اتر آئے کہ سب روشن اور واضح دلائل کے باوجود حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں وہاں آخری چارۂ کار مباہلہ ہی رہ جاتا ہے۔ تاکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری فیصلہ ہوجائے۔ اور اس کے بعد کسی کے لیے کوئی مجالِ انکار باقی نہ رہے۔

ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۶۱﴾

بچوں کو بھی بلالاتے ہیں، پھر ہم سب مل کر (اللہ تعالیٰ کے حضور) عاجزی وزاری کے ساتھ دعاء (والتجاء) کرتے ہیں، کہ

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا

اللہ کی لعنت (اور پھٹکار) ہو ان پر، جو جھوٹے ہوں ۱۳۱ بے شک یہی ہے قطعی طور پر حق (اور سچا) بیان، اور یہ کہ کوئی معبود (برحق)

۱۳۱ حق و باطل کے فیصلہ کیلئے آخری بات مباہلہ: - تاکہ اس طرح جھوٹا اپنے انجام کو پہنچ جائے، اور سچے کا سچ نکھر کر سامنے آجائے۔ روایات کے مطابق جب اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے نصاریٰ نجران کے وفد کو مباہلے کی دعوت دی تو انہوں نے ایک دن، اور دوسری روایات کے مطابق، تین دن کی مہلت مانگی، کہ ہم اس مدت میں باہم مشورہ کرنے کے بعد اس بارے جواب دیں گے۔ چنانچہ اس دوران انہوں نے باہمی مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ مباہلہ ہرگز نہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ یہ وہی نبیٔ آخر الزمان ہیں جنکے بارے میں پیشگوئیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ پس اگر ہم نے ان سے مباہلہ کرلیا تو خدشہ ہے کہ کہیں ہماری جڑ ہی نہ کٹ جائے۔ لہٰذا مباہلہ کی بجائے ان سے صلح صفائی کی بات کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے دو ہزار حلے (جوڑے) سالانہ دینے کی پیشکش پر صلح کی درخواست کی۔ جسکو آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے قبول فرمالیا۔ یہ اس بارے میں وارد مختلف روایات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جو یہاں پیش کیا گیا۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو، روح المعانی، معارف القرآن، قرطبی، ابنِ کثیر، ابنِ جریر، صحیح بخاری، کتاب المغازی، صحیح مسلم، اور سنن نسائی وغیرہ وغیرہ۔ ادھر اس دوران حضور -صلی اللہ علیہ وسلم- نے مباہلے کی تیاری فرمالی اور اسکے لئے آپؐ نے حضرتِ علیؓ فاطمہؓ اور حضراتِ حسنین کو بھی بلالیا۔ شیعوں نے اس روایت کے سہارے اس واقعے سے خلافتِ بلافصل کے اپنے مشہور و معروف گمراہ کن عقیدے کیلئے دلیل کشید کرنے کی ناکام سعی کی، حالانکہ مباہلہ کی اس آیتِ کریمہ میں تو ان کے اس استدلال کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ رہ گئی مذکورہ بالا روایت تو اس کی اصل یہ ہے کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ان حضرات کو اس لئے بلالیا تھا کہ یہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- کے اہلِ بیت اور گھر والوں سے دور تھے۔ اس لئے ان کو پیشگی بلانے کی ضرورت پیش آئی۔ رہ گئے آپؐ کے اہل خانہ جو کہ عرف و لغت وغیرہ ہر اعتبار سے آدمی کے اصل اہلِ بیت ہوتے ہیں تو وہ پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔ ان کو کہیں باہر سے بلانے منگوانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر مباہلے کی نوبت آجاتی تو آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- یقیناً ان کو بھی بلاتے، بلکہ ان کو پہلے بلاتے کہ ﴿اَنۡفُسَنَا﴾ ' ﴿نِسَآءَنَا﴾ اور ﴿اَبۡنَآءَنَا﴾ کے اصل اور اولین مصداق تو وہی تھے۔ لغت اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی، اور عرف و محاورہ کے لحاظ سے بھی۔ اور پھر یہی نہیں کہ آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے دور ہونے کی وجہ سے صرف انہی حضرات کو بلایا تھا، بلکہ حضرتِ امام محمد باقرؒ کے قول و ارشاد کے مطابق آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اس موقع پر حضراتِ خلفاء ثلاثہ اور ان کے اہل و عیال کو بھی بلالیا تھا، جیسا کہ ابنِ عساکر نے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی، درِ منثور، المراغی، اور جواہر القرآن وغیرہ وغیرہ۔ پس اس سے شیعوں کے اس استدلال کی جڑ کٹ گئی ہے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ الَّذِیۡ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوۡفِيۡقٍ مِّنۡهُ جَلَّ وَعَلَا وَتَبَارَكَ وَتَعَالٰی - بہرکیف مباہلہ حق و باطل کے درمیان فیصلے کا اصل اور آخری ذریعہ ہوتا ہے۔

اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ

نہیں سوائے اللہ (وحدہٗ لاشریک) کے، اور بے شک اللہ ہی ہے جو سب پر غالب، نہایت ہی حکمت والا ہے، سو اگر

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع قُلْ يٰٓاَهْلَ

یہ لوگ پھر بھی پھرے ہی رہے، تو (اپنے کئے کا بھگتان بھگت کر رہیں گے کہ) بیشک اللہ پوری طرح جانتا ہے فساد کرنے والوں کو ۱۳۲ کہو

الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اے اہل کتاب، آؤ تم ایک ایسی بات کی طرف جو کہ یکساں ہے، ہمارے اور تمہارے درمیان ۱۳۳ کہ ہم کسی کی بھی بندگی نہیں کریں گے

ع ۱۴/۵

۱۳۲ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ وذکر: -سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح جانتا ہے مفسدین کو سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ مفسدین کو پوری طرح جانتا ہے۔ پس نہ کوئی فسادی اس سے چھپ سکتا ہے، اور نہ اس کا کوئی فساد۔ لہٰذا ہر فسادی اپنے وقت پر اپنے کیے کی سزا بہرحال بھگت کر رہے گا کہ ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر ہوسکتے ہیں اور نہ اسکی گرفت و پکڑ سے کسی طرح نکل سکتے ہیں۔ لہٰذا آج ان کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس سے ان کو کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے، کہ اسکے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف اس آیتِ کریمہ سے واضح فرما دیا گیا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کیلئے تیار نہیں ہوتے جو کہ قضیہ کو حل اور اختلاف کو رفع کرنے کی آخری صورت تھی اور دعوتِ مباہلہ کے باوجود یہ اس سے گریز و فرار ہی کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ تو اس کا صاف طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ حق کی پیروی کرنا چاہتے ہی نہیں۔ اور یہ خدا کی زمین پر فساد بپا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ شرک تمام فساد کی جڑ ہے۔ کیونکہ زمین و آسمان میں اگر کئی معبود تسلیم کر لئے جائیں تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ سو ایسے فسادی لوگ یقیناً اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔ لہٰذا یہ اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگت کر رہیں گے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگوں کو جو ڈھیل ملتی ہے اس سے یہ دھوکے میں نہ پڑیں۔

۱۳۳ اہلِ کتاب کو ایک فکر انگیز دعوت: -سو اس سے اہلِ کتاب کو ایک فکر انگیز دعوت دی گئی ہے کہ دونوں فریق کلمۂ توحید پر اکٹھے ہو جائیں۔ کہ اس کو ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی اس کے ماننے کے دعویدار ہو، یعنی عقیدۂ توحید، جس کی دعوت ہر پیغمبر اور ہر شریعت نے دی۔ اور جو اساس و بنیاد ہے ہر دینِ سماوی کی۔ اور اس کے ماننے سے تم کو بھی کوئی انکار نہیں ہوسکتا اور نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور ہم پہلے سے ہی اس پر قائم اور اسکے داعی اور مبلغ ہیں۔ سو یہ ہمارے اور تمہارے درمیان تعاون و اشتراک کی ایک بڑی اہم اساس و بنیاد ہے۔ "سواء" کے معنی وسط کے ہیں، "سواء الراس" سر کے بیچ کے حصے کو کہا جاتا ہے اور "سواء الطریق" کا معنیٰ ہے راستے کا وسط۔ پس جو چیز دونوں جماعتوں کے بیچوں بیچ ہو گی، وہ دونوں کے درمیان یکساں مشترک و مُسلّم اور دونوں کی جانی پہچانی ہو گی۔ سو کلمۂ توحید اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے درمیان ایک قدرِ مشترک اور امرِ مُسلّم ہے۔ تو پھر تم لوگوں نے اے کتاب والو، اس مشترک اور مُسلّم حقیقت کے برعکس خدائے واحد کی عبادت و بندگی میں دوسروں کو شریک کیوں ٹھہرا رکھا ہے؟ اور تم لوگ اللہ کی وحدانیت کے قائل کیوں نہیں ہوتے؟

اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ

سوائے ایک اللہ کے ۱۳۴ اور ہم کسی بھی چیز کو (کسی بھی طور پر) اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور نہ ہی ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا

بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا

رب بنائے گا سوائے اللہ کے، پس اگر (اس واضح اور معقول بات کے بعد بھی) یہ لوگ روگردانی ہی کریں،

فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ

تو کہو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ بے شک ہم تو (بہر طور اسی کے) فرمانبردار ہیں، ۱۳۵ اے کتاب والو،

لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ

تم کیوں جھگڑا (اور حجت بازی) کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات

وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور انجیل، مگر ان کے (ایک زمانۂ دراز کے) بعد، تو کیا تم لوگ اتنا بھی نہیں جانتے (اور سمجھتے)؟ ۱۳۶

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ

ہاں تم لوگ وہی ہو جو جھگڑا کر چکے ہو ایسی بات کے بارے میں جس کا تمہیں کچھ علم تھا ۱۳۷ مگر

تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَ

اب تم کیوں جھگڑا (اور حجت بازی) کرتے ہو اس چیز کے بارے میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں ۱۳۸ اور اللہ جانتا ہے (ہر چیز کو) اور

اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا

تم نہیں جانتے، ۱۳۹ (سو اللہ بتلاتا ہے کہ) ابراہیم نہ یہودی تھے،

۱۳۴ اطاعتِ مطلقہ اللہ ہی کا حق ہے سبحانہ و تعالیٰ:- اسلئے اللہ کے سوا کسی کی مطلق اطاعت اسکو رب بنانے کے مترادف ہے۔ والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آؤ ہم عہد کریں کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بھی بندگی نہیں کریں گے۔ نہ ہم کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہی ہم اللہ کے سوا کسی کو رب بنائیں گے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کی اطاعتِ مطلقہ کی طرح اس کی بھی مطلق اطاعت کرنے لگے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ اطاعت صحیح ہے یا نہیں۔ اور اللہ کی مقرر کردہ

حدود و قیود کے اندر ہے یا ان سے باہر۔ اور یہ کہ اس کو تحلیل و تحریم کا اختیار دے دیا جائے کہ جس چیز کو وہ چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام، کہ ایسا کرنا درحقیقت اللہ کے سوا دوسروں کو رب قرار دینا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰه۔ مگر ان لوگوں نے اس کے باوجود ایسے ہی کر رکھا تھا، اور اپنے مولویوں اور پیروں ''اَحْبَار و رُهبان'' کو ربوبیت کے ایسے ہی مقام پر بٹھا رکھا تھا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ الآيۃ [التوبۃ ۳۱]۔ سو اطاعتِ مطلقہ صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور بس۔ اس کے سوا دوسری ہر اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط اور اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو کہ ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ جو ہر جگہ منطبق ہوتا ہے۔

۱۳۵ اہلِ کفر و باطل سے اظہارِ بیزاری کا درس:- سو اس سے حق کے واضح ہو جانے کے بعد اہلِ کفر سے اظہارِ بیزاری کا درس دیا گیا ہے۔ یعنی ہمارا طریقہ اور راستہ تو بہرحال یہی ہے۔ اب تمہاری مرضی تم جو چاہو اور جیسے چاہو کرو۔ اپنے کئے کے تم خود ہی ذمہ دار ہوؤ گے، اور اپنا بھگتان بھی بہرحال خود تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ تمہارا راستہ الگ ہمارا الگ ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ یہ آخری جواب ہے جو ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو دیا جاتا ہے جو راہِ راست پر آنے کو تیار ہی نہ ہوتے ہوں۔ اور اس طرح کے جواب سے جہاں ایک طرف داعیٔ حق کو اطمینان ملتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ لوگ پتھر ہیں جس پر جونک لگانے کا کوئی فائدہ نہیں، وہیں دوسری طرف ایسے ہٹ دھرموں کی اس طرح کی ہر خوش فہمی کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے جو اس طرح کی امیدیں رکھتے ہیں کہ شاید یہ اہلِ حق ہماری اس طرح کی کسی ہٹ دھرمی سے اپنا رویہ تبدیل کر دیں گے۔ سو اس میں اہلِ حق کے لئے حق کو واضح کر دینے کے باجود اہلِ باطل سے اظہار و اعلانِ بیزاری کا درس ہے کہ اگر تم لوگ حق کو ماننے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو تم سن لو، اور اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو بہرحال مسلمان اور فرمانبردار ہیں۔ اور ''گواہ رہو'' کے یہ الفاظ بطورِ اظہارِ براءت ہیں، یعنی ہم نے تو پوری وضاحت کے ساتھ پیغامِ حق تم کو پہنچا دیا۔ اب تم لوگ کل کو خداوندِ قدوس کے حضور ایسا کوئی عذر اور حیلہ بہانہ نہیں کر سکو گے کہ ہمیں پتہ نہیں تھا کل کو اس کے یہاں تمہاری ذمہ داری خود تمہارے اوپر ہے۔ ہم بہرحال اپنا فرض ادا کر چکے۔ ''بر رسولاں بلاغ است وبس''۔ والحمد للہ جل وعلا

۱۳۶ عقل و فکر سے کام لینے کی دعوت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے کہ ایسے میں آخر وہ یہودی یا نصرانی کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جب کہ تورات اور انجیل کا نزول ان سے صدیوں بعد ہوا۔ پس حق اور حقیقت یہ ہے کہ حضرتِ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ وہ سیدھے سادھے اور سچے پکے مسلمان اور ایک اللہ کے اطاعت گزار اور مطیعِ فرمان بندے تھے۔ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ جیسا کہ دوسرے کئی مقامات پر اسکی تصریح فرمائی گئی ﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا﴾ (الآيۃ) جیسا کہ یہاں بھی اس کے ایک آیت بعد بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ سو یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ کا اپنی اپنی بدعات اور شرکیات کے لئے آنجناب کا نام استعمال کرنا، اور اپنے آپ کو ان کا پیرو ظاہر کرنا اور ان کے طریقے پر ہونے کا دم بھرنا سب غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ تینوں گروہ تو طرح طرح کی شرکیات میں ملوث و مبتلاء ہیں، جب کہ وہ اس طرح کی ہر بات سے دور و نفور اور پاک و بری تھے۔ پس ان کا ان تینوں گروہوں میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی تعلق نہیں تھا، بلکہ وہ دینِ حنیف پر

اور یکسو مسلمان تھے - عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے راہِ حق و صواب پر گامزن رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۱۳۷ علم کے بغیر بحث و مباحثہ اور حجت بازی کی مذمت: - یعنی موسیٰ و عیسیٰ کے بارے میں کہ ان کے تم نام لیوا اور ان کے ماننے کے دعویدار ہو، اگرچہ ان کے بارے میں بھی تمہارا علم ناقص اور غیر صحیح تھا۔ جس کی بناء پر تم اِفراط و تفریط کے شکار ہوئے کہ ایک گروہ نے حضرتِ عیسیٰ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے نسب پر حملہ کیا اور ان کی پاکیزہ ہستی پر گندی تہمت لگائی - والعیاذ باللہ - جبکہ دوسرے گروہ نے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دے کر دینِ عیسوی کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اور انہوں نے شرک کا حرام و ممنوع کاروبار شروع کر دیا یا اسی طرح خاتم الانبیاء حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ - کے بارے میں بھی تمہیں کچھ علم تھا کہ ان کا ذکر تمہاری کتابوں میں تھا اور ان کے بارے میں پیشینگوئیاں بھی فی الجملہ ان میں موجود تھیں وغیرہ وغیرہ۔ (المراغیؒ، القاسمیؒ، المعارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو ایسے ناقص علم کی بناء پر بحث مباحثہ اور حجت بازی بھی اگرچہ کوئی صحیح طریقہ نہیں لیکن پھر بھی اسکی کچھ نہ کچھ تک بن سکتی ہے۔ مگر جس چیز کے بارے میں کوئی بھی علم و آگہی نہ ہو اسکے بارے میں بحث مباحثہ اور حجت بازی کی کیا تک ہو سکتی ہے۔ سو اس میں علم کی روشنی کے بغیر بحث مباحثہ اور حجت بازی کی مذمت ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ اِلْحَادٍ وَّ اِنْحِرَافٍ -

۱۳۸ علم کے بغیر بحث مباحثہ عقل و نقل کیخلاف: - سو علم کی روشنی کے بغیر بحث مباحثہ کرنا عقل و نقل کیخلاف ہے کہ یہ اندھیرے میں تیر چلانا ہے۔ پھر تم لوگ ایسی چیز کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو کہ نہ اس کا ذکر اس طور پر تمہاری کتابوں میں کہیں موجود ہے اور نہ تمہارے پاس اس کے بارے میں جاننے کا اور کوئی ذریعہ و ماخذ ہے (نفس المرجع)۔ سو علم کی روشنی کے بغیر ایسے امور میں دخل دینا اور بغیر کسی بنیاد کے بحث مباحثہ کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کہ یہ رجمًا بالغیب اور اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے جس کی لغویت محتاجِ بیان نہیں - والعیاذ باللہ العظیم - سو بحث و مباحثہ کے لیے علم کی روشنی درکار ہے۔

۱۳۹ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم و ارشاد پر اعتماد کا درس: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے پس حق و صدق وہی اور صرف وہی ہے، جو اس وحدہٗ لاشریک سے ملے۔ اسلئے اس کے ہر حکم و ارشاد پر صدق دل سے بھروسہ و اعتماد کرنا چاہیے اور اس نے صاف و صریح طور پر بتا اور فرما دیا کہ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ اور نہ ہی ان کو مشرکین سے کوئی تعلق و لگاؤ تھا۔ جیسا کہ اگلی آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ پس تمہیں اسی کی پیروی کرنا چاہیئے جو اس وحدہٗ لاشریک کی طرف سے بتایا اور فرمایا جائے، نہ کہ تم لوگ خواہ مخواہ کی بے اصل اور بے بنیاد حجت بازی میں الجھو۔ سو حق اور حقیقت وہی ہے جس کو اس وحدہٗ لاشریک نے واضح فرما دیا کہ ابراہیم حنیف مسلم تھے۔ سو حنیف کی صفت سے یہ امر واضح فرما دیا گیا کہ وہ توحید کی سیدھی راہ یعنی صراطِ مستقیم پر تھے۔ انہوں نے توحید کی اس شاہراہ سے ہٹ کر کج پیچ والی کسی مشرکانہ راہ کو کبھی نہیں اپنایا تھا اور مسلم کی صفت سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ وہ ہمیشہ اپنے رب کے فرمانبردار تھے۔ سو اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیت اور نصرانیت توحید سے ہٹی ہوئی ٹیڑھی راہیں ہیں جو ہدایت کی بجائے گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں جن کا انجام ہلاکت و تباہی ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا

نہ نصرانی، بلکہ وہ سیدھے راستے والے (اور یکسو) مسلمان تھے، اور انکو

كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ

کوئی لگاؤ (اور تعلق) نہیں تھا مشرکوں سے ف۱۴۰ بے شک ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب (مذہب وملت کے اعتبار سے ان کے

لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ

زمانے میں) وہ لوگ تھے، جنہوں نے (صدق واخلاص سے) ان کی پیروی کی، اور (اب اس آخری زمانے میں) یہ نبی اور ان

وَاللّٰهُ وَلِىُّ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡ

پر ایمان لانے والے ہیں ف۱۴۱ اور اللہ حامی ومددگار ہے ایمان والوں کا، اہلِ کتاب کا ایک گروہ (حق سے اپنے شدید بغض

اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ

وعناد کی بناء پر،) چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح تم کو بھی گمراہ کردے، ف۱۴۲ لیکن (حقیقت میں) وہ کسی کو گمراہ نہیں کرتے سوائے

اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ

اپنے آپ کے ف۱۴۳ مگر یہ لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے، اے کتاب والو، تم کیوں

تَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهۡلَ

کفر (اور انکار) کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا، حالانکہ تم خود گواہ ہو، ف۱۴۴ اے

۱۴۰ حضرت ابراہیم کی براءت ونزاہت کا ذکر وبیان: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ حضرتِ ابراہیم کا مشرکین سے کوئی لگاؤ نہیں تھا پس جو لوگ شرک کی نجاست وغلاظت سے ملوث ہیں ان کا ابراہیم سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ پس یہود ونصاریٰ اور مشرکین میں سے ہر گروہ کا حضرتِ ابراہیم سے انتساب کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے کہ ان سب لوگوں کے دامن شرک کی گندگی سے ملوث اور آلودہ ہیں کہ یہود نے حضرتِ عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور نصاریٰ نے حضرتِ عیسیٰ کو۔ نیز انہوں نے تثلیث کا یہ شرکیہ عقیدہ گھڑا جو کہ توحید کی یکسر ضد اور اس کے بالکل برعکس ہے، جبکہ مشرکینِ مکہ نے طرح طرح کے بت گھڑ رکھے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کا ابراہیمی ہونے کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے۔ وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ ۔سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ بزرگوں کی طرف انتساب

کا حق اصل میں انہی لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو ان کے طریقے پر اور ان کی تعلیمات پر کاربند ہوں۔ ورنہ ایسے وعدے بے حقیقت ہیں جن کا نہ کوئی فائدہ ہوسکتا ہے نہ نتیجہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۱۴۱ **دینِ اسلام کی اساس ملتِ ابراہیمی:-** سو نبی آخر الزماں ؑ کے لائے ہوئے دینِ حق، یعنی اسلام کی اساس ہی ملتِ ابراہیمی پر ہے۔ سو اس دینِ حق کو ماننے والے ہی وہ لوگ ہیں جو عقیدۂ توحید پر قائم ہیں اور ان کے دین کی اَساس و بنیاد ہی ملتِ ابراہیمی پر استوار ہے۔ جو ابراہیم کی طرح سچی اور خالص توحید کے قائل اور اللہ کو ایک اور وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ جن کا قبلہ قبلۂ ابراہیمی ہے۔ وہ اسی کی طرف اپنی نمازوں میں رخ کرتے اور اسی کا طواف کرتے اور وہاں حج وعمرہ کی عظیم الشان عبادات بجالاتے ہیں۔ اور جو ابراہیم کی طرح اللہ کی رضا کیلئے قربانی کرتے اور ختنہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جنہوں نے بیت اللہ میں رکھے گئے مشرکینِ مکہ کے بتوں کو اپنی حقانی ضربوں سے پاش پاش کرکے خداوندِ قدوس کے گھر کو شرک کی تمام آلائشوں سے ہمیشہ کیلئے پاک وصاف کردیا۔ سو یہی لوگ ہیں جو حق کے علمبردار اور ملتِ ابراہیمی کے پاسدار، اور ان کے اصل وحقیقی پیروکار ہیں۔ اور یہی ہیں جو ملتِ ابراہیمی کے محافظ وامین ہیں۔ اور یہی ہیں جو صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور راہِ حق وہدایت کے راہی ہیں۔ سو حضرتِ ابراہیم کی طرف نسبت محض زبانی کلامی دعووں یا نسبی اور خاندانی انتساب سے حاصل ہونے والی چیز نہیں بلکہ اس کا تعلق اطاعت و اتباع سے ہے۔ پس جو صدقِ دل سے آپ کی اطاعت واتباع کرے گا وہی اس کا اہل اور مستحق ہوگا، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ سو اس اعتبار سے حضرتِ ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب یہ پیغمبر ؑ اور ان پر ایمان لانے والے ان کے صحابہ کرام ہیں، نہ کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ مکہ جنہوں نے دینِ ابراہیم کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا اور انہوں نے دینِ توحید میں شرک کی آمیزش کردی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۱۴۲ **اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی دین دشمنی کا ایک نمونہ ومظہر:-** کہ یہ لوگ حق کو قبول کرنے کی بجائے الٹا یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگوں کو بھی دین سے پھیر دیں۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب کا ایک گروہ اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے اور ان کو راہِ حق سے پھیرنے کی خواہش وچاہت رکھتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو یہ لوگ ایسا اس لیے چاہتے ہیں تاکہ حق وہدایت کے نور سے جس طرح یہ لوگ محروم ہیں اسی طرح تم بھی محروم ہوجاؤ۔ اور پھر تم سب ایک برابر ہوجاؤ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾ الآیۃ [النسا۔۸۹]۔ سو محروم اور ہٹ دھرم انسان کی یہ بھی ایک عمومی نفسیات رہی ہے اور ہمیشہ کی طرح آج بھی موجود ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح وہ کسی خیر سے محروم ہوتا ہے اسی طرح دوسرے بھی محروم ہوجائیں۔ اور اس طرح وہ حرمان نصیبی میں سب ایک برابر ہوجائیں۔ الا ماشاء اللہ۔ بہر کیف اس ارشاد سے ان لوگوں کی دشمنی اور ان کی بدباطنی سے اہلِ ایمان کو آگاہ فرما دیا گیا تاکہ وہ ان سے محتاط اور چوکنے رہیں لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت قرآنِ حکیم کی اس ہدایت سے غافل وبے بہرہ اپنے ایسے دشمنوں کی طرف دوستی اور محبت ومودت کی پینگیں بڑھا رہی ہے۔ خاص کر مسلمانوں کا حکمران طبقہ۔ الا ماشاء اللہ۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ۔ اللہ

ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۱۶۳ اپنی گمراہی کا سامان خود اپنے ہاتھوں - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ گمراہ نہیں کرتے مگر خود اپنے آپ کو۔ سو دوسروں کو گمراہ کرنا دراصل خود اپنی گمراہی کو پکا کرنا اور اپنی گمراہی کا سامان خود کرنا ہے - والعیاذ باللہ - کہ اس طرح ایسے لوگ اپنے ضلالِ سابق کے ساتھ اِضلال کا بوجھ بھی اپنے اوپر ڈال رہے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے جرم و گناہ میں مزید اضافہ کر رہے ہیں، مگر ان کو اس کا شعور واحساس ہی نہیں کہ اس طرح ہم اپنے ہی خسران و نقصان میں اضافہ کر رہے ہیں اور کتنا سنگین اور کس قدر ہولناک اضافہ کر رہے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الرَّحْمٰنِ - سو اس طرح ایسے لوگ اپنی محرومی اور بدبختی کے ٹھپے کو اور پکا کرتے ہیں کہ جو کوئی دیدہ دانستہ اپنی گمراہی کو ہدایت ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ سب سے پہلے خود اپنے آپ ہی کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، لیکن دوسرے کی مخالفت کے جوش میں اس کو اپنے اس نقصان کا احساس نہیں ہوتا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۶۴ انکارِ حق کے ایک بڑے سنگین پہلو کا ذکر و بیان: - سو اہلِ کتاب کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کیوں حق کا انکار کرتے ہو جبکہ تم خود اس کے گواہ ہو۔ سو حق کا گواہ ہونے کے باوجود اس کا انکار کرنا بڑا ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے - والعیاذ باللہ سو اہلِ کتاب کے ضمیروں کو جھنجھوڑتے ہوئے اور ان کے قلوب وضمائر پر دستک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کیوں کفر وانکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کے ساتھ جبکہ تم لوگ خود گواہ ہو اس بات کے کہ یہ آیتیں حق اور سچ ہیں۔ ان آیتوں سے مراد یا تو تورات و انجیل کی وہ آیتیں ہیں جو نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ - کی بعثت وتشریف آوری، اور صداقت وحقانیت سے متعلق تھیں۔ یا ان آیات سے مراد قرآنِ حکیم کی وہ آیاتِ بینات ہیں، جو کہ اپنی صداقت وحقانیت اور کلامِ الٰہی ہونے کی خود دلیل ہیں۔ نیز ان آیات سے مراد وہ مختلف معجزات بھی ہو سکتے ہیں، جن سے اللہ پاک نے اپنے نبیٔ آخرالزمان - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کو نوازا تھا۔ اور جو آپ ﷺ - کی صداقت وحقانیت کو واضح کرتی ہیں۔ آیات اللہ کے لفظ کا عموم ان تینوں مفہوموں کو عام اور شامل ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ کی ان آیتوں کا انکار کس طرح کرتے ہو جو کہ حق وہدایت کو پوری طرح واضح کرنے والی ہیں۔ اور جن کے بارے میں خود تمہارے دل یہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ اللہ کی آیتیں ہیں اور خاص کر جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے ان کی تائید وتصدیق اور خلقِ خدا کے سامنے ان کی گواہی کا تم سے عہد کر چکا ہے۔ اور تم اس کے حضور اس ذمہ داری کے اٹھانے اور ادا کرنے کا اقرار کر چکے ہو۔ جیسا کہ سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر ۸۹ میں اس کی تصریح اور تفصیل موجود ہے۔ سو حق کی گواہی کا حامل اور اس کا ذمہ دار بن کر اس کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرنا بڑا ہی سنگین جرم ہے مگر یہودِ بے بہبود نے اس ہولناک جرم کا ارتکاب کیا اور دھڑلے سے کیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ

کتاب والو، تم کیوں ملاتے (اور خلط ملط کرتے) ہو حق کو باطل کے ساتھ اور تم لوگ چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم خود جانتے ہو

ع ۷/۱۵ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ

(کہ یہ کتنا بڑا اور سنگین جرم ہے) ۱۴۵ اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (حق سے پھیرنے کی یہ سازش تیار کی کہ آپس میں) کہا کہ تم

الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

(ظاہری طور پر) ایمان لے آؤ اس (دین و کتاب) پر، جو اتارا گیا ایمان والوں پر، دن کے شروع میں، اور اس کا انکار کر دو

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ صلے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا

اس کے آخری حصے میں، تاکہ اس طرح یہ لوگ پھر جائیں (اپنے دین و ایمان سے) ۱۴۶ اور (یہ لوگ آپس میں کہتے کہ) تم کسی کی

اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ط قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ

بات نہ ماننا بجز اس کے جو تمہارے دین کا پیرو ہو ۱۴۷ (ان سے) کہو کہ (تمہاری ان چال بازیوں سے کچھ نہیں ہونے کا، کہ)

۱۴۵ لبسِ حق بالباطل اور کتمانِ حق کی سنگینی کا ذکر: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنا اور حق کو چھپانا ایک بڑا سنگین جرم ہے- والعیاذ باللہ- سو حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنا اور حق کو چھپانا اور جان بوجھ کر ایسے کرنا ایک اور سنگین اور ہولناک یہودی جرم ہے- والعیاذ باللہ- سو ان لوگوں کے قلوب و ضمائر کو جھنجھوڑتے ہوئے ان سے فرمایا گیا کہ تم لوگ ایسا کیوں کرتے ہو جبکہ تم خود جانتے ہو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اور یہ کہ حق کو چھپانا اور اس کو باطل سے گڈمڈ اور خلط ملط کرنا کتنا بڑا اور کس قدر سنگین جرم ہے۔ تو پھر اس سب کے باوجود تم لوگ ''لَبْسِ حق بِالْبَاطِل'' اور کتمانِ حق کے اس سنگین جرم کے مرتکب ہو کر اپنی عاقبت کیوں تباہ کرتے ہو؟ اور اپنے ان مذموم مقاصد کی تکمیل کیلئے تم اپنی کتابوں میں لفظی و معنوی طرح طرح کی تحریفات کا ارتکاب آخر کیوں کرتے ہو؟ اور تمہیں اس کا کوئی خیال و احساس تک نہیں کہ اس کا نتیجہ و انجام کیا ہوگا؟ اور یہ کہ اس طرح تم لوگ ڈبل جرم اور دوہرے گناہ کا ارتکاب کرتے ہو اور تم نورِ حق و ہدایت سے خود محروم ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی محروم کرتے ہو- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۴۶ حق سے پھیرنے کی ایک یہودی چال کا ذکر و بیان: -سو اس سے لوگوں کو حق سے پھیرنے کیلئے یہود کی ایک خطرناک چال کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی یہ کہ تم لوگ صبح دینِ حق پر ایمان لے آؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ کہ تمہاری اس چال سے عام لوگ یہی سمجھیں گے کہ اگر اسلام میں کوئی خلل اور خرابی نہ ہوتی - والعیاذ باللہ- تو

یہ لوگ جو کہ اہلِ کتاب اہلِ علم اور سابقہ انبیاء و کتب کے وارث و امین ہیں، اس طرح فوراً اس دین سے کیوں پھر جاتے؟ سو یہ یہودیوں کے سازشی ذہن کا ایک نمونہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کَیْدِ الْاَعْدَآءِ وَالْاَشْرَارِ۔ یہاں سے قرآن حکیم کی صداقت وحقانیت کی ایک دلیل بھی سامنے آگئی کہ یہود کی اس سازش کا تعلق ان کے بواطن، اور ان کے خفیہ ٹھکانوں سے تھا۔ اور اس طرح کے یہ منصوبے وہ لوگ چھپا چھپا کر گانٹھا کرتے تھے، مگر اس سب کے باوجود ان کے اس مکروہ چہرے کو اس طرح بے نقاب کر دیا گیا۔ سو اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ کلام کسی بشر اور انسان کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کے خالق و مالک حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کا کلام ہے، جو کہ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہے، اور جو ظاہر و باطن کو ایک برابر جانتا ہے، اور جس کی شان ہے ''علیم بذات الصدور''۔ جس سے کوئی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ اسی لیے اس نے یہود کی اس مخفی سازش کو اس طرح بے نقاب کر دیا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نیز یہاں پر قرآنِ پاک کی انصاف بیانی کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو کہ یوں نہیں فرمایا کہ سب یہودیوں نے ایسے کیا، بلکہ فرمایا کہ ان میں کے ایک گروہ نے اس سازش کا ارتکاب کیا۔ سو یہ حق بیانی کا ایک نمونہ و مظہر ہے۔ بہرکیف اس سے یہودیوں کی ایک گھناؤنی چال کو آشکارا فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مکاروں کے ہر مکر و فریب اور ان کی ہر چال سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے، اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۶۷ **ایک اور یہودی چال کا ذکر و بیان:۔** سو اس سے ایک اور یہودی چال کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اپنے سوا کسی کی بات کبھی نہیں ماننی:۔ اور جو کوئی تمہارے دین و شریعت کے تابع نہ ہو، اس پر ایمان نہیں لانا۔ یا دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اپنی یہ چال اپنے دین کے پیروکاروں کے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کی غرض سے اور ان کو ان کے اپنے دین و ایمان پر باقی اور پکا رکھنے کے لئے کرو (القاسمی، المعارف،)۔ سو یہ یہودِ بے بہود کی ایک معروف یہودیانہ چال تھی اور ہے کہ اپنے سواء کسی کی بات کبھی نہیں ماننی۔ بلکہ اپنی ہی بات پر پکے رہنا ہے۔ سو ایسے لوگوں کو حق اور ہدایت کیسے مل سکتی ہے؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف یہود اپنے جن لوگوں کو سکھا پڑھا کر مذکورہ بالا سازش کے لئے مسلمانوں کے اندر بھیجتے تھے ان کو پورے اہتمام کے ساتھ اس بات کی تاکید کرتے تھے کہ تم مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے اسلام کا اظہار تو کرو مگر دل سے ان کی بات نہیں ماننی۔ بلکہ بات ہمیشہ اپنے ہی لوگوں کی مانو۔ اپنے دائرے سے باہر کسی کی بات ماننا تمہارے لئے جائز نہیں۔ سو یہ اندھے تعصب اور ہٹ دھرمی اور دھوکہ دہی اور ایک فریب کاری کا ایک بدترین نمونہ و مظہر تھا کہ ظاہر کچھ کرو اور اندر کچھ اور رکھو۔ ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور۔ اور اسی یہودی مکر و سازش اور دھوکہ دہی اور فریب کاری کو اسلام کا نام لینے والے ایک فرقے نے بھی اپنایا اور آج تک اپنا رکھا ہے اور اس کا نام ان لوگوں نے تقیہ رکھا ہوا ہے۔ سَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے مکاروں کے ہر مکر اور جملہ چالبازوں کی ہر قسم کی چال سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ

بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے ف۱۴۸ (اور تم یہ سب چال بازیاں محض اس حسد کی بناء پر کرتے ہو) کہ کسی اور کو بھی وہی کچھ (کیوں)

عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ

دیا جائے جو (اس سے پہلے) تم کو دیا جا چکا ہے ف۱۴۹ یا یہ کہ دوسرے لوگ تمہارے رب کے یہاں حجت و دلیل میں تم پر غالب آجائیں گے، ف۱۵۰

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ۚۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ

کہو کہ (تمہاری ان سازشوں اور تدبیروں سے کچھ نہیں ہونے کا کہ) بے شک فضل (و مہربانی) اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ف۱۵۱ اور اللہ بڑا ہی وسعت والا (سب کچھ) جاننے والا ہے ف۱۵۲ وہ اپنی رحمت (و مہربانی) کے ساتھ جس کو

مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

چاہتا ہے خاص فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے ف۱۵۳ اور اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر تم

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

مال و دولت کا ڈھیر بھی رکھ دو تو وہ تمہیں پورا واپس کر دیں گے ف۱۵۴ جب کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار

۱۴۸ **ہدایت تو بہرحال اللہ ہی کی ہدایت ہے:** سو ارشاد فرمایا گیا کہو کہ ہدایت تو بیشک اللہ ہی کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہے اس نعمت سے سرفراز فرمائے کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کون اس کا اہل اور اس کے لائق ہے۔ اور وہ جس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور فرما دے، اور اس کو اس نعمتِ بے مثل و مثال سے سرفراز فرما دے، کوئی نہ اس سے اس کو چھین سکتا ہے، اور نہ اللہ کو اس سے روک سکتا ہے۔ پس تمہارے اس مکر و کید سے کچھ نہیں ہونے کا۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی عیاں اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ ہدایت جب اللہ ہی کی ہدایت ہے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اُسکو ہدایت کی دولت جہاں سے بھی ملے اسکو اپنا لے۔ خواہ وہ کسی اسرائیلی سے ملے یا اسماعیلی سے، کہ اصل مقصد اللہ کی ہدایت سے سرفرازی و فیضیابی ہے کہ ہدایت بہرحال اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ تو ایسے میں تمہارا یہ تعصب اور ہٹ دھرمی اے گروہِ یہود، کس قدر ناروا اور کتنی بے جا بات ہے کہ تم اپنے دین کے پیروکاروں کے سوا اور کسی کی بات کبھی نہ ماننا۔ جب کہ عقلِ سلیم اور فطرتِ مستقیم کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے سامنے اصل مقصد نورِ حق و ہدایت سے سرفرازی ہو خواہ وہ کسی سے بھی اور کہیں سے بھی ملے۔ کہ خیر اور نجات کی راہ بہرحال یہی اور صرف یہی ہے۔

۱۴۹ یہودی بغض وعناد اور انکے حسد کا ایک نمونہ:- سو اس سے یہودی بغض وعناد اور ان کے حسد و نفس پرستی کا ایک نمونہ ومظہر سامنے آتا ہے کہ کسی اور کو بھی وہی کچھ کیوں دیا جائے جو تم لوگوں کو دیا جا چکا ہے اور اس طرح دین وہدایت پر تمہاری ہی اجارہ داری قائم رہے، چنانچہ یہودِ بے بہبود کا کہنا یہ تھا کہ نبوت وشریعت اور علم وحکمت بنی اسرائیل ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس کے سوا دوسروں (یعنی امیوں) کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اسی لئے انہوں نے نبیٔ آخر الزمان کی نبوت ورسالت کا انکار کر دیا، جبکہ حق پوری طرح ان کے سامنے واضح ہو چکا تھا۔ محض اس حسد اور جلن کی بناء پر کہ آنجناب کی بعثت وتشریف آوری بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں ہوئی، جیسا کہ دوسری جگہ اس کی اس طرح تصریح فرمائی گئی ہے ﴿حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ الآیۃ [البقرۃ-۱۰۹] سو یہ حق اور ہدایت کی پیروی نہیں بلکہ اپنے مخصوص اغراض ومقاصد اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے۔ [النجم-۲۳] جب کہ حق ان کے سامنے پوری طرح واضح ہو گیا ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ [النجم: ۲۳]- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے محفوظ رکھے، امین ثم امین

۱۵۰ یہود کی فاسد ذہنیت کا ایک نمونہ ومظہر:- کہ کسی اور کو وہ ہدایت نہ مل جائے جو تم کو ملی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں وہ تمہارے خلاف اس طرح حجت قائم کرنے لگے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف سے آنے والے حق پر ایمان لائے مگر انہوں نے اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، اس کے بعد کہ ان کے سامنے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی تھی کہ یہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے۔ (تفسیر القاسمیؒ)۔ اور وہ تم کو ملزم ٹھہرائیں کہ انہوں نے حق کے آجانے اور اسکے واضح ہو جانے کے باوجود اسکو نہیں مانا۔ اور اس طرح وہ تم پر حجت قائم کر دیں (المعارف وغیرہ)۔ سو اس سے یہودی ذہنیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کس قدر فاسد ذہنیت کے مالک تھے۔ یعنی ان کے نزدیک صورتحال یہ تھی کہ اگر تم نے مسلمانوں کو بتا دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے۔ نہیں تو کچھ نہیں ہوگا۔ سو ایسی فاسد ذہنیت رکھنے والوں کے ایمان کو ایمان کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ سو یہ تھی ان لوگوں کے ایمان باللہ کی حیثیت اور حقیقت اور اس پر دعوٰی یہ کہ جنت کے حق دار ہم ہی ہیں۔ ہمارے سوا اس میں کوئی جائے گا نہیں۔ کیسی مت ماری گئی تھی ان لوگوں کی کہ سیدھی بات کو یہ لوگ سمجھنے اور اپنانے کے قریب ہی نہیں آتے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، امین ثم امین

۱۵۱ فضل اور مہربانی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کہو کہ فضل ومہربانی سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے فضل وکرم سے نوازے اپنی حکمت ومشیت کے مطابق، کہ وہی جانتا ہے کہ کس کے دل میں نورِ حق وہدایت کی طلب موجود ہے اور کس میں نہیں۔ اور یہ کہ کون کس لائق ہے۔ پس جب فضل ومہربانی اس کے اپنے ہی قبضۂ قدرت واختیار میں ہے اور اس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی مشیت ومرضی اور علم وحکمت سے جس کو چاہتا ہے عطاء فرماتا ہے، تو پھر تمہارے اس حسد اور اس جلن کا اس کے سوا کوئی فائدہ واثر نہیں کہ تم خود ہی اپنی اس ٹھنڈی آگ میں جلتے رہو- فَمُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ وَاحْتَرِقُوْا بِنَارِكُمْ- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ عزت وفضیلت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں اور اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے اس سے نوازے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اسی نے تم لوگوں کو اے

گروہ یہود و نصاریٰ یہ عزت بخشی تھی اور اب وہی تم کو اس سے محروم کر کے دوسروں کو اس سے سرفراز فرما رہا ہے۔ تم اس بل بوتے کے نہیں ہو کہ اس کا ہاتھ پکڑ سکو۔ اس کا فیصلہ بہر حال نافذ ہو کر رہے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

۱۵۲ اللہ بڑا ہی وسعت والا ہے:- پس وہ جس کو جو چاہے دے۔ اور جب چاہے عطاء فرمائے۔ کہ اس کی عطاء و بخشش بھی غیر محدود اور ناپیدا کنار ہے اور اس کا علم بھی کامل و محیط ہے۔ بلکہ وہی جانتا ہے کہ کون کس کے لائق ہے اور کس کو کب اور کیا دیا جائے۔ سو نہ اسکی وسعت کا کوئی کنارہ، اور نہ اسکے علم کی کوئی حد و انتہاء۔ اور اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس نہ اسکی شانِ کرم کی کوئی انتہاء ہے اور نہ کسی کیلئے اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش۔ سو اس نے اپنی اسی وسعتِ رحمت کی بناء پر اپنی آخری وحی کو حضرتِ خاتم الانبیاء پر نازل فرمایا اور ختمِ نبوت کے تاج سے آپؐ کو سرفراز فرمایا اور بنی اسرائیل کی نا اہلی اور محرومی کے بعد اب بنی اسماعیل کو اس عظیم الشان شرف سے نوازا۔ اور اس خاندان کو اس عظیم الشان اور عالمگیر خیر و برکت کے ظہور کے لئے منتخب فرمایا۔ سو بنی اسماعیل پر یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس عظیم الشان نعمت کی قدر کریں اور اس کا شکر ادا کریں اور اس کو صدقِ دل سے اپنائیں۔ اور بنی اسرائیل اگر اس پر ایمان لانے کی بجائے حسد ہی کرتے ہیں تو وہ اپنی حسد کی آگ میں جلتے رہیں۔

۱۵۳ اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل والا ہے:- اسی لئے اس نے اپنے کرم بے پایاں سے شریعت و نبوت اور علم و حکمت کی دولتِ لازوال و بے مثال ایک زمانۂ دراز تک بنی اسرائیل میں رکھی۔ مگر جب ان لوگوں نے اپنے اطوار بگاڑ دیئے اور وہ اس امانتِ عظیمہ کے تحمل و اداء کے اہل اور قابل نہ رہے، تو اس وھّابِ مطلق نے نبوت و رسالت کے اس عظیم الشان شرف و اعزاز کو ان کی بجائے بنی اسماعیل میں رکھ دیا۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے فیصلے عین حکمت و صواب پر مبنی اور اٹل ہوتے ہیں۔ کوئی ان میں کسی طرح کی تبدیلی لانے کا یارا نہیں رکھتا۔ لہٰذا اب نبوت و رسالت کا یہ شرف و اعزاز بنی اسرائیل سے ہمیشہ کیلئے چھین کر بنی اسماعیل میں رکھ دیا گیا۔ پس اب تمہیں اس پر جلنے اور حسد کرنے کی بجائے اس کو اپنانا اور اسی کی پیروی کرنی چاہیئے کہ حق کی پیروی کرنا ہی حق ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو، ورنہ تم لوگ خود ہی ابدی خسارے میں مبتلا ہوؤ گے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ

۱۵۴ اہلِ کتاب کے امانتداروں کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کے پاس اگر تم مال و دولت کا انبار بھی بطور امانت رکھ دو تو وہ پورا تم کو واپس کر دیں گے۔ کہ وہ امانت اور اس کی ذمہ داری کے قائل اور پابند ہیں۔ جیسے حضرتِ عبداللہ بن سلام کہ ان کے پاس ایک قریشی نے بارہ سو دینار بطور امانت رکھے۔ تو انہوں نے اس کے مالک کے طلب کرنے پر فوراً اور بلاکم و کاست واپس کر دیئے۔ (المراغی، المعارف، وغیرہ)۔ بہرکیف اہلِ کتاب میں ایسے شریف النفس قسم کے لوگ بھی موجود ہیں جو امانتداری کے قائل اور اپنے آپ کو اس کی ادائیگی کا پابند سمجھتے ہیں۔ سو قرآنِ حکیم نے اپنی انصاف بیانی کی بناء پر یہ نہیں فرمایا کہ اہلِ کتاب کے سب ہی لوگ برے اور بددیانت ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ ان میں کچھ اچھے کردار کے لوگ بھی ہیں۔ اور قرآنِ حکیم نے ان کی داد دی اور پہلے انہی کا ذکر فرمایا تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ اور یہ اس میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ سو یہی لوگ تھے جو بعد میں اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت کے اہل ثابت ہوئے۔ والحمد للہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین

عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى

بھی رکھ دو، تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، اِلّا یہ کہ تم ان کے سروں پر سوار رہو ۱۵۵ یہ (گراوٹ اور اخلاقی پستی) اس بناء پر ہے

الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

کہ ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم پر امیّوں (غیر اہلِ کتاب اور ان کا مال مار کھانے) کے بارے میں کوئی مواخذہ (والزام) نہیں ۱۵۶

يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

اور (اس طرح) یہ لوگ دیدہ و دانستہ (اور جانتے بوجھتے) اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ۱۵۷ (مواخذہ والزام) کیوں نہیں (جب کہ ضابطہ و قانون

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ

یہ ہے کہ) جس نے بھی اپنے عہد کو پورا کیا اور وہ ڈرتا رہا (اپنے خالق و مالک سے) ۱۵۸ تو یقیناً (وہ کامیاب ہو گیا کہ) اللہ محبت رکھتا ہے ایسے

وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى

پرہیزگاروں سے ۱۵۹ (اور اس کے برعکس) جو لوگ (سمیٹتے اور) اپناتے ہیں اللہ کے عہد، اور اپنی قسموں کے عوض، (دنیاءِ دوں کا) تھوڑا

۱۵۵ **اہلِ کتاب کے بددیانتوں کا ذکر:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی رکھ دو تو وہ اس کو بھی تمہاری طرف نہیں لوٹائیں گے اِلّا یہ کہ تم ان کے سروں پر سوار رہو۔ ایسے خائن اور بددیانت لوگ ایک درہم کی امانت کو واپس کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر یہ کہ کوئی ان کے سر پر کھڑا ہو جائے اور ان کو مجبور ولاچار ہو کر دینا پڑے، جیسا کہ فنحاص بن عازوراء اور کعب بن اشرف جیسے یہودیوں کے لیڈروں اور کھڑپینچوں کے بارے میں وارد و منقول ہے کہ ان کے پاس کسی قریشی نے ایک دینار رکھا تو یہ اس کے واپس کرنے سے بھی انکاری ہو گئے (المراغی، والمعارف وغیرہ)۔ سو یہ اہلِ کتاب کے دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر و بیان ہے، جو کہ امانت و دیانت کے وصف سے محروم اور خائن و بددیانت ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ایسے لوگوں نے اپنے طور پر یہ قرار دے رکھا تھا کہ امیوں یعنی غیر اہلِ کتاب کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی حرج نہیں۔ دیانت و امانت وغیرہ کچھ اپنی ہی قوم کے بارے میں ہے اور بس۔ اور اس غلط فکر و سوچ کی بناء پر یہ لوگ حق سے اور دور اور محروم ہو گئے والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۵۶ **یہودیوں کا ایک اور متکبرانہ گھمنڈ اور زعمِ باطل:-** کہ ہم پر امیوں یعنی غیر اہلِ کتاب کے بارے میں کوئی الزام اور مواخذہ نہیں کہ ہم کو صرف اس امانت کی ادائیگی اور واپسی کا حکم ہے جو کسی اسرائیلی کی ہو اور بس۔ تو جو لوگ اس دیدہ دلیری سے بندوں کے حق مار کھاتے ہوں، ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اللہ کے حقوق کی رعایت و پاسداری کریں گے؟ اور اس کی طرف سے آنے والے حق کو صدقِ دل سے قبول کریں گے۔ ان سے ایسی توقع رکھنی ہی فضول ہے۔ یہ تو حق کو ماننے کی

بجائے الٹا اس میں طرح طرح سے تحریف کرتے ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے ایمان لانے کی توقع کو بعید قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ﴿اَ فَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ﴾ [البقرۃ۔۷۵] - وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اس طرح کے ہر زیغ وضلال اور کجی وانحراف سے محفوظ رکھے- آمین- اور ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۱۵۷ یہود کے افتراء علی اللہ کے جرم کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھنا ایک اور یہودی جرم ہے جس کا یہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اپنی کتاب میں اس طرح حکم دیا ہے کہ ہم جس کا مال چاہیں مار کھائیں۔ ہم سے کوئی پوچھ نہیں ہوگی کہ ہم لوگ اللہ کے پیارے اور اسکے لاڈلے ہیں۔ اس لیے ہم جو چاہیں کریں- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ- اور اللہ پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑا ظلم اور سنگین جرم ہے۔ اس جرم کا ارتکاب بھی کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہونے کا دعوٰی بھی کیا جائے یہ دونوں باتیں کس طرح ممکن اور یکجا ہو سکتی ہیں؟ لیکن جب کسی کی بدنیتی اور اس کے خبثِ باطن کی بناء پر اس کی مت ماری جائے تو اس کا حال یہی ہوتا ہے۔ اس کو سیدھی بات سجھائی ہی نہیں دیتی اور وہ صحیح بات کو بھی الٹے معنٰی پہناتے ہیں اور اس طرح یہ اپنی بدبختی اور مت ماری میں اضافے کا سامان کرتے ہیں- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ

۱۵۸ تقوٰی و پرہیزگاری ایک عظیم الشان ڈھال:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جس نے تقوٰی و پرہیزگاری کو اپنایا اور اختیار کیا اور وہ ڈرتا اور بچتا رہا اپنے خالق و مالک کی ناراضگی اور اس کی گرفت و پکڑ سے وہ کامیاب ہوگیا۔ اور اسی تقوٰی اور خوفِ خداوندی کی بناء پر وہ دوسروں کے حق مار کھانے سے بھی ڈرتا اور بچتا رہا۔ سو تقوٰی و پرہیزگاری ایک ایسی عظیم الشان ڈھال ہے جو انسان کو ہر برائی اور برے نتیجہ وانجام سے بچاتی ہے۔ سو اس ارشادِ ربانی سے ایک طرف تو یہ اصولی اور بنیادی تعلیم دی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کامیابی اور فوز وفلاح کا مدار وانحصار حسب ونسب اور زبانی کلامی دعووں پر نہیں بلکہ عمل وکردار پر ہے۔ سو جس نے بھی اپنے عہد کو نبھایا اور تقوٰی و پرہیزگاری کی راہ کو اپنایا وہ کامیاب اور فائز المرام ہو گیا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ اور دوسری طرف اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہود کا یہ گمان کہ ہم جو بھی کریں کوئی پرواہ نہیں۔ ہم پر کسی عہد کی پابندی نہیں تو یہ سب کچھ غلط اور محض شیطانی دھوکہ ہے- وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ -اللہ کا قانون سب کے لئے ایک اور یکساں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے، امین ثم امین

۱۵۹ تقوٰی و پرہیزگاری ذریعۂ نجات وسرفرازی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ محبت رکھتا ہے متقی اور پرہیزگار لوگوں سے۔ سو اللہ تعالیٰ کے محبوب متقی و پرہیزگار لوگ ہی ہیں۔ سو جس نے اپنے عہد کو نبھایا اور تقوٰی کو اپنایا وہ اللہ کا محبوب بن گیا۔ اور جو اللہ کا محبوب بن گیا تو اس کو اور کیا چاہیئے۔ اور اس سے بڑھ کر کامیاب اور فائز المرام اور کون ہوسکتا ہے؟ پس ہمیشہ تقوٰی و پرہیزگاری کی دولت ہی کو اپنانے بڑھانے اور اسکو محفوظ رکھنے کی فکر وکوشش میں رہنا چاہیئے- وباللہ التوفیق- سو اپنے عہد و پیمان کی ادائیگی و پاسداری اور تقوٰی و پرہیزگاری کا التزام و پابندی دارین کی سعادت وسرخروئی اور سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اس میں انسان جتنا بھی پختہ ہوگا اور جس قدر آگے بڑھے گا اسی قدر راہِ حق و ہدایت اور دولتِ فوز وفلاح سے بہرہ مند وسرفراز ہوگا- وَبِاللّٰهِ التَّوۡفِیۡقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیۡدُ، وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیۡدُ، وَهُوَ الۡهَادِیۡ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیۡلِ-

الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ

(اور گھٹیا) ف۱۶۰ مول، تو ایسوں کے لئے یقیناً نہ آخرت میں کوئی حصہ ہے، اور نہ اللہ ان سے کلام فرمائے گا، اور نہ ہی وہ ان

الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ

کی طرف (نظرِ رحمت سے) دیکھے گا قیامت کے روز، اور نہ ہی وہ ان کو پاک فرمائے گا، اور ان کے لئے ایک بڑا ہی دردناک

مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ

عذاب (مقرر) ہے ف۱۶۱ اور بے شک ان (اہلِ کتاب) میں سے ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہیں اپنی

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ

زبانوں کو مروڑ (مروڑ) کر ف۱۶۲ تاکہ تم اس (ملائے ہوئے) کو بھی کتاب میں سے سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے ہے نہیں ف۱۶۳

عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے، اور (اس طرح) یہ لوگ (دیدہ و دانستہ اور) جانتے

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ

بوجھتے اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں ف۱۶۴ کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس کو (اپنی خاص رحمت و عنایت سے نواز کر) کتاب،

اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ

حکم، اور نبوت سے سرفراز فرمائے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ ف۱۶۵ بلکہ (وہ تو اس کے برعکس

كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

ان سے یہی کہے گا کہ) تم لوگ (سچے دل سے اور صحیح معنوں میں) اللہ والے بن جاؤ ف۱۶۶ اس بناء پر کہ تم لوگ کتاب (الٰہی

۱۶۰ اصل چیز نورِ حق و ہدایت ہی ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اصل چیز نورِ حق و ہدایت ہی ہے۔ اور حق کے مقابلے میں دنیا ساری بھی ہیچ ہے اور حق فروشی - والعیاذ باللہ - بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے۔ کیونکہ حق فروشی کے مقابلے میں تو دنیا ساری کی دولت بھی ہیچ ہے۔ پھر ان چند ٹکوں کا کہنا ہی کیا جو کوئی قسمت کا مارا حق کے بدلے میں اپنائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ حق کی جس نعمتِ عظمیٰ سے ایسے لوگوں نے اپنے آپ کو محروم کیا، اس کے مقابلے

میں دنیا ساری کی سب دولتیں مل کر بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں (محاسن التاویل للامام العلامہ القاسمی الشامی رحمہ اللہ)۔ سو اصل دولتِ حق اور ہدایت کی دولت ہی ہے، جو انسان کو انسان بناتی اور اس کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ ور و سرفراز کرتی ہے۔ ورنہ انسان ایک حیوان بلکہ اس سے بھی بڑھ کر وہ بدترین مخلوق ''شَرُّ الْبَرِیَّۃ'' بن کر رہ جاتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو حق و ہدایت کی دولت سب سے بڑی دولت ہے- اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۶۱ حق فروشوں کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب - والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق فروشوں اور عہد شکنی کرنے والوں کیلئے بڑا دردناک عذاب ہے سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حق فروشی، عہد شکنی اور خیانت کس قدر سنگین اور ہولناک جرم ہے کہ جو سزا اس کی یہاں بیان ہوئی ہے وہ زنا، چوری، اور قتل وغیرہ جیسے سنگین جرائم میں سے بھی کسی کے بارے میں بیان نہیں ہوئی- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - مگر افسوس کہ اس کے باوجود یہ بیماری آج مسلم معاشرے میں بھی پائی جاتی ہے اور زور و شور سے پائی جاتی ہے۔ اور کتنے ہی اچھے اچھے دیندار قسم کے لوگ ہیں جو اس بیماری کے جراثیم سے آلودہ ہیں اور ان کو اس کا احساس ہی نہیں کہ عہد شکنی اور خیانت کے اس جرم کے باعث وہ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور ''عہد اللہ'' کا عموم ہر اس عہد کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے نام پاک کے واسطے سے انسان پر عائد ہوتا ہے جس میں وہ عہد بھی آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں سے عالمِ ارواح میں لیا تھا اور جس کو عہدِ الست کہا جاتا ہے۔ اور وہ عہد بھی جو انسان اقرارِ ایمان کے ذریعے اپنے اوپر عائد کرتا ہے اور خداوندِ قدوس کی وہ کتاب و شریعت بھی جس کو اس نے اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اور ایمان سے مراد وہ عام عہد و پیمان ہیں جن پر عام اجتماعی اور تمدنی زندگی کی اساس و بنیاد قائم ہوتی ہے اور جن سے معاشرتی زندگی اور باہمی معاملات میں اعتماد اور حسنِ ظن کی فضا قائم ہوتی ہے۔ یہودِ بے بہبود نے طرح طرح کے حیلوں حوالوں سے ان سے متعلق ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو گویا بالکل فارغ کر دیا تھا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۶۲ ایک اور یہودی چال کا ذکر و بیان:- سو اس سے دنیا کو راہِ حق سے محروم کرنے کیلئے یہود کی ایک اور سازش اور چال کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ لوگ کلامِ الٰہی میں ایسی توڑ مروڑ سے کام لیتے ہیں جس سے اسکو اپنی مرضی کے معانی پہنا کر اس میں تحریف کر سکیں، اور اسکو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق خود ساختہ اور من مانے معنی پہنا سکیں۔ اور اپنے ایسے مذموم اغراض و مقاصد کیلئے یہ لوگ لفظی اور معنوی دونوں ہی قسم کی تحریفوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (ابنِ کثیر، روح المعانی اور معارف القرآن وغیرہ)۔ تاکہ اس میں وہ اپنی مرضی کی اور من گھڑت باتیں شامل کر کے لوگوں کو یہ باور کرا سکیں کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے ہوتا نہیں۔ سو اپنی اسی طرح کی دھوکہ دہی سے یہ لوگ دنیا کو راہِ حق و ہدایت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ افسوس کہ کچھ ایسا ہی حال آج کل کے اہلِ بدعت وغیرہ کا ہے کہ یہ لوگ بھی اسی طرح کی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں، مثال کے طور پر ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ﴾ جیسی آیاتِ کریمات میں یہ لوگ کہتے ہیں ''اَیْ بِالذَّاتِ'' کہ اس میں ذاتی اختیار کی نفی

ہے نہ کہ عطائی کی۔تاکہ اس طرح کی تاویلات کے ذریعے یہ لوگ مختارِ کل جیسے اپنے خودساختہ شرکیہ عقائد کو ایسی آیاتِ کریمہ کی زد سے بچا سکیں یا جیسے ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ﴾ والی آیاتِ کریمہ میں ان کے کچھ لوگ ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمۂ حصر کو اس طرح مروڑ کر پڑھتے ہیں کہ یہ "ما" نافیہ بن جائے، اور پھر کہتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ میں تم جیسا بشر نہیں ہوں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - یا کبھی یوں کہتے ہیں اور آیتِ کریمہ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ میں محض ظاہری طور پر تم جیسا بشر ہوں وغیرہ وغیرہ۔حالانکہ آیتِ کریمہ میں اس طرح کا کوئی لفظ موجود نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو سکے۔ بہرکیف یہودِ بے بہبود اپنی توڑ مروڑ سے کلام الٰہی میں اس طرح کی تحریفات کرتے تھے۔ اور اسی کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور اسی طرح کی تلبیسات کے نتیجے میں یہ لوگ دولتِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر مغضوب علیہم قرار پائے۔اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم اور اسکے شوائب سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین

۱۶۳ یہود کے ایک اور سنگین جرم کا ذکر و بیان :- سو اس سے یہود کے کتابِ الٰہی میں اضافے کرنے کے جرم کے ارتکاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔سو اپنے خود ساختہ اور من گھڑت اضافوں کو کتابِ الٰہی میں شامل کرنا ایک بڑا بھاری اور ہولناک یہودی جرم ہے - والعیاذ باللہ العظیم - یہ اضافہ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ ان لوگوں کا اپنا خود ساختہ اضافہ ہوتا ہے جس کو ایسے لوگ اپنی مختلف اغراض واہواء کی تکمیل اور مختلف مقاصد کی تحصیل کیلئے کلامِ الٰہی میں شامل کرتے ہیں۔اور ان کو اس کا کوئی احساس وشعور نہیں کہ اس طرح وہ کتنے بڑے سنگین اور ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کا ان کو کتنا بڑا بھگتان بھگتنا پڑے گا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اس سے اہلِ کتاب کی ان چالوں اور سازشوں میں سے ایک کا ذکر فرمایا گیا ہے جو یہ لوگ عہدِ الٰہی کی ذمہ داریوں سے گریز و فرار کے لئے اختیار کرتے تھے۔سو یہ لوگ کسی لفظ یا جملہ کو توڑ مروڑ کر اس طرح بگاڑ دیتے کہ اصل حقیقت گم ہو کر رہ جاتی اور اس کا معنیٰ ومفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا اور پھر یہ ظالم کہتے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔اور اس طرح یہ بدبخت جرم بالائے جرم کا ارتکاب کرتے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - افسوس کہ اس یہودیانہ توڑ مروڑ کا ارتکاب کئی نام نہاد مسلمان بھی کرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ، وَاِلَیْہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ جل وعلا - اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ وضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۱۶۴ افتراء علی اللہ ایک نہایت ہی سنگین جرم - والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ دیدہ دانستہ اور جانتے بوجھتے اللہ پر افتراء باندھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھنا نہایت ہی سنگین جرم ہے - والعیاذ باللہ یعنی ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نرا جھوٹ اور خود ساختہ اضافہ ہے۔اور یہ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ پر جھوٹ بولنا کس قدر سنگین اور کتنا بڑا جرم ہے، مگر اس سب کے باوجود یہ لوگ دیدہ و دانستہ اس طرح کے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ اس سنگین جرم کا نتیجہ وانجام بڑا ہی ہولناک اور نہایت ہی برا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اس حرکت کا ارتکاب اس مقصد سے کرتے ہیں کہ جو چیز کتابِ الٰہی میں سے نہیں ہے اس پر یہ کتابِ الٰہی کا لیبل چسپاں کر دیں اور جو چیز اللہ کی طرف سے نہیں اس کو یہ اللہ کے نام سے پیش کریں جو کہ جرم بالائے جرم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اور

ہمیشہ اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین ۔

۱۶۵ حضراتِ انبیائے کرام کی براءت کا ذکر وبیان :- سو حضراتِ انبیائے کرام کی براءت اور ان کی صفائی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب، حکم، اور نبوت سے نوازے اور وہ پھر لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ لہٰذا تمہارا اے افتراء پردازو، اور اے حامل کتاب ہونے کے دعویدارو، حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- کے بارے میں یہ کہنا کہ آج جن شرکیہ عقائد پر تم لوگ قائم ہو ان کی تعلیم ان حضرات نے تم کو دی تھی، نرا جھوٹ اور ان پاکیزہ ہستیوں پر ایک کھلا ہوا بہتان ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -عیسائی لوگ جب الوہیت مسیح اور تثلیث جیسے سراسر غیر معقول اور شرکیہ عقائد پر دلیل لانے سے عاجز آ جاتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ہم کیا کریں۔ ہمیں حضرتِ عیسیٰ نے یہی تعلیم دی ہے اور انہوں نے خود کہا کہ میں خدا اور خدا کا بیٹا ہوں وغیرہ۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -تو خداوند قدوس نے ان آیاتِ کریمہ سے ان لوگوں کی ان بہتان طرازیوں، اور افتراء پردازیوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور حضراتِ انبیائے کرام -علیہم الصلوٰۃ والسلام- کی ان پاکیزہ ہستیوں کی براءت و پاک دامنی کو واشگاف کر دیا۔ کچھ اسی طرح کا حال آج بہت سے ان کلمہ گو مسلمانوں کا بھی ہے جو مختلف بزرگوں کے نام سے طرح طرح کے شرکیہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کو "مشکل کشا" "حاجت روا" سمجھتے اور پکارتے ہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ ان بزرگوں نے اپنے پچھلوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ سو اس طرح کی باتیں ان بزرگوں پر تہمت اور بہتان ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- کیونکہ "حاجت روا" "مشکل کشا" سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ تمام انبیاء و رسل اور علماء و صلحاء نے اپنی مشکلات و مصائب میں اور اپنی حاجت روائی ومشکل کشائی کے لئے ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کو پکارا ہے۔ اور یہ سب حضرات اپنی اپنی نمازوں اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ پاک کے حضور یہی عرض کرتے تھے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ یعنی "مالک! ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے" مگر اب سب کے باوجود کتنے ہی بھلے بھٹکے سے ہیں وہ لوگ جو اپنی بزرگ ہستیوں کے نام سے طرح طرح کے شرکیہ کاروبار چلائے جا رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اور ان کو اس کا کچھ پاس و احساس نہیں کہ اس طرح یہ لوگ کتنے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور یہ اس سے بھی بڑی محرومی ہے کہ احساسِ زیاں بھی چلا جائے، والعیاذ باللہ

۱۶۶ پیغمبر کی دعوت توحید خالص کے لیے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر کبھی لوگوں سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو ان سے یہی کہے گا کہ تم سب کے سب اللہ والے بن جاؤ۔ اس پر صدقِ دل سے ایمان لا کر۔ اس کی عظمت ومحبت سے سرشار ہو کر۔ اور اس کی اطاعت و بندگی بجا لا کر۔ اور اس کی یاد میں فنا ہو کر۔ کہ خالق و مالک اور معبودِ برحق بہرحال وہی اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے -سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اسکے بندے اور ربانی بن جانے ہی میں تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کا سامان ہے اے لوگو، اور یہ اس خالق و مالک کا اسکے بندوں پر حق ہے کہ سب اسی کی عبادت و بندگی کریں اور صدقِ دل سے اسکے آگے جھک جائیں- سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى -اور اسی کی عبادت و بندگی سے سرشار رہیں کہ یہی سیدھا راستہ ہے اور یہی تقاضا ہے عقل اور نقل کا -وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وھو الھادی الی سواء السبیل -

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

دوسروں کو) سکھاتے ہو، اور اس بناء پر کہ تم (توحید و عظمتِ خداوندی سے لبریز یہ کتاب) خود پڑھتے ہو، ۱۶۷

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ

اور نہ (ہی اس سے یہ ممکن ہے کہ) وہ تم کو یہ حکم دے کہ تم لوگ (اللہ کو چھوڑ کر اس کے) فرشتوں اور نبیوں کو اپنا رب بنالو،

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع وَاِذْ

کیا (یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ) وہ (نبی ہوکر) تم کو کفر کا حکم دے، اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو؟ ۱۶۸ اور (وہ بھی یاد کرو

۱۶۷ کتابِ الٰہی کے پڑھنے پڑھانے کا تقاضا؟:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ کتابِ الٰہی کو پڑھنے پڑھانے کا تقاضا یہی ہے کہ تم لوگ اللہ والے اور ربانی بن جاؤ کہ توحید وتفرید اور عظمت وجلالِ خداوندی سے بھرپور ولبریز ایسی کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا بدیہی اور لازمی تقاضا یہی ہے کہ تم لوگ خالصتاً ربانی اور اللہ والے بن جاؤ اور دل و جان سے اسکے آگے جھک جاؤ، ورنہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا کیا فائدہ؟ افسوس کہ آج بہت سے کلمہ گو مسلمانوں کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ قرآنِ حکیم جیسی بے مثل کتابِ عزیز پڑھنے پڑھانے کے باوجود وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کر رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ - بہرکیف اس ارشاد سے اہلِ کتاب خاص کر نصاریٰ کو دعوتِ فکر دی گئی اور ان کے دامنِ دل کو جھنجھوڑ کر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کتابِ الٰہی کے حامل ہونے اور اس کے پڑھنے کا تقاضا یہی ہے کہ تم لوگ اللہ والے اور ربانی بن جاؤ۔ ورنہ یہ سب کچھ بے مقصد اور بے سود ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین

۱۶۸ اللہ والے کبھی کفر وشرک کی تعلیم نہیں دے سکتے:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس ہستیاں کبھی کفر وشرک کی تعلیم نہیں دے سکتیں۔ سو استفہام تعجب وانکار کیلئے ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایسی کوئی ہستی اتنے بڑے شرف ومرتبہ سے مشرف ہوکر اللہ کے بندوں کو اس طرح کے کسی شرکیہ عقیدے کی تعلیم وترغیب دے کہ ایسا کرنا ان کے شرف و مرتبہ اور ان کے منصب کیخلاف ہے کہ ان کا اصل منصب اور مشن یہی ہوتا ہے کہ وہ بندوں کو ان کے خالق و مالک سے ملائیں۔ اور ان کو صدقِ دل سے اسی کے حضور جھکنے کا درس دیں کہ معبودِ برحق بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور اسی کی ہر شکل اسی کا اور صرف اسی وحدہٗ لاشریک کا حق ہے۔ سو جس طرح اللہ کا پیغمبر کسی کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم میرے بندے بن جاؤ، اسی طرح اس کے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ دوسروں سے کہے کہ تم فرشتوں، نبیوں کو ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ بنالو۔ بھلا ایمان ویقین اور توحید و وحدانیتِ خداوندی کی دعوت کے ساتھ کفر وشرک کی یہ دعوت آخر کس طرح اور کیونکر جمع ہوسکتی ہے؟ اور جو شخص تم لوگوں کو ایمان ویقین کی دعوت دینے اور دوزخ کی آگ سے بچانے کیلئے آئے کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ کفر وشرک کی دعوت دے کر تم کو دوزخ میں جھونکنے کی کوشش کرے؟ سو جن لوگوں نے ایسی پاکیزہ اور مقدس ہستیوں کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں۔ انہوں نے بڑا جھوٹ بولا اور سخت ظلم اور زیادتی کا ارتکاب کیا- والعیاذ باللہ العظیم-

أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ

کہ) جب اللہ نے عہد لیا اپنے پیغمبروں سے، کہ جو بھی کوئی کتاب وحکمت میں تم کو دوں، پھر تمہارے پاس کوئی دوسرا ایسا

وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ

پیغمبر آ جائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس (کتاب وشریعت) کی، جو تمہارے پاس موجود ہو، تو تمہیں ضرور اس پر ایمان

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ

لانا اور اس کی مدد کرنا ہوگی، ۱۶۹ (پھر اس عہد کی مزید تاکید وتوثیق کے لئے حق تعالیٰ نے ان سے) فرمایا کہ کیا تم لوگوں

۱۶۹ حضراتِ انبیائے کرام کے عہد کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بھی یاد کرو کہ جب اللہ نے اپنے پیغمبروں سے یہ عہد لیا۔ سو تمام انبیائے کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ تم نے ہر بعد میں والے نبی پر ایمان لانا اور ان کا ساتھ دینا ہے کہ سب کا پیغام ایک ہی اور مشترک ہے۔ سو تم نے ان کی مدد کرنی ہے، اپنی جان و مال اور ہر اس وسیلہ وذریعہ سے، جو تمہیں میسر ہو کہ حق ایک ہے اور اس کیلئے تعاون وتناصر سب کی مجموعی ذمہ داری اور ہر ایک سے مطلوب ہے۔ حضرات انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کی شرائع میں فروع وجزئیات کے اعتبار سے اگرچہ اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے کچھ اختلاف رہا ہو، لیکن اصول ومبادی کے اعتبار سے سب کے سب یکساں اور سب کی دعوت ایک ہی تھی۔ رسول کے لفظ کا عموم اپنے ظاہر کے اعتبار سے تمام انبیاء ورسل کو شامل اور عام ہے کہ یہ حکم ہر نبی ورسول کے لئے ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے ہر نبی ورسول کی بعثت و تشریف آوری پر اس پر ایمان لائے، اور اس کی نصرت وامداد کرے۔ پس یہ حکم حضرت آدم سے لے کر حضرتِ عیسیٰ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ تک سب ہی کو شامل ہے۔ یہی ظاہر ومتبادر ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ (ابن کثیر، معارف القرآن، المراغی، المحاسن وغیرہ)۔ اس لئے حضرات مفسرین کرام اس کی توضیح وتشریح میں فرماتے ہیں "اَیُّ رَسُوْلٍ کَانَ" اور ان میں سب سے آخر نبیوں کے امام حضرت محمد رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہیں، جن کی بعثت وتشریف آوری اگرچہ سب سے آخر میں ہوئی، مگر مرتبہ وفضیلت اور درجہ وشان کے لحاظ سے آپؐ سب سے مقدم اور سب پر فائق ہیں۔ اسی لئے شبِ اسراء ومعراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے سب انبیائے کرام کی امامت فرمائی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس عہد ومیثاق میں بطریق اولیٰ داخل ہیں کہ سب ہی حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سے آپؐ پر ایمان لانے اور آپؐ کی نصرت وامداد کا عہد لیا گیا کہ وہ اپنی اپنی امتوں کو اس کی تلقین فرما دیں۔ اس لئے یہود ونصاریٰ کو آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی بعثت کے بعد بلاچوں وچرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پر ایمان لانا چاہیئے تھا۔ سو یہ ایک قول ہے حضراتِ اہلِ علم کا اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں۔ اور رسول کی تنکیر اور اسکے تبادر کا تقاضا بھی یہی ہے، جبکہ دوسرا قول اس بارے یہ ہے کہ رسول کا لفظ اگرچہ نکرہ ہونے کی وجہ سے عام ہے، مگر اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہی ہیں۔ اور یہ عہد ومیثاق دراصل آپ ہی کیلئے لیا گیا تھا، جیسا کہ حضرتِ علیؓ اور ابنِ عباسؓ سے مروی ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی۔ وَالظَّاهِرُ وَالْمُتَبَادِرُ هُوَ الْاَوَّلُ۔ بہرکیف حضراتِ انبیائے کرام کی دعوت اور ان کا پیغام ایک ہی رہا ہے کہ عبادت وبندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہو کہ معبودِ برحق بہرحال وہی ہے۔ اور عبادت کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل اسی کا حق ہے سبحانہٗ وتعالیٰ

عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا

نے اس کا اقرار کیا، اور اس پر میری (طرف سے عائد ہونے والی) اس بھاری ذمہ داری کو قبول کرلیا؟ ۱۷۰ تو ان سب نے کہا ہاں ہم

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ

نے اقرار کرلیا، تب اللہ نے فرمایا کہ اچھا تم اس پر گواہ رہو، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پس اس کے

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ

بعد جو کوئی پھر گیا (اپنے عہد و پیمان سے) تو ایسے ہی لوگ فاسق (و بدکار) ہیں ۱۷۱ تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا

يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(کوئی اور طریقہ) چاہتے ہیں، حالانکہ اسی (وحدہٗ لاشریک) کے حضور سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے وہ سب جو کہ آسمانوں اور زمین

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

میں ہے ۱۷۲ خواہ خوشی (اور رضا و رغبت) سے ۱۷۳ ہو یا لاچاری (اور مجبوری) کی بناء پر ۱۷۴ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ان سب کو ۱۷۵ کہو

۱۷۰ ایک عظیم الشان اور بے مثل عہد و اقرار: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے اس کا اقرار کرلیا اور اس پر میری طرف سے عائد ہونے والی اس بھاری ذمہ داری کو قبول کرلیا؟ تو ان سب نے کہا ہاں۔ ہم نے اقرار کرلیا۔ یعنی ''اصر'' کے اصل معنیٰ بھاری ذمہ داری اور معنوی بوجھ کے آتے ہیں اور یہاں پر اس سے مراد ذمہ داری کا وہ بھاری بوجھ ہے جو اس عہد سے عائد ہوتا ہے۔ سو انہوں نے اس کا اقرار کیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے پر گواہ رہو اور مزید فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اور تم سب پر گواہ ہوں۔ سو یہ ایک عظیم الشان اور بے مثل عہد ہے کہ یہ عہد حضرات انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ کی قدسی صفات ہستیوں سے لیا گیا، اور انہوں نے اس کا اقرار بھی کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس پر حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ خود بھی گواہ بن گئے، تو پھر اس عہد و اقرار کی عظمتِ شان کے کہنے ہی کیا؟ سو ایسے عہد سے پھرنے کا جرم بھی بڑا سخت اور سنگین ہو جاتا ہے ۔ والعیاذ باللہ العظیم عن کل زیغ وزلال ۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۱۷۱ انبیائے کرام کی امتوں کے لیے تنبیہ و تحذیر: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس بے مثل عہد و قرار سے پھرنے کا جرم بھی نہایت سنگین جرم ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ ارشاد حضرات انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ کی امتوں کے اعتبار سے ہے، جو کہ بالتبع اس عہد میں داخل تھیں، ورنہ حضرات انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ سے تو ایسی کوئی عہد شکنی ممکن ہی نہیں کہ وہ معصوم اور براہِ راست اللہ کی حفاظت و پناہ میں ہوتے ہیں اور عہد

شکنی کبیرہ گناہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللہِ۔ بہر کیف جب یہ عہد و قرار اتنا عظیم الشان اور اس قدر بے مثال ہے تو اس سے پھرنے اور اسکی خلاف ورزی کرنے کا جرم بھی نہایت ہولناک اور انتہائی سنگین جرم ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ عہد لیا ہی دراصل اللہ کے نبیوں کے بارے میں تھا، یعنی یہ میثاق بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان کے بارے میں لیا گیا تھا اور اس سے مراد وہی عہد ہے جس کا ذکر سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۲ اور سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۶، میں فرمایا گیا۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں ہی سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ نبی عربی پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں، مگر انہوں نے اس عہد کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور ایمان لانے کی بجائے الٹا وہ ان کے دشمن بن گئے۔ والعیاذ باللہ جل و علا۔ اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے، امین ثم امین یا ربَّ العالمین

۱۷۲ کائنات کی ہر چیز اللہ کی فرمانبردار: ۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم ہے، کہ یہ سب کچھ اسی کا مخلوق و مملوک، اور اسی کے حکم کے تابع ہے۔ واضح رہے کہ حضرتِ حق ۔ جل مجدہٗ ۔ کے اَحکام دو قسم کے ہیں۔ ایک تکوینی اور دوسرے تشریعی۔ تکوینی سے مراد وہ احکام ہیں، جو اس کی اس وسیع کائنات میں جاری و ساری ہیں، جن پر جنّ و انس وغیرہ کسی مخلوق کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دخل اور اختیار نہیں بلکہ یہ سب کچھ اسکے ان تکوینی احکام کا پابند ہے۔ اسی لئے ان احکام پر ان کیلئے کوئی اجر و ثواب نہیں، جیسے انسان کا پیدا ہونا، مر جانا، کالا یا گورا ہونا، چھوٹا یا بڑا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب احکام انسان پر لاگو ہوتے ہیں، مگر اس طرح کہ انسان کا ان کے بارے میں نہ کوئی اپنا ارادہ ہوتا ہے نہ اختیار۔ اس لئے ان میں سے کسی پر اس کو نہ کوئی اجر ملتا ہے نہ ثواب، اور تکوین و تخلیق کے اس دائرے میں انسان بھی باقی تمام مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کا پابند، اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ کوئی چون و چرا بھی اس کے بس میں نہیں۔ اس اعتبار سے وہ اسی وحدہٗ لاشریک کا فرمانبردار اور اسی کے حضور سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ [البقرۃ۔ ۱۱۶] جبکہ دوسری قسم اَحکام کی تشریعی ہے، جن کے بجا لانے پر اجر و ثواب ملتا ہے، اور ان کی خلاف ورزی پر گناہ و پکڑ بھی۔ اور یہ تمام امور انسان کے ارادہ و اختیار پر رکھے گئے ہیں۔ اسی لئے وہ ان پر اجر و ثواب اور بدلہ و جزاء کا حقدار قرار پاتا ہے۔ پس اس کے اس ارادہ و اختیار ہی پر اس کے امتحان اور اسکی جزاء و سزا کا سارا دارومدار ہے۔ سو تکوینی اعتبار سے سب ہی اسکے حکم کے پابند اور اسکے حضور سرِ تسلیم خم ہیں کہ خالق و مالک سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اسلئے تشریعی اعتبار سے بھی بندوں کو اسی کے حضور جھک جانا چاہیے۔ اور ہمیشہ جھکے رہنا چاہیے، کہ یہ اس خالق و مالک کا اسکے بندوں پر حق بھی ہے، اور اس میں ان کا بھلا بھی ہے، دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی، وباللہ التوفیق، مزید تفصیل اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔

۱۷۳ اللہ کے حضور سجدہ ریزی باعثِ سعادت و سرفرازی: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خوشی بخوشی سجدہ ریز ہونا باعثِ سعادت و سرفرازی اور موجبِ نجات و فلاح ہے۔ سو آسمان و زمین کی اس مخلوق میں سے کچھ تو خوشی خوشی اور برضاء و رغبت اپنے خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں جیسے ملائکہ، اور ایمان والے جن و انس کہ وہ سب کے سب اپنے خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھکتے اور اس کے اَحکام و اَوامر کو بجالاتے

ہیں، اور اپنی رضا و رغبت سے اور خوشی خوشی اسکے حضور سجدہ ریز ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اسکی رضاء وخوشنودی اور رحمت وعنایت سے سرفراز ہوتے ہیں۔سو سعادت سب کی سب اور دارین کی فوز وفلاح کا مدار وانحصار اسی پر ہے کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے اور اپنے شوق و رغبت کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے حضور جھکے اور اس طرح وہ اس ساری کائنات کا ہمنوا و ہمسفر ہو جائے گا کہ کائنات پوری کا دین اسلام ہی ہے۔وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کے حضور جھکی ہوئی ہے مگر اس کا یہ جھکنا جبری اور غیر اختیاری ہے۔اس لئے اس کے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں، جب کہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے اس کے آگے جھک کر اپنے لئے دارین کے اجر وثواب اور فوز وفلاح کا سامنا کرتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کے حضور جھکنا اس کا حق بھی ہے اور اسی میں بندے کا بھلا بھی ہے۔وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ یاذا الجلال والاکرام۔

۱۷۴ اللہ تعالیٰ کے حضور لاچاری اور مجبوری کی سجدہ ریزی کا ذکر:۔سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان وزمین کی اس پوری کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور سرِ تسلیم خم اور سجدہ ریز ہے۔خواہ رضاء ورغبت سے اور خوشی بخوشی ہو جیسا کہ اہلِ ایمان اور ملائک جیسی بہت سی ذی ارادہ مخلوق کرتی ہے، اور یا مجبوری اور لاچاری سے، جیسا کہ باقی تمام مخلوق۔اور کائنات کی ہر چیز، کہ وہ اپنی خلق وتکوین کے دائرے میں اللہ پاک کے حکم وارشاد کی پوری طرح پابند ہے۔اسی لئے سورج و چاند جیسے یہ عظیم الشان کُرّے پوری پابندی کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں، اور خود انسان بھی اپنے دائرۂ خلق وتکوین میں، کہ اس لحاظ سے یہ سب کے سب اس کے حکم وارشاد کے پابند ہیں اور ان سب کو خواہی نخواہی اسی وحدہٗ لاشریک کے احکام پر چلنا پڑتا ہے، کہ دائرۂ خلق وتکوین میں انکو کوئی اختیار ہے ہی نہیں۔کسی کی مجال نہیں کہ خداوندِ قدوس کے حکم وقانون سے ذرہ بھر سرتابی کر سکے، اور اپنے محدود دائرہ سے باہر نکل سکے۔خالق نے اس کو جس کام کے لئے مقرر فرما دیا وہ اس میں پوری طرح لگا ہوا ہے۔اور پوری پابندی سے اپنے فرض کو نبھا رہا ہے۔سو اسمیں بندوں کیلئے اپنے خالق و مالک کے حضور، اپنے ارادہ واختیار۔اور صدق دل سے جھکنے کا درس عظیم ہے، واللہ التوفیق۔

۱۷۵ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف۔سبحانہٗ وتعالیٰ:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے حضور حاضر ہونا ہے خواہ یہ چاہیں یا نہ چاہیں۔بہرکیف ان کو لوٹ کر وہیں جانا ہے تاکہ اس طرح ہر کوئی اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ پا سکے، کہ آخری اور کامل اور عملی فیصلہ وہیں ہو سکے گا۔سو ان سب کو بہرحال لوٹ کر وہیں جانا اور اسکے حضور حاضر ہونا ہے، اور اپنے کیے کرائے کا بھرپور صلہ و بدلہ پانا ہے تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضے بھرپور طریقے سے اور اپنی آخری شکل میں پورے ہو سکیں۔اور اس طرح کائنات کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہو سکے۔سو جس طرح ان کے لئے ان کی زندگی میں خدا تعالیٰ کے قانون سے گریز وفرار کی کوئی راہ ممکن نہیں اسی طرح ان کی زندگی کے بعد بھی ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی بلکہ ان کو خواہی نخواہی بہرحال اس کے حضور حاضر ہونا اور اپنے کئے کرائے کا جواب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔اس لیے اس یومِ حساب کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنے اور اسکے لئے تیاری کرنے کی ضرورت ہے۔وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ، یاذا الجلال والاکرام، ویا اکرم الاکرمین، وارحم الراحمین

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

(کوئی مانے یا نہ مانے) ہم تو بہرحال ایمان لائے اللہ پر، اور اس (وحی و کتاب) پر جو اتاری گئی ہم پر، اور اس پر بھی جو

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اتاری گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب، اور ان کی اولاد پر، اور اس سب پر بھی جو کچھ کہ دیا گیا موسیٰ،

وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو، ان کے رب کی جانب سے، ہم ان میں سے کسی ایک کی بھی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ

تفریق نہیں کرتے، ۱۷۶ ہم خالص اسی کے فرمانبردار ہیں، اور جس نے اسلام کے سوا

غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي

کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، ۱۷۷ اور وہ

الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا

آخرت میں یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا، ۱۷۸ کیسے ہدایت (کے نور) سے نوازے اللہ ایسے لوگوں کو

۱۷۶ تفریق بین الرسل جائز نہیں:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرات انبیائے کرام کے درمیان تفریق جائز نہیں پس ہم ایسا نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں، بلکہ ہم سب کو مانتے، اور سب پر ایمان رکھتے ہیں، کہ یہ سب ایک ہی دینِ حق یعنی اسلام کے ماننے والے اور ایک ہی معبودِ برحق کی اطاعت اور عبادت و بندگی کا درس دینے والے، اور ایک ہی دعوت کے علمبردار تھے۔ پس ان کے درمیان درجات و مراتب کا فرق اگرچہ موجود تھا، اس لیے ان کے تو ہم قائل ہیں لیکن ان کے درمیان تفریق کرنا کہ کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے، تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہم اسکے روادار ہیں، بلکہ ہم بلا تفریق و استثناء سب ہی پر ایمان رکھتے ہیں- علیھم الصلوٰۃ والسلام- اپنے اپنے دور میں ان میں سے ہر ایک کی اِتباع اور پیروی ضروری تھی اور اب راہ نجات صرف ان کے امام اور ان سب کے افضل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم - کی اتباع اور پیروی میں ہے۔ جن کی شریعت تمام شرائع سابقہ کیلئے ناسخ ہے اور قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ اور اب ہدایت اور نجات آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۷۷ دین اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اسلام ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دین اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف

اسلام ہے۔ پس اسلام کے سوا کوئی بھی دین اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قبول نہیں کہ وہ سب ناحق ہے۔ دینِ حق تو صرف اسلام ہے۔ جس میں انسان کیلئے دارَین کی سعادت و سرخروئی اور فوز وفلاح کا سامان ہے۔ اب جس نے اس سے منہ موڑ کر کسی اور طریقہ و دین کو اپنایا اس نے راہِ حق وصواب سے روگردانی کی۔ اور وہ نجات کی بجائے ہلاکت وتباہی کے راستے پر چل پڑا۔ تو پھر اس سے ایسے کسی بناوٹی دین کو اللہ پاک کے یہاں آخر کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا ہدایت ونجات اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کا راستہ ایک اور صرف ایک ہے، یعنی اسلام۔ پس جس نے اس دینِ حق کے سوا کسی بھی اور دین کو اپنایا، یا اس نے اس دینِ حق میں اپنی طرف سے کوئی بدعات شامل کرلیں وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر القاسمیؒ)۔ بہرکیف دینِ حق صرف اسلام ہے۔ یہی دینِ فطرت ہے اور یہی اس پوری کائنات کا دین ہے اور جس کا حاصل ہے اپنے آپ کو اپنے ارادہ واختیار سے اپنے خالق و مالک کے حوالے کر دینا۔ یہ اس خالق و مالک کا اس کے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان کی عزت وعظمت بھی ہے۔ اور ان کے لئے دارَین کی سعادت و سرخروئی کا سامان بھی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ – وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ – والیه المرجع والمآب

۱۷۸ اسلام کے سوا ہر دین باعثِ خسارہ – والعیاذ باللہ: – سو اس ارشاد سے تصریح فرما دی گئی کہ دین اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف اسلام ہے۔ اور جس نے اسلام کے سوا کوئی اور دین اپنایا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسا شخص آخرت میں یقیناً سخت خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دینِ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے، والعیاذ باللہ سو دینِ حق اسلام سے محروم لوگ آخرت میں قطعی طور پر ہولناک خسارے میں ہونگے – والعیاذ باللہ – اور ایسا ہر شخص قطعی طور پر خسارے میں ہوگا، کیونکہ اس نے نورِ حق کی اس دولت کو ضائع کر دیا جو اللہ پاک نے اپنی رحمتِ بے نہایت اور کرمِ بے پایاں سے اس کی فطرت وجبلت میں ودیعت فرما دی تھی۔ اور پھر اس کی تذکیر و یاددہانی کیلئے اس نے کرم بالائے کرم کے طور پر اپنے انبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں کو مبعوث فرمایا جن کے آخر میں سب کے خاتم اور سب کے امام حضرت محمد ﷺ کو اس آخری اور کامل پیغام کے ساتھ بھیجا جو کہ رہتی دنیا تک انسانیت کی ہمہ جہتی اور کامل رہنمائی کرنے والا دینِ عظیم ہے، مگر ایسے ظالم، بے انصاف، اور ناشکرے انسان نے اس سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو تہ درتہ اندھیروں کے حوالے کر دیا، اور اپنی آخرت کو بھول کر وہ خواہشاتِ نفس کا بندہ اور ان کا پیرو بن کر رہ گیا اور آخرت کی کمائی کیلئے حیاتِ دنیا کی جو فرصت اس کو ملی تھی اس کو اس نے متاعِ دنیا کے حطامِ فانی اور متاعِ زائل کے پیچھے لگ کر ضائع کر دیا۔ اور یہ جب وہاں پہنچا تو یکسر خالی ہاتھ تھا۔ اب نہ واپسی کا کوئی راستہ اور نہ کمائی کی کوئی سبیل۔ تو اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ ﴿خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ – ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ – وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ – اللہ تعالیٰ ہر خسارے سے ہمیشہ محفوظ رکھے – آمین ثم آمین۔ سو کوئی مانے یا نہ مانے حقیقت بہرحال یہی ہے کہ دینِ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے۔ آج دنیا میں یہ بات بہت سے لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی کہ آج حقائق پر پردہ پڑا ہوا ہے لیکن کل قیامت کے روز جب یہ پردہ ہٹا دیا جائے گا اور حقائق اپنی اصل شکل میں سامنے آ جائیں گے تو اس وقت یہ حقیقت سب کے سامنے پوری طرح عیاں اور آشکارا ہو جائے گی کہ جو لوگ دینِ حق اسلام سے محروم تھے وہ قطعی طور پر اور نہایت ہی ہولناک خسارے میں ہیں – والعیاذ باللہ العظیم – اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ

جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد؟ ف۱۷۹ حالانکہ وہ خود اس بات کی گواہی دے چکے ہیں، کہ یہ رسول قطعی طور پر حق ہے، اور

جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

ان لوگوں کے پاس (حق کو واضح کرنے والی کھلی اور) روشن نشانیاں بھی آ چکیں، اور اللہ ہدایت (کی دولت) سے نہیں نوازتا

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

ظالم لوگوں کو ف۱۸۰ ایسے (ظالم اور ناشکرے و بے انصاف) لوگوں کا بدلہ یہی ہے کہ ان پر لعنت (برستی) رہے اللہ کی، اس کے

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

فرشتوں کی، اور سب لوگوں کی، ف۱۸۱ اس حال میں کہ ان کو ہمیشہ اسی میں رہنا ہوگا، نہ ان سے ان کا عذاب ہلکا

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ

کیا جائے گا، اور نہ ہی ان کو کوئی مہلت دی جائے گی ف۱۸۲ بجز ان لوگوں کے کہ جو (سچے دل سے) ایمان لے آئے اس کے

بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ

بعد، اور انہوں نے اصلاح بھی کر لی (اپنے فساد و بگاڑ کی) تو (ان کا کام بن گیا کہ) بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ

ہی مہربان ہے ف۱۸۳ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد، پھر وہ اپنے کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے، تو

۱۷۹ بے قدری اور ناشکری باعث محرومی - والعیاذ باللہ: سو اس سے بے قدرے اور ناشکرے لوگوں کی محرومی واضح ہو جاتی ہے - والعیاذ باللہ اس لیے دینِ حق جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اس کی ناقدری کرنے والے اس سے کبھی مشرف و سرفراز نہیں ہو سکتے۔ استفہام یہاں پر انکار و استبعاد کیلئے ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کا دولتِ ہدایت سے سرفراز ہونا بہت بعید اور بہت دور کی بات ہے۔ کیونکہ اس کے لئے قلبِ سلیم اور تعصبات و میول سے پاکیزہ باطن کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز یہ نعمت ان لوگوں کو ملتی ہے جو حق و ہدایت کے طالب اور اس کے قدردان ہوں۔ اور اس سب سے یہ لوگ محروم ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو پھر ان کو حق و ہدایت کی اس دولت سے سرفرازی نصیب ہو تو کیسے ہو؟ اور مراد ان لوگوں سے جیسا کہ حضرتِ حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے، وہ اہلِ کتاب

اور خاص کر یہود ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں پائی جانے والی ان صفات اور پیشینگوئیوں کی بناء پر جو کہ حضرتِ خاتم الانبیاء ﷺ - کے بارے میں ان میں موجود تھیں، یہ لوگ آنجناب ﷺ - پر اور آپ ﷺ - کی صداقت وحقانیت پر ایمان لے آئے۔ اور وہ اس سے پہلے اپنی انہی پیشینگوئیوں کی بناء پر آپؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ اور وہ کفار کے مقابلے میں آپؐ کی تشریف آوری پر فتح پانے کے منتظر تھے ﴿ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الآیۃ [البقرۃ۔ ۸۹] مگر آپ - ﷺ - کی بعثت وتشریف آوری پر وہ لوگ آپ ﷺ - کے منکر ہو گئے محض اس حسد اور جلن کی بناء پر کہ آپکا ورودِ مسعود بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں کیوں ہو گیا۔ اسی طرح آیتِ کریمہ کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے - والعیاذ باللہ - جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ بہرکیف جن لوگوں نے دولتِ حق وہدایت کی ناقدری کی اور اسکو پالینے کے بعد وہ اس کے منکر ہو گئے تو وہ اس سے سرفراز نہیں ہوسکتے، الا یہ کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہو کر صدقِ دل سے اپنی اس روش سے تائب ہو جائیں، اور اپنے خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سچے دل سے رجوع کر لیں - فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ التَّوفِيْقَ وَالسَّدَادَ لِمَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى، من القول والعمل ،یااکرم الاکرمین،وارحم الراحمین یا رب العالمین -

۱۸۰ ظالموں کے لیے محرومی - والعیاذُ باللہ : - سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو نورِ ہدایت سے نہیں نوازتا کہ انہوں نے حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد اس سے اِعراض برتا اور ہدایت کی دولت پا لینے کے بعد اس سے منہ موڑا۔ اور وہ اس کی ناقدری کے مرتکب ہوئے۔ اور اس طرح یہ لوگ ظالم قرار پائے اور ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ حق وہدایت کے نور سے نہیں نوازتا۔ سو ان لوگوں کی یہ محرومی ان کے اپنے کیے کرائے ہی کی وجہ سے ہے، اور اسکے ذمہ دار یہ خود ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو پھر ایسوں کو دولتِ حق وہدایت سے سرفرازی کیونکر نصیب ہوسکتی ہے، جبکہ اس کیلئے اولین شرط طلبِ صادق ہے - اللہ ہر طرح کی محرومی سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔ سو جن لوگوں کے پاس رسول کی صداقت اور حق کو واضح کرنے والی نشانیاں آ چکیں مگر انہوں نے اس کے باوجود حق کو جھٹلایا، جن کے دل گواہی دے رہے ہیں کہ واقعی یہ اللہ کے رسول اور وہی رسول ہیں جن کے بارے میں پیشگوئیاں اس سے پہلے ان کے پاس موجود تھیں مگر انہوں نے پھر بھی ان کو جھٹلایا تو ایسے لوگ ظالم ہیں جنہوں نے ظلم کیا اپنی عقل وفطرت پر۔ اور انہوں نے ظلم کیا اپنی روح اور جان پر۔ تو ایسے ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ ایسوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور ساری مخلوق کی لعنت ہو، کیونکہ انہوں نے دن کی کھلی اور صاف روشنی میں اندھے پن کو اپنا کر اپنے آپ کو کھڈے میں گرایا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر شکل وصورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے، امین ثم امین

۱۸۱ ظلم کا نتیجہ محرومی وپھٹکار - والعیاذُ باللہ : - سو اس میں تصریح فرما دی گئی کہ ظالموں پر لعنت وپھٹکار ہے اللہ کی، اسکے فرشتوں اور لوگوں کی سب کی۔ سو اہل ایمان ایسوں پر صراحتاً لعنت کرتے ہیں، مگر خود کفار بھی غیر شعوری طور پر اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ کہتے ہیں کہ حق بات نہ ماننے والوں پر لعنت ہو، تو یہ لعنت خود ان پر پڑتی

ہے، مگر وہ اس کو سمجھتے نہیں، (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہرکیف ایسے ظالموں پر سب کی لعنت و پھٹکار ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو نورِ حق و ہدایت سے نہیں نوازتا۔ جو لوگ نشاناتِ راہ کو جان کر گم کر دیں ان کو وہ بامراد نہیں کرتا کہ انہوں نے نشاناتِ راہ کو گم کر کے ٹھوکریں کھانے کے طریق کو باختیار خود اپنایا۔ سو ان پر نیک و بد سب ہی لوگوں کی لعنت ہو گی۔ نیکوں کی لعنت تو ظاہر ہے لیکن بد ان پر لعنت اس لئے کریں گے کہ وہ بھی انہی کی بدولت حق سے محروم ہو کر گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے۔ چنانچہ قیامت کے روز گمراہ لیڈروں اور ان کے پیروکاروں کی لعنت ملامت کی تصریح قرآنِ پاک میں موجود و مصرح ہے۔ سو حق و ہدایت سے منہ موڑنا سب سے بڑی محرومی اور سب سے بڑا اور نہایت ہولناک خسارہ ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۱۸۲ کافروں کیلئے ہمیشہ کا عذاب، والعیاذ باللہ:- کیونکہ ان کا خاتمہ کفر پر مرنے پر ہوا اور کفر کی سزا یہی ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو یہ لعنت و پھٹکار ہی ان کیلئے دوزخ کا دائمی عذاب بن جائے گی جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہو گا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے سچی توبہ سے حق کی طرف رجوع کر لیا۔ ''فیہا'' کی ضمیر مجرور کا مرجع دوزخ ہے۔ اور دوزخ کا ذکر اگرچہ الفاظ میں موجود نہیں لیکن اوپر جس لعنت کا ذکر آیا ہے اس نے ایسا واضح قرینہ بہم پہنچا دیا ہے کہ لفظوں میں اس کے ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ یہ لعنت گویا خود ہی دوزخ کے قائمقام بن گئی۔ اس اسلوب کی مختلف مثالیں قرآنِ حکیم میں کئی جگہ موجود ہیں۔ سو کفر و انکار محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت اور نہایت ہی ہولناک عذاب کا باعث ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اور اس کے بالمقابل ایمان سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ۔

۱۸۳ رجوع الی اللہ کیلئے ترغیب و تحریض:- سو سچے دل سے ایمان لانے والوں، اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں اور سچی توبہ کرنے والوں کیلئے بخشش اور مہربانی کا وعدہ ہے کہ اللہ بڑا ہی غفور اور رحیم ہے- سبحانہ وتعالیٰ- اس لئے وہ اپنی مغفرتِ بیکراں اور رحمتِ بے نہایت سے ایسوں کے گناہوں کی میل کو بالکل صاف فرما دیتا ہے، اور ایسا کہ گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرتِ نبی معصوم- علیہ الصلوٰۃ والسلام- نے ارشاد فرمایا ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ'' بشرطیکہ ایمان سچا ایمان ہو، رجوع الی اللہ صحیح طور پر ہو، اور اِصلاح اَحوال مخلصانہ طریق سے، اور توبہ سچی توبہ ہو۔ محض ظاہرداری یا کچھ رٹے رٹائے الفاظ و کلمات کے دہرانے سے کام نہیں چلے گا- وباللہ التوفیق- بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ اپنے کفر و باطل ہی پر اڑے رہے اور انہوں نے اسی حال میں جان دی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ نہ ان کے لئے کسی مرحلے میں کوئی تخفیف ہو گی اور نہ ہی ان کو کبھی کوئی مہلت ملے گی۔ دوزخ میں پڑ جانے کے بعد ان کے لئے امید کے سب دروازے بند ہو جائیں گے۔ البتہ سچی توبہ کرنے والوں کے لئے مغفرت و بخشش کا مژدہ جانفزا ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے اور ہر قسم کے زیغ و زلل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- اور ہمیشہ حق کو حق سمجھنے اور اس کو اپنانے کی توفیق بخشے، اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے اجتناب اور بچنے کی توفیق بخشے، اٰمین ثم اٰمین

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ

ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ایسے ہی لوگ ہیں پکے (اور پورے) گمراہ، ۱۸۴ بے شک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ

جن لوگوں نے کفر کیا، اور کفر ہی کی حالت میں انہوں نے جان دے دی، تو ان میں سے کسی سے

اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ

روئے زمین بھر کر سونا بھی ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اگرچہ وہ یہ سب اپنے (عذاب کے) بدلے میں دے دے، ۱۸۵

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع ۹ ۱۱/۱۷

ایسے لوگوں کے لئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، اور ان کے لئے کوئی (حامی اور) مددگار بھی نہیں ہوگا، ۱۸۶

۱۸۴ پکے اور پورے گمراہوں کی تشخیص ونشاندہی - والعیاذ باللہ: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اپنے کفر پر اَڑنے والے پکے اور پورے گمراہ ہیں کہ کفر ایسے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکا ہے۔ اور اس کی نحوست ان کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی ہے، جس کے باعث ان کو ایسی سچی توبہ کی توفیق نصیب ہی نہیں ہوتی، جو شرفِ قبولیت پا سکے۔ اور مرتے وقت اگر توبہ کرینگے بھی تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ کشفِ حقائق کے بعد کی توبہ ہوگی، جو کہ معتبر نہیں۔ اس لئے کہ مطلوب ایمان بالغیب ہے اور موت کے وقت کا وہ ایمان، ایمان بالغیب نہیں ہوگا بلکہ ایمان بالشہود و بالمشاہدہ ہوگا۔ اس لئے وہ توبہ قبول نہیں ہوگی، جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ، حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ﴾ الآیۃ [النساء۔۱۸]۔ اس لئے عام ضابطہ اور اصول یہی ہے کہ ایسے بدبختوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی، کہ ان کو سچی توبہ کی توفیق نصیب ہی نہیں ہوتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تاہم اگر ان میں سے کسی کو سچی توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی تو اس غفور و رحیم، وہاب و کریم کی رحمت اس کو بھی اپنی آغوش میں لے لیگی، کہ اس کا صاف و صریح ارشاد اپنی کتاب حکیم میں اس طرح موجود و مذکور ہے ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الشوریٰ۔۲۵] تو اس طرح یہ ایک استثنائی صورت ہوگی۔ عام ضابطہ و قانون وہی ہے جو اوپر ارشاد ہوا ہے - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر ثابت قدم رکھے اور ہر قسم کے شرور و فتن سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔ یارَبَّ العالمین و یا ارحم الراحمین

۱۸۵ حیاتِ دنیا کی نعمت کی قدر و قیمت کا ایک خاص پہلو: - سو وہاں پر اس قدر دولت بھی اگر بالفرض کسی کو میسر آجائے اور وہ اس سب کو دے بھی دے تو بھی وہ اس سے قبول نہیں ہوگی، کہ وہ جہان ایسی چیزوں کے قبول کرنے کا ہوگا ہی نہیں، کہ وہ ''دار العمل'' نہیں ''دار الجزاء'' ہے۔ سو اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ

مختصر و محدود فرصت جو آج ہمیں اللہ پاک کی عنایت سے نصیب ہے، کتنی قیمتی اور کس قدر عظیم الشان نعمت ہے، کہ یہاں پر اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے دیا جانے والا ایک روپیہ پیسہ بھی قبول، اور نہ صرف قبول، بلکہ کئی گنا اجر و ثواب کا ذریعہ ہے، جبکہ وہاں پر روئے زمین بھر کر سونا بھی قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ سو بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ مستعار و محدود کو آخرت کی کمائی اور اپنے رب کی رضاء کیلئے صرف کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَکُنْ لَنَا وَاجْعَلْنَا لَکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ نیز اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ حیاتِ دنیا کی اس فرصت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے اور اسکو اپنی آخرت کے بنانے سنوارنے میں صرف نہیں کرتے، وہ کس قدر ہولناک خسارے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ، وَسُوْءٍ وَّانْحِرَاف، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یاربَّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۱۸۶ کافروں کیلئے کوئی مددگار نہیں: ۔ جو ان کو اس عذابِ الیم سے بچاسکے، یا کم از کم زبانی کلامی ہمدردی جتا کر ان کے غم کو ہلکا کر سکے، کہ وہاں کسی کو اس کا یارا نہیں ہوگا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ کیونکہ کارسازِ حقیقی یعنی اللہ جل جلالہٗ پر یہ لوگ صحیح طور پر ایمان لائے نہیں تھے اور جو فرضی سہارے انہوں نے از خود گھڑ رکھے تھے ان کی کوئی حقیقت تھی نہیں، وہ کسی کے کام آنے والے سرے سے تھے ہی نہیں۔ اس لیے ایسے بدبختوں کیلئے کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا۔ اور ان کو ہمیشہ کیلئے اس عذاب میں پڑے رہنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ سو ایسے لوگوں نے جو مختلف سہارے از خود گھڑ اور فرض کر رکھے تھے کسی کا سہارا و اعتماد اس کی اپنی فرضی دیویوں دیوتاؤں پر تھا، کسی کا اپنی خود ساختہ سرکاروں اور درگاہوں پر، کسی کا اپنے بڑوں اور بزرگوں کی شفاعت و سفارش پر، اور کسی کا کسی اور مفروضے پر۔ سو ان میں سے کوئی بھی چیز اس روز انکی مدد نہیں کر سکے گی۔ بس ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار کی پونجی ہی ہوگی جو اس روز کام آسکے گی، جس کو قرآنِ حکیم جگہ جگہ ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ جیسے کلماتِ کریمہ اور ﴿کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ﴾ جیسے ارشاداتِ عالیہ سے واضح کرتا ہے ۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وَھُوَ الْھَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۔ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ ۔ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ۔

❀❀❀❀

❀❀

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۗ

(ایمان والو! یادرکھو کہ) تم نیکی میں کمال ہرگز حاصل نہ کرسکو گے، یہاں تک کہ تم (اللہ کی راہ میں) اپنی ان چیزوں میں سے خرچ

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ

نہ کرو جن کو تم (اپنے لئے پسند کرتے اور) محبوب رکھتے ہو ۱۸۷ اور یوں جو بھی کچھ تم خرچ کروگے تو (حسب حال اس کا اجر پاؤ گے

الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ

کہ) بے شک اللہ اس کو پوری طرح جانتا ہے ۱۸۸ کھانے کی سب ہی چیزیں (جو شریعتِ محمدیہ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے

۱۸۷ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ کرنے کی تعلیم و تلقین: - کہ اس محبوبِ حقیقی کی بارگہِ اقدس واعلیٰ میں رسائی اور باریابی سے مشرف ہونے کا طریقہ اور تقاضا یہی ہے کہ محبوبِ مجازی کو اگر سب نہیں تو اس کا کچھ تو اس کے لئے قربان کرو۔ اور بصد شوق و رغبت قربان کرو۔ تاکہ اس طرح تم سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہو سکو۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذَالِكَ۔ سو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ کرنا چاہیئے تاکہ اسکی رضاء و خوشنودی حاصل ہوسکے۔ وباللہ التوفیق۔ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو حضرتِ ابراہیم اور دوسرے تمام انبیائے کرام کی وراثت کا تنہا اجارہ دار سمجھتے تھے۔ لیکن راہِ حق میں اور حضرتِ ابراہیم اور دوسرے انبیائے کرام کی پیروی میں کچھ خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے جب کہ حضرتِ ابراہیم نے اپنے رب کی رضاء وخوشنودی کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی شاندار اور عظیم الشان مثال قائم کی تھی۔ سو اس ارشادِ ربانی سے ان لوگوں کے اسی زعمِ باطل پر ضرب لگائی گئی کہ خداوندِ قدوس کی محبت و وفاداری کا مقام محض زبانی کلامی دعووں اور کچھ رسموں کے ادا کرنے سے نہیں حاصل ہوسکتا، بلکہ اس کے لئے قربانی کی ضرورت ہے اور وہ بھی اپنی محبوب چیزوں سے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ بکل حال من الاحوال

۱۸۸ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ جو بھی کچھ خرچ کرو کے اللہ اس کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو اس کو معلوم ہے کہ کس نے کتنا اور کیا خرچ کیا۔ اور کس نیت سے اور کہاں خرچ کیا۔ اسی کے مطابق وہ ہر کسی کو اس کے اس اجر وثواب سے نوازے گا جس کا وہ اپنے ارادہ ونیت اور صدق وصفا کی بناء پر مستحق ہوگا۔ تاکہ اس طرح عدل وانصاف کے تقاضوں کی تکمیل ہوسکے۔ پس تم ہمیشہ اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح رکھو۔ وہ تمہاری نیت اور عمل کے مطابق ہی تم کو نوازے گا، اور کسی کا بھی حق نہیں مارا جائے گا، بلکہ وہ اصل استحقاق سے بھی کہیں بڑھ کر نوازے گا کہ اس کی تو شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ ہر کام اپنی رضاء کے مطابق کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ

لئے بھی حلال تھیں، بجز ان کے جن کو اسرائیل (یعقوب) نے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا ف۱۸۹ قبل اس سے کہ تورات نازل کی جاتی

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

(ان سے) کہو کہ اچھا تو لاؤ تم لوگ تورات کو، اور پڑھ کر سناؤ اسے، اگر تم واقعی سچے ہو (اپنے دعویٰ میں،) ف۱۹۰

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

پھر جو کوئی اس (واضح اور فیصلہ کن بات) کے بعد بھی اللہ پر جھوٹ باندھے، ف۱۹۱ تو ایسے لوگ بڑے ظالم (اور ڈھیٹ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ قف

و بے انصاف) ہیں ف۱۹۲ کہو اللہ نے (حق اور) سچ بیان فرما دیا، سو اب تم (بھی اے یہود، مسلمانوں کی طرح) پیروی کرو ملت ابراہیمی کی ف۱۹۳

۱۸۹ حضرتِ یعقوب کی بعض خاص تحریمات کا ذکر: ۔ سو اس سے حضرتِ یعقوب کی طرف سے بعض خاص چیزوں کی تحریم کا ذکر فرمایا گیا ہے جن کو انہوں نے از خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا نذر کے طور پر۔ روایات کے مطابق حضرتِ یعقوب ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ تو آپ علیہ السلام نے نذر مانی کہ اگر مجھے اس تکلیف سے شفاء مل جائے تو میں ایسی چیز کا استعمال کرنا چھوڑ دونگا جو مجھے سب سے زیادہ مرغوب و محبوب ہوگی۔ تو اپنی اس نذر کے ایفاء کیلئے آپؑ نے اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا ترک فرما دیا تھا۔ بعد میں آپؑ کی اولاد نے بھی اسی طریقہ کو اپنا لیا۔ ورنہ اللہ پاک نے ان پر ان چیزوں کو حرام نہیں فرمایا تھا۔ پس یہود کا یہ کہنا کہ یہ چیزیں حضرتِ ابراہیم ۔علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے زمانے سے حرام چلی آ رہی ہیں، بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ اور حضرتِ یعقوب کا یہ فعل اپنے رب کی عبادت اور اس کی رضاء و خوشنودی کے حصول کیلئے تھا۔ (محاسن التاویل، المعارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ اور یہ آپؑ کا ایک شخصی معاملہ تھا نہ کہ کوئی شرعی حکم۔ سو اس بناء پر یہودِ بے بہبود کا دینِ حق پر اعتراض کرنا ان لوگوں کے اپنے زیغ طبع اور فسادِ نیت کا ثبوت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۱۹۰ پیغمبر کے ایک معجزے کا ثبوت: ۔ سو اس سے نبی اکرم ﷺ ۔ کی صداقت و حقانیت کا ایک کھلا ثبوت اور واضح معجزہ سامنے آتا ہے، کہ یہود کو چیلنج کیا گیا کہ لاؤ تم تورات کو اگر تم سچے ہو۔ مگر اس کھلے چیلنج کے جواب میں وہ تورات سے کوئی ثبوت اس کا پیش نہ کر سکے۔ سو اس طرح یہ نبی اکرم ﷺ ۔ کی صداقت و حقانیت کا ایک اور کھلا ثبوت ہو گیا کہ آپؐ نے باوجود اسکے کہ تورات پڑھی نہیں تھی اور آپؐ امی محض تھے کسی سے لکھنا پڑھنا آپؐ نے کبھی نہیں سیکھا تھا مگر اس کے

وقف جبریل علیہ السلام

باوجود ان لوگوں کو اس طرح صاف وصریح چیلنج کیا اور وہ اسکے جواب سے عاجز آ گئے۔ سو یہ آپ کی صداقت وحقانیت کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ کہ آپ جو کچھ کہتے فرماتے ہیں وہ سب وحی کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور وہ حق اور سچ ہوتا ہے۔ کیونکہ وحی کے سوا آپ کیلئے اس علم ومعرفت سے سرفرازی کیلئے دوسرا کوئی ذریعہ ووسیلہ نہیں تھا۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۱۹۱ افتراء علی اللہ سب سے بڑا ظلم - والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ افتراء علی اللہ یعنی اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ سو جو اللہ پر اس طرح کا جھوٹ باندھے اور کہے کہ نہیں صاحب یہ چیزیں تو پہلے سے ہی حرام چلی آ رہی تھیں اور اللہ نے ان کو حضرتِ ابراہیم وغیرہ پر حرام فرمایا تھا وغیرہ۔ اور استفہام ظاہر ہے کہ انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ سو اللہ پر جھوٹ باندھنا سب سے بڑا ظلم اور ایسا شخص سب سے بڑا ظالم ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ، وَ سُوْءٍ وَّ اِنْحِرَافٍ- سو جو چیزیں ملتِ ابراہیمی میں حرام نہیں تھیں ان کو حرام قرار دے کر ملتِ ابراہیمی میں شامل کرنا اللہ پر افتراء باندھنا ہے جو کہ ظلمِ عظیم ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - پس عقل ونقل کا تقاضا ہے کہ اس طرح کی ہر بات سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

۱۹۲ حق سے منہ موڑنے والے ظالم - والعیاذ باللہ: - کہ حق کے اس طرح واضح ہو جانے کے بعد، اور اپنی اس عجز و درماندگی کے باوجود، یہ لوگ قبولِ حق سے انکاری ہیں۔ اور اللہ کے نبی پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ سو حق سے منہ موڑ کر اور اس کا انکار کر کے انہوں نے بڑے ظلم کا ارتکاب کیا، جس کے نتیجے میں ان کو دوزخ کی دہکتی بھڑکتی آگ کا مزہ چکھنا اور اس میں جلتے رہنا ہوگا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف حق سے منہ موڑنا اور اللہ پر افتراء باندھنا بڑا ظلم ہے اور اس کے مرتکب بڑے ظالم اور محروم لوگ ہیں- اور ایسے لوگ اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی، اور وہ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن کر خسران مبین میں مبتلا ہوتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس وادراک بھی نہیں ہوتا جو کہ خساروں کا خسارہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین۔

۱۹۳ ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم وارشاد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بس تم پیروی کرو ابراہیم کی ملت کی کہ یہی راہِ حق وصواب اور طریقِ فوز وفلاح ہے۔ اور فطرت کی پکار اور فطری تقاضوں کی تکمیل اور ان کے عین مطابق ہے۔ اور اسی کو اب تمہارے سامنے دینِ حنیف کی روشن تعلیمات کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اب تمہارے لیے صحت وسلامتی کی راہ یہی اور صرف یہی ہے۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ورنہ تمہارے لیے دارین کی ہلاکت وتباہی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ جو کچھ تم لوگ کہہ رہے ہو یہ محض اللہ تعالیٰ پر ایک بہتان ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہی حق اور سچ ہے۔ پس تم لوگ اپنے خود ساختہ اضافوں کو چھوڑ کر اصل ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو جس کی دعوت تم کو یہ دینِ حق دے رہا ہے، کہ حضرتِ ابراہیم بالکل راہِ حق پر اور بالکل یکسو تھے۔ ان کو یہود ونصاریٰ اور مشرکین میں سے کسی سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ ہوسکتا تھا- وہ خالص راہِ حق اور دینِ فطرت پر تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ

جو کہ (سب سے کٹ کر) ایک ہی کے ہوگئے تھے، اور ان کو کوئی لگاؤ نہیں تھا مشرکوں سے ۱۹۴ بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ

کے لئے (روئے زمین پر اللہ کی عبادت و بندگی کے لئے) مقرر کیا گیا، وہ وہی ہے جو کہ مکہ میں ہے، جو کہ خیر و برکت کا مرکز، اور ایک

بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌ

عظیم الشان نشانِ ہدایت (اور مینارۂ نور) ہے، سب جہان والوں کیلئے ۱۹۵ اس میں (حق و صداقت کی) کھلی نشانیاں بھی ہیں، (اور خاص کر)

۱۹۴ حضرت ابراہیم ہر قسم کے شرک سے بری و بیزار:- سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ حضرتِ ابراہیم کا مشرکوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ وہ خالص دینِ فطرت اور توحید پر تھے، پس یہود و نصاریٰ میں سے کسی کا بھی ان کے اِتباع کا دعوٰی کرنا اور دم بھرنا درست نہیں کہ یہ دونوں گروہ شرک کی آلائشوں سے ملوث ہیں، کہ یہود نے حضرتِ عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور نصاریٰ نے حضرتِ مسیح کو۔ اور مشرکینِ مکہ جو اولادِ ابراہیم اور ان کے جانشین ہونے کا زعم رکھتے، اور دعوٰی کرتے تھے، وہ تو اس سے اور بھی دور ہیں، کہ ان کا تو کاروبار ہی شرک کی ترویج تھا، اور انہوں نے اللہ کے اس گھر کو بھی شرک کا اڈہ بنا دیا تھا، اور اس میں انہوں نے تین سو ساٹھ بت رکھ دیئے تھے، جس کی تعمیر و تاسیس ہی توحید کے لئے ہوئی تھی، اور اس کو توحید کے ایک عالمی اور پاکیزہ مرکز کے طور پر بنایا گیا تھا۔ اسکو انہوں نے اپنی اس طرح کی شرکیات سے آلودہ کر دیا تھا۔ لہٰذا یہود، نصاریٰ اور مشرکینِ مکہ کا حضرتِ ابراہیم کے پیروکار ہونے کا دعوٰی سراسر جھوٹ اور حقائق کے برعکس ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بكل حالٍ من الاحوال فى الحياة،

۱۹۵ دنیا کا سب سے پہلا خانۂ خدا مکہ مکرمہ میں:- جس کو "بیت اللہ" اور خانہ کعبہ کہا جاتا ہے، جو کہ مسجدِ حرام کے عین وسط میں واقع ہے، جس میں کہ دن رات کے ہر حصے میں لگاتار اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہوتی رہتی ہے، اور جس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے، جس کے گرد اللہ کی محبت میں اور اس کی رضاء کے حصول کیلئے ہر وقت طواف ہوتا رہتا ہے، جو ساری دنیا کیلئے قبلۂ عبادت، خانۂ ہدایت، رمز و نشانِ توحیدِ خداوندی، فوز و فلاحِ دارین کا ھادی و رہنما، مہبطِ انوارِ وحیِ سماوی، اور مرکزِ خیرات و برکات ہے۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِىْ لَا حَدَّ لِجُوْدِهٖ وَكَرَمِهٖ وَلَا نِهَايَةَ لِفَضْلِهٖ وَاِحْسَانِهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى - سو یہی وہ قبلۂ عبادت ہے جس کو پوری روئے زمین پر سب سے پہلے حضرتِ معبودِ برحق کی عبادت و بندگی کیلئے بنایا گیا جس کو حضرتِ ابراہیم اور اسماعیل نے تعمیر کیا تھا۔ علیٰ نبینا و علیھما الصلوٰۃ والسلام۔ اسی کی طرف امام الانبیاء حضرتِ محمد ﷺ اپنا رخ کیا کرتے تھے اور اسی کی طرف آپ کی امت اب تک رخ کرتی ہے۔ سو یہ ایک کھلا اور واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ حضرتِ امام الانبیاء محمدؐ اور آپؐ کی امت ہی ملتِ ابراہیمی پر قائم اور آپ کے سچے پیروکار ہیں، جبکہ مسجدِ اقصیٰ کو خانہ کعبہ کے صدیوں بعد حضرتِ سلیمان نے تعمیر کیا تھا، ۱۰۰۵ قبل مسیح میں (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو قبلۂ اول خانہ کعبہ ہی تھا اور ہے۔

بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

مقامِ ابراہیم بھی ہے۱۹۶ اور (اس کی عظمت شان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ) جو اس (کی حدود) میں داخل ہو گیا وہ امن والا ہو گیا ۱۹۷ اور لوگوں کے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ

ذمے اللہ (کی رضا) کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض (ولازم) ہے، یعنی (ان میں سے) ہر ایسے شخص کے ذمے جو اس تک پہنچنے

سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

کی استطاعت رکھتا ہو، اور جس نے انکار کیا ۱۹۸ تو (اس نے یقیناً اپنا ہی نقصان کیا کہ) بے شک اللہ بے نیاز ہے تمام جہان والوں سے ۱۹۹

۱۹۶ مقام ابراہیم سے مقصود و مراد؟:- یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر آنجناب ''بیت اللہ'' کی تعمیر فرماتے تھے، اور جس پر آپ کے قدم مبارک کے نشان پڑ گئے تھے جو بعد میں لوگوں کے ہاتھوں کے چھونے کے باعث مٹ گئے تھے۔ (حاشیہ بیضاوی بحوالہ معارف القران للکاندھلویؒ)۔ اور یہ پتھر بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ موجود تھا جسکو بعد میں حضرتِ عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں وہاں سے مشرقی جانب میں پیچھے ہٹا لیا تھا تاکہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کیلئے دشواری نہ ہو۔ (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہرکیف مقام ابراہیم کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم کا یہ ایک قول ہے۔ جبکہ اس بارے میں دوسرا قول کچھ حضراتِ اہلِ علم کا یہ ہے کہ اس سے پوری ارضِ حرم مراد ہے جسکو حضرتِ ابراہیم نے اپنا مستقر و مقام قرار دیا تھا۔ اور یہ قول حضرتِ ابنِ عباسؓ، مجاہدؒ اور عطاء جیسے حضرات سے مروی ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے مختلف دلائل کی بناء پر اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔

۱۹۷ بیت اللہ میں داخل ہونے والے کے لیے امن وامان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بیت اللہ میں داخل ہونے والا امن وامان سے سرفراز ہو گیا۔ قتل وخونریزی، اور ہر طرح کی دست درازی سے۔ اب اس کو کوئی چھیڑ نہیں سکتا۔ اس مقدس گھر کی یہ عظیم الشان اور گہری عقیدت وعظمت لوگوں کے دلوں میں ایسی راسخ تھی کہ نورِ اسلام کے طلوع سے قبل زمانۂ جاہلیت کی خانہ جنگیوں کے دور میں بھی لوگ اس کے قائل اور ماننے والے تھے۔ اور وہ بیت اللہ میں پناہ لے لینے والے کو کسی طرح چھیڑتے نہیں تھے۔ اسی لئے اللہ پاک - سبحانہٗ وتعالیٰ - نے اپنی کتابِ حکیم میں مشرکینِ مکہ پر اپنا یہ کرم اور احسانِ عظیم یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ الآیۃ [العنکبوت۔ ۶۷] یعنی ''کیا ان لوگوں نے کبھی اس امر میں غور نہیں کیا کہ کس طرح ہم نے اس مقام کو امن والا

حرم بنا دیا (جہاں یہ لوگ امن و امان سے رہتے ہیں) جبکہ انکے آس پاس کے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔''
والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۹۸ ''وَمَنْ كَفَرَ'' کا معنیٰ و مطلب؟:۔ یعنی جس نے انکار کیا ''بیت اللہ'' کے قبلہ اول ہونے کا یا حج کی فرضیت کا۔ اور کفر سے مراد بھی عام ہے کہ وہ کفر جحود و انکار ہو، یا کفرانِ نعمت و ناشکری۔ کیونکہ جس نے بھی کفر کیا اور جس نوعیت اور شکل کا بھی کفر کیا، اس نے یقیناً اپنا ہی نقصان کیا، کہ اللہ تو سب دنیا جہان سے بے نیاز ہے اور ہر طرح سے بے نیاز ہے۔ سو جو ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ اپنا ہی بھلا کرے گا۔ نہیں تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ سو ایسے شخص کا ایمان نہ ہونے کے برابر ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو زندگی میں ایک مرتبہ اس گھر کی زیارت اور اس کا حج فرض ہے۔ اس کے بعد تو اپنی، لیکن اسکی خیرات و برکات اتنی عظیم الشان ہیں کہ ان کا کوئی بدل ممکن نہیں اللہ محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۱۹۹ حقِ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے اس حقیقت کی تصریح فرما دی گئی کہ اللہ سب جہان والوں سے بے نیاز ہے اور ہر اعتبار سے غنی و بے نیاز ہے۔ پس نہ کسی کے ایمان و اطاعت سے اس کی خدائی میں ذرہ برابر کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، اور نہ کسی کے کفر و انکار اور معصیت و نافرمانی سے اس کا کسی طرح کا کوئی نقصان ممکن ہے۔ یہ سب کچھ انسان اپنے ہی بھلے یا برے اور نفع یا نقصان کیلئے کرتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّ شَرٍّ'' اور حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا کہ اگر ساری دنیا بھی (خدانخواستہ) کفر پر جمع ہو جائے تو اس سے خدا کی خدائی میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور اگر ساری دنیا ایمان پر جمع ہو جائے تو اس سے خدا کی خدائی میں ذرہ برابر کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ حجت تمام کر دینے کے بعد اس بات سے بے پرواہ ہو جاتا ہے کہ کون کفر کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون ایمان کی۔ کہ وہ بہرحال سب سے بے نیاز ہے۔ اور کفر و اسلام اور حق و باطل کی راہوں میں سے جو بھی راہ کوئی اختیار کرے گا اسکے نفع و نقصان کا تعلق خود اسی شخص سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہرحال سب سے غنی و بے نیاز ہے۔ اس لئے اس نے ایمان یا کفر کی راہ کو اپنانے کا معاملہ انسان کے اپنے ارادہ و اختیار پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جس کی مرضی ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ ظالموں کے لئے ہم نے ایک بڑی ہی ہولناک آگ تیار کر رکھی ہے جسکی قناتوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے (الکہف۔ ۲۹) وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ

(ان سے) کہو کہ اے کتاب والو! تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا،

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ

حالانکہ اللہ گواہ ہے تمہارے ان سب کاموں پر جو تم لوگ کرتے ہو ف۲۰۰ کہو (ان سے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہ)

الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

اے کتاب والو، تم کیوں روکتے ہو، اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو جو (برضاء و رغبت) ایمان لاتے ہیں، ف۲۰۱

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ

(اور اس غرض کے لئے) تم لوگ اس (سیدھی اور واضح راہ) میں کجی ڈھونڈتے ہو، ف۲۰۲ حالانکہ تم خود گواہ ہو ف۲۰۳ اور اللہ غافل

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

(وبے خبر) نہیں، ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو،

اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ

اگر تم نے بات مان لی ان لوگوں میں سے ایک گروہ کی جن کو کتاب دی گئی ہے، تو وہ یقیناً تمہیں

۲۰۰ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاد دہانی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ گواہ ہے تمہارے ان تمام کاموں پر جو تم لوگ کرتے ہو۔ پس تمہارا کوئی بھی قول و فعل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا، اور تمہیں اس وحدہٗ لاشریک کے حضور حاضر ہو کر اپنے کئے کرائے کا جواب دینا اور بھرپور صلہ و بدلہ پانا ہے۔ پس ہر کوئی اپنا معاملہ خود دیکھ لے اور اپنے بارے میں خود غور و فکر کرلے کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اس وحدہٗ لاشریک کے یہاں وہ کس صلہ و بدلہ کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ۔ بہرکیف اس میں اہل کتاب کو زجر و ملامت ہے کہ تم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور تمہیں اپنے کئے کا بھگتان بھگتنا پڑے گا۔ سو اپنی روش کی اصلاح کرلو قبل اس سے کہ اسکی گرفت میں آجاؤ اور پھر اس سے خلاصی کی کوئی صورت ممکن نہ رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید۔ بکل حال من الاحوال،

۲۰۱ راہ حق سے روکنے کی سنگینی اور اسکی ممانعت کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو

اللہ کی راہ سے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔ سو اہلِ کتاب سے کہو کہ تم دوسروں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو اور اس طرح تم خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بہکانے، بھٹکانے اور گمراہ کرنے کے دوہرے جرم کا ارتکاب کرتے ہو، اور اپنے لئے ڈبل عذاب کا سامان کرتے ہو۔ اور تم نہیں سمجھتے کہ اس طرح تم لوگ خود اپنا ہی نقصان اور کس قدر بڑا نقصان کرتے ہو کہ اللہ کی سیدھی راہ سے روکنا بڑی ہی محرومی اور ہولناک خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ پس تم لوگ باز آجاؤ اللہ کے راستے سے روکنے کے اس سنگین جرم سے، کہ اس میں خود تمہارا بھلا ہے، نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہو گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین

۲۱۲ سیدھی راہ میں کجی ڈھونڈھنا ایک یہودی ہتھکنڈا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کیوں کجی ڈھونڈتے ہو سیدھی راہ میں۔ پس تم لوگ سیدھی راہ میں کجی مت ڈھونڈو طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے، جس سے عام اور سادہ لوح قسم کے لوگ دھوکہ کھا کر شک اور تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سو سیدھی راہ میں کجی ڈھونڈھنا ایک قدیم یہودی ہتھکنڈا ہے جس سے اہلِ باطل آج تک کام لے رہے ہیں۔ اور اس طرح وہ سادہ لوح عوام کو راہِ حق و ہدایت سے محروم کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہر کیف یہود کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے راہِ حق مل گئی ہے تم لوگ ان کو شکوک و شبہات میں ڈال کر گمراہ کرنا اور سیدھی راہ سے پھیرنا چاہتے ہو۔ سو تم باز آجاؤ اپنی اس روش سے ورنہ تمہارا جرم دوگنا ہو جائے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین

۲۱۳ راہِ حق سے روکنے کی سنگینی کے ایک خاص پہلو کا ذکر:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق کا گواہ ہونے کے باوجود حق سے روکنا ایک سنگین جرم ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس بارے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ غافل و بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ بس تم لوگوں کو اپنے کیے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ سو تم گواہ تھے اس بات کے، کہ یہ راستہ حق و صواب کا راستہ ہے، جو کہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اس تک پہنچانے والا ہے۔ اس میں کسی کجی اور ٹیڑھ کا کیا سوال؟ اور اللہ غافل و بے خبر نہیں تمہاری ان چکر بازیوں سے جو تم لوگ راہِ حق سے روکنے کیلئے کرتے ہو۔ پس نہ تو تمہاری کوئی چکر بازی اور دھوکہ دہی اس سے مخفی و پوشیدہ رہ سکتی ہے، اور نہ ہی تم اس کی گرفت اور پکڑ سے بچ سکتے ہو۔ سو حق کے گواہ ہونے کے باوجود راہِ حق سے روکنا ایک بڑا ہی ہولناک اور سنگین جرم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ کیونکہ جو راستے کے اوپر راہبر و راہنما بن کر کھڑا ہو، وہی اگر راہزن اور ڈاکو بن جائے، اور وہ راہنمائی کی بجائے راہزنی کا پیشہ اختیار کر لے تو پھر اس سے بڑھ کر مجرم اور کون ہو سکتا ہے۔ اور تمہیں اس کے باوجود ڈھیل ملی ہوئی ہے۔ اس سے کبھی دھوکے میں نہیں پڑنا کہ اللہ تمہارے کرتوتوں سے غافل و بے خبر نہیں بلکہ وہ تمہاری ایک ایک حرکت سے واقف و آگاہ ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور تمہارے کیے کرائے کا سب ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اٰمین ثم اٰمین

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ

تمہارے ایمان کے بعد (راہ حق سے) پھیر کر کافر بنا دیں گے ف۲۰۴ اور تم کیسے کفر کرتے ہو جب کہ

اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط

تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں، ف۲۰۵ اور تمہارے اندر موجود ہے اس کا رسول، ف۲۰۶

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

اور (یاد رکھو کہ) جس نے مضبوطی سے تھام لیا اللہ (کی رسی) کو، ف۲۰۷ تو وہ یقیناً سرفراز ہو گیا سیدھی راہ کی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

ہدایت سے، ف۲۰۸ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، ڈرو تم اللہ سے، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا

تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوْا

حق ہے، ف۲۰۹ اور تمہیں موت نہ آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو، ف۲۱۰ اور مضبوطی سے تھام لو تم

بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

لوگ اللہ کی رسی کو، ف۲۱۱ سب مل کر، اور آپس میں مت بٹو ٹکڑیوں میں ف۲۱۲ اور یاد کرو اللہ کے اس (عظیم الشان انعام و) احسان کو جو اس نے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ

تم پر فرمایا، جب کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے باہم جوڑ دیا تمہارے (پھٹے ہوئے) دلوں کو ف۲۱۳

۲۰۴ دشمن کی شرانگیزیوں سے ہوشیار و محتاط رہنے کی تعلیم و تلقین:- سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے اس بارے میں تنبیہ فرمائی گئی کہ اگر تم نے اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لی جو کہ تم پر حسد کی آگ میں جل رہا ہے، اور تمہارا راہِ حق پر قائم رہنا اس کو گوارا نہیں، تو وہ تمہیں تمہارے ایمان سے پھیر کر کافر بنا دیگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - پس تمہیں ان سے ہر حال میں ہوشیار رہنا ہوگا۔ روایات کے مطابق شماس بن قیس نامی ایک یہودی نے، جو کہ اسلام اور مسلمانوں سے حد درجہ حسد اور بغض رکھتا تھا، ایک دفعہ انصار کے ایک مجمع میں یہ دیکھ کر جل گیا کہ اوس اور خزرج کے وہ دونوں قبیلے جو کہ اسلام سے قبل آپس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے، اور ان کے درمیان طویل جنگیں بھی ہو چکی تھیں، نورِ اسلام کی رحمت و برکت سے وہ اب آپس میں اس طرح شیر و شکر ہو گئے ہیں۔ اور اسلام کی انقلاب

آفریں تعلیمات کی یہ تاثیر و برکت اسے ایک آنکھ نہ بھائی، تو اس نے ان کے درمیان شرانگیزی پھیلانے کے لئے ان کو جنگِ بعاث وغیرہ کی خونریزی کی یاد دلائی۔ اور اس دور کے کچھ اشعار ان کو سنائے، جس سے ان کے درمیان فتنے اور فساد کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں، اور ان دونوں گروہوں نے اپنی اپنی تلواریں اٹھالیں، اور وہ لڑنے اور مرنے مارنے کیلئے تیار ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تشریف لا کر ان کو سمجھایا کہ یہ کیا حرکت ہے جس پر تم لوگ آمادہ ہو گئے ہو؟ اس کے بعد کہ تم کو اللہ نے نورِ ہدایت سے سرفراز فرما دیا، اور اسلام کی حقیقی اور سچی عزت سے تم کو نواز دیا، اور جبکہ میں بذاتِ خود تمہارے درمیان موجود ہوں۔ تو اس پر وہ سب حضرات ٹھنڈے پڑ گئے، اور انہوں نے اپنے غصے تھوک دیئے، اور سمجھ گئے کہ یہ سب شیطانی اکساہٹ کا نتیجہ تھا۔ اپنے کئے پر وہ نادم ہوئے اور پھر آپس میں بغل گیر ہو گئے تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس میں انکو خبردار کیا گیا اور دشمن کی شرانگیزی سے ہوشیار و محتاط رہنے کی تلقین فرمائی گئی۔ کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کی تاک میں رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین

۲۰۵ کفر و انکار کی گنجائش کی نفی: ۔ سو کفر و انکار کی نفی کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہاری اندر اس کا رسول بھی موجود ہے۔ یعنی ایسے میں تمہارے لیے کفر و انکار کی کوئی گنجائش نہیں، استفہام یہاں پر تعجب و انکار کیلئے ہے، کہ جب کفر کے دواعی و اسباب منتفی اور حق پر ثابت قدمی کے اسباب پوری طرح موجود ہیں، تو پھر تمہارے لئے کفر و انکار کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ پس تم لوگوں کو کفر و انکار کے شوائب سے ہمیشہ بچ کر رہنا چاہیئے اور نورِ ایمان و یقین سے سرفرازی پر دل و جان سے اپنے خالق و مالک کا شکر ادا کرنا چاہیئے تاکہ اس طرح خود تمہارا اپنا بھلا ہو، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ آج جب اللہ کی آیتیں تم لوگوں کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں اور اللہ کا رسول تمہارے اندر موجود ہے تو پھر بھی تم اگر کفر و انکار کی راہ پر چلو گے تو یہ تمہاری انتہائی بدبختی ہوگی اور اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ تم نے پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی ہے اور تم جان کر کھڈے میں گر رہے ہو۔ اور تم نے اپنے لئے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۲۰۶ "وفیکم رَسُوْلُهٗ" کا معنیٰ و مطلب؟: ۔ یعنی یہ کہ اس وقت اللہ کے رسول بنفسِ نفیس خود ان کے اندر موجود تھے۔ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ۔ پس اہلِ بدعت کا اس آیتِ کریمہ کے ان الفاظِ شریفہ سے حاضر و ناظر کے اپنے شرکیہ عقیدے کیلئے دلیل کشید کرنے کی کوشش کرنا باطل و مردود ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اس خاص واقعہ سے ہے جیسا کہ روایات میں وارد اور مذکور و موجود ہے۔ نہ کہ ہمیشہ کے لئے۔ بلکہ آئندہ اور ہمیشہ کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی عظیم الشان اور بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جب تک تم نے ان کو اپنائے اور تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہوؤ گے، ایک اللہ کی کتاب اور ایک میری سنت۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں بذاتِ خود تمہارے درمیان ہمیشہ موجود رہوں گا۔ کہ ہمیشہ اور ہر جگہ حاضر و موجود ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اور اسکی کسی بھی صفت میں کسی اور کو شریک قرار دینا شرک ہے۔ جو کہ ظلم عظیم ہے العیاذ باللہ العظیم

۲۰۷ اعتصام باللہ کا معنیٰ و مطلب؟: - اعتصام کے اصل معنیٰ ہیں تھامنے اور مضبوط پکڑنے کے۔ سو اللہ کو مضبوط پکڑنے سے مراد اسکی کتاب کو مضبوط پکڑنا ہے اس پر سچا پکا ایمان لاکر۔ اس کے اَحکام واَوامر کی تعمیل و پیروی کر کے اور اس وحدہٗ لاشریک پر دلی بھروسہ اور اعتماد کر کے کہ معبود برحق بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور اس پوری کائنات کا خالق و مالک بھی وہی۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اللہ کے اَحکام و ہدایات اور اس کی کتاب کی مقدس تعلیمات پر مضبوطی سے قائم رہنا اور نرم و گرم ہر طرح کے حالات میں مخالفت وموافقت سے بے نیاز ہو کر ان کو اپنائے رکھنا اعتصام باللہ ہے اور یہی طریقہ ہے جادۂ استقامت پر استوار اور ثابت قدم رہنے کا- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق، لما يحب و يريد، وعلى ما يحب و يريدو بهِ العصمة من كل زيغ و زلل-

۲۰۸ سیدھی راہ سے سرفرازی کی خوشخبری: - سو اس ارشاد میں اللہ کی رسی یعنی قرآنِ حکیم کو مضبوطی سے تھامنے والوں کیلئے سیدھی راہ سے سرفرازی کی خوشخبری ہے۔ ایسی سیدھی راہ جو کہ دارَین کی سعادت و کامیابی اور حقیقی فوز و فلاح کی کفیل وضامن ہے۔ جو کہ حق وصواب کی امین و پاسدار ہے۔ اور جو کہ سرفراز کرنے والی ہے انسان کو اپنے رب کی رضا وخوشنودی اور جنت کی سدابہار اور ابدی نعمتوں سے- اللہ اپنے کرم سے سرفراز فرمائے- آمین ثم آمین یارب العالمین۔ سو اعتصام بکتاب اللہ راہِ حق و ہدایت سے سرفرازی، اور اس پر استقامت و ثابت قدمی دشمنوں کی شرانگیزیوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ پس اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات اور اس کی ارشاد فرمودہ ہدایت کو حرزِ جاں بنایا جائے اور تمام مشکلوں اور مخالفتوں کے باوجود اس کو مضبوطی سے تھاما جائے- وباللہ التوفیق و هو الهادی الٰی سواء السبیل - اللہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے امین ثم امین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۲۰۹ حقِ تقویٰ کو اپنانے کی تعلیم وتلقین: - سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کا خوف وخشیت تمہارے دلوں میں رچا بسا ہو، اور تمہارا ہر عمل اس کا غماز اور آئینہ دار ہو۔ اس کے اوامر وارشادات کی تم دل وجان سے تعمیل کرو، اس کے فرائض بجالاؤ اور اس کے نواہی سے اجتناب کرو، کہ اس خالق و مالک کا یہ اپنے بندوں پر حق بھی ہے اور اس میں خود تم لوگوں کا اپنا بھلا بھی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے ابدی جہاں میں بھی۔ سو اس ارشاد سے اعتصام باللہ کی حقیقت واضح فرمادی گئی کہ اس کی اساس و بنیاد ہے اللہ سے ایسا ڈرنا جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہ تقویٰ اگرچہ مطلوب اسی حد تک ہے، جس حد تک بندے کی استطاعت ہو کہ بندے کی تکلیف اس کی استطاعت تک ہی ہوتی ہے اور تقویٰ کے بارے میں تو صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن-١٦] لیکن اللہ سے ڈرنے اور دوسروں سے ڈرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے اس بارے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے کیونکہ اس خالق و مالک کے اس بندوں پر جو حقوق ہیں وہ اور کسی کے نہ ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرے اس لئے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے جو حدود وقیود مقرر فرمائی ہیں وہ اور کسی نے نہ مقرر کی ہیں نہ کر سکتا ہے اور ان کا تمام تر فائدہ بندوں ہی کے لئے ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور ان کو توڑنے کی جو سزا مقرر

ہے وہ بھی تمامتر بندوں ہی کے فائدے کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے نہ نقصان۔ وہ ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ و بالا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - پھر تیسری طرف یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعمال کو دیکھتا اور ان پر مطلع ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دلوں کی کوئی حالت و کیفیت بھی کسی طرح اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اور چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ کی پکڑ جیسی پکڑ اور کسی کی نہیں ہوسکتی- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اسی بناء پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے ڈرنے کے یہ تمام پہلو جب تک کسی کے پیشِ نظر نہ ہوں وہ خدا سے ڈرنے کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائیکہ وہ اس کا حق ادا کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۲۱۰ ہمیشہ ایمان واطاعت پر قائم رہنے کی تعلیم وتلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو موت نہ آنے پائے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ یعنی تم لوگ ہمیشہ ایمان واطاعت کی شاہراہ پر قائم اور گامزن رہو، تاکہ جب بھی تمہاری موت کا وقت آئے تو تم ایمان واطاعت کی حالت ہی میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردو، سو ﴿لَا تَمُوْتُنَّ﴾ کی نہی کا تعلق درحقیقت موت سے نہیں کہ وہ تو انسان کے اپنے بس اور اختیار میں ہے ہی نہیں۔ اور جو چیز اپنے بس اور اختیار سے باہر ہو اس سے روکنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس نہی کا تعلق دراصل اس امر سے ہے کہ تم کبھی بھی اسلام کے علاوہ کسی اور حالت پر نہیں رہنا تاکہ جب بھی تمہاری موت آئے تو ایمان واسلام کی پاکیزہ حالت ہی پر آئے۔ کیونکہ اگر اس طرح خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو تم کامیاب ہوگئے۔ جیسا کہ مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ''مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ'' یعنی ''جس کا آخری کلام (مرتے وقت کا) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کلمۂ توحید ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگیا''۔ اسی لئے فرمایا گیا ''اِنَّمَا الْعِبْرَۃُ بِالْخَوَاتِیْمِ'' کہ ''اعتبار تو خاتمے کا ہے'' اور کسی کو کسی کے بارے میں بھی یہ یقینی علم نہیں ہوسکتا کہ اس کا خاتمہ کب اور کس طرح ہوگا۔ پس نہ تو کسی کو اپنی نیکی پر اترانا اور تکبر کرنا جائز ہے، اور نہ کسی دوسرے کی تحقیر و تذلیل کرنا، کہ پتہ نہیں کہ کس کا خاتمہ کس طرح ہوگا، تو اس مضمون کو ﴿لَا تَمُوْتُنَّ﴾ کے صیغہ سے اور اس انداز میں جو اداء فرمایا گیا تو اس لئے کہ یہ بلاغت کا ایک اہم اسلوب ہے، جس میں ایک ایسی تاثیر ہے جو اس کے بغیر ممکن نہیں۔ بہرکیف اس سے اہلِ ایمان کو اس اہم ہدایت سے نوازا گیا کہ وہ ہمیشہ ایمان واسلام پر رہنے کی کوشش کریں تاکہ جب بھی موت آئے وہ ایمان واسلام ہی کے خاتمے پر ہو- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وَعَلٰی مَایُحِبُّ وَیُرِیْدُ- سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی- اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے- اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۲۱۱ اللہ کی رسی سے مقصود ومراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ مضبوطی سے تھام لو اللہ کی رسی کو۔ یعنی اس کے دین، اور اس کی شریعت کو، جو کہ عبارت ہے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے، جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ - نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو ایسی عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم نے جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رکھا، تم کبھی گمراہ نہیں ہوؤ گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور ایک میری سنت۔ سو ان دونوں کو اپنی ڈاڑھوں سے اور مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ اسی طرح جن حضرات نے حبل اللہ سے اللہ کا عہد مراد لیا ہے، جیسا کہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۱۲ میں ارشاد فرمایا گیا ﴿اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ﴾ تو وہ بھی اسی میں داخل

ہے۔ یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے عموم میں۔ کیونکہ آل عمران کی اس آیتِ شریفہ میں بھی اللہ کے عہد سے مراد اس کا دین، اور اس کی شریعت ہی ہے۔ اور اللہ پاک۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ کے دین و شریعت اور اس کی کتاب سے تمسک کو "حبل اللہ" یعنی اللہ کی رسی سے تمسک و اعتصام کے ساتھ تعبیر فرمانے میں یہ بلاغت ہے کہ جس طرح مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ پاک کی اس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہلاکت و تباہی کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ پھر اللہ پاک کی یہ رسی اس قدر مضبوط ہے کہ اس کے ٹوٹنے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔ یہ چھوٹ تو سکتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ مگر ٹوٹ نہیں سکتی، جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا﴾ الآیۃ [البقرۃ:۲۵۶]۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا رب العالمین۔

۲۱۲ تفرق و انتشار سے ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپس میں مختلف ٹکڑیوں میں نہیں بٹ جانا کہ اللہ کی رسی کو چھوڑ کر الگ الگ گروپ بنالو۔ کہ اگر تم لوگوں نے اس طرح کیا تو تم ہلاکتوں کے گڑھوں میں گرتے اور اپنی تباہی کا سامان کرتے جاؤ گے، اور خداوندِ قدوس سے دور ہو کر ہمیشہ کیلئے مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے۔ والعیاذ باللہ۔ جبکہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے والے اس طرح کی ہر ہلاکت سے محفوظ رہیں گے، اور سیدھے خداوندِ قدوس کے جوارِ رحمت میں پہنچ کر ابدی سعادت و سرخروئی اور حقیقی کامیابی و کامرانی سے بہرہ ور و سرفراز ہونگے۔ سو بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ ۔ اور مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں میں مت بٹ جاؤ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۲۱۳ تالیفِ قلوب کے انعام کی تذکیر و یاددہانی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر فرمایا جبکہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے باہم جوڑ دیا تمہارے دلوں کو۔ سو اس قادرِ مطلق مالکِ مہربان نے تالیفِ قلوب کی اس عظیم الشان نعمت سے تم کو نوازا۔ اس دین و ایمان کی برکت سے، اور اس کی رحمتوں بھری اور انقلاب آفریں مقدس تعلیمات کے ذریعے۔ سو اپنے خالق و مالک کے اس عظیم الشان احسان کو یاد کر کے تم ہمیشہ اس کا شکر ادا کرو، اور دل و جان سے اسکے حضور جھکے رہو، کہ اس خالق و مالک کا تم لوگوں پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا ہی بھلا بھی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف تالیفِ قلوب کی یہ نعمت ایک عظیم الشان نعمت تھی جس سے اہلِ اسلام کو اس دور میں نوازا گیا تھا۔ سو نورِ اسلام سے پہلے عرب کا ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا۔ ان میں باہم خونریز جنگیں برپا رہتی تھیں۔ ان کی دیویاں دیوتا الگ اور ان کے اغراض و مفادات باہم متصادم تھے۔ لیکن نزولِ قرآن کی اس نعمتِ عظمیٰ کے بعد ان کو ﴿بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ﴾ کی اس بے مثال لڑی میں اس عمدگی سے پرو دیا گیا کہ جو ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے وہ آپس میں جگری دوست اور ایک دوسرے کے سچے خیر خواہ اور حقیقی غمخوار بن گئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اللھم الف بین قلوب المؤمنین وانصرھم علی اعدائک اعداء الدین۔ یا رب العالمین، ویا اکرم الاکرمین

فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ

پھر تم اس کے فضل وکرم سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اور تم لوگ کھڑے تھے دوزخ کے (ہولناک گڑھے کے) عین

مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ

کنارے پر ۲۱۴ تو اس نے بچالیا تم کو اس سے (اپنی رحمت بیکراں اور عنایت بے نہایت سے) ۲۱۵ اسی طرح اللہ بیان فرماتا ہے

۲۱۴ **ہدایت کی نعمت بے مثال کی تذکیر و یاددہانی:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جب تم لوگ دوزخ کے کنارے پر تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا یعنی حق سے محرومی اور اپنے کفر و باطل کی بناء پر تم لوگ بالکل دوزخ کے کنارہ پر کھڑے تھے، اور اس طرح کہ صرف مرنے کی دیر تھی، جونہی جان نکلی سیدھے دوزخ کے ہولناک گڑھے میں جا گرے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تو ایسے میں حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا تم لوگوں پر یہ کس قدر بڑا کرم و احسان ہوا کہ اس نے محض اپنی رحمت و عنایت سے، اس دینِ حق کے ذریعے اور اس نبیٔ برحق کو مبعوث فرما کر تم کو اس ہولناک عذاب اور برے انجام سے بچالیا - سو اس عظیم الشان نعمتِ خداوندی سے منہ موڑنا، اور اس کا انکار کرنا کس قدر ناشکری، کفرانِ نعمت اور ظلمِ عظیم ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ناشکری و کفرانِ نعمت کا عذاب بہت سخت ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا - اللہ تعالیٰ ناشکری اور کفرانِ نعمت سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین - سو حق و ہدایت کی نعمت سب سے بڑی نعمت ہے، جس پر دارین کی سعادت و سرخروئی کا مدار و انحصار ہے، فالحمدللّٰہ الذی شرفنا بھذہ النعمة

۲۱۵ **دوزخ سے نجات کا ذریعہ دینِ حنیف سے سرفرازی:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے تو خدائے رحمان و رحیم نے تم لوگوں کو بچالیا دوزخ کے اس ہولناک گڑھے سے اپنے اس دینِ حق کے ذریعے جس سے اس نے تم کو سرفراز فرمایا - اور نبیوں کے امام و پیشوا، اپنے اس آخری رسول کو تمہارے اندر مبعوث فرما کر، جس نے تمہیں کفر و شرک کی ان سب آلائشوں سے پاک و صاف کر دیا، جو دوزخ کی اس ہولناک آگ کی طرف کھینچنے والی ہیں - سو اس سے تم اندازہ کر لو کہ یہ دینِ حق اُس کی کتنی بڑی نعمت ہے جس سے اس واہبِ مطلق نے تم کو محض اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے - اور اس نبیٔ رحمت کا وجودِ مسعود کس قدر بڑا انعام ہے جس سے اس خالق و مالک نے تم کو سرفراز فرمایا ہے - سو دل و جان سے اس کی ان نعمتوں کی قدر پہچان کر کے تم اس کا شکر بجا لاؤ، تاکہ تمہارا دنیا و آخرت میں بھلا ہو، جو کہ صلہ و ثمرہ ہے شکرِ خداوندی کا - سبحانہٗ و تعالیٰ - سو دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ دینِ حنیف کی پیروی ہے اور بس - اس کے سوا باقی راہیں ٹیڑھی اور دوزخ کی طرف جانے والی ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر شکل و صورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ راہِ حق و صواب پر مستقیم و ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے - امین ثم امین

اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

تمہارے لئے اپنی آیتیں، تا کہ تم لوگ سیدھی راہ پر رہو ۲۱۶ اور تمہارے اندر ضرور ایسے لوگوں کی ایک جماعت رہنی چاہیئے، جو (دنیا

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

کو) نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم کرے، اور برائی سے

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

روکے، ۲۱۷ اور یہی لوگ ہیں فلاح (اور حقیقی کامیابی) سے سرفراز ہونے والے، ۲۱۸ اور (خبردار) کہیں تم

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو (مختلف فرقوں میں) بٹ گئے، اور وہ باہم اختلاف میں پڑ گئے ۲۱۹ اس کے بعد کہ آ چکی تھیں ان کے

۲۱۶ دینِ حق دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں تا کہ تم لوگ راہِ راست سے سرفراز ہوسکو، اور اس طرح تم دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز ہوسکو۔ سو دینِ حق سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور اس طرح تم ہلاکت و گمراہی کے گڑھوں سے بچ کر رہو۔ سو یہ دینِ حق دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و سرفراز کرنے والا دین ہے۔ اور اس دین کا اتارا اور بھیجا جانا سراسر تمہاری ہی بہتری اور بھلائی کے لئے ہے، اور اس دینِ حق سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کیونکہ منزل تک رسائی کے لئے راہِ راست سے سرفرازی اولین تقاضا اور بنیادی ضرورت ہے۔ اور راہِ راست سے سرفرازی دینِ حق کے بغیر ممکن نہیں۔ پس دینِ حق کو صدقِ دل سے اپنانے ہی سے سعادتِ دارین حاصل ہوسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق پر ثابت و مستقیم رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۲۱۷ امت کی ایک اہم اور اجتماعی ذمہ داری کی تذکیر و یاددہانی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دعوت الی الخیر امت مسلمہ کی ایک اہم اور اجتماعی ذمہ داری ہے سو ارشاد فرمایا گیا تمہارے اندر ایسے لوگوں کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کی تلقین کرے اور برائی سے روکے۔ تا کہ ان کی طرح دوسری دنیا بھی غفلت و جہالت کی ہلاکتوں سے بچ کر راہِ حق و صواب سے سرفراز ہو سکے، اور سب اس دین کی برکتوں سے سرفراز و مالامال ہوسکیں۔ سو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امتِ مسلمہ کی ایک اہم اور عظیم الشان اجتماعی ذمہ داری اور ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لیے اس امت کا لقب ہی امتِ دعوت قرار پایا ہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو اس پر قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اس مقصد کی خاطر ان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام کے لئے مقرر کریں جو لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، اور منکر سے روکے۔ معروف اور منکر سے مراد

شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات اور منکرات ہیں۔ سو اس کے مطابق بندہ ہمیشہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے لیے مستعد رہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، و علی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال،

۲۱۸ فلاح پانے والوں کی تعیین وتشخیص:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے یعنی جن کے اندر مذکورہ بالا صفات پائی جاتی ہوں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں کے بھی ہوں کہ ان خوش نصیبوں نے اپنے مقصدِ حیات کو بھی سمجھ لیا اور حصولِ مقصد کیلئے صحیح راہ کو بھی پہچان لیا، اور حیاتِ دنیا کی اس مختصر ومحدود فرصت کی قدر و قیمت کو بھی انہوں نے ٹھیک طور سے جان لیا۔ آیت کریمہ میں اسلوب حصر کا ہے کیونکہ مبتدا وخبر دونوں معرفہ ہیں۔ اور بیچ میں ضمیرِ فصل بھی موجود ہے۔ پس اس سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ دین وایمان کی اس دولت سے محروم ہیں، وہ سراسر ناکام ہیں۔ اگرچہ وہ فضاؤں میں اڑتے، اور ستاروں پر کمندیں ڈالتے ہوں۔ اور وہ زمین کی تہوں تک ہی کیوں نہ پہنچ جائیں۔ وہ بہرحال ناکام ہیں کہ وہ اپنے مقصدِ حیات سے غافل، اپنے مصیرِ محتوم اور اس کی فکر سے محروم و بے خبر، اپنے خالق و مالک کے حقِ بندگی وعبودیت سے لاپرواہ ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ اس سے اعتصام باللہ کا نتیجہ وثمرہ بیان فرما دیا گیا کہ جو لوگ صحیح طور پر اور پورے صدق واخلاص سے اس کا اہتمام کریں گے وہی فلاحِ دارین سے سرفراز ہو سکیں گے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔ اور ﴿اولئک ھم المفلحون﴾ کا اسلوب حصر وقصر کا اسلوب ہے۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ فلاح پانے والے یہی خوش نصیب ہیں۔ ان کے سوا فلاحِ دارین کی دولت اور کسی کو نہیں مل سکے گی۔ ابنائے دنیا خواہ کتنی ہی ترقیوں اور سربلندیوں کے دعوے کریں حق اور حقیقت بہرحال یہی ہے کہ ایمانِ صادق اور اعمالِ صالحہ کے بغیر فوز وفلاح کی سعادت سے بہرہ مندی ممکن نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہ پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۲۱۹ تفرق وانتشار والے لوگوں سے بچ کر رہنے کی ہدایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور کہیں تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جانا جو مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور وہ باہم اختلاف میں پڑ گئے اس کے بعد کہ ان کے پاس آ چکی تھیں ان کے رب کی طرف سے کھلی ہدایات۔ پس تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو باہم بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ محض اپنی نفسانی خواہشات کی بناء پر۔ اور دنیائے فانی کے حطامِ زائل کے پیچھے لگ کر۔ اور اس طرح ان لوگوں نے اپنے آپ کو شرفِ انسانیت سے محروم کر کے حیوانیت محضہ کے درجے میں لا کھڑا کیا، جو کہ خسارہ اور انتہائی ہولناک نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس تم لوگ ہمیشہ ایسے لوگوں کے طور طریقوں سے بچ کر رہنا۔ وباللہ التوفیق۔ سو اس سے مسلمانوں کو یہود ونصاریٰ کے انجام سے عبرت دلائی گئی ہے کہ وہ خدا کی واضح تنبیہات کے باوجود خدا کی رسی کو چھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جس کے ہاتھ میں اس رسی کا جو ٹکڑا آ گیا وہ اسی کو لے کر بیٹھ گیا اور اسی کو حبل اللہ سمجھ کر اس پر قانع ہو گیا۔ پس تم لوگ اے مسلمانو، کہیں ان ہی یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں ہو جانا کہ ان کی طرح تم بھی اپنی عاقبت برباد کر لو کہ یہ راہ فوز وفلاح کی نہیں عذابِ الیم کی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تفرق وانتشار اور ہلاکت خیزیوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ

پاس (ان کے رب کی جانب سے واضح اور) کھلی ہدایات، اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، ۲۲۰ جس دن

تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

کچھ چہرے تو (اپنے ایمان ویقین کے نور کی بناء پر سفید) اور روشن ہوں گے ۲۲۱ اور کچھ چہرے (اپنے کفر ومعصیت کے نتیجے میں) سیاہ

اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

ہوں گے ۲۲۲ سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (تو ان سے ان کی توبیخ وتذلیل کے لئے کہا جائے گا کہ) کیا تم لوگوں نے کفر کا

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اَمَّا

ارتکاب کیا تھا اپنے ایمان کے بعد؟ سو اب چکھو (اور چکھتے رہو) تم لوگ مزہ اس عذاب کا اپنے اس کفر کی بناء پر، جس کا ارتکاب تم لوگ

الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ

(اپنی زندگیوں میں) کرتے رہے تھے ۲۲۳ اور جن (خوش نصیبوں) کے چہرے سفید (اور روشن) ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا

جس میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا، ۲۲۴ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

آپ کو (اے پیغمبر!) حق کے ساتھ، ۲۲۵ اور اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ قطعاً) ظلم نہیں کرنا چاہتا جہان والوں پر، ۲۲۶

۲۲۰ حق سے محروموں کے لیے بہت بڑا عذاب – والعیاذ باللہ: سو وضوحِ حق کے بعد اختلاف کرنے والوں اور نورِ حق سے محروم رہنے والوں کے لئے بہت بڑا عذاب – والعیاذ باللہ سو واضح ہدایت کے آجانے کے بعد تفرق واختلاف سے کام لینے کرنے والوں اور دولتِ حق سے محروم رہنے والوں کیلئے بہت بڑا عذاب ہے – والعیاذ باللہ – اور اتنا بڑا کہ اس کا یہاں پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا – وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ – جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ﴾ پس عقلمند کا کام یہ ہے کہ وہ حیاتِ مستعار کی اس محدود ومختصر فرصت میں اس عذابِ عظیم سے بچنے کی فکر کرے کہ اس کا موقع ومحل یہی دنیا ہے اور بس۔ اور اگر حیاتِ دنیا کی اس فرصتِ مستعار کو اخروی عذاب کے اس ہولناک انجام سے بچنے کی فکر و کوشش کی بجائے دنیا کے متاعِ فانی اور حطامِ زائل کے جوڑنے اور جمع کرنے میں ضائع کردیا، تو یہ ایسا سنگین اور ہولناک ضیاع

ونقصان ہوگا جس کے تدارک وتلافی کی پھر کوئی صوت ممکن نہ ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔بکل حال من الاحوال

۲۲۱ قیامت کے روز اہلِ ایمان کا نور ان کے چہروں پر:۔ سو ان کے ایمان ویقین کی جھلک ان کے چہروں سے واضح وعیاں ہوگی جس سے ان کے چہرے روشن اور منور ہونگے کہ ایمان ویقین کا باطنی نور اس روز ان کے چہروں پر عیاں وہویدا ہو جائے گا۔ اور وہ اپنی اس حقیقی اور ابدی کامیابی سے شاداں وفرحاں ہوں گے، جیسا کہ مختلف مقامات پر اسکو مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ﴾ ۔سو کچھ چہرے اس روز روشن اور فروزاں ہونگے وہ خنداں اور شاداں ہونگے۔ سو جو لوگ دنیا میں ایمان ویقین کی دولت کو اپناتے اور اعتصام باللہ کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں وہ قیامت کے اس یومِ حساب میں اپنے چہروں کو روشن اور منور کرنے کا سامان کرتے ہیں۔ اسکے اثرات کل قیامت کے اس یومِ فیصل میں ان کے چہروں پر ہویدا اور ظاہر وواضح ہوں گے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۲۲۲ اہلِ باطل کے کفر و باطل کی سیاہی ان کے چہروں پر:۔ سو اہلِ ایمان کے برعکس اہلِ کفر و باطل کی سیاہی اس روز ان کے چہروں پر چھائی ہوگی۔ سو ان کے کفر و باطل کی وہ سیاہی جو ان کے بواطن میں مستور و پوشیدہ تھی، وہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کے اس جہاں میں ان کے چہروں پر ظاہر اور نمایاں ہو جائے گی۔ اور وہ اپنی اس دائمی ناکامی کی بناء پر غم واندوہ کی تصویر بنے ہوئے ہونگے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ، تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ وَ لَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى ۔ اس روز ایسے ہی لوگ ہوں گے جن پر سیاہی چھائی ہوگی۔ کدورت نے ان کو ڈھانپ رکھا ہوگا۔ یہی ہونگے کافر اور فاجر لوگ۔ سو جن لوگوں نے اللہ کی رسی کو چھوڑ کر طرح طرح کے دوسرے پھندوں کو اپنے گلوں میں ڈالا ہوگا وہ اس روز بہت خسارے میں ہوں گے اور ان کے چہروں کی سیاہی ان کی ناکامی کا پتہ دے رہی ہوگی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ هَوْلِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔ اللہ کفر و باطل کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ نورِ ایمان ویقین سے زیادہ سے زیادہ منور و مالا مال فرمائے، اور ہمیشہ راہِ حق وصواب پر مستقیم و ثابت قدم رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ امین ثم امین یا ربَّ العالمین

۲۲۳ دوزخ انسان کی اپنی کمائی کا صلہ وثمرہ۔ والعیاذ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر فرمایا گیا کہ اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب تم مزہ چکھو اور چکھتے رہو اپنے اس کفر وانکار کا جس کا ارتکاب تم اپنی دنیاوی زندگی میں کرتے رہے تھے۔ والعیاذ باللہ۔ اپنے قول وفعل سے۔ سو یہ ہولناک عذاب ثمرہ ونتیجہ ہے تمہاری اپنی اس کمائی کا، ورنہ اللہ پاک۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ تو کسی پر ظلم نہیں فرماتا ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ سو دوزخ اور اس کا عذاب انسان کی اپنی اس کمائی کا صلہ وثمر اور لازمی نتیجہ ہوگا جو اس نے اپنی دنیاوی زندگی کی فرصتِ عمل میں کی تھی۔ اس لئے ایسے بدبختوں سے اس روز ان کی تقبیح وتذلیل کے لئے کہا جائے گا کہ اب تم لوگ چکھو اور چکھتے رہو مزہ دوزخ کے اس عذاب کا۔ والعیاذ باللہ۔ اپنے اس کفر وانکار کے بدلے اور اس کے نتیجے میں جس کو تم لوگ اپنی دنیوی زندگی میں اپنائے رہے تھے۔ سو اللہ پاک نے یہ سب کچھ پیشگی اور اسقدر صراحت کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں خبر نہیں تھی۔ مگر ایک دنیا کی دنیا ہے کہ وہ پھر بھی غافل ولاپرواہ ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۲۴ دوام وخلود اہلِ جنت کیلئے ایک خاص نعمت :- سو دوام وخلود جنت کی ایک خاص نعمت ہے جس سے اہلِ جنت کو سرفراز فرمایا جائے گا۔ دنیا میں یہ نعمت نہ کسی کو ملی ہے اور نہ مل سکتی ہے، کہ دنیا خود بھی فانی ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ بھی سب کا سب فانی وزائل ہونے والا ہے۔ فَشَرِّفْنَا اللّٰھُمَّ بِنَعِیْمِ الْجَنَّةِ وَبِالْخُلُوْدِ فِیْھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرِمِیْنَ - سو دنیا کی اس چند روزہ زندگی کی اس محدود فرصت کو آخرت کی کمائی اور وہاں کی دائمی نعمتوں سے سرفرازی کے لئے صرف کر دینا کتنا بڑا اشرف اور کس قدر عظیم الشان سودا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ کس قدر محروم اور کتنے بد بخت ہیں جو جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں سے منہ موڑ کر دنیائے فانی کے متاع اور حطامِ زائل ہی کو اپنا مقصدِ حیات اور نصب العین بنائے بیٹھے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے جنت کی ان نعیم مقیم سے سرفراز فرمائے، اور زندگی بھر اپنی رضا کی راہوں پر ثابت قدم رکھے، آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۲۲۵ اللہ کی آیتیں سراسر حق وصواب :- کہ ان کا معنیٰ ومضمون بھی سراسر حق وصواب ہے، اور ان کے سنانے کا مقصد بھی حق وصدق۔ اور ان کے سنانے کا طریق بھی سراسر حق اور سچ ہے۔ سو جو لوگ ان سے سبق نہیں لیتے تو یہ ان کے اپنے فہم وادراک کا قصور ہے۔ اور جو لوگ ان آیاتِ حق وصدق سے منہ موڑتے اور اعراض برتتے ہیں وہ سراسر اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہر کیف کوئی مانے یا نہ مانے حق اور حقیقت بہر حال یہی ہے کہ یہ تنبیہات جو ان آیات کے ذریعے فرمائی گئی ہیں قطعی طور پر حق اور صدق ہیں اور جو لوگ ان کو نظر انداز کریں گے وہ اپنی ہولناک ناکامی اور روسیاہی کا معاملہ خود کریں گے اور اس کی ذمہ داری خود انہی پر ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پیشگی آگہی بخش دی ہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کو اِتمام حجت سے پہلے سزا دے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اب جو لوگ ان آیاتِ بینات سے منہ موڑے ہوئے ہیں وہ بڑے ہی محروم اور بد بخت لوگ ہیں جو اپنی آنکھوں کو خود بند کر کے ہلاکت اور تباہی کے نہایت ہی ہولناک گڑھے میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کی آیات کریمات قطعی طور پر حق اور صدق وصواب ہیں۔ اور باقی سب اندھیرے۔ والعیاذُ باللہ۔ جل وعلا

۲۲۶ اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبے سے پاک، سبحانہ وتعالیٰ :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کبھی ظلم نہیں کرنا چاہتا سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا جہان والوں پر۔ سبحانہ وتعالیٰ، اسی لئے اس نے اپنے بندوں کو ان آیاتِ بینات سے نوازا، اور ان پاکیزہ تعلیمات سے سرفراز فرمایا ہے، تاکہ کہیں لوگ اندھیرے میں رہ کر اس عذاب عظیم سے دوچار نہ ہو جائیں۔ مگر اس کا کیا جائے کہ یہ انسان ظلوم وکفور اس کی ان آیاتِ بینات اور سچی تعلیمات سے منہ موڑ کر خود ہی اس عذابِ الیم کی طرف دوڑ رہا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ورأفت اور عنایتِ بیکراں کی بناء پر لوگوں کو خبردار کرتا ہے کہ وہ ان مہالک سے بچ کر رہیں اور اس کی گرفت وپکڑ سے بچ کر اس کی رحمتوں اور عنایتوں کے مستحق بن جائیں۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ وَ یُرِیْد۔ مگر جو لوگ اسکی ہدایات وتعلیمات سے منہ موڑ کر خود ہلاکت وتباہی کے گہرے کھڈے میں گرنا چاہتے ہیں وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ رحمت ہی فرماتا ہے اور رحمت ہی فرمانا چاہتا ہے۔ تبارک وتعالیٰ۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

اور اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۲۲۷ اور اللہ ہی کی طرف

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؑ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

ع ۱۱ ۸ ۲

لوٹائے جاتے ہیں (اور لوٹائے جائیں گے) سب کام ۲۲۸ تم لوگ (اے مسلمانو!) سب سے بہتر امت ہو، جسے میدان میں لایا گیا ہے

لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

لوگوں کے بھلے کے لئے، تمہارا کام ہے نیکی کی تعلیم دینا، اور برائی سے روکنا،

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

اور تم (بمقابلہ دوسروں کے ٹھیک طور پر اور صحیح معنوں میں) ایمان رکھتے ہو اللہ (وَحْدَهٗ لَاشَرِیک) پر ۲۲۹ اور اگر اہل کتاب بھی

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

(اسی طرح ٹھیک طریقے سے) ایمان لے آتے تو یہ خود انہی کے لئے بہتر ہوتا ۲۳۰ ان میں سے کچھ تو ایماندار ہیں، مگر ان کی اکثریت

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ

بدکاروں (اور بے ایمانوں) ہی کی ہے ۲۳۱ وہ تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بجز (زبانی کلامی) کچھ ایذاء رسانی کے، اور اگر انہوں

الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

نے تم سے لڑائی کی تو یہ بھاگ کھڑے ہوں گے تم کو پیٹھ دے کر، پھر (کہیں سے بھی) ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی، ۲۳۲ چپکا دی گئی

۲۲۷ کائنات میں جو بھی کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے:- کہ اس سب کا خالق و مالک بھی وہی ہے، اور حاکم و متصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کی خدائی میں کسی کا کوئی حصہ اور عمل دخل نہیں ہے۔ پس لوگوں نے جو طرح طرح کے ناموں سے ازخود دوسرے مختلف خدا بنا رکھے ہیں، وہ سب جھوٹ اور افتراء ہے۔ سو اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ اہل بدعت نے ازخود جو مختلف ناموں سے طرح طرح کی ''سرکاریں'' گھڑ رکھی ہیں اور ان کیلئے انہوں نے مختلف علاقے ازخود الاٹ کر رکھے ہیں، جیسے ''داتا کی نگری''، ''خواجہ اجمیر کی بستی''، ''پیر بابا کا علاقہ'' وغیرہ

وغیرہ۔ تو وہ سب کچھ ان لوگوں کا خود ساختہ کاروبار ہے جو اس طرح کی نصوصِ کریمہ کیخلاف ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف آسمانوں اور زمین کی پوری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ

۲۲۸ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں:- یعنی ''ترجع'' مضارع مجہول کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں کے لئے آتا ہے۔ پس آج بھی سب کچھ اسی وحدہ لاشریک کے حکم و ارشاد کے تابع ہے، اور کل قیامت کے روز تو یہ حقیقت پوری طرح عیاں اور آشکار ہو جائیگی کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سو جو کچھ ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب اسی کی مشیت کے تابع ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں توجہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھے کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے اور ہمیشہ ایسی بات کو اپنے پیشِ نظر رکھے کہ اس کے سامنے میں کیا جواب دونگا اور اس کے ساتھ میرا معاملہ کس طرح کا ہے۔ سبحانہٗ تعالیٰ - وباللّٰہ التوفیق لما یُحِبُّ ویُرید- وھو الھادی الٰی سواء السبیل- بہرکیف اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف سے ہوگا اس لئے دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہئے اور نگاہ بھی ہمیشہ اسی کے کرم پر رہنی چاہئے -وباللّٰہ التوفیق-اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۲۲۹ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عظمتِ شان :- سو ایمان باللہ کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کی سب سے اہم اور امتیازی خصوصیات ہیں۔ پس ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' اور اللہ تعالیٰ پر سچا پکا ایمان امتِ مسلمہ کی وہ خصوصی اور امتیازی صفات ہیں، جن پر اس کی عزت وعظمت کا مدار و انحصار ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب یہ امت اس معیار پر پوری اتری، تو اس کو ایسی سچی اور حقیقی عزت وعظمت سے نوازا گیا کہ چشمِ فلک نے اس کی کوئی نظیر و مثال کبھی نہیں دیکھی۔ اور جب اس نے اس سے تغافل برتا تو اس کو جگہ جگہ اور طرح طرح سے نکبت و اِدبار کی ذلت سے دوچار ہونا پڑا، جیسا کہ آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے، کہ آج مسلمان جگہ جگہ اور طرح طرح کے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں اور مصائب و آلام کے پہاڑ ہیں جو ان پر توڑے جارہے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ تم سب سے بہتر امت ہو اور خیرِ امت کے اس لقب اور اس شرفِ عظیم سے نوازے جانے کا سبب اور اس کا باعث یہ ہے کہ تم لوگ نیکی کی تعلیم دیتے ، برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ سو اس شرفِ عظیم اور منصبِ جلیل سے تمہاری سرفرازی نسب اور نسل کی بناء پر نہیں، جیسا کہ اہلِ کتاب نے اپنے بارے میں گمان کیا اور اس بناء پر وہ لوگ راہِ رست سے بھٹک کر ہمیشہ کے ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- بلکہ تمہاری یہ سرفرازی تمہارے ایمان و یقین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عمدہ اور امتیازی صفات و خصال کی بناء پر ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ ان امتیازی صفات اور ان کے تقاضوں کا خیال رکھنا اور ہر حال میں ان پر قائم و استوار رہنا-وباللّٰہِ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید ، بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال-

۲۳۰ اہلِ کتاب کیلئے ایمان کی ترغیب وتلقین:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ کتاب اگر ایمان لے آتے تو یہ خود انہی کیلئے بہتر ہوتا کہ اس کے پاکیزہ فوائد وثمرات خود انہی کو ملتے۔ اس دنیا میں بھی، اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ اور اس طرح یہ لوگ دارین کی سرخروئی اور فوز وفلاح سے سرشار وسرفراز ہوتے۔ مگر انہوں نے اپنے عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ کر نورِ حق وہدایت سے منہ موڑا، جس سے یہ دارین کی محرومی اور ذلت ورسوائی کا شکار ہوئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سو اہلِ کتاب ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ یہود ونصاریٰ اس دینِ حق پر سب سے پہلے اور سب سے آگے بڑھ کر ایمان لاتے مگر انہوں نے اِعراض وروگردانی کو اپنا کر اپنے لئے ہلاکت وتباہی کا سامان کیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۳۱ اکثریت بدکاروں ہی کی رہی ہے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اکثریت بدکاروں ہی کی رہی ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ محض عوام الناس کی اکثریت کی تائید یا تردید سے کسی امر کے حق یا باطل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ غلط کاروں ہی کی رہی ہے۔ فاسقوں، فاجروں، جاہلوں اور نابکاروں کی۔ پس عوام الناس کی اکثریت حق وباطل کیلئے معیار نہیں قرار پا سکتی، جس پر دورِ حاضر کی نام نہاد مغربی جمہوریت کا مدار وانحصار ہے۔ شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے۔ گریز از طرزِ جمہوری و غلامِ پختہ کارشو۔ کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید۔ یعنی "اس جمہوری طرزِ عمل سے دور بھاگو اور پختہ کار انسان بن جاؤ کہ دو سو گدھوں کے مغز جمع کر دینے سے ایک انسان کی عقل وفکر کی قوت نہیں حاصل ہو سکتی"۔ پس محض عوام کی اکثریت کی بناء پر کسی بات کے حق یا باطل ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ مغربی جمہوریت کے پجاریوں کا کہنا ہے اور جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ماننا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۳۲ حق کے مقابلے میں شکست اہلِ باطل کا مقدر:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ باطل اہلِ حق کے مقابلے میں شکست کھائیں گے یعنی اگر یہ لوگ اہلِ حق کے مقابلے میں آئیں گے تو شکست کھائیں گے۔ اور پیٹھ دے کر بھاگیں گے۔ اور جن جن کا زعم اور گھمنڈ یہ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور حضرتِ حق -جل مجدہ- کے اس فرمان واجب الاذعان کے مطابق یہودِ بے بہبود کو مسلمانوں کے مقابلے میں کبھی بھی شوکت وغلبہ نصیب نہیں ہو سکا۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں میدان میں اترے ہوں اور غالب وکامیاب ہو کر لوٹے ہوں بلکہ ہمیشہ مقہور ومخذول ہی رہے۔ (کبیر وغیرہ)۔ رہ گئی اسرائیل کے نام سے وجود میں آنے والی یہودیوں کی موجودہ ریاست تو اس سے دھوکے اور شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ اس سے ان کی ذلت ورسوائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ ہم اگلے حاشیے میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔ اور اس سے پہلے بھی بیان کر آئے ہیں۔ سو غلبہ بہر حال حق اور اہلِ حق ہی کا ہے - والعاقبة للتقوی- والحمد لله جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین

الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ

ان پر ذلت (وخواری) ۲۳۳ جہاں بھی یہ پائے گئے (کہیں بھی امان نہ پا سکیں گے) مگر اللہ کے عہد و پیمان سے، اور لوگوں کے

مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ

عہد و پیمان سے، ۲۳۴ مستحق ہو گئے یہ لوگ اللہ کے غضب کے، اور چپکا دی گئی

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

ان پر پستی و محتاجی، یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ یہ لوگ کفر (وانکار) کرتے تھے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ

اللہ کی آیتوں کا، اور یہ قتل کرتے تھے (اللہ کے) نبیوں کو بغیر کسی حق کے، (اور) یہ (کفر اور قتل انبیاء)

۲۳۳ یہود بے بہبود پر ذلت وخواری کا ٹھپہ:- یعنی جس طرح کسی سکے وغیرہ پر لگا ہوا ٹھپہ اس سے دور اور جدا نہیں ہوسکتا، اسی طرح ان سے بھی یہ ذلت و رسوائی کبھی زائل نہیں ہوگی۔ رہ گئی اسرائیل کے نام سے معرض وجود میں آنے والی یہودیوں کی موجودہ ریاست، تو اول تو تاریخ اقوام پر نظر کرتے ہوئے یہ اسرائیلی ریاست نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ وحی سماوی کی حامل اور آسمانی کتابوں کی ماننے والی اقوام میں سب سے قدیم قوم یہود ہے۔ تو اس اعتبار سے چاہیئے تو یہ تھا کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ حکومتیں یہودیوں کی ہوتیں۔ مگر اس کے برعکس یہاں پر صورت حال یہ ہے کہ عیسائی جو کہ یہودیوں کے بعد آئے اور مسلمان جو ان سب سے آخر میں آئے، ان کی تو پچاس پچاس سے بھی اوپر حکومتیں دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلی ہوئی ہیں، مگر یہودیوں کو صدیوں بعد یہی ایک حکومت نصیب ہوسکی، جو کہ دنیا کے مجموعی نقشے کے اعتبار سے تل کے ایک دانے کے برابر بھی نہیں ہے۔ دوسرے اس لئے کہ یہ اسرائیلی حکومت بھی امریکہ اور مغربی اقوام کے رحم وکرم پر قائم اور انہی کے سہارے زندہ ہے بلکہ اگر اس کو حکومت کی بجائے امریکہ و یورپ کی فوجی چھاؤنی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ چنانچہ آج بھی اگر یہ استعماری قوتیں اس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں، تو دوسروں سے پہلے فلسطینی مسلمان ہی اس کی تکہ بوٹی کر دیں۔ اور تیسرے اس لئے کہ یہودیوں کی یہ ریاست بھی دراصل ان کی تذلیل و تباہی اور ان کے آخری انجام کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴾ [بنی اسرائیل۔۱۰۴] یعنی جب ان سے متعلق دوسری مرتبہ کے وعدے کا وقت آئیگا تو ہم تم سب کو (اے یہودیو!) اکٹھا کر کے لائینگے۔ یہاں پر ﴿ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو اس بارے میں اگرچہ عام طور پر یہ کہا اور سمجھا جاتا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا وعدہ ہے، کہ وہاں ان کو اکٹھا کر کے لایا جائیگا لیکن یہ بات زیادہ قرین قیاس نہیں، کیونکہ آخرت میں تو سب ہی کو اکٹھا کر کے لایا جائیگا، نہ کہ صرف یہود کو۔ اس لئے قرین قیاس

یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہود کو اسی دنیا میں ان کے آخری عذاب کیلئے اکٹھا کر کے لایا جائیگا۔ اور اغلب یہ ہے کہ موجودہ اسرائیلی ریاست ہی یہودیوں کے اسی آخری انجام کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ قدرت کے غیبی ہاتھ کی کارستانی سے یہودی دنیا بھر کے کونے کھدڑوں سے نکل نکل کر یہاں پہنچ رہے ہیں، اور اپنے آخری انجام کیلئے جمع ہو رہے ہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ کب ہوگا تو اس کا علم اللہ پاک -سبحانہ و تعالیٰ- کے سوا اور کسی کو نہیں ہوسکتا کہ غیب کا علم اس وحدہٗ لاشریک ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور یوں قوموں کے فیصلے دنوں مہینوں اور سالوں میں نہیں، بلکہ صدیوں، قرنوں اور زمانوں میں بدلا کرتے ہیں، اور ویسے بھی اللہ پاک -سبحانہ و تعالیٰ- کے یہاں کے پیمانے اور ہیں۔ وہاں کا ایک دن ہمارے یہاں کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد ہو ہے ﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴾[الحج: ۴۷] اور یوں بھی عام قاعدے کے مطابق کسی بھی پھوڑے کے آخری آپریشن سے قبل اس کا پوری طرح سے پک کر تیار ہو جانا ضروری ہوتا ہے، جبکہ اسرئیلی ریاست کو قائم ہوئے ابھی صرف پچاس برس ہی ہوئے ہیں۔ اس کے جرائم اور اسکی وحشیت کا پیمانہ بھرتا جا رہا ہے۔ نہتے فلسطینیوں پر ان کے وحشیانہ مظالم کا سلسلہ برابر جا رہا ہے۔ کیا عجب کہ پچھلے چار پانچ سال سے مقبوضہ فلسطین میں عربوں کی طرف سے یہودیوں کے خلاف سنگ باری یعنی پتھروں سے مقابلہ کرنے کی جو تحریک ''اَلْاِنْتِفَاضَةُ الْفَلَسْطِيْنِيَّة'' کے نام سے چل رہی ہے، وہی یہودیوں کے اس آخری انجام کا آغاز ہو۔ چنانچہ دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہودی فوج ان نہتے فلسطینیوں کے خلاف ہر طرح کا اسلحہ استعمال کرنے اور ہر قسم کا ظلم و تشدد روا رکھنے کے باوجود نہ ان کو زیر کر سکی، اور نہ ان کے جذبہ حریت کو دبا سکی۔ اسرائیلی فوج اپنی بکتر بند گاڑیوں میں بند ہونے کے باوجود فلسطینی شاہینوں کے ان پتھروں سے ایسی ڈرتی اور اس طرح بھاگتی ہے جیسے وہ پتھر نہیں کوئی توپ کے گولے ہوں، جو حق اور صدق کے ان دشمنوں پر برس رہے ہوں۔ اور اس طرح ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾ کا ایک نمونہ نظر آتا ہے- اللہ ظالموں کا بیڑا غرق کرے- آمین ثم آمین۔ سو غلبہ اہلِ ایمان ہی کا ہے بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں اہلِ ایمان ہوں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۲۶۷ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ سے مقصود و مراد؟:- سو ''حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ'' یعنی اللہ کی رسی اور اس کے عہد و پیمان سے مراد یہ ہے کہ یہ جزیہ دینا قبول کر لیں، اور ان کو اس عقدِ ذمہ کی بناء پر پناہ مل جائے، جبکہ لوگوں کے عہد و پیمان (حَبْلٍ مِّنَ النَّاس) سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے ان کو جان و مال کی حفاظت کا عہد و پیمان مل جائے (ابنِ کثیر، وغیرہ)۔ سو آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ اسرائیلی یہودی استعماری قوتوں کے سہارے اور ان ہی کی شہہ پر جی رہے ہیں، اور ان کی یہ نام نہاد حکومت انہی قوتوں کی مہیا کردہ بیساکھیوں ہی پر قائم ہے۔ ورنہ یہ کبھی کی اپنے انجام کو پہنچ چکی ہوتی، جیسا کہ اوپر کے حاشیے میں ابھی گزرا ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ اگر کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت اور عزت و قوت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے کے اعتماد اور سہارے پر۔ یا دوسرے کچھ لوگوں اور اڑوس پڑوس کے کچھ گروہوں اور گروپوں کے اعتماد اور سہارے پر قائم ہوں گے اور بس۔ عہد نبوی کے زمانے میں بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی ان کا یہی حال ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- آج بھی یہ لوگ دوسروں کے سہارے جی رہے ہیں جیسا کہ ان کا حال سب کے سامنے ہے۔

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ

اس بناء پر، کہ یہ لوگ نافرمانی کرتے تھے (اللہ کی) اور تجاوز کرتے تھے (اللہ کی مقرر کردہ حدود سے)، ۲۳۵ یہ سب برابر نہیں، (بلکہ)

اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ

اہل کتاب میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو کہ قائم ہیں (راہِ حق وصداقت پر،) جو تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کی، رات کی

الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

گھڑیوں میں (اٹھ اٹھ کر،) اور وہ (اسی کے حضور) سجدہ ریز ہوتے ہیں ۲۳۶ جو (ٹھیک ٹھیک) ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور قیامت

الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

کے دن پر، اور وہ تعلیم دیتے ہیں (لوگوں کو) اچھائی کی، اور (ان کو) روکتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ

برائی سے، اور دوڑتے ہیں نیک کاموں میں سبقت کرتے ہوئے، اور ایسے ہی لوگ

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ

(نیک بخت اور) شائستہ لوگوں میں سے ہوتے ہیں ۲۳۷ یہ جو بھی کوئی نیکی کریں گے، اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، ۲۳۸

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ

اور اللہ پوری طرح جانتا ہے پرہیزگاروں کو، ۲۳۹ اس کے برعکس جن لوگوں نے (اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ میں) کفر کیا، تو

تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

بے شک ان کو اللہ (کی گرفت و پکڑ) کے مقابلے میں نہ ان کے مال کچھ کام آسکیں گے، اور نہ ہی ان کی اولادیں،

شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

یہ لوگ یار ہیں دوزخ کے، جس میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا، ۲۴۰

٢٣٥ ذلتِ یہود کے اصل سبب کی تشخیص ونشاندہی: سواس سے یہودِ بے بہبود کے ہولناک انجام اور انکی ذلت کے اصل سبب کی تشخیص اور نشاندہی فرمادی گئی، سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ ان کے اس ہولناک انجام کی جو کہ عبارت ہے ان کی دنیوی ذلت وخواری، اور آخرت کے دائمی عذاب سے اس کا اصل سبب اور عِلَّةُ الْعِلَّة یہ ہے کہ یہ لوگ نافرمانی کرتے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ سواس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معصیت و برائی، اور اللہ پاک -سبحانہٗ وتعالیٰ- کی مقرر فرمودہ حدود سے تجاوز کرنے کی روش انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اسی لئے حضراتِ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آداب کی پرواہ نہیں کرتا، وہ سنتوں کے ترک کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ اور جو ترکِ سنت کا ارتکاب کرتا ہے، وہ ترکِ فرائض تک جا پہنچتا ہے۔ اور جو ترکِ فرائض کا ارتکاب کرتا ہے، وہ دین کے استحقار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور اس طرح وہ بالآخر کفر کے اس مہیب اندھیرے میں جا گرتا ہے جس کا انجام دوزخ کا ہولناک گڑھا ہوتا ہے (تفسیر محاسن التاویل للقاسمیؒ)۔ سواس سے واضح ہوجاتا ہے کہ آداب وسنن سے شروع ہونے والی انسان کی غلط روش اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اللہ پاک کی نافرمانی اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کی عادت نے ان لوگوں کا بیڑا غرق کردیا کہ اسی چیز نے ان کو کفر اور قتلِ انبیاء جیسے ہولناک جرائم پر آمادہ کیا اور آخر کار ان کے ہی جرائم ان کے لیے خدا کے غضب کا باعث بنے اور ان پر ذلت ومسکنت تھوپ دی گئی اور یہ ہمیشہ کے لئے ملعون اور ذلیل وخوار ہوکر رہے۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ وضلال وسوء وانحراف۔

٢٣٦ قرآنِ حکیم کے عدل وانصاف کا ایک نمونہ ومظہر: سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب لوگ ایک برابر نہیں بلکہ ان میں سے کچھ ایسی اور ایسی اچھی صفتوں والے بھی ہیں۔ سو یہ قرآنِ حکیم کی حق وصداقت سے بھری اور عدل و انصاف سے لبریز تعلیمات کا ایک عمدہ نمونہ اور روشن مثال ہے کہ یہودِ بے بہبود کی اس سیاہ تاریخ کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان میں سے ایسے حق پرستوں کا ذکر بھی قطعی صراحت و وضاحت کے ساتھ فرمایا جو کہ راہِ حق وصداقت پر قائم ہیں۔ اور اس طرح اس سے یہ ایک بنیادی درس بھی دے دیا کہ کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہوتی جس کے سب ہی افراد اچھے، یا سب ہی برے ہوں۔ بلکہ ہر قوم میں اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ لہٰذا ایسے قوم پرست قسم کے لوگوں کا یہ رویہ غلط اور عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے، جو اپنی پوری قوم قبیلے کو ہر لحاظ سے اچھا اور صحیح سمجھتے ہیں، اور ان کے عیبوں کو بھی ہنر گردانتے ہیں۔ اور دوسروں کی خوبی کا بھی اقرار نہیں کرتے۔ سو ہر جگہ عدل وانصاف ہی کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویُرید۔ اور ایسے حق پرستوں ہی کو قبولِ حق کی توفیق نصیب ہوئی۔ والحمد للہ جل وعلا۔ سو نیک نیتی اور صفاء باطن ذریعۂ فوز وفلاح اور وسیلۂ سعادت وسرفرازی ہے، وباللہ التوفیق

٢٣٧ نیک بخت لوگوں کی صفات اور ان کے حسن انجام کا بیان: سوارشاد فرمایا گیا کہ ان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے جو ایسی اور ایسی عمدہ صفات وخصال سے بہرہ مند و مالا مال ہیں۔ سو انہی کو حق وصداقت کے قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے اور ایسے ہی لوگ ذلت وخواری اور انکارِ حق کے برے انجام سے محفوظ رہتے ہیں جیسے حضرتِ عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ حضرات جن میں سے کچھ تو ایمان لاچکے تھے اور کچھ نے اگرچہ ابھی تک ایمان کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن وہ اندر سے ایمان لاچکے تھے۔ روایات کے مطابق اِن آیاتِ کریمہ کا نزول حضرتِ عبداللہ بن سلامؓ

اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف اس میں اہلِ کتاب کے نیک بخت اور سعادتمند لوگوں کی خصالِ حمیدہ اور صفاتِ جمیلہ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے شب بیدار تہجد گزار اللہ اور یومِ قیامت پر ایمان رکھنے والے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ سو انہی لوگوں کو قبولِ حق کی توفیق و سعادت نصیب ہوئی بس۔ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے عمل و کردار سے ہے۔ جتنا کسی کا ایمان ویقین سچا پکا اور ان کا عمل و کردار درست ہوگا اتنا ہی اس کا درجہ و مرتبہ بڑا ہوگا۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔

۲۲۸ خوش خصال لوگوں کے لیے خاص خوشخبری: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ جو بھی کوئی نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے خوش نصیب حضرات کو تو دوہرے اجر سے نوازا جائے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا ﴾ الآیۃ [القصص ۵۴] اور نبیِ امی۔ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسلیم۔ نے بھی احادیثِ صحیحہ میں اس کی خبر دی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ صدقِ دل سے نبیٔ آخر الزماں ﷺ پر ایمان لائیں گے ان کو دوہرے اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ بہرکیف ایسے صادق الایمان اور نیک بخت لوگوں کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ صالح اور متقی لوگ ہیں۔ یہ جو بھی نیکی کریں گے ان کو اس کے اجر سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ یہ اسلام میں آجانے کے بعد اپنی ان نیکیوں کا بھی پورا پورا اجر پائیں گے جو انہوں نے اسلام سے پہلے کی تھیں۔ انہی حضرات کا ذکر آلِ عمران کی آیت ۱۹۹ میں فرمایا گیا ہے۔ سو دینِ حق کو اپنانا سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ سعادتِ دارین سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یا ربَّ العالمین

۲۲۹ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح جانتا ہے پرہیزگاروں کو اس لئے وہ اپنی رحمتِ بے نہایت اور کرمِ بے پایاں سے ہر کسی کو اس کے اس اجر سے نوازے گا، جس کا وہ اپنے تقوٰی کی بناء پر مستحق ہوگا۔ کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوگی کہ وہ سب کو پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو تقوٰی سے سرفرازی محض زبانی کلامی دعووں یا صرف ظاہرداریوں سے نصیب نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کو صدقِ دل سے اور صحیح معنوں میں اپنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ معاملہ اس معبودِ برحق سے ہے جو دلوں کے اَحوال اور ان میں چھپی نیتوں اور مخفی ارادوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَکَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَفِیْ کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِی الْحَیَاۃِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق و ہدایت پر ثابت و مستقیم رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۲۳۰ کافروں کا انجام خلود فی النار، والعیاذ باللہ: ۔ ان کے اپنے اس کفر کی بناء پر، جس کو انہوں نے خود اپنے ارادہ و اختیار سے اپنایا تھا، اور مرتے دم تک اس کو گلے لگائے رکھا تھا۔ اور ایسے لوگ چونکہ دنیا سے ایمان سے محرومی اور کفر کی ظلمت کے ساتھ ہی رخصت ہوئے اس لیے ان کو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں ہی رہنا ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہوسکتا ہے؟ اور اس کو اگر دنیا ساری کی دولت بھی اس دنیا میں مل جائے تو بھی اس کو کیا ملا؟۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ

مثال اس کی جو یہ (کافر) لوگ خرچ کرتے ہیں ف۲۴۱ اس دنیا کی زندگی میں، ایسی ہے جیسے

رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا

کہ ایک ہوا ہو جس میں پالا (سخت سردی) ہو، جو آ پڑے ایسے لوگوں کی کسی کھیتی پر، ف۲۴۲ جنہوں نے ظلم ڈھایا ہو

اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ

اپنی جانوں پر، اور وہ ہلاک (و برباد) کر کے رکھ دے اس کھیتی کو، اور اللہ (پاک سبحانہ وتعالیٰ) نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، مگر

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

یہ لوگ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے رہے تھے، ف۲۴۳ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا

رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری خرابی (اور بربادی) میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے، ف۲۴۴ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم لوگ تکلیف (اور نقصان)

۲۴۱ **اہلِ باطل کا انفاق بے سود ولا حاصل**:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ کفر و باطل کے خرچ کی آخرت میں کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں اور یہ سب کچھ ان کیلئے بے سود اور لا حاصل ہوگا، سو اس سے کافروں کے اس خرچ و انفاق کی حقیقت واضح فرما دی گئی جس کو وہ اپنے طور پر نیکی اور خیر سمجھ کر کرتے ہیں۔ اپنے طور پر یہ لوگ اس کو نیکی اور کمال سمجھتے ہیں ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ الآیۃ [الکہف۔۱۰۴] جیسے آج کل اہلِ کفر و باطل مختلف طریقوں سے اور مختلف کاموں اور پروگراموں پر، اپنے مال خرچ کرتے، اور دولت لٹاتے ہیں۔ ہسپتال بناتے، خیراتی ادارے قائم کرتے اور غریبوں محتاجوں میں روٹی کپڑا وغیرہ مختلف اشیاء تقسیم کرتے، اور اپنے طور پر مست و مگن ہیں کہ ہم ٹھیک ہیں۔ اور ہم نے سب کچھ پا لیا۔ مگر ایمان سے محرومی کے باعث ان لوگوں کو ان کے ان اعمال کا آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہاں اجر و ثواب اور صلہ و بدلہ پانے کیلئے اولین شرط ایمان سے سرفرازی ہے۔ اور اس سے ایسے لوگ محروم ہوتے ہیں۔ البتہ ان اعمال کا بدلہ ایسے لوگوں کو اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے، جیسا کہ مختلف نصوص میں اسکی تصریح موجود ہے۔ مثلاً سورۂ ھود کی آیت نمبر ۱۵ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے۔ آخرت میں ان کے لیے دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ جل وعلا

۲۴۲ **کفر و شرک کا پالا بڑا ہولناک اور تباہ کن، والعیاذ باللہ**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں اور مشرکوں کے خرچ کی مثال ایسے ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت قسم کا پالا ہو۔ جو ایسے لوگوں کی کھیتی پر آ پڑے جنہوں نے ظلم کیا ہو اپنی جانوں پر اور وہ اس کھیتی کو ہلاک اور برباد کر کے رکھ دے۔ سو یہی حال ان کافروں کا ہے، جو اپنے طور پر، اور اپنے زعم و گمان کے

مطابق، نیکی کے ان مختلف کاموں اور مختلف میدانوں میں اپنا مال و دولت لگاتے اور خرچ کرتے ہیں۔ اور اس امید پر ہیں کہ یہ انہیں آخرت میں کام آئے گا، مگر کفر و شرک کے تباہ کن پالے اور اسکی ٹھنڈ نے ان کی اس کھیتی اور زندگی بھر کے کئے کرائے کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور کل جب یہ فیصلے کے اس دن میں وہاں پہنچیں گے، تو ان کے کام آنے کو وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا ہوگا۔ اور اس وقت ان کو یاس و حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو کفر و شرک کی آگ ایک ایسی ہولناک ٹھنڈی آگ ہے، جو زندگی بھر کی ساری محنت اور کمائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ کفر و شرک کے مارے اپنی خود ساختہ اور من گھڑت دینداری کی نمائش کے لئے جو کچھ خرچ کرتے ہیں یہ ان کو آخرت میں کچھ بھی کام نہیں آسکے گا۔ یہ محض ایک سراب اور سراسر دھوکہ ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اصل چیز ایمانِ صادق اور یقینِ کامل کی دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند و ہمکنار کرتی ہے۔ والحمد للہ الذی شرفنا بنعمۃ الایمان والیقین۔ اللہم فزدنا منہ وثبتنا علیہ۔ اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین ثم آمین

۲۲۳ **حق سے منہ موڑنے والے ظالم۔ والعیاذ باللہ:**۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حق سے منہ موڑنے والے ظالم ہیں جو خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ کہ انہوں نے اپنے رب کی طرف سے عطا فرمودہ نورِ ہدایت سے منہ موڑ کر خود اپنے آپکو اس ہولناک انجام کے حوالے کیا۔ سو نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑنا دراصل خود اپنی ہی جان پر ظلم کرنا ہے اور اس کا بھگتان ایسے لوگوں کو خود ہی بھگتنا پڑے گا۔ لیکن آج ان کو یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو زندگی کی قدر و قیمت اسی صورت میں ہے اور راہِ حق و ہدایت اور طریقِ فوز و فلاح سے سرفرازی اسی وقت میسر آسکتی ہے جب کہ دینِ حق کی تعلیماتِ حق و ہدایت کو صدقِ دل سے اپنایا جائے۔ ورنہ سراسر دھوکہ اور نرا سراب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بِكُلِّ حالٍ من الاحوال، وفي كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن في الحياة،

۲۲۴ **غیروں کو راز دار بنانے کی ممانعت:**۔ سو اس سے اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو رازدار بنانے کی ممانعت فرما دی گئی، سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا رازدار نہیں بنانا۔ وہ تمہاری خرابی اور بربادی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم لوگ تکلیف اور نقصان ہی میں مبتلا رہو۔ والعیاذ باللہ۔ سو انکو جب بھی کوئی موقع میسر آئے گا وہ تم کو نقصان ہی پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے ان کو کبھی اپنا رفیق و راز دار نہ بنانا کہ وہ جب تمہارے دین کے دشمن ہیں تو تم سے بھی اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ اس لیے ان سے ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنا۔ اور تمہارے خیر خواہ وہی ہوسکتے ہیں جو تمہارے دین و ایمان میں تمہارے شریک ہوں۔ اور جو تمہارے دین کے دشمن ہوں وہ تمہارے بھی دشمن ہونگے لیکن افسوس کہ آج مسلمان کی حالت اس سلسلے میں بھی نہایت افسوسناک ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ غیروں کو اپنا دوست اور راز دار بنائے ہوئے ہیں بلکہ ان میں کتنے ہی ایسے ہیں جو غیروں کا آلۂ کار بن کر خود اپنے مسلمان بھائیوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور دینِ حق کے لئے بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ خاص کر وہ لوگ جن کا تعلق حکمران طبقے سے ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ جیسا کہ اس کے نمونے ہم اپنی آنکھوں سے جا بجا دیکھتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ

ہی میں مبتلا رہو، ان کے دلوں کا بغض ان کے مونہوں سے نکلا پڑتا ہے،

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جو کچھ انہوں نے اپنے سینوں میں چھپا رکھا ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، ہم نے تو کھول کر بیان کر دیں تمہارے لئے

الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ

(حقیقت سے آگاہ کرنے والی) نشانیاں (سو تم احتیاط سے کام لو) اگر تم عقل رکھتے ہو، ۲۴۵ ہاں (تم لوگ اتنے سادہ لوح اور

تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

غفلت شعار کیوں ہو کہ) تم تو ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے ۲۴۶ حالانکہ تم لوگ ایمان رکھتے ہو تمام

كُلِّھٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا

(آسمانی) کتابوں پر، ۲۴۷ اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، لیکن جب وہ الگ

عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ

ہوتے ہیں، تو تم پر غیظ (وغضب) کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں ۲۴۸ کہو کہ جل مرو تم اپنے اس غیظ (وغضب)

۲۴۵ دوست اور دشمن کے درمیان فرق وتمیز کی ضرورت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں کھول کر بیان کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔ سو یہ عقل ونقل کا تقاضا ہے کہ انسان دوست اور دشمن کے درمیان فرق وتمیز کرے کہ انسان کی بہتری بھی اسی میں ہے اور عقل وخرد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان ایسے دشمنوں سے ہوشیار اور محتاط رہے، اور اپنا ایسا کوئی راز ان کے ہاتھ نہ لگنے دے جو کل اس کے لئے مصیبت اور نقصان کا باعث بن جائے۔ اور وہ دوست اور دشمن کے درمیان فرق کرے اور اس بات کو سوچے اور سمجھے کہ دوست کون ہوسکتا ہے اور دشمن کون؟ اور رازداں کس کو بنانا چاہیئے "بِطَانَہ" اصل میں لحاف وغیرہ کے استر کو کہتے ہیں اور اس سے مراد آدمی کے اہل و عیال اور اس کے خواص اور محرمِ راز ہوتے ہیں۔ اسی کو "وَلِیْجَہ" کہا جاتا ہے۔ سو اہلِ ایمان کو ہدایت فرمائی گئی کہ وہ اپنے سوا دوسروں کو اپنا رازدار نہ بنائیں کہ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ تو ایمان والوں سے بغض وعناد ہی رکھتے ہیں۔ تو پھر ایسوں کو "وَلِیْجَہ" اور رازدار بنانے کی کیا تک اور کیا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ والعیاذ باللہ جل وعلا،

۲۴۶ قرآنِ حکیم کی صداقت کا ایک اور ثبوت دلوں کے حال بیان کرنا: سو اس سے قرآنِ حکیم کی

حقانیت و صداقت کا ایک اور ثبوت، سامنے آتا ہے، یعنی دلوں کے حال کا بیان کرنا سو یہ قرآنِ حکیم کی حقانیت اور اس کی اعجاز بیانی کا ایک واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کے حال بیان کرتا ہے، کیونکہ محبت رکھنے یا نہ رکھنے کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے، اور دلوں کا حال کوئی نہیں جان سکتا سوائے خود محبت رکھنے والے کے یا اسکے جو علام الغیوب ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس سے ثابت ہوا کہ یہ کلام انسانی کلام نہیں بلکہ انسانوں کے اس خالق و مالک کا کلام ہے جو کہ دلوں کے رازوں اور بھیدوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے اور اس نے وحی کے ذریعے اس سے اپنے پیغمبر کو سرفراز فرمایا۔ سُبْحَانَه وَتَعَالٰی ۔ ﴿هَاَنْتُمْ﴾ میں ''ہا'' حرفِ تنبیہ ہے۔ اور عربی زبان و استعمال میں یہ حرف تنبیہ کی بات پر زور دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے ''هَا اَنَا ذَا''، ''ہاں میں یہ ہوں''۔ سو اس سے فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ تم لوگ ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ تم پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہو مگر وہ نہیں رکھتے۔ تو ایسے میں تمہارے لئے یہ کس طرح درست ہوگا کہ تم ان سے محبت رکھو، اور ان کو اپنا ''بطانہ'' اور رازداں بنالو؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْٓءٍ وَّ اِنْحِرَاف، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۲۴۷ مومن کا ایمان سب آسمانی کتابوں پر: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مومن ہر آسمانی کتاب پر ایمان رکھتا ہے خواہ وہ کسی پر بھی نازل ہوئی ہو اور کبھی بھی نازل ہوئی ہو کہ مومنِ صادق سب ہی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے، جبکہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر اس کی صداقت و حقانیت واضح ہو جانے کے باوجود اس پر ایمان نہیں لاتے تو ایسی صورت میں ان لوگوں سے تمہاری دلی دوستی اور محبت کا سوال ہی کیا ہو سکتا ہے؟ اور تم ان کو اپنا ''بطانہ'' اور رازدار کس طرح بنا سکتے ہو؟ سو غیروں کو اپنا راز دار بنانا تمہاری غیرتِ ایمانی کے بھی خلاف ہے۔ اور تمہارے دینی اور ایمانی تقاضوں اور مفادات کے بھی۔ پس تم لوگوں کو اے ایمان والو! اس بارے میں محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔

۲۴۸ اہلِ کفر و باطل کے جوشِ عداوت اور حسد کا بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ جب علیحدہ ہوتے ہیں تو تم پر غیظ وغضب کے مارے اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں۔ یعنی وہ تمہارے خلاف اپنی انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں، جوشِ عداوت اور حسد و جلن میں، کہ یہ لوگ بڑھتے اور پھیلتے پھولتے جا رہے ہیں۔ سو یہ قرآنِ حکیم کا ایک اور معجزہ ہے کہ ان لوگوں کے ظاہر و باطن دونوں کی ایسی باتوں کو یکساں طور پر اور پوری صراحت و وضاحت سے بیان فرمادیا، حالانکہ ان کے گھر کی اور تنہائی کی ان باتوں کو ان کے سوا اور کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام کسی انسان کا کلام نہیں، بلکہ اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کا کلام ہے جو لوگوں کے ظاہر و باطن سے یکساں طور پر واقف و آگاہ ہے، جو دلوں کے بھیدوں کو جاننے والی ذات ہے، اور جس کی شان ہے ''لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ'' مزید معجزہ یہ کہ یہ اعداء و منافقین اس کا انکار بھی نہیں کر سکے کہ ہم تنہائی میں ایسی باتیں نہیں کرتے۔ فَسُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانُهٗ ۔ سو اہلِ کتاب کی یہ باتیں یاد کرا کر مسلمانوں کو غیرت دلائی گئی کہ جن لوگوں کے حالات اور کرتوت یہ اور یہ ہیں اور جن کی تم لوگوں سے دشمنی کا یہ عالم ہے ان کے ساتھ تمہاری دوستی آخر کس طرح ہو سکتی ہے؟ سو ان سے دوستی حق اور حقیقت کے تقاضوں کے قطعاً خلاف ہے۔ سو ان سے محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن تَمْسَسْكُمْ

میں، بے شک اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں تک کو ف٢٤٩ (نیز ان کا حال یہ ہے کہ) اگر تمہیں کوئی اچھائی پہنچے تو انہیں برا لگتا ہے،

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا

اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس سے یہ لوگ خوش ہوتے ہیں ف٢٥٠ اور (یاد رکھو کہ) اگر تم صبر (واستقامت) سے کام لیتے

٢٤٩ **اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم وآگہی کا ذکر وحوالہ:۔** سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے حال کو بھی جانتا ہے۔ سو اس سے تمہاری کوئی حرکت چھپی نہیں رہ سکتی۔ اپنے کئے کا بھگتان تمہیں بہر حال بھگتنا ہوگا جو کہ اپنی کامل شکل میں آخرت کے اس جہاں میں ہوگا جو کہ ''دار الجزاء'' ہے اور جہاں پر انسان کو اپنے کئے کرائے کا پورا بدلہ ملے گا، مگر تمہارے لئے نقد سزا یہ ہے کہ تم اپنی حسد کی اس ٹھنڈی آگ میں ابھی سے جلتے مرتے رہو، جو تم لوگوں نے حق اور اہلِ حق کے خلاف خود ہی اپنے سینوں میں جلا رکھی ہے۔ سو حاسد لوگوں کو ان کے حسد کی ایک نقد سزا یہ ملتی ہے کہ وہ حسد کی اس ٹھنڈی آگ میں خود ہی جلتے رہتے ہیں جو انہوں نے اپنے باطن میں خود جلا رکھی ہوتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس سے اہلِ بدعت وغیرہ اہلِ زیغ وضلال کے ان خیالاتِ فاسدہ اور مزاعمِ کاسدہ کی بھی جڑ نکل جاتی ہے جو اس طرح کے لوگ اس ذاتِ اقدس واعلیٰ کو دنیاوی حکمرانوں اور بادشاہوں پر قیاس کر کے طرح طرح کے واسطے گھڑتے اور شرکیہ عقائد اپناتے ہیں۔ بھلا جو ذاتِ اقدس واعلیٰ دلوں کے رازوں اور بھیدوں سے بھی پوری طرح مطلع اور آگاہ ہو، اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنا اور اس بناء پر اسکے لئے خود ساختہ وسیلے اور واسطے گھڑنا آخر کس طرح اور کیونکر درست ہوسکتا ہے؟۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

٢٥٠ **حاسدوں کے حسد کا ایک اور نمونہ ومظہر:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو کوئی اچھائی نصیب ہوتو ان کو برا لگتا ہے۔ اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس سے یہ خوش ہوتے ہیں۔ سو یہ ان کے حسد وعداوت کا ایک اور ثبوت اور مظہر ہے۔ اور یہاں بھی وہی حقیقت روشن وفروزاں ہے کہ ان کے دلوں کے حال کی خبر دی گئی ہے، کیونکہ خوش ہونے اور برا لگنے کا تعلق اصل میں دل ہی سے ہوتا ہے۔ اور قرآنِ حکیم کے اس بیان کا وہ لوگ انکار بھی نہیں کر سکے۔ سو یہ ایک اور معجزہ ہے اس کتابِ حکیم کا کہ یہ دلوں کے حال اور مخفی اسرار کی اس طرح خبر دیتی ہے۔ پس یہ اس مالکِ مطلق کا کلامِ حق ترجمان ہے جو دلوں کے چھپے اسرار کو بھی پوری طرح جانتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہر کیف اس سے اہلِ ایمان کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جب ان لوگوں کا تم سے دشمنی کا یہ عالم ہے کہ اگر تم کو کوئی اچھی حالت نصیب ہوتو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو یہ خوش ہوتے ہیں تو پھر ایسوں سے تمہاری دوستی اور ان کو اپنا رازدار بنانا تمہارے لئے کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ والعیاذ باللہ جل وعلا،

بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ

رہے، اور تم نے تقوٰی (و پرہیزگاری) کو اپنائے رکھا، تو ان کے مکر (و فریب) سے تمہارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا ۲۵۱ بے شک اللہ

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ

(اپنی قدرتِ کاملہ اور علمِ شامل سے) پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہے ان کے ان تمام کاموں کا جو یہ لوگ کرتے ہیں ۲۵۲ اور (وہ

مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب آپ (اے پیغمبر!) صبح کے وقت (جہاد و قتال کی غرض سے) اپنے گھر سے نکلے تھے (اور

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ

احد کے میدان ۲۵۳ میں) مسلمانوں کو بٹھا رہے تھے لڑائی کے مورچوں پر، اور اللہ بڑا ہی سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے، (اور

اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

وہ بھی یاد کرو کہ) جب تم میں سے (اے مسلمانو!) دو گروہوں نے ارادہ کر لیا کہ وہ بزدلی دکھائیں ۲۵۴ اور اللہ مددگار تھا ان

۲۵۱ صبر و تقوٰی وسیلۂ حفاظت و نجات: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ صبر و تقوٰی ضرر رسانی سے بچنے کے دو عظیم الشان وسیلے ہیں سبحان اللہ! صبر و تقوٰی کے یہ دو ہتھیار کس قدر عظیم الشان ہتھیار ہیں کہ نہ انکے اٹھانے اور لانے لیجانے کا کوئی بوجھ، نہ ان کیلئے روپیہ پیسہ اور خرید و فروخت کا کوئی سوال، لیکن یہ کارگر اتنے اور مفید اس قدر کہ اتنے بڑی عداوت اور دشمنی رکھنے والے دشمن کا مکر و فریب بھی اہلِ حق کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ فَاِيَّاكَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْ تُشَرِّفَنَا بِكَامِلِ الصَّبْرِ وَ التَّقْوٰى فِيْ كُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ وَبِكُلِّ مَوْطِنٍ مِّنْ مَّوَاطِنِ الْحَيَاةِ - سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآنِ حکیم دنیا کو کس قدر عظیم الشان خزانوں سے نوازتا ہے لیکن دنیا ہے کہ اس سے غافل و بے خبر اور اس سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ دشمن کی ضرر رسانی سے بچنے کے لئے صبر اور تقوٰی دو عظیم الشان ذریعے اور وسیلے ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ - پس تم لوگ ہمیشہ انہی کو اپنائے اور اپنے لیے حرزِ جان بنائے رکھو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید۔ بکل حالٍ من الاحوال، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ۔

۲۵۲ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم و قدرت کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کے احاطۂ علم و قدرت سے کچھ بھی باہر نہیں ہو سکتا پس نہ یہ لوگ اس کے دائرۂ علم و قدرت سے خارج ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی اس کی گرفت و پکڑ سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہیں۔ سو ایسے میں ہر کوئی خود دیکھ لے اور اپنے بارے میں خود سوچ لے کہ وہ کیا کر رہا ہے،

اور اپنے رب کے ساتھ اس کا معاملہ کیسا رہے گا؟ کیونکہ اس نے بہرحال اسکے حضور حاضر ہوکر اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کی جواب دہی کرنی اور اس کا صلہ اور بدلہ پانا ہے۔ پس یہ لوگ جو چاہیں حق اور اہلِ حق کے خلاف چل رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم وقدرت سے نہ مخفی ہیں اور نہ ہی اس سے خارج۔ پس اس ارشاد میں ایک طرف تو منکرین کے لئے تہدید اور دھمکی ہے کہ ان کو حق اور اہلِ حق کے خلاف اپنائی جانے والی ان چالوں کا بھگتان بھگتنا ہوگا اور دوسری طرف اس میں اہلِ حق کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ تم لوگ ان کی ان چالوں سے گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور صبر وتقویٰ کے وسیلوں کو اپنائے رکھو۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنایت کے مورد بن سکو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنایت شاملِ حال ہوگی تو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید

۲۵۳ غزوۂ احد کے بیان کا آغاز:- یعنی آیتِ کریمہ میں اگرچہ اس کی تصریح نہیں، لیکن جمہور علمائے کرام کے نزدیک یہاں سے ذکر غزوۂ احد ہی کا شروع ہورہا ہے، جوکہ ہجرتِ مدینہ کے تیسرے سال سات شوال کو ہفتے کے روز پیش آیا۔ اور اس روز صبح سویرے ہی آپ -ﷺ- اس جہاد وغزوہ کے لئے اپنے گھر سے روانہ ہوئے تھے (القرطبی، المراغی، المحاسن، اور المعارف، وغیرہ)۔ اور یہ اس صبر وتقویٰ کے نتائجِ کریمہ اور اس کے ثمراتِ طیبہ کا ایک نمونہ اور واقعی ثبوت ہے جس کے بارے میں اوپر ارشاد فرمایا گیا تھا کہ اگر تم صبر وتقویٰ کی راہ پر گامزن رہے تو ان کے مکروفریب سے تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ "مقاعد" جمع ہے "مقعد" کی، جس کے معنٰی بیٹھنے کی جگہ کے ہیں۔ یہاں پر اس سے مراد ہے مورچہ، جہاں سے مجاہد دشمن کے خلاف جہاد کرتا، اور اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ سو یہ آیتِ کریمہ تمہید اور آغاز ہے اس عظیم الشان اور عبرتوں بھرے تبصرے کی جو غزوۂ اُحد کے واقعات اور اس سے متعلق پیدا شدہ صورتِ حال اور اس کے اثرات اور نتائج وثمرات کے بارے میں اس سورۂ کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے "سمیع وعلیم" کا حوالہ دے کر واضح فرمادیا گیا کہ یہ سب کچھ حضرتِ حق -جل مجدہ- کے علم اور اس کے سمعِ بے مثال پر مبنی ہے۔ اس لئے اس میں کسی کے لئے کسی چوں وچرا کی کوئی گنجائش ہوسکتی ہے اور نہ کہیں اور کسی جگہ انگلی رکھنے کی۔ اور اس میں طرح طرح کے درسہائے عبرت وبصیرت ہیں- والحمد للہ جل وعلا- بہرکیف یہاں سے غزوۂ احد کے احوال اور ان پر تبصرے کا ذکر وبیان شروع ہوتا ہے۔

۲۵۴ دوگروہوں کی بزدلی اور کم ہمتی کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم میں سے دوگروہوں نے ٹھان لی کہ وہ بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کریں۔ روایات کی مطابق ان دوگروہوں سے مراد بنوسلمہ اور بنوحارثہ ہیں۔ سوانہوں نے جب دیکھا کہ ہماری تعداد تو دشمن کے مقابلے میں پہلے ہی بہت کم تھی اور سامان بھی ان کے مقابلے میں بہت تھوڑا تھا، اور اس پر مزید یہ کہ عبداللہ بن ابی بن سلول بھی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت راستے میں ہی ہم سے الگ ہوگیا، تو اس طرح ضعفِ بشری کی بناء پر ان کی ہمت وحوصلہ میں کمزوری آگئی۔ نہ کہ نفاق وغیرہ کی وجہ سے۔ کیونکہ کفار کی تعداد اس موقع پر تین ہزار تھی اور مسلمانوں کی صرف ایک ہزار۔ اور ان میں سے بھی جب راستے میں ابنِ ابی بن سلول اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس ہوگیا تو ان کی تعداد اور بھی کم ہوگئی، جس کا اثر ان کی طبیعتوں پر پڑنا ایک فطری اور طبعی امر تھا۔ سو وہ پست ہمتی پر اتر آئے - والعیاذ باللہ العظیم-

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ

دونوں کا ۲۵۵ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ۲۵۶ اور یقیناً اللہ مدد فرما چکا ہے تمہاری (اس سے پہلے) بدر کے مقام پر،

اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

جب کہ تم (بالکل) کمزور تھے ۲۵۷ سو ڈرتے (اور بچتے) رہو تم لوگ اللہ (کی ناراضگی و نافرمانی) سے، تاکہ تم (اس کے) شکر گزار

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ

بن سکو ۲۵۸ (اور وہ بھی یاد کرو کہ) جب آپ (اے پیغمبر!) اہلِ ایمان سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں کافی نہیں یہ بات کہ تمہارا

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ ﴿۱۲۴﴾

رب تمہاری مدد فرمائے تین ہزار ایسے فرشتوں سے جو کہ (اسی غرض کے لئے) اتارے گئے ہیں؟ ۲۵۹

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

ہاں کیوں نہیں، اگر تم ثابت قدم رہے، اور تم تقویٰ (و پرہیزگاری) پر قائم رہے، اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے،

هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

تو تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے گا، پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ

الربع

جو کہ خاص نشانوں والے ہوں گے ۲۶۰ اور اس (امداد) کو بھی اس نے محض اس لئے مقرر (اور بیان) فرمادیا کہ تاکہ خوشخبری ہو تمہارے لئے

وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

اور (اس لئے کہ) تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل، ورنہ (حقیقت یہ ہے کہ فتح و) نصرت اللہ ہی کی طرف سے

۲۵۵ اللہ تعالیٰ کی مدد و حمایت کا مژدۂ جانفزا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ مددگار تھا ان دونوں گروہوں کا سو ان دونوں گروہوں کی دوں ہمتی کی شکایت کے ساتھ ساتھ ان کیلئے ایک عظیم الشان خوشخبری بھی ہے۔ اس لئے اس نے ان کو اس کمزوری اور اس کے نتیجے یعنی فرار سے بچا لیا، اور وہ معرکۂ کارزار میں ثابت قدم رہے اور اللہ کی اس توفیق و عنایت سے وہ "فرار من الزحف" یعنی "میدانِ جنگ سے بھاگنے" کے اس ہولناک گناہ سے بچ گئے

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَلٰی رَحْمَتِهٖ وَعِنَايَتِهٖ بِعِبَادِهٖ جَلَّ وَعَلَا۔ سو جب انسان کا باطن صحیح ہو، اور اس کے ایمان وعقیدہ اور نیت وارادہ میں کوئی فتور وقصور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت سے اس کو مزالق ومہالک سے بچالیتا ہے اور اس کو ہر موقع پر حق وہدایت کی توفیق وعنایت نصیب ہو جاتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَخُذْنَا بِنَوَاصِيْنَآ اِلٰی مَا فِيْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو حمایت اور نصرت وعنایت اصل میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی ہے۔ باقی سب اوہام وخرافات کے پلندے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس مومن کا بھروسہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی پر ہونا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید۔

۲۵۱ ایمان کا تقاضا کہ بھروسہ اللہ ہی پر ہو: سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو کہ بھروسہ کے لائق وہی وحدہ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ باقی سب سہارے فانی اور بے بنیاد ہیں، اسی لیے ایمان کا تقاضا ہے کہ بھروسہ واعتماد اسی قادرِ مطلق وحدہٗ لاشریک پر ہو، مگر افسوس کہ اس کے باوجود آج کے جاہل اور ضعیف الایمان مسلمان کا حال اس سے مختلف اور بہت مختلف ہے، کہ اس کا بھروسہ کہیں اپنے مال واَسباب اور دنیاوی ذرائع ووسائل پر ہے، کہیں اپنی کرسی واقتدار پر، کہیں کسی زندہ یا مردہ ہستی پر، کہیں کسی قبر یا آستانے پر، کہیں کسی خود ساختہ اور فرضی ''سرکار'' پر اور کہیں کسی شرکیہ تعویذ گنڈے پر وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی۔ جب کہ قرآنِ حکیم صاف اور صریح طور پر کہتا ہے کہ ایمان والوں کو بھروسہ ہمیشہ اللہ ہی پر رکھنا چاہیئے، کہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ بھروسہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھا جائے۔ کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال۔

۲۵۲ لفظ ''اَذِلَّةٌ'' کا معنیٰ ومفہوم اور ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ: سو ''اَذِلَّةٌ'' ذلیل کی جمع ہے، جس کے اصل معنیٰ کمزور وناتواں کے ہیں، اور ذلیل کا لفظ اپنے اصل مفہوم اور لغوی معنیٰ کے اعتبار سے اس معنیٰ کیلئے موضوع نہیں جس کے لئے یہ ہمارے محاورے اور معاشرے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اہلِ بدعت نے حضرتِ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے خلاف ایک موقع پر اس لفظ یعنی ''اَذِلَّة'' کے استعمال کی بناء پر جو الزامات کا ایک طوفان بپا کیا ہے، وہ خود ان لوگوں کی اپنی جہالت اور لغت سے بے خبری کی دلیل ہے۔ ورنہ ان معترضین سے کوئی پوچھے کہ کیا تم لوگ یہاں پر یعنی اس آیتِ کریمہ میں استعمال ہونے والے اس لفظ کے وہی معنیٰ مراد لو گے جو کہ ہمارے عام محاورے میں سمجھے جاتے ہیں؟ اور کیا تم لوگ یہاں بھی وہی اعتراضات دہراؤ گے جو تم نے حضرتِ شاہ شہیدؒ پر کئے ہیں۔ اور تم خود بتاؤ کہ حضراتِ صحابہ کرام۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ سے متعلق اس آیتِ کریمہ میں وارد اس لفظ کے استعمال کو تم کس معنیٰ ومفہوم میں لو گے؟ اور پھر بتاؤ کہ حضرتِ شاہ شہیدؒ نے کیا جرم کیا جو تم لوگوں نے ان کے خلاف اس قدر طوفانِ بدتمیزی بپا کیا؟ بہر کیف لفظ ''ذلیل'' کا اصل اور حقیقی معنیٰ وہ نہیں جو ہمارے یہاں سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا اصل معنیٰ کمزور وناتواں ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اللہ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر قائم رکھے اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۵۸ شکرِ منعم وسیلۂ سرفرازی - وباللہ التوفیق :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ منعمِ حقیقی کی شکر گزاری وسیلۂ سرفرازی ہے۔ اور اس منعمِ حقیقی اور وہّاب مطلق کی شکر گزاری اس کی نعمتوں سے مزید از مزید سرفرازی کا ذریعہ اور سبب ہے۔ سو اس طرح اس غنیِ مطلق -سبحانہ و تعالیٰ- کی شکر گزاری سے خود تم ہی لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، کہ شکر گزاری کی صفت ہی وہ صفت ہے جس سے نعمتوں میں برکت آتی، بڑھوتری ہوتی اور ان کی حفاظت ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [ابراہیم۔۷] یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر تم لوگ شکر ادا کرو گے تو میں تم کو بڑھا کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یاد رکھو کہ پھر میرا عذاب بھی بڑا ہی سخت ہے" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الَّذِي لا اِلٰهَ اِلَّاهُوَ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین، یارب العالمین

۲۵۹ فرشتوں کی مدد کا وعدہ و خوشخبری :- یہاں پر منزلین کے لفظ سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ یہ فرشتے ان فرشتوں میں سے نہیں ہونگے جو کہ پہلے سے زمین پر موجود ہیں بلکہ یہ فرشتوں کا وہ خاص لشکر ہو گا جس کو اسی غرض کیلئے آسمان سے اتارا جائے گا، اور ان کو خاص تمہاری مدد کیلئے بھیجا جائے گا۔ سو جب صدق و اخلاص پورا ہو اور اللہ پر بھروسہ و اعتماد بھی کامل ہو تو اللہ ایسے ہی اپنی غیبی مدد سے نوازتا ہے- سبحانہ و تعالیٰ- "مسومین"، "سَوْمہ" یا "سِمہ" سے ماخوذ و مشتق ہے جس کے معنیٰ علامت اور نشانی کے ہیں۔ سو فرشتوں کے لئے اس صفت کے ذکر و بیان سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ ان فرشتوں کو اس مہم میں شرکت اور اہلِ ایمان کی مدد کے لئے بطورِ خاص اتارا گیا ہو گا اور وہ اپنے اوپر کچھ خاص نشان اور بیج لگائے ہوئے ہوں گے جو فوج کی مختلف یونٹوں کے امتیازی نشان ہوتے ہیں۔ سو اس طرح اہلِ بدر کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی امداد کا انتظام فرمایا گیا۔ اور اللہ ایسے ہی نوازتا ہے اپنے بندوں کو- اور اسکی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے، ہمیشہ اور ہر طرح سے نوازنا اور کرم فرمانا، اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۲۶۰ اہلِ ایمان کیلئے فرشتوں کی خصوصی فوج کا انتظام :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ ثابت قدم رہے، اور تم تقویٰ و پرہیزگاری کی روش پر قائم رہے، اور وہ لوگ تم لوگوں پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے، تو تمہارا رب تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار ایسے فرشتوں سے جو خاص نشانوں والے ہونگے۔ یعنی ایسے خاص نشانیوں والے جن سے ظاہر ہو گا کہ یہ فرشتوں کا خاص لشکر ہے جو تمہاری مدد کیلئے بھیجا جا رہا ہے، اس لئے وہ خاص نشانات والے فرشتے ہوں گے، جس طرح کہ مختلف فوجی یونٹوں کے مختلف نشانات ہوتے ہیں، جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی طرح ملائکہ کرام کے اس خاص لشکر کے بھی خاص نشانات ہوں گے جو تمہاری مدد کیلئے بھیجے جائیں گے۔ سو اہلِ ایمان جب اپنے خالق و مالک کے ساتھ تعلق صحیح رکھتے ہیں، اپنے دل کا بھروسہ و اعتماد بھی اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھتے ہیں اور اپنے ایمان و عقیدہ کے تقاضے صحیح طور پر پورے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے ایسے ہی خاص انعامات سے نوازتا ہے- سبحانہ و تعالیٰ- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ

ہوتی ہے، جو کہ بڑا ہی زبردست (وغالب، اور) نہایت ہی حکمت والا ہے ۲۶۱ اور ایسا (اس غالب وحکیم مطلق نے) اس لئے کیا کہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

تاکہ وہ جڑ (بنیاد) کاٹ دے کافروں کے ایک گروہ کی، (اور ان کے کبر وغرور کی) ۲۶۲ یا ان کو ایسا ذلیل وخوار کردے کہ وہ لوٹیں ناکام

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ

(ونامراد) ہو کر ۲۶۳ آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں (اے پیغمبر! آپ اس کو اللہ ہی کے حوالے کردیں) وہ چاہے ان کو معاف کرے

يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

یا سزا دے، بے شک یہ لوگ پکے ظالم (اور مجرم) ہیں ۲۶۴ اور اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے،

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۲۶۵ وہ بخشش فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے، اور سزا دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ۱۳ ع ۹ ۴

جس کو چاہتا ہے، ۲۶۶ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اے وہ لوگو، جو

۲۶۱ اللہ کی مدد ظاہری اسباب و وسائل کی محتاج نہیں:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی مدد نہ ان ظاہری اسباب و وسائل کی محتاج ہے اور نہ ہی ان پر موقوف۔ وہ جیسے چاہے اپنی عزت وقدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے مدد فرمائے، مگر انسان چونکہ طبعی طور پر ظاہری اسباب کا عادی اور محسوسات کا خوگر ہے، اس لئے اس نے تمہاری مدد کیلئے یہ ظاہری طریقہ اختیار فرمایا، تاکہ اس سے تمہارے دلوں کے اطمینان کا سامان ہوسکے، ورنہ مدد اصل میں اسی عزیز وحکیم خداوندِ قدوس ہی کی مدد ہے، جو ان اسباب و وسائل کے واسطے کے بغیر بھی جس طرح چاہے مدد فرما سکتا ہے- سبحانہ و تعالیٰ- کہ وہ عزیز اور غالب ہے جس کو چاہے اور جیسے چاہے اپنی نصرت و امداد اور فتح وغلبہ سے سرفراز فرمائے۔ لیکن وہ چونکہ حکیم بھی ہے اس لئے جو کچھ کرتا ہے، نہایت حکمت سے کرتا ہے۔ اس کا کوئی فعل بھی حکمت اور اس کے تقاضوں سے خالی نہیں ہوتا - سبحانہٗ وتعالیٰ - اللّٰھم فخذنا بنواصینا الی مافیه حبک والرضا، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ، یاذاالجلال والاکرام، ویااکرم الاکرمین، و یاارحم الراحمین.

۲۶۲ کافروں کے ایک گروہ کی بیخ کنی کے مقصد کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اللہ جڑ کاٹ دے کافروں کے

ایک گروہ کی۔ جو اپنے ظاہری اسباب و وسائل پر مست اور اپنے کبر و غرور کے نشے میں چور تھے، چنانچہ ان کے ستر سردار مارے گئے۔ ان کا نشہ ہرن ہو گیا۔ غرور خاک میں مل گیا۔ اور ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ یہ ایسے ہو گئے کہ اب ان کے نام بطونِ اوراق ہی میں باقی رہ گئے اور بس۔ سو اس سے اس مقصد کو ظاہر اور واضح فرما دیا گیا جس کے لئے اہلِ ایمان کی مدد کی غرض سے فرشتوں کی فوج کو اتارنے کا یہ خاص اہتمام فرمایا گیا۔ والحمد للہ۔ سو ایسے معاند اور ہٹ دھرم کافر و منکر جو اپنے کفر و انکار پر اڑ جائیں وہ اللہ کی دھرتی پر ایک ایسا ناروا بوجھ بن جاتے ہیں جس کو مٹانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عناد و ہٹ دھرمی کی ہر قسم اور اسکی ہر شکل و صورت سے محفوظ رکھے، اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا ارحم الراحمین

۲۶۳ کافروں کے ایک گروہ کی ذلت و رسوائی کا سامان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا وہ ان کو ایسا ذلیل و خوار کر دے کہ وہ ناکام و نامراد ہو کر واپس لوٹیں۔ اور اس طرح وہ ہمیشہ کیلئے نشانِ عبرت بن جائیں کہ حق کے خلاف میدان میں اترنے والے بدبختوں کا انجام کیا اور کیسا ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ چنانچہ ان کے ستر سردار قیدی بنائے گئے اور باقی ایسے ذلیل ہو کر واپس لوٹے کہ پھر کبھی سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ اور ان کی شوکت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ بہر کیف معاملہ سب کا سب اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ اور گروہ سے یہاں پر مراد جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کفارِ قریش ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اہلِ ایمان کی نصرت و امداد اور ان کے غلبہ کے لئے اس اہتمام کے ساتھ جو انتظام فرمایا تو وہ اس لئے کہ تا کہ اس جنگ میں یا تو قریش کی قوت بالکل پامال ہو جائے اور وہ ذلیل و خوار ہو کر واپس لوٹیں یا کم از کم ان کی طاقت کا ایک حصہ ٹوٹ جائے۔ سو کفر و انکار ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین،

۲۶۴ معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ معاملہ پیغمبر کے اختیار میں نہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو ان کو معاف کرے یا ان کو سزا دے۔ بے شک یہ لوگ پکے ظالم ہیں اور ان کو اپنے کئے کرائے کا بھگتان بہر حال بھگتنا ہے۔ حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض قبائل کیلئے جب ان کے نام لے لے کر قنوتِ نازلہ میں بددعاء فرمائی، تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اور آپ ﷺ کو اس سے منع فرما دیا گیا (صحیح بخاری کتاب التفسیر، سورۃ آلِ عمران) سو ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ﴾ کے اس صریح ارشاد سے اہلِ بدعت کے مختارِ کل کے خود ساختہ شرکیہ عقیدے کی بھی جڑ کٹ گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ بہر کیف اس آیتِ کریمہ میں اس کی تصریح فرما دی گئی کہ یہ معاملہ اللہ پاک ہی کے حوالے اور اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے کہ وہ ان میں سے کچھ کو توبہ کی توفیق دے کر آپ کا سچا جاں نثار اور اسلام کا محافظ و پاسبان بنا دے۔ اور جس کو چاہے عذاب دے کہ وہی وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ کس کا دل کیسا ہے؟ اور کون کس لائق ہے؟ سو اس سے اہلِ بدعت کے علمِ غیبِ کلی اور اختیارِ کلی کے شرکیہ عقیدے کی بھی نفی ہو گئی۔ سو پیغمبر نہ مختارِ کل ہوتا ہے نہ عالمِ غیب۔ اختیارِ کلی اور علمِ غیب اللہ ہی کی شان ہے۔ سو جو لوگ ان صفات میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا حصہ مانتے ہیں وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ ہمیشہ راہِ حق و صواب پر گامزن

رکھے، اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یارب العالمین

۲۶۵ کائنات پوری اللہ ہی کی ملکیت ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے، اور مالک بھی وہی۔ اور اس پر حکومت بھی اسی کی ہے، اور ہر طرح کا تصرف بھی اسی کا۔ اس کے سوا دوسری کوئی سرکار ایسی نہیں جس کا ان میں سے کسی بھی چیز میں کوئی اشتراک یا عمل دخل ہو۔ پس غلط کہتے اور جہالت کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی نگری اور یہ فلاں ہستی کا ایریا ہے وغیرہ۔ یہ سب بے بنیاد اور بے اصل باتیں ہیں جو آگے طرح طرح کی شرکیات کا باعث بنتی ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- زمین وآسمان کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک تنہا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا کسی بھی درجے میں کوئی شریک نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ

اس ارشاد میں اہلِ حق کے لئے بشارت وخوشخبری کا پہلو بھی ہے کہ وہ اپنے ایمان ویقین اور صدق واخلاص کی بناء پر جس بدلہ اور اجر وثواب کے مستحق ہوں گے وہ ان کو بہر حال ملے گا کہ جو اس ساری کائنات کا خالق اور اس کے تمام خزانوں کا مالک ہے اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دے اور پورے کا پورا دے- سبحانہ وتعالیٰ- اللهم فكن لنا ولا تكن علينا يا ذا الجلال والاكرام - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۶۶ معاملہ سب اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں: -سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ بخشش وعذاب کا معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے وہ جسکے بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بخشش فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اور عذاب وسزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ کہ وہی جانتا ہے کہ کس کا جرم قابلِ معافی ہے اور کس کا نہیں کہ وہی وحدہٗ لاشریک عالمِ غیب اور دلوں کے بھیدوں اور جملہ کیفیات کو جاننے والا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور جب زمین وآسمان کی اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم ومتصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے تو یہ حق بھی اسی کا بنتا ہے کہ وہ جسکو چاہے سزا دے اور جس کو چاہے معاف فرمادے۔ سو معاملہ اسی کے حوالے اور اسی کے اختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو ایسے میں اگر کوئی کفر وشرک کے ارتکاب سے اپنے اوپر ظلم ڈھاتا ہے تو تم اس کی فکر میں نہ پڑو، بلکہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کردو۔ وہ اگر چاہے گا تو ان کو توبہ کی توفیق دے دیگا۔ یہ توبہ کریں گے اور وہ ان کو معاف فرمادے گا۔ اور اگر یہ اس کے اہل نہیں ہوں گے تو وہ ان کو ان کے کئے کرائے کی پوری پوری سزا دے گا تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں اور بھرپور طریقے سے پورے ہوں۔ پس آپ ان کا غم نہیں کرو بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ [النجم: ۲۹]۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ بخشش وعذاب کا معاملہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے، اور وہ چونکہ غفور ورحیم بھی ہے اور عزیز وحکیم بھی ہے۔ اس لیے اس کا ہر فیصلہ اور اس کی مشیئت، عدل وانصاف اور حکمت ہی پر مبنی اور ہر لحاظ واعتبار سے صحیح ہوتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ، اسلئے اسکے ہر فیصلے پر راضی اور سرِ تسلیم خم رہنا چاہیے وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلٰی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال-

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا

ایمان لائے ہو، مت کھاؤ تم سود بڑھتا چڑھتا، ٢٦٧ اور ڈرو تم لوگ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ

اللہ (کی پکڑ) سے، تاکہ تم فلاح (کی حقیقی اور ابدی سعادت) پا سکو اور ڈرو تم لوگ اس (ہولناک) آگ سے جس کو تیار کیا گیا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ ﴿١٣١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ

کافروں کے لئے، اور تم لوگ (دل کی خوشی سے) حکم مانو اللہ کا، اور اس کے رسول کا، تاکہ

تُرْحَمُوْنَ ۚ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تم پر رحم کیا جائے، اور دوڑو تم لوگ (ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر) ٢٦٨ اپنے رب (مہربان و غفور) کی بخشش

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ

اور ایسی جنت کی طرف، جس کا عرض (اور پھیلاؤ) آسمانوں اور زمین کے (عرض و پھیلاؤ کے) ٢٦٩ برابر ہے، جسے تیار کیا گیا ہے

لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿١٣٣﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ

ان متقی (اور پرہیزگار) لوگوں کے لئے، جو خرچ کرتے ہیں (اپنے مال اللہ کی رضاء کے لئے) خوشی میں بھی، اور

٢٦٧ بڑھتا چڑھتا سود کھانے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ "تم لوگ بڑھتا چڑھتا سود مت کھاؤ"۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا اور جیسا کہ سود مرکب یعنی سود در سود کی خاصیت ہے، اور ﴿اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ یعنی بڑھتے چڑھتے سود کی یہ قید احترازی اور بیانِ شرط کے طور پر نہیں، بلکہ بیانِ واقع اور تقبیح مزید کیلئے ہے۔ (ابن کثیر، روح، کبیر، صفوۃ البیان، صفوۃ التفاسیر وغیرہ) اور غزوۂ اُحد کے احوال کے بیان کے درمیان سود کی اس حرمت و ممانعت، اور مکارمِ اخلاق کے ذکر میں یہ درس ہے، کہ ایمان و تقویٰ ہی کے ذریعے مومن جہاد کے قابل ہو سکتا ہے، اور اپنے دشمن پر فتح و غلبہ پا کر اس کو زیر کر سکتا ہے، جبکہ دنیا پرستی اور سود خوری اس کی معنویات اور اخلاقی قوت کو تباہ کر دیتی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - پس ایمان والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے رب کی معصیت و نافرمانی کی ہر شکل سے بچیں۔ اور خاص کر سود خوری اور دنیا پرستی سے۔ اور اس کے برعکس وہ اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے خرچ کرنے کی خصلت کو اپنائیں تاکہ اسکی رحمت و عنایت سے سرشار ہوں۔ سو ﴿اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ کی قید ایسے ہی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ﴿لَا يَسْاَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ کی قید ہے، یا جیسے سورۂ نور میں ﴿اِنْ اَرَدْنَ

تَحَصُّنًا﴾ کی قید ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو سود کے ساتھ بڑھنے چڑھنے کی یہ قید احترازی نہین واقعی ہے۔ جو سود خوری کی لعنت کی قباحت و شناعت کو ظاہر کرنے کے لئے ذکر فرمائی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۶۸ اصل میدانِ مسابقہ کی نشاندہی: ۔ سو اس سے اہلِ ایمان کے لیے مسابقۃ اور مسارعۃ کے اصل میدان کی نشاندہی فرما دی گئی، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ ایمان کے لیے مسابقہ کا اصل میدان دنیاوی زندگی اور اس کا متاعِ فانی اور حطام زائل نہیں۔ بلکہ آخرت کی زندگی اور وہاں کی نعیم مقیم ہے کہ اس سے سرفرازی ہی اصل سرفرازی اور وہاں کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے نہ کہ حیاتِ دنیا کے ان خزف ریزوں کو سمیٹنا جن کی آخرت کے مقابلے میں کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تم اپنے رب کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر دوڑو: ۔ کیونکہ ﴿سَارِعُوْا﴾ "مُسَارَعَةٌ" سے امر کا صیغہ ہے، جو کہ مصدر ہے باب مفاعلہ کا۔ اور اس کا مفہوم یہی ہے کہ مقابلہ اور دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ پس آخرت کی کامیابی کی دھن مومن پر اس طرح سوار رہنی چاہیئے کہ وہ ہر وقت اس کے لئے سرگرم و کوشاں رہے۔ اور کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے ۔فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰهُمَّ التَّوْفِیْقَ وَالسِّدَادَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ القول والعمل وَمَا یُقَرِّبُنَا اِلٰی مَرْضَاتِکَ وَنَعِیْمِ الْجِنَانِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ سو مؤمن کے لئے مسابقہ اور مقابلہ کا میدان اصل میں یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی رضاء و خوشنودی اور اس کی مغفرت و بخشش کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش کرے نہ کہ دنیاوی مال و دولت کے جمع کرنے اور جوڑنے میں کہ یہ طریقہ یہودی ساہوکاروں اور مہاجنوں کا ہے جن کے نزدیک متاعِ فانی اور حطامِ زائل ہی سب کچھ ہے جب کہ مسلمان کے نزدیک اصل چیز آخرت وہاں کی کامیابی ہے جو کہ مقابلہ اور مسابقہ کا اصل میدان ہے ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔﴿وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ سو اس حقیقت کو فراموش کر دینا بڑے خسارے کا سودا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زیغ و زلل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۶۹ جنت کی وسعت و عظمت کا تصور: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کا عرض یعنی چوڑائی اور پھیلاؤ آسمانوں اور زمین کے عرض اور پھیلاؤ کے برابر ہے۔ اور جس کا عرض اور پھیلاؤ اس قدر ہوگا اس کا طول کس قدر ہوگا اور وہ کس قدر عظیم الشان چیز ہوگی؟ اور یہ بھی محض سمجھانے کیلئے اور تقریب الی الافہام کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ انسان کے سامنے آسمان و زمین کے طول و عرض کے سوا کسی اور وسعت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ ورنہ جنت اور آخرت کا معاملہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اور اس کی حقیقی وسعت و عظمت تو خداوندِ قدوس ہی جانے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو سود کے ذریعے اگر تم لوگ بہت تیر مارو گے تو سود کے ساتھ دس بیس فیصد کما لو گے یا دوگنا ہی کما لو گے اور بس۔ اور وہ سب بھی یہیں رہ جائے گا اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں نہ صرف یہ کہ یہ تمہارا کچھ کام نہیں آئے گا بلکہ وہاں پر تمہارا یہ سارا اندوختہ تمہارے جلانے کے لئے دوزخ کا ایندھن بنے گا ۔ وَ الْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔ اور اس کے برعکس اگر تم اپنا مال اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء کے لئے خرچ کرو گے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ تو اس کے صلے میں تم لوگ خدا کی رحمت و بخشش اور اس کی اس عظیم الشان جنت کے وارث بنو گے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ۔

الضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

تنگی میں بھی، ن۱۷۰ اور جو پی جاتے ہیں اپنے غصے کو ، اور جو عفو (و درگزر سے) کام لیتے ہیں

عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ

لوگوں سے (ان کی خطاؤں اور تقصیرات پر) ن۱۷۱ اور اللہ (پسند فرماتا اور) محبت رکھتا ہے ایسے نیکوکاروں سے، اور جن کا

۱۷۰ **راہِ خدا میں ہر حال میں خرچ کرنے کی تعلیم وترغیب:**۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ جنت ان خوش نصیبوں کے لیے ہوگی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء کے لیے خرچ کرتے ہیں خوشی میں بھی اور تنگی میں بھی۔ یعنی وہ ہر حال میں خرچ کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک اصل مقصود رضائے خداوندی کا حصول اور جنت کی حقیقی اور ابدی نعمتوں سے سرفرازی وفائز المرامی ہی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی اصل مطلوب ہے جتنا بھی ممکن ہو سکے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ" (المراغی وغیرہ)۔ یعنی تم لوگ دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے ممکن ہو اور سائل کو کچھ دیکر ہی لوٹایا کرو، خواہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو اور حضرتِ عائشہؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ انگور کے ایک دانے کا صدقہ کیا اور بعض اسلاف کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے پیاز کے ایک گنڈے کا صدقہ کیا۔ (نفس المرجع)۔ بہر حال جو اور جس قدر ممکن ہو سکے اپنے خالق و مالک کی رضاء اور اپنی آخرت کے توشہ و تیاری کے لئے خرچ کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

۱۷۱ **عفو ودرگزر سے کام لینے کی تعلیم وترغیب:**۔ سو ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کی خاص صفات کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اپنے غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے عفو ودرگزر کا معاملہ کرتے ہیں۔ یعنی وہ محض ذاتیات اور ذاتی مفادات کی بناء پر انتقام لینے والے نہیں ہوتے، بلکہ ان کی شانِ حلم و بردباری اور عفو و درگزر ہی سے کام لینے کی ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذٰلِكَ وَ عَلٰى مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔ سو عفو ودرگزر سے کام لینے کی صفت ایک بڑی عظیم الشان صفت ہے۔ اور حضرتِ ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اس بات کی خوشی ہو کہ اسکو بلند درجات سے نوازا جائے تو اسکو چاہیئے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لے اس شخص سے جو اس پر زیادتی کرے۔ اور وہ عطاء کرے اسکو جو اسکو محروم کرے۔ اور وہ تعلق جوڑے اس سے جو اس سے قطع تعلق کرے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سبحان اللہ! کیسی اعلیٰ تعلیم ہے اَخلاقِ فاضلہ کی جس سے نبی اُمی نے اپنی امت کو نوازا ہے۔ اللہ ان کو اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جنت ایسے ہی خوش نصیبوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی گزارتے ہیں اور جو اپنی گنجائش کے مطابق خوشحالی اور تنگدستی کی ہر حالت میں اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء و خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ جو اپنے غیظ و غضب کو پی جاتے ہیں۔ لوگوں سے عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ اور وہ احسان و نیکوکاری سے کام لیتے ہیں اللہ توفیق بخشے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا

حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی (ناشدنی حرکت اور) بے حیائی سرزد ہو جاتی ہے، یا وہ (کسی گناہ کے ارتکاب سے) ظلم کر بیٹھتے ہیں

اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ص وَمَن يَغْفِرُ

اپنی جانوں پر ف۲۷۲ تو وہ فوراً اللہ (تعالیٰ اور اس کی عظمت و جلال) کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش (و معافی) مانگنے لگ جاتے ہیں

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ قف ص وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا

اور کون ہے جو گناہوں کو معاف کر سکے سوائے اللہ (وَحْدَهٗ لَاشَرِيك) کے؟ ف۲۷۳ اور وہ اڑتے نہیں اپنے کیے پر،

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ

جانتے بوجھتے، ف۲۷۴ ایسے لوگوں کا بدلہ (اور انکی جزاء) ان کے رب (کی طرف) سے ملنے والی

مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

بخشش اور ایسی عظیم الشان جنتیں ہیں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان) نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا ط وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾ ط قَدْ

جن میں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہو گا، اور بڑا ہی عمدہ بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا، ف۲۷۵ بیشک

خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لا فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

گزر چکے ہیں بہت سے (عبرت انگیز) واقعات (اور مثالیں،) سو تم لوگ چل پھر کر دیکھو زمین میں، کہ کیسے ہوا

فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَٰذَا

انجام (حق کو) جھٹلانے والوں کا ف۲۷۶ یہ ایک عظیم الشان بیان ہے ف۲۷۷ لوگوں (کی آنکھیں کھولنے) کے لئے، اور سراسر ہدایت ہے ف۲۷۸

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

اور ایک (بے مثل و) عظیم الشان نصیحت ف۲۷۹ پرہیزگاروں کے لیے ف۲۸۰ اور نہ تم ہمت ہارو (آئندہ کے لئے اے مسلمانو!) اور نہ غم کھاؤ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

(گزشتہ پر،) اور (حقیقت بہر حال یہی ہے کہ) غالب تم ہی ہو اگر تم (واقعی اور سچے) مومن ہو ۲۸۱ اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو (یہ کوئی

۲۷۲ ارتکابِ فاحشہ اور ظلمِ نفس سے مراد؟:- سوٗ "فَاحِشَةً" اور ظلمِ نفس کے مفہوم کے بارے میں حضراتِ اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں، مثلاً یہ کہ "فاحشہ" سے مراد کبیرہ گناہ ہیں، کیونکہ "فاحشہ" فحش سے ماخوذ و مشتق ہے جس کے معنی "مجاوزۃ الحد" یعنی حد سے بڑھ جانے کے ہیں (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ اسی لئے اس کا معنیٰ کیا گیا ہے "بَالِغَةَ الْقُبْحِ" یعنی انتہائی بری شے (جامع البیان وغیرہ)۔ پس اس کا اطلاق بڑے اور کبیرہ گناہوں پر ہوتا ہے جیسے زنا وغیرہ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جبکہ ظلمِ نفس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ (کبیر، مدارک، صفوۃ، اور محاسن، وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ "فاحشہ" سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا اثر دوسرے تک پہنچے جیسے غیبت چغلی وغیرہ۔ اور ظلمِ نفس سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا اثر و تعلق صرف اس کے مرتکب سے ہو جیسے شربِ خمر وغیرہ۔ (المراغی وغیرہ)۔ اور بعض نے کہا کہ "فاحشہ" سے مراد مطلق گناہ ہے، خواہ اس کا تعلق بندے کی حق تلفی سے ہو، یا خداوند تعالیٰ کی حق تلفی سے۔ جبکہ ظلمِ نفس سے مراد وہ اور اس کا تعلق حقوق اللہ کے اِتلاف سے ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - (القرطبی، البحر وغیرہ)۔ بہرکیف جو بھی ہو اس سے معافی کا طریقہ سچی توبہ اور رجوع الی اللہ ہے۔ اور یہی شان ہوتی ہے مومنِ صادق کی- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى جَلَّ وَعَلَا- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور ہر قسم کے زیغ و زلل سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین۔

۲۷۳ مغفرتِ ذنوب اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ گناہوں کو معاف کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی صفت و شان ہے سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و خصر کے انداز و اسلوب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے سوا گناہوں کو اور کون معاف کر سکتا ہے؟ استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اور کوئی بھی ایسا نہیں جو اس طرح کر سکے بلکہ یہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی شان ہے کہ وہ اپنے گنہگار بندوں کے گناہ ان کی سچی توبہ پر بالکل معاف فرما دیتا ہے۔ ورنہ دوسری ایسی کوئی بھی ہستی نہیں جو ایسا کر سکے۔ اور وہ ایسے حلمِ بے کراں اور عفوِ ناپیدا کنار کی مالک و مختار ہو سکے- سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى - فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ الْمَغْفِرَةَ وَالرَّحْمَةَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ سعادت اور خوش بختی کی راہ یہ ہے کہ انسان اگر غلبۂ جذبات کی بناء پر کسی چھوٹے یا بڑے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو خدا کی یاد اس کو چوکنا اور مضطرب کر دے اور وہ فوراً اپنے خالق و مالک سے اس کی معافی مانگے اور خدائے پاک کے سوا کوئی نہیں جو معافی دے سکے۔ سو جو لوگ دوسروں کی سفارش کی امید پر گناہوں کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے ہیں وہ اپنی شامتِ اعمال کا ہی سامان کر رہے ہیں۔ گناہوں کی معافی کا طریقہ یہ نہیں کہ دوسروں کی سفارشوں پر تکیہ کر لیا جائے بلکہ خود اللہ پاک کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل - سبحانہٗ تعالیٰ

۲۷۴ مومنِ عاصی کا طریقہ، رجوع الی اللہ:- سو اس ارشاد سے مومن عاصی اور سرکش و طاغی انسان کے درمیان

ایک خاص اور بنیادی فرق کو واضح فرما دیا گیا۔ اور یہ اللہ کے مومنِ عاصی اور سرکش و طاغی بندوں کے درمیان ایک خاص امتیازی وصف اور نمایاں فرق ہے، کہ طاغی اور سرکش انسان اپنی خطا و غلط کاری پر اڑ جاتا ہے جس سے اس کا جرم اور پکا ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ اس وحدہٗ لاشریک مہربانِ مطلق کی رحمت و عنایت سے بالکل محروم ہو جاتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جیسا کہ ابلیسِ لعین کا قصہ اس کا سب سے بڑا نمونہ اور واضح نشان ہے کہ وہ اپنی معصیت و سرکشی پر اڑ گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کیلئے مطرود اور ملعون ہو گیا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - جبکہ مومنِ عاصی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ غلطی اور گناہ صادر ہونے پر فوراً توبہ کرتا اور اپنے کیے کی معافی مانگتا ہے جس سے خداوند تعالیٰ کی رحمت اس کو پھر اپنی آغوش میں لے لیتی ہے، جیسا کہ حضرتِ آدم نے کیا - عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ - کہ خطا سرزد ہونے کے فوراً بعد اپنے رب کی طرف سچے دل سے رجوع ہو گئے، اور اس ربِّ غفور و رحیم نے ان کو پھر اپنی رحمت سے نواز دیا کہ وہ تو ہے ہی رحمان و رحیم - سبحانہٗ و تعالیٰ - اور نوازنا اور لگاتار نوازنا اس کی شان ہے - جل جلالہٗ و عم نوالہٗ - سو توبہ کا دروازہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے سرفرازی کا ایک عظیم الشان دروازہ ہے - فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ جَلَّ وَ عَلَا - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں نورِ حق و ہدایت سے سرفراز رکھے اور اپنی خاص حفاظت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا رب العالمین - و یا ارحم الراحمین

۲۷۵ جنت کے انسانی عمل کا بدلہ ہونے کا مطلب؟: - یعنی جنت اور اس کی سدا بہار نعمتیں، اہلِ جنت کو اگرچہ محض اللہ پاک کی رحمت و عنایت سے نصیب ہونگی، نہ کہ انسانی عمل سے۔ کہ انسان کے پاس اتنا اور ایسا عمل ہو ہی کیسے سکتا ہے جو جنت اور اس کی بے نہایت نعمتوں کی قیمت اور ان کا مول بن سکے۔ چنانچہ آنحضرت - ﷺ - نے اپنے ایک مشہور ارشادِ گرامی میں فرمایا کہ "تم میں سے کوئی بھی شخص اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ عرض کیا گیا، اللہ کے نبی آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔ الّا یہ کہ اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے" مگر اس سب کے باوجود مختلف آیات و نصوص میں بتایا گیا کہ جنت اہلِ جنت کے اعمالِ صالحہ کا صلہ و بدلہ ہوگا، جیسا کہ یہاں پر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔ سو یہ دراصل حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا ایک اور کرم و احسان ہے کہ وہ اپنے اس عظیم الشان فضل و احسان یعنی جنت کو اپنے بندوں کے اعمال اور ان کے کیے کرائے کا بدلہ قرار دے رہا ہے کہ اس کے اس فضل و کرم کا ظاہری سبب بہرحال انسان کے اپنے اعمال ہی ہیں - تَبَارَکَ اِسْمُهٗ وَتَعَالٰی جَدُّهٗ - سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی - اللہ تعالیٰ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۷۶ سیر و سیاحت کا اصل مقصد عبرت پذیری: - تاکہ اس سے تم لوگ عبرت پکڑو اور سبق لو، تاکہ تم کو راہِ حق اور طریقِ صدق و صواب کی راہنمائی مل سکے۔ سو زمین پر چلنے پھرنے اور سیر و سیاحت کا اصل مقصد اور حقیقی غرض و غایت یہی ہے کہ اس سے عبرت پکڑی جائے اور درسِ بصیرت لیا جائے۔ مگر افسوس کہ آج اہلِ دنیا کی اور خود مسلمانوں کی سیر و سیاحت سے عبرت پذیری کا یہی عنصر غائب اور مفقود ہے - الا ماشاء اللہ - آج ہلاک شدہ اقوام کے آثار اور کھنڈرات کی حفاظت کیلئے تو کروڑوں اربوں روپے دنیا بھر میں خرچ کیے جا رہے ہیں، مگر ان سے عبرت پکڑنے اور سبق لینے کی طرف کوئی توجہ نہیں، کہ یہ کون لوگ تھے؟ کیوں ہلاک ہوئے؟ ان کو کس نے ہلاک کیا؟ کیوں ہلاک کیا؟ اور اس میں ہمارے لئے کیا درس ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس کے برعکس آج ہو یہ رہا ہے کہ لوگ

ایسے مقامات پر پکنک منانے اور تفریح کرنے کیلئے جاتے ہیں اور وہاں پر وہ عبرت پذیری کی بجائے الٹا غفلت کا شکار ہوتے اور طرح طرح کے معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مرد عورت اکٹھے ہوتے ہیں، نظر بازیاں اور فوٹوگرافیاں ہوتی ہیں اور طرح طرح کی رنگ رلیوں کے سامان کئے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّاِنْحِرَافٍ۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر و فساد سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین۔

۲۷۷ **قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثل بیان:** ۔ سو "ھذا" کا مشارالیہ یہاں پر قرآنِ حکیم ہے۔ اور تنوین تعظیم کی ہے۔ سو قرآنِ حکیم حق اور حقیقت کی تفہیم و توضیح کیلئے ایک ایسا عظیم الشان اور کافی وشافی بیان ہے، جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ اس سے پہلے کبھی کہیں پائی گئی اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی پائی جا سکے گی۔ اور دوسرا قول و احتمال اس میں یہ ہے کہ اس کا مشارالیہ وہ مضمون ہے جو کہ بیانِ ماسبق سے مفہوم ہو رہا ہے۔ حضراتِ اہلِ علم سے یہ دونوں ہی قول مروی و منقول ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک درست اور اپنے طور پر وجیہ ہے۔ اور ان میں سے پہلے کو ابنِ جریر نے اختیار کیا ہے (صفوۃ، محاسن، اور معارف وغیرہ)۔ بہرکیف حق و حقیقت کی تبیین و توضیح کیلئے قرآنِ حکیم ایک عظیم الشان اور بے مثال بیان ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا۔ بکل حالٍ من الاحوال،

۲۷۸ **قرآنِ حکیم سراسر ہدایت:** ۔ یعنی یہاں پر "ہادی" نہیں "ھُدی" فرمایا گیا ہے، جو کہ مصدر ہے۔ اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ "ھدایت دینے والا" یا "رہنمائی کرنے والا" نہیں کیا۔ جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے، بلکہ اس کے مصدری معنیٰ کی وضاحت کے لئے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ یعنی "سراسر ہدایت" یا اس سے ملتے جلتے کچھ دوسرے الفاظ سے کیا جائے۔ اور حق اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کتابِ حکیم سراسر ھدایت، نری ہدایت اور عینِ ہدایت ہے۔ اس کو جس اعتبار سے اور جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اور اس میں غور کیا جائے، اس سے ہدایت ہی ہدایت اور رہنمائی ہی رہنمائی ملے گی۔ اور جس طرح کہ ایک اندھا بہرا شخص اپنا ہاتھ اپنے کسی نہایت قریبی اور قابلِ اعتماد عزیز کے ہاتھ میں دے کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اب مجھے کوئی خطرہ اور پرواہ نہیں، یہ مجھے صحیح راستے پر ہی لے جائے گا، اسی طرح جو کوئی اپنی زمامِ اختیار اس کتابِ حکیم کے حوالے کر دے گا، یہ اس کو امن و سلامتی کی اس عظیم الشان راہ پر لے کر چلے گی، جو دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی اور فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے والی راہ ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ عَلٰی مَا شَرَّفَنَا بِہٖ مِنْ ھٰذَا الْکِتَابِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ الْمُبَارَکِ الْمُبِیْنِ وَبِالْاِیْمَانِ بِہٖ ۔ اَللّٰھُمَّ فَزِدْنَا اِیْمَانًا بِہٖ وَصِدْقًا وَّیَقِیْنًا وَّتَوْفِیْقًا لِخِدْمَتِہٖ وَالتَّمَسُّکِ بِتَعَالِیْمِہٖ ۔ آمین ثم آمین۔ پس جو لوگ اس کتابِ مبین کے نور سے محروم ہیں وہ سراسر اندھیروں میں ہیں نہ وہ اپنی زندگی کے مقصد سے واقف ہیں اور نہ صراطِ مستقیم سے آگاہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔

۲۷۹ **ایک عظیم الشان نصیحت:** ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قرآن حکیم ایک عظیم الشان نصیحت ہے اور ایسی عظیم الشان و بے مثال نصیحت، جس میں کسی خطاء و تقصیر کا کوئی خدشہ و امکان نہیں۔ جو دنیا کی اس عارضی و فانی زندگی کے علاوہ آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی حقیقی کامیابی سے ہمکنار کرنے والی ہے، اور جس جیسی دوسری کوئی نصیحت و موعظت نہ کبھی کوئی ہوئی ہے، اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ پس اس عظیم الشان نصیحت کو صدقِ دل سے اپنانا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان کرنا ہے اور اس سے اعراض و روگردانی دارین کی ہلاکت و تباہی کی راہ کو اپنانا

ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ تعالیٰ اِعراض وروگردانی کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین- یارب العالمین

۲۸۰ تقوٰی وپرہیزگاری اصلاحِ احوال کی اولیں اساس:- سو ہدایتِ قرآنی سے سرفرازی کے لیے اولیں شرط تقوٰی و پرہیزگاری ہے سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اصلاحِ احوال، اور ہدایتِ قرآنی سے استفادہ کیلئے اولین شرط تقوٰی و پرہیزگاری ہے۔ کہ اس سے فائدہ ایسے ہی خوش نصیبوں اور سعادت مندوں کو حاصل ہوگا۔ ورنہ اس کی ہدایت تو سب دنیا جہاں کیلئے عام ہے۔ مگر جو بدنصیب اس کی طرف توجہ ہی نہ کریں، اور اس سے منہ ہی موڑے رہیں، وہ اس سے کیونکر مستفید و فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ [ہود۔ ۲۸] یعنی "کیا ہم اس نصیحت کو تمہارے سرمڑھ دیں گے اگرچہ تم اس کو ناپسند سمجھتے رہو؟" یعنی ایسا نہیں ہونے کا۔ ہدایت کی یہ عظیم الشان اور انمول دولت، سب سے بڑی اور عظیم الشان دولت ہونے کے باوجود، ہے تو اس واہبِ مطلق- جل جلالہٗ- کی طرف سے مفت ہی بٹنے کے لئے، مگر اس سے سرفراز و بہرہ ور ہونے کے لئے اولین شرط ہے طلبِ صادق۔ پس جو لوگ اس کے سچے دل سے طالب نہیں ہوں گے، وہ اس سے سرفراز نہیں ہوسکیں گے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - سو انسان کے صلاح وفساد اور اسکے بناؤ بگاڑ کا اصل تعلق اس کے اپنے قلب و باطن سے ہے۔ پس ہر کوئی اپنے قلب و باطن کی دنیا قلب و باطن کی طرف توجہ کر کے خود دیکھ لے کہ وہ کہاں کھڑا ہے، اور کس حال میں ہے؟ و یرید وعلٰی ما یحب و یرید، اللہ تعالیٰ ہمیشہ، اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یاربَّ العالمین

۲۸۱ غلبہ اہلِ ایمان ہی کا مقدر ہے:- سو یہاں پر دو لفظوں میں ایک عظیم الشان حقیقت کا اظہار و بیان فرمادیا- سبحان اللہ!!- اتنے مختصر لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت کو آشکارا فرما دیا گیا کہ غلبہ اے مسلمانو! تمہارا، اور صرف تمہارا ہی ہے، کیونکہ ﴿اَنْتُمْ﴾ اور ﴿الْاَعْلَوْنَ﴾ دونوں معرفہ ہیں۔ اور قاعدہ کے مطابق جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں، تو اس میں حصر کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔ پس غلبہ بہرحال مسلمان ہی کیلئے ہے، مگر شرط صرف یہ ہے کہ تم سچے مومن اور واقعی ایماندار ہوؤ۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ ایمانی قوت حقیقی غلبہ و کامیابی کیلئے شہِ کلید ہے۔ اور ایمانی کمزوری سب خرابیوں اور کمزوریوں کی جڑ بنیاد- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ- اور آج امتِ مسلمہ کی حالتِ زار اس کا ایک واضح اور کھلا ثبوت ہے کہ کمزوری خود مسلمان کے اندر ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ- سو مسلمان کی زبوں حالی کا اصل سبب اور حقیقی باعث یہی ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں۔ کیونکہ ایمان صرف زبانی کلامی دعووں کا نام نہیں بلکہ یہ عبارت ہے اس نورِ خداوندی سے جس سے بندۂ مومن کا باطن منور اور اس کا دل معمور ہوتا ہے اور یقینِ صادق کی اس قوت کا ظہور اس کے اعمال و افعال میں ہوتا ہے- وباللہ التوفیق و علی ما یُحِبُّ یرید وھوالھادی الی سواء السبیل- بہرکیف اس جملے میں مبتداء وخبر کی تعریف سے جو حصر اور قصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اس سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ غلبہ اہلِ ایمان ہی کا مقدر اور انہی کا حق ہے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومن بننا نصیب فرمائے- آمین ثم آمین۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق وصواب پر مستقیم وثابت قدم رکھے، امین ثم امین یارب العالمین ویاارحم الراحمین۔

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ

ہمت ہارنے کی بات نہیں کہ) یقیناً (فریق مخالف کے) ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے، (اس سے پہلے بدر کے موقع پر) ۲۸۲

قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

اور (فتح و شکست کے) ان دنوں کو ہم ادلتے بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان (تا کہ ابتلاء و آزمائش کے تقاضے پورے ہوں)

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ

اور تا کہ اللہ دیکھ لے کہ ان لوگوں کو جو (صدق دل سے) ایمان لائے ہیں ۲۸۳ اور (تا کہ) تم میں سے کچھ کو وہ شہید بنا لے ۲۸۴

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اور (یہ بہر حال قطعی امر ہے کہ) اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو، اور تا کہ (اس طرح) اللہ چھانٹ کر الگ کر دے ایمان والوں کو،

اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

اور مٹا دے وہ کافروں (اور ان کے غلبہ و تسلط) کو، کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے (اے مسلمانو!) کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے،

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو دیکھا (پرکھا اور ظاہر کیا) ہی نہیں، جنہوں نے اس کی راہ میں جہاد کیا، اور جو (راہِ حق

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ

میں ثابت قدم رہنے والے اور) صابر ہیں، ۲۸۵ اور تم لوگ تو (بڑے زور و شور سے) موت کی تمنا (و آرزو) کرتے تھے،

۲۸۲ استقامت و ثابت قدمی کا درس: سو اس سے مسلمانوں کیلئے استقامت و ثابت قدمی کا درس دیا گیا ہے جبکہ اس موقع پر کفار کے ستر صنادید مارے گئے تھے، اور اتنے ہی قید ہو گئے تھے۔ اور اس طرح ان کی ناک کٹ گئی تھی۔ ان کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ اور ان کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ مگر اس کے باوصف اور کفر و باطل پر ہونے کے باوجود وہ لوگ اپنی اس شکست خوردگی سے ہمت نہیں ہارے۔ تو پھر تم لوگ اے مسلمانو! کیوں ہمت ہارتے ہو؟ جبکہ تم ہو بھی حق پر اور تمہارے ہر عمل اور ہر حال پر تمہیں اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ اور تمہارے لئے کسی بھی صورت میں ناکامی نہیں کہ مومن کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے۔ تو پھر تمہارا ہمت ہارنا یا کمزوری دکھانا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ سو اس ارشاد میں مسلمانوں کے لئے استقامت و ثابت قدمی اور ہمت و قوت سے کام لینے کا درس ہے۔ وَبِاللّٰهِ

التَّوفِیقِ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیلِ- بہرکیف راہِ حق پر صبر واستقامت ایک عظیم الشان سعادت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے، اور بدرجۂ تمام وکمال نصیب فرمائے، اٰمین ثم اٰمین یارَبَّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۲۸۳ حالات کی تبدیلی ابتلاء وآزمائش کیلئے:- سوارشاد فرمایا گیا کہ ان دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تاکہ اس طرح ابتلاء وآزمائش کے تقاضے پورے ہوں۔ اور اس ابتلاء وآزمائش کے ذریعے کھرے کھوٹے دونوں نمونے نکھر کر سامنے آجائیں اور حقیقتِ حال پوری طرح اور سب کے سامنے واضح ہوجائے۔ اور اس طور پر کہ کسی کیلئے کسی شک وانکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ سو فتح وشکست اور ابتلاء آزمائش کے ان دنوں کی تبدیلی حکمتِ خداوندی کا تقاضا اور سنتِ الٰہیہ کا ایک مظہر ہے۔ سو فتح وشکست کے یہ حالات ہر قوم کو پیش آتے ہیں اور ان میں بڑے درسہائے عبرت وبصیرت ہوتے ہیں اور یہ قانونِ ابتلاء وآزمائش کا مقتضٰی ہے کہ اسی سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہوتی ہے۔ اور اس قدر صاف وصریح طور پر کہ کسی کے لیے انکار اور گریز وفرار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رکھے، اٰمین ثم اٰمین، یارب العالمین

۲۸۴ شرفِ شہادت سے سرفرازی کا مقصد:- سوارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ وہ تم میں سے کچھ کو شہید بنالے جو کہ مومنِ صادق کیلئے ایک عظیم الشان نعمت اور ایک منفرد اعزاز اور جنت کی نعمتوں سے سرفرازی کا سب سے بڑا ذریعہ اور مختصر راستہ ہے۔ اور اس طرح تم لوگ اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کی خاطر اپنی جان قربان کرکے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز وبہرہ ور ہوسکو۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، اورصفوۃ التفاسیر، وغیرہ)۔ سو شہادت فی سبیل اللہ ایک اہم مقصد ہے۔ روایات کے مطابق جن لوگوں کو غزوۂ بدر میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا ان کو اس کا افسوس تھا، اور وہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کو بھی کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں وہ شرفِ شہادت سے سرفراز ہوجائیں تو ان کیلئے غزوۂ اُحد کے اس معرکہ میں اس کا موقع فراہم فرمادیا گیا۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو احد کی اتھل پتھل اور حالات کے ادل بدل سے اسی طرح کے کئی اہم اور عظیم الشان مقاصد حاصل کرنا مطلوب تھے۔ ورنہ یہ حقیقت اپنی جگہ ایک اٹل اور بنیادی حقیقت ہے کہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۸۵ تقاضاءِ ابتلاء وآزمائش کا ذکر وبیان:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جنت سے سرفرازی کیلئے ابتلاء وآزمائش کا پیش آنا ایک لازمی تقاضا ہے سوارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے (اے مسلمانو!) یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو دیکھا پرکھا ہی نہیں جنہوں نے اس کی راہ میں جہاد کیا اور جو صبر کرنے والے ہیں استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہونے کا کہ تم لوگ ابتلاء وآزمائش کے مراحل سے گزرے بغیر یونہی جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز ہوجاؤ، بلکہ اس کے لئے تمہیں ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے گزرنا ہوگا، تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہوجائے، اور معرکۂ اُحد کی یہ اتھل پتھل بھی اسی آزمائش کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا تمہیں اس پر نہ تعجب ہونا چاہیئے، اور نہ اس سے ہمت ہارنا اور حوصلہ چھوڑنا چاہیئے۔ اور یہی شان ہوتی ہے مومنِ صادق کی کہ وہ ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے اور بھی نکھر کر اور سرخرو ہوکر نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ

اس سے پہلے کہ تمہارا اس سے آمنا سامنا ہوتا، سو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی، اور تم اسے

تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

ع ۱۴ ۵

کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ۲۸۶ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں ہیں مگر ایک رسول ان سے پہلے بھی

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

گزر چکے ہیں بہت سے رسول، ۲۸۷ تو کیا اگر وہ مر جائیں، یا قتل کر دیئے جائیں، تو تم لوگ (راہِ حق وصواب سے)

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ

الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ ۲۸۸ اور (یاد رکھو کہ) جو کوئی پھر گیا (راہِ حق وصواب سے) تو وہ (یقیناً اپنا ہی نقصان کرے گا)،

يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا، ۲۸۹ اور اللہ (ضرور اور) جلد ہی نوازے گا شکر گزاروں کو ان کے (صلہ و) بدلہ سے،

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا

اور کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ از خود یونہی مر جائے، مگر اللہ کے اذن (وحکم) سے، (اور مرنا بھی ہر ایک نے) ایک لکھے

مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ

ہوئے (اور طے شدہ) وقت کے مطابق (ہی ہے) ۲۹۰ اور جو کوئی بدلہ چاہے گا دنیا کا، تو اس کو ہم اسی (دنیا) میں سے دے دیں گے ۲۹۱

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى

اور جو کوئی بدلہ چاہے گا آخرت کا تو اس کو ہم اس میں سے دیں گے، اور ہم عنقریب ہی (اور ضرور اور بھرپور)

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ

بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو ۲۹۲ اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جن کے ساتھ شامل ہو کر (جہاد و) قتال کیا بہت سے اللہ والوں نے،

رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ

(حق کی سربلندی کی خاطر،) سو اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں (اور تکلیفوں) کی بناء پر

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ

نہ تو انہوں نے ہمت ہاری، اور نہ ہی کمزوری دکھائی، اور نہ ہی وہ (باطل کے آگے) دبے، اور اللہ

۲۸۱ غزوۂ اُحد کے شرکاء کیلئے ایک خاص تنبیہ:- یعنی یہ کہ اس سے پہلے تو تم لوگ خود اسکی تمنا کیا کرتے تھے، تو اب جبکہ تمہاری یہ تمنا پوری ہو رہی ہے اور موت تمہارے سامنے آگئی ہے تو اب تمہارے لئے اس سے جی چرانے، یا کمزوری دکھانے، اور پیچھے ہٹنے کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ پس تم ثابت قدم رہو اور پامردی سے دشمن کا مقابلہ کرو کہ عزت وغلبہ تمہارے ہی لئے ہے اور تمہاری ہر حالت خیر ہی خیر کی ہے۔ حضرتِ حسنؒ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں اللہ کے رسول کے ساتھ کبھی جہاد کا موقع مل جائے تو ہم ایسے اور ایسے کارنامے دکھائیں گے۔ سو غزوۂ اُحد کے موقع پر جب ان کو اس کا موقع ملا تو ان میں سے کچھ نے کمزوری دکھائی تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس میں مسلمانوں کو ان کی اصل شان اور ان کے دین و ایمان کے تقاضوں کے بارے میں تنبیہ فرمائی گئی- وباللّٰہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ، وھو الھادی الیٰ سواء السبیل -سبحانہٗ و تعالیٰ

۲۸۲ محمد اللہ کے رسول ہیں اور بس:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول۔ یعنی ان میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں کہ ان پر موت طاری نہ ہو سکے۔ یعنی یہ حصر اضافی ہے الوہیت کی نفی کے اعتبار سے۔ روایات میں ہے کہ اُحد میں جب مسلمان کفار کے اچانک عقبی حملے کی وجہ سے افراتفری کا شکار ہو گئے، تو اس موقع پر کسی شیطان نے آواز لگائی کہ محمد قتل ہو گئے ''اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ'' تو اس سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے۔ ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اور ان کی صفوں میں طرح طرح کی باتیں پھیلنا شروع ہو گئیں۔ بعض کمزور لوگوں نے کہا کاش کہ عبداللہ بن ابی بن سلول ہمارے لئے ابوسفیان سے امان لے لے۔ بعض منافقوں نے کہا کہ اگر محمد نبی ہوتے تو اس طرح قتل نہ ہوتے۔ اور یہ کہ اب تم لوگ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس موقع پر حضرتِ انس بن مالکؓ کے چچا انس بن النضرؓ نے کہا کہ اگر محمد قتل ہو گئے تو کیا ہوا ربِّ محمد تو زندہ ہے۔ اسے تو کبھی موت نہیں آنے والی۔ اور یہ کہ ان کے قتل ہو جانے کے بعد اب تم لوگ زندہ رہ کر کیا کرو گے، بلکہ جس چیز کیلئے انہوں نے جان دے دی تم بھی اسی کیلئے جان دے دو کہ حق تو بہرحال باقی رہنے والی چیز ہے۔ اس کے بعد انہوں نے پوری قوت سے کفار پر حملہ کیا یہانتک کہ راہِ حق میں لڑتے لڑتے انہوں نے جان دے دی اور وہ شہید ہو گئے۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (ابن کثیر، محاسن التاویل، معارف القرآن، صحیح بخاری، کتاب الجہاد وغیرہ)۔ سو اصل بقاء اور دوامِ حق کیلئے ہے۔ نہ کہ شخصیات کیلئے کہ وہ تو بہرحال فانی ہوتی ہیں، خواہ کوئی کتنی ہی بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔

۲۸۸ جنگ و جہاد کیلئے نہ کہ کسی شخصیت کیلئے:- سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ مومن کی جنگ حق کیلئے ہوتی ہے نہ کہ کسی شخصیت کیلئے سو ارشاد فرمایا گیا کہ تو کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ استفہام انکار و توبیخ کے لئے ہے۔ یعنی ایسے نہیں کرنے کا کہ مومن کی یہ شان نہیں ہوتی، اس لئے کہ مومن کی جنگ شخصیات کیلئے نہیں بلکہ حق کیلئے ہوتی ہے۔ کیونکہ شخصیات تو بہرحال فانی ہی ہوتی ہیں، لیکن حق ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ لہٰذا جس حق کیلئے پیغمبر نے جان دی تم لوگ بھی اسی کیلئے جان کی بازی لگانے کیلئے مستعد اور تیار ہوجاؤ، جیسا کہ حضرتِ ابوبکرؓ نے کہا تھا (ابنِ کثیر وغیرہ)۔ کیونکہ جو حق کی خاطر جان کی بازی لگاتا ہے وہ حیاتِ جاوداں سے سرفراز ہوجاتا ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ جس طرح دنیا میں دوسرے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اسی طرح محمد بھی اللہ کے ایک رسول ہیں۔ اور جس طرح دوسرے انبیاء و رسل کو آزمائشیں پیش آئیں اسی طرح آپ کو بھی پیش آسکتی ہیں۔ اور جس طرح دوسرے تمام رسولوں کو موت کے مرحلے سے گزرنا پڑا اسی طرح آپ کو بھی اپنے وقتِ مقرر پر اس مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ سو آپ کے رسول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو موت نہیں آئے گی یا آپ کو کسی مصیبت و مشکل اور شکست و ہزیمت سے کوئی سابقہ پیش نہیں آسکتا۔ اگر کسی کو اس طرح کی کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور اس وجہ سے وہ اُحد کے اس حادثے کے بعد کسی تذبذب میں مبتلاء ہوگیا ہو تو اس کو اس غلط فہمی کی اصلاح کرلینی چاہیئے ورنہ اگر ایسی کسی غلط فہمی کی بناء پر وہ راہِ حق سے پھر گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا کہ اس کا نقصان اسکے ایمان و عقیدہ کا تیا پانچا کرسکتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین

۲۸۹ راہِ حق سے پھرنے کا نقصان خود پھرنے والے کو، والعیاذ باللہ:- سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ راہِ حق سے پھرنے سے اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں کہ وہ وحدہٗ لاشریک تو بہرحال اور ہر طرح سے اور ہر کسی سے غنی و بے نیاز ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کسی کی طاعت یا معصیت سے اس کے یہاں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ حق سے پھرنے کا نقصان خود پھرنے والے کو ہوگا، کیونکہ انسان جو بھی کچھ کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ اچھائی اور بھلائی کا فائدہ خود اسی کو پہنچے گا اور برائی کا وبال بھی خود اسی پر پڑے گا۔ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کا اس طرح کے کسی عمل سے نہ کسی فائدے کا کوئی تصور ہوسکتا ہے اور نہ نقصان کا۔ وہ وحدہٗ لاشریک ایسے تمام تصورات سے پاک و بالا اور وراء الوراء ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اُحد کے اس حادثے کی بناء پر اگر کوئی تذبذب میں مبتلا ہوکر راہِ حق سے پھر گیا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - تو وہ محض اپنا ہی نقصان کرے گا اور خود اپنی دنیا و آخرت تباہ کرے گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق پر مستقیم و ثابت قدم رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۲۹۰ موت کا ایک وقت مقرر ہے:- سواس سے واضح فرمادیا گیا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو کہ لکھا ہوا ہے۔ تو پھر موت سے ڈرنے اور جہاد سے جی چرانے کا کیا فائدہ؟ کہ وقت سے پہلے اور اللہ کے اذن کے بغیر اس نے آنا نہیں اور اپنے وقت پر اس نے ٹلنا نہیں۔ سو وہ تو اپنے وقت پر بہرحال آکر رہے گی۔ تو ایسے میں اس سے ڈرنے کی بجائے خواہش اور کوشش اسکی ہو کہ شہادت کی موت ملے تاکہ اس طرح حیاتِ جاودانی اور جنت کی سدابہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوسکے جو کہ سب سے بڑی سعادت ہے۔ اور یہی نشانی ہوتی ہے مومنِ صادق کی نہ یہ کہ انسان موت سے ڈرنے اور شہادت سے بھاگنے اور بچنے کی کوشش کرنے لگے کہ یہ راہ بہرحال ناکامی اور محرومی کی راہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا

کہ ہر شخص کی موت کے لئے ایک نوشتہ الٰہی موجود و مقرر ہے۔ اس سے پہلے کسی کی موت آنہیں سکتی اور اس کے پورا ہو جانے پر ٹل نہیں سکتی۔ اس لئے آدمی کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ موت سے گھبرانے کی بجائے اپنے خالق و مالک کے مقرر کردہ فرائض پورے عزم و جزم کے ساتھ بجالائے اور موت کے بارے میں یقین رکھے کہ اس کا وقت بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرر ہے اور اس کی شکل بھی متعین ہے اس لئے اس کا معاملہ اسی کے حوالے کر کے مطمئن ہو جائے، اور موت سے ڈرنے کی بجائے حق کی سربلندی اور اپنے خالق و مالک کی رضاء وخوشنودی کے حصول کے لیے مصروفِ جہاد رہنا چاہیے، تاکہ موت جب بھی آئے راہِ حق وصواب پر آئے اور حقیقی کامیابی اور دائمی مسرت وشادمانی کا ذریعہ بنے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں راہِ حق وصواب پر قائم رکھے، اور اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ اٰمین ثم اٰمین

۲۹۱ طالب دنیا کیلئے دنیا ہی کا صلہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہے گا تو ہم اس کو اسی میں سے دے دیں گے، لیکن اتنا ہی جتنا کہ ہم چاہیں گے۔ اور وہی اور اسی قدر جتنا کہ ہمیں منظور ہو گا۔ مگر اسکے بعد اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں بلکہ وہاں اسکے لئے دوزخ کی آگ ہی ہو گی جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۸ میں اسکی تصریح فرمائی گئی ہے، کہ اس نے آخرت چاہی ہی نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ سو بڑے ہی خسارے میں ہیں وہ لوگ جو دنیا اور اس کی عارضی اور فانی لذتوں کو ہی اپنا مقصد بنا لیتے ہیں اور اسی کے لئے جیتے اور مرتے ہیں۔ اور اس طرح یہ لوگ ہولناک خسارے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ پس عقل والوں اور سعادت مندوں کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا تو ضرورت کی حد تک کمائیں مگر اصل مقصد اپنی آخرت ہی کو بنائیں، جیسا کہ قرآنِ حکیم نے اپنی اس عمدہ اور جامع دعاء کے ذریعے تعلیم وتلقین فرمایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اللہ کے نیک اور سعادت مند بندے اس مالک الملک سے یہی دعاء مانگتے ہیں ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾۔ اللہ پاک سب کو راہِ حق سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ بہرکیف طالبِ دنیا کے لئے دنیا ہی کا ہر صلہ ہے اور وہ بھی اسی قدر جتنا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا اور بس۔ جبکہ آخرت میں اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہو گا ﴿وَمَالَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ﴾ اور ظاہر ہے کہ یہ انتہائی ہولناک نقصان، اور خساروں کا خسارہ ہے، والعیاذ باللہ العظیم، اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۲۹۲ شکر گزاروں کیلئے بدلہ وجزا کا وعدہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ضرور بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو۔ پس مومنِ صادق کو ہمیشہ صبر وشکر ہی سے کام لیتے رہنا چاہیئے تاکہ اسکو اپنے خالق ومالک کی رضاء ورحمت، اور اس کی طرف سے ملنے والے بدلہ وجزاء سے سرفرازی نصیب ہو سکے۔ فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ۔ لہٰذا مومنِ صادق کو ہمیشہ اپنے خالق ومالک کے شکر سے شادکام رہنا چاہیئے کہ یہ اس خالق ومالک کا اپنے بندوں کے ذمے حق بھی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اسی میں خود مومن کا بھلا بھی ہے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ اور خاص کر دین وایمان کی اس نعمت پر جو کہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدردانی پر ہم انہیں بھرپور صلہ دیں گے اور جو لوگ اس روشنی کو دیکھ کر بھی ظلمت ہی کے طالب رہیں گے ان کو تاریکیوں ہی میں بھٹکتا چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ ان سے نکلنا چاہتے ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین

يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ

محبت رکھتا (اور پسند فرماتا) ہے ایسے ہی صابر (اور ثابت قدم) لوگوں سے ۲۹۳ اور (میدانِ کارزار میں بھی) ان کا قول (وکلام) بس

قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ

یہی ہوتا تھا کہ اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور ہماری زیادتیوں کو

اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

ہمارے معاملے میں، اور ثابت (وپختہ) رکھ ہمارے قدموں کو، اور مدد فرما ہماری کافر قوم کے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ

مقابلے میں، ۲۹۴ سو اس (اخلاص واستقامت) پر اللہ نے ان کو دنیا کے (اجرو) ثواب سے بھی نوازا، ۲۹۵ اور

حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾ ع

آخرت کا عمدہ (اور حقیقی اجرو) ثواب بھی ان کو عطا فرمایا ۲۹۶ اور اللہ محبت کرتا (اور پسند فرماتا) ہے ایسے نیکوکاروں کو ۲۹۷

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے اطاعت (وفرمانبرداری) کی ان لوگوں کی جو اَڑے ہوئے ہیں اپنے کفر (وباطل) پر،

۲۹۳ **صبر کرنے والوں کیلئے محبتِ خداوندی کا مژدہ:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ محبت فرماتا ہے صبر کرنے والوں سے۔ پس تم لوگوں کو بھی ان ہی لوگوں کے اسوہ ونمونہ کو سامنے رکھتے ہوئے صبر واستقامت سے کام لینا چاہیئے تاکہ اپنے رب کی خاص رحمت وعنایت کے مستحق اور اس کی محبت کے اہل بن سکو۔ سو مومنِ صادق کی زندگی کے دو ہی عنوان ہیں۔ صبر وشکر کہ وہ راہِ حق پر ہمیشہ پکا اور ثابت قدم رہے اور مشکلات ومصائب پر صبر وبرداشت اور پختگی و استقامت ہی سے کام لیتا رہے اور اپنے خالق ومالک کی نعمتوں کی یاد اور ان پر اسکے شکر سے شادکام بھی ہوتا رہے۔ اس طرح اسکی زندگی سراسر خیر وبرکت بن جائے گی اور جو بہتر سے بہتر کی طرف بڑھتا اور ترقی کی منزلیں طے کرتا جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس ارشاد میں تصریح فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور جب اس خالق ومالک وحدہٗ لاشریک کی محبت کا مصرف نصیب ہوگیا تو پھر اور کیا چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ فَشَرِّفْنَا بِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، وَكَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ، وَفِيْ كُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ الْمَوَاطِنِ فِي الْحَيَاةِ، یا ذالجلال والاکرام ویا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

۲۹۴ مؤمنِ صادق کے اصل سرمائے کی نشاندہی: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مومنِ صادق کا اصل سرمایہ رجوع الی اللہ اور اسی کے حضور دعاء والتجا ہے سو اس سے ظاہر فرما دیا گیا کہ مومنِ صادق میدانِ معرکہ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ تو ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ اور ہمیں ان پر فتح وغلبہ نصیب فرما۔ سو اس طرح انہوں نے اپنی اس دعاء والتجاء سے یہ درس بھی پچھلے آنے والوں کے لئے چھوڑا کہ مومنِ صادق کا اصل بھروسہ، اسلحہ، اور سامانِ حرب وضرب وغیرہ کے ظاہری اسباب و وسائل پر نہیں ہوتا، بلکہ اپنے خالق و مالک کی مدد اور اسکی توفیق وعنایت پر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بقدرِ امکان ہر طرح کے ظاہری اسباب و وسائل جمع کر دینے کے باوجود، سب سے پہلے اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتا، اور اسی سے دعا مانگتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ اس کا اصل سرمایہ یہی مخلصانہ دعاء والتجاء اور رجوع الی اللہ کا سرمایہ ہے، کہ فتح ونصرت سمیت سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - اس لئے یہاں پر اللہ کے ان سچے اور مخلص مسلمانوں کا یہ نمونہ دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے اہلِ باطل کے مقابلے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا اور اسی کے حضور عجز و انکساری کے ساتھ یہ عاجزانہ اور مخلصانہ دعاء کی جس سے ان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی نصیب ہوئی۔ سو مومنِ صادق کی شان اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہے ہر موقع پر اور ہر حال میں۔ کہ اس کا آسرا وسہارا اسی وحدہٗ لاشریک پر ہوتا ہے۔ وباللّٰہِ التوفیق لما یُحِبّ وَیُرید، وعلی ما یحب و یرید، بِکُلِّ حَالٍ مِنَ الاحوال، وھو الھادی الی سواء السبیل-

۲۹۵ اخلاص واستقامت وسیلۂ نوازش وسرفرازی: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اخلاص واستقامت پر نوازنا شانِ خداوندی اور اس کا ایک عظیم مظہر ونمونہ ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے اجر وثواب سے نوازا کہ دشمن کے مقابلے میں فتح نصیب ہوئی، ان پر غلبہ حاصل ہوا۔ حکومت ملی۔ عزت وناموری سے سرفراز ہوئے۔ اور ان کو سچی ناموری کا اعزاز بخشا گیا وغیرہ۔ سو صدق واخلاص اور استقامت وثابت قدمی انسان کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرنے والی دولت ہے- اللہ نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔ یہاں پر ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کیا سکھاتی بتاتی ہیں اور آج کے جاہل مسلمان کا عمل وسلوک کس طرح ہے کہ وہ مشکلات کے ایسے مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ کی بجائے اسکی کسی عاجز اور فانی مخلوق کو پکارتا ہے۔ اور ایسے موقع پر بھی وہ "یا علی مدد" اور "یا پیر دستگیر" وغیرہ جیسے شرکیہ نعرے لگاتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- نیز اس ارشاد یعنی ﴿وَمَا کَانَ قَوْلَھُمْ﴾ الخ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب ان اللہ والوں کو آزمائش اور مصیبتیں پیش آئیں تو انہوں نے آج کے کمزور مسلمانوں اور منافقوں کی طرح شکوک وشبہات میں پڑنے اور ایسی کسی مشکل اور مصیبت میں شکوہ وشکایت کرنے اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنی کمزوری اور تجاویز پر محمول کیا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ سے اپنے قصوروں کی معافی مانگی جس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں فتح ونصرت سے نوازا اور حکومت واقتدار سے سرفراز فرمایا اور آخرت میں ان کو حسنِ ثواب اور اعلیٰ درجہ ومقام سے بہرہ مند فرمایا۔ سو ارشاد فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو مرتبۂ احسان پر فائز ہیں اور اللہ ایسے نیکوکاروں سے محبت فرماتا ہے- وبا للّٰہ التوفق لِمَا یُحِبُّ ویُرید -سو استقلال اور احسان مسلمان

کی دو عظیم الشان صفتیں ہیں۔ اللہ نصیب فرمائے اور بدرجۂ تمام وکمال نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

۲۹۶ مخلصین کے انعام کا ذکر و بیان:۔ سو اس سے مخلصین وصابرین کے لیے آخرت کے حسنِ ثواب کا مژدہ جانفزا سنا دیا گیا کہ وہاں ان کو جنت اور اس کی سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی نصیب ہوئی۔ اور وہاں ان کو وہ کچھ ملا جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر ان کا گزر ہی ہوا۔ اور وہ بھی ہمیشہ کیلئے اور ابدی انعام کے طور پر۔ اور جہاں ان کو اپنے رب کی رضاء و خوشنودی اور اس کے قرب کی وہ نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوگی، جو سب نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اور یہ نعمتیں ایسی عظیم الشان نعمتیں ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کی ان کے سامنے کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ اسی لئے یہاں ﴿حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ فرمایا گیا ہے۔ سو آخرت کا اجر وثواب دنیا کے اجر وثواب کی طرح نہیں کہ دنیا کا اجر وثواب اول تو ناقص اور آخرت کے اس اجر وثواب کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے اور پھر اس میں بھی طرح طرح کی تکلیفوں اور مشکلات کے مختلف ایسے شوائب شامل ہوتے ہیں جو اسکو مکدر اور اس کا مزہ کرکرا کردیتے ہیں۔ جبکہ آخرت کا اجر وثواب ایسے تمام شوائب سے خالی اور پاک وصاف ہوتا ہے۔ اور وہ ہوگا بھی ایسی کامل شان کا کہ یہاں اسکی کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں ہوسکتی جیسا کہ حضرتِ نبی معصوم ؐ نے اسکی اس طرح توضیح و تصریح فرمائی۔ اور آپ ؐ نے اس مضمون کی تائید وتوثیق کیلئے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدۃ۔ ۱۷) سو مومنِ صادق کیلئے اسکے صدق واخلاص کے صلے میں اس دنیا میں بھی اچھائی اور بھلائی ہے اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں بھی۔ اسی لیے اسکو دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی کی جامع یہ دعا تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرۃ: ۲۰۱)۔ سو اخلاص واستقامت دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حالٍ من الاحوال وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

۲۹۷ نیکوکاروں کیلئے محبتِ خداوندی کا مژدۂ جانفزا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا اور پسند فرماتا ہے نیکوکاروں کو، جن کی نیتیں اور ارادے بھی نیک اور صحیح ہوتے ہیں اور ان کے اعمال بھی دینِ حق کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق اور صالح ومستقیم ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں انہی میں سے بنائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ امام رازی کی دقیقہ سنج طبیعت نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ ان حضرات نے جب حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کے حضور اپنی کمزوری اور کوتاہی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ سے اپنی بخشش کی دعاء مانگی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو احسان کی سند سے نواز دیا۔ اور ان کو محسن قرار دے دیا۔ گویا کہ اللہ پاک نے ان کی دعاء کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب تم نے اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کا اقرار و اعتراف کرلیا تو میں نے تم کو احسان کے وصف سے سرفراز کردیا اور تم کو اپنی محبت کے شرف سے نواز دیا۔ سو اس سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ اللہ پاک کے یہاں شرفِ باریابی سے مشرف ہونے کیلئے یہی راستہ ہے کہ انسان اسکے حضور اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار کرے اور صدقِ دل سے اسکی طرف رجوع کرے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْد۔ سو احسان کی صفت ایک عظیم الشان صفت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور بدرجۂ تمام وکمال نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یا ربّ العالمین

يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ

تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے (اپنے کفر و باطل کی طرف) ف۲۹۸ جس سے تم لوگ مبتلا ہو جاؤ گے (دارین کے) خسارے میں ف۲۹۹ (وہ نہیں)

ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِى فِى

بلکہ اللہ ہی تمہارا حامی و مددگار ہے، اور وہی ہے سب سے بہتر مدد کرنے والا، ف۳۰۰ عنقریب ہی ہم رعب

قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ٱلرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُوا۟ بِٱللَّهِ

ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں، ف۳۰۱ اس بناء پر کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًا ۖ وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُ ۚ وَ

ایسی (بے بنیاد اور وہمی) چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری ف۳۰۲ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

۲۹۸ اہلِ کفر کی اِطاعت سے تحذیر و ممانعت: - سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے کافروں کی اطاعت و فرمانبرداری کی تو وہ تم لوگوں کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے۔ پس تم اے ایمان والو اہلِ کفر و باطل کی اِطاعت و فرمانبرداری نہیں کرنا کہ اس کا نتیجہ و انجام بڑا ہولناک ہے کہ وہ تم لوگوں کو دینِ حق سے پھیر دیں گے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تا کہ اس طرح نورِ حق و صدق سے جس طرح وہ خود محروم ہیں' اسی طرح تم کو بھی محروم کر دیں، اور تم ایک برابر ہو جاؤ ﴿ فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً ﴾ اور جس طرح وہ طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اسی طرح تم کو بھی ڈبو دیں۔ سو اہلِ کفر و باطل کی اِطاعت و فرمانبرداری کا نتیجہ و انجام بڑا ہی برا ہے۔ اس لئے تم لوگ اے ایمان والو ہمیشہ ان سے بچ کر اور چوکنے اور خبردار رہنا تا کہ تمہارے دین و ایمان کی دولت محفوظ رہے اور اس پر کوئی آنچ نہ آنے پائے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی ہی کرنی ہے اور صدقِ دل سے کرنی ہے - وباللہ التوفیق - لما یحب و یرید، وعلٰی ما یحب و یرید،

۲۹۹ نورِ حق سے محرومی دارین کی ہلاکت و تباہی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ: - یعنی اگر تم لوگ (اے ایمان والو!) کافروں کے کہنے میں آ کر الٹے پاؤں پھر گئے تو تم لوگ یقینی طور پر دارین کے خسارے میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے، جو کہ سب سے بڑا اور انتہائی ہولناک خسارہ ہے - والعیاذ باللہ - کہ نورِ حق و ہدایت سے محرومی، دارین کی سعادت اور فوز و فلاح سے محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - پس تم ان لوگوں سے ہوشیار اور محتاط رہنا اور ان کی محبت و دوستی سے بچ کر رہنا۔ اور ہمیشہ ان کے ایسے شرور و فتن سے پناہ مانگتے رہنا اپنے خالق و مالک جل و علا کی۔ تا کہ اس ہولناک انجام سے بچ سکو۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ اور اس محرومی کے نتیجے میں انسان ہر خیر سے محروم ہو جاتا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین۔

۳۰۰ **اللہ ہی سب کا ناصر و مددگار ہے:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی حامی و ناصر اور مددگار ہے تم سب لوگوں کا اور وہی ہے سب سے بہتر مدد کرنے والا۔ پس تم لوگ دل کا بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھو کہ اس کی رحمت وعنایت بھی کامل اور اس کی قدرت وعطاء بھی لامحدود وشامل ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - روایات میں ہے کہ غزوۂ احد سے واپسی کے موقع پر جب ابوسفیان نے "ھبل" کی جے پکاری اور کہا "لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" یعنی "ہمارے لئے عُزّٰی ہے اور تمہارے لئے کوئی عُزّٰی نہیں" تو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے صحابۂ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - کو حکم دیا کہ تم یوں کہو "اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ" کہ "اللہ ہمارا مالک وکارساز ہے تمہارا کوئی مولیٰ وکارساز نہیں"۔ سو ان نصوصِ کریمہ میں حصر کے ساتھ بتایا گیا کہ حامی وناصر سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور رسول اللہؐ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو اسی کی تعلیم و تلقین فرمائی کہ مددگار سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام الانبیاءؑ خود بھی اسی وحدہ لاشریک سے مدد مانگتے اور اسی سے مدد مانگنے کی تعلیم وتلقین فرماتے ہیں۔ اور حضراتِ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی کبھی خرقِ عادت اور خلافِ اسباب کے طور پر آپؐ سے مدد نہیں مانگی۔ اور خود آپ - صلی اللہ علیہ وسلم - کی حیاتِ طیبہ میں اور اپنی موجودگی کے دوران بھی، کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی۔ لیکن آج کا جاہل مسلمان ہے کہ اس سب کے باوجود طرح طرح کے شرکیہ نعرے لگاتا ہے۔ کہیں وہ کہتا ہے "یارسول اللہ اَغِثْنِیْ" اور کہیں "یا پیر دستگیر" اور کہیں "یا علی مدد" وغیرہ وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - حالانکہ یہ مقدس اور برگزیدہ ہستیاں خود بھی زندگی بھر اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو پکارتی رہیں اور اسی کو پکارنے کی دعوت اور درس دیتی رہیں۔ اور یہ سب حضرات اپنی اپنی نمازوں میں اپنے خالق و مالک کے حضور دست بستہ اسی طرح عرض کرتے رہے ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ کہ "مالک ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے"۔ سو حاجت روا ومشکل کشا سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ - سب اسی کے محتاج ہیں - جل وعلا شانہ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۳۰۱ **القاءِ رعب کی خاص خدائی مدد کا ذکر:** - سو اس سے اہلِ ایمان کیلئے القاءِ رعب کی خاص خدائی مدد کا ذکر فرمایا گیا ہے، سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ قدرت کی طرف سے اہلِ حق کی مدد القاءِ رعب کے ذریعے کی جاتی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی ہم رعب ڈال دیں گے کافروں کے دلوں میں جس کے باعث وہ عسکری تفوّق کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ غزوۂ احد سے واپسی پر ابوسفیان اور دوسرے کفار ومشرکین کو یہ خیال آیا کہ جب مسلمان اس قدر کمزور ہو چکے تھے تو ہم اپنا کام تمام کئے بغیر یونہی واپس کیوں آ گئے۔ ہمیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کا بالکل صفایا کر دینا چاہیئے تھا۔ اس پر وہ واپسی کا ارادہ کر کے دوبارہ حملہ آور ہونے کیلئے تیار ہو گئے، مگر قدرت کی طرف سے ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری کر دیا گیا کہ وہ واپسی کی ہمت نہ کر سکے۔ سبحان اللہ - خداوندِ قدوس کی طرف سے دلوں میں رعب ڈال دینے کے اس غیر مرئی لشکر نے کتنا کام کیا اور رعبِ قلوب کا یہ لشکر ایسا سخت لشکر ہے کہ اس کا مقابلہ کرنا کسی کے بس میں ہے ہی نہیں۔ اور اسی کو آج کل کی فوجی اصطلاح میں "مورال ڈاؤن" ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایسی سخت مار ہے کہ اسکے بعد کوئی لشکر خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، وہ اٹھنے کی ہمت ہی نہیں کر سکتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور اسکے پاس ظاہری اسباب خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، وہ لڑنے کے قابل نہیں رہتا اور ایسے میں وہ اسکے کچھ کام نہیں

آسکتے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سواللہ پاک کے لشکروں کو اسکے سوا کوئی نہیں جان سکتا ﴿ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا هُوَ ﴾ اور اللہ پاک سبحانہٗ تعالیٰ کی یہ مدد وعنایت اہلِ ایمان کو ہمیشہ کی طرح آج بھی حاصل ہے۔ اور جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس کے مناظر و مظاہر دیکھنے سننے میں آتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں افغانستان میں روس کی شیطانی سپر پاور، جو کہ اپنے دور کی سب سے بڑی شیطانی سپر پاور تھی، کا حملہ اس کی ایک واضح مثال ہے کہ اس پر افغانستان کے نہتے مگر قوتِ ایمانی سے لیس و سرشار مجاہدین کا رعب جس طرح پڑا اس کو دنیا نے کھلی آنکھوں دیکھا اور سنا۔ اور اس حد تک کہ روس کو افغانستان پر قبضہ کرنے کی بجائے ان افغان مجاہدوں سے جان چھڑانی مشکل ہوگئی۔ کتنے بھاگ گئے اور کتنے واصلِ جہنم اور فی النار والسقر ہو گئے۔ پھر آخرِ کار سب نے ناکام و نامراد ہو کر واپسی کی راہ لی۔ اور اب تک وہ خوابوں میں بھی ان مجاہدوں سے ڈرتے ہیں۔ اسی طرح کی صورتِ حال دنیا نے قازقستان کی جمہوریہ چیچنیا میں دیکھی جہاں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی تعداد نے روس کی جدید ترین اسلحہ سے لیس افواج کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ اسی طرح یورپ کی مسلم جمہوریہ بوسنیا ہرزگوینا اور کشمیر اور فلسطین میں ہوا، اور ہو رہا ہے۔ اور اسکی تازہ اور حیران کن مثال جو انہی دنوں کی ہے جبکہ راقم آثم یہ سطور تحریر کر رہا ہے، وہ افغانستان میں برپا ہونے والی "طالبان" کی تحریک ہے جس میں دینی مدارس کے سیدھے سادھے طلبہ کرام نے ایسا انقلاب برپا کر دکھایا کہ آج پوری دنیا اس سے حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہے۔ اور اس کو اسلام کا ایک زندہ معجزہ اور غیبی قوت قرار دینے کے سوا اور کوئی توجیہ اس کی ان کے پاس نہیں ہے اور نہیں ہو سکتی - فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّبَعْدَہ - فَاِنَّہٗ بِیَدِہٖ اَزِمَّۃُ کُلِّ شَیْءٍ - سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی - بہرکیف اِلقائے رعب کی یہ مدد قدرت کی ایک عظیم الشان مدد ہے جس سے وہ اپنے خاص بندوں کو نوازتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے - ہمیشہ راہِ حق وصواب پر قائم رکھے، اور اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، آمین ثم آمین

۳۰۲ فرضی خداؤں کے پجاریوں کی بے حقیقتی کا بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس بناء پر کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ یعنی یہ سب کچھ ان لوگوں کا خود ساختہ اور من گھڑت ہے۔ اور جن کے خدا ہی اس طرح کے فرضی اور بے بنیاد ہوں، ان میں طاقت وقوت کہاں سے آسکتی ہے؟ وہ تو ﴿ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴾ کے مصداق اور قسمت کے مارے ہوئے لوگ ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور جب اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود سرے سے ہے ہی نہیں تو پھر ایسے کسی من گھڑت معبود کیلئے کوئی سند ممکن ہی کس طرح ہو سکتی ہے؟ البتہ ایسے لوگ اس طرح کر کے شرک کے جس ہولناک جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، ان کا بھگتان ان کو بہر حال بھگتنا ہوگا۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ مشرک لوگوں نے جن خود ساختہ اور من گھڑت چیزوں اور فرضی اور وہمی معبودوں کو خدائے پاک کی خدائی میں شریک بنا رکھا ہے ان کے لئے نہ کوئی شہادت عقل وفطرت کے اندر موجود ہے، اور نہ خداوند قدوس کی پیدا کردہ اس کائنات اور اس کے نظام میں۔ اور نہ ہی خدا کے بھیجے ہوئے دین اور اس کے اتارے ہوئے صحیفوں میں۔ بلکہ یہ سب کچھ محض ان لوگوں کا اپنا من گھڑت اور فرض کردہ ہے جس کی حقائق کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی - والعیاذ باللہ من کل شائبۃ من شوائب الکفر، والزیغ والضلال،

بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے ایسے ظالموں کا، ؎۳۰۳ اور یقیناً اللہ نے سچ کر دکھایا تم لوگوں سے اپنا

وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

وعدہ ؎۳۰۴ جبکہ تم لوگ ان (دشمنانِ اسلام) کو تہ تیغ کرتے چلے جا رہے تھے اللہ کے (حکم و) اذن سے ؎۳۰۵ یہاں تک کہ جب تم لوگوں نے

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ

بزدلی دکھائی ؎۳۰۶ اور جھگڑا ڈال دیا اپنے معاملے میں، ؎۳۰۷ اور تم نے نافرمانی کا ارتکاب کیا ؎۳۰۸ اس کے بعد کہ اللہ نے تم

۳۰۳ ظالموں کا ٹھکانا بہت ہی بُرا - والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ آخرت میں ایسوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے ایسے ظالموں کا۔ اور ایسے برے ٹھکانے کو ان ظالموں نے ازخود اختیار کیا ورنہ اللہ پاک - سبحانہ وتعالیٰ - نے تو اپنی رحمتِ بیکراں اور عنایتِ بے نہایت سے اس سے بچنے کا ان کیلئے پورا سامان کر دیا تھا۔ اور راہِ حق و صواب کو ان کیلئے پوری طرح عیاں اور روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا تھا۔ مگر انہوں نے اس سے اِعراض ہی کیا اور "خود کردہ را علاجے نیست" کے مصداق اب یہ لوگ اپنے کئے کا مزہ ہمیشہ چکھتے رہیں گے۔ اور اس روز ان ظالموں سے کہا جائے گا ﴿ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ (الزمر: ۲۴) یعنی "اے ظالمو! اب چکھتے رہو تم عذاب اور مزہ اپنی اس کمائی کا جو تم لوگ دنیا میں کرتے رہے تھے" - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور یہ اس لئے کہ ایسے ظالموں اور مشرکوں کا جرم بہت بڑا اور نہایت ہولناک و سنگین ہے۔ انہوں نے حضرتِ حق - جَلَّ مَجْدُهٗ - جو کہ سب کا خالق و مالک اور معبودِ برحق ہے اس کے ساتھ انہوں نے شرک کیا اور بے حقیقت چیزوں کو اس وحدہٗ لاشریک کی خدائی میں شریک مانا۔ اور دوسری طرف ان لوگوں نے اس سے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق میں سب سے اشرف مخلوق بنایا۔ لیکن یہ جب انسان ہو کر اپنے سے فروتر مخلوق کو خدا کا شریک مان کر اس کے آگے جھکتا ہے اور اس کی پوجا و پرستش کرتا ہے تو یہ گویا شاہین ہو کر کنجشکِ فرومایہ کی غلامی اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس سے نہ صرف یہ کہ اپنی شاہینی صفت کھو دیتا ہے بلکہ یہ کنجشک سے بھی فرومایہ اور گھٹیا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ محفوظ رکھے - اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۳۰۴ اللہ کا وعدہ بہر حال اور قطعی طور پر سچا: - سو ارشاد فرمایا گیا اور یقیناً اللہ نے سچا کر دکھایا تم لوگوں سے اپنا وعدہ جو کہ اس نے تمہاری نصرت و امداد کے بارے میں تم سے فرمایا تھا ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ الآیۃ (آلِ عمران: ۱۲۰)۔ یعنی "اگر تم لوگوں نے صبر اور تقویٰ کو اپنائے رکھا، تو ان کی چالوں سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ روایات میں ہے کہ غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا تو ان میں سے بعض کے دلوں میں اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے کہ اگر واقعی ہم سے فتح و نصرت کا

وعدہ کیا گیا تھا تو پھر ہمیں اس شکست سے دوچار کیوں ہونا پڑا؟ تو اس آیتِ کریمہ میں اس کا جواب دیا گیا کہ اللہ پاک نے تم سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا فرما دیا تھا، جبکہ تم لوگ ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ اور غلبہ تمہارا ہی تھا۔ یہاں تک کہ تم نے اپنی ان کمزوریوں کی وجہ سے جن کا ذکر آگے فرمایا جا رہا ہے اپنی جیتی ہوئی بازی کو عارضی شکست و ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو قصور تم لوگوں کا خود اپنا ہے۔

۳۰۵ فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ ان (دشمنانِ اسلام) کو تہ تیغ کرتے چلے جا رہے تھے اللہ کے اذن اور حکم سے کہ فتح و غلبہ کا حصول اصل میں اس وحدہٗ لاشریک کے اِذن و حکم ہی پر موقوف و منحصر ہے نہ کہ ظاہری اسباب و وسائل پر۔ پس غزوۂ احد میں تم لوگوں کو شروع میں جو شاندار فتح نصیب ہوئی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق و عنایت سے تھی۔ پس اسکو تم لوگ کہیں اپنا ہی کمال قرار دیکر اپنے خالق و مالک کی اس توفیق و عنایت اور اسکے حقِ شکر سے غافل نہیں ہو جانا، بلکہ اسکو اسی کا کرم سمجھ کر دل و جان سے اس کا شکر بجا لانا کہ فتح و نصرت سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کی طرف سے ہے۔ سو ﴿بِاِذْنِہٖ﴾ کے کلمۂ کریمہ سے اسی کا درس دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت سے متعلق اپنا وعدہ پورا فرما دیا تھا۔ تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے اِذن و حکم سے کامیاب اور فتح یاب ہو گئے تھے اور تم ان کو تہِ تیغ کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے اپنی کمزوری اور حکم عدولی کی بناء پر اس کو شکست سے بدل دیا۔ لہٰذا اب تم لوگوں کا منکرین و منافقین کے پروپیگنڈے اور ان کی باتوں کی بناء پر شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ پس اس سے آئندہ کے لیے سبق لو۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید

۳۰۶ شکست کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہاں تک کہ تم لوگوں نے بزدلی دکھائی سو احد میں ہارنے کی ذمہ داری خود تم پر ہے اے مسلمانو! سو تم فتحیاب ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ تم نے بزدلی دکھائی اپنی رائے اور اپنی ہمت و عزیمت میں۔ کہ نبی اکرم ﷺ ۔ نے پچاس افراد کا ایک دستہ جو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سربراہی اور انکی کمانڈ میں ایک مورچے پر مقرر فرمایا تھا، انہوں نے اپنے امیر سے اختلاف کیا۔ اور نبیٔ اکرم ﷺ ۔ سے نئی منظوری لئے بغیر وہ مورچہ چھوڑ دیا اور صرف بارہ آدمی وہاں رہ گئے۔ جس سے فائدہ اٹھا کر دشمن وہیں سے حملہ آور ہوا اور تمہاری فتح کو شکست میں بدل دیا۔ اور اس طرح تم لوگ اپنی جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔ سو احد میں ہارنے کی ذمہ داری خود تم پر عائد ہوتی ہے اے مسلمانو! نہ کسی اور پر۔ پس تم خود اپنے حال میں غور کر کے اپنی اصلاح کرو۔ سو اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ۔ از ماست کہ بر ماست ۔ والعیاذ باللہ العظیم
اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۳۰۷ اختلاف اور جھگڑا باعثِ نکبت و وبال ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے جھگڑا ڈال دیا اپنے معاملے میں کہ اس دستے کے کمانڈر نے کہا کہ ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اللہ کے رسول ہمیں اس کا حکم نہیں فرمائیں گے۔ تو ان مجاہدین نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ مورچے پر رہنے کا حکم تو اس وقت تک تھا جبکہ لڑائی لڑی جا رہی تھی۔ اور اب جبکہ لڑائی ختم ہو چکی ہے اور مالِ غنیمت

اکٹھا کیا جا رہا ہے تو اب ہمارے یہاں باقی رہنے کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ سو اسی جھگڑے اور اختلاف کی بنیاد پر تم لوگوں کو یہ انجامِ بد دیکھنا پڑا۔ تمہاری پوزیشن کمزور ہو گئی اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن نے وہیں سے تم پر حملہ کر دیا۔ سو باہمی اختلاف اور نزاع وجدال باعثِ کمزوری ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اسی لیے دینِ حنیف نے سمع و طاعت، یعنی سننے ماننے اور اطاعتِ امیر پر بہت زور دیا ہے کہ اسی میں امت کی شیرازہ بندی ہے اور اسی بناء پر رحمت وعنایت خداوندی کا نزول ہوتا ہے، اور فتح ونصرت کے دروازے کھلتے ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

۳۰۸ معاصی و ذنوب باعثِ نقصان وخسران - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں نے معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کیا کہ تم مورچہ چھوڑ کر چلے آئے۔ سو یہاں پر ذرا رک کر اور اس بارے بھی غور کرنے اور عبرت پکڑنے کی ضرورت ہے کہ ان حضراتِ صحابہ کرامؓ سے اللہ کے رسول- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کے ایک حکم کی خلاف ورزی ہو گئی۔ اور وہ بھی جان بوجھ کر اور قصداً نہیں، بلکہ اجتہادی خطاء کی بناء پر۔ تو اس کا ان کو اس قدر بھگتان بھگتنا پڑا۔ تو پھر کیا خیال ہے آپ کا ان لوگوں کے بارے میں جن کی زندگیوں، اور جن کی بود و باش اور معاشرے کا پورا نظام ہی اللہ اور اس کے رسول کے احکام و فرامین کی خلاف ورزیوں اور صریح خلاف ورزیوں پر قائم ہے۔ عقائد ہیں تو کھلم کھلا مشرکانہ۔ اخلاق ہیں تو قرآن وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے صریحاً خلاف۔ نظامِ معیشت و معاشرت ہے تو باغیانہ وسرکشانہ۔ سود اعلانیہ کھایا جا رہا ہے اور سودی لین دین اس قدر عام ہے کہ اس سے بچنا بھی کارے دارد۔ جھوٹ، دھوکہ بازی، فریب کاری، مکاری وغیرہ وغیرہ کون سی برائی ہے جو آج کے مسلم معاشرے میں موجود نہیں؟ - الا ماشاء اللہ- قبروں کی پوجا کی جا رہی ہے اور کھلم کھلا اور اعلانیہ کی جا رہی ہے۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز کا کاروبار عام ہے۔ نمازوں کی پرواہ نہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کی کوئی فکر و اہتمام نہیں۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے یکسر غفلت اور لاپرواہی برتی جا رہی ہے۔ فحاشی وعریانی چارسو پھیلی ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ -تن ہمہ داغ داغ شد- پنبہ کجا کجا نہم- والا معاملہ ہو گیا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟ طرح طرح کے عذاب کیوں مسلط ہو رہے ہیں؟ اور ہم پر ایسے اور ایسے حالات کیوں گزر رہے ہیں؟ اور اس حقیقت کو نہ کوئی دیکھتا ہے نہ اس میں غور کرتا ہے کہ- از ماست کہ بر ماست- اور معدہ اور مادہ کی غلامی میں جکڑی ہوئی دنیا کو اس کا نہ کوئی پاس ہے نہ احساس-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ مریض اپنے مرض کے علاج کی بجائے یہ کہے کہ میں بیمار ہوں ہی نہیں- فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَصْلِحْ حَالَنَا وَاَحْسِنْ مَاٰلَنَا- يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَ يَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ- اٰمِيْن ثم اٰمين يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ - بہرکیف پیغمبر کی معصیت و نافرمانی کا نتیجہ وانجام بڑا ہولناک ہے اور معاصی و ذنوب باعثِ خسارہ ہیں-وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین

اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ

کو دکھا دیا تھا وہ کچھ جس سے تم محبت رکھتے تھے، (یعنی فتح و نصرت) ف۳۰۹ تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

کچھ آخرت، ف۳۱۰ پھر اللہ نے تم کو پھیر دیا ان لوگوں سے، (جس سے تم پسپائی سے دوچار ہوگئے)

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

تاکہ اس طرح وہ تمہاری آزمائش کرے ف۳۱۱ اور البتہ تحقیق اس نے معاف فرما دیا تم سب کو، ف۳۱۲ اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے

۳۰۹ ''مَا تُحِبُّوْنَ'' سے مقصود و مراد؟ اور ایک مغالطے کا جواب :- جمہور علماء و مفسرینِ کرام ﴿مَا تُحِبُّوْنَ﴾ سے یہی مراد لیتے ہیں، یعنی فتح و نصرت۔ اور سیاق و سباق بھی اسی کا متقاضی ہے۔ متبادر الی الذہن بھی یہی ہے۔ اور مسلمان اور خاص کر حضراتِ صحابہ کرام کے شایانِ شان بھی یہی چیز ہے، کہ حق کا غلبہ اور فتح و نصرت ہی ان کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔ اور تمام ثقہ اور معتمد مفسرینِ کرام نے بھی اس سے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ ایسے تمام حضرات اس موقع پر اس کا مفہوم اس طرح کے الفاظ سے بیان فرماتے ہیں ''مِنَ النَّصْرِ وَالظَّفَرِ'' (ابن کثیر، مراغی، محاسن التاویل، اور خازن، وغیرہ)۔ مگر اس سب کے برعکس دورِ حاضر کے ایک مشہور مفسر صاحب کا کہنا ہے کہ اس سے مراد مالِ غنیمت ہے اور پھر اس کو بیان بھی موصوف نے ایسے سخت الفاظ میں کیا جن سے ایک عام قاری کے ذہن میں حضراتِ صحابۂ کرام - علیہم الرحمۃ والرضوان - کے بارے میں ایک غلط تاثر ہی ابھرتا ہے۔ چنانچہ موصوف کے الفاظ ہیں ''اور جوں ہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مالِ غنیمت)'' (تفہیم القرآن)۔ سو تعجب ہوتا ہے کہ موصوف نے ایسی سخت بات اور اتنے سخت الفاظ میں کیسے لکھ دی۔ حضراتِ مفسرینِ کرام میں سے کسی نے اگر ﴿مَا تُحِبُّوْنَ﴾ کا مصداق مالِ غنیمت کو قرار دیا بھی ہے تو ذیلی و ضمنی انداز میں۔ اور قولِ مرجوح کے طور پر۔ اور بڑے ہلکے انداز میں۔ مگر موصوف نے تو اس کو قولِ واحد کے طور پر اور اس قدر سخت انداز میں لکھا جو کہ باعثِ تعجب بھی ہے اور موجبِ افسوس بھی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الرَّحْمٰنِ - بہر کیف جمہور علماء و مفسرینِ کرام کے نزدیک ''مَا تُحِبُّوْنَ'' سے مراد فتح و نصرت ہے۔ جس سے قدرت نے ان کو بہرہ ور و سرفراز کیا تھا۔ اور یہ حضرات دشمن پر غالب آ گئے تھے۔ اور فتح و نصرت کا یہ مقصد ہی اصل اور حقیقی مقصد ہے۔ جو مومنِ صادق کے پیش نظر ہوتا ہے اور ہونا چاہیے

۳۱۰ صرف دنیا کو مقصد بنانا باعثِ محرومی - والعیاذ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے کچھ لوگ تو صرف دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت۔ یعنی تم میں سے کچھ تو یہ چاہتے تھے کہ آخرت کے ثواب کے ساتھ ساتھ دنیوی مال و دولت اور غنیمت بھی مل جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسا عیب نہیں جس پر گرفت کی جا سکے۔ کیونکہ مال انسان کی

ضرورت بھی ہے اور مال کے معنٰی ہی یہ ہیں کہ جس کی طرف انسان کا میلان ہو" مَا تَمِیْلُ اِلَیْہِ النَّفْسُ " اور مالِ غنیمت سے ملنے والے حصے کو تو لسانِ نبوت سے سب سے اچھی اور پاکیزہ روزی قرار دیا گیا ہے۔ اور امام المجاہدین حضرتِ نبی اکرم ﷺ تو فرماتے ہیں کہ "میری روزی میرے نیزے کے نیچے رکھ دی گئی ہے"۔ "جُعِلَ رِزْقِیْ تَحْتَ رُمْحِیْ" . اور پھر حضراتِ صحابہؓ کرام۔ علیھم الرحمۃ والرضوان۔ کے بارے میں حبِ دنیا کا الزام لگانے والے ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کیا خود ان کے دل مال کی محبت سے خالی ہیں؟ بہرکیف فرمایا گیا کہ تم میں سے کچھ تو آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ ساتھ دنیاوی مال بھی چاہتے تھے اور کچھ ایسے عالی ہمت بھی تھے کہ جو صرف آخرت ہی چاہتے تھے کہ انکے سامنے آخرت ہی آخرت تھی۔ دنیا کی ان کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ اور ظاہر ہے کہ ان کا درجہ بڑا بلند ہے کہ انہوں نے آخرت کی زندگی ہی کو ترجیح دی جو کہ اصل، حقیقی، اور ابدی زندگی ہے۔ اور مومن کو ہمیشہ اسی کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔ سو محض طلبِ دنیا باعث محرومی ورسوائی ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین

۳۱۱ ہزیمتِ اُحد ابتلاء وآزمائش کا ذریعہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اللہ نے پھیر دیا تم لوگوں کو ان سے جس کے نتیجے میں تم لوگ اس پسپائی سے دوچار ہو گئے۔ یعنی اس سے بھی اصل اور بڑا مقصد تمہاری سزا نہیں، بلکہ آزمائش تھی، تاکہ اس طرح کچا پکا الگ ہو جائے اور کھرے کھوٹے میں تمیز ہو جائے، اور یہ فرق وتمیز عملی طور پر اور اس طرح ہو جائے کہ پھر کسی کیلئے اسکے انکار وتردید کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ سو ان حضرات سے اگر اس طرح کی کوئی کمزوری صادر ہو بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کرتا کہ ان پر اپنا غضب نازل کر دے بلکہ وہ خود ان کو ایسی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ اس طرح ان کی ایسی کمزوریاں دور ہو جائیں اور وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے سزاوار بن سکیں۔ سو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عفو ودرگزر اور اس کے فضل وعنایت ہی کی ایک شکل ہے جس سے اسکے بندوں کو نوازا جاتا ہے۔ والحمد للہ جل وعلا، بکل حالٍ من الاحوال

۳۱۲ شرکاءِ اُحد کیلئے قطعی معافی کی صریح خوشخبری:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور تاکید در تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے معاف اور درگزر فرما لیا تم سب سے کہ تمہاری یہ خطا قصداً اور دانستہ نہیں تھی، بلکہ ایک اجتہادی لغزش تھی، اس لئے اس کو معاف کر دیا گیا۔ لہٰذا اب کسی کو اس بارے لب کشائی کا کوئی حق نہیں۔ اور جو کوئی اسکے باوجود ایسے کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ والعیاذ باللہ۔ کہ جن کو خدا معاف فرما دے انکے بارے میں کسی کو لب کشائی کا کوئی حق آخر کس طرح اور کیونکر مل سکتا ہے؟ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی واضح رہے کہ ان حضرات کیلئے اس معافی کی یہ خوشخبری تاکید در تاکید کے کلماتِ کریمہ کے ساتھ اور اس قدر صراحت و وضاحت سے فرمائی گئی ہے۔ اسکے باوجود کوئی اگر ان صحابہؓ کرامؓ پر خوردہ گیری کرے تو اسکی بدبختی میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ۔وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف یہاں پر ان حضرات صحابہؓ کرام کے لئے صاف اور صریح طور پر فرما دیا گیا کہ اللہ نے تم سب سے درگزر فرما لیا اور تم کو معاف کر دیا۔ تو اب کسی کیلئے ان کے بارے میں زبان درازی کا کیا حق ہو سکتا ہے۔ اور خاص کر بعد کے ان ادوار میں سے کسی دور کے کم سوادوں کے لیے؟ ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بکل حال من الاحوال

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ

ایمانداروں پر، ۳۱۳ (اور یاد کرو کہ) جب تم لوگ دور بھاگے جا رہے تھے ۳۱۴ اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں

عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ

دیکھتے تھے، اور تمہارے رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، ۳۱۵

فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

پھر اس (وحدہٗ لاشریک) نے تم کو غم پر غم دیا ۳۱۶ تاکہ تم آئندہ نہ غم کرو کسی ایسی چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے،

وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ

اور نہ (ہی تم دل برداشتہ ہوا کرو) کسی ایسی مصیبت پر جو تمہیں پیش آ جائے، اور اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ

اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا

کرتے ہو ۳۱۷ پھر اس (خدائے مہربان) نے (اپنی خاص رحمت و عنایت سے) تم پر (جب کہ دشمن میدان سے نکل چکا تھا) امن کی

۳۱۳ اللہ بڑے ہی فضل والا ہے:- اتنے بڑے فضل و کرم والا کہ اسکے فضل و کرم کی کوئی حد اور انتہاء ہی نہیں۔ اور جب اس کی شان ہی کرم کرنا اور انعام فرمانا ہے۔ اور وہ سب ہی کو نوازتا ہے اور ہمیشہ اور مسلسل و لگاتار نوازتا ہے تو پھر وہ تم لوگوں پر کیوں کرم نہیں فرمائے گا۔ جبکہ تمہارا درجہ بھی سب سے بلند ہے؟ اور تمہاری شان ہی سب سے الگ ہے کہ تم لوگ شرفِ صحابیت اور صحبتِ رسولؐ سے مشرف ہو اور ایمان میں بھی تم دوسروں سے آگے ہو۔ اور اللہ بڑا ہی فضل والا ہے ایمان والوں پر۔ اس کے فضل و کرم سے سرفرازی کے لئے اولین اساس و بنیاد ایمان و یقین کی دولت سے سرفرازی ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے۔ اور اس سے محرومی دارین کی سعادت و سرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اپنے فضل و کرم کے سائے میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

۳۱۴ "تُصْعِدُوْنَ" کا معنیٰ و مطلب؟:- "تُصْعِدُوْنَ" "اِصْعَاد" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں "اَلذَّهَابُ فِيْ صَعِيْدِ الْاَرْضِ وَالْاِبْعَادُ فِيْهِ" (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ یعنی "کھلی زمین میں چلنا اور اس میں دور نکل جانا" اور یہ اس وقت کا منظر پیش فرمایا جا رہا ہے جب حضرات صحابہؓ کرام سراسیمگی کے عالم میں میدان سے دور بھاگے جا رہے تھے۔ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور سب افراتفری اور بھاگا دوڑی کی کیفیت سے دوچار تھے جو کہ ایسے مواقع کا ایک طبعی نتیجہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے اس افراتفری اور گھبراہٹ کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے۔ جو اس موقع پر پیش آئی تھی،

۳۱۵ اُحد کی افراتفری کا ایک نمونہ و مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر تم کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے،

اور تمہارے رسول تمہارے پیچھے سے تم لوگوں کو پکار رہے تھے، مگر تم کو رسول کی پکار کا بھی خیال نہیں رہا تھا سو رسول تم کو بلا رہے تھے کہ تم میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! "اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ" میں اللہ کا رسول ہوں اور میں یہاں پر زندہ موجود ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ۔ سو رسول تم لوگوں کو پکارتے اور بلاتے تھے کہ میری طرف آؤ اور یہ کہ جس نے پلٹ کر دشمن پر حملہ کیا اس کیلئے جنت ہے، مگر تم لوگ ایسی سراسیمگی میں مبتلا تھے کہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے تھے۔ سو اس واقعہ سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل، جیسا کہ اہلِ بدعت کا کہنا اور ماننا ہے۔ ورنہ غزوۂ احد کے اس موقع پر ایسی صورتحال پیدا ہی نہ ہوتی۔ سو علمِ غیب اور اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ ہی کی صفت اور اسی کی شان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۱۶ معصیتِ رسول کے نتیجے میں غم پر غم، والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اس نے تم کو غم پر غم پر دیا۔ ایک غم تو یہ کہ جیتی ہوئی بازی تم لوگ ہار گئے، اور تمہاری فتح شکست سے بدل گئی۔ اور دوسرا غم وہ جو اللہ کے رسول۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ کے قتل وشہادت کے بارے میں پھیلنے والی خبر سے تمہیں لاحق ہوا تھا، جو کہ پہلے غم سے بھی کہیں بڑھ کر بڑا غم تھا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ یہ اس آیتِ کریمہ کے ان الفاظ کا ایک مطلب ہوا۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿بِغَمٍّ﴾ کی باء کو سببیہ مانا جائے۔ سو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ نے تم کو غم دیا بدلے میں غم کے۔ یعنی اللہ کے رسول کے حکم کی نافرمانی کر کے۔ اگرچہ وہ اجتہادی خطاء کی بناء پر ہی تھی، تم نے ان کو جو غم دیا اس کے باعث اور اسکے بدلے میں تم کو یہ غم اٹھانا پڑا۔ (جامع البیان، روح المعانی، وغیرہ)۔ سو اس سے معصیتِ رسولؐ کی خطورت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف احد کی اس ہزیمت کی تصویر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ بگٹٹ بھاگے چلے جا رہے تھے، اور تم اپنے دائیں بائیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ جبکہ اللہ کے رسول تم کو پیچھے سے پکار رہے تھے۔ الی عباد اللہ"۔ اللہ کے بندو میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ، میں یہاں ہوں۔ سو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی بہت خطرناک چیز ہے جس کا وبال بہت سخت ہے، اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۳۱۷ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاد دہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس لئے اس سے تمہارا کوئی بھی عمل کسی بھی طرح چھپ نہیں سکتا۔ پس تم لوگ ہمیشہ اس بات کو پیشِ نظر رکھو کہ اس وحدہٗ لاشریک سے تمہارا معاملہ صحیح اور درست رہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب تمہاری نیت اس بارے صحیح اور درست ہوگی اور تم لوگ اپنے طور پر اسکے لیے فکرمند اور کوشاں رہوگے تو وہ ضرور تم کو اس سے نوازے گا کہ اسکی شان نوازنا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جب بندہ ایمان ویقین اور صدق واخلاص سے سرفراز وسرشار ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے۔ سو ایسے میں اس کا ابتلاء عذاب نہیں ہوتا بلکہ یہ اس کی رحمت کا ذریعہ ووسیلہ ہوتا ہے۔ عذاب کفار ومنکرین پر آتا ہے اور ابتلاء اہلِ ایمان کے لئے ہوتا ہے۔ عذاب کا مقصد کفار کو مٹانا ہوتا ہے اور ابتلاء کا مقصد اہلِ ایمان کو عقلی اور اخلاقی کمزوریوں سے پاک کرنا ہوتا ہے۔ سو پہلی صورت موت ہے، اور دوسری زندگی۔ سو اہلِ ایمان کے ایمان میں ابتلاء وآزمائش سے قوت آتی اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے، آمین ثم آمین

يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

ایک خاص کیفیت طاری کر دی یعنی ایک ایسی اونگھ سی جو چھا رہی تھی تم میں سے ایک گروہ پر، ۳۱۸ جب کہ ایک اور گروہ کو اپنی جانوں ہی کی

اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ

فکر کھائے جا رہی تھی، ۳۱۹ یہ لوگ گمان کر رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق طور پر جاہلیت کا گمان، ۳۲۰

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ

یہ لوگ (اپنے خاص انداز میں) کہتے تھے کہ کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی (حصہ اور) اختیار ہے؟ ۳۲۱ کہو

الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا

اختیار تو سب اللہ ہی کے لئے (اور اسی کے ساتھ خاص) ہے ۳۲۲ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو آپ کے

۳۱۸ اہلِ ایمان کیلئے ایک خاص انعام کا ذکر و بیان: سو اس سے معرکۂ احد میں ایمان والوں کیلئے ایک خاص اِنعام یعنی امن و سکون کی اونگھ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ سو یہ گروہ مومنین مخلصین کا گروہ تھا، جن کو انکے صدق و اخلاص کی بنا پر خداوند قدوس کی طرف سے ''نعاسِ امن'' کی اس عظیم الشان نعمت سے میدانِ کارزار میں عین اس وقت نوازا گیا جبکہ مسلمانوں کی لاشیں خون میں لت پت تھیں۔ اور غم پر غم کی بناء پر خوف و سراسیمگی کی کیفیت چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ تو ''نعاسِ امن'' کے اس اِنعامِ خداوندی سے ان کے غم و صدمے کی یہ کیفیت جاتی رہی۔ دشمن کے رعب سے وہ سبکسار ہو گئے اور جنگ کے تعب اور تھکان سے ہلکے ہو کر وہ تازہ دم ہو گئے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کیسی عظیم شان تھی ان حضرات صحابہ کی جن کیلئے قدرت کی طرف سے اس طرح آرام و راحت اور سکون اور اطمینان عین میدانِ معرکہ میں کیا گیا۔ عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَانُ۔ سو جنگ کی رات میں مسلمانوں نے امن کی اس نیند سے مکمل آرام پایا۔ حضرت ابوطلحہؓ کہتے ہیں کہ میدانِ کارزار میں اس اونگھ کی وجہ سے ہماری کیفیت یہ تھی کہ ہم میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو وہ اسکو دوبارہ اٹھاتا۔ (ابن کثیر، معارف اور مراغی وغیرہ)۔ سو صدقِ ایمان و یقین سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اللهم فزدنا منه وثبتنا عليه يا ذا الجلال والاكرام۔

۳۱۹ گروہ منافقین کی حالت و کیفیت: سو یہ منافقوں کا گروہ تھا جو کہ اپنے نفاق اور خبثِ باطن کی بناء پر ''نعاسِ امن'' کی اس نعمت سے محروم رہا تھا۔ اور ان کو امن و سکون کی بجائے اپنی جانوں کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ اب ہمارا کیا بنے گا۔ اور دشمن کا خوف ان پر حاوی و مسلط تھا۔ سو ایمان و یقین کی دولت امن و سلامتی اور سکون و اطمینان کی نعمت سے بہرہ ور و سرفراز کرنے والی دولت ہے جبکہ اس سے محرومی سکون و اطمینان کی دولت سے اور دارین کی فوز و فلاح سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یہ منافق لوگ اپنے نفاق کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی اس رحمت و عنایت سے

محروم تھے جن سے مسلمان سرفراز ہو رہے تھے۔ سو سکون و اطمینان ایمان و یقین کی دولت ہی سے نصیب ہو سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید ۔ وعلٰی ما یحب و یرید ، بکلِّ حال من الاحوال ، وفی کل موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ ،

۳۲۰ منافقوں کے منافقانہ اور جاہلیت کے گمان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے بارے میں گمان کر رہے تھے ناحق طور پر جاہلیت کے گمان ۔ کہ اللہ اور اس کے رسول - علیہ الصلوٰۃ والسلام - نے مسلمانوں سے فتح و نصرت کے جو وعدے کر رکھے تھے وہ کہاں گئے ۔ اور ہمارا یہ حال کیوں ہوا ۔ وہ سب کچھ دھوکہ تھا - والعیاذ باللہ - ﴿مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ الآیۃ [الاحزاب:۱۲] وغیرہ وغیرہ ۔ اور اس طرح کی منافقانہ باتوں اور جاہلیت کی بدگمانیوں کے باعث یہ لوگ نورِ حق و ہدایت سے دور اور محروم ہوتے جا رہے تھے اور کفر و نفاق کی دلدل میں مزید پھنستے جا رہے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو بظاہر تو یہ لوگ مسلمان بنے ہوئے تھے اور اپنے اسلام اور ایمان کے بڑے بڑے دعوے بھی کرتے تھے ، لیکن ان کے اندر ایمان تھا نہیں ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ سو ایمان کی دولت سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے - والعیاذ باللہ جل وعلا ، بکل حالٍ من الاحوال ،

۳۲۱ منافقوں کی دورُخی باتوں کی ایک مثال:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس موقع پر یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی حصہ اور اختیار ہے ۔ یعنی اپنی منافقانہ روش کی بناء پر وہی دورخی باتیں کرتے جن کا ظاہر کچھ ہوتا اور باطن کچھ ۔ مثلاً ان کی یہ بات کہ کیا اس کام میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ اس کا ظاہری پہلو یہ تھا کہ یہ تو تقدیر کا معاملہ ہے جس میں ہم کیا کر سکتے ہیں کہ تقدیر کے مقابلے میں تدبیر بے اثر ہے ۔ یا یہ کہ ہماری رائے بھی اگر قابلِ غور اور لائقِ سماعت ہو تو ہم بھی اپنی رائے پیش کریں ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مطلب درست تھا ۔ مگر اس قول سے ان کا اصل مقصد دوسرا تھا کہ صاحب اگر ہماری مان لی جاتی اور مدینے سے باہر نکلنے کی بجائے اندر سے ہو کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جاتا تو ہمارا یہ حشر نہ ہوتا اور آج ہمیں یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑتا ۔ آگے ان کے انہی نوایاءِ خبیثہ کا پردہ چاک کیا جاتا ہے ۔ سو نفاق و منافقت باعثِ ہلاکت و تباہی اور موجبِ خسران - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے ، آمین

۳۲۲ اختیار سب اللہ ہی کیلئے ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اختیار تو سب اللہ ہی کیلئے ہے ۔ وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے ۔ وہی حق اور صدق و صواب ہے کہ وہ خالق بھی ہے اور مالک بھی ۔ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ۔ حق اور بہتری بہرحال اسی میں ہے جو وہ کہے اور جو وہ کرے ۔ اس میں کسی کیلئے نہ کسی قیل و قال کی کوئی گنجائش ہے اور نہ حیل و حجت کی - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اس ارشادِ عالی میں حق اور حقیقت کا بیان بھی ہو گیا اور منافقوں کے قول کا ظاہر کے اعتبار سے جواب بھی ۔ یعنی اس ارشاد سے اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ مختارِ کل اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے ۔ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے سوا اسکی مخلوق میں سے بھی کچھ ہستیوں کو مختارِ کل مانتے اور ان کو خرقِ عادت کے طور پر متصرف جانتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اختیار سب کا سب اللہ ہی کے لئے ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ اس کائنات کا خالق و مالک بھی وہی ہے اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اسمیں کسی بھی طرح اور کسی بھی درجے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا ،

يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

سامنے ظاہر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے بھی اس معاملہ میں کوئی شیٔ (رائے اور اختیار کی) ہوتی، تو ہم لوگ یہاں

شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ

(اس میدان احد میں اس طرح) قتل نہ ہوتے ۳۲۳ کہو کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی وہ لوگ خود بخود (اور ضرور

لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

بالضرور) نکل آتے اپنی قتل گاہوں کی طرف، جن پر قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا ۳۲۴ اور (یہ سب کچھ اس لئے بھی ہوا کہ) تاکہ اللہ

۳۲۳ **قرآنِ حکیم کی حقانیت کا ایک اور ثبوت** :- سو یہاں سے قرآنِ حکیم کی صداقت وحقانیت کا ایک اور ثبوت سامنے آتا ہے کہ اس نے منافقوں کے دلوں میں چھپی بات کی خبر کر دی اور ان کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے چور کو ظاہر فرما دیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپاتے ہیں جو ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لیے بھی اس معاملے میں کوئی شے ہوتی تو ہم یہاں پر اس طرح قتل نہ ہوتے۔ سو قرآنِ حکیم نے ان کے اس نفاق کو ظاہر فرما دیا جو انہوں نے اپنے گول مول الفاظ کے پردے میں چھپا رکھا تھا کہ صاحب اگر ہماری رائے اور ہمارے مشورے کی کوئی قدر و قیمت ہوتی اور ہماری بات اگر سنی اور مانی جاتی اور ہم باہر نکلنے کی بجائے مدینے کے اندر ہی رہ کر دشمن کا مقابلہ کرتے تو آج ہمارا یہ حشر نہ ہوتا۔ اور ہم احد کے میدان میں اس طرح نہ کٹتے مرتے۔ سو یہاں سے ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ کلام کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دلوں کے اندر چھپی باتوں کو اس طرح جاننا اور بیان کرنا کسی انسان کیلئے ممکن نہیں بلکہ یہ شان صرف خالقِ بشر حضرتِ حق - جل مجدہٗ - ہی کی ہے جو کہ ﴿عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ یعنی "دلوں کے بھیدوں اور رازوں کو جاننے والا ہے" اور جس کی شان "لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ" کی ہے۔ پس یہ کلامِ مجید، قرآنِ حکیم، اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کا فرمان اور اسی کا کلامِ حق ترجمان ہے۔ اسکے سوا اور کسی کی بھی یہ شان نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى وَجَلَّ وَعَلَا مَجْدُهٗ-

۳۲۴ **تقدیر کا لکھا کبھی نہیں ٹل سکتا** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی وہ لوگ خود بخود اور ضرور بالضرور نکل آتے اپنی قتل گاہوں کی طرف جن پر قتل لکھ دیا گیا تھا۔ سو تم لوگ اگر اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو بھی وہ لوگ اپنی قتل گاہوں کی طرف چل کر آ جاتے جن پر قتل ہونا لکھ دیا گیا تھا۔ کیونکہ تقدیر کا لکھا ٹل نہیں سکتا۔ اور کوئی تدبیر اس کو روک نہیں سکتی۔ سو یہ کہنا اور ایسا سمجھنا غلط ہے کہ اگر ہم اپنے گھروں سے نکل کر احد میں نہ آتے تو قتل نہ ہوتے، اور مسلمانوں کو یہ الزام دینا کہ تم نے ہمیں مروایا ہے بالکل ناروا بات ہے۔ موت نے تو اپنے وقت پر بہرحال آ کر ہی رہنا ہے۔ اور سب سے عمدہ اور بہترین موت وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کیلئے آئے۔ اور بڑا خوش نصیب انسان وہ ہے جو بہادروں کی موت مرے۔ شہادت کا شرف حاصل کرے اور اپنی جان اپنے خالق و مالک کی رضاء کیلئے قربان کرے اور زندۂ جاوید بن جائے۔ سو موت کے ڈر سے جہاد سے بھاگنا حماقت بھی ہے، اور بڑی محرومی بھی، والعیاذ باللہ

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

آزمائش کرے اس کی جو کچھ کہ ان کے سینوں کے اندر (چھپا ہوا) ہے ۳۲۵ اور تاکہ اللہ چھانٹ (کر الگ کر) دے وہ کچھ، جو کہ

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

تمہارے دلوں میں ہے (شوائب و وساوس میں سے) ۳۲۶ اور اللہ خوب جانتا ہے دلوں کے (اندر چھپے بھیدوں اور) رازوں کو ۳۲۷

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ

بے شک تم میں سے جن لوگوں نے پیٹھ پھیری (اس دن) جس دن کہ آمنا سامنا ہوا (حق و باطل کے) دو گرہوں کا، تو اس کی وجہ

اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

سوائے اس کے اور کچھ نہ تھی کہ ان کو پھسلا دیا تھا شیطان نے ان کی بعض کمزوریوں کی بناء پر ۳۲۸ اور یقیناً اللہ نے معاف فرما دیا ان

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

سب کو ۳۲۹ بیشک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی بردبار ہے ۳۳۰ (سبحانہ وتعالیٰ) اے وہ لوگو! جو ایمان (لانے) کے شرف سے

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مشرف ہو چکے ہو، کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو جانا جو (ایمان کے بلند بانگ دعوے تو کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ) کفر

۳۲۵ مصائب و ہموم ذریعۂ ابتلاء و آزمائش: — سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ مصائب و آلام سینوں کے چھپے بھیدوں کی آزمائش اور انکی جانچ کا ذریعہ ہیں۔ سو یہ سب کچھ اس لئے ہوا تا کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کر لے اسکی جو کہ ان لوگوں کے سینوں کے اندر تھا۔ یعنی ایمان و یقین اور صدق و اخلاص وغیرہ کے مخفی رازوں اور چھپے بھیدوں کی آزمائش تا کہ اس سے واضح ہو جائے کہ کون مومن مخلص ہے اور کون منافق و بے ایمان۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اس طرح کھرا کھوٹا سب نکھر جائے ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ الآیۃ [الانفال: ۳۷] سو مصائب و مشاکل دلوں کے چھپے بھیدوں اور مخفی رازوں کو جاننے اور ان کے آزمانے کا ذریعہ و وسیلہ ہے تا کہ اس طرح باطن کی مخفی کیفیت سب کے سامنے آشکارا ہو جائے اور کھرا کھوٹا سب چھٹ کر الگ ہو جائے۔ اور اس طرح کہ کسی کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ سو مصائب و آلام کی چھلنی سے نکلنے اور چھننے کے بعد کھرا کھوٹا الگ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حکیم مطلق حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی طرف سے مصائب و آلام کے ذریعے ابتلاء و آزمائش کا سامان کیا جاتا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَكَمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ سب کچھ دلوں کی دنیا کی آزمائش

کیلئے کیا گیا۔ تا کہ کھرا کھوٹا سب واضح ہو جائے۔ اور کسی کیلئے انکار کی گنجائش نہ رہے۔

۳۲۶ مصیبت کے ذریعے تصفیۂ قلوب کا سامان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تا کہ اللہ چھانٹ کر الگ کر دے وہ سب کچھ جو کہ تمہارے دلوں کے اندر ہے۔ اور اس طرح تمہارے دلوں سے ہر طرح کے شوائب کا ازالہ کر کے ان میں ایسا نکھار پیدا کر دے جیسا کہ سونے کو پگھلا کر اور اس کا کھوٹ دور کر کے اس میں نکھار پیدا کیا جاتا ہے۔ اور تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے رسول کی نافرمانی کے نتائج کس قدر سنگین ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں کو ایسا کندن بنا دیا جائے کہ ان کی توجہ اسباب سے ہٹ کر مسبب الاسباب پر لگ جائے اور وہ غیر اللہ کی طرف توجہ سے منزہ ہو کر خالص اللہ کے ہو کے رہ جائیں۔ سو اگر تم لوگ ہمیشہ امن و عافیت ہی میں رہتے اور فتح و نصرت اور غلبہ و استیلاء ہی سے محظوظ و بہرہ مند ہوتے رہتے تو تصفیۂ باطن اور تمحیصِ قلوب کا یہ عظیم الشان مقصد کیسے حاصل ہوتا۔ سو اس طرح احد کی یہ عارضی اور وقتی شکست و ہزیمت بھی اتنی ہی بڑی نعمت ہے جتنی کہ فتح و نصرت اور غلبہ و استیلاء کی نعمت۔ اسی لئے علامہ قاشانیؒ کہتے ہیں کہ مصیبت و بلا اللہ پاک -سبحانہ و تعالیٰ- کے کوڑوں میں سے ایک کوڑا ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں کے تصفیۂ باطن اور تزکیہ قلوب کا سامان کرتا ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)- سبحان اللہ- کیا کہنے رب رحمٰن و رحیم کی اس رحمتِ بیکراں اور عنایتِ بے نہایت کے۔ جس سے وہ اپنی اشرف المخلوقات مخلوق حضرتِ انسان کو نوازتا ہے۔ اور اس طور پر کہ انسان، ہاں اس ناشکرے انسان کو اس کی خبر و احساس بھی نہیں۔ اور وہ اس سے غافل و بے بہرہ بلکہ منکر تک ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ- مگر اس کے باوجود وہ مہربانِ مطلق اس کو اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا بلکہ نوازے ہی جاتا ہے کہ اس کی شان ہی نوازنا اور کرم فرمانا ہے اور مسلسل اور ہمیشہ نوازنا- تَبَارَکَ وَتَعَالٰی - جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ- پس بندے کا کام ہے کہ ہمیشہ اس کی طرف رجوع رہے- وباللہ التوفیق-التوفیق لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید،

۳۲۷ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا ایک نمونہ و مظہر:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ سینوں کے بھیدوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے پس وہی ہے جو پوری طرح جانتا ہے کہ دلوں کے روگ کیا ہیں اور ان کا علاج کیا ہو سکتا ہے اور کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اور کس کیلئے کیا چیز مفید ہے اور کیا مضر۔ اور کب اور کس شکل و صورت میں مفید یا مضر ہو سکتی ہے۔ وہ ان سب باتوں کو جانتا اور پوری طرح جانتا ہے۔ اسکو کسی امتحان وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ جو اپنے بندوں کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالتا ہے تو اس میں دوسری مختلف حکمتیں مخفی و مضمر ہوتی ہیں- سبحانہ و تعالیٰ - یہیں سے اس بات کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر غلط کار اور الٹی سوچ کے ہیں وہ لوگ جو اس خالق و مالک وحدہٗ لاشریک کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کے لئے طرح طرح کے وہمی اور فرضی وسیلے اور واسطے گھڑتے اور فرض کرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ طرح طرح کی شرکیات کے دروازے کھولتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - بھلا جو ذات دلوں میں چھپے رازوں کو بھی پوری طرح جانتی ہے اس کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین

۳۲۸ لغزشِ قدم اپنے کئے کے نتیجے میں:- یعنی ان کا یہ پھر جانا نہ کسی ارتداد کی بناء پر تھا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- اور نہ کسی دیدہ و دانستہ نافرمانی کی بناء پر۔ بلکہ یہ ان کی ایک لغزشِ قدم تھی جس میں شیطان نے ان کو مبتلاء

کر دیا تھا ان کی اس اجتہادی خطاء کی بناء پر کہ انہوں نے وہ مورچہ چھوڑ دیا تھا جس پر اللہ کے رسول - علیہ الصلوۃ والسلام - نے ان کو مامور فرمایا تھا۔ اور ایسا انہوں نے اس خیال سے کیا تھا کہ اب یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ معرکہ ختم ہو چکا ہے۔ مسلمان فتح سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں بھی جا کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ نیز جو دوسرے لوگ اس روز میدانِ معرکہ سے بھاگ گئے تھے ان کو بھی شیطان نے انکی کچھ سابقہ خطاؤں کی بناء پر پھسلا دیا تھا کہ شیطان کا داؤ وہیں کارگر ہوتا ہے جہاں گناہ و خطاء کی جڑ موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا گناہ و خطاء کے سرزد ہو جانے کے بعد ایسی سچی توبہ کی جائے کہ اسکی جڑ نکل جائے۔ روایات کے مطابق اس روز شرکائے احد میں سے صرف تیرہ آدمی حضورؐ کے ساتھ رہ گئے تھے جن میں سے پانچ مہاجرین میں سے تھے اور باقی انصار میں سے۔ اور ان بھاگنے والوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو تین دن بعد حضورؐ سے آ کر ملے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو اپنے کئے کی سزا اس صورت میں اور فوری طور پر بھی ملتی ہے کہ اس سے انسان راہِ حق سے پھسلتا جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - جبکہ اصل جزا و سزا آخرت ہی میں ہوگی کہ دار الجزاء دار الآخرت ہی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی لغزش و خطاء سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ امین ثم امین یارب العالمین

۳۲۹ شرکائے اُحد کیلئے عفو و درگزر کی خوشخبری: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرما دیا ان کے اس صدق و اخلاص کی بناء پر جو کہ ان کے دلوں کے اندر موجود تھا۔ پس اب ان پر نہ کوئی الزام ہے نہ مؤاخذہ۔ لہٰذا اب جو کوئی ان پر کسی طرح کی لب کشائی اور زبان درازی کریگا وہ مجرم اور بدبخت ہوگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور ان سے اس عفو و درگزر کو بھی ﴿لَقَدْ﴾ کے تاکید در تاکید کے کلماتِ کریمہ سے بیان فرمایا گیا۔ سو باطن کی صفائی اور صدق و اخلاص اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو اپنی طرف کھینچنے والی چیز ہے۔ سو شیطان کا داؤ اور اس کا وار انہیں لوگوں پر چلتا اور ان پر زیادہ مؤثر اور کارگر ہوتا ہے جن کے اندر گناہ کی کوئی جڑ موجود ہوتی ہے۔ اور جو سچے اور مخلص ہوتے ہیں وہ اس کے وار اور اس کے داؤ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب کبھی انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اس کو دل میں جگہ نہ پکڑنے دے بلکہ استغفار اور توبۂ نصوح کے ذریعے اس کا استیصال کر دے۔ ورنہ اسی قسم کے لوگ بڑی بڑی جماعتوں کے لئے وجہِ ابتلاء اور باعثِ مصیبت بن جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو توبہ و استغفار قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت و رحمت ہے۔ فالحمدللہ جل وعلا

۳۳۰ اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے۔ اس لئے وہ صدق و اخلاص کی بناء پر اور سچی توبہ کی وجہ سے سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں کہ وہ غفور اور بڑا ہی بخشنہار ہے۔ نیز وہ گناہوں پر فوراً پکڑتا بھی نہیں تاکہ گنہگار کو توبہ و استغفار کا موقع میسر رہے کہ وہ حلیم اور بڑا ہی بردبار بھی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس نہ تو گناہوں کی بناء پر اس کی رحمت و بخشش سے مایوس ہونا چاہیئے، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں اور نہ اس کے اِمہال اور تاخیر مؤاخذہ سے دھوکہ کھانا چاہیئے خواہ وہ کتنا ہی طویل اور دراز کیوں نہ ہو کہ اسکی پکڑ بڑی سخت ہے۔ والعیاذ بہ جل وعلا۔ اللہ ہر دھوکے اور فریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ

ہی کی راہ پر گامزن ہیں ۳۳۱ جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جب کہ وہ زمین پر کہیں سفر میں نکلتے ہیں، (اور وہاں اتفاق سے ان کی موت

كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا

واقع ہو جاتی ہے) یا وہ کسی جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں قتل ہو جاتے ہیں، وہ ان کے بارے میں) کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ

قُتِلُوْا ج لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ط وَ

ہمارے پاس ہوتے تو نہ (اس طرح) مرتے اور نہ قتل ہوتے ۳۳۲ تا کہ (اس طرح) اللہ (ان کی) اس بات کو حسرت (وافسوس کا

۳۳۱ ایمان والوں کیلئے ایک خاص تنبیہ وتحذیر :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والو! خبردار کہیں تم ان کافروں کی طرح نہیں ہو جانا جو اپنے بھائیوں کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ اگر یہ ہمارے ساتھ ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے۔ یعنی ان منافق لوگوں کی طرح جو کہ بظاہر مسلمان بنے ہوئے ہیں مگر اندر سے کافر ہیں۔ (روح، صفوۃ، مراغی وغیرہ)۔ پس تم ان کے طور طریقوں سے بچ کر رہنا اور خبردار کہیں ان کی طرح نہیں ہو جانا کہ ایسے لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس ارشادِ ربانی کے ذریعے مسلمانوں کو یہ نصیحت فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ اپنے آپ کو کفار ومنافقین کی روش کی تقلید اور ان کی پیروی سے محفوظ رکھنا، کیونکہ ایمان ویقین کی دولت سے محروم ایسے لوگوں کا راستہ اور ان کا طریقہ ہلاکت اور تباہی کا طریقہ ہے، جس کا نتیجہ بہرحال دائمی ہلاکت اور تباہی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس لئے تم لوگ ان لوگوں کے طور طریقوں سے ہٹ کر اور بچ کر اس راہِ حق وصواب پر گامزن رہنا جو دارین کی سعادت وسرخروئی سے ہمکنار وبہرہ ور کرنے والی راہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حالٍ من الاحوال،

۳۳۲ محروم الایمان لوگوں کی اندرونی کیفیت کا ایک نمونہ :- سو ایسے لوگ ہمیشہ اگر مگر کے چکر میں پڑے رہتے ہیں اور سکون واطمینان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں جبکہ مومن صادق ہمیشہ مطمئن رہتا ہے سو زندگی اور موت کو اللہ کی طرف سے جاننا ایمان کا تقاضا ہے: پس تم اے سچے ایمان والو، نہ تو ان منافق لوگوں کی طرح کبھی دل میں ایسا کوئی خیال لانا اور نہ زبان سے ایسی کوئی بات نکالنا کہ تمہارے ایمان وعقیدہ کا تقاضا یہی ہے کہ تم زندگی وموت کو اللہ پاک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں سمجھو۔ اور ہر حالت کو اسی کی طرف سے مقدر جان کر مطمئن رہو کہ امرِ واقع یہی ہے۔ اور اسی میں امن وسلامتی اور سکون واطمینان کا راز پنہاں وپوشیدہ ہے کہ اس ایمان ویقین کے بعد انسان اللہ ہی سے ڈرتا اور اسی سے توقع اور امید رکھتا ہے۔ اور یہی اصل میں حقیقتِ ایمان ویقین کا تقاضا ہے۔ اور اسی ایمان ویقین سے اسکو دارین کی سعادت وسرخروئی نصیب ہو سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ کمال ایمان ویقین سے بہرہ مند وسرشار فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

اللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

انگارہ) بنا کر ان کے دلوں میں ڈال دے ۳۳۳ حالانکہ اللہ ہی زندگی بخشتا ہے، اور وہی موت بھی دیتا ہے ۳۳۴ اور اللہ پوری طرح دیکھنے والا

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ

ہے ان تمام کاموں کو جو تم لوگ کرتے ہو، اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، یا مر گئے، تو (کسی ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں کہ) بے شک

مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ

اللہ کی طرف سے ملنے والی عظیم الشان بخشش اور (بے پایاں) رحمت اس (حطام دنیا) سے کہیں بہتر ہے، جس کو جمع کرنے (اور جوڑ جوڑ

۳۳۳ **محروم الایمان لوگوں کے لیے یاس وحسرت کی سزا کا ذکر**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اس طرح اللہ ان لوگوں کی ایسی باتوں کو یاس وحسرت کا انگارہ بنا کر ان کے دلوں میں ڈال دے۔ اور اس طرح یہ لوگ اپنی سلگائی ہوئی اس غیر مرئی آگ میں ہمیشہ جلتے اور مرتے رہیں کہ کاش کہ ایسے نہ ہوتا ایسے ہوتا، یوں نہ ہوتا ووں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ سو اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ سچا ایمان اس اعتبار سے بھی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے مومنِ صادق کو اطمینانِ قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے جبکہ کفر ونفاق کھٹکے اور بے اطمینانی کا باعث ہے۔ اور ایسا شخص ہمیشہ ”کاش کہ“ اور ”اگر مگر“ کے چکر میں ہی پڑا رہتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ چنانچہ اسی بناء پر ان لوگوں نے غزوۂ احد کے مقتولوں کے بارے میں یہ بات کہی، حالانکہ زندگی وموت کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ اور اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے موت دیتا ہے اور جب اور جیسے چاہتا ہے موت دیتا ہے۔ اور وہی جس سے چاہتا ہے موت کو ٹالتا اور مؤخر کرتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس موت سے ڈرنا اور اس سے بھاگنا محض جہالت اور حماقت ہے جیسا کہ بعض کہتے اور مانتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین

۳۳۴ **زندگی اور موت اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی زندگی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے سو وہ اگر زندہ رکھنا چاہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔ اور اس کے یہاں سے اگر موت کا فیصلہ ہوجائے تو کوئی بچا نہیں سکتا۔ تو پھر موت سے ڈرنا، سفر سے بچنا اور جہاد سے جی چرانا، فضول و بے کار، بلکہ نری حماقت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف زندگی بخشنا اور موت سے ہمکنار کرنا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سو غلط کہتے اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو فلاں پیر صاحب نے مار دیا یا فلاں کو انہوں نے زندگی بخش دی۔ سو زندگی بخشنے اور موت دینے کے سب اختیارات اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے اختیار میں ہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی کی صفت وشان ہے ﴿يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ﴾ یعنی ”وہ زندگی بخشتا اور موت سے ہمکنار کرتا ہے“ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پس اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی میں اِحیاء و اِماتت کی صفت ماننا دوسروں کو اسکی صفات میں حصے دار بنانا ہے جو کہ شرک ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

کر رکھنے) میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں ف۳۳۵ اور اگر تم (کسی بھی طرح) مر گئے، یا قتل ہو گئے، تو (کیا ہوا؟) تم سب کو بہر حال اللہ ہی کی

اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

طرف سمٹ کر جانا ہے ف۳۳۶ سو اللہ کی عظیم الشان رحمت کی بناء پر، آپ نرم خو ہو گئے ان کے لئے (اے پیغمبر!) ورنہ اگر کہیں آپ تندخو اور سنگ دل ہوتے

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ

تو یہ کبھی کے آپ کے آس پاس سے چھٹ گئے ہوتے ف۳۳۷ سو آپ درگزر کر دوان (کی کوتاہیوں) سے، اور بخشش مانگو

لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

ان کے لئے (اپنے رب سے،) اور شریکِ مشورہ رکھو ان کو ایسے (اہم اور اجتماعی) کاموں میں ف۳۳۸ پھر جب آپ (کسی معاملے میں)

عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ

پختہ ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کر (کے اس میں لگ) جاؤ، بے شک اللہ محبت رکھتا (اور پسند فرماتا) ہے ایسے بھروسہ کرنے والوں کو ف۳۳۹

يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ

اگر اللہ تمہاری مدد پر ہو تو پھر کوئی بھی (خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو) تم پر غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے۔ وَالْعِیَاذُ

ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

بِہٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی ۔ تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے اس کے بعد؟ ف۳۴۰ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے،

۳۳۵ اللہ تعالیٰ کی بخشش و رحمت کی عظمت شان کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور ادواتِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کی بخشش اور اسکی رحمت دنیا کے اس متاعِ فانی سے کہیں بہتر ہے جس کے جمع کرنے اور جوڑنے میں یہ لوگ لگے ہوئے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بخشش اور رحمت تو اخروی زندگی کی کامیابی اور جنت کی سدا بہار نعمتوں اور ابدی سعادتوں کا ذریعہ ہے جو کہ حقیقی کامیابی اور دائمی فوز و فلاح ہے۔ جبکہ دنیا اور اس کا سب کچھ ایک متاعِ فانی اور حطام زائل ہے، جو سب یہیں کا یہیں رہ جائے گا۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو گئی یا کسی اور طرح سے موت آ گئی تو یہ چیز غم کرنے کی نہیں بلکہ یہ تو سعادت اور خوشی کی چیز ہے۔ کیونکہ اس کے صلے میں جو مغفرت و بخشش اور رحمت و عنایتِ خداوندی تمہیں نصیب ہو گی وہ دنیا کے ان تمام فانی ذخیروں سے کہیں بہتر ہے جو دنیاوی زندگی

کے پرستار جوڑنے اور جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ دنیا کا متاعِ فانی بہر حال یہیں رہ جائے گا۔ انسان کو اس سے ہاتھ جھاڑ کر جانا ہوگا۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، فی الحیاۃ

۳۳۶ سب کی حاضری اللہ کے حضور: ۔سو اس سے واضح فرمایا دیا گیا کہ سب کو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کے حضور حاضر ہونا ہے سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب کو بہر حال اللہ ہی کے حضور حاضر ہونا ہے سمٹ کر۔ اور وہاں پہنچ کر تم نے اپنے کئے کرائے کا صلہ بدلہ پانا ہے تو سب سے اچھا اور خوش نصیب انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس حال میں لوٹے کہ وہ اس سے راضی ہو۔ اور اس کی رضاء کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ اس کی راہ میں جہاد اور شہادت ہے۔ تو مرنا جب ہر کسی کو بہر حال ہے ہی تو سب سے بہتر طریقہ اور عمدہ راستہ یہ ہے کہ اپنی جان کو نقد اس جاں آفریں کی رضاء کیلئے اس کے حوالے کر دیا جائے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے اور جس کے رحم و کرم پر یہ باقی اور قائم ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ فَاِنْ تَكُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ ۔ فَقَتْلُ امْرِئٍ بِالسَّيْفِ فِي اللّٰهِ اَفْضَلُ ۔ یعنی "اگر جسم موت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں اور ان کو آخر کار اور بہر حال مرنا ہی ہے تو اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے تلوار سے قتل ہو جانا ہی سب سے بہتر ہے" اور یہ درحقیقت مرنا نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ سو اس ارشاد کے ذریعے واضح فرما دیا گیا کہ تم سب کو آخر کار اور بہر حال اللہ تعالیٰ ہی کے حضور اکٹھے ہو کر حاضر ہونا ہے۔ پس کوئی چاہے یا نہ چاہے، اور مانے یا نہ مانے یہ اپنی جگہ بہر حال ایک اٹل حقیقت ہے جس نے اپنے وقت پر بہر حال پورا ہو کر رہنا ہے۔ اس حقیقت کے سوا اور اس کے خلاف جن لوگوں نے دوسرے خود ساختہ اور فرضی و من گھڑت عقیدے اپنا رکھے ہیں مثلاً یہ کہ ہم مرمٹ کر یونہی ختم ہو جائیں گے یا کسی دوسرے جون میں آ جائیں گے یا اپنی من پسند اور خود ساختہ دیویوں اور دیوتاؤں میں سے کسی کے پاس جائیں گے اور وہ ہمارا کام بنا دیں گے وغیرہ۔ تو یہ سب کچھ بے بنیاد اور بے حقیقت ہے جو حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام آنے والا نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ حق وہدایت کی دولت سے ہمیشہ سرفراز وسرشار رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین، واکرم الاکرمین

۳۳۷ تندخوئی اور سنگدلی کا طبعی نتیجہ تنفر و انتشار۔ والعیاذ باللہ: ۔سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت کی بناء پر آپ (اے پیغمبر!) ان کے لیے نرم ہو گئے۔ ورنہ آپ اگر کہیں تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے آپ کے پاس سے چھٹ گئے ہوتے کہ تندخوئی اور سنگدلی کا طبعی نتیجہ اور لازمی اثر بہر حال یہی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تندخوئی و سنگدلی کی خصلت کس قدر نفرت و دوری پیدا کرنے والی خصلت ہے اور جب نبی اکرم ﷺ کی بے نظیر ہستی اور بے مثال شخصیت کیلئے بھی اس خصلت کا یہ اثر ونتیجہ ہے تو پھر دوسروں کے بارے میں کہنا ہی کیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ پس مالک الملک کے حضور ہمیشہ حسنِ خلق ہی کی دعاء کرتے رہنا چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ ۔ وَلَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَآ اِلَّآ اَنْتَ ۔ وَاصْرِفْنَا عَنْ سَيِّئِهَا ۔ وَلَا يَصْرِفُ عَنْ سَيِّئِهَا اِلَّآ اَنْتَ ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے ساتھ سخت گیری کی روش اختیار کرتے تو یہ ایسے وحشی ہیں کہ آپ سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ پس آپ ان کے ساتھ اپنی اسی روش نرم روی پر قائم رہو کہ نرم روی اور رفق ولین کی عمدہ اخلاق میں ایک خاص اہمیت اور اس کا ایک اثر ووزن ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال

۳۳۸ باہمی مشورے کی تعلیم وتلقین: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان سے درگزر ہی کرو۔ ان کے لیے بخشش کی دعاء

بھی کرو، اور ان کو ایسے اہم کاموں سے متعلق مشورے میں شریک رکھا کرو۔ یعنی ان سے مشورہ کرو ان امور میں جو کہ مشورے کے لائق ہوں۔ اور ان کے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ جہاں وحی نازل ہو چکی ہو وہاں کسی مشورے وغیرہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے قیاس واجتہاد کی شروط میں سے ایک اہم اور بنیادی شرط یہ ہے کہ ''اَنْ لَا یَکُوْنَ فِیْ مَعْرَضِ النَّصِّ'' یعنی قیاس واجتہاد صرف وہیں ہو سکتا ہے جہاں کوئی نص موجود نہ ہو۔ لہٰذا کسی امرِ منصوص میں قیاس واجتہاد یا مشاورت ومباحثہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ غیر منصوص امور پر مشورہ کرنا محمود اور مطلوب ہے۔ اور نبیٔ اکرم ﷺ نے مشاورت کے اس حکم وارشاد پر ہمیشہ عمل فرمایا اور ہر اہم معاملے پر اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ لیا۔ اور اپنے صحابۂ کرام کی رائے کا احترام بھی کیا اور اس کو قبول بھی فرمایا۔ چنانچہ غزوۂ بدر واحد کے بارے میں مشورہ لیا اور غزوۂ احزاب کے موقع پر جب آپ ﷺ نے حملہ آوروں سے مدینہ کے ایک تہائی پھلوں پر صلح کرنے کے بارے میں مشورہ لیا تو سعدین یعنی حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادۃ ۔رضی اللہ عنہما۔ کے انکار پر آپؐ نے اپنی اس تجویز کو واپس لے لیا ﷺ ۔ اسی طرح حدیبیہ کے موقع پر مشورہ لیا تو حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کو قبول فرمالیا۔ اسی طرح قصۂ افک اور براءتِ سیدہ عائشہ صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا۔ کے بارے میں بھی مشورہ لیا اور فرمایا ''اَشِیْرُوْا عَلَیَّ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ''، ''مسلمانو، مجھے اس بارے میں مشورہ دو'' (بخاری، کتاب المغازی وغیرہ)۔ اسی طرح آپ ﷺ ۔ کے بعد آپ ﷺ ۔ کے صحابۂ کرام ۔علیہم الرحمۃ والرضوان۔ بھی اہم امور میں باہم مشورہ کرتے تھے اور اہلِ ایمان کی ایک خاص صفت یہ بیان فرمائی کہ ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ﴾ بہر کیف شوریٰ اور مشورہ کرنا اسلام کی مقدس تعلیمات کا ایک اہم ارشاد ہے مگر اس سلسلے میں دینِ حنیف نے کوئی مستقل قوانین وضوابط مقرر نہیں فرمائے۔ کیونکہ یہ چیز اس عالمی دین اور اس کی طبیعت سے میل نہیں کھاتی۔ کیونکہ یہ دین ساری دنیا کیلئے اور قیامت تک کے سب زمانوں کے لئے ہے۔ اور اس میں اختلاف کا پایا جانا ایک طبعی اور فطری امر ہے۔ اس لئے دینِ حنیف نے اس بارے کوئی قدغن اور پابندی نہیں لگائی کہ ایسے کسی لگے بندھے ضابطے اور قانون کا انطباق تمام زمانوں اور سب علاقوں پر مشکل، بلکہ تقریباً ناممکن تھا۔ اس لئے بعد کے زمانوں میں اس کے طور طریقے بدلتے رہے اور بدلتے رہیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ۔ کے انتقال کے بعد حضراتِ صحابۂ کرام نے جب حضرتِ صدیق اکبرؓ کی خلافت کے بارے میں باہم مشورہ کیا تو اس نکتہ نظر پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ جب آنحضرت ﷺ ۔ آپؓ پر ہمارے دین کے بارے میں راضی ہو گئے کہ آپؓ کو اپنے آخری ایام میں اپنی جگہ نماز میں امام بنایا تو پھر ہم آپؓ پر اپنی دنیا کے بارے میں راضی کیوں نہ ہوں ''رَضِیَ بِهٖ فِیْ دِیْنِنَا اَفَلَا نَرْضٰى بِهٖ فِیْ دُنْیَانَا'' اسی طرح بعد کے حالات میں مختلف صورتیں اختیار کی گئیں کہ اپنے اپنے دور میں حالات کا تقاضا مختلف ہوتا ہے۔ اس لئے دینِ حنیف نے جو کہ دینِ فطرت ہے سب لوگوں اور سب زمانوں کیلئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا، بلکہ یہ معاملہ کھلا چھوڑ دیا کہ ہر جگہ اپنے حالات اور اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق غور وفکر کیا جا سکے۔ البتہ اتنی شرط ضرور ہے کہ ان کا کوئی بھی فیصلہ دین کے کسی حکم سے ٹکراتا نہ ہو، کہ دین کا حکم بہرحال سب سے اعلیٰ وبالا ہے۔ اور دین حق کا تقاضا یہی ہے کہ غلبہ اور حکم اسی کا ہو۔

۳۷۹ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے کی تعلیم وتلقین:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ ہی پر بھروسہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے

سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے، جس کا لازمی تقاضا ہے کہ بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھا جائے، سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید سے مؤکد کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ محبت رکھتا اور پسند فرماتا ہے ایسے بھروسہ کرنے والوں کو جو اپنے مقدور کی حد تک ضروری وسائل تو اکٹھے کرتے ہیں مگر اس کے بعد انکے دلوں کا بھروسہ و اعتماد اپنے اسباب و وسائل پر نہیں، بلکہ اسباب و وسائل کے خالق و مالک حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ اور اس کی نصرت و امداد پر ہوتا ہے کہ یہ اسباب و وسائل بھی تب ہی کام دیتے ہیں جبکہ اس کی نصرت و عنایت شامل ہو۔ ورنہ یہ یونہی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، بلکہ الٹا نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ اور دوسروں کے ہاتھ لگ کر الٹا اپنے ہی خلاف استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آئے دن اس کا مشاہدہ یہاں اور وہاں ہر طرف اور جگہ جگہ ہوتا رہتا ہے۔ پس توکل کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اسباب تو پورے ہوں مگر دل کا بھروسہ اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہو۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ - نے اس اعرابی کو بتایا تھا جس نے آپ ﷺ - سے اپنی اونٹنی کے بارے میں پوچھا تھا کہ کیا میں اس کو باندھ لوں یا توکل کر کے اسے کھلا چھوڑ دوں؟ تو آپ ﷺ - نے اس سے فرمایا "اِعْقِلْهَا ثُمَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" یعنی پہلے تم اس کو باندھو، پھر اللہ پر توکل کرو۔ سبحان اللہ - کیا کہنے تعلیمات نبوی ﷺ - کی جامعیت کے کہ ایک جملے میں توکل سے متعلق ایسی جامع اور فیصلہ کن ہدایت و تعلیم سے نواز دیا - صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَيْهِ - پس ترکِ اسباب توکل نہیں تعطل ہے، جو کہ ممنوع و محذور ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - البتہ اسباب ہی کو اصل اور سب کچھ سمجھ لینا بھی ممنوع و محظور ہے کہ اصل معاملہ اسباب و وسائل کے رہینِ منت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ پس ہوگا وہی اور ویسا ہی جو کہ اور جس طرح اس وحدہٗ لاشریک کو منظور ہوگا - سبحانہٗ وتعالیٰ - بندے کے ذمے یہ ہے کہ وہ اپنی بساط اور اپنے اختیار کی حد تک کوشش اور محنت کرے، وباللہ التوفیق

۳۲۰ اللہ کے سوا کوئی بھی مافوق الاسباب مدد نہیں کرسکتا: - سو استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا کوئی بھی نہیں جو اللہ کے مقابلے میں اور اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے۔ بھلا خالق کے مقابلے میں مدد کرنے کا یارا کس کو ہوسکتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ ہمیشہ ہر وقت اور ہر حال میں اسی پر توکل کرو اور اسی کا بھروسہ رکھو۔ اور وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور طرح طرح کے فرضی، وہمی اور بے حقیقت سہاروں پر تکیہ کر رکھا ہے۔ اور اس طرح وہ محرومی کی راہ پر چل رہے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو مدد بہرحال اللہ ہی کی مدد ہے۔ وہ اگر مدد کرے تو اور کسی کی مدد کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اس کی مدد اگر شاملِ حال نہ ہو تو اور کسی کی مدد کچھ کام نہیں آسکتی۔ سو بندۂ مؤمن کا کام اور اس کی شان یہی ہے کہ وہ اپنا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ ہمیشہ صحیح اور درست رکھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل بنانے کی فکر و سعی کرے کہ وہ اللہ کی مدد و معاونت کا اہل ہو سکے۔ اسی سے مدد مانگے اور دل کا بھروسہ و اعتماد ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْدُ - اللہ تعالیٰ حقیقتِ توکل سے سرفراز و سرشار فرمائے - آمین ثم آمین۔ سو اسباب کے درجے میں اور اسباب کے ماتحت ایک دوسرے کی مدد کرنا نہ ممنوع ہے نہ محذور، بلکہ مطلوب و محمود ہے کہ یہ دنیا ہے ہی اسباب و مسببات کی دنیا۔ لیکن اسباب کے بغیر یا اسباب کے خلاف اور مافوق الاسباب کسی کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کا اختصاص ہے، کہ اس کی قدرت سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے خلافِ اسباب یا مافوق الاسباب مدد کا عقیدہ رکھنا شرک اور باطل ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ

ایمان والوں کو ف۳۴۱ اور کسی نبی کا یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ (کسی طرح کی) کوئی خیانت کرے ف۳۴۲ اور جس کسی نے

يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ

کوئی خیانت کی تو اسے قیامت کے روز اپنی خیانت (کردہ شئی) کو خود (اپنے سر پر اٹھا کر) لانا ہوگا ف۳۴۳ پھر ہر کسی کو پورا بدلہ دیا جائے گا

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

اس (کی زندگی بھر) کے کیے کرائے کا، اور ان پر (کسی طرح کا) کوئی ظلم نہیں ہوگا، ف۳۴۴ تو کیا وہ شخص

۳۴۱ اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا ایمان کا تقاضا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو۔ سو یہ حکم وارشاد کلماتِ حصر کے ساتھ بیان فرمایا گیا کہ ایمان والوں کا بھروسہ واعتماد صرف اللہ ہی پر ہونا چاہیئے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ اس کے سوا نہ کوئی توکل و بھروسہ کے لائق ہے اور نہ ہی یہ امر ایمان والوں کی شان کے لائق ہے کہ وہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور پر بھروسہ کریں۔ مگر افسوس کہ آج کے نام نہاد ایمان والوں میں سے بہتوں کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ ان کا بھروسہ واعتماد طرح طرح کی فانی مخلوق اور بے بنیاد چیزوں پر ہے لیکن اگر اس کا بھروسہ نہیں ہے تو صرف ایک اللہ ہی پر نہیں ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔ چنانچہ ایسے لوگ اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے مختلف فانی اور فوت شدہ ہستیوں کو پکارتے، ان کے نعرے لگاتے، طرح طرح کی شرکیہ تختیاں آویزاں کرتے، انہی پر بھروسہ کرتے اور اٹھتے بیٹھتے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور ان کی مت ایسی ماردی گئی کہ ان کی کھوپڑیوں میں یہ بات بھی نہیں آتی کہ جو خود مر کر قبروں میں جاچکے ہیں اور ان کو قبروں میں گئے بھی صدیاں گزر چکی ہیں اور زمانے بیت چکے ہیں، آخر وہ ان کی حاجت روائی اور مشکل کس طرح حل کر سکتے ہیں، مگر وہ اس کے باوجود ان فوت شدہ ہستیوں کو پوجتے پکارتے اور طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کرتے ہیں۔ مگر ان کو ایک اللہ پر بھروسہ کرنے اور اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے پکارنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ فَاِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى ۔ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ فِيْ كُلِّ حِيْنٍ وَّاٰنٍ۔ بہرکیف یہاں پر حصر و قصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے کہ بھروسے کے لائق وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۴۲ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہوسکتا:- کہ نبوت اور خیانت دونوں یکجا نہیں ہوسکتیں کہ نبوت کا شرف سب سے بڑا اور سب سے عظیم الشان شرف ہے جس سے اللہ پاک۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اپنے کسی بندے کو اپنے کرمِ خاص سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے۔ وہاں خیانت جیسی گھٹیا خصلت راہ پا ہی نہیں سکتی۔ ترمذی وغیرہ میں حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر ایک چادر کہیں گم ہوگئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اللہ کے رسول نے لے لی ہو، تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (ترمذی کتاب التفسیر)۔ نیز اس ارشادِ ربانی کے عموم میں یہ بات بھی داخل ہے بلکہ

اسکے الفاظ وکلماتِ کریمہ کے ظاہر اور تبادر کے زیادہ قریب ہے کہ نبی اپنی امت سے کبھی خیانت اور بدعہدی نہیں کرتا، بلکہ وہ ہمیشہ انکی خیر خواہی ہی کرتا اور خداوند قدوس کے احکام جوں کے توں اور بلاکم وکاست ان تک پہنچاتا ہے۔ یہ ارشاد دراصل منافقوں کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں اور اس کی تردید کیلئے فرمایا گیا جو وہ غزوۂ احد کی شکست کے بعد لوگوں میں پھیلا رہے تھے کہ ان صاحب نے ہمارے اعتماد کا ناجائزہ فائدہ اٹھایا۔ ہمیں اپنے گھروں سے نکال کر یہاں احد کے میدان میں اس طرح مروا دیا۔ اور ہمیں دھوکہ دیا وغیرہ۔ تو اس پر ان منافقوں کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں اور اسکی تردید میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبر کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ خیانت کرے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو جوں کا توں پہنچاتا ہے۔ سو آیتِ کریمہ کا یہی مفہوم ومطلب اور اس کا ظاہر اور متبادر مفہوم ہے۔ اور ابنِ جریر وغیرہ جیسے بعض اکابرینِ اہلِ علم نے اسی کو اپنایا ہے۔ اور اس صورت میں اوپر والا مفہوم جو کہ ترمذی کی روایت کے حوالے سے گزرا ہے وہ محض اسکی ایک مثال اور مظہر کی حیثیت رکھتا ہے، جو کہ اس کے عموم میں داخل ہے، نہ کہ اصل اور حقیقی مفہوم۔ والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ خیانت کرے کہ وہ صدق واخلاص اور خلقِ عظیم کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ بکل حال من الاحوال

٣٢٣ خیانت کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان:۔ سو خیانت کرنے والے کو قیامت کے روز اپنی خیانت کردہ شے کو اٹھا کر حاضر ہونا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ صحیحین یعنی صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرتِ ابو ہریرہؓ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خبردار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی قیامت کے روز اس حالت میں آئے کہ اس نے ایک اونٹ کو اپنی گردن پر اٹھا رکھا ہو۔ پھر وہ مجھ سے کہے کہ میری مدد کرو، میری فریاد سنو، تو میں اسے جواب دوں کہ نہیں میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا، جاؤ میں نے تو تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا اور اس انجام سے خبردار کر دیا تھا۔ الیٰ آخر الحدیث (بخاری، کتاب الجہاد، مسلم، کتاب الامارۃ)۔ سو جب خیانت کا جرم ایسا ہولناک جرم ہے تو پھر پیغمبر جیسی پاکیزہ ہستی کسی خیانت اور بددیانتی کا ارتکاب کیسے کرسکتی ہے۔ سو پیغمبر خیانت اور بددیانتی کے ہر شائبہ سے پاک اور صاف ہے۔ اللہ ہمیں بھی خیانت وبددیانتی سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

٣٢٤ روزِ جزاء میں کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہاں پر ہر کسی کو اس کے کیے کرائے کا پورا پورا صلہ وبدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا کہ کسی کا کوئی عمل چھوٹ جائے یا کسی کو اس کے کئے سے زیادہ کی سزا دی جائے۔ سو ایسی کوئی بات اس روز وہاں نہیں ہوگی بلکہ وہاں پورا پورا عدل وانصاف ہوگا۔ یہاں بھی اسی حقیقت کو آشکار فرمایا گیا ہے جو قرآنِ حکیم میں دوسرے بھی کئی مقامات پر بیان ہوئی کہ انسان کو اپنے کئے کرائے کا پورا بدلہ آخرت ہی میں ملے گا کہ دنیا میں پورا بدلہ مل سکتا ہی نہیں۔ اس لئے کہ دنیا کے ظرفِ محدود میں اس کی گنجائش ہی نہیں۔ اور دنیا میں اس کا کوئی موقع بھی نہیں کہ دنیا "دار العمل" ہے "دار الجزاء" نہیں۔ "دار الجزاء" آخرت کا وہ جہاں ہی ہے جو کہ دار الجزاء بھی ہے اور اسکی وسعتیں بھی لامحدود ہیں۔ اور وہیں انسان کو اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا بھرپور صلہ اور بدلہ مل سکے گا۔ نیکی کا جنت کی سدا بہار نعمتوں کی شکل میں۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور برائی کا دوزخ کے طرح طرح کی عذابوں کی صورت میں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف روزِ جزاء میں ہر کسی کو اپنے کیے کرائے کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ کسی سے کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

جو پیروی کرتا ہو اللہ (تعالیٰ) کی رضا کی، وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو (اپنے کرتوتوں کے باعث) مستحق ہو گیا ہو اللہ کے غضب کا،

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ

اور اس کا ٹھکانا (قرار پا چکا) ہو جہنم؟ ف۳۴۵ اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ (وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ) یہ لوگ اللہ کے یہاں بڑے مختلف درجوں

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ

کے ہیں، ف۳۴۶ اور اللہ پوری طرح دیکھنے والا ہے ان تمام کاموں کو جو یہ لوگ کر رہے ہیں بے شک اللہ نے بڑا ہی احسان فرمایا

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

ایمان والوں پر، کہ ان میں ایک ایسا عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا، ف۳۴۷ جو خود ان ہی میں سے ہے، ف۳۴۸

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

جو کہ ان کو پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اس کی آیتیں ف۳۴۹ اور وہ پاک (وصاف) کرتا ہے ان کے باطن کو ف۳۵۰ اور سکھاتا (پڑھاتا) ہے ان کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

النصف

وحکمت (کے علوم و معارف،) ف۳۵۱ حالانکہ اس سے قبل یہ لوگ قطعی طور پر (پڑے) تھے کھلی گمراہی میں، ف۳۵۲

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ

اور (تمہارا یہ کیا حال ہے) جب تم لوگوں کو (اُحد میں) کچھ تکلیف پہنچی تو تم چیخ اٹھے، کہ یہ کہاں سے (اور کیسے) آ گئی، حالانکہ اس سے (پہلے

۳۴۵ رضاءِ الٰہی کی پیروی کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان:- سو رضاءِ الٰہی کی پیروی عظیم مطلوب اور اجل مقاصد میں سے ہے، پس اللہ کی رضاء کی پیروی کرنے والا اور اس کے غضب کا مستحق کبھی برابر نہیں ہو سکتے:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی مرضیات پر چلنے والا اور اسکے غضب کا مستحق کبھی باہم برابر نہیں ہو سکتے۔ پس استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ دونوں قسم کے لوگ ایک برابر ہو جائیں بلکہ ان دونوں کا انجام یکسر مختلف ہے اور مختلف ہوگا۔ اللہ کی رضاء کے طالب اس کے محبوب بندے ہیں جو اس کے انعام و اکرام کے مستحق ہونگے اور وہ جنت کی سدا بہار نعمتوں سے سرفراز ہونگے۔ جبکہ حق سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں زندگی گزارنے والے لوگ دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں، اور وہ بہرحال اس کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

صرف اتنی بات ہے کہ دنیا کی اس زندگی میں ان دونوں گروہوں کا یہ فرق نظر نہیں آ رہا کہ یہ امتحان و آزمائش کی جگہ ہے۔ اور امتحان کے ہال میں بیٹھنے والے سب ہی شرکاء ایک برابر ہوتے ہیں۔ اسی کو دوسرے مختلف مقامات میں دوسرے مختلف الفاظ و انداز میں بیان فرمایا گیا ہے جیسے ﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ﴾ [السجدۃ: ۱۸] یعنی ''کیا جو ایماندار ہو وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو کہ فاسق و بدکار ہو۔ نہیں یہ دونوں آپس میں کبھی برابر نہیں ہو سکتے''۔ نیز ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ اَ فَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ، مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ [القلم: ۳۵-۳۶] تو ''کیا ہم مجرموں کو فرمانبرداروں کی طرح کر دیں گے تم لوگوں کو آخر کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو''۔ سو اسی سے واضح ہو جاتا ہے کہ قیامت کا قائم ہونا ناگزیر ہے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوں، اور ہر کسی کو اس کے زندگی بھر کے کئے کرائے کا پورا پورا صلہ و بدلہ ملے کیونکہ دنیا میں ایسا نہ ہوتا ہے اور نہ ہونا ممکن ہے۔ ایک تو اسلئے کہ دنیا دار الجزاء نہیں دار العمل اور دار الابتلاء ہے، دار الجزاء اور دار الانعام آخرت کا وہ ابدی جہاں ہے جو دنیا کے اس دار الابتلاء کے بعد آئیگا۔ اور دوسرے اس لئے کہ دنیا کے ظرفِ محدود میں اتنی گنجائش ہی نہیں کہ اسمیں ہر کسی کو اسکے کئے کرائے کا پورا بدلہ مل سکے۔

۳۷۶ لوگوں کے مختلف درجات کا ذکر و بیان:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے مختلف درجات ہیں یعنی ان دونوں گروہوں کے آپس میں اور پھر ہر گروہ کے آپس میں۔ سو یہ سب لوگ اپنے اپنے عمل و کردار کے مطابق بڑے مختلف درجات میں ہوں گے۔ کوئی اعلیٰ علیین میں ہوگا اور کوئی قعرِ سجین میں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَّشَر - بہرکیف اس دنیا میں لوگ جیسے اور جس طرح بھی ہوں اور دنیا والے جو بھی کہیں اور سمجھیں، اصل حقیقت بہرحال یہی ہے کہ لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے ہی مختلف درجات ہیں اور ہونگے۔ ان کے ایمان و اخلاص، صدق و صفا، عمل و کردار اور راہِ حق میں تفانی و قربانی کے اعتبار سے- سو رضائے الٰہی کے طالب اور اس کے قہر و غضب کے سزاوار آپس میں یکساں اور ایک برابر نہیں ہو سکتے۔ ان کے درجے اور ٹھکانے ان کے اعمال کے مطابق الگ الگ ہوں گے۔ اور اللہ ہر ایک کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر کسی سے وہی معاملہ فرمائے گا جس کا وہ اہل اور مستحق ہوگا تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ سو اسکے یہاں فلاں ابنِ فلاں کے دعووں سے کام نہیں چلے گا بلکہ اصل دار و مدار ایمان و یقین اور عمل و کردار کی پونجی پر ہوگا- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید- وعلی ما یحب و یرید، بکل حالٍ من الاحوال

۳۷۷ بعثتِ پیغمبر ایک عظیم الشان انعامِ خداوندی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بعثتِ نبوی اہلِ ایمان پر قدرت کا ایک عظیم الشان اور بے مثال انعام ہے کہ اس عظیم الشان پیغمبر اور اس کی بعثت و تشریف آوری کے ذریعے اللہ نے ان لوگوں کو حیوانیت و بہیمیت کے قعرِ مذلت سے نکال کر انسانیت کے شرف سے آگاہ و مشرف فرمایا۔ اور ان کو ان عظیم الشان اور بے مثال تعلیماتِ مقدسہ سے نوازا، جو ان کو اس دنیا میں حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کی راہ پر ڈالنے والی اور آخرت میں جنت کی ابدی اور سدا بہار نعمتوں سے ہمکنار و سرفراز کرنے والی ہیں۔ سو اس طرح بعثتِ رسول کی نعمت ایسی عظیم الشان نعمت ہے جس جیسی دوسری کوئی نعمت ممکن ہی نہیں۔ سو جن لوگوں نے اس نعمت کی

صحیح معنوں میں قدر پہچان کر اسکو دل و جان سے نہیں اپنایا، وہ بڑے ظالم اور سخت بے انصاف لوگ ہیں- وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- کہ اس طرح کفرانِ نعمت کا ارتکاب کر کے ایسے لوگوں نے اپنے خالق و مالک کے حقِ عبدیت و عبودیت کے بارے میں بھی ظلم کیا اور پیغمبر کی شانِ نبوت اور حقوقِ رسالت کے بارے میں بھی ظلم و بے انصافی سے کام لیا اور خود اپنی جان کے بارے میں بھی ظلم کیا کہ اپنے آپ کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے ہلاکت و تباہی کی راہ پر ڈالا- وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ تعالیٰ ہر قسم کے زیغ و ضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور ہمیشہ اور ہر موقع و مقام پر اپنی حاضر رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین۔

۳۲۸ **بشریتِ پیغمبر ایک مستقل اور عظیم الشان انعامِ خداوندی:-** سو ﴿من انفسہم﴾ ''خود انہی میں سے'' کی اس تصریح سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ بشریتِ پیغمبر یعنی پیغمبر کا انسان، بشر اور اپنی امت میں سے ہونا قدرت کا ایک مستقل اور عظیم الشان اِنعام و اِحسان ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا سو وہ انسان و بشر قریشی و ہاشمی تھے- علیہ الصلوٰۃ والسلام- تاکہ لوگ زندگی کے ہر شعبے اور ہر عمل میں اُن کی اِتباع اور پیروی کر سکیں۔ ورنہ اگر اُن کی بجائے کوئی ایسا فرشتہ بھیج دیا جاتا جو بشری ضرورتوں اور تقاضوں سے پاک اور مبرا ہوتا، تو وہ ان کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا تھا کہ اس نے نہ کھانا، نہ پینا، نہ شادی، نہ بیاہ، نہ بیوی، نہ بچے، نہ بھوک، نہ پیاس، نہ سردی، نہ گرمی وغیرہ وغیرہ۔ اور اسکو ایسے عوارضِ بشریہ سے نہ کوئی سابقہ و واسطہ اور نہ تعلق۔ تو پھر وہ انسانوں کیلئے اُسوۂ حسنہ اور نمونہ کس طرح بن سکتا تھا۔ سو اس طرح رسولِ عظیم کا بشر و انسان ہونا ایک اور عظیم الشان اِنعام و اِحسان ہے، جس سے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی طرف سے اسکی مخلوق کو نوازا گیا ہے۔ اسی لئے اس کو یہاں پر الگ کر کے اور ﴿مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ کے الفاظ سے خصوصی طور پر بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ نعمت پر نعمت اور انعام پر انعام ہے، جس سے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے اپنے بندوں کو نوازا۔ مگر اس کے باوجود کتنے ہی اہلِ بدعت ایسے ہیں جو رسول کو بشر ماننے کیلئے تیار نہیں۔ اور وہ بشریتِ رسول کے انکار کے لئے اس قدر زور لگاتے ہیں کہ اس کے لئے طرح طرح کی تحریفات اور تلبیسات تک کا ارتکاب کرتے ہیں- وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - حالانکہ پیغمبر کا بشر اور انسان ہونا قدرت کا ایک عظیم الشان انعام و احسان اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے تاکہ دنیا انکی اتباع اور پیروی کر سکے جو کہ پیغمبر کی بعثت اور تشریف آوری کا اصل اور حقیقی مقصد ہے- صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ -

۳۲۹ **تلاوت آیات کی عظمت و اہمیت کا ذکر و بیان:-** سو اس سے تلاوتِ آیات کی عظمت و اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ چیز پیغمبر کا اولین مقصد ہے سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تلاوت آیات یعنی کتاب اللہ کی آیاتِ کریمہ پڑھ کر سنانا بعثتِ نبوی کا اولین مقصد اور اہم فریضہ ہے۔ تاکہ ان کے انوار و برکات سے ان لوگوں کے دل و دماغ کو جلا ملے اور ان سے ظلمات دور ہوں۔ تو تلاوتِ آیات مقاصدِ بعثت میں سے پہلا مقصد اور فرائضِ نبوت میں سے اولین فریضہ ہے۔ مگر اس کے باوجود آج کے جاہل اور غافل مسلمان کا حال یہ ہے کہ اس کے یہاں اس کام کیلئے نہ کوئی فرصت ہے نہ اہتمام- اِلّا ماشاء اللہ- وَ الْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بلکہ اس سے بڑھ کر کچھ زائغین کا یہ تک کہنا ہے کہ محض

تلاوت وقراءت کا کوئی فائدہ ہی نہیں -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- بہرکیف یہاں پر بعثتِ پیغمبر کے مقاصدِ اربعہ کے ذکر و بیان کے سلسلے میں سب سے پہلے اسی کو بیان فرمایا گیا کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے۔ سو بندہ تلاوتِ آیات میں بھی پیغمبر کی تعلیم و تلقین کا محتاج ہے۔ اور تلاوتِ آیات دینِ حنیف کا اہم مطلب اور مقصد جلیل ہے۔

۳۵۰ **تزکیۂ باطن کی عظمت و اہمیت کا ذکر و بیان:** -سو اس سے تزکیۂ باطن کی اہمیت وعظمت اجاگر کرنا ہے کہ یہ بعثتِ نبوی کا دوسرا بڑا مقصد اور اہم فریضہ ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ پیغمبر پاک وصاف کرتا ہے ان کے باطن کو کفر وشرک کی نجاستوں اور نفسانی اَہواء و آلائشوں سے۔ کہ یہ نجاستیں اور آلائشیں انسان کو دوزخ کے الاؤ میں جھونکنے والی ہیں۔ اور ان کی صفائی فیضانِ نبوت کے سوا اور کسی طریقہ سے ممکن ہی نہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعثتِ نبوی -علیہ السلام- اور فیضانِ نبوت کی نعمت کس قدر عظیم الشان نعمت ہے، جس سے حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے اپنی مخلوق کو نوازا اور سرفراز فرمایا - فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ- سو کتنے بے انصاف اور کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو اس نعمتِ عظمیٰ سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح ایسے لوگ نورِ حق و ہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اور وہ انسانیت کے منصبِ شرف سے گر کر حیوانیتِ محضہ کے قعرِ مذلت میں جا پہنچے اور ''خَیْرُ الْبَرِیَّہ'' کے اِعزاز وشرف سے محروم ہو کر ''شَرُّ الْبَرِیَّة'' یعنی ''بدترین مخلوق'' بن کر رہ گئے۔ جو کہ سب سے بڑا خسارہ اور انتہائی ہولناک نقصان ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اللہ تعالیٰ ہر قسم کی زیغ و زلل اور خسران ونقصان سے ہمیشہ محفوظ رکھے- امین ثم امین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۳۵۱ **تعلیمِ دین کی عظمت واہمیت کا ذکر و بیان:** -سو اس سے تعلیمِ دین کی عظمت واہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ تعلیمِ کتاب وحکمت بعثتِ نبوی کا تیسرا بڑا مقصد اور اہم فریضہ ہے تا کہ ان کو معلوم ہو سکے کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور ان سے کیا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ ان کی سعادت وکامیابی اور فوز وفلاح کس میں ہے۔ سو معلوم ہوا کہ پیغمبر کی تعلیم وتبیین کے بغیر قرآن کے معانی ومطالب کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ آپ -علیہ السلام- نے حضراتِ صحابۂ کرام کو اس کی تعلیم دی۔ قولاً بھی اور فعلاً وعملاً بھی۔ اور وہی آپ -علیہ السلام- کی تعلیم ''حدیث'' کہلاتی ہے جو کہ قرآنِ حکیم کی اولین اور سب سے اہم اور معتبر تفسیر وتشریح ہے۔ پس حدیثِ رسول حجت وسند اور دینِ حق کا ایک اہم اور بنیادی ماخذ ہے۔ اور اس کا انکار دین کا انکار ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اور جب حضراتِ صحابۂ کرام جو کہ اصل عرب اور سند کی حیثیت رکھنے والے عرب تھے، وہ بھی پیغمبر کی تعلیم وتشریح کے بغیر ازخود قرآن نہیں سمجھ سکتے تو پھر اور کون ہے جو اس کو ازخود سمجھ سکے۔ اور پھر دورِ حاضر کا کوئی عجمی، جس کو نہ عربی لغت ومحاورہ سے کوئی واقفیت ہو اور نہ ہی اس نے قرآن کو سیکھنے کیلئے کبھی کسی استاذ کے سامنے باقاعدہ زانوئے تلمذ طے کئے ہوں اور وہ کہے کہ میں ذاتی مطالعہ (Self Study) سے ازخود قرآن سمجھ لونگا۔ سو ایسا کہنا ایک بڑی ہی بے جا بات ہے۔ حالانکہ قرآن سرے سے ایسی کتاب ہے ہی نہیں جسے محض ذاتی مطالعہ اور (Self Study) سے ازخود سمجھا جا سکے۔ اگر ایسے ممکن ہوتا تو قرآن کو ایک لکھی لکھائی کتاب کی شکل میں اتار کر لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا کہ لو اس کو خود پڑھ اور سمجھ لو۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اسکے برعکس اس کے لئے پہلے ایک عظیم الشان اور بے مثال مُعلّم واستاذ کا انتظام فرمایا گیا۔ جس کی چالیس برس تک بے مثل طریق

سے تعلیم و تادیب فرمائی گئی۔ جیسا کہ ان کا خود اپنا بیان ہے "اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ" اور اس تعلیم و تربیتِ ربانی کے بعد ان پر اس کتابِ عظیم کو بذریعہ وحی نازل فرمایا گیا اور ان کے ذمے لگایا گیا کہ آپ لوگوں کو اس کی تعلیم دیں۔ اس کے معانی و مطالب ان کے سامنے واضح کریں۔ اور اس کی غرض و غایت اور اس کے اتارنے والے کی مراد کو ان کے سامنے کھول کر بیان کریں۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ﴾[النحل:۴۴] "اور ہم نے اے پیغمبر، اس عظیم الشان ذکر (اور نصیحت) کو آپ کی طرف اتارا ہے، تا کہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں وہ کچھ جو کہ ان کی طرف اتارا گیا ہے (تا کہ یہ لوگ اس سے فیضیاب ہوں) اور تا کہ یہ غور و فکر سے کام لیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی نبوتِ مطہرہ کی تیئس سالہ زندگی میں اس کو بتمام و کمال بیان فرمایا۔ اور ایسا کہ اس کی تعلیم و تبیین کا حق ادا کر دیا۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ خَیْرَ مَا جُوْزِیَ بِهٖ نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِهٖ۔ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں بعثتِ نبوی کی عظمتِ شان اور بعثتِ نبوی کے مقاصدِ اربعہ کو بیان فرمایا گیا ہے تا کہ دنیا کو اس کا احساس ہو سکے اور وہ اس نعمت کی قدر کر کے اور اس کو اپنا کر اپنے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی کا سامان کر سکے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔ سو دینِ حق کی تعلیم و تلقین بعثتِ پیغمبر کا اصل مقصد اور مشن ہوتا ہے کہ اسی سے راہِ حق و ہدایت واضح ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید۔

۳۵۲ **بعثتِ پیغمبر کی عظمتِ شان کا ایک خاص پہلو:**۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس سے پہلے یہ لوگ یقینی اور قطعی طور پر گمراہی میں تھے۔ سو ایسے میں ان کے اندر ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کی بعثت و تشریف آوری کے اس انعام کی عظمت شان کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ سو ﴿ وَاِنْ کَانُوْا ﴾ میں واو حالیہ ہے اور "اِنْ" مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة ہے۔ جو کہ "اِنَّ" کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اس لئے ترجمہ میں بھی اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کی جہالت و گمراہی کا یہ عالم تھا کہ یہ اپنے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے، ان کو حاجت روا و مشکل کشا مان کر ان کو بلاتے پکارتے، ان کے آگے جھکتے اور ان سے مرادیں مانگتے۔ وہمی چیزوں کے پیچھے چلتے، حرام اور خبیث اشیاء کھاتے، بچیوں کو زندہ درگور کرتے، اِفلاس و محتاجی کے خوف سے اپنی اولادوں کو قتل کرتے وغیرہ وغیرہ۔ تو اللہ پاک نے اپنا عظیم الشان رسول ان کے درمیان مبعوث فرما کر ان کو ان طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر حق کی اس عظیم الشان روشنی سے سرفراز فرمایا، جو کہ انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے ہمکنار و بہرہ ور کرنے والی عظیم الشان اور بے مثل روشنی ہے اور جس سے محرومی دنیا و آخرت کی ہر خیر سے محرومی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ سو یہ ایک قطعی امر اور واضح حقیقت ہے کہ طلوعِ اسلام سے پہلے عرب دین و شریعت سے بے خبر، حق و ہدایت کی دولت سے بے بہرہ و محروم اور نبوت و رسالت سے ناآشنا اور امی محض تھے۔ اور ایک زمانۂ دراز سے کفر و شرک اور جہالت و جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت و عنایت سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ذریعے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو ضلالت و گمراہی کی وادیوں سے نکال کر حق و ہدایت کی صراطِ مستقیم سے سرفراز فرمایا۔ سو ایسے میں اس دینِ حق سے منہ موڑنا اور اعراض برتنا کس قدر ناشکری اور کتنی بڑی بے انصافی ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ

بدر میں) تم لوگ اس سے دوگنی تکلیف (اپنے ان دشمنوں کو) پہنچا چکے تھے ۳۵۳ (ان سے) کہو (اے پیغمبر!) کہ یہ (تکلیف و

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ

مصیبت) بھی خود تمہاری اپنی ہی طرف سے ہے ۳۵۴ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، اور جو بھی کچھ مصیبت تمہیں (غزوہ

الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾

احد میں) اس روز پہنچی جب کہ (کفر واسلام کی) ان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو وہ سب اللہ کے اذن سے تھا ۳۵۵ اور (یہ اس لئے ہوا کہ) تا کہ

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اللہ دیکھ لے ایمان والوں کو، اور تا کہ وہ دیکھ لے ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کا وطیرہ اپنا رکھا تھا ۳۵۶ اور (جن کا حال یہ تھا کہ جب) ان

۳۵۳ غزوۂ بدر کے انجام سے درس عبرت لینے کی ہدایت: سو مسلمانوں کی شکست خوردگی کے اثرات کے ازالے کے طور پر ان سے فرمایا گیا کہ اس سے پہلے تم لوگ (بدر میں اپنے دشمنوں کو) دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو۔ سو احد میں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے تو بدر میں ان کے ستر صنادید مارے گئے اور ستر قیدی بن کر تمہارے ہاتھ لگے وغیرہ وغیرہ۔ تو ایسی صورتِ حال میں تمہارا احد کی اس عارضی شکست سے چیخ اٹھنا اور شکوہ سنج ہو جانا کس طرح مناسب ہوسکتا ہے؟ جبکہ اس میں اصل کمزوری اور کوتاہی خود تمہاری اپنی ہی طرف سے تھی۔ اور اس میں بھی تمہارے لیے بڑے عظیم الشان درس ہائے عبرت و بصیرت بھی ہیں۔ تو پھر تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ بہر کیف غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو عارضی شکست کی وجہ سے صدمہ ہوا تھا اور ان کو اس طرح کے شکوک وشبہات بھی پیش آ رہے تھے کہ اگر ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں اس شکست سے سابقہ کیوں پیش آیا۔ اور منافقین اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان شکوک وشبہات کو اور مرچ مسالے لگا کر پیش کرتے جس سے کمزور مسلمانوں کے شکوک وشبہات میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ تو اس سلسلے میں فرمایا گیا کہ تم اس سے پریشان کیوں ہوتے ہو؟ تم لوگ غزوۂ بدر اور اس کے نتیجہ وانجام سے سبق کیوں نہیں لیتے۔ جہاں تمہارے دشمنوں کو تمہارے ہاتھوں دو چند نقصان اٹھانا پڑا تھا اور احد میں بھی پہلے پلڑا تمہارا ہی بھاری رہا تھا۔ لیکن پھر تمہاری اپنی غلطی کی بناء پر تمہیں شکست ہوئی۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے کرے۔ کسی کی فتح کو شکست سے بدل دے یا شکست کے بعد فتح عطا فرمائے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہر کیف وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کا ہر عمل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اس کا ہر عمل صحیح اور حکمت سے لبریز ہوتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ

۳۵۴ انسان کی مصیبت خود اس کے اپنے عمل کا نتیجہ۔ والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ تمہاری مصیبت خود تمہاری ہی طرف سے ہے کہ اس کا سبب تم خود بنے ہو کہ اگر تم لوگ پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ

مورچہ نہ چھوڑتے تو یہ نوبت کیوں آتی؟۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی مصائب کے نزول کا باعث بنتی ہے اور یہ کہ اعمال کے لازمی آثار ونتائج ہوتے ہیں جو ان کے طبعی نتائج کے طور پر ظہور پذیر ہوتے اور ان پر مرتب ہوتے ہیں۔ تو پھر لوگ ایسی شکایتیں کیوں کرتے ہیں؟ اور اللہ فتح وشکست دونوں پر قادر ہے اور اس کی قدرت ہمیشہ اس کی حکمت کے تحت ہی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ حکیمِ مطلق بھی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف تمہاری مصیبت تمہاری اپنی ہی طرف سے ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی حقیقت واضح فرمادی گئی کہ انسان کی مصیبت اس کے خود اپنی ہی عمل اور اپنی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس حقیقت کو دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے واضح فرمایا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر﴾۔ [الشوریٰ:۳۰] سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو جو بھی کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں ہی کی کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور بہت سے باتوں سے تو اللہ درگزر فرمالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم امین یارب العالمین

۳۵۵ ہر کام اللہ کی مشیئت اور اس کے اذن سے:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی مصیبت تم لوگوں کو پہنچتی ہے وہ اللہ ہی کے اذن سے پہنچتی ہے۔ اللہ کی اس کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے اذن ومشیت سے ہوتا ہے کہ اس میں دوسری بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں۔ جن کے تقاضے اس کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے تھے۔ سو ظاہری سبب اس شکست و ہزیمت کا تم لوگ خود بنے ہو مگر اصل اور حقیقت کے اعتبار سے یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے تھا کہ اسکے پیچھے بڑی حکمتیں اور مصلحتیں کارفرما تھیں۔ اور اسکی اس کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے اذن وحکم اور ارادہ ومشیت سے ہوتا ہے کہ بادشاہی بہرحال اسی کی ہے اور حکم وتصرف بھی اس میں اسی وحدہٗ لاشریک کا چلتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اس حقیقت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنے دل کا بھروسہ اور اعتماد ہمیشہ اپنے اس خالق و مالک پر رکھے جس کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے اور ہمیشہ مانگے بھی اسی وحدہٗ لاشریک سے اور اس سے اپنا تعلق بھی صحیح رکھے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَ يُرِيْد۔ اللہ ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنا نصیب فرمائے۔ اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۳۵۶ اُحد کی شکست کا ایک اہم مقصد، منافقوں کی چھانٹی:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تاکہ اللہ دیکھ لے منافقوں کو یعنی تاکہ ان لوگوں کا وہ نفاق سامنے آجائے جسے انہوں نے اپنے باطن میں چھپا رکھا تھا اور سچے ایمان والوں کا صدق واخلاص بھی مزید نکھر جائے کہ مصائب ومشکلات کی یہ بھٹی ہی ایسی ہوتی ہے جس سے کھرے اور کھوٹے کے درمیان صحیح طور پر تمیز ہوجاتی ہے۔ سو احد کے اس واقعہ میں جو کچھ پیش آیا وہ اسی ابتلاء وآزمائش کے لئے پیش آیا تاکہ سچے مسلمان اور منافق باہم چھٹ کر الگ ہوجائیں اور ہر کوئی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کون لوگ جماعت کے اندر قابلِ اعتماد ہیں اور کون نہیں۔ سو اس اعتبار سے یہ آزمائش جماعتی تطہیر کے لئے ضروری تھی، ورنہ اگر جماعت کے اندر منافقین اسی طرح گھسے رہتے تو کسی وقت پوری جماعت کا بیڑا غرق کردیتے اور وہ طرح طرح کے مصائب کا باعث بنتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس طرح ان کی چھانٹی کردی گئی اور کھرا کھوٹا سب واضح ہوگیا، والحمد للہ جل وعلا، بکل حال من الاحوال

قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ

سے کہا گیا کہ آؤ تم (ہمارے ساتھ شامل ہوکر) لڑو اللہ کی راہ میں یا (کم از کم اس طرح تکثیر سواد کے ذریعے) تم لوگ دفاع کرو (اپنے

قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ

شہر کا) ف ٣٥٧ تو انہوں نے (صاف) کہہ دیا کہ اگر ہم کوئی لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے ف ٣٥٨ اس روز یہ لوگ ایمان کی بہ نسبت

مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ

کفر کے زیادہ قریب تھے، ف ٣٥٩ یہ اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے ہیں جو کہ ان کے دلوں

فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِیْنَ

میں نہیں، ف ٣٦٠ اور اللہ خوب جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ یہ چھپاتے ہیں، ف ٣٦١ یہ ایسے (بدنصیب اور محروم) لوگ ہیں کہ خود

قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ

تو بیٹھے رہے، (اپنے گھروں میں) اور اپنے (ان ہم نسب) بھائیوں کے لئے (جو کہ راہِ حق میں کام آئے یوں) کہا کہ اگر یہ لوگ

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

ہماری بات مان لیتے تو (اس طرح) قتل نہ ہوتے ف ٣٦٢ کہو (ان سے، اے پیغمبر!) کہ اچھا تو پھر تم لوگ خود اپنی جانوں سے (اپنے وقت

صٰدِقِیْنَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ

پر آنے والی) موت کو ٹال کے دکھاؤ، اگر تم سچے ہو (اپنی ان باتوں میں) ف ٣٦٣ اور تم ان لوگوں کو جو کہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں کبھی

اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ۙ ﴿١٦٩﴾

مردہ نہیں سمجھنا کہ وہ (حقیقت میں) زندہ ہیں ف ٣٦٤ اپنے رب کے یہاں رزق (بے گماں) پا رہے ہیں، وہ خوش و خرم ہیں ان

٣٥٧ منافقوں کیلئے شرکتِ جہاد کی دعوت ایک اور پہلو سے:- کہ تم لوگ اگر دین کیلئے نہیں تو کم از کم دفاعِ وطن ہی کیلئے سہی ہمارے ساتھ نکلو یعنی اول اور اصل چیز تو دین ہے۔ اور وہی اس لائق ہے اور اسی کا حق ہے کہ انسان اس کی خاطر اپنا جان و مال سب کچھ قربان کرے لیکن اگر تم لوگ دین کی خاطر نہیں لڑتے تو کم از کم اپنی قوم اور اپنے وطن کے دفاع اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کیلئے ہی سہی ہمارے ساتھ ہوکر ان مشترکہ

دشمنوں سے لڑو اور ان کا راستہ روکو۔ کیوں کہ انہوں نے اگر خدانخواستہ غلبہ پا لیا تو وہ مخلص و منافق کے درمیان کوئی تمیز و تفریق نہیں کریں گے بلکہ سب کو ایک ہی لاٹھی۔ سے ہانکیں گے۔ اور ایک ہی گھاٹ پر اتار دیں گے۔ سو اس اِرشاد و ہدایت سے مقصود ان لوگوں پر اِتمام حجت کرنا تھا کہ اگر تم لوگ دین کے لئے نہیں لڑتے، جو کہ اصل مقصد اور جہادِ اسلامی کا حقیقی باعث اور غرض و غایت ہے، تو کم از کم تم لوگ اپنی قوم و وطن، مال و منال اور اپنے اہل و عیال کے دفاع کے لئے ہی ہمارا ساتھ دو۔ جسکی اہمیت کے تم لوگ خود قائل اور معترف ہو۔

۳۵۸ منافقین کے ایک منافقانہ قول کا ذکر:- یعنی یہ کہ اگر ہم کوئی لڑائی جانتے تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ ان کے اس منافقانہ قول کا ظاہری مطلب یہ تھا کہ کوئی لڑائی وغیرہ نہیں ہوگی بلکہ معاملہ یونہی ٹل جائے گا۔ اس لیے اس بارے گھبرانے اور فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (المراغی وغیرہ)۔ مگر اندر سے ان کا مطلب کچھ اور تھا۔ اور وہ یہ کہ یہ لڑائی کوئی لڑائی نہیں بلکہ یہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو تین ہزار کا ایک ایسا لشکرِ جرار ہے جو کہ ہر طرح کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس ہے اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سرو سامان لوگوں کا ایک گروہ ہے۔ تو ایسے میں ہم اس مقابلے میں شریک ہوکر اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی کے منہ میں کیوں جھونکیں؟ بہر کیف یہ لوگ جہاد کے لئے نہ اٹھے لیکن اپنے نفاق اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لئے انہوں نے بات یہ بنائی کہ ہمیں علم ہے کہ اس موقع پر کوئی لڑائی نہیں ہونی، ورنہ ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے اور جنگ میں ضرور حصہ لیتے۔ سو یہ ان کے کفر و نفاق ہی کا ایک حصہ تھا، والعیاذُ باللہ جل وعلا،

۳۵۹ منافق اپنے قول و قرار سے کھلے کفر کے قریب تر- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے کہ اس روز انہوں نے اپنے قول و قرار سے اپنے کفر کے لبادے کو خود سرکا دیا تھا۔ کیوں کہ اس سے قبل تو یہ لوگ زبانی کلامی حد تک اپنے دین و ایمان کا دعویٰ کرتے اور دم بھرتے تھے۔ مگر آج تو انہوں نے اس تکلف کو بھی ترک کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ ہم تمہارے ساتھ شامل ہوکر اہلِ کفر سے لڑنے اور مقابلہ کرنے والے نہیں۔ اور اس طرح ان کا نفاق پہلے قدم پر ہی کھل کر سامنے آ گیا۔ دقّتِ تعبیر ملاحظہ ہو کہ یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ یہ لوگ کافر ہوگئے، بلکہ یہ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے۔ سو اس میں یہ اہم درس پایا جاتا ہے کہ محض قرائن کی بناء پر کسی کے کافر ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اسکے کفر کا کوئی صریح ثبوت نہ مل جائے۔ اسی لیے حضورؐ نے ان لوگوں سے اہلِ ایمان ہی کا سا معاملہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے ان کے بڑے گرو ابنِ ابی کے مرنے پر اسکی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی جو کہ اسکے چند ہی سال بعد مرا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کو صریح حکم و ارشاد کے ذریعے اس سے منع فرما دیا گیا اور اس طرح ان کے کفر کا اعلان کر کے ان کی فضیحت و رسوائی کا سامان کر دیا گیا۔ بہر کیف اس روز یہ لوگ اپنے ایمان کے مقابلے میں اپنے کفر کے زیادہ قریب تھے اور ان کی منافقت کے پردے کے باوجود ان کا کفر کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ اور ان کے منافقانہ ایمان کی قلعی اتر گئی تھی- والعیاذ باللہ جل وعلا- اللہ زیغ وضلال کی ہر قسم اور ہر شکل سے اپنی پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین

۳۶۰ منافقت کا نشان، ظاہر کچھ اور باطن کچھ، والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے مونہوں

سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں" کہ زبان سے تو یہ لوگ برابر اپنے ایمان و اسلام کا دعوٰی و اظہار کرتے ہیں مگر دل میں انہوں نے اپنے کفر کو چھپا رکھا ہے۔ سو یہ بھی قرآنِ حکیم کا ایک معجزہ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے کہ دلوں کی باتوں کو جاننا اور نیتوں اور ارادوں سے واقف و آگاہ ہونا کسی انسان کیلئے ممکن نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان اور اسی کی صفت ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو یہ لوگ اس طرح کر کے اپنے آپ کو بڑا ہوشیار چالاک سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں یہی چیز ان کی حماقت اور محرومی کی دلیل اور اس کا ثبوت ہے کہ اس طرح یہ لوگ ایمان و یقین کی دولت سے الگ محروم ہو رہے ہیں جو کہ قدرت کی سب سے بڑی دولت اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند و سرفراز کرنے والی دولت ہے اور اس سکون و اطمینان سے، یہ الگ محروم ہو رہے ہیں جو کہ صدق ایمان کے نتیجے میں ملتا ہے۔ سو اس طرح یہ خسارے پر خسارے کا شکار ہو رہے ہیں۔ لیکن منافقت کی نحوست کا نتیجہ ہے کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۳۶۱ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پوری طرح جانتا ہے وہ سب کچھ جو کہ یہ لوگ چھپاتے ہیں، کہ وہ ظاہر کی طرح انسان کے باطن اور اس کے دل کے احوال کو بھی پوری طرح جاننے والا ہے۔ اس لیے اس سے ظاہر و باطن کی کسی بھی چیز کو چھپانا ممکن نہیں۔ اور وہ اسی کے مطابق انکو جزا دیگا اور ان سے معاملہ فرمائیگا۔ پس عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ جھوٹ اور منافقت سے کام لینے اور لوگوں کے سامنے چکنی چپڑی باتیں کرنے کی بجائے اس وحدہٗ لاشریک سے اپنا معاملہ صحیح رکھا جائے کہ حساب اسی کے یہاں دینا ہے۔ اور جزا و سزا اسی کی طرف سے ملنی ہے۔ اور اس سے ظاہر و باطن کی کوئی بھی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ پس منافقت سے کام لیکر دھوکہ دینے والے دراصل خود ہی دھوکہ کھا رہے ہیں مگر وہ سمجھتے نہیں ﴿وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [البقرة:۹]۔ مگر کفر و نفاق کی نحوست انسان کو اس حقیقت کے فہم و ادراک سے محروم کر دیتی ہے جس سے وہ اس طرح خسارے پر خسارے میں مبتلاء ہونے کے باوجود اپنے نقصان کو نہیں سمجھتا۔ اور وہ اندھا اور اوندھا ہو کر رہ جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ نفاق کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

۳۶۲ منافقوں کی منافقت کے ایک اور مظہر کا ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ خود تو اپنے گھروں میں بیٹھے رہے لیکن اپنے ان (ہم نسب) بھائیوں کے لیے (جو کہ اللہ کی راہ میں کام آئے ان کے لیے) یہ لوگ اس طرح کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہماری بات مان لیتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے یا اس طرح میدانِ کارزار میں شریک ہونے کی بجائے راستے سے ہی واپس ہو جاتے، جیسا کہ ہم نے کیا، تو آج یہ لوگ اس انجام سے دوچار نہ ہوتے، جس سے یہ اب ہوئے ہیں۔ سو اس طرح یہ لوگ تو اپنے تئیں اپنے آپ کو چالاک اور ہوشیار سمجھ رہے تھے اور ان مجاہدوں کو جو جہاد میں کام آئے یہ لوگ بیوقوف اور خسارے والا قرار دے رہے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے اپنے لئے نقصان اور خسارے کا جو سودا کیا تھا اور وہ اس سے کہیں بڑھ کر اور اصل اور حقیقی خسارہ تھا۔ مگر یہ سمجھتے نہیں۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے کفر و نفاق کی نحوست کا کہ اس سے انسان کی مت ماری جاتی ہے اور وہ سیدھی بات کو بھی الٹا سمجھنے لگتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ

اندھے اور اوندھے پن کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۳۶۳ موت کو اپنے وقت سے کوئی نہیں ٹال سکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو (اے پیغمبر) کہ اچھا تو پھر تم لوگ خود اپنے جانوں سے (اپنے وقت پر آنے والی) موت کو ٹال کر دکھاؤ اگر تم سچے ہو (اپنی ان باتوں میں)'' اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے، اور ظاہر ہے کہ نہیں کر سکتے، اور یہ تمہارے بس میں نہیں ہے کہ تم اپنے آپ سے موت کو ٹال دو تو پھر تمہارا یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مان لیتے تو اس طرح نہ مارے جاتے۔ پس واضح ہو گیا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے پہلے وہ آ نہیں سکتی۔ اور اپنے وقتِ مقرر پر آ جانے کی صورت میں وہ کسی کے ٹالے سے ٹل نہیں سکتی۔ بہر حال آ کر رہے گی۔ تو پھر ایسے حیلے بہانے کرنے کا کیا فائدہ؟ اور ایسی باتوں کی کیا تک؟ سوائے اپنی حماقت اور منافقت کے ثبوت کے اور اپنی یاس وحسرت میں اضافے کے۔ سو عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں کہ انسان موت سے بھاگے کہ یہ تو ایک لاحاصل اور بے سود کوشش ہے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ کوشش کرے کہ وہ شہادت کی موت مر کر حیاتِ جاودانی سے سرفراز وسرشار ہو جائے کہ اس صورت میں اس کیلئے سعادت ہی سعادت ہے- وباللہ التوفیق- سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان ویقین کی دولت کس طرح امن وسکون بخشنے والی دولت ہے کہ اس سے انسان ہر حال میں مطمئن رہتا ہے اور اس کے لئے کسی بھی صورت میں کوئی خسارہ ونقصان نہیں- اَللّٰھُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَثَبِّتْنَا عَلَيْهِ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ- جبکہ ایمان سے محروم انسان ہمیشہ موت سے ڈرتا اور خوف کھاتا رہتا ہے- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، امین ثم امین

۳۶۴ شہیدوں کو مردہ سمجھنے کی ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کو کبھی مردہ مت سمجھنا جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں- کہ وہ زندہ ہیں، اور ایسے زندہ کہ ان کی وہ زندگی اس دنیاوی زندگی سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ وارفع ہے۔ اور ان کو وہاں پر اپنے رب کے جوارِ رحمت میں وہ رزق اور ایسی روزی نصیب ہوتی ہے جس کا یہاں پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سو شہادت کی موت تو اللہ پاک کی ایک عظیم نعمت ہے جس سے مشرف ہونے کے لئے مومنِ صادق تمنا کرتا ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز تھوڑی ہی ہے جس سے ڈرایا اور بھگایا جائے- سبحان اللہ- کیا دولت ہے ایمان ویقین کی یہ دولت، جس میں ناکامی کی کوئی صورت ہے ہی نہیں۔ اور جس سے موت بھی ایسی نعمت بن جاتی ہے جو آگے طرح طرح کی نعمتوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے- فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَيَقِيْنًا- وَارْزُقْنَا شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ - وَاجْعَلِ اللّٰهُمَّ حَيَاتَنَا زِيَادَةً مِّنْ كُلِّ خَيْرٍ وَمَوْتَنَا رَاحَةً مِّنْ كُلِّ شَرٍّ- سو جو لوگ شہادت کی موت کو خسارہ سمجھتے ہیں وہ خود بڑے ہولناک خسارے میں پڑے ہیں۔ بہر کیف اِس ارشاد سے صاف اور صریح طور پر واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو کبھی مردہ نہیں سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے یہاں سے ملنے والے رزق سے بہرہ مند وسرفراز ہو رہے ہیں۔ مگر ان کی یہ زندگی عالمِ برزخ کی ایک ایسی امتیازی زندگی ہے جس کی کنہہ اور حقیقت کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ کہ ''تم لوگ اس کی حقیقت کا شعور نہیں رکھتے''۔ مزید تشریح کے لئے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۴ کے حواشی کی طرف رجوع کیا جائے۔ بہر کیف اللہ کی راہ میں مارا جانا موت نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی سے سرفرازی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید-

فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ

نعمتوں سے جن سے اللہ نے ان کو نوازا ہے اپنے فضل (وکرم) سے، اور یہ خوش ہوتے ہیں ان لوگوں کی بناء پر بھی جو اُن کے

بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ

پیچھے (اوران کے نقش قدم پر) ہیں، اور جو ابھی تک ان سے ملے نہیں کہ (وہ بھی اگر شہادت کی موت پالیں تو) ان پر بھی نہ کوئی

عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ

رکوع لازم

خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۳۶۵ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کے عظیم الشان انعام اور مہربانی پر ۳۶۶ (جس سے وہ سرفراز ہو چکے

۳۶۵ شہداء کیلئے نہ کوئی خوف نہ غم:۔ کہ نہ ان کو آخرت کی عقوبت کا کوئی خوف واندیشہ ہوگا کہ اس سے ان کے رب نے ان کو بچا کر مامون کر دیا ہوگا۔ اور نہ ہی ان کو دنیاوی لذتوں کے چھوٹ جانے کا کوئی افسوس اور غم ہوگا کہ وہاں کی نعمتیں ایسی ہونگی کہ دنیا کی نعمتوں کی ان کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ہوسکتی۔ نیز وہ اس بات پر خوش اور شاداں وفرحاں ہوں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ایمان ویقین کی دولت سے سرفراز ہو کر حیاتِ دنیا کی اپنی متاعِ گرانبہا کو اس کے صحیح مصرف میں لگایا جس کے نتیجے میں وہ حیاتِ جاودانی کی کامیابی اور ابدی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہوگئے۔ سو اس سے ان منافقین اور کمزور ایمان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ تم لوگ اپنی جہالت اور بے بصیرتی سے ان پر ترس کھا رہے ہو اور کہتے ہو کہ اگر وہ تمہاری بات پر چلتے تو اس طرح نہ مارے جاتے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے انعامات پر شاداں وفرحاں ہیں۔ سو شہادت کی موت سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ووسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید وہو الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۳۶۶ شہداء کی خوشی ومسرت کا ذکر وبیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کے اِنعام اور اسکے اس فضل سے جس سے ان کو نوازا گیا۔ انعام وہ جو ان کو اپنے عمل کی جزاء میں اور اپنے کئے کرائے کے بدلے کے طور پر ملے گا اور فضل ومہربانی وہ جس سے ان کو اس پر بطورِ مزید نوازا جائے گا۔ سو یہ اوپر والی بات کی مزید توثیق اور توضیح ہوگئی کہ شہداء کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے اِنعام واِکرام اور اسکے فضل واحسان اور مہربانی وعنایت سے سرشار ہوجائے گا اسکے لیے پھر کسی خوف اور غم کا کیا سوال؟ سو نادان لوگ تو ان پر افسوس کرتے ہیں کہ وہ جنگ میں مارے گئے مگر ان کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے خاص اِنعام واِکرام اور اس کے فضل وکرم سے خوش ہو رہے ہیں اور دمبدم ان کو طرح طرح کی خوشیاں ملتی ہیں اور وہ اپنے ان اخلاف واولاد سے متعلق جو ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور ان سے ملنے کے آرزومند ہیں اگرچہ وہ ابھی تک ملے نہیں ان سے متعلق بھی ان کو یہ خوشخبریاں مل رہی ہیں وہ بھی عنقریب ہی ان سے ملیں گے۔ سو اس طرح وہ خوشخبری پر خوشخبری سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ جو کہ عنایت پر عنایت کا مصداق ہے، والحمد للہ

مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

ہیں) اور اس بناء پر کہ بے شک اللہ (پاک سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی) ضائع نہیں فرماتا اجر ایمانداروں کا ۳۶۷ جن لوگوں نے حکم مانا اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾ ۚۛ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

کا اور اس کے رسول کا، اس کے بعد کہ ان کو (ابھی تازہ) زخم لگ چکا تھا، ان میں سے جو نیکو کار اور تقویٰ (و پرہیزگاری) والے

مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

ہیں ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے ۳۶۸ جن سے لوگوں نے (ان کو خوفزدہ کرنے کے لئے) کہا کہ بے شک (تمہارے دشمن) لوگوں نے

مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع کر رکھی ہیں، پس تم ان سے ڈرو (اور ان کے مقابلے سے بچو) تو اس سے (ڈرنے اور خوفزدہ ہونے کی

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

بجائے) ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا ۳۶۹ اور انہوں نے (فوراً اور قوت ایمانی سے لبریز انداز میں) کہا کہ کافی ہے ہمیں اللہ، اور وہی

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾

ہے سب سے (بڑا اور سب سے) اچھا کارساز ۳۷۰ سو اس (ایمان و یقین اور صدق و اخلاص) کے نتیجے میں وہ اللہ (کی طرف) سے ملنے

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ

والی بڑی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے، اس حال میں کہ کسی (تکلیف اور) برائی نے ان کو چھوا تک نہیں ۳۷۱ اور انہیں

۳۶۷ **اہلِ ایمان کے لیے ایک خوشخبری:** سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ ایمانداروں کا اجر کبھی بھی ضائع نہیں فرماتا، بلکہ وہ اس کو ان کے لیے محفوظ رکھتا اور ان کو اس کے اجر و ثواب سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے، کہ اس کی شان یہ ہے کہ لوگ تو اپنے عمل کو بھول جاتے ہیں مگر وہ اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ﴿اَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ﴾ ۔ الآیۃ [المجادلۃ: ٦] یعنی انہوں نے تو اس کو بھلا دیا مگر اللہ نے اس کو محفوظ رکھا۔ اور جب وہ عام مومنین کو بھی ان کے اجر و ثواب سے محروم نہیں کرتا، بلکہ ان کے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ان کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے تو پھر ان شہداء کو وہ کیا کچھ نہیں دے گا جنہوں نے اس کی راہ میں اور اس کی رضاء کیلئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے۔ اور یہاں جہاد کی بجائے ان کے ایمان کا

ذکر فرمایا گیا ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اصل اور اساس دارین کی فلاح ونجاح کی ایمان ویقین کی دولت ہی ہے کہ اسی سے ہر نیکی کی قدر و قیمت بنتی ہے۔ ورنہ ایمان کے بغیر نہ کوئی عمل عملِ صالح بن سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی قدر و قیمت ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان میں مزید از مزید قوت نصیب فرمائے۔ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۳۶۸ غزوۂ حمراء الاسد اور اسکے شرکاء کی عظمت شان کا بیان: ۔ سو یہ اشارہ ہے غزوۂ حمراء الاسد کی طرف، جو کہ غزوۂ احد کے متصل بعد پیش آیا۔ روایات کے مطابق جب ابوسفیان غزوۂ احد سے واپس مکے کی طرف لوٹا، تو راستے میں "روحاء" کے مقام پر پہنچ کر اسے یہ خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی جو اس فتح کے بعد احد سے یونہی واپس چلے آئے اور مسلمانوں کا پوری طرح صفایا نہیں کیا۔ اس طرح ہم نے کتنا اچھا موقع گنوا دیا۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ہم اب واپس چلتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی جڑ نکال کر ان کا ہمیشہ کیلئے قلع قمع کردیں۔ یہ خبر جب آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے کفار کے اس لشکر کے تعاقب کا ارادہ فرمالیا اور اس کے لئے اعلان فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس غرض کیلئے ہمارے ساتھ وہی لوگ نکلیں جو کل احد میں ہمارے ساتھ شریک تھے۔ ان کے سوا اور کوئی نہ نکلے۔ صحابۂ کرام جو ابھی تازہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اور اپنی اپنی مرہم پٹی میں مصروف تھے، یہ اعلان سنتے ہی اپنے زخموں اور تکلیفوں کو بھول گئے اور فوراً جہاد کیلئے تیار ہوگئے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے جاں نثاروں کے اس مختصر سے لشکر کے ساتھ جن کی تعداد ستر تک تھی، دشمن کے تعاقب میں نکل پڑے اور حمراء الاسد کے مقام تک پہنچ گئے، جو کہ مدینہ منورہ سے کوئی آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ابوسفیان اور اس کے لشکر کو جب اس کا پتہ چلا تو ان پر منجانب اللہ ایک ایسا رعب طاری ہوگیا کہ انہوں نے مدینہ کی طرف واپسی کا اپنا ارادہ ترک کر کے مکے ہی کی راہ لی اور مسلمان صحیح سلامت اجر وظفر کے ساتھ واپس لوٹے ۔ والحمد للہ۔ سو اللہ تعالیٰ صدق واخلاص پر ایسے ہی نوازتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال، وھو الھادی الیٰ سواء السبیل۔

۳۶۹ غزوۂ بدرِ صغریٰ اور اسکے حال و مآل کا ذکر و بیان: ۔ سو یہ اشارہ ہے غزوۂ بدرِ صغریٰ کی طرف۔ ابوسفیان نے احد سے لوٹتے وقت آنحضرت ﷺ سے چیلنج کے طور پر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اگلے سال بدر کے مقام پر ہمارا پھر مقابلہ ہو۔ اس سے مقصد اس کا یہ تھا کہ ہم احد کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو مار کر بدر میں قتل ہونے والے اپنے سرداروں کا بدلہ لینگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے اس چیلنج کو قبول فرمالیا۔ سال پورا ہونے پر ابوسفیان دو ہزار کا لشکر لے کر بدر کی طرف چل پڑا جس میں دوسرے ساز وسامان کے علاوہ پچاس گھوڑے بھی اس کے ہمراہ تھے۔ مگر "مرالظہران" کے راستے جب وہ "مجنہ" کے مقام پر پہنچا، تو قدرت کی طرف سے اس پر ایسا رعب چھا گیا کہ اس نے واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ مگر چاہا کہ کوئی ایسا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس فرار کا الزام بھی اس کے بجائے مسلمانوں پر آئے۔ چنانچہ اس کو اس موقع پر نعیم بن مسعود الثقفی مل گیا جو کہ عمرہ کر کے مدینہ واپس لوٹ رہا تھا۔ تو ابوسفیان نے اس سے کہا کہ دیکھو ہم نے محمد اور ان کے ساتھیوں سے اس موسم میں بدر کے مقام پر مقابلے کا طے کیا تھا مگر اب چونکہ زمانہ قحط سالی کا ہے اس لئے ایسے میں ہمارا وہاں جانا مناسب نہیں۔ لہٰذا تم جا کر مدینے میں محمد اور ان کے

ساتھیوں کو ایسا ڈراؤ اور خوفزدہ کرو کہ وہ بدر نہ آسکیں تا کہ وعدہ خلافی کا یہ الزام انہی پر آئے۔ اور میں اس کے بدلے تمہیں دس اونٹ دوں گا، جو میں ابھی سے سہیل بن عمرو کے پاس رکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ اس قول وقرار کے مطابق نعیم بن مسعود نے مدینے میں جا کر اس کے حق میں پروپیگنڈہ کرنا اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا شروع کر دیا اور کہا کہ دیکھو ان لوگوں نے تمہارے خلاف ایسا بڑا اور اتنا خوفناک لشکر جمع کر رکھا ہے جس کا مقابلہ کرنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ تم جانتے ہو کہ احد میں جہاں انہوں نے اتنی دور سے آکر تم پر تمہارے گھروں کے اندر حملہ کیا تھا تو تم پر کیا بیتی تھی۔ کوئی گھر ایسا نہیں جس کا کوئی نہ کوئی فرد ہلاک یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اور جو بچ سکے وہ بھی وہ ہیں جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ تو اب اگر تم لوگ اتنی دور جا کر ان کے اتنے بڑے لشکر سے ٹکرائے تو تم میں سے کوئی بھی لوٹ کر واپس نہیں آسکے گا۔ اس شخص کی ان باتوں کا ان لوگوں میں سے کچھ پر تو طبعی طور پر اثر ہوا مگر آنحضرت ﷺ نے ہر قیمت پر نکلنے کا قصد وارادہ فرما لیا اور قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اور کوئی نہ بھی گیا تو میں اکیلا ہی جاؤں گا ”وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَخْرُجَنَّ وَلَوْ وَحْدِیْ“۔ اس پر صحابہ کرام کی ایک جمعیت بھی تیار ہوگئی جو کہ ستر اشخاص کی تعداد میں تھی۔ ان حضرات میں نعیم بن مسعود کی اس تخویف سے خوفزدگی کی بجائے ایمانی قوت ہی میں اضافہ ہوا اور وہ سب آنحضرت ﷺ کی معیت میں اللہ پر یقین واعتماد کرتے ہوئے اور ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ﴾ کہتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہوگئے، جہاں پر پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ان جاں نثار ساتھیوں نے آٹھ دن تک قیام فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کا لشکر جو قدرتی رعب کی بناء پر ہمت ہار چکے تھے، انہوں نے نہ آنا تھا نہ آئے۔ اپنے بدر کے اس قیام کے دوران ان حضرات نے وہاں تجارت بھی کی اور خوب خوب نفع بھی کمایا۔ اور یہ ایک درہم کے دو دو درہم کما کر سلامتی، غنیمت اور اجر کے ساتھ واپس لوٹے۔ آیت کریمہ میں اسی کا ذکر و بیان ہے۔ اس واقعہ کو بدرِ صغریٰ کہا جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے ہونے والے بدر کے غزوہ کو غزوۂ بدرِ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جسکو قرآن نے یوم فرقان قرار دیا۔

۴۲۰ صدقِ ایمان کا نتیجہ وتقاضا اللہ پر پکا اور پختہ یقین واعتماد: سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ سچے مومنین کی شان اللہ تعالیٰ کی قدرت وکارسازی پر پکا اور پختہ ایمان رکھنا ہے۔ سو یہ تھی شان سچے مسلمانوں کی۔ اور یہ ہے نمونہ ایمانِ صادق اور یقینِ کامل کا کہ بھروسہ واعتماد صرف اور صرف اللہ پر اور یقین ووثوق اسی وحدہٗ لاشریک کی کارسازی پر ہے۔ کہ حاجت روا ومشکل کشا اور کارساز وکارفرما وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ جل وعلاشانہٗ۔ غور کیجئے کہ حضراتِ صحابہ کرام وہ برگزیدہ وپاکیزہ ہستیاں ہیں کہ کتابِ حکیم میں اللہ رب العٰلمین کی طرف سے ان کو صاف وصریح الفاظ میں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ کا عظیم الشان تزکیہ اور بے مثل سرٹیفکیٹ مل چکا ہے۔ حضرت امام الانبیاء۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ خود بنفسِ نفیس ان کے اندر موجود ہیں مگر اس سب کے باوجود ان حضرات کا نہ اپنے بارے میں اس طرح کا کوئی خیال وگھمنڈ اور نہ نبی اکرم ﷺ کی حاجت روائی ومشکل کشائی کا کوئی گمان واعتقاد۔ بھروسہ واعتماد اور اعلان واقرار ہے تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی بزرگی وبڑائی، حاجت روائی ومشکل کشائی اور کارسازی وکارفرمائی کا ہے۔ اسکے مقابلے میں اب ذرا اپنے دور کے نام کے جاہل مسلمان کا حال بھی دیکھئے کہ وہ اس کے برعکس طرح طرح کی شرکیات میں مبتلا ہے۔ اللہ پاک کے سوا اور طرح طرح کے حاجت روا ومشکل کشا اس نے از خود گھڑ رکھے ہیں۔ اللہ سے مدد مانگنے اور ”یا اللہ مدد“

کہنے کی بجائے وہ طرح طرح کے دوسرے شرکیہ کلمات کے سہارے ڈھونڈتا ہے۔ وہ ''یا رسول اللہ اغثنی''، ''یا علی مدد''، ''یا غوث دستگیر''، ''یا خواجہ اجمیری پار لگا کشتی میری'' ''یا بہاء الحق بیڑا دھک'' وغیرہ وغیرہ جیسے شرکیہ راگ الاپتا ہے۔ اور پھر بھی کہتا ہے میں مشرک نہیں موحد ہوں۔ تو پھر شرک اور کس بلا کا نام ہے اور مشرک اور کون ہوتا ہے؟ اور بدعتی ملاں اور پیر ہیں کہ وہ اپنے جبہ و دستار کے رعب دار لبادے میں ایسے سادہ لوح مسلمانوں کے دل و دماغ میں طرح طرح سے ان شرکیات کو ٹھونستے اور پکا کرتے جاتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔ تو پھر بگڑی بنے تو کیسے بنے۔ حالات درست ہوں تو کس طرح۔ ابھی چند ہی روز پہلے کی بات ہے کہ کراچی کے حالیہ فسادات کے بارے میں کراچی کے ہی ایک بڑے پگڑ والے بدعتی اور مشرک ملاں نے اخبارات میں یہ بیان دیا اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ حالات کی اصلاح کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے مدد مانگیں۔ یعنی یہ دونوں ہستیاں گویا ایک ہی برابر ہیں۔ اس طرح جس نبی امی ﷺ کی بعثت و تشریف آوری ہی عقیدۂ توحید کی تعلیم و تبلیغ اور تلقین و ارشاد کے لئے ہوئی تھی اور جس نے امت کو صاف اور صریح طور پر حکم دیا تھا کہ جب تمہیں سوال کرنا ہو تو اللہ ہی سے کرو اور جب مدد مانگنی ہو اللہ ہی سے مانگو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ۔ اسی کے نام نامی اور اسمِ گرامی سے شرک شروع کر دیا گیا ﴿فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ کہاں ہے روزِ مکافات اے خدائے دیر گیر؟ حالانکہ پیغمبر کا اپنا اُسوہ یہ ہے کہ اس شخص نے جب آپؐ کے سامنے اور آپؐ کو خطاب کر کے کہا ''مَاشَآءَ اللّٰہُ وَمَا شِئْتَ ''جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں'' تو اس پر غصے سے آپؐ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ اور آپؐ نے فرمایا'' اَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا؟ '' یعنی ''کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا لیا'' (الادب المفرد للامام البخاری وغیرہ)۔ پھر آپؐ نے اس شخص کو ہدایت فرمائی کہ یوں کہا کرو'' ماشاء اللہ وحدہٗ'' یعنی ''جو صرف اللہ چاہے'' کہ اس کی مشیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ سو دیکھیے اور غور کیجئے کہ کہاں یہ تعلیماتِ نبویہ اور کہاں دورِ حاضر کا جاہل مسلمان؟ جو مذکورہ بالا قسم کی شرکیات کا ارتکاب علی الاعلان کرتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی و ھو المستعان۔

۲۷۱ سچے ایمان و یقین اور صدق و اخلاص کی عظمتِ شان: ۔ سو یہ ہے شانِ صدق و اِخلاص سچے ایمان و یقین کی، کہ اس کی بناء پر کوئی تکلیف اٹھائے بغیر اس قدر بڑے بڑے فوائد و ثمرات سے سرفرازی نصیب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایمان و یقین کی پختگی اور حلاوت و لذت سے سرفراز و شاداب فرمائے۔ آمین۔ سو ایمان و یقین کی دولت اور اسکی پختگی و حلاوت کے بعد مومنِ صادق کے لیے کسی ناکامی اور خسارے کا کوئی خدشہ اور سوال ہی نہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ بہر کیف اہلِ ایمان کی تمام قوت و طاقت کا سرچشمہ اور خزانہ اس کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں کافی ہے ''حَسْبُنَا''۔ اس کے بعد ان کو نہ کسی کا ڈر ہوتا ہے نہ خوف۔ جبکہ جاہل و مشرک انسان اور منافق شخص اس ایمانی قوت سے سراسر محروم ہوتا ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت ایک عظیم الشان دولت ہے جس سے انسان کو سعادت دارین سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے جبکہ اس سے محرومی۔ والعیاذ باللہ۔ ہر خیر سے محرومی ہے، اور ایسا محروم انسان اللہ پر بھروسہ و توکل کرنے کی بجائے طرح طرح کے من گھڑت اور بے حقیقت سہاروں پر تکیہ و اعتماد اور بھروسہ کر کے ضعف الطالب والمطلوب کا مصداق بن جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کر کے ہاویہ ہلاکت میں جا گرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی پناہ میں رکھے، امین

سُوۡٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

سوائے اس کے نہیں اللہ کی رضاء کی پیروی کا شرف بھی حاصل ہو گیا، اور اللہ بڑا ہی فضل فرمانے والا (اور نوازنے والا) ہے،

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوۡهُمۡ

کہ (ڈرانے والا) یہ شخص دراصل شیطان تھا، ۳۷۲ جو تمہیں ڈرا رہا تھا اپنے دوستوں سے، پس تم ایسوں سے کبھی نہ ڈرنا

وَخَافُوۡنِ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحۡزُنۡكَ

اور خاص مجھ سے ہی ڈرتے رہنا اگر تم ایماندار ہو، ۳۷۳ اور آپ کو (اے پیغمبر!) غم میں نہ ڈالنے پائیں

۳۷۲ انسانی لبادے میں شیطان اور اس کی کارستانی:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ شخص شیطان تھا جو انسانی لبادے میں شیطان کی ڈیوٹی ادا کر رہا تھا۔سو اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شیطان انسانی لباس اور لبادے میں بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ کتاب حکیم میں ایک دوسرے مقام پر شیاطین الانس والجن کے الفاظ سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ نیز فرمایا گیا ﴿مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ﴾ اور دوسری بات یہاں سے یہ معلوم ہوئی کہ جھوٹ اور جھوٹا پروپیگنڈا دراصل شیطانی عمل ہے اگرچہ اس کے علمبردار و کارپرداز اپنے بارے میں بڑا زعم و گھمنڈ رکھتے اور بلند بانگ دعوے کرتے ہوں۔ کیونکہ یہاں پر جس شخص کو شیطان فرمایا گیا ہے اس نے یہی کام کیا تھا۔ والعیاذ باللہ۔پس جو کوئی شیطان کا کام اور باطل کا پرچار کرے وہ شیطان ہے اگرچہ اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے وہ انسان دکھائی دیتا ہو کہ وہ کام شیطان کا کر رہا ہے۔وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ۔بکل حال من الاحوال

۳۷۳ صدقِ ایمان کے لازمی تقاضے کا ذکر و بیان:۔سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمانِ صادق کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی سے ڈرے۔وباللہ التوفیق سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ایسے لوگوں سے نہیں ڈرنا بلکہ خاص مجھ ہی سے ڈرنا کہ ایمان اور ایمانداری کا تقاضا یہی ہے کہ مومن صادق صرف اللہ وحدہٗ لاشریک سے ڈرے، کہ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے، مگر آج کے جاہل مسلمان کا حال اس کے بالکل برعکس ہے کہ اللہ اور اس کے خوف و ڈر کو تو اس نے پسِ پشت ڈال دیا ہے، مگر دوسری طرح طرح کی ایسی فانی، اور فرضی و وہمی چیزوں اور ہستیوں سے وہ ڈرتا ہے جو اس نے ازخود اپنے طور پر طرح طرح کے ناموں سے گھڑ اور فرض کر رکھی ہیں، مثلاً "کانواں والی سرکار"، "بلیوں والی سرکار"، "سہیلی سرکار"، "غریب نواز"، "گنج بخش"، "غوثِ اعظم" یعنی سب سے بڑی فریادرس ہستی "کھٹے شاہ"، "مٹھے شاہ"، "سوڑے شاہ" اور "گھوڑے شاہ" وغیرہ وغیرہ۔اور ان ناموں اور فرضی سرکاروں کیلئے اسکے پاس نہ کوئی دلیل نہ سند۔ بھلا ایسی فرضی چیزوں کیلئے سند ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ سوائے مفروضوں اور خودساختہ ڈھکوسلوں کے۔رب فرماتا ہے ﴿وَمَنۡ يَّدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرۡهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ﴾ الآیۃ [المومنون:۱۱۷] یعنی "جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور معبود کو پکاریگا اس کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے اللہ ہی کے پاس ہے"۔ بھلا شرک کے لئے کوئی دلیل کس طرح ممکن ہو سکتی ہے؟ سو شرک کے مرتکبوں کو اپنے کیے کی سخت سزا بھگتنا ہوگی۔والعیاذ باللہ العظیم۔بکل حال من الاحوال

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا

وہ لوگ جو دوڑ دوڑ کر جا (گرتے) ہیں کفر میں، یہ لوگ اللہ کا قطعاً کچھ بھی

اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى

نہیں بگاڑ سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ ایسے (بدبختوں) کے لئے کوئی حصہ نہ رکھے

الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

آخرت میں، ۳۷۴ اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے، بے شک جن لوگوں نے ایمان کے (نور کی) بجائے

الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ

کفر (کی ظلمت) کو اپنایا وہ یقیناً اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، اور ان کے لئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا

(انجام کار) ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے، ۳۷۵ اور کافر لوگ کبھی یہ مت سمجھیں کہ

نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ

ہم انہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں یہ ان کے لئے بہتر ہے، ہم تو یہ ڈھیل ان کو محض اس لئے دے رہے ہیں کہ یہ

لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ

لوگ گناہ میں بڑھتے (اور اپنا پیمانہ لبریز کرتے) جائیں، اور ان کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے ۳۷۶ (والعیاذ باللہ) اللہ

اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى

ایسا نہیں کہ ایمان والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر کہ تم لوگ اب ہو ۳۷۷ (بلکہ وہ طرح طرح سے ان کی آزمائش کرتا رہے

يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ

گا) یہاں تک کہ وہ (چھانٹ کر) الگ کر دے ناپاک کو پاک سے ۳۷۸ اور اللہ ایسا نہیں کہ تم سب کو غیب کی خبروں پر مطلع کر دے ۳۷۹

۳۷۴ منکروں کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ وہ ایسے بدبختوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے کہ وہ خود ایسا نہیں چاہتے اور زبردستی کسی کو نعمتِ ہدایت اور اس کے ثمرات سے نوازنا اللہ پاک کی سنت اور اس کے دستور کیخلاف ہے، کہ یہ اس کی شانِ عدل وانصاف کے منافی اور عقل ونقل کے تقاضوں کے معارض و متصادم ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جو لوگ دوڑ دوڑ کر کفر کے اندھیروں میں گرتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور وہ محروم کے محروم ہی رہیں۔ والعیاذ باللہ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ ایسے لوگ آخرت کے حصے اور اس کے اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الذی بیدہ ازمۃ الھدایۃ والتوفیق۔ سو ایمان ویقین کا نور دارین کی سعادت وسرخروئی سے بہرہ مند وسرفراز کرنے والا واحد اور عظیم الشان وبے مثال نور ہے۔ فالحمد للہ الذی شرفنا بہ۔ اللھم فزدنا منہ وثبتنا علیہ یا ذا الجلال والاکرام۔

۳۷۵ منکروں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب، والعیاذ باللہ:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان کی بجائے کفر کو اپنانے والوں کیلئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں نے ایمان کی بجائے کفر کو اپنایا وہ یقیناً اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور انجام کار ان کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ کہ انہوں نے نورِ ایمان سے منہ موڑ کر کفر کے اندھیروں کو اپنایا اور وہ اسی پر اڑے رہے۔ سو ایمان کی روشنی سے منہ موڑ کر کفر کی ظلمت میں گرنے والے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑا مارتے اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو ان کے بارے میں غمگین وفکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کہ داعئ حق کی ذمہ داری پیغامِ حق وہدایت کو پہنچا دینا ہے اور بس۔ آگے ان کو راہِ حق پر ڈال دینا نہ اس کے ذمے ہے اور نہ اس کے بس میں۔ سو کفر والوں کے لئے ان کے کفر وانکار کے نتیجے میں بڑا دردناک عذاب ہے جو ان کو بھگتنا ہوگا۔ اور جب انہوں نے اپنی دنیاوی زندگی میں کفر وانکار ہی کو گلے لگائے رکھا اور اسی کفر کی حالت میں ہی وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے لیے اس عذاب سے چھٹکارے اور نجات کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی بلکہ ان کو ہمیشہ ہمیش کے لئے ہی اس عذاب میں رہنا ہوگا۔ اس سے بڑھ کر عذاب اور نقصان اور کیا ہوسکتا ہے۔ سو کفر وانکار خساروں کا خسارہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۳۷۶ کافروں کیلئے بڑا رسوا کن عذاب:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کے لیے بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے جو کہ ان کے اس کبر وغرور کے لائق اور عین مناسب ہے جس کی بناء پر انہوں نے حق کو ماننے اور اس کے آگے جھکنے سے انکار کیا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو کبر وغرور کا نتیجہ وانجام بہت برا اور سراسر محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو کفر و انکار والوں کو ان کے کفر وانکار کے باوجود جو ڈھیل ملتی ہے اس سے کسی کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ یہ ان کے لئے خیر نہیں شر ہے۔ ایسی ڈھیل ان کے لئے خیر نہیں شر ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور ان کا پیمانہ اچھی طرح لبریز ہو جائے تاکہ ان کی کشتی جب ڈوبے تو پھر اس کو ابھرنا نصیب نہ ہو سکے۔ اور اس ڈھیل کے بعد ان کے لئے بڑا رسوا کن عذاب ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۳۷۷ امتحان اور آزمائش کی ضرورت؟:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ ایمان والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر تم لوگ اب ہو کہ مومنین مخلصین اور منافقین کاذبین کے درمیان ظاہری طور پر کوئی فرق وامتیاز

نہیں۔ اور یہ سب باہم ملے جلے رہتے ہیں۔ اس لیے ان کے درمیان فرق وتمیز کیلئے امتحان اور آزمائش ضروری ہے تاکہ کھرا کھوٹا الگ ہوجائے۔ اور ابتلاء وآزمائش کے ذریعے عملی طور پر ان دونوں گروہوں کے درمیان واضح طور پر تفریق وتمیز ہوجاتی ہے اور اس طور پر کہ کسی کے لئے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سو ابتلاء وآزمائش عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے۔ کہ اسی سے کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز ہوتی ہے۔ جس سے سچے ایماندار اور جھوٹے دعویدار الگ ہوجاتے ہیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وہو الہادی الی سواء السبیل جل جلالہ وعم نوالہ - سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین

۳۷۸ ابتلاء وآزمائش کا نتیجہ وتقاضا؟:- سو اس فرق وتمیز اور پاک کو ناپاک سے الگ کرنے کے لئے ابتلاء وآزمائش ضروری ہے۔ لہٰذا شدائد ومصائب کا پیش آنا ضروری اور حکمت کا تقاضا ہے۔ تاکہ ابتلاء وآزمائش کی بھٹی سے گزرنے کے بعد کھرا کھوٹا اور سچا جھوٹا سب نکھر کر سامنے آجائے، جیسا کہ غزوۂ احد اور اس کے بعد غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدرِ صغریٰ کے واقعات میں ہوا کہ ان کے ذریعے مومنین مخلصین کا صدق واخلاص عملاً سب کے سامنے آگیا اور منافقین کا نفاق بھی کھل گیا۔ اور اس طور پر کہ کسی کے لئے اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔ اور حق وباطل پوری طرح واضح ہوگیا۔ سو ابتلاء وآزمائش کے نتیجے میں کھرا کھوٹا سب نکھر کر سامنے آجاتا ہے - اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور لطف وعنایت سے ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر مستقیم وثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین ویا اکرم الاکرمین۔

۳۷۹ سب لوگوں کو غیب کی خبروں پر مطلع نہیں کیا جاسکتا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ایسا نہیں کہ تم سب کو غیب کی خبروں پر مطلع کردے اور سیدھا اور براہِ راست تمہیں بتلا دے کہ فلاں فلاں مومن صادق ہیں اور فلاں فلاں منافق وکاذب۔ کہ یہ طریقہ اس کی سنت ودستور کے بھی خلاف ہے اور حکمت ومصلحت کے تقاضوں کے بھی منافی۔ کہ ایک بادشاہ عام آدمیوں کو براہِ راست مخاطب کرکے اپنے احکام نہیں سناتا۔ بلکہ وہ اپنے نمائندوں کے ذریعے ہی ان کو پیغام دیتا ہے۔ تو پھر بادشاہوں کے بادشاہ اور احکم الحاکمین - جل وعلا - کا یہ طریقہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو براہِ راست ازخود ہر ہر شخص کے بارے میں یہ بتادے کہ فلاں شخص ایسا ہے اور فلاں ایسا۔ اور پھر عام انسانوں میں اس قدر ظرف وتحمل ہی کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خالق ومالک حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے اِرشاد وکلام کو براہِ راست خود سن سکیں؟ اور پھر یہ طریقہ اس قدر موثر اور قطعی بھی نہیں کہ جس کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ منافق ہے۔ تو وہ اس کو ازخود ٹھنڈے دل سے یونہی تسلیم کرلے اور مان لے کہ ہاں واقعی میں منافق ہوں۔ بلکہ وہ تو اس کو اپنے اوپر ایک الزام قرار دے کر اس سے انکار ہی کریگا اور اس سے اپنی براءت کا دعویٰ واظہار کریگا۔ جبکہ ابتلاء وآزمائش کے طریقے سے جس کے نفاق کو آشکار کردیا جائے اس کے لئے اس سے انکار کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اس کی اصل حقیقت وپوزیشن سب کے سامنے واضح ہوجاتی ہے۔ اور اس طریق کی پوری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ وادراک تو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کرسکتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - اس لیے اس نے کھرے کھوٹے کے درمیان فرق وتمیز کیلئے ابتلاء وآزمائش کا طریقہ جاری فرمایا ہے تاکہ اس سے کھرے کھوٹے کے درمیان عملی طور پر فرق واضح ہوجائے۔ اور ہر کسی کا حال کھل کر سب کے سامنے آجائے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یُحِبُّ ویرید،

عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ

بلکہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ (اس مقصد کے لئے) چنتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے ۳۸۰ پس تم لوگ (بے چون وچرا

۳۸۰ اللہ کے رسول، اللہ کا انتخاب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی خبریں بتانے کیلئے چنتا ہے اور ان کو وحی کے ذریعے غیب سے متعلق ان امور کی خبر دے دیتا ہے جو ان کی شان کے لائق اور ان کے منصب کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ جن کو قرآنِ حکیم "مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ" یعنی "غیب کی کچھ خبریں" یا "غیب کی بعض خبریں" جیسے الفاظ سے تعبیر فرماتا ہے۔ اور یہی ان حضرات کے منصب ومقام کا تقاضا بھی ہوتا ہے۔ رہ گیا علمِ غیبِ کلی تو وہ خاصہ خداوندی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ وہ کسی اور ہستی کیلئے ماننا شرک ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ اور قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو جا بجا اور طرح طرح سے واضح وآشکارا فرما دیا ہے۔ اور بعض مقامات پر تو کلماتِ حصر کے ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ علمِ غیب خاصہ خداوندی ہے، جیسا کہ سورۂ نمل کی آیت ۶۵ میں "لا" نافیہ اور "اِلا" استثنائیہ کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے ﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ الآیۃ [النمل: ۶۵] "کہو کہ زمین وآسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ وحدہٗ لاشریک کے" اور یہ ایک ایسی صاف اور صریح آیتِ کریمہ ہے کہ اس کے بعد اہلِ بدعت کیلئے کسی حیل وحجت اور قیل وقال کی سرے سے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ یہ ایسا ہی قطعی اور صریح ارشاد ہے جیسا کہ کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ"۔ سو جس طرح اس کلمہ طیبہ میں ارشاد فرمودہ حصر کے بعد کسی حیل وحجت کی کوئی گنجائش نہیں، اسی طرح اس آیتِ کریمہ کے کلماتِ حصر کے بعد مسئلہ علمِ غیب کے بارے میں بھی کسی حیل وحجت اور قیل وقال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جیسا کہ کلمہ طیبہ کے اس قطعی حصر کے بعد اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی بھی ہستی کے لئے کسی طرح کی کسی عطائی وغیرہ الوہیت کا کوئی جواز وامکان باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی طرح سورۂ نمل کی اس آیتِ کریمہ کے بعد اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی ہستی کے لئے عطائی وغیرہ کسی قسم کے علمِ غیب کا کوئی جواز وامکان باقی نہیں رہ جاتا، کہ "لا" اور "الا" کے حصر کے جو کلمات کلمۂ توحید میں پائے جاتے ہیں وہی علمِ غیب کے بارے میں اس آیتِ کریمہ میں پائے جاتے ہیں۔ بہرکیف سورۂ آلِ عمران کی آیتِ زیرِ بحث میں اہلِ بدعت کیلئے ان کے علمِ غیبِ کلی کے شرکیہ عقیدے پر استدلال کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ جس مطلق علمِ غیب کا ثبوت اس سے ملتا ہے اس کا تو کسی کو بھی انکار نہیں کہ وہ تو منصبِ نبوت کا تقاضا ہے۔ اور جس غیبِ کلی اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا دعوٰی اہلِ بدعت کو ہے، اس کا اس میں کوئی ثبوت و وجود نہیں۔ الغرض آیتِ کریمہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ اہلِ بدعت کیلئے مفید نہیں کہ ان کا دعوٰی عام ہے اور یہ دلیل خاص۔ اور جو ان لوگوں کا دعوٰی و اِدعاء ہے اس کے لئے آیتِ کریمہ میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ سو جو ان کا دعوی ہے وہ یہاں سے ثابت نہیں ہوتا اور جو ثابت ہوتا ہے وہ انکو مفید نہیں۔ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال اور کجی وانحراف کی ہر شکل سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یارب العالمین ویا اکرم الاکرمین

يَّشَاءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَ

اور پورے صدق واخلاص سے) ایمان لے آؤ اللہ پر، اور اس کے رسولوں پر ۳۸۱ اور اگر تم (صدق واخلاص سے) ایمان لے

تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

آئے، اور تم نے تقویٰ (وپرہیزگاری) کو اپنایا، تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے ۳۸۲ اور وہ لوگ جو بخل سے کام لیتے ہیں

۳۸۱ **ایمانِ صادق کی دعوت**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ صدقِ دل سے ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر۔ پس صدقِ دل سے ایمان لاؤ تم لوگ اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر۔ اور سچ جانو تم ان تعلیماتِ مقدسہ کو جو تم لوگوں کو ان کی طرف سے ملیں۔ اور ان کو صدق و اخلاص کے ساتھ اور دل و جان سے اپناؤ۔ اور یقین جانو کہ تمہارے لئے دارین کی سعادت و سرخروئی اور حقیقی فوز وفلاح صرف اسی طریقے سے ممکن ہوسکتی ہے جس کی تعلیم و تلقین حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے نفوسِ قدسیہ نے دنیائے انسانیت کو دی ہے۔ اور جن کی جامع تعلیم اب تم کو امام الانبیاء حضرت محمدؐ کے ذریعے دی گئی۔ اور جواب قرآن وسنت کے دو عظیم الشان ماخذوں کی صورت میں تمہارے سامنے موجود ہے۔ اور جو قیامت تک کے سب زمانوں اور جملہ انسانوں کیلئے ہمہ جہتی رہنمائی کیلئے کافی و وافی ہے۔ سو اس ارشادِ عالی سے اس ابتلاء وآزمائش کے فوائد وثمرات اور اس کی خیرات و برکات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے اور ایمان وتقویٰ کے تمام تقاضے پورے کرتے رہنے کی تلقین وتاکید فرمائی گئی ہے۔ تاکہ اس تطہیر کے بعد نفاق کے روگ کو پھر جماعت کے اندر گھسنے کی راہ نہ مل سکے۔ اور فعل یہاں پر اپنے کامل معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی صدق واخلاص کے ساتھ صحیح طور پر ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر کہ سچا پکا ایمان ہی وہ اصل اور حقیقی دولت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند و مالا مال اور سرخرو و سرفراز کرتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین

۳۸۲ **ایمان وتقویٰ والوں کیلئے اجرِ عظیم کا مژدۂ جانفزا**:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے میں تم لوگوں کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ اتنا بڑا کہ اس دنیا میں اس کی کنہہ اور حقیقت کو جاننا بھی کسی کے حیطۂ بس و ادراک میں نہیں، کہ ایسے خوش نصیبوں کو وہاں اُس جہاں میں وہ کچھ ملے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا گزر ہی ہوا۔ كَمَا وَرَدَ ذٰلِكَ فِيْ حَدِيْثٍ صَحِيْحٍ عَنِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ النَّبِيِّ الْمَعْصُوْمِ۔ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ سو ایمان وتقویٰ دارین کی سعادت وسرخروئی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ اس پر ثابت قدم اور مستقیم رکھے اور اس راہ میں زیغ و زلل کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ اور اپنی عنایت و پناہ کے سائے میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر وفریب سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ

ان چیزوں میں جن سے ان کو اللہ نے نوازا ہے اپنے فضل (وکرم) سے، وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ (بخل) ان کے لئے بہتر ہے،

بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ

بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے ۳۸۳ (اور وہ یاد رکھیں کہ) جو کچھ انہوں نے بخل کر کے جوڑا تھا کل قیامت کے روز اس کو ان کے

الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَ

گلے کا طوق بنا دیا جائے گا ۳۸۴ اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین (اور ان دونوں کے درمیان کی ساری کائنات) کی ۳۸۵ اور

اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ ع ۱۸ ۹

اللہ پوری طرح باخبر (وآگاہ) ہے، ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، بے شک اللہ نے سن لی بات ان

قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ وقف لازم

(بدبخت اور منحوس) لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ اللہ محتاج ہے (وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہ) اور ہم دولت مند، ۳۸۶

سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ

ہم لکھ رکھیں گے ان کی ان باتوں کو بھی، اور ان کے انبیاء (کرام) کے قتل ناحق کرنے (کے سنگین ترین جرم) کو بھی،

وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

اور (پھر وقت آنے پر ہم ان سے) کہیں گے کہ لو اب چکھو تم لوگ مزہ دوزخ کی اس (دہکتی) بھڑکتی آگ کا یہ بدلہ ہے تمہاری

اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ

اس کمائی کا جو تم لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں آگے بھیجی تھی ۳۸۷ اور یقیناً اللہ (کسی بھی طرح کا) کوئی ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر ۳۸۸

۳۸۳ بخیلوں کیلئے ان کا بخل بہت برا: ـ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے بخشے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے جمع کئے ہوئے مال کا انجام ان کیلئے بہت برا ہوگا۔ اور یہ اس لئے کہ اس واہبِ مطلق نے ان کو جن نعمتوں سے اپنے فضل وکرم سے نوازا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی ان نعمتوں کو اس کی راہ میں اور اس کی رضا کیلئے برضاء و رغبت خرچ کرتے۔ اس طرح شکرِ نعمت کے تقاضے بھی پورے ہوتے اور یہ دولت ان کیلئے آخرت

کا ذخیرہ اور وہاں کی کامیابی کا ذریعہ و وسیلہ بھی بن جاتی۔ مگر انہوں نے اس کے برعکس بخل کا طریقہ اپنا کر اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتوں کو اپنے لئے ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ بنا دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اسکو اپنی آخرت کا ذخیرہ بنانے کی بجائے یہ بخیل لوگ اسکو جوڑ جوڑ کر رکھتے گئے جو بعد میں دوسروں کے کام آیا۔ اور آخرت کا حساب ان کے ذمے رہا۔ اور ان کو اپنے بخل کا برا انجام بھگتنا پڑا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو بخل اور کنجوسی سے کام لینے والے لوگ اصل میں اپنی ہی ہلاکت اور تباہی کا سامان کرتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس اور شعور نہیں اور اس طرح وہ خسارہ در خسارہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ بخل سمیت ہر رذیلہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین۔

۳۸۴ بخل کے انجام بد کے ایک مظہر کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے بخیلوں نے جو کچھ جوڑا اور جمع کیا تھا کل قیامت کے روز اس کو ان کے گلوں کا طوق بنا دیا جائے گا۔ سو یہ اس برے انجام کا ایک نمونہ ہے۔ جس سے ان لوگوں کو اپنے بخل کے نتیجے میں سابقہ پڑتا ہے۔ حضرات مفسرین کرام کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک یہ کلام تشبیہ و تمثیل پر محمول ہے۔ یعنی ان لوگوں کو اپنے بخل کا انجام اس طرح لپٹ اور چپک جائیگا جس طرح کہ کسی کے گلے میں طوق لپٹ جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ تمثیل پر نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی اصول ہے کہ ان کے بخل کا یہ انجام واقعۃً اور حقیقت کے طور پر ان کے گلے کا طوق بن جائیگا، جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے روز اس کا یہ مال ایک ایسے اژدہے کی شکل میں اس کے سامنے آئے گا جس کے زہر کی شدت کی بناء پر اس کے سر کے بال اڑ چکے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے۔ وہ آکر اس کے گلے میں لپٹ جائیگا اور دونوں جبڑوں سے اس کو پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا وہ مال ہوں جسے تو (دنیا میں) جمع کیا کرتا تھا۔ میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو (دنیا میں) جوڑ جوڑ کر رکھا کرتا تھا۔ پھر آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی (بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اثم مانع الزکوٰۃ)۔ سو ایسے لوگوں کا مال ان کے لئے عذاب ہی کا باعث بنے گا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین

۳۸۵ ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی کی میراث: ۔ سو اس میں تصریح فرما دی گئی کہ آسمانوں اور زمین کی ساری کائنات کی میراث اللہ ہی کیلئے ہے یعنی یہ سب لوگ مر مرا کر ختم ہو جائیں گے جو آج طرح طرح کی دولتوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ اور یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر یہ لوگ اسی طرح خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔ اور یہ سب کچھ اس اللہ ہی کی ملکیت میں رہ جائے گا جو کہ اس سب کا خالق اور مالک حقیقی ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس تم لوگ آج جبکہ یہ سب کچھ تمہارے قبضے اور ملکیت میں ہے اپنی خوشی و مرضی سے اسے اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء کے لئے خرچ کر کے خود اپنی بھلائی کا سامان کر لو، قبل اس سے کہ وہ دن آجائے کہ جب تم کو یہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر کوچ کرنا پڑے۔ سبحان اللہ۔ ربّ رحمان نے کس کس طرح سے سمجھایا اور بتایا ہے تاکہ اسکے بندے اپنی آخرت کو بنانے اور سنوارنے کی فکر اور اسکے لئے سامان کر لیں، مگر لوگ ہیں کہ پھر بھی غافل اور بے فکر ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن ۔ فَوَفِّقْنَا اللّٰهُمَّ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، فِيْ كُلِّ حِيْنٍ مِّنَ الْاَحْيَانِ، وَبِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ فِي الْحَيَاةِ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام۔

۳۸۶ یہود کے ایک انتہائی بیہودہ قول کا ذکر و بیان: ۔۔سو اس سے یہودِ بے بہبود کے ایک انتہائی بیہودہ قول کا ذکر فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ نے سن لی بات ان (بدبخت اور منحوس) لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے (والعیاذ باللہ) اور ہم مالدار" سو یہ قول یہودِ بے بہبود کا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیتِ کریمہ ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضَاعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً﴾ الآیۃ [البقرۃ:۲۴۵] نازل ہوئی تو یہودِ بے بہبود نے کہا کہ محمد کا رب غریب اور محتاج ہو گیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نورِ حق و ہدایت سے محروم اور اس سے منہ موڑنے والا انسان کس قدر ڈھیٹ، بے شرم، اور کتنا ظالم و بے انصاف ہوتا ہے کہ وہ اُس ذاتِ اقدس واعلیٰ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ کے بارے میں بھی ایسی بے ہودہ بات کہنے سے نہیں چوکتا جس کے ہر ہر لمحہ اتنے خزانے تقسیم ہو رہے ہیں۔ اور ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں۔ کہ ان کا حساب کرنا بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ اگرچہ وہ دنیا بھر کے انسانوں کو بھی اپنی مدد کیلئے بلا لے۔ اور حساب و کتاب میں مدد دینے والے تمام آلات و اوزار اور وسائل و ذرائع کو بھی اکٹھا اور جمع کر لے کہ اس وحدہٗ لاشریک کی عطاء لامحدود اور اس کی داد و دہش ناپیدا کنار ہے۔ نیز یہاں سے یہ اہم درس بھی ملتا ہے کہ ظالموں نے جب خداوندِ قدوس کی ذاتِ اقدس واعلیٰ کو بھی نہیں بخشا اور اس کی ذاتِ بے ہمتا کے بارے میں بھی اتنی بڑی اور اس قدر ناروا بات کہہ دی تو پھر اور کون ہو سکتا ہے جو ایسے ظالموں کے طعن و تشنیع کے تیروں سے بچ سکے؟ اور پھر ما و شما جیسے عاجز و کمزور انسانوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ پس کوئی یہ کبھی سوچے بھی نہ کہ مجھے سب اچھا کہیں کہ ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ بلکہ مطمحِ نظر ہمیشہ یہ رہے کہ میرا اپنا راستہ و رویہ درست اور صحیح ہو اور میرا معاملہ میرے اپنے خالق و مالک کے ساتھ ٹھیک رہے۔ اس کے بعد کوئی کچھ کہے اس کی پرواہ نہیں۔ اَللّٰهُمَّ فَخُذْ بِنَوَاصِیْنَا اِلٰی مَا فِیْهِ حُبُّكَ وَرِضَاكَ ۔سو اس سے یہودِ بے بہبود کی طبعی خست اور ذہنی خباثت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ اس حد تک پستی میں گر گئے تھے کہ حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی جنابِ اقدس واعلیٰ کے بارے میں ایسی گستاخی کا ارتکاب کر دیا۔ تو ایسوں سے کسی خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ ہر بیہودگی اور ناشائستگی کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۸۷ یہود کے اس بیہودہ قول کی سنگینی کا اظہار: ۔۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم ان کی اس بیہودہ بات کو لکھ رکھیں گے اور ان کے انبیائے کرام کے قتلِ ناحق کے جرم کو بھی۔ یعنی ان ظالموں کا یہ قول اتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ قتلِ انبیاء کے برابر ہے اور اس کی پوری سزا حیاتِ دنیا کے اس محدود ظرف میں ممکن ہی نہیں، بلکہ آخرت ہی میں مل سکے گی۔ لہٰذا ہم اس کو ان کے قتلِ انبیاء جیسے دوسرے سنگین جرائم کے ساتھ لکھ دیتے ہیں، تا کہ یہ اپنے وقت پر اپنے کیے کی پوری سزا پا سکیں۔ اور اس وقت ہم ان سے کہیں گے کہ اب چکھو تم دہکتی بھڑکتی دوزخ کی اس آگ کا مزہ اپنے اس کیے کرائے کے بدلے میں جسکے ذریعے تم دنیا میں اللہ والوں کا دل جلایا کرتے تھے۔ کیونکہ جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ سو جس طرح تم لوگوں نے اللہ والوں کا دل جلایا تھا۔ اسی طرح اب جلنے کا مزہ چکھو اور ایسا کہ اب ہمیشہ اسی آگ میں پڑے جلتے رہو کہ تمہارے لیے اب اس سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف منافقین کا یہ اِستہزاء اور یہود کا قتلِ انبیاء کا یہ جرم ایسے سنگین جرائم ہیں جن کو اللہ بھولنے والا نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس لئے اس کو لکھ دیا گیا ہے۔ بس اتنی بات ہے کہ وہ اپنی شانِ حلیمی کی بناء پر فوراً پکڑتا

نہیں بلکہ ان کو ڈھیل دیے جا رہا ہے اور ان کے ایسے جرائم کا ریکارڈ تیار کروا رہا ہے۔ سو وقت آنے پر وہ ان سے کہے گا کہ لو اب تم مزہ چکھو دوزخ کی اس دہکتی بھڑکتی آگ کا اپنی زندگی بھر کے کئے کرائے کے بدلے میں اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کے نتیجے میں۔ ورنہ اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- اپنے بندوں پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔ سو یہ سب کچھ تمہارا اپنا ہی کیا کرایا ہے -والعیاذ باللہ- سو ایسے ظالموں کو اپنے کیے کرائے کا بھگتان بہرحال بھگتنا ہوگا۔ صرف وقت کی دیر ہے اس سے یہ لوگ بچ بہرحال نہیں سکیں گے -والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۳۸۸ **اللہ تعالیٰ ظلم کے ہر شائبے سے پاک -سبحانہ وتعالیٰ-:** سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں کرتا کہ ظلم اس کی شان کے لائق ہے ہی نہیں۔ اور وہ ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا -سبحانہ وتعالیٰ- اور ظلم کیا معنیٰ وہاں تو نوازنا ہی نوازنا اور رحمت ہی رحمت فرمانا ہے۔ اور وہ تو ایک ایک نیکی پر کئی کئی گنا بڑھا چڑھا کر اسکے اجر و ثواب سے نوازتا ہے -سبحانہ وتعالیٰ- جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [النساء: ۴۰] ۔ اور "ظلّام" کے صیغہ مبالغہ سے جو ظاہری شبہ اس بارے پیدا ہوتا اور پیش آتا ہے، حضراتِ علمائے کرام نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں جو کہ سب ہی اپنی اپنی جگہ پر درست اور عربی زبان و بیان کے مطابق ہیں۔ مثلاً یہ کہ یہاں پر یہ لفظ مبالغہ کیلئے نہیں بلکہ نسبت کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ لفظِ "تَمَّار"، "خَبَّاز"، "عَطَّار"، "بَحَّار" اور بَزَّاز وغیرہ کہ یہ الفاظ مبالغہ کے معنیٰ میں نہیں بلکہ مجرد نسبت کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ تو اس اعتبار سے لفظِ "ظلّام" کے معنیٰ یہاں پر ہوں گے کہ وہ ظلم کی نسبت سے ہی پاک و مبرا ہے -سبحانہ وتعالیٰ- کہ ظلم وہاں متصور ہی نہیں۔ اسی طرح دوسرا جواب اس شبہے کا یہ دیا گیا ہے کہ "فعّال" کا صیغہ کبھی کبھی اس طرح بھی آتا ہے کہ اس سے کثرت و مبالغہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ مطلق فعل مراد و مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ طرفہ شاعر کے اس مصرعہ میں ہے -وَلَسْتُ بِحَلَّالِ التَّلَاعِ مَخَافَةً- کہ اس میں لفظِ "حلّال" مبالغہ کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ مطلق فعل حلول کی نفی کیلئے ہے۔ "تلاع" اصل میں ان نالوں کو کہا جاتا ہے جن میں پانی بہہ کر نیچے وادیوں میں گرتا ہے۔ تو شاعر اپنی شخصیت کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوں کہ لوگوں سے چھپ کر کہیں کسی نالے میں جا بیٹھوں بلکہ میں تو ایسا ہوں کہ کھلے میدان میں ڈیرہ لگاتا ہوں۔ جہاں مجھ سے کوئی مدد مانگتا ہے تو اسکی مدد کرتا ہوں اور کوئی بخشش کا سوال کرتا ہے تو اسکو بخشش دیتا ہوں۔ اب ظاہر ہے کہ اس میں شاعر کا مقصد یہ نہیں کہ میں زیادہ طور پر ایسے نہیں کرتا، کبھی کبھی اس طرح کر لیتا ہوں، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ میں ایسے کبھی نہیں کرتا کہ مقامِ مدح کا تقاضا یہی ہے۔ اور تیسرا جواب اس شبے کا یہ ہے کہ اس لفظ کا تعلق دراصل متعلقین کی کثرت سے ہے کہ مبالغے کے اِطلاق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ متعلقین کی کثرت کے اعتبار سے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً عربی زبان میں کہتے ہیں "فُلَانٌ ظَالِمٌ لِعَبْدِهٖ وَظَلَّامٌ لِعَبِيْدِهٖ" یعنی ایک غلام پر ظلم کرنے کی صورت میں اسے "ظالم" کہتے ہیں اور زیادہ کے اعتبار سے "ظلّام"۔ جبکہ اللہ پاک -سبحانہ وتعالیٰ- کے بندوں اور اس کی مخلوق کی تعداد کو اس کے سوا کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ سو اس اعتبار سے "ظلّام" کا یہ صیغہ یہاں پر مبالغہ ہی کے معنیٰ میں ہے اور کم و کیف ہر اعتبار سے بالکل درست اور صحیح معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور اللہ پاک کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتا -سبحانہ وتعالیٰ-

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ

جن لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان

لِرَسُوۡلٍ حَتّٰی یَاۡتِیَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡکُلُہُ النَّارُ ؕ قُلۡ

نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کرے جسے (آسمانی) آگ آکر کھا جائے، ٣٨٩ (ان سے) کہو

قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیۡ

کہ کتنے ہی رسول آچکے مجھ سے پہلے کھلی کھلی نشانیاں لے کر، اور اس نشانی کے ساتھ بھی جس کا مطالبہ تم لوگ

قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡہُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۳﴾

(آج مجھ سے) کر رہے ہو، تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو، (اپنے اس دعوٰی و مطالبہ میں؟) ٣٩٠ پھر بھی اگر یہ لوگ

فَاِنۡ کَذَّبُوۡکَ فَقَدۡ کُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِکَ جَآءُوۡ

آپ کو (اے پیغمبر!) جھٹلاتے ہی جائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں کہ) آپ سے پہلے بھی کتنے ہی ایسے رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے ٣٩١ جو

٣٨٩ **یہود کی بہانہ جو طبیعتوں کا ایک بہانہ:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ وہ ہمارے سامنے کوئی ایسی قربانی پیش کرے جن کو آسمانی آگ آ کر کھا جائے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے بعض انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے دور میں ہوا کرتا تھا کہ ان میں کوئی شخص جب کوئی قربانی یا نذر و نیاز پیش کرتا تو اس کے قبول ہونے کی نشانی یہ ہوتی تھی کہ ایک آسمانی آگ آ کر اس کو کھا جاتی تھی۔ اور اگر ایسی آگ نہ آتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ قربانی اور نذر و نیاز قبول نہیں ہوئی۔ اب یہود کی بہانہ جو طبیعتوں نے اس بات کو اپنے لئے ایک بہانہ کے طور پر اپنا لیا کہ ہمیں تو تورات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم کسی پیغمبر پر اس وقت تک ایمان مت لاؤ جب تک کہ وہ تمہارے سامنے یہی معجزہ پیش نہ کرے، مگر یہ ان لوگوں کا جھوٹ و افتراء اور محض ایک بہانہ تھا۔ تورات میں ان کو اسطرح کا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بہرکیف آیتِ کریمہ میں ان کے اسی زعمِ باطل کی تردید فرمائی گئی اور ان کو اس طریقے سے اور اس طرح پکڑا گیا کہ ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور جس سے ان کے سب ایسے حیلے بہانے ''هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا'' ہو گئے۔ اور یہ لوگ خود لاجواب ہو گئے ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا﴾ بہرکیف اس سے اس بہانہ باز اور حیلہ جو قوم کی بہانہ بازی اور حیلہ جوئی کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آ جاتا ہے - وَالۡعِیَاذُ

بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ وَسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ- اللہ ہمیشہ ہدایت وحق کی دولت سے سرفراز اور صراط مستقیم پر گامزن رکھے- اور ہر قسم کے زیغ وضلال سے اپنی پناہ میں رکھے، امین

۳۹۰ یہود کے حیلے کی تردید خود انکے اپنے عمل و کردار سے:- سو ان کے اس قول کی تردید اور اس کے جواب کے لیے پیغمبر کو ہدایت فرمائی گئی کہ آپ ان سے کہیں کہ کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے کھلی نشانیاں لے کر آچکے ہیں اور خود اس نشانی کے ساتھ بھی جس کا مطالبہ تم لوگ آج مجھ سے کرتے ہو تو پھر تم لوگوں نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم اپنے دعوے اور مطالبے میں سچے ہو؟ یعنی اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہوتے تو ان حضرات پر فوری طور پر اور سچے دل سے ایمان لے آتے۔ مگر تم نے نہ صرف یہ کہ ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا بلکہ ان کی تکذیب کی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تم نے ان پاکیزہ ہستیوں کے قتل تک کا ارتکاب کیا جو کہ ایک نہایت ہی سنگین اور ہولناک جرم ہے۔ پس اس سے صاف اور واضح ہو گیا کہ تمہارا یہ قول محض ایک بہانہ ہے جو تمہاری حیلہ ساز اور بہانہ جو طبیعتوں نے گھڑا ہے۔ جس کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ تورات میں ایسا کوئی حکم تھا اور نہ ہو سکتا ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّ ضَلَالٍ - قتل انبیاء کے اس جرم کا ارتکاب ان یہودیوں نے نہیں کیا تھا جو کہ قرآن کے مخاطب تھے۔ بلکہ ان کے بڑوں نے کیا تھا جو کہ ان سے صدیاں پہلے گزر گئے تھے۔ مگر یہ لوگ جو کہ اپنے ان بڑوں کے کردار سے خوش تھے اور ان سے اپنی نسبت پر فخر کرتے تھے اس لیے ان کو اس طرح موردِ الزام ٹھہرایا گیا۔ سو کسی برائی اور برے عمل پر خوش ہونا اس میں شریک ہونا ہے۔ اور کسی برائی کے مرتکبوں کے ساتھ تعلق اور ان سے انتساب پر خوش ہونا اور اس پر فخر جتلانا ان کے جرائم میں شریک اور شامل ہونے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں ان کی تصریح فرمائی گئی ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ،وَزَیْغٍ وَّ ضلال، بکل حالٍ من الاحوال،

۳۹۱ پیغمبر کیلئے سامانِ تسلیہ وتسکین:- سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ پھر بھی آپ کو جھٹلاتے ہیں تو (اور یہ کوئی نئی بات نہیں) آپ سے پہلے بھی کتنے ہی رسولوں کو جھٹلایا جا چکا ہے۔ اس سے آپ ﷺ - نہ غمگین ہوں اور نہ افسردہ و دلگیر کہ یہ کوئی بات نہیں- بلکہ ناشکرے اور بے انصاف لوگوں کا طریقہ و وطیرہ پہلے سے یہی چلا آیا ہے ﴿مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ﴾ الآیۃ [حٰم السجدۃ:۴۳]- پس آپ بھی انہی حضرات انبیائے کرام کی طرح صبر ہی سے کام لیتے رہیں اور ان ناہنجار لوگوں کے بارے میں عجلت سے کام نہ لیں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّھُمْ﴾ الآیۃ [الاحقاف:۳۵]- اور اسی میں ہر داعیِ حق کیلئے بھی تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ ظالموں کے ظلم اور ان کی ایذاء رسانیوں سے جب حضراتِ انبیائے کرام کی قدسی صفت ہستیاں بھی محفوظ نہیں رہ سکیں تو پھر اور کون محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور ہم جیسے لوگ اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ پس -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ- ہمیشہ صبر و برداشت اور اخلاص و استقامت ہی سے کام لینے کی ضرورت ہے- وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ،وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُوَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین یارب العالمین

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

(اپنی صداقت وحقانیت کی) کھلی کھلی نشانیاں ۳۹۲ (پاکیزہ آسمانی) صحیفے ۳۹۳ (اور حق وصداقت کی) روشنی بخشنے والی (الہامی) کتابیں لے کر آئے تھے ۳۹۴

ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

(کوئی مانے یا نہ مانے یہ بہر حال ایک اٹل حقیقت ہے کہ) ہر شخص نے موت کا مزہ بہر حال چکھنا ہے، اور یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ تم

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ

لوگوں کو تمہارے پورے پورے اجر قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے ۳۹۵ پس جس کو دوزخ کی اس (ہولناک) آگ سے بچا لیا گیا

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ

اور اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا، تو وہ یقیناً حقیقی کامیابی سے سرفراز ہو گیا ۳۹۶ اور دنیا کی یہ (عارضی اور فانی) زندگی دھوکے کے سامان کے

۳۹۲ "بینات" سے یہاں پر مقصود و مراد؟:- سو بینات سے یہاں پر مراد وہ کھلی نشانیاں اور واضح دلائل ہیں جو ان انبیاء و رسل کی صداقت و حقانیت کو واضح کرتی تھیں۔ یعنی ایسے دلائل اور معجزات جو ان کی نبوت و رسالت اور ان کی حقانیت و صداقت پر صاف صاف دلالت کرنے والے تھے۔ سو "بینات" سے مراد ایسے دلائل و معجزات ہیں جن سے ان حضرات کی صداقت واضح ہو جائے خواہ یہ دلائل و معجزات حسّی ہوں یا معنوی۔ بہر کیف "بیّنات" جو کہ "بیّنہ" کی جمع ہے اس کے معنٰی واضح اور روشن کے ہیں۔ اور یہ لفظ آیات کی صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں یہ لفظ جہاں کہیں تنہا بغیر موصوف کے استعمال ہوا ہے وہاں پر یہ دو معنوں کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ واضح اور مسکت دلائل کے معنٰی میں بھی اور حسی معجزات کے معنٰی میں بھی۔ سو حضراتِ انبیائے کرام کو ان دونوں ہی معنٰی میں معجزات اور دلائل کے ساتھ مؤید و منصور کر کے بھیجا گیا ہے۔ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ تا کہ منکرین کے لیے کسی اشتباہ و انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے، اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔

۳۹۳ "زُبُر" کا معنٰی و مطلب:- "زُبُر"، "زَبُور" کی جمع ہے۔ اور "زبور" "زبر" سے مشتق و ماخوذ ہے جو زجر کے معنٰی میں اور اسی کے وزن پر ہے۔ جس کے معنی جھڑکنے اور ڈانٹنے کے آتے ہیں۔ سو "زبور" ایسی کتاب کو کہا جاتا ہے جو کہ ایسے عبرت انگیز اور حکمت آموز مضامین پر مشتمل ہو جن سے لوگوں کو باطل کی طرف جانے اور غلط راہ اپنانے سے ڈانٹا اور جھڑکا جائے۔ حضرتِ داؤد- علیہ الصلوٰۃ والسلام- کی کتاب کو بھی "زبور" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے ہی مضامین پر مشتمل تھی۔ سو ایسے حضراتِ انبیائے کرام اسی طرح کے پرتاثیر اور عبرت آموز مضامین کے ساتھ تشریف لائے تا کہ لوگوں کو ان کے خوابِ غفلت سے جھنجھوڑ کر بیدار کر سکیں۔ سو اس سے یہاں پر مراد ایسے صحیفے ہیں جن کے ساتھ مختلف انبیائے کرام کو ان کی امتوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور جو تورات

کے مجموعہ کے اندر شامل ہیں۔ سو ہٹ دھرموں پر ایسے عبرت انگیز مضامین کا بھی کچھ اثر نہ ہوا کہ عناد وہٹ دھرمی کے مارے انسان کو اس کی توفیق نہیں ملتی - والعیاذ باللہ جل وعلا - بکل حال من الاحوال

۳۹۴ ''کتابِ منیر'' سے مقصود ومراد؟:- ''کتابِ منیر'' سے مراد تورات وانجیل ہے۔ اگرچہ زبر کا عموم ان کو بھی شامل تھا اور ہے۔ مگر ان کی اہمیت وعظمت کی بناء پر ان کو الگ کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں زجر وتنبیہ کے علاوہ شریعت کے وہ احکام وفرامین بھی موجود ومندرج تھے جو اس زمانے کے لوگوں کیلئے اتارے گئے تھے۔ سو نزولِ قرآن سے پہلے ''کتابِ منیر'' یعنی ''روشن کتاب'' سے مراد اور اس کا اصل مصداق تورات ہی ہے، جو کہ اس وقت احکامِ خداوندی کا مصدر وماخذ تھی۔ اس کے سوا دوسرا کوئی ماخذ اَحکامِ خداوندی کا اس وقت موجود نہیں تھا - ای الکتاب الواضح الجلی کالتوراۃ والانجیل - (صفوۃ وغیرہ)

۳۹۵ اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو تمہارے اعمال کے پورے بدلے قیامت کے روز ہی ملیں گے کہ اعمال کا پورا بدلہ قیامت کے اس روزِ جزا ہی میں مل سکے گا۔ دنیا اور عالمِ برزخ میں جو بدلہ ملتا ہے وہ انسان کے عمل کا ''کچھ بدلہ'' اور صرف ایک نمونہ ہوتا ہے۔ اور بس پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا کہ وہی ''دارالجزاء'' ہے۔ اور اسی کی یہ شان اور یہ وسعت وگنجائش ہے جس میں ہر کسی کو اسکے زندگی بھر کے کیے کرائے کا بھرپور صلہ اور بدلہ مل سکے۔ دنیا کے ظرفِ محدود میں نہ اسکی گنجائش ہے اور نہ ہی اس کا موقع کہ دنیا ''دارالعمل'' ہے نہ کہ ''دارالجزاء''۔ اسی لئے یہاں پر ﴿اِنَّمَا﴾ کے کلمۂ حصر کے ساتھ بیان فرمایا گیا کہ ''تم لوگوں کو تمہارے اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا''۔ سو عقل ونقل کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت اور وہاں کی کامیابی ہی کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات بنایا جائے۔ نہ کہ دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی کو۔ کہ یہ بہرحال آنی جانی چیز ہے - وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ انسان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ آخرت ہی میں مل سکے گا۔ دنیا میں کچھ نہ کچھ بدلہ اگرچہ کسی نہ کسی شکل میں مل جاتا ہے، لیکن پورا بدلہ یہاں پر نہ ملتا ہے نہ مل سکتا ہے، اور نہ ہی دنیا اس کا موقع ومحل ہے، اللّٰھم احسن عاقبتنافی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاٰخرۃ

۳۹۶ حقیقی کامیابی اور فوز وفلاح کی نشاندہی؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو دوزخ سے بچا لیا گیا اور اس کو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا۔ سو یہی ہے حقیقی اور کامل کامیابی کہ عذابِ جہنم سے پناہ مل جائے اور نعیمِ جنت سے سرفرازی نصیب ہو جائے۔ اور یہی وہ کامیابی ہے جو اللہ تعالیٰ کے خوش نصیب بندوں کو وہاں نصیب ہو گی۔ سو اسی کو مقصدِ حیات بنانا چاہیئے اور اسی کیلئے بندے کو کوشش کرنی چاہیئے - اللہ اپنے فضل وکرم سے اس سے سرفراز فرمائے - آمین ثم آمین۔ سو بازی اصل میں وہیں کی بازی ہے۔ اور ہار جیت حقیقت میں وہیں کی ہار جیت ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ الآیۃ [التغابن: ۹] سو عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم کا تقاضا یہی ہے کہ اسی دن کی جمعیت اور وہیں کی فائز المرامی کو اپنا مقصدِ حیات بنایا جائے کہ وہیں کی کامیابی حقیقی کامیابی ہے - ﴿وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ - ورنہ دنیا ساری فانی اور ہیچ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وعلی ما یحب ویرید

فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ تف وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

سوا کچھ نہیں ۳۹۷ تمہاری ضرور آزمائش ہوگی (اے ایمان والو!) تمہارے مالوں میں بھی، اور تمہاری جانوں میں بھی ۳۹۸ اور تمہیں ضرور سننا پڑیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

گی بہت سی تکلیف دہ باتیں ان لوگوں سے بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، اور ان سے بھی جو کھلے شرک پر ہیں ۳۹۹ اور اگر تم نے صبر (و

۳۹۷ دنیاوی زندگی محض دھوکے کا سامان - والعیاذ باللہ :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ دنیاوی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں جس کی ظاہری چمک دمک، وقتی فوائد و منافع، اور عارضی لذتوں سے دھوکہ کھا کر غافل انسان اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے اور آخرت کی اپنی اصل منزل اور حقیقی کامیابی کو بھول کر اور اسے پسِ پشت ڈال کر دائمی خسارے کا شکار ہو جاتا ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اسلیے ربِّ رحمان -سبحانہٗ وتعالیٰ- نے اپنے کلامِ مجید میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے اس حقیقت سے خبردار کیا ہے کہ کہیں تم دنیا کی اس ظاہری چمک دمک میں الجھ کر شیطان کی دھوکہ دہی کے جال میں پھنس کر اپنے اصل مقصد اور اپنی آخرت کے حقیقی نصب العین سے غافل نہیں ہو جانا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ [فاطر: ۵] اور بعینہٖ یہی بات سورۂ لقمان کی آیت نمبر ۳۳ میں ارشاد فرمائی گئی - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ -سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ امین ثم آمین

۳۹۸ اہل ایمان کی ابتلاء و آزمائش کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا اور ادوات تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ (ایمان والو) تم لوگوں کی آزمائش ضرور بالضرور ہوگی تمہارے مالوں میں بھی اور تمہاری جانوں میں بھی" کہ تم سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو بھی کہا جائے گا اور جان پیش کرنے کو بھی۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ان دونوں کی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح فقر و افلاس اور بیماری و مصیبت کے ذریعے بھی تمہاری آزمائش ہوگی۔ تاکہ کھرے اور کھوٹے کے درمیان تمیز ہو سکے۔ اور ہر ایک کے باطن کی کیفیت نکھر کر سامنے آجائے۔ پس تم نے اے مسلمانو ایسے ہر موقع پر اطاعت شعاری و فرمانبرداری، صبر و برداشت اور استقلال و استقامت ہی سے کام لینا ہے- وباللہ التوفیق- بہرکیف اس ارشاد سے اہلِ ایمان کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تمہیں اہلِ کتاب اور مشرکین کی طرف سے جانی اور مالی آزمائشیں بھی پیش آتی ہیں اور ان کی طرف سے تمہیں طرح طرح کی دلآزاریوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو کہ اصل میں تمہارے صبر اور تقویٰ کا امتحان ہوگا۔ پس تم نے اگر ان باتوں پر صبر و برداشت اور عزم و استقامت سے کام لیا اور حدودِ الٰہی کا احترام ملحوظ رکھا تو یہ عزیمت کا مقام ہے جو اولوا العزم انبیائے کرام اور ان کے جاں نثاروں کا خاص حصہ ہے۔ اور یہی کامیابی کی کلید ہے-وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وعلى ما يُحِبُّ ويريد،

۳۹۹ اہلِ ایمان کو ایک خاص تنبیہ و تذکیر :- سو اس سے ایمان والوں کو یہ تنبیہ و تذکیر فرمائی

گئی ہے کہ ان کی ایذاء رسانی اور دلآزاری ہوگی، یعنی ان کے دشمنوں کیطرف سے، سوارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو ضرور سننا پڑیں گی تکلیف دہ اور دلآزار باتیں ان لوگوں کی طرف سے بھی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان سے بھی جو کھلے مشرک ہیں۔ اس بغض و حسد کی بناء پر جو ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے اور تمہارے دین کے بارے میں چھپا ہوا ہے۔ سو ایسے ہی ہوا اور قرآنِ حکیم کی یہ پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور ہو رہی ہے۔ اہلِ کتاب اور خاص کر یہود اور دوسرے مشرکین کی ان ایذاء رسانیوں کا یہ سلسلہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ سے شروع ہو کر اس کے بعد تاریخ کے ہر دور میں اور مختلف شکلوں میں سامنے آتا رہا۔ اور آج تک آرہا ہے۔ قصۂ اِفک، سازشِ قتلِ امام الانبیاء۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ تحریک غزوۂ اَحزاب اور اس کے بعد صلیبی جنگوں کا سلسلہ۔ اور آج بوسنیا و ہرزوگوینا کے اس ملک کے مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے ہولناک مظالم، جو قلبِ یورپ میں واقع اور ان دشمن قوتوں کے اندر گھرا ہوا ہے۔ گزشتہ تین سالوں میں وہاں کے لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا جا چکا ہے۔ صدیوں پرانی تاریخی اور عظیم الشان مساجد اور مختلف قسم کے آثارِ قدیمہ کو مٹانے کے لئے ان کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جا رہا ہے تاکہ اس طرح مسلمانوں کے وجود اور ان کے آثار اور نشانات تک کو اس علاقہ سے مٹا دیا جائے۔ جَعَلَ اللّٰهُ كَيْدَهُمْ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَحَفِظَ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنْ مَكْرِهِمْ وَشُرُوْرِهِمْ۔ اور یہی سلوک ان ظالم اور دشمن طاقتوں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ آج چیچنیا، کشمیر، فلسطین، فلپائن اور ہندوستان وغیرہ دوسرے مختلف ممالک میں کیا جا رہا ہے اور اقوامِ متحدہ سمیت تمام عالمی تنظیمیں اور ادارے، انصاف اور حقوقِ انسانی کی پاسداری کے بلند بانگ دعووں اور نعروں کے باوجود اس ظلم پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ظالموں کی حمایت کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ظلم کا شکار ہونے والے مسلمان ہیں۔ اور ان کا مسلمان ہونا ہی وہ جرم ہے جو ان ظالموں کے یہاں ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اور اس طرح کی تمام عالمی تنظیموں اور اداروں پر غلبہ و تسلط انہی لوگوں کا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حقد و عداوت میں باہم ایک ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ ان کھلے دشمنوں اور مشرکوں کی طرح ان کلمہ گو مشرکوں کا بھی اہلِ حق کے خلاف ایسا ہی سلوک و برتاؤ رہا ہے، اور آج تک ہے۔ جو کہنے کو تو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں، اور بڑے بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہیں مگر ﴿وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [یوسف: ۱۰۶] کے ارشادِ ربانی کے مصداق وہ طرح طرح کے شرکیہ عقائد و اعمال کے مرتکب اور قسما قسم کی شرکیات میں ملوث ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ چنانچہ جاہل پیر، بدعتی ملاں، اور روافض و خوارج وغیرہ وغیرہ تمام گمراہ طبقے و فرقے، اہلِ حق کو تنگ اور بدنام کرنے کیلئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ ان پر افتراء باندھنا، جھوٹ بولنا، تہمتیں لگانا، ان کے خلاف طرح طرح کی ناروا کتابیں لکھنا، اشتہار چھاپنا، تقریریں کرنا، جھوٹے الزام لگانا وغیرہ وغیرہ ان لوگوں کا دن رات کا مشغلہ ہے۔ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ اللہ دشمنوں کے ہر شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

اَذًى كَثِيرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ

استقامت) سے کام لیا، اور تم لوگ تقویٰ (و پرہیز گاری) پر کار بند رہے، تو (یقیناً تم مراد کو پہنچ گئے کہ) بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے

مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ

ہے ۴۰۰ اور (وہ بھی یاد کرنے کے لائق ہے کہ) جب اللہ نے پختہ عہد لیا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ تم نے ضرور بالضرور اس کو کھول

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا

کر بیان کرنا ہے لوگوں (کی بھلائی اور نفع رسانی) کے لئے، اور اس (کے کسی بھی حصے) کو بھی تم نے چھپانا نہیں ۴۰۱ مگر (اس کے

تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

باوجود) انہوں نے اس (عہد و پیمان) کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بدلے میں انہوں نے (دنیاءِ دوں کے) گھٹیا مول کو اپنا لیا،

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ

سو بڑا ہی برا ہے وہ کچھ جسے یہ لوگ (حق کے مقابلے میں) اپنا رہے ہیں، ۴۰۲ (اور) کبھی گمان بھی نہ کرنا ان لوگوں کے بارے

۴۰۰ صبر و تقویٰ حفظ و امان کا ذریعہ و وسیلہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں نے صبر [و استقامت] سے کام لیا اور تم تقویٰ و پرہیز گاری پر کاربند رہے تو [یقیناً تم لوگ مراد کو پہنچ گئے کہ] بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ یعنی ان ہمت کے کاموں میں سے جو مسلمانوں کی شانِ رفیع کے لائق اور ان سے مطلوب ہیں کہ یہ ذریعہ و وسیلہ ہیں ان درجات و مراتب کے حصول کا جن سے ان کا ربِّ کریم ان کو نوازنا چاہتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس تم اے مسلمانو صبر و تقویٰ کو ہمیشہ اپنائے رکھنا کہ یہی ذریعہ و وسیلہ ہے حفاظت و سلامتی کا۔ روایات کے مطابق جب نبی اکرمؐ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پر موجود یہود و مشرکین نے آپؐ کو اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کیلئے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرنے شروع کیے۔ تو ان سے بچاؤ کیلئے اہلِ ایمان کو اس ارشادِ ربانی کے ذریعے صبر و تقویٰ کو اپنانے کی تلقین فرمائی گئی۔ (المراغی وغیرہ)۔ پس اہلِ کفر و باطل کی ایسی شرانگیزیوں اور ایذاء رسانیوں پر صبر و برداشت اور عزم و استقامت سے کام لینا اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا عزم و ہمت کے ان عظیم الشان کاموں میں سے ہے جو خداوندِ قدوس کی نصرت و امداد سے سرفرازی و سرشاری کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور یہی حضراتِ انبیاء و رسل اور ان کے سچے جاں نثاروں کی میراث اور فوز و فلاح کے لئے شاہِ کلید ہے۔ اس لئے اس کا پوری طرح سے خیال و اہتمام رکھنا ضروری ہے۔ و باللہ التوفیق، لما یحب و یرید، وعلی ما یحبُّ و یرید،

۴۰۱ یہود سے اظہار و تبیینِ حق کے عہد کا ذکر و بیان: -سو ان کے اس عہد و پیمان کی تذکیر و یاددہانی کے طور پر

ارشاد فرمایا گیا کہ جب اللہ نے پختہ عہد لیا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ تم نے ضرور بالضرور اس کو کھول کر بیان کرنا ہے لوگوں (کی بھلائی اور نفع رسانی) کے لیے اور اس (کے کسی بھی حصے) کو تم لوگوں نے چھپانا نہیں۔ تاکہ اس طرح لوگ اپنے خالق و مالک کی طرف سے نازل کردہ تعلیماتِ مقدسہ اور ارشاداتِ حقہ سے مستفید و فیضیاب ہوسکیں اور اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں، کہ وحیِ الٰہی اور ہدایتِ خداوندی کی روشنی و رہنمائی کے بغیر اس مقصدِ جلیل کا حصول ممکن نہیں۔ سو اس اعتبار سے وحی کے علوم کو چھپانا بہت بڑا جرم قرار پاتا ہے کہ اس طرح دنیا حقیقی سعادت اور فوز وفلاح سے محروم ہو جاتی ہے ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ ۔ اسی لئے سننِ ترمذیؒ وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے کسی ایسے علم کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس کے پاس تھا مگر اس نے اس کو چھپا لیا تو قیامت کے روز اسکو آگ کی لگام پہنائی جائیگی۔ (ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم) ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔۔ پس اس سے مسلمان کی وہ عظیم الشان ذمہ داری بھی واضح ہو جاتی ہے، جو علم کے بیان اور حق کی اشاعت کے سلسلے میں اس پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ اب حق دنیا میں وہی ہے جو مسلمان کے پاس ہے اور جو قرآن و سنت کے دو عظیم الشان و بے مثل مآخذ کی صورت میں آج تک موجود ہے اور قیامت تک باقی و موجود رہے گا۔ باقی تمام دنیا تو اندھیروں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اللہ حق کو بیان کرنے اور اسکے نورِ مبین سے آفاق کو منور کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اور اس عظیم الشان ذمہ داری سے سبکدوشی کی ہمت و توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

۴۰۲ یہود کی عہد شکنی کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس عہد اور اس کے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں انہوں نے دنیائے دُوں کے گھٹیا بدلے کو اپنایا۔ سو بڑا ہی بُرا ہے وہ کچھ جس کو یہ لوگ (حق پوشی اور حق فروشی کے عوض) اپنا رہے ہیں۔ کہ حق سے محرومی سب سے بڑی محرومی ہے اور اس محرومی کا باعث بننے والا یہ مال و دولت سب سے برا مال ہے، جو کوئی محروم اور بدبخت انسان اپنا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو اس کا ان لوگوں کو بڑا ہی سخت اور ہولناک بھگتان بھگتنا ہو گا اور ان کا یہ مال و متاع اس وقت ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گا۔ سو نورِ حق و ہدایت سے محرومی کا خسارہ بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے کہ اس سے انسان اس دنیا میں نورِ ہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ حیاتِ طیبہ (پاکیزہ زندگی) کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کی اس عارضی و فانی زندگی کی منزل سے گزرنے کے بعد جب وہ آخرت کے حقیقی اور ابدی جہاں میں پہنچتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے۔ جس سے اسکو وہاں کے عذابِ مقیم میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ بہرکیف اس سورۂ کریمہ میں اہلِ کتاب کو یہ آخری تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ تم لوگ اپنے خود ساختہ اور من گھڑت عہود کے حوالے دے کر حق کی مخالفت میں بڑی جابکدستی دکھا رہے ہو۔ لیکن اللہ کا وہ اصل عہد و میثاق جو اس وحدہٗ لاشریک نے اپنی کتاب کو کھول کر بیان کرنے کے سلسلے میں تم سے لیا تھا اور اس کی وہ ہدایت جو اس نے تمہیں فرمائی تھی کہ اس کی کسی بات کو تم نے چھپانا نہیں اس کو تم نے پسِ پشت ڈال دیا اور دنیائے دوں کے حقیر فائدے کے عوض اس کو تم نے قربان کر دیا۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر تم نے اس کی تحریف کے سنگین جرم کا بھی ارتکاب کیا ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا

میں جو خوش ہوتے (اور بغلیں بجاتے) ہیں اپنے کرتوتوں پر، اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں پر جو انہوں نے

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ

کئے نہیں، سو ان کے بارے میں کبھی یہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ عذاب سے کسی طرح کے بچاؤ (اور حفاظت) میں ہیں، (ہرگز نہیں،)

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

اور ان کیلئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے ۴۰۳ اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ ہر چیز پر پوری

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ۱۹ ع ۹ ۱۰

قدرت رکھتا ہے ۴۰۴ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات دن کے ادلنے بدلنے میں، (غور و فکر کے لئے) بڑی

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بھاری نشانیاں ہیں ۴۰۵ ان عقل خالص (وسلیم) رکھنے والوں کے لئے ۴۰۶ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے، بیٹھے، اور اپنے

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ۚۙ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ

پہلوؤں پر لیٹے، (ہر حال میں،) اور وہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں ۴۰۷ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں ۴۰۸ (اور پھر وہ بے ساختہ

اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ

پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب، تو نے یہ (سب کچھ) بے کار (اور بے مقصد) پیدا نہیں فرمایا، تو پاک ہے (ہر نقص و عیب

۴۰۳ **اہلِ باطل کیلئے ایک بڑا ہی دردناک عذاب والعیاذُ باللہ:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ ایسا دردناک اور اس قدر ہولناک کہ کوئی شخص اپنے طور پر اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس آیتِ کریمہ کا نزول اگرچہ یہودِ بے بہبود کے بارے میں ہوا لیکن اس کے حکم اور عموم میں ہر ایسا شخص داخل ہے جو اپنے برے افعال سے خوش ہوتا ہو اور نا کردہ امور پر اپنی تعریف چاہتا ہو۔ (معارف للکاندھلویؒ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس طرح کے ہر شر و فساد اور ہر بری نیت اور خصلت سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ جن لوگوں کے کارنامے یہ کچھ ہوں کہ انہوں نے دنیائے دوں کے حقیر مفادات کی خاطر اسقدر ڈھٹائی کے

ساتھ دین فروشی کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ والعیاذ باللہ۔ اور پھر وہ اپنے اس کارنامے پر خوش بھی ہوتے ہوں اور وہ چاہتے ہوں کہ ایسے کاموں کا کریڈٹ بھی حاصل کریں جو انہوں نے کئے نہ ہوں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو کبھی عذابِ الٰہی سے محفوظ نہ سمجھنا۔ وہ اس دنیا میں بھی عذاب کی زد میں ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لئے ایک بڑا دردناک عذاب ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

۴۰۴ اللہ تعالیٰ کی بے مثال بادشاہی اور اس کے کمالِ قدرت کا ذکر و بیان : ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین (کی اس پوری کائنات) کی۔ اور وہی ہے جو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ سو بادشاہوں کے بادشاہ اور اس شہنشاہِ حقیقی کی بادشاہی بے مثال اور اسکی قدرت لامحدود ہے۔ پس نہ کوئی کہیں چھپ کر اس کی پکڑ سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی کہیں بھاگ کر اس کی گرفت سے نکل سکتا ہے۔ کیونکہ نہ کوئی اسکی بادشاہی سے نکل کر کہیں جا سکتا ہے اور نہ ہی اسکی قدرتِ لامحدود سے باہر ہو سکتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات میں اس کے سوا کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پس جو لوگ اس سے سرکشی کرتے ہیں وہ ہر وقت اس کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی گرفت و پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس عظیم الشان بادشاہی میں اور کسی کا کوئی حق اور حصہ نہیں۔ نہ اسکے بنانے پیدا کرنے میں اور نہ اس کے حکم و تصرف میں۔ وہی وحدہٗ لاشریک اس کا خالق اور موجد بھی ہے اور وہی اس میں حاکم و متصرف بھی۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نہ اس کی تخلیق و ایجاد میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ اس کے حکم و تصرف میں۔ سبحانہٗ تعالیٰ

۴۰۵ کائنات کی نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت : ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں عقل خالص رکھنے والوں کے لیے۔ اس کے خالق و مالک کے وجودِ باجود کی اور اس کی توحید و وحدانیت کی۔ اس کے کمالِ حکمت و قدرت کی اور اس کی عظمت و جلال کی۔ اس کی رحمتِ بے نہایت اور عنایتِ بے غایت کی۔ اور اس کی عظمتِ شان اور رفعتِ مقام کی وغیرہ وغیرہ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو محبتِ دنیا میں اندھے اور بہرے ہو جانے والوں کی مت چونکہ ماری گئی ہے اس لئے وہ حق اور داعیٔ حق کی دعوت کا انکار کرتے ہیں لیکن نگاہِ عبرت و بصیرت رکھنے والوں کے لئے یہ پوری کائنات طرح طرح کی عظیم الشان نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کے بلند و بالا آسمان اور اس میں قائم و موجود عظیم الشان چراغوں اور اسکے بچھائے ہوئے کرۂ ارضی کے اس بے مثال و وسیع و عریض بچھونے میں۔ اور اسکے اندر پھیلی بکھری بے حد وحساب نعمتوں میں۔ اور دن اور رات کے ادلتے بدلتے اس عظیم الشان اور پرحکمت نظام میں عظیم الشان دلائلِ قدرت اور طرح طرح کی عظیم الشان نشانیاں ہیں اربابِ فکر و بصیرت کے لئے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت ایسی ہے کہ وہ ان میں غور کرتی ہی نہیں۔ یا صرف اسی حد تک غور کرتی ہے جس کا تعلق ان کے مادی فوائد اور منافع سے ہوتا ہے اور بس۔

۴۰۶ اُولُوا الْاَلْبَاب سے مقصود و مراد؟ : ۔ سو اولوا الالباب سے مراد عقولِ سلیمہ والے ہیں۔ سو حکمتوں بھری کائنات میں عقلِ خالص رکھنے والوں کیلئے بڑے نشانہائے عبرت و بصیرت ہیں اور عقلِ سلیم سے مراد ایسی عقل ہے جو اوہام وظنون کی میل کچیل اور عادات و تقالید وغیرہ کے زنگ اور انکی آلائشوں سے پاک وصاف ہو۔ کیونکہ جن

عقلوں کو اس طرح کا کوئی زنگ اور داغ دھبہ لگ جاتا ہے، وہ حق اور حقیقت کو اپنی اصل اور صحیح شکل وصورت میں دیکھنے سے قاصر اور عاری و ماؤف ہو جاتی ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جس کے نتیجے میں ایسے لوگ حق کو قبول کرنے کی بجائے الٹا حق کا مقابلہ کرنے اور اس کا راستہ روکنے کی تگ و دو میں لگ جاتے ہیں اور ایسے ایسے فلسفے بھگارنے شروع کر دیتے ہیں جن سے یہ اپنے باطل ہی کو حق کے رنگ میں پیش کر سکیں۔ یہاں تک کہ وہ لکڑی پتھر کے بتوں کے سامنے سر ٹیکنے اور گاؤ ماتا کے پیشاب پینے تک کے فلسفے بیان کرنے لگتے ہیں۔ یعنی حق سے منہ موڑنے اور نورِ حق سے محروم ہونے کے باعث وہ اس قدر نیچے گر جاتے ہیں اور ایسے اسفل سافلین میں پہنچ جاتے ہیں کہ جس چیز کو ایک شریف اور مہذب انسان اپنی زبان پر لانا بھی ایک بوجھ سمجھتا ہے اس پر ایسے لوگ فخر کرتے اور اس کے حق میں دلائل دینے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ ذلت و تباہی کے کس قدر گہرے کھڈے میں گر گئے ہیں۔ اس لئے ایسوں کی عقلوں کا کوئی اعتبار نہیں کہ وہ میلی بلکہ زنگ آلود ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اعتبار ان عقلوں کا ہے جو اس طرح کے ہر روگ سے سالم و محفوظ ہوں کہ حق کو اپنی اصل شکل میں دیکھنے، پہچاننے، اور قبول کرنے کی سعادت ایسے ہی خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم میں ایسے ہر موقع پر ''اُولُوا الْاَلْبَابِ'' فرمایا گیا ہے ''اُولُوا الْعُقُوْلِ'' نہیں فرمایا گیا کہ ''عقل'' اور ''لب'' میں یہی بنیادی فرق ہے کہ ''لب''، ''عقلِ خالص'' کو کہا جاتا ہے۔ اور ''عقل'' عام ہے ہر عقل کو کہا جاتا ہے خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ سو یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عام طور پر اردو تراجم میں جو ''اُولُوا الْاَلْبَابِ'' کا ترجمہ ''عقلمندوں'' وغیرہ جیسے لفظوں سے کیا جاتا ہے وہ اس لفظ کا پورا اور صحیح ترجمہ نہیں۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی بنیادی اور لغوی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ اَزِمَّةُ التَّوْفِيْقِ وَ السَّدَادِ - بہر کیف عقلِ سلیم رکھنے والوں کیلئے اس کائنات میں بڑے نشانہائے عبرت و بصیرت ہیں جن کے ذریعے ایسے لوگ معالمِ طریق اور نشانہائے منزل کا کام لیتے ہیں - وباللہ التوفیق - اللہ ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین

۴۲۷ ذکر و فکر دونوں کی ضرورت کا اظہار و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ گوہرِ مقصود سے سرفرازی کیلئے ذکر و فکر دونوں کی ضرورت ہے۔ سو اس سے ایک اور عظیم الشان حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ گوہرِ مقصود سے سرفراز و بہرہ ور ہونے کیلئے ذکر و فکر دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ یعنی اپنے آس پاس اور گرد و پیش کی اس عظیم الشان کائنات کے خالق و مالک کی یادِ دلشاد اور اس کی عظمت کا استحضار بھی دل میں موجود ہو۔ اور اس کی اس حکمتوں بھری کائنات میں غور و فکر بھی۔ تو اس سے ایمان و یقین میں جلا پیدا ہوتی اور قوت آتی ہے۔ مگر افسوس کہ دنیا کا حال اس سے یکسر مختلف ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ تو ان لوگوں کا ہے جو اس اتھاہ کائنات میں غور و فکر کرنے اور اس کے خزائن و دفائن کے دریافت کرنے اور ان سے طرح طرح کے مادی فائدے اٹھانے میں تو مصروف ہیں مگر وہ اس قادرِ مطلق اور واہبِ کل کی قدرتِ کاملہ اور عنایتِ شاملہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے جس نے یہ سب کچھ اس پر حکمت طریقے سے اور اس وسیع پیمانے پر ان کیلئے پیدا فرما کر اس طرح اس وسیع کائنات میں محفوظ فرما دیا ہے جیسا کہ اس نے اپنے اس کلامِ حق ترجمان میں دوسرے مقام پر اس طرح خود بیان فرمایا ہے ﴿ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ

فَوْقِهَا وَبَارَکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ﴾ الآیۃ [حٰم السجدۃ: ۱۰] جس سے یہ ناشکرے لوگ نسل درنسل اور پشت ہا پشت مستفید ہوتے جا رہے ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کفرانِ نعمت اور کیا ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کی ان بے انتہاء نعمتوں سے طرح طرح سے اور لگاتار فائدہ تو اٹھاتا جائے مگر وہ اسی سے غافل اور اس کا نافرمان ہو جس نے اسکو ان سے نوازا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ۔ جبکہ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے ذکر سے سرشاری کے دعویدار تو بنتے ہیں اور بہت سے اسکے ذکرِ پاک سے رطب اللسان رہتے بھی ہیں، مگر ایسے حضرات غور و فکر سے کام لینے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔ اور اس پر مزید یہ کہ ان میں بہت سے عناصر ایسے بھی ہوتے ہیں جو ذکر اذکار کے نام سے طرح طرح کی بدعتیں ایجاد کرتے اور اس ضمن میں ایسی ایسی شرکیات کے ارتکاب تک جا پہنچتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں وہ راہِ راست ہی سے بھی بھٹک جاتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ پس امن و سلامتی اور حق و ہدایت کی راہ ایک اور صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ ذکر بھی ہو اور فکر بھی۔ اور یہ سب کچھ قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں اور ان ہی کی مقرر کردہ حدود اور دائرہ کے اندر ہو۔ فَاِیَّاکَ نَسْأَلُ اللّٰھُمَّ التَّوْفِیْقَ لِذَالِکَ وَالسِّدَادَ وَالثَّبَاتَ عَلَیْہِ۔ بہرکیف ذکر و فکر دونوں سے سرفرازی مطلوب و مقصود ہے، ورنہ ذکر کے بغیر فکر محض مادہ پرستی، تن و توش کی خدمت، پیٹ کی پوجا اور اَہواء و اَغراضِ نفس کی بندگی بن کر رہ جاتی ہے۔ اور فکر کے بغیر محض ذکر ایک ایسا زبانی جمع خرچ بن جاتا ہے جس سے قلب و روح کی تطہیر و بالیدگی کا اصل مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ سو ذکر و فکر دونوں مطلوب ہیں اور ان دونوں کی یکجا موجودگی ہی سے گوہرِ مقصود حاصل ہوتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال

۱۷۸ غور و فکر کا محل مخلوق ہے، نہ کہ حضرتِ حق ۔جَلَّ مَجْدُہٗ۔: سو یہ ایک اور اہم نکتہ ہے جس کو یہاں واضح فرما دیا گیا۔ وہ یہ کہ غور و فکر کا محل مخلوق ہے نہ کہ خالق۔ کہ حضرتِ حق ۔جل مجدہٗ۔ کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ انسانی عقل و فکر اور دائرۂ مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ کہ انسان خود بھی مخلوق و محدود ہے اور اس کی عقل و فکر بھی مخلوق و محدود۔ اس لئے اس کی محض اپنی عقل کی پرواز کی بناء پر وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں۔ پس صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کی اس مخلوق میں غور و فکر سے کام لیکر اس خالقِ بے ہمتا کی عظمت کے اِحساس و اِدراک سے اپنے دل و دماغ کی دنیا کی آبادی کا سامان کرے۔ اور پھر وحی کے نور کے ذریعے اس تک رسائی حاصل کرے۔ اسی لئے حضرتِ نبیٔ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بارے میں مت سوچو بلکہ اس کی مخلوق کے بارے میں سوچو "لَا تَفَکَّرُوْا فِی اللّٰہِ وَلٰکِنْ تَفَکَّرُوْا فِیْمَا خَلَقَ" (اخرجہ ابن ابی الدنیا من حدیث عبداللہ بن سلام، محاسن التاویل) اور انسان جب اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرنے لگے تو اسے قدم قدم پر اس وحدہٗ لاشریک کی عظمت و وحدانیت کے دلائل و شواہد ملیں گے۔ حضرت شیخ ابوسلیمان دارانی ۔رحمۃ اللہ علیہ۔ فرماتے ہیں کہ میں جب اپنے گھر سے نکلتا ہوں تو جس چیز پر بھی میری نظر پڑتی ہے اس میں مجھے ایک عظیم الشان نعمت بھی نظر آتی ہے اور ایک بڑا سامانِ عبرت بھی۔ (محاسن التاویل وغیرہ) ۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ اللہ قلب و نظر کی ایسی ہی روشنی سے سرفراز و مالا مال فرمائے اور ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین

فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ

سے، اور اس سے کہ تُو یہ سب کچھ بے مقصد پیدا فرمائے) ۴۰۹ پس تو ہمیں (ہمارے اس ایمان وعقیدہ کے صلہ ونتیجہ میں اور اپنے

۴۰۹ کائنات کی تخلیق عبث و بیکار نہیں ہوسکتی :- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمانوں اور زمین کی اس کائنات کی تخلیق بیکار نہیں ہوسکتی کہ جب ایک عام اور معمولی چیز بھی کوئی بیکار و بے مقصد نہیں بناتا تو پھر کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ حکمتوں بھرا کارخانہ قدرت بیکار و بے مقصد ہو؟ سو زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی یہ ساری مخلوق بے مقصد نہیں ہوسکتی بلکہ یہ بڑی ہی بامقصد اور پر حکمت کائنات ہے۔ اور اس کو بے مقصد اور بیکار سمجھنا کافروں اور منکروں ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ﴾ [ص:۲۸]۔ اس کائنات میں غور وفکر کا سب سے بڑا اور اصل اور حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان اس میں غور وفکر سے کام لے کر اپنے اس خالق و مالک کی مغفرت حاصل کرے جس نے یہ سب کچھ اپنے کمالِ قدرت وحکمت سے پیدا فرمایا اور انسان کو اس سے طرح طرح سے مستفید وفیضیاب ہونے کا موقع بخشا۔ اور اس کے نتیجے میں اس کا دوسرا مقصد یہ قرار پاتا ہے کہ انسان اس کی ایک ایک چیز سے مستفید ہوتے وقت دل و جان سے اپنے اس خالق و مالک کا شکر بجالائے اور اس طرح ہر ہر قدم پر اپنے دل و دماغ کو نورِ معرفت سے منور کرے اور اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ چاہے۔ اور یہیں سے اس کا تیسرا بڑا مقصد واضح ہو جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آئے جس میں انسان سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھ ہو کہ اس نے اس کا کیا حق ادا کیا تاکہ شکر گزاروں کو انکی شکر گزاری کا پورا پورا صلہ وبدلہ ملے اور ناشکروں اور منکروں کو ان کے کفر وانکار کی قرارِ واقعی سزا ملے۔ تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ورنہ اس حکمتوں بھری کائنات کا وجود بیکار ہو کر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا شکر اللہ کی ہدایت اور اسکے رسولوں کی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں اور جو ربِّ خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی رسالتِ کاملہ کی صورت میں قیامت تک کے لئے موجود ہے۔ سو زمین وآسمان کی اس عظیم الشان کائنات میں صحیح طور پر غور وفکر کرنے سے اللہ کی وحدانیت و یکتائی اسکے رسولوں کی صداقت وحقانیت اور آخرت و قیامت کی ضرورت سب سے متعلق دلائل ملتے ہیں اور توحید و رسالت اور آخرت کے یہی تین بنیادی اصول دین کی اصل اساس و بنیاد ہیں۔ اور ان تینوں کی دعوت ہر آسمانی دین وشریعت میں ہمیشہ سے دی گئی۔ وَباللّٰهِ التَّوۡفِيۡقِ وَهُوَ الۡهَادِيۡٓ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيۡلِ۔ سو کائنات کی یہ کھلی کتاب عظیم الشان دلائلِ قدرت پر مشتمل ہے۔ مگر مشکل اور مشکلوں کی مشکل یہ ہے کہ انسان اس میں غور وفکر سے کام نہیں لیتا۔ وہ حیوانوں کی طرح اس کی ان گنت اور بے حد وحساب نعمتوں سے فائدے تو اٹھاتا ہے اور دن رات اور لگاتار اٹھاتا ہے مگر اس طرف کبھی توجہ نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ کس کی قدرت وحکمت اور رحمت وعنایت کا نتیجہ ہے؟ اور اس کا ہم پر کیا حق بنتا ہے؟ اور اس کا نتیجہ وانجام کیا ہونے والا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ سو وہ ادھر توجہ کرتا ہی نہیں الا ماشاء اللہ، سبحانہٗ تعالیٰ

هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

فضل و کرم کی بناء پر) بچالے دوزخ کے عذاب سے، اے ہمارے رب، بے شک جس کو تونے (اے ہمارے مالک!) ڈال

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا

دیا دوزخ میں، تو یقیناً اسکو تونے دوچار کردیا سخت (ذلت و) رسوائی سے، (اس کے اپنے کئے کی پاداش میں) اور ایسے ظالموں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

کے لئے کوئی (یارو) مددگار نہیں ہوگا ف۴۱۰ اے ہمارے رب، بے شک ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو جو پکار رہا تھا ایمان کے لئے

يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا

کہ (صدقِ دل سے) ایمان لاؤ تم سب (اے لوگو!) اپنے رب پر ف۴۱۱ سو ہم (صدقِ دل سے) ایمان لے آئے، پس تو اے

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا

ہمارے رب (اس ایمان کے طفیل) بخش دے ہمارے گناہوں کو ف۴۱۲ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیوں (کی میل کچیل) کو، (اپنے عفو و

مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ؕ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ

درگزر کے آب زلال سے) ف۴۱۳ اور ہمارا خاتمہ فرما نیک لوگوں کے ساتھ ف۴۱۴ اور عطا فرما دے ہمیں اے ہمارے رب، وہ کچھ کہ جس کا تونے ہم سے

۴۱۰ ظالموں کیلئے کوئی یار و مددگار نہیں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور صاف وصریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ ظالموں کے لیے کوئی یار و مددگار نہیں جنہوں نے نورِ حق اور راہِ صدق و صواب سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو دائمی خسارے میں ڈال دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو دینِ حق سے منہ موڑنے والے اپنا اور صرف اپنا ہی نقصان کرتے ہیں کہ اس طرح ایک طرف تو وہ نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر کفر و باطل کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور متاعِ حیات کو حق و ہدایت کی روشنی میں اسکے صحیح مصرف میں صرف کرنے کی بجائے اسکو کفر و باطل کے مہیب اور ہولناک اندھیروں کی نذر کردیتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ اپنے اس خالق و مالک سے منہ موڑ لیتے ہیں جو کہ ان کا کارسازِ حقیقی ہے۔ اور اس سے منہ موڑ کر ایسے لوگ جن دوسرے خودساختہ اور فرضی و وہمی سہاروں پر تکیہ و آسرا کرتے ہیں ان کی کوئی حقیقت ہی سرے سے نہیں ہوتی۔ سو اس طرح وہ ﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ﴾ کا مصداق بن جاتے ہیں جو کہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو ایسوں کے لئے فصل و تمیز اور جزاء و سزا کے اس ہولناک دن میں کوئی حامی

اور مددگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو حقیقی مددگار اور سب کا خالق و مالک ہے اس سے انہوں نے منہ موڑ رکھا تھا۔ والعیاذ باللہ۔ اور جو مختلف مددگار انہوں نے از خود مختلف ناموں سے فرض کر رکھے تھے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ وہ تو سب دھوکے کا سامان تھا ان کے کچھ کام آنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۴۱۱ ﴿مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ﴾ سے مقصود و مراد؟:۔ سو ''منادی'' سے یہاں پر مراد ہیں امام الانبیاء داعیٔ اکبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔ (محاسن، معارف اور مراغی وغیرہ)۔ جن جیسا دوسرا کوئی داعی نہ ہوا نہ قیامت تک کبھی ہوگا۔ اور جنہوں نے دعوت الی اللہ کا حق ادا کر دیا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔ جنہوں نے سب دنیا کو توحید کی دعوت دی اور عقیدۂ توحید کی اصل حقیقت سے دنیا کو روشناس فرمایا اور اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں طریقِ حق اور صراطِ مستقیم کی توضیح و تشریح کیلئے انہوں نے بے مثل جہاد فرمایا۔ اور ایسا جہاد کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ اور اپنی امت کو حق و ہدایت کی ایسی واضح اور روشن شاہراہ پر ڈال دیا جس میں نہ کوئی غموض باقی رہ گیا ہے نہ کسی طرح کا کوئی خفاء۔ اور اسکو ایسا واضح فرما دیا کہ ''لَیْلُهَا کَنَهَارِهَا'' یعنی ''اسکی رات بھی اسکے دن کی طرح واضح ہوگئی''۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَفْضَلَ مَا جُوْزِیَ بِهٖ نَبِیٌّ عَنْ اُمَّتِهٖ۔ سو ایسے اولوا الالباب کٹ حجتیوں سے کام لینے اور خوارق و معجزات کا مطالبہ کرنے کی بجائے پیغمبر کی دعوت پر فوری طور پر اور دل و جان سے لبیک کہتے ہیں کہ اپنے نورِ باطن اور صفاءِ قلب کی بناء پر پیغمبر کی دعوت ان کو اپنے دل کی آواز لگتی ہے۔ اور جس خدا اور آخرت کی دعوت ان کو پیغمبر کی طرف سے ملتی ہے اس کی شہادت وہ خود اپنے باطن کے اندر پاتے ہیں۔ اس لئے وہ پیغمبر کی دعوت کا مقابلہ کرنے کی بجائے صدقِ دل سے اس پر لبیک کہتے ہیں۔ اور اس طرح راہِ حق کو اپنا کر سعادتِ دارین سے سرفراز ہوتے ہیں۔ والحمد للہ۔ سو نداء منادی پر لبیک کہنا سعادت دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید۔ بکل حال من الاحوال

۴۱۲ ایمان کے وسیلے سے مغفرتِ سیّآت کی دعاء:۔ حرفِ ''فا'' یہاں پر تفریع کیلئے ہے۔ یعنی جب ہم ایمان لے آئے اے ہمارے مالک تو تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ یعنی ہمارے اس ایمان و عقیدہ کی بناء پر اور اسی کے طفیل میں۔ اسی لئے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے وسیلہ و واسطہ سے دعا مانگنا بالاتفاق جائز ہے۔ اور اس امر کی قرآن و سنت کی دوسری مختلف نصوص کے ذریعے تصریح فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ غار کے قصے میں اسکی ایک واقعاتی تصدیق کو ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ سو وہ اپنے پروردگار کے حضور عرض کرتے ہیں کہ مالک، جب ہم دعوتِ حق کے منادی پر ایمان لے آئے اور ان کی دعوت کو صدقِ دل سے قبول کر لیا تو اس کے صلے اور صدقے میں تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے اور ہم سے ہماری برائیوں کو اور ان کے اثرات کو مٹا دے۔ کہ تیری شانِ کرم و عطاء اور مغفرت و بخشش کی شان ہے اور ہم تیرے بندے اپنی سیآت و تقصیرات اور معاصی و ذنوب کا اِقرار و اِعتراف کرتے ہوئے اپنی مغفرت و بخشش کا سوال لیکر اور اپنے ہاتھ تیری بارگہ اقدسِ واعلیٰ میں پھیلائے حاضر ہو گئے ہیں۔ پس تو ہمارے ان ہاتھوں کو خالی نہ لوٹا اور اپنی مغفرت و بخشش کے آبِ زلال اور مائے صافی سے ہماری تقصیرات کی میل کچیل اور ان داغ دھبوں کو صاف فرما دے اور ہمیشہ رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرما دے ﴿انک انت الغفور

الرحیم، وانت السمیع العلیم، وانت علٰی ما تشاء قدیر یارب العالمین ﴾

۲۱۳ تکفیر سیّآت کی دعاء و درخواست: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ خوش نصیب اپنی دعاء میں مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو مٹا دے ہم سے ہماری برائیوں کو۔ یعنی ہماری طاعات و عبادات کو شرفِ قبولیت سے نواز کر۔ کیونکہ صغیرہ گناہ طاعات و عبادات کی قبولیت سے خود بخود معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّآتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْمًا ﴾[النساء:۳۱]۔ یعنی "اگر تم لوگ ان بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تم کو روکا اور منع کیا جاتا ہے تو چھوٹے گناہ ہم خود ہی تم سے معاف کر دیں گے، اور تم کو ایک بڑی ہی عزت کی جگہ میں داخل ہونا نصیب فرمائیں گے" اور یہاں پر اس زیرِ بحث آیتِ کریمہ میں جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مروی ہے ذنوب سے مراد کبائر ہیں اور سیّآت سے مراد صغائر۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ بہرکیف ان "اُولوا الْبَاب" کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ایمان کی دولت سے سرشار و سرفراز ہونے کے بعد اپنے رب کے حضور درخواست و دعاء کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما دے اور ان کی میل کچیل کو ہم سے دور فرما دے۔ تاکہ ہمارا دامن ان کے دھبوں سے پاک ہو جائے کہ یہ تیری ہی شانِ کرم و عطا ہے - تبارکت و تعالیت. پس ہمیں ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھ، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

۲۱۴ خاتمہ بالخیر کی دعاء و درخواست: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہمارا خاتمہ فرما نیک لوگوں کے ساتھ۔ یعنی اپنے ان نیک اور پاکیزہ بندوں کے ساتھ جو تیری رضاء کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں اور اسکے نتیجے میں وہ تیری جنت اور اس کی نعمتوں سے سرفراز و بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جن میں سرِفہرست حضراتِ انبیائے کرام - علیہم الصلوٰۃ والسلام - ہیں۔ اور ان کے بعد دوسرے صالحین۔ (صفوۃ البیان وغیرہ)۔ پس ہمیں انہیں حضرات کی طرح سچا پکا ایمان اور اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرما۔ اور "ابرار" جمع ہے "برّ" کی۔ جیسے "ارباب" جمع ہے "رب" کی۔ یا یہ جمع ہے "بارّ" کی جیسے "اصحاب" جمع ہے "صاحب" کی۔ اور "برّ"، "کثیر البر" یعنی ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جس کی نیکی کا دائرہ بہت وسیع ہو۔ سو اس طرح یہ دعاء خاتمہ بالخیر کی ایک عظیم الشان دعاء ہے جس میں بندہ اپنے رب سے یہ دعاء و درخواست کرتا ہے کہ مجھے اپنے خاص اور نیک بندوں سے تعلق رکھنے اور ان کے طور طریقوں کو اپنانے کی توفیق نصیب فرما۔ اور انہی کے عقیدہ و عمل پر ہماری زندگی کا خاتمہ فرما۔ سو محاورہ کی زبان میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے ساتھ ہوں۔ یعنی اسکے طور طریقے اور اسکے عقیدہ و مذہب پر ہوں۔ سو اس محاورے کے مطابق اور اس اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے ان لوگوں یعنی حضراتِ انبیائے کرام اور صلحائے عظام کے طور طریقوں اور انہی کے عقیدہ و عمل کی راہ پر قائم رکھ تاکہ جب ہماری موت آئے تو انہی حضرات کے طریقے پر آئے اور اس طرح ہماری بخشش کا سامان ہو جائے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وهو الهادی الٰی سواء السبیل -

وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

وعدہ فرما رکھا ہے اپنے رسولوں کے ذریعے ف۴۱۵ اور ہمیں رسوا نہیں کرنا قیامت کے روز ف۴۱۶ بے شک تو (اے اصدق القائلین!) خلاف

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ

نہیں کرتا اپنے وعدے کے ف۴۱۷ سو قبول فرمالیا ان کے رب نے ان کی ان دعاؤں کو، (اپنے کرم بے پایاں سے، اور فرمایا کہ میری شان یہی

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

ہے کہ) بے شک میں کبھی ضائع نہیں کرتا، تم میں سے کسی بھی شخص کے عمل کو، خواہ وہ کوئی مرد ہو یا عورت ف۴۱۸ تم سب آپس میں ایک دوسرے

بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

(کی جنس) سے ہو ف۴۱۹ سو جن لوگوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا (میری خاطر،) اور ان کو نکال باہر کیا گیا ان کے گھروں سے (ظلم و زیادتی کے

وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِيْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

ساتھ) اور جن کو (طرح طرح سے) ستایا گیا میری راہ میں ف۴۲۰ اور جو لڑے اور مارے گئے ف۴۲۱ تو میں ضرور مٹادوں گا ان سے ان کی برائیاں

۴۱۵ راہِ حق پر استقامت کی دعاء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ اپنے رب کے حضور مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں وہ کچھ عطا فرما دے جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے فرما رکھا ہے۔ یعنی دنیا کی عزت اور نصرت و غلبہ اور آخرت کی اس حقیقی اور ابدی زندگی میں دائمی فوز و فلاح، نعیم جنان اور اپنی رضاء کے شرف کے وعدے جو تو نے اے ہمارے خالق و مالک اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے فرما رکھے ہیں۔ سو تیرے وعدے تو بہر حال سچے ہیں مگر خطرہ ہماری اپنی طرف سے ہے کہ ہم کہیں راہِ حق و ہدایت سے بھٹک اور پھسل کر ان سے محروم نہ ہو جائیں۔ پس تو اے ہمارے مالک ہمیں راہِ حق و ہدایت پر پکا رکھ تاکہ ہم تیرے ان وعدوں سے سرفراز ہو سکیں۔ سو یہ دعاء دراصل راہِ حق پر پختگی اور استقامت کی دعاء ہے جو ان اولوا الالباب کی طرف سے ان کے خالق و مالک کے حضور کی جاتی ہے۔ سو راہِ حق و ہدایت پر صبر و استقامت اور اللہ والوں کی محبت و رفاقت دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند و سرفراز کرنے والی چیز ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور ہمیشہ راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ اللہ زیغ و زلل کے ہر شائبہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔ یارَبَّ العالمین

۴۱۶ قیامت کی رسوائی سے بچانے کی دعاء:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ مزید عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں قیامت کے دن رسوا نہیں کرنا کہ اس دن کی رسوائی بہت بڑی اور نہایت ہولناک و مہیب رسوائی ہوگی۔ اور تیری رحمت و عنایت کے سوا اور کوئی صورت اس سے بچنے کی ممکن نہیں۔ اور تیرا وعدہ ہے کہ تو اس روز کی رسوائی سے اپنے پیغمبر کو اور اس

پر ایمان لانے والوں کو محفوظ رکھے گا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ﴾ [التحریم: ۸]۔ پس ہمیں ایمان و یقین اور پیغمبر کی معیت سے ہمیشہ سرفراز و سرشار رکھنا تاکہ ہم اس دن کی اس ہولناک رسوائی سے بچ سکیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین و یاارحم الراحمین۔ بہرکیف قیامت کی رسوائی بڑی ہی ہولناک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے، آمین ثم آمین

۴۱۷ اللہ کا وعدہ قطعی اور پکا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ بندگانِ صدق و صفا اپنی دعا میں اپنے رب کے حضور مزید عرض کرتے ہیں بے شک تو (اے اصدق القائلین) خلاف ورزی نہیں کرتا اپنے وعدے کی۔ پس تیرے وعدوں کی خلاف ورزی کا تو کوئی خدشہ و امکان بہرحال نہیں لیکن اس بات کا ڈر اور خطرہ ضرور ہے کہ ہم کہیں نفسِ امّارہ اور شیطان مردود کے اِغواء اور دھوکہ میں آ کر راہِ حق سے بھٹک نہ جائیں۔ پس تو اے ہمارے مالک! اپنے کرم اور اپنے لطف و عنایت سے ہماری حفاظت فرما اور ہمیں ہمیشہ اپنی مرضیات پر چلنا نصیب فرما۔ اور ہمیں ہر زیغ و زلل سے محفوظ رکھنا۔ آمین۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ اولوا الالباب کی طرف سے حق کی یہ تائید دعوے کی شکل میں نہیں بلکہ دعاء کی شکل میں سامنے آئی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے اس ﴿اٰمَنَّا﴾ کی ذمہ داریوں اور اس کی مشکلات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس پر فخر کا اظہار کرنے کی بجائے نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے ڈال دیا کہ مالک! جس طرح تو نے اپنے کرم سے ہمیں اس ایمان کی توفیق بخشی، اسی طرح ہمیں اس راہ کی مشکلات اور ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرما۔ فانک انت المستعان وعلیک التکلان۔ سو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید و علی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۴۱۸ اللہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان سچے اہل ایمان کی دعاؤں کو قبول فرما لیا اور ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی شخص کے عمل کو کبھی ضائع نہیں کروں گا خواہ وہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ بلکہ میں ہر کسی کو اس کے کئے کرائے کا پورا بدلہ دیتا ہوں، بلکہ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہوں۔ اور اتنا دیتا ہوں اور اس طرح دیتا ہوں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ بلکہ انسان اپنے عمل کو بھول بھی جائے گا مگر وہ نہیں بھولے گا۔ بلکہ وہ اس کو محفوظ رکھے گا تاکہ ہر کسی کو اس کے کئے کا پورا بدلہ مل سکے۔ جیسا کہ سورۂ مجادلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿اَحْصٰہُ اللّٰہُ وَنَسُوْہُ﴾ الآیۃ [المجادلۃ: ۶] یعنی "یہ لوگ تو اپنے کئے کو بھول گئے ہیں مگر اللہ نے اس کو محفوظ رکھا ہوا ہے"۔ اسی لئے حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا ہے "اِنَّمَا ھِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْھَا لَکُمْ ، فَمَنْ وَّجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَیْرَ ذَالِکَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَہٗ" یعنی "تمہارے اعمال اے لوگو! تمہارے اپنے ہی لئے ہیں۔ میں تو ان کو تمہارے لئے محفوظ رکھتا ہوں۔ پس کل فیصلے اور بدلے کے اس موقع پر جو کوئی اچھائی پائے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق و عنایت سے اس کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ اور جس کا معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ خود اپنے ہی کو ملامت کرے کہ اس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ بہرکیف یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ اللہ کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ پس بندے کا کام ہے کہ وہ کام کئے جائے، اور آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کر دے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۴۱۹ مرد اور عورت کی جزا میں مساوات کی علّت اور سبب کا ذکر و بیان: ۔ سو مرد اور عورت کی جزا میں اس

مساوات کی علت کے ذکر و بیان کے سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا کہ تم سب باہم ایک ہو یعنی اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے، اور اس لحاظ سے کہ تم سب کا تعلق ایک ہی باپ اور اس کی اولاد سے ہے۔ اس لئے سب کیلئے قانون و ضابطہ بھی ایک ہی ہے کہ ہر کسی کو اسکے کیے کرائے کا عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق پورا پورا صلہ و بدلہ ملے گا۔ کسی کا کوئی حق نہیں مارا جائے گا۔ سو اس چھوٹے سے جملے سے جاہلیت کے ان تمام تصورات کی جڑ کاٹ دی گئی جو عورت کو اسکی فطرت و جبلت کے اعتبار سے ہی مرد سے کمتر مخلوق مانتے تھے۔ سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا عمل کے اعتبار سے مرد اور عورت دونوں باہم ایک برابر ہیں۔ نیز اس جملے سے اس بات کی دلیل بھی بیان فرما دی گئی کہ مرد اور عورت کا عمل باہم یکساں وزن کیوں رکھتا ہے۔ سو بتا دیا گیا کہ اس لئے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ دونوں ایک ہی ماں باپ سے ہیں۔ اس لئے محض خلقت و جبلت کے اعتبار سے کسی کو کسی پر کوئی فوقیت و فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت و فوقیت کا تعلق انسان کے ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار سے ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ سو محض نسل و نسب کی بناء پر اکڑنے اور اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھنے کی کوئی تک اور اساس و بنیاد نہیں، بلکہ مدار و انحصار انسان کے اپنے ایمان و عمل پر ہے۔

۴۲۵ بعض اہم اعمال کا ذکر و بیان: - سو اس سے عزت و عظمت سے ہمکنار کرنے والے بعض خاص اور اہم اعمال کا ذکر و بیان فرمایا گیا ہے۔ پس یہ ان کے بعض ان اہم اور خاص اعمال کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو وہ اپنے دین و ایمان کی خاطر اور اپنے رب اور خالق و مالک کی رضاء کے حصول کیلئے بجا لاتے ہیں۔ اور جن کی بناء پر وہ اس کے یہاں سے خاص رحمت و عنایت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ اور جو انسان کو عزت و عظمت اور شرف و منزلت سے ہمکنار و بہرہ مند کرنے والے اعمال ہیں۔ سو انسان کی اصل قدر و منزلت اسکے عمل و کردار سے ہے نہ کہ حسب و نسب اور قوم وغیرہ سے۔ کہ یہ مصنوعی چیزیں لوگوں نے ازخود گھڑ رکھی ہیں۔ سو اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کرنا اور اس کی راہ میں مصائب جھیلنا اور تکلیفیں برداشت کرنا حقیقی عزت و عظمت اور دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مند اور سرفراز کرنے والے اعمال ہیں۔ جیسا کہ اسلام کے اس ابتدائی اور انتہائی نازک دور میں اسلام کے سچے علمبرداروں نے کر کے دکھلایا۔ انہوں نے راہ حق میں ہر طرح کی قربانی دی اور ہر قسم کی مشقت برداشت کی۔ سو ایسے اعمال کو اپنانے کی کوشش کرنا ہی اصل مقصود ہے۔ اللہ توفیق بخشے آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین۔

۴۲۶ شہادت فی سبیل اللہ کی عظمتِ شان کا ذکر: - سو اللہ کی راہ میں شہید ہونا اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا صدقِ ایمان کا ایک واضح نشان اور کھلا ثبوت ہے۔ سو اس طرح انہوں نے اپنے قول و فعل سے اپنی صداقت اور اپنے ایمان و یقین کی پختگی کا ثبوت پیش کر دیا۔ سو اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء و خوشنودی کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا ایسے حضرات کے صدقِ ایمان اور پختگی یقین کی ایک واضح نشانی اور کھلا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ انسان کے نزدیک اس کی جان ہی سب سے زیادہ قیمتی شئے ہوتی ہے۔ سو ایسے سچے مسلمانوں نے اپنے دین و ایمان کی خاطر اسلام کے اس نازک دور میں جان و مال کی ہر قربانی دی اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے لرزہ خیز مظالم سہنے اور ان کے ظلم و ستم کا ہدف بننے کے باوجود انہوں نے کبھی پائے استقامت میں لغزش نہ آنے دی۔ سو یہ اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ اس طرح کی ہولناک ستم رانیوں کے باوجود دشمنانِ اسلام کسی ایک بھی شخص کو اسلام سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں کے سائے میں رکھے آمین

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور ضرور داخل کردوں گا ان کو ایسی عظیم الشان جنتوں میں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان اور

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

بیمثال) نہریں ۴۲۲ اللہ کے یہاں سے (ملنے والے) ایک عظیم الشان بدلہ (اور جزاء) کے طور پر ۴۲۳ اور اللہ ہی کے پاس ہے سب سے عمدہ

حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ

(اور کامل) بدلہ ۴۲۴ (اور خبردار اے مخاطب!) تم کو کبھی دھوکے میں نہ ڈالنے پائے چلنا پھرنا کافروں کا مختلف شہروں (اور ملکوں) میں

۴۲۲ جنت کی عظیم الشان نہروں کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں یعنی ایسے صاف و شفاف اور ستھرے نکھرے اور عمدہ پانی کی جو کبھی خراب نہ ہو۔ اور ایسے عمدہ و بے مثل دودھ کی جس میں کبھی فرق نہ آئے اور اس کا مزہ کبھی بدلنے نہ پائے۔ اور ایسی نفیس اور عمدہ شراب کی جو سراسر لذت و سرور ہوگی پینے والوں کیلئے۔ اور اس میں اس طرح کی کوئی ایسی خرابی نہ ہوگی جو دنیاوی شرابوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے۔ اور وہاں نہریں ہوں گی ایسے عمدہ و بے مثل شہد کی جسے ہر طرح کی کدورت سے پاک وصاف کر دیا گیا ہوگا۔ تو اس طرح کی عمدہ اور عظیم الشان نہریں ایسے خوش نصیبوں کیلئے وہاں موجود ہوں گی جیسا کہ سورۂ محمد وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اے اللہ، اے بے انتہا کرم والے اللہ، ہم سب کو اپنے کرم سے ان نعمتوں سے سرفراز و مالا مال فرما دے۔ آمین۔ سو کیسے محروم اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اس جنت اور اسکی ان عظیم الشان اور مثالی نعمتوں سے منہ موڑ کر اور اسکے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اسی دنیا کیلئے جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ كُلِّ زَيْغٍ وَّضَلَالٍ، وَسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الْاَحْوَالِ،

۴۲۳ ایک عظیم الشان صلہ و بدلہ کی بشارت و خوشخبری :- سو ایسے صدق شعاروں کیلئے اللہ کی طرف سے ایک عظیم الشان اور بے مثال صلہ و بدلہ کی بشارت و خوشخبری سنائی گئی ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ سو ان کو اس سے نوازا جائے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ملنے والے ایک عظیم الشان صلہ و بدلہ کے طور پر۔ ﴿ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کے اس چھوٹے سے جملے میں دو عظیم الشان حقیقتوں کو واضح فرما دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ یہ ان کے اعمال کا ایک طبعی نتیجہ ہوگا جس سے ان کو سرفراز فرمایا جائے گا۔ کیونکہ ثواب کے اصل معنیٰ اور اس کا لغوی مفہوم لوٹنے اور رجوع کرنے کا ہے۔ اور کپڑے کو بھی "ثوب" اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پرانے زمانے میں یہ طریقہ ہوا کرتا تھا کہ کپڑا بنانے والے ایک آدمی سے سوت لیتے اور پھر اس کا کپڑا بنا کر اس کو واپس لوٹا دیتے۔ تو یہ اس کا اپنا ہی سوت ہوتا تھا جو اب کپڑے کی شکل میں اس کو واپس مل جایا کرتا تھا۔ اس لئے اس کو "ثوب" کہا جاتا تھا۔ پھر اس کا اطلاق عام ہوگیا اور ہر کپڑے کو "ثوب" کہا جانے لگا۔ جیسا کہ عربی لغت میں بکثرت ایسے ہوتا ہے۔ اور اس کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ تو اس

سے اس حقیقت کی تصدیق وتائید ہوگئی کہ ہر عمل کا اپنا ایک طبعی اثر ونتیجہ ہوتا ہے جو عامل کی ذات اور اس کی شخصیت میں پیدا ہوتا اور نشوونما پاتا ہے۔ چنانچہ نیک اعمال اس کے تزکیے کے ذریعے اس کو جنت کی ان سدابہار نعمتوں کا اہل بنا دیں گے اور اس کو ان سے ہمکنار کر دیں گے۔ جبکہ برے اعمال اس کو خواہشات کی دلدل میں پھنسا کر اور اسے اوندھے منہ نیچے گرا کر ہاویہ جہنم میں پہنچا دیں گے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم -اور قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو دوسرے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں اور طرح طرح سے واضح فرمایا ہے مثلاً سورۂ شمس میں ارشاد ہوتا ہے ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾ یعنی ''کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے پاک کرلیا اپنی جان کو (آلائشوں اور نجاستوں سے) اور ناکام ونامراد ہوگیا وہ جس نے دھنسا دیا اس کو (ان آلائشوں اور غلاظتوں میں) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- اور دوسری اہم حقیقت جو اس آیتِ کریمہ کے اس مختصر سے جملے میں اِرشاد فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ ان خوش نصیب اور پاکیزہ حضرات کو ملنے والا یہ اجر وثواب بہت بڑا ہوگا۔ کیونکہ ایک تو ﴿ثَوَابًا﴾ کی تنوین تعظیم وتفخیم کے لئے ہے اور دوسرے اس لئے کہ اس میں ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ تو جب اس واہبِ مطلق کی عظمتِ شان کا کوئی کنارہ نہیں تو پھر اس کی بخشش وعطاء بھی اسی قدر اور اسی کی شان کے مطابق بڑی اور عظیم ہوگی- جَلَّ جَلَالُهٗ وَعَمَّ نَوَالُهٗ -اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے اپنے اس عظیم الشان شرف و اِعزاز سے مشرف فرمائے- آمین۔ نیز تیسرا پہلو اس ارشادِ ربانی کا اور حضرتِ حق -جل مجدہٗ- کی شانِ کرم وعطاء کا یہ ہے کہ وہ جنت اور اسکی بے مثال اور لامحدود نعمتوں سے سرفرازی کو اپنے بندوں کے عمل کا صلہ اور بدلہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ بندہ کے محدود ومختصر عمل میں اس کی گنجائش ہی کہاں کہ وہ جنت کی ان ابدی اور سدابہار نعمتوں کا بدلہ اور ان کا مقابل بن سکے۔ سو یہ اس مالک الملک -سبحانہٗ وتعالیٰ- کے کرمِ بے پایاں ہی کا ایک مظہر ہے کہ وہ جنت کی ان ابدی اور سدابہار نعمتوں کو اپنے بندوں کے عمل کا صلہ وبدلہ قرار دے رہا ہے- فالحمد للہ رب العالمین، بِکُلِّ حالٍ من الاحوال-

۲۷۶ سب سے عمدہ بدلہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس: -سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کے پاس ہے سب سے عمدہ بدلہ۔ اتنا کامل اور اس قدر عمدہ وعظیم الشان کہ اس کا تصور کرنا بھی کسی انسان کے بس میں نہیں۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں فرمایا گیا کہ میں نے اپنے نیک اور صالح بندوں کیلئے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، اور نہ ہی کسی بشر کے دل پر اس کا گزر ہوا۔ پھر آپ ﷺ- نے سورۂ سجدہ کی یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ پس مومن کو چاہیئے کہ ہمیشہ اسی اجر وثواب کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصدِ حیات بنائے، نہ کہ دنیائے دوں کے متاعِ غرور اور حطامِ فانی وزائل کو۔ اور ایسا عمدہ بدلہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کہیں سے ملنا ممکن ہی نہیں کہ وہ وحدہٗ لاشریک ایسی ہستی ہے جسکے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں اور جسکی عطاء وبخشش کا کوئی حد وکنارہ نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- وہ داتا جس کو چاہے دے اور جتنا چاہے دے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو ہمیشہ اسی سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرتے رہنا چاہیے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- وعلیٰ ما یحب ویرید، بِکُلِّ حالٍ من الاحوال،

كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝١٩٦ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ تف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ

(کہ یہ سب کچھ تو محض) چندروزہ سامان عیش وعشرت ہے (اور بس،) پھران کا دائمی ٹھکانا تو جہنم ہے ف۴۲۵ (ان کے اپنے کفراور غفلت

جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝١٩٧ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

شعاری کی بناء پر،) اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ، اس کے برعکس جو لوگ (زندگی بھر) ڈرتے رہے اپنے رب سے، ان کے لئے ایسی

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

عظیم الشان جنتیں ہیں (دائمی اور ابدی انعام وبدلہ کے طور پر) جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی (عظیم الشان اور

فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

بے مثل) نہریں، جن میں ان (سعادت مندوں) کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا ف۴۲۶ ایک عظیم الشان (اور بے مثل) مہمانی کے طور پر ف۴۲۷ اللہ تعالیٰ

لِّلْاَبْرَارِ ۝١٩٨ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

الثلثة

کے یہاں سے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے (اس کے) نیک بندوں کے لئے وہ (کفار کے اس چندروزہ سامان عیش وعشرت سے) کہیں

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ

بڑھ کر بہتر ہے، اور اہل کتاب میں سے بھی یقیناً کچھ لوگ ایسے (راست رو) ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور اس کتاب پر

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

جو اتاری گئی تمہاری طرف، اور اس پر بھی جو اتاری گئی ان کی طرف، اس حال میں کہ وہ (دل وجان سے) جھکے رہتے ہیں اللہ کے حضور وہ نہیں

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝١٩٩

اپناتے اللہ کی آیتوں کے بدلے میں (دنیاءِ دوں کا) تھوڑا (اور گھٹیا) مول ایسوں کے لئے ان کا اجر (وثواب) ہے ف۴۲۸ ان کے رب کے یہاں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف

بے شک اللہ بڑا ہی جلد حساب چکا دینے والا ہے، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم صبر (واستقامت) سے کام لیا کرو (تکالیف ومصائب پر)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

اور (ثابت قدمی و) پامردی دکھایا کرو دشمن کے مقابلے میں اور (مستعدو) کمربستہ رہا کرو (حق کی خدمت کے لئے) اور ڈرتے رہا کرو تم اللہ سے،

۴۲۵ کافروں کا دائمی ٹھکانہ جہنم :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم کو کبھی دھوکے میں نہ ڈالنے پائے کافروں کا چلنا پھرنا مختلف شہروں اور ملکوں میں کہ یہ سب کچھ تو محض چند روزہ سامانِ عیش وعشرت ہے اور بس۔ پھر ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔ اور جس کا دائمی ٹھکانا جہنم ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ تو اس کو اگر دنیا کی سب دولتیں بھی مل جائیں تو بھی اسے کیا ملا؟ کہ دنیا کی یہ زندگی خواہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، آخرت کی اس ابدی زندگی کے مقابلے میں چند منٹوں اور سیکنڈوں کی حیثیت بھی نہیں رکھتی کہ ایک محدود و مختصر شے ایک لامحدود شے کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینِ حق اور ایمان و یقین کی دولت سے محروم لوگ کس قدر بدبخت اور کتنے محروم لوگ ہیں۔ اگرچہ ان کو دنیا بھر کی دولت بھی یکجا مل جائے کہ ان کا آخری انجام جہنم ہے۔ اور اسکے برعکس ایمان و یقین والا انسان کس قدر خوش نصیب انسان ہے۔ اگرچہ اسے نانِ جویں بھی میسر نہ ہو کہ اپنے اس ایمان و یقین کے بدلے اور صلے میں وہ جنت کی ان ابدی اور سدابہار نعمتوں سے سرفراز و سرشار ہوگا جو لامحدود اور دائمی نعمتیں ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنِ بِمَحْضِ الْمَنِّ وَالْكَرَمِ وَالْاِحْسَانِ۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى۔ بہرکیف کافروں کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور جس کافر کا انجام یہ ہونے والا ہے اس کو اگر دنیا ساری بھی مل جائے تو بھی اس کو کیا ملا؟۔ سو کفر و انکار محرومیوں کی محرومی اور ہلاکتوں کی ہلاکت ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۴۲۶ جنت کی ایک منفرد صفت، خلود و دوام :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو وہاں ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ سو دوام و خلود کی یہ نعمت جنت کی ایک خاص منفرد اور عظیم الشان نعمت ہوگی جس سے اہلِ جنت کو مشرف و سرفراز فرمایا جائے گا کہ ان کو وہاں پر ان عظیم الشان اور بے مثل نعمتوں میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہنا نصیب ہوگا۔ جبکہ دنیا کی نعمتیں بھی عارضی اور فانی اور ان سے فائدہ اٹھانے والے لوگ بھی فانی۔ یہاں کی کسی بھی شے کیلئے دوام و قرار اور ہمیشگی ممکن نہیں کہ اسکی صفت ہے ۔ لَا بَاْسٌ يَدُوْمُ وَلَا نَعِيْمٌ ۔ کہ نہ اسکی تکلیف ہمیشہ رہنے والی اور نہ اسکی نعمت و آسائش۔ بلکہ یہ دنیا ساری کی ساری اور اسکے اندر جو کچھ ہے وہ سب فانی و زائل اور عارضی و وقتی ہے۔ پس عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ انسان اپنی آخرت ہی کو پیشِ نظر رکھے اور اسکے تقاضوں کو سب سے مقدم جانے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال، وَهُوَ الْهَادِیْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

۴۲۷ "نُزُلٌ" کا معنیٰ و مفہوم؟:- سو "نُزُلٌ" اصل میں اس ضیافت و مہمانی کو کہا جاتا ہے، جو ابتداء میں مہمان کے آنے پر پیش کی جاتی ہے۔ پھر اس کا اطلاق مطلق مہمانی پر کیا جانے لگا۔ ابتدائی مہمانی میں چونکہ خاص اکرام و اعزاز بھی پایا جاتا ہے۔ شاید اسی لئے یہاں اس لفظ کو اختیار فرمایا گیا ہے کہ یہ مہمانی اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کی طرف سے ہوگی جس کے کرم کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اسی لئے دوسرے مقام پر اس کو رزقِ کریم بھی فرمایا گیا ہے۔

سو جس جنت کی نعمتوں کی عظمتِ شان کا یہ عالم ہو اور جس سے سرشار و سرفراز ہونے والوں کا اعزاز و اکرام اس درجے کا ہو اسکے مقابلے میں دنیا کے اس متاعِ قلیل کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ جس پر ابنائے کفر و باطل مست و مگن ہیں۔ وَاللّٰهُ الْهَادِیْٓ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔ سو جنت اور آخرت ہی کو اپنا اصل مقصود بنانا چاہیے جس کی نعمتیں اصل، حقیقی اور دائمی ہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور ہر اعتبار سے حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۲۲۸ دوہرے اجر کے مستحقوں کا ذکر: ۔سو اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والوں کیلئے دوہرے اجر کی بشارت ہے جو ان کی امتیازی شان کے لائق ہوگا۔ سو پہلے عام اہلِ ایمان کے اجر و ثواب کا بیان تھا۔ اب یہ خاص اہلِ کتاب میں سے ایمان لانے والے حضرات کے اجر کا بیان ہے کہ ان کو دوہرے اجر سے نوازا جائے گا۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔ ان میں ایک اہلِ کتاب میں سے وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر وہ محمدؐ پر بھی ایمان لایا۔ اور دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اور تیسرا وہ شخص جسکے پاس باندی ہو تو وہ اسکی اچھی تعلیم و تربیت کرے پھر اسکو آزاد کر کے اس سے خود نکاح کر لے۔ (بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ، مسلم کتاب الایمان)۔ بہرکیف اوپر کی آیاتِ کریمات اور بحیثیت مجموعی اس پوری سورۂ کریمہ میں ہٹ دھرم اور ہوٰی و ہوس کے پجاری اہلِ کتاب کے رویے کی شدید مذمت فرمائی گئی ہے۔ اب آخر میں ان حق پرست اہلِ کتاب کی تحسین فرمائی گئی ہے جو اپنی سابقہ کتابوں پر بھی ایمان لائے اور اس کے مطابق راہِ حق پر قائم رہے۔ اور اب وہ دولتِ اسلام سے بھی مشرف و سرفراز ہوئے۔ سو ان کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لئے ان کا وہ اجر ہے جو ان کے لئے خاص ہے اور جس کے یہ اپنے صدق و اخلاص کی بناء پر مستحق ہیں۔ والحمد للہ۔ سو صدق و اخلاص عظیم الشان دولت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور اس درجے میں نصیب فرمائے کہ وہ ہم سے راضی ہو جائے، آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۲۲۹ فلاح کا مفہوم اور اس سے سرفرازی کا طریقہ؟: ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یہ اور یہ کام کرو تا کہ تم فلاح پا سکو۔ اور فلاح کا حصول اور اس سے سرفرازی اصل مقصود اور گوہرِ مطلوب ہے جسکے معنیٰ ہیں کہ انسان دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی امن و سکون اور خیر و برکت والی پاکیزہ زندگی یعنی حیاتِ طیبہ سے سرفراز ہو جائے۔ اور اسکے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی رضائے خداوندی اور نعیمِ جنان سے فائز المرام ہو جائے۔ اور اس مقصدِ جلیل کیلئے اس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو چار باتوں کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ایک ''صبر'' یعنی راہِ حق پر پکے اور ثابت قدم رہو اور دوسرے ''مصابرت'' یعنی دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی و پامردی۔ اور تیسرے ''مرابطہ'' یعنی حق کی خدمت و اتباع کیلئے تیار و مستعد رہنا اور دشمنوں کی شرانگیزیوں کے بارے میں چوکنے اور بیدار رہنا۔ اور چوتھے تقوٰی و پرہیزگاری کا اہتمام والتزام۔ جو کہ اصل میں ایسے تمام امور کیلئے سرچشمۂ قوت ہے۔ سبحان اللہ۔ کس قدر جامع اور انقلاب آفرین ہے یہ آیتِ کریمہ؟ ۔اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَاَعِنَّا عَلٰٓی اَعْدَآئِنَا فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا مِنَ النَّفْسِ وَشَیَاطِیْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ اور فلاح ہی اصل مقصود اور سب

سے بڑی کامیابی ہے۔ بہرکیف آیتِ کریمہ میں فلاح کے حصول اور اس سے سرفرازی کا طریقہ تعلیم و ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اللہ ہم سب کو محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین و یا ارحم الراحمین یا من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر ولا یجار علیہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے ہمیشہ محفوظ رکھے، امین ثم امین یا ربَّ العالمین، ویا اکرم الاکرامین

☆--- ۱۴۔ شوال ۱۴۱۵ ہجری مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۹۵ء بروز بدھ، منطقہ اُم ہریز بردبی، متحدہ عرب امارت والحمد للہ رب العالمین۔ قبل کلِّ شیءٍ وبعد کلِّ شیءٍ سبحانہٗ وتعالیٰ

☆--- تکمیل نظرِ ثانی ۲۹ جمادی الاخری ۱۴۱۷ ہجری مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعہ بوقت پونے ایک بجے شب۔ والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- تکمیل پروف ریڈنگ ۲۴ شوال ۱۴۲۰ ہجری مطابق ۳۰ جنوری ۲۰۰۰ء بروز اتوار بوقت ساڑھے دس بجے دن، سطوہ، دبی۔

☆--- تکمیل تیسری پروف ریڈنگ ۷ شوال ۱۴۲۰ ہجری مطابق ۲۔ جنوری ۲۰۰۱ء بروز منگل بوقت ساڑھے بارہ بجے دن۔ عند اذان الظہر۔ سطوہ، دبی۔ والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل چوتھی ریڈنگ ۲ ذوالحجہ ۱۴۲۲ ہجری مطابق ۱۴ فروری ۲۰۰۲ء بروز جمعرات بوقت سات بجے شام۔ بعد از نماز مغرب۔ سطوہ، دبی۔ والحمد للہ رب العالمین

☆--- تکمیل پانچویں ریڈنگ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۳ ہجری مطابق ۲ دسمبر ۲۰۰۲ء بروز پیر بوقت دس بجے دن، سطوہ، دبی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

☆--- اللّمسَاتُ الاخیرۃ (Final touchs) ۲ رمضان المبارک ۱۴۲۴ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۲۰۰۳ء بوقت سوا دو بجے دن، مدنی منزل، معمورۃ المدنی (گہل) منگ، ضلع سدھنوتی، آزاد کشمیر، پاکستان۔ والحمد للہ رب العالمین۔ قبل کل شیءٍ وبعد کل شیء، فانہ منہ الصدق والصواب، والیہ المرجع والمآب۔

ایاتھا ـ ۱۷۶ ۴ سُورَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ رکوعاتھا ـ ۲۴

سورۃ النساء ۱ مدنی ہے، اسکی ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے،

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ

اے لوگو، ڈرو تم اپنے اس رب سے ۲ جس نے پیدا فرمایا تم سب کو ایک ہی

۱ سورہ نساء کی وجہ تسمیہ: - چونکہ اس سورہ کریمہ میں عورتوں کے حقوق نسبتاً زیادہ بیان ہوئے ہیں، اس لئے اس کا نام النساء رکھا گیا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں پورے قرآن مجید میں سورہ الرِّجَال (مردوں کی سورت) کے نام سے کوئی سورت نہیں ہے، تو پھر کتنے بے انصاف اور کس قدر ظالم ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو حقوق نہیں دیئے- خَذَلَھُمُ اللّٰہُ وَقَاتَلَھُمْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ - اور اس سورہ کریمہ میں چونکہ قرابت کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں ہدایت وارشادات ہیں اس لیے اس کا آغاز تقویٰ کے امر وارشاد سے فرمایا گیا ہے، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جو انسان کو ان حقوق کی حفاظت و پاسداری اور انکی ادائیگی پر آمادہ و تیار کرسکتی ہے، بہر کیف چونکہ اس سورہ کریمہ میں عورتوں کے حقوق سے متعلق زیادہ احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں- اسی لئے اس کو سورہ طلاق کے مقابلے میں سورہ نساء کبریٰ یعنی بڑی سورہ نساء کہا جاتا ہے- جب کہ سورہ طلاق کو سورہ نساء صغریٰ یعنی چھوٹی سورہ نساء کہا جاتا ہے- (صفوۃ التفاسیر وغیرہ) بہر کیف اس سورہ کریمہ میں معاشرتی زندگی سے متعلق اہم اصول وقواعد بیان فرمائے گئے ہیں اور تمام بنی نوع انسان کو ایک خاندان قرار دیا گیا ہے جس کی ابتداء ایک مرد اور ایک عورت سے ہوئی- یعنی حضرتِ آدم اور حواء سب نسلِ انسانی انہی سے چلی- والحمد للہ جل وعلا- بکل حال من الاحوال

۲ تقویٰ رب کی ربوبیت کا تقاضا: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اس کی ربوبیت کا تقاضا یہی ہے کہ تم اسی سے ڈرو اور اس کی ہر نافرمانی سے بچو، کہ اس میں خود تمہارا اپنا ہی بھلا ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی، پس عبادت و بندگی کی ہر قسم خاص اسی کیلئے ادا کرو- سبحانہٗ وتعالیٰ- اور اس میں کسی کو بھی کسی بھی طرح اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور جب تمہارا خالق و مالک اور رب وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم اسی سے ڈرو اور ہمیشہ اسکی رضاء و خوشنودی کا خیال رکھو، سو یہ مخلوق آپ سے آپ وجود میں نہیں آگئی، بلکہ ایک خالقِ کل اور قادرِ مطلق کی تخلیق و ایجاد سے وجود پذیر ہوئی ہے تو انسان کے ذمے لازم آتا ہے کہ وہ اپنے اس خالق و مالک کا حق پہچانے اس کا شکر ادا کرے- اور اس کی پیدا کردہ اس مخلوق میں اس کی مقرر فرمودہ حدود کی پابندی کرے اور اس کی بغاوت و سرکشی سے بچے اور تقویٰ و پرہیزگاری کی روش کو اپنائے- وباللہ التوفیق- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی عبادت و بندگی اور اپنی یاد سے شاد کام رکھے- آمین ثم آمین یارب العالمین

نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا

جان سے ۳ اور پھر اس نے اسی (جان) سے پیدا فرمایا اُس کا جوڑا (اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے) ۴ اور اس نے پھیلا دیا

رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ

ان دونوں (میاں بیوی) سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو ۵ اور ڈرو تم اللہ سے جس کے نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے

بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ①

سوال کرتے ہو ۶ (اپنے حقوق و مطالبات میں،) اور ڈرو تم رشتوں (کے بگاڑ) سے ۷ بے شک اللہ نگاہ رکھے ہوئے ہے تم سب پر

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ

اور دے دیا کرو تم یتیموں کو ان کے مال، اور تم مت بدلو ناپاک کو

بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ ؕ

پاک سے، اور تم مت کھاؤ ان (یتیموں) کے مال، اپنے مالوں سے ملا کر،

اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ② وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا

بلاشبہ یہ بہت بڑا گناہ ہے، اور اگر تمہیں اندیشہ ہو اس بات کا کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے

۳ تمام بنی نوعِ انسان کا آغاز ایک ہی جان سے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا فرمایا۔ سو ایک ہی جان سے بے شمار مخلوق کی تخلیق، قدرت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے اور اتنی بے شمار مخلوق جو اپنے اندر گوناگوں اختلافات رکھتی ہے، اس سب کو ایک ہی جان سے اس طرح پیدا کر دینا، اس کی وحدانیت و قدرتِ مطلقہ اور حکمتِ بالغہ کا ایک عظیم الشان مظہر ہے۔ پس وہی وحدہٗ لاشریک ہر قسم کی عبادت کا حقدار ہے، اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں ہو سکتا، نیز وہ قادرِ مطلق جب ایک جان سے اتنی گوناگوں مخلوق کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، تو یقیناً وہ ان سب کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دینے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے، اور اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ سب کو دوبارہ پیدا فرما کر ان کو زندگی بھر کے انکے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دے، تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں، سو اس گوناں گوں مخلوق میں اس قادرِ مطلق کی قدرت، حکمت اور وحدانیت کے عظیم الشان دلائل ہیں۔ بہر کیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پوری نسل انسانی ایک ہی قبیلہ اور

ایک ہی گھرانا ہے، کہ یہ سب آدم ہی کی اولاد اور انہی کی نسل ہے، سو اس اعتبار سے ان میں عربی وعجمی احمر واسود اورشرقی وغربی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، بلکہ سب ہی نسلِ آدم کے افراد ہیں، اور خدا اور رحم کا رشتہ ان سب کے درمیان قدرِ مشترک ہے، جیسا کہ حضرت نبیٔ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم سب لوگ آدم سے ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے (كُلُّكُمْ مِنْ اٰدَمَ و اٰدَمُ مِنْ تُراب) سو اس حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ سب ایک ہی خدا کے بندے اور ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے اعتبار سے مشترک گھرانے کے افراد کی طرح آپسمیں حق وانصاف اور مہر ومحبت کے تعلقات رکھنے والے بن کر امن وسکون کی پرلطف زندگی گزاریں۔ پس نہ کوئی کسی پر کوئی زیادتی کرے اور نہ کوئی کسی کا حق مارے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۴ ایک ہی جان سے اسکے جوڑے کی پُرحکمت تخلیق:- سو ارشاد فرمایا گیا اور پھر اس نے اسی جان سے پیدا فرمایا اس کا جوڑا جو کہ اس کی قدرت وحکمت کا ایک عظیم الشان اور حیرت انگیز کرشمہ ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - یعنی اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ دونوں باہم انس ومحبت سے گزر بسر کرسکیں، کہ اپنی اصل اور جبلت میں دونوں ایک ہی ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا وَمِنْ اٰیٰاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [الروم-۲۱] سو مرد اور عورت دونوں کی تخلیق میں جس قادرِ مطلق کی رحمتیں اور عنایتیں تمہیں اس پرحکمت طریق سے احاطہ کئے ہوئے ہیں، اس کو تم کیسے بھول سکتے ہو؟ اور اس سے غافل ولاپرواہ ہونا کس قدر ظلم ہے؟ -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور ان دونوں کی تخلیق اس قادرِ مطلق نے ایسے حکمت بھرے انداز میں فرمائی کہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج اور ضرورت مند ہے، اور ان میں سے ہر ایک کی زندگی کی تکمیل دوسرے سے وابستہ ہے، اور ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر ناقص اور ادھوری ہے، بہرکیف جنسیت یعنی ہم جنس ہونا باہمی تضامن وتآلف کی علت ہے سو جس طرح سورۂ روم کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ اور سورہ نحل کی آیت نمبر ۷۲ میں فرمائے گئے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ یہ بیویاں ہر ایک کے اندر سے پیدا ہوئیں بلکہ اس سے مراد جنس ہے، اسی طرح یہاں پر بھی خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے مراد جنس ہے۔ (محاسن التاویل المنار اور تدبر وغیرہ) بہرکیف یہ قدرت کا ایک نہایت ہی پرحکمت نظام ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ فلہ الحمد ولہ الشکر بکل حال من الاحوال

۵ قدرت کا ایک عظیم الشان اور محیر العقول کرشمہ:- سو ایک ہی جوڑے سے بے شمار وگوناں گوں مخلوق کی تخلیق کا کرشمہ قدرت کا ایک عظیم الشان، حکمتوں بھرا اور محیر العقول کرشمہ ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر اس نے ان دونوں سے بے شمار مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ پس دنیا ساری دراصل ایک ہی برادری اور ایک ہی خاندان ہے، اس لئے ان کو باہم اسی انس ومحبت، اور خیر خواہی وبھلائی اور اسی پیار بھری فضاء میں رہنا چاہیئے جس کا ایک برادری اور خاندان کے اندر پایا جانا ضروری ہوتا ہے، کاش کہ راہِ حق سے بھٹکی ہوئی دنیا کو اس ایک ہی ارشادِ ربانی پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہو جاتی تو وہ اس شر وفساد اور قتل وخونریزی سے بچ جاتی جس نے آج پوری دنیا کو ایک

آتشکدہ بنا کر رکھ دیا ہے، اور جگہ جگہ فساد اور قتل وخونریزی کا دور دورہ ہے وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ نیز اس سے اس حقیقت کو بھی آشکارا فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حوا کو آدم کی جنس ہی سے بنایا ہے اس لئے عورت کوئی ذلیل وحقیر اور فروتر وفطری گنہگار مخلوق نہیں جیسا کہ اسکے بارے میں کہا اور سمجھا گیا بلکہ یہ بھی شرفِ انسانیت میں شریک اور مرد کی برابر کی شریک ہے۔ پس نہ اس کو حقیر وذلیل مخلوق سمجھ کر اس کے حقوق سے محروم کرنا جائز ہوسکتا ہے اور نہ اس کو ضعیف وکمزور خیال کر کے ظلم وستم کا نشانہ بنانے کی اجازت ہوسکتی ہے۔ جس طرح کہ اسلام کے نورِ عظیم کے طلوع سے پہلے ہو رہا تھا - والعیاذ باللہ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے امین ثم امین

۶ اللہ کے نام پاک کی عظمت اور برکت کا ایک عظیم الشان مظہر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ڈرو تم لوگ اس اللہ سے جس کے نام پر تم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ کہ تم خدا تعالیٰ کا نام پاک استعمال کر کے ایک دوسرے کو واسطہ دیتے، اور سوال کرتے ہو، مثلاً یہ کہ اللہ کے لئے' یا خدا کے واسطہ ایسے کرنا' یا اللہ کے نام پر یہ دیدو، وہ دیدو، وغیرہ، (مدارک' خازن' جامع، روح وغیرہ) اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو تم سے اللہ کا نام لے کر پناہ مانگے تم اس کو پناہ دے دیا کرو، اور جو اللہ کے نام سے سوال کرے تم اس کی حاجت پوری کر دیا کرو، (ابوداؤد، کتاب الادب، واحمد ونسائی وغیرہ) تو خلق وایجاد اور وجود وبقاء سے متعلق اس وحدہٗ لاشریک کی دیگر بے شمار نعمتوں کے علاوہ تم اس کے نام پاک سے ہی کس قدر فائدہ اٹھاتے ہو، پھر کس طرح اس کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ تم اس کو بھول جاؤ، یا اس کی عبادت وبندگی میں دوسروں کو اسکے ساتھ شریک کرنے لگو؟ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ سو معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور ہر نعمت اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے۔ سو جو لوگ اس کے نام پاک سے اپنے حقوق مانگتے ہیں ان کو یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ان کے ذمے بھی اس کے کچھ حقوق وفرائض عائد اور واجب ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کی بھی اس کو فکر وکوشش کرنی چاہئے وباللّٰہ التوفیق. یحب و یرید

۷ رشتوں کے بگاڑ سے بچنے کی تعلیم وتلقین: - سو ارشاد فرمایا گیا اور ڈرو تم لوگ رشتوں [کے بگاڑ] سے" کہ ان کے بارے میں کہیں تم قطع رحمی یا حق تلفی کے مرتکب نہ ہو جاؤ کہ یہ بڑا کبیرہ گناہ ہے، حدیث پاک میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قاطع رحم، یعنی رشتہ داری کو کاٹنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا (بخاری کتاب الادب، مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب) اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایمان ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، تو وہ صلۂ رحمی کرے، (بخاری کتاب الادب) سو اس سے معلوم ہوا کہ صلۂ رحمی ایمان کا تقاضا ہے وباللّٰہ التوفیق وھو الھادی اِلی الصِّدقِ وَالصّواب سو جس طرح تم لوگ خدا کا واسطہ دیکر دوسروں سے اپنے حقوق اور مفادات کا مطالبہ اور سوال کرتے ہو اسی طرح تم رحم کا واسطہ دے کر بھی دوسروں سے سوال اور مطالبہ کرتے ہو۔ اور خدا اور رحم کے واسطے سے کی جانے والی اپیل اور اس پر مبنی مطالبہ چونکہ فطرت پر مبنی ہوتا ہے اس لئے اکثر حالات میں یہ اپیل مؤثر بھی ہوتی ہے، تو پھر تم لوگ خداوندِ قدوس اور رحم کے حقوق کیوں بھول جاتے ہو؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - للعظیم، بکل حال من الاحوال

فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى

یتیموں کے بارے میں، ف۸ تو تم نکاح کرلیا کرو ان دوسری عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں، دودو،

وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

تین تین، اور چار چار، ف۹ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے (ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان،) تو پھر

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۭ ﴿۳﴾

تم ایک ہی پر اکتفا کرلیا کرو، یا ان باندیوں پر جن کے مالک ہوں تمہارے داہنے ہاتھ، یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو، ف۱۰

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ

اور دے دیا کرو تم اپنی عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ

۸ یتیموں کے بارے میں عدل و انصاف کی تعلیم و تلقین: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اگر تمہیں یتیموں سے بے انصافی کا خوف و خدشہ ہو تو تم اس سے بچنے کے لئے آئندہ بتائی جانے والی ہدایات پر عمل کرو اور ان کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ نہیں کرنا جس طرح کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ یتیم بچیوں میں سے جن کے پاس مال وغیرہ ہوتا، یا ان کا حسن و جمال ان کو پسند آتا، تو ان کے سرپرست ان سے خود نکاح کر لیتے، اور ان کے مہروں وغیرہ کے سلسلہ میں وہ ان سے بے انصافی کرتے، اس لئے ان کو اس طرزِ عمل سے روکنے کیلئے یہ پابندی عائد کی گئی کہ ایسی صورت میں تم ان یتیم بچیوں کے ساتھ خود نکاح کرو بعد میں اسی کے بارے میں سورۂ نساء کی آخر والی آیتِ کریمہ نازل ہوئی وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ (الاية) اسی پابندی کو رفع فرما دیا گیا یہ تفسیر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، آپؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے روایت کی ہے، (بخاری کتاب التفسیر، کتاب النکاح، مسلم، ابوداؤد، کتاب النکاح) سو اس طرح دینِ حق کی ان رحمتوں بھری تعلیمات نے ان مظلوم عورتوں کو اس ظلم و ستم سے ہمیشہ کے لئے سے نجات دلا دی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بہرکیف اس پابندی کا تعلق اس خاص پس منظر سے ہے، اور اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہوں ان سے تم نکاح کرلو بشرطیکہ ان کی تعداد چار سے کسی صورت زائد نہ ہونے پائے اور تم ان کے درمیان عدل قائم رکھ سکو۔ ورنہ تم لوگ اس اجازت واستحقاق کے حق نہ ہوؤ گے۔ کیونکہ ظلم و زیادتی اور حق تلفی و بے انصافی کی کسی صورت کی بھی اجازت نہیں ہوسکتی۔

۹ یتیموں کے بارے میں اصلاح احوال کیلئے خاص ہدایت: ۔ یتیموں کے بارے میں بے انصافی کے اندیشے سے متعلق خاص حکم وارشاد فرمایا گیا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کرسکنے کا اندیشہ ہو تو تم ان دوسری عورتوں سے نکاح کرلیا کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو تین تین اور چار چار۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت اور دینِ حق ہے، اور اس کی مقدس تعلیمات سراسر حکیمانہ اور عادلانہ ہیں، اس لئے اس نے نہ تو کثرتِ ازدواج پر بالکل پابندی عائد کی، کہ اس کی ضرورت بہرحال رہتی ہے، جو کہ بعض اوقات استحباب اور جواز کے درجے میں ہوتی ہے، اور بعض اوقات لزوم و وجوب کے درجے میں، اور نہ ہی اس نے اس کی کھلی اور غیر مشروط چھٹی دی ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ چار تک کی اجازت دی ہے، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ تم لوگ متعدد بیویوں کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھ سکو، پس اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل و انصاف نہیں کر سکو گے، تو پھر تم ایک سے زیادہ نکاح مت کرو، یہ طریقہ تمہیں حق و انصاف پر قائم و استوار رکھنے کے لئے زیادہ صحیح ہے، سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیویوں کے معاملہ میں عدل و انصاف کی شرط ایک ایسی اٹل شرط ہے کہ اس کے لئے کسی لچک کی کوئی گنجائش نہیں، اور تعدد ازدواج کے سلسلے میں اس شرط کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسکی خلاف ورزی پر بڑی وعیدیں آئی ہیں، والعیاذ باللہ العظیم

۱۰ بیویوں کے بارے میں عدل وانصاف کی تعلیم اور ایک مغالطے کی تردید: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم (ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان) انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر تم ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو، یا اپنی ان باندیوں پر جن کے مالک ہوں تمہارے داہنے ہاتھ۔ یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم انصاف سے نہ ہٹو۔ تَعُوْلُوْا عول سے بنا ہے جس کے معنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں، یعنی راہِ حق و صواب سے ادھر یا ادھر ہو جانا، سو اس سے روکا اور منع فرمایا گیا ہے، کہ یہ ظلم و زیادتی اور بے انصافی ہے، اور دینِ حق کبھی ظلم و زیادتی اور بے انصافی کی اجازت نہیں دے سکتا، والحمدللہ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ، مگر واضح رہے کہ اس سے مراد وہ عدل و انصاف ہے جو انسان کے اپنے اختیار میں ہو، یعنی کھانے پینے اور بود و باش وغیرہ امور میں، رہ گیا معاملہ قلبی میلان اور طبعی رجحان کا تو وہ اس میں داخل نہیں کہ وہ انسان کے بس میں نہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا، وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ الاٰیة [النساء۔ ۱۲۹] یعنی تم لوگ اپنی عورتوں کے درمیان کبھی انصاف نہیں کر سکو گے اگرچہ تم اس کی پوری حرص بھی کرو، پس تم کسی ایک طرف پوری طرح ایسے نہ جھک پڑنا کہ دوسری کو اس طرح کر دو جس طرح کہ وہ لٹکی ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ نبی اکرمؐ اپنی زوجاتِ مطہرات کے درمیان ظاہری اور اختیاری حقوق کی تقسیم کے بعد فرمایا کرتے تھے، یعنی اے میرے اللہ یہ میری تقسیم ہے ان امور کے بارے میں جو میرے اختیار میں ہیں، پس ان امور کے بارہ میں میری گرفت نہیں فرمانا جو میرے بس اور اختیار میں نہیں ہیں، سو اس آیتِ کریمہ میں زوجات کے درمیان جس عدل کی نفی ہے اس سے مراد وہ عدل و انصاف ہے جو دل کی محبت اور تعلق کے اعتبار سے ہوتا ہے، لہٰذا اس سے منکرینِ حدیث کا وہ مغالطہ رفع ہو جاتا ہے، جو وہ تعدد ازدواج کے بارے میں لوگوں کو دیتے ہیں، کیونکہ جو عدل و انصاف مطلوب و مامور ہے وہ اور ہے اور جس کی نفی کی جا رہی ہے وہ اور۔ سو ان دونوں کو ملا کر مغالطے میں ڈالنا ایک ابلیسی منطق ہے- والعیاذ باللہ- اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین

شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِیۡٓــًٔا مَّرِیۡٓــًٔا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤۡتُوا

تمہیں چھوڑ دیں، تو تم اسے کھاؤ خوشگوار اور مزے دار، (مال کے طور پر)، ۱۱ اور تم مت دیا کرو

السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا

کم عقلوں (اور نادانوں) کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے لئے گزران کا ذریعہ ۱۲ بنایا ہے،

وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِیۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا

البتہ انہیں تم ان میں سے کھانے اور پہننے کو (حسبِ ضرورت) دے دیا کرو، اور (اس صورت میں ان کی دلجوئی کے لئے) تم ان سے

مَّعۡرُوۡفًا ﴿۵﴾ وَابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنۡ

بھلی بات کہدیا کرو، ۱۳ اور آزماتے رہا کرو تم یتیموں کو، یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو، پھر اگر

اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ ۚ وَلَا

تم ان میں کچھ سمجھداری دیکھو، تو ان کے حوالے کر دیا کرو ان کے مال، اور مت

تَاۡكُلُوۡهَاۤ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّكۡبَرُوۡا ؕ وَمَنۡ كَانَ

کھاؤ تم انکے مال حدِ ضرورت سے زیادہ، اور حاجت سے پہلے ۱۴ اس خیال سے کہ یہ بڑے ہو جائیں گے، اور جسے

غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَمَنۡ كَانَ فَقِیۡرًا فَلۡیَاۡكُلۡ

ضرورت نہ ہو وہ بچتا ہی رہے، اور جو ضرورت مند ہو تو وہ کھائے

۱۱ عورتوں کو اپنے مہروں سے دستبرداری کا حق ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دے دیا کرو لیکن وہ اگر اپنی خوشی سے اس میں کچھ حصہ چھوڑ دیں تو تم اس کو کھاؤ خوشگوار اور مزیدار مال کے طور پر۔ کیونکہ مہر ان کا حق ہے، اور اپنے حق میں سے اگر وہ کچھ چھوڑنا چاہیں، تو ایسا کر سکتی ہیں، اور ایسی صورت میں تمہارا اس مال سے فائدہ اٹھانا اور اس سے کھانا پینا صحیح اور جائز ہے، اس میں کوئی حرج اور تنگی نہیں، سو مردوں کے ذمے فرض ہے کہ وہ عورتوں کے مہر خوشدلی سے ادا کر دیں کہ یہ ان کا حق ہے اور عورتوں کو اس کا اختیار ہے کہ وہ اپنے مہروں میں سے جو اور جتنا چاہیں ان کو معاف کر دیں، یہاں پر طِبۡنَ لَكُمۡ کے بعد اس کا صلہ عَنۡ وارد ہوا ہے جو دستبرداری کے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہا ہے سو وہ اگر اپنی خوشدلی سے اپنے مہر کا کوئی حصہ معاف کر دیں تو اس سے تم فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ کہ انہوں نے اپنے حق

کو برضاء ورغبت معاف کیا ہے۔ اور اس چیز کا ان کو حق حاصل ہے، اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، امین ثم امین

۱۲ مال کے بارے میں اسلام کا عادلانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر:- سو یہ ہے مال کے بارے میں اسلام کا وہ عادلانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر جو قرآن حکیم کے اس لفظ "قِيٰمًا" سے مستفاد ہوتا ہے، کہ نہ تو اس کو مقصودِ حقیقی اور معبود قرار دے کر اس کی پوجا کرنے لگ جاؤ، اور پوری متاعِ حیات کو اس کے لئے تج کر رکھ دو، جیسا کہ عام دنیا دار مادہ پرستوں کا حال ہے، اور نہ ہی اسے یونہی ضائع کرو کہ یہ بہرکیف تمہاری زندگی کیلئے قیام و بقاء کا سبب اور گزران کا ذریعہ ہے، بلکہ اس کو جائز حدود کے اندر رہ کر جائز طریقوں سے کماؤ اور صحیح جگہوں اور جائز مواقع پر خرچ کرو، تاکہ اس طرح یہ تمہارے لیے خیر و برکت اور آخرت کی کمائی کا ذریعہ بن جائے اور دوسروں کے کام آئے اور پورے معاشرے کی صلاح و فلاح کا ذریعہ بن جائے۔ سو دین کی تعلیماتِ مقدسہ پر عمل کرنے سے مال سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یُحِبُّ ویرید۔

۱۳ دلجوئی کیلئے بھلی بات کہنے کی ہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان سے بھلی بات کہہ دیا کرو، مثلاً یہ کہ یہ مال تمہارا ہی ہے ہم تو محض اس کے محافظ اور نگران ہیں اور بس، جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے تو یہ تمہارے حوالے کر دیا جائے گا وغیرہ، تاکہ وہ مطمئن رہیں، اور تاکہ اس طرح ان کی دلجوئی ہوتی رہے اور ان کے اندر کسی طرح کی غلط فہمی پیدا نہ ہونے پائے، کہ اس سے آگے کئی طرح کے مفاسد جنم لے سکتے ہیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم سو بھلی بات کہنا شریعت کی تعلیماتِ مقدسہ کا ایک اہم عنوان ہے، جو ہر جگہ مطلوب و مفید ہے اور اس کے بڑے منافع و فوائد ہیں، اسی لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ یعنی لوگوں سے بھلی بات ہی کہا کرو، وباللّٰه التوفيق لِما يُحِبُّ وَيُرِيدُ، وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيدُ، سبحانهٗ و تعالٰى۔

۱۴ یتیموں کا مال کھانے سے ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ان کے مال مت کھاؤ حدِ ضرورت سے زیادہ، اور حاجت سے پہلے۔ دوسرا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ جلدی جلدی کہ مبادا وہ بڑے ہو جائیں، تو پھر کھانے کا موقع نہ مل سکے، مآل دونوں تعبیروں کا ایک ہی نکلتا ہے، اور یہ دونوں ہی باتیں مقصود و مطلوب ہیں اور اصل مقصود اس یتیم کے مال کو ناحق کھانے اور ہڑپ کرنے سے روکنا ہے، کہ تم یتیموں کا مال نہ حدِ ضرورت سے زیادہ کھاؤ اور نہ جلدی جلدی، تاکہ اسکے بلوغ سے پہلے پہلے اسکو زیادہ سے زیادہ ہڑپ کر سکو، کہ یہ مال بہرحال تمہارے پاس امانت ہے، جس کی حفاظت کرنا تمہاری ذمہ داری ہے، اور اس کی جوابدہی تم نے کرنی ہے، اور اس ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے حضور کرنی ہے جس کے نزدیک تمہارا ظاہر اور باطن ایک برابر ہے، اس لئے اس سے اپنے باطن اور اپنی نیتوں کا معاملہ بھی ہمیشہ درست رکھو کہ اس کے حضور حاضر ہو کر تم نے اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا جواب بہرحال دینا ہے اور اس کا پورا پورا صلہ و بدلہ پانا ہے۔ پس ہر کوئی ہمیشہ اسی بات کو اپنے سامنے رکھے کہ وہاں اور اپنے اس خالق و مالک کے حضور میرا معاملہ کس طرح کا ہوگا؟ وباللّٰهِ التوفيق لِما يُحِبُّ ويريد وعَلٰى مَا يُحِبُّ ويريد جَلَّ جَلاله وعَمّ نواله. اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین یا ربَّ العالمین

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ

دستور کے مطابق، ۱۵ پھر جب تم ان کے حوالے کرنے لگو ان کے مال

فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ

تو (بہتر ہے ۱۶ کہ) تم ان پر گواہ رکھ لو، اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا، ۱۷ مردوں کیلئے

۱۵ یتیم کے مال سے دستور کے مطابق لینے کی اجازت: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو ضرورت مند ہو تو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ کہ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط، اور نہ حدود سے تجاوز، بلکہ ضرورت کے مطابق اور اس قدر جتنا کہ ایک مزدور اپنی مزدوری کی اجرت لیتا ہے اور بس، (معارف وغیرہ) سو یتیم کا سرپرست اگر مستغنی ہو تو اس کو یتیم کے مال سے کچھ لینے سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہئے اور اگر وہ غریب اور ضرورتمند ہو تو وہ دستور کے مطابق اس سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے یعنی اتنا فائدہ جو کہ اس کی ذمہ داری کی نوعیت، جائداد کی حیثیت، مقامی حالات، اور سرپرست کے معیارِ زندگی کے اعتبار سے معقولیت کی حدود کے اندر اور بقدرِ کفایت وضرورت ہو، اور ان امور میں پابندی خدا کے خوف اور اسکے حضور جوابدہی کے احساس ہی سے ممکن ہوسکتی ہے۔ ورنہ کوئی چیز اس بارہ آڑ اور رکاوٹ نہیں بن سکتی، والعیاذ باللہ العظیم

۱۶ یتیم کا مال سپرد کرتے وقت گواہ رکھنے کا حکم وارشاد: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو تم اس پر گواہ رکھ لیا کرو اور گواہ رکھنے کا یہ حکم استحباب کیلئے ہے، نہ کہ وجوب کے طور پر، تاکہ بوقت ضرورت تمہارے کام آسکے، یہ رائے حنفیہ کی ہے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ حکم وجوب کیلئے ہے، (المراغی، المعارف وغیرہ) بہرکیف اس سے ہدایت فرمائی گئی کہ یتیم کا مال اس کے حوالے کرتے وقت کچھ ثقہ اور معتبر لوگوں کو اس پر گواہ بھی بنا لیا کرو، تاکہ کسی سوئے ظن اور نزاع وخلاف کا احتمال باقی نہ رہے۔ اور اگر کبھی نزاع وخلاف کی ایسی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو گواہوں کی گواہی سے اس کا ازالہ اور دفعیہ ہو سکے۔ سو اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ امن وامان کی کفیل اور خیرات وبرکات کا ذریعۂ وسیلہ ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۱۷ اللہ تعالیٰ کے محاسبے کی تذکیر و یاد دہانی: -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ کافی ہے حساب لینے کیلئے۔ اس کو نہ گواہوں کی ضرورت ہے، نہ تحریروں اور دستاویزوں کی، کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ پس اصل اور بنیاد یہ ہے کہ تم اسکے ساتھ اپنا معاملہ ہمیشہ درست رکھو سبحانہ وتعالیٰ، گواہ رکھنے کا حکم تو ظاہری ضرورتوں کی تکمیل اور قانونی تقاضے پورے کرنے کیلئے ہے ورنہ اصل چیز یہی ہے کہ انسان اپنے خالق ومالک کے ساتھ اپنا رویہ درست رکھے کہ حساب اسی وحدہٗ لاشریک کے حضور اور اسی کی جنابِ اقدس واعلیٰ میں دینا ہے، سو اگر کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب کیا گیا تو ہو سکتا ہے کہ دنیا کے شاہدوں اور گواہوں کی نگاہ سے وہ اوجھل رہے، لیکن اس خالق ومالکِ مطلق کی نگاہ سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ کہ وہ اپنے بندوں کے اعمال کو پوری طرح دیکھ رہا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اسلئے ہمیشہ اور ہر حال میں اسی کی رضا کو پیش نظر رکھا جائے، وباللہ التوفیق

نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَ

حصہ ہے اس مال میں سے جس کو چھوڑ مریں ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار، ۱۸ اور

لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ

عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس مال میں سے جس کو چھوڑ مریں، ان کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار،

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۷ وَ اِذَا

خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ، مقرر کردہ حصے کے طور پر، ۱۹ اور جب

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ

تقسیم کے وقت آجایا کریں رشتہ دار، اور یتیم، اور مسکین (ومحتاج)،

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۸

تو تم انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو، اور (انکی دلجوئی کے لئے) ان سے بھلی بات بھی کہہ دیا کرو، ۲۰

وَ لْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا

اور ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑ جائیں، تو کیا کچھ اندیشہ ان کے

خَافُوْا عَلَیْهِمْ ۪ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۹

بارے میں رکھیں گے ۲۱ پس انہیں چاہیئے کہ وہ (دوسروں کے یتیموں کے بارے میں بھی) ڈریں اللہ سے، اور بات کریں راستی کی،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا

بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں ظلم (اور زیادتی) کے ساتھ، اس کے سوا کچھ نہیں

یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۱۰ ع ۱۰/۱۲

کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں ۲۲ اور عنقریب ہی انہیں داخل ہونا ہوگا ایک بڑی ہی ہولناک دہکتی آگ میں،

۱۸ **استحقاقِ میراث کی اساس و بنیاد قرابت و رشتہ داری:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ میراث کی بنیاد اور اس کا استحقاق قرابت و رشتہ داری پر ہے، نہ کہ کسی اور امر پر، جیسا کہ زمانہ ءِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو میراث میں حصہ نہیں دیتے تھے، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ میراث وہی پا سکتا ہے، جو دشمن کے مقابلے میں تیر چلا سکے، جان و مال کا دفاع کر سکے، اور غنیمت لا سکے، نیز رشتہ داری میں بھی مدار اَلْاَقْرَبُ فَالْاَ قْرَبُ کے اصول پر ہے، کہ جو سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوگا اسکی موجودگی میں اسکے بعد والا محروم ہوگا، سبحان اللہ! کیسا عمدہ اور جامع اصول اور ضابطہ ہے جو کہ عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّۃُ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّبَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ بہرکیف میت کے ترکے میں رشتہ داروں کا حق ہے، سو یتیموں کے حقوق کو بیان کرنے کے بعد، اب اس ارشاد سے اس قانونِ میراث کی تمہید ذکر فرمائی جا رہی ہے، جس میں مردوں اور عورتوں دونوں کے حقوق ان کے والدین اور اقرباء کے ترکے میں متعین فرما دیئے گئے ہیں، تا کہ زورآور عصبات اور دوسرے وارثوں کے لئے مورث کی تمام املاک و جائداد پر قابض ہو جانے کا کوئی موقع باقی نہ رہے، جیسا کہ اسلام سے پہلے زمانہ ءِ جاہلیت میں ہوتا تھا، اور آج بھی جہاں ظلم اور زور زبردستی کا دور دورہ ہے، وہاں ایسے ہی ہوتا ہے، سو اسلام نے قانونِ میراث کے ذریعے اس طرح کے ہر ظلم کا دروازہ بند کر دیا فالحمد للہ رب العالمین۔ لیکن افسوس کہ آج مسلم معاشرے میں اس پر عمل نہیں ہو رہا الا ماشاء اللہ - اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے راہِ حق و ہدایت پر گامزن رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۹ **وارث کو اس کا حق دینا ضروری ہے:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو ان کا حق دو مقرر کردہ حصے اور فریضے کے طور پر، یعنی اس کا دینا اور اداء کرنا ضروری ہے، کہ یہ ان کا حق اور مقرر کردہ حصہ ہے، سو جس کا جو اور جتنا حصہ قاعدہ اور قانون کے مطابق بنتا ہو وہ اس کو دے دیا جائے، اس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہ کی جائے کہ یہ اس کا حق ہے جو اللہ کی طرف سے اس کو ملا ہے، سبحانہٗ و تعالیٰ، یہاں پر ان آیاتِ کریمہ کا یہ پہلو بھی واضح رہے کہ اوپر کی آیاتِ کریمات تلاوت کرتے ہوئے جب آدمی اس آیت پر پہنچتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ یتیموں کی برکت سے دوسروں کے حقوق متعین کرنے کی راہ بھی کھل گئی، یعنی جو خود حقوق سے محروم تھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے حقوق حاصل کئے بلکہ ان کی بدولت دوسروں کو بھی حقوق حاصل ہو گئے، خاص طور پر عورتوں کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ پہلی بار ان کو بھی مردوں کے پہلو بہ پہلو حقداروں کی صف میں جگہ ملی، اور اپنے والدین اور اقرباء کے ترکے میں سے ان کا حصہ بھی بطور فرض کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین فرما دیا گیا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، فَلِلّٰہِ الْحَمْد جَلَّ وَعَلَا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

۲۰ **میراث کا استحقاق نہ رکھنے والوں کے لئے بھلی بات کہنے کی تعلیم و تلقین:** - یعنی جن کا ترکے میں حصہ نہ ہو ان کو کچھ دے دیا کرو اور بھلی بات کہہ دیا کرو، تا کہ ان کی دلجوئی ہو جایا کرے، اہلِ بدعت کے بعض بڑوں کی بدعت پرستی ملاحظہ ہو کہ اس آیتِ کریمہ سے انہوں نے بعض مروجہ بدعات یعنی تیجہ وغیرہ کے لئے دلیل کشید کرنے کی سعی مذموم کی ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ حالانکہ اس کا یہاں کوئی تعلق و ذکر ہی نہیں، نہ تیسرے دن کا کوئی سوال ہے، نہ تین کے ہندسے ہی کا کوئی ذکر ہے، یہاں تو ذکر صرف میراث کی تقسیم کا ہے، وہ جب اور جیسے ہو، اور جہاں ہو، سو اس سے

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انسان جب راہِ حق وصواب کی پٹڑی سے اتر جاتا ہے تو وہ کس قدر بھٹک جاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ بہرکیف اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حصے معین ہو جانے کے بعد میراث کے قانونی حقدار تو وہی لوگ ہوں گے جن کے حصے مقرر فرما دیئے گئے ہیں، لیکن صلۂ رحمی اور خاندانی اور انسانی ہمدردی کے عام حقوق پھر بھی باقی رہیں گے، اس لئے یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ تقسیم میراث کے موقع پر اگر قرابت دار، اور یتیم اور مسکین آ موجود ہوں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دلا کر ان کی دلداری کی جائے، اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی بجائے ان سے بھلی اور دلداری کی بات کی جائے، تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو، سبحان اللہ، دینِ متین نے دوسروں کی دلجوئی اور دلداری کا کتنا خیال رکھا ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا ربّ العالمین۔

۲۱ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کیلئے ایک مؤثر اندازِ تعلیم وتبلیغ: - یعنی یہ تذکیر اور یاد دہانی کہ اگر تم لوگ اپنی چھوٹی اولاد کو یتیم چھوڑ مرو تو تمہیں ان کے بارے میں کیسا کچھ خوف واندیشہ ہوگا، پس جو بھلائی اور خیر خواہی تم لوگ اپنے ان بے سہارا یتیم بچوں کیلئے چاہو، اسی کا معاملہ تم دوسروں کے ان یتیم بچوں کے ساتھ بھی کرو، جو تمہاری کفالت اور پرورش میں ہوں، جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے پیچھے رہ جانے والے بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ ہو، اس طرح تم ان کے بارے میں بھی ایسا ہی چاہو کہ جس طرح آج یہ بچے یتیم اور بے سہارا ہیں اسی طرح کل تمہارے بچے بھی ہو سکتے ہیں، سو جو لوگ یہ بات اپنے پیشِ نظر رکھیں گے وہ دوسروں کے یتیم بچوں کا کبھی کوئی حق نہیں مار سکتے، اور ان کے ساتھ کبھی کسی زیادتی کا ارتکاب نہیں کر سکتے، بہرکیف اس ارشاد سے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ آدمی کو یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ جس طرح دوسروں کے بچے یتیم ہوتے ہیں، اس کے بچے بھی یتیم ہو سکتے تھے، اور ہو سکتے ہیں تو انسان سوچے کہ ایسی صورت میں اس کو اپنے بچوں کے بارے میں کیا کچھ اندیشے ہو سکتے تھے اور ہو سکتے ہیں، سو اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ سو یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک ایک اہم مطلب ہے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید،

۲۲ یتیموں کا مال کھانے والوں کے ہولناک انجام کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ظلم و زیادتی کے ساتھ یتیموں کا مال کھانے والے اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ ڈال رہے ہیں، والعیاذ باللہ، اور ایسی آگ جو ابتلاء و آزمائش کے تقاضوں کی بنیاد پر آج اس جہاں میں نظر نہیں آتی، کہ مجاہدہ اور امتحان کے اس عالم کا تقاضا یہی ہے، لیکن کل قیامت کے اس جہان میں جو کہ کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہاں ہوگا، اس میں وہ سامنے آ جائے گی، اور سب کو نظر آئے گی، کہ وہ عالم عالمِ مشاہدہ ہوگا، جہاں حقائق کھل کر سامنے آ جائیں گے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حشر کے روز ایسے لوگوں کے مونہوں اور نتھنوں وغیرہ ہر منفذ اور سوراخ سے دھواں نکل رہا ہوگا، جس کو دیکھ کر سب لوگ پہچان لیں گے کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے لوگ ہیں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو سبع موبقات یعنی ان سات بڑے مہلک گناہوں میں سے ایک قرار دیا ہے، جو تباہ و برباد اور ہلاک کر دینے والے ہیں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ اللہ ہمیشہ ہر غلط قدم سے محفوظ رکھے۔ اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور ہر طرح سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، امین ثم امین یا ربّ العالمین

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

اللہ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، ۲۳ کہ ایک مرد کا حصہ برابر ہے

الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ

دو عورتوں کے حصے کے، ۲۴ پھر اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں (دو یا) دو سے زیادہ، تو ان کو

ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ

میت کے کل ترکے کا دو تہائی ملے گا، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو اس کا آدھا ملے گا،

وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو اس کے کل ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا،

إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ

اگر اس کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی بھی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی

أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ

اس کے وارث ہوں، تو اس کی ماں کو ایک تہائی ملے گا، پھر اگر اس کے (بہن) بھائی بھی ہوں تو اس کی ماں کو

السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

چھٹا حصہ ملے گا (یہ سب حصے تقسیم ہوں گے) اس وصیت کے بعد جو میت نے کی ہو، یا قرض کے بعد ۲۵ (جو اس نے دینا ہو)،

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ

اور وراثت کی یہ تقسیم تمہاری مرضی پر نہیں رکھی کہ) تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون فائدے کے لحاظ سے

نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

تمہارے زیادہ قریب ہے ۲۶ (پس) اللہ کی طرف سے حصہ مقرر کر دیا گیا، بلاشبہ اللہ سب کچھ جانتا،

حَكِيْمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ

بڑا ہی حکمتوں والا ہے، ف ۲۷ اور تمہیں اس مال کا آدھا ملے گا جو تمہاری بیویاں چھوڑ مریں، اگر ان کی

يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو پھر تمہیں

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ

اس مال کا ایک چوتھائی حصہ ملے گا، جو انہوں نے چھوڑا ہو، اس وصیت کے بعد جو انہوں نے کی ہو،

اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ

یا قرض کے بعد (جو انہوں نے دینا ہو) اور ان کو ایک چوتھائی ملے گا اس ترکے میں سے جو تم چھوڑ جاؤ جب کہ تمہاری کوئی اولاد

وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

نہ ہو، لیکن اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو پھر ان کو تمہارے کل ترکے کا آٹھواں حصہ ملے

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ

گا، اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ، یا قرض کے بعد (جو تم نے دینا ہو)، ف ۲۸ اور

اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ

اگر میراث کسی ایسے مرد یا عورت کی ہو جس کا نہ باپ موجود ہو، نہ کوئی اولاد، ف ۲۹ مگر اس کا کوئی (اخیافی) بھائی ف ۳۰

اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا

یا بہن موجود ہو، تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، پھر اگر وہ بھائی بہن

اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب (میراث کے) تیرے حصے میں شریک ہوں گے،

۲۳ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت و عنایت کا ایک مظہر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کو تمہاری اولادوں کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے- سبحان اللہ! اولاد جو کہ انسان کو سب سے زیادہ محبوب اور پیاری ہوتی ہے، اور جس کے لئے وہ سب پاپڑ بیلتا، اور طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتا ہے، اس کے لئے بھی ربِ تعالیٰ اسکو اس طرح تاکیدی حکم دیتا ہے، تاکہ کہیں ان کی کوئی حق تلفی نہ ہوجائے، سو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ربِ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ ربِ تعالیٰ ہماری اولادوں پر ہم سے بھی کہیں بڑھ کر مہربان ہے، جل جلالہٗ پس کتنے ظالم اور کس قدر ناشکرے ہیں وہ لوگ، جو اپنی اولادوں کو اس وحدہٗ لاشریک کی عبادت و بندگی کی تعلیم و تلقین نہیں کرتے، اور اسمیں تساہل بلکہ غفلت اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ یہاں پر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تقسیم میراث سے متعلق جو احکام ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کو اللہ پاک نے اپنی وصیت سے تعبیر فرمایا ہے اور وصیت کا صحیح مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کسی شخص پر یہ ذمہ داری ڈالی جائے کہ جب فلاں صورت پیش آئے تو وہ فلاں طریقہ یا فلاں طرزِ عمل اختیار کرے، اس میں وصیت کرنے والے کی پیش بینی خیر خواہی اور اس کی شفقت کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے، اور اس کے اندر ایک عہد و معاہدہ کی ذمہ داری بھی پائی جاتی ہے۔ اردو میں ایسا کوئی لفظ نہیں پایا جاتا جو اس لفظ کے ان تمام مضمرات پر حاوی اور مشتمل ہو اس لئے حضرات مترجمین نے اس کا ترجمہ مختلف الفاظ سے کیا ہے اور ہم نے اپنے ترجمہ میں اس کے لئے یہ الفاظ اختیار کئے ہیں- والحمدُ للہ جل وعلا-

۲۴ میراث میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر:- سو اس سے معلوم ہوا کہ میراث میں اصل اور مقرر شدہ حصہ تو لڑکیوں کا ہے، اور لڑکوں کا حصہ اسی کے حساب سے اس کا دوگنا رکھا گیا ہے، اور پھر مردوں کے لئے یہ دوگنا حصہ بھی اس لئے رکھا گیا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کمانے اور خرچ کرنے کی اصل ذمہ داری مرد کی ہے نہ کہ عورت کی، اسی لئے عورت جب بچی ہوتی ہے تو اس کا خرچہ اسکے باپ کے ذمے ہوتا ہے، جب وہ بیوی بن جاتی ہے تو اسکا نفقہ اسکے خاوند کے ذمے ہوتا ہے، اور جب وہ ماں ہوجاتی ہے تو اس کا خرچہ اسکی اولاد کے ذمے ہوتا ہے، ہاں مخصوص حالات میں جب اسے کمانے کی ضرورت پڑ جائے تو اسلامی حدود کے اندر، اور پردے کے ساتھ وہ ایسا کرسکتی ہے، کہ اپنی ضروریات کی تحصیل و تکمیل کیلئے وہ خود کمائی کرے، لیکن یہ استثنائی صورت ہے، اصل بات وہی ہے جو پہلے مذکور ہوئی، پس آج کل جو عورتوں کے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی بات کی جاتی ہے، یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں، بلکہ یورپ وغیرہ کے ان مادہ پرست ملکوں اور قوموں کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا چربہ ہے، جن کے یہاں مادہ اور معدہ ہی سب کچھ ہے، ایمان و اخلاق کی وہاں کوئی قدر و قیمت ہی نہیں، بلکہ پیٹ بھرنا اور بطن و فرج کی خواہشات کی تکمیل کرنا ہی ان لوگوں کی زندگی کی معراج ہے اور بس، جبکہ اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ کی رو سے اصل چیز ایمان و عمل اور اخلاق و کردار کی وہ دولت ہے جس پر دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا مدار و انحصار ہے، بہر کیف اسلام کے نظامِ معاشرت میں چونکہ کفالت کی ذمہ داری اصل میں مرد ہی کی ہوتی ہے اور خلقی صفات کے اعتبار سے وہی اس کا اہل ہے اس لئے میراث میں اس کا حصہ دوگنا رکھا گیا ہے۔ اور یہی تقاضا ہے عقل و نقل کا۔ والحمد للہ جل وعلا

۲۵ تنفیذِ وصیت اور ادائیگیٔ قرض تقسیم میراث سے پہلے:- اسی لئے میت کی میراث کی تقسیم، اسکی تجہیز و

تکفین، قرض کی ادائیگی، اور وصیت کی تنفیذ کے بعد ہی عمل میں لائی جا سکتی ہے، اور یہاں پر جو دَین (قرض) کا عطف وصیت پر واؤ کی بجائے حرف او سے کیا گیا ہے تو اس سے ان دونوں یعنی قرض اور وصیت کی تساوی اور برابری کا ثبوت ملتا ہے، یعنی یہ دونوں اپنی اہمیت اور اصل فرضیت کے اعتبار سے باہم مساوی و برابر ہیں، (محاسن التاویل، المراغی وغیرہ) پھر ان دونوں میں بھی ذکر کے اعتبار سے اگرچہ وصیت مقدم ہے مگر اہمیت اور ادائیگی کے اعتبار سے قرض مقدم ہے، جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے فیصلے میں قرض (دَین) کو وصیت پر مقدم رکھا ہے، (ترمذی کتاب الفرائض) لیکن چونکہ وصیت کا ادا کرنا بڑا بھاری اور گراں ہوتا ہے ایک تو اس لیے کہ وہ کسی مقابل اور عوض کے بغیر ہوتی ہے اور دوسرے اس لیے کہ اس کا کوئی مطالبہ اور پیچھا کرنے والا نہیں ہوتا، اس لیے ذکر میں اسکو یہاں پر مقدم رکھا گیا ہے، بہرکیف دَین یعنی قرض اور وصیت دونوں کا تعلق چونکہ حقوق الانسان سے ہے اس لئے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ان کی اس عظمتِ اہمیت کی بناء پر ان کے تقاضوں کو مقدم رکھا گیا ہے، اور ارشاد فرمایا گیا کہ میت کے ترکہ اور میراث کی ان کے ورثاء اور مستحقین میں تقسیم سے قبل دَین یعنی قرض کی ادائیگی، اور وصیت کی تنفیذ ضروری ہے، اس کے بعد ہی میت کے ترکہ کو اسکے ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جا سکے گا۔ علمِ فقہ اور میراث میں اسی ترتیب کو بیان کیا گیا ہے۔ اور یہی عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے۔ اور اسی میں سب کا بھلا ہے۔

۲۸ **تقسیم میراث مقررہ حصوں کے مطابق:** -- پس تم لوگ ورثاء کے حقوق اسی طرح اداء کرو جس طرح اللہ نے مقرر فرمائے ہیں کیونکہ تم لوگ نہیں جانتے کہ تمہاری اولاد میں سے تمہارے نفع کے اعتبار سے کون تمہارے زیادہ قریب ہے، اس لئے تم ان کے بارے میں صحیح معیار قائم نہیں کر سکتے، کیونکہ تمہاری عقل و فکر کے زاویے محدود ہیں، اور تم اَغراض و اَہواء کے جالوں میں پھنسے ہوئے لوگ ہو، اس لئے اللہ پاک نے میراث اور حصوں کی تقسیم کے سلسلہ میں معاملہ تم پر نہیں چھوڑا بلکہ سب کچھ خود ہی طے فرما دیا، ورنہ تم اسی طرح کی بے انصافیاں کرتے جن کے بعض نمونے زمانۂ جاہلیت میں پائے جاتے تھے کہ کمزور و بے سہارا بچوں اور عورتوں کو حقِ میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا، پس تمہاری خیر اور بہتری اسی میں ہے کہ تم لوگ ورثاء کے حقوق اور ان کے مقرر کردہ حصوں کو اسی طرح ادا کرو۔ جس طرح کہ حضرتِ حق جل مجدہٗ نے مقرر فرمائے ہیں۔ نہ کسی کے حصے میں کوئی کمی اور کوتاہی کرو اور نہ اس میں زیادتی و اضافہ۔ بلکہ ہر ایک کو اس کا پورا حق دو۔ تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں

۲۹ **اللہ تعالیٰ کے اوامر و ارشادات کی اہمیت و عظمت:** -- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے۔ اس لئے اس کا ہر حکم کمال علم و حکمت پر مبنی ہوتا ہے، پس تم لوگ بے چون و چرا اس کے حکم و ارشاد پر اعتماد کرتے ہوئے اسے دل و جان سے اپنایا کرو کہ اسی میں تمہاری خیر اور بھلائی ہے، دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، اور اس کے سوا اور کسی کے بھی حکم و ارشاد کی یہ شان نہیں ہو سکتی، کہ کمالِ علم و حکمت کی یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کسی کی ہو سکتی ہی نہیں، بہرکیف آیت کریمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم و حکمت کا حوالہ دے کر اس کے احکام و ارشادات کی عظمت و اہمیت کو واضح فرما دیا گیا ہے، اور آگاہ فرما دیا گیا کہ میراث کی یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل اور حکمتِ بے پایاں پر مبنی ہے، اس لئے اس پر نہ کسی کے لئے کسی اعتراض کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے،

اور نہ ہی اس تقسیم کا کوئی متبادل ممکن ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ پاک کا علم ماضی حال اور سب پر حاوی اور ظاہر و باطن اور حال و مآل سب پر ایک برابر محیط ہے سبحانہ وتعالیٰ، اور اس کے ہر قول و ارشاد اور حکم و فرمان میں گہری حکمت کارفرما ہوتی ہے اور کسی انسان کے بس میں نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کی حکمت کی تمام باریکیوں کو سمجھ سکے۔ سبحانہ وتعالیٰ ،سو اس کا حکم جیسا ہے ویسا ہی بجالایا جائے ،وباللہ التوفیق۔لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید

۲۸ زوجیت کی بناء پر ملنے والے حق میراث کی چار صورتیں:- پس زوجیت کی بناء پر ملنے والے حصے کی چار ہی صورتیں ہوئیں، خاوند اپنی بیوی کے ترکے کے نصف کا حقدار ہوگا، اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر اس کی اولاد ہو تو اس کو اس کا چوتھا حصہ ملے گا، اور بیوی خاوند کے چوتھے حصے کی وارث ہوگی اگر خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد ہو تو اس صورت میں اس کو اس کے کل ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا، یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ عورت چونکہ خاوند کی طرف سے مہر بھی پاتی ہے اور خاوند کی وفات کے بعد دوسری جگہ شادی کرنے کا حق بھی رکھتی ہے، اسی لیے اس کا حصہ مرد کے حصے سے آدھا رکھا گیا، (معارف القرآن وغیرہ) بہرکیف زوجیت کی بناء پر ملنے والے اس حصے کی تفصیل بالا کے مطابق ادائیگی کے بعد باقیماندہ ترکہ کو دوسرے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔ جیسا کہ کتب میراث میں تفصیل سے موجود و مذکور ہے۔ والحمدللہ جل وعلا، بکلّ حالٍ من الاحوال،

۲۹ کلالہ کی تعریف اور اسکی میراث کی صورتیں؟:- کلالہ کی تعریف یہ کی گئی ہے مَنْ لَّمْ یُخَلِّفْ وَالِدًا وَّلَا وَلَدًا کہ جس نے اپنے پیچھے نہ اپنے باپ دادا میں سے کوئی چھوڑا ہو، اور نہ اولاد میں سے کوئی، (صفوۃ البیان' ابن جریر، اور محاسن التاویل، وغیرہ) چنانچہ اس معنیٰ پر جمہور مفسرینِ کرام کا اجماع نقل کیا گیا ہے (نفس المرجع) سو کلالہ کی میراث کی کل چھ صورتیں بنتی ہیں ان میں سے دو کا ذکر یہاں فرمایا گیا ہے اور چار کا اس سورۂ کریمہ کے آخر میں، ازہری کہتے ہیں کہ اس سورۂ کریمہ میں کلالہ کا ذکر دو جگہ فرمایا گیا ہے ایک یہاں پر اس آیتِ کریمہ میں، اور دوسرے اس سورۂ کریمہ کے آخر میں آیت نمبر ۱۷۶ میں، سو یہاں پر ذکر اخیافی بہن بھائی کا ہے کہ ان دونوں کو ثلث ملے گا یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا۔ جب کہ اس سورۂ کریمہ کے آخر میں حقیقی اور عینی بہن بھائیوں کا ذکر ہے، کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کو نصف ملے گا اور اگر دو یا اس سے زیادہ ہوں تو دو ثلث اور بہن بھائی دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصے ملیں گے (محاسن التاویل، وغیرہ)۔ والحمدللہ جل وعلا،

۳۰ وَلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ سے مقصود و مراد؟:- یہاں پر بھائی بہن سے مراد اَخیافی بہن بھائی ہیں، یعنی ماں شریک بھائی، اس پر سب مفسرینِ کرام کا اجماع و اتفاق ہے، کہ یہاں پر اسکے بہن بھائی سے مراد اخیافی بہن بھائی ہی ہیں اور اس کی یہی تفسیر و تقیید منقول ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی قراءت میں اس کی تصریح بھی ہے (ابن کثیر، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، خازن وغیرہ) پس عَلّاتی یعنی باپ شریک اور عینی یعنی حقیقی بھائی کا حکم یہ نہیں، بلکہ اس کا ذکر اسی سورۂ کریمہ کی آخری آیتِ شریفہ میں وارد و مذکور ہے، (محاسن التاویل وغیرہ) جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی اوپر کے حاشیئے میں بھی مذکور ہوئی ہے۔ اس لیے اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ والحمدللہ جل وعلا بکل حال من الاحوال

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً

اس وصیت کے بعد جو کی گئی ہو، یا ایسے قرضے کے بعد جو اداء کرنا ہو، بغیر کسی کو نقصان

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۭ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ

پہنچانے کے، ۳۱ اور اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حلیم ہے ۳۲ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں ۳۳

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو کوئی (صدقِ دل سے) فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی، تو اللہ اس کو داخل فرمائے گا (اپنے کرم سے) ایسی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

عظیم الشان جنتوں میں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہونگی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں، اور یہی ہے (حقیقی اور) بڑی کامیابی ۳۴

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ

اور (اس کے برعکس) جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ کی، اور اس کے رسول کی، اور وہ تجاوز کرے گا اس کی (مقرر فرمودہ) حدوں سے،

يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۱۲

تو اللہ اس کو داخل فرمائے گا ایک بڑی ہی ہولناک آگ میں، جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہوگا' اور اس کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن

۳۱ وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے: - یعنی یہ وصیت ورثاء میں سے کسی کو نقصان پہنچانے کیلئے نہ کی گئی ہو، مثلاً کسی کو بالکل محروم کردے، یا اس کا حصہ کم کردے' یا کسی کو زیادہ دے دے وغیرہ، سو ایسا کرنا ممنوع ہے اور یہ بڑا سخت گناہ ہے' یہاں تک کہ یہ امر انسان کیلئے سوءِ خاتمہ اور پھر دوزخ میں جانے کا باعث بن جاتا ہے وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ چنانچہ سنن ابوداؤدؒ اور مسند امام احمدؒ وغیرہ میں آنحضرت ﷺ سے وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی ستر سال تک نیک عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کرنے میں خیانت سے کام لیتا ہے، تو اس کا خاتمہ برے عمل پر ہو جاتا ہے، اور دوسری طرف ایک آدمی ستر سال تک برے عمل کرتا رہتا ہے، لیکن آخر میں وصیت کرتے وقت وہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہے، جس سے اسے خاتمہ بالخیر نصیب ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے (ابن کثیر، ابن جریر، محاسن التاویل، فتح القدیر، ابوداود، کتاب الوصایا، مسند احمدؒ) اسی لئے حضراتِ اہلِ علم نے وصیت میں نقصان دینے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے (خازن، جامع، وغیرہ) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ اَعْمَالِنَا خَوَاتِيْمَهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اسی لئے ان آیاتِ کریمات میں بار بار اس کی تصریح و تاکید فرمائی گئی ہے کہ کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا جائے، اور یہاں پر کلالہ کے ساتھ اس کے ذکر کی خاص وجہ

یہ ہے کہ جس مُوَرِث کے اصول وفروع میں سے کوئی نہیں، اس کے اندر اس خواہش کے ابھرنے کا خدشہ وامکان زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جائیداد ان لوگوں کی طرف منتقل ہونے دے جن کی طرف اس کا طبعی میلان نہیں ہوتا اگرچہ قانونی حقدار وہی ہوں، اس لئے وہ وصیت میں بھی تجاوز اور حق تلفی کرسکتا ہے، وہ غلط قسم کے نمائشی قرض کا مظاہرہ بھی کرسکتا ہے، سو اس رجحان کو روکنے کیلئے "غیر مضار" کی شرط لگادی گئی۔ یعنی اس حال میں کہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۳۲ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحلم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی بردبار ہے۔ پس وہ تمہارے چھپے اور ظاہر اعمال کو بھی جانتا ہے، اور تمہاری نیتوں سے بھی واقف وآگاہ ہے، اس لئے اصل میں معاملہ اس کے ساتھ صاف رکھو، اور اگر وہ فوراً پکڑتا نہیں تو اس سے دھوکے میں نہ پڑنا کہ وہ بڑا ہی حلیم اور بردبار ہے' اپنے حلم وکرم سے وہ اگر تمہیں مہلت دیتا ہے، تو اس سے دھوکے میں پڑنے کی بجائے تم اسے غنیمت جانو، اور سچے دل سے اس کی طرف رجوع ہو جاؤ، اور اپنی بگاڑ کی اصلاح کرلو' قبل اس سے کہ فرصتِ حیات ہاتھ سے نکل جائے اور ہمیشہ کیلئے پچھتانا اور کفِ افسوس ملنا پڑے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنے ساتھ معاملہ صحیح رکھنے کی توفیق بخشے۔ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین

۳۳ شریعتِ مقدسہ کے احکام اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ احکام اللہ کی مقرر فرمودہ حدیں ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ ان حدوں کی پابندی تم لوگوں پر لازم ہے۔ اور ان سے خروج وتجاوز ممنوع ومحظور ہے۔ یعنی یہ احکام اور ارشادات معنوی حدود ہیں، جس طرح ظاہری اور حسی حدود کو پھلانگنا ممنوع اور جرم ہے، اسی طرح خدائے پاک کی طرف سے قائم کردہ اور مقرر فرمودہ ان معنوی حدود سے تجاوز کرنا بھی سنگین جرم اور اپنے آپ کو ھلاکت و تباہی میں ڈالنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - پس تم لوگ ہمیشہ اسی فکر وکوشش میں رہا کرو کہ اپنے خالق ومالک کی مقرر فرمودہ ان حدوں کے اندر رہو، اور ان میں کسی طرح کے تجاوز کا ارتکاب نہ ہوجائے کہ ان حدود کی پابندی اور ان کے اندر رہنے ہی میں تمہارے لیے سلامتی اور نجات ہے، حیاتِ دنیا کی اس عارضی فرصت میں بھی اور اسکے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہان میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ وَیُرِیْدُ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین

۳۴ اصل اور حقیقی کامیابی جنت سے سرفرازی:- سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جنت سے سرفرازی سب سے بڑی اور حقیقی کامیابی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر وقصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ یہی ہے بڑی کامیابی۔ سو یہ وہ بڑی کامیابی ہے جس جیسی دوسری کوئی کامیابی ممکن ہی نہیں ہوسکتی، اور ظاہر ہے کہ جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی اور رضائے خداوندی سے بہرہ مندی اگر نصیب ہو جائے تو پھر اور کیا چاہیے۔ سو متاعِ زندگی اسی فوزِ عظیم کے حصول کی کوششوں میں صرف کرنی چاہیئے، نہ کہ دنیوی مال واسباب کے ان حقیر منافع کیلئے جو بہر حال بے حقیقت، عارضی، اور فانی ہیں۔ یہاں پر مبتدأ وخبر دونوں معرفہ ہیں جو کہ قاعدہ کے مطابق مفیدِ حصر ہے۔ سو اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اصل، حقیقی اور بڑی کامیابی یہی آخرت کی کامیابی ہے۔ یہ جس کو نصیب ہوگئی، وہی کامیاب ہے خواہ اسکی دنیاوی زندگی کیسی ہی رہی ہو۔ اور جو اس سے محروم ہوا۔ والعیاذ باللہ۔ وہ بہر حال محروم اور خائب وخاسر ہے خواہ وہ کتنی بڑی کامیابیوں کے زعم اور گھمنڈ میں مبتلاء کیوں نہ رہے ہو۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا

اور تمہاری عورتوں میں سے جو ارتکاب کر بیٹھیں بے حیائی کا، ۳۵ تو تم ان پر مقرر کر لو

عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ

چار گواہ، اپنوں ہی میں سے، پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو تم روک رکھو ان عورتوں کو

فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ

اپنے گھروں میں، یہاں تک کہ انہیں آ جائے موت، یا مقرر فرما دے ان کے لئے اللہ

لَهُنَّ سَبِیْلًا ۱۵ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ

کوئی راستہ، ۳۶ اور تم میں سے جو بھی کوئی دو شخص ۳۷ ارتکاب کریں اس (بے حیائی) کا تو تم ان کو ایذاء دو، ۳۸

فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں (اپنے بگاڑ کی) تو تم ان سے صرفِ نظر کر لو، بلاشبہ اللہ بڑا ہی

كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۱۶ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ

توبہ قبول کرنے والا ۳۹ نہایت مہربان ہے ۴۰ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ (کے وعدۂ کرم) کے ذمے انہی لوگوں کی توبہ کی (قبولیت) ہے،

یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ

جو برائی کا ارتکاب کر بیٹھیں نادانی کی بناء پر، ۴۱ پھر وہ جلد ہی توبہ کر لیں ۴۲ (اپنے گناہ سے)،

فَاُولٰٓىِٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو ایسوں پر اللہ توجہ فرماتا ہے (اپنی رحمت و عنایت سے)، اور اللہ

عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۱۷ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ

سب کچھ جانتا بڑا ہی حکمت والا ہے، اور ان لوگوں کے لئے توبہ (کی قبولیت) نہیں، جو برائیاں

السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

کرتے چلے جائیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو آ پہنچے موت، تو اس وقت وہ کہنے لگے

اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ

کہ میں نے اب توبہ کر لی، اور نہ ہی ان لوگوں کے لئے (کوئی توبہ ہے) جو مر جائیں کفر ہی کی حالت میں ۴۳

اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾ یٰٓاَیُّهَا

ایسوں کے لئے تو ہم نے تیار کر رکھا ہے ایک بڑا ہی درد ناک عذاب، اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ

وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم وارث بن جاؤ عورتوں کے

كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ

زبردستی، ۴۴ اور نہ یہ کہ تم ان کو تنگ کرو کہ تا کہ اس طرح تم ہتھیا لو کچھ حصہ

۴۵ حدود اللہ سے تجاوز کا انجام نہایت ہولناک، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے والوں کا انجام نہایت ہولناک ہے، والعیاذ باللہ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے والوں کیلئے دوزخ کی آگ اور رسوا کن عذاب ہے کہ انہوں نے اپنے تکبر و غرور کی بناء پر حق سے منہ موڑا تھا (جیسا کہ عموماً ہوتا ہے) اس لئے اب اسکو اس رسوا کن عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - سو یہ عذابِ مہین (رسوا کن عذاب) ایسے شخص کیلئے ہے جو تجاوزِ حدود یعنی حدوں کے پھلانگنے کے اس جرم کو حلال جانتا ہو، اور اسکی پرواہ ہی نہ کرتا ہو، کہ ایسا کرنا کفر ہے جسکی سزا عذابِ مہین یعنی رسوا کن عذاب ہے۔ رہ گئے وہ لوگ جن سے بشری تقاضوں کی بناء پر ایسے ہو جائے اور وہ اس پر اصرار کرنے کی بجائے توبہ و استغفار کر لیں وہ اس زمرے میں نہیں آتے، (مدارک التنزیل وغیرہ) بہر حال دین سارے کا حاصل اور خلاصہ اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمودہ حدود کا التزام اور ان کی پابندی ہے اور ان سے خروج اور تجاوز جو کہ اصل میں نتیجہ ہوتا ہے استکبار و اعراض اور اتباعِ ہوٰی کا، وہ دارین کی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ایسے ہر مرض سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین - ثم آمین یا ربَّ العالمین

۴۶ ارتکابِ فاحشہ سے متعلق ایک عارضی حکم: - سو یہ ایک عارضی اور حکم وقتی تھا، جو کہ بعد میں حدِّ زنا کے نزول سے منسوخ ہو گیا، جس پر حضور - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا تھا "خُذُوْا عَنِّیْ خُذُوْا عَنِّیْ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ

سَبِیۡلًا ''(بخاری۔تفسیر) یعنی ''مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کیلئے راستہ مقرر فرما دیا ہے''۔ سو یہ راستہ حد کا راستہ تھا جس کا حکم بعد میں سورۂ نور میں نازل فرمایا گیا جس کے مطابق ''محصن'' یعنی شادی شدہ کیلئے ارتکابِ زنا پر'' رجم'' یعنی سنگساری کی سزا ہے اور غیر محصن یعنی غیر شادی شدہ کیلئے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ سو ارتکابِ فاحشہ سے متعلق سورۂ نساء میں ارشاد فرمودہ مذکورہ بالا حکم ایک عارضی اور وقتی حکم تھا، جو بعد میں نازل ہونے والے سورۂ نور کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔ (محاسن التاویل، معارف القرآن اور قرطبی وغیرہ)۔ ''فاحشۃ'' کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ زنا کی تعبیر کے لئے معروف ہے اور ﴿مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ﴾ یعنی'' تمہاری عورتوں میں سے'' کی اس قید کا مطلب اور اس سے مراد یہ ہے کہ بدکاری کے اس جرم کا ارتکاب کرنے والی عورت کا تعلق اگر مسلمانوں کے معاشرے سے ہو۔ وَالۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والی ایسی عورتوں کے متعلق یہ ایک وقتی اور عارضی حکم ہے۔ اور یہ کہ اس کے متعلق آخری اور مستقل حکم بعد میں نازل ہونے والا ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں زنا سے متعلق جو حکم نازل ہوا اس سے یہ وعدہ پورا ہوگیا جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ اور جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ زنا کے مرتکب کو سو کوڑے مارے جائیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جبکہ وہ غیر محصن ہو اور محصن کے لیے رجم کی سزا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین

۳۷ اَلَّذَانِ کا تثنیہ علیٰ سبیل التغلیب:۔ یعنی اَلَّذَانِ کی تذکیر یہاں پر علیٰ سبیل التغلیب ہے۔ جیسے ''ابوین''، ''والدین'' اور ''شمسین'' وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ سو زانی محصن (شادی شدہ) کی سزا رجم یعنی سنگسار قرار پائی۔ اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) کی سو کوڑے۔ چنانچہ حضور ﷺ۔ نے ماعز اسلمی اور غامدی عورت وغیرہ پر رجم کی سزا خود جاری فرمائی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تثنیہ اپنے ظاہر پر ہے۔ جیسا کہ متبادر ہے۔ اور اس میں لواطت کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہی ایک روایت مجاہدؒ سے بھی ہے۔ (معارف، جامع، محاسن، وغیرہ)۔ سو ظاہر لفظ کے اعتبار سے اگرچہ یہ مطلب لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے، لیکن اصل حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک غلط فہمی ہے، جو بعض حضرات کو لاحق ہوتی ہے۔ کیونکہ لواطت کا فعل ایک ایسا فعلِ شنیع ہے جس کا ارتکاب حیوان تک بھی نہیں کرتے۔ قرآنِ حکیم کی شانِ رفیع کے لائق نہیں کہ وہ اس طرح کے شذوذِ جنسی کو اس قدر صراحت سے بیان کرے۔ اور'' اَلَّذَانِ'' کے صیغۂ مذکر سے جو ان حضرات کو اشتباہ ہوا ہے تو یہ ان حضرات کی غلط فہمی ہے ورنہ اصل میں اس سے مراد یہاں پر دونوں مرد نہیں، بلکہ مرد اور عورت مراد ہیں۔ اور اس لفظ کا یہ استعمال علیٰ سبیل التغلیب ہے جیسا کہ ''شمسین''، ''قمرین''، ''والدین''، اور'' ابوین'' وغیرہ میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ پس اس میں حکمِ زنا کا بیان مذکور ہے نہ کہ لواطت کا۔ یہاں پر اس ضمن میں جو'' مِنۡکُمۡ''، ''تم میں سے'' کی قید مذکور و موجود ہے تو اس سے یہ واضح فرما دیا گیا کہ بدکاری کا ارتکاب کرنے والے دونوں فریق یعنی مرد اور عورت مسلمانوں ہی کے اندر کے ہوں۔ اور اس کی تذکیر عربی کے مذکورہ بالا معروف قاعدے کے مطابق شریکِ غالب کے اعتبار سے ہے، جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے جو مرد و عورت اس بے حیائی کا ارتکاب کریں تم ان کو ایذا پہنچاؤ۔ تاکہ اس فعلِ بد کی شناعت و قباحت ظاہر ہو۔

۳۸ ایذاء پہنچانے کی مختلف صورتوں اور حکمِ شرعی کی دو شکلوں کا بیان:۔ مثلاً یہ کہ انہیں زبانی کلامی برا

بھلا کہو، عار دلاؤ، اور تذلیل مزید کیلئے جوتوں وغیرہ سے ان کی کچھ مرمت بھی کر دو وغیرہ۔ (صفوۃ، معارف، اور جامع البیان، وغیرہ)۔ یہاں پر دراصل دوصورتوں کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والی عورت کا تعلق مسلمان معاشرے سے ہو اور وہ مسلمانوں کے اندر رہتی ہو، لیکن اس جرم کا شریک مرد اسلامی معاشرے سے باہر ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب ایسی عورت کا جرم وقصور چار گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو اسکو گھر کے اندر ہی بند کر دیا جائے، یہاں تک کہ اسکو موت آجائے یا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کوئی اور صورت نکال لے۔ سو ایسی صورت میں اسکو آزاد بہر حال نہیں چھوڑا جائے گا۔ جبکہ دوسری صورت میں اس کی سزا یہ ہے کہ ایسے جرم کا ارتکاب کرنے والے مرد اور عورت دونوں کا تعلق اسلامی معاشرے سے ہو اور وہ دونوں مسلمانوں کے ساتھ اور ان کے اندر رہتے بستے ہوں، جیسا کہ "منکم" کی قید سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے اور تحقیر وتذلیل کے ذریعے اِصلاح کرنے کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ پس اگر وہ اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے اِعراض و درگذر سے کام لیا جائے کہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا نہایت ہی مہربان ہے، اگرچہ یہ تعزیرات بعد میں سورۂ نور میں نازل شدہ حدود سے منسوخ ہوگئیں، لیکن بدکاری کے معاملے میں شہادت کا یہی اصولی ضابطہ بعد میں بھی باقی رہا کہ یہ بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس میں اصل بات یہ کارفرما ہے کہ جب بے حیائی کے مرتکب - والعیاذ باللہ - دونوں فریقوں، یعنی مرد اور عورت کا تعلق اسلامی معاشرے سے ہو اور وہ دونوں مسلمانوں کے اندر رہتے بستے ہوں، تو ان کی اِصلاح کا اِمکان زیادہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو انکی مسلمانوں کی طرف سے لعن طعن ہوگی جس سے ان پر لازمی اثر پڑے گا۔ اور دوسری طرف مسلم معاشرہ میں ان کی نگرانی بھی ہوتی رہے گی۔ اس لیے ان کو لعن طعن، تشنیع اور تذلیل و تقبیح کے ذریعے راہِ راست پر آنے کا موقع دیا جائے گا اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا، جبکہ پہلی صورت میں جس میں مرد جو کہ اس جرم کا شریکِ غالب ہوتا ہے وہ اسلامی معاشرے سے باہر اور اسکی تاثیر سے آزاد ہے جسکی بناء پر نہ اسکی اِصلاح کی کوئی توقع ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسکے رویے کا کوئی پتہ چل سکتا ہے۔ تو ایسے میں اس عورت کو آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا کہ اس میں کئی طرح کے مفاسد کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکو گھر کے اندر ہی مقید ومحبوس رکھا جائے، یہاں تک کہ اس کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ اس کیلئے کوئی اور صورت پیدا فرما دے۔ سبحان اللہ! کیسی کیسی لطافتیں اور نزاکتیں اور باریکیاں ہیں جو کلامِ خداوندی اور اس کے اَحکام وفرامین میں مخفی ومضمر ہیں - فللّٰہ الحمد رب العالمین - سو یہ شان دینِ حق کے اَحکام وفرامین ہی کی ہو سکتی ہے - والحمد للہ جل وعلا

۳۹ اللہ تعالیٰ کی شانِ توّابیّت کا حوالہ وذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ اور اتنا بڑا توبہ قبول کرنے والا کہ جتنا بھی بڑا گنہگار اس کے حضور سچی توبہ کر کے حاضر ہو جائے، وہ اس کو معاف فرما دے۔ اور یہ صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی شانِ کرم وعنایت ہے کہ وہ سچی توبہ پر گناہوں کو بالکلیّۃ معاف فرما دیتا ہے۔ بس توبہ صحیح معنوں میں توبہ ہونی چاہیے - وباللہ التوفیق - سو ایسے لوگ جنہوں نے "فاحشۃ" کا ارتکاب کرلیا، اگر سچی توبہ کرلیں، اور اپنے حال کی اصلاح کرلیں، اور صدقِ دل سے اس کی طرف رجوع کریں، تو وہ اپنی شانِ کرم سے ضرور بالضرور ان کی توبہ قبول فرمالے گا کہ وہ بڑا ہی

توبہ قبول فرمانے والا یعنی "توّاب" ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس بندے کا کام ہے توبہ و استغفار اور رجوع الی اللہ
و باللہ التوفیق لما یحب و یرید و علیٰ ما یحب و یرید۔ بکلِ حالٍ من الاحوال، و فی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۴۰ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رحیمیّت کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی مہربان ہے۔ اتنا مہربان کہ اسکی رحمت اور مہربانی کی کوئی حدّ و انتہا نہیں۔ اس لئے سچی توبہ کرنے والے کو صرف معافی ہی کی نہیں اس کی رحمت کی بھی امید رکھنی چاہیئے، کہ اس مہربانِ مطلق اور رحمٰن و رحیم کی رحمت و عنایت کا کوئی کنارہ نہیں اور اسکی رحمت "بہا" نہیں چاہتی بلکہ "بہانہ" ڈھونڈتی ہے۔ سبحانہ تعالیٰ۔ اور یہ اس کی رحمتِ بے پایاں اور عنایتِ بے نہایت ہی کا ایک نمونہ اور مظہر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسی رحمتوں بھری تعلیمات سے نوازتا ہے تاکہ ان کی دنیا بھی سنورے اور انکی آخرت بھی بنے اور بندے اسکے پاکیزہ بندے بن کر دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و مالامال ہوں۔ رب اغفر لی وارحمنی وتب علیّ انک انت التواب الرحیم ۔ سو ایسے مہربانِ مطلق ربِّ رحیم سے منہ موڑنا، اعراض و روگردانی برتنا، اور اس کی رحمت و عنایت سے دور ہونا، بڑا ہی ہولناک خسارہ ہے، ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۴۱ جہالت بمعنی نادانی: ۔ یعنی "جہالت" کا لفظ یہاں پر عدمِ علم کے معنیٰ میں نہیں، بلکہ نادانی اور بے وقوفی کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ جو بھی کوئی گناہ کرتا ہے، وہ دراصل حماقت اور نادانی ہی کی بنا پر کرتا ہے، کہ وہ وقتی خواہشات و جذبات اور دوسرے عوامل و عوارض سے مغلوب و متاثر ہو کر اور گناہ کے عواقب و نتائج سے غافل و لاپرواہ ہو کر ہی اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ حضرات صحابہ کرام اور دوسرے ثقہ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں جہالت کا یہی مفہوم مراد ہے۔ (جامع البیان، وغیرہ)۔ سو یہاں پر جہالت کا لفظ علم کے مقابلے میں نہیں، حلم کے مقابلے میں ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ اَلا لَا یَجْهَلَنَّ اَحَدٌ عَلَیْنَا ۔ فَنَجْهَلُ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنَ ۔ یعنی "خبردار کوئی ہمارے خلاف جہالت کا ارتکاب نہ کرے کہ اسکے نتیجے میں ہم تمام جاہلوں کی جہالت سے بڑھ کر جہالت کا ارتکاب نہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۴۲ جلد توبہ کرنے کی ترغیب: ۔ سو اس سے جلدی توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ بندہ کو ارتکابِ معصیت کے بعد فوراً ہی اپنے رب تعالیٰ کے حضور جھک جانا چاہیئے۔ لیکن توبہ کا دروازہ عالمِ نزع کے طاری ہونے تک کھلا رہتا ہے، جیسا کہ آیات و احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا "اِنَّ اللّٰهَ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْغِرْ" (ابنِ کثیر وغیرہ) یعنی "اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ کو قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ وہ غرغرہ کی کیفیت تک پہنچ جائے"۔ پس جو توبہ موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے کر لی جائے گی وہ قریب ہی کی توبہ ہوگی، جیسا کہ حضراتِ اہلِ علم نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرتِ ضحاک کہتے ہیں کہ موت سے پہلے جو بھی توبہ ہوگی وہ قریب ہی کی توبہ ہوگی اور ابنِ عباس کہتے ہیں جو توبہ فرشتۂ موت کو دیکھنے سے پہلے ہوگی وہ قریب ہی کی توبہ کہلائے گی۔ (مدارک التنزیل، محاسن التاویل، جامع البیان اور ابن کثیر وغیرہ) اور مسندِ امام احمد وغیرہ میں حضرتِ ابوذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا، اور اس کے گناہوں کو

معاف فرماتا ہے جب تک کہ حجاب واقع نہ ہو جائے۔ عرض کیا گیا کہ حجاب سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ آدمی کی موت شرک ہی کی حالت میں آجائے "اَنْ تَمُوْتَ وَھِیَ مُشْرِکَۃٌ" (ابن کثیر محاسن التاویل وغیرہ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ توبہ کو موت کے اس آخری وقت تک ٹالا اور مؤخر رکھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قبولِ توبہ کی آخری حد ہے ورنہ اصل بات یہی ہے کہ توبہ فوری طور پر اور جس قدر جلد ممکن ہو کر لی جائے۔ تاکہ گناہ کی میل اور اسکی سیاہی دل و دماغ پر جمنے نہ پائے۔ اسی لیے یہاں پر اسکو "من قریب" کے کلماتِ کریمہ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سو یہ بھی حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے کرمِ بے پایاں کا ایک عظیم الشان مظہر ہے - فَلَہُ الْحَمْدُ وَلَہُ الشُّکْرُ - اللہ ہر گناہ سے ہمیشہ محفوظ رکھے اور جو ہو جائے اس کو معاف فرما دے - آمین ثم آمین یارب العالمین -

۴۳ دو قسم کے لوگوں کیلئے کوئی توبہ نہیں: - سو یہ دونوں قسم کے لوگ اپنی ہی تقصیر و کوتاہی کی بناء پر قبولیتِ توبہ کے شرف سے محروم رہینگے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - یعنی ایک وہ شخص جو آخرِ وقت تک گناہوں میں مشغول رہا وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - یہاں تک کہ جب موت اس کے سامنے آگئی تو وہ توبہ کرنے لگا کہ یہ توبہ اختیاری نہیں اضطراری ہے۔ کیونکہ یہ عذاب کو دیکھنے کے بعد کی توبہ ہے اور مُعاینۂ عذاب کے بعد، جبکہ مطلوب وہ توبہ ہے جو کہ اپنے ارادہ و اختیار سے ہو۔ اور دوسرا وہ شخص جو زندگی بھر اپنے کفر و باطل پر ہی اَڑا رہا یہاں تک کہ وہ مرتے وقت یا آخرت میں پہنچ کر توبہ کرتا ہے تو اسکی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی، کہ کافر کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - کہ موت کے بعد کے ایمان اور اس وقت کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ انسان مرنے کے ساتھ ہی عذاب کا معائنہ کر لیتا ہے اور معائنہ عذاب کے بعد کا نہ ایمان معتبر ہے نہ توبہ کہ وہ ایمان بالمشاہدہ ہے جبکہ اصل مطلوب ایمان بالغیب ہے۔ اور اس سے سرفرازی کا موقع دنیاوی زندگی ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے، امین ثم امین یاربَّ العالمین

۴۴ عورتوں کے جبراً وارث بننے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ عورتوں کے زبردستی وارث مت بنو۔ جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا کہ میت کی بیوہ کو مالِ میراث میں شامل کر کے اس پر قبضہ جما لیا جاتا تھا۔ مرنے والے کا وارث اس پر ایک چادر ڈال دیتا اور کہتا کہ اب یہ میری ملکیت اور میراث ہوگئی۔ پھر اس کی مرضی پر ہوتا۔ اگر وہ چاہتا تو اس سے اسی پہلے والے مہر پر خود ہی نکاح کر لیتا، اور اگر چاہتا تو اس کو کسی اور کے نکاح میں دے دیتا، اور اس کا مہر خود وصول کر لیتا۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، خازن، محاسن التاویل، جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، زادالمسیر، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، وغیرہ) ۔ سو اس ننگِ انسانیت رسم سے اسلام نے آکر ان مظلوم عورتوں کو نجات دلائی اور اسکو ممنوع و حرام قرار دیا - فالحمدللہ رب العالمین - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ عورت متروکہ جائیداد نہیں بلکہ وہ ایک انسان اور آزاد ہستی ہے۔ اس کے ساتھ مُورث کی چھوڑی ہوئی بھیڑ بکریوں کا معاملہ کسی بھی طور جائز نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اپنی مرضی کی مالک اور ایک خود مختار انسان ہے، جس کو اپنی آزادی اور مرضی کے مطابق شریعت کی حدود کے اندر ہر طرح کے عمل اور برتاؤ کی اجازت اور آزادی ہے۔ سو کتنا بڑا احسان ہے یہ اس دینِ حنیف کا صنفِ نازک پر۔ جس سے اس نے دنیا کو پندرہ سو برس پہلے نوازا، والحمدللہ جل وعلا۔

اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ج

اس (مال) کا جو تم نے ان کو دیا ہو، مگر اس صورت میں کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا، ۴۵

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ

اور تم ان سے اچھائی ہی کا برتاؤ کرو، ۴۶ سو اگر وہ تمہیں یونہی بری لگیں

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

تو (اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ) ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں تو بری لگتی ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ

۴۵ عورتوں سے مہر کی واپسی کے جواز کی صورت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان کو تنگ نہ کرو کہ اس طرح تم اس مال کا کچھ حصہ ہتھیا لو جو تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر اس صورت میں جبکہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ پس جب کوئی عورت کسی بھی کھلی بے حیائی یا نافرمانی کا ارتکاب کرے تو اس کا حکم الگ ہے کہ ایسی صورت میں شوہر کو اپنے دیئے ہوئے مہر میں رجوع کا حق ہوگا، جیسا کہ خلع کی صورت میں ہوتا ہے اور جس کی سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۲۲۹ میں تصریح فرمائی گئی ہے۔ (معارف، محاسن، مراغی، وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اگر کسی کو اس کی بیوی ناپسند ہو تو وہ اس سے اپنا دیا دلایا اور کھلایا پہنایا اگلوانے کے لئے اس کو تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔ سوائے اس صورت کے کہ جب اس سے کسی کھلی ہوئی بدکاری کا صدور ہو۔ اور اس قسم کی کوئی بات اگر اس سے صادر نہیں ہوئی تو محض اس بناء پر اس کو تنگ کرنا جائز نہیں کہ وہ اس کو پسند نہیں۔ ایسا اگر کریگا تو یہ عقل ونقل، عدل وانصاف اور شرافت وفتوت کے تقاضوں کے منافی ہوگا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۴۶ حقوقِ نسواں سے متعلق ایک عظیم الشان ضابطہ واصول: - سو - ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ "تم ان عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا برتاؤ کرو" کے اس چھوٹے سے جملے میں عظیم الشان درس دیا گیا ہے اور عورتوں کے حقوق کے ضمن میں یہ ایک ایسا بنیادی اصول وضابطہ ہے جس کی ہمسری دورِ حاضر کا کوئی جدید ترین قانون بھی نہیں کرسکتا۔ سبحان اللہ! دینِ حق نے عورتوں کو کیا کیا حقوق دیئے اور کس کس طرح ان کو بیان فرمایا' مگر بے انصاف اور ظالم لوگ پھر بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں - ﴿تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ - بہرکیف عورتوں سے حسنِ سلوک ایک اہم مطلب اور بنیادی اصول ہے، جس سے واضح فرما دیا گیا کہ حقوقِ نسواں سے متعلق صرف اتنی بات کافی نہیں کہ ان کو نان ونفقہ اور کھانا وکپڑا دے دیا جائے اور بس۔ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی مطلوب ہے کہ ان کے ساتھ حسنِ معاشرت کا معاملہ کیا جائے۔ سو اس سادہ، صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمائے گئے حکم ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کے اس چھوٹے سے جملے میں بہت بڑی وسعت ہے۔ سو اَزْواج کے ساتھ حسنِ معاشرت کا معاملہ ایک اہم مطلب ہے جس کے اندر بہت سی چیزیں آجاتی ہیں - وباللہ التوفیق -

كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

بھلائی رکھی ہو، ۴۷ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ

چاہو، اور تم اسے ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو، تو تم اس میں سے کچھ بھی

شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ

واپس مت لو، کیا تم اسے واپس لو گے بہتان اور (بڑے اور) کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے؟ ۴۸ اور آخر

تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّ

تم اسے کیونکر واپس لو گے جبکہ تم ایک دوسرے کے آگے بے حجاب ہو چکے ہو، اور

۴۷ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم و ارشاد میں خیر ہی خیر ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم لوگوں کو بری لگتی ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اسی میں بہت کچھ خیر اور بھلائی رکھی ہو۔ سو تم سمجھو یا نہ سمجھو حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اسکے ہر حکم میں تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اسی کے فیصلے پر ہمیشہ راضی رہا کرو۔ بہتری اسی میں ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک سب کچھ جانتا ہے، اور تمہارا فہم و ادراک بہر حال ناقص و قاصر ہے۔ اور اس رحمٰن و رحیم کی طرف سے رحمت ہی رحمت ہے۔ پس تم لوگوں کو اپنی پسند و ناپسند کی بجائے ہمیشہ اسی کی تعلیم و ارشاد کو اپنا مطمحِ نظر رکھنا چاہیے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اپنی بیوی کو ظاہری شکل و صورت وغیرہ کے اعتبار سے ناپسند سمجھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں برکتوں کے بہت سے دروازے کھول دے۔ پس مومنِ صادق کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ محض ظاہر پر نظر رکھنے کی بجائے باطن کی خوبیوں پر نظر رکھے۔ اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے اور اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی امید رکھے، جس سے اس کو ئی طرح کی خیر و برکت نصیب ہوگی- وباللّٰہ التوفیق لما یُحِبُّ وَیُرِیْدُ- وعلی ما یحب و یرید

۴۸ فتوت و مروت کا ایک اہم مقتضیٰ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ اس کو واپس لو گے بہتان اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے؟ اور استفہام یہاں پر انکار اور تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی ایسا مت کرو، کہ ایسا کرنا تمہاری شان کے لائق نہیں۔ اور جن اَخلاقِ عالیہ پر تم لوگوں کو ہونا چاہیے یہ طریقہ ان سے میل نہیں کھاتا۔ اور یہ اُس مروت و فتوت کے بھی خلاف ہے جس پر تم لوگوں کو ہونا چاہیے کہ ایمان و یقین کے جس نور سے تم لوگ مشرف و سرفراز ہو اسکی شان بہت بڑی ہے۔ اور "میثاقِ غلیظ"، "پختہ عہد" سے یہاں پر مراد عقدِ نکاح کی ذمہ داری ہے۔ سو اس سے اس کا یہ پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عقدِ نکاح کی اصلی، عرفی، اور شرعی حیثیت یہی ہے کہ وہ میاں بیوی کے درمیان حقوق اور ذمہ داریوں کا ایک پختہ معاہدہ ہوتا ہے۔ سو ان ذمہ داریوں کا نبھانا اس عہد کا اہم تقاضا ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے، اٰمین

اَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ

جبکہ وہ تم سے ایک پختہ عہد بھی لے چکی ہیں، ۴۹ اور مت نکاح کرو تم ان عورتوں سے جن سے نکاح

اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً

کر چکے ہوں تمہارے باپ (دادا) ۵۰ مگر جو ہو چکا (سو وہ ہو چکا)، ۵۱ بے شک یہ بڑی بے حیائی اور

وَّمَقۡتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ ع ۴ ۱۴

نفرت کی بات ہے، ۵۲ اور بڑا ہی برا راستہ، حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں،

وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ

بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں،

۴۹ ازواج کا اپنے شوہروں سے ایک پختہ عہد: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان سے اپنا دیا ہوا مال کس طرح واپس لو گے جبکہ وہ تم سے ایک پختہ عہد لے چکی ہیں، یعنی عقد نکاح کی صورت میں۔ کہ یہ ایسا پختہ عہد ہے کہ اگر شوہر طلاق نہ دے تو کوئی طاقت اس پختہ عہد کو توڑ نہیں سکتی۔ سو اللہ پاک کا نام بہت عظمت والا ہے۔ اس لئے اس کے نام پاک کے حوالے سے کیا جانے والا عہد اس قدر پختہ اور مضبوط ہوتا ہے، کہ اس جیسا دوسرا کوئی عہد ہو سکتا ہی نہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے ذریعے حاصل کیا ہے، اور اللہ کے کلمہ کے ذریعے تم نے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے" (صحیح مسلم، ابنِ کثیر، محاسن التاویل، اور صفوۃ البیان، وغیرہ)۔ سو اس "پختہ عہد"، "میثاقِ غلیظ" کو نبھانا اور اسکے تقاضوں کو پورا کرنا دین وایمان اور عقل وفطرت کا تقاضا ہے۔ اور یہ "پختہ عہد"، "میثاقِ غلیظ" جیسا کہ ابھی اوپر کے حاشیے میں بھی گزرا کہ یہ میاں بیوی کے درمیان ایک ایسا پختہ عہد اور مضبوط معاہدہ ہے کہ اس کے ذریعے وہ دونوں زندگی بھر کے سنجوگ کے عزم کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور اس عقد اور بندھن کے نتیجے میں ان میں سے ہر ایک دوسرے پر خاص حقوق بھی حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے لئے اپنے ذمہ خاص فرائض اور ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھاتا ہے۔ سو بظاہر اس میثاق کے الفاظ اگرچہ نہایت سادہ اور بہت مختصر ہوتے ہیں لیکن ان کے مضمرات وتضمنات بہت بڑے اور ان کے نتائج وثمرات بہت دور رس ہوتے ہیں۔ جن سے آگے ایک مستقل خاندان کی بنیاد پڑتی ہے اور زوجین سے متعلق خاندانوں کی بہتری اور ان کی عزت اور راحت کا دار و مدار بھی اسی نئے عقد اور بندھن پر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے تقاضوں کو پورا کرنا عقل ونقل دونوں کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۵۰ باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی حرمت کا بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ان عورتوں سے

نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں۔ اگرچہ وہ تمہاری حقیقی مائیں نہ ہوں، کہ تمہارے باپ دادا میں سے کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی منکوحہ بن جانے کے بعد ان کیلئے وہی احترام ہے جو تمہاری اپنی حقیقی ماؤں کا ہوتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں باپ کی منکوحات سے نکاح کر لینے کا رواج عام تھا (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان وغیرہ)۔ سو دینِ حق کے نورِ مبین کے طلوع کرنے کے بعد اس سے منع فرما دیا گیا۔ اور اسکے بعد یہ ہمیشہ حرام قرار دے دیا گیا۔ اور ایسا کہ اگر اسلام کے بعد کوئی ایسا کرے گا تو وہ مرتد اور واجب القتل ہوگا، جیسا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے ایسا ثابت و وارد ہے۔ جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ بہرکیف یہ ایک ممقوت و مبغوض اور نفرت انگیز فعل ہونے کے باوجود زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا اور اس کو زواج المقت کہا جاتا تھا۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کی روشنی سے پہلے کا وہ معاشرہ کیسے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ قعرِ مذلت کے کس قدر ہولناک گڑھے میں گر چکا تھا۔ دینِ حنیف نے ان کو ان مہالک سے بچایا۔ فالحمد للہ جل وعلا، بکلِّ حالٍ من الاحوال۔

۵۱ نزولِ حکم سے پہلے کے گناہ معاف ہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ مگر جو ہو چکا کہ وہ بہرحال ہو چکا۔ سو جو گزرا وہ گزرا۔ اس پر پکڑ نہ ہوگی۔ کہ نزولِ حکم سے پہلے کا گناہ معاف ہے مگر اب اس کی اجازت نہیں کہ یہ بہت برا فعل ہے۔ اسی لئے اس کو "مقت" کہا جاتا تھا، اور ایسا نکاح کرنے والے کو "مقتی" (محاسن التاویل، معارف القرآن وغیرہ)۔ بہرکیف باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا بہت برا فعل ہے۔ سو اسی لیے یہاں اس کیلئے تین الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ ایک "فاحشۃ" یعنی یہ بہت بے حیائی کا کام ہے جو اس کے عقلی طور پر قبیح اور برا ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ دوسرا "مقتاً" کہ یہ شرعی طور پر بہت برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصے کا باعث ہے۔ اور تیسرا "ساء سبیلاً" کہ یہ عرفی اور معاشرتی طور پر بہت برا ہے۔ (معارف وغیرہ) سو جو فعل عقلی، شرعی اور عرفی ہر اعتبار سے برا ہو اسکی شناعت و قباحت میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن اس قدر قباحت اور شناعت کے باوجود دورِ جاہلیت کے اس سیاہ دور میں اس کا عام رواج تھا، یہاں تک کہ دینِ حق نے آکر اس کا قلع قمع کیا۔ سو دینِ حنیف کے انسانیت پر کیا کیا احسان ہیں۔ فالحمد للہ۔ مگر ناشکری اور بے قدری دنیا ہے کہ اس کی ایک واضح اکثریت نے پھر بھی اس سے منہ موڑ رکھا ہے۔ والعیاذ باللہ، اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یا ربَّ العالمین

۵۲ نکاحِ مَقت کی حرمت اور اسکی قباحت کا ذکر و بیان: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نکاحِ مقت بڑی ہی بے حیائی اور نفرت کی بات ہے کہ اس سے باپ کی عزت و حرمت خراب ہوتی ہے، اور یہ خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث بنتا ہے۔ سو اب ایسے نکاح کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جائیگا۔ چنانچہ حضرتِ براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ میری ملاقات میرے اپنے چچا سے ہوئی جن کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کی گردن اتار دینے کے لئے بھیجا ہے جس نے اس حکم کے بعد اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ (ابنِ ماجہ، بحوالہ حاشیہ جامع البیان، ابنِ کثیر، محاسن التاویل اور معارف القرآن وغیرہ)۔ کیونکہ دینِ حنیف کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی کرنا، اور حرام کردہ کسی امر کو حلال سمجھنا کفر وارتداد ہے اور کفر وارتداد کی سزا قتل ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ زَیْغٍ وَّضَلَالٍ وَّسُوْءٍ وَّانْحِرَافٍ۔

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ

اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو، ۵۳ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور

اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ

تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں، تمہاری ان بیویوں سے

الّٰتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کے بارے میں) تم پر کوئی گناہ

عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا

نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہوں، اور یہ کہ تم جمع کرو

بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۲۳

(نکاح میں) دو بہنوں کو، مگر جو ہو چکا (کہ وہ بہر حال ہو چکا) بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے

۵۳ حرمتِ رضاعت کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم پر حرام کر دیا گیا تمہاری ان ماؤں کو جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، مگر ہو زمانہ رضاعت کے دوران، نہ کہ اسکے بعد کا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا یعنی رضاعت وہی معتبر ہوتی ہے جو بھوک مٹائے۔ یعنی یہ زمانہ رضاعت کے دوران ہو جبکہ بچے کی بھوک مٹانے کا ذریعہ رضاعت ہی ہوتی ہے، اسکے علاوہ وہ کسی اور خوراک سے بھوک نہ مٹاتا ہو۔ پس رضاعت وہی معتبر ہوتی ہے جو زمانہ رضاعت میں اور قبل الفطام یعنی دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔ یعنی دو سال کی مدت کے اندر ہو، جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رضاعت وہی معتبر ہے جو کہ دو سال کے اندر ہو، (محاسن التاویل للقاسمیؒ)۔ بہرکیف محرمات نسبیہ کے بعد یہ محرمات رضاعیہ کا بیان فرمایا گیا ہے کہ رضاعت سے بھی وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو کہ نسب سے حرام ہوتے ہیں، جیسا کہ مشہور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ رضاعت کے رشتے کی مادرانہ رشتے کے ساتھ بڑی گہری مناسبت ہے۔ جو بچہ جس ماں کی آغوش میں رہتا اور اس کی چھاتیوں سے دودھ پیتا، اور پلتا بڑھتا ہے وہ اس کی پوری نہیں تو آدھی ماں تو ضرور بن جاتی ہے۔ پھر یہ کسطرح ممکن ہوسکتا ہے کہ جس کا دودھ اس کے رگ و پے میں سرایت کر جائے اس سے اس کے جذبات متاثر ہوں۔ اگر متاثر نہ ہوں تو یہ فطرت کا بناؤ نہیں بگاڑ ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اس بگاڑ کو درست کرتا۔ سو اس نے اس کی اصلاح فرمائی اور بدرجۂ تمام و کمال فرمائی۔ اور ایسی کہ جو سعادتِ دارین سے سرفرازی کی کفیل و ضامن ہے، والحمد للہ جل وعلا بکل حالٍ من الاحوال، وفی کلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور (حرام کردی گئیں تم پر) نکاح والی عورتیں، مگر تمہاری وہ باندیاں جن کے مالک ہوں تمہارے داہنے ہاتھ ۵۴

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

لکھ دیا یہ اللہ نے تمہارے ذمے، اور حلال کردی گئیں تمہارے لئے ان کے سوا سب عورتیں ۵۵

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

(بشرطیکہ) تم انہیں طلب کرو اپنے مالوں کے بدلے میں، قید نکاح میں لانے کو، نہ کہ صرف مستی نکالنے کے لئے ۵۶

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

پھر جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو، توانکو دے دیا کرو ان کے وہ مہر

فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

جو مقرر کئے گئے ہوں ۵۷ اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس (مقدارِ مہر) کے بارے میں جو تم لوگ باہمی رضامندی سے طے کرلو،

مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

مقرر کئے کے بعد، ۵۸ بے شک اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے،

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

اور تم میں سے جس شخص کو اس کی طاقت (و گنجائش) نہ ہو کہ وہ نکاح کرے آزاد مسلمان

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

عورتوں سے، ۵۹ تو اس کو چاہیئے کہ کہ وہ تمہاری آپس کی ان مسلمان باندیوں سے نکاح کرلے جو کہ تمہاری

۵۴ باندیوں سے مقصود و مراد؟:- سو باندیوں سے مراد وہ کافر عورتیں ہیں، جو اسلامی جہاد کے دوران پکڑی جائیں، اور امیرِ جہاد ان کو اسلامی تعلیمات کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کردے۔ آج کل کی عام نوکرانیوں کو اس پر قیاس کرنا سراسر غلط اور شیطانی دھوکہ ہے، جس کا شکار کئی لوگ ہو رہے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف جب دار الحرب سے ایسی عورتیں قیدی بن کر دار الاسلام میں آجائیں اور حسبِ ضابطہ ان کو مجاہدین میں تقسیم کردیا

جائے تو وہ ان کی ملکیت میں آجانے کی وجہ سے ان کیلئے حلال ہیں، اگرچہ ان کے شوہر دارالحرب میں زندہ موجود ہوں۔ البتہ اس سلسلے میں استبراءِ رحم ضروری ہے۔ یعنی اگر ایسی کوئی عورت حاملہ ہو تو اس سے وضعِ حمل تک مباشرت جائز نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو اس کیلئے ایک حیض گزر جانے تک انتظار کرنا ہوگا۔ (قرطبی، معارف، اور ابنِ کثیر وغیرہ)۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو عورتیں تمہاری مِلکِ یمین میں آجائیں یعنی تمہاری باندیاں وہ تمہارے لئے حلال ہیں اور استبراءِ رحم کے بعد ان سے صحبت وہمبستری درست ہے۔

۵۵ حلال عورتوں کا ذکر و بیان بالا جمال:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے ان کے سوا سب عورتیں یعنی ان عورتوں کے سوا جن کا ذکر اوپر ہوا یا جو ان کے حکم میں ہیں، اور ان کا ذکر سنت میں آیا ہے، جیسا کہ بیوی اور اس کی پھوپی، یا بیوی اور اس کی خالہ، کو ایک نکاح میں جمع کرنا۔ سو ان کے سوا باقی سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ حرام عورتیں چونکہ چند ایک تھیں، اس لئے ان کی تو تصریح فرمائی گئی، مگر حلال چونکہ بہت زیادہ تھیں اس لئے ان کو "ما وراء ذالک" کے صیغہءِ عموم کے ساتھ ذکر و بیان فرمایا گیا ہے، کہ ان حدود و قیود کو چھوڑ کر باقی سب ہی عورتیں تمہارے لیے حلال اور مباح ہیں۔ سو حرام کا دائرہ محدود اور حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے، مگر ٹیڑھے لوگوں اور ہویٰ وہوس کے غلاموں کا طریقہ ووطیرہ ہمیشہ یہی رہا کہ انہوں نے حلال کے اس وسیع دائرہ کو چھوڑ کر حرام ہی میں ہاتھ مارنے کی کوشش کی اور اس طرح انہوں نے اپنے لئے ہلاکت اور تباہی کا سامان کیا۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ الا ماشاء اللہ جل وعلا۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہر کیف ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ سے تمام حلال عورتوں کا بالا جمال ذکر فرما دیا گیا۔ والحمد للہ جل وعلا

۵۶ نکاح میں مال یعنی مہر کی شرط کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بشرطیکہ تم ان کو طلب کرو اپنے مالوں کے بدلے میں جبکہ اس سے مقصود احصان یعنی قیدِ نکاح میں لانا ہو نہ کہ محض مستی نکالنا۔ جو آزاد عورت کو مہر کے طور پر، اور باندی کیلئے بطور ثمن کے ادا کئے جائیں۔ بس محرمات کے علاوہ باقی تمام عورتوں کے حلال ہونے کی چار شرطیں ہو گئیں۔ اول یہ کہ اس میں طلب وابتغاء پائی جائے، جیسا کہ ایجاب وقبول میں ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں عوضِ مالی یعنی مہر کا وجود ہو۔ تیسرے یہ کہ اس میں مقصود قیدِ نکاح میں لانا اور باقاعدہ طور پر بیوی بنا کر رکھنا ہو، نہ کہ محض مستی نکالنا اور شہوت رانی۔ اس لئے اس میں کسی مدت کی تعیین وتحدید جائز نہیں۔ اور چوتھے یہ کہ اس میں چوری چھپے دوستی لگانے والی بات نہ ہو، بلکہ نکاح کم از کم دو گواہوں کے روبرو ہو۔ پس اس سے شیعوں کے متعہ کا جواز کشید کرنا سراسر باطل ہے، کیونکہ متعہ میں مستقل بیوی بنا کر رکھنا مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ وہاں ایک محدود وقت کیلئے مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود ہوتی ہے، جو نرا زنا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْم۔ اس لئے متعہ جس کا شروع میں رواج تھا، سنت نبویہ، نصوصِ قرآنیہ کے اقتضاء اور اجماع اُمت سے قطعی طور پر حرام ہے۔ اور حضرت ابنِ عباسؓ سے اس بارے اباحت کی جو روایت نقل کی جاتی ہے اول تو وہ حالتِ اضطرار کیلئے تھی۔ اور پھر اس سے بھی آپؓ کا رجوع ثابت ہے، جیسا کہ سننِ ترمذیؒ اور طبرانیؒ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، اور صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ سو حق یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ صراحتاً وعلانیۃً متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ مگر اس کے

باوجود کچھ اس کی حلت کے قائل ہیں - جو کہ صریحاً احکامِ شریعت کا معارضہ ہے، والعیاذ باللہ جل وعلا

۵۷ بیویوں کے مہر ادا کر دینے کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر جن عورتوں سے تم لوگ فائدہ حاصل کرو یعنی نکاح صحیح کے ذریعے تو ان کو تم لوگ ان کے وہ مہر دے دیا کرو جو ان کے لیے مقرر کیے گئے ہوں۔ سو جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کو ان کے مقرر کردہ مہر دے دیا کرو، یعنی نکاحِ صحیح' غیر موقت کی صورت میں۔ پس اس سے شیعوں کا جوازِ متعہ پر استدلال کرنا سراسر دجل وتلبیس ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کیونکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ تم لوگ صحیح طور پر نکاح کر کے ان سے اسی طرح فائدہ اٹھاؤ جس طرح کہ صحیح نکاح کر کے انسان اپنی بیوی سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو تم ان کو وہ مہر دے دو جو نکاح کے وقت مقرر کیا تھا، کیونکہ مباشرت یا خلوتِ صحیحہ کے بعد پورا مہر ادا کرنا لازم اور واجب ہو جاتا ہے، اور اگر مباشرت اور خلوتِ صحیحہ سے قبل ہی طلاق ہوگئی ہو تو مقرر کردہ مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا۔ سو مال اور مہر کی شرط لگانے سے ایک طرف تو عورتوں کے معاملہ میں اِکراہ اور توارث کے امکانات کا سدِ باب فرما دیا گیا، اور دوسری طرف اس سے نکاح کے معاملے کو ایک سنجیدہ معاہدہ کی حیثیت حاصل ہوگئی، تاکہ اس کو بچوں کا کھیل نہ بنایا جا سکے، اور اس مال کی ادائیگی بھی محض ایک تبرع اور احسان کے طور پر نہیں بلکہ ایک فرض کے طور پر ہے جس کا اداء کرنا ضروری ہے۔ اور یہ ایک حق واجب ہے جو زوج پر نکاح کے نتیجے میں واجب ہوتا ہے۔ اور جسکی نصوصِ شریعت میں طرح طرح سے تاکید فرمائی گئی ہے، والحمد للہ جل وعلا

۵۸ باہمی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی جائز ہے:- سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ باہمی رضامندی سے مہر کے مقرر کر لینے کے بعد اس میں کمی بیشی جائز ہے۔ خواہ عورت کل مہر معاف کر دے، یا اس کا کچھ حصہ۔ یا خاوند مقرر کردہ مہر سے بھی زیادہ ادا کر دے۔ غرضیکہ باہمی رضامندی سے جو بھی کرو اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ معاملہ میاں بیوی کا باہمی معاملہ ہے۔ اس لیے اس بارے وہ باہمی رضامندی سے جو چاہیں کر سکتے ہیں یہ ان کا حق ہے۔ سو میاں بیوی مقرر کردہ مہر کے بارے میں جو کوئی کمی بیشی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ آیتِ کریمہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے "علیم" اور "حکیم" کا حوالہ دے کر اس قانون کی عظمت کی طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ اُس علیم وحکیم ذاتِ اقدس واعلیٰ کی طرف سے نازل فرمودہ اِن اَحکام وفرامین کا نہ کوئی متبادل ممکن ہو سکتا ہے اور نہ ہی ان میں کسی طرح کی کسی ترمیم وتنسیخ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کے احکام وارشادات کا تقاضا ہے کہ انکو بلا چون وچرا اپنایا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے احکام کو صدقِ دل سے اپنانے ہی میں انسان کا بھلا ہے - وباللہ التوفیق - لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید

۵۹ غیر مستطیع شخص کیلئے باندی سے نکاح کی اجازت:- یعنی جو شخص آزاد عورتوں کا مہر اداء کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور انکی خوراک و پوشاک کے مصارف برداشت کرنے کا تحمل نہ کر سکتا ہو تو وہ اپنی اس مجبوری کی بناء پر کسی ایماندار باندی سے نکاح کر لے۔ (معارف وغیرہ)۔ بہرکیف اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی کسی آزاد شریف زادی سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کر لے۔ اور یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ عزت وشرافت کی اصل بنیاد ایمان ویقین ہے۔ اور ایمان کا حال اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کو معلوم ہے ورنہ جنس ونوع اور نسل ونسب کے اعتبار سے تم سب لوگ آپس میں ایک ہی ہو، کہ سب آدم کی اولاد میں سے ہیں، اور ایک جسم کے اَعضاء وجوارح کی طرح ہیں۔

الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

ملکیت میں ہوں، اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت اور درجے) کو تم سب آپس میں

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

ایک ہی ہو ۶۰ سو تم ان (باندیوں) سے نکاح کرلو، ان کے مالکوں کی اجازت سے،

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ

دستور کے مطابق، اس حال میں کہ وہ قید نکاح میں آنے والی ہوں، نہ کہ مستی نکالتی

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

اور خفیہ آشنا بناتی پھرتی ہوں، ۶۱ پھر جب وہ قیدِ نکاح میں آ جائیں، تو اگر (اس کے

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ

بعد) وہ ارتکاب کریں کسی بے حیائی کا، تو ان پر اس سزا کی بنسبت آدھی سزا

الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ

ہوگی، جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے، یہ (اجازت) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جس کو اندیشہ ہو گناہ میں پڑنے کا ۶۲ اور اگر

تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ يُرِيْدُ ع ۴

تم صبر (وضبط سے) کام لو، تو یہ بہتر ہے خود تمہارے لئے ۶۳ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے، اللہ

اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ

چاہتا ہے کہ کھول کر بیان فرمائے تمہارے لئے (اپنے احکام) ۶۴ اور ڈال دے تم لوگوں کو ان (حضرات) کے طریقوں پر جو تم سے پہلے گزر

قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ

چکے ہیں ۶۵ اور وہ چاہتا ہے کہ توجہ فرمائے تم پر (اپنی رحمت وعنایت سے) اور اللہ بڑا ہی علم والا، نہایت ہی حکمت والا ہے ۶۶ اور

يُرِيدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

(ہاں) اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ توجہ فرمائے تم لوگوں پر (اپنی رحمت وعنایت سے،) مگر جو لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں اپنی (بطن وفرج

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ

کی) خواہشات کے، وہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ سیدھی راہ سے ہٹ کر بہت دور جا پڑو، ۶۷ اللہ چاہتا ہے

اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کہ ہلکا کر دے تم لوگوں سے (سختیوں اور پابندیوں کے بوجھ کو) اور انسان بڑا کمزور پیدا کیا گیا ہے ۶۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، مت کھاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے مال

۶۰ انسان کی اصل قدر و قیمت اسکے ایمان و یقین ہی سے ہے:- پس تم لوگ باطن کی کھود کرید کی بجائے صرف ظاہری ایمان پر اکتفاء کرو، اور ان سے نکاح کرنے میں کوئی عار اور تردد محسوس نہ کرو، اور بواطن امور کا معاملہ اللہ پاک ہی کے سپرد کر دو، کہ باطن کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اسی کو معلوم ہے کہ کس کا صدق و اخلاص اور ایمان ویقین کس درجے کا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا ایمان ویقین آزاد مرد وعورت سے بڑھ کر ہو۔ بہرکیف یہاں سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اسکے ایمان ویقین ہی سے ہے، ورنہ نسل ونسب کے اعتبار سے سب لوگ باہم ایک ہی برابر ہیں کہ سب ہی آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ پس لونڈی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ شرط ہے کہ یہ نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے ہو، اور ان لونڈیوں کو دستور کے مطابق ان کے مہر دیئے جائیں اور کسی کی حق تلفی نہ کی جائے۔ والعیاذ باللہ جَلَّ وعلا

۶۱ مستی نکالنے اور خفیہ آشنائیاں کرنے کی ممانعت:- کہ بدکاری خواہ ظاہر وعلانیہ ہو، خواہ چوری چھپے، بہرصورت حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ پہلی صورت کو تو حرام سمجھتے تھے مگر دوسری کو جائز۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ اور اس مرض کے جراثیم دورِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب میں آج بھی موجود ہیں اور یہاں اور وہاں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر، کہ زنا ان لوگوں کے یہاں سرے سے کوئی جرم ہی نہیں، جبکہ وہ باہمی رضامندی سے ہو۔ ہاں جب جبر و اِکراہ سے کام لیا جائے تو یہ قابلِ مؤاخذہ جرم ہے۔ سو ان لوگوں کے یہاں زنا جرم وگناہ نہیں بلکہ صرف جبر و اِکراہ جرم وگناہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ چنانچہ یورپ وامریکہ وغیرہ کے مادہ پرست معاشروں کا حال یہ ہے کہ اگر وہاں کی پولیس برسرِ راہ کسی جوڑے کو اس جرم کے ارتکاب میں مصروف دیکھتی ہے تو کہتی ہے OK یعنی تم دونوں باہمی رضامندی سے ایسا کر رہے ہو یا کسی جبر و اِکراہ سے؟ اگر وہ کہیں OK یعنی ہم باہمی رضامندی سے ایسا

کرتے ہیں تو پولیس کہتی ہے ٹھیک ہے کوئی پرواہ نہیں۔ ہاں اگر جبر و اِکراہ ہو تو پھر پولیس ہاتھ ڈالے گی کہ ان معاشروں میں اصل جرم زنا و بدکاری نہیں بلکہ جبر و اکراہ ہے۔ سو دیکھئے جاہلیتِ قدیمہ کس طرح آج بھی جوں کی توں موجود ہے، بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ بے حیائی اور ڈھیٹ پنے کے ساتھ اور شخصی آزادی جیسے خوشنما الفاظ کے پردے میں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف دینِ حنیف نے ہر قسم کی بے حیائی کو ممنوع قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہو یا مخفی۔

۶۲ لفظِ عَنَت کا معنیٰ و مفہوم؟:- عَنَت کے لغوی معنیٰ آتے ہیں ہڈی کا جڑنے کے بعد ٹوٹ جانا۔ اور پھر اس کا اطلاق ہر مشقت کے مفہوم پر ہونے لگا (جامع البیان، وغیرہ)۔ سو اس سے یہ ایماء بھی نکلتا ہے کہ گناہ اور بدکاری سے اگرچہ انسان وقتی طور پر اپنی ہوائے نفس کی تسکین کا سامان کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اپنے لئے تباہی اور ہلاکت کا سامان کرتا ہے، مگر اس وقت اس کو اس حقیقت کا اِحساس و اِدراک نہیں ہوتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جس کسی کو گناہ کی مشقت میں پڑنے کا اندیشہ ہو اسکے لیے باندی سے نکاح کی یہ اجازت دی گئی ہے۔ سو اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ جو اس سے بچ سکے اس کیلئے یہ بہتر ہے کہ یہ بہرحال ایک رخصت اور اجازت ہے نہ کہ اصل اور عزیمت۔ اور باندی سے نکاح میں کئی طرح کے مخاطر و مفاسد بھی ہیں جیسا کہ اگلے حاشیے میں آرہا ہے۔ پس جو لوگ اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتے ہوں۔ اور ان کو گناہ میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ صبر کریں۔ کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ خطرات میں ڈالنا عقلمندی کا تقاضا نہیں۔ سو جہاں تک ہو سکے انسان صبر و ضبط ہی سے کام لے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بِکُلِّ حالٍ من الاحوال -

۶۳ نکاحِ اَمَہ سے صبر کرنا ہی بہتر ہے:- کہ باندی کے ساتھ نکاح کرنے میں وہ مصالح اور منافع حاصل نہیں ہوتے، جو آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ نیز اس میں اولاد کو "رق" کیلئے پیش کرنا ہوتا ہے، جیسا کہ حضرتِ ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کسی آزاد شخص نے باندی سے نکاح کیا اس نے اپنے آدھے حصے کو غلام بنا دیا۔ "اَیُّمَا حُرٍّ تَزَوَّجَ بِاَمَۃٍ فَقَدْ اَرَقَّ نِصْفَہٗ" (محاسن التاویل وغیرہ)۔ اسی لئے سننِ ابنِ ماجہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے طاہر و مطہر ملنا چاہے، وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔ (جامع البیان، ابنِ کثیر، وغیرہ)۔ نیز باندی کا مالک جب چاہے اس سے خدمت لے سکتا ہے۔ سفر میں اور حضر میں بھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز مومن کی عزتِ نفس کے خلاف ہے جو کہ مومنِ صادق کیلئے اصل اور سب سے اہم شئی ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ نیز باندی کو ملنے والا مہر اس کے مالک کو جائے گا نہ وہ خود اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور نہ اپنے خاوند کو ہبہ کر سکتی ہے۔ سو ایسے امور کی بناء پر باندی کے نکاح سے اس کے گھر کا نظام مختل ہو جائے گا۔ اس لئے باندیوں کے نکاح سے صبر کرنا ہی بہتر ہے۔ اسکی اجازت محض درجہ ضرورت و اضطرار کی بناء پر ہے۔ ورنہ اصل اور بہتر یہی ہے کہ انسان حتی المقدور اس سے احتراز کرے۔

۶۴ اللہ کے احکام بندوں ہی کے بھلے کے لیے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اپنے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے خود تمہارے بھلے کیلئے اے لوگو۔ تاکہ تم لوگ ان پر عمل کر کے سعادتِ دارین سے سرفراز ہو سکو۔ اور تمہیں حق و باطل، جائز و ناجائز، اور حلال و حرام، کے درمیان فرق و امتیاز میں دقّت و دشواری پیش نہ آئے۔ پس

یہ اس کا تم پر عظیم الشان کرم و احسان ہے۔ اس لئے تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم اس کرم و احسان کی قدر پہچانو، اور اطاعت و تسلیم کی گردن اپنے اس خالق و مالکِ مہربان کے آگے ڈال دو، اور سرِ تسلیم خم کر کے اِن اَحکام و ہدایات پر عمل پیرا ہو جاؤ، اس ایمان و یقین سے سرشار ہو کر کہ اسی میں تمہارا بھلا اور فائدہ ہے، دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی، اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی - وباللّٰہ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْد، وعلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ- کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت کے بغیر بندہ ازخود کچھ بھی نہیں کرسکتا - فالامر بیدہ سبحانہ وتعالیٰ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۶۵ گزشتہ انبیاء و رسل اور صالحین کے راستوں پر چلنے کے مقصد کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو ان لوگوں کے طریقوں پر ڈال دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی گزشتہ انبیاء و رسل اور صالحین کے طریقوں پر، جن پر چل کر تم بھی خداوندِ قدوس کی ان رحمتوں اور عنایتوں سے بہرہ ور ہو سکو، جن سے وہ حضرات سرفراز ہو چکے ہیں۔ اور ان کے یہ طریقے جاننے کا ذریعہ سوائے قرآنِ حکیم کے دوسرا کوئی نہیں۔ کیونکہ باقی سب آسمانی کتابوں کو تبدیل کر دیا گیا ہے، اور تحریف کر کے ان کو کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہے۔ سو انبیاء و رسل کے طریقوں سے آگہی اور ان پر چلنے کی سعادت و سرفرازی، دارَین کی فوز و فلاح سے ہمکنار و سرفراز کرنے والی راہ ہے۔ اور یہ چیز دینِ حنیف اسلام اور کتابِ حکیم قرآنِ مجید کے سوا اور کہیں سے ملنا ممکن نہیں۔ پس تمہارے رب نے تم کو اس دینِ حنیف سے مشرف فرما کر اور اس کتابِ مبین کو نازل فرما کر تم کو جس عظیم الشان اور بے مثل اِنعام و اِحسان سے نوازا ہے اس جیسا دوسرا کوئی اِنعام و احسان ممکن ہی نہیں۔ پس عقل و نقل اور عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ تم لوگ اس عظیم الشان اور بے مثال نصیحت کی دل و جان سے قدر کرو اور اس کو صحیح طور پر اپناؤ کہ یہی عقل و نقل کا تقاضا اور فطرت کی پکار ہے - وباللّٰہ التوفیق- لما یحب و یرید، وعلٰی ما یحب و یرید

۶۶ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کا حوالہ و ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے اس لئے وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں اور ضرورتوں کو بھی پوری طرح جانتا ہے، اور ان کے لئے جو کچھ بھی مقرر فرماتا ہے وہ کمالِ حکمت ہی سے مقرر فرماتا ہے۔ پس اس کے کسی حکم و ارشاد کا کوئی بدل ممکن نہیں- سبحانہٗ وتعالیٰ- لہٰذا اس کے اَحکام و فرامین کو دل و جان سے ماننا اور صدقِ دل سے انکو بجا لانا خود اس انسان کے اپنے لئے مفید اور سعادتِ دارَین سے مشرف و بہرہ ور ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور ان سے اِعراض و روگردانی دنیا و آخرت کی محرومی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو وہ ربِّ علیم و حکیم اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو یوں ہی گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا چھوڑ دے اور اس کی ہدایت کا کوئی انتظام نہ فرمائے۔ اس لئے اس نے اپنے بندوں کو دینِ حق کی اس عظیم الشان نعمت سے نوازا ہے تاکہ وہ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آئیں۔ اسی لئے اس نے اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کو اپنے ذمے لازم فرما رکھا ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ عَلَیْنَا لَلْھُدٰی [الیل-۱۲] یعنی ہمارے ذمے ہے راستہ بتانا، اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا وَعَلَی اللّٰہِ قَصْدُ السَّبِیْلِ وَ مِنْھَا جَآئِرٌ الأیۃ [النحل-۹] یعنی اللہ کے ذمے ہے سیدھا راستہ بتانا کہ کئی راستے ٹیڑھے ہیں، والعیاذ باللہ جل وعلا والحمدللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

۲۷ **اتباعِ ہوٰی باعثِ ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ:** - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خواہشاتِ نفس کی پرستش و پیروی، ہلاکت وتباہی کی راہ ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم: - سو ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ خواہشات کی پیروی میں تم لوگ حیوانیتِ سافرہ اور بہیمیتِ مطلقہ کی اس راہ پر چلو جو تم لوگوں کو شرفِ انسانیت سے محروم کردے۔ اور اس طرح تم لوگ دائمی ہلاکت وتباہی کے گڑھے میں جا گرو۔ سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی انسان کو راہِ حق وصواب سے دور اور اتنا دور لے جاتی ہے کہ اس کے لئے راہِ حق وصواب کی طرف واپسی بہت مشکل، بلکہ بعض حالات میں ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح وہ دائمی ہلاکت وتباہی کے ہولناک گڑھے میں جا گرتا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - تو پھر کیا خیال ہے آپ کا چہار سو پھیلے ان مادہ پرست معاشروں کے بارے میں کہ جن کی زندگی کی اساس وبنیاد ہی خواہش پرستی پر قائم ہے؟ اور خواہشِ نفس ہی کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ اور ان کی ساری تگ و دو خواہشاتِ نفس کی پوجا و پرستش کے محور کے گرد گھومتی ہو اور وہ علم کے باوجود ضلالت وگمراہی کے ہولناک گڑھوں میں جا گرے ہوں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - جیسا کہ قرآنِ حکیم میں اس بارے میں دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ الآیۃ [الجاثیۃ:۲۳] سو ایسوں کو حق وہدایت کی دولت نصیب نہیں ہوسکتی کہ اتباعِ ہوٰی کی بناء پر ایسوں کے کانوں اور ان کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں، دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے۔ سو جن کے دل ودماغ ماؤف ومعطل اور ان کی آنکھیں اور کان بند ہو جائیں ان کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے اور کون دے سکتا ہے؟ ﴿وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ جبکہ ہدایت سے سرفرازی کے لئے اولین اساس اور بنیادی شرط طلبِ صادق اور رجوع الی اللہ ہے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال

۲۸ **انسان کے جبلی اور طبعی ضعف کا ذکر:** - سو اس سے انسان کے طبعی ضعف اور خواہشاتِ نفس کے مقابلے میں اس کی فطری کمزوری کو بیان فرمایا گیا ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ انسان کو کمزوری سے پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی انسان کمزور ہے خواہشاتِ نفس کے مقابلے میں۔ کہ ان کو پوری طرح سے دبانا اور کچلنا اس انسان ضعیف البنیان کے بس میں نہیں رہتا - الا ماشاء اللہ - اسی لئے اس انسان کے لئے احکام میں نرمی اور رعایت برتی گئی۔ (محاسن، روح، صفوۃ، وغیرہ)۔ اور حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - سے بڑھ کر کون اس انسان ضعیف البنیان کی نفسیات سے واقف اور آگاہ ہوسکتا ہے؟ - سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اس نے انسان کو جن اَحکام اور تعلیمات سے نوازا ہے وہ عین اس کی فطرت وطبیعت کے مطابق اور سراسر اس کے لئے خیر وبرکت کا ذریعہ ہیں۔ سو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے اپنے ان اَحکام وفرامین کے ذریعے ایک طرف تو اپنے بندوں کے لئے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کی راہیں کھولیں اور دوسری طرف ان سے یہود ونصاریٰ کی خود ساختہ شریعتوں اور خانہ ساز رسموں رواجوں کے بوجھ اتار دیئے جو ان کی گردنوں پر لدے ہوئے تھے کہ یہ سب کچھ اس انسان ضعیف البنیان پر ظلم تھا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم والحمد للہ جل وعلا - سو دینِ فطرت نے اس سے ان غیر فطری بوجھوں کو اتار دیا - فالحمد للہ جل وعلا - ثم آمین یارب العالمین

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ

ناحق (اور ناجائز) طریقوں سے، ۶۹ مگر یہ کہ کوئی لین دین ہو باہمی رضامندی سے،

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۲۹

اور مت قتل کرو تم لوگ اپنے آپ کو، ۷۰ بے شک اللہ تم پر بڑا ہی مہربان ہے، ۷۱

۶۹ الباطل کے مفہوم کا عموم وشمول: - الباطل یعنی ناحق کا مفہوم عام ہے۔ یہ ہر اس شکل کو شامل ہے جو اسلام میں ناجائز ہے۔ پس سود، جوا، دھوکہ، چوری، ڈکیتی وغیرہ میں سے جس طریقے سے بھی دوسرے کا مال کھایا جائے وہ سب اسی زمرے میں آئے گا۔ اور وہ سب ممنوع ومحظور ہے۔ اور نبی معصوم ﷺ کی احادیثِ کریمہ میں جو ان ناجائز ذرائع و وسائل کی تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں، وہ درحقیقت اسی ارشادِ ربانی کی تشریح وتوضیح کی حیثیت رکھتی ہیں - وَالتَّفْصِيْلُ فِي الْمُفَصَّلِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں باطل طریقے سے دوسرے کا مال کھانے کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اور یہاں پر باطل طریقوں سے دوسروں کے مال مار کھانے اور قتلِ نفس کی حرمت کو یکجا بیان فرمایا گیا ہے اور دونوں کی حرمتوں کو جمع فرما دیا گیا ہے۔ اور ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے میں بڑا گہرا رشتہ ہے کیونکہ مال کی حرص اس کے حصول کے جائز وناجائز طریقوں کی تمیز اٹھا دیتی ہے اور پھر یہ بیماری لوگوں کو ایسا اندھا کر دیتی ہے کہ اس کے لئے قتل وخون تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ سماجی فسادات اور خونریزیوں پر بنیادی طور پر سب سے زیادہ عمل دخل اسی بیماری یعنی حرصِ مال کا ہوتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کے درمیان پائے جانے والے اس گہرے رشتے اور تعلق کی بناء پر جان و مال کی حرمت کو یکساں قرار دیا ہے "حُرْمَةُ مَالِهٖ كَحُرْمَةِ دَمِهٖ" یعنی مؤمن کا مال بھی اسکی جان کی طرح حرام ہے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں دوسرے کے مال کی کتنی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ تعدی وتجاوز کی ہر شکل وصورت سے ہمیشہ محفوظ رکھے - آمین۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۷۰ خودکشی کی حرمت کا بیان: - سو اس ارشاد میں خودکشی کی حرمت وممانعت کا بیان ہے۔ لیکن بعض حضرات نے یہاں پر اپنی رائے سے اس ارشاد کے تبادر کے بھی خلاف کیا ہے اور قولِ جمہور کے بھی۔ سو آیتِ کریمہ میں تو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے آپ کو قتل مت کرو، یعنی خودکشی مت کرو کہ یہ حرام ہے، جیسا کہ بہت سی صحیح احادیث میں وارد ہے۔ اسی طرح اپنے میں سے ایک دوسرے کو بھی قتل مت کرو کہ یہ بھی گویا خود کو اپنے ہاتھوں قتل کرنا ہے۔ کیونکہ اس سے ایک تو قتل کی راہ کھلتی ہے، اور ہر کسی کی جان خطرے میں پڑ جاتی ہے، اور دوسرے اس طرح ایک انسان اپنے آپ کو "مُبَاحُ الدَّمِ" بنا لیتا ہے، کہ دوسرے کو قتل کرنے کے بعد خود اسکی جان کو بھی امان حاصل نہیں رہتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - نیز مومن کے ایمان کا تقاضا چونکہ یہ ہے کہ وہ دوسرے مسلمان بھائی کی جان کو اپنی ہی جان کی طرح سمجھے اس لئے یہاں اسکی تعبیر ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ سے فرمائی گئی ہے، کہ دوسرے کو مارنا گویا خود اپنے آپ کو مارنا ہے۔ اور تیسری بات اس مفہوم کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ تم لوگ گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی کے گڑھے میں نہ ڈالو (روح وغیرہ)۔ سو ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ کا عموم ان تینوں ہی مطالب کو شامل ہے۔ اور یہ تینوں ہی اہم اور وقیع مفاہیم ہیں، لیکن ﴿اَنْفُسَكُمْ﴾ کے کلمہ کریمہ کا ظاہر اور متبادر مفہوم پہلا ہی ہے، جیسا کہ ابنِ کثیر - رحمہ اللہ - نے

فرمایا ہے۔ بہر کیف ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کے عموم میں خودکشی بھی باتفاقِ مفسرینِ کرام شامل ہے (معارف القرآن)۔ بلکہ اس کا متبادر معنی یہی ہے۔ اسی لئے حضرتِ عمرو بن العاصؓ نے جب ذات السلاسل کے سفرِ جہاد کے دوران ایک موقع پر احتلام ہو جانے کی وجہ سے سخت سردی کی بناء پر غسل کی بجائے تیمّم کر کے نماز پڑھائی، تو اس پر آنحضرت ﷺ نے جب ان سے پوچھا تو آپؓ نے اس کے جواب میں یہی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی سخت سردی کی وجہ سے مجھے غسل کرنے سے جان کا خطرہ تھا۔ اور اگر میں ایسا کرتا تو یہ خودکشی کے زمرے میں آجاتا، جو کہ اس آیتِ کریمہ کی رو سے منع ہے، اس لئے میں نے تیمّم پر ہی اکتفاء کیا۔ تو آپؓ کے اس استدلال پر آنحضرت ﷺ مسکرا کر خاموش ہو گئے، اور ان کو کچھ نہیں فرمایا۔ (مسند امام احمد ج ۴ ۲۰۳ بحوالہ محاسن التاویل)۔ پس ہمارے اس دور کے ایک مفسر صاحب جن کی تفسیر میں ایسے بہت سے تفردات پائے جاتے ہیں جو جمہور اہلِ علم کی رائے کیخلاف ہیں، ان کا اس موقع پر یہ کہنا کہ "اس کے معنی خودکشی کے لینے کا نہ تو کوئی موقع ومحل ہے اور نہ ان الفاظ میں اس مفہوم کی کوئی گنجائش ہے" (تدبرِ قرآن از امین احسن اصلاحیؒ)۔ سو موصوف کا ایسا کہنا جمہور اہلِ علم کی رائے کیخلاف اور محض موصوف کی اپنی ایک اپج ہے۔ گنجائش کیوں نہیں؟ بلکہ ان الفاظ کا تو اولین مفہوم جو ان سے متبادر ہوتا ہے، وہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ یعنی خودکشی نہ کرو۔ اسی لئے حضراتِ مفسرینِ کرام بالعموم اس موقع پر ان نصوص کا بھی ذکر کرتے ہیں جو احادیثِ نبویہ ۔علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ میں مختلف اسالیب سے خودکشی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور اسی بنیاد پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس سے استدلال کیا جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ بہر کیف اس ارشاد سے خود اپنے آپ کو اور اپنوں کو قتل کرنے کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے۔

۷۱ اللہ کی رحمت وعنایت کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ تم لوگوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔ اسی لئے وہ تم کو خود تمہاری اپنی جانوں کی بھی حفاظت ونگہداشت کی اس طرح تعلیم و تلقین فرماتا ہے، حالانکہ وہ تم کو خود سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ تم پر تمہاری اپنی جانوں سے بھی کہیں بڑھ کر مہربان ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو کس قدر بے انصافی، اور ناقدری وناشکری ہو گی کہ اسی وحدہٗ لاشریک کے ان احکام و فرامین سے منہ موڑا جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ بہر کیف آیتِ کریمہ کے آخر میں ربِّ کریم کی صفتِ رحیم کے ذکر سے واضح فرما دیا گیا کہ جب تمہارا رب تم پر ایسا مہربان ہے تو وہ کس طرح یہ پسند کرسکتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے مال ہڑپ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو۔ وہ ربِّ رؤف ورحیم تو یہی چاہے گا کہ تم آپس میں "رُحَمَآءُ" بن کر رہو اور جب وہ ایسا رحیم اور مہربان ہے تو لازم ہے کہ ایک ایسا یومِ عدل وانصاف قائم فرمائے جس میں ان لوگوں کو جنہوں نے دوسروں کے مال ہڑپ کئے، ان کی جانوں پر مظالم ڈھائے، ان کو ان کے کئے کرائے کی پوری سزا دے تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی اصل اور کامل شکل میں پورے ہو سکیں۔ سو وہی دن قیامت کا دن ہے جس کا بپا ہونا عقل ونقل کا تقاضا ہے۔ اور اس کا آنا ضروری ہے ورنہ یہ سارا کارخانۂ قدرت عبث اور بیکار ہو کر رہ جائے گا جو اس خالق ومالکِ حکیم کی حکمت کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو عقل ونقل اور دین وخرد سب کا تقاضا ہے کہ اس یومِ حساب کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے اور دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں اسکے لئے تیاری کی جائے قبل اس سے کہ عمرِ رواں کی یہ فرصتِ محدود ہاتھ سے نکل جائے اور ہمیشہ کے لئے پچھتانا پڑ جائے ۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔ بکل حال من الاحوال

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ

اور جو کوئی ایسا کرے گا زیادتی اور ظلم کے ساتھ، تو ہم اس کو جھونک

نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا

دیں گے ایک بڑی ہی ہولناک آگ میں ۷۲ اور ایسا کرنا اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں ۷۳ (اور اس کے برعکس) اگر تم لوگ بچتے رہے ان

كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ

بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے، تو ہم مٹا دیں گے تم سے تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ۷۴ اور تم کو داخل کر دیں گے

مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ

ایک بڑی ہی عزت کی جگہ میں، اور تم ہوس مت رکھا کرو ان (وہی) چیزوں کی، جن کے ذریعے اللہ نے فضیلت (و بزرگی)

بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

بخشی ہو تم میں سے بعض کو بعض پر ۷۵ (کہ مدارِ نجات ان چیزوں پر نہیں، اپنے کسب و عمل پر ہے، سو) مردوں کے لئے حصہ ہے

۷۲ آتشِ دوزخ کی ہولناکی سے تحذیر۔ والعیاذ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی ایسا کرے گا زیادتی و ظلم کے ساتھ تو ہم اس کو جھونک دیں گے ایک بڑی ہی ہولناک آگ میں۔ یعنی تنوین تعظیم و تہویل کیلئے ہے ''اَیْ ھَائِلَۃ شَدِیْدُ الْعَذَابِ'' (محاسن التاویل)۔ اور ظاہر ہے کہ دوزخ کی اس سے بڑھ کر ہولناک اور خوفناک آگ اور کون سی ہوسکتی ہے؟ جو دنیا کی ہماری اس آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہوگی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع فرمودہ اور حرام کردہ امور کے ارتکاب کا نتیجہ و انجام بہت برا ہے۔ ''ذالک'' کا مشارٌ الیہ جیسا کہ ظاہر اور متبادر ہے، وہی امور ہیں جن کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی خودکشی کا ارتکاب اور دوسروں کا مال ناحق طور پر مار کھانا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ لیکن اس میں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس کا مشارٌ الیہ وہ تمام اوامر و ارشادات ہوں جن کا ذکر اس سورۂ کریمہ کے شروع سے لیکر یہاں تک فرمایا گیا ہے۔ (معارف القرآن وغیرہ)۔ ''عدوان'' سے مراد حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ اور ''ظلم'' سے مراد کسی پر ناحق دست درازی کرنا ہے۔ (معارف وغیرہ)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو ایسا کرے گا اس کو ہم ایک بڑی ہی ہولناک آگ میں جھونک دیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی عنایت و پناہ میں رکھے۔ امین ثم امین یارب العالمین

۷۳ اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل و انصاف کا تقاضا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسا کرنا اس ربِّ ذوالجلال کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں کہ یہ اس کے عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ قادرِ مطلق۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ رحمٰن و رحیم ہونے کے ساتھ ساتھ ''قہار و جبار'' اور ''عزیز و ذو انتقام'' بھی ہے۔ اور اس کی اِن صفات علیا اور اسماءِ حسنیٰ کا تقاضا یہی ہے کہ وہ کفر و شرک کے

علمبرداروں اور اپنے باغیوں اور سرکشوں کو ان کے کیے کی پوری سزا دے۔ تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے ہوں، اور ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا پورا پورا پھل پا سکے۔ نیک اپنی نیکی کا، اور برا اپنی برائی کا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اس لیے کسی کو اس دھوکے اور شبہے میں نہیں پڑنا چاہیئے کہ وہ رحمٰن ورحیم اپنے بندوں کو کس طرح عذاب میں ڈالے گا، کہ وہ رحمٰن ورحیم کے ساتھ ساتھ عزیز وقہار بھی ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر قائم رکھے۔ امین ثم امین

۷۴ گناہوں کی معافی کیلئے ایک عظیم الشان ضابطہ واصول: - کہ کبیرہ گناہوں سے تم بچتے رہو صغیرہ ہم معاف کردیں گے۔ اور یہ اس لیے کہ نیکیاں صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ الآیۃ [ھود:۱۱۴] اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ "ایک نماز دوسری نماز تک، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک، اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، درمیانی مدت کیلئے کفارہ ہیں، جبکہ انسان صغیرہ گناہوں سے بچتا رہے"۔ سو اس آیتِ کریمہ سے اس صحیح اور عظیم الشان طریقے کی نشاندہی فرمائی گئی۔ ہے، جو عقل وفطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، کہ کبیرہ گناہوں سے تم بچتے رہو، صغیرہ گناہ اللہ پاک اپنی رحمت وعنایت سے خود معاف فرمادے گا کہ وہ غفور اور رحیم بھی ہے، اور ستار وکریم بھی۔ مگر الٹی کھوپڑی کے لوگوں نے اس کے برعکس یہ طریقہ اپنا رکھا ہے کہ صغائر کے ارتکاب پر تو گویا آسمان سر پر اٹھالیں گے مگر کبائر پر بولیں گے بھی نہیں۔ مثلاً جو فرض نمازوں کا تارک ہوگا اس کو تو کچھ نہیں کہیں گے، مگر جو نفل نہ پڑھے گا اس کو کہتے ہیں کہ یہ ایسا اور ویسا ہے۔ گویا کہ ایسے لوگ مشہور مثل کے مطابق مچھر چھانتے ہیں اور ہاتھی نگل جاتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو اصولی تعلیم بہرحال یہی ہے کہ کبیرہ گناہوں سے تم بچتے رہو، صغیرہ اللہ پاک کی رحمت وعنایت سے خود معاف ہوتے جائیں گے - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح کے گناہ سے محفوظ رکھے اور ہمیشہ اپنی رحمت وعنایت کے سائے میں رکھے اور نفس وشیطان کے ہر حملے سے اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔ یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۷۵ غیر اختیاری امور میں رشک ورقابت سے ممانعت: - کہ غیر اختیاری امور محض اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش ہوتے ہیں۔ ان پر حسد یہ اللہ پاک کی تقسیم پر اعتراض ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور ایسی تمنا وہوس سے حسد کے جراثیم جنم لیتے ہیں، جس سے آگے طرح طرح کے مفاسد جنم لیتے اور مضار ابھرتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - پس ہر کسی کو دوسرے کے خداداد فضل وکمال اور مال ومنال کی طرف دیکھنے اور ان پر رشک وحسد کرنے کی بجائے اپنی قسمت پر راضی رہنا چاہیئے۔ (معارف، مراغی وغیرہ)۔ جیسا کہ حضرتِ نبی معصومؐ نے فرمایا "جو کچھ اللہ نے تمہیں نصیب فرمایا ہے اس پر راضی ہو جاؤ سب سے بڑے غنی بن جاؤ گے" "وَارْضِ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ فَتَکُنْ اَغْنَی النَّاس" سو خلقی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو بعض صفات کے ساتھ متصف فرمایا ہے مثلاً کسی کو خوبصورت بنایا ہے کسی کو بدصورت۔ کسی کو کالا کسی کو گورا۔ کسی کو سلیم الاعضاء بنایا ہے کسی کو ناقص الاعضاء۔ کسی کو امیر گھرانے میں پیدا فرمایا ہے کسی کو غریب گھرانے میں۔ سو اس طرح کے خلقی امور میں مقابلے اور تنافس کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ تنافس اور مقابلے کا میدان وہ اکتسابی امور ہیں جو انسان کے ارادہ واختیار اور اس کے بس میں ہیں۔ غیر فطری اور غیر اختیاری امور میں رشک ورقابت لا حاصل بھی ہے اور نری حماقت بھی۔ اس لئے اس سے صاف اور صریح طور پر ممانعت فرمادی گئی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ تعالیٰ اس سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے - آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویاارحم الراحمین

اكْتَسَبُوا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔــلُوا

ان کی اپنی کمائی کا، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے ان کی اپنی کمائی کا، اور تم لوگ مانگا کرو

اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ﴿۳۲﴾

اللہ سے، اس کے فضل سے، بے شک اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، ۷۶

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ

اور ہم نے ہر شخص کے وارث مقرر کر دئے ہیں، اس مال میں سے جس کو چھوڑ مریں اس کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۷۷

۷۶ اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ و ذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے۔ سو وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو کیا دے؟ اور کب اور کیسے دے؟ پس ہمیشہ اس کی قضا و قدر پر راضی رہا کرو، اور ہمیشہ اسی سے مانگا کرو کہ سب خزانوں کا مالک وہی ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے بہتر کیا ہے- سبحانہ و تعالیٰ - سو تمہیں مقابلے اور تنافس اور رشک و رقابت کے لئے وہ میدان اختیار کرنا چاہئے جو تمہارے بس اور اختیار میں ہے۔ اور وہ میدان ایمان اور عملِ صالح کا میدان ہے۔ سو اس میدان میں آگے نکلنے کے لئے تمہیں تقویٰ و طہارت، عبادت و ریاضت اور توبہ و انابت کے میدانوں میں آگے بڑھنے اور گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ میدان سب کے لئے کھلا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت - آزاد ہو یا غلام۔ بانو ہو یا باندی۔ شریف ہو یا وضیع۔ اعمیٰ ہو یا بصیر۔ یہ میدان سب کے لئے کھلا ہے۔ سو غیر اختیاری اور فطری امور میں دخل دینے کی بجائے طالبِ فضیلت و سبقت لوگوں کو اس میں آگے بڑھنا چاہئے۔ - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۷۷ میراث میں سے ہر صاحب حق کو اس کا حق دینے کی ہدایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے ہر شخص کے وارث مقرر کر دیے ہیں اس مال میں سے جس کو چھوڑ کر مریں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار۔ پس تم لوگ ان کی میراث انہی وارثوں میں بقدرِ حصص تقسیم کرو، اور اللہ کے مقرر فرمودہ ان حصوں میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی مت کرو۔ اور اللہ کی تقسیم چونکہ نہایت علم و حکمت پر مبنی ہوتی ہے اس لیے اس میں کمی بیشی کا حق کسی کو نہیں ہوسکتا۔ لفظِ "موالی" جمع ہے مولیٰ کی۔ اور "مولیٰ" کا لفظ عربی زبان میں بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اس کے ان مختلف معانی میں سے ہر معنیٰ کی تعیین موقع و محل اور قرینے کی بناء پر ہوتی ہے۔ یہاں پر سیاق و سباق اور موقع و محل اور قرینے کی دلیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہاں پر ایک مراد پر مُورِث کے وارث ہیں۔ سو ارشادِ عالی کا مطلب یہ ہوا کہ ہر مورث کے مال کے وارث مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کے مطابق جس کا جو حق بنتا ہے وہ اس کو دے دیا جائے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہ کی جائے۔

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ

اور جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کر رکھے ہوں، تو تم ان کو ان کا حصہ دو ۷۸ (اور باقی سب وارثوں کا ہے)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے، ۷۹ مرد

قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

حاکم (و سرپرست) ہیں عورتوں پر، (ایک تو) اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (فطری اور جبلی)

بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ

فضیلت بخشی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے ۸۰ سو نیک بخت عورتیں،

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ

فرمانبردار (اور) حفاظت (و نگرانی) کرنے والی ہوتی ہیں، (اپنی عزت و ناموس اور اپنے شوہروں کے مال و متاع کی ان کی) غیر

تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي

حاضری میں، اللہ کی حفاظت کی بناء پر ۸۱ اور جن عورتوں کی سرکشی (اور نافرمانی) کا تمہیں اندیشہ ہو تو تم انہیں (اول تو زبانی کلامی طور پر) سمجھاؤ

۷۸ حلیفوں کو ان کا حصہ دینے کا حکم و ارشاد:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کر رکھے ہوں ان کو ان کا حصہ دو۔ یہ حکم شروع میں تھا جو کہ بعد میں ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ کی آیت سے منسوخ ہو گیا (جامع البیان، معارف القرآن وغیرہ)۔ سو شروع میں حلیف کو میت کے مال کا چھٹا حصہ ملتا تھا جو بعد میں مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے منسوخ ہو گیا، جس کی رو سے میراث رشتہ و قرابت ہی کی بناء پر مل سکے گی۔ سو بطورِ میراث ایسے لوگوں کو تو اب کچھ نہیں دیا جا سکے گا، لیکن بطورِ وصیت اور اعانت و احسان ان کو اب بھی دیا جا سکتا ہے۔ (معارف للکاندھلوی وغیرہ)۔ احسان کے طور پر ان کے لئے یہ حصہ چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوڑا گیا ہے اس لئے اس کو یہاں پر ﴿نَصِيْبَهُمْ﴾ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا کیا باریکیاں ہیں اس کتابِ حکیم کی۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ اب میراث رشتہ و قرابت کی بنیاد ہی پر تقسیم ہو گی۔ نہ کہ کسی اور عہد و میثاق وغیرہ کی بناء پر۔

۷۹ اللہ تعالیٰ کی آگاہی و نگہبانی کی تذکیر و یاد دہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد

فرمایا گیا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس لئے ہمیشہ اس کی باز پرس سے بچتے اور ڈرتے رہو، کہ یہ بات سب سے اہم اور سب سے مقدم ہے۔ اور اس وحدہٗ لاشریک سے تمہاری کوئی حالت اور کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے اسکی رضا کو ہمیشہ اور ہر حال میں پیشِ نظر رکھو۔ مگر افسوس کہ آج کے غافل انسان کا معاملہ اس سے یکسر مختلف اور اسکے بالکل برعکس ہے کہ وہ مختلف انسانوں کی رضاء اور ناراضگی کا تو پورا پورا خیال رکھے گا مگر اپنے خالق و مالک اور اس ربِّ علیم وخبیر کے حقوق اور اسکی رضاء اور ناراضگی کی اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی- الا ماشاء اللہ والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین

۸۰ مردوں کی عورتوں پر فضیلت وفوقیت کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مرد حاکم [وسرپرست] ہیں عورتوں پر [ایک تو] اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت اور فضیلت دے رکھی ہے اور [دوسرے] اس لیے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے۔ کہ دونوں میں سے ہر ایک کے وظیفۂ حیات کا تقاضا یہی ہے۔ سو یہ فطری اور جبلی فضیلت، وہبی اور غیر اختیاری ہے۔ جس کو بدلنا کسی کے بس میں نہیں۔ جبکہ انفاق کی دوسری خصلت کسبی اور اختیاری ہے۔ سو ان دونوں خصلتوں کی بناء پر مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت بخشی گئی ہے۔ سو اسی بناء پر نبوت و رسالت، امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ، جہاد، اذان، خطبہ، شہادۃ، ولایتِ نکاح وطلاق، اور رجعت وغیرہ جملہ امور مرد کے اختصاص میں سے ہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ آج کل ہمارے ملک (پاکستان) پر عورت کی حکمرانی کا جو عذاب مسلط ہے، اس کے جواز کیلئے جو لوگ قرآن وسنت سے دلائل کشید کرنے کی سعیٔ مذموم کرتے ہیں، وہ گویا نصوصِ کتاب وسنت سے معارضہ کرنے کی جسارت کر رہے ہیں، جو کہ جرم بالائے جرم کا مصداق ہے، جس کا نتیجہ وانجام اور بھی برا اور بھیانک ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف فطری تقاضوں کے مطابق مرد بہرحال عورت پر فوقیت وفضیلت رکھتا ہے۔ اور دینِ فطرت میں اسی کا لحاظ رکھا گیا ہے والحمد للہ

۸۱ حفاظت، اللہ ہی کی عنایت سے ہوسکتی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ نیک بخت عورتیں حفاظت کرتی ہیں [اپنی عزت وناموس کی اور اپنے شوہر کے مال ومتاع کی انکی] غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت کی بناء پر۔ یعنی یہاں پر با سببیہ ہے کہ محفوظ وہی رہ سکتا ہے جس کی حفاظت اللہ فرمائے "فَالْمَحْفُوْظُ مَنْ حَفِظَهُ اللّٰهُ" (المحاسن، الجامع، وغیرہ)۔ ورنہ ازخود کسی کا نفس وشیطان کے مکر وشرور سے بچنا ممکن نہیں، جب تک کہ توفیقِ ایزدی اور عنایتِ خداوندی شاملِ حال نہ ہو۔ نیز اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیب کے لفظ کو یہاں پھر راز کے معنیٰ میں لیا جائے کیونکہ یہ لفظ اس معنیٰ میں بھی معروف ہے۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے خاوندوں کے رازوں کی حفاظت کرتی ہیں کیونکہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے کا امین اور راز دار ہوتا ہے، اور خاص کر عورت تو اپنے مرد کے محاسن ومعائب اس کے گھر در اس کے اموال واملاک اور اس کی عزت وناموس وغیرہ ہر چیز کی سب سے بڑی راز داں ہوتی ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے یہاں پر ان کی اس صفت کو بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے۔ کہ وہ اپنے خاوندوں کے رازوں کی پاسداری کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

(اگر وہ پھر بھی نہ مانیں) تو پھر تم ان کو تنہا چھوڑ دو ان کی خواب گاہوں میں، اور (اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو) تم انکی پٹائی کرو،

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

پھر اگر وہ تمہارا کہنا مان لیں تو تم خواہ مخواہ ان کے خلاف کوئی بہانہ مت ڈھونڈو ف۸۲ بے شک اللہ سب سے اوپر بہت بڑا ہے

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو (اے ذمہ دارو!) میاں بیوی کے درمیان ناچاقی (اور بگاڑ) کا ف۸۳ تو تم مقرر کرو ایک منصف مرد کے

ف۸۲ **اپنے ماتحتوں سے انتقام کیلئے حیلہ جوئی کی ممانعت:** سو اس سے یہ اصولی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اپنے ماتحتوں سے انتقام کے لیے خواہ مخواہ کوئی حیلہ و بہانہ مت ڈھونڈو:- ان سے انتقام لینے کیلئے، کہ آخر تم نے بھی تو اپنے خالق و مالک کے یہاں جواب دینا ہے- سبحان اللہ!- خاندانی اور معاشرتی اصلاح کیلئے کیسی عمدہ اور کس قدر حکیمانہ تعلیم ہے جو یہ کتاب حکیم دنیا کو دے رہی ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ دنیا اور خود مسلمان اس سے غافل و بے بہرہ ہے؟ - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہر کیف اپنی عورتوں پر ناحق الزام رکھ کر اور حیلے بہانے ڈھونڈ کر ان کے درپے آزار ہونا جائز نہیں۔ (معارف وغیرہ)۔ سو اس ارشادِ ربانی سے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اگر عورت خاوند کی طرف سے اٹھائے گئے تادیبی اقدامات کے نتیجے میں اپنی سرکشی اور بغاوت سے باز آجائے تو بہتر۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی پچھلی تمام کدورتوں اور کوتاہیوں کو بھلا دیا جائے۔ گزشتہ باتوں کی بناء پر اس سے انتقام لینے کے لئے بہانے نہ ڈھونڈے جائیں۔ اگر کوئی مرد اپنی قوامیت کے زعم میں ایسے کرے گا تو وہ اس کا بھگتان بھگتے گا کہ اللہ سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ اور اس بندے کو یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیئے کہ میں نے بھی آگے جواب دینا ہے۔ اپنے خالق و مالک کے حضور زندگی بھر کے کیے کرائے کے بارے میں، والعیاذ باللہ جل وعلا

ف۸۳ **زوجین کے درمیان اصلاح کا حکم وارشاد:** سو اس سے میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کی اصلاح کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے، اور اس کا طریق کار بتایا گیا ہے اور میاں بیوی کے درمیان ناچاقی کی اصلاح سے متعلق یہ حکم تمام ہی ذمہ دار مسلمانوں سے ہے۔ خواہ وہ حکام اور ولاۃ امور ہوں، یا سربراہانِ قبائل۔ کہ ایسے سب ہی ذمہ دار اس حکم وارشاد کے مخاطب ہیں۔ اور ان کو اس ارشادِ ربانی کے ذریعے اصلاحِ احوال کیلئے یہ طریقہ کار تعلیم و تلقین فرمایا جا رہا ہے جو آگے آرہا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اصلاحِ احوال اور نباہ کی کوشش کی جائے یعنی باہمی تعلقات کے اس قدر فساد اور بگاڑ کے باوجود شریعتِ مطہرہ نے طلاق کی اجازت نہیں دی، کہ اس طرح ایسا شخص اپنی بیوی سے پیچھا چھڑا لے۔ کیونکہ اسلام کی مقدس تعلیمات کی رو سے معاشرے کی اصلاح اور اس کے استحکام کی اصل اور اہم بنیاد میاں بیوی کے رشتۂ ازدواجیت کا استحکام ہے۔ اسی لئے طلاق کو "اَبغض المباحات" قرار دیا گیا ہے۔ یعنی سب سے برا مباح- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بکل حال من الاحوال

اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا

خاندان سے، اور ایک عورت کے خاندان سے، ۸۴؎ اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے

يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

تو اللہ پیدا فرما دے گا ان دونوں کے درمیان موافقت کی کوئی صورت ۸۵؎ بے شک اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی باخبر ہے، ۸۶؎

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًـا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ

اور بندگی کرو تم لوگ صرف اللہ (وحدہٗ لاشریک) کی ۸۷؎ اور مت شریک ٹھہراؤ تم اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو ۸۸؎ اور اچھا سلوک کرو

اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ

تم اپنے ماں باپ کے ساتھ، ۸۹؎ اور رشتہ داروں یتیموں، اور مسکینوں، کے ساتھ،

۸۴ حَکَم کے اہلِ خاندان میں سے ہونے کی حکمت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان دونوں کے درمیان ناچاقی کی صورت میں اصلاحِ احوال کے لیے ایک حَکَم و منصف مرد کے خاندان سے مقرر کرو، اور ایک عورت کے خاندان سے۔ کیونکہ خاندان کا آدمی ہونے کی بناء پر ایک تو وہ ان کے حالات اور تقاضوں سے بھی اچھی طرح واقف و آگاہ ہوگا اور دوسری طرف وہ ان کیلئے خیر خواہی کا جذبہ بھی اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں اصلاحِ احوال کے ضمن میں بطورِ خاص ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اس لیے یہاں پر اِصلاحِ احوال سے متعلق اس بات کا حکم و ارشاد فرمایا گیا ہے کہ زوجین کے درمیان پیدا ہونے والی ناچاقی کو ختم کرنے کیلئے ایک حَکَم مرد کے خاندان سے لیا جائے اور ایک عورت کے خاندان سے اور وہ دونوں ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے سے کام لیں گے تو ایسے میں اصلاح کی کوششیں مؤثر اور کارگر ثابت ہونگی۔ وباللہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ و یُرِید۔

۸۵ حسنِ نیت اور اس کا اثر و نتیجہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں کے درمیان موافقت اور سازگاری کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ یعنی مدار و انحصار ان دونوں حَکَموں کی نیت و ارادہ پر ہے۔ اگر وہ دونوں صدقِ دل اور سچی نیت سے چاہیں گے کہ میاں بیوی کی ناچاقی ختم ہوجائے اور ان دونوں کے درمیان صلح صفائی ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا فرما دے گا۔ سبحان اللہ! نیت اور ارادہ کی صحت اور درستگی کتنی اہم چیز ہے کہ اسی پر اصلاح و توفیق کا مدار و انحصار ہے۔ اسی لئے عام لوگ بھی کہتے رہتے ہیں "نیت بر مراد" یعنی جیسی نیت ہوگی ویسی ہی مراد پاؤ گے۔ سو ہر کام سے پہلے اپنے باطن اور اپنی نیت و ارادے کا معاملہ درست رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ نِیَّاتِنَا وَسَرَآئِرَ اُمُوْرِنَا ۔ سو نیتوں کی صحت و فساد کو احوال کی اصلاح اور بگاڑ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور آج معاشرتی خرابیوں کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ فسادِ نیت ہی ہے کہ لوگ بہتری کی بجائے خرابی اور بگاڑ چاہتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ کچھ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی بنا پر اور کچھ دوسرے سے حسد اور بغض و عناد وغیرہ کی وجہ سے۔ تو پھر اصلاح ہو تو کس طرح اور کیونکر؟

۸۶ اللہ تعالیٰ کے علم وآگہی کی تذکیر و یاددہانی: -سوارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ سب کچھ جانتا بڑا ہی باخبر ہے۔ وہ اپنے بندوں کے احوال وظروف کو بھی خوب جانتا ہے، اوران کی نیتوں اور ارادوں سے بھی وہ پوری طرح واقف وآگاہ اور باخبر ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اپنا معاملہ اس کے ساتھ صحیح رکھنے کی فکروکوشش میں رہا کرو۔ اور یہ یقین رکھو کہ اس علیم وخبیر کے کسی حکم وارشاد اور کسی ضابطہ وقانون کا کوئی متبادل ممکن نہیں۔ پس بندے کیلئے دارین کی سعادت وسرخروئی اور فوز وفلاح اسی میں ہے کہ وہ اسکے اوامر وارشادات کو صدقِ دل سے اپنائے، اور اس سے اپنے ظاہر و باطن کا معاملہ صاف اور صحیح رکھے- وباللّٰہ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وَھُوَالھَادی اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ- بہرکیف اللہ سب کچھ جانتا اور بڑا ہی باخبر ہے۔ اُس سے اسکی مخلوق کی کوئی بھی حالت وکیفیت مخفی ومستور نہیں رہ سکتی۔ سو کتنے بھکے بھٹکے اور گمراہ ہیں وہ لوگ جو اس وحدہٗ لاشریک کو دنیاوی حکام وامراء اور بادشاہوں پر قیاس کر کے اس کے لیے طرح طرح کی شرکیات کے دروازے کھولتے ہیں- والعیاذ باللہ- کیا دنیا کے کسی حاکم وبادشاہ کی یہ صفت اور شان ہوسکتی ہے کہ وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز سے باخبر ہو؟ -فتعالی اللّٰہ عما یقولون علوا کبیرا- پس اللہ تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرنا فساد کی جڑ بنیاد ہے- والعیاذ باللہ- اس کو ویسے مانا جائے جیسا کہ وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسول بتائے۔

۸۷ عبادت وبندگی صرف اللہ کی: -سوارشاد فرمایا گیا کہ عبادت و بندگی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی کرو کہ وہی تمہارا خالق و مالک بھی ہے، اور رازق ونگہبان بھی۔ اس لئے سب سے پہلا اور سب سے مقدم حق اسی کا ہے-جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نوالُہٗ- اور اس کا حق اسکی عبادت وبندگی ہے۔ پس تم لوگ عبادت وبندگی کی ہر قسم اور ہر شکل ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کیلئے بجا لاؤ، اور اس میں کسی کو بھی، اور کسی بھی درجے میں اسکا بھی شریک مت قرار دو کہ ایسا کرنا ظلم ہے اور ظلم کا انجام بہت برا ہے کہ یہ باعثِ ہلاکت ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ-اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہرلحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۸۸ شرک سے تحذیر وممانعت: - سوارشاد فرمایا گیا کہ تم اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ۔ نہ کسی بت کو، نہ کسی حجر وشجر کو، نہ کسی نبی ولی کو، اور نہ اور کسی زندہ یا مردہ انسان کو۔ کہ وہ ہر طرح کے شرک اور اس کے ہر شائبے سے پاک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - کہ ''شیئاً'' کی تنکیر اور تعمیم شرک کی ان سب ہی صورتوں کو عام اور شامل ہے۔ اور اس کے حقِ توحید کی ادائیگی کی نشانی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو صدقِ دل سے بجالایا جائے اور اسکی معصیت و نافرمانی سے ہمیشہ بچنے کی فکر وکوشش کی جائے۔ اور اسی کی رضاء وخوشنودی کو سب سے مقدم رکھا جائے- وباللّٰہِ التوفیق لما یُحِبُّ و یُرِیْدُ-والعیاذ بہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

۸۹ حقوقِ والدین کی عظمتِ شان: -سو توحید ووحدانیتِ خداوندی کی تعلیم وہدایت کے حکم وارشاد کے متصل بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرتِ خالق-جل مجدہٗ کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ حق تم پر اپنے ماں باپ ہی کا ہے، کہ اس دنیا میں تمہارے وجود اور بروز کا ظاہری سبب اور ذریعہ وہی ہیں۔ قرآنِ حکیم میں یہاں بھی اور اسکے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حقِ عبادت وبندگی کے بعد والدین کے حق کو بیان فرمایا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین فرمائی ہے۔ سو اس سے حقوقِ والدین کی اہمیت وعظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر آج کا مسلمان اس سے غافل و بے خبر ہے-اِلَّا ماشاء اللّٰہ جَلَّ وَعَلَا-والحمد للّٰہ جل و علا

وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ

اور رشتہ دار پڑوسی، ف۹۰ اور اجنبی پڑوسی ف۹۱ کے ساتھ، اور پہلو کے

بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ

ساتھی، ف۹۲ اور مسافر سے بھی، اور ان سب سے جن کے مالک ہوں تمہارے اپنے داہنے ہاتھ، ف۹۳

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا کسی بھی ایسے شخص کو جو اترانے والا، شیخی باز ہو، ف۹۴

۹۰ دوہرے حق والے پڑوسی کا بیان:- یعنی رشتہ دار پڑوسی کہ اس کا حق دوہرا ہے، رشتے کا بھی، اور پڑوس کا بھی - کَمَا وَرَدَ ذالک فی الحدیث الصحیح عن الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ - چنانچہ حضرتِ سلمان بن عامرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مسکین پر صدقہ کرنے سے صرف صدقے کا ثواب ملتا ہے، جبکہ رشتہ دار پر صدقہ کرنے سے صدقہ اور صلۂ رحمی دونوں کا اجر ملتا ہے۔ (رواہ احمدؒ، والترمذیؒ)۔ یہاں پر یہ بھی واضح رہے کہ ''ذی القربٰی'' میں وارد لفظِ ''قربٰی'' سے قُرب بھی مراد ہو سکتا ہے اور قرابت بھی۔ یعنی رشتہ داری، یعنی وہ پڑوسی جس کو پڑوس کے علاوہ قرب و اتصال بھی حاصل ہو۔ خواہ یہ قرب و اتصال رشتہ و نسب کے اعتبار سے ہو یا دین و عقیدہ کے اعتبار سے۔ (محاسن التاویل، للعلامہ القاسمیؒ)۔- سبحان اللہ!- کیسی کیسی باریکیوں کا خیال رکھا گیا ہے اس دینِ حنیف میں۔ فالحمدُ للّٰہِ ربِّ العالمین،

۹۱ دور کے پڑوسی سے مقصود و مراد؟:- یعنی جس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو۔ اور دوسرا معنیٰ اس کا ہو سکتا ہے ''دور کا پڑوسی'' یعنی جو جوار اور پڑوس کے لحاظ سے دور ہو۔ اَلفاظ کا عموم اِن دونوں ہی کو شامل ہے اور ان دونوں ہی کے ساتھ ان کے درجہ و مرتبہ کے مطابق حسنِ سلوک مطلوب و محمود ہے۔ اور حضرتِ حسن بصریؒ اور امام زہریؒ جیسے حضرات سے مروی و منقول ہے کہ پڑوس کی حد چالیس گھر ہے۔ یعنی ہر شخص کے گھر سے چاروں طرف چالیس چالیس گھر تک اس کا پڑوس ہے۔ (تفسیر المراغی، معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو دور کے پڑوسی سے مراد اجنبی پڑوسی ہے- وباللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۹۲ پہلو کے ساتھی سے مقصود و مراد؟:- یعنی جو کسی بھی جائز مقصد میں آپ کا ساتھی ہو۔ مثلاً کسی سفر میں، کسی مجلس میں، اور پڑھنے پڑھانے میں، وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی میں بیوی بھی داخل ہے (الصفوہ، الجامع وغیرہ)۔ سو جو بھی کسی نیک مقصد اور جائز کام میں آپ کے ساتھ ہو اسکے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرو۔ (تفسیر المراغی و معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو اس آیتِ کریمہ میں سب سے پہلے اللہ پاک کا حق بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ سب سے بڑا سب سے اہم اور سب سے مقدم حق ہے، کہ وہ سب کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اور حاکم و متصرف بھی۔

اور اسی کا حق ہے اطاعتِ مطلقہ اور عبادتِ خالصہ - سبحانہٗ وتعالیٰ - اور اسی کے حق کی ادائیگی پر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا مدار و انحصار ہے۔ جو لوگ خدا کا حق ادا نہیں کرتے وہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق سے بھی سرفراز نہیں ہو سکتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بکل حالٍ من الاحوال، وفی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

۹۳ ﴿مَامَلَكَتْ﴾ **کا عموم وشمول:** - اس میں غلام، باندیاں، اور تمہاری ملکیت کے جانور وغیرہ سب ہی آ گئے، کہ ان سب ہی کے ساتھ حسنِ سلوک مطلوب و مامور ہے۔ سو غلام اور باندیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث میں فرمایا گیا کہ یہ تمہارے بھائی اور تمہارے خادم ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت رکھا ہے۔ پس جس کا بھائی اسکے ماتحت ہو تو وہ اس کو اسی میں سے کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسکو وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے، اور ان کو ان کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کی تکلیف نہ دو۔ اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو انکی اس میں مدد کرو۔ (بخاری کتاب الایمان، باب المعاصی من امر الجاہلیہ، مسلم کتاب الایمان) اور جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ ان کو بھوکا پیاسا نہ رکھے۔ اور ان سے ان کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے۔ (المراغی، المعارف وغیرہ)۔ جیسا کہ مختلف احادیثِ نبویہ میں اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے - سبحان اللہ! دینِ حنیف نے جانوروں تک کے حقوق کے بارے میں بھی ایسی جامع اور پاکیزہ تعلیمات سے دنیا کو آگہی بخشی ہے، جس کی دوسری کوئی نظیر و مثال اور کہیں بھی نہ ممکن ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ یہ دینِ اسلام ہی کی کمالِ جامعیت کا نمونہ و مظہر ہے جو کہ دینِ فطرت اور اللہ تعالیٰ کا آخری اور کامل دین ہے۔ اور جو اس پوری کائنات کا دین ہے۔ سو اس میں ہر کسی کے حقوق کی رعایت رکھی گئی ہے اور اس کا لحاظ فرمایا گیا ہے - فالحمد للّٰہ جل و علا - قبل کل شیء وبعد کل شیء

۹۴ **''مختال'' اور ''فخور'' سے مقصود و مراد؟:** - سو ''مختال'' وہ ہے جو اپنے حسب و نسب کی بناء پر اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتا ہو۔ اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور گھٹیا جانتا ہو۔ اور ''فخور'' وہ ہے جو اپنی خوبیاں بیان کر کے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو اور دوسروں کو گھٹیا۔ اور ان دونوں خصلتوں کو یہاں اس لیے بیان فرمایا گیا کہ مختال اور متکبر انسان جب دوسروں کو اپنے سے گھٹیا سمجھے گا تو وہ دوسرے کسی کیلئے کسی حق کی ادائیگی کیلئے آمادہ اور تیار نہیں ہوگا۔ اور جو ''فخور'' ہوگا وہ اگر کچھ کرے گا بھی تو دکھلاوے اور فخر جتانے کیلئے کرے گا، جس سے اس کا اجر ضائع ہو جائے گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف ''مختال'' اور ''فخور'' کی ان دونوں صفتوں سے اسی ذہنیت کو واضح فرما دیا گیا جو کہ ادائیگی حقوق کی منافی ذہنیت ہوتی ہے جس کی بناء پر بگڑا ہوا انسان اپنے اسباب و وسائل کو اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان سمجھنے کی بجائے اپنی قوت و قابلیت کا نتیجہ اور اپنی تدبیر و حکمت کا کرشمہ سمجھنے لگتا ہے، جس سے اس کے اندر تواضع اور شکر گزاری کی بجائے تکبر و گھمنڈ اور فخر و غرور پیدا ہوتا ہے اور وہ لوگوں پر احسان کرنے کی بجائے ان پر دھونس اور رعب جمانے لگتا ہے۔ سو ایسے تنگ ظرف لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے اس کی نفرت کے مستحق بنتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اور اس طرح اس کا مال خیر کی بجائے شر کا باعث بن جاتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

جو کہ خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تعلیم دیتے ہیں، ۹۵

وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا

اور وہ چھپاتے ہیں اس کو جس سے اللہ نے ان کو نوازا ہوتا ہے اپنے فضل سے، ۹۶ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے

۹۵ بخیل کی ایک خاص خصلت کا ذکر و بیان: - سو یہ بخیل کی ایک خاص خصلت ہے کہ وہ دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتا ہے کہ مال خرچ کرکے تم خود محتاج ہو جاؤ گے۔ مستقبل میں کیا کرو گے۔ بچے کیا کھائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور بخیل شخص ایسا اس لیے کرتا ہے کہ اس طرح اسکے بخل پر پردہ پڑا رہے۔ افسوس کہ یہودِ بے بہبود کی یہ خصلت آج بہت سے مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور بھرپور طریقے سے پائی جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ دوسروں کو طرح طرح سے بخل اور کنجوسی کی تعلیم و تلقین کرتے ہیں اور اس کیلئے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے کام لیتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - بہرکیف بخیل شخص کی یہ ایک عام نفسیات ہے کہ وہ دوسروں کو بھی بخل کی تعلیم دیتا ہے کہ دوسروں کی فیاضی سے خود اس کی بخالت کا پردہ فاش ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے عیب پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کو اس طرح کے مشورے دیتا ہے، تاکہ اس طرح کسی کی ناک باقی نہ رہے اور اس کو نکو نہ بننا پڑے۔ اس کے بخل پر پردہ پڑا رہے۔ اس طرح وہ دوسروں کو بھی محروم کرنا چاہتا ہے - والعیاذ باللہ العظیم -

۹۶ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو چھپانا ایک مذموم خصلت - والعیاذ باللہ: - سو اس سے منع فرما دیا گیا کہ اللہ کے بخشے ہوئے فضل و کرم کو چھپانا نہیں چاہیئے کہ یہ ایک مذموم اور بری خصلت ہے۔ مگر ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے اس فضل کو چھپاتے ہیں، تاکہ کوئی ان سے مانگ نہ لے۔ حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطاء فرماتا ہے تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ سو یہ کنجوس لوگوں کی ایک اور نفسیات کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں کو چھپاتے ہیں اور اپنے لمبے چوڑے اخراجات بیان کرتے ہیں تاکہ اس طرح ان کی کنجوسی پر پردہ بھی پڑا رہے اور دوسری طرف ہر شخص پر ان کی دھونس جمی رہے اور ادائیگیٔ حقوق کے سلسلہ میں ان پر کسی طرف سے کوئی ملامت نہ ہو۔ سو اس طرح بخیل خود محروم سے محروم تر ہوتا جاتا ہے لیکن اس کو اس کا شعور و احساس بھی نہیں ہوتا اور وہ اپنے مال و زر پر ناگ بن کر بیٹھ جاتا ہے کہ اس سے وہ نہ خود مستفید ہو اور نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دے بہرکیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ یہ کنجوس لوگوں کی نفسیات کا حصہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل کو چھپاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے آمین ثم آمین

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

کافروں کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب، ۹۷ اور (وہ ان کو بھی پسند نہیں فرماتا) جو خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

اپنے مال لوگوں کو دکھانے کو، اور وہ ایمان نہیں رکھتے اللہ پر، اور

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

قیامت کے دن پر، ۹۸ (ان کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان ہو،

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ

تو (وہ مارا گیا کہ) وہ بڑا ہی برا ساتھی ہے، اور کیا ہو جاتا ان (لوگوں) کو؟ اگر یہ (سچے دل سے) ایمان لے آتے اللہ پر، اور

۹۷ کافروں کیلئے ایک بڑا ہی رُسوا کن عذاب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے کافروں کے لیے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور ایسا اور اس قدر رسوا کن جو ان کے تکبر اور گھمنڈ کا صحیح علاج ہو گا کیونکہ جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے۔ سو تکبر ایسے لوگوں کو نورِ حق سے محروم کر کے اس ہولناک انجام اور عقاب و عذابِ الیم سے دوچار کر دیتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اور ان لوگوں کو کفر کے وصف کے ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسی صفات کافروں ہی کے لائق ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو کفر و انکار اور ناشکری تمام مفاسد کی جڑ بنیاد اور سب محرومیوں اور ہلاکتوں کا سبب اور باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۹۸ ریاکاری باعثِ ہلاکت و محرومی۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ پسند نہیں فرماتا ان دکھلاوا کرنے والوں کو جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں لوگوں کو دکھلانے کے لیے اور وہ ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ سو وہ دکھلاوا کرتے ہیں کہ تاکہ دیکھ کر لوگ انکی تعریف و توصیف کریں، اور ان کی خوب واہ واہ ہو۔ پس ایسوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا، کہ انہوں نے اس کی رضاء کیلئے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔ اور جس کے لئے کیا تھا وہ انہیں اس دنیا میں دے دیا گیا اور بس۔ سو ریاکاری کی اس بری خصلت کی بناء پر یہ لوگ اس ہولناک محرومی کا شکار ہو گئے۔ بس ریاکاری اعمال کو تباہ کر دینے والی آفت ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو اس طرح کے لوگ اگرچہ خدا اور آخرت پر ایمان کے مدعی ہوتے ہیں لیکن ان کا ایمان نہ اللہ پر ہوتا ہے نہ آخرت پر۔ اس لئے ان کے خرچ کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی وزن نہیں۔ کہ ان کا خرچ حقیقت میں اللہ کے لئے ہوتا ہی نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ

قیامت کے دن پر ف۹۹ اور یہ خرچ کرتے (اللہ کی راہ میں) اس میں سے جو کہ اللہ ہی نے بخشا ہے ان کو (اپنے کرم سے) ف۱۰۰ اور

اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ

اللہ خوب جاننے والا ہے ان سب کو ف۱۰۱ بے شک اللہ (کسی پر) ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا، اور (ظلم تو کجا اس کی شان کرم تو یہ ہے کہ)

وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ

اگر (کسی کی) کوئی ایک نیکی بھی ہوگی، تو وہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور وہ (اس کے علاوہ بھی) اس کو اپنے یہاں سے ایک

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيْدٍ

عظیم اجر عطا فرمائے گا، پھر کیا حال ہوگا (ان کا اس وقت) جب کہ ہم لائیں گے ہر امت سے ایک گواہ، ف۱۰۲

۹۹ ایمانِ صادق کیلئے ترغیب و تحریض:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ہو جاتا ان کو کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آتے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ سو یہ ان کے لئے زجر و توبیخ بھی ہے، اور تحریض و ترغیب بھی۔ کہ یہ منافقت چھوڑ کر سچے دل سے ایمان لے آئیں تاکہ ایمانِ صادق کے ثمرات اور اس کی برکات سے دارین میں مستفید و متمتع ہو سکیں۔ سو منافقت میں خود انہی لوگوں کا نقصان ہے اور صدقِ ایمان و یقین کی دولت میں خود انہی کا بھلا اور فائدہ ہے، کہ صدقِ ایمان و یقین کے بعد کئے جانے والے ہر عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں وزن اور اس کی کوئی قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔ جبکہ منافقت والے عمل کی اسکے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وَالعِیَاذُ بِاللّٰہِ جَلَّ وعلا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۰۰ اِنفاق فی سبیل اللہ کے لیے تحریض و ترغیب:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ہو جاتا ان لوگوں کو اگر یہ [اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء کے لیے] خرچ کرتے اس مال میں سے جو کہ اللہ ہی نے ان کو دیا بخشا ہے [اپنے فضل و کرم سے]۔ اس میں بھی ترغیبی پہلو واضح ہے کہ اول تو جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اس اللہ ہی کا عطاء کردہ، اور عنایت فرمودہ ہے، جس کے نامِ اقدس پر خرچ کرنے کیلئے ان سے کہا جا رہا ہے۔ اور پھر یہ مطالبہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اس سب مال کا نہیں، بلکہ اس میں سے کچھ ہی کا ہے۔ پھر بھی ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر موت کیوں آ جاتی ہے؟ جبکہ اس میں خود ان ہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اس کا اجر و صلہ ان کو ایک کا دس گنا، سو گنا، سات سو گنا اور اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھا کر دیا جائے گا۔ سو انفاق فی سبیل اللہ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی و بہرہ مندی کا ایک اہم ذریعہ و وسیلہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویُرِیْدُ وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وُ یَرِیْدُ وھوالھادی الٰی سواء السبیل۔ پس عقل و نقل کا

تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو صدق و اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں اور اسکی رضاء کے لئے خرچ کر کے آخرت کی اپنی اصل حقیقی اور ابدی زندگی کے لئے جمع کر دے اور اس کو اپنے لئے آخرت کا ابدی سرمایہ بنا دے۔ اللہ توفیق بخشے، اور ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے اور نفس وشیطان کے ہر مکروفریب سے اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین ثم آمین یارب العالمین۔

۱۰۱ اللہ تعالیٰ کے علم و آگہی کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سوارشاد فرمایا گیا اور اللہ پوری طرح جانتا ہے ان سب کو۔ پس دنیا والوں سے تو اپنے نفاق کو یہ لوگ چھپاتے ہیں، مگر اس وحدہٗ لاشریک سے کیسے چھپائینگے، جو ان کے ظاہر اور باطن سب کو پوری طرح اور ایک برابر جانتا ہے؟ ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ ۔ اس سے ظاہر و باطن کی کسی بھی حالت اور کیفیت کو چھپانا ممکن نہیں۔ پس جو لوگ اس طرح کرتے ہیں وہ بڑی ہی ہولناک غلط فہمی میں مبتلا ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو کوشش ہمیشہ اسی بات کی ہونی چاہئے اور پورے صدق و اخلاص سے ہونی چاہئے کہ اس خالق و مالک کے ساتھ اپنا رشتہ وتعلق صحیح رہے۔ اور یہی وہ اولین اساس اور اصل بنیاد ہے جس پر جملہ امور کی صحت و استواری کا مدار و انحصار ہے۔ جو کوئی اپنے خالق و مالک سے اپنا تعلق صحیح رکھے گا وہ دوسروں کے ساتھ بھی اپنے تعلقات صحیح لائنوں پر استوار کر سکے گا۔ اور جس کا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا، اس کا تعلق دوسروں کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ سو تعلق مع اللہ کی صحت واستواری شاہ کلید ہے دوسرے تمام امور کی اصلاح کے ۔ اللھم فھذہ نواصینا بین یدیک فخذنا بھا الی ما تحب وترضی ،بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ ۔ یا ذا الجلال والاکرام یا من بیدہ ملکوت کل شیء وھو یجیر و لا یجار علیہ ۔

۱۰۲ روزِ قیامت کی شہادت و گواہی کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ قیامت کے روز ہر امت سے ایک گواہ لایا جائیگا۔ یعنی اس امت کے نبی کو، جو گواہی دے گا کہ میں نے زندگی بھر ان لوگوں کو حق کا پیغام پہنچایا، لیکن انہوں نے اس کے مقابلے میں یہ اور یہ کرتوت کئے۔ جیسا کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا قول خود قرآنِ حکیم میں مذکور ہے ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ الآیۃ ۔ کہ "میں جب تک زندہ رہا ان کی نگرانی کرتا رہا، لیکن اے مالک جب تو نے مجھے اپنی طرف اٹھالیا تو (اس کے بعد مجھے کچھ پتہ نہیں کہ یہ لوگ کیا کرتے رہے بلکہ) پھر تو ہی ان پر نگہبان ونگران تھا (اے میرے مالک!)" [المائدۃ: ۱۱۷] سو حضراتِ انبیائے کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی یہ گواہی جن لوگوں کے حق میں جائے گی وہی کامیاب اور فائز المرام ہونگے اور جن کے خلاف جائے گی وہ خائب و خاسر ہونگے۔ (المراغی، المحاسن، المعارف وغیرہ) ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ آج تو یہ لوگ اپنے کفر ونفاق کو چھپاتے ہیں لیکن حساب کے اس ہولناک دن میں یہ اس کو کس طرح چھپا سکیں گے جبکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ سب امتوں اور ان کے پیغمبروں کو جمع کر کے پیغمبروں سے گواہی دلائے گا کہ انہوں نے لوگوں کو دینِ حق پہنچا دیا تھا۔ سو عقل ونقل کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے لوگ عمرِ رواں کی اس فرصتِ محدود کے ختم ہو جانے سے پہلے پہلے آج اپنی روش کی اصلاح کرلیں ورنہ ہمیشہ کا پچھتاوا ہوگا ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ سو عقل ونقل کا تقاضا ہے کہ انسان اس یوم عظیم اور اس کے تقاضوں کو ہمیشہ یاد رکھے ۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید ۔

وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيۡدًا ﴿٤١﴾ يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ

اور آپ کو (اے پیغمبر!) ہم ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ۱۰۳ اس روز وہ لوگ

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ

جو اڑے رہے ہوں گے اپنے کفر (و باطل) پر، اور انہوں نے نافرمانی کی ہوگی اللہ کے رسول کی یہ تمنا کریں گے کہ برابر کر دیا

وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

جائے ان کے ساتھ زمین کو ۱۰۴ اور وہ چھپا نہ سکیں گے اللہ سے کوئی بات، ۱۰۵ اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو

لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا

تم نماز کے قریب بھی مت جاؤ اس حالت میں جب کہ تم نشے میں ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو

مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ حَتّٰى

جو کچھ کہ تم کہتے ہو، ۱۰۶ اور نہ ہی ناپاکی کی حالت میں، مگر راستہ گزرتے ہوئے، یہاں تک

۱۰۳ حضرتِ امام الانبیاء کی گواہی سب پر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے [اے پیغمبر] ان سب پر۔ یعنی ان سب امتوں پر، یا ان کافرین و منافقین پر۔ (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، وغیرہ)۔ تو اس وقت ان کا کیا بنے گا، اور ان کا کیا حال ہوگا کہ اس موقع پر نجات کا ذریعہ تو صرف ایمان ہوگا، کہ ایمان والوں کو تو اس دن کی وہ بڑی گھبراہٹ بھی پریشان نہ کر سکے گی جس سے دوسرے لوگوں کے ہوش اُڑ چکے ہونگے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ایمان والوں کو اس عظیم الشان خوشخبری سے اس طرح صاف اور صریح طور پر نوازا گیا ہے ﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ﴾ الآیۃ [الانبیاء۔۱۰۳] اور ایمان کی اس عظیم الشان دولت سے یہ لوگ چونکہ محروم ہیں۔ اس لئے ان کیلئے ایسی کسی خوشخبری کا کوئی سوال ہی نہیں۔ تو پھر ان کا کیا بنے گا اور ان کا کیا حال ہوگا؟ - وَالۡعِيَاذُ بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ - بہر کیف امتِ مسلمہ دوسری تمام قوموں اور امتوں پر گواہ ہوگی اور اس کے رسول ان سب پر گواہ ہونگے جیسا کہ دوسرے مقام پر اسکی تصریح فرمائی گئی۔ بہر کیف اس یوم حساب اور اس کے تقاضوں کو ہمیشہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال،

۱۰۴ قیامت کے روز کفار کی انتہائی یاس و حسرت کا ذکر و بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز کافر و نافرمان لوگ یہ تمنا کریں گے کہ ان کے ساتھ برابر کر دیا جائے زمین کو۔ کہ زمین پھٹ کر ان کو نگل لے، اور پھر اوپر سے جڑ کر برابر ہو جائے، تا کہ اس طرح یہ لوگ اس ہولناک انجام سے بچ سکیں۔ مگر ایسے کہاں اور کیونکر؟ یا یہ مطلب ہے

کہ یہ لوگ اس روز یہ تمنا کریں گے کہ یہ مٹی ہو جائیں تاکہ مٹی میں مل کر نیست و نابود ہو جائیں، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ نتیجہ و مآل ان دونوں مطلبوں کا ایک ہی نکلتا ہے یعنی اس طرح وہ لوگ اپنی نہایت ہی یاس و حسرت کا اظہار کریں گے مگر اس کا ان کو کوئی فائدہ بہرحال نہیں ہوگا، سوائے یاس و حسرت کی اس باطنی آگ میں جلنے کے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - اس میں کفر و انکار کرنے والوں کی اس انتہائی یاس و حسرت کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے جس میں یہ لوگ اس روز مبتلا ہوں گے جبکہ ایسے لوگ رہ رہ کر یہ تمنا اور آرزو کریں گے کہ کاش وہ زمین میں دھنس جائیں اور زمین کو ان کے سمیت برابر کر دیا جائے۔ مگر کہاں اور کیونکر؟ والعیاذ باللہ العظیم

۱۰۵ اللہ سے کوئی بات چھپانا ممکن نہیں: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس روز یہ لوگ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور جب انکے پیغمبروں کے علاوہ خود ان کے اپنے ہاتھ پاؤں بھی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے، تو پھر کوئی بات چھپانے کا کیا سوال باقی رہ سکتا ہے۔ سو اس روز ان کیلئے ممکن نہیں ہوگا اور وہ اللہ سے اپنی کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے اور ان کے تمام جرائم پوری طرح ثابت ہو چکے ہونگے۔ سو قرآنِ حکیم نے یہ سب کچھ پیشگی بتا دیا اور اس صراحت و وضاحت کے ساتھ بتا دیا تاکہ جس نے برے انجام سے بچنا ہو بچ جائے، قبل اس سے کہ حیاتِ دنیا کی یہ فرصتِ محدود اسکے ہاتھ سے نکل جائے اور اسکو ہمیشہ کیلئے کفِ افسوس ملنا پڑے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - سو وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اپنے کرتوتوں کو اللہ پاک سے چھپا سکتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کی اس گواہی کی تصریح دوسرے مقام پر اس طرح فرمائی گئی ہے ﴿ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [النور-۲۴]- نیز دوسرے مقام پر ان کی آنکھوں، کانوں اور ان کی کھالوں کی گواہی کی بھی تصریح فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿ حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [حٰم السجدہ-۲۰] تو پھر چھپنے چھپانے کا کیا امکان؟ - والعیاذ باللہ- سو قیامت کے روز کسی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانا ممکن نہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ الذی لا الہ غیرہٗ

۱۰۶ حرمتِ شراب کے حکم کے دوسرے مرحلے کا ذکر و بیان: - سو اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ نماز کے قریب بھی نہ جایا کرو جبکہ تم نشے کی حالت میں ہوا کرو۔ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ سو یہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ شراب ابھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں حرمتِ شراب کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ سننِ ترمذی وغیرہ میں حضرتِ علیؓ سے مروی ہے کہ حرمتِ شراب کے حکم سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے ایک دعوت میں ہمیں مدعو کیا، اور پھر کھانے کے بعد شراب پلائی، جو ہم میں سے بعض کے سروں پر چڑھ گئی۔ اس دوران نماز کا وقت آ گیا، تو امامت کیلئے ان سب نے مجھے آگے کیا، اور میں نے سورۃ کافرون اس طرح پڑھ دی'' - قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ - '' تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی (ترمذی، کتاب التفسیر، سورۃ النساء) جس سے شراب نوشی کے بارے میں یہ نئی پابندی عائد کر دی گئی۔ تو اس طرح شراب نوشی پر ایک اور پابندی اور قدغن لگا دی گئی (ابنِ کثیر، قرطبی، محاسن التاویل، صفوۃ التفاسیر، جامع البیان، وغیرہ)۔ اور اسطرح شراب کی مرحلہ وار تحریم کی تکمیل فرما دی گئی، والحمدللہ

تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ

کہ تم غسل کرلو، ۱۰۷ اور اگر تم بیمار ہو، یا کسی سفر پر، ۱۰۸ یا تم میں سے

اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

کوئی شخص جائے ضرورت سے ہوکر آیا ہو، ۱۰۹ یا تم نے ہمبستری کی ہو اپنی بیویوں سے، ۱۱۰ پھر

تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا

تمہیں (ان میں سے کسی بھی صورت میں) پانی نہ مل سکے، تو تم پاک مٹی سے کام چلالو، سو تم (اس پر اپنے دونوں ہاتھ مار کر) مسح کرلو،

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا، بے شک اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا، نہایت ہی بخشنے والا ہے، ۱۱۱

۱۰۷ غسلِ جنابت کی فرضیت کا ذکر و بیان: - سو اہلِ ایمان کو مزید ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ اور نہ ہی تم لوگ ناپاکی کی حالت میں نماز کی قریب جاؤ مگر راستہ گزرتے ہوئے۔ ''یہاں تک کہ تم لوگ غسل کرلو'' یعنی غسلِ جنابت۔ کہ غسلِ جنابت کے بغیر نماز درست نہیں ہوسکتی کہ طہارت اس کے لئے اولین شرط ہے۔ سو غسلِ جنابت فرض ہے۔ غسل کے بغیر انسان پاک نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو اس کیلئے نماز کا کوئی سوال نہیں۔ یہاں پر نشہ اور جنابت دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے کہ مفسدِ نماز ہونے کے اعتبار سے یہ دونوں ہی نجاستیں ایک برابر ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ جنابت جسم کی نجاست ہے اور نشہ عقل کی۔ اور شرابِ خانہ خراب کو قرآنِ حکیم میں جو ''رجس'' فرمایا گیا ہے تو اس سے اس کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ نشہ کی یہ نجاست ظاہری اور حسی نجاست سے بھی کہیں بڑھ کر مضر اور نقصان دہ ہے مگر اس کے باوجود کتنے ہی مسلمان اس ام الخبائث کی لت میں مبتلا ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر برائی سے اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۱۰۸ مسافر کیلئے تیمّم کی اجازت: - یعنی سفرِ شرعی کی صورت میں، جس کی تحدید اور متعلقہ اَحکام کی تفصیلات حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور وموجود ہیں۔ بہرحال مسافر کیلئے بھی تیمّم کی اجازت ہے۔ آگے کچھ حضرات نے تو محض سفر ہی کو جوازِ تیمّم کیلئے کافی قرار دیا ہے، خواہ وضو کیلئے پانی موجود ہو یا نہ ہو کہ ظاہرِ آیت کا مفہوم یہی ہے۔ لیکن ائمہ اربعہ سمیت جمہور اہلِ علم کے نزدیک اس کیلئے فقدانِ ماء شرط ہے۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ بہرکیف یہاں پر تیمّم کے تین مواقع ذکر فرمائے گئے ہیں۔ مرض، سفر اور پانی کی نایابی۔ سو اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مرض اور سفر میں پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی آدمی تیمّم کرسکتا ہے۔ مرض میں وضو یا غسل سے ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے یہ رعایت دی گئی۔ اسی طرح سفر میں بھی ایسی مختلف صورتیں پیش آسکتی ہیں کہ آدمی کو تیمّم ہی پر قناعت کرنا پڑتی ہے۔

مثلاً یہ کہ پانی نایاب تو نہ ہو لیکن کمیاب ہو، جس سے اندیشہ ہو کہ اگر پانی غسل وغیرہ کے کام میں لگایا گیا تو پینے کے لئے تھڑ جائے گا۔ یا یہ کہ اگر نہانے کے اہتمام میں لگ گئے تو قافلے کے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں گے۔ یا یہ کہ ریل یا جہاز کا ایسا سفر ہو کہ غسل کرنا شدید زحمت کا باعث ہو وغیرہ۔ بہرکیف مذکورہ بالا ان تین صورتوں میں تیمّم کی اجازت ہے۔ اور یہ دینِ حنیف کے لطف ویسر کا ایک مظہر ونمونہ ہے۔ والحمد للہ جل وعلا۔

۱۰۹ حسنِ ادب کی تعلیمِ لطیف کا ایک نمونہ:- یہاں پر قضاءِ حاجت کیلئے صریح لفظ کی جگہ کنایہ استعمال فرمایا گیا ہے، جس میں حسنِ ادب کی تعلیمِ لطیف ہے کہ ایسے موقع پر صریح لفظ کا استعمال ذوقِ سلیم پر گراں گزرتا ہے۔ سو غائط کا لفظ اصل میں نشیبی زمین کے لئے بولا جاتا ہے اور دیہات کی سادہ زندگی میں لوگ چونکہ قضائے حاجت کے لئے نشیبی زمین اور جھاڑیوں وغیرہ ہی کی طرف جاتے ہیں اس لئے قضائے حاجت کو یہاں پر ''غائط'' کے کنایٰی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا۔ اور خود قضائے حاجت کے لفظ میں بھی اسی حسنِ ادب کی تعلیم وتلقین پائی جاتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ۔ ولا یھدی لاحسنھا الا انت۔ سو حسنِ ادب اور مکارمِ اخلاق ایک اہم مطلوب ہے۔ اور یہ مؤمن صادق کے لیے زینت اور اس کی امتیازی شان کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وعلی ما یحب ویرید۔ بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ،

۱۱۰ ''لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ'' سے مقصود و مراد؟:- یعنی ''ملامست'' سے مراد یہاں پر مباشرت وہم بستری ہے۔ نہ کہ صرف چھونا اور ہاتھ لگانا۔ یہی مروی ہے حضرتِ علیؓ اور حضرتِ ابنِ عباسؓ سے۔ جبکہ دوسرا قول اس میں بعض اہلِ علم کا یہ ہے کہ اس سے مرادِ مس ہے۔ یعنی محض چھونا، مگر راجح پہلا قول ہے۔ (محاسن التاویل، مدارک التنزیل، معارف القرآن للکاندھلوی وغیرہ)۔ بہرکیف ''لامستم النساء'' صحبت اور مباشرت سے کنایہ ہے اور اس طرح یہاں پر حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں کے بارے میں بتادیا گیا کہ تیمّم ان دونوں کیلئے کفایت کرتا ہے۔ اگر اس کا ذکر نہ ہوتا تو اس کا خدشہ تھا کہ یہ غلط فہمی پیدا ہوجائے کہ تیمّم کی کفایت صرف حدثِ اصغر کیلئے ہے۔ جبکہ حقیقت میں ایسے نہیں ہے۔ بلکہ تیمّم کی اجازت ضرورت کے ہر موقع پر ہے۔

۱۱۱ اللہ تعالیٰ کی بخشش ورحمت کی تذکیر و یاددہانی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی معاف فرمانے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ اسی لئے وہ اپنے اَحکام میں طرح طرح سے نرمی برتتا، اور ان میں اس طرح تخفیف فرماتا ہے۔ اور اپنے بندوں کو ایسی ایسی رخصتوں اور عنایتوں سے نوازتا ہے۔ جس کا ایک عظیم الشان مظہر یہ ہے کہ اس نے تمہاری سہولت اور آسانی کیلئے مٹی کو پانی کے قائم مقام قرار دے دیا جو ہر جگہ میسر ہے۔ جو تمہارے پاؤں کے نیچے پڑی تمہیں درسِ عبرت وبصیرت اور خاکساری کی تعلیم دے رہی ہے۔ جو تمہارا مبداء ومنتہاء اور آغاز وانتہاء ہے۔ اسی سے تم پیدا ہوئے ہو اور اسی میں تم نے مرنے کے بعد جانا ہے۔ یہی تم کو زندگی میں بھی سنبھالتی ہے اور موت کے بعد بھی۔ اور یہ تمہارے قدموں کے نیچے پڑی ہر وقت اپنی زبانِ حال سے تمہیں فیض رسانی اور عجز وانکسار کا درس دے رہی ہے کہ بندے کو ہمیشہ خاکساری اور تواضع وانکساری اور نفع بخشی اور فیض رسانی کی خو بو اپنانی چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید وھو الھادی الی سواء السبیل وبیدہ ازمۃ الصلاح والتوفیق۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب کا، ۱۱۲

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

وہ اپناتے ہیں گمراہی کو بدلے میں ہدایت کے، اور وہ (اپنی گمراہی کے ساتھ یہ بھی) چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی بھٹک جاؤ سیدھی راہ سے،

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو، ۱۱۳ اور (ان کی فکر سے زیادہ تم اللہ سے اپنا معاملہ درست رکھنے کی فکر کرو کہ) اللہ کافی ہے

۱۱۲ اہل کتاب کے تعجب خیز وعبرتناک حال کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو اپناتے ہیں بدلے میں ہدایت کے اور وہ چاہتے ہیں کہ تم لوگ بھی بھٹک جاؤ سیدھی راہ سے۔یعنی کیا تم نے ان کے حال پر غور نہیں کیا کہ کیسا عجیب وغریب اور حیرت وعبرت انگیز ہے حال ان کا؟ کہ کہنے کو تو یہ اہل کتاب ہیں، اور کتاب حکیم کے علم کا بھی انہیں ایک بڑا حصہ ملا ہے، مگر اس کے باوجود یہ لوگ خریدتے ہیں گمراہی کو بدلے میں ہدایت کے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ تم کو بھی راہِ حق و ہدایت سے بھٹکانا چاہتے ہیں، تاکہ اس طرح یہ ضلال کے ساتھ اِضلال کے جرم کے بھی مرتکب بنیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ یہاں پر یہ بھی واضح ہے کہ بعض دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہے اور ﴿نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتَاب﴾ سے مراد دوسری آسمانی کتب اور صحیفے ہیں۔ کیونکہ وہ اصل میں اس کتابِ مبین کے اجزاء وحصص ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سو اس کا تقاضا یہ تھا کہ قرآنِ حکیم کی اس کامل کتاب کو نازل ہونے پر ایسے لوگ آگے بڑھ کر اور صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آتے لیکن ان لوگوں کا حال عجیب ہے کہ یہ اس پر ایمان لانے کی بجائے الٹے اس کے دشمن بن گئے۔ اور انہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو اپنایا اور اللہ کے غضب کے مستحق بنے ﴿فباءوا بغضب من اللہ﴾ سو پیاسا اگر شدتِ ضرورت اور سخت پیاس کے باوجود آبِ زلال کے چشمۂ صافی سے محروم لوٹے تو اس سے بڑھکر بدبخت اور محروم اور کون ہوسکتا ہے؟- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۱۳ اللہ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ اور تم لوگوں سے بھی کہیں زیادہ اور پوری طرح جانتا ہے۔ پس تم لوگ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک کے بتانے پر اعتماد و یقین رکھو۔ اور اسی کی ہدایات وتعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کرو۔ اور تمہارے جن دشمنوں کی اس نے اپنی رحمت وعنایت سے تمہارے لیے نشاندہی فرما دی ہے ان کو تم اپنا دشمن ہی سمجھو اور ان کی عداوت ودشمنی سے بچنے کی فکر وکوشش میں رہو۔ سو اس جملے میں مسلمانوں کے لئے تسلیہ وتسکین کا سامان ہے کہ اللہ تمہارے دشمنوں اور ان کی چالوں سے بے خبر نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ پس تم اسی سے اپنا معاملہ صحیح رکھو۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی رضا وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین

بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ

حمایت کرنے کو، اور اللہ کافی ہے مدد کرنے کو، ف۱۱۴ ان لوگوں میں سے جو کہ یہودی بن گئے وہ بدلتے ہیں

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

اللہ کے کلام کو اس کے مواقع سے، اور کہتے ہیں کہ ف۱۱۵ ہم نے سن لیا اور نہیں مانا،

۱۱۴ حاجت رواو کارساز سب کا اللہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کافی ہے سب کی کارسازی اور حاجت روائی کیلئے ہر اس شخص کیلئے جو اس کی طرف جھکے اور اس سے مدد چاہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ آج کا جاہل مسلمان اس قادرِ مطلق کو پکارنے کی بجائے اس کی عاجز مخلوق کو پکارتا ہے۔ کہیں وہ کہتا ہے "یا علی مدد" کہیں "یا غوث دستگیر" اور کہیں "یا حسین" کے نعرے لگاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ اگر نہیں کہتا تو "یا اللہ مدد" ہی نہیں کہتا۔ اِلَّا ما شَآءَ اللّٰهُ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف جو صدقِ دل سے اسکی طرف رجوع کرے گا اسکو وہ اپنی نصرت سے نوازے گا۔ اور جس کو اس کی نصرت وحمایت کی سعادت نصیب ہو جائے اس کو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ سب کچھ تو اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ بس تم لوگ اے مسلمانو! اسی وحدہٗ لاشریک کی کارسازی کے بھروسہ واعتماد پر راہِ حق میں آگے بڑھتے چلو۔ اور کسی اور کی کوئی پرواہ مت کرو۔ اللہ تم کو کافی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی توفیق وعنایت کے سائے میں رکھے، امین ثم امین

۱۱۵ یہود کی ایک خصلتِ بد کا ذکر وبیان:- سو اس سے یہود کی اس خصلت بد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ایسے بدبخت لوگ ہیں کہ آنحضرتؐ سے بات سن کر کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی لیکن مانیں گے نہیں۔ یعنی کانوں سے تو سن لیا لیکن دل سے مانا نہیں۔ (معارف، مدارک اور محاسن وغیرہ)۔ سو اس سے ان لوگوں کی شقاوت وبدبختی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسے لفظ بولنا جن کے ظاہری معنٰی تو صحیح اور درست ہوں مگر تحریف کے ذریعے ان کو برے اور غلط معنوں میں استعمال کیا جائے تو یہ ایک یہودیانہ طریقہ اور بگڑی ہوئی ذہنیت کا نمونہ ہے، جس کے نمونے آج بھی یہاں اور وہاں طرح طرح سے ملتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور اس طرح کے لوگ دراصل اپنی شقاوت اور بدبختی کے داغ کو مزید پکا اور گہرا کرتے جاتے ہیں اور اس طرح یہ محروم سے محروم تر ہوتے جاتے ہیں مگر ان کو اس کا احساس وشعور نہیں ہوتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو یہ لوگ پیغمبر کی بارگہ اقدس میں ایسے ذو معنٰی الفاظ استعمال کرتے جن کا ظاہر کچھ ہوتا اور باطن کچھ اور دھوکہ دہی کی غرض سے یہ لوگ ان الفاظ کے ظاہری معنٰی بتاتے لیکن اندر سے ان کی مراد دوسری ہوتی۔ سو اسی طرح یہ لوگ کہتے۔ ﴿اسمع غیر مسمع﴾۔ جس کا معنٰی ہے سنو نہ سنائے جاؤ۔ والعیاذ باللہ اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے، امین ثم امین یارب العالمین

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا

اور (کہتے ہیں کہ) سنو نہ سنائے جاؤ، ۱۱۶ اور کہتے ہیں راعنا اپنی زبانوں کو مروڑ کر، اور دین میں

فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

طعنہ دینے کو ۱۱۷ اور اگر وہ (اس کی بجائے یوں) کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا،

وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَ

اور (صرف) اِسْمَعْ کہتے اور (راعنا کی بجائے) انظرنا کہتے، تو یہ بہتر ہوتا خود ان ہی لوگوں کے لئے، اور زیادہ درست بھی، (حقیقت و

لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

واقعہ کے اعتبار سے،) لیکن ان پر لعنت (و پھٹکار) پڑ گئی، اللہ کی ان کے (اپنے اختیار کردہ) کفر کی بناء پر ۱۱۸ پس لوگ ایمان نہیں لاتے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

مگر تھوڑا ۱۱۹ اے وہ لوگو! جنہیں کتاب دی گئی ہے، ایمان لے آؤ تم اس کتاب پر جس کو ہم نے (اب)

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ

اتارا ہے، اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو کہ تمہارے پاس ہے ۱۲۰ قبل اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کچھ

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

چہروں کو، پھر ان کو ہم الٹ دیں ان کی پیٹھوں پر، ۱۲۱ یا ان پر ایسی لعنت کر دیں جیسی

لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

لعنت ہم نے ہفتہ والوں پر کی تھی، (جس سے وہ ذلیل بندر بن گئے تھے) اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہتا ہے، ۱۲۲

۱۱۶ یہود کے ڈبل معنیٰ والے اور شر انگیز کلام کا ایک نمونہ:- سو یہ لوگ پیغمبر کی بارگاہِ اقدس میں ایسے دو معنیٰ الفاظ استعمال کرتے، جن کا ظاہر کچھ ہوتا اور باطن کچھ اور، اور دھوکہ دہی کی غرض سے یہ لوگ ان الفاظ کے ظاہری معنیٰ بتاتے۔ لیکن اندر سے ان کی مراد دوسری ہوتی۔ سو اس ضمن میں یہ لوگ کہتے اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ، جس کا معنیٰ ہے تم سنو نہ سنائے جاؤ۔ یعنی کوئی مکروہ اور ناپسند بات نہ سنائے جاؤ، سو اس طرح یہ لفظ تعریف اور خوبی کا آئینہ دار ہو گیا۔ اور یہی معنیٰ وہ ظاہر کرتے تھے۔ اور دوسرا مطلب اس کا ہے کہ تم سنو نہ سنائے جاؤ۔ یعنی تم بہرے ہو جاؤ اور کچھ نہ سن سکو۔ یا

یہ کہ تمہاری بات کوئی نہ سنے، اور ایسے خبیث معنیٰ ہی وہ لوگ اس لفظ سے اپنے دل میں مراد لیتے تھے، اپنے خبثِ باطنی کی بناء پر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اس سے یہودیوں کی اس خبیث ذہنیت کا بھی پتہ چلتا ہے اور ان کی حرمان نصیبی کے اصل باعث اور سبب کا بھی۔ تو پھر ایسے لوگ حق و ہدایت کی دولت سے آخر کیسے اور کیونکر سرفراز ہو سکتے ہیں؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۱۷ یہود کی شر انگیزی کی ایک اور مثال: - کہ یہ لوگ آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے "رَاعِنَا" کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں اور "رَاعِنَا" کے اس لفظ کے متبادر اور ظاہری معنیٰ ہیں "ہماری رعایت کیجئے"، "ہمارا خیال رکھیئے" وغیرہ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اس کے صحیح معنیٰ ہیں، مگر وہ بدبخت اپنے خبثِ باطن کی بناء پر اس کا دوسرا معنیٰ مراد لیتے تھے، یعنی "احمق" اور "بیوقوف"۔ کیونکہ ان کی لغت میں اس لفظ کے یہی معنیٰ آتے تھے۔ یا کبھی وہ اس لفظ کو دبا کر "رَاعِیْنَا" بنا دیتے، جس کا معنیٰ ہے "اے ہمارے چرواہے اور گڈریئے"۔ سو اس سے ان لوگوں کے خبثِ باطنی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ وَخَذَلَهُمْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ - نیز اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے باطن میں بغض و حسد کی آگ کا کیسا الاؤ جل رہا تھا، اور اس طرح اپنے باطن کی اس ٹھنڈی آگ کا عذاب وہ نقداً نقد بھگت رہے تھے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - بکل حال من الاحوال

۱۱۸ یہود پر پھٹکار، ان کے اپنے اختیار کردہ کفر کی بناء پر: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان پر لعنت اور پھٹکار پڑ گئی ان کے اپنے اختیار کردہ کفر کی بناء پر۔ جس کے باعث یہ لوگ صحیح بات سمجھ ہی نہیں پاتے۔ سو اپنی ہلاکت اور تباہی کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو حق سے منہ موڑنے اور اعراض برتنے والے خود اپنا ہی نقصان کرتے اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ [البقرۃ: ۵۷] بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ ان لوگوں کے اپنے اختیار کردہ کفر کے انکار کے باعث ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور پھٹکار کر دی گئی جس کے نتیجے میں یہ نورِ ایمان کی دولت سے محروم ہو گئے جو سب سے بڑی محرومی اور دارین کی ہلاکت اور فساد ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۱۹ ایمانِ قلیل کا معنیٰ و مطلب؟: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑا۔ یعنی تھوڑا سا ایمان، جو کچھ ایمانیات کے بارے میں وہ رکھتے تھے لیکن وہ معتبر نہیں، کہ ایمان میں تجزّی اور تقسیم قبول نہیں کہ کچھ کو مانا جائے اور کچھ کو نہ مانا جائے۔ بلکہ سب ہی ایمانیات کو ماننا اور قبول کرنا ضروری ہے۔ اور دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے لوگ، جیسے حضرتِ عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی کہ وہی ان کی خباثتوں اور شرارتوں سے محفوظ رہے۔ اور وہی لعنت سے محفوظ رہے۔ اور وہی نورِ ایمان و یقین سے مشرف و سرفراز ہوئے۔ (المراغی الکشاف، المعارف، المدارک اور فتح القدیر وغیرہ)۔ بہرکیف جب ایسے لوگوں نے نورِ حق و ہدایت سے منہ موڑ کر کفر و انکار کی راہ کو اختیار کیا تو ان پر لعنت اور پھٹکار کر دی گئی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بابِ رحمت سے دھتکار دیا تو یہ ایمان و یقین کی اس دولت سے محروم ہو گئے جو سب سے بڑی محرومی ہے۔ اور اس طرح یہ لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز اور بہرہ مند کرنے والی اس بے مثال دولت سے محروم ہو گئے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ -

۱۲۰ قرآن حکیم کی تصدیق تورات و انجیل کیلئے تین طرح سے: - قرآنِ حکیم سے تورات و انجیل کی یہ

تصدیق تین طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تو اس طرح کہ تورات و انجیل میں آخری پیغمبر اور ان پر نازل ہونے والی اس وحی کی خبر دی گئی تھی۔ تو اس طرح اس کتاب کا محض نزول ہی تورات و انجیل کی تصدیق ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض یہ کتاب حکیم نازل نہ ہوتی تو اس سے متعلق تورات و انجیل کی ایسی تمام پیشینگوئیاں جھوٹی پڑ جاتیں۔ اور دوسرے اس طرح کہ اس کتاب حکیم میں بھی انہی بنیادی حقائق وعقائد کی تعلیم وتلقین فرمائی گئی ہے جو کہ ان کتابوں میں مذکور تھے، اور اس میں یہ تعلیم بطریق احسن اور بدرجہ کمال فرمائی گئی ہے۔ اور تیسرے اس طرح کہ اس کتاب میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے کہ وہ سابقہ کتابیں بھی آسمانی اور الہامی کتابیں تھیں۔ اور وہ بھی اپنے اپنے وقتوں میں مینارۂ نور اور سرچشمۂ رشد وہدایت تھیں۔ سو اس سب کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اہل کتاب آگے بڑھ کر اس کو قبول کر لیتے۔ صدق دل سے اس پر ایمان لاتے۔ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کی تعلیمات مقدسہ کو دل و جان سے اپناتے۔ مگر یہ لوگ ہیں کہ الٹا اس کے مقابلے میں اور اس کا راستہ روکنے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ سو یہ کتنی بڑی بے انصافی اور کس قدر محرومی اور بدبختی ہے۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے اتباع ہویٰ اور ہٹ دھرمی کا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۲۱ چہروں کو مٹانے اور الٹنے سے مقصود و مراد؟:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے قبل اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کچھ چہروں کو، پھر ان کو ہم الٹ دیں ان کی پیٹھوں کی طرف۔ یعنی حقیقتاً جیسا کہ منکروں کے ساتھ قیامت سے پہلے، اور قیامت کے بعد ہوگا۔ یا حکماً اور مجازاً کہ راہ حق سے ان کے چہرے پھیر کر ان کو کفر وضلال کے اندھیروں میں پھینک دیا جائے۔ (جامع البیان وغیرہ)۔ اور یہ اس لیے کہ کانوں آنکھوں وغیرہ کی یہ نعمتیں تم لوگوں کو اسی لیے دی گئی تھیں کہ ان سے صحیح کام لیکر تم لوگ حق وہدایت کی اس راہ کو اپناؤ جو دارین کی سعادتوں سے ہمکنار و بہرہ ور کرنے والی راہ ہے۔ لیکن جب تم ان سے ان کا یہ کام لینے کی بجائے الٹا ان کو حق اور اہل حق کیخلاف استعمال کرنے لگے اور تم نے ان کو ہدایت و روشنی کے میناروں کی بجائے ہلاکت کے گڑھے بنا دیا تو اب یہ اسی قابل ہیں کہ ان کو مٹا دیا جائے اور تم لوگ اندھے بہرے بن کر ہلاکت و تباہی کے ہولناک گڑھوں میں گر کر اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ جاؤ۔ اسی لیے دوسرے مقام پر ایسے لوگوں کو بہرے گونگے اور اندھے ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ﴾ فرمایا گیا ہے۔ سو حق سے اعراض و روگردانی کا نتیجہ بڑا ہی ہولناک ہوتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۱۲۲ اللہ کا حکم ہو کر ہی رہتا ہے:- اس کو روکنے کا کسی میں یارا نہیں ہوسکتا، کہ اسکی قدرت سب سے اعلیٰ و بالا اور اسکی قوت سب سے بڑی ہے- سبحانہ وتعالیٰ- سو جس عذاب کے واقع ہونے کی خبر اسکی طرف سے دی جارہی ہے، اس نے بھی اپنے وقت پر بہرحال ہو کر رہنا ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کی فکر کرو۔ سو کوئی اگر اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ ایسے لوگوں کے چہروں کو مٹا دینا یا ان کو ان کی گدیوں کی طرف پھیر دینا یا ان کو مسخ کر کے بندروں کی شکلوں میں ڈھال دینا خدا کے لئے کوئی بڑا یا انہونا کام ہے تو وہ ایسی غلط فہمی کو کھرچ کر اپنے دل و دماغ سے نکال دے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسا کوئی بھی کام کچھ بھی مشکل نہیں، بلکہ محض اس کے حکم واشارہ کی دیر ہے۔ اس کا حکم بہرحال ہو کر رہتا ہے۔ اس کے حکم و ارشاد اور اس کے وقوع میں کوئی فاصلہ اور دوری نہیں۔ سو وہ اگر اپنے حلم و کرم کی بناء پر جو مہلت دیتا ہے تو اس سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ والعیاذ باللہ العظیم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس (جرم) کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے (کہ شرک بغاوت ہے،) اور وہ بخش دے گا اس کے سوا

ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی

دوسرے گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا، اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ تو یقیناً اس نے ارتکاب کیا

اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ

بہت بڑے گناہ کا، ۱۲۳ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دم بھرتے ہیں اپنی پاکیزگی کا (سو مدار ان کے دعووں پر نہیں،)

بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾

بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور ان پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا ۱۲۴

اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ کَفٰی

دیکھو تو سہی، کیسے جھوٹ گھڑتے ہیں یہ لوگ اللہ پر؟ اور کافی ہے (ان کی تباہی کے لئے)

بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا

یہ کھلم کھلا گناہ، ۱۲۵ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو دیا گیا ایک حصہ

نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ

(علم) کتاب کا، (مگر اس کے باوجود) وہ ایمان رکھتے ہیں بتوں اور شیطانوں پر،

وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ

اور وہ کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کے مقابلے میں

۱۲۳ شرک کا جرم ناقابلِ معافی جرم ہے۔ والعیاذ باللہ:- کہ شرک کا یہ جرم دراصل بغاوت کا اور سب سے بڑا اور سنگین جرم ہے۔ اس لئے یہ ناقابلِ معافی ہے۔ اور یہی سزا کفر کی ہے کہ وہ بھی بغاوت ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان دونوں جرموں کا یہی انجام بیان فرمایا گیا ہے، لیکن ذکر کہیں صرف شرک کا فرمایا گیا، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے اور کہیں صرف کفر کا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ ظَلَمُوۡا

لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ، اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا وَکَانَ ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا﴾[النساء: ۱۶۷۔۱۶۸] اور کہیں ان دونوں کو یکجا بیان فرمایا گیا ہے جیسے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ﴾ الآیۃ [البینۃ:۶] سو اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو سرے سے خدا تعالیٰ کا منکر ہوگا وہ بدرجۂ اولیٰ اس سزا و انجام کا مستحق ہوگا، کہ اس کا جرم تو کفر و شرک سے بھی بڑھ کر ہے سو کفر و شرک اور الحاد و بے دینی کے جرائم بڑے ہولناک اور ناقابل معافی جرم ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ جَلَّ وَعَلاَ - اللہ پاک ہمیشہ اور ہر موقع پر اپنی عنایت و پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۴ اپنی پاکیزگی کے دعویداروں کے لیے تنبیہ: - سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرنے اور دم بھرنے والوں کے لیے تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ یعنی ان کے حال پر غور نہیں کیا جو اپنی پاکیزگی کا دم بھرتے اور دعویٰ کرتے ہیں [سو مدار ان کے دعووں پر نہیں] بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ان لوگوں پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ بہرکیف ایسے لوگ اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے اور دم بھرتے ہیں، اور اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے اور بتاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے بیٹے اور پیارے ﴿اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ﴾ کہتے ہیں۔ اور اسی مرض کے بعض مظاہر وہ ہیں جو آج اس امت مرحومہ کے اندر بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے، اور مختلف شکلوں میں پائے جاتے ہیں۔ کہ کوئی "نوری" بنتا ہے، کوئی اپنے آپ کو "سید" اور "صاحبزادہ" کہتا کہلواتا ہے، اور کسی نے اپنی جماعت اور گروہ کیلئے متقین اور صالحین جیسے لقب اپنا رکھے ہیں۔ اور کوئی "پیر" اور "پیرزادہ" کہلواتا ہے۔ اور کسی کا کچھ زعم اور دعویٰ ہے اور کسی کا کچھ۔ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْٓءٍ وَّ زَیْغٍ - یہاں تک کہ کچھ اپنے سوا اور کسی کو مؤمن ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اور وہ اپنے آپ کو جماعتِ مؤمنین کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - سو اپنی پاکیزگی کے دعوے کرنے سے کچھ نہیں بنتا۔ بلکہ اصل ایمان و کردار ہے، وباللہ التوفیق

۱۲۵ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے جرم کی شدت و ہولناکی: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافی ہے [ان لوگوں کی ہلاکت و تباہی کے لیے] یہ کھلم کھلا گناہ۔ یعنی اللہ پر جھوٹ گھڑنا اتنا بڑا شدید اور سنگین جرم ہے، کہ ایسے جرم کے مرتکب کی تباہی و بربادی کیلئے کسی اور جرم کی ضرورت ہی نہیں۔ یہی گناہ ایسے لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کیلئے کافی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ پر افتراء میں صحت کا کوئی شائبہ بھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسے ہر شائبہ سے پاک ہے - سبحانہٗ و تعالیٰ - (المراغی وغیرہ)۔ سو اپنی صاحبزادگی اور بڑائی کا دعویٰ کرنا، اور اپنی پاکیزگی کا گھمنڈ رکھنا جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا اللہ پاک پر افتراء کرنا اور اس پر جھوٹ گھڑنا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - کیونکہ اس نے محض حسب و نسب کی بناء پر کسی کو بڑائی اور بندگی کی کوئی سند نہیں دی۔ اور کسی کا اپنے لئے اس طرح کا دعویٰ کرنا دراصل اپنے آپ کو بندگی کے دائرہ سے نکال کر الوہیت کے دائرے میں داخل کرنا ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - جبکہ اللہ تعالیٰ نے عزت و عظمت اور بزرگی و بڑائی کا مدار و انحصار ایمان و عمل اور تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھا ہے ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ سو تقویٰ و پرہیزگاری کے اسی وصف مطلوب کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے - وباللہ التوفیق - لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ

زیادہ صحیح راستے پر ہیں، ۱۲۶ یہ ہیں وہ لوگ جن پر لعنت (و پھٹکار) پڑ گئی

اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ ؕ

اللہ کی ۱۲۷ اور جس پر اللہ کی لعنت (و پھٹکار) پڑ جائے تو تم نہیں پاسکو گے اس کے لئے کوئی (یارو) مددگار

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ

کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے (اللہ کی) بادشاہی میں سے؟ کہ ایسی صورت میں یہ لوگوں کو (اس میں سے) تل

۱۲۶ یہود کی بدبختی کا ایک نمونہ و مظہر:- کہ ان لوگوں کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا مگر یہ ہیں کہ اس کے باوجود بتوں اور شیطانوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ ایمان والوں کی مقابلے میں کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ زیادہ راست رو ہیں۔ جیسا کہ یہود کے سردار کعب بن اشرف نے مشرکین قریش کے سوال کے جواب میں کہا تھا، یہاں تک کہ اس نے مشرکین کی خاطر ان کے بت کے سامنے سجدہ بھی کر لیا تھا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ حالانکہ یہ لوگ اہلِ کتاب ہونے اور عقیدۂ توحید کے علمبردار ہونے کے مدعی تھے۔ (ابن کثیر اور معارف وغیرہ)۔ سو اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور دشمنی میں یہود اسقدر اندھے اور اوندھے ہو گئے تھے کہ کھلم کھلا مشرکینِ مکہ کو مسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے اور اپنی اس مخالفت کے جواز کے لئے وہ اسلام کی تعلیماتِ مقدسہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس دین کے مقابلے میں مشرکین کا دین و مذہب اچھا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ سو ضد اور حسد نے ان کو اس قدر اندھا اور اوندھا کر دیا تھا جس کے باعث یہ بدبخت اہلِ ایمان کے مقابلے میں اہلِ کفر کو ہدایت یافتہ قرار دے رہے تھے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ حق اور ہدایت کی اتباع نصیب فرمائے اور حسد و عناد کے رذائل سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم آمین یارب العالمین ویاارحم الراحمین

۱۲۷ یہود پر اللہ کی طرف سے لعنت و پھٹکار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ ہیں وہ لوگ جن پر لعنت و پھٹکار پڑ گئی اللہ کی۔ ان کے اپنے اختیار کردہ کفر اور ان کے خبثِ باطنی کی بناء پر۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ کہ انہوں نے حق کے علم و معرفت کے باوجود شرک کو توحید پر ترجیح دی، اور کفار و مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلے میں راہِ راست پر اور زیادہ ہدایت یافتہ قرار دیا۔ سو اس طرح حسد کی نحوست نے ان لوگوں کو اہلِ کتاب ہونے کے منصبِ شرف و اعزاز سے محروم کر کے لعنتِ خداوندی اور اسکی پھٹکار کی مذلت کے اس ہولناک گڑھے میں ڈال دیا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور جن پر اللہ لعنت کر دے ان کو کوئی نہیں بچا سکتا اور ان کا کوئی یارو مددگار انکے کچھ کام نہیں آ سکتا کیونکہ جس پر خدائے پاک کی لعنت ہو جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ تو اس کی خدا تعالیٰ کے یہاں سے جڑ کٹ جاتی ہے اور جس درخت کی جڑ کٹ جائے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اسکو کوئی لاکھ پانی دے اس کا ہرا ہونا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ۔ بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ

النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى

پھر بھی کچھ نہ دیں گے؟ ۱۲۸ کیا یہ لوگ حسد کرتے ہیں دوسرے

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ

لوگوں پر، ان نعمتوں کی بناء پر جن سے ان کو اللہ نے نوازا ہے اپنے فضل (وکرم) سے ۱۲۹ سو (اگر ایسے ہے تو یہ جلتے رہیں کہ) بے

اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾

شک ہم سرفراز کر چکے ہیں ابراہیم کی آل (اولاد) کو بھی کتاب وحکمت (کی نعمت) سے، اور ہم ان کو نواز چکے ہیں بہت بڑی

۱۲۸ یہود کے ضرب المثل بخل کا تقاضا: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ان کے لیے کوئی حصہ ہے بادشاہی میں سے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ اس میں سے لوگوں کو تِل بھر بھی کچھ نہ دیتے۔ جیسا کہ ان کے ضرب المثل بخل کا تقاضا تھا اور ہے۔ مگر اللہ پاک کا یہ کرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان کی ضروریات میں دوسروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا، بلکہ ضروریات کی ایسی تمام چیزوں کو اس وحدہٗ لاشریک نے اپنے ہی قبضۂ قدرت واختیار میں رکھا ہے، ورنہ مخلوق میں سے اگر کسی کو اس پر اختیار مل جاتا اور خاص کر یہودیوں جیسی حاسدانہ اور بخیلانہ ذہنیت رکھنے والے کسی شخص کو تو وہ دنیا کو ترسا ترسا کر مار دیتا- فللّٰہ الحمد رب العالمین- سو جب ان کا خداوند قدوس کی اس حکومت وبادشاہی میں کوئی حصہ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی عطاء وبخشش پر اس طرح جلتے کیوں ہیں؟ اور اس طرح کے اعتراضات کیوں کرتے ہیں؟ انکو اس کا کیا حق ہوسکتا ہے؟ والعیاذ باللہ جل وعلا، بکلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۱۲۹ حسد یہودیوں کی ایک عمومی اور قومی خصلت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ دوسروں پر حسد کرتے ہیں ان نعمتوں کی بناء پر جن سے اللہ نے ان کو اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے؟۔ معلوم ہوا کہ اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمت کی بناء پر کسی سے حسد اور جلن رکھنا دراصل یہودی شیوہ ہے، جس سے مسلمان کو بہرصورت پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور استفہام تقبیح اور انکار کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر حسد اور اعتراض کرنے کا حق کسی کو نہیں ہوسکتا۔ ایک تو اس لیے کہ وہ خالقِ کل اور مالکِ مطلق ہے۔ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ اور دوسرے اس لیے کہ وہ علیم وخبیر اور حکیمِ مطلق ہے۔ اس لیے وہ جو بھی کچھ کرتا ہے وہ سراسر حق وصدق اور علم وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے کسی بھی حکم وارشاد کا نہ کوئی متبادل ممکن ہوسکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس پر اعتراض کا کوئی حق ہوسکتا ہے۔ بہرکیف اس ارشاد کے ذریعے یہود کی عداوت کے اصل سبب سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ ان لوگوں کی جلن اور ان کے غصے کا اصل سبب ان کا یہ حسد ہے کہ نبوت ان کے خاندان سے نکل کر دوسروں کو یعنی بنو اسماعیل کو کیوں منتقل ہوگئی ہے۔ حالانکہ نبوت ورسالت اور شریعت اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور انعام واحسان ہے اور وہ اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق کس طرح ہوسکتا ہے؟ - والعیاذ باللہ العظیم- بکلِّ حالٍ من الاحوال،

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ

بادشاہی سے ف۱۳۰ پھر ان میں سے کچھ تو اس پر ایمان لے آئے اور کچھ ہٹے ہی رہے،

وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور کافی ہے (ایسوں کے لئے) دہکتی جہنم، بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہماری آیتوں سے،

سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

عنقریب ہی ہم ان کو جھونک دیں گے ایک بڑی ہی ہولناک آگ میں، (جہاں ان کا حال یہ ہوگا کہ) جب بھی جل جائیں

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ

گی ان کی کھالیں تو ہم ان کو بدل دیں گے اور کھالیں، تاکہ یہ مزہ چکھتے رہیں اس عذاب کا ف۱۳۱ بے شک

ربع اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ بڑا ہی زبردست، نہایت ہی حکمت والا ہے، اور (اس کے برعکس) جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے

الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کام بھی نیک کیے، تو انہیں ہم ضرور داخل کریں گے (اپنے کرم سے) ایسی عظیم الشان جنتوں میں جن کے نیچے سے بہہ رہی

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

ہوں گی طرح طرح کی نہریں، جہاں انکو ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا نصیب ہوگا، ان کے لئے وہاں پر ایسی عظیم الشان بیویاں

مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

ہوں گی جن کو پاک کر دیا گیا ہوگا (ہر نقص وعیب سے) ف۱۳۲ اور انکو ہم داخل کریں گے گھنے سائے میں ف۱۳۳ بے شک اللہ

يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا

تمہیں حکم دیتا ہے (اے ایمان والو!) کہ تم حوالے کرو امانتوں کو ف۱۳۴ ان کے حقداروں کے، اور (یہ کہ) جب

حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ

تمہیں فیصلہ کرنا ہو لوگوں کے درمیان تو تم فیصلہ کرو عدل (وانصاف) کے ساتھ، ۱۳۵ بے شک

۱۳۰ آلِ ابراہیم پر قدرت کی نوازشوں کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ بلاشبہ ہم نواز چکے ہیں آلِ ابراہیم کو کتاب وحکمت کی دولت سے، اور ان کو سرفراز کر چکے ہیں بہت بڑی بادشاہی سے۔ سو آلِ ابراہیم کو کتاب وحکمت اور حکومت وبادشاہی دونوں سے نوازا گیا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام۔ داؤد اور سلیمان۔ علیہما السلام۔ کہ ان کو نبوت ورسالت کے شرف کے ساتھ ساتھ دنیاوی حکمرانی اور بادشاہی کے شرف سے بھی نوازا گیا۔ تو اب اگر خاندانِ ابراہیمی ہی کی دوسری شاخ یعنی بنو اسماعیل میں سے حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کو نبوت کے اس شرفِ عظیم سے نوازا گیا تو اس پر آخر یہ حسد اور اس قدر جلن کیوں؟ نیز اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ کتاب وحکمت سے سرفرازی حکومت و بادشاہی سے سرفرازی کا بھی ذریعہ و وسیلہ ہے اور یہود بے بہبود کو اصل فکر اسی کی تھی کہ اس مادہ پرست قوم کے نزدیک اصل اہمیت اسی دنیا اور مادی فوائد ومنافع کی ہے۔ سو اس سے اشارہ فرما دیا گیا کہ اگر تم لوگ صدقِ دل سے اس کتابِ حکیم پر ایمان لاؤ گے تو دنیاوی عظمت سے بھی سرفراز ہوؤ گے اور اُخروی فوز وفلاح سے بھی۔ اور اسطرح تم دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز و مالا مال ہوؤ گے۔

۱۳۱ اعجازِ قرآنی کا ایک نمونہ ومظہر: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ درد والم کا تعلق صرف ظاہری جسم اور کھال سے ہوتا ہے سو یہ قرآنِ حکیم کے اعجاز کا ایک اور نمونہ ومظہر ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ درد والم کے احساس کا اصل تعلق جلد اور کھال ہی سے ہے۔ اسی لئے ان لوگوں کی کھالیں بدلی جاتی رہینگی، تا کہ یہ عذاب کا مزہ برابر چکھتے ہی رہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ اس بات کا علم سائنسی ایجاد وتحقیق کو اب کہیں جا کر ہوا ہے، کہ درد والم اور احساس کا تعلق ظاہری جسم اور کھال سے ہی ہوتا ہے، لیکن قرآنِ حکیم نے پندرہ سو سال قبل اس کی خبر کر دی تھی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ بہرکیف اس ارشاد سے ایک طرف تو اس حقیقت کو آشکارا فرما دیا گیا کہ کافروں اور منکروں کو ایک بڑی ہی ہولناک اور دہکتی بھڑکتی آگ میں داخل کیا جائے گا اور دوسرے نمبر پر اس حقیقت کو بھی واضح فرما دیا گیا کہ جب بھی ان کی کھالیں جل کر ختم ہو جائیں گی ان کو نئی کھالیں پہنا دی جائیں گی تا کہ یہ بدبخت عذاب کا مزہ برابر اور لگاتار چکھتے رہیں۔ پھر کھالوں کی یہ تبدیلی حقیقت پر بھی محمول ہو سکتی ہے کہ حقیقتاً ان کی کھالوں کو نئی کھالوں سے بدل دیا جائے گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی صفت کو تبدیل کر دیا جائے۔ (محاسن التاویل)۔ بہرکیف اہلِ کفر و باطل وہاں پر ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔ اللہ تعالیٰ کفر و باطل کے ہر شائبہ سے محفوظ اور ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، امین ثم امین

۱۳۲ اہلِ جنت کی بیویوں کی عظمتِ شان کا ایک پہلو: - کہ ان کو ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک کر دیا گیا ہو گا۔ سو "طاہرۃ" اور "مطہرۃ" میں فرق ہے اور یہاں پر "طاہرۃ" نہیں "مطہرۃ" فرمایا گیا ہے، جو کہ اسمِ مفعول ہے تطہیر سے۔ جس کے معنیٰ پاک کرنے کے آتے ہیں۔ یعنی جنت کی ان عورتوں کو ظاہری اور باطنی ہر طرح کے نقص وعیب سے پاک وصاف کر دیا گیا ہو گا، جیسا کہ دوسری نصوص میں اس کی تفصیل وتصریح مذکور وموجود ہے۔ پس عام طور پر اس کا جو ترجمہ پاکیزہ بیویوں جیسے الفاظ سے کیا جاتا ہے وہ اس لفظ کا پورا ترجمہ نہیں لگتا اس لئے ہم نے ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے۔ دونوں کا فرق واضح ہے۔ وَالْعِلْمُ

عِنْدَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ جَلَّ وَعَلَا ۔ بہر کیف اہلِ جنت کی ان پاکیزہ اور بے مثال عورتوں کو حیض و نفاس، بول و براز اور دوسرے تمام ظاہری اور باطنی عیوب و نقائص سے پاک کر دیا گیا ہوگا۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، محاسن التاویل اور مدارک التنزیل وغیرہ) ۔ کہ وہاں پر ان کو ایک نئی زندگی اور نئی اٹھان ملی ہوگی۔ اور یہ ایک اور ہی شان کے مالک ہونگے، اللہ نصیب فرمائے آمین

۱۳۳ **اہلِ جنت کے لیے گھنے سایوں کی رحمت و عنایت** :۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ جنت گھنے سایوں کے اندر ہوں گے۔ جس میں نہ دھوپ کی کوئی تپش ہوگی اور نہ سردی کی ٹھر۔ بلکہ ایسا پرسکون سماں ہوگا جس میں گھنے سائے کی طرح آرام ملے گا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ سو ان کو صراحت کے ساتھ اس خوشخبری سے نوازا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴾ (النساء: ۵۷) نیز فرمایا گیا ﴿ أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ﴾ یعنی ''وہاں کے پھل بھی دائمی ہوں گے اور وہاں کا سایہ بھی ہمیشہ ہوگا'' (الرعد: ۳۵)۔ سو وہاں کی ہر چیز بے مثال ہوگی جیسے وہاں دودھ اور شہد وغیرہ دنیا کے معروف طریقوں کیخلاف نہروں کی صورت میں ہونگے۔ ایسے ہی وہاں سردی گرمی دھوپ سایہ وغیرہ بھی مختلف نوعیت کے ہونگے، جیسا کہ حضرتِ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہوگا جس کے سائے میں ایک سوار ایک سو سال تک چلتا رہے گا۔ (ابنِ کثیر، ابنِ جریر، قرطبی، محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہر کیف اہلِ کفر کے انجام اور ان کے عذاب کے ذکر کے بعد اب یہ اہلِ ایمان کے انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان کو نوازا جائے گا۔ اللہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ یا ذا الجلال والاکرام۔ اللہ زیغ وضلال کے ہر شائبے سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین، ویا اکرم الاکرمین،

۱۳۴ **امانات سے مراد اور امانت کے مفہوم کی وسعت؟** :۔ سو امانات سے مراد عام ہے۔ یعنی وہ سب حقوق جو تمہارے ذمے واجب ہوں۔ خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ سو ان سب کے اداء کرنے کا مطالبہ ہے۔ (جامع البیان، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، وغیرہ)۔ سو ہر وہ چیز جو کسی کے ذمے اور اس کے اعتماد پر چھوڑی گئی ہو وہ امانت کہلاتی ہے۔ اور امانات کا یہ لفظ یہاں پر بڑے وسیع مفہوم میں استعمال فرمایا گیا ہے جو تمام حقوق و فرائض کو عام اور حاوی ہے۔ خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ وہ انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے۔ اپنوں سے متعلق ہوں یا بیگانوں سے۔ مالی معاملات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاہدات کی قسم سے۔ غرض جو بھی اور جیسے بھی حقوق و فرائض ہوں، وہ سب ہی امانت کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس لفظ کے عموم میں سب ہی شامل ہیں۔ اور ان سب کو ہی ادا کرنا مامور و مطلوب ہے۔ اور اہلِ ایمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ سب امانتوں کو ادا کریں۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید۔ وعلیٰ ما یحب و یرید

۱۳۵ **عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ہدایت** :۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور یہ کہ تم لوگ فیصلہ کرو عدل و انصاف کے ساتھ۔ کسی جانبداری اور لگی لپٹی کے بغیر تا کہ ہر صاحبِ حق کو اس کا پورا حق مل سکے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اور جب حق کے علمبردار تم ہی ہو تو تم سے ہر حال میں عدل و انصاف مطلوب ہے۔ اپنے عمل و کردار میں بھی اور اپنے قول و قرار میں بھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ﴾ الآیۃ [الانعام: ۱۵۳] یعنی تم بات کرو تو عدل و انصاف ہی کی بات کرو، اگرچہ وہ شخص تمہارا قریبی ہو۔ سو اس ارشاد سے امانت کے سب سے اہم پہلو کی نشاندہی بھی فرما دی گئی اور اقتدار کے ساتھ جو ذمہ داری وابستہ ہے اس کی وضاحت بھی۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيدُ۔ بہر کیف عدل و انصاف دین کے اہم اور بنیادی مطالب میں سے ہے۔ اور اس کو قائم کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض ہے، وباللہ التوفیق

اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا

بڑی ہی عمدہ ہے وہ بات جسکی نصیحت فرماتا ہے تم کو اللہ، ف ۱۳۶ بے شک اللہ بڑا ہی سننے والا،

بَصِيْرًا ۝۵۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ

دیکھنے والا ہے، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، حکم مانو تم اللہ کا، ف ۱۳۷ اور

اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ

حکم مانو اس کے رسول کا، ف ۱۳۸ اور ان لوگوں کا جو صاحبِ امر ہوں تم میں سے، ف ۱۳۹ پھر اگر

تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ

تمہارا کسی بات پر آپس میں اختلاف ہو جائے تو تم اس کو لوٹا دیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی طرف،

اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ

اگر تم ایمان (ویقین) رکھتے ہو اللہ پر، اور قیامت کے دن پر، ف ۱۴۰ یہ

خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹ۧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ

بہتر ہے (تمہارے لئے فی الحال بھی) ف ۱۴۱ اور (حقیقت اور) انجام کے اعتبار سے بھی ف ۱۴۲ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا ف ۱۴۳

يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

جو دعوٰی تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو اتاری گئی آپ کی طرف، اور اس پر بھی جو اتاری گئی

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ

آپ سے پہلے، (مگر اس کے باوجود) وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ لے جائیں طاغوت کے پاس،

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ

حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ یہ اس کے ساتھ کفر کریں، ف ۱۴۴ اور شیطان چاہتا ہے

۱۳۶ اللہ پاک کی نصیحت سب سے عمدہ: سو ارشاد فرمایا گیا اور حرفِ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ

۶۹۵

تم لوگوں کو بڑی ہی عمدہ بات کی نصیحت فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ "علیم وخبیر" بھی ہے، "رحمان ورحیم" بھی اور "لطیف وکریم" بھی۔ پھر اس سے بڑھ کر بہتر بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ لہٰذا اس ربِّ رحمان ورحیم کی ہدایت کو تم لوگ دل وجان سے اپناؤ اور اسکو ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے پیشِ نظر رکھو۔ نہ اس میں کسی طرح کی کوئی پس وپیش کرو نہ کسی قسم کی عصبیت، جانب داری یا سہل انگاری کو اس میں آڑے آنے دو اور نہ کسی طرح کے اثر ونفوذ یا خوف وطمع کو اس میں دخل انداز ہونے دو۔ بلکہ ٹھیک حق وہدایت کو اپنے پیشِ نظر رکھو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلیٰ ما یحب ویرید بکل حال من الاحوال

۱۳۷ **اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا اور اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی کہ یہ اس کے بندوں پر اُس کا حق بھی ہے اور اسی میں ان کی بہتری بھی ہے دنیا و آخرت میں۔ سو تم اللہ کی اطاعت کرو۔ قرآنِ حکیم کی طرف رجوع کر کے، جو کہ اللہ پاک کا کلامِ حق ترجمان ہے کہ اپنے خالق ومالک کی اطاعت وفرمانبرداری ہی میں تمہارا بھلا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ سو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری مطلق ہے بغیر کسی قسم کی شرط وقید کے۔ کیونکہ یہ اس خالق ومالک کا اس کے بندوں پر حق بھی ہے اور اسی میں ان کا بھلا بھی ہے۔ اور اس کے حکم وارشاد میں چونکہ کسی قسم کی خطا وقصور کا کوئی خدشہ اور امکان بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس کی اطاعتِ مطلقہ مامور ومطلوب ہے۔ اور اسی طرح اللہ کے رسول کی اطاعت بھی مطلق ہے کہ رسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ الآیۃ [النساء: ۸۰] سو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو۔ کہ یہی اصل مطلوب ہے، اور اسی میں تم لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید

۱۳۸ **اللہ کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارشاد:** ۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم اطاعت کرو اللہ کے رسول کی یعنی سنتِ مطہرہ کی طرف رجوع کے ذریعے کہ رسول کی اِطاعت وفرمانبرداری کی یہی صورت ہوسکتی ہے۔ اور اطاعتِ رسول ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کا شرف حاصل ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ الآیۃ [النساء: ۸۰] یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ سو اطاعت رسول ہی دراصل اِطاعتِ خداوندی ہے۔ پس دارَین کی سعادت وسرخروئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعتِ مطلقہ سے وابستہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔ اور اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت مطلق اور بغیر کسی شرط وقید کے مطلوب ہے۔ کیونکہ وہ ہر قسم کی خطا سے مبرا ومحفوظ ہے اور دوسرے اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں خود بندوں ہی کا بھلا اور انہی کا فائدہ ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید

۱۳۹ **"اُولُوا الْاَمْرِ" سے مقصود ومراد؟:** ۔اگرچہ اس کا معروف ومتبادر مصداق امراء وحکام ہیں لیکن اس کا اصل اور حقیقی مصداق علماء وفقہائے کرام ہیں۔ جیسا کہ حضرتِ ابنِ عباسؓ اور حضرتِ حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی ہے۔ (ابنِ کثیرؒ، جامع البیان، وغیرہ)۔ کیونکہ جن حضرات نے اس سے مراد امراء وحکام کو لیا ہے، انہوں نے بھی بالاجماع یہ شرط لگائی ہے کہ امراء وحکام کی اطاعت وفرمانبرداری بھی اسی صورت میں کی جائے گی جب کہ ان امراء وحکام کا حکم کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو۔ "فَاِنَّهٗ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" ۔یعنی یہ شرط وقید اس لئے ہے کہ

حضرتِ خالق -- جل مجدہٗ -- کی معصیت و نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی بھی اطاعت وفرمانبرداری جائز نہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی بڑی حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو۔ اس لئے مآل یہی نکلتا ہے کہ اس کا اصل اور حقیقی مصداق علمائے ربانیین ہی ہیں، کہ وہ کتاب وسنت سے صحیح اَحکام پیش کرتے ہیں اور حکام وامراء ان کی تنفیذ کرتے ہیں۔ اور شاید اسی لئے آیتِ کریمہ میں ''الحکام'' یا ''الامراء'' یا ایسا کوئی اور لفظ نہیں ارشاد فرمایا گیا۔ بلکہ ﴿ اولوا الامر ﴾ فرمایا گیا ہے -- وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ سبحانهٗ تعالیٰ -- بہر کیف اللہ اور رسول کی اطاعت تو مطلق اور بغیر کسی شرط وقید کے ہے، لیکن انکے سوا ہر کسی کی اِطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے کسی حکم کیخلاف نہ ہو۔ اور اطاعت کا لفظ ''طوع'' کے مادہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ کوئی کام خوشی سے کرنے کے ہیں۔ سو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرمانبرداری صدقِ دل اور خوشی سے کی جائے کہ اس میں خود بندے کا اپنا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وھو الھادی الی سواء السبیل۔

۱۲۰ کتاب وسنت کی طرف رجوع تقاضائے ایمان :-- یعنی تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا یقین اور اس ہولناک دن کی باز پرس اور جوابدہی کا پاس ولحاظ ہے تو تمہیں اس ہدایت پر عمل کرنا چاہیئے اور اسی طریق کار کو اپنانا اور اختیار کرنا چاہیئے۔ پس معلوم ہوا کہ باہمی تنازعات اور اختلافات کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ پھر کیا کہا جائے گا ان لوگوں کے بارے میں جو دعویٰ تو کرتے ہیں ایمان واسلام کا۔ لیکن اپنے مسائل وتنازعات میں ان کے یہاں اس کا کوئی احساس وخیال ہی نہیں کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ قصداً وعمداً اور بعض اوقات اعلاناً وجہاراً اس سے منہ موڑتے ہیں؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اس لیے علمائے حقانیین نے تصریح فرمائی ہے کہ جو لوگ باہمی تنازعات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں۔ (محاسن التاویل) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور یہ ایک ظاہر اور معقول بات ہے اور یہ ایمان کا طبعی تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید،

۱۲۱ باہمی اختلافات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کی تعلیم :-- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کتاب وسنت کی طرف رجوع ایمان کا تقاضا ہے، سو ارشاد فرمایا گیا کہ باہمی اختلافات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع بہر حال بہتر ہے کہ یہ طریقہ تمہارے رب کا ارشاد فرمودہ اور تعلیم کردہ ہے جو کہ علیم وخبیر ہونے کے ساتھ ساتھ رحمٰن ورحیم بھی ہے۔ اور اتنا کہ وہ تم پر تمہاری اپنی جانوں سے بھی کہیں بڑھکر مہربان ہے۔ تو پھر اس سے بڑھکر تمہارے لئے بہتر بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ اور اس وحدہٗ لاشریک کے حکم وارشاد میں نہ کسی خطا وتقصیر کا کوئی خدشہ وامکان ہوسکتا ہے اور نہ کسی ظلم وزیادتی کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ ہر لحاظ سے خیر ہی خیر ہے۔ اسی لئے باہمی اختلافات میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کے لئے طرح طرح تاکید وتلقین فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ شوریٰ میں صاف اور صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جس چیز کے بارے میں بھی تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اس کا حکم وفیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ الآیۃ [الشوریٰ: ۱۰] پس ایمان کے دعوے کے ساتھ کتاب وسنت سے اعراض وروگردانی ممکن نہیں - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وعلیٰ ما یحب ویرید

۱۴۲ رجوع الی اللہ بہرحال بہتر ہے:- سواس سے واضح فرما دیا گیا کہ رجوع الی اللہ مآل و انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ سوآج تمہیں سمجھ آئے نہ آئے، اور تم اس امر کا اِدراک کرسکو یا نہ کرسکو، حقیقت بہرحال یہی ہے۔ اور یہ اپنی جگہ اٹل اور پختہ حقیقت ہے کہ فیصلہ کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی بہتری اور سلامتی کی راہ ہے اور اسکو چھوڑ کر نفس اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے کا انجام بہرحال بڑا ہولناک اور تباہ کن ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ ہر چیز کے نتیجہ و انجام کو جاننا اور پوری طرح جاننا اور اسکے مطابق صحیح ہدایت دینا اسی وحدہٗ لاشریک کی شان اور اسی کا اختیار ہے۔ اس کے سوا کسی کے بس میں نہیں کہ وہ کسی بھی چیز کو پوری طرح اسکے نتیجہ و انجام کے اعتبار سے اور اسکے مالہٗ وماعلیہ کے لحاظ سے جان سکے۔ پس خیر اور بہتری بہرحال اسی کے حکم و ارشاد کو اپنانے میں ہے۔ سو رجوع الی اللہ حال ومآل سب کے اعتبار سے بہتر اور باعثِ خیر و برکت ہے- اور اسی سے انسان کا بھلا ہے دنیا میں بھی، اور آخرت میں بھی، و باللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکلِ حالٍ من الاحوال، وفی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۱۴۳ منافقوں کا تعجب انگیز حال:- یعنی استفہام یہاں پر تعجیب و تقبیح کے لئے ہے کہ ان لوگوں کا حال بڑا عجیب اور عبرت انگیز ہے کہ دعوٰی تو کیا ہے اور عمل و کردار کیا؟ دعوٰی کرتے ہیں کہ یہ ایمان رکھتے ہیں اس کتابِ کامل پر جو کہ آپ- صلی اللہ علیہ وسلم - پر اتاری گئی اے پیغمبر! یعنی قرآنِ حکیم۔ اور یہ کہ وہ ایمان رکھتے ہیں ان کتابوں پر جو کہ اس سے پہلے اتاری گئیں یعنی تورات و انجیل وغیرہ پر۔ مگر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں طاغوت سے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - حالانکہ ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ یہ لوگ صدقِ دل سے کتابِ الٰہی اور سنتِ رسول کی طرف رجوع کرتے۔ کیونکہ جس اللہ پر ایمان کا یہ دعوٰی کرتے تھے اس کی طرف سے واضح ہدایت آچکی تھی۔ یعنی قرآنِ حکیم جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی جانے والی آخری کامل، مکمل اور سب کتابوں کی جامع اور سب کی ناسخ کتاب ہے۔ اور اللہ کے رسول کی سنت اس کتابِ حکیم کی شرح اور اس کی تفسیر ہے۔ سو اللہ کی کتاب پر ایمان کا دعوٰی کرنا اور دم بھرنا اور اس کے حکم و فیصلہ سے اِعراض کرنا اور منہ موڑنا دونوں باتیں یکجا نہیں ہوسکتیں- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ - پس ایمانِ صادق کا تقاضا ہے کہ دین کی تعلیماتِ مقدسہ کو صدقِ دل سے اپنایا جائے- و باللہ التوفیق لما یحب و یرید-

۱۴۴ ایمان کیلئے طاغوت کا انکار لازمی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ پہلے تم طاغوت کے ساتھ کفر کرو پھر اللہ پر ایمان لاؤ تو تب ہی تمہارا ایمان معتبر ہوگا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اس بارے میں ارشاد فرمایا گیا ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ الآیۃ [البقرۃ:۲۵۶] اسی لئے کلمہ طیبہ میں پہلے نفی کا ذکر ہے، پھر اثبات کا۔ یعنی پہلے غیر اللہ سے الوہیت کی نفی کا ذکر ہے کہ "اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں" اور پھر اللہ پاک کی معبودیت اور الوہیت کا ذکر و اِثبات ہے کہ "معبودِ برحق وہی وحدہٗ لاشریک ہے"۔ پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ طاغوت کا انکار کیا جائے۔ اس کے بغیر کسی کا ایمان معتبر نہیں ہوسکتا لیکن اس طرح کے لوگ دونوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں حالانکہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ اس طرح ان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا کر اتنا دور کردے کہ پھر ان کے لئے اس کو پانے کا کوئی اِمکان باقی نہ رہ جائے اور اس کے نتیجے میں تم لوگ ہلاکت و تباہی کے ہولناک کھڈے میں جا گرو- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝٦٠ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

کہ ان کو بھٹکا کر ڈال دے، بہت دور کی گمراہی میں، ۱۴۵ اور (ان کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کہا جاتا ہے

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ

کہ آؤ تم اس کتاب کی طرف جس کو اتارا ہے اللہ نے، اور آؤ تم اس کے رسول کی طرف، تو تم دیکھو گے

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝٦١ فَكَيْفَ اِذَآ

منافقوں کو کہ وہ آپ سے رکتے (اور روکتے) ہیں کنی کترا کر، ۱۴۶ پھر کیا حال ہوتا ہے ان کا

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ

(اس وقت) جب کہ آ پہنچتی ہے ان پر کوئی مصیبت ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی بناء پر، ۱۴۷ پھر

جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا

یہ آتے ہیں آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی، کہ ہم نے تو محض بھلائی اور آپس میں میل کرانے ہی کا

وَّتَوْفِيْقًا ۝٦٢ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق

ارادہ کیا تھا، اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے دلوں میں ہے، ۱۴۸

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ

پس آپ ان سے درگزر ہی کریں، ۱۴۹ اور انہیں نصیحت کرتے رہیں، اور ان سے ان کے بارے میں کہہ دیا کریں

۱۴۵ شیطان کا کام گمراہی میں ڈالنا، والعیاذ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان تم لوگوں کو دور کی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے، پس تم لوگ اس سے محتاط رہو۔ سو اس ارشاد سے دور کی گمراہی سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ ملعون ان کو ایسی دور کی گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے جہاں سے پھر انکو راہ حق کی طرف لوٹنا نصیب ہی نہ ہو سکے۔ اور اسطرح یہ لوگ ضلالت و گمراہی کے عمیق اور ہولناک گڑھے میں گر کر ہمیشہ کیلئے ہلاکت اور تباہی کا شکار ہو جائیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو تمہیں شیطان کے مکر و فریب سے ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے خواہ وہ شیاطین انس میں سے ہو یا شیاطین جن میں سے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّشَرِّهٖ وَكَيْدِهٖ وَ مَكْرِهٖ - اور اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ- اور اللہ کی پناہ میں آ جاؤ- کہ ایسے لوگوں پر اس ملعون کا وار نہیں چل سکتا۔ اس کا زور تو انہی

لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور وہ شرک کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا ﴿انما سلطانه على الذين يتولونه والذين هم به مشركون﴾ [النحل ۱۰۰] اور یہ ایک طبعی چیز ہے کہ مردار خور جانور اور بھیڑیے درندے وہیں اکٹھے ہوتے ہیں جہاں مردار پڑا ہوتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، آمین

۱۴۶ صدّ کا معنیٰ و مطلب اور حق سے روکنے کا نتیجہ و انجام؟: - یعنی "صَدَّ يَصُدُّ صَدًّا" لازمی بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ اس کا معنی "رکنا" بھی ہے اور "روکنا" بھی۔ اور ان لوگوں میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں کہ یہ لوگ دینِ حق اور نورِ ہدایت سے خود بھی رکتے اور دور ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی روکتے اور دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ الاية [الانعام: ۲۶] روایات کے مطابق مدینہ منورہ میں ایک یہودی اور ایک منافق کا آپسمیں تنازع ہوگیا، جسمیں یہودی نے کہا چلو چلتے ہیں محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے پاس اور ان سے فیصلہ کراتے ہیں۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ حضور۔ ﷺ۔ کا فیصلہ حق کے مطابق ہوگا۔ اور اس معاملے میں حق پر میں ہی ہوں۔ اس لئے آپ۔ ﷺ۔ کی عدالت سے فیصلہ یقیناً میرے ہی حق میں ہوگا، جبکہ منافق کا کہنا تھا کہ ہم فیصلہ کراتے ہیں کعب بن اشرف سے، جو کہ ایک یہودی سردار تھا۔ کیونکہ اس کو یقین تھا کہ وہاں دوسرے باطل ذرائع اختیار کر کے میں فیصلہ اپنے حق میں کرا سکتا ہوں۔ جبکہ آنحضرت۔ ﷺ۔ کے ہاں ایسا کرنا ممکن نہیں۔ سو آخر کار جب معاملہ حضور۔ ﷺ۔ کے پاس پہنچا تو آپ۔ ﷺ۔ نے پورا قصہ سننے کے بعد فیصلہ یہودی کے حق میں فرما دیا۔ اسکے بعد اس منافق نے یہودی سے کہا کہ چلو چلتے ہیں حضرت عمر۔ رضی اللہ عنہ۔ کے پاس نظر ثانی کے لئے۔ خیال یہ تھا کہ حضرتِ عمر کی غیرتِ ایمانی چونکہ ضرب المثل ہے، اور میں نام کا تو مسلمان ہی ہوں، اور یہ شخص یہودی ہے۔ اس لئے آپ میری چرب زبانی سے متاثر ہو کر اور اپنی غیرتِ ایمانی کے جوش میں میرے حق میں فیصلہ فرما دیں گے۔ جبکہ یہودی کو اپنی جگہ یہ یقین تھا کہ حضرتِ عمر کی غیرتِ ایمانی بے شک مُسلّم اور ضرب المثل ہی سہی، مگر آپ فیصلہ حق کے خلاف نہیں دیں گے۔ اسلئے وہ بھی اس کیلئے تیار ہوگیا۔ اور اس طرح یہ دونوں حضرتِ عمرؓ کے پاس جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ اور جب یہ اپنا کیس لیکر حضرتِ عمرؓ کے پاس پہنچے تو حضرتِ عمرؓ کے فیصلہ فرمانے سے پہلے یہودی نے کہا کہ جنابِ والا واضح رہے کہ اس کیس میں اس سے پہلے آنحضرت۔ ﷺ۔ یہ فیصلہ اس طرح صادر فرما چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرتِ عمرؓ اپنے مکان کے اندر تشریف لے گئے اور ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی واپس آ کر تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہوں۔ اور اندر سے آپؓ نے تلوار لا کر اس منافق کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ جو شخص خدا اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اس کے بارے میں عمر کا فیصلہ یہی ہے۔ تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ اور اسی بناء پر آنحضرت۔ ﷺ۔ نے آپؓ کو "فاروق" کے لقب سے نوازا۔ (الروح، القرطبی، الکشاف، الصفوۃ، المعارف للکاندھلویؒ وللدیوبندیؒ)۔ سو راہِ حق اور نورِ ہدایت سے رکنے اور روکنے کا نتیجہ و انجام بہرحال ہلاکت و تباہی ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ [الانعام: ۲۶] یعنی راہِ حق سے روک کر ایسے لوگ خود اپنی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتے ہیں لیکن ان کو اس کا شعور و احساس نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۷ **منافقت کا نقاب اور اس کے نتیجے میں پہنچنے والی مصیبت:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر کیا حال ہوتا ہے ان کا اس وقت جبکہ پہنچتی ہے کوئی مصیبت ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی بناء پر؟ جیسے یہاں قتل کی مصیبت آئی، یا کبھی ان کی منافقت کی قلعی کھل جانے کی اور ان کی تذلیل کی کوئی اور شکل سامنے آجائے، جس سے ان کے چہروں کے مصنوعی نقاب اتر جائیں، اور ان کی منافقت سامنے آجائے اور ان کو سب کے سامنے شرمندہ اور رسوا ہونا پڑے۔ سو ان لوگوں کیلئے یہ تنبیہ وتحذیر ہے کہ یہ لوگ اپنے اس منافقانہ طرز عمل کو چھوڑ کر صدق واخلاص کا معاملہ اپنائیں۔ ورنہ ان کو اپنی منافقت کے نتیجے میں سخت بھگتان بھگتنا ہوگا۔ چنانچہ جب اسلام نے طاقت پکڑ لی اور یہود کی سیاسی قوت میں بھی کوئی دم خم باقی نہ رہا اور مسلمانوں کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ منافقوں کے بارے میں اِغماض اور چشم پوشی کی روش بدل دیں، تو اس وقت قدم قدم پر منافقین کا احتساب شروع کر دیا گیا۔ تو اس وقت منافق لوگ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" والی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ نہ مسلمان ان کے چکموں میں آنے والے تھے اور نہ یہود ان کی سرپرستی اور حمایت کرنے کو تیار تھے۔ تب یہ منافق دوڑ دوڑ کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلانے کی کوشش کرتے۔ اور اس طرح ان کی ذلت ورسوائی سب کے سامنے عیاں ہو جاتی جبکہ سچے مومن ہر حال میں مطمئن رہتے ہیں۔ سو صدقِ ایمان میں خیر ہی خیر ہے اور نفاق میں محرومی ہی محرومی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۸ **اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر:** -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ دلوں کے چھپے حالات کو بھی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے۔ یعنی ان کے اس نفاق کو، جسے یہ دوسروں سے تو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپا لیتے ہیں، مگر دلوں کے بھید جاننے والے اس وحدہٗ لاشریک سے یہ کیسے چھپ اور چھپا سکیں گے۔ وہ تو بہرحال دلوں کے حالات کو بھی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے بلکہ وہ تو انسانوں کے دلوں کے ان حالات کو بھی جانتا ہے جو ابھی تک ان کے دلوں میں آئے ہی نہیں بلکہ بعد میں آئیں گے کہ اسکی شان ہے ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ [طٰہٰ: ۷] جسکی تفسیر میں حضراتِ علمائے کرام کا کہنا ہے کہ "سِرّ" سے مراد وہ خیال ہے جو دل میں پوشیدہ ہو اور "اَخفٰی" سے مراد وہ ہے جو اس سے بھی زیادہ مخفی اور پوشیدہ ہو۔ یعنی ابھی دل میں بھی نہ آیا ہو تو پھر اس سے کسی بات کو چھپانا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ -سبحانہٗ وتعالیٰ- سو اس کو مخلوق پر قیاس کر کے اس کے لیے وسیلے اور واسطے گھڑنا نری گمراہی ہے - والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۱۲۹ **منافقوں سے درگذر سے کام لینے کی تعلیم:** -سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ان لوگوں سے درگزر ہی سے کام لیں۔ کہ نہ ان کو کوئی سزا دیں، اور نہ کوئی زجر وتوبیخ کریں۔ کہ ایسے منافقوں کے ساتھ بہتر یہی طریقہ ہے کہ عفو ودرگزر ہی سے کام لیا جائے، یہ اپنے کیے کرائے کا بھگتان خود ہی بھگت لیں گے۔ بس آپ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حوالے کر دیں۔ ان سے ظاہری طور پر عام مسلمانوں ہی کا سلوک کریں۔ اللہ ان سے خود ہی نپٹ لے گا- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں سے اِعراض اور روگردانی ہی کرو کہ اسی میں بہتری اور بھلا تھا اہلِ حق کا ورنہ دشمن طرح طرح کے پروپیگنڈے کرتے اور مشکلات کھڑی کرتے۔

بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ

رسا بات، ف۱۵۰ اور ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا اسی لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت (وفرمانبرداری) کی جائے ف۱۵۱

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ

اللہ کے اذن سے، اور اگر یہ لوگ (جنہوں نے یہ حماقت کی تھی) جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنی جانوں پر، تو سیدھے آجاتے آپ کے پاس ف۱۵۲

فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا

اور اللہ سے معافی مانگتے (اپنے جرم کی) ف۱۵۳ اور رسول بھی ان کیلئے (اپنے رب کے حضور) معافی کی درخواست کرتا، تو یقیناً یہ لوگ

۱۵۰ قولِ بلیغ یعنی رسا بات کہنے کی ہدایت: -سو اس سے منافقوں کو نصیحت کرنے اور ان سے قولِ بلیغ یعنی رسا بات کہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ یعنی ایسی بات جو ایک طرف تو حق و صداقت کی عکاس و آئینہ دار ہو، اور دوسری طرف وہ ان کے دلوں تک پہنچنے کی صلاحیت وقوت رکھتی ہو۔ تاکہ اس طرح جس کے نصیب میں ہو وہ حق قبول کرلے اور راہِ حق وصواب کی طرف لوٹ آئے۔ تاکہ اس کا دنیا و آخرت میں بھلا ہو سکے۔ سو ان سے حق بات ایسے انداز میں کہو کہ ان کے کان کھلیں اور یہ منافقت کی روش کو ترک کر کے صدق و اخلاص کو اپنا سکیں۔ اور ان کا بھلا ہو سکے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سبحان اللہ! کیا کہنے دینِ حق کی رحمتوں بھری تعلیمات کے کہ ان میں سب کے لئے بھلا اور خیر خواہی مطلوب ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

۱۵۱ رسول کی اطاعت ہی اصل مقصود ہے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے جو بھی کوئی رسول بھیجا ہے تو وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اس کے سب اوامر و ارشادات میں، نہ یہ کہ احکام و معاملات میں تو یہ لوگ چلیں اپنی خواہش و مرضی پر اور زبانی کلامی دعوے ہوں ایمان و محبت رسول کے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ لیکن افسوس کہ آج کے مسلمان کا حال بھی بالعموم یہی ہے کہ وہ عشق و محبتِ رسول کے بلند بانگ دعووں کے باوجود پیغمبر کے طریق اور اس کی سنت کے اِتباع سے منہ موڑے ہوئے ہے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰه — فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ - یہاں پر جو "باذنِ اللہ" کی قید لگی ہوئی ہے وہ بڑی معنیٰ خیز ہے کیونکہ حکم تو اللہ کا حکم ہے اور حاکمِ حقیقی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ لیکن وہ چونکہ اپنے رسول کو اس کا اذن دیتا اور اس منصب سے سرفراز فرماتا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کے حکم و ارشاد اور امر و نہی سے آگہی بخشے۔ اور اسی لیے وہ پیغمبر کو ہر غلطی اور خطا سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے اور اس لیے اسکی اطاعت ایمان کا لازمی تقاضا اور اللہ کی اطاعت کے ہم معنیٰ بن جاتی ہے۔ سو اصل حاکمیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور رسول اس کی تشریعی اور قانونی حاکمیت کا مظہر ہوتا ہے۔ اس لئے رسول کی اطاعت اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوتی ہے کہ وہ اسی کے اِذن سے ہوتی ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے رسول کا صحیح مرتبہ و مقام واضح فرما دیا گیا کہ رسول کے بارے میں صرف اتنی بات کافی نہیں کہ ان کو مان لیا جائے اور بس۔ بلکہ رسول اس لئے بھیجا

جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ وہ صرف عقیدت ہی کا مرکز نہیں ہوتا اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے۔ وہ صرف واعظ اور ناصح ہی نہیں ہوتا بلکہ واجب الاطاعت ہادی بھی ہوتا ہے۔ اس کو بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ لوگ اسکی اطاعت کے آئینے میں اپنی زندگی استوار کرسکیں۔ وہ اللہ کی برہان اور اسکی اطاعت کا نشان بھی ہوتا ہے۔ اسکی اطاعت کے بغیر راہِ حق نصیب نہیں ہوسکتی۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنے حفظ وامان میں رکھے، امین

۱۵۲ **ظلم کا ارتکاب کرنے والوں کیلئے صحیح راستہ:** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر سیدھے آپ کے پاس آ جاتے۔ یعنی آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کے پاس آتے (جامع البیان وغیرہ)۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے چھوڑے ہوئے دینِ متین کی تعلیماتِ مقدسہ کی طرف رجوع کرتے۔ اس موقع پر ایک اَعرابی (دیہاتی) کا جو قصہ بعض تفسیروں میں ذکر کیا گیا ہے وہ نہ تو معتبر سند کے ساتھ ثابت ہے اور نہ ہی اس طرح کے عام قصوں کو دینی اَحکام اور خاص کر عقائد کے بارے میں حجت اور سند قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس طرح کہ اھلِ بدعت کا شیوہ ہے۔ بلکہ محققین نے تو اس قصہ کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے جیسا کہ شیخ محمد بن احمد بن عبدالہادی نے ''الصارم'' میں اس کی تصریح فرمائی اور تفصیل سے لکھا ہے۔ (الصارم: ۲۱۲)۔ اور یہ قصہ موضوع ہو یا نہ ہو، آیتِ کریمہ کی تفسیر بہرحال اس پر موقوف نہیں بلکہ اس میں توبہ و استغفار اور گناہوں کو معاف کرنے کیلئے ایک عام ضابطہ اور اصول بیان فرمایا گیا ہے، جو ہمیشہ کیلئے کام آنے والا اور عقل ونقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ کسی صاحبِ ایمان کے لئے اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ رسول کی عدالت کو چھوڑ کر اپنا معاملہ طاغوت کی عدالت میں لے جائے۔ اور جو ایسا کرے گا وہ خود اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائیگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ اس لئے کہ یہ چیز فی الحقیقت خداوندِ قدوس کی حاکمیت کا انکار اور بالواسطہ کفر وشرک کا ارتکاب ہے جو کہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف گناہوں کی معافی کا طریقہ توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید۔ بکل حال من الاحوال فی الحیاۃ

۱۵۳ **گناہوں کو معاف کرانے کا صحیح طریقہ، استغفار:** سو اس سے واضح کردیا گیا کہ ان کے لئے صحیح اور سیدھا طریقہ یہ تھا کہ گناہ اور ظلم کے ارتکاب کے بعد یہ لوگ طاغوت کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے کئے کی معافی مانگتے۔ اور رسول بھی اپنی معروف ومشہور رحمت وشفقت کی بناء پر ان کے لئے معافی اور بخشش کی دعاء فرماتے تو ان کے گناہ معاف ہوجاتے۔ اور گناہوں کی میل ان سے دھل جاتی۔ سو توبہ واستغفار کی عنایت قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت ہے جس سے اس نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والوں کے لئے اِصلاحِ اَحوال اور عواقبِ بد سے نجات کی راہ صرف یہی تھی کہ وہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی غلطی کا اعتراف کرتے اور اپنے خالق ومالک سے مغفرت وبخشش کی دعاء ودرخواست کرتے اور رسول بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے تو اللہ ان کی دعاء ودرخواست کو قبول کرتا اور ان پر رحم فرمادیتا۔ اس کے سوا ان کے لئے تلافی کی کوئی شکل نہیں۔ سو توبہ واستغفار اور رجوع الی اللہ ہی صحیح راستہ ہے، وباللہ التوفیق

اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اللہ کو پاتے بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، انتہائی مہربان ۱۵۴ پس نہیں ۱۵۵ قسم ہے آپ کے رب کی (اے پیغمبر!) یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے

حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ

جب تک کہ یہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو (برضاء و رغبت) اپنا منصف نہ مان لیں، پھر آپ کا جو بھی فیصلہ ہو

اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ

اس سے یہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں، اور اسے دل و جان سے تسلیم کر لیں، ۱۵۶ اور اگر

اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا

(کہیں بنی اسرائیل کی طرح) ہم ان پر بھی لکھ دیتے کہ قتل کرو تم لوگ اپنی جانوں کو (تب معافی ملے گی،) یا نکل جاؤ تم

مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ

اپنے گھروں سے، تو اسکو پورا نہ کر سکتے مگر ان میں کے تھوڑے سے لوگ، ۱۵۷ حالانکہ

اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ

اگر وہ عمل کرتے اس نصیحت پر جو ان کو کی جاتی ہے، تو یہ بہتر ہوتا خود انہی کے حق میں ۱۵۸ اور (یہ ان کے لئے) زیادہ

تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾

ثابت قدمی کا باعث بھی بنتا، ۱۵۹ اور اس صورت میں ہم ان کو ضرور دیتے اپنی طرف سے بہت بڑا اجر بھی، ۱۶۰

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

اور ہم ان کو ضرور ڈال دیتے سیدھی راہ پر بھی، ۱۶۱ اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی،

۱۵۴ اللہ تعالیٰ کی شانِ توّابیت و رحمت کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک اللہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ اتنا بڑا کہ نہ اسکے توبہ قبول کرنے کی کوئی حد و انتہاء ہے اور نہ اسکی مہربانی اور رحمت و عنایت کی کوئی نہایت۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو وہ قبولِ توبہ کے ساتھ ساتھ ان کو اپنی رحمتوں سے بھی نوازتا ہے کہ

وہ "تَوَّاب" کے ساتھ ساتھ "رحیم" بھی ہے۔ سو یہ تھا ان کیلئے سیدھا راستہ اور صحیح طریقہ۔ مگر منافقت کے مارے ان بدبختوں نے اس کی بجائے الٹی راہ اپنائی اور اپنا ہی برا کیا۔ یہاں سے یہ بھی واضح اور ظاہر ہو گیا کہ ایمان و یقین کی دولت اور اس کے نورِ مبین سے انسان کو صحیح راستہ ملتا ہے، اور اس کو صحیح سمت میں قدم اٹھانے کی توفیق و سعادت نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ﴾ جبکہ کفر و نفاق سے انسان اوندھا اور اندھا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ سو ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی کا ذریعہ اور کفر و انکار منبع شر و فساد ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ کہ نورِ ایمان و یقین سے محرومی کے بعد انسان طرح طرح کے اندھیروں ہی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بکل حال من الاحوال

۱۵۵ لوگوں کے ایک غلط رویّے کی تردید و اصلاح: ۔ سو یہاں پر فَلَا کے حرف تفریع و تعقیب اور لاء نفی و تنبیہ سے واضح فرما دیا گیا کہ معاملہ ایسا نہیں جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے یعنی ایسا نہیں جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ اپنے باہمی معاملات اور تنازعات تو یہ لوگ ارشاداتِ نبوی۔ علیہ السلام۔ سے منہ موڑ کر اپنی خواہشات و مرضی کے مطابق طے کریں اور پیغمبر کی محبت و اطاعت کا محض زبانی کلامی دم بھریں اور بس۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا تھا اور آج بھی جگہ جگہ اور طرح طرح سے ہو رہا ہے۔ سو کلمہ "لا" سے نفی اسی ذہنیت کی کی جا رہی ہے۔ اور "وَرَبِّكَ" کی قسم سے اس کے عکس کا اثبات کیا جا رہا ہے، جو کہ اس کے بعد مذکور ہے۔ پس جو حضرات اس "لا" کو زائد کہتے ہیں وہ صحیح نہیں کہتے، بلکہ ایسے موقع پر "لا" کا استعمال بڑا بلیغ پُرمعنیٰ اور مستقل ایک جملے کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور یہ عربی زبان اور محاورے کا ایک معروف اسلوب ہے جو عربوں کے یہاں آج بھی مروج و معروف ہے۔ چنانچہ عرب اپنے عام محاورات میں کہتے ہیں "لَا وَاللّٰهِ" اور "بَلٰى وَاللّٰه" وغیرہ۔ سو اسی مفہوم کو ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے کھولا ہے۔ فالحمد للہ الذی لا تتم الصالحات الا بتوفیق منہ جل وعلا۔

۱۵۶ ایمان کیلئے ایک اہم کسوٹی: ۔ سو یہ ہے ایمان کی اصل کسوٹی، جو عبارت ہے تین شرطوں سے۔ اول یہ کہ اپنے تمام جھگڑوں اور تنازعوں میں حَکَم اور منصف پیغمبر۔ علیہ السلام۔ کی پیش فرمودہ سچی تعلیماتِ "قرآن و سنت" ہی کو قرار دیا جائے۔ اور پھر قرآن و سنت سے ملنے والے اس فیصلے پر اپنے دل میں کوئی حرج اور تنگی بھی محسوس نہ کی جائے۔ اور پھر تیسری بات یہ ہے کہ اسے دل و جان سے تسلیم کر کے اپنایا جائے۔ اب اس معیار و کسوٹی پر آپ خود اپنے آپ کو اور اپنے اردگرد کے سب مسلمانوں کو پرکھ کر دیکھ لیں کہ کون کتنے پانی میں ہے اور اپنے دعوائے ایمانی میں کون کس قدر حق بجانب ہے؟ سو یہ ایمان و یقین کی دولت کو پرکھنے کے لیے ایک اہم اور بنیادی کسوٹی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید۔ بکل حال من الاحوال

۱۵۷ ایمان و یقین ہی باعثِ فلاح و نجاح: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پختہ ایمان و یقین ہی اصل بنیاد ہے فوز و فلاح کی۔ سو ایسی کسی ابتلاء و آزمائش کے تقاضے تھوڑے ہی لوگ پورے کر سکتے ہیں یعنی وہی جو اپنے ایمان و یقین میں انتہائی پکے ہوتے۔ پس ان لوگوں کو اسلام کے ان احکام پر دل و جان سے عمل کر کے اپنے لئے سعادت و فلاح کا انتظام کرنا چاہیئے، جو اس طرح کے سخت بھی نہیں کہ ان پر عمل کرنا ان کیلئے مشکل ہوتا۔ اور جو فطرت کے عین

مطابق بھی ہیں، جن پر عمل پیرا ہونا فطرت کے تقاضوں کی تکمیل اور خود انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اور اس پر اللہ پاک کا شکر بجا لانا چاہیئے تا کہ دارین کی سعادت و سرخروئی نصیب ہو سکے۔ عقل و فطرت کے تقاضے پورے ہو سکیں اور حضرتِ خالق و مالک کی مَرضیات پر چلنا نصیب ہو سکے۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اپنے خاندان وقبیلہ اور گھر در کی وابستگیوں سے آزاد اور یکسو ہو کر کلیۃً مسلمانوں کے معاشرے میں شامل ہو جائیں تو یہ خود ان کے لئے بہتر ہے۔ اور راہِ حق پر ان کے قدم جمانے کے لئے یہ چیز نہایت کارگر اور مفید ہو گی کہ یہ لوگ جب فاسد ماحول سے نکل کر پاکیزہ ماحول میں پہنچ جائیں گے تو ان کی کمزوریاں دور ہوں گی اور یہ بھی اسلام کے جان نثاروں کے ساتھ مل کر خدا کے وفادار اور حق کے خدمتگار بن جائیں گے۔ اور اسی میں ان کا بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وعلیٰ ما یحب و یرید۔ بکل حال من الاحوال

۱۵۸ نصیحتِ حق پر عمل کرنا ہی باعثِ فوز وفلاح ہے: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حضرتِ حق - جل مجدہ - کی ارشاد فرمودہ نصیحت پر عمل کرنے ہی میں بندے کیلیے خیر و برکت اور فوز و فلاح کا سامان ہے کہ حضرت حق جل مجدہ - کی طرف سے ارشاد فرمودہ نصیحت پر عمل کرنا خیر ہی خیر ہے۔ اس سے ان کو دنیا میں پاکیزہ زندگی ''حیاتِ طیبہ'' نصیب ہوتی اور آخرت میں بھی یہ لوگ حقیقی اور دائمی فوز و فلاح سے سرفراز و سرشار ہوتے ہیں۔ سو حضرتِ خالق - جل مجدہٗ - کی جانب سے ارشاد فرمودہ نصیحت پر عمل کرنے ہی میں بندے کیلئے خیر ہے کہ یہی وہ نصیحت ہے جس میں کسی خطاء وقصور کا کوئی امکان نہیں۔ اور وہ جو بھی کوئی حکم وارشاد فرماتا ہے، وہ نہایت ہی علم وحکمت پر مبنی ہوتی ہے اور اس میں اس کے لئے کسی ذاتی فائدے اور غرض کا کوئی سوال ہی نہیں کہ وہ ایسے ہر شائبہ سے پاک اور بری ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جو بھی حکم دیتا ہے اور نصیحت فرماتا ہے اس میں خود انہی کا بھلا مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ شان اس وحدہٗ لاشریک کے اَحکام کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اس کے کسی حکم وارشاد کا کوئی متبادل ممکن ہی نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس اسکی اطاعت وبندگی سراسر خیر و برکت ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الھادی الیٰ سواء السبیل - اللہ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین

۱۵۹ اِخلاص اور اِتباع باعثِ تقویتِ قلوب: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ اس نصیحت پر عمل کرتے جو ان کو کی جاتی ہے تو یہ خود ان ہی کے حق میں بہتر ہوتا اور اس سے ان کو ثابت قدمی نصیب ہوتی، کہ اخلاص اور اتباعِ حق سے قلب کو قوت ملتی ہے، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ الایۃ [ابراہیم:۲۷] سو ایمان ویقین کی قوت اور صدق واخلاص کی دولت سے انسان کو ثبات وقرار ملتا ہے اس دنیا میں بھی، اور اس کے بعد آخرت میں بھی جبکہ کفر ونفاق محرومی کا باعث ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اس ارشاد سے ایسے صدق شعاروں کی حوصلہ افزائی فرمائی گئی کہ اگر یہ لوگ ایسا کرتے تو یہ خود انہی کے لئے بہتر ہوتا اور ان کو راہِ حق میں استقامت اور ثابت قدمی کی دولت نصیب ہوتی جو کہ بڑی عظیم الشان دولت ہے - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس وشیطان کے ہر مکر وفریب سے ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۶۰ اجر عظیم کا اہم مصداق اور اس سے مقصود و مراد؟: - سو اس سے یہاں پر جنت مراد ہے۔ (ابن کثیرؒ محاسن التاویل وغیرہ)۔ جس کی نعمتوں کے بارے میں صحیح حدیث میں فرمایا گیا کہ وہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، اور نہ کسی دل پر ان کا گزر ہی ہوا۔ ''مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَآ اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ'' سو جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی سب سے بڑا انعام اور حقیقی کامیابی ہے، جس سے اللہ پاک اپنے خاص بندوں کو اپنے فضل وکرم سے نوازتا اور سرفراز فرماتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اسی لئے قرآنِ حکیم میں اس کو حصر کے ساتھ ''اَلْفَوْزُ الْعَظِيْم'' اور ''اَلْفَوْزُ الْكَبِيْر'' وغیرہ الفاظ سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی سب سے بڑی کامیابی کہ اس کے سوا اور کوئی کامیابی حقیقی کامیابی ہے ہی نہیں۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ ان باتوں کو اپناتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تو یہ خود انہی کے حق میں بہتر ہوتا کہ اس سے ان کو ایمان و یقین میں قوت و پختگی بھی ملتی۔ یہ ضعف و اضطراب سے بھی دور اور محفوظ ہوتے۔ ان کو راہِ حق و ہدایت میں استقامت بھی نصیب ہوتی۔ یہاں پر اَحکامِ خداوندی کو مواعظ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا کیونکہ ان میں وعد اور وعید کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اور ان پر عمل پیرا ہونے میں خود بندوں ہی کا بھلا ہے۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہاں میں بھی - وباللہ التوفیق - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۱۶۱ صراطِ مستقیم کی عظمتِ شان کا ذکر و بیان: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو ہم ضرور ڈال دیتے سیدھی راہ پر۔ سو ''صراطِ مستقیم'' یعنی ''سیدھی راہ'' بڑی ہی عظیم الشان راہ ہے کہ یہ راہ سعادتِ دارین کی کفیل و ضامن ہے۔ یعنی اس سیدھی راہ پر جو انہیں دارین کی سعادتوں کی طرف لے جاتی۔ سو اللہ پاک اور اس کے رسول اکرم ﷺ - کے اَحکام و اِرشادات کی اطاعت وفرمانبرداری، دارین کی سعادت وکامیابی کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ- اور صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ سے مراد وہی راہ ہے جو حضراتِ انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ ہے۔ جیسا کہ اس سے متصل بعد والی آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ اور حق وہدایت کی یہی راہ وہ راہ ہے جو انسان کیلئے دارین کی سعادت کی کفیل وضامن ہے۔ سو حق و ہدایت کی اس راہ یعنی صراطِ مستقیم پر چلنے والے تذبذب وتردد سے محفوظ ایمان ویقین اور سکون واطمینان کی دولت سے سرفراز وسرشار ہوتے ہیں۔ جب کہ اس سے محروم لوگ سکون واطمینان کی دولت سے محروم، تذبذب وتردد کا شکار منافقین کی راہ پر چل رہے ہیں جو کہ ''مغضوبین'' اور ''ضالین'' کی راہ ہے۔ سو ایمان ویقین کی دولت سے سرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی ہے- فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِنِعْمَةِ الْاِیْمَان- اَللّٰهُمَّ فَزِدْنَا مِنْهُ وَ ثَبِّتْنَا عَلَيْهِ يَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَام- اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، اور نفس و شیطان کے ہر مکروفریب سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اور ہر قدم خیر اور بہتری ہی کیطرف اٹھانے کی توفیق بخشے، امین ثم امین یاربَّ العالمین

وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور اس کے رسول کی، تو ایسے لوگ ان (خاصان خدا) کے ساتھ ہوں گے ف۱۶۲ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے،

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ

یعنی انبیاء، ف۱۶۳ صدیقین، ف۱۶۴ شہداء، ف۱۶۵ اور صالحین،

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ۶۹ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ

اور کیا ہی خوب ہوگی رفاقت (وسنگت) ان حضرات کی، یہ مہربانی (اور عنایت) ہوگی اللہ کی طرف سے،

وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۷۰ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا ع۹

اور کافی ہے اللہ جاننے والا، ف۱۶۶ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم لے لیا کرو

حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۷۱ وَاِنَّ

اپنے ہتھیار، پھر (جیسا موقع ہو اس کے مطابق) تم چلو مختلف دستوں کی شکل میں، یا سب اکٹھے ہو کر ف۱۶۷ اور تم میں سے

مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ

کوئی ایسا بھی ہے جو جی چراتا ہے (جہاد وقتال سے،) پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے (شکست وغیرہ کی) تو وہ کہتا ہے

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۷۲

کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ موجود نہ تھا، ف۱۶۸

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ

اور اگر تمہیں نصیب ہو جائے اللہ کی طرف سے کوئی فضل (اور مہربانی) تو وہ زور دے دے کر یوں کہنے لگتا ہے، گویا کہ

تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں تھا، کہ اے کاش کہ میں بھی ان کے ساتھ ہوتا

فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۳﴾ فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

تو پالیتا بڑی کامیابی ۱۶۹ پس چاہیئے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں

۱۶۲ خاصانِ خدا کی معیت کا مطلب؟:- یعنی وہ ان کے ساتھ ہونگے تعلق اور قرب کے اعتبار سے۔ کہ جب چاہیں ان کی زیارت وملاقات کے شرف سے مشرف ہوسکیں گے۔ درجات کا تفاضل اس میں حائل نہیں ہونے پائیگا۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ یہ سب درجات میں ایک برابر ہو جائینگے کہ یہ بات عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن کہتا ہے ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ الآیۃ [آل عمران: ۱۶۳] "ان کے اللہ تعالیٰ کے یہاں مختلف درجات ہونگے"۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دنیا میں کسی کے بارے میں کہا جائے کہ یہ صاحب بادشاہ اور اس کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے درجات باہم برابر ہیں، بعض صحابہ کرام نے آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم جب تک آپ کی زیارت سے سرشار نہیں ہو جاتے ہمیں چین نہیں آتا۔ تو جنت میں کیسے ہوگا کہ وہاں آپ درجاتِ عالیہ میں ہونگے، وہاں ہماری رسائی کیسے ہو سکے گی؟ اور ہم آپ کی زیارت کے شرف سے کس طرح مشرف ہوسکیں گے؟ اس کے جواب میں آنحضرت -صلی اللہ علیہ وسلم- نے خاموشی اختیاری فرمائی، تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، قرطبی، محاسن، کبیر، معارف للکاندھلویؒ وللدیوبندیؒ)۔ بہرکیف اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ اور سچے اطاعت گزاروں کے لئے خاصانِ خداوندی کی معیت کی خوشخبری کا وعدہ فرمایا گیا- اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى- سو اصل اطاعت وعبادتِ خداوندی ہے جو ذریعہ سرفرازی وسربلندی ہے- وباللہ التوفیق- لما یحب ویرید وعلیٰ ما یحب ویرید

۱۶۳ سب سے بڑا درجہ انبیائے کرام کا:- سو یہاں پر سب سے پہلے حضراتِ انبیائے کرام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سب سے بڑا مرتبہ حضرات انبیائے کرام کا ہے:۔ جن کو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی اصلاح اور اپنی پیغام رسانی کیلئے منتخب فرماتا ہے۔ جن کے سلسلے کی آخری کڑی، اور سب سے مقدس شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ -صلی اللہ علیہ وسلم- کی ہے۔ جن کے بعد قیامت تک کسی نبی نے نہیں آنا۔ حضرت عیسیٰ -علیہ السلام- تشریف لائینگے تو آپؑ کے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے، نہ کہ نبی ورسول کے طور پر۔ سو نبوت ورسالت کا سلسلہ تو آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- پر ختم ہو گیا لیکن صدیقیت وغیرہ کے درجات اس کے بعد بھی باقی ہیں۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ کے مقدس بندوں اور پاکیزہ ہستیوں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرتبہ ومقام حضراتِ انبیائے کرام کا ہے- علیہم الصلوٰۃ والسلام- سو اسی لیے یہاں پر سب سے پہلے انہی کا ذکر فرمایا گیا ہے- علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام- اللہ تعالیٰ ہمیشہ انکی محبت اور اطاعت واتباع سے سرشار رکھے، امین

۱۶۴ "صِدِّیق" کا معنیٰ ومطلب؟:- "صِدِّیق" صدق سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی وہ شخصیت جو صدق وسچائی میں اتنی امتیازی شان رکھتی ہو کہ اس کے ظاہر وباطن اور اس کے جسم وجان کے رگ وپے میں سچائی سرایت کر جائے۔ اور اس طرح کہ کذب کے کسی شائبے کی بھی وہاں گنجائش نہ رہے۔ اسی طرح جن کے ایمان ویقین میں ذرہ برابر شک نہ ہو، وہ بھی صدیق ہیں۔ جیسا کہ سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا گیا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الصِّدِّيقُوْنَ ﴾ الآیۃ [الحدید۔ ۱۹] بہرکیف رسالت کے بعد صدیقین ہی کا مرتبہ و درجہ ہے۔ اور اس امتِ مرحومہ میں حضرتِ صدیقِ اکبرؓ ہی اس وصف کے ساتھ ایسے مشہور ہوئے کہ کوئی دوسرا اس میں آپ کا شریک وسہیم ہے ہی نہیں۔ اسی لیے حضرتِ صدیق اکبرؓ صدیقین کے مقتدٰ و پیشوا ہیں۔ اسی لیے امت نے اجماع و اتفاق کے ساتھ ان کو رسول اللہ کا خلیفہ چنا۔ اور پھر وفات کے بعد آپؓ کو دفن بھی رسول اللہؐ کے پہلو ہی میں کیا گیا۔ (محاسن التاویل للقاسمیؒ، معارف القرآن للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ سو صدیقِ اکبرؓ نے ہر مشہد اور ہر غزوہ میں پیغمبر کا ساتھ دیا اور یارِ غار کے لقب سے بھی آپ ہی مشہور ہوئے۔ اس لئے آپ کا مرتبہ بھی پوری امت میں سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ سو صدقِ ایمان واطاعت سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے، امین ثم امین

۱۶۵ شہادت کے درجہ کی عظمت شان: - اور شہید وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دیں، جیسا کہ خلفاءِ ثلثہ (عمر، عثمان، علی) - رضی اللہ عنہم - اور دیگر صحابہؓ کرام اور باقی امت کے تمام شہدائے کرام۔ سو شہادت کا درجہ بھی ایک عظیم الشان درجہ ہے۔ اسی لیے یہاں اسکو صدیقین کے بعد ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی راہ میں اور اسکی رضا کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بڑھ کر ایک مومنِ صادق کے صدقِ ایمان کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ بہرکیف اس ارشاداتِ ربانی میں اس عظیم الشان خوشخبری اور مژدۂ جانفزا سے نوازا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو انعام یافتہ حضرات کے ساتھ اور ان کی معیت کے شرف سے نوازیگا اور قصورِ مرتبہ و درجہ کے باوجود ان کو ان کاملین میں شمار اور ان کے ذیل میں ہی رکھے گا جو کہ ایک بڑا اشرف و اعزاز ہے۔ (معارف للکاندھلویؒ) - اللہ نصیب فرمائے - آمین۔ سو شہادت کی عظمت کی بنا پر انبیائے وصدیقین کے بعد شہداء کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ والحمدُ للہ جَلّ وعلا،

۱۶۶ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ وذکر: - سو ارشاد فرمایا گیا اور کافی ہے اللہ جاننے والا۔ پس وہ خوب جانتا ہے کہ کس کی اطاعت کس درجے کی ہے۔ اور کون کس درجے کے لائق ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ صاف رکھنے کی ضرورت ہے کہ وہاں معاملہ صرف ظاہر پر نہیں چلتا کہ وہ انسان کے باطن اور اسکے سرائر سے بھی واقف و آگاہ ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - صحیح مسلم وغیرہ میں حضرتِ ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ رات گزاری اور آپ کو وضو کا پانی وغیرہ لا کر دیا۔ تو اس پر آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے ارشاد فرمایا کہ مانگو کیا چاہتے ہو؟ تو آپؓ نے عرض کیا جنت میں آپ کا ساتھ چاہیئے۔ تو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے فرمایا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی؟ تو حضرتِ ربیعہ نے کہا کہ نہیں بس یہی چاہیئے۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے لئے تم کثرتِ سجود کے ذریعے میری مدد کرو"۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ)۔ سو آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - نے اسکے جواب میں ان سے یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ میں نے تم کو یہ چیز دے دی یا تم نے جو مانگا وہ تم کو مل گیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ تم کثرتِ سجود کے ذریعے میری مدد کرو یعنی اس مقصد کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھو۔ اللہ پاک کے حضور سجدے کرو۔ تاکہ وہ مالک الملک تمہیں اس شرف سے نواز دے۔ سو اس سے جن اہلِ بدعت نے غیر اللہ سے مانگنے اور استغاثہ واستعانت پر استدلال کی کوشش کی انہوں نے اپنی جہالت اور مت ماری کا ثبوت دیا - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ تعالیٰ زیغ وضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۱۶۷ منظم اور گوریلہ دونوں قسم کی جنگوں کا حکم وارشاد :- سو اہلِ ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔ پھر تم چلو مختلف دستوں کی شکل میں یا سب اکٹھے یعنی ضرورت اور موقع کے مطابق جیسا تم لوگ بہتر اور مناسب سمجھو ویسا ہی کرو۔ ''ثُبات'' ثُبَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑی، گروہ اور جماعت کے ہیں۔ سو یہ خطاب مسلمانوں سے من حیث الجماعت ہے اور ان کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم لڑو اللہ کی راہ میں اکٹھے مل کر بھی، جیسا کہ منظم فوج کشی میں ہوتا ہے۔ اور مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں کی صورت میں بھی جیسا کہ گوریلہ جنگ میں ہوتا ہے اور مسلمانوں نے جنگ کے لئے دونوں طریقے اپنائے ہیں۔ آنحضرت - ﷺ - نے منظم فوج کشی بھی فرمائی اور مختلف سریے بھی بھیجے ہیں۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر مختلف کارروائیاں کیں۔ بہرکیف اس سے باقاعدہ منظم اور گوریلا دونوں قسم کی جنگوں کا حکم وارشاد فرمایا گیا ہے۔

۱۶۸ منافقوں کے منافقانہ رویے کا ذکر و بیان :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو جی چراتے اور [جہاد وقتال سے] پیچھے رہتے ہیں۔ پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو ایسا شخص کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل وکرم کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ سو کارِ خیر میں پیچھے رہنا اور اس پر اپنی ہوشیاری ظاہر کرنا، اور اپنی چال پر خوشیاں منانا، جہاد فی سبیل اللہ اور معرکۂ حق و باطل سے پیچھے رہنا اور اس محرومی پر افسوس کرنے کی بجائے اس پر خوش ہونا، اور اس کو اپنی ہوشیاری اور چالاکی سمجھنا منافقوں کا طریقہ وطیرہ ہے نہ کہ اہلِ ایمان ویقین کا۔ اور کارِ خیر سے محرومی پر افسوس کرنے کی بجائے اس پر خوش ہونا منافقت کا ثبوت اور اسکی علامت ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو جہاد کی سعادت میں آگے بڑھنے کی بجائے خود بھی پیچھے رہتے ہیں اور دوسروں کی بھی ہمت شکنی کر کے ان کو پیچھے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو کسی مہم میں کوئی گزند پہنچ جائے تو یہ خوش ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں اس مہم میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے سے بچا لیا ہے۔ اور اگر ان کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی ہے تو یہ لوگ حاسدانہ اور حسرت بھرے انداز میں کہتے ہیں کہ کاش کہ ہم بھی اس میں شریک وشامل ہوتے تو ہم بھی خوب مالِ غنیمت کماتے۔ سو دولتِ ایمان و یقین سے محرومی کے بعد ان کے سامنے دنیائے فانی کے فوائد ومنافع ہی ہیں اور بس- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۱۶۹ بے ایمانوں کے لیے دنیا ہی سب کچھ- والعیاذُ باللہ :- سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایمان ویقین سے محروم لوگوں کیلئے دنیا اور اس کا متاعِ فانی ہی سب کچھ ہے۔ سو ایسے لوگوں کا مطمح نظر دنیا اور اس کے مادی فوائد ومنافع ہی ہیں اور بس۔ اسی کیلئے یہ لوگ جیتے اور اسی کیلئے مرتے ہیں۔ اور یہ چیز کوتاہ نظر انسان کو مہالک میں ڈالنے والی اور اس کو دارین کی سعادت وسرخروئی سے محروم کرنے والی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف ایمان ویقین کی دولت سے محروم لوگوں کے نزدیک اصل چیز دنیا ہی دنیا ہے اور یہ نقطۂ نظر محرومیوں کی محرومی ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایمان ویقین کی دولت اور حق و ہدایت کی روشنی سے محرومی کے نتیجے میں انسان ایسا اندھا اور اوندھا ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس کی نظر بطن وفرج کے تقاضوں ہی تک محدود ہو جاتی ہے۔ وہ اس سے آگے سوچنے اور دیکھنے کیلئے تیار ہی نہیں ہوتا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

الَّذِیۡنَ یَشۡرُوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا بِالۡاٰخِرَۃِ ؕ وَمَنۡ

وہ لوگ جنہوں نے بیچ دیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں، ۱۷۰ اور (اس میں نفع ہی نفع ہے کہ) جو کوئی

یُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیُقۡتَلۡ اَوۡ یَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ

لڑے گا اللہ کی راہ میں، پھر وہ مارا جائے یا غالب آجائے تو (بہر صورت)

نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ

ہم اسے نوازیں گے بہت بڑے اجر سے، ۱۷۱ اور کیا ہو گیا تمہیں (اے مسلمانو!) کہ تم لڑتے نہیں

سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

اللہ کی راہ میں؟ ۱۷۲ اور ان کمزور مردوں، عورتوں

وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ

اور بچوں کی خاطر؟ جو (رہ رہ کر) کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار نکال دے ہمیں

ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ الظَّالِمِ اَہۡلُہَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ

اس بستی سے ۱۷۳ ظالم ہیں جس کے (باسی و) باشندے، اور پیدا فرما دے ہمارے لئے اپنے

۱۷۰ اصل چیز آخرت ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا پس چاہیے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جنہوں نے بیچ دیا دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں۔ اور دنیا کی عارضی اور فانی لذتوں کو انہوں نے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا کہ ان کے سامنے اصل مقصد اپنے رب کی رضاء کا حصول، اور آخرت کی حقیقی اور دائمی فلاح سے سرفرازی ہے۔ اور یہی ہیں سچے ایماندار اور حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز ہونے والے خوش نصیب لوگ - رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَكَثَّرَ سَوَادَهُمْ - سو اصل اور حقیقی چیز جسکو مقصدِ حیات بنانا چاہیئے وہ ہے آخرت۔ اور جنت کی نعیم مقیم سے سرفرازی جو کہ عمدہ بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ﴿ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ﴾ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ خدا کی راہ میں جہاد کے لئے وہ لوگ اٹھیں جو اپنی آخرت کے لئے اور اس کی خاطر اپنی دنیا کو تج چکے ہوں۔ کہ آخرت کی کامیابی کے لئے جہاد فی سبیل اللہ سب سے مختصر اور کامیاب راستہ ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یُحِبُّ و یرید،

۱۷۱ مجاہدوں کیلئے اجرِ عظیم کا وعدہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کو ہم نوازیں گے بہت بڑے اجر سے اور ایسے عظیم الشان اجر سے جسکی عظمتوں کا اِحاطہ و اِدراک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ ایسے مومنین صادقین کا مقصد

بہر کیف اعلیٰ وارفع اور ان کا نصب العین بڑا ہی پاکیزہ و مصفی ہے۔ یعنی اعلاء کلمۃ اللہ اور حصول رضائے الٰہی۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس اعلیٰ وارفع نصب العین کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدوں کو دنیاوی عزت وعظمت اور فتح ونصرت کے علاوہ آخرت میں جنت کی نعیم مقیم سے سرفراز فرما دے گا۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ دنیا کو تج کر کے صرف آخرت کی کامیابی کے لئے جہاد کریں گے وہ خواہ مارے جائیں یا فتح مند ہوں، دونوں ہی صورتوں میں ان کے لئے اجر عظیم ہے۔ سو مجاہد فی سبیل اللہ کیلئے کسی بھی صورت میں محرومی نہیں۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین

۱۷۲ جہاد فی سبیل اللہ کے دو اہم داعیوں کا ذکر و بیان: ۔ سو مسلمانوں کی تحریک وتحریض کے لیے ارشاد فرمایا گیا کہ کیا ہو گیا تم لوگوں کو (اے مسلمانو!) کہ تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے جبکہ تمہارے سامنے جہاد کی فضیلت کے علاوہ مظلوم اور کمزور مسلمانوں کی حالت زار کا یہ داعیہ بھی موجود ہے۔ یعنی جب تمہارے لئے جہاد کے یہ دو عظیم الشان داعیے اور اہم سبب موجود ہیں، ایک اللہ کی راہ میں لڑنے کی سعادت، جو کہ دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کا اہم ذریعہ ووسیلہ ہے، اور دوسرے ان کمزور مسلمانوں کی حالت زار، جو کہ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، تو پھر تم لوگ اللہ کی راہ میں لڑنے اور جہاد کرنے کی خاطر کیوں اٹھ کھڑے نہیں ہوتے؟ سو اس طرح یہ ارشاد ربانی جہاد کے لئے ایک عظیم الشان ترغیب اور تحریک وتحریض ہے، کہ اس کیلئے یہ دو اہم محرک اور داعیے موجود ہیں ﴿وَمَا لَكُمْ ؟﴾ "تمہیں کیا ہو گیا" کا اسلوب کسی کام پر ابھارنے اور شوق دلانے کے لئے ہوتا ہے۔ سو جو لوگ اللہ کے دین کے لئے اور اس کی رضاء کی خاطر ستائے جا رہے ہوں ان کی آزادی کے لئے جہاد وقتال اور جنگ کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں سب سے اول درجہ رکھتا ہے کہ ایمان وعقیدہ کے رشتے کی بناء پر سب مسلمان ایک جسم وجان کی حیثیت رکھتے ہیں جسم کے کسی ایک حصے میں بھی درد ہو تو پورا جسم اس کا درد محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ومصرح ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

۱۷۳ مظلوموں کی دعاء وپکار کا ذکر و بیان: ۔ سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ مظلوم ظالموں کے پنجے سے رہائی کے لیے اس طرح دعا ودرخواست کرتے ہیں۔ یعنی مکہ مکرمہ سے، جو اگرچہ روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس وپاکیزہ اور مبارک جگہ ہے مگر اس کے ظالم باشندوں کے ظلم کے باعث اسکے باسی اس سے نکلنے کی اس طرح دعا مانگتے ہیں، تاکہ ظالموں کے ظلم وستم سے رہائی پا سکیں اور اپنے دین وایمان کی حفاظت کر سکیں اور اللہ سے اس طرح دعا کرنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ نہیں۔ اور "قریہ" کا بڑا اور اہم مصداق اگرچہ مکہ مکرمہ ہی تھا، لیکن یہ حکم مکہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو وہ اس میں داخل ہے۔ کیونکہ "قریہ" کا لفظ عام ہے۔ ہر ایسی بستی اور شہر کو شامل ہے جہاں مسلمان مظلوم ہوں۔ سو ان کی حتی المقدور مدد کی جائے۔ شاید اسی لئے یہاں پر مکہ کا صریحاً ذکر کرنے کی بجائے اس کو "قریہ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ سو اس ارشاد میں دو درس ہیں۔ ایک مظلوموں سے متعلق اور ایک عام مسلمانوں سے متعلق۔ مظلوموں سے متعلق یہ کہ وہ ظالموں اور ان کے ظلم سے رہائی کیلئے اللہ تعالیٰ ہی کے حضور دعاء ودرخواست کیلئے ہاتھ اٹھائیں کہ حاجت روا ومشکل کشا سب کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور دوسرے مسلمانوں سے متعلق یہ کہ وہ صرف اپنے ہی ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنے ایسے مسلمان بھائیوں کا بھی خیال کریں اور ان کے لیے جو بھی مدد ان سے ممکن ہو سکے وہ کریں۔ وباللہ التوفیق۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین

لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ۞ ۷۵

یہاں سے کوئی حمایتی، ۱۷۴ اور مقرر فرما دے ہمارے لئے اپنے یہاں سے کوئی مددگار، ۱۷۵

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں، وہ تو (صدق دل سے) لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں ۱۷۶ اور جو کافر ہیں

يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِيَآءَ

وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں، ۱۷۷ پس تم لوگ لڑو (اے مسلمانو!)

الشَّيۡطٰنِ ۚ اِنَّ كَيۡدَ الشَّيۡطٰنِ كَانَ ضَعِيۡفًا ۞ ۷۶ ع اَلَمۡ تَرَ

شیطان کے دوستوں سے، بے شک شیطان کی چال بہت کمزور ہے، ۱۷۸ کیا تم نے ان

۱۷۴ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اللہ ہی ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ مظلوم اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں نکال دے اس بستی سے کہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لئے کوئی ایسا حمایتی مقرر فرما دے جو ہمارے دین و ایمان کی حمایت وحفاظت کر سکے، اور ان دشمنانِ حق و انصاف کے مقابلے میں ہمارا ساتھ دے اور ہماری مدد کر سکے۔ کہ تیری ہی حمایت ونصرت سے اے ہمارے مالک ہماری ان مشکلات کا ازالہ ہوسکتا ہے اور ہمیں ظالموں کے پنجۂ ظلم واستبداد سے رہائی نصیب ہوسکتی ہے، کہ حاجت روا و مشکل کشا سب کا اور ہر حال میں تو ہی تو ہے۔ اسی لئے دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تو ہی اے ہمارے مالک ہمارا حامی و ناصر بن جا اور ہمیں اپنی حمایت ونصرت میں لے لے اور "لِتَكُنۡ اَنۡتَ وَلِيَّنَا وَمَوۡلَانَا" (محاسن التاویل للقاسمی) سو حاجت روا اور مشکل کشا سب کا اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَكُنۡ لَّنَا وَاجۡعَلۡنَا لَكَ۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ سب کچھ اسی کی قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو جنہوں نے اسکی سوا اور حاجت روا و مشکل کشا گھڑ رکھے ہیں وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بِكُلِّ حالٍ من الاحوال،

۱۷۵ اللہ ہی سے مدد مانگنے کی تعلیم وتلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ وہ مظلوم اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں نکال دے اس بستی سے جس کے باشندے ظالم ہیں اور پیدا فرما دے ہمارے لیے اپنے یہاں سے کوئی حمایتی اور مددگار۔ سو اس سے یہ درس دیا گیا ہے کہ دعا ہمیشہ اللہ ہی سے کرنی چاہیے کہ حاجت روا سب کا وہی ہے۔ یعنی ہمارے لئے کوئی ایسا مددگار مقرر فرما دے جو ان ظالموں کے پنجۂ ظلم واستبداد سے ہمیں چھڑا سکے۔ پس اللہ پاک نے ان کی اس دعا کو اس طرح شرفِ قبولیت سے نوازا کہ داعیٔ اکبر اور مجاہدِ اعظم حضرت محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کی صورت میں ان کو ایک ایسا حمایتی اور مددگار عطاء فرما دیا جس نے اللہ پاک کی توفیق وعنایت سے فتحِ مکہ کی شکل میں

ان لوگوں کو بہترین طریقے سے ان ظالموں کے پنجۂ ظلم واستبداد سے رہائی دلائی اور اپنی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے حضرتِ عتاب بن اسید ؓ کو ان پر حاکم مقرر فرما دیا، جنہوں نے اسلامی عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ہر مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلوایا، (معارف، محاسن وغیرہ)۔ سو اللہ پاک نے ان کمزوروں اور مظلوموں کی ایسی حمایت اور نصرت فرمائی کہ تھوڑے ہی عرصے میں اللہ پاک نے ان کو مکہ کا سب سے طاقتور اور معزز انسان بنا دیا۔ سبحان اللہ! کیسی شانِ عنایت وقدرت ہے اس وحدہ لا شریک کی اور کس طرح وہ اپنے بندوں کو نوازتا ہے، اپنی استجابتِ دعوات سے۔ پس بندوں کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں اور اپنے ہر معاملے میں اس کی طرف رجوع کریں کہ وہی ہے جو ہر کسی کی سنتا اور سب کی حاجت روائی ومشکل کشائی فرماتا ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ اس کے سوا اوروں کے سامنے جھکنا اپنی تذلیل کے سوا کچھ نہیں۔ والعیاذ باللہ۔ اللہ ہر قسم کے زیغ وضلال سے ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۷۶ مومن کا جہاد اللہ کی رضا کیلئے: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں یعنی اس لیے کہ اللہ کا دین سربلند ہو، اور اس کی رضا ہمیں حاصل ہو، اس کے سوا قوم وملک، اور رنگ ونسل وغیرہ کسی بھی امتیاز کیلئے وہ نہیں لڑتے۔ سو یہ جہادِ اسلامی کا وہ طرۂ امتیاز ہے جو اسے پاکیزہ بنا کر دنیا بھر کی تمام جنگوں سے ممتاز کر دیتا ہے، کہ اس سے مقصود ومراد اِعلائے کلمۃ اللہ اور رضائے خداوندی کا حصول ہوتا ہے۔ جس سے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفراز ہوتا ہے۔ بہرکیف اس اِرشاد سے اس حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ اہلِ ایمان کی جنگ اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے سر پر اللہ ہوتا ہے۔ اور جس کے سر پر اللہ ہو اس کو کسی کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے؟ اسکے لیے کوئی ناکامی نہیں۔ وہ بہرصورت اور ہر حال میں کامیاب اور فائز المرام ہوتا ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین

۱۷۷ کافروں کی جنگ شیطان کی راہ میں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافر لوگ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں۔ تاکہ دنیا میں ظلم اور سرکشی کا دور دورہ ہو اور ان کی شیطانی اَہواء واَغراض کی تکمیل کا سامان ہوتا رہے۔ اس لیے کافر لوگ حق کا راستہ روکنے کیلئے زور لگاتے اور جنگ کرتے ہیں۔ اس لیے اہلِ حق ایسے ابنائے کفر وباطل کیخلاف جنگ کرتے ہیں اور ان کو ان سے جنگ کرنا چاہیے تاکہ حق کا راستہ صاف ہو اور کلمہ حق کا بول بالا ہو۔ سو اس طرح یہ مقابلہ دراصل خدائے رحمٰن اور شیطان کے درمیان ہوتا ہے۔ تو پھر شیطان کی چالیں خدائے رحمٰن کی کیدِ متین کے مقابلے میں کیسے کامیاب ہوسکتی ہیں؟

۱۷۸ شیطان کی چال بہت کمزور ہے: اور جب وہ فی نفسہ اس قدر ضعیف وکمزور ہے تو حضرتِ حق ۔ جل مجدہ ۔ کی قدرتِ مطلقہ کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے؟ پس تم اللہ کی تائید وتقویت کے سہارے اس کے خلاف لڑو۔ انجام بہرحال تمہارا ہی ہوگا۔ البتہ اس بات کا خیال بہرحال رہے کہ اپنے خالق ومالک کے ساتھ تمہارا تعلق درست ہو۔ تاکہ اسکی نصرت وامداد تمہیں حاصل رہے کہ اسکے بعد کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اہلِ ایمان کو خداوندِ قدوس کی نصرت واِمداد پر مطمئن رہنا چاہئے۔ اگر انہوں نے خدائے پاک کی وفاداری میں کوئی کمزوری نہیں دکھائی تو کامیابی بہرحال انہی کی ہے۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ اور شیطان کے ہر کام کی بنیاد چونکہ باطل پر ہوتی ہے اس لئے اس کے مضبوط ومستحکم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سو مومن کا اصل سرمایہ ایمان اور تقویٰ ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور بدرجۂ تمام وکمال نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا

لوگوں کو نہیں دیکھا؟ ۱۷۹ جن سے (ان کے مطالبہ جہاد کے جواب میں) کہا گیا تھا کہ (ابھی) تم روکے رکھو اپنے ہاتھوں کو، قائم رکھو

الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

نماز، اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ، مگر جب ان پر جہاد فرض

الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ

کر دیا گیا ۱۸۰ تو (ان کا حال یہ ہے کہ) ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا کہ خدا سے

اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

ڈرنا چاہیئے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، اور وہ یوں کہنے لگے کہ خدایا، تو نے کیوں فرض کر دیا

۱۷۹ منافقوں کے ایک گروہ کے بارے میں دعوتِ غور و فکر:۔ کہ ان کا معاملہ بھی کیسا عجیب ہے کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا خود مطالبہ کر رہے تھے اور جب اس کا حکم آ گیا تو یہ لوگ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ اس سے مراد یا تو منافق ہیں یا کمزور مسلمان۔ (معارف القرآن از کاندھلویؒ و جامع البیان وغیرہ)۔ سو اس طرح کے منافقانہ طرزِ عمل کی بجائے صدق و اخلاص والا طریقہ اپنانا چاہیئے۔ سو ایسے لوگ بڑے زور و شور سے جنگ و جدال اور جہاد و قتال کا مطالبہ کرتے تھے تو ان سے کہا جاتا کہ ابھی تم لوگ انتظار کرو اور نماز کے لئے اہتمام اور زکوۃ کی پابندی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق، اپنی تنظیم اور اپنے جذبہ انفاق کو ترقی دو لیکن جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو زبان کے ان غازیوں کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

۱۸۰ فرضیتِ جہاد کے بعد کے حال کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان کا حال اور ہو گیا۔ اور جہاد کی فرضیت کا حکم ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد نازل ہوا جبکہ وہ اس کے قابل ہو گئے تھے، اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی تو ان لوگوں پر جہاد فرض کیا گیا تا کہ اسلام کا بول بولا ہو۔ بہرکیف جب وقت آنے پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ایسے لوگ جہاد کے لئے بصد شوق و رغبت آگے بڑھنے کی بجائے اس سے چھپنے اور جان بچانے کی کوشش کرنے لگے اور خشیتِ خداوندی کی بجائے لوگوں کا خوف اور ان کی دہشت ان کے دلوں پر چھا گئی۔ بلکہ یہ لوگ اللہ کے خوف و خشیت سے بھی کہیں بڑھ کر لوگوں سے ڈرنے لگے اور کہنے لگے اے ہمارے رب تو نے اتنی جلدی ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ سو اس طرح ان کے سابقہ دعووں کی سب قلعی کھل گئی اور یہ اپنی اصل صورت میں سامنے آ گئے۔ اور اصل حقیقت واضح ہو گئی

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ

ہم پر جہاد، اور ہمیں اور تھوڑی مدت تک مہلت کیوں نہ دی ۱۸۱ کہو

مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى قف

کہ دنیا کا سامان تو ہے ہی تھوڑا، ۱۸۲ اور آخرت ہی بہتر ہے، ہر اس شخص کے لئے جو ڈرتا ہو، (اپنے رب سے،) ۱۸۳

وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ

اور تم پر ذرہ برابر بھی کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ۱۸۴ (اور موت سے مت ڈرو کیوں کہ) تم جہاں بھی ہوؤ گے بہرحال موت تم کو آ کر

الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

رہے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں (بند) کیوں نہ ہوؤ ۱۸۵ اور (ان منافقوں کا حال بھی عجیب ہے کہ) اگر ان کو کوئی بھلائی

حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے (یعنی اتفاقی طور پر مل گئی) ہے، ۱۸۶ اور اگر انہیں کوئی

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

تکلیف پہنچ جائے ۱۸۷ تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری وجہ سے ہے، ۱۸۸ کہو (نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ) یہ سب کچھ

اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ

اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس کیا ہو گیا ان لوگوں کو، کہ یہ کسی بات کے (صحیح طور پر) سمجھنے کے قریب

حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ

ہی نہیں لگتے، جو بھی کوئی بھلائی پہنچتی ہے تجھے (اے انسان!) تو وہ اللہ ہی کی طرف سے (اور اسی کے فضل سے) ہوتی ہے، اور جو ۱۸۹

۱۸۱ **منافقوں کی ایک تمنا کا ذکر:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ جہاد کی فرضیت کے بعد ان لوگوں میں کا ایک گروہ لوگوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسا کہ خدا سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ اور یہ لوگ تمنا کرنے لگے کہ ہمیں تھوڑی سی مدت تک اور مہلت کیوں نہیں دی گئی موت تک۔ (صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل، جامع البیان) تاکہ اس طرح آرام سے زندگی گزار کر ہم خود ہی طبعی موت مرجاتے۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے منافقت کے روگ اور ضعفِ ایمانی کا کہ انسان

موت سے ڈرتا اور بھاگتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ حالانکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ نہ وہ اس وقتِ مقرر سے پہلے آئیگی اور نہ اس کے بعد ٹل سکے گی۔ تو پھر اس سے ڈرنے اور بھاگنے کا کیا فائدہ؟ اس نے اپنے وقت پر بہرحال آ کر رہنا ہے۔ وہ کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ﴾ الآیۃ، [الجمعۃ: ۸] سو موت سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے اپنے وقت پر کسی بھی طرح ٹلنا نہیں

۱۸۲ دنیا کا متاع بہت تھوڑا ہے: - سو دنیا کے ان دلدادوں کی اس تمنا کے جواب کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان سے کہو کہ دنیا کا سامان تو ہے ہی بہت تھوڑا۔ سو ساری دنیا کا سامان بھی جب تھوڑا، اور اتنا تھوڑا ہے کہ صحیح حدیث کی رو سے اگر یہ ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی، تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس میں سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ تو جب دنیا ساری کی حقیقت وحیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے، تو پھر اس تھوڑے سے حصہ کا کہنا ہی کیا جو اس پوری دنیا میں سے تم کو یا کسی کو بھی ملتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسی عظمتِ شان ہے اس دینِ حنیف کی؟ اور کیسی عظیم الشان تعلیمات سے یہ نوازتا ہے دنیا کو؟ کہ جس دنیا کے کچھ ٹکوں کیلئے دنیا مرتی ہے اور اسکی پوجا تک کرتی، اور اس کیلئے طرح طرح کے پاپڑ بیلتی ہے، اس پوری دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس قدر محروم، بدنصیب اور کوتاہ نظر ہیں وہ لوگ جو آخرت کو بھول کر اور اس سے منہ موڑ کر صرف اسی دنیاوی زندگی کیلئے جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ یہ دنیا اور اس کا یہ چندروزہ سامان کچھ بھی نہیں۔ اصل چیز تو آخرت اور وہاں کی سدابہار نعمتیں ہیں جن سے سرفرازی ان خوش نصیبوں کو نصیب ہوگی جو اپنے رب کے خوف وخشیت اور تقویٰ وطہارت کی دولت سے سرفراز وسرشار ہوں گے۔ اللہ نصیب فرمائے، اور اسقدر کہ وہ راضی ہو جائے، آمین ثم آمین

۱۸۳ تقویٰ وپرہیزگاری وسیلۂ نجات: - سو ارشاد فرمایا گیا اور آخرت بہرحال بہتر ہے ہر اس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے۔ یعنی جو ڈرتا ہے اپنے رب کی ناراضگی اور اسکی پکڑ سے۔ اور اس کے اس ڈر کی بناء پر وہ کفر وشرک اور اس کی معصیت ونافرمانی سے بچ کر رہتا ہے، اور اس کے نتیجے میں وہ اس کی گرفت وپکڑ اور عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ سو تقویٰ وپرہیزگاری وسیلۂ نجات اور ذریعۂ فوز وفلاح ہے۔ اور یہی اصل واساس ہے دارین کی سعادت وسرخروئی کی۔ اور خداوندِ قدوس کی عبادت وبندگی کی۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا "اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ" یعنی "تم حرام چیزوں سے بچو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے" - وباللّٰہِ التوفیق لِما یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الھادیْ اِلٰی سَوَاءِ السبیل - بہرکیف تقویٰ وپرہیزگاری وسیلۂ نجات وسرفرازی ہے۔ اللہ نصیب فرمائے اور بدرجہ تمام وکمال نصیب فرمائے - آمین ثم آمین۔

۱۸۴ تم پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوگا: - کہ تمہاری کسی واقعی نیکی کا انکار کر دیا جائے، یا کوئی ناکردہ گناہ تمہارے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ سو ایسی کوئی بات ہرگز نہ ہوگی بلکہ وہاں پر عدل وانصاف ہی کا معاملہ ہوگا۔ بلکہ عدل سے بھی بڑھ کر وہاں پر فضل وکرم کا معاملہ ہوگا کہ ایک ایک نیکی کا اجر وصلہ کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا کہ یہ انعام واکرام اس اکرم الاکرمین کی طرف سے ہوگا جس کی رحمت وعنایت کی کوئی حد وانتہاء نہیں۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اس آیتِ کریمہ سے یہ بات نکلتی

ہے کہ اسلامی جنگ اور جہاد وقتال کی روح اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں گہری مناسبت ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے تیار ہو رہے ہوں، ان کے لئے اسلحہ کی ٹریننگ سے زیادہ اِقامت صلوٰۃ اور اِیتاءِ زکوٰۃ کی پابندی کی ضرورت ہے۔ جہاد میں جس صدق و اخلاص، للّٰہیت و اِستقامت اور نظم وطاعت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے بہترین تربیت نماز سے ہوتی ہے اور اس راہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا جو جذبہ درکار ہوتا ہے وہ اِیتاءِ زکوٰۃ کی پابندی سے نشوونما پاتا اور پروان چڑھتا ہے۔ اس کے بغیر جو جنگ لڑی جائے گی اس سے کوئی اِصلاح وجود میں نہیں آسکتی۔ اور لڑنے والوں میں وہ قوت پیدا نہیں ہوگی جو جہادِ اسلامی کا طرۂ امتیاز ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید۔ بکل حال من الاحوال

۱۸۵ موت سے ڈرنا بےسود و لاحاصل:۔ سو جب کوئی مضبوط اور محفوظ قلعوں کے اندر بھی موت سے نہیں بچ سکتا تو پھر موت سے ڈرنا بےسود اور لاحاصل ہے کہ وہ اپنے وقت پر بہر حال آکر رہے گی۔ اگرچہ کوئی مضبوط قلعوں کے اندر ہی بند کیوں نہ ہو۔ پس اپنے مقررہ وقت پر تو وہ بند قلعوں اور محفوظ سے محفوظ مقامات پر بھی آکر رہے گی، اور وقت سے پہلے وہ تم پر کبھی آئیگی نہیں، اگرچہ تم تیروں اور گولوں و میزائلوں کی بارش ہی میں کیوں نہ ہو۔ تو پھر اس سے ڈرنے اور خوف کھانے کی کیا ضرورت؟ سبحان اللہ! کیسا مضبوط کر دیتی ہے انسان کے دل کو یہ ایمان کی دولت کہ اسکے بعد انسان کو نہ کوئی خوف رہتا ہے نہ خطرہ۔ اور وہ ہر حال میں مطمئن رہتا ہے کہ زندگی اور موت اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ سو موت سے ڈرنا بےسود و لاحاصل اور حماقت کی بات ہے کہ اس سے کسی کے لئے کوئی مفر ممکن نہیں۔ جس کی موت جس گھڑی جس جگہ اور جس شکل میں لکھی ہے وہ اسی کے مطابق بہر حال آکر رہے گی اگرچہ کوئی شخص مضبوط سے مضبوط قلعوں کے اندر ہی بند کیوں نہ ہو۔ پس صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کی طرف سے عائد حکم وفرض کو پوری طرح ادا کرے اور موت کے معاملے کو اپنے خدا پر چھوڑ دے۔ وہ بہر حال اپنے مقرر وقت ہی پر آئے گی۔ اس سے پہلے نہیں آسکتی۔

۱۸۶ یہود کے زعم اور گھمنڈ کا ایک نمونہ اور مظہر:۔ سو یہود اور منافقین کو اگر کوئی اچھائی ملتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے نہ کہ تمہاری وجہ سے ہے۔ اور نہ اس میں تمہارا کوئی عمل دخل ہے۔ اور نہ تمہارے پیش کردہ دین کی خیر و برکت کا کوئی سوال۔ جیسا کہ اردو محاورے میں بھی ایسے موقع پر کہا جاتا ہے یہ کام تو اللہ کی طرف سے ہوا ہے۔ یعنی محض ایک اتفاقی امر ہے۔ یا ہمیں خاص طور پر نوازا گیا کہ اللہ کے نزدیک ہم ہی اسکے اہل ہیں کہ ہم بڑی شان اور اونچے درجے کے لوگ ہیں۔ یہ قول یہودِ بےبہبود کا تھا کہ ان کو جب کوئی خوشحالی وغیرہ مل جاتی تو اس طرح کہتے۔ (المراغی، المحاسن، وغیرہ)۔ اور ان کے اسی تکبر و گھمنڈ اور زعمِ باطل نے ان کو نورِ حق و ہدایت سے محروم کر دیا سو کبر و غرور محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۱۸۷ منافقین کی سیاہ بختی کا ایک اور نمونہ و مظہر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچ جائے جیسے کوئی شکست، اور بیماری، وغیرہ انکی نحوست اور بدبختی کی بناء پر۔ تو یہ اس کو اپنی نحوست اور بدعملی کا نتیجہ قرار دینے کی بجائے پیغمبر سے کہتے کہ یہ تمہاری وجہ سے ہوا اور اس طرح یہ سیاہ بختی کی سیاہی کو اور پکا کرتے۔ بہر کیف اس سے منافقین کی، جن کا زیادہ تر تعلق یہود ہی سے تھا، ایک اور حماقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اور یہ ان کی ایسی حماقت تھی جس کو ان کی بزدلی کی پرورش میں بڑا عمل دخل تھا۔ وہ یہ کہ حق و باطل کی اس کشمکش کے دوران جو نرم وگرم حالات پیش آتے تھے ان کو یہ لوگ کامیابیوں اور اچھے حالات کو تو خدا کی طرف سے سمجھتے یعنی ان

کو بخت و اتفاق کا نتیجہ قرار دیتے لیکن جب کوئی مشکل یا آزمائش پیش آتی تو اس کو یہ لوگ اللہ کے رسول کی طرف سے سمجھتے اور اس کو آپ کی بے تدبیری پر محمول کرتے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۱۸۸ زائغین کے زیغ و ضلال کا ایک نمونہ و مظہر:۔ سو اس سے زائغین کے زیغ و ضلال اور منافقین و منکرین کی الٹی کھوپڑی اور غلط منطق کا ایک نمونہ و مظہر سامنے آتا ہے، کہ جب ان کو کوئی اچھی حالت مل جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ یعنی یونہی اتفاقی طور پر مل گئی ہے۔ اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے۔ یعنی ایسا تمہاری نحوست کی وجہ سے ہے، جیسا کہ موسیٰ کی قوم کے بارے میں ہے کہ ان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے وہ حضرتِ موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ﴿یَطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ﴾، الآیۃ [الاعراف۔۱۳۱] اور یہی بات قومِ صالح نے حضرتِ صالح سے کہی کہ ہم آپ کو اور آپ کی قوم کو منحوس پاتے ہیں ﴿قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِکَ وَبِمَنْ مَّعَکَ﴾ الآیۃ [النمل:۴۷] سو یہ ہوتا ہے نتیجہ و انجام کفر و نفاق کی ظلمت و تاریکی کا کہ اسکے نتیجے میں ایسے لوگوں کے باطن حضراتِ انبیائے کرام۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ کے بارے میں اس حد تک بگڑ جاتے ہیں، اور ان قدسی صفت حضرات کے بارے میں ایسے بدباطن اور بدبخت لوگوں کے ریمارکس اس حد تک گستاخانہ اور ظالمانہ ہوجاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ فِی الْفِکْرِ وَالْعَمَلِ۔ سو ایمان و یقین ہر خوبی اور خیر کی اصل اور اساس ہے، اور کفر و انکار ہر شر و فساد کا منبع و مصدر۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ سورۂ آلِ عمران میں غزوۂ اُحد کی شکست کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ منافق نے اُحد کی شکست کی ساری ذمہ داری آنحضرت۔ ﷺ۔ پر ڈالنے کی کوشش کی۔ اور صاف طور پر کہا کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی تو ہم کبھی یہاں قتل نہ ہوتے۔ [آلِ عمران:۱۵۴] یعنی یہ سب کچھ آپ کی بے تدبیری سے ہوا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ حالانکہ کائنات میں جو بھی کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سے ہوتا ہے اور پیغمبر جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم و ارشاد سے کرتے ہیں۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لیکن جب صدقِ ایمان سے محرومی کے باعث کسی کی مت ماری جاتی ہے تو وہ اسی طرح کی الٹی باتیں کرنے لگتا ہے، والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال

۱۸۹ ہر بھلائی اللہ ہی کی طرف سے، فالحمد جل وعلا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے پہنچتی ہے۔ کہ وہی ہے بخشنے والا اور عطاء فرمانے والا۔ اور وہی ہے سب کا خالق و مالک۔ اور اس کی کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اسی کی مشیّت و منظوری سے ہوتا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور جو بھی کوئی چیز انسان کو ملتی ہے وہ اسی کی طرف سے اور بغیر کسی سبب کے محض اس کی عنایت اور مہربانی سے ملتی ہے۔ خود ہمارے وجود اور ان کے اندر پائی جانے والی قدرت کی بے شمار اور عظیم الشان نشانیاں اور نعمتیں محض اس کی عطاء و بخشش ہی کا نتیجہ و ثمرہ ہیں۔ ہم نے ان میں سے کسی کیلئے کوئی جدوجہد تو درکنار، کوئی مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ اور مطالبہ کیا معنیٰ، ہمیں تو اس کا کوئی اِحساس و اِدراک بھی نہیں تھا۔ سو یہ سب کچھ اسی کی عطاء و بخشش ہے جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے فرمائی ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اور سب کچھ اسی وہاب کریم کا دیا بخشا ہے۔ بہرکیف اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کائنات میں خیر اور شر کی صورت میں جو بھی کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے کہ اپنی پیدا کردہ اس کائنات میں حاکم و متصرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور اس میں جو بھی ہوتا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور اسی کے اذن سے ہوتا ہے کہ اس سب کائنات میں اُسی کا حکم اور اُسی کی مشیت کارفرما ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط وَ اَرْسَلْنٰكَ

کبھی کوئی بدحالی پیش آتی ہے تجھے تو وہ تیری اپنی ہی وجہ سے ہوتی ہے ۱۹۰ اور ہم نے (بہرحال اے پیغمبر!) آپ کو بھیجا ہے

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ

سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر، اور کافی ہے اللہ گواہی دینے کو، ۱۹۱ جس نے رسول

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۱۹۲ اور جو پھر گیا (راہِ حق سے) تو ہم نے آپ کو (اے پیغمبر!) ان لوگوں پر کوئی پاسبان

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ

بنا کر نہیں بھیجا ۱۹۳ اور کہتے ہیں (یہ منافق لوگ جب یہ آپ کے پاس ہوتے ہیں) کہ ہم نے حکم مانا ۱۹۴ مگر جب یہ آپ کے پاس

۱۹۰ **بُری حالت کا سبب اور باعث انسان خود - والعیاذُ باللہ** :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی برائی اور بدحالی تجھے پہنچتی ہے اے انسان، وہ تیری اپنی ہی طرف سے ہوتی ہے کہ اس کا سبب تیری اپنی ہی کوئی کوتاہی اور بدعملی ہوتی ہے اے انسان ۔ ورنہ اس وحدہٗ لاشریک کی طرف سے تو اپنے بندوں کیلئے رحمت ہی رحمت، عنایت ہی عنایت اور عطاء ہی عطاء ہے، کہ اس نے اپنی ذات پر اپنے کرم سے رحمت کو لازم قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ اس کا اپنا فرمانِ حق ترجمان ہے "كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ "الآیۃ [الانعام: ۵۴]۔ پس ہر حمد و ثنا کا حقدار وہی وحدہ لاشریک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- نیز اس کا فرمان و ارشاد ہے کہ عذاب تو میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں یعنی جب کہ وہ اپنے اعمال اور کرتوتوں سے اپنے آپ کو اس کا مستحق بنا دیتا ہے، لیکن میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ الآیہ [الاعراف: ۱۵۶] سو خیر و شر میں سے جو بھی کچھ اس کائنات میں ہوتا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور اسی کے اذن سے ہوتا ہے، لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ خیر اس کی رحمت کے اقتضاء سے ظہور پذیر ہوتی ہے جبکہ شر کا ترتب اسکے اذن سے ہوتا ہے اور شر کا ترتب انسان کے اپنے اعمال پر ہوتا ہے۔ سو اس اعتبار سے شر کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہوتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہر قسم کے شر سے ہمیشہ محفوظ رکھے- آمین ثم آمین۔ رب العالمین، ویا ارحم الراحمین

۱۹۱ **پیغمبر کے لیے سامانِ تسلیہ و تسکین** :- سو ارشاد فرمایا گیا اور کافی ہے اللہ گواہی دینے والا۔ اور جب اس کی گواہی آپ کی رسالت کے لئے موجود ہے اور اس نے اپنے معجزات کے ذریعے بھی آپ کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے دی، تو پھر کوئی اور اس کی گواہی دے یا نہ دے اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ سو اب سعادت و سرخروئی آپ کی اطاعت و اتباع میں ہے اور اس سے اعراض و انکار بہرحال ہلاکت و تباہی کا سامان ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

الْعَظِیْمِ - بہرکیف یہاں پر منافقین کو خطاب کرنے کے بعد پیغمبر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ منافقین تمہاری رسالت کے بارے میں تردد میں ہیں اور تمہارے ہر قول وفعل کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے تو آپ اس کی پرواہ نہ کرو کہ آپ کی رسالت ان کی گواہی کی محتاج ہیں۔ خدا کی گواہی آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ سو اس میں پیغمبر کے لیے بڑا سامانِ تسلیہ وتسکین ہے- والحمد للہ جل وعلا-

۱۹۲ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت:- کہ رسول کا ارشاد دراصل اللہ ہی کا ارشاد ہوتا ہے۔ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾ [النجم:۳-۴]۔ سو پیغمبر کی اطاعت و اتباع ہی میں انسان کیلئے دنیا وآخرت کی سعادت وسرخروئی ہے ورنہ خسارہ ہی خسارہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ مانیں یا نہ مانیں یہ بہرحال اپنی جگہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ اب اللہ کی اطاعت کی واحد راہ یہی ہے کہ لوگ آپؐ کی اطاعت کریں کہ خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ اس کے بغیر اس کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ جو لوگ اس حقیت کو تسلیم نہیں کرتے وہ خود اپنی محرومی اور ہلاکت وتباہی کا سامان کرتے ہیں جس کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا پڑے گا- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اپنے حفظِ امان میں رکھے، امین

۱۹۳ پیغمبر کی ذمہ داری صرف تبلیغِ حق:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ پیغمبر کے ذمے صرف تبلیغِ حق ہے سو ارشاد فرمایا گیا اور ہم نے آپ کو [اے پیغمبر] ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ پس آپؐ ذمہ دار ونگہبان نہیں کہ لوگوں کو راہِ حق پر لا کر چھوڑیں، کہ یہ نہ آپؐ کے ذمے ہے اور نہ ہی آپؐ کے بس میں۔ آپ کا کام تو محض حق کو پہنچا دینا ہے اور بس۔ اور وہ آپ کر چکے ﴿فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ﴾[الرعد:۴۰] سو پیغمبر اور ہر داعیِ حق کی اصل ذمہ داری حق کی تبلیغ وتلقین اور اسکی دعوت ہی ہوتی ہے اور بس۔ سو اگر یہ لوگ اس کے باوجود آپؐ سے اے پیغمبر اعراض ہی کرتے اور منہ موڑتے ہیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ آپ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں بلکہ اس کی ذمہ داری خود ان ہی پر ہے۔ جس کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہوگا، والعیاذ باللہ جل وعلا،

۱۹۴ منافقوں کے طاعت کے زبانی کلامی دعوے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے حکم مانا۔ معلوم ہوا کہ طاعت وفرمانبرداری کے محض زبانی کلامی اور بلند بانگ دعوے کرنا کافی نہیں۔ اور یہ اہلِ ایمان کا طریقہ نہیں، بلکہ یہ منافق لوگوں کا شیوہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - کیونکہ مخلص اہلِ ایمان محض زبانی کلامی دعووں کی بجائے اپنے عمل وکردار سے اپنے صدق واخلاص کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور یہی اصل مقصود ہے یہاں پر۔ ''طَاعَةٌ'' خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اور عربی کے اس اسلوب کے مطابق جب مبتداء کو حذف کیا جاتا ہے تو اس سے مقصود سارا زور خبر پر دینا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ لوگ پیغمبر کی مجلس میں ہوتے ہیں تو طاعت وفرمانبرداری کے زبانی کلامی دعوے کرتے ہوئے کہتے ہیں ''سرِ تسلیم خم ہے''، ''ہم اطاعت وفرمانبرداری کے لئے حاضر ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔ مگر جب وہاں سے نکلتے ہیں تو اس کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ امین

عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ؕ

سے نکلتے ہیں، تو انہی میں سے ایک گروہ اپنے کہے کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگ جاتا ہے، (حق اور اہل حق کیخلاف)۱۹۵ اور

وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ

اللہ لکھ رہا ہے ان کے وہ سب منصوبے جو یہ لوگ اس طرح گانٹھتے (بناتے) ہیں، پس آپ ان سے درگزر ہی کریں،

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

اور کافی ہے اللہ کارسازی کیلئے، ۱۹۶ تو کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے

الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

اس قرآن (عظیم) میں، ۱۹۷ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس میں بہت کچھ اختلاف

اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ

(اور تضاد بیانی) پاتے ۱۹۸ اور جب پہنچتی ہے ان کے پاس کوئی خبر، امن کی،

اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ

یا خوف کی، تو یہ اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں ۱۹۹ حالانکہ اگر یہ لوگ اسے لوٹا دیتے رسول کی طرف، اور

۱۹۵ اہلِ باطل کی اہلِ حق کیخلاف منصوبہ سازی کا ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو انہی میں سے ایک گروہ اپنے کہے کے خلاف منصوبے گانٹھنے لگ جاتا ہے۔ حق اور اہلِ حق کیخلاف۔ ان کا راستہ روکنے کیلئے، اور اس طرح رات کے اندھیروں میں کیے جانے والے اپنے ان منصوبوں کے بارے میں یہ احمق تو سمجھتے ہیں کہ ان کی حرکتوں کا کسی کو علم نہیں، مگر انہیں معلوم نہیں کہ ان کی ایسی کوئی حرکت ہم سے مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور یہ کہ ان کی ایسی تمام حرکتوں کا پورا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ سو اہلِ باطل اپنے عزائم اور منصوبوں کو خفیہ رکھنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کریں، اللہ وحدہٗ لاشریک سے ان کو چھپانا ان کیلئے کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ "بَیَّتَ" کے اصل معنٰی رات کو کام کرنے کے آتے ہیں۔ لیکن پھر اس میں توسع پیدا کر کے اس کو خفیہ مشوروں اور چھپ کر کام کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔

۱۹۶ کارسازی اللہ ہی کی ہے ۔ سبحانہٗ وتعالیٰ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور اللہ کافی ہے کارسازی کیلئے سو وہ

کارسازِ مطلق آپ کو بھی ان کے شر سے محفوظ رکھے گا اور ان کو بھی اس انجام تک پہنچا دے گا جس کے یہ لائق ہیں۔ سو اس سے یہ اہم اور بنیادی درس ملتا ہے کہ اہلِ ایمان کو دشمنوں کے مقابلے میں اور انکی شرانگیزیوں سے بچنے کیلئے اعتماد و بھروسہ ہمیشہ اسی کارسازِ مطلق وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہیئے - جل وعلا شانہ - کہ سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - وہ جو چاہے اور جیسے چاہے کرے۔ اس کیلئے نہ کوئی مشکل ہوسکتی ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی رکاوٹ۔ پس آپ ان سے اعراض کر کے بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھیں جو سب کا کارساز ہے۔ اور بڑا ہی عمدہ کارساز ہے ﴿فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرِ﴾ سو کارساز سب کا اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے، اور اس کی کارسازی سب کے لیے بس ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی خاص رحمت کے سائے میں رکھے، آمین

۱۹۷ قرآنِ حکیم میں غور و فکر کی دعوت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اس قرآنِ عظیم میں۔ یعنی کیا قرآنِ حکیم کے یہ حقائق و معارف اور اَخبارِ صادقہ سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ اس کتابِ عزیز کی عظمت و حقانیت کے بارے میں غور و فکر کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ یعنی ان کو اس بارے غور و فکر سے کام لینا چاہیئے تاکہ اس کی عظمت و حقانیت ان کے سامنے واضح و اجاگر اور ان کے دلوں میں جاگزیں ہو سکے۔ سو یہ استفہام قرآنِ حکیم میں غور و فکر کے لئے تحریض و ترغیب کیلئے ہے تاکہ اس طرح یہ قرآنِ حکیم پر ایمان کے شرف سے مشرف اور اسکے نور سے ان کے باطن منور ہوسکیں۔ مگر افسوس کہ آج کا مسلمان اس سے غافل و لاپرواہ ہے۔ وہ اپنے موروثی ایمان کی بناء پر کبھی اس کو چوم چاٹ لے گا اور بس۔ اس سے آگے بڑھ کر قرآنِ پاک کے سیکھنے سکھانے اور اس میں غور و فکر سے کام لینے وغیرہ کے بارے میں اسکو کوئی سروکار نہیں - اِلّا ما شاء اللّٰه والعیاذُ باللّٰهِ جَلَّ وَ عَلَا - اس آیتِ کریمہ میں دورِ حاضر کے ان لوگوں کے لئے بھی بڑا سامانِ عبرت و بصیرت ہے۔ جو ایک طرف تو قرآنِ حکیم کو اللہ کی کتاب بھی مانتے ہیں اور دوسری طرف اس کے ان احکام و اِرشادات کو ہدفِ تنقید بھی بناتے ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کا یہ طرزِ عمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کا معاملہ بھی ان ہی منافقین کی طرح ہے جو اس کتابِ حکیم پر ایمان کے بلند بانگ دعووں کے باوجود صحیح ایمان سے محروم تھے۔ ورنہ آخر اس بات کی کیا تک ہے اور اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ اس کو خدا کی کتاب بھی مانا جائے اور پھر اس کی کچھ باتوں کو اعتراض و تنقید کا نشانہ بھی بنایا جائے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی ہی حمایت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۱۹۸ قرآنِ حکیم کی حقانیت و صداقت کی ایک اہم اور واقعاتی دلیل: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ ضرور اس میں بڑا اختلاف [اور تضاد بیانی] پاتے۔ کہ تئیس (۲۳) سال کے طویل عرصے تک ایک ہی معجزانہ اسلوب، اور پر شکوہ انداز میں، زندگی کے ہر پہلو سے متعلق وہ علوم و معارف بیان کرنا، ماضی و مستقبل کی وہ خبریں دینا، اور پیشینگوئیاں کرنا، جو انوارِ رشد و ہدایت سے بھی لبریز ہوں، اور ان میں حقیقت و واقعہ کے لحاظ سے بھی سرِ مو فرق نہ ہو، طاقتِ بشری کے اِحاطہ و اِدراک سے خارج ہے۔ یہ صرف اور صرف حضرتِ حق - جل مجدہٗ - ہی کی شان ہوسکتی ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - راقم آثم کو

قرآنِ حکیم کے ترجمہ و تفسیر کے اس کام میں کم و بیش کوئی پچیس سال ہو رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود آج تک ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ جب بھی اپنے اس مسودے پر نظر ڈالتا ہوں اس میں ترمیم و تغییر سے کام لیتا ہوں۔ اور اَلفاظ و کلمات، اور تراکیب و عبارات، کو ادلتا بدلتا اور توڑتا مٹاتا رہتا ہوں کہ یہ ایسے نہیں ایسے ہونا چاہیئے۔ اس طرح نہیں اس طرح ہونا چاہیئے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے لکھے ہوئے کسی مضمون پر پھر غور کیا ہو اور مجھے اس میں ترمیم و تغییر کی کوئی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو- اِلَّا قلیلًا - سو ایسے میں قرآنِ حکیم کی یہ آیتِ کریمہ ہمیشہ میری نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے اور اس سے یہ حقیقت پھر اور پھر نکھر کر سامنے آتی ہے کہ واقعی یہ اللہ پاک کے کلامِ معجز نظام ہی کا اِعجاز و اِمتیاز ہے کہ اس میں تئیس سال کے طویل عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے اترتے رہنے کے باوجود کسی بھی طرح کا کوئی فرق و امتیاز نہیں آیا وَصَدَقَ اللّٰهُ القائل ﴿لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ شَرَّفَنَا بِهٰذِهِ النِّعْمَةِ الْكُبْرٰى وَبِالْاِيْمَانِ بِهَا وَبِالْاِشْتِغَالِ بِهَا تَعَلُّماً وَتَعْلِيْمًا وَدِرَاسَةً وَمُرَاجَعَةً- فَاِيَّاهُ نَسْاَلُ اَنْ يَّزِيْدَنَآ اِيْمَانًا بِهٰذَا الْكِتَابِ الْعَظِيْمِ الْجَلِيْلِ وَحُبًّا فِيْهِ وَتَعَلُّقًابِهٖ وَخِدْمَةً لَّه- فَاِنَّهٗ لَا تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اِلَّا بِتَوْفِيْقٍ مِّنْهُ جَلَّ عَلَا - پس اس کتاب کا انکار اور اس سے اِعراض و روگردانی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - دارین کی ناکامی و نامرادی اور ایسے ہولناک خسارے کا باعث اور پیش خیمہ ہے، جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا، اور جسکے تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوسکتی- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس کتابِ حکیم کی تعلیمات مقدسہ نہایت حکیمانہ اور آپس میں انتہائی گہرا ربط رکھتی ہیں۔ اور اس کی مجموعی تعلیم سے جو نظام بنتا ہے وہ ایک ایسی ''بنیانِ مرصوص'' کی شکل میں سامنے آتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے نہایت ہی پُر حکمت طریقے سے جڑی ہوئی ہے اور اس حد تک کہ اس میں سے کسی ایک اینٹ کو بھی الگ کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔ والعیاذ باللہ العظیم اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

۱۹۹ اَفواہ طرازی کی قباحت و شناعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو یہ اس کو فوراً پھیلا دیتے ہیں جس سے کئی طرح کے مفاسد جنم لیتے اور خرابیاں فروغ پاتی ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ افواہ طرازی ایک مذموم شئی اور فتنہ پردازی کا باعث ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کیونکہ اس طرح اَفواہ طرازی سے ایک طرف جھوٹ کو فروغ ملتا ہے، کیونکہ اکثر افواہیں جھوٹی اور بے بنیاد ہوتی ہیں اور دوسری طرف اس سے معاشرے میں افراتفری، خوف و ہراس اور بے اطمینانی پھیلتی ہے۔ بہرکیف اس اِرشاد سے منافقین کے منافقانہ طرزِ عمل کو واضح فرما دیا گیا کہ یہ لوگ چونکہ ملت کے خیر خواہ نہیں تھے اس لئے یہ لوگ افواہیں پھیلانے میں بڑے چابکدست تھے۔ ان کے پاس امن یا خطرے کی جو بھی بات پہنچتی اس کو یہ آگے اس طور پر چلتا کر دیتے کہ وہ آن کی آن میں جنگل کی آگ کی طرح لوگوں میں پھیل جاتی جس سے آگے کئی طرح کے فتنے اور فساد جنم لیتے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے حفظ و امان میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

اِلَى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ

اپنے میں سے بااختیار لوگوں کی طرف، ۲۰۰ تو ضرور اس کی حقیقت کو پالیتے ان میں سے وہ لوگ جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی

مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

صلاحیت رکھتے ہیں، ۲۰۱ اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی تم پر، اور اس کی رحمت (وعنایت) ۲۰۲ تو تم لوگ ضرور پیچھے لگ

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا

جاتے شیطان کے ۲۰۳ بجز تھوڑے سے لوگوں کے ۲۰۴ پس آپ لڑیں اللہ کی راہ میں (اے پیغمبر!) آپ

۲۰۰ نئی بات کو ذمہ دار لوگوں تک پہنچانے کی ہدایت:- سو اس ارشاد سے اس بارے میں صحیح طرزِ عمل کی تعلیم دی گئی ہے کہ افواہ کو آگے پھیلانے کی بجائے ذمہ دار لوگوں تک پہنچا دیا جائے۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ سنی سنائی بات کو آگے پھیلانے کی بجائے اسے ذمہ دار حضرات تک پہنچایا جانا چاہیئے۔ صحیح مسلمؒ وغیرہ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے جھوٹا قرار پانے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے پھیلا دے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم۔ بہرکیف اس بارے اِرشاد فرمایا گیا کہ اس ضمن میں ان لوگوں کے لئے صحیح طریقہ یہ تھا کہ اس طرح کی جو بات ان کے علم میں آتی اس کو یہ لوگ پھیلانے کی بجائے اللہ کے رسول اور امت کے اربابِ حل و عقد کے سامنے پیش کرتے، تاکہ ان کے اندر جو لوگ معاملات کی گہری سوچ اور صحیح سمجھ بوجھ رکھنے والے ہوتے وہ ایسی ہر بات کی اصل حقیقت معلوم کرتے اور اس کا موقع ومحل متعین کر کے صحیح پالیسی اختیار کرتے اور اس طرح بگاڑ کی بجائے اِصلاح اَحوال کی صورت پیدا ہوتی۔ ورنہ بگاڑ پیدا ہوگا، اور افواہ طرازی کا بازار گرم ہوگا، والعیاذ باللہ العظیم

۲۰۱ بات کی تہہ تک پہنچنے والے کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں:- سو اس سے معلوم ہوا کہ بات کی تہہ تک پہنچنا کچھ ہی لوگوں، یعنی اصحابِ فکر وبصیرت کا کام ہوتا ہے۔ یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ اس لئے غور طلب امور کو ایسے ہی حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہیئے جو اس کے اہل ہوں تاکہ وہ صحیح رہنمائی کر سکیں۔ اور اس طرح معاشرہ افواہ طرازیوں کے مفاسد سے بچ سکے۔ (معارف وغیرہ)۔ استنباط کا اصل مفہوم کنواں کھود کر اس سے پانی نکالنا اور کسی پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا ہے۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ لفظ کسی بات کی تہ تک پہنچنے اور اس کی حقیقت کو پانے کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا اور یہاں پر اس سے یہی مفہوم مراد ہے۔ یعنی ان لوگوں کو چاہیئے تھا کہ ایسی کسی بھی بات کو یہ لوگ ان اربابِ عقل تک پہنچاتے جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تاکہ وہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرتے اور صحیح پالیسی اختیار کرتے۔ سو اس سے افواہ طرازی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کہ اس کے کئی طرح کے مفاسد جنم لیتے ہیں۔

۲۰۲ اللہ پاک کی رحمت وعنایت کا ثمرہ ونتیجہ:- سو اس سے واضح فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً تم مشکلات میں پڑ جاتے یعنی وہ رحمت جو اس نے تمہارے اندر اپنا رسول بھیج کر، اور اپنی کامل وبے مثال

کتاب نازل کر کے تم پر فرمائی۔ اور اس طرح تمہیں حق و ہدایت کی اس عظیم الشان شاہراہ پر ڈال دیا، جو دارین کی سعادت و سرخروئی کی کفیل و ضامن ہے۔ سو اگر وہ تم پر یہ رحمت و عنایت اور مہربانی نہ فرماتا تو تم لوگ طرح طرح کی جہالتوں میں ڈبکیاں کھاتے ہوئے پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ سو اللہ پاک کی اس عظیم الشان نعمت کی دل و جان سے قدر کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرو۔ والحمد للہ رب العالمین۔ نیز ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ الآیۃ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اب بھی ان کے لئے سنبھل جانے کا موقع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے ان کو شیطان کے پیچھے بگ ٹٹ چلنے کے لئے نہیں چھوڑ دیا، ورنہ یہ سخت خسارے میں پڑ جاتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۰۳ **اسلام میں سیاسی نظام کی عظمت و اہمیت :-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور بالضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کے بغیر انسان شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے اپنی اَھواء و اَغراض کی تکمیل میں۔ اور اس سے تم کفر و شرک جیسے مہالک میں مبتلا ہو جاتے اور اس طرح تم لوگ بڑے ہی ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو اس آیتِ کریمہ سے اسلام میں سیاسی نظام کی اہمیت و عظمت واضح ہوتی ہے کہ عوام کو اجتماعی نفع و ضرر کے معاملات میں مرجع و معتمد اپنے اولوا الامر ہی کو بنانا چاہیے۔ بطورِ خود ایسی چیزوں کو عوام میں پھیلانا درست نہیں۔ اسی طرح اس آیتِ کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں اولوا الامر کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کے بارے میں ایسی سمجھ بوجھ رکھنے والے ہوں کہ پیش آنے والے حالات و معاملات میں صحیح فیصلہ کر سکیں اور شریعت و مصلحت کے تقاضوں کے مطابق صحیح قدم اٹھا سکیں۔ اور اسطرح افراتفری اور انارکی پھیلانے کا سد باب کیا جا سکے، تاکہ معاشرے کا امن و استقرار متاثر نہ ہونے پائے۔ والحمدُ للہ جَلَّ وعلا،

۲۰۴ **صحیح فکر و فہم والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں :-** سو اِلا قلیلا کے استثناء سے واضح فرما دیا گیا کہ صحیح فکر و فہم رکھنے والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم کی بناء پر، اپنی عقلِ سلیم اور اِصابتِ رائے کے سبب اس سے بچ جاتے۔ یہاں سے پھر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اکثریت ہمیشہ غلط کار لوگوں ہی کی ہوتی ہے۔ اچھے اور صحیح لوگ بہر حال تھوڑے ہوتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ لہٰذا عوام کالانعام کی اکثریت کا کسی کے حق میں یا اسکے خلاف ہونا حق و باطل اور صحیح و غلط کی تمیز اور ان دونوں کے درمیان فرق کیلئے معیار نہیں ہوسکتا۔ جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے نئے بت کے پجاریوں کا کہنا ماننا ہے۔ اور جس طرح کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے کہ فلاں بات چونکہ عوام میں رائج ہے اس لئے وہ درست ہے۔ سو ایسے نہیں بلکہ حق وہ ہے جو قرآن و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کی روشنی میں حق قرار پائے۔ اور باطل وہ ہے جو ان کی روشنی میں باطل ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہر کیف ﴿اِلَّا قَلِيْلًا﴾ کے اس استثناء سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچنے والے لوگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

تُكَلَّفُ اِلَّا نَفۡسَكَ وَحَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ

اپنی ذات کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں، اور ترغیب دیتے رہیں آپ ایمان والوں کو (جہاد فی سبیل اللہ کی،) بعید نہیں کہ اللہ

اَنۡ يَّكُفَّ بَاۡسَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاۡسًا وَّ

روک دے زور کافروں کا ۲۰۵ اور اللہ بڑا ہی سخت ہے لڑائی کے اعتبار سے بھی، اور

اَشَدُّ تَنۡكِيۡلًا ﴿۸۴﴾ مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ

وہ بڑا ہی سخت ہے سزا دینے کے لحاظ سے بھی ۲۰۶ جس نے کوئی سفارش کی اچھی سفارش تو اس کیلئے

نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ

حصہ ہوگا اس (کے اجر) میں سے ۲۰۷ اور جس نے کوئی بری سفارش کی تو اس کے لئے بوجھ ہوگا اس

لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾

(کے گناہ) میں سے ۲۰۸ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے، ۲۰۹

وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ

اور جب تمہیں کوئی سلام کرے ۲۱۰ کسی بھی لفظ سے، تو تم اس کا اس سے بہتر لفظوں میں جواب دیا کرو ۲۱۱ یا (کم از کم) وہی لفظ کہہ دیا کرو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر پورا پورا حساب رکھنے والا ہے، ۲۱۲ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی

النصف

۲۰۵ وعدۂ کرم و احسان بصورتِ امید و ترجّی :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بعید نہیں کہ اللہ روک دے زور کافروں کا۔ یعنی ایسا ہونا بعید نہیں۔ بلکہ ایسے ہو گا۔ کیونکہ کلامِ شاہی میں وعدے کا انداز ایسے ہی ہوتا ہے کہ وہاں "بعید نہیں" "ہو سکتا ہے" یا "شاید کہ" جیسے الفاظ وعدہ و تاکید کیلئے ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے محققین کا کہنا ہے کہ کلام اللہ میں "عسیٰ" اور "لعل" وغیرہ جیسے الفاظ تحقیق اور یقین ہی کے معنی میں ہوتے ہیں۔ اور یہ کلام تو بادشاہوں کے بادشاہ اور احکم الحاکمین کا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- پھر اسکے ان کلماتِ کریمہ کے وثوق اور ان کی تاکید کے کہنے ہی کیا؟ اس لیے اسکے کلامِ حق وصدق ترجمان میں استعمال فرمائے جانے والے ایسے کلمات یقین اور تاکید ہی کیلئے ہوتے ہیں۔ پس مومنِ صادق کا کام یہ ہے کہ وہ اسی کے یقین و اعتماد پر اور اسی کی نصرت و عنایت کے سہارے پر دشمنانِ حق سے جنگ کرے۔ اسی

میں اس کے لئے خیر اور بہتری ہوگی۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال

۲۰۶ اللہ کے عذاب ونکال کا حوالہ وذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی سخت ہے لڑائی کے اعتبار سے اور وہ بڑا ہی سخت ہے عبرت ناک سزا دینے کے اعتبار سے بھی۔ سو اللہ پاک کافروں کا زور یونہی روک سکتا ہے اس طور پر کہ وہ لوگ تمہارے مقابلے میں آ ہی نہ سکیں، یا ٹھہر ہی نہ سکیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ بدر کبریٰ میں کفارِ قریش کو فیصلہ کن اور ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا اور بدرِ صغریٰ میں وہ اپنے چیلنج اور اعلان کے باوجود سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ اور فتح مکہ کے موقع پر اپنے گھروں اور ٹھکانوں کے اندر رہنے کے باوجود وہ ہاتھ اٹھانے کی سکت بھی اپنے اندر نہ پا سکے۔ اور اس کے بعد جب بھی مسلمان نے سچے مسلمان کی طرح علمِ جہاد بلند کیا تو خدائے پاک کی تائید ونصرتِ غیبی نے اس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار کے شاندار کارناموں کے علاوہ، خود ہمارے اس دور میں جہادِ افغانستان کی تازہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ جس میں بے سروسامان اور نہتے مجاہدین نے اپنی ایمانی قوت کے بل بوتے پر، روس جیسی دورِ حاضر کی سب سے بڑی شیطانی قوت کو ذلیل کر کے اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اور نہ صرف یہ کہ اس کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا، بلکہ اس پر اپنی ایمانی قوت سے ایسی ضرب کاری لگائی کہ اس کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اور سابق سوویت یونین ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس طرح بکھر گئی کہ اب دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود ہی ہمیشہ کیلئے مٹ گیا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اسکے بعد مشرقی یورپ میں اس کے زیرِ اثر پائے جانے والے دوسرے کمیونسٹ ملک بھی ختم ہو گئے۔ اسی طرح فلسطینی مسلمانوں کی وہ تاریخی جدوجہد ہے جو انہوں نے ''انتفاضہ'' کے نام سے اپنے ایمان و یقین کے بل بوتے پر آج صیہونی طاقت کے خلاف برپا کر رکھی ہے، اور جس میں وہ اینٹوں پتھروں سے صیہونی فوجوں کی گولیوں اور جدید اسلحہ کا اس بے جگری اور پامردی سے ایسا مقابلہ کر رہے ہیں کہ اسرائیلی فوج اپنے جدید ترین ٹینکوں اور دیگر سامانِ حرب وضرب اور نت نئے مظالم کے باوجود ان کے مقابلے سے عاجز ہے اور وہ ان پر اب تک قابو نہیں پا سکی۔ حالانکہ ان نہتے مسلمانوں کی اس تحریک کو چلتے اب مسلسل کئی سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح مقبوضہ کشمیر میں نہتے مسلمان گزشتہ کوئی دس سالوں سے ہندوستان کی کم وبیش دس لاکھ مسلح فوج کا برابر مقابلہ کر رہے ہیں مگر ہر طرح کے ظلم وستم اور بربریت کے باوجود وہ ان کے جذبۂ حریت کو اب تک نہیں دبا سکے۔ اور انشاء اللہ کبھی نہیں دبا سکیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمانی قوت کے مقابلے میں دنیا کی تمام مادی قوتیں ہیچ ہیں۔ سو سچ فرمایا ہمارے رب نے کہ ''سربلند تم ہی ہوا ے مسلمانو! بشرطیکہ تم ایماندار ہو'' ﴿اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران:۱۳۹]

۲۰۷ اچھی سفارش اور اس کا اچھا پھل: ۔ یعنی کوئی ایسی سفارش جس سے کسی دوسرے صاحبِ حق کی جائز حدود کے اندر بھلائی مقصود ہو، اور وہ اس نے کسی دنیاوی غرض و لالچ کے بغیر محض رضائے الٰہی کے لئے کی ہو۔ سو ایسی شفاعتِ حسنہ (اچھی سفارش) کا اجر وثواب اسکو ملے گا اور اس نیکی میں وہ شریک وسہیم ہوگا۔ شفع کے اصل معنیٰ ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑنے اور نتھی کر دینے کے ہوتے ہیں۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے یہ لفظ کسی کی بات کی تائید وحمایت یا اس کے حق میں سفارش کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا۔ پھر آگے یہ سفارش اگر کسی مقصدِ حق کی تائید وتقویت کے لئے ہوگی تو ''شفاعتِ حسنہ'' یعنی اچھی سفارش کہلائیگی اور اگر اس سے مقصود کسی برے مقصد کی تائید وتقویت ہو تو یہ''

شفاعتِ سیئہ" یعنی بری سفارش ہوگی۔ اسی لئے یہاں پر ان دونوں قسم کی سفارشوں اور ان کے نتیجہ وثمرہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ جس نے کوئی اچھی سفارش کی تو وہ اسکے لئے اجر کا باعث بنے گی جبکہ بری سفارش اسکے لئے بوجھ ہوگی۔

۲۰۸ بری سفارش اور اس کا بوجھ:- یعنی برابر کا۔ کیونکہ "کفل" دراصل مساوی اور برابر کے بوجھ ہی کیلئے استعمال ہوتا ہے بخلاف نصیب کے۔ کہ وہ زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہاں پر اچھی سفارش "شفاعتِ حسنہ" کے بارے میں تو نصیب کا لفظ استعمال فرمایا گیا اور بری سفارش "شفاعتِ سیئہ" کے بارے میں "کفل" کا لفظ استعمال فرمایا گیا کہ برائی کا بدلہ اس کے مثل اور برابر ہی ملتا ہے، جبکہ نیکی کا صلہ و بدلہ اس سے کئی گنا زیادہ ملتا ہے، جیسا کہ دوسری مختلف نصوصِ کریمہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ) -فَسُبْحَانَهٗ مِنْ اِلٰهٍ عَظِيْمٍ وَّرَبٍّ غَفُوْرٍ كَرِيْمٍ مِنْ جَلَا لَهٗ شَانِهٖ وَدِقَّةِ وَعَظْمَةِ كَلَامِهٖ - جَلَّ وَعَلَا شَانُهٗ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ حق وصواب پر رکھے- آمین ثم آمین۔ بہرکیف اچھی سفارش یعنی "شفاعتِ حسنہ" چونکہ نیک مقصد کے لئے اور دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہوتی ہے اس لئے ایسے شخص کو اس کا اچھا بدلہ ملے گا اور وہ نیکی میں شریک ہوگا۔ جبکہ بری سفارش برے مقصد کے لئے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ہوتی ہے اس لئے ایسے شخص کو اس کا برا بدلہ ملے گا اور وہ اس برائی میں شریک وشامل ہوگا۔- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے- آمین ثم آمین۔

۲۰۹ "مُقیت" کا معنیٰ و مطلب؟:- "مقیت" اقاتہ سے ماخوذ ہے جسکے معنیٰ قدرت رکھنے کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ اصل میں قوت سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ قوت و طاقت کے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "اَقَاتَ عَلٰى اَمْرٍ - اَیْ - اِقْتَدَرَ عَلَيْهِ" یعنی وہ اس کام پر قادر ہوگیا، وراس نے اس پر قابو پالیا وغیرہ۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ نیز اسکے معنیٰ محافظ ونگہبان کے بھی آتے ہیں۔ سو وہ قادرِ مطلق دیکھتا ہے کہ کون کیا کرتا ہے اور کن حالات میں اور کس نیت وارادہ سے کرتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ ہر کسی کو اسکے اس اجر وثواب سے نوازتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ پر ذمہ داری صرف اپنی جان کی ہے۔ آپ جنگ کے لئے خود اٹھیں اور اہلِ ایمان کو اس کے لئے ابھاریں۔ جس کو توفیق ہوگی وہ اُٹھے گا۔ اور جو نہیں اُٹھے گا اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ اللہ کے کام دوسروں پر منحصر نہیں ہوتے۔ وہ خود بڑی قوت وقدرت والا ہے۔ وہ مخالفوں کو عبرتناک سزا دینے پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور آپ کے ان مخلص ساتھیوں کے اندر ہی ایسی قوت پیدا کر دیگا کہ اس سے کفر کا زور ٹوٹ جائے گا- سبحانہٗ وتعالیٰ- پس بھروسہ واعتماد ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہیے- وباللہ التوفیق۔

۲۱۰ تَحِیَّۃً کا معنیٰ ومطلب؟:- "تَحِیَّۃً"، "حیات" سے مشتق و ماخوذ ہے جسکے معنی زندگی کے ہیں۔ سو یہ لفظ اصل میں زندگی اور درازی عمر کی دعاء کے معنیٰ میں آتا ہے۔ عرب پہلے بھی کہتے تھے اور آج بھی کہتے ہیں "حَيَّاكَ اللّٰهُ"، "خدا تمہیں زندہ رکھے، لمبی عمر دے" لیکن بعد میں یہ لفظ مطلق سلام کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔ اسی لیے دینِ حنیف نے اس موقع پر "حیاک اللہ" کی بجائے "السلام علیکم" کی دعاء تعلیم وتلقین فرمائی جو کہ اس قدیم دعاء سے کہیں بڑھ کر اعلیٰ وارفع دعاء ہے۔ کیونکہ "حیاک اللہ" میں صرف زندگی کی دعاء ہے خواہ وہ زندگی کیسی ہی کیوں نہ ہو، جبکہ "السلام علیکم" میں اس سے بڑھ کر سلامتی کی دعاء ہے جو کہ زندگی اور اسکے جملہ متعلقات کو عام اور شامل ہے۔ یعنی تمہیں ہر طرح

کی سلامتی نصیب ہو۔ جان کی سلامتی، ایمان کی سلامتی، مال و متاع کی سلامتی اور عزت و آبرو کی سلامتی وغیرہ وغیرہ۔ سو دینِ اسلام کے کسی بھی حکم و ارشاد کا کوئی متبادل نہیں ہو سکتا۔ فالحمدللہ۔ سو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کے کلمہء تحیہ کو اسلام کے ایک خاص شعار کی حیثیت حاصل ہو گی اور یہ کلمہ گویا مومن اور کافر کے درمیان ایک علامتِ فارقہ بن گیا۔ جب کہ ایک شخص نے دوسرے کو "السلام علیکم" کہہ دیا اور اس نے "وعلیکم السلام" سے اس کا جواب دے دیا تو ان دونوں کے درمیان من وتو کا فرق مٹ گیا اور وہ دونوں گویا یک قلب اور دو قالب کا مصداق بن گئے۔ اور اگر اس نے جواب نہ دیا تو اس کا معنیٰ صرف یہی نہیں کہ اس نے اس کا سلام قبول نہیں کیا بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اس نے اسکے اسلام کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ اس طرح وہ دونوں آپس میں الگ اور ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۲۱۱ سلام کا بہتر جواب دینے کی تعلیم و تلقین: ۔ یعنی تم دوسرے کے سلام کا جواب بہتر لفظوں سے دیا کرو۔ مثلاً اس نے کہا "السلام علیکم" تو آپ اسکے جواب میں "وَرَحْمَةُ اللّٰہِ" کا اضافہ کر دیں۔ اور اگر اس نے "ورحمۃ اللہ" بھی کہہ دیا تو آپ اسکے جواب میں "وبرکاتہ" کا اضافہ کریں۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہے۔ مثلاً حدیثِ عمران بن حصینؓ فی مسند امام احمد ج ۴ ص ۴۳۹، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب کیف السلام، سنن ترمذی، کتاب الاستئذان والآداب، باب ماذکر فی فضل السلام وغیرہ (محاسن التاویل، معارف القرآن وغیرہ)۔ راقم آثم نے عرصہ قبل اس موضوع پر "اسلام اور سلام" کے نام سے ایک مستقل رسالہ ترتیب دیا تھا، جبکہ راقم آثم دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری آزاد کشمیر میں مدرس تھا، لیکن افسوس کہ وہ اب تک طبع ہو کر منظر عام پر نہیں آ سکا۔ فَاللّٰہُ نَسْأَلُ التَّوْفِیْقَ وَالسَّدَادَ وَالْقُبُوْلَ۔ بہرکیف اہلِ ایمان سے مطلوب ہے کہ وہ دوسروں کے سلام کا جواب بہتر لفظوں سے دیں کہ یہی تقاضا ہے مکارمِ اخلاق اور محاسنِ آداب کا۔ وباللہ التوفیق

بہرکیف اسلام کے کلمہء تحیہ کی چونکہ دینِ حنیف کے اندر ایک خاص اہمیت اور عظمتِ شان ہے اسی بناء پر مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی گئی کہ جب تمہیں کوئی شخص تحیہ و سلام سے مخاطب کرے تو اس کا اسلامی اور معاشرتی حق یہ ہے کہ تم اس کو اس کے سلام و تحیہ کا بہتر جواب دو۔ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ کو اس کی طرف لوٹا دو۔

۲۱۲ اللہ تعالیٰ کے محاسبے کی تذکیر و یاددہانی: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہر چیز کا پورا حساب رکھنے والا ہے تاکہ روزِ جزاء تم کو تمہارے کئے کرائے کا پورا پورا بدلہ دے۔ اس لئے تم ہمیشہ یہ دیکھو اور اسی کو پیش نظر رکھو کہ تم نے وہاں کیلئے کیا جمع کیا ہے۔ اور سلام کا جواب بہتر انداز میں دیا کرو تاکہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما سکو اور اس کا اجر پا سکو اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کرو کہ ہمارا معاملہ اپنے اس رب ذوالجلال کے ساتھ صحیح اور درست رہے، جسکے حضور حاضر ہو کر ہم نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا اور پھل پانا ہے۔ اسکی رضاء و خوشنودی نصیب ہو جائے تو سب کام بن گیا۔ وباللہ التوفیق۔ الغرض یہ سلام اور اس کا جواب کوئی رسمی نوعیت کی چیز نہیں بلکہ یہ اسلامی معاشرے میں فصل و وصل کی ایک اہم بنیاد ہے۔ اسی لئے قرآنِ حکیم نے اس کو یہاں پر اس اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے اور قیامت کے روز ہر کسی نے اس کے حضور پہنچ کر اپنے کئے کرائے کی جواب دہی کرنی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کا بھی کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔

إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ

بندگی کے لائق نہیں، وہ ضرور جمع کرلائے گا تم سب لوگوں کو قیامت کے اس دن میں، جس میں کوئی شک نہیں، ۲۱۳

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ ع فَمَا لَكُمْ فِي ع ۱۱ ۸

اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ ف۲۱۴ پھر تمہیں کیا ہوگیا (اے مسلمانو!)

الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۚ

کہ تم ان منافقوں ف۲۱۵ کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو؟ ف۲۱۶ حالانکہ اللہ نے ان کو اوندھا کردیا ان کے اپنے کرتوتوں کے باعث ف۲۱۷

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ

کیا تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ تم ان کو ہدایت دو جن کو اللہ نے گمراہی میں ڈال دیا ہے؟ ف۲۱۸ اور (امر واقع یہ ہے کہ) جس کو

اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ

اللہ گمراہ کردے اسکے لئے تم کوئی راستہ نہ پاسکو گے، ف۲۱۹ اور (ان کا راہ پر آنا تو درکنار وہ تو الٹا) یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی

كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ

انہی کی طرح کافر ہوجاؤ تاکہ پھر تم سب ایک برابر ہوجاؤ، ف۲۲۰ پس تم ان میں سے کسی کو بھی اپنا

۲۱۳ قیامت کی قطعیت کا ذکر و بیان: ۔سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ قیامت کے بارے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ نہ اس قیامت کے قیام و وقوع میں، اور نہ اس میں برپا ہونے والے اس حشر و اجتماع میں۔ سو اس میں کسی بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح دونوں اسکے اِمکان اور وقوع پر متفق ہیں۔ پس جو کوئی اس میں شک کرتا ہے، یا اس کا انکار کرتا ہے، تو وہ اس کے اپنے دماغ کی خرابی اور قسمت کی مار ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔اور قیامت کا دن ایسا دن ہے کہ اسکے بغیر عدل و انصاف کے تقاضوں کا پورا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس لیے اس دن کا آنا ایک طبعی اور لازمی امر ہے۔ سو فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے اس دن تم سب کو جمع کر کے لائے گا۔ تاکہ تم اپنے کئے کرائے کا بدلہ پاسکو۔ اس لئے اس دن کو ہمیشہ یاد رکھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔

۲۱۴ اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کسی کی نہیں ہوسکتی: ۔سو استفہام یہاں پر انکاری ہے۔ یعنی اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کسی کی بھی نہیں ہوسکتی۔ کہ وہ بہر طور سچا اور ہر سچ اور سچے کا خالق و مالک ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس جب اس نے قیامِ قیامت کی خبر دے دی تو پھر اس میں کسی شک وشبہ کی کیا گنجائش باقی رہ سکتی ہے؟ سو قیامت نے بہرحال واقع

ہوکر رہنا ہے تاکہ عدل وانصاف کے تقاضے اپنی آخری اور کامل شکل میں پورے ہوسکیں جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے اِرشاد فرمایا گیا اور تاکیدی کلمات کے ساتھ اِرشاد فرمایا گیا کہ قیامت نے بہرحال اور قطعی طور پر آکر رہنا ہے تاکہ ہر کسی کو اس کی سعی اور کوشش کا بھرپور بدلہ مل سکے۔ اِرشاد ہوتا ہے ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى﴾ [طٰہٰ:۱۵] تو پھر اس کے بارے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش کس طرح باقی رہ سکتی ہے۔ پس اس یومِ عظیم کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید،

۲۱۵ منافقوں کے ایک گروہ کے کفر ونفاق کا اعلان واظہار: ۔ سو مسلمانوں کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو جن کا کفر ونفاق دلائل وقرائن سے ثابت اور واضح ہو گیا ہے۔ اور جو ایمان لانے کی بجائے الٹا یہ چاہتے ہیں کہ تم کو بھی نورِ ایمان ویقین سے محروم کرکے راہِ حق وہدایت سے پھیر دیں۔ اور اس طرح تم بھی ہلاکت وتباہی کی اسی راہ پر چلو جس پر یہ چل رہے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ استفہام یہاں پر تنبیہ وتوبیخ کے لئے ہے۔ یعنی تم کو اے ایمان والو کیا ہو گیا ہے کہ تم ان منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ رہے ہو۔ ایک ان کی حمایت اور ان کا دفاع کرتا ہے اور دوسرا ان کا دشمن ہے (محاسن التاویل وغیرہ)۔

۲۱۶ منافقوں کے ایک گروہ سے متعلق اختلاف کا ذکر: ۔ سو اس سے منافقوں کے ایک گروہ کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ایک گروہ ان کی حمایت کرتا اور انہیں مسلمانوں کی طرح سمجھتا ہے، اور دوسرا اس کے برعکس ہے، جیسا کہ مختلف روایات میں منافقین کے مختلف گروہوں کے بارے میں وارد ہے، چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ اس اِرشاد کا تعلق عبداللہ بن ابی اور اسکے گروپ سے ہے جو کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر دھوکہ دے کر راستے سے واپس آگئے تھے۔ اور بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ گئے تھے اور کہا تھا کہ ہم ہجرت کرکے آئے ہیں، لیکن کچھ دنوں کے بعد انہوں نے آب وہوا کی ناموافقت کا بہانہ بنا کر واپسی کی اجازت مانگی اور مکہ واپس پہنچ کر وہ لوگ مشرکوں سے مل گئے۔ اور حضورؐ کو خط لکھا کہ ہم آپ کے دین پر اور آپ کے ساتھ ہیں۔ تو ان کے بارے میں اہلِ ایمان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور بعض نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا جو بغیر کسی معقول عذر کے محض اپنے رشتوں اور قرابتوں کی بناء پر مدینہ کی طرف ہجرت سے گریزاں تھے۔ سو ایسے منافقین کے بارے میں اختلاف میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ یہ لوگ بہرحال منافق ہیں۔ والعیاذ باللہ جل وعلا۔

۲۱۷ بدکرداری کی ایک نقد سزا، حق سے محرومی۔ والعیاذ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو اوندھا کر دیا گیا ان کے اپنے کرتوتوں کے باعث جس کے نتیجے میں یہ لوگ راہِ حق وصواب سے بھٹک گئے اور ایمان ویقین کی فرحت بخش اور حیات آفریں لذت وحلاوت سے محروم ہو گئے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو انسان کو اسکی بدعملیوں خاص کر اسکے خبثِ باطن کی ایک سزا یہ ملتی ہے کہ اسکی مت ماردی جاتی ہے اور وہ نورِ حق سے محروم ہو کر اوندھا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ "رکس" کے معنیٰ الٹنے اور پلٹ دینے کے ہیں "اَرْكَسَه" کے معنیٰ ہوتے ہیں اس کو اوندھا اور الٹا کر دیا۔ سو اِرشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے جب اسلام کی طرف قدم بڑھانے کے بعد اپنا قدم پیچھے ہٹا لیا تو اس کے نتیجے میں ان کو اس کفر میں دھکیل دیا گیا جس سے یہ نکلے تھے۔ سو ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی لعنت کی زد میں آچکے ہوں ان کو

راہِ راست پر لانا کسی کے بس اور اختیار میں نہیں۔ اب یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آسکتے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۱۸ بد باطنی کا نتیجہ وانجام محرومی، والعیاذ باللہ: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جس کو اللہ گمراہ کردے اسکو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ ان کو راہ راست پر لانا چاہتے ہو جس کو اللہ نے گمراہ کردیا؟ ان کی اپنی بد باطنی کی بنا پر۔ استفہام انکاری ہے، یعنی ایسے نہیں ہوسکتا کہ جس کو اللہ گمراہی میں ڈال دے تم اس کو راہِ راست پر لاسکو۔ سو جس کو اللہ گمراہی کے گڑھے میں ڈال دے اسکو راہِ راست پر لانا کسی کے بس میں نہیں ہوسکتا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسے لوگوں کے بارے فرمایا گیا کہ ایسوں کو راہِ راست نہیں مل سکتی۔ کوئی لاکھ چاہے ایسوں کو راہِ راست ملنا ممکن نہیں۔ اور ہدایت پر آنا تو کجا ان لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ یہ تم لوگوں کو بھی اسی کفر میں لے جانا چاہتے ہیں جس کے اندر شروع میں یہ خود ڈوبے ہوئے ہیں۔ پس جب تک یہ لوگ ہجرت نہ کریں اس وقت تک تم ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ یہ ہجرت ہی ان کے ایمان کے لئے کسوٹی ہے۔ اگر یہ اس سے گریز کرتے ہیں پھر تم ان کو دشمن اور دشمنوں کا ساتھی سمجھو اور ان کو جہاں پاؤ گرفتار اور قتل کرو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۲۱۹ ہدایت وضلالت کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے: - پس جس کو اللہ گمراہ کردے اس کیلئے کوئی راستہ ممکن نہیں سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ گمراہ کردے اس کے اپنے سوء اختیار اور خبثِ باطن کی بناء پر تو تم اس کے لیے کوئی راستہ نہ پاسکو گے۔ کوئی ایسا راستہ جو اسے حق اور ہدایت کی طرف لے جاسکے، کہ ہدایت تو بہر حال اللہ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ اور اس کی طرف سے ان لوگوں کو محروم کردیا گیا۔ ان کے اپنے سوءِ اختیار اور بدنیتی کی بنا پر۔ سو ایسے لوگوں کو مومن سمجھنا اور مومن کہنا درست نہیں۔ اور نہ ہی ان کے بارے میں حسنِ ظن کی گنجائش ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کہ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی زد میں آئے ہوئے ہوتے ہیں جس کے مطابق ایسوں کے لئے حق وہدایت کی کوئی راہ ممکن نہیں رہتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو اس سے یہ امر پھر واضح ہوجاتا ہے کہ ہدایت وغوایت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت واختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت سے نوازے اور جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے۔ کیونکہ ہدایت وغوایت کا اصل تعلق انسان کے اپنے قلب وباطن سے ہے کہ اس کا دار ومدار انسان کی طلب صادق پر ہے اور اس کو اللہ ہی جانتا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ -

۲۲۰ کافروں کی ایک خاص خواہش کا ذکر وبیان: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ کافروں کی خواہش یہ ہے کہ تم بھی ایمان سے محروم ہوجاؤ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ الٹا چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر میں مبتلا ہوجاؤ۔ جسکے نتیجے میں تم سب ایک برابر ہوجاؤ، سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ تو الٹا یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر میں مبتلا ہوجاؤ جس کے نتیجے میں تم سب ایک برابر ہوجاؤ۔ جس طرح کہ یہ لوگ نورِ ایمان سے محروم ہیں اسی طرح تم بھی ہوجاؤ اور اس طرح تم سب ایک برابر ہوجاؤ، کفر وضلال میں۔ اور اس کے نتیجے میں تم بھی اسی انجام سے دوچار ہوجاؤ جو ان کے لئے مقدر ہوچکا ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسوں کے ساتھ تمہاری دوستی اور تعلق کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ تمہاری متاعِ دین وایمان کے دشمن ہیں۔ پس ایسوں کو تم اپنا دشمن ہی سمجھو اور ان سے دشمنوں ہی کا معاملہ کرو۔ اور ان کے شر سے بچنے کی فکر وکوشش میں رہا کرو - وباللہ التوفیق -

أَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا

دوست نہیں بنانا، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں ۲۲۱ پھر اگر وہ (راہِ حق سے) منہ موڑے ہی رہیں

فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا

تو تم انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی تم انہیں پاؤ، ۲۲۲ اور ان میں

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

سے کسی کو بھی تم نہ دوست بناؤ نہ مددگار ٹھہراؤ، ۲۲۳ بجز ان لوگوں کے کہ

يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ

جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے ۲۲۴ یا (جب کہ) وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں

حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

کہ ان کے دل سکڑے جا رہے ہوں اس سے، کہ وہ (کسی سے بھی) لڑیں، تم سے یا اپنی قوم سے ۲۲۵ (پس ان دونوں

قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ

صورتوں میں ان کو پکڑنا یا قتل کرنا درست نہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا تو وہ ضرور تم سے لڑتے، ۲۲۶

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ

پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہتے ہیں، اور تم سے لڑتے نہیں، اور تمہاری طرف صلح کا

السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

پیغام ڈالتے ہیں، تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر (دست درازی کے لئے) کوئی راہ نہیں رکھی، ۲۲۷

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ

تم کچھ اور ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ (دھوکہ دہی کے ذریعے) وہ تم سے بھی امن میں رہیں، اور

۲۲۱ ابتدائے اسلام میں ہجرت کی فرضیت کا ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہیں بنانا یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں۔ اور اس طرح وہ اپنے ایمان کا ثبوت پیش کریں۔ ابتدائے اسلام میں ایمان کی تکمیل کیلئے ہجرت بھی لازم اور فرض تھی۔ اس کے بغیر ایمان معتبر نہیں تھا، جیسا کہ یہاں اِرشاد فرمایا جا رہا ہے (معارف وغیرہ)۔ بہر کیف اس سے یہ درس ملتا ہے کہ جہاں انسان کا دین وایمان محفوظ نہ ہو وہاں سے وہ ہجرت کر جائے۔ سو ان لوگوں کے لئے ہجرت بطورِ خاص ایک کسوٹی تھی۔ پس اگر یہ لوگ خاندانی اور نسلی رشتوں کو ترک کر کے اپنے دین وایمان کی خاطر اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں تو یہ ان کے صدق وصفا کا ثبوت ہوگا ورنہ ان کے دین وایمان کے دعوے محض زبانی کلامی جمع خرچ ہے جس کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ قیمت۔ سو ایسوں سے بچ کر رہنا - وباللہ التوفیق۔

۲۲۲ حکمِ حق کے منکروں کے لیے قتل کا حکم:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ حکم حق کے منکروں اور وطن کو دین پر ترجیح دینے والوں کے لیے قتل کرنے کا حکم ہے۔ یعنی اگر یہ لوگ اس کے باوجود اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے، اور اپنے وطن کو دین پر ترجیح دیتے ہیں تو تم ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی ان کو پاؤ۔ یعنی حل میں یا حرم میں جہاں بھی پاؤ۔ کہ ان کا قتل ہر جگہ مباح ہے (معارف القرآن از کاندھلویؒ، تفسیر المراغی وغیرہ)۔ سو دینِ حق کی عظمت واہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دوسرے تمام رشتوں اور تعلقات سے اعلیٰ وبالا اور سب پر فائق اور سب سے مقدم ہو۔ دوسرے ہر رشتہ وتعلق کو اس کے لئے قربان کیا جا سکے، مگر متاعِ دین وایمان پر کوئی آنچ نہ آنے دی جائے کہ ایمان ویقین کی دولت اصل وحقیقی اور سب سے بڑی دولت ہے اور اس پر دارین کی سعادت وسرخروئی موقوف ہے۔ اصل حفاظت اسی کی چاہئے۔

۲۲۳ دشمنوں میں سے کسی کو بھی دوست بنانے کی ممانعت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان میں سے کسی کو بھی اپنا دوست اور مددگار نہ ٹھہراؤ کہ یہ تمہارے دشمن ہیں۔ پس تم لوگ ان سے نہ کسی خیر کی توقع رکھو، اور نہ ان سے کسی طرح کی کوئی مدد مانگو، کہ جب وہ تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن ہیں تو پھر ان سے کسی خیر کی کوئی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ تمہارے ہمدرد اور خیر خواہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو تمہارے دین وایمان میں تمہارے شریک ہوں۔ اور دین وایمان کا رشتہ ہی سب سے بڑا اور سب سے مقدم رشتہ ہے۔ پس اصل فکر وکوشش اسی کی ہونی چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔ بہر کیف اس سے صاف اور صریح طور پر دشمنوں میں سے کسی کو بھی اپنا دوست بنانے اور مددگار ٹھہرانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بِکُلِّ حالٍ من الاحوال،

۲۲۴ معاہدہ کی پابندی کی تعلیم وتلقین:۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جن سے کوئی معاہدہ ہو، ان کیخلاف کوئی عہد شکنی جائز نہیں۔ پس جن لوگوں سے عہد وپیمان ہو ان کو نہ قتل کرنا جائز ہے، نہ قید کرنا، کیونکہ یہ تمہارے ہم عہدوں کی پناہ میں آگئے۔ اور حلیف کا حلیف بھی ایک درجے میں حلیف ہی ہوتا ہے۔ سو اس طرح یہ بھی بالواسطہ طور پر تمہارے عہد میں آگئے۔ پس اس صورت میں ان کا قتل بھی عہد شکنی کے زمرے میں آئیگا، جو کہ تمہارے دین میں ممنوع اور تمہاری شان کیخلاف ہے۔ پس تم عہد شکنی کی ہر ایسی صورت سے بچو، (معارف ومحاسن وغیرہ)۔ بہر کیف یہاں سے ان لوگوں کو بیان فرمایا گیا ہے جو اخذ وقتل کے مذکورہ حکم سے مستثنیٰ ہیں اور یہ دو قسم کے لوگ ہیں جیسا کہ

واضح ہے۔ پس ایسے لوگوں کے درپئے آزار ہونا جائز نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

۲۲۵ غیر جانبدار رہنے والوں کا قتل جائز نہیں:- سو اس سے یہ امر بھی واضح فرما دیا گیا کہ ایسے غیر جانبدار لوگوں کا قتل بھی جائز نہیں جو نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں، اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں، بلکہ بالکل غیر جانبدار رہیں۔ تو ایسوں کا قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ ان سے تمہیں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں (المعارف) -فَهُمْ لَيْسُوْا مَعَكُمْ وَلَا عَلَيْكُمْ - (صفوة التفاسير) یعنی "وہ نہ تمہارے حمایتی ہیں اور نہ تمہارے خلاف" تو پھر تمہارے لیے ان سے لڑنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ انہوں نے نہ تمہارے خلاف کسی طرح کے ظلم و تعدی کا ارتکاب کیا اور نہ ہی کسی طرح کی کسی عہد شکنی کا۔ سو یہ دینِ حنیف کا ارشاد اور تعلیم فرمودہ ایک مستقل ضابطہ و اصول ہے کہ نہ تم کسی پر کوئی ظلم و زیادتی کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم و زیادتی کرے ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ نَّظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ وَ اَنْ نَّجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔

۲۲۶ اللہ کے ایک احسان کی یاددہانی اور اسکی قدردانی کی تلقین:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو ان لوگوں کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے ضرور لڑتے۔ اور اس طرح یہ تمہارے لئے اور مشکلات پیدا کر دیتے۔ پس جب ایسے نہیں ہوا تو تم لوگ اس کو اپنے اوپر اللہ پاک کا احسان اور کرم سمجھو کہ اس نے قوت و طاقت کے باوجود ان لوگوں کے دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ کر دیئے، اور تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں ڈال دی۔ پس تم ان سے کوئی تعرض نہ کرنا (روح، بحر، معارف، صفوۃ، وغیرہ)۔ سو ایسے لوگ جب اپنی کمزوری اور پست ہمتی کی بناء پر مسلمانوں کے پاس اپنی غیر جانبداری کی درخواست لے کر آئیں تو ان کی غیر جانبداری کے اس رویئے کو بھی غنیمت سمجھا جائے اور ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ ورنہ اللہ اگر ان کو جرات اور ہمت دے دیتا اور یہ کھلم کھلا دشمن بن کر تمہارے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تو تم کیا کرتے۔ تو ایسے میں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی قدر کرتے ہوئے تم ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو جب تک کہ یہ اپنے اس صلح جو یانہ رویئے پر قائم رہیں۔ اور یہی تقاضا ہے اس دینِ حنیف کا جو کہ امن و سلامتی کا دین ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید وھو الہادی الی سواء السبیل۔ سبحانہٗ تعالیٰ

۲۲۷ صلح پسند لوگوں سے صلح صفائی ہی کا معاملہ کرنے کی ہدایت:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ لڑنا اور جنگ کرنا تمہارے لیے جائز نہیں۔ پس نہ تمہارے لئے ان سے لڑنا جائز، اور نہ ہی قتل اور قید کرنا جائز، جب تک کہ یہ اپنی اس صلح صفائی کی روش پر قائم رہیں۔ کیونکہ انہوں نے نہ تمہارے خلاف جنگ کی اور نہ ہی کسی طرح کی عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ تو ان کے خلاف کسی بھی طرح کا کوئی تعرض کیسے روا ہو سکتا ہے۔ پس صلح پسند لوگوں سے تم کو بھی صلح صفائی ہی کا معاملہ کرنا چاہیئے۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ اور پاکیزہ تعلیمات ہیں اس کتابِ حکیم کی، جو عقل و فطرت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق اور امن و سلامتی کی امین و پاسدار، اور دارین کی سعادت و سرخروئی کی ضامن و کفیل ہیں۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ پس جب تک ایسے لوگ تم سے تعرض کرنے سے باز رہیں، تم بھی ان کے خلاف کسی قسم کے اقدام سے باز رہو۔ سو کتنے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس دین کے حاملین کو دہشت گرد قرار دیتے ہیں؟ -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔

بِاَمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا

اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں، ۲۲۸ لیکن جب کبھی وہ فتنہ انگیزی کی شہ پاتے ہیں، ۲۲۹ تو اس میں اوندھے

فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ

جا گرتے ہیں (اور فتنہ انگیزی میں کود پڑتے ہیں) ۲۳۰ پس ایسے لوگ اگر تم سے باز نہ رہیں، اور تمہارے آگے صلح (کی گردن) نہ ڈالیں،

۲۲۸ ذوالوجہین منافقوں کے ایک گروہ کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم کچھ اور ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔ اس لئے ایسے لوگ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو اپنے ایمان کا دعوٰی کرتے ہیں، اور اہلِ کفر سے ملتے ہیں تو ان کے سامنے اپنے کفر کا اظہار کرتے ہیں، جیسا کہ بنو اسد اور بنو غطفان کا طریقہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ جاتے تو مسلمان بن کر وہاں کے مسلمانوں سے معاہدے کر لیتے، تاکہ ان سے امن میں رہیں، اور واپس مکہ مکرمہ آتے تو وہاں کے مشرکین سے مل جاتے۔ اور وہ سب عہود و مواثیق توڑ ڈالتے جو انہوں نے اہلِ مدینہ سے کئے تھے۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، وغیرہ)۔ اور اس طرح کے ذوالوجہین منافقین کی جنس ہمیشہ رہی ہے، اور آج ہمارے اس دور میں بھی ایسے ابن الوقت، مفاد پرستوں کی کمی نہیں، جو دنیاوی مفادات کے لئے اپنے ایمان وضمیر کا سودا جا بجا کرتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۲۲۹ منافقوں کے ایک شر انگیز گروہ کی نشاندہی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کو جب کسی فتنہ انگیزی کا موقع ملتا ہے تو یہ اس میں اوندھے ہو کر جا گرتے ہیں جس سے یہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- سو ایسے لوگ جونہی کفار ومشرکین کی طرف سے کسی فتنہ وشر انگیزی کی شہ پاتے ہیں ان کے تیور بدل جاتے ہیں۔ یہ کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کی ضرر رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر المراغی وغیرہ) -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ- یہ انہی جھوٹے غیر جانبداروں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے جو اپنے ایسے جھوٹے دعووں سے اپنے آپ کو مسلمانوں کے خطرے سے بھی محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم کے اندر شامل رہ کر ان سے بھی مامون رہنا چاہتے ہیں۔ اور مفاد پرستوں اور ابن الوقتوں کا حال ہمیشہ یہی رہا ہے۔ ان کی تمام وابستگیوں اور لاتعلقیوں کا مدار وانحصار ان کے اپنے مادی فوائد ومنافع کے تابع ہوتا ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ جس کے نمونے جگہ جگہ پائے جاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ-

۲۳۰ دشمن اور اس کی موقع پرستی سے بچنے کی فکر وکوشش:- سو ایسے موقع پرست دشمن جونہی موقع پاتے ہیں اپنی دشمنی میں اندھے ہو جاتے ہیں اور اپنے دین وایمان کے سب دعوے یہ لوگ یکدم پھینک دیتے ہیں۔ پس یہ بدترین لوگ ہیں۔ ان کے شرور وفتن سے بچ کر رہنا اے مسلمانو! مجاہد کہتے ہیں کہ یہ ان منافقوں اور دشمنوں کا ایک ایسا گروہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو ریاکاری سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے۔ اور جب قریش کے پاس واپس ہوتے تو اوندھے ہو کر بتوں کی پوجا میں لگ جاتے۔ اور اس طرح یہ لوگ ادھر ادھر دونوں طرف امن وامان سے رہتے۔ سو ان کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اگر یہ لوگ باز نہیں آتے اور اپنی اصلاح نہیں کرتے تو انکو جہاں پاؤ پکڑو اور قتل کرو۔ (المراغی، ابنِ کثیر وغیرہ)

وَيَكُفُّوٓا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

اور (تم سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں، تو تم انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی

ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا

انہیں پاؤ، ۲۳۱ کہ ایسے لوگوں کے خلاف (کارروائی کے لئے) ہم نے تمہیں کھلی سند دے

ع ۱۲ ۹ مُّبِينًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا

دی ہے، ۲۳۲ اور کسی مومن کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ قتل کرے کسی مومن کو، ۲۳۳ مگر

خَطَأً ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے، ۲۳۴ اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو اس کے ذمے ہے آزاد کرنا ایک ایماندار

مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن

گردن کا، ۲۳۵ اور خون بہا بھی، جو کہ حوالے کرنا ہوگا اس (مقتول) کے وارثوں کو، ۲۳۶ الا یہ کہ

يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ

وہ اس کو معاف کردیں اپنی خوشی سے ۲۳۷ لیکن اگر وہ (مسلمان مقتول) کسی ایسی قوم سے ہو جو کہ تمہاری دشمن (اور تم سے برسرپیکار) ہو،

۲۳۱ **عہد شکن دشمنوں کو جہاں پاؤ قتل کرو:-** حل میں یا حرم میں۔ اپنے علاقے میں یا اُن کے علاقے میں۔ (محاسن التاویل) کہ یہ بدترین لوگ ہیں۔ ان کا کفر و نفاق کھل کر سامنے آ گیا ہے، اور ان کی اسلام اور مسلمان دشمنی بھی آشکار ہوگئی ہے۔ اور تجربہ نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا اور کوئی علاج نہیں سوائے اسکے کہ انکو قتل کر کے زمین کو ان کے شر و فساد سے پاک کیا جائے۔ البتہ اگر یہ لوگ اپنی اس روشِ کفر و بغاوت سے باز آ جائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنے سے باز آ جائیں۔ ان سے اپنے ہاتھ روک لیں اور ان کے ساتھ امن و آشتی اور صلح و صفائی کریں تو پھر ان سے لڑنا جائز نہیں، جیسا کہ اس ارشادِ ربانی میں وارد شدہ ہدایت و ارشاد کا تقاضا ہے اور جیسا کہ امام رازی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسکی تصریح فرمائی ہے۔ (کبیر و مراغی وغیرہ) وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۲۳۲ **زیادتی کرنے والے کافروں کیخلاف کارروائی کیلئے کھلی سند:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگوں کے خلاف [کارروائی کے لیے] ہم نے تمہیں کھلی سند دے دی ہے۔ ان کے اپنے کفر و نفاق اور بددیانتی و عہد شکنی کی بناء پر۔ لیکن اگر یہ اپنی اس باغیانہ روش سے باز آ جائیں اور اصلاح کر لیں تو پھر ان کیخلاف کارروائی کرنا جائز نہیں، جیسا

کہ اوپر والے حاشیے میں گزرا اور جیسا کہ دینِ حنیف کا عام ضابطہ واصول ہے کہ عدوان وزیادتی ظالموں ہی پر ہوسکتی ہے ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [البقرہ:۹۳] لیکن اگر یہ لوگ اپنی روش سے باز نہ آئیں۔ اپنے طور طریقوں کی اصلاح نہ کریں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو تم ان کو جہاں پاؤ قید اور قتل کرو۔ ان کو قید اور قتل کرنے کے لئے اللہ نے تم کو ان کے خلاف کھلی سند دے دی ہے۔ سو اب یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

۲۳۳ قتلِ مومن کسی مومن کا کام نہیں ہوسکتا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کسی مومن کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے کہ ایمان کے باعث اس کا جان و مال محفوظ ہو گیا۔ اور اس قدر محفوظ کہ اس پر دست درازی کرنا ایک نہایت سنگین جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ جیسا کہ بہت سی صحیح احادیث میں وارد ہے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ کی روایت میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، مگر تین میں سے کسی ایک وجہ سے۔ کہ یا اس نے کسی کو قتل کیا ہو تو اس کے بدلے میں اسکو مارا جائے۔ یا اس نے اِحصان کے بعد زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ یا وہ اسلام سے پھر گیا ہو۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ زمین و آسمان کی ساری کائنات کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے خون سے زیادہ ہلکا ہے "لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ" (ترمذی، کتاب الدیات)۔ اور ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ زمین و آسمان کے سب لوگ بھی اگر ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دے گا۔ (ترمذی، کتاب الدیات)۔ اللہ اللہ! کہاں یہ وعیدیں اور خونِ مومن کی یہ عظمت و حرمت اور رفعت شان؟ اور کہاں اسکی یہ ارزانی جسکے مظاہر آج ہم یہاں اور وہاں ادھر اور ادھر جگہ جگہ اور طرح طرح سے اپنی انکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جسکو دیکھ دیکھ اور سن سن کر اپنے دلِ دردمند سے گویا خون رسنے لگتا ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف خونِ مسلم کی دینِ حنیف میں بہت بڑی عظمت و حرمت ہے۔ یہاں تک کہ دینِ حنیف نے ناحق طور پر ایک جان کے قتل کو سب لوگوں کے قتل کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس کے برعکس ایک شخص کی جان کی حفاظت اور اس کے بچاؤ کو تمام لوگوں کی جان بخشی اور ان کی حفاظت کے برابر قرار دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ الآیۃ [المائدۃ:۳۲] سو قتلِ مسلم کا جرم بہت سنگین اور نہایت ہولناک جرم ہے۔ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہوسکتا کہ وہ قتلِ مسلم کے اس انتہائی سنگین اور نہایت ہولناک جرم کا ارتکاب کرے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنے حفظ و امان میں رکھے، امین ثم امین

۲۳۴ قتلِ خطاء کے حکم کا ذکر و بیان:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ مومن کی یہ شان اور اس کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ سو اس پر اللہ تعالیٰ کے یہاں پکڑ نہیں ہوگی کہ اس میں قاتل کا قصد و ارادہ شامل نہیں۔ اور اسی پر ہر معاملے کا مدار و انحصار ہے۔ یعنی کسی فعل کا جرم ہونا قصد و ارادہ ہی پر موقوف ہے۔ البتہ قتلِ خطاء میں چونکہ فی الجملہ تقصیر و کوتاہی پائی جاتی ہے اس لیے اس پر کفارہ واجب فرمایا گیا ہے تاکہ خونِ مسلم کی حرمت برقرار رہ سکے۔ بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو

قتل کرے۔ ہاں اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو یہ دوسری بات ہے لیکن غلطی کی صورت میں بھی یہ بات لازم ہے کہ جس سے یہ فعل سرزد ہو وہ ایک مؤمن غلام آزاد کرے۔ اور مقتول کے وارثوں کو "خون بہا" ادا کرے۔ اِلّا یہ کہ مقتول کے وارث اس خونبہا کو اپنی خوشی سے معاف کر دیں۔ کہ ان کو اس کا حق ہے،

۲۳۵ **کفارۂ قتل میں رقبۂ مومنہ کی قید کا ذکر و بیان:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ کسی مومن کا قتل اگر خطا اور غلطی سے ہو جائے تو قاتل کے ذمے آزاد کرنا ہے ایک ایمان دار گردن کا۔ پس کافر غلام باندی کا آزاد کرنا کافی نہ ہوگا۔ اور یہ اس کے اس گناہ کا کفارہ ہے کہ اس نے حق اللہ میں دست درازی کی، اگرچہ وہ بطریقِ خطاء ہی تھی۔ (ابنِ کثیر، وغیرہ)۔ کیونکہ مومن کی جان بہرحال بہت عظمت والی ہے اور اسکی خونریزی ایک بڑی ہی سنگین بات ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ ۔لہٰذا یہ کفارہ مقتول کے وارثوں کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا۔ البتہ دیت چونکہ وارثوں کا حق ہے اس لئے وہ ان کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گی۔ بہرکیف کفارۂ خطاء میں آزاد کیے جانے والے غلام یا باندی کا مومن ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ یہاں ﴿رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ سے اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ اور صحیح احادیث و روایات میں طرح طرح سے اس کی تاکید و تلقین فرمائی گئی ہے۔ پس کفارۂ قتل میں آزاد کیے جانے والے غلام کا مومن ہونا ضروری ہے۔ ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

۲۳۶ **دیت مقتول کے وارثوں کے حوالے کرنے کی ہدایت:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی صورت میں دیت بھی دینا ہوگی جس کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا۔ جسے وہ آپس میں میراث کے قاعدے کے مطابق تقسیم کریں گے اور اگر وارثوں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اسکو بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ (معارف للکاندھلویؒ وغیرہ)۔ بہرکیف یہ دیت یعنی خون بہا عوض ہوگا اس خونِ مقتول کا جس کو گرایا گیا ہوگا اور اس دیت کی تحدید و تعیین سنتِ مطہرہ میں فرما دی گئی ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی وغیرہ میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ کی سَنَد سے مروی ہے۔ (نسائی: کتاب القسامۃ) اور سننِ ابو داوٗد میں حضرتِ جابرؓ سے مروی ہے (ابوداوٗد: کتاب الدیات، باب الدیۃ کم ہی؟) سو "مُسَلَّمَةٌ" کے ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ دیت میت کے وارثوں کے حوالے کرنا ہوگی۔ سو یہ ان کا حق ہے جو ان کے حوالے کرنا ہوگا۔

۲۳۷ **خون بہا معاف کرنے کی ترغیب:۔** سو ادائیگیٔ دیت کے حکم میں استثناء کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ اِلّا یہ کہ مقتول کے وارث اس کو اپنی خوشی سے معاف کر دیں۔ تو اس صورت میں یہ معاف ہو جائے گی، کہ یہ انہی کا حق ہے جس کے معاف کرنے کا ان کو اختیار ہے۔ اور اس معافی کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، جس میں اس کیلئے ترغیب ہے کہ اسکو معاف کر دینا چاہیئے کہ یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے جس کا صدقہ کرنے والے کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور حسنِ معاملات کے فوائد و منافع حاصل ہونگے۔ بہرکیف دیت یعنی خون بہا چونکہ مقتول کے وارثوں کا حق ہے اس لئے ان کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے۔ خواہ کل کا کل معاف کر دیں یا اس میں سے کچھ اور بعض کو۔ اور جب وہ اس کو معاف کر دیں گے تو بہرحال اس سے اس کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا (معارف وغیرہ)۔ کیونکہ صاحبِ حق نے اس سے اپنے حق کو معاف کر دیا۔

مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ

اور وہ شخص خود مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن (غلام یا لونڈی) کو آزاد کرنا ہوگا، ف۲۳۸ اور اگر وہ

مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ

کسی ایسی قوم سے ہو جس سے تمہارا معاہدہ ہے، تو پھر خون بہا بھی ہوگا

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ

جو کہ حوالے کرنا ہوگا اس کے وارثوں کو، ف۲۳۹ اور ایک ایماندار گردن (غلام یا لونڈی کا) آزاد کرنا بھی، ف۲۴۰

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً

پھر جس کو یہ میسر نہ ہو ف۲۴۱ تو اس کے ذمے روزے ہیں دو ماہ کے لگاتار، ف۲۴۲ اللہ کے یہاں

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ

توبہ کے لئے ف۲۴۳ اور اللہ (تعالیٰ) بڑا علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے، ف۲۴۴ اور جو کوئی

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا

قتل کرے گا کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی اصل سزا جہنم ہے جس میں

فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

اسے ہمیشہ رہنا ہوگا ف۲۴۵ اس پر اللہ کا غضب ہوا اور اس کی لعنت (وپھٹکار) بھی، اور اللہ نے اس کے لئے تیار کر رکھا ہے

۲۳۸ کافر قوم کو دیت نہیں دی جائے گی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اگر وہ مقتول کسی ایسی قوم سے ہو جو کہ تمہاری دشمن ہے مگر یہ شخص مسلمان ہو تو ایسی صورت میں صرف ایک مسلمان گردن کو آزاد کرنا ہوگا۔ مسلمان اور کافر کے درمیان میراث نہیں چلتی۔ یعنی اس صورت میں اس کے وارثوں کو دیت نہیں دی جائے گی کہ مسلمان اور کافر کے درمیان میراث نہیں چلتی۔ (ابن کثیرؒ، جامع البیان وغیرہ)۔ اور جب وہ کفار اور اسلام کے دشمن ہیں تو ان کو مال دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اسلام کے دشمنوں کی مالی امداد کی جائے جس سے وہ مسلمانوں کیخلاف جنگ لڑیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس لئے ایسی صورت میں صرف غلام آزاد کرنا ہی کافی ہوگا۔ خون بہا دینے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ سو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز سے اسلام کے دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہو اگرچہ وہ بالواسطہ ہی ہو، وہ جائز

نہیں۔ والعیاذ باللہ، اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین

۲۳۹ معاہد قوم کو خون بہا دیا جائے گا: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ کسی ایسی قوم سے ہو جس سے تمہارا کوئی معاہدہ ہو تو پھر ایسی صورت میں خونبہا بھی دینا ہوگا جو کہ اس کے وارثوں کے حوالے کیا جائے گا جو اصل میں بدلہ ہوگا ان کے اس حق کا کہ ان کا آدمی قتل کیا گیا ہے۔ اور جب عہد و میثاق کی بناء پر وہ تم سے لڑتے نہیں تو ایسی صورت میں تمہارے اس مالِ دیت کے تمہارے خلاف استعمال ہونے کا کوئی خدشہ و اندیشہ نہیں۔ اس لئے خون بہا دینے میں کوئی قباحت و حرج نہیں۔ اس لیے ایسی صورت میں مقتول کی دیت اس قوم کے حوالے کر دی جائے۔ سو ایسی صورت میں خون بہا بھی دینا ہوگا جو کہ ان غیر مسلم معاہدوں کو ادا کیا جائے گا کیونکہ وہ عہد کی بنا پر مسلمانوں کی طرح کے حقوق رکھتے ہیں۔ والحمد للہ جل وعلا

۲۴۰ قتلِ معاہد پر غلام آزاد کرنے کا حکم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس صورت میں ایک ایماندار [غلام یا لونڈی] کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اللہ کے حق کے بدلے میں۔ کہ اس کی حرمت کو توڑا گیا ہے۔ پس اس صورت کا حکم بعینہٖ وہی ہے جو پہلی صورت، یعنی قتلِ مومن، میں بیان ہوا۔ سو معاہد کے قتل میں بھی قتلِ مومن کی طرح دیت بھی واجب ہے جو کہ مقتول کے وارثوں تک پہنچائی جائے گی، ان کے حق کے عوض میں اور اس میں ایماندار گردن کو بھی آزاد کرنا ہوگا۔ اللہ کے اس حق کے عوض میں کہ اس نے معاہد کو قتل کیا ہے کہ اللہ نے معاہد کو قتل کرنا بھی اسی طرح حرام کیا ہے جس طرح کہ مومن کو قتل کرنا حرام کیا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اسلامی حکومت میں ذمیوں کے وہی حقوق ہیں جو کہ مسلمانوں کے ہیں " هُمْ كَالْمُسْلِمِيْنَ فِي الْحُقُوْقِ" (محاسن التاویل وغیرہ)۔ یہاں پر یہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ اوپر ﴿ تحریر رقبۃ ﴾ یعنی غلام کو آزاد کرنے کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور دیت یعنی خون بہا کا بعد میں۔ جبکہ یہاں پر ﴿ تحریر رقبۃ ﴾ یعنی غلام کی آزادی کا بعد میں اور دیت یعنی خون بہا کی ادائیگی کا پہلے۔ سو اس میں اس بات کا اشارہ پایا جاتا ہے کہ دیت یعنی خونبہا کی ادائیگی میں جلدی سے کام لیا جائے تاکہ نقضِ عہد کا خدشہ پیدا نہ ہو۔ (محاسن للقاسمی)۔ بہرکیف قتلِ معاہد پر خونبہا بھی دینا ہوگا اور ایمان دار گردن کو آزاد کرنا بھی۔ والحمد للہ جل وعلا

۲۴۱ غلام باندی نہ ملنے کی صورت میں حکم: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ پھر جس کو میسر نہ ہو یا اس بناء پر کہ غلام باندی ہی موجود نہ ہوں، جیسا کہ دورِ حاضر میں ہے، یا اس بناء پر کہ اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے وہ کسی غلام یا باندی کو خرید سکے، یا کسی اور وجہ سے وہ غلام باندی نہ خرید سکے۔ تو اسکے ذمے لگاتار اور پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنے ضروری ہیں۔ یہاں پر "تجد" فعل کا مفعول بہ ذکر نہیں فرمایا گیا تاکہ اس طرح یہ اِرشاد عدمِ وجود کی ان دونوں صورتوں کو عام اور شامل رہے۔ یعنی یہ کہ غلام باندی اس بناء پر دستیاب نہ ہوں کہ ان کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے جو کہ اسلام کا اس بارے اصل مقصد ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ ایسے شخص کے پاس اس قدر مال نہ ہو جس سے کسی غلام باندی کو خریدا جا سکے۔ (المنار، المحاسن۔ المراغی وغیرہ)۔ والحمدُ للہ جَلَّ وعَلٰی بِکُلِّ حالٍ من الاحوال،

۲۴۲ کفارہ قتل کے روزوں میں تتابع شرط ہے: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے شخص کے ذمے روزے ہیں لگاتار دو ماہ کے۔ یہانتک کہ اگر اس نے انسٹھ روزے رکھنے کے بعد ایک روزہ توڑ دیا تو بھی اسکو ازسرِ نو پورے روزے رکھنے پڑیں گے۔ (محاسن التاویل، للقاسمیؒ)۔ اگر بیماری کی وجہ سے بھی کوئی روزہ چھوٹ گیا تو یہ روزے دوبارہ

رکھنے پڑینگے۔ البتہ عورت کے حیض کی بناء پر اگر یہ تسلسل قائم نہ رہ سکا تو یہ روزے دوبارہ نہیں رکھنے پڑیں گے۔ (معارف از دیوبندیؒ)۔ اور یہ اس لئے کہ قتلِ خطا کے اس گناہ کی بناء پر اس شخص کو جو میل لگ گئی اس کی صفائی اور ازالے کے لئے اتنی مدت لگاتار روزے رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ مقصد پورا نہ ہوگا۔ (المحاسن وغیرہ)۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین یارب العالمین

۲۲۳ اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کا سامان: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں توبہ کے طور پر۔ یعنی یہ احکام تمہارے لیے اس لیے مقرر کیے گئے ہیں کہ تاکہ تمہارے لیے توبہ کا سامان ہو سکے، اور تاکہ اس طرح اس سے ایک طرف تو تمہارے گناہ کی معافی ہو سکے، اور دوسری طرف معاشرے کو امن وسکون کی دولت نصیب ہو سکے۔ اور اللہ پاک کی رحمت و عنایت تمہیں نصیب ہو سکے، اور تمہارے دلوں سے معصیت کی کدورت دور ہو سکے۔ سو اللہ پاک چاہتا ہے کہ تمہارے لئے توبہ کا دروازہ مقرر فرمادے تاکہ اس کے ذریعے تم لوگ توبہ واستغفار کو اپنا کر اس کی طرف رجوع کر سکو اور اس طرح تمہاری تطہیر اور پاکیزگی کا سامان ہو سکے۔ (المنار وغیرہ)۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال

۲۲۴ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم وحکمت کا حوالہ وذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بڑا ہی علم والا نہایت ہی حکمت والا ہے۔ پس اس کا ہر حکم وارشاد کمالِ علم وحکمت پر مبنی ہے۔ اور اسی میں تمہاری دنیاوی سعادت بھی مضمر ہے، اور اخروی فوز وفلاح بھی۔ کہ اس کا علم بھی کامل ہے اور حکمت بھی اعلیٰ وارفع۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ اسی لیے اس کے کسی حکم وارشاد کی کوئی نظیر ومثال ممکن ہی نہیں۔ اس لیے اسکے ہر حکم وارشاد کو دل وجان سے اپناؤ۔ اور یہ شان صرف اسی وحدہٗ لاشریک کے اوامر وارشادات کی ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا اور کسی کے لئے یہ شان ممکن ہی نہیں۔ اس لئے اس کے کسی بھی حکم وارشاد سے اِعراض وروگردانی۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ دارین کی سعادت وسرخروئی سے محرومی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اور اسکے اَحکام کو اپنانا سعادتِ دارین سے سرفرازی کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین

۲۲۵ قاتلِ متعمد کی سزا ہمیشہ کا جہنم۔ والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے جس میں اس کو ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ سو یہ اس کے اس فعل شنیع اور سنگین جرم کی اصل سزا ہے۔ جیسا کہ حضرتِ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ اس جرم کی اصل سزا ہے۔ اگر اللہ اسکو یہ سزا دے "هٰذَا جَزَآءُهٗ اِنْ جَازَاهُ"۔ (ابن کثیر، معارف وغیرہ)۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو یہ سزا ضرور دے گا (المراغی وغیرہ)۔ بلکہ سچی توبہ پر بغیر سزا بھگتنے کے، دوسرے کبیرہ گناہوں کی طرح وہ اپنے فضل وکرم سے اس کے اس گناہ کو بھی معاف فرمادے گا۔ جیسا کہ دوسری بہت سی نصوصِ کریمہ سے ثابت ہے کہ مومن ہمیشہ کیلئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ اس لئے جمہور علماء کا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں یا تو اصل سزا کا ذکر ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ یا اس سے مراد مکثِ طویل ہے نہ کہ خلود ودوام۔ اور یا یہ محمول ہے مستحلِ قتل پر۔ یعنی یہ سزا اس شخص کیلئے ہے جس نے قتلِ مسلم کو حلال سمجھ کر کیا ہو کہ اس سے وہ کافر ہو جائے گا اور کافر کے لئے بہرکیف خلود فی النار ہی ہے۔ (ابنِ کثیر، محاسن التاویل، جامع البیان، صفوۃ البیان، مراغی، خازن، اور معارف وغیرہ)۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بہرکیف اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قتلِ مسلم کا جرم کس قدر ہولناک اور کتنا سنگین جرم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ بِكُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ

ایک بڑا ہی ہولناک عذاب، اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى

کسی سفر پر نکلو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، ۲۴۶ اور مت کہو کسی ایسے شخص سے

إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ج تَبْتَغُونَ عَرَضَ

جو تم کو سلام کرے کہ تو مسلمان نہیں، ۲۴۷ تم دنیاوی زندگی کا

۲۴۶ **تحقیقِ حال کی ضرورت اور اس کا حکم:-** سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم لوگ اللہ کی راہ میں کسی سفر پر نکلو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ تاکہ مسلمان اور غیر مسلم کے بارے میں حقیقتِ حال تمہارے سامنے واضح اور ظاہر ہو جایا کرے۔ اور تم کسی امرِ محظور میں پڑنے سے محفوظ رہا کرو۔ سو جب تک تحقیقِ حال سے اصل صورتحال پوری طرح واضح نہ ہو جایا کرے، اس وقت تک تم لوگ کوئی اِقدام مت کرو۔ بہرکیف اس ارشاد سے مسلمانوں کے تحفظ کے پہلو سے یہ خصوصی ہدایت فرمائی گئی کہ جب تم لوگ کسی علاقے پر حملہ کرنے کے لئے نکلا کرو تو اس علاقے کے اندر رہنے والے مسلمانوں کے بارے میں پوری تحقیق کر لیا کرو کہ مسلمان کہاں کہاں اور کس حال میں ہیں تاکہ وہ تمہارے حملے سے محفوظ رہیں۔ اور ان کو خواہ مخواہ تمہاری طرف سے کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ سو اس سے مسلمانوں کے بارے میں تحقیقِ حال کی ضرورت اور اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ پس بلا تحقیق کوئی قدم اٹھانا درست نہیں- والعیاذ باللہ جل وعلا بکلِ حالٍ من الاحوال، وفی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۲۴۷ **کسی سلام کرنے والے کو خواہ مخواہ غیر مسلم نہ سمجھنے کی ہدایت:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی تم کو سلام کرے تو اس کو مت کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ بلکہ تو تو محض جان و مال بچانے کیلئے اپنے ایمان کا اظہار کر رہا ہے، جیسا کہ صحابہ کرام کے ایک گروہ سے ایک ایسی فروگزاشت ہو گئی تھی، کہ وہ سفرِ جہاد میں جا رہے تھے کہ راستے میں بکریوں کے ایک چرواہے نے ان پر اپنا اسلام ظاہر کیا، اور انہیں سلام کیا۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر کہ یہ شخص محض اپنی جان بچانے کیلئے ایسے کر رہا ہے اسے قتل کر دیا، اور اس کی بکریوں کو بھی غنیمت قرار دے کر لے آئے۔ تو اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی جیسا کہ کتبِ احادیث و تفسیر میں مذکور ہے۔ تو اس بارے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اگر کوئی مسلمان اپنے ایمان کی شہادت کے لئے تمہیں سلام کرے، تو تم لوگ مالِ غنیمت کی طمع میں اس کے ایمان کا انکار نہ کیا کرو، بلکہ اس کو مسلمان ہی سمجھا کرو اور اسکے سلام اور ظاہرِ حال ہی پر اکتفا کیا کرو کہ تم ظاہر ہی کے مکلّف ہو۔ باطن اور اسکے احوال کو جاننا نہ تمہارے بس میں ہے، اور نہ ہی تم اسکے مکلّف ہو، وباللہ التوفیق لما یُحبّ ویرید،

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ

سامان چاہتے ہو، سو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں، ف۲۴۸ اور یاد رکھو کہ

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ

تم خود بھی پہلے اسی طرح تھے ف۲۴۹ پھر اللہ نے احسان فرمایا تم لوگوں پر، (اور نواز دیا تم کو عزت و کثرت سے) ف۲۵۰ پس تم تحقیق کرلیا کرو

۲۴۸ مالِ غنیمت کے طالبوں کے لئے ایک ہدایت:- سو ایسے لوگوں کو خطاب کر کے تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں۔ اور وہ تمہیں آخرت کے حقیقی اور عظیم اجر کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی بے شمار غنیمتوں سے بھی نوازے گا تو پھر تمہیں چند بکریوں کی اس معمولی اور حقیر غنیمت کی ضرورت ہی کیا؟ اور اللہ پاک کی ان غنیمتوں کو اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی جان بھی نہیں سکتا۔ اس لیے ہمیشہ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مانگو، سو مالِ غنیمت کے طالبوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غنیمتوں کے بڑے ذخیرے ہیں۔ ہمیشہ ان ہی کو پیشِ نظر رکھا کرو۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید، وعلیٰ ما یحب و یرید

۲۴۹ اپنے دورِ ضعیفی کو یاد کرنے کی ہدایت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ یاد کرو اس سے پہلے تم خود بھی اسی طرح تھے۔ اپنے ابتدائی دور میں مکہ مکرمہ میں، جہاں تم کمزور و ضعیف اور کفار و مشرکین کے مقابلے میں مجبور و لاچار تھے۔ پس اپنے اس دورِ ضعیفی کو یاد کر کے تم بھی دوسروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور ان کے ساتھ سختی مت برتو۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس دورِ ضعیفی سے نکال کر اس قوت و عظمت سے نوازا ہے۔ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ سو اللہ تعالیٰ نے جو تم لوگوں کو دار الاسلام کی آزاد فضاؤں سے نوازا ہے تو اس سے تمہیں کسی احساسِ برتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے خالق و مالک کا شکر گزار رہنا چاہیئے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے شکر کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین

۲۵۰ اللہ کے احسان کی یاد دہانی اور اسکی قدر دانی:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ خود بھی پہلے اسی طرح کمزور اور بے بس تھے پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا جس کے نتیجے میں تم لوگ قوت، عزت اور کثرت سے سرفراز ہو گئے۔ اور اس نے تمہیں قوت بخشی اور دشمن کے مقابلے میں تمہیں غلبہ اور زور عطا فرمایا۔ پس اُس کے اس احسان کو یاد کر کے تم ہمیشہ اسکے شکر گزار بن کر اور اسکے حضور جھکنے والے بن کر رہا کرو، کہ یہ اس خالق و مالک کا تم پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا بھلا بھی ہے کہ شکرِ نعمت سے نعمت بڑھتی ہے اور اس میں برکت آتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔ سو یہ اس قادرِ مطلق ہی کا فضل و کرم ہے۔ اور حکم دیا گیا کہ تم لوگوں کو اچھی طرح تحقیق حال کر کے اقدام کرنا چاہیئے اور اس ضمن میں کسی لاپرواہی اور سہل انگاری سے کام نہ لو۔ اور اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس سے تمہارا کوئی قول و فعل اور تمہاری کوئی حالت اور کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ہمیشہ فکر و کوشش اسی کی ہونی چاہیئے کہ اس خالق و مالک سے ہمارے ظاہر و باطن کا ہر معاملہ درست رہے۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ، وَعَلٰى مَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین

اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾ لَا یَسْتَوِی

بے شک اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، ۲۵۱ برابر نہیں ہو سکتے

الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ

وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر کے جہاد سے بیٹھ رہیں، اور

الْمُجٰھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ ؕ

وہ جو جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ،

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ

اللہ نے فضیلت (اور بزرگی) بخشی ہے (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ،

عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ

بیٹھ رہنے والوں پر، ایک عظیم الشان درجے کے اعتبار سے، ۲۵۲ اور یوں اللہ نے ان میں سے ہر ایک سے وعدہ فرما رکھا ہے

الْحُسْنٰی ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجٰھِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ

اچھائی کا ۲۵۳، اور اللہ نے فضیلت (و بزرگی) بخشی ہے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر ایک

اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ لا دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ

اجر عظیم سے ۲۵۴، یعنی عظیم الشان درجوں کے ذریعے اپنے یہاں سے، اور بڑی بخشش اور رحمت کے اعتبار سے،

۲۵۱ <u>تحقیق حال کا حکم مکرّر</u>:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ پوری طرح باخبر ہے تمہارے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ پس تم لوگ تحقیق کر لیا کرو تاکہ تم ناحق کسی پر دست درازی نہ کر بیٹھو۔ اسی ایک آیتِ کریمہ میں دو مرتبہ تحقیق کر لینے کا حکم وارشاد فرمایا گیا تاکہ کسی پر زیادتی نہ ہو جائے۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں تحقیقِ حال اور رعایتِ عدل وانصاف کی اہمیت کس قدر ہے تاکہ کسی پر دست درازی اور زیادتی نہ ہو جائے کہ دینِ حنیف کسی پر کسی زیادتی کا روادار نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ دینِ فطرت اور دینِ حق وانصاف ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحبُّ ویرید،

۲۵۲ <u>مجاہدین کی فضیلت وشان کا ذکر وبیان</u>:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے

مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دے رکھی ہے۔ ایک عظیم الشان درجے کے اعتبار سے جو اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کی حقیقت اور کنہہ کو پوری طرح جاننا بھی کسی کیلئے ممکن نہیں۔ بلکہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی اسکی کنہہ اور حقیقت کو جان سکتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- (المراغی وغیرہ)۔ پس یہ تنوین تعظیم کیلئے ہے اور اسی عظیم الشان درجہ میں وہ عزت واکرام، سچی ناموری، فتح وظفر، اور مالِ غنیمت وغیرہ بھی شامل ہے جو مجاہدین کو اس دنیا میں نصیب ہوتا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ سو اس سے جہاد فی سبیل اللہ کی عظمتِ شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کیسی کیسی عظمتوں اور عنایتوں سے نوازنا چاہتا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- بہرکیف اس ارشاد سے اس عدم استواء کی وضاحت فرما دی گئی جو کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں اور بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کے درمیان پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں گروہ آپس میں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا درجہ و مرتبہ بہت بڑا ہے، وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید،

۲۵۳ ایمانِ صادق ذریعۂ نجات وسرفرازی: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ صدق واخلاص والے مجاہدین اور اَصحابِ اعذار قاعدین میں سے ہر ایک کیلئے اللہ تعالیٰ نے اچھائی کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ یعنی مجاہدین اور ان قاعدین دونوں کیلئے، جو کہ عذر کی بناء پر جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے، کہ ایمان واخلاص، اور صدقِ نیت میں دونوں فریق برابر ہیں، جیسا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور- ﷺ- نے اپنے ساتھی مجاہدین سے فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہیں تو مدینہ منورہ میں، مگر وہ تمہارے ساتھ اس سفر کے تمام اَجر وثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ کیونکہ وہ عذر کی بنا پر تمہارے ساتھ شریک نہیں ہو سکے۔ "حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ" (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ النساء)۔ نیز جب جہاد میں نکلنا فرضِ عین نہیں، تو بیٹھ رہنے والے گناہگار بھی نہیں ہوں گے (بیان القرآن)۔ بہرکیف صدقِ نیت ایسی عظیم الشان چیز ہے کہ اسکے ساتھ انسان کیلئے کسی بھی صورت میں کوئی محرومی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں اور ہر کام سے متعلق صدقِ نیت کی دولت سے نوازے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ سو ایمانِ صادق اور عملِ صالحہ ذریعۂ نجات وسرفرازی ہے- اللہ نصیب فرمائے، اور ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے، امین ثم امین

۲۵۴ بلا عذر جہاد سے تخلّف باعثِ محرومی- والعیاذ باللہ: - سو اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ بغیر کسی عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر مجاہدین کی بڑی فضیلت وفوقیت ہے۔ اس سے مراد وہ بیٹھ رہنے والے ہیں، جو بغیر عذر کے بیٹھ رہے تھے، کہ ان کے مقابلے میں مجاہدین کا اجر وثواب بہت بڑا ہے۔ ورنہ جو لوگ اَعذارِ مبیحہ میں سے کسی عذر کی بناء پر شرکتِ جہاد سے محروم رہے ہونگے، وہ اپنے صدق واخلاص کی بناء پر مجاہدین کے ساتھ اجر وثواب میں برابر کے شریک ہونگے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کی قیدِ احترازی سے واضح ہے۔ (ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو مجاہدین کی شان بہرحال بہت بڑی شان ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کا درجہ ومقام بہت بلند ہے۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ وہ لوگ جو بغیر کسی معقول عذر کے جہاد میں شامل اور شریک نہیں ہوتے وہ ان لوگوں کے کسی بھی طرح برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان ومال دونوں سے جہاد کرتے ہیں۔ دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے، وباللہ التوفیق لمایُحِبُّ ویرید، وعلی مایُحِبُّ ویرید،

۱۳ ع ۵ ۱۰

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ

اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۲۵۵ بے شک وہ لوگ جن کی فرشتے جان

الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط

قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں ۲۵۶ تو فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ کاہے میں تھے تم لوگ؟ ۲۵۷

قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ط قَالُوْٓا أَلَمْ

تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو بالکل بے بس لوگ تھے (اپنی بود و باش کی) اس سرزمین میں، تو فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ

تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط

اچھا تو کیا اللہ کی زمین اتنی کشادہ نہ تھی کہ تم لوگ اس میں ہجرت کر لیتے؟ ۲۵۸

فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ لا

سو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بڑی ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی ۲۵۹

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ

بجز ان کمزور مردوں، عورتوں، اور

الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

بچوں کے، جو نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں، ۲۶۰ اور نہ کوئی راہ پا سکتے ہیں

سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ لا فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ط

(کہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں) ۲۶۱ سو ایسوں کے بارے میں تو امید ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے، ۲۶۲

وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ

اور اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا، انتہائی درگزر فرمانے والا ہے، ۲۶۳ اور جو کوئی ہجرت کرے گا

سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا

اللہ کی راہ میں تو وہ زمین میں اپنے دشمنوں کے علی الرغم ۲۶۴ بڑے ٹھکانے بھی پائے گا،

وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى

اور وسعت (رزق) بھی ۲۶۵ اور جو کوئی نکلے گا اپنے گھر سے ہجرت کرنے کو اللہ

۲۵۵ مجاہدین کیلئے عظیم الشان درجات کی بشارت: - جو کہ دراصل مبنی ہونگے ان لوگوں کے ایمان واخلاص کے اس تفاوتِ درجات پر جو کہ دنیا میں ان کے درمیان موجود ہوگا۔ (تفسیر المراغی)۔ اور آخرت کے ان درجات اور ان کے درمیان پائے جانے والے اس تفاوت کی کنہہ وحقیقت کا احاطہ وادراک بھی اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اس کا اپنا اِرشاد ہے ﴿ وَالْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴾ [الاسراء: ۲۱] اور سننِ نسائیؒ وغیرہ کی روایت میں آنحضرت - صلی اللہ علیہ وسلم - سے مروی ہے کہ جنت میں ایک سو ایسے درجے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار فرما رکھے ہیں۔ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا کہ زمین وآسمان کے درمیان ہے۔ نیز ان کو ایسی عظیم الشان بخشش بھی نصیب ہوگی جو کہ ان کی ان تمام لغزشوں اور خطاؤں کو دھودے گی جو کہ ان سے بتقاضائے بشریت مختلف مواقع پر اور مختلف شکلوں میں سرزد ہوگئی ہونگی۔ وباللہ التوفیق لما یحِبُّ ویرید،

۲۵۶ دین وایمان کی حفاظت وفکر سب سے مقدم: - سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ جو لوگ قدرت کے باوجود دار الکفر میں رہتے ہیں اور اپنے دین وایمان کی پرواہ نہیں کرتے اور قدرت واختیار کے باوجود وہاں سے ہجرت نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔ سو فرشتے ایسے لوگوں سے بوقتِ نزع اس طرح کہہ رہے ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا دار الکفر میں رہ کر۔ جہاں وہ اپنے دین وایمان کی متاعِ عزیز کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - سو ایسے ہر مقام سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں انسان کا دین وایمان محفوظ نہ ہو کہ دین وایمان کی حفاظت سب سے اہم اور سب پر مقدم ہے۔ سو استطاعت کے باوجود دار الکفر سے ہجرت نہ کرنا اور اس طرح اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ظلم ہے۔ سو اس طرح ان تمام غیر معذور مسلمانوں کو ہجرت پر ابھارا گیا ہے جو اب تک دار الکفر میں پڑے تھے کہ دین و ایمان کی حفاظت کے لئے دار الکفر سے ہجرت کرنا ضروری اور عقل ونقل کا تقاضا ہے کہ اصل چیز تو دین وایمان ہی ہے جسکی حفاظت کی فکر وکوشش سب پر مقدم ہے - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ -

۲۵۷ اصل دولت دین وایمان کی دولت ہے: - پس دین وایمان کے بغیر انسان کا کوئی حال نہیں۔ سو دین و ایمان کے بارے میں لاپرواہی برتنے والے ایسے لوگوں سے فرشتے بوقتِ نزع اس طرح کہیں گے۔ ان کی توبیخ و تقریع کے طور پر۔ (صفوۃ، مراغی وغیرہ) کہ انہوں نے دار الکفر میں رہنے کو ترجیح دے کر اپنی متاعِ ایمان کو خطرے میں کیوں ڈالا تھا؟ سو فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ تم لوگ کس حال میں تھے؟ یعنی تم کسی حال پر نہیں تھے کہ تمہارا دین وایمان محفوظ نہیں تھا۔ سو دین وایمان کے بغیر کسی کا کوئی حال نہیں کہ انسان کی اصل قدر و قیمت اس کے دین و

ایمان ہی سے ہے ورنہ وہ ایک لاشئی بے جان ہے۔ بلکہ وہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر بد حال ہے۔ چنانچہ سنن ابوداوٗد وغیرہ میں حضرتِ سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت۔ﷺ۔ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مشرکوں کے ساتھ رہے گا اور انہی کے ساتھ سکونت اختیار کرے گا وہ انہی جیسا ہو جائے گا۔ (ابوداوٗد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض الشرک)۔ سو دین و ایمان سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

۲۵۸ دولتِ دین کی حفاظت کے لیے ہجرت فرض: ۔ سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ جہاں اپنا دین و ایمان محفوظ نہ ہو، وہاں سے ہجرت فرض ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں سے فرشتے نزع کے موقع پر کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین اتنی کشادہ نہیں تھی کہ تم لوگ اس میں ہجرت کر لیتے اور دارالکفر کو چھوڑ کر دارالامن والاسلام میں آ جاتے، جہاں اپنے دین و ایمان کی حفاظت کر سکتے؟ جیسا کہ پیغمبر کے صحابہ نے کیا کہ اپنے دین و ایمان کو بچانے کے لئے انہوں نے پہلے تو حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ کی طرف۔ (صفوہ وغیرہ) اور حضور۔ﷺ۔ نے فرمایا کہ جو کوئی مشرک کے ساتھ رہتا بستا رہا وہ اسی جیسا ہو جائے گا۔ (ابوداوٗد، کتاب الجہاد، باب فی الاقامتہ بارض الشرک) ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَّشَرٍّ ۔ سو جہاں انسان کا دین و ایمان محفوظ نہ ہو وہاں سے اس کا ہجرت کرنا بشرطِ استطاعت فرض اور لازم ہے کہ دین و ایمان کی حفاظت سب سے مقدم اور سب سے اہم ہے۔ سو ایسے لوگوں سے جو قدرت و استطاعت کے باوجود دارالکفر سے ہجرت نہیں کرتے فرشتے ان کی توبیخ و تقریع کے لئے پوچھتے ہیں کہ تم کس میں تھے؟ یعنی تم لوگوں نے جب قدرت کے باوجود دارالکفر سے ہجرت نہیں کی تو تمہارے دین کا کوئی اعتبار نہیں۔ (محاسن التاویل)۔ سو دارالکفر سے بشرطِ استطاعت ہجرت لازم ہے کہ دولتِ دین و ایمان کی حفاظت سب پر مقدم ہے۔

۲۵۹ فریضۂ ہجرت ترک کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ، والعیاذُ باللہ: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بڑا ہی برا ٹھکانا ہے۔ سو ایسے لوگوں کا انجام یہ ہوگا۔ اس عظیم الشان فرض کو چھوڑنے کی بناء پر، جو کہ حفاظتِ دین کے نقطۂ نظر سے ان کے ذمہ عائد ہوتا تھا اور جسکی حفاظت و رعایت کرنا ان کیلئے ضروری تھا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ جہاں پر مسلمان کا اپنا دین و ایمان محفوظ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا اسکے ذمے فرض ہے۔ کیونکہ دین و ایمان کی متاعِ عزیز قوم و وطن اور دنیاوی مال و اسباب سب سے کہیں زیادہ غالی اور عزیز ہے۔ اس لیے جہاں دین و ایمان محفوظ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے جیسا کہ اسلام کے شروع دور میں تھا۔ (تفسیر المراغی وغیرہ)۔ اور اب بھی جہاں کہیں اسی طرح کی صورتِ حال پیش آ جائے بشرطِ قدرت و استطاعت وہاں سے ہجرت کرنا لازم ہے۔ سو جو لوگ ایمان و اسلام کا دعوٰی کرنے کے باوجود بغیر کسی شدید مجبوری اور شرعی عذر کے ایسے دارالکفر سے ہجرت نہیں کرتے جہاں ان کا دین و ایمان محفوظ نہیں ان سے ان کی موت کے وقت فرشتے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین اتنی وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بڑا ہی برا ٹھکانا ہے وہ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ سو اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی فکر و کوشش بہر حال لازم اور سب پر مقدم ہے۔

۲۶۰ ضعیفوں اور کمزوروں کی رعایت کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ بجز ان کمزور مردوں، عورتوں، اور بچوں کے جو کوئی تدبیر نہیں کر سکتے۔ یعنی ایسے جو کمزور اور بے بس تھے کہ وہ کوئی تدبیر نہیں کر سکتے تھے کفار اور

دارالکفر سے نکل بھاگنے کی، اپنی بیماری یا معذوری کی وجہ سے۔ یا اسباب و وسائل کے فقدان کے باعث۔ سو ایسے کمزوروں اور ضعیفوں کا معاملہ مختلف ہے۔ اس لیے ان کا انجام وہ نہیں ہوگا جو دوسروں کا ہوگا۔ سو جن لوگوں کے پاس کوئی مجبوری بھی نہ ہو اور دارالاسلام کی طرف جانے کا راستہ بھی کھلا ہو، پھر بھی وہ دارالکفر سے ہجرت نہ کریں تو ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ ابھی اوپر ہی ایک حاشیہ قبل تفسیر محاسن التاویل کے حوالے سے گزرا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۲۸۱ صحیح راستے کے فقدان کے عذر کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور نہ ہی وہ کوئی راہ پا سکتے ہیں۔ یعنی ایسی راہ جو انہیں دارالامن والسلام تک پہنچا سکے، کہ انہیں نہ تو ایسی کوئی پناہ گاہ میسر ہے اور نہ وہ اس کے صحیح راستے سے واقف ہیں، جس کے بغیر نکلنے کے معنیٰ اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنے کے ہیں۔ جیسا کہ عربوں کی قدیم مثل ہے" قَتَلَتِ الْاَرْضُ جَاهِلَهَا " کہ زمین نے اپنے (راستوں کے) ناواقف کو ہلاک کر دیا۔ سو اس سے صحیح راستے اور اس کی معرفت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسی کے ذریعے انسان منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی لیے یہاں راستہ نہ جاننے کو ان کیلئے عذر قرار دیا گیا ہے۔ سو جو کوئی اتنا بے بس اور اس قدر معذور ہو کہ نہ اس سے خود کوئی تدبیر بن آ رہی ہو اور نہ ہی اس کے لئے نکلنے بھاگنے کی کوئی راہ کھل رہی ہو تو اس پر اپنے دین و ایمان کی حفاظت تو اگرچہ پھر بھی لازم اور واجب ہے لیکن اس پر ہجرت فرض و لازم نہیں کہ وہ اس کے بس میں نہیں۔ اور جو چیز کسی کے بس میں نہ ہو وہ شرعی طور پر اس کا مکلف نہیں ہو سکتا کہ ضابطہ عام اور قاعدہ کلیہ بہرحال یہی ہے کہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ یعنی کسی کو اسکی قدرت و طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا جائے گا۔

۲۸۲ مجبوروں اور معذوروں کیلئے معافی کی امید: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسوں کے بارے میں امید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرما دے ان کی مجبوری، بے بسی اور لاچاری کی بناء پر۔ ورنہ کافروں کے ملک میں اور کافروں کے درمیان اس طرح دب کر رہنا کہ ایک مسلمان اپنے دین پر عمل نہ کر سکے جائز نہیں۔ اور ایسی صورت میں اس پر فرض ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر جائے۔ اور اس ملک کو چھوڑ دے جہاں وہ اپنے دین کی تعلیماتِ حقہ پر عمل نہ کر سکتا ہو۔ (معارف للکاندھلویؒ)۔ سو دین و ایمان کی عظمت و اہمیت سب سے بڑھ کر اہم اور سب پر مقدم ہے کہ دین و ایمان ہی سے انسان کی قدر و قیمت ہے اور اسی سے اسکی دنیا بھی ہے اور آخرت بھی۔ اور اسکے بغیر انسان کی نہ دنیا ہے نہ آخرت۔ اور اس طرح انسان دارین کے ہولناک خسارے میں واقع ہو کر رہتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۲۸۳ اللہ تعالیٰ کی شانِ عفو و درگزر کا حوالہ و ذکر: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا، انتہائی درگزر فرمانے والا ہے۔ اور یہ اسی کی شانِ عفو و درگزر ہے کہ فرضِ ہجرت کو ترک کرنے کی اس عظیم کوتاہی کو بھی وہ معاف فرما دے۔ ورنہ یہ گناہ فی نفسہٖ ہے بہت بڑا۔ کیونکہ شریعتِ مطہرہ اس کی اجازت نہیں دے سکتی کہ مسلمان کافروں کے اندر رہ کر اپنے دین و ایمان کی تباہی و بربادی کو برداشت کرے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اور اس ربِ غفور و رحیم کی مغفرت اور اسکی رحمت و عنایت کا کوئی کنارہ نہیں۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ سو کفر و کفار

کے ملک میں اس طرح پڑے رہنا کہ اپنے دین پر آزادی سے عمل بھی نہ کر سکے جائز نہیں (الکشاف، المعارف وغیرہ)۔ انسان اپنے بس کی حد تک کوتاہی نہ کرے۔ آگے وہ غفور و رحیم معاف کرنے والا ہے۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۲۶۴ "مراغم" کا معنٰی ومفہوم؟:- "مراغم" دراصل ماخوذ ہے "رغام" سے جس کے معنٰی تراب یعنی مٹی کے آتے ہیں۔ پس اس لفظ میں جہاں مہاجر فی سبیل اللہ کے لئے بڑے ٹھکانوں کی بشارت ہے، وہاں یہ لفظ کفار ومشرکین کیلئے تذلیل وتحقیر کا ایک خاص پہلو بھی اپنے اندر رکھتا ہے کہ انہوں نے تو اپنے ظلم وستم سے اس مسلمان کے دین وایمان کو ختم کرنا چاہا تھا، مگر اس نے اپنے دین وایمان کی حفاظت کیلئے ان کے علاقہ و ملک کو چھوڑ کر، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رحمتوں اور برکتوں سے سرفراز ہوکر، ان کی ناکوں کو زمین پر رگڑ دیا، اور خود اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے سرشار وسرفراز ہوگیا۔ سو ہجرت فی سبیل اللہ پر آخرت میں جو اجر وثواب ملتا ہے وہ تو ملتا ہی ہے۔ اس سے پہلے اس دنیا میں بھی مہاجر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بدرقہ فراہم ہوتا ہے۔ خدا کی زمین اس کے لئے راہیں کھولتی ہے اور اس کی عزت وعظمت اور فائز المرامی کے لئے غیب سے اسباب ووسائل فراہم ہوتے ہیں اور دشمنوں کے علی الرغم اس کو یہ سب کچھ مل کر رہتا ہے اور واقعات وشواہد اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ سو اللہ کی راہ میں اسکی رضاء کیلئے اور اسکے دین کی خاطر کیا جانے والا کوئی بھی عمل ضائع نہیں جاتا۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید وعلٰی ما یُحِبُّ ویرید۔ وھو الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے، امین ثم امین

۲۶۵ سفر اور ہجرت پر کشائشِ رزق کا وعدہ:- سو اس ارشاد سے ان دونوں صورتوں میں کشائشِ رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور مسافر کیلئے تو کشائشِ رزق کا یوں بھی وعدہ ہے۔ چنانچہ طبرانی وغیرہ کی روایت میں آنحضرت۔ ﷺ۔ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "تم جہاد کرو غنیمت پاؤ گے۔ روزہ رکھو صحت ملے گی۔ اور سفر کرو دولتمند ہو جاؤ گے"، "اُغْزُوْا تَغْنَمُوْا، صُوْمُوْا تَصِحُّوْا، سَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا" اور راقمِ آثم نے اپنے کتابچے "الاربعین" میں ستائیسویں نمبر پر یہ حدیث ضروری تشریح کے ساتھ ذکر کر دی ہے، جو کہ عرصہ قبل چھپ کر شائع بھی ہو چکا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ تو جب عام مسافر کیلئے بھی کشائشِ رزق کا وعدہ اس فرمان نبوی۔ ﷺ۔ میں موجود ہے، تو پھر ان مہاجر حضرات کو تو بطریقِ اولیٰ یہ بشارت ہے کہ یہ مسافر سے بڑھ کر مہاجر بھی ہیں۔ اور اسی سے حضراتِ علمائے کرام نے یہ ضابطۂ عام اور قاعدۂ کلیہ مستنبط کیا ہے کہ جو کوئی کسی ایسے سفر پر نکلے گا جس پر اجر وثواب ملتا ہے، جیسے طلبِ علم کی خاطر سفر کیلئے یا حج وعمرہ کیلئے یا رزقِ حلال کی کمائی کیلئے تو اس کیلئے بھی یہی اجر وثواب ہے۔ (الکشاف، المحاسن، وغیرہ)۔ پھر یہ وسعت جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا ہے عام ہے جو رزق و روزی کی وسعت، قلب وصدر کی وسعت، اظہار وغلبۂ دین کی وسعت اور خوف کے امن سے بدل جانے کی وسعت وغیرہ سب کو عام اور شامل ہے۔ (محاسن التاویل)۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت فی سبیل اللہ کتنی خیر وبرکت کی چیز ہے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید، وعلٰی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال وَهُوَ الهادِیْ اِلٰی سواءِ السبیل۔ سبحانہٗ و تعالیٰ

اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ

اور اس کے رسول کی طرف، پھر (راستے ہی میں) آ پکڑے اس کو موت، تو یقیناً اس کا اجر

اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

اللہ کے (وعدۂ کرم کے) ذمے لازم ہو گیا، ۲۶۶ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے،

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

اور جب تم کسی سفر پر نکلو (اے مسلمانو!) ۲۶۷ تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنی نمازوں میں

۲۶۶ صدقِ نیت پر بہرطور وعدۂ اجر و ثواب:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی اپنے گھر سے نکلے ہجرت کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ پھر اس کو موت آ پکڑے تو یقیناً اس کا اجر اللہ کے ذمے لازم ہو گیا۔ ایسے شخص کی سچی نیت کی بناء پر۔ اور یہی حال تمام اَعمالِ حسنہ کا ہے کہ صدقِ نیت کی بناء پر ان کا پورا اجر ملے گا۔ اگرچہ اس کو شروع کرنے کے بعد تکمیل کا موقع نہ ملا ہو۔ سبحان اللہ! نیت بھی کتنی عظیم الشان چیز ہے کہ اسکی صحت وصفائی کی صورت میں کہیں اور کسی طرح کا کوئی خسارہ نہیں۔ سو اللہ کی راہ میں ہجرت کے لئے اٹھایا جانے والا پہلا قدم بھی منزل کی حیثیت رکھتا ہے اور جب نیت خالص اور ارادہ راسخ ہو تو اگر گھر سے نکلتے ہی مہاجر کو موت آ جائے تو بھی ہجرت کا اجر و ثواب اس کے لئے ثابت اور لازم ہو گیا۔ سو مؤمن کی نیت ایک ایسی انقلاب آفریں چیز ہے جو خالص دنیا کو بھی دین بنا دیتی ہے اور حدیث میں فرمایا گیا کہ "مومن کی نیت اس کے عمل سے بھی بہتر ہے"، "نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ"۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مومن کی شان کتنی بلند اور کس قدر عظیم ہے کہ اسکی ہر حالت خیر ہی خیر ہے۔ فالحمد للہ۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید،

۲۶۷ سفرِ شرعی کیلئے خاص رعایتوں کا اِعلان و بیان:۔ جو شرعی اعتبار سے سفر کی تعریف میں داخل ہو، جیسا کہ کتبِ حدیث وفقہ میں مذکور ہے کہ احکام سفر کا ترتب ایسے ہی خاص سفر پر ہوتا ہے جو کہ شرعی سفر کی تعریف میں آتا ہو۔ اور عربی کلام ومحاورے کے مطابق "ضرب فی الارض" کا اِطلاق واستعمال ہوتا ہی اس سفر کے لیے ہے جو جہاد فی سبیل اللہ اور تجارت وغیرہ جیسے نیک مقاصد کیلئے ہوتا ہے جبکہ "ضرب فی الارض" کا معنیٰ ومطلب ہوتا ہے کہ اس نے قضائے حاجت کیلئے سفر کیا۔ (فتح القدیر للشوکانی)۔ بہرکیف سفرِ شرعی کیلئے خاص سہولتیں اور رعایتیں ہیں کہ مومن کا سفر ہوتا ہی نیک مقاصد کیلئے ہے۔ اور انہی اہم رعایتوں میں سے جو کہ سفرِ شرعی پر دی گئی ہیں ایک سہولت و رعایت ہے نماز رباعی میں قصر کی اجازت۔ جس کا یہاں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں پر ارشاد فرمودہ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سفر کی حالت میں نماز کے قصر کی یہ اجازت ایک رخصت اور رعایت ہے۔ سو اس اعتبار سے اسکو پورا پڑھنا افضل وبہتر ہے، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔

اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ

(سے بعض یعنی رباعی نمازوں میں) کمی کر دو، ف ۲۶۸ اگر تمہیں ڈر (اور خطرہ) ہو اس بات کا کہ

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَـكُمۡ عَدُوًّا

کافر لوگ تمہیں ستائیں گے، ف ۲۶۹ بے شک کافر لوگ تمہارے (پکے اور) کھلے

مُّبِيۡنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

دشمن ہیں ف ۲۷۰ اور جب آپ ان کے اندر موجود ہوں (اے پیغمبر!) ف ۲۷۱ اور انہیں نماز پڑھانے لگیں،

۲۶۸ سفر میں قصر صلوٰۃ کی اجازت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے میں "تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنی نمازوں میں کمی کرو" اور ان رباعی نمازوں میں چار کی جگہ دو رکعت پڑھو۔ اور سنتیں سفر میں نفل کے حکم میں ہو جائینگی۔ اگر فرصت و موقع ہو تو پڑھ لو ورنہ کوئی حرج نہیں۔ یہ قول جمہور مفسرین کا ہے کہ اس آیت کریمہ میں قصر صلوٰۃ سے مراد فرض نمازوں میں قصر رکعات ہے، جبکہ بعض حضرات کے نزدیک اس کا تعلق صلوٰۃ خوف سے ہے۔ وَالتَّفۡصِيۡلُ فِي الۡمُطَوَّلَاتِ۔ البتہ اتنی بات یہاں پر واضح رہنی چاہئے کہ اس میں قید نہیں کہ یہ آیت نازل تو بلاشبہ سفر جہاد سے متعلق ہی ہوئی ہے جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حکم صرف سفر جہاد ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور سفر خواہ کوئی بھی ہو اس میں فی الجملہ تعب و تکلیف آیا ہی کرتی ہے اور فکر سامان وغیرہ دامن گیر رہتی ہی ہے۔ اس لئے سفر بحیثیت سفر تخفیف اور رعایت کا متقاضی ہے۔

۲۶۹ خوف کی قید واقعی ہے نہ کہ احترازی: سو اس ارشاد میں کافروں کے ستانے کے خدشے کی یہ قید احترازی اور شرط نہیں، بلکہ یہ بیان واقع کے طور پر ہے، کہ اس زمانے میں بالعموم سفر ایسے ہی ہوتے تھے۔ اس لئے امن کی حالت میں قصر کے جواز پر جمہور علماء و مفسرین اور ائمہ کرام کا اجماع ہے اور سنت صحیحہ میں اس کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ سے مروی و منقول ہے۔ (ابن کثیر، محاسن التاویل، معارف وغیرہ)۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اب ہم قصر کیوں کرتے ہیں جبکہ ہم امن و امان سے ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر فرمایا ہے۔ پس تم اسکو قبول کرو، (ابن کثیر، محاسن التاویل وغیرہ) کہ کافر تمہارے ایسے کھلے دشمن ہیں کہ تمہارے خلاف کھلم کھلا جنگ کرتے اور ہر طرح سے تمہارے نقصان کے درپے ہیں۔ اس بناء پر وہ موقع کی تاک میں ہوتے ہیں۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو نماز کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے کہ عین جنگ کی حالت میں بھی وہ معاف نہیں اور دوسری طرف دشمنوں سے محتاط اور چوکنا رہنے کی تعلیم بھی ہے۔ تاکہ وہ کسی موقع پر اپنے مذموم مقاصد کیلئے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۲۷۰ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں: یہاں تک کہ اپنی اسی پکی اور کھلی دشمنی کی بناء پر ان کے یہاں نماز جیسی مقدس

عبادت کا بھی کوئی پاس واحترام نہیں اور اس حالت میں بھی وہ اپنی ایذا رسانی اور شرانگیزی سے چوکنے والے نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -اس لیے تم لوگوں کو اے مسلمانو! ایسے دشمنوں سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی بناء پر تم کو خاص احکام وہدایات سے نوازا گیا ہے کہ کافر تمہارے ایسے کھلے دشمن ہیں کہ تمہارے خلاف کھلم کھلا جنگ کرنے اور تمہیں پوشیدہ طور پر نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ اس لئے وہ تمہیں نقصان پہنچانے کیلئے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ پس تمہیں ہر وقت ان سے محتاط رہنے اور ان کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو فریضہ نماز کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ عین حالتِ جنگ میں بھی معاف نہیں اور دوسری طرف دشمنوں سے ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت واہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ہر وقت تاک میں رہتے ہیں- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین یارَبَّ العالمین

۱۷۱ **''اِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ'' کا مطلب؟**:- یعنی آپ اے پیغمبر بذاتِ خود ان کے اندر موجود ہیں۔ اسی سے امام ابو یوسفؒ وغیرہ بعض ائمہ کرام نے کہا ہے کہ یہ نماز آنحضرت- صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ خاص ہے۔ آپ- صلی اللہ علیہ وسلم- کے بعد یہ کسی کیلئے بھی روا نہیں کیونکہ جو مرتبہ و مقام آپ- صلی اللہ علیہ وسلم- کا ہے، ظاہر ہے کہ وہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ (فتح القدیر وغیرہ)۔ اس لئے یہ نماز آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک یہ نماز آپ- صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ آپ کے بعد ہر مقتدا و پیشوا کا یہی حکم ہے۔ بہرکیف اس سے اہلِ بدعت کے حاضر و ناظر کے اس شرکیہ عقیدے کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے جو انہوں نے عقل و نقل کے خلاف از خود گھڑ رکھا ہے۔ اور سلف وخلف کے تمام ثقہ علمائے حق کا اس خانہ ساز شرکیہ عقیدے کے بطلان پر اتفاق ہے۔ یہ صرف برصغیر کے اہلِ بدعت کی اور وہ بھی بنیادی طور پر غلامی اور استعمار کے دور کی ایجاد و اختراع ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ-ابنِ عیاش الزرقیؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- کے ساتھ عسفان کے مقام پر تھے تو ہمارا سامنا مشرکین کے ایک گروہ سے ہو گیا، جو کہ حضرتِ خالد بن ولید کی قیادت میں ہمارے اور ہمارے قبیلے کے درمیان حائل و موجود تھا۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ تو مشرکین نے کہا کہ یہ بڑا اچھا موقع تھا کہ ہم اس حالت میں ان پر ٹوٹ پڑتے۔ پھر انہوں نے کہا کہ ابھی ان کی ایک اور ایسی نماز آ رہی ہے جو ان کو اپنی اولادوں اور اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ یعنی نمازِ عصر۔ تو اس موقع پر ہم اپنا داؤ چلائیں گے۔ تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو نمازِ خوف کی اجازت دی گئی، جس سے مشرکین کو اور بھی زیادہ ذلت اٹھانا پڑی۔ (احمدؒ، بیہقیؒ، حاکمؒ)۔ سو اس سے ایک طرف تو نماز کی اہمیت وعظمت کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ فریضۂ نماز ایسے سخت حالات میں بھی معاف نہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہ احکامِ شریعت میں مسلمانوں کے اَحوال وظروف کی کس طرح رعایت رکھی گئی ہے- فالحمدللہ- بہرکیف خوف کی ایسی خاص حالت میں تمہارے لئے اس طریقۂ نماز کو مشروع کیا گیا تاکہ اس طرح نماز باجماعت کے قیام نبی- صلی اللہ علیہ وسلم- کی اقتداء اور دشمن کے دفاع کے تینوں تقاضے پورے ہو سکیں اور تم سرفراز و سرخرو ہو سکو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلیٰ ما یحب ویرید- بکل حال من الاحوال

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ

تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ کھڑا ہوجائے آپ کے ساتھ، (آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کو،) اور وہ لئے رہیں اپنے ہتھیار،

فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ

پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے چلے جائیں، اور (ان کی جگہ) وہ دوسرا

طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ

گروہ آ کر آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہوجائے، جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی،

وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ

اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لئے رہیں، کافر تو اس بات کی تاک میں

كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ

رہتے ہیں کہ کسی طرح تم غافل ہوجاؤ اپنے ہتھیاروں، اور اپنے سامانوں سے،

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ

تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یکبارگی، ۲۷۲ اور تم پر

۲۷۲ نمازِ خوف کی اجازت:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ چونکہ دشمن کی طرف سے یہ خوف و خدشہ موجود ہے اس لئے تم لوگوں کو اپنے ان دشمنوں سے بہرحال ہوشیار اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی بناء پر تمہارے لئے صلوٰۃِ خوف کو مشروع کیا گیا تاکہ ان کو تمہارے خلاف ایسی کسی شرانگیزی کا موقع نہ مل سکے۔ اور اس نماز میں تمہاری آمدورفت وغیرہ حرکات وغیرہ سے بھی کوئی اثر نہیں پڑتا، تاکہ اس طرح تم فریضۂ نماز کی ادائیگی سے بھی سرفراز ہوسکو۔ اور اسکے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد سے بھی بہرہ ور ہوسکو اور دشمن کی شرانگیزی سے بھی محفوظ رہ سکو۔ رہ گئی یہ بات کہ اس صورت میں مقتدیوں اور امام کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کیا ہوگی؟ تو اس کی پوری تفصیل اس آیتِ کریمہ سے واضح نہیں ہوتی۔ حضراتِ فقہائے کرام کی اس بارے میں مختلف آراء ہیں جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مسطور و مذکور ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔ اس بارے تفصیلات کو جاننے کیلئے کتبِ فقہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہاں ان کے ذکر کا نہ موقع و محل ہے اور نہ ہی اسکی ضرورت و گنجائش؟

عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ

کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو، بارش (وغیرہ) کی وجہ سے، یا تم

مَّرْضَىٰٓ أَنْ تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ؕ

بیمار ہو ۲۷۳ اس بات میں کہ تم لوگ (ضرورت سے زائد) اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو، مگر (ضروری) بچاؤ کا سامان پھر بھی لئے رہا کرو ۲۷۴

إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا

بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لئے ایک بڑا ہی رسوا کن عذاب ۲۷۵ پھر جب

قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّ

تم ادا کر چکو اپنی نماز، تو یاد کرو اللہ کو کھڑے، بیٹھے، اور

عَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ

لیٹے، (ہر حال میں،) ۲۷۶ اور جب تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے تو تم نماز قائم کرو (عام دستور کے مطابق،)

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾

بیشک نماز فرض ہے ایمان والوں پر مقررہ وقتوں میں، ۲۷۷

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ

اور تم ہمت مت ہارو (اے مسلمانو!) اس (دشمن) قوم کا پیچھا کرنے میں، اگر تمہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے

فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ

تو (کیا ہوا؟ آخر) وہ بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں، جیسے تم لوگ اٹھاتے ہو ۲۷۸ اور (مزید یہ کہ) تم امید رکھتے ہو اللہ سے

مَا لَا يَرْجُونَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ ع إِنَّآ ۱۵ ع ۱۲

ان چیزوں کی جن کی امید وہ نہیں رکھتے، اور اللہ سب کچھ جانتا، بڑا ہی حکمت والا ہے ۲۷۹ بے شک ہم نے

۲۷۳ **بھاری اسلحہ سے سبکدوشی کی اجازت:۔** سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم پر کوئی حرج اور گناہ نہیں اس بات میں کہ تم [ضرورت سے زائد] اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو اگر تم کو کوئی تکلیف ہو بارش [وغیرہ] کی وجہ سے، یا تم بیمار ہوؤ۔ اور بھاری اسلحہ اٹھانا تمہیں مشکل

ہو جائے تو ایسی صورت میں تمہارے لئے یہ رخصت ہے کہ تم ہتھیار نہ اٹھاؤ۔ تا کہ اس طرح بھاری بوجھ سے تم سبکدوش ہو سکو اور تمہیں خواہ مخواہ کی مشقت اور مشکل سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ﴿اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ﴾ کا یہ ارشاد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں نازل ہوا جو کہ زخمی تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ النساء) بہر کیف یہ حکم ہر صاحب عذر کے لئے عام ہے۔ وہ جو بھی کوئی ہو اور جہاں بھی کہیں ہو۔

۲۷۴ بچاؤ کا سامان بہر حال اپنائے رکھنے کی ہدایت:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ ضرورت کے مطابق حفاظت اور بچاؤ کا سامان پھر بھی لیے رہا کرو، تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ تمہارے کام آسکے کہ دشمن کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لیے ایسے مشکل وقت میں تمہیں زائد از ضرورت اور بھاری اسلحہ رکھ دینے کی تو اجازت ہے لیکن ضرورت کا سامان اور ہلکا اسلحہ پھر بھی رکھا کرو تا کہ دشمن ایسی کسی حالت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تم پر اچانک نہ ٹوٹ پڑے۔ سو بچاؤ اور ضرورت کے مطابق ہلکا اسلحہ ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے پاس رہنا چاہیے کہ حزم واحتیاط کا تقاضا یہی ہے۔ پس تمہیں اپنے معاملے میں سستی اور لاپرواہی کبھی نہیں برتنی چاہئے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْد – وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْل۔ سو مومن صادق کا دل کا بھروسہ تو اگرچہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے لیکن حسب ضرورت وموقع دفاع اور اپنے بچاؤ کیلیے ضروری ہتھیار ساتھ ہونے چاہئیں کہ یہ دنیا ہے ہی دار الاسباب جس میں ہر چیز اسباب ہی سے وابستہ و مربوط ہے۔

۲۷۵ کافروں کیلئے رسوا کن عذاب:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ کافروں کے لیے بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے۔ جو دنیا میں بھی ان کو قتل وقید، اور مسلمانوں کے غلبہ واستیلاء کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے، اور آخرت میں بھی ان کو دوزخ کے دائمی عذاب کی صورت میں ہمیشہ کیلئے بھگتنا پڑے گا، چونکہ ان لوگوں نے استکبار یعنی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں حق سے منہ موڑا تھا، اس لئے اس کے بدلے میں ان کو اس عذاب مہین یعنی رسوا کن عذاب میں مبتلا کیا جائے گا کہ جزا جنس عمل میں سے ہوتی ہے۔ جیسا کوئی کرے گا ویسا ہی بھریگا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ سو جب تم لوگ اپنے ایمان ویقین میں پختہ اور اپنے عمل وکردار میں سچے ہوؤ گے، تو اللہ تعالیٰ کی تائید وعنایت اور اس کی نصرت وحمایت تمہارے ساتھ ہوگی اور جب اس کی تائید ونصرت تمہیں حاصل ہوگی تو وہ تمہیں ان پر غلبہ وتسلط عطاء فرمائے گا اور ان کو ذلیل ورسوا کریگا۔ اس لیے اس کا اہتمام ہمیشہ اور ہر حال میں رکھنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال، وھو الہادی الی سواء السبیل

۲۷۶ ہر حال میں ذکر الٰہی کی تعلیم وتلقین:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔ یعنی ہر حال میں ذکر الٰہی اور یاد خداوندی سے سرشار رہنا چاہیئے کہ اللہ پاک کا ذکر اور اسکی یاد دلشاد دلوں کی قوت اور عزم وہمت کی مضبوطی کا باعث ہے۔ اس لئے عین معرکہ میں بھی اس کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ انفال میں فرمایا گیا ﴿اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [الانفال: ۴۵] اب دیکھئے جہاد کے موقع پر قرآنی تعلیمات کیا ہیں، اور آج کے مسلمان کا عمل کیا ہے۔ وہ جب اس موقع پر بھی غیر اللہ کو پکارتا، عاجز مخلوق سے مدد مانگتا، طرح طرح کے شرکیہ نعرے لگاتا اور فاحشہ عورتوں کے رزمیہ گانے سن کر قوت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اللہ کی مدد آئے تو کیسے آئے؟ سو اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت وعنایت سے سرفرازی کے لئے اللہ پاک کا ذکر اور اس کی یاد دلشاد اصل بنیاد ہے۔ وباللہ التوفیق

۲۷۷ نماز کی فرضیت مقررہ اوقات میں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے

شک نماز ایمان والوں پر فرض ہے مقررہ وقتوں میں۔ پس نماز کے اس مقدس فریضہ کو تم لوگ اسکے مقررہ وقتوں ہی میں ادا کرنے کی پابندی اور اس کا التزام کرو۔ تاکہ اس طرح تم لوگ اس وحدہٗ لاشریک کی رحمتوں، برکتوں، اور عنایتوں سے ہر حال میں مستفید و فیضیاب ہوتے رہو کہ ذکرِ الٰہی دارین کی سعادت و سرخروئی کیلئے شہ کلید ہے۔ وباللہ التوفیق۔ پس ان مقررہ وقتوں سے اس کی تقدیم و تاخیر جائز نہیں۔ اور امرِ واقع جو تجربہ سے ثابت ہے یہی ہے کہ نماز کو اسکے مقرر وقتوں میں ادا کرنے سے اوقات میں خاص برکت نصیب ہوتی ہے۔ اور اس میں لاپرواہی برتنے سے وقت کی دولت کا بڑا حصہ ضیاع کا شکار ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو جس طرح ہر کام کو اس کے اصل اور صحیح وقت میں ہی ادا کرنے سے اس کے صحیح فوائد و منافع حاصل ہو سکتے ہیں اسی طرح نماز کی خیرات و برکات سے صحیح طریقے سے اور پورے طور پر مستفید و فیضاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو پورے التزام اور پابندی کے ساتھ ان کے انہی مقررہ اوقات ہی میں ادا کیا جائے جو حضرتِ حق۔ جل مجدہٗ۔ کی طرف سے ان کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وَعَلٰی مَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ، وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

۲۷۸ دنیا میں تکلیف سب ہی کو پہنچتی ہے: ۔ مومن کو بھی اور کافر کو بھی۔ سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو کیا ہوا وہ بھی تو تکلیف اٹھاتے ہیں جیسے تم اٹھاتے ہو کہ وہ بھی قتل ہوتے ہیں، زخمی ہوتے ہیں، طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے ہیں، حالانکہ نہ انہیں کوئی اجر، نہ ثواب، کہ وہ کفر و باطل پر ہیں۔ سو کافر کی تکلیفیں رائیگاں، بے مقصد اور بیکار جاتی ہیں۔ نہ اس کو ان کا کوئی اجر نہ ثواب، نہ صلہ نہ نتیجہ سوائے محرومی اور نقصان و خسران کے۔ جبکہ مومن کو اسکی ہر تکلیف اور مصیبت پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسکے گناہ معاف ہوتے ہیں اور ایسی ہر تکلیف اس کیلئے مغفرتِ سیئات اور رفعِ درجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ سو مومن کیلئے کسی بھی صورت میں ناکامی ہی نہیں جبکہ کافر کیلئے ناکامی ہی ناکامی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ سو کفر و انکار دارین کی محرومی کا باعث اور ایمان و یقین کی دولت دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ فَزِدْنَا اَللّٰھُمَّ اِیْمَانًا وَّیَقِیْنًا۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین یاربَّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۲۷۹ اہل ایمان کی امتیازی شان کا ذکر و بیان: ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ تکلیف تو تم لوگوں کو بھی پہنچتی ہے اور ان کو بھی مگر آگے فرق یہ ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے ان چیزوں کی امید اور توقع رکھتے ہو جن کی وہ نہیں رکھتے۔ سو ایمان والوں کی شان بڑی عظیم ہے۔ کہ ان کی ہر حالت خیر ہی خیر ہے اور یہ شان اہلِ ایمان کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ سو تم امید رکھتے ہو کہ دنیا میں فتح و نصرت، سچی عزت و ناموری، اور دینِ حق کی عظمت و سربلندی نصیب ہوگی اور آخرت میں جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے سرفرازی، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر ان کا گزر ہی ہوا۔ پس تمہیں تو ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر صابر اور ثابت قدم ہونا چاہیئے، کہ تمہاری کوئی تکلیف بھی کسی طرح سے رائیگاں نہیں جاتی بلکہ تمہارے لیے اجر و ثواب کا ذریعہ بنتی ہے۔ اور اس طرح تمہاری تکلیفیں تمہارے لیے کمائی کسبِ خیرات و برکات کا ذریعہ و وسیلہ بنتی ہیں۔ اور اس طرح مومن کی زندگی ایک پر امید اور باغ و بہار زندگی بن جاتی ہے اور یہ ایک نقد انعام ہوتا ہے جو مومنِ صادق کو اسی دنیا میں نصیب ہوتا ہے۔ فالحمد للہ جل وعلا۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے آمین

اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ

اتاری آپ کی طرف یہ (عظیم الشان) کتاب (اے پیغمبر!) حق کے ساتھ، تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں کے درمیان،

بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱۰۵﴾

اس کے مطابق جو اللہ آپ کو دکھائے، ف۲۸۰ اور نہیں بننا خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والا، ف۲۸۱

۲۸۰ اللہ کی دکھلائے کے مطابق فیصلہ کرنے کی ہدایت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ فیصلہ اللہ کے دکھلائے کے مطابق ہی کرو:- سو آپ فیصلہ اسی کے مطابق کرو جو اللہ آپ کو دکھلائے صراحتاً یا اشارہ و کنایہ کے انداز میں۔ بہرکیف وہ جس طرح بھی آپ کو دکھائے اسی کے مطابق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں، تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ سو اس کتابِ حکیم کے اتارنے کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ آپ اس کے مطابق اور اس رائے کی روشنی میں جو اللہ آپ کو دکھائے لوگوں کے درمیان بغیر کسی رو رعایت کے فیصلہ فرمائیں۔ روایات میں ہے کہ طعمہ بن ابیرق نامی ایک منافق نے ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں اپنے ایک پڑوسی کا کچھ سامان چرا کر بڑی چالاکی کے ساتھ اسے ایک یہودی کے ذمے لگا دیا۔ پھر یہودی کی جوابی نشاندہی کے بعد جب اس سے پوچھ گچھ کا موقع آیا تو اس کی قوم بنو ظفر نے بڑے زور و شور سے اس کی صفائی بیان کی اور اسے بے قصور ٹھہرا دیا۔ اس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس کی براءت فرما دی۔ اور دوسری روایت کے مطابق اس کی براءت کا ارادہ فرمایا، تو اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں جن سے حقیقتِ حال بھی واضح ہوگئی اور اسلامی قانون کی یہ عظیم اور ابدی دفعات بھی امتِ مسلمہ کو نصیب ہوگئیں والحمد للہ رب العالمین- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۸۱ خیانت کرنے والوں کی طرفداری کرنے سے ممانعت:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہیں بننا۔ جیسا کہ طعمہ بن ابیرق کے اس کیس میں لاعلمی سے ایسے ہوگیا تھا۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ کسی معاملہ میں فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنا نہایت ضروری امر ہے تاکہ نہ کسی کی حق تلفی ہونے پائے اور نہ کسی خائن کی طرف داری کی نوبت آئے۔ نبی معصوم ﷺ کو تو اللہ پاک وحی کے ذریعے آگہی بخشتا اور اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور باقی کسی کو یہ شرف نصیب ہو نہیں سکتا۔ اس لئے ایسے تمام ذمہ دار لوگوں کو ایسے معاملات میں پوری پوری چھانٹ پھٹک کر لینی چاہیئے۔ طعمہ بن ابیرق کے اس قصے سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ پیغمبر نہ تو عالم غیب ہوتے ہیں نہ مختارِ کل۔ جیسا کہ ہمارے یہاں کے اہلِ بدعت کا کہنا ہے۔ سو اس طرح کے قصوں اور واقعات سے ان لوگوں کے اس طرح کے خود ساختہ عقیدوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، کیونکہ اگر پیغمبر عالمِ غیب اور مختارِ کل ہوتے تو نہ ایسی صورتحال پیدا ہوتی اور نہ ہی اس پر آنحضرتؐ کو خطاب کرکے اس طرح کی تنبیہات فرمائی جاتیں- صَلَوٰاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ-مَا صَلّٰى عَلَيْهِ الْمُصَلُّوْنَ وَغَفَلَ عَنْهَا الْغَافِلُوْنَ

وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۱۰۶﴾

اور بخشش مانگو تم اللہ سے، بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان ہے ۲۸۲

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ

اور مت لڑو تم ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنی ہی جانوں سے ۲۸۳ بے شک

۲۸۲ پیغمبر کا استغفار ان کے مقامِ رفیع کے مطابق: سو ارشاد فرمایا گیا کہ بخشش مانگو تم اللہ سے۔ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ یعنی آپ اے پیغمبر اس قسم کی باتوں سے استغفار کریں جو اگرچہ گناہ نہیں صرف خلاف اولیٰ قسم کی ہیں، مگر آپ کی شانِ رفیع کے اعتبار سے یہ بھی بڑی چیز قرار پا جاتی ہیں۔ اس لیے آپؐ اس پر استغفار کریں۔ امام ابن جریر طبریؒ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں ''اِنَّ الْمَعْنی اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ مِنْ ذَنْبِکَ فِیْ خِصَامِکَ لِلْخَآئِنِیْنَ'' سو اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر نہ عالمِ غیب ہوتا ہے نہ مختارِ کل۔ کیونکہ اگر ایسے ہوتا تو آپ ایسے خلافِ اولیٰ قسم کے کاموں کا بھی ارتکاب نہ کرتے، اور نہ ہی آپؐ کو استغفار کا حکم دیا جاتا کہ استغفار اور اختیارِ کلی کے درمیان تضاد اور منافات ہے۔ اور صحیحین وغیرہ کی روایت کے مطابق آپؐ نے اسکی مزید توضیح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگو آگاہ رہو کہ میں ایک بشر اور انسان ہوں۔ میں جیسا سنتا ہوں اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص زیادہ تیز طرار ہو اور میں اسکی حجت بازی کے مطابق اسکے حق میں فیصلہ کردوں۔ سو یاد رکھو اگر میں نے کسی کے حق میں اس طرح کا کوئی فیصلہ کر دیا تو اس سے وہ چیز اس کیلئے حلال نہیں ہوجائے گی بلکہ وہ اس کیلئے آگ کا ٹکڑا ہوگا۔ اب اسکی مرضی ہے کہ وہ اسکو لے لے یا چھوڑ دے۔ (بخاری کتاب المظالم، باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ) اب دیکھیے پیغمبر اپنے بارے میں خود کیا ارشاد فرماتے ہیں اور یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

۲۸۳ برائی کا اِرتکاب خود اپنی جان پر ظلم، والعیاذُ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان لوگوں کی طرف سے مت لڑو جو خیانت کرتے ہیں خود اپنی جانوں سے، کہ اس کا وبال خود انہی پر پڑے گا۔ سو جو کوئی خیانت یا کوئی اور برائی کرتا ہے تو وہ اصل میں اپنے ہی خلاف کرتا ہے مگر وہ اسکو سمجھتا نہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ۔ کہ اسکا بھگتان بہرحال خود اسی کو بھگتنا ہوگا۔ دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی اور اس کے بعد آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ سو ایسے لوگوں کی خیانت سے خدا یا اس کے رسول کا کچھ نہیں بگڑتا۔ نقصان خود انہی لوگوں کا ہے جو خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن ان کو یہ حقیقت نظر نہیں آتی اور یہ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور جو بیمار اپنے آپ کو بیمار بھی نہ سمجھے اس کی محرومی اور بدبختی کا کیا ٹھکانا ہوسکتا ہے۔ نیز ایسے لوگ اپنے ضمیر کی نگاہوں میں بھی مجرم ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہوتے ہیں کہ یہ سامنے کیا کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے کیا کرتے ہیں کہ انسان سے اسکی اپنی کوئی حالت وحرکت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴿۱۰۷﴾ یَّسْتَخْفُوْنَ

اللہ پسند نہیں فرماتا کسی بھی ایسے شخص کو جو دھوکے باز گناہ گار ہو، جو چھپتے

مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ

(اور شرماتے) ہیں لوگوں سے، مگر وہ نہیں چھپتے (اور شرماتے) اللہ سے ۲۸۴ حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے

اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ کَانَ

جب کہ وہ چھپ (چھپ) کر مشورے کر رہے ہوتے ہیں ۲۸۵ ان باتوں کے جو اللہ کو پسند نہیں، اور اللہ پوری طرح احاطہ

اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ

کیے ہوئے ہے ان تمام کاموں کا جو یہ لوگ کر رہے ہوتے ہیں ۲۸۶ ہاں تم لوگوں نے ان (مجرموں) کی طرف

عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ

سے دنیاوی زندگی میں تو لڑ جھگڑ لیا، مگر کون ہے جو ان کی

عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ﴿۱۰۹﴾

طرف سے لڑ سکے قیامت کے روز؟ یا وہ (کسی اور طرح سے) وہ ان کا کام بنا سکے؟ ۲۸۷

۲۸۴ ایمان و یقین سے محرومی کی ایک نقد سزا، والعیاذ باللہ:- کہ اس سے انسان کی مت مار کر رکھ دی جاتی ہے اور وہ صحیح اور غلط کی پہچان اور نفع و نقصان کی تمیز سے محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایمان و یقین سے محرومی کا نتیجہ اور اس کی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ یہ لوگ لوگوں سے ڈرتے ہیں اللہ سے نہیں ڈرتے۔ یعنی ان کا معاملہ الٹا ہے۔ حالانکہ اصل حق اللہ پاک ہی کا ہے کہ بندہ اس وحدہٗ لاشریک سے شرماتا اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے ہمیشہ بچتا رہے۔ اور ایک اور مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استخفاء کو یہاں پر لازم کی بجائے متعدی کے معنیٰ میں لیا جائے یعنی وہ لوگ اپنے کرتوتوں کو لوگوں سے تو چھپاتے ہیں مگر اللہ سے تو نہیں چھپا سکیں گے۔ بھلا اس سے یہ لوگ ایسی باتوں کو کس طرح چھپا سکیں گے اور اس کی گرفت اور پکڑ سے کس طرح بچ سکیں گے؟ کہ یہ چیز نہ تو ان کے بس اور اختیار میں ہے اور نہ ممکن ہو سکتی ہے۔ (واختارہ صاحب المعارف وغیرہ)۔ بہرکیف ایمان و یقین کی دولت سے محرومی کا نتیجہ اور اسکی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگ اللہ سے ڈرنے کی بجائے لوگوں سے ڈرتے ہیں اور ان کو اس بات کا پاس و احساس نہیں کہ لوگوں سے اپنے کرتوتوں کو یہ اگرچہ چھپا لیتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ اپنے علم اور اپنی قدرت کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سے کسی کا چھپنا کچھ چھپا لینا ممکن نہیں اور حساب اسی کے

یہاں دینا ہے۔ سو عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک سے ڈرے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید

۲۸۵ ایمان و یقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی، والعیاذُ باللہ:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ لوگوں سے تو چھپتے اور شرماتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپتے اور شرماتے۔ حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ یہ لوگ چھپ کر مشورہ کر رہے ہوتے ہیں۔ ''بَیَّتَ یُبَیِّتُ'' کے اصل معنیٰ آتے ہیں رات کو مشورہ کرنا۔ پھر اس کا اطلاق عام ہو گیا اور یہ ہر اس مشورے پر بولا جانے لگا جو چھپ کر کیا جائے۔ خواہ رات کو ہو یا دن کو۔ سو ان لوگوں کا حال بھی عجیب و غریب ہے کہ لوگوں سے تو یہ چھپتے اور ڈرتے ہیں لیکن اس اللہ سے چھپتے اور ڈرتے نہیں جو ہر حال میں ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس کے حضور حاضر ہو کر انہوں نے اپنے زندگی بھر کے کیے کرائے کا جواب دینا اور اس کا صلہ اور پھل پانا ہے۔ سو یہی نتیجہ ہوتا ہے نورِ ایمان و یقین سے محرومی کا۔ والعیاذ باللہ۔ سو ایمان و یقین سے محرومی ہر خیر سے محرومی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ اور اس سے سرفرازی دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی ہے۔ وبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَ یُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْل۔ اللہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے، اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۲۸۶ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم و قدرت کا حوالہ و ذکر:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ان کے سب کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ احاطہ اسکے علم اور قدرت کے اعتبار سے ہے۔ سو وہ اپنے علم اور اپنی قدرت کے اعتبار سے انکے سب کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے، کہ نہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو سکتی ہے، اور نہ اس کی قدرت سے خارج۔ اس لئے یہ لوگ اپنے کئے پر اس کی سزا سے کسی طور بھی بچ نہیں سکیں گے۔ سو آج ان کو جو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس سے ان کو دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیئے، کہ یہ بہر حال ایک ڈھیل ہے جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے اور آخرِ کار ہر کسی نے اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو کر اپنے زندگی بھر کے کئے کرائے کا جواب دینا اور اس کا پھل پانا ہے۔ پس ہر کوئی دیکھ لے اور اپنا جائزہ خود لے لے اور دیکھ لے کہ میں کہاں کھڑا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ اور کیا کرنا چاہیئے؟ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾۔ وبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَ الْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْل۔ اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۲۸۷ قیامت میں کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہیں آسکے گا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام انکاری کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ کون ہے جو ان کی طرف سے لڑ سکے قیامت کے روز؟ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں جو ان کی طرف سے قیامت کے روز لڑ سکے، کہ ایسی ہمت وہاں کسی میں ہو ہی نہیں سکتی۔ تو پھر دنیا میں ان کی طرف سے لڑنے کا کیا فائدہ؟ اصل فیصلہ تو وہیں ہونا ہے۔ سو یہاں پر ان دنیاوی حکام کے لئے بھی درسِ عبرت ہے جو صرف ظاہر پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اور اسی کے وہ پابند بھی ہیں کہ وہ مجرموں کی حمایت اور انکی پشت پناہی نہ کریں کہ انکی حمایت اور پشت پناہی سے اگر ایسے خائن اور مجرم لوگ بچ بھی گئے تو آخر کب تک؟ آخرت میں تو ان کو بہر حال اپنے کئے کا بھگتان بھگتنا ہے۔ پس اصل فکر یہاں کی نہیں، وہاں کی کرنے کی ضرورت ہے کہ وہاں کا فیصلہ اصل اور حقیقی فیصلہ ہوگا اور وہ فیصلہ دائمی و ابدی اور ہمیشہ کیلئے ہوگا اور کامیابی و ناکامی اصل میں وہیں کی کامیابی اور ناکامی ہے۔ جو وہاں ناکام ہوا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ ہمیشہ کا ناکام ہوگا اور جس کو وہاں کی کامیابی مل گئی وہی حقیقی کامیاب ہے۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے وہاں کی ناکامی اور رسوائی سے بچائے۔ وباللہ التوفیق فی کل حین و آن۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ

اور جو کوئی ارتکاب کر لے کسی برائی کا، یا ظلم کر بیٹھے اپنی جان پر، پھر وہ معافی مانگے

اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ

اللہ سے، تو وہ (یقیناً) پائے گا اللہ کو بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی مہربان، ۲۸۸ اور جس نے کمایا گناہ

اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰي نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

تو سوائے اس کے نہیں کہ اس کی اس کمائی کا وبال خود اس کی اپنی ہی جان پر ہوگا، ۲۸۹ اور اللہ بڑا ہی علم

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ

والا، نہایت ہی حکمت والا ہے، اور جس نے کمائی کی کسی خطا یا گناہ کی، پھر اس کو اس نے تھوپ

ع ۱۶ ۸ ۱۲ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

دیا کسی بے گناہ کے سر، تو یقیناً اس نے لاد لیا اپنے اوپر ایک بڑا بہتان، اور کھلم کھلا گناہ،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ

اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی، اور اس کی رحمت، کہ وہ بھٹکا دیں آپ

طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ

کو (راہِ حق وصواب سے،) حالانکہ وہ بھٹکاتے نہیں مگر آپ پر (اے پیغمبر!) تو یقیناً ٹھان لی تھی ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے

اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ

خود اپنے ہی آپ کو، ۲۹۰ اور وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، ۲۹۱ اور اتاری اللہ نے

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ

آپ پر کتاب اور (عطا فرمائی اس نے آپ کو) حکمت ۲۹۲ اور سکھایا اس نے آپ کو وہ کچھ، جو آپ نہیں جانتے

۲۸۸ سلامتی اور نجات کی راہ کی نشاندہی:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ یہ ہے صدق وصواب اور سلامتی ونجات کی سیدھی راہ کہ آدمی اپنا قصور تسلیم کر کے سچے دل سے توبہ واستغفار کرے۔ تو اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرما دے گا کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا انتہائی مہربان ہے۔ لیکن جن کے دلوں پر بدنیتی اور کفر و نفاق کی چھاپ پڑی ہو ان کو یہ سیدھی راہ سوجھتی ہی نہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - چنانچہ یہاں بھی ایسے ہی ہوا کہ طعمہ بن ابیرق نے سچی توبہ کی اس سیدھی راہ کو اپنانے کی بجائے مکہ میں جا کر مشرکین سے مل گیا۔ اور وہاں بھی اس نے چوری کی غرض سے ایک دیوار میں نقب لگائی تو وہ اسکے اوپر گر گئی۔ جس سے وہ وہیں مر کر فی النَّارِ وَالسَّقَرَ ہو گیا۔ (ابو السعود، صفوۃ، وغیرہ) -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف ہم جیسے گنہگاروں کیلئے مغفرت و بخشش کا مژدہ سنانے والی یہ آیت کریمہ ایک عظیم امید اور ڈھارس ہے۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ اس کو قرآن حکیم کی سب سے زیادہ پر امید آیت "اَرْجٰی اٰیاتٍ فی القرآن" قرار دیتے ہیں- فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ یَارَبِّیْ مَغْفِرَةً لَّاتُغَادِرُ ذَنْبًا مِّمَّآ اَذْنَبْتُهٗ عَمَدًا أَوْ خَطَأً، سِرًّا أَوْ جَهْرًا، اِغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاَسَاتِذَتِیْ وَلِزَوْجَتِیْ وَاَوْلَادِیْ وَاَقَارِبِیْ وَاَحْبَابِیْ وَلِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ - اِنَّکَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ مُّجِیْبُ الدَّعْوَاتِ -یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَا مَنْ لَّااَحَدَ لِجُوْدِهٖ وَکَرَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ - بہرکیف توبہ واستغفار کی عنایت قدرت کی ایک عظیم الشان عنایت ہے جس سے اللہ پاک نے اپنے بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے نوازا ہے، کہ گناہوں کی میل کے ازالے کے لئے سب سے بہتر بلکہ واحد ذریعہ توبہ واستغفار ہی ہے۔ ورنہ گناہوں کی میل جو کہ ظاہری میل سے کہیں بڑھ کر نقصان دہ ہے اسکی صفائی اور اسکے داغ دھبوں کے ازالے کی دوسری کوئی صورت ممکن ہی نہیں- وباللہ التوفیق- لما یحب و یرید وعلی ما یحب و یرید، بکل حالٍ من الاحوال

۲۸۹ برائی کا وبال برائی کرنے والے پر- والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کسی نے بھی گناہ کیا تو اس کا وبال یقیناً اسی کی جان پر ہوگا۔ یعنی کسی بھی گناہ کی کمائی کی۔ خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔ (صفوۃ التفاسیر وغیرہ)۔ تو اس کا وبال خود اسی پر پڑے گا اس دنیا میں بھی کہ اس سے اسکی فضیحت و رسوائی الگ ہوگی اور عدل وانصاف والی حکومت کے یہاں سے سزا الگ ملے گی۔ اور دوسری طرح طرح کی مشکلات اور مصیبتوں سے الگ واسطہ پڑے گا۔ اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔ سو صحت وسلامتی والی راہ انسان کیلئے یہ ہے کہ وہ گناہ کی آلائشوں سے ہمیشہ بچنے اور بچے رہنے کی فکر وکوشش کرے۔ اور پھر بھی اگر بشری تقاضوں سے کوئی گناہ وقصور ہو جائے تو سچے دل سے توبہ واستغفار کرے- وباللہ التوفیق- اسی سے دوسری طرف یہ بھی واضح ہو گیا کہ اپنے تعلقداروں کی نصرت وحمایت کا صحیح طریقہ یہ نہیں کہ گناہ اور برائی میں ان کا ساتھ دیا جائے اور ان کی تائید کی جائے بلکہ اصل اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو ان کی برائی اور غلط کاری پر تنبیہ کی جائے تاکہ وہ اپنی غلط کاری کی روش سے باز اور مجتنب رہیں۔ اور اگر کبھی کوئی غلطی وقصور سرزد ہو جائے تو اللہ پاک کی طرف رجوع کریں اور صدقِ دل سے اس کے حضور توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے دامن کو پاک اور صاف کرنے کی فکر وکوشش کریں- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقِ لِمَا يُحِبُّ وَيُرِيْدُ- سبحانہٗ وتعالیٰ-

۲۹۰ بدنیتی اور خُبثِ باطن باعثِ ہلاکت وتباہی - والعیاذُ باللہ:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ خُبثِ باطن اور بدنیتی انسان کی خود اپنی ہی ہلاکت وتباہی کا باعث ہے - والعیاذُ باللہ: سو ایسے بدنیت لوگ اپنی ہی ہلاکت کا سامان کرتے ہیں اور آپؐ تو قطعی طور پر راہِ حق وصواب پر ہیں اور آپ کا محافظ اور حامی وناصر اللہ ہے۔ پھر آپ کو کسی کا نقصان پہنچانے کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ سو آپؐ کا تو یہ لوگ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، البتہ اپنی بدباطنی اور بدنیتی کی بناء پر یہ اپنی ہلاکت وتباہی میں اضافے کا سامان ضرور کریں گے۔ سو بدنیتی انسان کی اپنی ہی ہلاکت کا باعث بنتی ہے - والعیاذ باللہ - بہرکیف اس میں پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل وکرم تھا کہ آپ ان منافقین کے شر سے محفوظ رہے ورنہ انکی ایک جماعت تو دن رات اس کوشش میں مصروف تھی کہ کسی طرح آپ کو راہِ حق سے پھیر دے لیکن اللہ نے آپ کو ان کے شرور وفتن سے محفوظ رکھا۔ پس بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھا جائے اور اسی سے صبر واستقامت کی دعا مانگی جائے۔

۲۹۱ حفاظت اللہ ہی کی حفاظت ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ خود اپنے آپ ہی کو بہکاتے بھٹکاتے ہیں۔ آپ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ آپ تو قطعی طور سے حق پر اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت وعنایت میں ہیں۔ سو آپؐ کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بچالیا، مگر ان بدبختوں نے اپنی بدباطنی کی وجہ سے گناہ کا بوجھ بھی اٹھایا اور دائمی ذلت ورسوائی کا طوق بھی اپنے گلے میں ڈالا۔ سو منکروں کے لئے ذلت ورسوائی کا طوق ہے - والعیاذ باللہ - نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کو دھوکہ دینا اور ان کو راہِ حق سے بھٹکانے کی کوشش کرنا بڑا سنگین جرم ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - نیز اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ عظمت وحفاظت اللہ کے فضل وکرم اور اسی کی رحمت وعنایت سے ممکن ہوسکتی ہے۔ اس کے بغیر انسان مہالک ومزالق سے نہیں بچ سکتا اور جب اللہ کے نبی اور نبیوں کے امام حضرت محمد ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے اس درجہ محتاج ہیں تو پھر اور کسی کیلئے کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ از خود ایسے مزالق ومہالک سے بچ سکے؟ - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ - پس ہمیشہ اور ہر حال میں اسی وحدہٗ لاشریک کے فضل وکرم کا سوال کرنا چاہئے - وباللہ التوفیق لما یحب ویرید - وعلیٰ ما یحب ویرید

۲۹۲ پیغمبر پر عنایاتِ خداوندی کا ذکر وبیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب وحکمت کی دولتِ بے مثال ولازوال سے نوازا۔ یعنی قرآن وسنت سے (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، محاسن التاویل وغیرہ) کہ یہی دونوں ماخذ دراصل منبع ومصدر ہیں تمام حکمتوں اور دانائیوں کے۔ اور ایسے عظیم الشان منبع ومصدر کہ دنیا ان سے ان کے نزول وورود سے لیکر اب تک لگاتار مستفید ہورہی ہے۔ اور قیامت تک اسی طرح سے مستفید وفیضیاب ہوتی رہے گی۔ سو کتاب وحکمت کی دولت وہ دولتِ بے مثال اور حکمتِ لازوال ہے جسکی دوسری کوئی نظیر ومثال نہ ممکن ہے نہ ممکن ہوسکتی ہے - فالحمدللہ رب العالمین - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آپ کو کتاب وحکمت کی دولتِ بے مثال کی روشنی سے نواز کر ان اَشرار کے شرور وفتن سے بچالیا - فالحمد للہ جل وعلا - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارَبَّ العالمین

تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ

تھے، ۲۹۳ اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے، ۲۹۴ کوئی خیر نہیں

فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں، ۲۹۵ بجز اس کے کہ کوئی تلقین کرے صدقہ کرنے کی، یا

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نیک کام کی، یا لوگوں کے درمیان صلح (صفائی) کرانے کی، اور جو کوئی

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا

ایسا کرے گا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، تو (وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے، کہ) عنقریب ہی ہم اس کو

عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا

نوازیں گے بہت بڑے اجر سے، ۲۹۶ اور (اس کے برعکس) جس نے مخالفت کی اللہ کے رسول کی ۲۹۷ اس کے بعد کہ

تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

کھل گئی اس کے لئے (حق و ہدایت کی) سیدھی راہ، اور اس نے پیروی کی اہلِ ایمان کے راستے کے سوا کسی اور (راستے) کی ۲۹۸

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ خود چلا ۲۹۹ اور (آخرکار) ہم اسکو داخل کر دیں گے جہنم میں، اور وہ بڑی ہی بری جگہ ہے لوٹنے کی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

بے شک اللہ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے ۳۰۰ اور وہ بخش دے گا اس کے سوا جو بھی گناہ ہوگا،

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ

جس کے لئے چاہے گا، اور جس نے شرک کیا، تو وہ یقیناً (راہِ حق سے) بھٹک کر جا پڑا

۲۹۳ "عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَم" کا مطلب؟:- یعنی احکام شریعت اور عقائد وغیرہ سے تعلق رکھنے والے وہ تمام غیبی علوم و معارف جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی عطاء فرمائے ہیں۔ پس اس سے اہلِ بدعت کا اپنے شرکیہ عقیدۂ علمِ غیب کیلئے استدلال کرنا باطل اور مردود ہے۔ کیونکہ اس سے مراد غیب کے وہی علوم و معارف ہیں جن کا تعلق ہدایت وارشاد کے آپؐ کے اصل منصب سے ہے، نہ کہ جمیع ماکان و ما یکون کا علم۔ جیسا کہ اہلِ بدعت کا دعویٰ ہے۔ اور "ما" کا یہی کلمہ مجموعی امت کیلئے بھی استعمال ہوا ہے ﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ حالانکہ پوری امت کے عالمِ غیب ہونے کا دعویٰ خود اہلِ بدعت کو بھی نہیں۔ سو اس آیتِ کریمہ کے عموم سے علمِ غیب کے اہلِ بدعت کے شرکیہ عقیدہ کو کشید کرنا محض ان کی اپنی کور باطنی اور ہٹ دھرمی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم - ورنہ اس سے مراد وہی علوم و معارف ہیں جن کا تعلق منصبِ نبوت سے ہے اور بس۔ اور یہ علوم و معارف اسقدر عظیم الشان، جلیل القدر اور وسیع الاطراف ہیں کہ ان کی عظمتوں اور وسعتوں کا اندازہ کرنا بھی کسی انسان کے لئے ممکن نہیں۔ ہمارے حضور کی عظمتِ شان کا اِحاطہ و اِدراک کسی بشر کے امکان میں نہیں - صلی اللہ علیہ وسلم -

۲۹۴ اللہ تعالیٰ کے فضلِ عظیم کا ذکر:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپؐ کو دوسری بے شمار نعمتوں کے علاوہ، نبوت و رسالت جیسی اس عظیم الشان نعمت سے بھی نوازا ہے جس جیسی دوسری کوئی نعمت ہو ہی نہیں ہوسکتی۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کو تمام انبیاء و رسل کا امام و پیشوا اور خاتم بنایا گیا - صلی اللہ علیہ وسلم - سو اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بڑے شکر گزار بن جائیں اور آپ کی امت بھی تمام امتوں سے بڑھ کر شکر گزار بن جائے کہ اس کو اس عظیم الشان اور بے مثال نعمت سے نوازا گیا اور اس کو خیر الامم کے شرف سے نوازا گیا ہے۔ (المراغی وغیرہ)۔ اسی سے استدلال کر کے امام رازیؒ نے کہا کہ یہ سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے اس بات کی کہ فضائل و مناقب میں سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ علم ہی کا درجہ و مرتبہ ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ) اللہ تعالیٰ نور علم و ہدایت سے مزید از مزید سرفراز اور مالا مال فرمائے، اور ہمیشہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں کے سائے میں رکھے، امین

۲۹۵ لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کوئی خیر نہیں لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں۔ کیونکہ اگر یہ کوئی خیر کا کام ہوتا تو اس کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اس کو تو ایسے لوگ ظاہر کر کے کرتے جیسا کہ عام انسانوں کا وطیرہ اور فطرت ہے۔ البتہ بعض اوقات ریاء وغیرہ کے خدشے سے انسان کچھ نیک کام بھی چھپا کر کرتا ہے۔ اس لئے یہاں سب مشوروں اور سرگوشیوں کے بارے میں ﴿لا خیر﴾ کا حکم نہیں لگایا گیا۔ بلکہ ﴿فِيْ كَثِيْرٍ﴾ کی قید لگا کر اکثر مشوروں کے بارے میں یہ حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ نیز آگے ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ سے تین بڑے نیک کاموں کا استثناء بھی فرما دیا گیا کہ ان کاموں میں سرگوشی ممنوع و محذور نہیں بلکہ محمود و مطلوب ہے تاکہ ایسا ہر کام ریاء و نمود کے ہر شائبہ سے محفوظ رہے۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ نجویٰ یعنی سرگوشی اور رازداری بجائے خود کوئی بری چیز نہیں۔ اس لئے کہ بہت سے مواقع ایسے آتے ہیں جہاں سرگوشی اور رازداری کا طریقہ قرینِ مصلحت ہوتا ہے۔ اس میں بھلائی یا برائی بات کی نوعیت سے پیدا ہوتی ہے۔ بات اگر نیکی اور تقویٰ کی ہوگی تو ایسا نجویٰ نجوائے خیر بن جائیگا۔ اور اس کے برعکس اگر بات شر و فتنہ کی ہوگی تو یہ نجویٰ نجوائے شر بن جائیگا - وَالْعِيَاذُ

باللہ - قرآنِ حکیم نے دوسرے مقام پر اس کی ضروری تفصیل ذکر فرما دی ہے، جیسا کہ سورۃ مجادلہ میں موجود ہے۔ بہر کیف جو نجویٰ و سرگوشی خیر کیلئے ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ورنہ اس میں کوئی خیر نہیں۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

۲۹۶ نجوائے خیر پر اجرِ عظیم سے نوازنے کی خوشخبری:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس طرح کی نجوائے خیر کرنے والوں کو ہم عنقریب اجرِ عظیم سے نوازیں گے۔ یعنی آخرت میں کہ دارالجزاء دراصل آخرت ہی ہے۔ اور اعمال کا اصل اور پورا بدلہ آخرت ہی میں ملے گا۔ دنیا میں بھی اگرچہ اعمال کا کسی قدر بدلہ ملتا ہے، لیکن وہ اصل اور حقیقی بدلہ نہیں ہوتا کہ اسکا موقع و مقام تو بہرحال آخرت کی دائمی زندگی ہی ہے کہ دنیاوی زندگی کی یہ مختصر و محدود فرصت تو عمل اور کمائی کیلئے ہے۔ یعنی آخرت کی کمائی کیلئے کہ اس میں کی گئی کمائی ہی پر آخرت کے فیصلے کا مدار و انحصار ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ سو یہ دنیا کمانے کی جگہ اور دارالعمل ہے۔ دارالجزاء اور بدلے کی جگہ نہیں۔ بدلے کی جگہ تو بہرحال آخرت ہی ہے۔ اور یوں دنیاوی زندگی کی اس فرصت میں اسکی گنجائش بھی نہیں کہ اس میں انسان کو اسکے اعمال کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ پورا بدلہ تو انسان کو آخرت کے اس جہاں ہی میں مل سکے گا جو کہ دارالجزاء ہے اور جسکی وسعت بھی لامحدود ہے۔ بہر کیف اس میں نجوائے خیر پر اجرِ عظیم سے نوازے جانے کی خوشخبری ہے- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید-وعلی ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال

۲۹۷ اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت باعثِ ہلاکت و تباہی-والعیاذُ باللہ:- کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کو توڑا اور جان کران کی خلاف ورزی کی -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہ - اور رسول کی مخالفت اور نافرمانی کی سب سے بڑی صورت یہ ہے کہ انسان پیغمبر کے لائے ہوئے دینِ متین سے پھر جائے اور اس سے مرتد ہو جائے- والعیاذ باللہ- (المراغی وغیرہ)۔ سو اللہ- جَلَّ جَلَالُہٗ - اور اسکے رسول اکرمؐ کی مخالفت- والعیاذ باللہ- ہلاکت و تباہی کی راہ ہے اور اس کا نتیجہ و انجام بہت ہی برا اور نہایت ہی ہولناک ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ کے رسول اور اس کی ہدایت کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ اہلِ ایمان کے راستے سے ہٹ کر الگ اپنی پگڈنڈی اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو ان کی اپنی چاہت اور انتخاب کے مطابق ان کی اپنی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا ہے-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور ان کی اپنی اختیار کردہ یہ راہ ان کو سیدھی لے جا کر جہنم میں ڈالیگی جو کہ خساروں کا خسارہ اور سب سے بڑی ناکامی ہے۔ اور یہ ایسا خسارہ ہے جس کی پھر تلافی بھی ممکن نہ ہوگی-وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی عنایت و پناہ میں رکھے- امین ثم امین یاربَّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۲۹۸ اہلِ ایمان کے راستے کی خلاف ورزی کا نتیجہ نہایت بُرا، والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے اہلِ ایمان کے طریقے کو چھوڑ کر کسی اور طریقے کی پیروی کی۔ یعنی اس نے اہلِ ایمان کی راہ کو چھوڑ کر کسی ایسے راستے سے آپ کی پیروی کی جو کہ کتاب و سنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہو کہ اہلِ ایمان کا راستہ وہی ہے جو ان تعلیمات کے مطابق ہو۔ اور وہ بھی وہ تعلیمات جو کہ صحیح فکر و فہم پر مبنی ہوں اور اسلافِ امت یعنی صحابہ کرام اور ان کے تابعین اور اَتباعِ تابعین کے توسط سے ہمارے پاس پہنچی ہوں۔ اور ان کو بھی انہی حضرات کی توضیح و تشریح کے مطابق مانا جائے۔ کیونکہ خیر القرون سے تعلق رکھنے والے یہ حضرات قرآن و سنت کے

منشاء و مدعا اور اسکے صحیح مفہوم و مصداق کو بعد کے لوگوں سے بہرکیف زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے تھے۔ اور اسی کی تائید و تصدیق پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشادِ عالی مقام سے ہوتی ہے ''خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ'' سو قرآن و سنت، اور سلفِ امت، حضراتِ صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے وہ تمام اَصحابِ صدق و صفا جو ''وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ'' کے زمرے میں آتے ہیں، ان کی راہِ حق و صدق کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اپنانا قطعی طور پر گمراہی ہے، جس کا انجام ہلاکت و تباہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اسی لئے اہل حق کو اہلِ السنّت والجماعت کہا جاتا ہے کہ وہ سنت کو بھی مانتے ہیں اور ان صاحبِ سنت یعنی حضرتِ رسالت پناہ - علیہ الصلوٰۃ والسلام - کے جملہ سچے پیروکاروں کو بھی۔ اس سے ہمارے یہاں کے بعض روسائے اہلِ بدعت نے جو مروجہ بدعات کے جواز وثبوت پر دلیل کشید کرنے کی سعی مذموم کی کہ چونکہ یہ بدعات عام اور جاہل مسلمانوں میں رواج پذیر ہیں۔ اس لئے یہ درست ہیں۔ تو یہ استدلال سراسر باطل و مردود ہے۔ کیونکہ بات ان عامۃ المسلمین کی نہیں جو دینی تعلیمات سے نابلد و ناآشنا ہیں۔ بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات اور سلفِ امت کے فہم و ادراک کی ہے۔ اور ان میں سے کسی میں بھی ان بدعات میں سے کسی کا بھی نہ کوئی ثبوت ہے نہ وجود۔ نہ قرآن میں نہ حدیث میں۔ اور نہ ہی خیر القرون کے اصحابِ خیر و برکت میں۔ بلکہ یہ تو صرف ہمارے برصغیر ہندو پاک کے اہلِ ہوٰی اور شکم پرست اہلِ بدعت کی ایجادیں ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - اور اسی طرح ان لوگوں کا ''مَا رَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ'' کے مشہور اثر سے استدلال کرنا بھی سراسر باطل و مردود ہے۔ کیونکہ اس اثر کا بشرطِ صحت سیدھا صاف اور صحیح مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اہلِ علم و فضل، اور ثقہ مسلمان اچھا دیکھیں وہ اچھی ہے۔ نہ کہ وہ عامۃ المسلمین جن کو دین کی تعلیماتِ حقہ کا پتہ ہی نہ ہو۔ ورنہ آج کے دور میں تو سینما بینی، فلم بینی، جوابازی اور سودخوری وغیرہ کون کونسی برائیاں ہیں جو مسلم معاشرے کے اندر موجود نہیں۔ تو کیا اپنی اس منطق سے تم لوگ ان سب کے جواز کا فتوٰی دے دو گے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم لوگ یہاں پر یہ منطق کس طرح بگھارتے ہو؟ والعیاذ باللہ جل وعلا، بکل حالٍ من الاحوال

۲۹۹ انسان اپنے انجام کا ذمہ دار خود:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ بندہ جدھر کا رخ کرے گا اس کو ادھر ہی چلتا کر دیا جائے گا:- کیونکہ دین و ہدایت کی عظیم الشان اور بے بدل نعمت زبردستی اور اِعراض و اِنکار کے رویے پر کبھی نہیں مل سکتی، بلکہ وہ سچی طلب اور حقیقی تڑپ پر ملتی ہے، جس کو دلوں کے راز جاننے والا وہ علام الغیوب پوری طرح جانتا ہے۔ پس دارومدار آدمی کے اپنے ارادہ واختیار پر ہے کہ وہ کدھر جانا چاہتا ہے۔ جدھر جائے گا اسکو ادھر ہی چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ یہاں سودا زور زبردستی کا ہے ہی نہیں، بلکہ ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی ﴾ کا اصول کارفرما ہے کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے جدھر جانا چاہے گا اور جو رخ اور راستہ اپنائے گا اسکو اسی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کہ دنیا کے اس دارالامتحان میں اصل مدار و انحصار انسان کے اپنے ارادہ واختیار پر ہے۔ سو یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾[الصف: ۵] یعنی جب ان لوگوں نے زیغ اور ٹیڑھے پن کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق

لوگوں کو ہدایت کی دولت سے نہیں نوازتا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - بِکُلِّ حَالٍ مِّنَ الاحوال،

۳۰۰ **شرک نا قابلِ معافی جرم - والعیاذُ باللہ:** - کیونکہ شرک کا جرم دراصل بغاوت کا جرم ہے، جو نا قابلِ معافی ہے۔ الّا یہ کہ آدمی سچی توبہ کر کے اس سے باز آ جائے اور شرک کی نجاست و گندگی سے اپنے آپ کو پاک کر لے۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑے اور ان کے حواری ایسے موقع پر شرک کا ترجمہ کفر سے کرتے اور اس سے وہ کفر مراد لیتے ہیں۔ پتہ نہیں اس کی ان کو ضرورت کیا پڑی۔ اور شرک کی یہ طرف داری وہ کیوں کرتے ہیں حالانکہ یہاں پر ﴿وَمَنْ یَّکْفُرْ﴾ نہیں بلکہ ﴿وَمَنْ یُّشْرِکْ﴾ فرمایا گیا ہے۔ اور لفظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنے کیلئے کوئی خاص مقتضیٰ یا قرینہ صارفہ بھی یہاں موجود نہیں ہے۔ پھر ظاہر اور متبادر کا یہ ترک اور اس سے فرار آخر کیوں؟ بہرکیف اس آیتِ کریمہ میں ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کی تاکید فرما دی گئی کہ شرک کا جرم ایسا ہولناک اور اس قدر سنگین جرم ہے کہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے صاف اور صریح طور پر اس سے متعلق اعلان و ارشاد فرما دیا کہ اسکی بخشش کبھی بھی اور کسی بھی طرح نہیں ہوگی کہ یہ جرم نا قابلِ معافی جرم ہے۔ اس کے سوا جس جرم کو بھی وہ چاہیگا اپنی مشیئت سے اور اپنے علم و حکمت کے مطابق معاف فرما دے گا، مگر شرک کے اس ہولناک گناہ کو کبھی نہیں بخشے گا۔ مگر افسوس کہ اس کے باوجود دنیا کی واضح اکثریت شرک کے اس سنگین اور ہولناک جرم کی مرتکب ہے۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اور مسلمان کہلانے والی اور توحید کی علمبردار امت کے ایک بڑے حصے کا یہی حال ہے۔ مصر کے مشہور مفسر شیخ احمد مصطفیٰ المراغی مرحوم اپنی تفسیر میں اس بارے تحریر فرماتے ہیں کہ آج کل توحید کے دعویداروں میں کتنے ایسے ہیں جو قضاء حاجات اور تفریج کربات کیلئے اللہ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے پیارے اور ہمارے وسیلے اور واسطے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کے مشرک ہونے کیلئے ان کا یہی طریقہ و عمل کافی ہے کیونکہ غیر اللہ کو حاجت روائی و مشکل کشائی کیلئے پکارنا اسکی پوجا کرنا اور اسکو شریک ٹھہرانا ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''دعاء عین عبادت ہے'' اور ''دعاء عبادت کا مغز ہے''۔ (تفسیر المراغی)۔ سو اس سے ان قسما قسم کی ان شرکیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو برصغیر کے مختلف ملکوں میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے پائی جاتی ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے مختلف فانی، عاجز، اور فوت شدہ ہستیوں کو حاجت روا و مشکل کشا قرار دے کر پوجتے پکارتے، انہی پر بھروسہ و اعتماد کرتے، قبروں آستانوں پر جھکتے، سجدے کرتے، ماتھے ٹیکتے، ان کے گرد طواف کرتے، چکر لگاتے، پھیرے مانتے نذریں مانتے، نیازیں دیتے، اور دیگیں پکاتے اور تقسیم کرتے ہیں وغیرہ۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ - اور ان کی کھوپڑیاں اتنی الٹی اور اس قدر اوندھی ہو گئی ہیں کہ ان لوگوں کو یہ بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ جو لوگ خود اپنے آپ کو بیماری اور پھر موت کے منہ سے نہیں بچا سکتے اور وہ مر کر قبر کے کئی فٹ گہرے گڑھے اور ڈھیروں مٹی کے نیچے چلے گئے آخر وہ کسی کے حاجت روا و مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ایسے من گھڑت عقائد اور معتقدات کیلئے آخر کونسی دلیل اور اساس ہے؟ سوائے ان لوگوں کے اپنے خود ساختہ ڈھکوسلوں، فرضی قیاسات، اور من گھڑت مفروضوں کے، جبکہ قرآن و سنت کی صاف و صریح نصوص اسکے خلاف موجود ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم بکل حال من الاحوال

ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ

دور کی گمراہی میں، ف۳۰۱ یہ (مشرک) لوگ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر کچھ عورتوں (کے ناموں) کو ف۳۰۲

وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

اور یہ نہیں پکارتے مگر اس بڑے سرکش شیطان کو، ف۳۰۳ جس پر لعنت فرما دی اللہ نے،

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ ﴿۱۱۸﴾

اور جس نے (اللہ سے اعلانیہ) کہہ دیا تھا کہ میں ضرور بالضرور لے کر رہوں گا تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ ف۳۰۴

وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُبَتِّكُنَّ

اور میں ضرور بالضرور گمراہ کر کے چھوڑوں گا ان کو (راہِ حق سے،) اور میں ضرور بالضرور مبتلا کر کے رہوں گا ان کو طرح طرح کی

اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ ؕ

امیدوں میں، اور میں ضرور بالضرور پٹی پڑھاؤں گا ان کو، تاکہ یہ (غیر اللہ کے نام پر) کان کاٹیں اپنے جانوروں کے ف۳۰۵ اور میں ضرور بالضرور

وَمَنۡ يَّتَّخِذِ الشَّيۡطٰنَ وَلِيًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَقَدۡ

ان کو سکھاؤں گا (اور پڑھاؤں گا) تاکہ یہ بدل دیں اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو ف۳۰۶ اور جس نے اپنا دوست بنا لیا شیطان کو اللہ کے سوا

خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِيۡنًا ؕ ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمۡ وَيُمَنِّيۡهِمۡ ؕ وَمَا

تو وہ یقیناً پڑ گیا ایک بڑے ہی کھلے خسارے میں ف۳۰۷ وہ ان سے (جھوٹے) وعدے کرتا، اور ان کو طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے ف۳۰۸ اور

يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ

شیطان ان سے وعدے نہیں کرتا مگر محض دھوکے (اور فریب) کے، ف۳۰۹ ایسے لوگوں کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوۡنَ عَنۡهَا مَحِيۡصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيۡنَ

جہنم ہے، اور وہ نہیں پا سکیں گے اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت، اور (اس کے برعکس)

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

جو لوگ ایمان لائے (صدق دل سے،) اور انہوں نے عمل بھی نیک کئے ف۳۱۰ تو ان کو ہم عنقریب ہی داخل کریں گے ایسی عظیم الشان

۳۰۱ شرک بہت دور کی گمراہی - والعیاذ باللہ:- یعنی حق سے دور اور اتنی دور کہ اس سے سچی توبہ اور رجوع الی الحق کے بغیر اس کی واپسی ممکن نہیں۔ اور ایسے میں عفو و درگزر کی بھی کوئی صورت ایسے لوگوں کیلئے ممکن نہیں ہو سکتی - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اور یہ اس لیے کہ شرک گمراہی کی وہ قسم ہے جو کہ سب سے بڑی گمراہی ہے اور جو راہِ حق و صواب اور صراطِ مستقیم سے بہت دور ہے۔ جس سے انسان کی روح فاسد اور اسکی عقل مسخ ہو جاتی ہے اور جس سے اس کا ہر عمل ناکارہ اور ناقابلِ قبول ہو جاتا ہے - والعیاذ باللہ - کیونکہ مشرک کا عمل مختلف شرکاء سے متعلق ہو جاتا ہے۔ جبکہ اللہ پاک کی بارگہِ اقدس و اعلیٰ میں وہی عمل رسائی حاصل کرسکتا ہے جو کہ خالص اسی کی رضاء و خوشنودی کیلئے کیا جائے - سبحانہ وتعالیٰ - سو مشرک اپنے شرک کے باعث خدا سے کٹ جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی باگ نفس و شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ صراطِ مستقیم سے درجہ بدرجہ اور شدہ شدہ اتنا دور ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے خدا کی طرف لوٹنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ تا آنکہ وہ سچی توبہ کرے۔ اس لئے خداوندِ قدوس کے یہاں شرک کی معافی نہیں اس کے برعکس توحید کے ساتھ اگر کسی سے گناہ ہو بھی جائیں تو اللہ جس کے لئے چاہیگا معاف فرما دے گا۔ سو شرک محرومیوں کی محرومی اور تمام شر و فساد کی جڑ بنیاد ہے اور توحید سعادتِ دارین سے سرفرازی کی اساس و بنیاد ہے - اللہ ہمیشہ راہِ حق پر مستقیم اور ثابت قدم رکھے - آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۳۰۲ مشرکین کا بے حقیقت مادہ ناموں کو پکارنا:- سو ارشاد فرمایا گیا اور حصر و قصر کے ساتھ فرمایا گیا کہ یہ لوگ اللہ کے سوا نہیں پکارتے مگر کچھ عورتوں کے ناموں کو۔ مثلاً لات، عزّٰی، منات اور نائلہ وغیرہ، جو کہ سب کے سب مؤنث اور عورتوں کے نام ہیں۔ اور اسی طرح وہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اسی طرح ہندو کالی دیوی، لکشمی دیوی، وغیرہ مختلف ناموں سے اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ بہرکیف اس طرح مشرکین اپنے ان خود ساختہ بتوں کو پوجتے پکارتے اور کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں (روحِ کبیر، قرطبی، ابنِ کثیر، اور محاسن التاویل وغیرہ)۔ افسوس کہ اسی ذہنیت کے جراثیم بہت سے جاہل مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہ اپنے بزرگوں کیلئے "سہیلی سرکار"، "نویلی سرکار"، اور "سہاگن سرکار" وغیرہ جیسے مؤنث نام تجویز کرتے اور انہی سے ان کو پکارتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۳۰۳ شیطانِ مَرید کی پُوجا و پکار - والعیاذُ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ نہیں پکارتے مگر اس بڑے سرکش شیطان کو کہ اسی کے اِغواء و اضلال اور تحریک و تحریض سے یہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ اور اس طرح کفر و شرک میں مبتلا ہوتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اور اس طرح بے چون و چرا اطاعت اسکی عبادت ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [یٰسٓ: ۶۰] یعنی "اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی بندگی نہیں کرنا کہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے"۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ الآیۃ [سبا: ۴۱] "نہیں بلکہ یہ لوگ جنوں

کی پوجا کرتے تھے اور ان میں کے اکثر انہی پر ایمان رکھتے تھے"، سو شرک کے اس سارے کاروبار میں ان مشرکوں کا اصل لیڈر اور بڑا گرو چونکہ شیطان سرکش ہی تھا اور ہے جس نے خداوندِ قدوس کے سامنے اس کے حکم و اِرشاد کی اعلانیہ اور کھلم کھلا خلاف ورزی کی تھی اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا جس سے وہ مردود اور راندۂ درگاہ اور ہمیشہ کے لئے مطرود وملعون ہو گیا۔ اس لئے یہاں پر ان کے اسی بڑے گرو کا ذکر فرمایا گیا۔

۳۰۴ شیطان کے چیلنج کا ذکر و بیان و بیان: - سو شیطان کا چیلنج یہ حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے سامنے تھا جو اس نے اپنے دھتکارے جانے کے بعد کیا تھا۔ یعنی ان میں سے ان لوگوں کو جو میری بات مانیں گے اور میرے پیچھے چلیں گے۔ وہ تیرے سوا اوروں کی بندگی کریں گے۔ دوسروں کے آگے جھکیں گے۔ ان کے آگے سجدے کریں گے۔ ان کے گرد طواف کریں گے۔ ان کے نام کی نذریں مانیں گے۔ نیازیں دیں گے چڑھاوے چڑھائیں گے اور طرح طرح سے کفر و شرک کا ارتکاب کریں گے۔ سو تیرے ان بندوں سے جن کے سبب تو نے مجھے گمراہ کیا میں ایک مقرر حصہ لیکر رہوں گا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ چنانچہ اس نے ایسا کر دکھایا جیسا کہ دوسری جگہ قرآنِ حکیم میں اِرشاد ہوتا ہے ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[سبا: ۲۰] سو یہ تھا شیطان مرتد کا چیلنج جو اس نے حضرتِ حق - جل مجدہٗ - کے سامنے کیا اور پھر اس نے اسکو پورا کر دکھایا۔ انسانوں کی غفلت و لاپرواہی کی بناء پر اکثریت اس کے پیچھے لگ گئی، سوائے سچے پکے ایمان والوں کے گروہ کے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے سچے پکے ایمان کے نتیجے میں شیطان مرید کے مکر و فریب سے محفوظ رہے۔ فالحمدُ لِلّٰہِ ربِّ العالمین،

۳۰۵ جانوروں کے کان کٹوانے کا چیلنج: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس نے کہا تھا کہ میں ضرور بالضرور ان لوگوں کو پٹی پڑھاؤں گا تا کہ یہ اپنے جانوروں کے کان کاٹیں۔ بتوں وغیرہ معبودانِ باطلہ کے نام پر چھوڑنے کیلئے، جیسا کہ مشرکینِ عرب "بحیرہ" و "سائبہ" وغیرہ چھوڑتے تھے۔ اور ہندو اپنے بتوں کے نام اور اپنے مندروں وغیرہ میں چھوڑتے ہیں۔ اور کلمہ گو مشرک (نام نہاد مسلمان) مختلف قبروں اور آستانوں کے نام سے چھوڑتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - کہ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز حرام اور شرک ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نام سے ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہر کیف اس سے واضح فرمایا گیا کہ شیطان مَرید نے اپنے چیلنج میں کہا کہ میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ان کو یہ پٹی پڑھاؤنگا کہ یہ جانوروں کے کان کاٹیں گے۔ سو مشرک قوموں کے درمیان یہ مشترک روایت رہی ہے کہ وہ خاص خاص جانوروں کے کان چیر کر ان کو اپنے فرضی معبودوں کے نام پر بطورِ نذر و نیاز چھوڑ دیتے رہے ہیں، تا کہ اس طرح ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اور آج بہت سے جاہل مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں - والعیاذ باللہ العظیم - اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین یارَبَّ العالمین

۳۰۶ اللہ کی بنائی ہوئی شکلوں کے بگاڑنے کے چیلنج کا ذکر و بیان: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ اللہ کی بنائی ہوئی شکلوں اور صورتوں کو بگاڑنا شیطانی تحریک ہی کا نتیجہ ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ ابلیس نے کہا کہ میں ان کو ضرور سکھاؤں گا پڑھاؤں گا تا کہ یہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدل دیں۔ تا کہ اس طرح وہ بھی اس لعنت اور پھٹکار کے مستحق ہو جائیں جس کا طوق میرے گلے میں ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورتوں کو بدلنا بگاڑنا اور اس کی قائم کردہ حدود کو مٹانا

اس کی لعنت و پھٹکار کا باعث ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ان مردوں پر خدا کی لعنت جو عورتوں کے مشابہ بنتے ہیں، اور ان عورتوں پر بھی خدا کی لعنت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ اور اللہ کی پیدا کردہ صورتوں کو بدلنے بگاڑنے میں وہ سب ہی صورتیں داخل ہیں جو فطرت کے تقاضوں اور دین کی تعلیماتِ مقدسہ کے خلاف ہوں۔ جن میں سب سے بڑی صورت اس دینِ فطرت کو بدلنا ہے جس پر حضرتِ خالق نے بندوں کو پیدا فرمایا ہے۔ جو کہ عبارت ہے دینِ فطرت اور توحیدِ خداوندی سے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم: ۳۰] اور اسکے بعد اللہ کی مخلوق میں کی جانے والی ہر ایسی تبدیلی اس میں داخل ہے جو فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ جیسے ڈاڑھی منڈانا، بتوں اور آستانوں کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا، عورتوں کا اپنی کھالوں کو گدوانا، اور اپنے بالوں میں دوسرے بالوں کا وصل کرانا وغیرہ۔ (معارف للکاندھلویؒ، بیان القرآن للتھانویؒ وغیرہ)۔ اہلِ بدعت کے بعض بڑوں نے اس سے شیطان کیلئے علمِ غیب ثابت کیا ہے۔ چنانچہ موصوف اس مقام پر لکھتے ہیں ''معلوم ہوا کہ رب نے شیطان کو بھی علمِ غیب دیا ہے کہ اس نے جو خبر دی آج ویسا ہی دیکھا جا رہا ہے'' ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ شیطان اور علمِ غیب؟ اگر کوئی اور ایسی بات کہہ دیتا تو اس پر پتہ نہیں کیا کیا فتوے جڑ دیئے جاتے، مگر خود موصوف ایسی بات اس صراحت سے لکھتے ہیں اور قرآنِ حکیم کے حواشی میں لکھتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ اب موصوف سے کوئی پوچھے کہ اگر علمِ غیب بقول آپ کے شیطان مردود کو بھی حاصل ہے تو پھر آپ اس کو حضراتِ انبیائے کرام ۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ کیلئے ثابت کرنے پر کیوں زور لگاتے ہیں۔ حالانکہ آیتِ کریمہ میں بات شیطان مردود کے علمِ غیب کی نہیں، بلکہ اس کے اپنے ادعاء اور ظن و گمان کی ہے۔ اور اس کا اس طرح کہنا علمِ غیب نہیں بلکہ محض ظن و تخمین ہے۔ جیسا کہ سورۂ سبا کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور علم اور چیز ہے اور ظن و تخمن اور چیز۔ اور سورۂ سبا کی اس آیتِ کریمہ میں ﴿صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ فرمایا گیا ہے نہ کہ علمہ ۔ وَشَتَّانَ مَا بَيْنَ الْعِلْمِ وَ الظَّنِّ ۔ بہر کیف اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلنا بگاڑنا شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ ۔ سو شیطان مَرید اپنے القاءِ شیطانی سے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور جنوں اور انسانوں میں سے جو لوگ اس کے ایجنٹ بن جاتے ہیں وہ اس کے منصوبوں کی تعمیل و تنفیذ کا کام کرتے ہیں ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۳۷۷ شیطان کو دوست بنانا کھلا خسارہ ۔ والعیاذُ باللہ: ۔ سو اس سے تصریح فرما دی گئی ہے کہ شیطان کو دوست بنانے والا کھلے خسارے میں ہے ۔ والعیاذ باللہ ۔ کہ اس سے وہ دنیا میں راہِ حق و صواب سے محروم ہو گیا اور آخرت میں دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس طرح وہ دنیا و آخرت دونوں کے خسارے سے دوچار ہو گیا۔ اور پھر آخرت کا یہ خسارہ اتنا بڑا اور اس قدر شدید اور ہولناک خسارہ ہوگا کہ اس کے تدارک و تلافی کی بھی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی کہ اس کے لئے موقع و فرصت یہ دنیاوی زندگی ہی تھی جو کہ ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ سو یہ خسارہ سب سے بڑا خسارہ ہے ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم ۔ اور شیطان جب انسان کا دشمن بلکہ ﴿عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ اور ''کھلا دشمن'' ہے تو پھر اس کو دوست بنانے والوں کے خسارے اور نقصان کا ٹھکانا ہی کیا ہو سکتا ہے؟ شیطان تو بہر حال یہی کوشش کریگا کہ ایسوں کو راہِ حق و ہدایت سے ہٹا کر اور

محروم کر کے ہلاکت اور تباہی کے راستے پر ڈال دے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بکل حال من الاحوال

۳۰۸ شیطان کے کام کی تشخیص اور نشاندہی: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کا کام جھوٹے وعدے کرنا، اور بے بنیاد امیدیں دلانا ہے، والعیاذ باللہ سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان ان سے جھوٹے وعدے کرتا اور ان کو طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے کہ بس جی یہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ اسی کے مزے جس نے لوٹ لئے اس نے سب کچھ پالیا۔ اور آخرت واخرت کچھ نہیں۔ یہ ایسے ہی دلوں کو خوش کرنے والی باتیں اور بھلاوے و خام خیالیاں ہیں۔ جن میں پڑ کر دنیاوی عیش وعشرت اور یہاں کی لذتوں کا مزہ بھی کرکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی قیامت ویامت ہوئی بھی تو تم کسی کا لڑ پکڑ لو۔ اور فلاں فلاں سرکار میں سے کسی کے غلام بن جاؤ۔ بس وہ تمہارے سب کام خود کرا دے گی۔ اور یہ کہ ابھی بڑی لمبی عمر پڑی ہے۔ آخر میں جا کر توبہ کر کے سب کچھ بخشوالینا اور نیک وصالح انسان بن جانا۔ ابھی سے ایسی نادیدہ اور اَن دیکھی شئ کے خوف میں مبتلا ہو کر اپنی عیاشیوں اور عیش کوشیوں کو چھوڑ دینے کی کیا ضرورت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ اسی طرح کے شیطانی دھوکوں میں پڑ کر اور اسکی ان فریب کاریوں کے جال میں پھنس کر فرصتِ عمر تمام ہو جاتی ہے اور انسان خالی ہاتھ اپنی آخرت کو لوٹ کر وہاں کے دائمی اور ہولناک خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

۳۰۹ شیطان کے وعدے محض دھوکے کا سامان، والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ شیطان ان سے وعدے نہیں کرتا مگر محض دھوکے کے۔ جن کا ظاہر تو بڑا خوبصورت اور دلربا ہوتا ہے، مگر ان کا باطن سراسر مکر وفریب ہوتا ہے۔ مگر لوگ شیطان کی دھوکہ دہی اور ملمع سازی کی بناء پر ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح وہ ہولناک خسارے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اس لئے دینِ حنیف کی تعلیماتِ مقدسہ طرح طرح سے اس سے متنبہ اور خبردار کرتی ہیں کہ کہیں تم لوگ تلبیسِ ابلیس کے اس دامِ ہمرنگِ زمین میں پھنس کر اپنی دنیا و آخرت کو تباہ نہیں کر دینا۔ اور لوگوں کو یہ دھوکہ ایک طرف تو دنیا کی چمک دمک اور اس کی مادی اور ظاہری چکا چوند سے لگتا ہے اور دوسری طرف تلبیسِ ابلیس اور القاءِ شیطانی کی باطنی تغریر لگتا ہے۔ اس لئے قرآنِ حکیم ان دونوں سے جابجا اور طرح طرح سے خبردار کرتا ہے۔ مثلاً سورۂ لقمان میں ارشاد فرمایا گیا ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ﴾ [لقمٰن: ۳۳] اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین

۳۱۰ عملِ صالح سے مقصود و مراد؟: سو عملِ صالح وہی عمل ہو سکتا ہے جو کتاب وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے مطابق ہو۔ سو ان لوگوں نے محض ایمان وعشق کے دعوے ہی نہیں کئے ہوں گے بلکہ اپنے عمل و کردار سے اس کا ثبوت بھی دیا ہوگا۔ سو محض ایمان وعشق کے زبانی کلامی دعووں سے کام نہیں چلے گا، بلکہ اس کے لئے عمل و کردار کا ثبوت بھی درکار ہوگا۔ کیونکہ ایمان و یقین اور عشق و محبت کا تعلق انسان کے باطن سے ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت اپنے عمل و کردار سے ہی دیا جا سکتا ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ۔ بہرکیف اس ارشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ شیطان کے وعدے اور اس کی آرزوئیں تو محض جھوٹ و فریب اور دھوکے کا سامان ہیں مگر اللہ کا وعدہ جو حق اور حقیقت کے عین مطابق ہے یہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کریں گے ان کو وہ ایسی عظیم الشان جنتوں میں داخل فرمائیگا جس کے نیچے سے طرح طرح کی عظیم الشان نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جہاں ان کو ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ

جنتوں میں، جن کے نیچے سے بہہ رہی ہوں گی طرح طرح کی عظیم الشان نہریں ۳۱۱ جہاں ان کو ہمیشہ ہمیش کیلئے رہنا نصیب ہوگا ۳۱۲ وعدہ ہے

حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ

اللہ کا سچا، اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ ۳۱۳ مدار نہ تمہاری

۳۱۱ جنت کی نہروں کی عظمتِ شان کا بیان:- سو یہ نہریں ہونگی صاف ستھرے اور نہ بدلنے والے پانی کی۔ خراب نہ ہونے والے دودھ کی۔ عمدہ و مصفّٰی شہد کی۔ اور ایسے شراب طہور کی جو سراسر لذت ہوگا اور جس سے نہ کوئی بدمزگی پیدا ہوگی اور نہ اس کے پینے سے کوئی فتور آئے گا۔ پس جنت کی ان عظیم الشان نعمتوں کے مقابلے میں دنیائے دوں کی ان فانی لذتوں اور عارضی منفعتوں کی حقیقت اور حیثیت ہی کیا ہوسکتی ہے جو طرح طرح کی آلائشوں اور کدورتوں سے اٹی پڑی ہیں فَاِيَّاكَ نَسْاَلُ يَا رَبَّنَا اَنْ تُشَرِّفَنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَآ اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ -

۳۱۲ خلود و دوام۔ جنت کی ایک منفرد نعمت:- سو اہلِ جنت کو وہاں ایسی ہمیشگی نصیب ہوگی کہ نہ وہاں موت ہوگی اور نہ کوئی زوال و انتقال۔ یہ ہے وہ اصل کامیابی اور فوز عظیم جس کے لئے انسان کو کوشش کرنی چاہیئے ﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ﴾ سو دوام و خلودِ جنت کی ایک ایسی خاص اور منفرد نعمت ہے جو اس دنیا میں کسی کیلئے ممکن ہی نہیں کہ یہ دنیا اور اسکی ہر چیز فانی ہے۔ نہ یہاں پر کسی نعمت کو دوام نصیب ہوسکتا ہے اور نہ کسی نعمت پانے والے انسان کو۔ سو یہ جنت کی خاص اور منفرد نعمت ہے۔ اللہ نصیب فرمائے۔ اور محض اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ ویاارحم الراحمین

۳۱۳ اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کسی کی نہیں ہوسکتی:- سو ارشاد فرمایا گیا اور استفہام انکاری کے اسلوب و انداز میں ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں۔ اور جب اس اصدق القائلین نے اس کی خبر دے دی ہے اور وہ بھی اعادہ و تکرار کے ساتھ اور تاکید و توثیق کے مختلف ادوات اور اسالیب کے ساتھ دی ہے تو پھر اس میں کسی شک و شبہ کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے؟ سو جنت اور دوزخ کے بارے میں اس وحدہٗ لاشریک نے جو کچھ بتایا ہے وہ قطعی طور پر حق اور صدق ہے۔ فَزِدْنَا اللّٰهُمَّ اِيْمَانًا وَّيَقِيْنًا بِوَعْدِكَ الْكَرِيْمِ ، وَارْزُقْنَا الصِّدْقَ وَالْاِخْلَاصَ فِي الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى - بہرکیف جب اس انعام کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو یہ پورا ہو کر رہے گا کہ اللہ کے کلام سے بڑھ کر سچا کلام اور کسی کا نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے اللہ کے رسول اپنے خطبے میں اِرشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے اور سب سے عمدہ اور بہتر راستہ اللہ کے رسول کا راستہ ہے اور سب سے برے کام وہ ہیں جو لوگوں نے از خود اپنے دین کے اندر داخل کئے ہوں، اور ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں جائیگی'' (مسلم: کتاب الجمعہ) - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ من کل زَيْغٍ وَّضَلَالٍ - سو عقل و نقل کا تقاضا ہے کہ انسان اس جنت سے سرفرازی ہی کو اپنے پیش نظر رکھے۔ اور ہمیشہ اسی کے لیے کوشش کرے۔ وباللہ التوفیق لما یحبّ ویرید، وعلی ما یحبّ ویرید،

بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ

(آرزوؤں اور) امیدوں پر ہے، (اے مسلمانو!) اور نہ ہی اہلِ کتاب کی امیدوں پر، ف۳۱۴ (بلکہ ضابطہ یہ ہے کہ) جو بھی

سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا

کوئی برائی کرے گا، وہ اس کا بدلہ پائے گا ف۳۱۵ اور ایسے لوگ نہیں پاسکیں گے اپنے لئے اللہ کے سوا، کوئی یار،

وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ

اور نہ کوئی مددگار، ف۳۱۶ اور جو بھی کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ کوئی مرد ہو،

اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو، ف۳۱۷ تو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنت میں (اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے،)

وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِیْنًا مِّمَّنْ

اور ان پر ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا، ف۳۱۸ اور اس سے بڑھ کر اچھا دین اور کس کا ہوسکتا ہے، جس نے

اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

حوالے کردیا اپنے آپ کو اللہ کے، درآنحالیکہ وہ (مخلص اور) نیکوکار بھی ہے، ف۳۱۹ اور اس نے پیروی کی

اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ﴿۱۲۵﴾

ابراہیم کے دین کی، ف۳۲۰ جو کہ ایک ہی طرف کا تھا، اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست، ف۳۲۱

۳۱۴ محض امیدوں پر جینا نرا دھوکہ، والعیاذ باللہ:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ مدار نہ تمہاری امیدوں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی امیدوں پر۔ بلکہ اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی کوئی برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ پائے گا۔ پس محض امیدوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ صحیح عقیدۂ و ایمان کی اساس و بنیاد قائم نہ ہو اور عمل و کردار کا سرمایہ موجود نہ ہو۔ اور جو لوگ محض امیدوں پر جیتے اور انہی پر تکیہ کرتے ہیں وہ ایسے بے بنیاد سہاروں پر عمل و کردار کی دولت سے لاپرواہ اور محروم ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہی بھول بھلیوں میں لگ کر اور ایسی بے حقیقت چیزوں میں کھو کر وہ حیاتِ مستعار کی متاعِ گرانمایہ کو تمام کردیتے ہیں اور ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ سو ایسی فرضی اور بے بنیاد امیدوں پر جینا ایک دھوکہ اور ہولناک دھوکہ ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - اس لئے یہاں پر واضح فرما

دیا گیا کہ جھوٹی آرزوؤں سے کچھ نہیں بنتا، خواہ وہ تمہاری ہوں اے مسلمانو! (اشارہ منافقین کی طرف ہے) یا اھلِ کتاب کی بلکہ اصل چیز ایمان و عمل ہے۔ سو انسان کی نجات و فلاح کا دار و مدار اسکے اپنے عمل و کردار پر ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضا و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۳۱۵ مدارِ نجات ایمانِ صحیح اور عملِ صالح پر ہے:- سو ہر کوئی اپنے کیے کرائے کا صلہ اور بدلہ پائے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ گورا ہو یا کالا، مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا، کوئی سی زبان بولتا ہو، اور کسی بھی ملک و معاشرے سے تعلق رکھتا ہو، کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف عقیدہ و ایمان اور عمل و کردار ہی کی دولت درکار ہے اور بس۔ سو مدارِ نجات محض امیدوں اور آرزوؤں پر نہیں بلکہ ایمان و عقیدہ اور عمل و کردار پر ہے اور یہی وہ اصول و ضابطہ کلیہ ہے جو عقل و فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ پس جو برائی کریگا وہ اس کا بھگتان بھگتے گا، خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ کسی کے لئے بھی محض اس کے حسب و نسب کی بناء پر اس سے خلاصی اور چھٹکارے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ پس اہلِ کتاب کا یہ کہنا کہ ہمیں دوزخ کی آگ چھوئیگی بھی نہیں سوائے گنتی کے چند دنوں کے، محض ایک دھوکہ اور ان کا خود ساختہ مفروضہ ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم۔

۳۱۶ اللہ کے سوا نہ کوئی یار، نہ کوئی مددگار:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایسے لوگ اللہ کے سوا نہ کوئی یار پا سکیں گے نہ مددگار۔ جو اس کی واقعی کوئی مدد کر سکے یا محض زبانی کلامی ہی ہمدردی و خیر خواہی کا اظہار کر سکے کہ وہاں دنیا کے یہ سب آسرے اور سہارے ختم ہو جائیں گے اور سب رشتے ٹوٹ جائیں گے ﴿وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ﴾ اور اس وقت لوگوں کے سامنے یہ حقیقت کھل جائے گی کہ ایسے خود ساختہ اور فرضی سہارے جن پر ایسے لوگوں نے تکیہ کر رکھا تھا سب بے اصل اور بے بنیاد تھے۔ سو حامی و ناصر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا خالق و مالک بھی ہے اور ان کا حامی بھی ناصر بھی۔ اس سے ایسے لوگوں نے تعلق رکھا ہی نہیں تھا اور جن بے حقیقت اور بے بنیاد چیزوں پر انہوں نے تکیہ و آسرا کر رکھا تھا وہ کسی کام آنے والی تھیں ہی نہیں کہ وہ سب بے بنیاد چیزیں تھیں، جو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو جائیں گی۔ سو اس وقت اصل حقیقت ان کے سامنے پوری طرح واضح ہو جائیگی،

۳۱۷ ایمان قبولیتِ عنداللہ کیلئے شرطِ اول ہے:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ کوئی مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ کیونکہ ایمان کے بغیر کیا جانے والا کوئی بھی عمل آخرت میں فائدہ نہیں دے سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت کیلئے ایمان شرطِ اول ہے۔ اسکے بغیر کسی بھی عمل کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں کہ مدارِ قبولیت و نجات ایمانِ صحیح ہی پر ہے۔ بہر کیف عملِ صالح کے بارے میں بھی یہ اصول اور ضابطہ کلی بیان فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی نیک عمل کریگا خواہ وہ کوئی مرد ہو یا عورت اس کا عمل ضائع نہیں جائیگا بشرطیکہ وہ ایماندار ہو۔ سو اس کے نتیجے میں ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر کوئی زیادتی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ اللہ ان کے ساتھ اپنے فضل و کرم کا معاملہ فرمائیگا سبحانہ و تعالیٰ

۳۱۸ روزِ جزاء میں کسی سے ذرہ برابر کوئی ظلم نہیں ہوگا:- اس طور پر کہ ان کی کسی نیکی کا ثواب ان کو نہ دیا جائے یا استحقاق سے کم دیا جائے۔ یا کوئی ناکردہ گناہ ان کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ سو ایسی کوئی بھی بات وہاں پر

نہیں ہوگی کہ وہاں ظلم وزیادتی نہیں عدل وانصاف ہوگا۔ اور وہ بھی کامل درجے کا اور اعلیٰ پیمانے پر۔ بلکہ وہاں تو عدل سے بھی بڑھ کر فضل واحسان کا معاملہ ہوگا۔ تو پھر وہاں کسی ظلم وزیادتی کا کیا سوال؟ پس وہاں پر کسی کا بھی کوئی حق نہیں مارا جائے گا۔ ہر کسی کو اسکے کئے کرائے کا بھرپور صلہ اور بدلہ دیا جائے گا بلکہ اسکے استحقاق سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین

۳۱۹ اخلاصِ نیت کی عظمت واہمیت: -سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ نجات کیلئے اخلاصِ نیت اور عملِ صالح کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ سو اسلام وجہ یعنی اپنے آپ کو اللہ پاک کے سپرد اور اسکے حوالے کر دینے کے سلسلہ میں ایمان کے ساتھ دو اور چیزوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ ایک اخلاص کہ اس کی نیت خالص اللہ پاک کی رضا کیلئے ہو اور دوسرے اِتباع یعنی یہ کہ اس کا عمل کتاب وسنت کی تعلیماتِ مقدسہ کے عین مطابق ہو۔ سو ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ اخلاص اور اِتباع دونوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اسکے بغیر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں شرفِ قبولیت نہیں پا سکتا۔ اور نہ ہی اسکے بغیر کسی عمل کی اسکے یہاں قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔ وباللہ التوفیق لما یُحِبُّ ویرید،

۳۲۰ ملّتِ ابراہیمی اور اسکی پیروی: -سو ملتِ ابراہیمی کی پیروی اصل مطلوب ہے اور یہ دراصل عبارت ہے اس دینِ حنیف سے جو کہ دینِ فطرت ہے جو کہ اب عبارت ہے اسلام سے۔ کیونکہ اسلام دراصل ملتِ ابراہیمی ہی کی کامل اور محفوظ شکل ہے۔ سو ملتِ ابراہیمی یعنی دینِ اسلام کی اِتباع و پیروی ہی اصل مطلوب ہے اور یہی مدارِ نجات اور وسیلۂ فوز و فلاح ہے۔ سو اسلام کے سوا کوئی بھی دین اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قبول نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرمائی گئی کہ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ اس سے کبھی قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں سخت خسارے والوں میں سے ہوگا چنانچہ اِرشاد ہوتا ہے ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴾ [آلِ عمران: ۱۰] ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضاء وخوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یاربَّ العالمین

۳۲۱ ابراہیمِ خلیل کی عظمتِ شان کا اظہار و بیان: -اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا ان کی کمالِ اطاعت و فرمانبرداری اور بے مثال للّٰہیت اور قربانی کی بناء پر۔ کہ انہوں نے ماں باپ، کنبہ وقبیلہ، قوم و برادری، ملک و وطن، اور آل واولاد سب پر اللہ کی رضاء کو ہمیشہ مقدم رکھا۔ اور جس وقت اور جس موقع پر بھی ان میں سے کسی کو بھی اللہ کی راہ میں اور اس کی رضاء کیلئے ترک یا قربان کرنے کی نوبت آئی تو انہوں نے اس میں کسی بھی طرح کے پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ اسی لیے ان کو حضرتِ حق -جل مجدہٗ- نے مقامِ خلت سے نوازا اور اس کو اس قدر صراحت سے بیان فرمایا۔ سو یہ ایک عظیم الشان شرف و اِعزاز ہے جس سے حضرتِ ابراہیمِ خلیل کو نوازا گیا۔ سو جس نے صدقِ دل سے ملتِ ابراہیمی کی پیروی کی اور اس نے صدق واخلاص سے اپنے رب کے احکام کی تعمیل کی وہی راہِ راست پر ہیں اور یہی ملتِ ابراہیمی ہے۔ اور ابراہیم جو عظیم الشان اور جلیل القدر ہستی ہیں جن کو اللہ نے اپنا خلیل اور دوست بنایا ہے تو پھر ان کی ملت سے بڑھ کر اچھی ملت اور کس کی ہو سکتی ہے؟ سو اب نجات اور فوز وفلاح ملتِ ابراہیمی کی پیروی ہی پر موقوف ہے۔ جو کہ اب دینِ اسلام کیصورت میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ والحمدُ للہ جلَّ وعلا،

وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ

اور (بندگی اللہ ہی کی کرو کہ) اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے، ۳۲۲ اور

اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی ۱۸ ع ۱۱ ۱۵

اللہ ہر چیز کو پوری طرح گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور حکم پوچھتے ہیں یہ لوگ آپ سے عورتوں

النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ

کے بارے میں (اے پیغمبر! تو ان سے) کہو کہ اللہ تم کو حکم (اور اجازت) دیتا ہے ان کے بارے میں، اور وہ جو کہ تم پر پڑھا جاتا ہے

فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ

اس کتاب میں، وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جن کو تم ان کا مقرر کردہ

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ

حق نہیں دیتے، اور ان سے نکاح کرنے کی خواہش بھی رکھتے ہو، ۳۲۳ نیز (وہ حکم)

۳۲۲ کائنات سب کی سب اللہ ہی کی ہے: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ خلق کے اعتبار سے بھی، کہ خالق سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور مِلک کے اعتبار سے بھی کہ مالکِ حقیقی بھی سب کا وہی ہے۔ اور مُلک یعنی حکومت اور بادشاہی کے اعتبار سے بھی کہ سب پر حکومت و بادشاہی بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اور تصرف کے اعتبار سے بھی کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب اسی وحدہٗ لاشریک کے حکم سے اور اسی کی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ پس غلط اور سراسر غلط ہیں وہ لوگ جنہوں نے از خود اللہ پاک کی زمین کے طرح طرح کے ناموں سے حصے بخرے کر رکھے ہیں اور بغیر کسی دلیل وسند اور بدوں کسی حجت و برہان کے انہوں نے ان کو اپنے طور پر مختلف ناموں سے بانٹ رکھا ہے۔ اور کسی کو انہوں نے ''داتا کی نگری'' کسی کو ''خواجہ اجمیر کی نگری''، کسی کو ''پیر بابا کا علاقہ'' اور کسی کو کسی اور کا ایریا قرار دے رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ فَاَنّٰی لَهُمْ ذَالِکَ وَعَلٰی اَیِّ اَسَاسٍ مِنَ النَّقْلِ وَالْعَقْلِ ۔ بہرکیف اس ارشاد سے ﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کی علت بیان فرما دی گئی ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ وہی اس ساری کائنات کو چلا رہا ہے اور اسی نے اس پوری کائنات کو اپنے علم اور اپنی قدرت کے اعتبار سے احاطے میں لے رکھا ہے۔ اس لئے وہی اس لائق ہے کہ ہر کوئی اپنی ذات کو اس کے حوالے کر دے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید، وعلی ما یحب ویرید، بکلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کلِّ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۲۲۳ یتیم و بےسہارا عورتوں کے بارے میں ایک خاص حکم وارشاد:۔سو ارشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہو کہ اللہ تم کو اجازت دیتا ہے ان عورتوں کے بارے میں اور وہ جو تم لوگوں پر پڑھا جاتا ہے اس کتاب میں ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کو تم لوگ ان کا مقرر کردہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کی خواہش بھی رکھتے ہو۔اور اس طرح وہ مظلوم اور بے سہارا عورتیں ظلم اور زیادتی کا شکار ہوتی ہیں، جیسا کہ ام المومنین حضرتِ عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔اور حضرتِ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی کی سرپرستی میں کوئی یتیم بچی رہ جاتی تو وہ اس پر کپڑا ڈال دیتا۔جس کے بعد اس کو اور کوئی نہیں لے سکتا تھا۔اب اگر وہ خوبصورت ہوتی تو وہ سرپرست اس کے ساتھ نکاح بھی کرلیتا اور اس کا مال بھی ہڑپ کر جاتا۔اور اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس سے نہ وہ خود نکاح کرتا اور نہ کسی اور کو ایسا کرنے دیتا یہاں تک کہ وہ مرجاتی تو اس کے مال پر یہ شخص قبضہ کر لیتا۔تب اسلام کی ان رحمتوں بھری تعلیمات نے آکر ان مظالم پر روک لگائی اور ان مظلوم عورتوں کو ان مظالم سے نجات دلائی۔(بخاری کتاب التفسیر، ابنِ کثیر، صفوۃ التفاسیر، روح المعانی، وغیرہ)۔ یہاں پر ﴿تَرْغَبُوْنَ﴾ کے جملے میں دو احتمال ہیں اور دونوں ہی صحیح اور علی سبیل البدل دونوں ہی مقصود و مراد ہوسکتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ﴿تَرْغَبُوْنَ﴾ جو کہ ''رَغبة'' سے ماخوذ و مشتق ہے، اس کا صلہ یہاں پر مذکور نہیں ہے۔اور اس کا صلہ ''عن'' بھی آتا ہے اور ''فی'' بھی۔پہلی صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا اِعراض کرنا، منہ موڑنا، اور رغبت نہ رکھنا وغیرہ۔اور یہی مروی و منقول ہے ام المومنین حضرتِ عائشہ۔ رضی اللہ عنہا۔ سے اور اسی کو اختیار کیا ہے حضرتِ تھانویؒ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں۔اور دوسری صورت میں جبکہ اس کا صلہ ''فی'' ہو تو اس صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا چاہنا رغبت کرنا، اور شوق رکھنا۔اور اسی کو اختیار فرمایا ہے حضرتِ شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمہ میں۔اور اسی کو ہم نے بھی اختیار کیا ہے اپنے ترجمے میں۔اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی مطلب صحیح اور درست ہیں اور یہ دونوں ہی صورتیں زمانۂ جاہلیت کے اس جاہلی معاشرے میں موجود و مروج تھیں۔اور یہ دونوں ہی ظلم و زیادتی کی عکاس و آئینہ دار تھیں۔کیونکہ اگر کسی عورت کے پاس مال اور جمال دونوں ہوتے تو وہ لوگ اس سے نکاح کی رغبت رکھتے اور نکاح کرلیتے تاکہ عورت بھی مل جائے اور مال بھی۔لیکن اس کا حق مہر وغیرہ وہ لوگ صحیح طور پر اس کو ادا نہ کرتے۔اور اگر کسی عورت کے پاس مال تو ہوتا مگر جمال نہ ہوتا، تو وہ اس سے نکاح کی رغبت بھی نہ رکھتے اور اس کو اس کی بھی اجازت نہ دیتے کہ وہ اپنی خواہش و مرضی کے مطابق کسی اور شخص سے نکاح کرلے، تاکہ اس کا مال ان کے ہاتھ سے نہ نکلنے پائے۔تو اسلام نے اس ظلم و زیادتی کیخلاف قدغن لگا کر عورتوں کو اس طرح کی زیادتیوں سے ہمیشہ کیلئے نجات دلا دی۔چونکہ یہ دونوں مطلب صحیح اور اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔اس لئے حضرتِ سعید بن جبیر نے دونوں ہی کو اختیار فرمایا ہے اور چونکہ ان دونوں مفہوموں کے درمیان کوئی اختلاف و تضاد بھی نہیں، اس لئے یہ لبس والتباس کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ یہ اجمال اور جامعیت کا عکاس و آئینہ دار ہے۔(محاسن التاویل للعلامہ محمد جمال الدین القاسمی الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ)۔بہرکیف اس آیتِ کریمہ سے ایک طرف تو اس حکم اور اِرشاد کی وضاحت فرما کر شروع والی آیتِ کریمہ سے متعلق ابہام کو رفع فرما دیا گیا اور اس بارے کیے جانے والے سوالات کا جواب بھی اِرشاد فرما دیا گیا۔اور دوسری طرف صنفِ نازک کو اس ظلم سے ہمیشہ کیلئے نجات دلا دی گئی۔ فالحمدللہ رب العالمین۔اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر گامزن رکھے، آمین ثم آمین یاربَّ العالمین

الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى

ان بچوں کے بارہ میں ہے جو بے سہارا ہیں، ۳۲۴ اور (وہ تم کو حکم دیتا ہے) کہ تم انصاف کا معاملہ

بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ

کرو یتیموں کے ساتھ، اور جو بھی کوئی نیکی تم لوگ کرو گے (وہ ضائع نہیں جائے گی کہ) بے شک اللہ اس کو

بِهٖ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾ وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا

پوری طرح جانتا ہے، ۳۲۵ اور اگر کسی عورت کو (خدشہ و) اندیشہ ہو، اپنے خاوند سے کسی

۳۲۴ بے سہارا بچوں کی حق تلفی سے ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ نیز وہ حکم ان بچوں کے بارے میں ہے جو بے سہارا ہیں کہ ان کا حق نہیں مارنا، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہوا کرتا تھا، کہ بچوں اور عورتوں کو میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا، کہ وہ نہ کچھ کما سکتے ہیں اور نہ ہی دشمن کے مقابلے میں دفاع کر سکتے ہیں۔ اور جاہلیت کے ان علمبرداروں کا یہ کہنا اور ماننا تھا کہ وراثت کا حقدار وہی ہوسکتا ہے جو کما کر لاسکتا ہو اور جو دشمن کا مقابلہ کرسکتا ہو، اس لیے عورتوں اور بچوں وغیرہ کو حق میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ سو دینِ حنیف نے اپنی رحمت بھری تعلیماتِ مقدسہ سے ایسے تمام مظالم اور حق تلفیوں کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ﴾ کا عطف ﴿يَتَامَى النِّسَاءِ﴾ پر ہے۔ یعنی یہ اِرشاد یتیم عورتوں اور ان کمزور بچوں کے حق میں ہے جو بے سہارا ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بچوں کو میراث کے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ عورتوں کو محروم کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کا کہنا جیسا کہ ابھی اوپر گزرا یہ تھا کہ میراث کے حقدار وہی مرد ہو سکتے ہیں جو کہ لڑنے بھڑنے، کما کر لانے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوں۔ لہٰذا "الرِّجَالُ الْقَوَّام". یعنی طاقتور مرد ہی میراث کے حقدار ہو سکتے ہیں۔ سو اسلام نے اس ظلم کا خاتمہ کر دیا اور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، مقرر کردہ حصہ کے مطابق۔ یعنی اس حصے کے مطابق جو اسکی قرابت و رشتہ داری کی بناء پر اس کا بنتا ہے، والحمدُ للہ جلّ وعلا،

۳۲۵ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو بھی کوئی نیکی تم لوگ کرو گے تو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے، اور پوری طرح جانتا ہے کہ کب کی، کہاں کی، کن حالات میں کی، اور کس نیت و ارادہ سے کی۔ اس کے مطابق وہ تمہیں اس کی جزاء سے نوازے گا۔ پھر تمہیں پرواہ کیا ہے کہ رب کریم تمہاری نیکیوں کو اس طرح محفوظ رکھتا ہے۔ پس ہمیشہ اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ اپنے دل کا معاملہ صحیح رکھو اور بس۔ پس تم نیکیوں کا سرمایہ بڑھانے اور ان کو جمع کرنے اور جوڑنے میں لگے رہو۔ اس کے ضیاع کا کوئی اندیشہ نہ رکھو۔ البتہ اپنی نیتوں اور اپنے بواطن کو درست اور صحیح رکھو۔ فَإِيَّاكَ نَسْأَلُ يَا رَبَّنَا أَنْ تُشَرِّفَنَا بِهَا بِمَحْضِ مَنِّكَ وَكَرَمِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا

بدسلوکی، یا بے رخی کا، تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں، کہ وہ آپس میں کوئی صلح کرلیں ۳۲۶

بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ

اور صلح بہرحال بہتر ہے ۳۲۷ اور حرص و آز کو تو عام طبیعتوں کی سرشت میں رکھ دیا گیا ہے ۳۲۸ اور اگر تم لوگ اچھا برتاؤ کرو، اور پرہیزگار رہو ۳۲۹

الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

تو (اس کا بدلہ ضرور پاؤ گے کہ) یقیناً اللہ پوری طرح باخبر ہے ان سب کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو، اور تم اپنی بیویوں کے

۳۲۶ **زوجین میں باہم صلح و صفائی کی تعلیم و تلقین:** ۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے کسی بدسلوکی یا بے رخی کا کوئی خدشہ واندیشہ ہو تو ان دونوں پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں کوئی صلح کرلیں۔ یعنی کسی بھی طرح کی کوئی ایسی صلح جس سے رشتۂ زوجیت قائم اور برقرار رہے۔ مثلاً یہ کہ عورت اپنے نان و نفقہ اور قسمت و شب باشی کے حقوق میں سے کچھ یا سب چھوڑ دے۔ تاکہ خاوند کے حبالۂ عقد میں رہنے کی عزت بھی برقرار رہے اور فرقت و علیحدگی کے دکھ بھی نہ برداشت کرنے پڑیں۔ یا خاوند اپنی بیوی کو اسکے حق واجب سے زیادہ دے دے تاکہ اس طرح عورت کی دلجوئی ہوتی رہے اور ان کا رشتۂ ازدواج باقی و برقرار رہے۔ سو یہ نشوز یعنی اِعراض اور بے رخی اگر عورت کی طرف سے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کی حاکمیت اور اس کی قوامیت کو تسلیم نہیں کرتی۔ اور اگر یہ نشوز و اِعراض مرد کی طرف سے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد عورت کے حقوق تسلیم نہیں کرتا اور وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ سو ان دونوں میں سے جو بھی صورت ہو اس میں تبدیلی پیدا کر کے صلح و صفائی کی کوشش کی جائے۔ اور ان دونوں کے درمیان پیدا ہونے والے بگاڑ کو ختم کیا جائے،

۳۲۷ **صلح بہرحال بہتر ہے:** ۔ یعنی صلح بہرحال بہتر ہے فرقت و طلاق سے۔ کہ اس میں امن و سکون اور بہت سے مخاوف و مخاطر سے حفاظت کا سامان ہے۔ اس لئے جہاں تک ہوسکے صلح و صفائی ہی سے کام لو۔ سو صلح ہر حال میں اور ہر معاملے میں ہی بہتر اور مطلوب ہے لیکن رشتۂ زوجیت میں خاص طور پر اسکی زیادہ اہمیت ہے کیونکہ انسانوں کے باہمی مواثیق میں سب سے بڑا عہد و میثاق رشتۂ ازدواج ہی ہے۔ کہ اس سے ایک خاندان بنتا ہے جو کہ معاشرے کی سب سے اہم اور سب سے پہلی اکائی ہے۔ اور یہی وہ عہد و پیمان ہے جسکے ذریعے دو انسانوں کو باہم اس طرح مربوط کردیا جاتا ہے کہ وہ یک قلب اور دو قالب کا مصداق بن کر رہ جاتے ہیں۔ اور یہی وہ باہمی رشتہ ہے جس کی استواری اور درستگی و پختگی پر دو شخصوں، دو خاندانوں اور پورے معاشرے کی صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ اسی لیے اسکو قرآنِ حکیم میں میثاقِ غلیظ فرمایا گیا ہے۔ اسی لئے طلاق کو دینِ حنیف میں ''اَبۡغَضُ الۡحَلَال'' قرار دیا گیا۔ چنانچہ سننِ ابوداؤد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے اِرشاد فرمایا ''اَبۡغَضُ

الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاق“ (ابوداود: کتاب الطلاق باب فی کراہیۃ الطلاق، ابنِ ماجہ: کتاب الطلاق) اس لیے اس سے جتنا ممکن ہو سکے بچا جائے۔ اور صلح صفائی سے کام لیا جائے، وباللہ التوفیق لما یحب و یرید،

۳۲۸ حرص و آز انسانی فطرت کا تقاضا:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ حرص و آز کو انسانی فطرت میں پیوست کر دیا گیا ہے۔ جس کے باعث ہر شخص اپنے حقوق کا طلب گار رہتا ہے جس سے باہمی اختلاف اور تنازع کی شکلیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، لیکن ان جھگڑوں کا علاج بھی اسی فطری اور جبلی کشمکش میں ہے کہ آدمی اگر اپنے حقوق میں سے کچھ چھوڑ دے تو اس سے دوسرا نرم پڑ جائے گا اور باہمی کشاکش امن و صلح سے بدل جائے گی، کہ اپنی اس طبعی اور جبلی حرص و آز کی بناء پر وہ اس میں اپنا فائدہ دیکھے گا اور اسکی طرف مائل ہو جائے گا۔ ”شح“ کے معنیٰ بخل کے بھی آتے ہیں اور حرص کے بھی۔ بخل تو یہ ہے کہ آدمی ادائیگی حقوق میں تنگ دلی برتے اور یہ چیز بہرحال مذموم ہے۔ سو حرص اچھی چیز کی بھی ہوسکتی ہے اور بری چیز کی بھی۔ حد کے اندر بھی ہوسکتی ہے، حد سے باہر بھی۔ اس لئے اس کا اچھا یا برا ہونا ایک اضافی چیز ہے۔ اپنے اچھے پہلو کے اعتبار سے یہ چیز انسانی فطرت کے اندر اپنا ایک مقام رکھتی ہے کہ اسی کی بناء پر انسان اپنے لئے اچھائیوں اور بھلائیوں کا ذخیرہ جمع کرتا ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کے اندر اس کے برے پہلو کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ یہ چیز ایک معاشرتی روگ اور بیماری بن کر رہ جاتی ہے۔ یہاں پر اس کا ذکر اسی پہلو سے کیا ہے۔ بہرکیف حرص و آز کے جذبات انسان کی فطرت کے اندر موجود ہیں۔ اس لئے انہی کے تقاضوں کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ اور دینِ حنیف نے فطرت کے ان تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے،

۳۲۹ احسان اور تقویٰ اِصلاح معاشرہ کی دو اہم بنیادیں:۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم لوگ اچھا برتاؤ کرو اور تم پرہیزگار رہو تو تم اس کا بہتر بدلہ ضرور پاؤ گے کہ بے شک اللہ پوری طرح باخبر ہے ان تمام کاموں سے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اِحسان یعنی دوسروں سے اچھائی اور بھلائی کا برتاؤ کرنا، اور تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور دوسرے کا حق مارنے سے بچ کر رہنا، دو ایسی عمدہ اور مبارک خصلتیں ہیں کہ ان سے معاشرے کا کتنا ہی بگاڑ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے معاشرے میں اور خاص کر اس مسلم معاشرے میں جس کو ان اخلاقِ عالیہ کا نمونہ اور مثال ہونا چاہیئے تھا، اس میں بھی یہ دونوں صفتیں عنقاء ہیں۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ سبحانہٗ و تعالیٰ۔ جس کے نتیجے میں آج جگہ جگہ اور طرح طرح کے فتنے و فساد اور نت نئے جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ فساد رونما ہوتے ہیں، حق تلفیاں ہوتی ہیں، مظالم اور زیادتیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور تقویٰ و پرہیزگاری اور خدا خوفی کے مظاہر و آثار عنقاء ہوتے جا رہے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ اگر بیوی کو شوہر کی طرف سے کسی اِعراض و بے رخی کا کوئی خوف و خدشہ ہو تو ان دونوں پر اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں مل کر آپس میں کوئی سمجھوتہ کر لیں کہ یا عورت اپنے حقِ مہر اور نان نفقے وغیرہ حقوق کے ضمن میں مرد کو کچھ رعایتیں دے دے یا شوہر اپنے حقوق میں کچھ نرمی کر لے۔ کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد دونوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ان دونوں کا رشتہ برقرار رہے۔ اور یہ کٹنے اور ٹوٹنے نہ پائے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید،

تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ

درمیان (دل کے تعلق اور محبت کے اعتبار سے) ف۳۳۰ کبھی برابری نہیں کر سکو گے، اگرچہ تم اس کی حرص بھی رکھو، پس (اتنا کافی ہے

النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا

کہ) تم ایک طرف اس قدر پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا کر دو کہ گویا وہ (بیچ میں) لٹکی ہوئی ہے ف۳۳۱ اور اگر تم (بقدر

كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ

امکان) اصلاح کرتے، اور بچتے (اور ڈرتے) رہو، تو (کمی بیشی معاف فرما دی جائے گی کہ) بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا

كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا

نہایت ہی مہربان ہے ف۳۳۲ اور اگر وہ دونوں (میاں بیوی) ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، تو اللہ ان میں سے ہر ایک کو بے نیاز

مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا

کر دے گا (دوسرے سے،) اپنی وسعت سے ف۳۳۳ اور اللہ بڑا ہی وسعت والا، نہایت ہی حکمت والا ہے ف۳۳۴ اور اللہ ہی کا ہے وہ سب

فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا الَّذِيۡنَ

کچھ جو کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے ف۳۳۵ اور بلاشبہ ہم نے تاکید کر دی تھی ان لوگوں کو جن کو کتاب دی

اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَاِيَّاكُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

گئی تھی تم سے پہلے ف۳۳۶ اور (یہی تاکید ہے) تم کو بھی کہ تم لوگ ڈرتے رہا کرو اللہ سے (ہر حال میں) ف۳۳۷ اور اگر (اس کے باوجود) تم

۳۳۰ بیویوں کے درمیان عدل و مساوات سے مقصود و مراد؟: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنی بیویوں کے درمیان کبھی عدل اور برابری نہیں کر سکو گے اگرچہ تم اس کی حرص بھی رکھو۔ یعنی قلبی تعلق اور لگاؤ کے اعتبار سے۔ سو بیویوں کے درمیان جو عدل و مساوات مامور و مطلوب ہے اس سے مراد ان کے درمیان حقوق کے اعتبار سے برابری ہے، نہ کہ قلبی لگاؤ کے اعتبار سے، پس بیویوں کے درمیان قلبی میلان کے اعتبار سے عدل و مساوات مراد نہیں کہ یہ چیز انسان کے بس میں نہیں۔ اور جو چیز کسی کے بس میں نہ ہو اسکو اسکا مکلف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پس اس سے پرویزی اور دوسرے ملحد قسم کے لوگ تعددِ ازدواج کے مسئلے پر اپنے باطل موقف کے حق میں دلیل نہیں پکڑ سکتے جس طرح کہ وہ عام اور سادہ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے ایسا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ تعددِ ازدواج کی اجازت عدل و

انصاف کی شرط کے ساتھ مقید و مشروط ہے اور یہاں پر اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ وہ انسان کے بس میں نہیں، اگرچہ وہ اس کی حرص بھی کرے۔ لہٰذا تعدّدِ ازدواج کی اجازت نہیں۔ لیکن ان لوگوں کا یہ استدلال درست نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک دھوکہ اور مغالطہ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہاں جس عدل و مساوات کی نفی ہے، اس سے مراد وہ قلبی لگاؤ ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہوتا۔ اور جو چیز کسی کے اپنے بس اور اختیار میں نہ ہو، اس پر اسکی کوئی گرفت اور پکڑ نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے نبیٔ اکرم ﷺ اس بارے ارشاد فرماتے تھے ''اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَآ اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَآ اَمْلِکُ''، ''اے اللہ، یہ میری تقسیم ہے ان امور میں جو میرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ پس ان امور پر مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمانا جو آپ کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں۔ میرے اختیار میں نہیں''، یعنی قلبی میلان و رجحان۔ (ابوداؤد کتاب النکاح، باب ماجاء فی القسم بین النساء، ترمذیؒ، کتاب النکاح باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر، نسائی کتاب عشرۃ النساء، باب میل الرجل الی بعض نسائہ دون بعض، ابنِ ماجہ، کتاب النکاح، باب القسمۃ بین النساء وغیرہ)۔ سو یہاں پر اس عدل وانصاف سے مراد یہی قلبی تعلق و لگاؤ ہے جو کہ انسان کے بس اور اختیار میں نہیں ہوتا، جبکہ اس عدل وانصاف سے مراد جس کی شرط وہاں رکھی گئی ہے وہ عدل و انصاف ہے جو کہ حقوق کے اعتبار سے ہوتا ہے کہ وہ انسان کے دائرۂ اختیار میں ہے جیسا کہ تمام ثقہ مفسرینِ کرام کا کہنا ہے۔ لہٰذا اہلِ زیغ وضلال کے اس استدلالِ فاسد کی اساس و بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے، اور اسی کو توضیح کے لئے ہم نے اپنے ترجمے میں بین القوسین کے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

۳۳۳ عورت کو معلقہ بنا کر رکھنے کی ممانعت: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ایک طرف اس قدر نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو معلقہ بنا کر رکھ دو، کہ نہ وہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی۔ نہ خاوند والی، نہ طلاق والی، کہ نہ تو اسکو زن وشوہر کے حقوق حاصل ہوں، اور نہ طلاق کی آزادی، کہ کہیں اور جا سکے۔ سو ایسا مت کرو کہ یہ ظلم ہے جس کی اجازت اسلام نہیں دے سکتا۔ اور اسکی صاف وصریح تعلیم ہے کہ ظلم حرام ہے۔ پس تم کسی پر ظلم نہیں کرنا اور یہ کہ ظلم قیامت کے روز ہولناک اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ بہرکیف اس سے عدلِ مطلوب کی تصریح فرما دی گئی کہ جو عدل قلبی لگاؤ اور طبعی میلان کے اعتبار سے ہوتا ہے وہ تمہارے بس میں نہیں کہ دل کا میلان انسان کے اپنے بس کی چیز نہیں ہوتا لیکن جو عدل مامور و مطلوب ہے وہ ظاہری سلوک اور عملی برتاؤ کے لحاظ سے ہے۔ پس تم ایک بیوی کی طرف ایسے نہ جھک جاؤ کہ دوسری یونہی لٹکی رہ جائے۔ اور اگر کوئی حق تلفی ہو جائے تو اس کی تلافی کی کوشش کرو اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید، وعلی ما یحب و یرید،

۳۳۴ انسان اپنی قدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم بقدرِ امکان اصلاح کرتے اور بچتے اور ڈرتے رہو۔ تو کمی بیشی معاف کر دی جائے گی کہ بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا نہایت ہی مہربان ہے۔ کہ اس سے زیادہ کا وہ غفور و رحیم تم کو مکلف بھی نہیں کرتا۔ اور اس کا اپنا صاف وصریح ارشاد بھی یہ ہے ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ پس تم لوگ بقدرِ امکان اصلاح کی کوشش کرتے اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچتے

رہو۔ اس سے آگے وہ غفور و رحیم معاف فرما دے گا کہ اسکی شان ہی عفو اور غفور کی ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو انسان سے اصل مطلوب یہی ہے کہ وہ اپنے بس اور اِمکان کی حد تک اصلاحِ احوال کی کوشش کرے۔ اور اپنے خالق و مالک سے ڈرتا رہے اور جو کوئی فروگزاشت اس سے ہو جائے تو اس کے لئے وہ عفو و درگزر کی دعاء و درخواست کرتا رہے۔

وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وَھُوَالْھَادِیْ اِلٰی سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

۳۳۳ زوجین میں سے ہر ایک کیلئے اِغناء کا وعدۂ خداوندی: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر وہ دونوں [میاں بیوی] ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں میں سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا [دوسرے سے] اپنی وسعت سے۔ کہ اس کے فضل و کرم سے اس مرد کو دوسری بیوی مل جائے گی اور اس بیوی کو دوسرا مرد۔ کہ کارساز تو سب کا بہر حال وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سو رشتۂ ازدواج کے سلسلے میں اول تو کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ یہ باقی و برقرار اور قائم و استوار رہے۔ لیکن سب کوششوں کے باوجود نباہ کی کوئی صورت نہ بن سکے تو ان دونوں کے درمیان تفریق اور جدائی کر دی جائے کہ اسکے بعد اللہ ان دونوں کیلئے اِغناء اور بہتری کی صورت پیدا فرما دے گا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ اور اس کے کتنے ہی نمونے اور مظاہر ہم لوگ خود اپنی آنکھوں سے یہاں اور وہاں جگہ جگہ اور طرح طرح سے دیکھتے ہیں۔ سو اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خالقِ کل قادرِ مطلق۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ سے اپنا معاملہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے صحیح اور درست ہو۔ وباللہ التوفیق۔ بہرکیف اس اِرشاد سے واضح فرما دیا گیا کہ شریعت کی رو سے اصل اور مطلوب یہی امر ہے کہ ازدواجی رشتہ ٹوٹنے نہ پائے اور اس کے برقرار رکھنے ہی کی کوشش کی جائے۔ لیکن جب صورتِ حال ایسی ہو جائے کہ ان دونوں کے درمیان نباہ کی کوئی صورت ممکن نہ رہے اور علیحدگی ناگزیر ہو جائے تو یہ الگ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے لئے اِغناء کی صورت پیدا فرما دیگا، کہ سب کا مالک اور کارساز وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور سب کچھ اسی وحدہٗ لاشریک کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

۳۳۴ اللہ تعالیٰ کے کمالِ وسعت و حکمت کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی وسعت والا، نہایت ہی حکمت والا ہے۔ سو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں، مگر وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا اور جس طرح چاہتا ہے نوازتا ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ چنانچہ اس کا فرمان واجب الاذعان ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ [الحجر:۲۱] پس نظر ہمیشہ اسکی رحمت و عنایت پر رہے اور کوشش اسکی ہو کہ اس خالقِ کل اور مالکِ مطلق کے ساتھ اپنا معاملہ درست رہے اور اسکی معصیت و نافرمانی کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ سو اس اِرشاد میں میاں بیوی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے زجر و تنبیہ بھی ہے کہ وہ دوسرے کے لئے یہ نہ خیال کرے کہ مجھ سے علیحدگی کے بعد اس کے لئے کوئی جگہ نہیں رہیگی، بلکہ اللہ ہر کسی کا کارساز ہے۔ نیز اس میں ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تسکین و تسلیہ کا سامان بھی ہے کہ ان دونوں کی باہمی تفریق اور علیحدگی کے بعد اللہ تعالیٰ ہر ایک کے لئے بہتر صورت پیدا فرما دے گا۔ پس بھروسہ ہمیشہ اسی وحدہٗ لاشریک پر رکھنا چاہئے۔ اور اصل کوشش بھی اسی کی ہو کہ اس سے معاملہ صحیح رہے۔ وباللہ التوفیق۔ لما یحب و یرید، وعلٰی ما یحب و یرید

۲۲۵ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے :- سو ارشاد فرمایا گیا اور اسلوب حصر و قصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی۔ اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ سو دیکھا کہ کس طرح اس حقیقت کا بار بار اعادہ کیا جا رہا ہے اور تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ زمین و آسمان کی اس سب کائنات کا خالق و مالک وہی وحدہٗ لاشریک ہی ہے مگر اس کے باوجود دوسرے کھلے مشرکوں کے علاوہ کلمہ گو مشرکوں نے بھی اس کی اس زمین کو از خود مختلف حصوں اور نگریوں میں تقسیم کر کے مافوق الاسباب طور پر ان کے مختلف مالک تجویز کر رکھے ہیں، کہ یہ حصہ فلاں کا ہے، اور یہ نگری فلاں کی تحویل میں ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس بناء پر آگے طرح طرح کی شرکیات کا ارتکاب کیا جاتا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا - بہرکیف یہاں پر اس اِرشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ تم لوگوں کو جو ہدایات دی جا رہی ہیں یہ خود تمہارے اپنے ہی بھلے کے لئے ہیں۔ اگر تم لوگ صدقِ دل سے ان کو اپناؤ گے تو خود تمہارا اپنا بھلا۔ ورنہ خود تمہارا ہی نقصان۔ اللہ تعالیٰ جو اس ساری کائنات کا بلاشرکتِ غیرے خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے، اس کا کچھ بھی نہیں بگڑیگا۔ وہ ایسے ہر تصور سے پاک ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، امین ثم امین

۲۲۶ اہلِ کتاب کو بھی تقوٰی کی تعلیم و تلقین :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ ہم نے تاکید کر دی تھی ان لوگوں کو بھی جن کو کتاب دی گئی تھی تم لوگوں سے پہلے اور تم کو بھی کہ تم سب ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اھلِ کتاب کو بھی تقوٰی و پرہیزگاری کی تعلیم و تلقین کی گئی تھی جن کو اپنے اپنے دور میں پیغام الٰہی اور وحیِ خداوندی کا امین و پاسدار بنایا گیا تھا، ان کو بھی اسی کی تاکید و تلقین کی گئی تھی کہ تم ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے اور اسکی نافرمانی سے بچتے رہنا کہ اسی میں خود تمہارا ہی بھلا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی- وباللہ التوفیق- بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ وہ چونکہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور اس میں حاکم و متصرف ہے، اس لئے اس نے اس سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی اپنے اَحکام اور حدود سے آگاہ فرمایا اور اب تم لوگوں کو بھی ان سے آگاہ فرما دیا ہے۔ اور سب سے یہی کہا کہ تم سب اللہ سے ڈرتے اور اس کی معصیت و نافرمانی سے بچتے رہو۔ اہلِ کتاب نے اگر اس کی نافرمانی کی تو انہوں نے اپنی شامت بلائی، خدا کا کچھ نہیں بگاڑا اسی طرح اگر تم نے بھی کفر و انکار سے کام لیا تو تم بھی اپنا ہی نقصان کرو گے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۲۲۷ تقوٰی و پرہیزگاری کی عظمت و اہمیت :- سو اس سے تقوٰی و پرہیزگاری کی صفت کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی تاکید اہلِ کتاب کو بھی کی گئی اور اہلِ ایمان کو بھی۔ پس معلوم ہوا کہ تقوٰی اور خداترسی نہایت اہم اور بنیادی تعلیم ہے، جس پر مدار و انحصار ہے دوسرے تمام اعمال و اخلاق کا۔ اس لئے اسی کی تاکید فرمائی گئی ہے پہلی امتوں کو بھی، اور اسی کی تاکید و تلقین ہے اس امت کو بھی۔ مگر اس کے باوجود آج دنیا اس سے غافل ہے- الّا ماشاء اللہ- حالانکہ یہ ایسا عظیم الشان اور مؤثر نسخہ ہے کہ اس سے انسان اور معاشرے کی آپ سے آپ اصلاح ہوتی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ اتباعِ ھَوٰی اور اسکے غلبہ و تسلط نے آج دنیا کو خدا خوفی کے اسی عنصر سے خالی اور محروم کر دیا ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

لوگوں نے کفر ہی کیا تو (یقیناً اس سے تم اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑو گے کہ) بے شک اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمانوں میں

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے ۳۳۸ اور اللہ بڑا ہی بے نیاز ہر تعریف کا حقدار ہے ۳۳۹ اور اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو

وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ

کہ آسمانوں میں ہے، اور وہ سب کچھ بھی جو کہ زمین میں ہے ۳۴۰ اور کافی ہے اللہ کارسازی کے لئے، وہ اگر چاہے

يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ

تو لیجائے تم سب کو اے لوگو، اور (تمہاری جگہ) لے آئے دوسروں کو، اور

اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ

اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے ۳۴۱ جو کوئی دنیا ہی کا بدلہ چاہے گا

۳۳۸ کائنات پوری میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے: سو اس سے تصریح فرما دی گئی کہ اللہ ہی کا ہے وہ سب کچھ جو کہ آسمان و زمین کی اس پوری کائنات میں ہے کہ اس سب کا خالق و مالک بھی وہی وحدہٗ لاشریک ہے، اور اس میں حاکم و متصرف بھی وہی ہے سو اس میں پھر اسی حقیقت کا اعادہ و تکرار ہے کہ زمین و آسمان کی اس ساری کائنات کا خالق و مالک بلا شرکتِ غیرے اللہ رب العزت ہی ہے۔ لیکن کلمہ گو مشرک نے اسکے باوجود اسکے حصے بخرے کر کے طرح طرح کی شرکیات کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ نیز اس حقیقت کے اظہار و بیان اور تاکید و تکرار سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جب آسمان و زمین کی یہ ساری کائنات اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے تو اس میں حکم اور قانون بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلے گا۔ اسکے ملک اور اسکی حکومت اور کائنات میں اسکے حکم و قانون کیخلاف کوئی حکم اور قانون چلانا کھلا ظلم ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ نیز جو لوگ اس کے حکم و ارشاد کی خلاف ورزی کریں گے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔ تو وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑیں گے کہ وہ اس ساری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے خالق و مالک ہے۔ اس کے اوامر و ارشادات کی اِتباع و پیروی میں خود انسان کا اپنا ہی بھلا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت کے اس ابدی جہان میں بھی۔ اور اس سے اعراض و روگردانی میں خود اسی کا نقصان ہے۔ والعیاذ باللہ جل وعلا، بکل حالٍ من الاحوال

۳۳۹ اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنیٰ اور حمد کا حوالہ و ذکر: سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ بڑا ہی بے نیاز ہر تعریف کا حقدار ہے۔ پس نہ تو تمہارے ایمان و اطاعت سے اس کی خدائی میں ذرہ برابر کوئی اضافہ ہو سکتا ہے، اور نہ ہی تمہارے کفر و

معصیت سے - والعیاذ باللہ - اس میں ذرہ برابر کوئی نقصان اور فرق واقع ہوسکتا ہے۔ یہ سب کچھ تو تم لوگ خود اپنے ہی لئے کر رہے ہو۔ اور وہ تمہیں ایمان وشکر کی جو دعوت دیتا اور تلقین فرماتا ہے تو محض اس لئے کہ تاکہ اس سے خود تمہارا بھلا ہو۔ اور یہ اس کی رحمت وعنایت کا تقاضا ہے کہ وہ رحمان ورحیم ہے، نہ کہ اس میں اس کے کسی فائدے کا کوئی سوال، کہ وہ غنیِ مطلق اور حمیدِ مطلق اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - پس جو کوئی اسکے آگے جھکے گا اور اسکی عبادت و بندگی کے شرف سے مشرف ہوگا وہ اپنے ہی بھلے اور بہتری کا سامان کرے گا۔ اور جو اس سے منہ موڑے گا - والعیاذ باللہ - تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ اللّٰهُمَّ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى من القول و العمل، بکُلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

۳۲۰ کائنات میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے: - سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ آسمان وزمین کی اس پوری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے کہ اس سب کا خالق بھی وہی ہے، مالک بھی وہی۔ اور اس میں حکم و تصرف بھی اسی کا چلتا ہے۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک وسہیم نہیں۔ پس اسی پر اعتماد ویقین رکھنا عقل ونقل اور مومن کے ایمان کا تقاضا ہے۔ پس بڑے بہکے بھٹکے اور سخت گمراہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے طرح طرح کی دوسری ہستیوں کو اس کا شریک وسہیم ٹھہرا رکھا ہے - تبارک وتعالیٰ - اور وہ بھی جو اسکی اس خدائی اور کائنات میں اسکے حکم وقانون کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق حکم وقانون چلاتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ - پس جب یہ ساری کائنات مخلوق بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی ہے۔ اس میں حاکم وفرمانروا اور متصرف بھی وہی ہے۔ تو اس میں حکم وقانون بھی اسی وحدہٗ لاشریک کا چلے گا۔ اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہوسکتا - سبحانہٗ وتعالیٰ - اب دیکھیے کہ قرآن بار بار اور اعادہ وتکرار کے ساتھ بیان کر رہا ہے کہ زمین وآسمان کی اس ساری کائنات میں جو بھی کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے لیکن اسکے باوجود آج کے جاہل مسلمان نے طرح طرح کے من گھڑت ناموں سے مختلف سرکاریں گھڑ رکھی ہیں اور ان کے لئے مختلف علاقے اور ایریے الاٹ کر رکھے ہیں کہ یہ فلاں کی نگری اور یہ فلاں کا ایریا وغیرہ وغیرہ - فالی اللہ المشتکیٰ - وھو المستعان

۳۲۱ خدمتِ دین کی سعادت اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ اگر چاہے تو وہ تم سب کو لے جائے [اے لوگو] اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ اس پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ پس وہ اگر چاہے تو اوروں کو لا کر ان سے اپنے دین کا کام لے لے۔ سو وہ تمہارا کوئی محتاج نہیں - سبحانہٗ وتعالیٰ - تمہیں اگر اس کے دین کی خدمت کی سعادت نصیب ہوتی ہے تو اسے تم لوگ اپنی خوش نصیبی وسعادت سمجھو۔ ورنہ اس کا کوئی کام تم پر اٹکا ہوا نہیں ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - منت منہ کہ خدمتِ سلطان میکنی - منت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت - اللہ زندگی کا ہر لمحہ اپنی مرضیات پر چلنے اور اسکو اپنے دینِ حق کی خدمت میں صرف کرنے کی توفیق بخشے - آمین ثم آمین یا رب العالمین۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ وہ اگر چاہے تو تم سب کو لے جائے اے لوگو! اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے کہ اس قادرِ مطلق کے لئے ایسا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ اس کی شان ''کن فیکون'' کی ہے۔ یعنی جو فرمایا وہ ہوگیا - جَلَّ وَ عَلَا شَانُهٗ - پس تم لوگوں کو خدمتِ دین کی جو فرصت ملی ہے اس کو غنیمت سمجھو - اور دل وجان سے اسکے شکر گزار رہو، وباللہ التوفیق لما یحب ویرید،

الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ

تو (یہ اس کی اپنی ہی محرومی اور کم ظرفی ہو گی ورنہ) ۳۴۲ اللہ کے پاس تو دنیا کا بدلہ بھی ہے، اور آخرت کا بھی، اور اللہ

١٩ ع ٨ ١٦

اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا

سب کچھ سنتا دیکھتا ہے، ۳۴۳ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ہو جاؤ تم قائم

قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

کرنے والے انصاف کو ۳۴۴ (حق کے) گواہ بن کر ۳۴۵ اللہ (کی رضا) کے لئے ۳۴۶ اگرچہ وہ تمہاری اپنی ذات ہی کے خلاف کیوں نہ ہو

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا

یا اس کی زد تمہارے اپنے ماں باپ، یا رشتہ داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو، اگر وہ شخص مالدار ہے، یا غریب ۳۴۷ تو (تم اس کی

۳۴۲ دنیا ہی کو اپنا مقصود بنا لینا ہولناک خسارہ، والعیاذ باللہ: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی دنیا ہی کا بدلہ چاہے گا تو [وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ ورنہ] اللہ کے پاس تو دنیا کا بدلہ بھی ہے اور آخرت کا بھی۔ سو متاعِ دنیا ہی کو مقصد بنانے والے نے اپنا ہی نقصان کیا کہ اس نے آخرت کی اعلیٰ وارفع اور دائمی وابدی نعمتوں کے مقابلے میں دنیا کی ادنیٰ وحقیر اور فانی وزائل نعمتوں کو پیشِ نظر رکھا، جنکی آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں کوئی حقیقت اور حیثیت ہی نہیں۔ سو ایسی فانی اور بے حقیقت چیز کو آخرت کی بے مثال اور دائمی نعمتوں کے مقابلے میں مقصدِ حیات بنالینا ایک بڑا ہی ہولناک خسارہ ونقصان ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف ارشاد فرمایا گیا کہ جو دنیا ہی کے صلے کا طالب ہو گا اس کو اس کی چاہت کے مطابق دنیا ہی کا صلہ ملے گا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہو گا ﴿وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ اور دنیا میں بھی اس کو وہی کچھ ملے گا جو اللہ چاہیگا جیسا کہ دوسرے موقع پر اس کی تصریح فرمائی گئی ﴿عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾ سو صرف دنیا ہی کو مقصد بنانا بڑے ہولناک خسارے کا باعث ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

۳۴۳ اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے: -لہٰذا اس سے تمہاری کوئی بھی حالت اور کیفیت کبھی بھی اور کسی بھی طرح مخفی اور پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ سو وہ تمہاری دعاؤں اور التجاؤں کو بھی خوب سنتا جانتا ہے۔ اور تمہارے احوال وکوائف کو بھی پوری طرح دیکھتا ہے۔ اس لیے تم لوگوں کو ہمیشہ اس امر کا خیال رکھنا اور اسی کی کوشش میں رہنا چاہیئے کہ اس سمیع وبصیر سے تمہارا معاملہ صحیح رہے۔ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن اور نیت کے لحاظ سے بھی کہ رجوع بہرحال اسی کی طرف کرنا اور اسکے یہاں جواب دینا ہے۔ نیز وہ سمیع وبصیر خداوند قدوس نہ کسی کی دعاء وفریاد سے غافل وبے خبر ہے اور نہ کسی کی حالت اور حاجت اس سے مخفی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ پس اسکو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے وسیلے اور واسطے مت گھڑو۔ والعیاذ باللہ جل وعلا

۳۲۴ عدل و انصاف کو قائم کرنے کا حکم و اِرشاد :- سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ۔ کہ اسی پر تمہاری دارین کی فلاح موقوف ہے اور یہی تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کے ایمان کا تقاضا اور حاصل یہی ہے کہ وہ عدل و انصاف کے قائم کرنے والا بنے۔ کہ عدل و انصاف کے قیام ہی پر آسمان اور زمین کا سارا نظام قائم و موقوف ہے اور اب چونکہ عدل و انصاف کی میزان وہ کتابِ حکیم ہے جسکو حضرتِ حق - جل مجدہٗ - نے اپنی آخری اور کامل کتاب کی صورت میں قیامت تک کی سب دنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لیے اتارا ہے۔ اسکے بغیر عدل و انصاف کا قیام ممکن ہی نہیں۔ اس لیے تمہارا ہر قول و فعل شریعت کے اسی باٹ پر تلا ہوا ہونا چاہیئے اور وہ عدل و انصاف کا نمونہ اور اسکی مثال ہونا چاہیۓ - تاکہ دوسرے اسکی پیروی کر سکیں اور اسکی مثال دے سکیں، وباللہ التوفیق

۳۲۵ حق کے گواہ بننے کی ہدایت و تلقین :- سو ایمان والوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ تم لوگ انصاف قائم کرنے والے بن جاؤ حق کے گواہ بن کر۔ کہ صحیح فیصلہ بنیادی طور پر اسی پر موقوف اور منحصر ہوتا ہے کہ گواہی سچ اور حق ہو۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گواہ ہی دراصل قاضی ہوتے ہیں ''اَلشُّھُوْدُ ھُمُ الْقُضَاۃُ'' اور اس کامل اور آخری شریعت کے حامل اور علمبردار چونکہ تم ہی لوگ ہو، اس لیے تمہارا قول و فعل شریعت کے عین مطابق ہے۔ نیز شہادتِ حق چونکہ تمہاری ذمہ داری ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر اِرشاد فرمایا گیا ﴿وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ سو تمہارا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ تم عدل و انصاف پر قائم رہو، بلکہ تمہاری ذمہ داری اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم عدل و انصاف کو قائم کرنے والے بنو کہ تم لوگ اللہ کی طرف سے اس کے داعی اور گواہ بھی ہو۔ اور اس کو قائم کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے اسکی توفیق وعنایت سے نوازے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین، ویاارحم الراحمین

۳۲۶ گواہی اللہ کی رضاء کیلئے :- سو ایمان والوں سے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ انصاف کو قائم کرنے والے بن جاؤ حق کے گواہ بن کر اللہ کی رضا کے لیے۔ اس کے سوا دوسری کوئی غرض یا مفاد تمہارے پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ اللہ پاک کی رضاء و خوشنودی ہی تمہارا اصل مقصود ہو کہ اسکی رضاء و خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے- اللہ نصیب فرمائے- آمین۔ اور اسکی رضاء و خوشنودی کیلئے گواہی دینے ہی سے عدل و انصاف کا قیام ممکن ہوسکتا ہے۔ سو شہادت و گواہی محض اللہ کی رضاء کے لئے ہونی چاہیۓ، تاکہ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو سکے کہ شہادتِ حق مسلمانوں کی دینی اور ایمانی ذمہ داری ہے، تاکہ اس طرح امن و امان کی فضاء قائم ہو اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو- وباللہ التوفیق لما یحب ویرید- وعلٰی ما یحب و یرید، بکلِ حالٍ من الاحوال، وفی کلِ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

۳۲۷ حق کی گواہی بغیر کسی رُو رعایت کے :- سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم حق کی گواہی دو اللہ کی رضاء کے لیے اگرچہ وہ شخص جس کے بارے میں تم گواہی دے رہے ہو۔ پس تم کسی کے حال کی پرواہ مت کرو، خواہ وہ امیر ہو یا غریب۔ تم بہرحال عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق گواہی دینے والے بنو۔ پس یہ جائز نہیں کہ امیر کے لئے اور باٹ سے تولو اور غریب کے لئے اور باٹ سے۔ قوی اور بااثر لوگوں کے لئے الگ قانون و شریعت ہو، اور کمزور و بے اثر لوگوں کے لئے الگ۔ بلکہ سب کے لئے اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل و انصاف کے مطابق ایک ہی معاملہ کرو کہ اللہ کا حق سب پر یکساں ہے، اور اس کا حق دوسرے تمام حقوق سے بڑا ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ- اللہ اسکو کما حقہٗ ادا کرنے کی توفیق بخشے، اٰمین ثم اٰمین

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

پرواہ نہ کرو کہ) اللہ بہرحال ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے، ۳۴۸ پس تم انصاف کرنے میں خواہش کی پیروی میں نہ پڑ جانا،

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا ۳۴۹ یا پہلو تہی کی، تو (اس کا بھگتان تمہیں بہرحال بھگتنا ہوگا کہ) بے شک اللہ پوری خبر رکھتا ہے

خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

ان سب کاموں کی جو تم لوگ کرتے ہو، ۳۵۰ اے ایمان (کا دعویٰ کرنے) والو، تم لوگ (سچے دل سے) ایمان لاؤ اللہ پر، اس

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

کے رسول پر، ۳۵۱ اور اس کی اس کتاب پر، جو اس نے اب اتاری ہے اپنے رسول پر، اور اسکی ان تمام کتابوں پر

الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

جو اس نے اتاری ہیں اس سے پہلے ۳۵۲ اور (یاد رکھو کہ) جس نے کفر کیا اللہ سے، اس کے فرشتوں،

۳۴۸ **اللہ سب سے زیادہ خیر خواہ ہے:-** کہ وہ رحمان ورحیم بھی ہے اور علیم وخبیر بھی۔ اور ودود وکریم بھی۔ اور سب کا خالق و مالک بھی - سبحانہ وتعالیٰ - اس لئے تم ایسے لوگوں کا خیال رکھنے اور انکی طرف داری کرنے کی بجائے حق و انصاف کا خیال رکھو اور اسی کی پاسداری کرو کہ خیر بہرحال اسی میں ہے کہ گواہی حق وانصاف کے مطابق ہو۔ پس تمہاری گواہی اگر کسی کے خلاف جاتی ہو تو بھی تمہیں اس کی کوئی پرواہ اور کسی طرح کی کوئی رورعایت نہیں کرنی چاہئے کہ بہتری بہرحال اللہ ہی کے حکم و ارشاد میں ہے۔ اس خالق و مالک سے بڑھ کر خیر خواہ اور کون ہو سکتا ہے - سبحانہ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۳۴۹ **گواہی میں کج بیانی سے بچنے کی ہدایت:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تم نے کج بیانی سے کام لیا کہ ایسی پیچ دار یا گول مول بات کی جس سے حق واضح نہ ہو سکے۔ سو یہ شہادت اور نظامِ شہادت کو بگاڑنے کی ایک شکل ہے۔ جس سے حق اور ادائیگی حق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ یہود نے اسی کا ارتکاب کیا اور انہوں نے شہادتِ حق میں کج بیانی سے کام لیکر اس کو بگاڑا۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۷۸ میں بیان فرمایا گیا۔ پس تم لوگ خواہشات کی پیروی سے بچ کر رہنا۔ کیونکہ تم نے اگر اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر خواہشاتِ نفس کی پیروی کی تو تم اس عدل وقسط سے ہٹ جاؤ گے جس پر اللہ نے تم کو قائم کیا ہے اور جس کی دعوت اور شہادت پر تم لوگوں کو مامور کیا گیا ہے۔ اور جس میں سب کے حقوق محفوظ اور سب کا بھلا ہے۔

۳۵۰ **گواہی سے اِعراض برتنے اور منہ موڑنے کی ممانعت:-** سو ارشاد فرمایا گیا کہ یا تم نے گواہی دینے

سے پہلو تہی کی کہ تم نے سرے سے گواہی دینے ہی سے منہ موڑ لیا، اور کنی کترا گئے، جسکے نتیجے میں حقدار اپنے حق سے محروم ہوگیا، اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔سو گواہی کے سلسلہ میں کج بیانی اور روگردانی کی یہ دونوں صورتیں ممنوع اور گواہی کے تقاضوں کیخلاف ہیں۔ اگر کسی نے ان میں سے کسی کا بھی ارتکاب کیا وہ اپنے خالق و مالک کی گرفت و پکڑ سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ خبیرِ مطلق ایسے لوگوں کی ہر حرکت سے پوری طرح واقف وآگاہ ہے۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ بہرکیف اس ارشاد سے نظامِ قسط کو بگاڑنے کی دو شکلوں کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔ ایک یہ کہ اس کو کج کرنے اور بگاڑنے اور مسخ کرنے کی کوشش کی جائے جیسا کہ یہود نے کیا اور جس کا ذکر سورۂ اٰلِ عمران نمبر ۷ میں ﴿یَلْوٗنَ اَلْسِنَتَھُمْ بِالْکِتَابِ﴾ کے الفاظ سے کیا گیا ہے، اور دوسری شکل اس کی یہ ہے کہ اس کی صورت کو تو نہ بگاڑا جائے لیکن اس سے اعراض اور روگردانی برتی جائے اور زندگی کے معاملات میں اس کو کوئی اہمیت نہ دی جائے۔ سو فرمایا گیا کہ ان دونوں شکلوں میں سے جس ظلم کا بھی ارتکاب تم لوگ کروگے اس کا بھگتان تم کو بہرحال بھگتنا پڑے گا اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے، اس سے کسی کی کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔

۳۵۱ ایمان پر ثابت قدمی کا حکم وارشاد: ۔سو اس سے ایمان والوں کو ایمان پر ثابت و مستقیم رہنے کی ہدایت کی گئی اور حکم ارشاد فرمایا گیا۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ ایمان والو ایمان لاؤ تم اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس کی اس کتاب پر جو اس نے اتاری ہے اپنے رسول پر۔ یعنی قرآنِ حکیم، جو کہ سب سے کامل اور سب کی جامع اور سب کی ناسخ کتاب ہے۔ اور جس کو اب اس خدائے مہربان نے حضرت امام الانبیاء ﷺ۔ پر اتارا ہے۔ (روح، صفوۃ، وغیرہ)۔ سو سچے دل سے تم لوگ ان سب پر ایمان لاؤ، اور اس ایمان پر ثابت و مستقیم رہو کہ یہی راستہ ہے دارین کی سعادت و سرخروئی سے بہرہ مندی و سرفرازی کا ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے خطاب میں فعل اپنے ابتدائی اور ظاہری معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور اپنے حقیقی اور کامل مفہوم میں بھی۔ یہاں پر مسلمان من حیث الجماعت اس کے مخاطب ہیں جس میں خام و پختہ، ناقص و کامل اور مخلص و منافق وغیرہ سب ہی عناصر شامل ہیں۔ ان سب کو خطاب کر کے تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو تم سچے اور پکے مومن بن جاؤ۔ گویا خطاب تو عام ہے لیکن روئے سخن خام کاروں اور مدعیوں کی طرف ہے۔ اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین

۳۵۲ الکتاب سے مراد جنسِ کتاب: ۔یعنی "الکتاب" سے یہاں پر جنسِ کتاب مراد ہے نہ کہ کوئی خاص کتاب (جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، وغیرہ)۔ اور ان کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اپنے وقتوں میں یہ سب سچی اور برحق کتابیں تھیں۔ اور انسانی ہدایت انہی سے وابستہ تھی۔ مگر قرآنِ پاک کے نزول کے بعد اب یہ سب منسوخ ہوگئی ہیں۔ اب ان کا صرف وہی حکم قابلِ عمل اور قابلِ قبول ہوسکتا ہے جو قرآنی تعلیمات سے متصادم نہ ہو۔ کیونکہ سابقہ نبوتوں کی طرح یہ کتابیں بھی خاص خاص ادوار کیلئے تھیں، نہ کہ ابدی اور دائمی۔ اسی لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پاک۔سبحانہٗ وتعالیٰ۔ نے اپنے ذمے نہیں لی تھی۔ بلکہ ان ہی لوگوں کے علماء و مشائخ پر ڈالی تھی۔ جبکہ قرآنِ پاک کی حفاظت اس نے خود اپنے ذمے لی ہے کہ اس کتابِ حکیم نے قیامت تک باقی رہنا ہے اور دنیا کو راہِ حق و صواب دکھانی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [الحجر:۹]۔ سو اب قیامت تک ہدایت اسی سے وابستگی میں ہے، وباللہ التوفیق۔

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ

اور کتابوں سے، اور اس کے رسولوں (کی رسالت) اور قیامت کے دن کا، تو یقیناً وہ (حق و ہدایت کی سیدھی راہ سے) بھٹک کر

بَعِيْدًا ۝۱۳۶ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ

جا پڑا دور کی گمراہی میں، ۳۵۳ بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر وہ کافر ہو گئے، پھر ایمان لائے، پھر

كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

کافر ہو گئے، پھر وہ بڑھتے ہی چلے گئے اپنے کفر میں، ۳۵۴ تو ایسوں کی نہ تو اللہ بخشش فرمائے گا،

۳۵۳ منکرِ حق بہت دور کی گمراہی میں - والعیاذُ باللہ:- سو ایسے لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہیں جہاں سے سچی توبہ اور رجوع الی الحق کے بغیر انکی واپسی ممکن ہی نہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور ایسا عادۃً اور عام طور پر ہوتا نہیں کہ ایسے لوگوں کے دل سیاہ اور مسخ ہو جاتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اور ایسے سیاہ بختوں کو حق اور ہدایت کی طرف رجوع کی توفیق نہیں ملتی، جس سے دائمی محرومی کا شکار ہو کر ایسے لوگ ہلاکت و تباہی کے دائمی گڑھے میں جا گرتے ہیں - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - بہرکیف اس اِرشادِ ربانی سے اس کلمۂ جامعہ کی طرف اشارہ فرما دیا گیا جو امت وسط اور امتِ قائم بالقسط کا کلمہ ہے۔ یعنی بلا کسی تفریق کے تمام انبیاء و رسل، اور تمام آسمانی صحیفوں پر ایمان لانا۔ جو اس بات کی شہادت ہے کہ یہ امت عدل و قسط پر قائم ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح کے تعصب اور تحزب کے جنون میں مبتلا نہیں کہ اس طرح تعصب اور تحزب کے جنون کے باعث راہِ حق و عدل سے ہٹ جائیں - وباللہ التوفیق لما یحب و یرید - وعلیٰ ما یحب و یرید، بکل حال من الاحوال، وھو الہادی الی سواء السبیل

۳۵۴ ایمان کے بعد کفر کی شناعت و قباحت:- بعض حضراتِ مفسرین نے اس سے یہود مراد لئے ہیں، اور بعض نے منافقین۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس اِرشاد و بیان کو الفاظ کے عموم و اِطلاق کے مطابق عام رکھا جائے، کہ جو بھی اس شنیع و قبیح طریقے کو اپنائے گا اور اختیار کرے گا اس کا یہی حکم اور یہی حال اور یہی مآل ہو گا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو دولتِ ایمان سے سرفرازی کے بعد ظلمتِ کفر کو اپنانا بڑا ہی شنیع و قبیح اور ہلاکت و تباہی میں ڈالنے والا امر ہے جو خساروں کا خسارہ اور ابدی ہلاکت و تباہی کا باعث ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - بہرکیف اہلِ ایمان کے صحیح موقف کو واضح کرنے کے بعد اب اس اِرشاد سے منافقین وغیرہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سو اِرشاد فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا اور اس کے بعد وہ اپنے کفر ہی میں بڑھتے چلے گئے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - سو ایسے لوگ مغفرت و بخشش اور ہدایتِ خداوندی کے سزاوار نہیں ہو سکتے۔ سو ایسے منافقوں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دو جو ان کو اپنی منافقت کی پاداش میں بھگتنا ہو گا - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یا ربَّ العالمین

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ

اور نہ ہی انہیں وہ نصیب فرمائے گا (حق وہدایت کی) کوئی راہ ۳۵۵ خوشخبری سنا دو، ان منافق لوگوں کو اس بات کی کہ ان کے لئے ایک

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

بڑا ہی دردناک عذاب (تیار) ہے ۳۵۶ جنہوں نے (ایمان کے دعوؤں کے باوجود) کافروں کو اپنا دوست بنا رکھا ہے،

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ

ایمان والوں کو چھوڑ کر ۳۵۷ کیا یہ لوگ ان کے یہاں عزت ڈھونڈتے ہیں؟ تو (یہ یقین جان لیں کہ)

فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

بے شک عزت سب کی سب اللہ ہی کے لئے ہے، ۳۵۸ اور اس نے نازل فرمایا ہے تم پر اپنی کتاب میں

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ

(یہ حکم وارشاد) ۳۵۹ کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے، اور

۳۵۵ ایمان کے بعد کفر انتہائی ہولناک محرومی - والعیاذ باللہ: سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان کے بعد کفر وانکار کا ارتکاب کرنے والوں کی اللہ نہ بخشش فرمائے گا اور نہ ہی ایسے لوگوں کو وہ حق وہدایت کی کوئی راہ نصیب فرمائے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاص اور سچی توبہ پر بھی ان کی بخشش نہیں ہوگی کہ سچی توبہ کے بعد تو وہ غفور ورحیم سب گناہ معاف فرما دیتا ہے، بلکہ مطلب اسکا یہ ہے کہ ایسوں کو انکی اپنی بدباطنی کے سبب سچی توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - جسکے باعث وہ کفر وانکار ہی پر بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اسکے نتیجے میں وہ مغفرت وبخشش خداوندی اور راہ حق وہدایت سے محروم ہو کر ہلاکت وتباہی کے دائمی گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ اور اس طرح وہ ہمیشہ ہمیش کے خسارے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ سو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایمان کے بعد کفر کتنا بڑا جرم اور کس قدر ہولناک محرومی ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۳۵۶ منافقوں کیلئے دردناک عذاب کی خوشخبری، والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ خوشخبری سنا دو منافقوں کو اس بات کی کہ ان کے لیے ایک بڑا ہی دردناک عذاب ہے۔ کہ انہوں نے ایمان کا لیبل لگا کر اپنے اندر کفر کو چھپائے رکھا، اور توبہ واستغفار کی سیدھی وصحیح راہ اختیار کرنے کی بجائے انہوں نے اپنے کفر ونفاق پر اصرار کے طریقے ہی کو اپنائے رکھا۔ اور ایسے لوگوں کا کفر کھلے کافروں سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہے۔ اس لیے ایسوں کیلئے بڑا دردناک عذاب ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - ایسے منافق زیادہ تر اہل کتاب بالخصوص یہود میں سے ہی تھے اور انہی کے زیر اثر بھی۔ سو اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو ان کے ایمان وکفر کا ایک کھیل تو وہ ہے جو انہوں نے اس سے پہلے تورات کے ساتھ کھیلا۔ اور دوسرا وہ جو ایسے لوگ اب اسلام کے ساتھ کھیل رہے ہیں کہ پہلے آگے بڑھ کر اس کو جاننے کا اعلان کیا اور پھر دن رات اس کے خلاف

سازشوں میں لگ گئے جس سے ان کا جرم اور سنگین ہو گیا جس سے سنگین عذاب کے مستحق ٹھہرے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم-

۳۵۷ **منافقوں کی ایک واضح نشانی کا ذکر و بیان**:- سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کفار ومشرکین کو دوست بنانا منافقوں کی نشانی ہے، والعیاذ باللہ سو ان منافقوں کی خاص صفت کی ذکر و بیان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا کہ جو کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں ایمان والوں کو چھوڑ کر۔ پس مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار کے ساتھ دل کی دوستی اور تعلق جائز نہیں۔ البتہ ظاہری میل ملاپ اور کاروبار، جو معاشرتی تقاضوں کے مطابق کرنا پڑتا ہے اس کا معاملہ الگ ہے۔ وہ ممنوع نہیں۔ اسکی اجازت ہے۔ مگر ان سے دلی دوستی رکھنا ایمان کے منافی اور کفر و نفاق کی علامت ہے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- بہرکیف یہاں پر منافقوں کی اس صفت اور خصلت کو بیان فرمایا گیا کہ یہ لوگ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ اہلِ ایمان کیلئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ سو ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بنانا منافقوں کی نشانی ہے- والعیاذ باللہ العظیم- اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، امین

۳۵۸ **عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے ہے**:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ ان [کفار و مشرکین] کے یہاں عزت ڈھونڈتے ہیں؟ سو ایسوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ عزت سب یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے عزت سے نوازے۔ پس کفار و مشرکین کی طرف جھکنے کی بجائے تم لوگ سچے ایمان اور نیک عمل کے ذریعے اللہ والے بن جاؤ- تاکہ اس کے یہاں سے تم سچی اور حقیقی عزت سے سرفراز ہو سکو- اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا التَّوْفِيْقَ لِذَالِکَ وَ الثَّبَاتَ عَلَيْهِ وَالْاِسْتِقَامَةَ- سو اس ارشادِ ربانی میں دورِ حاضر سمیت ہر دور کے لوگوں کیلئے یہ درسِ عبرت و بصیرت ہے کہ عزت، اہلِ کفر و باطل کے ساتھ دوستی لگانے میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق اور اس کی عبادت و بندگی میں ہے- وباللہ التوفیق- سو وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو عزت کی طلب و تلاش میں اللہ کے دشمنوں اور ایمان و یقین سے محروم لوگوں کی طرف دوستی اور محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۳۵۹ **بددینوں کی مجلسوں سے اجتناب و ابتعاد کا حکم و ارشاد**:- سو اس سے بددینوں کی مجلسوں سے اِبتعاد و اِجتناب کے حکم کی تذکیر و یاد دہانی فرمائی گئی ہے۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ اس نے یہ حکم اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے۔ کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بحثی سے کام لیتے ہیں تو تم ان سے کنارہ کشی اختیار کر لو، یہاں تک کہ وہ کسی اور کام میں لگ جائیں۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے جو کہ مکی سورتوں میں سے ہے کہ اس کی آیت نمبر ۶۸ میں اس کی تصریح ہے۔ حضراتِ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ انعام کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ﴾ الآیۃ [الانعام: ۶۸] جسکے بعد مسلمانوں نے انکی مجلسوں میں بیٹھنا چھوڑ دیا لیکن پھر جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں یہود اور منافقین کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے۔ اور یہ لوگ اور خاص کر یہود بھی قرآن کا مذاق اڑاتے تھے تو اس موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اور اس کے ذریعے ان کو ایسے تمام بددینوں کی مجلسوں سے اِجتناب و اِبتعاد کا وہ گزشتہ حکم یاد دلایا گیا تو وہ انکی ہم نشینی سے رک گئے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ بہرکیف اس ارشاد سے بددینوں کی ہم نشینی سے اِبتعاد و اِجتناب سے متعلق گزشتہ حکم کی یاد دہانی فرما دی گئی۔ اللہ ہمیشہ اور ہر طرح سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ

ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، تو تم مت بیٹھو ایسے (بدبخت) لوگوں کے ساتھ ف۳۶۰ یہاں تک کہ وہ لگ جائیں کسی

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

اور بات میں، نہیں تو ایسی صورت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے ف۳۶۱ بلاشبہ اللہ نے اکٹھا کر کے لانا ہے

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَاۨ ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ

(چھپے کافروں یعنی) منافقوں، اور کھلے کافروں، کو جہنم میں یکجا کر کے، ف۳۶۲ جو (اپنے بغض و عناد کی بناء پر)

يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

تمہاری تاک میں لگے رہتے ہیں، پس اگر تم کو کوئی فتح (و کامیابی) نصیب ہو جائے اللہ کی طرف سے، تو یہ تم سے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ شامل نہیں تھے؟ ف۳۶۳ اور اگر (اس کے برعکس کبھی) کافروں کو کوئی حصہ مل جائے، تو یہ (ان سے)

۳۶۰ بے دینوں اور بد دینوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ نے تم لوگوں پر اپنی کتاب میں یہ حکم وارشاد نازل فرمایا ہے کہ جب تم لوگ سنو کہ اللہ کی آیتوں کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ایسے بدبخت لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں ورنہ تم لوگ بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ پس کفار و مشرکین اور ان تمام دوسرے ملحد و بے دین لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنا جائز نہیں جو دینِ حق کا مذاق اڑاتے ہوں اور جو راہِ حق و صواب سے ہٹے ہوئے ہوں۔ جیسے قادیانی، چکڑالوی، رافضی اور قبر پرست، بدعتی، وغیرہ وغیرہ۔ کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان لوگوں سے دل کا تعلق جوڑنا ایک سچے اور باغیرت مسلمان کے لئے نہ جائز ہے اور نہ ہی اس کی شان کے لائق کہ ان کے ساتھ بیٹھنے اور ان سے میل جول رکھنے سے ان کے کفر و باطل کی سیاہی کے اثرات بد انسان پر پڑتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -سو اہلِ زیغ و ضلال کے ساتھ بیٹھنا جب کہ اس سے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو حرام ہے۔ اسی طرح اگر ان کے ساتھ بیٹھنے سے اس بات کا ابہام ہوتا ہو کہ وہ ان لوگوں کے کرتوتوں سے راضی اور خوش ہے تو اس صورت میں بھی ان کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے۔ ہاں اگر اس کا مقصد لوگوں کی اصلاح یا ان کی تردید ہو تو اس صورت میں ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا حرام نہیں ہو گا، کیونکہ یہ بیٹھنا بغرضِ اصلاح و انکار ہے جو کہ تعلیماتِ دین کی رو سے مطلوب و مقصود ہے۔ اسکے بغیر ان کے ساتھ بیٹھنا باطن کی سیاہی کا باعث ہے -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، امین ثم امین

۳۶۱ بد مذہبوں کی ہم نشینی کے اثرات بہت برے: -سو ارشاد فرمایا گیا کہ تم ان کے ساتھ مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہی

جیسے ہو جاؤ گے۔ سو دیکھا بدمذہبوں کی مجالست اور ہم نشینی آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے ایسوں کے ساتھ دلی تعلق و محبت حرام ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ کیونکہ انکی ہم نشینی اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم لوگ ان کے کفر اور ان کے مذاق اڑانے کے اس کافرانہ فعل سے راضی ہو جو کہ ظاہر ہے کفر ہے۔ جس کے نتیجے میں تم لوگ بھی اسی عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے جو کہ کافروں کیلئے مقرر ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس اِرشادِ ربانی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کافروں اور انکی کفریات سے راضی ہونا کفر ہے۔ (محاسن التاویل)۔ حاکم کی روایت کے مطابق حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دورِ حکومت میں کچھ لوگوں کو شراب پیتے ہوئے پکڑا گیا تو آپؒ نے حکم دیا کہ ان سب کو شربِ خمر کی حد لگائی جائے۔ اس پر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ان میں ایک روزے دار بھی تھا۔ تو اس پر آپؒ نے یہی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی۔ یہاں تک کہ آپؒ ﴿اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ پر پہنچ گئے۔ (محاسن وغیرہ)۔ اس لیے ایسے لوگوں کی ہمنشینی سے دور اور نفور رہنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرید۔ وعلٰی ما یحب ویرید، بکل حال من الاحوال، وفی کل موطن من المواطن فی الحیاۃ،

۳۶۲ کافروں اور منافقوں دونوں کا انجام جہنم: ۔ کہ کفر و باطل، حق اور اہلِ حق سے عداوت و دشمنی میں یہ دونوں گروہ باہم ایک تھے اور ایک ہیں۔ اس لئے ان کا مآل اور انجام و ٹھکانا بھی ایک ہی ہوگا۔ یعنی دوزخ۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ سو کافروں کے ساتھ مل بیٹھنے سے جب فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو یہ حرام ہے۔ لیکن جب انکی مخالطت و مجالست سے انکی تردید و اِنکار اور ان کی اِصلاح کی غرض سے ہو تو یہ نہ صرف جائز بلکہ موجبِ اَجر و ثواب ہے۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو جو کوئی ایسے لوگوں کے ساتھ مل بیٹھتا ہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں تو اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کافروں کا ہوگا۔ بہرحال منافقوں کا منافقانہ ایمان اس روز ان کے کچھ کام نہیں آئے گا کہ وہ جہاں کشفِ حقائق اور ظہورِ نتائج کا جہاں ہوگا۔ جہاں ان کے اس منافقانہ ایمان کی قلعی کھل جائیگی اور ان کا انجام بھی کھلے کافروں کی طرح ہوگا۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین

۳۶۳ ابناءِ دنیا کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ: ۔ اس لئے ابنائے دنیا کی سب دوستیاں اور تعلقداریاں دنیائے دوں کے عارضی اور مادی فائدوں ہی کیلئے ہوتی ہیں۔ سو ایسے لوگ فتح کے موقع پر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔؟ یعنی ضرور تھے۔ پس ہمیں بھی تمہارے ساتھ حصہ ملنا چاہیئے مالِ غنیمت وغیرہ میں سے۔ اور یہی حال ہوتا ہے ابنائے دنیا کا کہ ان کی سب تعلقداریاں دنیائے دوں کے عارضی اور مادی فوائد و منافع ہی کے لیے ہوتی اور اس کے گرد گھومتی ہیں۔ وہ جہاں بھی اور جیسے بھی ملیں یہ ادھر ہی ہو جاتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ دنیا ہی ان کا معبود اور قبلہ مقصود ہوتی ہے۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ یہ منافق چونکہ اسلام اور مسلمانوں کے بدخواہ ہیں اس لئے یہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کو کوئی افتاد پیش آئے ان کو کوئی ٹھوکر لگے اور یہ شکست کھا جائیں وغیرہ۔ اور اگر کہیں مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جائے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم بھی تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ یعنی ضرور تھے۔ لہٰذا فتح کے فوائد و منافع میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ سو ایمان سے محروم ابنائے دنیا کے نزدیک یہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ ان کی ساری تگ و دو اسی کے لیے ہوتی ہے۔ یہ اسی کیلیے جیتے اور اسی کیلیے مرتے ہیں۔ کل بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کج فکری اور کج روی کی ہر شکل سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ آمین۔ ثم اٰمین یا رب العالمین

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ

کہتے ہیں کہ کیا ہم تم لوگوں پر غالب نہ آنے لگے تھے، اور کیا ہم نے تم کو بچایا نہیں مسلمانوں سے؟ ۳۶۴ پس اللہ ہی (حقیقی

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

اور عملی) فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ۳۶۵ اور اللہ (سبحانہٗ وتعالیٰ) ہرگز نہیں کرے گا کافروں کے لئے

۳۶۴ **منافقوں کی منافقت کا ایک اور مظہر:** - کہ یہ لوگ مسلمانوں کی شکست کی صورت میں کافروں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم لوگوں پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا۔ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر، اور ان کی ہمتیں پست کر کے۔ پس تمہیں حاصل ہونے والے فوائد میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ اس لئے ہمارا حصہ ہمیں دو۔ سو اس طرح ایسے لوگ اگرچہ اپنے طور پر بڑے ہوشیار اور چالاک بنتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہی ان کی بڑی حماقت اور محرومی ہوتی ہے کہ اس سے ایک طرف تو یہ جہاد فی سبیل اللہ کے شرف سے محروم ہو کر دنیائے دوں کے گھٹیا مفادات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف یہ اس معنوی لذت اور حقیقی عزت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں جو مومنِ صادق اور مجاہد فی سبیل اللہ کو ملتی ہے۔ نیز اس طرح یہ لوگ راہِ حق وصواب سے اور بھی دور اور اس سے محروم تر ہوتے جاتے ہیں اور انجام کار دوزخ کے عذابِ الیم میں مبتلاء ہو کر یہ دائمی خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - نیز ایسے لوگوں کی اس منافقت کا پول بھی جلد ہی کھل جاتا ہے جس سے ان کا کہیں بھی کوئی وزن اور اعتبار باقی نہیں رہتا۔ سو منافقت میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - اور ایمان و یقین کی سچی قوت انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ مند کرتی ہے۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ جبکہ منافق کیلیے دونوں جہانوں کا خسارہ ہے - وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - اللہ اپنی پناہ میں رکھے - آمین ثم آمین۔ یارب العالمین

۳۶۵ **آخری اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہی ہوگا:** - سو ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ ہی فیصلہ فرمائے گا تم لوگوں کے درمیان قیامت کے دن، کہ آخری اور عملی فیصلے کا دن وہی ہے اور اللہ کا فیصلہ عینِ حق اور صواب ہوتا ہے: ایسا صحیح فیصلہ جو کہ ان کے جرمِ نفاق کے عین مطابق ہوگا اور اس وقت ان کا یہ منافقانہ دعوٰی ایمان انکے کچھ بھی کام نہ آسکے گا۔ سو اس وحدہٗ لاشریک کا فیصلہ عینِ حق اور صواب ہوگا۔ اور یہ صرف اسی کے فیصلے کی شان ہو سکتی ہے جس میں نہ کوئی لاگ لپٹ ہوگی اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی تسویف اور اِمہال و تخفیف۔ اور نہ کسی حیل وحجت اور قیل وقال کا کوئی سوال پیدا ہوگا۔ بہرکیف اِرشاد فرمایا گیا کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر کہیں دشمن کا پلہ بھاری ہو جائے تو یہ ان کے پاس پہنچتے ہیں اور ان کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ تو ہماری تدبیر تھی کہ ہم نے تم کو مسلمانوں سے محفوظ رکھا۔ ہم نے تمہیں مسلمانوں سے اس طرح بچائے رکھا کہ وہ تم پر کھل کر حملہ نہ کر سکیں اور ان کا پورا دباؤ تم پر نہ پڑ سکے۔ سو اس پر اِرشاد فرمایا گیا کہ آج تو یہ لوگ اپنی اس طرح کی منافقانہ سخن سازیوں سے کام چلا رہے ہیں، لیکن ایک دن ایسا آئیگا کہ سارے حالات بے نقاب ہو جائیں گے۔ اس دن اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان آخری فیصلہ فرمائے گا۔ تب تمہیں سب کچھ خود معلوم ہو جائے گا۔ سو آج اگر لوگ نہیں مانتے تو پھر اسی یوم فصل کا انتظار کرو۔

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ ع إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ يُخٰدِعُونَ

اہلِ ایمان کے مقابلے میں کوئی راہ، ۳۶۶ بے شک منافق لوگ دھوکہ دیتے ہیں

اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا

اللہ کو، ۳۶۷ حالانکہ دھوکہ اس کی طرف سے خود ان کو لگ رہا ہے ۳۶۸ اور (ان کی اس منافقت کی بناء پر ان کا حال یہ ہے کہ) جب یہ لوگ

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا

نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ۳۶۹ تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، محض لوگوں کو دکھلانے کے لئے، اور یہ لوگ اللہ کو یاد

قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ

نہیں کرتے مگر بہت تھوڑا، ۳۷۰ (محض دکھلاوے کے لئے) ڈانواڈول ہیں، ۳۷۱ یہ لوگ (کفر و اسلام کے) اس بیچ، نہ ادھر

وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ

کے رہے اور نہ ہی اُدھر کے، ۳۷۲ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے (اس کی اپنی بدنیتی کی بناء پر) تو تم اس کے لئے ہرگز

۳۶۶ کافروں کیلئے کوئی راہ نہیں ہوسکتی:- سو اسے واضح فرما دیا گیا کہ کافروں کیلئے اہلِ ایمان کے مقابلے میں کوئی راہ نہیں ہوسکتی نہ دلیل و حجت کے اعتبار سے کہ حق اور ایمان کے مقابلے میں کفر و باطل کی کوئی دلیل ہو ہی کیا سکتی ہے؟ اور نہ ہی کسی ایسے غلبہ و زور کے اعتبار سے کہ وہ اہلِ حق کا استیصال کر دیں۔ اور نہ آخرت میں حکم و فیصلہ کے اعتبار سے کہ وہاں فیصلہ حق اور حقیقت کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ محض ظاہر داری اور زبانی کلامی دعووں پر۔ اور حق و ہدایت کے نور سے یہ لوگ محروم ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ -تو پھر ان کیلئے ایمان والوں کے مقابلے میں کوئی راہ ممکن ہی کیسے ہوسکتی ہے؟ جبکہ ایمان والے خوش نصیب دولتِ ایمان سے سرفراز اور نورِ ایمان سے منور ہیں۔ یہاں پر حجت اور سند کو سبیل سے تعبیر فرمایا گیا ہے کیونکہ حجت اور دلیل صحیح راہ اور غلبہ سے سرفراز کرنے والی شیء ہے۔ (محاسن وغیرہ)۔ اور دین و ایمان سے محروم انسان صحیح راستے سے بھی محروم ہے اور دلیل و سند کی حجت و قوت سے بھی۔

۳۶۷ منافقوں کی دھوکہ دہی کا بیان:- سو ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک منافق لوگ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو۔ سو یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اپنے ایمان کا زبانی دعوٰی کر کے کہ اس طرح وہ مسلمانوں کے زمرے میں شامل ہو کر اپنی جان و مال کو بچا لیتے ہیں۔ اور اس طرح یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کفر و نفاق کا کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ سو اس طرح یہ لوگ اپنی منافقت کی دلدل میں اور پھنستے اور دھنستے چلے جاتے ہیں اور اپنی محرومی میں اور پکے ہوتے جاتے ہیں- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْم- سو یہ منافق لوگ اپنے باطن کے کفر کو چھپا کر اور زبانی کلامی اپنے ایمان کا اظہار کر کے

اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جو کہ خود ان کی اپنی حماقت وسفاہت اور خرد باختگی کی دلیل ہے۔ بھلا جو ذاتِ اقدس و اعلیٰ دلوں کے اندر چھپے ہوئے رازوں تک کو جانتی ہو، اس کو دھوکہ دینا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟ - سبحانہٗ و تعالیٰ - اللہ تعالیٰ زیغ و ضلال کی ہر قسم سے ہمیشہ محفوظ رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۶۸ منافق لوگ خود دھوکے میں، والعیاذُ باللہ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ یہ لوگ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو، حالانکہ دھوکہ اس کی طرف سے خود ان کو لگ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ بے پایاں اور کرم لامتناہی سے ان کو ڈھیل دے رہا ہے تاکہ یہ لوگ اس موقع کو غنیمت جان کر سنبھل جائیں، اور اپنی اصلاح کر لیں۔ یا پھر ان کا ناسور پوری طرح پک کر آخری آپریشن کے قابل ہو جائے۔ مگر یہ منافق لوگ اس کی اس ڈھیل کو اپنی روش کے درست ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح یہ حق سے اور دور ہوتے چلے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں آخر کار یہ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں جا گریں گے۔ بلاغت کے مشہور قاعدے صنعتِ مشاکلت یعنی باہم، ہم شکل ہونے کی بناء پر اس معاملہ کو خداع (دھوکہ) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ورنہ درحقیقت نہ یہ دھوکہ ہے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی شان ہی دھوکہ دینا ہے۔ اسکی شانِ اقدس و اعلیٰ ایسے تمام تصورات سے بری و پاک اور کہیں اعلیٰ و بالا ہے۔ سبحانہٗ و تعالیٰ - سو منافق لوگ اپنی منافقت اور دھوکہ دہی سے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا دستور یہی ہے کہ جو لوگ اس طرح کی منافقانہ چال چلتے ہیں ان کو وہ دنیا میں رسوائی سے ہمکنار کرتا ہے اور آخرت میں وہاں عذاب میں ڈالے گا۔ (المراغی وغیرہ) - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - سو سعادت و سرفرازی سچے پکے ایمان میں ہے ورنہ محرومی ہی محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۳۶۹ منافقوں کی منافقانہ نماز ان پر ایک بوجھ: - سو ارشاد فرمایا گیا کہ جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ نفاق کا ایک طبعی اور منطقی اثر اور نتیجہ ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ تو ثواب کی امید ہوتی ہے اور نہ اخروی عتاب کا خوف۔ تو پھر اس کا شوق اور حقیقی رغبت انہیں آئے تو کیسے اور کہاں سے؟ اور اس طرح ان کے یہ ظاہری عمل جو یہ لوگوں کو دکھلانے اور دھوکہ دینے کیلئے کرتے ہیں وہ ان کیلئے خواہ مخواہ کی ایک "فٹیک" بن کر رہ جاتے ہیں۔ سو یہ ان کے نفاق کی ایک نقد سزا ہے جو ایسے لوگ برابر بھگت رہے ہوتے ہیں - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو منافقوں کی یہ منافقانہ نماز ان پر ایک ایسا بوجھ اور ثقلِ ثقیل ہوتا ہے جو ان کو اپنی منافقت کی بناء پر خواہ مخواہ اٹھانا پڑتا ہے جبکہ مؤمنِ صادق اپنے ایمان و یقین کی برکت سے اور اس کی بناء پر اپنی نماز پورے شوق و ذوق سے اور رحمت و رضائے خداوندی کے حصول اور اس سے سرفرازی کی نیت و ارادہ سے پڑھتا ہے۔ جس سے ایک طرف تو وہ اپنے لئے ذخیرۂ آخرت جمع کرتا اور اس میں اضافہ کرتا جاتا ہے جو کہ اصل مقصد ہے کہ یہ رضائے خداوندی کے حصول اور اس سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔ اور دوسری طرف اس کو اس سے سکون و اطمینانِ قلب کی دولت ملتی ہے۔ سو یہ ایک نقد صلہ و انعام ہے جو مؤمنِ صادق کو اپنی پنجگانہ نماز سے ملتا ہے۔ سو ایمان و یقین کی دولت انسان کو دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز کرنے والی دولت ہے جب کہ کفر و نفاق کی نحوست دارین کی محرومی اور ہلاکت و تباہی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۲۷۰ منافقوں کی نماز محض دکھلاوے کیلئے، والعیاذُ باللہ:- پس جہاں دکھلاوے کا موقع ہوا، وہاں کر لیا۔ اور جہاں نہ ہوا نہ کیا۔ بخلاف مومنِ صادق کے، کہ وہ ہمیشہ اللہ پاک کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے کہ اللہ پاک کا ذکر اور اسکی یادِ دلشاد ان کیلئے روحانی غذا اور ان کے دلوں کیلئے تسکین کا سامان ہوتی ہے۔ بخلاف مومن کے کہ وہ لذتِ ایمانی سے محرومی کے باعث محض دکھلاوے کی نماز پڑھتا ہے۔ اس لیے وہ وہی نماز پڑھے گا جس میں اسکے لیے دکھلاوے کا موقع ہو اور جہاں ایسے نہیں ہوگا وہاں وہ نماز نہیں پڑھے گا۔ اسی لیے صحیحین وغیرہ کی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ منافقوں کیلئے سب سے زیادہ ثقیل اور بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے۔ سو منافقوں کی نماز ان کی دھوکہ بازی کا ایک نمونہ اور مثال ہے۔ وہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو طبیعت پر جبر کر کے کسمساتے ہوئے محض دکھلاوے کے لئے اٹھتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم بکل حالٍ من الاحوال، وفی کُلِّ مَوْطِنٍ مِّنَ المواطن فی الحیاۃ،

۲۷۱ منافقوں کو ان کے نفاق کی ایک نقد سزا:- کہ یہ لوگ ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ نہ ادھر کے ہوتے ہیں، اور نہ ادھر کے۔ بلکہ ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح ہوتے ہیں کہ کبھی ہوا کے جھونکوں نے یہاں مارا، کبھی وہاں پٹکا۔ سکون واطمینان اور امن وقرار کی دولت سے یہ لوگ محروم اور بے قرار ہی رہتے ہیں- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ- سو یہ نفاق کی ایک فوری اور نقد سزا ہے جو منافق کو اس کے اپنے ہی اختیار کردہ نفاق کی بناء پر یہاں ملتی رہتی ہے -وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ -سو ایمان سے محرومی امان وسکون سمیت ہر خیر سے محرومی ہے- والعیاذ باللہ- اور ایمان ویقین کی دولت سے بہرہ مندی وسرفرازی دارین کی سعادت وسرخروئی کی کفیل وضامن ہے۔ ''ذَبْذَبَ'' کے معنی کسی چیز کو حرکت پر حرکت دینے کے ہوتے ہیں۔ ''ذَبْذَبَ الشَّیْءَ'' اس وقت بولتے ہیں جب کہ فضاء میں ٹنگی ہوئی کسی چیز کو حرکت دی جاتی ہے۔ ایسی چیز چونکہ لگاتار ہلتی اور حرکت کرتی رہتی ہے اس لئے اس کو اس لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سو یہی حال ہوتا ہے منافق کا۔ وہ ہر وقت ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ اس کو کسی بھی طرف قرار نہیں ہوتا اور ''مذبذب'' اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو ہر طرف سے دھتکارا جائے۔ جس سے وہ نہ اِدھر کا رہتا ہے نہ اُدھر کا۔ (محاسن التاویل وغیرہ)۔ سو اس طرح منافقوں کو ان کے نفاق کی یہ ایک نقد سزا برابر ملتی رہتی ہے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم- اللہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اپنی حفاظت وپناہ میں رکھے، آمین ثم آمین یارب العالمین

۲۷۲ منافقوں کو ایک اور نقد سزا، بے اعتباری:- کہ نہ اِدھر ان کا کوئی اعتبار نہ اُدھر۔ نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ دورخی کی جس پالیسی کو یہ لوگ اپنی چالاکی سمجھتے ہیں وہ الٹا ان کو اس درجہ ذلیل و بے قدر کر کے کہیں کا بھی نہیں رہنے دیتی۔ اس طرح یہ ان کے نفاق کی ایک اور سزا ہے جو ان کو یہیں ملتی رہتی ہے کہ نہ ان کا کوئی وزن ہوتا ہے نہ اعتبار کہ مومن تو یہ ہوتے نہیں لیکن ایمان کے زبانی کلامی دعوے کی بناء پر یہ کافروں کا اعتماد بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ سو منافقت کی جس روش کو یہ لوگ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ انکی حماقت کا کھلا ثبوت ہوتی ہے، مگر منافقت کی وجہ سے انکی مت ایسی ماردی جاتی ہے کہ ان کو یہ حقیقت سمجھ نہیں آتی اور یہ برابر اسی ڈگر پر چلتے رہتے ہیں- والعیاذُ باللہ العظیم- بکلِّ حالٍ من الاحوال، وفی کلِّ موطنٍ من المواطن فی الحیاۃ،

سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟

کوئی راہ نہ پا سکو گے، ف۳۷۳ اے ایمان والو (خبردار!) کہیں تم بھی (منافقوں کی طرح)

ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ

کافروں کو اپنا دوست نہ بنا لینا، ایمان والوں کو چھوڑ کر، ف۳۷۴ کیا تم لوگ یہ

أَن تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ

چاہتے ہو کہ (اس طرح کر کے) تم لوگ اپنے اوپر اللہ کے لئے کھلی حجت قائم کر لو؟ ف۳۷۵ بے شک

ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن

منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، ف۳۷۶ اور تم ہرگز

تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟

نہ پا سکو گے ان کے لئے کوئی (یار و) مددگار ف۳۷۷ بجز ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی (اپنے کفر و نفاق سے،) اور انہوں نے اصلاح کر لی

وَٱعْتَصَمُوا۟ بِٱللَّهِ وَأَخْلَصُوا۟ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ

(اپنے عمل و کردار کی،) اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کے دین) کو ف۳۷۸ اور انہوں نے خالص کر لیا اپنے دین (و حکم برداری) کو اللہ کے لئے ف۳۷۹ تو ایسے لوگ

مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ

ساتھ ہوں گے ایمانداروں کے (نعیم جنت میں،) اور عنقریب ہی اللہ نواز دے گا ایمان والوں کو

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَّا يَفْعَلُ ٱللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن

اجرِ عظیم سے، ف۳۸۰ اللہ کیا کرے گا تم کو عذاب دے کر (اے لوگو!) اگر تم شکر گزاری سے

۳۷۳ بدنیتوں کیلئے راہِ حق سے محرومی، والعیاذ باللہ: سو ارشاد فرمایا گیا کہ جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کیلئے تم کوئی راہ نہیں پا سکو گے جس سے اس کی بگڑی بن سکے، اور یہ راہِ حق و صواب کی طرف رجوع کر سکے کہ یہ طلبِ صادق کی دولت سے ہی محروم و بے بہرہ ہے۔ اور مزید یہ کہ اپنے سوءِ اختیار کی بناء پر انہوں نے اپنے باطن کو مزید سیاہ کر دیا ہے۔ تو پھر ایسوں کو راہِ حق و ہدایت ملے تو کس طرح اور کیونکر؟ سو ایسے بدبختوں کیلئے تم کوئی راہ نہیں پا سکو گے اور یہ

ہمیشہ کفر و باطل کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ- سوایسوں کی محرومی ان کی اپنی بدنیتی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت- ﷺ - نے اِرشادفرمایا کہ منافق کی مثال اس حیران و پریشان بکری کی سی ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے۔ کبھی اس طرف جاتی ہے کبھی اس طرف۔ (مسلم: کتاب صفات المنافق)۔ سومنافق لوگ اپنے پاؤں پر کلہاڑا خود مارتے ہیں -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۳۲۴ کافروں کی دوستی سے ممانعت :-سو اس سے ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت فرما دی گئی، سو ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ کہیں تم لوگ کافروں کو اپنا دوست نہیں بنانا ایمان والوں کو چھوڑ کر۔ کہ تمہارے ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ پس کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح کفر کے جراثیم تمہارے اندر بھی سرایت کر جائیں اور اس کے نتیجے میں تم کفر کی راہ پر چل کر ہمیشہ کے خسارے میں پڑ جاؤ- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - پس تم لوگ کفر اور کفار کے ایسے خطرات سے ہمیشہ محتاط رہنا ﴿مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کی قید سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کفار کو دوست اور حلیف بنانا اسی صورت میں منع ہے جب کہ یہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر اور ان کے بالمقابل ہو اور اگر یہ صورت نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، جیسا کہ ظاہر اور اس قید کا تقاضا ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب و یرید

۳۲۵ کفار سے دوستی باعثِ خسارہ والعیاذُ باللہ :-سو اس سے واضح فرما دیا گیا کہ کفار سے دوستی باعث خسارہ ہے، کہ ایسوں سے دوستی اپنے اوپر اللہ کیلئے حجت قائم کرنا ہے سو ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ اس طرح کر کے تم اپنے اوپر اللہ کے لیے کھلی حجت قائم کر لو؟ کہ دعویٰ تو کرو تم ایمان کا اور دوستی کا دم بھرو کفار سے۔ اور اس طرح اللہ کے حکم کی خلاف ورزی و نافرمانی کر کے تم اس کے عذاب کو دعوت دو؟ استفہام اِنکار اور تنبیہ و تذکیر کیلئے ہے۔ یعنی تم لوگ کہیں ایسا نہیں کر لینا کہ اس کا نتیجہ تمہارے لیے بہت ہولناک ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - کیونکہ اگر تم نے مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کو دوست بنانے کے اس جرم کا ارتکاب کر لیا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ - تو یاد رکھو کہ یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں بلکہ اس کے ارتکاب کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی کھلی اور قطعی حجت دے دی جس کے بعد تمہارے لئے کسی عذر معذرت اور حیل و حجت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جائیگی۔ کہ اس صورت میں تمہارا کفر بالکل قطعی اور تمہارا دوزخ کا مستحق ہو جانا بالکل ظاہر اور مبرہن ہو جائے گا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -بکل حال من الاحوال

۳۲۶ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں، والعیاذُ باللہ :- سو ارشاد فرمایا گیا اور حرف تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہونگے۔ جس کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہوگا، اور یہ اس لئے کہ منافق کا پوشیدہ کفر کھلے کافر کے کفر سے زیادہ سنگین اور خطرناک ہے کہ یہ لوگ مارِ آستین ہیں۔ اور انہوں نے کفر کے ساتھ کذب و استہزاء کو بھی جمع کیا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کا انجام سب سے برا ہوگا- وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ - "دَرک" کے معنٰی کسی چیز کے سب سے نچلے حصے اور طبقے کے ہوتے ہیں "اَقْصٰی قعر الشئ" دوزخ کے سات طبقے ہونگے۔ سب سے نچلا طبقہ منافقوں کے لئے ہوگا جس کا عذاب سب سے زیادہ سخت ہوگا (معارف وغیرہ) -وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ -

۲۷۷ منافقوں کیلئے کوئی مددگار نہیں ہوگا: - سوارشاد فرمایا گیا کہ تم ان کے لیے ہرگز کوئی [یارو] مددگار نہیں پا سکو گے جوان کو عذاب سے بچا سکے یا کم از کم اس درکِ اسفل سے ہی نکال سکے۔ سوان کیلئے نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار جوان کے کچھ کام آسکے۔ اوران کو ہمیشہ کیلئے عذاب بھگتنا ہوگا - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ - سو یہ منافقین کے لئے سب سے آخری تنبیہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ کفرِ صریح کے مقابلے میں ان کا یہ تذبذبِ ایمانی بھی بہرحال کچھ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ سو فرمایا گیا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ یہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہونگے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم -

۲۷۸ منافقوں کیلئے سلامتی کی راہ کی نشاندہی: - سواس ارشاد سے ان لوگوں کے لیے صحت وسلامتی کی صحیح راہ کی نشاندہی فرمادی گئی ہے کہ یہ لوگ کفار کی دوستی کو چھوڑ کر اور تذبذب و تردد (کی دلدل) سے نکل کر۔ اللہ کے ارشادات پر صدقِ دل سے ایمان و یقین رکھیں۔ سو یہ ہے صحت وسلامتی کی وہ راہ جسکو اپنا کر منافق لوگ اپنا بھلا کر سکتے ہیں۔ جس میں بنیادی چیز ہے توبہ و استغفار۔ اس کے سوا کوئی بھی چیز ان کو اس ہولناک انجام سے نہیں بچا سکتی۔ اور اس توبہ کے لئے اِصلاحِ اَحوال اعتصام باللہ اور اِخلاصِ نیت وعمل اس کے بنیادی شرائط میں سے ہے۔ پس ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنی منافقانہ روش کو ترک کر کے حق و ہدایت کی اس راہ کو اپنائیں۔ جو سعادت دارَین سے سرفرازی کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

۲۷۹ اِخلاص کو اپنانے کی ہدایت: - سوارشاد فرمایا گیا کہ انہوں نے خالص کر لیا اپنے دین اور فرمانبرداری کو اللہ کے لیے کہ دین کا جو بھی حکم بجا لائیں، اس میں ریاء و نمود اور دکھلاوا وغیرہ چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کی خوشنودی ہی کو پیشِ نظر رکھیں۔ سو صدق و اخلاص کی راہ سلامتی اور نجات کی راہ ہے۔ پس یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پورے صدق و اخلاص سے کریں۔ اپنے سابقہ رویئے کی اِصلاح کریں۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مخلصانہ اِطاعت کریں۔ تب یہ مسلمانوں کے ساتھ اور ان کو ملنے والے اجر و ثواب میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ان کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یاربَّ العالمین

۲۸۰ اہلِ ایمان کیلئے اجرِ عظیم کی بشارت: - سوارشاد فرمایا گیا کہ عنقریب ہی اللہ نوازے گا ایمان والوں کو اجر عظیم سے کہ ان کو دنیا میں حیاتِ طیبہ کے نقد انعام کے علاوہ آخرت کے اس ابدی جہاں میں جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا گزر ہی ہوا ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ [السجدۃ: ۱۷] - اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِھَا بِمَحْضِ مَنِّکَ وَکَرَمِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَیَآ اَکْرَمَ الْاَکْرَمِیْنَ - سو ایمان و یقین دارین کی سعادت وسرخروئی کا ضامن و کفیل ہے اور اس سے محرومی دارَین کی محرومی ہے - وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - پس منافق لوگ اگر اپنے منافقانہ رویئے سے تائب ہو کر اپنی اِصلاح کر لیں اور صدق و اخلاص کی راہ کو اپنا لیں تو وہ بھی اہلِ ایمان کو ملنے والے اس اجرِ عظیم میں شریک ہو سکتے ہیں کہ اللہ پاک کی رحمت وعنایت سب کیلئے یکساں اور ایک برابر ہے - سبحانہٗ وتعالیٰ - مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ایسے لوگ اس سے منہ موڑ کر اپنی محرومی کا سامان کرتے ہیں وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ اٰمین ثم اٰمین

شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کام لو، اور (صدقِ دل سے) ایمان لے آؤ ۳۸۱ اور اللہ بڑا ہی قدر دان ۳۸۲ سب کچھ جاننے والا ہے ۳۸۳

۳۸۱ ایمانِ صادق کی دعوت ایک نہایت بلیغ انداز میں:- سو اِرشاد فرمایا گیا کہ اللہ تم لوگوں کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ آخر اس سے اس کی کیا غرض وابستہ ہوسکتی ہے؟ اور اس کا اس میں کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟ استفہام انکاری ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ نہ اس سے اس کی کوئی غرض وابستہ ہے اور نہ کوئی فائدہ مقصود ہے کیونکہ نہ تو اس کو تم سے کوئی نفع حاصل کرنا ہے، نہ کسی نقصان کا اس کو تم سے کوئی خطرہ ہوسکتا ہے، اور نہ اس نے تم سے کوئی بدلہ لینا ہے کہ وہ ایسے تمام تصورات سے اعلیٰ و بالا اور ان سب چیزوں سے پاک ہے۔ تو پھر وہ تم کو عذاب دے گا کیوں؟ اور عذاب دے کر کرے گا کیا؟ پس اس کا کام عذاب دینا نہیں، رحمت کرنا اور بخشش فرمانا ہے۔ یہ عذاب جو تم کو ملے گا وہ تو محض تمہارے اپنے کفر ونفاق اور معصیت و نافرمانی کا طبعی تقاضا اور لازمی نتیجہ ہوگا۔ اور اگر تم ایمان اور شکر گزاری کی راہ پر قائم رہے تو اس عذاب سے اس کے کرم کے طفیل خود تم محفوظ رہو گے۔ وہ بہر حال غفور و رحیم اور ستار و کریم ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - سو اس اِرشاد سے گزشتہ وعدۂ کریمہ کو پکا فرما دیا گیا، یعنی اگر تم لوگ صدق و اخلاص سے کام لو گے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سچے قدر دان اور شکر گزار بنو گے اور صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آؤ گے تو وہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا وہ تو بڑا ہی مہربان ہے- سبحانہٗ وتعالیٰ - اللہ ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے، امین ثم امین یارب العالمین

۳۸۲ اللہ بڑا ہی قدر دان ہے:- کہ اتنا بڑا مہربان و قدر دان کہ اسکی مہربانی اور اسکی عنایت و قدر دانی کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں اور یہ اسی کی شانِ قدر دانی ہے کہ وہ تھوڑے کیے پر بڑے اجر سے نوازتا ہے۔ محض نیکی کرنے کے ارادے پر ہی نیکی کے اجر و ثواب سے سرفراز فرما دیتا ہے اور نیکی کر لینے پر ایک کا اجر دس گنا، سو گنا، سات سو گنا، اور اس سے بھی کہیں زیادہ اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اور زندگی بھر کے گناہوں کی سیاہی کو وہ سچی توبہ کرنے پر ایک ہی بار دھو دیتا ہے۔ سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر کرم اور قدر دانی اور کیا ہوسکتی ہے؟ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ زندگی کی اس محدود فرصت میں کیے گئے محدود و مختصر عمل کے بدلے میں وہ جنت کی ان سدا بہار نعمتوں سے نوازتا ہے جن کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء- فَیَا لَهٗ مِنْ كَرَمٍ وَ یَا لَهٗ مِنْ عَطَآءٍ وَاِحْسَانٍ فَلَهُ الْحَمْدُ وَلَهُ الشُّكْرُ- لیکن وہ چونکہ شاکر اور قدر دان ہونے کے ساتھ ساتھ علیم و خبیر بھی ہے۔ اس لیے وہ پوری طرح جانتا ہے کہ کس کا عمل اور اسکی شکر گزاری کس درجے پر کس اجر کے لائق ہے؟ اور کس کا باطن کیسا ہے اور اسی کے مطابق وہ نوازتا اور عنایت فرماتا ہے۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ اس شاکر و علیم خداوندِ قدوس کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن دونوں کا معاملہ صحیح اور درست رکھا جائے- وباللہ التوفیق- سو ایمانِ صادق اور شکرِ نعم وہ دو اہم خصلتیں ہیں جو انسان کو خداوندِ قدوس کی خصوصی عنایات کا مورد و مستحق بنا دیتی ہیں کہ ان سے انسان کا باطن منور ہوتا ہے اور اسکی عقل کو جلا ملتی ہے۔ اور وہ راہِ حق و ہدایت کے تقاضوں کو صحیح طور پر سمجھتا اور پورا کرتا ہے- وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ جَلَّ وَعَلَا شَانُهٗ-

۳۸۳ اللہ سب کچھ جانتا ہے: -پس اس کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کس نے کیا عمل کیا؟ کس جذبہ و نیت سے کیا کن احوال و ظروف میں کیا؟ اور کس عمل کے اثرات کیا کچھ اور کب تک ہیں۔ ان سب امور کے پیش نظر وہ اس کی پوری اور حقیقی جزاء اور بدلہ سے نوازے گا۔ اور یہ سب کچھ صرف اسی کی شان ہے۔ اس لئے کسی عمل کا صحیح اور پورا بدلہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا اور کہیں سے مل ہی نہیں سکتا۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنے اس خالق و مالک سے اپنا معاملہ صحیح رکھے اور اس بات کو اپنا نصب العین بنائے کہ وہ علیم و خبیر خداوند قدوس مجھ سے ناراض نہ ہو جائے- سبحانہٗ و تعالیٰ- سو جب وہ انتہائی قدر دان بھی ہے اور ہر چیز کا علم بھی رکھتا ہے تو پھر تمہیں فکر و اندیشہ کاہے کا۔ پس جو کوئی اس کا شکر گزار اور فرمانبردار ہوگا اس کو وہ اپنی خاص رحمتوں اور عنایتوں سے نوازیگا۔ ایسے میں کسی عذاب و سزا کا کیا سوال؟ عذاب اور سزا تو اس کے یہاں سے صرف انہی محروم القسمت لوگوں کو ملے گی جو اس کے باغی و طاغی اور متمرد و سرکش ہوں گے- وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْم - پس دارین کی خیر اور فوز و فلاح اسی میں ہے کہ بندہ ہمیشہ اور ہر اعتبار سے اس کا بندہ بن کر رہے- وباللّٰہِ التوفیق لِمَا یُحِبُّ وَیُرِیْدُ وہو الہادی الی سواء السبیل- اللہ ہمیشہ اپنی رضاء کی راہوں پر ثابت قدم رکھے- اور نفس و شیطان کے ہر مکر و فریب سے ہمیشہ اور ہر لحاظ سے اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے، اٰمین ثم اٰمین یارب العالمین، ویاارحم الراحمین، ویااکرم الاکرمین۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ عملی ھٰذا خَالِصًا لِوَجْھِکَ الکریم،
وَاجْعَلْهُ اَخْلَصَ ما یکون، واَحبَّ ما یکون،
واجعله اَنْفَعَ ما یکون، و اوسع ما یکون،
فِانک انت الحنَّانُ المنَّان، ذُوالجلال والاکرام

❀❀❀❀
❀❀

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

عُمدة البيان في تفسير القرآن

المعروف

تفسیر المدنی (الکبیر)

جلد اول

(از قلم حقیقت رقم)

شیخ التفسیر حضرت مولانا ابوطاہر محمد اسحاق خان صاحب المدنی

(حفظه الله ورعاه وتقبل مساعيه وجعل أخراه خيراً من أولاه)

دار العلوم الاسلامیہ کشمیر الحرۃ
پلندری، ضلع سدھنوتی
آزاد کشمیر، پاکستان